مصر کی ملکہ
(قسط نمبر1)

اے حمید

فہرست

سنو پیارے بچو!

انسان کی تاریخ بڑی بڑی مزے دار، دل چسپ اور پر اسرار کہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ شروع میں انسان دیوتاؤں کے آگے بچوں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ اڑن کھٹولے بنا کر اڑا کرتے تھے۔ آدمی کی کھوپڑی کھول کر اسے دوبارا جوڑ دیا کرتے تھے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بابل و نینوا کی وادی میں ستاروں سے کچھ لوگ اتر کر آئے تھے۔ مصر کے جادوگر پتھر میں

جان ڈال دیتے تھے۔ ہم نے آپ کی دلچسپی اور آپ کی تاریخی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے دنیا کی ساری تاریخ میں سے انتہائی دلچسپ، پراسرار اور حیرت انگیز کہانیاں چن لی ہیں اور آپ کو قسط وار سناتے جائیں گے۔

ہماری پہلی کہانی قدیم ملک مصر سے شروع ہوتی ہیں۔ فرعون کو نجومیوں نے بتایا ہے کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو اسے ہلاک کر دے گا۔ فرعون کی ملکہ اپنے بیٹے کو خفیہ طور پر ایک ننھی سی کشتی میں ڈال کر دریائے نیل کی لہروں کے حوالے کر دیتی ہے۔ وہ لڑکا مصر کا شہزادہ ہے۔ مگر ایک ہی ماہی گیر کے جھونپڑے میں عنبر کے نام سے پرورش پاتا ہے۔ جوان ہو کر اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرعون کا بیٹا ہے۔ وہ اپنی ملکہ سے ملتا ہے۔ اس کا بے وفا دوست فرعون اور اس کی ملکہ کو قتل کروا کر خود فرعون بن بیٹھتا ہے اور عنبر کو جلاوطن کر دیتا ہے۔

عنبر اپنی ماں کی قبر پر جاتا ہے۔ وہاں ایک مقدس آواز اسے دعا دیتی ہے کہ وہ کبھی نہیں مرے گا اور قیامت تک زندہ رہے گا۔ عنبر ایک بار بادبانی جہاز پر سوار ہوتا ہے۔ صبح اٹھ کر دیکھتا ہے کہ جہاز کے سارے ملاح اور کپتان غائب ہیں۔ وہ جہاز پر اکیلا ہے اور جہاز بپھرے ہوئے سمندر میں اپنے آپ چلا جا رہا ہے۔

اے حمید

موت کی گود میں

دریائے نیل بڑی خاموشی سے بہہ رہا ہے۔

اس وقت آدھی رات گزر چکی ہے۔ قدیم مصر کے گہرے نیلے آسمان پر ستارے سفید موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ یہ زمانہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، آج سے پونے پانچ ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔ ہماری تہذیب کی تاریخ شروع ہو رہی ہے۔ یہ مصر کے فرعونوں کا زمانہ ہے۔ دریائے نیل کے نیلے پانی میں ستاروں کا عکس جھلملا رہا ہے۔ دریا کے کنارے کھجوروں کے جھنڈ دور تک چلے گئے

ہیں۔ کہیں زیتون کے درختوں کے جھاڑ ہیں اور کہیں انجیر کے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ تھیبس کا شہر سو رہا ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے لوگ اپنے اپنے کچے پکے گھروں میں آرام کر رہے ہیں۔ سنسان گلیوں میں کسی وقت پہریدار کی آواز گونج جاتی ہے۔

دریائے نیل کے کنارے، شہر سے باہر، ایک پختہ مکان میں زیتون کے تیل کا لیمپ جل رہا ہے۔ اس لیمپ کی روشنی میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت لکڑی کے صندوق میں سے پتھر ماپنے والا فیتہ تلاش کر رہی ہے۔ بارہ چودہ برس کا ایک نوعمر لڑکا جس کا نام عنبر ہے اس کے پاس کھڑا ہے۔ عنبر کا باپ وہاں سے چار پانچ میل دور صحرا میں ایک اہرام میں کام کر رہا ہے۔ عنبر کے باپ کا نام رجال ہے۔ وہ اہرام بنانے میں ماہر ہے۔ اہرام پتھروں کی اس تکونی عمارت کو کہتے ہیں جس میں مرے ہوئے فرعون کی لاش کو دوائیاں لگا کر غلاموں،

کنیزوں اور سونے چاندی کے زیوروں کے ساتھ دفن کر دیا جاتا ہے۔

عنبر اصل میں اس بوڑھی عورت اور بوڑھے باپ رجال کا بیٹا نہیں ہے۔ آج سے بارہ تیرہ برس پہلے عنبر انہیں دریائے نیل کی لہروں پر ایک ننھی سی کشتی میں بہتا ہوا ملا تھا۔ وہ زمانہ مصر کے ایک ظالم فرعون کا زمانہ تھا۔ نجومیوں نے فرعون کو بتایا تھا کہ اس کے محل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر اسے زہر دے کر ہلاک کر دے گا۔ فرعون نے حکم دیا کہ محل میں جو بھی نیا بچہ پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے۔ چار پانچ برس کے اندر اندر جتنے بچے محل میں پیدا ہوئے ان سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ آخر ایک رات فرعون کو پتا چل گیا تو وہ اسے ضرور قتل کرا دے گا۔ اس نے اپنی ایک کنیز کے ساتھ مل کر بچے کو ایک ننھی سی کشتی میں لٹایا اور دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا۔

اسے یقین تھا کہ اس کا بیٹا کسی نہ کسی کسان یا ماہی گیر کے ہاتھ آ جائے گا اور وہیں پرورش پائے گا۔ اس طرح وہ قتل ہونے سے بچ جائے گا اور کم از کم زندہ تو رہے گا۔ اگر خدا کو منظور ہوا اور زندگی رہی تو کبھی نہ کبھی اس کی بیٹے سے ضرور ملاقات ہو جائے گی۔ فرعون کو بچے کی پیدائش کا کوئی علم نہ ہوا۔ اسے یہی کہا گیا کہ ملکہ کے ہاں مردہ بچی پیدا ہوئی ہے جسے دفن کر دیا گیا ہے۔ ادھر ننھا عنبر شہزادہ گھاس پھونس کی بنی ہوئی چھوٹی سی کشتی میں دریا کی لہروں پر بہتا ہوا بہت آگے نکل گیا۔ دن چڑھا تو ادھیڑ عمر کا اہرام مصر کا انجینئر رجال دریا کنارے پتھر کٹوا رہا تھا کہ اس نے کشتی میں ایک بچے کو دیکھا۔ وہ اسے اٹھا کر گھر لے آیا۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کی بیوی بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ انہوں نے عنبر کو اپنے بچے کی طرح پالنا شروع کر دیا۔ اب عنبر اس گھر میں پل کر چودہ برس کا ہو گیا تھا۔ اسے بالکل

نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ ان کا بیٹا نہیں ہے بلکہ انہوں نے عنبر کو دریائے
نیل سے اٹھا کر پالا ہے۔ وہ رجال کو ہی اپنا اصلی باپ اور اس کی بیوی
کو اپنی ماں سمجھتا تھا۔ وہ دونوں بھی عنبر سے اپنے بچے کی طرح ہی پیار
کرتے تھے۔

عنبر اپنے باپ کے ساتھ ہی بچپن سے کام کرتا آیا تھا اور وہ بھی
اہرام بنانے کا کام سیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنے
باپ سے جنگلی بوٹیوں سے دوائیاں بنانے اور بیمار لوگوں کا علاج
کرنے کا ہنر بھی سیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس رات وہ بھی اپنے باپ
کے ساتھ شہر سے چار کوس کے فاصلے پر ایک نئے اہرام کی تعمیر کا کام کر
رہا تھا۔ اس کا باپ رجال ہمیشہ عنبر کو اپنے ساتھ کام پر رکھتا تھا۔
اچانک پتھروں کو ماپنے والا فیتہ ٹوٹ گیا۔ عنبر کے باپ نے اسے گھر
بھیجا کہ وہ صندوق میں سے نیا فیتہ لے آئے۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہو

کر گھر آیا اور ماں سے کہا کہ اسے ابا جان نے نیا فیتہ لینے بھیجا
ہے۔ اس کی ماں نے صندوق میں سے تلاش کے بعد نیا فیتہ نکال کر
دیا اور کہا:

”عنبر بیٹا یہ لو فیتہ۔۔۔ اور ہوشیار رہ کر واپس جانا“۔

عنبر نے ہنس کر کہا:

”فکر نہ کرو ماں، میں ایک انجینئر باپ کا بہادر بیٹا ہوں“۔

”خدا تمہاری حفاظت کرے بیٹا“

عنبر نے فیتہ جیب میں رکھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسے دوڑاتے
ہوئے دریائے نیل کے کنارے کے ساتھ ساتھ اہرام کی طرف روانہ
ہو گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ زیتون اور کھجوروں کے جھنڈ
اندھیرے کی سیاہ چادر اوڑھے دور سے بھوت معلوم ہو رہے تھے۔ مگر
عنبر کو کسی قسم کا خوف یا ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا اس لیے کہ وہ اپنے باپ

کے ساتھ اکثر راتوں کو کام کرتا رہتا تھا اور ادھر سے کوئی بار گزرا کرتا تھا۔

راستے میں ریت کے ایک اونچے ٹیلے کے دامن میں انجیروں کا ایک چھوٹا سا باغ تھا جس میں ایک جھونپڑی تھی۔ اس جھونپڑی میں اناطول نام کا ایک درویش رہتا تھا۔ اناطول درویش عنبر سے بہت پیار کرتا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ اناطول اپنی جھونپڑی کے سامنے بیٹھا خدا کی عبادت کر رہا تھا۔ عنبر نے گھوڑے پر قریب سے گزرتے ہوئے اسے سلام کیا اور آگے نکل گیا۔ اناطول نے آنکھیں کھول کر عنبر کو گھوڑے پر جاتے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اناطول درویش کو معلوم تھا کہ عنبر ملکہ نفریتی کا بیٹا ہے۔ وہ فرعون مصر کی اولاد ہے اور شہزادہ ہے۔ وہ انجینئر رجال کا اصلی بیٹا نہیں ہے۔ مگر اس نے عنبر کو کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ مصر کا شہزادہ ہے۔ کیونکہ اسے معلوم تھا، عنبر

کو بتانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر فرعون کو پتا چل گیا کہ اس کا بیٹا خفیہ طور پر رجال کے گھر میں پرورش پا رہا ہے تو وہ اسے گرفتار کروا کر ضرور قتل کروا دے گا۔ اب تک فرعون کتنے ہی محل میں پیدا ہونے والے شہزادوں کو قتل کروا چکا تھا۔

عنبر کو اہرام اب سامنے نظر آ رہا تھا جہاں اس کا باپ رجال دوسرے مزدوروں اور کاریگروں کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ فرعون کے حکم سے اس کے بوڑھے دادا کے لیے یہ اہرام خاص طور پر بنایا جا رہا تھا۔ کیونکہ دادا فرعون بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کی زندگی کا چراغ گل ہونے کو تھا اس لیے فرعون طاعون کے حکم سے اہرام جلدی سے جلدی تیار کروایا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عنبر کے باپ رجال کو راتوں کو بھی کام کرنا پڑ رہا تھا۔ عنبر نے اہرام میں پہنچ کر فیتہ اپنے باپ کے حوالے کیا اور خود بھی اس کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔

رجال بڑے بڑے کٹے ہوئے چورس پتھروں میں لوہے کی سینی سے نشان لگاتا جاتا تھا اور عنبر ان نشانوں پر یادداشت کے لیے سفید روغن پھیرتا جاتا تھا۔ دونوں باپ بیٹا اہرام کے نچلے تہ خانے میں کام کر رہے تھے۔ یہ وہ تہ خانہ تھا جس کے اندر بوڑھے فرعون کی لاش کو تابوت میں بند کر کے رکھا جانا تھا۔ تہ خانے کی دیواریں قیمتی پتھروں سے چن دی گئی تھیں۔ درمیان میں سنگ مرمر کا ایک شاندار چبوترا بنایا گیا تھا۔ اس چبوترے پر فرعون کے تابوت کو ہمیشہ کے لیے رکھ دیا جانا تھا۔ دیواروں کے طاقوں میں سونے کے شمعدان روشن تھے۔ اس تہ خانے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا جو ایک بہت بڑی پتھر کی سل تھی۔ تابوت کو تہ خانے میں رکھ دینے کے بعد اس سل کو آہستہ آہستہ اپنے آپ ہی بند ہو جانا تھا۔ اس کے بعد سل کو کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔

اس زمانے میں دستور تھا کہ بادشاہ مرتا تو اس کے نوکر، کنیزیں، کھانے پینے کا سامان، برتن، آرام کرنے کا پلنگ اور اس کے سونے جواہرات اس کے ساتھ ہی تہ خانے میں دفن کر دیے جاتے۔ کیونکہ کہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد اگلے جہان میں بادشاہ زندہ ہو جاتا ہے اور اسے ان تمام چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ پانچ ہزار سال بعد آج کے زمانے میں جب ان اہرام مصر کی کھدائی ہوئی اور آثار قدیمہ کے ماہر تہ خانوں کی پتھریلی سل توڑ کر اندر داخل ہوئے تو وہاں انہیں غلاموں اور کنیزوں کی لاشوں کے پنجر بھی ملے۔

ابھی تو ہم اس زمانے کا ذکر کر رہے ہیں۔ جب یہ اہرام تعمیر ہو رہے تھے۔

عنبر اپنے باپ رجال کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ ان کا گھریلو ملازم

پولکا چبوترے پر رکھی جانے والی سنگ مرمر کی سفید سل اٹھائے اندر داخل ہوا۔ اس نے سنگ مرمر کی سل زمین پر رکھی اور اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ پونچھ کر بولا:

''بڑے آقا، بادشاہوں کے مقبرے بناتے بناتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ اگر میں بادشاہ ہوتا تو کبھی اپنا مقبرہ نہ بناتا''۔

رجال نے مسکرا کر کہا:

''پولکا، اگر تم فرعون ہوتے تو میں تمہارا مقبرہ بڑا شاندار بناتا''۔

عنبر نے کہا:

پولکا، کیا خبر اگلے برس تم بادشاہ بن جاؤ''۔

ملازم پولکا جس کی عمر چالیس سال تھی اور جو ایک بیل کی طرح ہٹا کٹا تھا ہنس کر کہنے لگا:

''چھوٹے آقا عنبر، میری اتنی قسمت کہاں کہ میں بادشاہ بن جاؤں۔ میں تو غلام پیدا ہوا اور غلام ہی مروں گا''۔

بوڑھے رجال نے کہا:

''فکر نہ کرو پولکا، میں تمہاری لاش کو حنوط کروا کر بادشاہوں کے مقبرے میں ہی دفن کروں گا۔

پولکا قہقہہ مار کر ہنسا اور بولا:

''بڑے آقا، یہ پتھر دل مقبرے بادشاہوں ہی کو سلامت رہیں میرے لیے مٹی کی کچی قبر ہی بہت ہوگی۔ مگر کبھی کبھی دل میں خواہش ضرور پیدا ہوتی ہے کہ کاش، میں بھی بادشاہ ہوتا۔ پیٹ بھر کر مور، ہرن اور تیتر کا گوشت کھاتا۔ خرطوم کے سیب اور یوروشلم کی میٹھی انجیریں کھاتا اور نرم نرم بستر پر سوتا اور غلام مور کے پنکھوں سے مجھے ہوا دے رہے ہوتے''۔

"اچھا' ابھی تو اٹھ کر باہر سے پتھر اٹھا کر لاؤ۔ بادشاہ بننے کا خواب پھر دیکھ لینا"۔

پولکا زمین پر سے اٹھا اور اتنا کہہ کر باہر نکل گیا:

"ہائے ری قسمت، بے چارے پولکا۔ تیری قسمت میں تو پتھر ڈھونے ہی لکھیں ہیں"۔

اس کے جانے کے بعد بوڑھا جال اور عنبر دیر تک ہنستے رہے۔

پولکا ان کا بڑا وفادار غلام تھا۔ عنبر چھوٹا سا تھا جب رجال نے یہ غلام بابل کی منڈی سے خریدا تھا۔ اس زمانے میں بڑے بڑے شہروں میں ہر سال منڈیاں لگا کرتی تھیں جہاں گائے بھینسوں اور گھوڑوں کے ساتھ ساتھ غلام بھی بکا کرتے تھے۔ لوگ گھوڑوں اور مویشیوں کے ساتھ ساتھ اپنی پسند کے غلام بھی خرید کر گھروں کو لے جاتے تھے۔ امیر لوگ ان غلاموں سے بڑا سخت کام لیتے۔ وہ دن بھر ان سے

کھیتوں میں ہل چلواتے، گوڈی کرواتے، باغوں میں جانوروں کی طرح کام کرواتے اور بہت کم کھانے کو دیتے۔ سخت محنت اور کم خوراک کی وجہ سے غلام بہت جلد بیمار اور کمزور ہو کر مر جاتے۔ امیر لوگ ان کے مرنے کے بعد منڈی سے نیا غلام خرید لیتے۔

مگر بوڑھا رجال پولکا غلام سے بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔ وہ جو خود کھاتا وہی اپنے غلام پولکا کو دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ پولکا اپنے آقا رجال اور اس کے بیٹے عنبر اور اس کی بوڑھی ماں سے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا اور ان کی ذرا سی تکلیف پر اپنی جان قربان کرنے پر بھی تیار ہو جاتا۔ بوڑھے رجال نے پولکا غلام کو بھی نہیں بتایا تھا کہ عنبر اس کا اپنا بیٹا نہیں ہے بلکہ مصر کے شاہی محل کا شہزادہ ہے۔ عنبر کی ننھی سی کشتی میں سے اسے جو شاہی مہر ملی تھی وہ اس نے اور اس کی بیوی نے ایک پرانے صندوق میں سنبھال کر رکھی ہوئی

تھی۔

رات بھر اہرام میں کام کرنے کے بعد صبح کے وقت رجال، عنبر اور پولکا واپس اپنے گھر آ گئے۔ عنبر کی ماں نے ناشتہ تیار کر رکھا تھا۔ ناشتے میں اونٹ کے پائے کا شوربہ اور خمیری روٹی تھی۔ سب نے مل کر ناشتہ کیا اور کچھ دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ عنبر سو کر اٹھا تو دوپہر ہو رہی تھی۔ اس کا باپ رجال اور غلام پولکا ابھی تک سو رہے تھے۔ اس کی ماں دوپہر کا کھانا تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ عنبر نے غلیل ہاتھ میں لی اور باہر نکل آیا۔ پیچھے سے اس کی ماں نے آواز دی۔

''بیٹا عنبر زیادہ دور نہ جانا۔ کھانا تھوڑی دیر میں تیار ہونے والا ہے''۔

''میں دریا کنارے مرغابیاں مارنے جا رہا ہوں۔ ابھی واپس آ

جاؤں گا''۔

اس کی ماں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر عنبر کو روکا بھی تو وہ کبھی نہیں رکے گا۔

عنبر آخر شہزادہ تھا۔ ضد اور دلیری اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ شکار کا بھی بہت شوقین تھا۔ گھوڑ سواری بھی بہت پسند کرتا تھا۔ مگر اس وقت وہ پیدل ہی غلیل ہاتھ میں لیے دریائے نیل کے کنارے کنارے چل پڑا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ آسمان پر خلاف معمول ہلکے ہلکے بادل چھا رہے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دریائے نیل کا پانی بڑے سکون سے بہہ رہا تھا اور ماہی گیر کشتیوں میں بیٹھے مچھلیوں کا شکار کر رہے تھے۔

عنبر کو پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ عنبر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ یہ بوڑھا کوکوش تھا جو گھوڑوں کا چارہ فروخت کرتا تھا اور اس وقت اپنے

مکان کے آگے اگی ہوئی انگور کی بیل کو پانی دے رہا تھا۔

''سلام چچا''

''جیتے رہو بیٹا عنبر، کہاں جا رہے ہو اس وقت؟''

''مرغابیوں کا شکار کھیلنے جا رہا ہوں چچا''

''بیٹے جانوروں کو نہ مارا کرو۔ یہ تو قدرت کی معصوم بھولی بھالی نشانیاں ہیں''۔

''چچا کیا کروں مجھے شکار اچھا لگتا ہے''۔

''وہ تو ٹھیک ہے عنبر بیٹا، مگر کبھی کبھی جانوروں سے پیار بھی کیا کرو۔ یہ اچھی بات ہے''۔

''ابھی تو شکار کرلوں چچا، پھر پیار بھی کرلوں گا''۔

''تمہاری مرضی بیٹے، ویسے تم ہمیشہ من مانی کرتے ہو اور یہ کوئی اچھی بات نہیں''۔

مصر کی ملکہ

دونوں باتیں ہی کر رہے تھے کہ اچانک دریا کے اوپر کی طرف سے شور سا مچا اور ماہی گیروں نے اپنی کشتیاں کناروں کی طرف لانی شروع کر دیں۔

پھر شاہی غلاموں کا ایک بیڑا آیا اور اس نے ماہی گیروں کو ہنٹروں سے مارنا شروع کر دیا۔

''کمینو، بھاگو یہاں سے، تمہیں معلوم نہیں، شاہی ملکہ کی سواری آرہی ہے، بھاگو۔ دفعان ہو جاؤ یہاں سے''۔

ہی گیروں میں افراتفری مچ گئی اور دیکھتے دیکھتے دریائے نیل کی سطح بالکل خالی ہو گئی۔ عنبر نے گوگوش سے پوچھا:

''یہ شاہی سواری کس کی آرہی ہے بابا؟''

''میرے خیال میں ملکہ نفریتی کی سواری آرہی ہے۔ اندر آجاؤ عنبر، یہاں رکنا ٹھیک نہیں۔ ابھی شاہی غلام ہنٹر لے کر آجائیں

www.urdurasala.com

گے''۔

عنبر نے ضد کی کہ وہ وہیں کھڑا رہے گا اور دیکھے گا، کون غلام اس کو ہاتھ لگاتا ہے۔ مگر گوگوش اسے کھینچتا ہوا اندر لے گیا اور دروازہ بند کر دیا۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا؟ تمہیں معلوم نہیں، جب ملکہ کی سواری آتی ہے تو دریا پر کوئی چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی''۔

عنبر خاموش رہا اور کھڑکی کے سوراخ میں سے دریا کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر میں دریا کے اوپر کی جانب سے ملکہ مصر نفریتی کا شاہی بجرا نمودار ہوا۔

جب وہ گوگوش کے مکان کے قریب سے گزرا تو عنبر نے دیکھا کہ سینکڑوں کنیزوں کے جھرمٹ میں مصر کی باوقار ملکہ ایک عالی شان

عماری میں بیٹھی ہے اور کنیزیں مورچل ہلا رہی ہیں اور بار بار ارد گرد خوشبودار اور عطر چھڑک رہی ہیں۔

کافی فاصلے پر آگے آگے غلام اور فوج کے سپاہی راستہ صاف کرتے جا رہے ہیں۔ اچانک عنبر نے دروازہ کھولا اور دوڑ کر دریا کنارے جا کھڑا ہوا۔

یہ بڑی جرات کا کام ہی نہیں تھا بلکہ شاہی سواری کے خلاف ایک بہت بڑا جرم بھی تھا۔ ملکہ نے دیکھا کہ چودہ برس کا ایک خوبصورت لڑکا دریا کنارے کھڑا بڑے شوق سے ملکہ کی سواری کو دریا میں سے گزرتے دیکھ رہا ہے۔ ایک دم فوج کا سپہ سالار آگے بڑھا اور اس نے عنبر کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ ملکہ نے اسے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''لڑکے کو میرے پاس لاؤ''

عنبر کو ملکہ نفریتی کے حضور پیش کیا گیا۔ عنبر اسی ملکہ نفریتی کا بیٹا تھا۔ مگر وہ اس سے بے خبر تھی۔ ماں شاہی ملکہ کے لباس میں تھی اور بیٹا ایک معمولی کپڑوں میں ننگے پاؤں نلیل ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ لیکن خون آخر خون ہوتا ہے۔ ماں کے خون نے ایک بار تو جوش مارا۔ وہ ٹکٹکی باندھے عنبر کی نیلی آنکھوں اور سیاہ ریشمی بالوں کو دیکھنے لگی۔ پھر بولی :

''تم کون ہو؟''

عنبر نے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا:

''میں رجال اہرام بنانے والے کا بیٹا ہوں ملکہ''۔

''تم شاہی سواری کو دیکھ کر چھپے کیوں نہیں؟ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ملکہ کی سواری کے وقت جو کوئی باہر ہو اسے قتل کر دیا جاتا ہے؟''۔

''مجھے معلوم تھا ملکہ عالیہ''۔

''تو پھر تم مکان سے باہر کیوں آ گئے؟''

''ملکہ عالیہ کی شاہی سواری دیکھنے باہر آ گیا تھا''۔

''اور اگر تمہیں سپاہی قتل کر دیتے تو؟''

''میں ان کا مقابلہ کرتا ملکہ عالیہ''۔

یہ ایک دلیرانہ جواب تھا۔ ملکہ کے خون نے ایک بار پھر جوش مارا۔ اس قسم کا جواب مصر کا ایک عام لڑکا ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔ ملکہ نفریتی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اتنے میں سپہ سالار نے جھک کر عرض کی:

''ملکہ عالیہ، محل میں آپ کا انتظار ہو رہا ہو گا''۔

ملکہ مصر جیسے خیالات سے چونک اٹھی:

''ہاں، ہاں۔ شاہی سواری کو چلنے کا حکم دیا جائے''۔

پھر وہ عنبر کی طرف دیکھ کر بولی:

"لڑکے تمہارا نام کیا ہے؟"

"عنبر"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو"۔

عنبر نے جھک کر ملکہ کو سلام کیا اور واپس اپنے مکان میں آ گیا۔

شاہی سواری آگے چل پڑی۔ ملکہ نفریتی گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے اپنا بیٹا، اپنے جگر کا ٹکڑا یاد آ رہا تھا جس کو اس نے قتل ہونے سے بچانے کے لیے دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ اس کا بیٹا مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔ وہ ضرور کسی نہ کسی ماہی گیر کے ہاں پرورش پا رہا ہے۔ ملکہ نے دس برس تک خفیہ طور پر اپنے بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بے پناہ کوششیں کی تھیں۔

مگر وہ کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ عنبر کو دیکھ کر جانے اسے اپنے بچے کا خیال آ گیا تھا۔ وہ سوچنے لگی۔ کہیں عنبر ہی اس کا بیٹا تو نہیں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

مصر کا شہزادہ

عنبر مکان میں داخل ہوا تو گوگوش نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔

وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ پریشان نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا عنبر نے بھی تو کمال کر دیا تھا۔ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر شاہی سواری کو دیکھنے باہر نکل گیا تھا، حالاں کہ اسے معلوم تھا کہ اس جرم کی سزا موت ہے۔ اس نے عنبر سے کہا:

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے تھے لڑکے؟ آخر یہ تمہیں کیا سوجھی؟"

عنبر نے سینہ تان کر کہا:

"میں ملکہ کو دیکھنا چاہتا تھا"۔

"غضب خدا کا، تمہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ لوگ تمہیں ہلاک کر دیں گے؟"

"معلوم تھا، مگر میں بھی مقابلے کے لیے تیار ہو کر گیا تھا"۔

"مگر تم اکیلے شاہی فوج کا کیسے مقابلہ کر سکتے تھے؟"۔

"کم از کم دو ایک کو تو ضرور مار کر مرتا چچا"۔

گوگوش نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ تم بچ گئے، ورنہ میں تمہارے باپ کو کیا منہ دکھاتا؟"

"چچا، شاہی فوج میں اتنی جرات نہیں کہ مجھے مار سکے۔ میں بہادر لڑکا ہوں"۔

گوگوش نے ہاتھ باندھ کر آنکھیں بند کر لیں اور خدا کا شکر ادا کیا

کہ عنبر سوت کے منہ سے بچ کر واپس آ گیا۔ پھر اس نے بڑے شوق سے پوچھا:

''اچھا لڑکے یہ بتاؤ ملکہ نے تمہیں کیا کہا؟''

''ملکہ نے مجھ سے میرا نام پوچھا، باپ کا نام پوچھا اور کہا کہ میں مکان سے باہر کیوں نکل آیا ہوں؟''

''پھر تم نے کیا جواب دیا؟''

''میں نے کہا' آپ کی سواری دیکھنے نکل آیا تھا''۔

''پھر ملکہ نے کیا کہا؟''

''ملکہ نے کہا' اگر میرے سپاہی تمہیں قتل کر دیتے تو کیا ہوتا؟''

''پھر تم نے کیا کہا؟''

''میں نے یہی کہا کہ میں بہادری سے ان کا مقابلہ کرتا''۔

''پھر ملکہ کیا کہنے لگیں؟''

''پہلے تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ پھر بولیں کہ تم بڑے بہادر لڑکے ہو۔ جاؤ واپس اپنے گھر چلے جاؤ''۔

''رب عظیم' تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ملکہ کے دل میں رحم ڈال دیا۔ تمہیں تو خدا جانے آج کیا ہو جاتا۔۔۔ اچھا لڑکے' اب یہاں سے اپنے گھر بھاگ جاؤ اور خبردار آئندہ ایسی جرات پھر کبھی نہ کرنا''۔

عنبر نے غلیل لہراتے ہوئے ہنس کر کہا:

''میں تو پھر ملکہ کی سواری دیکھنے گھر سے نکل آؤں گا''۔

''جاتا ہے یا نہیں بے وقوف کہیں کے؟ میں آج ہی تیرے باپ سے شکایت کروں گا''۔

''خدا حافظ چچا''

عنبر ہنستا ہوا گوگوش کے مکان سے باہر نکل گیا۔ وہ سیدھا اپنے

لنگوٹیے دوست قہرمان کے ہاں پہنچا۔ قہرمان عمر میں عنبر سے دو سال بڑا تھا۔ یعنی سولہ برس کا تھا۔ وہ ایک پنیر بنانے والے کا بیٹا تھا۔ جب عنبر نے اسے بھی یہ بھیانک واقعہ سنایا تو وہ بہت خوش ہوا اور عنبر کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا:

”یہ کام تو تم نے وہ کیا کہ میں خود کرنا چاہتا تھا۔ تمہیں معلوم ہے میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟“

”کیا ہے؟“

”یہ کہ میں ایک روز شاہی فوج کا کپتان بن جاؤں۔ میرے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں لوہے کا ہنٹر ہو۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر غلاموں کے پاس جاؤں اور ان کو زور زور سے ہنٹر ماروں“۔

عنبر نے کہا:

”مگر قہرمان غلاموں پر ظلم کرنا کوئی بہادری کی بات نہیں۔ مزا تو دشمن کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرنے میں آتا ہے“۔

قہرمان بولا:

”بھئی، میری تو یہی خواہش ہے اور تم دیکھنا ایک نہ ایک دن میں ضرور فوج کا کپتان بنوں گا“۔

”اس کے لیے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے قہرمان۔ ویسے تمہارا ڈیل ڈول اتنا ہے کہ تم کپتان بن سکو“۔

”عنبر یاد رکھو، اگر میں بادشاہ کی فوج کا کپتان بن گیا تو تمہیں بھی اپنے ساتھ رکھوں گا اور نیل کے کنارے ایک شاندار محل بنوا کر دوں گا“۔

”مجھے تمہارے بنوائے ہوئے محل کی ضرورت نہیں قہرمان، میں اپنا محل خود بنواؤں گا“۔

''چلو ہم دونوں اپنے اپنے محل خود بنوائیں گے۔ اچھا، اب چلو دریا کنارے چل کر مچھلیاں پکڑتے ہیں''۔

دونوں دوست ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے دریا کنارے چل پڑے۔

دوپہر کے کھانے پر عنبر اپنے ساتھ مچھلیاں لایا۔ ماں نے کہا: ''بیٹا' تم نے بڑی دیر کر دی۔ تمہارا باپ کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہے''۔

عنبر دوسرے کمرے میں گیا تو اس کا باپ رجال لکڑی کے کٹورے میں زیتون کا تیل ڈال رہا تھا۔ اس نے عنبر کو دیکھ کر پوچھا:

''اتنی دیر کہاں کر دی بیٹے؟''

''ابا، آج میں نے ملکہ مصر سے باتیں کیں''۔

بوڑھے رجال کے ہاتھوں سے زیتون کے تیل کا کٹورا گرتے گرتے بچا۔

''کیا کہا؟''

''ہاں ابا' میں نے مصر کی ملکہ سے باتیں کی ہیں۔ اس نے خود مجھے بلایا تھا''۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟'' عنبر کی ماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

دونوں ماں باپ عنبر کی بات سن کر سکتے میں آ گئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ملکہ ایک روز اپنے بیٹے سے گفتگو کر سکتی ہے۔

عنبر نے باپ اور ماں کو شاہی سواری کا سارا واقعہ سنا دیا۔ دونوں بوڑھے میاں بیوی بڑے غور سے واقعے کا ایک ایک لفظ سنتے رہے۔

عنبر کہہ رہا تھا:

''ملکہ نے مجھ سے پوچھا، تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟''

بوڑھے رجال نے پریشان ہو کر پوچھا:

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے کہا، میرے ابو کا نام رجال ہے اور وہ اہرام بناتا ہے"۔

"ملکہ نے کیا کہا؟"

"کچھ نہیں، وہ اصل میں میری بہادری پر بہت خوش تھی۔ پھر اس نے مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی"۔

ماں نے کہا:

"ربِ عظیم تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے میرے بیٹے کی جان بچائی"۔

باپ نے پوچھا۔

"ملکہ نے تم سے اور کچھ نہیں پوچھا؟"

"بس میرا نام پوچھا اور پھر چپ ہو گئیں"۔

"چپ ہو گئیں؟"

"ہاں ابا جان، بالکل خاموش ہو گئیں۔ مجھے تو ایسے لگتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہی ہیں۔ وہ میری طرف بڑے غور سے دیکھتی رہی تھیں"۔

"ملکہ عالیہ نے کچھ اور تو نہیں کہا؟"

"اوں ہوں"۔

بوڑھے رجال نے اطمینان کا سانس لیا اور عنبر سے کہا:

"اچھا چلو، اب ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھا لو"۔

کھانے کے دوران میں بوڑھا رجال یہی سوچتا رہا کہ کہیں ملکہ عالیہ نے اپنے بیٹے کو پہچان تو نہیں لیا۔ اصل میں بوڑھا رجال نہیں چاہتا تھا کہ ابھی ملکہ اپنے بیٹے کو پہچانے۔۔۔ وہ چاہتا تھا کہ عنبر ذرا اور بڑا ہو جائے۔ پھر وہ خود اس کو لے کر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہو گا اور اسے بتائے گا کہ عنبر اس کا شہزادہ بیٹا ہے۔ اسے پوری امید تھی کہ

اس کے عوض ملکہ عالیہ اسے ڈھیر سارا انعام و کرام دے گی۔ دوسری طرف اسے یہ بھی خوف تھا کہ کہیں فرعون اسے قتل ہی نہ کروا دے۔

اسی لیے بوڑھا رجال ابھی تک خاموش تھا۔ وہ کبھی کبھی یہ بھی سوچتا کہ فرعون کے مرنے تک اس بھید کو چھپائے رکھنا چاہیے۔ فرعون مر جائے تو وہ بڑی آسانی سے ملکہ مصر کے سامنے اس کے بیٹے کے راز کو افشا کر سکتا ہے۔ پھر عنبر کی زندگی محفوظ ہو گئی۔ کھانے کے بعد عنبر سو گیا تو رجال نے اپنی بیوی سے کہا:

’’کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ ملکہ نے اپنے بیٹے کو پہچان لیا ہو؟‘‘

بیوی نے کہا:

’’بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ عنبر کی عمر ایک دن تھی کہ ملکہ نے اسے دریائے نیل کی لہروں پر بہا دیا تھا۔ چودہ برس بعد وہ اسے کیسے پہچان سکتی ہے؟‘‘۔

’’پھر بھی مجھے ڈر ہے۔ اگر ملکہ نے اپنے بیٹے کو پہچان لیا ہے تو وہ ضرور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر ملکہ نے عنبر کو ہم سے واپس لے لیا تو یقینی طور پر فرعون کو اس کا علم ہو جائے گا اور وہ عنبر کے ساتھ ہی ساتھ ہم دونوں کو بھی قتل کروا دے گا‘‘۔

رجال کی بیوی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر کہنے لگی:

’’رجال، تم وہم کرنے لگے ہو۔ ملکہ اتنے برس گزر جانے پر عنبر کو کبھی نہیں پہچان سکتی‘‘۔

’’مگر وہ ماں ہے اور ماں کا خون جوش مار سکتا ہے‘‘۔

’’فرض کریں، اگر عنبر کو اس نے پہچان بھی لیا ہو گا تو وہ کبھی عنبر کو واپس محل میں بلانے کی غلطی نہیں کرے گی۔ اسے اچھی طرح معلوم ہو گا کہ اس طرح فرعون کو بیٹے کا پتا چل جائے گا۔ اور وہ نجومیوں کی پیشگوئی کے مطابق اسے فوراً قتل کروا دے گا اور کوئی عجب

نہیں کہ وہ ملکہ کو بھی ساتھ ہی مروا دے"۔

"یہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب ہمیں بھی محتاط رہنا چاہیے"۔

"فکر نہ کرو، رب عظیم ہماری حفاظت کرے گا"۔

بوڑھے رجال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"کیا خیال ہے، میں عنبر کو لے کر ملکہ عالیہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاؤں؟"

"کس لیے؟"

"اسے شاہی مہر کے ساتھ اس کی امانت واپس کرنے"۔

"خدا کے لیے ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔ اس طرح ملکہ اور عنبر سمیت ہم سب بادشاہ کے ظلم کا نشانہ بن جائیں گے"۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ہر حال میں فرعون کی موت کا انتظار

کرنا ہوگا"۔

"ہاں، اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے"۔

اتنے میں پوکا غلام شکار کی ہوئی مرغابیوں اور ابلی ہوئی انجیروں کی ٹوکری لیے اندر آیا۔ رجال نے پوچھا:

"یہ کہاں سے لائے ہو پوکا؟"

پوکا نے بھینگی آنکھ پونچھ کر کہا:

"مرغابیاں تو میں نے ڈنڈا مار مار کر خود شکار کی ہیں اور انجیریں میں طوفون درزی کے باغ سے توڑ کر لایا ہوں"۔

"کیا طوفون سے تم نے انجیریں توڑنے کی اجازت لے لی تھی؟"

"پہلے اجازت نہیں لی تھی۔ مگر جب وہ مجھے انجیریں توڑتے دیکھ کر باغ میں آ گیا تو میں نے اس سے معافی مانگ لی تھی۔ مگر جب وہ

مجھے انجیریں توڑتے دیکھ کر باغ میں گیا تو میں نے اس سے معافی مانگ کر اجازت حاصل کر لی تھی‘‘۔

’’تمہیں ہزار بار سمجھایا ہے پولکا‘ کہ کبھی کسی کے باغ سے بغیر اجازت کے پھل مت توڑا کرو۔ مگر تم باز نہیں آتے۔ تم ضرور کسی نہ کسی سے میری لڑائی کراؤ گے‘‘۔

’’میرے آقا، لوگوں کے باغ پھلوں سے لدے ہوئے دیکھ کر آپ کے غلام کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ میں بے تاب ہو کر باغ میں گھس جاتا ہوں اور پھل توڑنا شروع کر دیتا ہوں‘‘۔

’’اور اگر کسی نے تمہاری پٹائی کر دی تو؟‘‘

’’تو مار کھا کر معافی مانگ لوں گا۔ مگر ربِ عظیم کی قسم توڑے ہوئے پھل ہرگز واپس نہیں کروں گا۔ مار بھی کھاتا جاؤں گا اور پھل بھی کھاتا جاؤں گا‘‘۔

’’اچھا بابا‘ اب ہمارا سر نہ کھاؤ۔ جاؤ لے جاؤ یہ مرغابیاں اور انجیروں کو یہاں سے۔ اسے تم اکیلے ہی کھانا۔ میں چوری کا مال کھا کر اپنا بڑھاپا خراب نہیں کرنا چاہتا‘‘۔

غلام نے چونک کر کہا:

’’میرے آقا آپ اسے چوری کا مال کہتے ہیں؟ حضور‘ یہ تو میری محنت کا پھل ہے۔ خدا کی قسم پورے ایک سو ایک مکے کھائے ہیں میں ان انجیروں کے لیے اور ایک بھی انجیر باغ کے مالک کو واپس نہیں کی‘‘۔

’’بھئی اب چلے بھی جاؤ‘‘۔

’’جا رہا ہوں میرے آقا‘‘۔

اصل میں بوڑھا رجال ملکہ مصر کی سواری والے واقعے کے سلسلے میں پریشان تھا اور وہ غلام پولکا کی بک بک جھک جھک سننے کو تیار نہیں

تھا۔ غلام چلا گیا تو دوسرے کمرے میں جا کر وہ کھجور کی چٹائی پر سوئے
ہوئے عنبر کو غور سے اور محبت سے دیکھنے لگا۔ نیلی آنکھیں، سیاہ ریشمی
بال، تیکھا شاہی ناک۔ وہ بالکل مصر کا شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔ رجال
دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ پھر سر جھکائے واپس چل دیا۔ اسے عنبر سے
اپنے بیٹے کی طرح پیار تھا۔ اور وہ اس کی جدائی کبھی گوارا نہیں کر سکتا
تھا۔

تفریق

محل میں آ کر ملکہ مصر نفریتی اپنے بچے کے لیے اداس ہو گئی۔
اس نے اپنے بادشاہ فرعون عاطون کے ڈر سے اپنے بچے کو دریا
کے سپرد تو کر دیا تھا، مگر وہ اسے ایک پل کے لیے بھی بھلا نہ سکی تھی۔
اس ننھی سی جان کو چھوٹی کشتی میں سوار کرا کر دریا میں بہا دینے کا مقصد
ہی یہ تھا کہ وہ کسی ماہی گیر کے ہاتھ لگ جائے اور اسی کے گھر میں
پرورش پائے۔ اگر رب عظیم کو منظور ہوا تو کبھی نہ کبھی تو ماں کو اس کا

بچھڑا ہوا بچہ مل ہی جائے گا۔ ظالم اور سنگ دل فرعون کے خوف سے ملکہ کھل کر تو اپنے بچے کو تلاش نہ کر سکتی تھی' لیکن اندر ہی اندر وہ اس ٹوہ میں رہتی کہ کہیں سے اسے اپنے بچے کو خبر مل جائے۔ چودہ برس گزر گئے تھے اور ملکہ نفریتی اپنے بچھڑے ہوئے جگر کے ٹوٹے کے لیے سلگ رہی تھی۔ بھلا کون ایسی ماں ہے جو اپنے بچے کو بھلا دے۔ مرے ہوئے پر صبر آ جاتا ہے مگر اپنے ہاتھ سے جدا کیے ہوئے بچے کو کون بھلا سکتا ہے۔

ملکہ نفریتی کو امید تھی کہ ایک نہ ایک دن اس کا بیٹا اسے ضرور مل جائے گا۔ اس کی راز دار صرف اس کی ملازمہ شارمین تھی۔ شارمین نے ہی چودہ برس پہلے ننھے شہزادے کے لیے ننھی سی کشتی تیار کی تھی۔ اس میں اس کے لیے دودھ کی بوتل، سونے کے سکے اور نرم نرم سرہانے رکھے تھے اور شاہی مہر تکیے کے نیچے چھپا دی تھی۔ جس وقت

ملکہ کی شاہی سواری دریائے نیل کی سیر سے واپس محل میں پہنچی تو شارمین نے دیکھ لیا تھا کہ ملکہ اپنے بچے کے لیے بے حد غمگین ہے۔ رجال کے بیٹے عنبر کے ساتھ ملکہ کی گفتگو اس نے بھی سنی تھی اور ملکہ کی اداسی کو بھی خاص طور پر محسوس کیا تھا مگر وہ خاموش رہی تھی۔ اس لیے کہ اسے اندیشہ تھا کہ ملکہ نفریتی بچے کے بارے میں گفتگو چھیڑنے سے اور پریشان نہ ہو جائے محل میں آنے کے بعد ملکہ نے خواب گاہ میں سے تمام کنیزوں کو چلے جانے کا حکم دیا اور خود آرام دہ مسہری پر لیٹ گئی۔ جب تمام کنیزیں چلی گئیں اور خواب گاہ بالکل خالی ہو گئی تو ملکہ نے شارمین سے کہا:

''شارمین''۔

''حکم ملکہ عالیہ''۔

''تم نے اس لڑکے کو دیکھا تھا جو ہماری سواری کی جھلک دیکھنے

دریا کے کنارے آ گیا تھا؟"

"دیکھا تھا ملکہ عالیہ"۔

"اس کی شکل و صورت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

شارمین نے عنبر کو بڑے غور سے دیکھا تھا اور کچھ اندازہ لگایا تھا کہ اس کی شکل شہزادے سے ملتی جلتی ہے۔ لیکن چونکہ اسے یقین نہیں تھا اس لیے وہ ملکہ کے آگے حامی نہیں بھر سکتی تھی۔ اسے اپنی ملکہ کی صحت کا بھی بہت خیال تھا۔ وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی ملکہ ایک ایسے لڑکے کے لیے پریشان ہو جو ہو سکتا ہے شہزادہ نہ ہو، چنانچہ اس نے بڑی عقل مندی سے کہا:

"شکل و صورت بھولی بھالی تھی ملکہ عالیہ اس کی"۔

ملکہ نے سفید شاہین کے پروں والے پنکھے کو پرے پھینکتے ہوئے کہا:

"ہمارا مطلب یہ نہیں شارمین، ہم تم سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کی شکل ہمارے بچے تو نہیں ملتی تھی؟"۔

"نہیں ملکہ عالیہ، مجھے تو محسوس نہیں ہوا"۔

ملکہ افریقی نے سرد آہ بھر کر کہا:

"پھر اس لڑکے کو دیکھ کر ہمارے دل پر ہاتھ کیوں پڑا تھا؟ ہمارے خون نے جوش کیوں مارا تھا؟"

شارمین نے جلدی سے کہا:

"یہ آپ کا وہم ہے ملکہ عالیہ، چونکہ آپ ہر وقت بچے کی یاد میں گم رہتی ہیں"۔

"تو پھر میرا بچہ کہاں ہے؟ مجھے بتاؤ شرمین، میرا ننھا شہزادہ کس کے گھر میں پرورش پا رہا ہے؟ اب تو وہ بڑا ہو گیا ہوگا۔ اس کی آنکھیں بھی تو نیلی تھیں"۔

''بجا ہے ملکہ عالیہ' شہزادے کی آنکھیں نیلی تھیں۔ مگر ہر نیلی آنکھوں والا بچہ تو شہزادہ نہیں ہوسکتا''۔

''لیکن میرا شہزادہ کیوں نہیں مل رہا؟ میں اس کی یاد میں چودہ برس سے تڑپ رہی ہوں۔ ابھی کتنی دیر مجھے اور تڑپنا ہوگا شارمین؟''

شارمین نے بڑے ادب سے کہا:

''رب عظیم پر بھروسہ رکھیں ملکہ عالیہ' ننھا شہزادہ ایک دن ضرور آپ کے پاس آجائے گا''۔

''مگر وہ دن کب آئے گا شارمین؟''

''رب عظیم نے چاہا تو بہت جلد وہ دن آجائے گا''۔

ملکہ نفریتی نے غم سے بوجھل سر نرم تکیوں پر رکھ دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ شارمین نے بلور کی صراحی میں سے ٹیولپس کے سچے گلاب کے پھولوں کا عرق نکال کر ملکہ عالیہ کے پاؤں پر لگایا اور مور کے

پروں کے پنکھے سے ہوا کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب ملکہ طبیعت سنبھلی تو اس نے شارمین کو دیکھ کر کہا:

''شارمین' تم میری بڑی ہی وفادار اور راز دار کنیز ہو اس وقت میں تم سے ملکہ بن کر نہیں بلکہ ایک بچھڑے ہوئے بچے کی ماں بن کر کہہ رہی ہوں کہ مجھے میرا شہزادہ ملا دو۔ اب میں اس کی جدائی میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی''۔

شارمین نے تسلی دیتے ہوئے کہا:

''گھبرایئے نہیں ملکہ عالیہ' شہزادہ بہت جلد آپ کو مل جائے گا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ وہ آپ کے پاس آنے ہی والا ہے''۔

ملکہ نے ایک بار پھر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ اپنی کنیز شارمین سے اس قسم کی تسلی کی باتیں چودہ برس سے سن رہی تھی۔ اب اس کا دل صبر سے بھر گیا تھا۔ اچانک اس نے آنکھیں کھول کر کہا:

"دریا کنارے اناطول درویش رہتا ہے۔ اس نے ایک بار کہا تھا کہ شہزادہ زندہ ہے اور ایک نہ ایک دن مجھے ضرور مل جائے گا۔ میں اس کے پاس جا کر ایک بار پھر پوچھنا چاہتی ہوں کہ میرے جگر کا ٹکڑا مجھے کب آن ملے گا"۔

شارمین نے کہا:

"مگر ملکہ عالیہ! آپ کا وہاں جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا"۔

"میں وہاں ضرور جاؤں گی۔ اگر تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی تو میں اکیلی اپنے بچے کے لیے جاؤں گی"۔

شارمین نے ادب سے سر جھکا کر کہا:

"جو حکم ملکہ سلامت! میں آپ کے ساتھ چلوں گی"۔

شارمین نہیں چاہتی تھی کہ ملکہ اناطول درویش کے پاس جانے کا خطرہ مول لے۔ کیونکہ اگر فرعون کو معلوم ہو گیا تو وہ ملکہ کے ساتھ

ساتھ شارمین کی بھی گردن اڑا سکتا تھا۔ مگر وہ ملکہ کے حکم کے آگے بھی سر نہ اٹھا سکتی تھی۔ مجبوراً اسے ہاں کرنی پڑی۔ اس لیے کہ ملکہ ایک ماں تھی اور ماں اپنے گم شدہ بچے کو تلاش کرنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔

"ہم آج ہی رات اناطول درویش کے پاس چلیں گے"۔

"جو حکم ملکہ عالیہ"۔

آدھی رات کو ملکہ اور کنیز شارمین نے سیاہ لبادے سر سے پاؤں تک اوڑھے اور خواب گاہ سے نکل کر ایک خفیہ راستے سے ہوتی ہوئیں محل سے باہر نکل آئیں۔ یہاں ایک حبشی پہریدار دو سیاہ عربی گھوڑے لیے۔ ان کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی ملکہ اور شارمین محل سے باہر نکلیں، حبشی نے سر جھکا دیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئیں اور آدھی رات کے اندھیرے میں دریائے نیل کی طرف روانہ ہو گئیں۔

حبشی محافظ ان کے پیچھے پیچھے گھوڑے پر چلا آ رہا تھا۔اس حبشی
پہریدار کو کافی انعام دے کر شارمین نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔اسے
صرف یہی بتایا گیا تھا کہ ملکہ کو سر درد رہتا ہے جس کا دم کروانے وہ
درویش اناطول کے پاس جا رہی ہیں۔ملکہ اور شارمین کے سیاہ عربی
گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے جا رہے تھے۔وہ بہت جلد دریائے
نیل کے کنارے انجیر کے درختوں کے جھنڈوں کے پاس پہنچ گئیں۔
انہوں نے ذرا فاصلے پر گھوڑے حبشی محافظ کے حوالے کیے اور
جھونپڑی کی طرف بڑھیں۔اس وقت درویش اناطول اپنی جھونپڑی
میں بیٹھا خدا کی عبادت کر رہا تھا۔اناطول ایک بڑا پرہیز گار، عبادت
گزار اور نیک درویش تھا۔اسے دنیا کا کوئی لالچ نہیں تھا۔اسے
صرف خدا اور اس کی مخلوق سے پیار تھا اور ان کے دکھوں میں کام
آنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔اتنے میں ملکہ تفریتی اور شارمین

جھونپڑی کے دروازے پر پہنچ گئیں۔انہوں نے درویش اناطول کو
عبادت کرتے دیکھا تو زمین پر دو زانو جھک کر ادب سے بیٹھ گئیں۔
درویش ان کی آمد سے بالکل بے خبر اپنے خدا کی عبادت میں مصروف
رہا۔پھر جب وہ فارغ ہوا تو اس نے پلٹ کر ملکہ اور شارمین کو دیکھا۔
اناطول درویش سمجھ گیا کہ وہ اس کے پاس کس لیے آئی ہیں۔
اس نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ ابھی ملکہ کو ہرگز نہیں بتائے
گا کہ اس کا بیٹا شہزادہ ایک محنت کش کے گھر عنبر کے نام سے پرورش پا
رہا ہے۔اس لیے کہ اناطول اسے ابھی مناسب خیال نہیں کرتا تھا۔
اسے معلوم تھا کہ جب تک فرعون زندہ ہے عنبر کے راز کو ظاہر کرنا
خطرے سے خالی نہیں۔کیونکہ ملکہ سے یہ راز چھپایا نہیں جا سکے گا۔وہ
ماں ہے۔جذبات سے مغلوب ہو کر کسی نہ کسی کو بتا دے گی کہ اس کا
بچہ اسے واپس مل گیا ہے اور پھر فرعون شہزادے کو فوراً قتل کروا دے گا،

چنانچہ درویش اناطول نے ملکہ کی طرف دیکھ کر کہا:

''خوش آمدید ملکہ عالیہ''۔

ملکہ اور شارمین نے جھک کر آداب کیا اور کہا:

''اے خدا رسیدہ بزرگ' میں تمہارے پاس اپنے دل کے غم کو دور کرنے آئی ہوں''۔

درویش نے کہا:

''ملکہ' اگر میرے اختیار میں ہوا تو میں ضرور تمہاری خدمت کروں گا۔ مجھے تو انسانوں کی خدمت کر کے ہمیشہ خوشی ہوئی ہے۔ کہو تم کیا سوال لے کر اس فقیر کی جھونپڑی میں آئی ہو؟''۔

ملکہ نے سرد آہ بھر کر کہا:

''اے خدا رسیدہ درویش' آپ نے ایک بار کہا تھا کہ میرا بچہ زندہ ہے اور وہ مجھے ایک نہ ایک دن ضرور مل جائے گا''۔

''ہاں' میں نے کہا تھا''۔

''کل میں اپنے شاہی بجرے میں بیٹھی دریا کی سیر کر رہی تھی کہ میں نے ایک چودہ پندرہ برس کے لڑکے کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور بال سیاہ تھے۔ اسے دیکھ کر میرے خون نے جوش مارا اور میری مامتا بیدار ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرا شہزادہ ہے۔ اے نیک درویش، مجھے بتاؤ کہ وہ میرا بیٹا تو نہیں؟''۔

درویش اناطول کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہی ملکہ کا بیٹا ہے۔ وہی ملکہ مصر کا شہزادہ ہے۔ لیکن وہ ابھی اس راز کو راز ہی رکھنا چاہتا تھا۔ اس میں خدا کی مرضی بھی تھی اور اسی میں ملکہ مصر، شہزادہ اور عنبر کے ماں باپ کی بھلائی تھی۔ اس نے کہا:

''میں ابھی عالم جذب میں جا کر تمہیں بتاتا ہوں''۔

اس کے ساتھ ہی اناطول درویش نے آنکھیں بند کر لیں اور جیسے

عالم جذب میں گم ہو گیا۔ کافی دیر آنکھیں بند کیے سر جھکائے رکھنے
کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ملکہ نے بے تابی سے پوچھا:

''کیا حکم ہوا اے نیک دل انسان؟''

درویش نے گہری اور پر اسرار آواز میں کہا:

''ابھی تمہارا شہزادہ تمہیں نہیں ملے گا، تمہیں کچھ عرصہ اور انتظار
کرنا پڑے گا''۔

ملکہ کا چہرہ اتر گیا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا:

''حضور اتنا فرما دیجیے کہ کیا میرا شہزادہ زندہ سلامت ہے؟''

درویش اناطول نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر
منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے کے بعد آنکھیں کھول کر کہا:

''ہاں ملکہ عالیہ! تمہارا شہزادہ زندہ ہے اور بڑی اچھی جگہ پر
پرورش پا رہا ہے''۔

ملکہ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

''وہ کہاں ہے حضور؟''

''یہ بتانے کا مجھے رب عظیم کی طرف سے حکم نہیں ہے ملکہ! اتنا
ضرور کہوں گا کہ وہ تمہیں مل جائے گا اور ماں کا کلیجہ بیٹے کے ملاپ
سے ٹھنڈا ہو جائے گا''۔

ملکہ نفریتی نے سانس بھر کر اداس آواز میں پوچھا:

''ابھی بدنصیب ماں کو کتنا انتظار کرنا ہو گا حضور؟''

''بہت تھوڑا عرصہ ملکہ، بہت تھوڑا عرصہ''۔

شارمین نے آہستہ سے ملکہ کے کان میں کہا کہ کوئی دم میں دن کا
اجالا پھیلنے والا ہے۔ اس لیے انہیں جلدی واپس محل پہنچ جانا چاہیے۔
ملکہ نے سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھیلی درویش کے قدموں
میں رکھ کر کہا:

''یہ ایک حقیر نذر ہے حضور''۔

درویش اناطول نے سونے کے سکوں کی تھیلی کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤ ملکہ' ہمارے لیے سونا اور مٹی ایک برابر ہے''۔

ملکہ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

''حضور' گستاخی معاف' یہ میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں''۔

درویش نے ذرا تلخ لہجے میں کہا:

''تم اپنی خوشی کے لیے ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتیں ملکہ' اس مٹی کی تھیلی کو یہاں سے اٹھا کر واپس محل میں لے جاؤ۔ یہ سونے کے سانپ محل کے اندر ہی پھنکارتے اچھے لگتے ہیں''۔

ملکہ نے شارمین کو اشارہ کیا۔ اس نے سونے کی تھیلی اٹھالی۔ ملکہ

نفریتی نے ہاتھ باندھ کر ادب سے سلام کیا اور جھونپڑی سے باہر نکل آئی۔ کچھ دور انجیر کے درختوں تلے حبشی غلام سیاہ گھوڑے لیے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ شارمین نے ٹھیک کہا تھا۔ آسمان پر دن کا اجالا پھیلنے والا تھا اور انہیں بہت جلد واپس محل میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئیں اور گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔

عربی گھوڑے محل کی طرف بھاگنے لگے۔

پراسرار ملاقات

ملکہ کے جانے کے بعد درویش اناطول فکر مند ہو گیا۔

چودہ برس کے طویل انتظار کے بعد ملکہ مصر ایک ماں کی طرح آج پہلی بار اپنے بچھڑے ہوئے بچے کے لیے پریشان ہوئی تھی اور اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھی کہ اس نے دریائے نیل کے کنارے عنبر کو دیکھ لیا تھا جو حقیقی معنوں میں اس کا بیٹا تھا۔ درویش اناطول نے محسوس کیا کہ ملکہ اب حد سے آگے گزر جائے گی۔ وہ ہر قیمت پر یہ معلوم کروانے کی کوشش کرے گی کہ عنبر کون ہے اور رجال

کے گھر میں وہ کیسے آیا تھا؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اس راز پر سے پردہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئی تو وہ عنبر کو حاصل کر لے گی۔ ہو سکتا ہے وہ اسے اپنے ساتھ محل میں لے جائے اور خفیہ طور پر اس کی پرورش کرے۔ لیکن فرعون کا محل اس کے جاسوسوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ بات وہاں کسی سے بھی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ جوں ہی فرعون کو پتا چلا کہ اس کی جان کا دشمن شہزادہ اس کے محل کے اندر ہی پروان چڑھ رہا ہے تو وہ اسے ہلاک کروا دے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ رجال اور اس کی ادھیڑ عمر بیوی کو بھی قتل کروا دے۔

رجال یہ سوچ کر پریشان ہو گیا۔ فرعون کی موت تک اس راز کو چھپائے رکھنا بہت ضروری تھا۔ رجال کو معلوم تھا کہ ملکہ اب رجال کے گھر جا کر عنبر سے باتیں کرنے اور تحقیقات کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رجال سے مل کر اسے ساری

صورت حال سے آگاہ کردے گا۔ وہ دن چڑھنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب سورج کافی نکل آیا اور اسے یقین ہو گیا کہ رجال اہرام مصر پہنچ چکا ہوگا تو وہ جھونپڑی سے روانہ ہو گیا۔

گرمی صبح ہی سے پڑنے لگی تھی اور مصر کے صحرا کے سورج میں تپش تھی۔ مگر درویش اناطول اس تپش کا عادی تھا۔ ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں رجال اہرام مصر کی تعمیر کا کام کر رہا تھا۔ اس نے ایک غلام کے ہاتھ پیغام بھجوایا تو رجال کپڑے سے ہاتھ پونچھتا ہوا اہرام کے غار سے باہر آ گیا۔ وہ اپنے سامنے درویش اناطول کو دیکھ کر بولا:

”آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ مجھے حکم کر دیتے، میں خود آپ کے ہاں حاضر ہو جاتا“۔

درویش نے کہا۔

”رجال کام ہی ایسا تھا کہ ہمیں خود تمہارے پاس آنا پڑا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم کھجوروں کے سائے میں بیٹھ کر بات کریں“۔

”جیسے آپ فرمائیں“۔

وہ دونوں قریب ہی کھجوروں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ رجال کو معلوم تھا کہ اناطول عنبر کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ درویش اناطول نے بیٹھتے ہی کہا۔

”میرے پاس رات ملکہ مصر آئی تھیں“۔

رجال چونک اٹھا:

”کیا فرمایا سرکار؟ ملکہ مصر نفریتی آپ کے پاس تشریف لائی تھیں؟“۔

”ہاں رجال! میری بات غور سے سنو“۔

رجال ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گیا۔ درویش اناطول نے کہا:

''میں جانتا ہوں، عنبر سے تم کو اپنے حقیقی بیٹے کی طرح پیار ہے اور تم اس کی جدائی گوارا نہیں کر سکتے''۔

''حضور! میں نے عنبر کو اپنا بیٹا سمجھ کر پالا ہے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑے گی''۔

''اسی لیے تو میں خود چل کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ ملکہ نفریتی نے جب سے عنبر کو دیکھا ہے اسے شک ہو گیا ہے کہ وہی اس کا بیٹا ہے اور اب وہ ہر ممکن طریقے سے عنبر کے بارے میں تحقیق کرنے کے بعد اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گی اور یہ تم بھی جانتے ہو کہ جب کسی ملک کی ملکہ کوئی کوشش کرے تو وہ ضرور کامیاب ہو جاتی ہے''۔

رجال نے پریشان ہو کر کہا:

''مگر حضور! میں اور عنبر کی ماں بچے کی جدائی گوارا نہیں کر سکتے''۔

''تم جدائی کو رو رہے ہو رجال۔ مجھے عنبر اور تم دونوں میاں بیوی کی زندگی خطرے میں محسوس ہو رہی ہے''۔

رجال چونک پڑا۔

''وہ کیسے حضور؟''

''وہ ایسے کہ اگر ملکہ نفریتی کو پتا چل گیا کہ عنبر ہی اس کا بیٹا ہے تو وہ اسے تمہارے گھر سے لے جائے گی۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے گی۔ عنبر شاہی محل میں رہے گا اور شاہی میں یہ راز زیادہ دیر تک راز نہ رہ سکے گا کہ عنبر فرعون کا بیٹا ہے اور فرعون کے بیٹے کے بارے میں سب کو علم ہے کہ نجومیوں کی پیش گوئی کے مطابق وہ اپنے باپ کو قتل کر دے گا۔ پس فرعون یہ کیسے گوارا کرے گا کہ اس کا قاتل اس کی گود میں پروان چڑھے۔ وہ عنبر کے ساتھ ان لوگوں کو بھی تیروں سے چھلنی کروا دے گا جنہوں نے عنبر کی پرورش کی تھی''۔

رجال نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا:

''آپ صحیح فرما رہے ہیں میرے آقا۔ اب اس کا کچھ علاج بھی فرمایئے، میں کیا کروں؟''۔

درویش اناطول سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے نظریں اٹھا کر کہا:

''اس مشکل مسئلے کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ تم کسی نہ کسی طرح کچھ عرصے کے لیے عنبر کو اپنی بہن کے ہاں ملک شام بھجوا دو۔ جب حالات موافق ہو جائیں گے تو اسے واپس بلا لینا''۔

''بہت بہتر حضور، میں ایسا ہی کرتا ہوں''۔

''ایک بات کا دھیان رکھنا۔ اگر تم سے کوئی بھی پوچھے کہ عنبر کہاں ہے تو تم نے یہی مشہور کر دینا ہے کہ وہ تم کو چھوڑ کر خدا جانے کہاں چلا گیا ہے بلکہ کچھ روز تم نے اس کے غم میں جھوٹ موٹ بیمار بھی پڑ جانا

ہے''۔

''ایسا ہی ہوگا میرے آقا''۔

''بس مجھے یہی کہنا تھا۔ اب میں جاتا ہوں تم کل ہی عنبر کو شام کی طرف روانہ کر دو اور اس کے جاتے ہی مشہور کر دو کہ عنبر تمہیں چھوڑ کر گھر سے بھاگ گیا ہے''۔

''بہتر حضور''۔

اس کے بعد درویش اناطول واپس اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔

رجال نے اسی وقت درویش اناطول کی تجویز پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ عنبر اس کے ساتھ ہی اہرام کے سب سے نچلے غار میں کام کر رہا تھا۔ وہ نیچے آیا تو عنبر نے پوچھا:

''ابا جان اوپر کس سے باتیں کر رہے تھے؟''

رجال نے اصل بات چھپاتے ہوئے کہا:

''شاہی محل سے ایک ہرکارہ یہ کہنے آیا تھا کہ سنگ مرمر کا چبوترہ زیادہ اونچا نہ بنایا جائے۔ میں اس سے چبوترے کی نئی پیمائش لے رہا تھا''۔

عنبر نے سنگ مرمر پر چھینی چلاتے ہوئے کہا:

''ان بادشاہوں کے سر میں کیا سودا سما گیا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔ چبوترہ اگر زیادہ اونچا نہیں ہوگا تو بھلا اس سے کیا فرق پڑے گا''۔

رجال نے کہا:

''ایسا نہ کہو بیٹے' ہم بادشاہ کے غلام ہیں۔ ہمیں جو حکم ملے اس پر عمل کرنا ہے' بس''۔

شام کو کام سے فارغ ہو کر دونوں باپ بیٹا اور غلام پولکا گھر پہنچے تو

کھانا تیار تھا۔ پولکا نے سونگھتے ہوئے کہا:

''اماں آج معلوم ہوتا ہے مگرمچھ پکایا ہے''۔

عنبر کی ماں نے لکڑی کی ڈوئی اس کے ہاتھ پر مار کر کہا:

''کبھی زبان کو بند بھی رکھا کرو پولکا۔ آج تو میں نے مرغابی چاول بنائے ہیں''۔

''رب عظیم کی قسم مرغابی چاول تو میرا من بھاتا کھاجا ہے''۔

غلام پولکا نے خوش ہو کر کہا:

کھانے کے بعد غلام پولکا انگوروں کی گوڈی کرنے چلا گیا۔

رجال نے ساری بات اپنی بیوی کو بتا دی۔ وہ پہلے تو بڑی پریشانی ہوئی۔ پھر اس نے بھی درویش اناطول کی تجویز کو پسند کرتے ہوئے کہا:

''ہمیں عنبر کو جلد سے جلد شام کی طرف روانہ کر دینا چاہیے''۔

"میں آج ہی عنبر سے بات کروں گا۔ وہ بھی کئی دن سے کہہ رہا ہے کہ میں کام کرتے کرتے تھک گیا ہوں"۔

رات کو جب باپ سونے لگے تو رجال نے عنبر سے بات شروع کردی۔ اس نے اسے کہا کہ وہ چاہتا ہے عنبر کچھ دیر کے لیے ہوا بدلی کے واسطے اس کی بہن کے پاس ملک شام چلا جائے۔ عنبر نے خوش ہو کر کہا:

"ابا جان! آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ میں تو کئی روز سے چاہ رہا تھا کہ کہیں سیر و تفریح کے لیے نکل جاؤں۔ اہرام کے ٹھنڈے نم آلود غاروں نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے"۔

"تو پھر بیٹا عنبر میری طرف سے بے شک تم صبح ہی سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ تم چاہو تو یونکا تمہیں چھوڑ کر واپس آ جائے گا"۔

"مگر ابا جان! آپ اکیلے کیسے کام کریں گے؟"۔

"تم میری فکر نہ کرو بیٹے، کام تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری صحت پر کام کا برا اثر نہ پڑے۔ کچھ عرصہ شام میں رہ کر تم پھر سے تروتازہ اور شگفتہ ہو جاؤ گے۔ میں بہن کے نام ایک خط تمہیں ساتھ کر دوں گا"۔

"ٹھیک ہے ابا جان! میں کل صبح سفر پر روانہ ہو جاؤں گا"۔

رجال نے رب عظیم کا شکریہ ادا کیا کہ اتنا مشکل مرحلہ اتنی آسانی سے طے ہو گیا تھا۔ اسے عنبر کی ضدی عادت سے ڈر تھا کہ کہیں وہ انکار نہ کر دے۔ مگر اس نے تو خوشی کا اظہار کیا تھا اور کل صبح وہ سفر پر روانہ بھی ہو رہا تھا۔ رجال کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سینے پر سے پتھر کی بھاری سل اٹھا کر پھینک دی ہے۔ اب وہ عنبر کی زندگی کی طرف سے مطمئن تھا۔ یہ اس کی قسمت تھی کہ رب عظیم نے اسے ایک ایسے بیٹے کا باپ بنا دیا تھا جو اس کا بیٹا نہیں تھا بلکہ فرعون مصری

اولاد تھی اور بادشاہوں کی سازشوں سے وہ پوری طرح واقف تھا۔
شاہی محلوں میں باپ یا بیٹے کو زہر دے کر ہلاک کر دینا کوئی انوکھی
بات نہیں تھی۔ لیکن رجال ایک محنت کش انسان تھا۔ ایک غریب
مزدور تھا۔ اس کی زندگی کی ساری کمائی اولاد کی محبت تھی۔ وہ اولاد کا غم
برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عنبر کو ملک شام کی طرف
بھجوانے کے فیصلے سے بہت خوش تھا۔

دوسری جانب عنبر بھی خلاف توقع سفر پر روانہ ہونے کو بے تاب
تھا۔

وہ منہ اندھیرے ہی اٹھ بیٹھا اور سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔ پولکا
بھی آنکھیں ملتا ہوا جاگ پڑا۔ وہ زیادہ دیر تک سوئے رہنے کا عادی
تھا اور جلدی جگا دیے جانے پر بڑبڑ کر رہا تھا۔ اس نے کہا:

''میرے آقا' کیا یہ سفر کل شام تک کے لیے ملتوی نہیں

ہو سکتا؟''

رجال نے اسے ڈانٹ کر کہا:

''بکواس بند کرو پولکا''۔

پولکا دبک کر خاموش ہو گیا۔ رجال تو یہ بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ
عنبر کے ذہن میں ایک پل کے لیے بھی سفر کو ملتوی کر دینے کا خیال
پیدا ہو۔ رب عظیم کا شکر تھا کہ وہ بڑے انہماک سے تیاریوں میں لگا
ہوا تھا۔ عنبر کی ماں نے اس کے کپڑے ایک تھیلے میں رکھ دیے۔
راستے کے لیے اسے بطخ کا بھنا ہوا گوشت ساتھ کر دیا۔ پولکا گھوڑوں
کو چارہ ڈال کر ان کی مالش کر رہا تھا اور بڑبڑائے جا رہا تھا۔

سورج نکلنے سے پہلے پہلے دونوں گھوڑے تیار کھڑے تھے۔
باپ نے عنبر کو سینے سے لگایا۔ ماں نے سر پر ہاتھ پھیر کر ماتھا چوما اور
کہا:

''بیٹے! رب عظیم تمہارا سفر حفاظت سے طے کرائے''۔

''بیٹا! راستے میں پڑاؤ کرتے جانا''۔

''فکر نہ کریں ابا جان! میں بڑے آرام سے شام پہنچ جاؤں گا''۔

رجال نے پولکا کے کان کھینچ کر کہا:

''پولکا! عنبر کی حفاظت اور آرام کا خاص خیال رکھنا اور منزل پر پہنچا کر فوراً واپس آ کر ہمیں خیریت کی اطلاع دینا''۔

''جو حکم میرے آقا! مگر برائے مہربانی میرے کان چھوڑ دیجئے''۔

عنبر نے گھوڑے پر سوار ہو کر کہا:

''خدا حافظ ابا جان! خدا حافظ امی جان''۔

''خدا حافظ بیٹے''۔

عنبر اور پولکا نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور دونوں تازہ دم گھوڑے

خوشی سے ہنہناتے ہوئے ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ رجال اور اس کی بیوی عنبر کو اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک کہ وہ انہیں نظر آتا رہا۔ آخر جب دونوں گھوڑے ریت کے ٹیلوں کے پیچھے غائب ہو گئے تو وہ مکان کے اندر آ گئے۔ رجال نے سکھ کا گہرا سانس لیتے ہوئے کہا:

''عنبر ایک بہت بڑی آفت سے محفوظ ہو گیا ہے۔ اب ہمیں ہر ایک کو یہی بتانا ہے کہ عنبر کسی بات سے ناراض ہو کر گھر چھوڑ چلا گیا ہے اور پولکا کو ہم نے اس کی تلاش میں روانہ کیا ہے''۔

''ایسا ہی ہو گا''۔

اس روز رجال جھوٹ موٹ بہانہ بنا کر عنبر کے غم میں بستر پر لیٹ گیا۔ سارے محلے میں یہ بات مشہور کر دی گئی کہ عنبر کسی بات پر جھگڑ کر باپ سے ناراض ہو کر گھر سے چلا گیا ہے۔ لوگوں نے رجال کے

گھر آ کر اس سے ہمدردی کا اظہار کیا اور تسلی دی کہ رب عظیم اس کے بچھڑے ہوئے بیٹے کو جلد ملا دے گا۔ رجال نے بڑی اچھی اداکاری کی اور وہ ہمسایوں کے سامنے جھوٹے آنسو بھی بہاتا رہا۔ جب سب لوگ اور عورتیں چلی گئیں تو دونوں میاں بیوی مسکراتے ہوئے بستروں سے اٹھ کر باورچی خانے میں گئے اور جی بھر کر کھانا کھا کر سو گئے۔

آدھی رات گزر چکی تھی کہ رجال کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ اس نے بیوی کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود اٹھ کر مکان کی ڈیوڑھی میں آ کر بولا:

''کون ہے باہر؟''

باہر سے کسی عورت کی آواز آئی:

''دروازہ کھولو ایک ضروری بات کرنی ہے''۔

رجال کا دل دھڑک اٹھا کہ آدھی رات کو یہ عورت کون اس سے ملنے آئی ہے۔ اس نے دروازہ کھولا تو ایک عورت جس کا رنگ گورا تھا اور سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی اندر آ گئی۔ رجال نے اسے کمرے میں لے جا کر کھجور کے مونڈھے پر بٹھایا اور کہا:

''محترم بہن' آپ نے آدھی رات کے وقت اتنی تکلیف کیوں اٹھائی؟''۔

یہ پر اسرار، سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی عورت جو رات کے اندھیرے میں رجال کے گھر آئی تھی' ملکہ مصر نفریتی کی خاص کنیز شارمین تھی۔ ملکہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عنبر کو رات کے وقت خفیہ طور پر اپنے محل میں بلائے گی اور پوچھے گی کہ وہ کون ہے اور رجال کے گھر کیسے آیا تھا۔ لیکن اسے شام ہی کو معلوم ہو گیا کہ عنبر گھر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ ایک لمحے کے لیے اسے خیال آیا کہ شاید رجال نے جان

بوجھ کر اسے بھگا دیا ہے۔ مگر اس کے جاسوس حبشی نے آ کر اطلاع کی
کہ عنبر کے باپ کا غم سے برا حال ہے اور وہ بستر پر بیمار پڑا ہے۔ ملکہ
نے رات کو حبشی غلام کے ہمراہ شارمین کو صحیح صورت حال معلوم
کرانے کے لیے رجال کے گھر بھیجا تھا۔

شارمین نے مونڈھے پر بیٹھتے ہی کہا:

''سنو رجال! میں ملکہ مصر نفریتی کی طرف سے تمہارے پاس یہ
معلوم کرنے آئی ہوں کہ عنبر کہاں ہے؟''۔

رجال سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ جس کا اسے اندیشہ تھا وہی
بات ہو کر رہی تھی۔ اس نے رب عظیم کا شکر ادا کیا کہ عین وقت پر وہ
عنبر کو گھر سے بھگا چکا تھا۔ رجال نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

''نیک دل بہن! عنبر میرے دل پر جدائی کا داغ لگا کر گھر سے چلا
گیا ہے۔ وہ کام سے جی چرانے لگا تھا۔ پرسوں میں نے اسے سب

کے سامنے ڈانٹ دیا۔ بس اس کا اس نے برا مانا اور کل وہ گھر سے فرار
ہو گیا۔ اس کے غم میں میرا اور اس کی ماں کا برا حال ہو رہا ہے''۔

شارمین کو یقین سا آ گیا کہ رجال سچ کہہ رہا ہے۔ اس نے
پوچھا:

''کیا تمہیں اندازہ ہے کہ عنبر بھاگ کر کدھر گیا ہوگا؟''

''میں کیا عرض کر سکتا ہوں اچھی بہن! میرا تو کوئی رشتے دار بھی
کہیں نہیں ہے۔ رب عظیم میرے لختِ جگر کو جلدی واپس لائے، نہیں
تو اس کی ماں تو غم سے مر جائے گی۔ مگر نیک دل بہن! ملکہ عالیہ نے
اس غریب کے بچے کو کس لیے یاد کیا تھا؟''

اب شارمین نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا:

''سپہ سالار کو غصہ تھا کہ اس روز تمہارے بیٹے نے شاہی سواری
کے گزرنے کے وقت باہر نکل کر گستاخی کیوں کی۔ ملکہ کو معلوم ہوا کہ

سپہ سالار عنبر کو مروانا چاہتا ہے تو انہیں فکر ہوئی اور مجھے بھیجا کہ معلوم کروں کہ عنبر محفوظ ہے؟''۔

رجال سمجھ گیا کہ شارمین جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ دونوں ہی جھوٹ بول رہے تھے۔ مگر دونوں ایک دوسرے کے جھوٹ سے بے خبر تھے۔ رجال نے شارمین سے کہا کہ وہ ملکہ عالیہ کا اس کی طرف سے شکریہ ادا کرے کہ انہوں نے اس کے بیٹے کا اتنا فکر کیا۔ پھر وہ رونے لگا۔ شارمین نے اسے تسلی دی اور جلدی سے باہر نکل گئی۔ کھجور کے درختوں تلے حبشی غلام گھوڑے لیے انتظار کر رہا تھا۔ شارمین گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں گم ہو گئی۔ رجال نے بیوی کو جگا کر ساری بات بتائی تو اس نے بھی رب عظیم کا شکریہ ادا کیا کہ عنبر کی جان بچ گئی تھی اور وہ مصر سے نکل گیا تھا۔

شام کا سفر

ملکہ مصر کو عنبر کے گھر سے بھاگ جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ وہ عنبر کو اپنے شاہی محل میں بلا کر وہ نشانیاں دیکھنا چاہتی تھی جو اس کے ننھے بچے کے جسم پر تھیں۔ خاص طور پر وہ شاہی مہر کے بارے میں اس سے دریافت کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس سے پہلے ہی عنبر گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ملکہ نفریتی کو اب یقین ہو گیا تھا کہ عنبر ہی اس کا بیٹا ہے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ عنبر کے باپ رجال کو بلا کر پوچھے کہ یہ بچہ اس نے کہاں سے حاصل کیا تھا۔

اس خیال کے ساتھ ہی اس نے شارمین کو دوسری بار وہاں روانہ کیا اور تاکید کی کہ رجال کو ساتھ لے کر آئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد رجال ملکہ کے محل میں اس کے حضور کھڑا تھا۔ ملکہ نے بڑی مروت سے کہا:

''رجال' ہم تم سے ایک نہایت راز کی بات پوچھنے والے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تم ہم سے جھوٹ نہیں بولو گے''۔

''ضرور پوچھیے ملکہ عالیہ''۔

''یہ بتاؤ کہ عنبر تمہارا لڑکا ہے؟''

''ملکہ عالیہ' میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عنبر میرا ہی بیٹا ہے۔ یہی ایک میری اولاد ہے۔ آج سے پندرہ برس پہلے وہ میرے ہاں پیدا ہوا تو میں نے دیوتاؤں کے حضور قربانی پیش کی''۔

''کیا تمہیں یقین ہے رجال کہ عنبر تمہارا ہی بیٹا ہے؟''۔

''مجھے بالکل اسی طرح یقین ہے ملکہ عالیہ جس طرح میں آپ

کے حضور کھڑا ہوں''۔

''تم جا سکتے ہو رجال''۔

رجال کے جانے کے بعد ملکہ کا دماغ دو قسم کے خیالات میں الجھ گیا۔ کبھی اسے خیال آتا کہ رجال جھوٹ بول رہا ہے اور عنبر اس کا بیٹا نہیں بلکہ مصر کا شہزادہ ہے اور کبھی اسے یہ وہم گھیر لیتا کہ ہو سکتا ہے کہ عنبر مصر کا شہزادہ نہ ہو۔ اس نے شارمین سے مشورہ طلب کیا۔ شارمین نے کہا:

''ملکہ عالیہ' اس کا فیصلہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ عنبر یہاں موجود ہو اور ہم اس کی نشانیاں دیکھیں۔ مجھے یاد ہے شہزادے کے دائیں بازو پر سیاہ تل کا نشان تھا''۔

''مگر عنبر تو مصر سے نکل چکا ہے۔ خود رجال کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلا گیا ہے''۔

"ہوسکتا ہے دجال جھوٹ بول رہا ہو"۔

"یہ کیوں کر معلوم ہو؟"

وہ ابھی باتیں ہی کر رہی تھیں کہ ایک کنیز نے آ کر عرض کی کہ حبشی غلام زمرد شرف باریابی چاہتا ہے۔ ملکہ نے اسے اندر بھجوانے کا اشارہ کیا۔ زمرد حبشی ملکہ مصر کا خاص غلام تھا اور وہ اس کے لیے محل کے اندر جاسوسی کرتا تھا اور اسے دشمنوں کی سازشوں سے باخبر رکھتا تھا۔ ملکہ نے پہلے ہی روز سے حبشی زمرد کو عنبر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے کام پر لگا رکھا تھا۔

زمرد حبشی نے اندر آ کر جھک کر سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے پوچھا:

"زمرد کیا خبر لائے؟"

زمرد حبشی بولا:

"ملکہ عالیہ کا اقبال بلند ہو میرے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ عنبر اس وقت ملک شام کی طرف سفر کر رہا ہے"۔

ملکہ نے بے تابی سے کہا:

"کیا یہ خبر سچی ہے زمرد؟"

"ملکہ عالیہ میری اطلاع کبھی غلط نہیں ہو سکتی"۔

ملکہ نے مسہری پر سے اٹھ کر کہا:

"زمرد فوراً اپنے ساتھ دو آدمی لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہو جاؤ اور عنبر کو حاصل کر کے ہمارے حضور پیش کرو"۔

"جو حکم ملکہ عالیہ"۔

"اور سنو عنبر کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو"۔

"بہتر ملکہ عالیہ"۔

زمرد حبشی نے جھک کر تین بار سلام کیا اور خواب گاہ سے باہر نکل

گیا۔ اس کے جاتے ہی ملکہ نے خوش ہو کر شارمین کی طرف دیکھا:

"شارمین، رب عظیم کی مرضی یہی ہے کہ مجھے میرا بچھڑا ہوا بچہ مل جائے"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے ملکہ عالیہ، زمرد عنبر کو ضرور لے آئے گا"۔

"زمرد برق رفتار شاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر تعاقب کرے گا وہ ضرور عنبر کو راستے میں پکڑ لے گا"۔

"رب عظیم نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا"۔

زمرد حبشی نے فوراً شاہی اصطبل سے برق رفتار عربی گھوڑے نکلوا کر ان پر زین کسی۔ اپنے ساتھ دو آدمی لیے اور ملک شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سارا دن گھوڑوں پر سفر کرتے رہے۔ شام کے وقت انہوں نے راستے میں ایک جگہ نہر کنارے پڑاؤ کیا اور گھوڑوں کو پانی پینے اور گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ ایک پہر آرام کرنے کے

بعد وہ رات کے اندھیرے میں دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ صحرا کے آسمان پر ستارے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے اور ان کی ہلکی ہلکی روشنی میں صحرا کی ریت دھندلی دھندلی نظر آ رہی تھی۔ زمرد سارے راستوں سے باخبر تھا۔ وہ ان راستوں پر کئی بار سفر کر چکا تھا۔ عنبر اس سے ایک رات اور ایک دن آگے نکل چکا تھا۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ آرام کیے بغیر سفر کر کے یہ فاصلہ پورا کرے اور عنبر کو شام پہنچنے سے پہلے ہی جا لے۔

اب ہم عنبر اور اس کے غلام پولکا کی طرف آتے ہیں۔

انہیں مصر کے صحراؤں میں سفر کرتے ہوئے ایک دن اور ایک رات ہو گئی تھی۔ پہلی رات انہوں نے بالکل آرام نہ کیا۔ وہ جلد از جلد مصر کی سرحدوں سے باہر نکل جانا چاہتے تھے۔ لیکن دوسری رات آئی تو وہ بے حد تھک چکے تھے۔ گھوڑوں کا بھی تھکن سے برا حال تھا۔ دور

ریت کے ٹیلوں کے درمیان انہیں روشنی ٹمٹماتی نظر آئی۔ پولکا نے کہا:

''میرے آقا' دن رات سفر کرتے کرتے تو میری کمر ٹوٹ گئی ہے کیوں نہ یہ رات کسی سرائے میں بسر کی جائے؟''۔

عنبر نے ریت کے ٹیلوں کی روشنی کی طرف دیکھ کر کہا:

''میں بھی تھک گیا ہوں۔ سامنے ضرور کسی سرائے کی روشنی ہے چل کر معلوم کرتے ہیں۔ اگر یہ سرائے ہوئی تو رات وہیں بسر کریں گے اور اگلی صبح سفر پر روانہ ہوں گے''۔

''رب عظیم، یہ روشنی سرائے کی ہو''۔

پولکا نے دعا مانگی اور عنبر کے پیچھے پیچھے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریت کے اس ٹیلے کے پاس پہنچ چکے تھے جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ کھجوروں کے درختوں میں گھری ہوئی یہ ایک پرانی سی عمارت تھی جس کے باہر طاق میں مشعل روشن تھی۔ عنبر اور پولکا نے

گھوڑے ایک درخت سے باندھے اور دروازے پر دستک دی۔ کئی بار دستک دینے کے بعد ایک بوڑھی عورت نے آنکھیں ملتے ہوئے دروازہ کھولا اور پوچھا:

''تم لوگ کون ہو جو آدھی رات کو میری نیند خراب کرنے آئے ہو؟''۔

عنبر نے کہا:

''اماں' ہم مسافر ہیں اور شام کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ ہم رات بسر کرنا چاہتے ہیں''۔

پولکا نے پوچھا:

''اماں' کیا یہ سرائے ہے؟''

بوڑھی عورت نے کہا:

''یہ سرائے نہیں ہے۔ لیکن اگر تمہارے پاس مجھے انعام میں

دینے کے لیے سونے کے دو ٹکڑے ہیں تو تمہارے سونے کا اور تمہارے گھوڑوں کے لیے چارے کا بندوبست کرسکتی ہوں‘‘۔

’’ہم تمہیں سونے کے سکے ابھی دیے دیتے ہیں اماں‘ تم ہمارے لیے کھانے پینے‘ سونے اور ہمارے گھوڑوں کے لیے چارے کا انتظام کردو‘‘۔

’’اندر آجاؤ‘‘۔ بوڑھی عورت نے کہا۔

عنبر اور اس کا غلام پوکا اس پرانی عمارت کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی ایک طاق میں مشعل جل رہی تھی۔ بوڑھی عورت دونوں کو ایک کمرے میں لے گئی۔ جہاں زمین پر سوکھا گھاس بچھا ہوا تھا۔

’’تم یہاں آرام کرو، میں تمہارے لیے کھانے کو کچھ لاتی ہوں‘‘۔

’’اور گھوڑوں کا کیا ہوگا؟ پوکا نے جھٹ پوچھا۔‘‘

’’ان کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔ پہلے تم تو کھالو‘‘۔

یہ کہہ کر بوڑھی عورت کمرے سے باہر نکل گئی۔ کمرے کے کونے میں ایک چھوٹی سی شمع تھی جس کی ہلکی ہلکی روشنی میں وہ کمرا بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔ پوکا نے چاروں طرف ڈیلے گھما کر دیکھا:

’’میرے آقا‘ مجھے تو یہ بھوتوں کا گھر معلوم ہوتا ہے اور یہ عورت بھوتوں کی ماں لگتی ہے‘‘۔

’’خاموش بھی رہا کرو احمق‘ ایک تو اس عورت نے ہمیں رات رہنے کو جگہ دی۔ ہمارے گھوڑوں کے لیے اور ہمارے کھانے پینے کا انتظام کیا اور اوپر سے تم اسے بھوتوں کی ماں کہہ رہے ہو‘‘۔

’’ہم نے اسے سونا بھی تو دیا ہے‘‘۔

’’پھر کیا ہوا۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ اگر یہ عورت ہمیں اندر آنے

کی اجازت نہ دیتی تو تم سونا دے کر کچھ خرید سکتے تھے؟"۔

"تم کچھ بھی کہو میرے آقا' مجھے یہ عورت چڑیل معلوم ہوتی ہے"۔

وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ بوڑھی عورت ان کے لیے گرم دودھ اور جو کی روٹی لے کر آ گئی۔ انہوں نے روٹی دودھ کے ساتھ کھائی اور رب عظیم کا شکر ادا کیا۔ تھوڑی دیر وہ باتیں کرتے رہے اور پھر سو گئے۔ دو دن کے وہ تھکے ماندے تھے۔ ایسے سوئے کہ انہیں ہوش ہی نہ رہا۔

باہر کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ سرائے والی نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ باہر تین حبشی گھوڑوں پر سوار موجود تھے۔ پہلے تو وہ ڈر گئی۔ پھر حوصلہ کر کے بولی:

"تم لوگ کون ہو؟"

یہ زمرد حبشی اور اس کے ساتھی تھے جو عنبر کی تلاش میں اس سرائے تک پہنچ گئے تھے جہاں عنبر سو رہا تھا۔ اصل میں عنبر کی بھی دروازے کی آواز سے آنکھ کھل گئی تھی اور وہ ان دونوں کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ زمرد حبشی نے سرائے والی کو بتایا کہ وہ مسافر ہیں اور رات بسر کرنا چاہتے ہیں۔ سرائے کی مالک نے ان سے بھی سونے کے دو ٹکڑوں کا مطالبہ کیا۔ زمرد حبشی نے فوراً سونے کے دو ٹکڑے دے دیے۔ بوڑھی عورت انہیں لے کر عنبر کے ساتھ والے کمرے میں آ گئی۔ یہاں بھی فرش پر سوکھا ہوا گھاس بچھا تھا۔ زمرد حبشی نے بوڑھی عورت سے پوچھا۔

"اماں' کیا یہاں اس سے پہلے بھی کوئی مسافر آیا تھا؟"۔

سرائے والی نے بے دلی سے جواب دیا:

"مسافر تو یہاں آتے ہی رہتے ہیں۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ تم

لوگ آرام کرو۔ناشتہ صبح ہی ملے گا“۔

”کوئی بات نہیں اماں، ہم صبح کچھ کھا پی لیں گے۔ہمیں بھوک بھی نہیں ہے“۔

بوڑھی عورت کمرے سے باہر نکل گئی۔عنبر نے کمرے کے دروازے کے بند ہونے کی آواز سنی۔اس کا یہی خیال تھا کہ وہ تین مسافر آ کر سرائے میں اترے ہیں۔وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ زمرد حبشی نے اپنے ساتھیوں سے باتیں شروع کر دیں۔عنبر یوں ہی لیٹے لیٹے آنکھیں بند کیے ان کی باتیں سننے لگا۔زمرد نے کہا:

”مجھے یقین ہے، وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا“۔

دوسرا ساتھی بولا:

”رب عظیم نے چاہا تو ہم کل دن میں اسے کہیں نہ کہیں ضرور پکڑ

لیں گے“۔

تیسرے نے کہا:

”اگر وہ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو ہم ملکہ کو کیا منہ دکھائیں گے“۔

زمرد نے کہا:

”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ہم اسے ضرور پکڑ لیں گے“۔

”اور اسے ملکہ عالیہ کے حوالے کر کے ڈھیر سارا انعام حاصل کریں گے“۔

”ضرور، ضرور“۔

زمرد نے کہا:

”یاد رکھو، اگر اس کا نام عنبر ہے تو مجھے بھی زمرد کہتے ہیں۔ملکہ مصر کا خاص جاسوس۔مجھ سے بچ کر وہ کہیں نہیں جا سکتا“۔

عنبر تو چونک اٹھا۔اسے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ

لوگ اسے گرفتار کرنے گھر سے نکلے ہیں۔ اسے یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ وہ ملکہ مصر کے کہنے پر اس کی تلاش میں نکلے ہیں۔ عنبر نے پولکا کو جگا کر سارا معاملہ سنایا تو وہ بھی بڑی الجھن میں پھنس گیا اور بولا:

"سوال یہ ہے کہ یہ لوگ تمہیں گرفتار کرنے کیوں آئے ہیں؟ اور پھر ملکہ عالیہ کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ تمہیں گرفتار کروائے"۔

عنبر بولا:

"اس میں ضرور کوئی گہرا راز چھپا ہے۔ بہر حال یہ تو ایک حقیقت ہے کہ یہ لوگ میرا پیچھا کر رہے ہیں اور اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں اسی سرائے میں ان کے ساتھ والے کمرے میں سو رہا ہوں تو وہ ہر حالت میں مجھے قابو کر لیں گے"۔

پولکا سہم کر بولا:

"پھر کیا ہوگا میرے آقا! میں اپنے مالک کی بہن کو کیا منہ

دکھاؤں گا شام جا کر؟"۔

"گھبراؤ نہیں پولکا! ہم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں"۔

"ابھی؟"

"ہاں ابھی، اسی وقت"۔

دونوں بڑی خاموشی سے اٹھے۔ انہوں نے چادریں اپنے جسم کے گرد لپیٹیں اور آہستہ سے دروازہ کھول کر ڈیوڑھی میں آ گئے۔ طاق میں مشعل جل رہی تھی۔ اس کی روشنی رات بھر جلنے کے بعد دھندلی ہو گئی تھی۔ عنبر نے پولکا کا ہاتھ تھاما اور ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ کھلے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ وہ ریت پر تیز تیز قدم اٹھاتے کھجور کے ان جھنڈوں کے پاس آ گئے جہاں ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ

گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں ایڑ لگا کر شام کی سرحد کی طرف ہوا ہو گئے۔

صبح زمرد حبشی ناشتے کا انتظار کر رہا تھا کہ سرائے کی مالکہ دودھ اور جو کی روٹی لے کر اندر داخل ہوئی۔ وہ زور زور سے بول رہی تھی:

''عجیب پاگل لوگ تھے۔ یہ ناشتہ کیا، نہ بتایا اور راتوں رات بھاگ گئے''۔

زمرد نے پوچھا:

''کون بھاگ گئے ماں جی؟''

''مسافر جو تمہارے ساتھ والے کمرے میں اترے تھے''۔

زمرد نے ناشتہ کرتے ہوئے پوچھا:

''کون تھے وہ؟''

سرائے کی مالکہ بولی:

''ایک غلام تھا اور دوسرا نوجوان لڑکا تھا۔ نیلی نیلی آنکھوں والا۔ اس نے مجھے سونے کے سکے بھی دیے تھے۔ کسی امیر گھرانے کا معلوم ہوتا تھا''۔

زمرد حبشی کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا گر پڑا:

''وہ کب آئے تھے؟''

''تمہارے آنے سے کوئی ایک پہر گھڑی پہلے آئے تھے''۔

زمرد فوراً اٹھا اور ساتھیوں سے بولا:

''جلدی سے گھوڑوں پر زین کسو، عنبر بھاگنے نہ پائے''۔

سرائے کی مالکہ منہ ہی دیکھتی رہ گئی اور تینوں حبشی سرائے سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہو کر دوڑ پڑے۔ وہ سرپٹ گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے۔ رات بھر کی شبنم سے ریت سخت ہو گئی تھی اور گھوڑے بڑی تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ مگر وہ عنبر سے بہت پیچھے تھے۔ عنبر اور پولا کا

اس وقت شام کی سرحدوں پر پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے سرحدی چوکی پر پہریداروں کو سونے کے سکے دیے اور دمشق شہر کے دروازے میں داخل ہو گئے۔ دن کا ایک پہر ہو چکا تھا اور شہر میں خوب چہل پہل تھی۔ پولا عنبر کو لے کر سیدھا رجال کی بہن کے گھر پہنچ گیا۔ رجال کی بہن نے عنبر کو گلے سے لگایا اور شام کی رسم کے مطابق اس کے ماتھے پر زیتون کے تیل میں انگلی ڈبو کر لگائی۔

"رب عظیم تمہاری حفاظت کرے۔"

ادھر زمرد حبشی بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دمشق میں داخل ہو چکا تھا۔

صندوقچی کا راز

زمرد حبشی نے دمشق میں عنبر کی تلاش شروع کر دی۔

اس نے ایک ایک سرائے چھان ماری۔ مگر عنبر کا کوئی سراغ نہ ملا۔ پندرہ دنوں کی انتھک تلاش کے بعد جب وہ ناکام ہو گیا تو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس مصر کو روانہ ہو گیا۔ اس نے ملکہ مصر کو جا کر بتایا کہ عنبر کا ملک شام میں کوئی پتا نہیں چل سکا۔ ملکہ زمرد پر بہت برسی۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب وہ کیا کر سکتی تھی مجبوراً صبر کر کے بیٹھ گئی۔ عنبر نے خفیہ طور پر اپنے باپ کو پیغام بھجوایا کہ راستے میں ملکہ کے غلام اس کو گرفتار کرنے کے لیے تعاقب کر رہے تھے' اس کی

کیا وجہ ہے؟ رجال کا ماتھا ٹھنکا۔ تو گویا ملکہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ عنبر ملک
شام کی طرف روانہ ہوا ہے۔ اس نے عنبر کو کہلوا بھیجا کہ وہ شام میں ہی
رہے اور ابھی کچھ عرصہ وطن کا رخ نہ کرے۔ کیوں کہ ملکہ مصر اس کو قید
کرنے کی فکر میں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سپہ سالار کا ملکہ پر
بہت اثر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ عنبر کو گرفتار کر کے ہلاک کر دیا جائے۔
یہ بات اگرچہ غلط تھی مگر عنبر کی بہتری اسی میں تھی۔ اسے جب یہ پیغام
ملا تو وہ بڑا پریشان ہوا۔ پولکا نے اسے کہا:

”میرے آقا! اب وطن ہرگز ہرگز نہ جائیے گا۔ نہیں تو ظالم سپہ
سالار آپ کو مروا دے گا“۔

عنبر خاموش رہا۔ اس نے شام میں ایک حکیم کے ہاں ملازمت کر
لی اور اس سے جڑی بوٹیوں اور بیماروں کی دواؤں کا کام سیکھنے لگا۔
پولکا کو زیتون کے باغ میں پھلوں کی رکھوالی کا کام مل گیا۔ وقت اسی

طرح گزرنے لگا۔ پانچ برس بیت گئے۔ اس دوران میں ایک بار
رجال اور اس کی بیوی دمشق آ کر چپکے سے عنبر سے مل گئے۔ وہ فرعون
کے مرنے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اس کی موت کے بعد ملکہ پر عنبر
کے شہزادے ہونے کا راز فاش کر دیں۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا چلا
گیا۔ اس عرصے میں عنبر کو ساری جڑی بوٹیوں کا علم ہو چکا تھا۔ اب وہ
اپنے استاد سے کھوپڑی کھول کر دماغ کا آپریشن کرنے کا فن سیکھنے
لگا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ قدیم مصر کے ڈاکٹر بڑے لائق
تھے۔ وہ دماغ کا علاج کھوپڑی کھول کر کرتے تھے۔ اس کام میں وہ
اس قدر ماہر تھے کہ بڑے آرام سے انسان کی آدھی کھوپڑی کھول
دیتے اور پھر نازک اوزاروں کی مدد سے دماغ کا آپریشن کر کے
مریض کو اچھا کر دیتے۔ پانچ برس کے اندر اندر عنبر اس فن میں بھی ماہر
ہو گیا۔ اس نے اپنے استاد کے سامنے کئی مریضوں کی کھوپڑی کھول

کر ان کا علاج کیا اور انہیں شفایاب کیا۔ اس دوران میں عنبر کے ماں باپ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ عنبر پورا جوان ہو چکا تھا۔ اس کی پھوپھی کا بھی انتقال ہو چکا تھا اور وہ پولکا کے ساتھ اپنے استاد کی حویلی میں رہتا تھا۔ اسی سال مصر میں بہت بڑا سیلاب آیا۔ عنبر کے دوست قہرمان نے اسے خبر دی کہ اس کے ماں باپ سیلاب میں ہلاک ہو گئے ہیں۔ عنبر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اپنے مرحوم باپ کی قبروں پر دعا مانگنے کے لیے بھی مصر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ صبر شکر کر کے دمشق میں ہی بیٹھا رہا۔

اسے شام آئے بارہ برس گزر گئے تھے۔

اس عرصے میں اسے پتا چلا کہ فرعون مر گیا ہے اور اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی اخناتون تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ عنبر اسی دن کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے پولکا کو ساتھ لیا اور ایک روز اپنے استاد کو الوداع کہہ کر

مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ پورے تیرہ برس بعد اپنے وطن مصر آ رہا تھا۔ جب وہ وہاں سے گیا تھا تو نوعمر لڑکا تھا۔ مگر اب پورا جوان ہو چکا تھا اور طب میں مہارت حاصل کر چکا تھا۔ مصر پہنچ کر وہ سب سے پہلے اپنے پرانے گھر گیا۔ گھر کو سیلاب بہا کر لے گیا تھا۔ وہاں اب سوائے مٹی اور ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ سیدھا اپنے بچپن کے دوست قہرمان کے گھر آ گیا۔ قہرمان بھی اب جوان ہو گیا تھا۔ وہ فرعون کی شاہی فوج میں ملازم تھا۔ قہرمان اپنے پرانے دوست عنبر کو دیکھ کر اس سے لپٹ گیا۔ پھر اس نے اس کے ماں باپ کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا اور اسے ماں باپ کے قبروں پر لے گیا۔ عنبر نے روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے ماں باپ کی قبروں پر دعا مانگی اور واپس قہرمان کے گھر آ گیا۔ قہرمان کا گھر بڑا خوبصورت اور سجا ہوا تھا۔ وہ ایک قوی ہیکل فوجی جوان بن گیا تھا۔

جس کو بڑی اچھی تنخواہ ملتی تھی۔

''مجھے خوشی ہوئی ہے قہرمان کہ تم شاہی فوج میں چلے گئے ہو''۔

قہرمان نے کہا:

''ابھی تمہیں عنقریب یہ سن کر بھی خوشی ہوگی کہ میں مصر کا فرعون بن گیا ہوں''۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

''رب عظیم کرے کہ ایسا ہی ہو''۔

''ایسا ہی ہوگا عنبر، تم دیکھ لینا۔ ایک دن میرے ہاتھ میں مقدس چھڑی ہوگی۔ سر پر سونے کا عقابی تاج ہوگا اور میں مصر کے تخت پر فرعون بنا بیٹھا ہوں گا''۔

کچھ دیر وہ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اچانک قہرمان بولا:

''ارے ہاں، میں تو بھول ہی گیا۔ تمہارے باپ نے مرتے ہوئے مجھے ایک صندوقچی دی تھی اور کہا تھا کہ یہ عنبر کو دے دینا۔ تمہاری امانت میرے پاس محفوظ ہے۔ وہ تم لے لو''۔

''شکریہ قہرمان، کہاں ہے میری امانت؟''۔

قہرمان اپنے کمرے میں گیا اور سفید رنگ کی ایک ہاتھی دانت کی صندوقچی لے کر آ گیا۔

''یہ لو بھائی اپنی امانت''۔

''شکریہ قہرمان، اچھا اب میں جاتا ہوں''۔

''پھر کب ملو گے؟''

''کل شام کو آؤں گا''۔

قہرمان نے کہا:

''ضرور آنا۔ تمہیں اپنے ایک دوست سے ملاؤں گا''۔

''ضرور آؤں گا''۔

عنبر ہاتھی دانت کی صندوقچی لے کر واپس سرائے میں آ گیا۔ یہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ بوڑھا گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو چکا ہے۔ عنبر پر تو گویا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اب وہ اس دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ بہت دیر سرائے کے اندھیرے کمرے میں لیٹا آنسو بہاتا رہا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو حوصلہ دیا اور ہمت کر کے اٹھ بیٹھا۔ اس نے گرم دودھ کا ایک پیالہ پیا اور صندوقچی کھول کر اسے دیکھنے لگا کہ مرحوم باپ نے اس کے نام کیا کچھ چھوڑا ہے۔ سب سے پہلے اسے اپنے باپ کا ایک خط ملا۔ اس نے خط کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔ اس خط میں عنبر کے باپ رجال نے سارا راز کھول کر بیان کر دیا تھا۔ خط پڑھنے کے بعد عنبر حیرت میں گم ہو کر رہ گیا۔ تو کیا وہ رجال کا بیٹا نہیں ہے؟ کیا وہ فرعون کا بیٹا ہے؟ کیا ملکہ مصر اس کی ماں ہے؟ عنبر کا

جسم اس خیال سے کانپ گیا کہ وہ ایک ظالم فرعون کا بیٹا ہے۔ رجال نے خط کے آخر میں لکھا تھا:

''پیارے بیٹے' تمہیں اس صندوقچی میں ایک شاہی مہر بھی ملے گی۔ یہ مہر فرعون کی خاص مہر ہے اور سوائے شہزادے کے اور کسی کے پاس نہیں ہو سکتی۔ یہ مہر ہمیں اس کشتی میں ہی ملی تھی جس میں لٹا کر تمہیں دریائے نیل میں بہا دیا گیا تھا''۔

عنبر نے صندوقچی کا نچلا حصہ الٹ دیا۔ فرعون کے سونے کی شاہی مہر سرخ مخمل کے غلاف میں لپٹی ہوئی اس کے سامنے پڑی تھی۔ عنبر نے مہر اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لی۔ اس نے خط کو بھی سنبھال کر رکھ لیا اور عجیب قسم کے خیالات میں کھویا ہوا سو گیا۔ اگلے روز اٹھ کر وہ قہرمان کے پاس گیا۔ قہرمان وردی پہن کر شاہی محل جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس کا دو سفید گھوڑوں والا رتھ اس کے مکان

کے باہر کھڑا تھا۔ اس نے عنبر کو آتے دیکھ کر اسے خوش آمدید کہا۔

''دوست' تم رات آئے نہیں۔ تمہیں ایک خاص جگہ لے کر چلنا تھا''۔

عنبر نے کہا:

''میں تھکا ہوا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی ہوش نہ رہی''۔

''خیر کوئی بات نہیں' آج چلیں گے''۔

عنبر نے کہا:

''قہرمان' میں اس شہر میں طبابت کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہو؟''۔

''کیوں نہیں' میں تمہارا دوست ہوں۔ تم جس قسم کی مدد چاہو میں کرنے کو تیار ہوں''۔

عنبر بولا:

''میں اس شہر کی کسی چھوٹی سی حویلی میں بیماریوں کے لیے ایک شفا خانہ بنانا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ ہنر اپنے استاد سے سیکھا ہے اور چاہتا ہوں کہ دکھی اور بیمار لوگوں کی خدمت کروں''۔

قہرمان نے کہا:

''یہ کون سی مشکل بات ہے۔ میں آج ہی اس کا بندوبست کر دیتا ہوں۔ دریا کنارے میری اپنی حویلی خالی پڑی ہے تو وہی لے لو اور اپنا کام شروع کر دو''۔

''تمہارا شکریہ قہرمان' تم میرے سچے دوست ہو''۔

لمبا تڑنگا قہرمان قہقہہ لگا کر ہنس دیا اور عنبر کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر بولا:

''یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی عنبر' ہم دونوں دوست ہیں۔ سچے دوست ہیں اور ہمیشہ دوست رہیں گے۔ اگر تم کہو تو میں شاہی

فوج میں بھی تمہیں نوکری دلوا سکتا ہوں''۔

''نہیں دوست! میں بیمار لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں''۔

''جیسے تمہاری مرضی۔ مگر ہاں آج شام میرے ساتھ چلنا مت بھولنا''۔

''میں شام کو ضرور آؤں گا''۔

شام کو قہرمان عنبر کو لے کر تھیبس شہر کی ایک بہت مشہور اور امیر ترین رقاصہ کے پاس لے گیا جہاں شہر کے امراء اور شاعر لوگ آ کر وقت گزارتے تھے۔ اس رقاصہ کا نام طلالہ تھا۔ وہ بڑی پروقار اور خوبصورت عورت تھی۔ قہرمان نے طلالہ سے عنبر کا تعارف کروایا۔ وہ عنبر سے باتیں کرنے لگی۔ اب عنبر دوسرے تیسرے طلالہ کے ہاں جاتا۔

اس عرصے میں عنبر نے حویلی میں اپنا شفا خانہ بنا لیا تھا جہاں

سینکڑوں مریض آ کر اپنا علاج کرواتے تھے۔ عنبر نے کئی امیر لوگوں کا دماغی آپریشن بھی بڑی کامیابی سے کیا اور خوب دولت کمائی، لیکن وہ اپنی ساری دولت رقاصہ طلالہ کے گھر آ کر خرچ کر دیتا۔ یہ ایک بری عادت تھی جو اس کے دوست نے اسے ڈال دی تھی۔ عنبر چونکہ خاندانی آدمی تھا۔ اس لیے وہ برائی سے بچنا چاہتا تھا۔ ایک روز اس نے طلالہ سے کہا:

''طلالہ! میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے شادی کر لو تا کہ ہم دونوں ایک شریفانہ اور نیک زندگی بسر کریں''۔

طلالہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور بولی:

''کیا تمہارے پاس اتنی دولت ہے کہ مجھ سے بیاہ کر سکو؟''۔

عنبر نے کہا:

''تم جو مانگو میں وہ دینے کو تیار ہوں تا کہ تمہیں اس بری زندگی

سے نجات ملے اور میرا بھی گھر آباد ہو"۔

طلالہ نے کہا:

"اپنے آپریشن کے اوزار لا کر مجھے دے دو"۔

عنبر کانپ اٹھا۔ اس زمانے میں آپریشن کے اوزار بے حد مقدس سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ ان سے بیمار لوگوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں یہ خیال تھا کہ ان اوزاروں پر نیکی کے فرشتوں کا سایہ ہوتا ہے۔ مگر عنبر نے انکار نہ کیا اور محض اس خیال سے کہ اگر اتنی قربانی دے کر ایک بھٹکا ہوا انسان سیدھی راہ پر آجاتا ہے تو یہ سودا کوئی مہنگا نہیں ہے۔ طلالہ بڑی حیران ہوئی۔ اسے یہ ہرگز امید نہیں تھی کہ عنبر اوزاروں جیسی مقدس شے اسے دینے پر تیار ہوگا۔ ویسے بھی اس دور میں آپریشن کے اوزار سونے سے بھی زیادہ مہنگے تھے۔

دوسرے روز عنبر نے سارے کے سارے اوزار لا کر طلالہ کے

حوالے کر دیے۔ طلالہ نے اوزار لے کر اپنے صندوق میں بند کر دیے اور تالی بجا کر دو ہٹے کٹے حبشیوں کو بلایا اور کہا:

"اس نوجوان کو دھکے دے کر میرے گھر سے باہر نکال دو"۔

عنبر حیرت زدہ ہو کر طلالہ کا منہ دیکھنے لگا۔

"یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو طلالہ؟"۔

طلالہ نے غصے میں گرج کر کہا۔

"اور تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تم جیسے بھکاری سے شادی کروں گی؟ نکل جاؤ میرے گھر سے اور پھر کبھی ادھر کا رخ کیا تو گردن کٹوا دوں گی"۔

عنبر کچھ کہنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ ہٹے کٹے حبشی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کو اٹھایا اور دروازے میں سے بڑے زور کے ساتھ باہر گلی میں پھینک دیا۔ عنبر کو سخت چوٹیں آئیں اور وہ بے ہوش

ہو گیا۔ آسمان پر بادل زور سے گرجے، بجلی چمکی اور بارش شروع ہو
گئی۔ عنبر کو ہوش آیا تو وہ کیچڑ میں لت پت تھا اور اس پر بارش کا پانی گر
رہا تھا۔

اس کے دل نے عبرت پکڑ لی تھی۔

وہ چپکے سے اٹھا اور اپنی حویلی میں آ کر تخت پوش پر لیٹ گیا۔ پھر
اس نے غسل کیا۔ اپنے زخموں پر مرہم لگائی۔ کپڑے بدلے اور بستر
پر لیٹ گیا۔ ایک ہفتے کے بعد اس کے زخم ٹھیک ہو گئے۔ اس نے قہر
مان سے کوئی بات نہ کی۔ اس لیے کہ اب قہرمان فرعون کی فوج کا سپہ
سالار بن چکا تھا اور اپنا مکان چھوڑ کر شاہی محل میں ہی رہتا تھا۔ وہ
بہت کم عنبر سے ملتا تھا۔ عنبر نے غسل کے بعد دھلے ہوئے پرانے
کپڑے پہنے اور آخری بار طلالہ سے ملاقات کرنے اس کے عالی
شان مکان پر آ گیا۔ طلالہ نے اسے اندر بلوانے سے انکار کر دیا۔ عنبر

نے کہلوا بھیجا کہ وہ اس کے لیے ایک تحفہ لایا ہے۔ طلالہ نے لالچ میں
آ کر اسے بلوا لیا۔ وہ ایک شاندار مسہری پر بیٹھی تھی۔ عنبر نے اس کے
پاس آ کر جیب سے فرعون کی سونے کی شاہی مہر نکال کر کہا:

”اسے پہچانتی ہو؟“۔

طلالہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ فرعون کی شاہی مہر کو
صاف طور پر پہچان گئی تھی۔ اس نے کہا:

”ہاں ہاں، یہ شاہی مہر ہے“۔

”اس کو غور سے دیکھ لو“۔

”میں دیکھ رہی ہوں عنبر، یہ فرعون کی شاہی معہر ہے۔ مگر یہ تمہارے
پاس کیسے آ گئی؟“

”اس لیے کہ یہ میری ہے۔ یہ میرا حق ہے“۔

”کیا مطلب؟“

عنبر نے حقارت سے طلالہ کی طرف دیکھ کر کہا:

’’تم بدنصیب ہو طلالہ! ایک وقت آئے گا جب تمہیں علم ہو گا کہ تم نے عنبر سے نہیں بلکہ فرعون مصر کے بیٹے سے شادی سے انکار کیا تھا۔ پھر تم پچھتاؤ گی۔ مگر کچھ نہ ہو سکے گا‘‘۔

اتنا کہہ کر عنبر بڑی تیزی سے واپس ہو گیا۔ طلالہ اسے پکارتی ہی رہ گئی۔ مگر عنبر اس اثنا میں مکان سے باہر جا چکا تھا۔

فرعون اور اخناتون

فرعون اخناتون تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر بائیس تئیس برس تھی۔

اخناتون کا بڑا بھائی عاطون فرعون بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا۔ وہ عنبر کا باپ تھا اور اسی نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کی کسی بھی ملکہ کے ہاں اگر لڑکا پیدا ہوا تو اسے قتل کر دیا جائے عنبر کی قسمت اچھی تھی کہ وہ اپنی ماں ملکہ نفریتی کی عقل مندی سے دریا کی لہروں پر بہتا ہوا رجال کے گھر جا پہنچا اور بچ گیا۔ اس کی موت کے بعد لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اخناتون بڑا نرم دل نیک اور رعایا کا ہمدرد بادشاہ تھا۔ مگر تاریخی اعتبار سے جو بات اس میں سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ وہ یہ

تھی کہ یہ فرعون بتوں کی پوجا نہیں کرتا تھا۔ اس سے پہلے جتنے بھی فرعون گزرے تھے وہ مختلف بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ انہوں نے بجلی، بادل، پہاڑ، ستارے، سانپ اور سورج کے بت بنا رکھے تھے جن کی وہ مندروں میں پرستش کیا کرتے۔ مصر کے پائے تخت تھیبس میں سورج دیوتا کا ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس مندر میں سورج کے ساتھ ساتھ آگ، پانی، بجلی اور سانپ کے دیوتاؤں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔

اخناتون فرعون نے تخت پر بیٹھتے ہی اعلان کر دیا کہ وہ بتوں کی پوجا کے خلاف ہے۔ اس سے پہلے فرعون اپنے آپ کو بھی خدا کہا کرتے تھے۔ اخناتون نے اعلان کیا کہ وہ خدا نہیں ہے۔ سورج، آگ، بجلی بادل اور سانپ بھی خدا نہیں ہیں بلکہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق ہے۔ خدا ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہستی ہے۔

پیارے ساتھیو! یہ آج سے ٹھیک تین ہزار تین سو سال پہلے کا واقعہ ہے کہ اخناتون فرعون نے اعلان کیا کہ خدا ایک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے جس نے ساری چیزیں بنائی ہیں مگر اس کو کسی نے نہیں بنایا۔ کوئی اس کا ثانی نہیں۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کسی نے اسے پیدا کیا ہے۔ مصر کے فرعونوں کی پوری تاریخ میں یہ پہلا فرعون تھا جو توحید پرست تھا۔ یعنی جو ایک خدا پر ایمان رکھتا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کی بیوہ ملکہ نفریتی سے شادی کر لی اور کرناک شہر میں ایک بہت بڑی عبادت گاہ بنائی جس میں کوئی بت نہیں تھا، اس میں وہ آسمان کی طرف منہ کر کے عبادت کیا کرتا۔ اخناتون بڑے زبردست کردار کا مالک تھا۔ وہ ایک خدا کر پرستار تھا۔ وہ تخت و تاج کے علاوہ بہت بڑی سلطنت کا مالک تھا۔ مگر ان چیزوں سے اسے ذرا بھر محبت نہیں تھی۔

اس نے اپنی تمام کنیزوں، لونڈیاں اور غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ وہ اپنے کام آپ ہی کرنے کی کوشش کرتا۔ اس نے لوگوں کے پرانے مذہب یعنی بت پرستی کے خلاف قانون قرار دے کر بڑا انقلابی قدم اٹھایا تھا۔ اکثر لوگ اس کے خلاف ہو گئے۔ خاص طور پر بتوں کے بڑے پجاری تو آگ بگولا ہو گئے۔ کیونکہ ان کے حلوے مانڈے چلتے ہی بتوں کی پوجا کرنے والوں کے سر پر تھے۔ مگر اخناتون کے سامنے آنکھ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اس لیے کہ وہ مصر کا بادشاہ تھا۔ مگر ان پجاریوں نے اندر ہی اندر اخناتون کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

عنبر کا بچپن کا دوست قہرمان اب مصری فوج کا سپہ سالار بن چکا تھا۔ وہ اس چکر میں تھا کہ کسی طرح اخناتون فرعون کا تختہ الٹ کر خود تخت پر قبضہ کر لے۔ وہ بڑی جدوجہد اور محنت کے بعد سپہ سالار کے

عہدے تک پہنچا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ دربار کے سارے پجاری اخناتون کے خلاف ہو گئے ہیں تو اس نے پجاریوں کو ساتھ ملانے کا فیصلہ کر لیا۔ بڑے پجاری کا نام ارشمس تھا۔ ایک روز قہرمان نے ارشمس کو اپنے ساتھ لیا اور رتھ پر سوار کروا کر شہر سے باہر انگوروں کے باغ میں لے گیا۔ یہاں انگور کی بیلوں کے سائے میں سنگ مرمر کا ایک چبوترہ بنا تھا۔ دونوں چبوترے پر بیٹھ گئے۔ پجاری ارشمس نے کہا:

"اے مصری فوج کے سپہ سالار قہرمان' آپ نے مجھے کس لیے یا کیا؟"

قہرمان نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"ارشمس، تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ فرعون اخناتون حد سے آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ ہمارے باپ دادا کے مذہب کو برباد کرنے پر تلا ہوا

ہے۔اس نے ہمارے مندروں میں ہمارے بتوں کو توڑ دیا ہے۔اس
نے حکم دے دیا ہے کہ اب ان مندروں میں بتوں کی پوجا نہیں ہوگی
بلکہ ایک خدا آتون کی پوجا ہوگی“۔

ارخمس بولا:

”فرعون نے ہمارے مذہب میں مداخلت کر کے ساری رعایا کو
ناراض کر لیا ہے۔کوئی پجاری ایسا نہیں جو فرعون کے حق میں ہو،اسے
اچھا سمجھتا ہو۔اس نے ہمارے آباؤ اجداد کے بتوں کی توہین کی
ہے۔اس نے ایک ایسا گناہ کیا ہے جس کی سزا اسے دیوتا ضرور دیں
گے“۔

قہرمان بولا:

”میں آسمانی دیوتاؤں کی طرف سے فرعون کو اس کے گناہ کی سزا
دینا چاہتا ہوں کہ فرعون کو تخت سے اتار کر جلاوطن کر دیا جائے اور

اپنے باپ دادا کے مذہب کو پھر سے بحال کیا جائے۔اگر ہم نے ایسا
نہ کیا تو سو سال بعد ہمارے مذہب کا کوئی نام لینے والا بھی دکھائی نہ
دے گا“۔

ارخمس گہری سوچ میں پڑ گیا۔

”قہرمان آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ ہمارے آبائی کی کھوئی
ہوئی عزت بحال کرنا چاہتے ہیں یا تخت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟“۔

ارخمس نے قہرمان کے دل کی بڑی کمزور رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔
مگر قہرمان بھی بڑا چالاک تھا۔اس نے اپنے دل کی بات چھپاتے
ہوئے کہا:

”مجھے مصر کے تخت و تاج سے کوئی دلچسپی نہیں ۔میں صرف یہ
چاہتا ہوں کہ اپنے باپ دادا کے مذہب کا کھویا ہوا وقار پھر سے بلند کیا
جائے۔مندروں میں پھر سے ہمارے بتوں کی پوجا ہو۔گھروں میں

پھر سے ہمارے بتوں کی حمد وثنا کے ترانے گونجیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک فرعون مصر کو تخت سے نہیں اتارا جاتا۔ میرا مقصد صرف فرعون کو تخت سے ہٹانا ہے۔ میری طرف سے کوئی فرعون آ جائے۔ مگر وہ ہمارے مذہب میں دخل نہ دے"۔

ارخمس اندر ہی اندر سمجھ گیا تھا کہ قہرمان کو اپنے باپ دادا کے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسے اگر کوئی غرض یا لالچ ہے تو صرف مصر کے تخت وتاج حاصل کرنے کا لالچ ہے۔ چنانچہ وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے فرعون کی مخالفت کو اپنی غرض کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے بھی اپنے دل کی بات چھپائے رکھی۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ مندروں میں پھر سے بتوں کی پوجا شروع ہو جائے اور اس کا حلوہ مانڈہ چلتا رہے، فرعون چاہے کوئی بھی آ جائے۔

اس نے سر ہلا کر کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو قہرمان، اگر تمہارا عقیدہ یہی ہے، تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مصر کے تمام پجاری تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم اپنے مذہب کی ذلت ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتے"۔

"میں یہی چاہتا ہوں اور اسی پر عمل کروں گا"۔

اس کے بعد قہرمان بڑے پجاری کو لے کر واپس چل پڑا۔

محل میں فرعون اخناتون کے خلاف اندر ہی اندر ایک گہری سازش پکنے لگی۔

بڑے پجاری ارخمس اور سپہ سالار قہرمان نے تمام بڑے بڑے درباریوں کو فرعون کے خلاف سازش میں اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب وہ مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا۔ اسے اتنا ضرور معلوم تھا کہ فوج کا ایک طبقہ نیک دل فرعون کی انسانی ہمدردی اور اصلاحات سے بہت

متاثر ہے۔ اس لیے کہ اس نے فوج کے بعض افسروں کی تنخواہیں بڑھا
دی تھیں۔ ان کا راشن ابھی دگنا کر دیا تھا۔ ان کے بچوں کے لیے
دریائے نیل کے کنارے کنارے خوبصورت مکان بنوا دیے
تھے۔ اس کے خلاف قہرمان نے اندر ہی اندر مہر پھیلانا شروع کر دیا
کہ فرعون نے فوج کے ایک حصے کو رشوت دے کر خریدنے کی کوشش
کی ہے۔ پجاریوں نے بھی فوج میں یہ بات عام کر دی ہے کہ فرعون
اخناتون سے دیوتا ناراض ہو گئے ہیں۔

عنبر فرعون کی اصلاحات سے بہت خوش تھا۔ وہ اخناتون کی
شرافت اور انسانی محبت کے جذبے اور ایک خدا کی عبادت کرنے
کے خیال سے بہت متاثر تھا۔ مگر وہ محل سے باہر تھا اور بادشاہ کے لیے
کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ قہرمان بادشاہ کے خلاف
پجاریوں اور درباریوں کو اپنے ساتھ ملا کر سازش کر رہا ہے وہ بادشاہ

کی مدد کرنا چاہتا تھا اور مناسب موقع کے انتظار میں تھا۔

فرعون اخناتون کی یہ عادت تھی کہ وہ آدھی رات کو اٹھ کر غسل
کرتا۔ پاک صاف ہو کر نیا لباس پہنتا اور اکیلا ہی محل سے نکل کر دریا
کنارے ریت کے ٹیلوں کے پاس جا کر زمین پر قالین بچھا کر خدا کی
عبادت کرتا۔ قہرمان بادشاہ کی اس عادت سے باخبر تھا۔ اس نے
بادشاہ کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اپنے ایک خاص رازدار فوجی
کو قہرمان نے تیر کمان دے کر ریت کے ٹیلے کے پیچھے بٹھا دیا کہ
جوں ہی بادشاہ خدا کی عبادت کرنے بیٹھے وہ تیر کمان سے اسے ہلاک
کر دے۔ عنبر کو معلوم تھا کہ قہرمان فرعون کے خلاف بغاوت کرنے کی
تیاریاں کر رہا ہے اور وہ نیک دل فرعون کو ہلاک کر کے خود مصر کے
تخت پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ ایک روز وہ قہرمان کے دل
کا راز معلوم کرنے اس کے گھر گیا۔ قہرمان عنبر کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔

اس نے عنبر کو موت کا بھنا ہوا گوشت کھلایا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ عنبر نے جان بوجھ کر چہرہ اداس بنالیا۔

قہرمان نے پوچھا:

''کیا بات ہے عنبر آج تم اداس اداس نظر آرہے ہو؟''

عنبر نے جھوٹ موٹ آہ بھری اور کہا:

''قہرمان' تمہیں کیا بتاؤں' جب سے فرعون اخناتون تخت پر بیٹھا ہے، میں پریشان ہوگیا ہوں۔ جس وقت میں یہ سوچتا ہوں کہ ہمارے باپ دادا کا پرانا مذہب نیست و نابود ہو جائے گا تو میرا دل غم کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ اخناتون کو یہ حق ہرگز نہیں ہے کہ وہ ہمارے آباؤ اجداد کے مذہب کو تباہ کرے اور ہمارے دیوتاؤں کی مورتیوں کو توڑ کر انہیں مندروں سے نکال دے''۔

قہرمان بڑا خوش ہوا کہ عنبر بھی اس کا ہم خیال تھا اور فرعون

اخناتون کے خلاف تھا۔ اس نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''اس بات سے میں بھی بہت پریشان ہوں عنبر، اور ساری رعایا پریشان ہے۔ سارے پجاری اور درباری پریشان ہیں۔ وہ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ اخناتون ہمارے مذہب پر قاتلانہ حملہ کرے''۔

''قاتلانہ حملہ تو اس نے کر دیا ہے قہرمان' اس وقت مصر کے کسی مندر میں ہمارے مذہب کا، ہمارے دیوتاؤں کا ایک بھی بت نہیں ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر ہم نے غفلت کی تو دیوتاؤں کا ہم پر قہر نازل نہیں ہوگا؟''

''قہر تو ضرور نازل ہوگا''۔

''پھر اس کا علاج کیا ہے؟ ہم کس طرح اپنے دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم کس طریقے پر عمل کر کے اپنے

پرانے اور آبائی دین کو تباہی سے بچا سکتے ہیں؟''

قہرمان سوچنے لگا کہ وہ اپنی سکیم کے بارے میں عنبر کو آگاہ کرے یا نہ کرے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ اس نے کہا:

''یہ سوچنا رعایا کا کام ہے۔ پجاریوں اور درباریوں کا کام ہے۔ میں تو ایک سپاہی ہوں۔ میرا کام ملک کی حفاظت کرنا ہے۔ میں تمہیں کیا بتا سکتا ہوں۔ تم سوچو کہ تمہیں اپنے مذہب کو بچانے کے لیے کرنا چاہیے؟''۔

عنبر سمجھ گیا کہ قہرمان اس کو دامن نہیں پکڑانا چاہتا۔ قہرمان بڑا چالاک تھا۔ عنبر نے بات آگے بڑھانا مناسب نہ سمجھا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ اپنی حویلی میں واپس آ گیا۔ عنبر پریشان تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ قہرمان نے نیک دل

فرعون اخناتون کو قتل کروا کر خود تخت و تاج پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ وہ اخناتون کو قہرمان کی ہلاکت سے بچانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی ماں ملکہ نفریتی کے پاس جا کر اپنا آپ ظاہر کر دے۔ اسے کہہ دے کہ وہی اس کا بیٹا ہے اور قہرمان کی سازش سے آگاہ کر دے۔ وہ رات کو بستر پر لیٹا کروٹیں بدلتا رہا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ آخر وہ اٹھا اور حویلی سے باہر نکل کر دریا کنارے ٹہلنے لگ۔ رات کے وقت جنگلی جانوروں کے خطرے کے خیال سے اس نے اپنا تیر کمان کندھے پر ڈال لیا تھا۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس موسم کا اثر عنبر کی طبیعت پر بہت اچھا پڑا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے دریا کنارے کافی دور نکل گیا۔ دریائے نیل کا پانی بڑے سکون اور خاموشی کے ساتھ بہہ رہا تھا اور اس میں ستاروں کا عکس جھلملا رہا تھا۔ عنبر ریت کے ٹیلوں کے درمیان ٹہلتا ٹہلتا ایک

کھلے میدان میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک جوان آدمی سفید لباس پہنے قالین پر بیٹھا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے عبادت کر رہا ہے۔

ایک رتھ قریب ہی کھڑا تھا۔ اچانک عنبر کو خیال آیا کہ کہیں وہ فرعون مصر اخناتون تو نہیں؟ اس نے سن رکھا تھا کہ فرعون اکثر راتوں کو دریائے نیل کے کنارے خدا کی عبادت کیا کرتا ہے۔ عنبر ایک چھوٹے سے ٹیلے کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا اور فرعون مصر کو خدا کی عبادت کرتے دیکھنے لگا۔ اس کا خیال صحیح تھا۔ جس شخص کو وہ ریت پر بیٹھے عبادت کرتے دیکھ رہا تھا وہ فرعون مصر ہی تھا۔ فرعون دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے گردن جھکائے قالین پر دوزانو بیٹھا خدا کی عبادت میں محو تھا۔ عنبر کا دل بھی خدا کی محبت سے لبریز ہو گیا۔

عنبر اس منظر کو دیکھنے میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک اس نے محسوس کیا ایک سایہ رات کے ٹیلے سے نکل کر فرعون کی طرف بڑھ رہا ہے۔ عنبر

چوکنا ہو گیا۔ سایہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا فرعون کے عقب سے آگے چلا جا رہا تھا۔ عنبر کا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں فرعون کے خلاف کوئی بھیانک سازش پر عمل تو نہیں ہو رہا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سایہ فرعون کے عقب میں پہنچ کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے چمڑے کی پیٹی میں ہاتھ ڈال کر چمکتا ہوا خنجر نکال لیا۔ عنبر کانپ اٹھا۔ اس نے فوراً تیر کمان میں جوڑ کر قاتل کا نشانہ باندھا ٹھیک جب قاتل نے فرعون کے قتل کرنے کے لیے خنجر والا ہاتھ اوپر اٹھایا تو ادھر سے عنبر نے کمان کھینچ کر تیر چھوڑ دیا۔ تیر سیدھا قاتل کی پیٹھ میں جا کر لگا اور آر پار ہو گیا۔ قاتل منہ کے بل ریت پر گر کر تڑپنے لگا۔ عنبر ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر فرعون کے قریب آ گیا۔ فرعون کو ابھی تک کوئی خبر نہ تھی کہ اس پر قاتلانہ حملے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔ اس نے عبادت سے فارغ ہو کر عنبر کو اور ایک سپاہی کو زمین پر مرے ہوئے دیکھا تو پوچھا:

"اس کو کس نے مارا؟"

عنبر نے جھک کر تین بار سلام کیا اور سارا معاملہ کھول کر بیان کر دیا۔ فرعون کو جب معلوم ہوا کہ عنبر نے اس کی جان بچائی ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے عنبر کا ہاتھ تھام کر کہا:

"تم نے میری جان بچائی ہے نوجوان' بولو تم کیا مانگتے ہو؟ تم جو مانگو گے وہ میں تمہیں دوں گا۔ اس لیے کہ میں مصر کا بادشاہ فرعون ہوں"۔

عنبر نے ایک بار پھر جھک کر آداب کیا اور کہا:

"آپ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے جہاں پناہ' رب عظیم کا شکر ہے کہ میں اتفاق سے ٹہلتے ٹہلتے ادھر آ نکلا اور آپ کی جان بچ گئی"۔

فرعون اخناتون نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا:

"زندگی اور موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہی انسانوں کو زندگی عطا کرتا ہے۔ وہی انسانوں کو موت سے ہم کنار کرتا ہے۔ اس نے مجھے موت سے بچانا چاہا اور تمہیں میرے پاس تیر کمان لے کر بھیج دیا۔۔۔ تمہارا نام کیا ہے؟"۔

"عنبر جہاں پناہ"۔

"تم کیا کرتے ہو؟"

"میں حکیم ہوں جہاں پناہ، جڑی بوٹیوں سے بیماروں کا علاج کرتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے، آج سے تم ہمارے شاہی حکیم ہو۔ کیا تمہیں یہ عہدہ قبول ہے؟"۔

عنبر اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ جھٹ کورنش بجالا کر بولا:

"اس سے بڑھ کر میری عزت افزائی اور کیا ہوگی جہاں پناہ، میں

آپ کی خدمت کر کے فخر محسوس کروں گا“۔

فرعون نے اپنی انگوٹھی اتار کر عنبر کو دیتے ہوئے کہا:

”صبح تم محل میں آ جانا۔ یہ انگوٹھی تمہیں بغیر کسی رکاوٹ کے میرے پاس پہنچا دے گی“۔

فرعون اخناتون رتھ پر سوار ہو کر محل کی طرف چل دیا۔ عنبر تھوڑی دیر وہاں کھڑا سپاہی کی لاش کو دیکھتا رہا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس کا وہاں زیادہ دیر ٹھہرے رہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے جس شخص نے اس سپاہی کو فرعون کے قتل کے لیے بھیجا ہے۔ وہ یہاں پہنچانے والے ہوں۔ عنبر وہاں سے ہٹ گیا اور ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں میں سے گزرتا دریا کنارے سے ہو کر اپنی حویلی میں واپس آ گیا۔

حویلی میں واپس آ کر وہ باقی ساری رات اس واقعے پر سوچتا رہا۔ یہ اس کی خوش بختی تھی کہ فرعون نے خود اسے شاہی طبیب کے

عہدے پر فائز کر دیا تھا جب کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ محل میں کس طرح داخل ہو۔ وہ بڑی بے تابی سے صبح کا انتظار کرنے لگا۔

شاہی دربار

فرعون مصر اخناتون کا دربار لگا تھا۔

فرعون کی سواری ابھی نہیں آئی تھی۔ اس کا سونے کا عالیشان تخت ابھی خالی تھی۔ تخت کے اوپر سونے کا چھتر پڑا تھا۔ جس میں نہایت قیمتی ہیرے جواہرات جڑے تھے۔ دو سیاہ فام حبشی باز کے سفید پروں کے بڑے بڑے مورچھل لیے ادب سے کھڑے تھے۔ دربار میں سارے درباری، امیر وزیر، فوج کے اعلیٰ افسر، دوسرے ملکوں کے سفیر، پجاری، سیاست دان، دانشور اور ملک کے چنے ہوئے لوگ شاہی لباس پہنے سونے چاندی کی زرنگار کرسیوں پر بیٹھے بادشاہ کی

آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ سپہ سالار قہرمان بھی وہاں شاہی وردی پہنے موجود تھا۔ اس کے پاس ہی عنبر انتہائی بیش قیمت کپڑوں میں ملبوس دوسرے درباریوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تھا۔

فرعون اخناتون کے عہد میں مصر نے بڑی ترقی کی تھی۔ وہ دور مصر کی قدیم تہذیب کے عروج کا دور تھا۔ بڑے بڑے اہرام مصر تعمیر ہو چکے تھے۔ ملک میں خوش حالی تھی۔ لوگ محنت سے کام کرتے تھے۔ دریائے نیل پر بند مار کر سیلاب کی تباہ کاریوں کو روک لیا گیا تھا۔ دنیا کے ہر مہذب ملک کا سفیر فرعون مصر کے دربار میں موجود تھا۔ اخناتون نے کئی ملکوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو بحیرہ روم کے ساحلوں تک بڑھا لیا تھا۔ اس وقت مصر کی حکومت دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی۔ فرعون کا دربار کا شان و شکوہ دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ یہ دنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ کا دربار ہے۔ دربار کے در و دیوار

ہے دبدبہ، رعب، عظمت اور شوکت ٹپکتی تھی۔

قہرمان کو پتا چل گیا تھا کہ عنبر اس کے بھیجے ہوئے سپاہی کو ہلاک کر کے اور فرعون کی جان بچانے کے صلے میں دربار میں داخل ہوا ہے۔ اسے اس بات کہ عنبر اس کے بھیجے ہوئے سپاہی کو ہلاک کر کے اور فرعون کی جان بچانے کے صلے میں دربار میں داخل ہوا ہے۔

اسے اس بات کا بڑا صدمہ تھا کہ اس کے جگری دوست کی وجہ سے اس کی سازش ناکام ہو گئی۔ اگر اس رات عنبر سپاہی کو ہلاک نہ کرتا تو آج اخناتون کی جگہ سپہ سالار قہرمان مصر کے تخت پر بیٹھا ہوتا۔ لیکن وہ عنبر کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر بھی یہ صدمہ اس کے دل پر نقش ہو گیا تھا اور وہ عنبر سے نفرت کرنے لگا تھا۔ عنبر کو دربار میں شاہی حکیم کو مقام حاصل کرتے دیکھ کر اس نفرت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ مگر قہرمان نے دل کی بات دل ہی میں رکھی تھی۔ اور عنبر کی طرف مسکرا مسکرا کر دیکھ رہا تھا

بلکہ دربار میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے عنبر کو گلے لگا لیا تھا اور مبارک باد دی تھی۔

"تم نے بہادری کا کام کیا ہے عنبر' فرعون کی جان بچا کر تم نے اس کی محبت اور خوشنودی حاصل کر لی ہے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔ تم بہت ترقی کرو گے"۔

"شکریہ قہرمان، تم میرے جگری دوست ہو۔ اس وقت اگر تمہیں خوشی نہیں ہو گی تو پھر کس کو خوشی ہو گی۔ میں تمہاری دعاؤں کے لیے تہہ دل سے شکر گزار ہوں"۔

اس کے باوجود عنبر کا دل بھی قہرمان کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ قہرمان اس سے ناراض ہے کیوں کہ اس نے فرعون کی جان بچا کر قہرمان کے منصوبے پر پانی پھیر دیا ہے۔ لیکن اوپر سے وہ بھی قہرمان سے خندہ پیشانی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔

اتنے میں بڑے زور سے سینکڑوں میفریوں نے بج کر فرعون مصر کے دربار میں تشریف لگانے کا اعلان کیا۔ سارا دربار ادب سے اٹھ کھڑا ہوگیا۔ اس سے پہلے جب فرعون مصر دربار میں داخل ہوتا تھا تو سارے درباری سجدے میں گر جایا کرتے تھے۔ لیکن اخناتون نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ اس کے خیال میں انسان کو سجدہ صرف خدا کے سامنے کرنا چاہیے۔ کم خواب اور اطلس کی والدہ ملکہ مصر نفریتی کے ساتھ خدمت گاروں اور محافظوں کے جلو میں دریا میں داخل ہوا۔ ہر طرف ایک رعب سا چھا گیا۔ دربار میں سناٹا طاری ہوگیا۔ فرعون اور ملکہ بیش قیمت سونے کے تاروں میں منڈھا ہوا شاہی لباس اور سنے کے تاج پہنے تخت پر آ کر بیٹھ گئے۔

خدام ادب سے ایک طرف سر جھکائے کھڑے ہوگئے۔ غلاموں نے مورچھل ہلانے شروع کر دیے۔ درباری فرعون کا اشارہ پا کر اپنی

اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دربار میں گہری خاموشی طاری ہوگئی۔ اس وقت کوئی زیادہ زور سے سانس بھی لیتا تو اس کی آواز بھی آ جاتی وزیر دربار نے آگے بڑھ کر تخت کو بوسہ دیا اور عرض کی۔

''ملکہ نوبیہ کی جانب سے حضور کی خدمت میں تحائف پیش خدمت ہیں''۔

اس کے ساتھ ہی اشوری اور سوڈانی غلام سروں پر سونے چاندی کے طشت لیے آئے اور بادشاہ اخناتون کی خدمت میں رکھتے گئے۔ یہ طشت چین کے سلک، سوڈان کے سیاہ چیتوں کی کھالوں، بحیرہ روم کے عود و عنبر، یمن کے سچے موتیوں، سمرقند کے سیاہ ہرن کی کستوری، افریقہ کے جواہرات اور گولکنڈہ کے زمرد اور نوبیہ کے کانوں سے نکلے ہوئے سونے کے سکوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد میریا کے شہنشاہ کی طرف سے ہندی اور بابلی کنیزوں کا تحفہ پیش کیا گیا جسے

اخناتون نے شکریے کے ساتھ واپس کردینے کا حکم دیا۔

''سمیریا کے شہنشاہ کو ہماری طرف سے شکریے کا پیغام دینے کے بعد کہا جائے کہ ہم نے اپنی تمام کنیزوں کو آزاد کردیا ہے ہمیں اس قسم کے تحفوں کی ضرورت نہیں ہے''۔

سمیریا کے سفیر نے ادب سے سر جھکا کر کہا:

''جو حکم شہناہ جہاں''۔

فرعون اخناتون کے وزیر دربار نے ایک ملک شام کی جانب سے موصول ہوئے تحفوں کو پیش کرنا چاہا تو فرعون نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کردیا اور کہا:

'اس نوجوان کو پیش کیا جائے جس نے کل رات صحرا میں ہماری جان بچائی تھی'۔

دربار میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ سپہ سالار قہرمان کا چہرہ زرد پڑ

گیا۔ بڑے پجاری ارشمس کا بھی رنگ اتر گیا۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے فرعون پر ان کی سازش کا راز کھل گیا ہے اور ابھی وہ ان دونوں کے قتل کا حکم دے دے گا۔ قہرمان نے سوچا کہ اگر اس کے قتل کا حکم صادر کردیا گیا تو وہ اسی وقت آگے بڑھ کر فرعون کو قتل کردے گا اور تخت پر قبضہ کرلے گا۔ پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ قہرمان ایک دلیر سپہ سالار تھا۔ اس میں ایسا کرگزرنے کی جرات تھی۔ وزیر دربار نے عصا فرش پر مارتے ہوئے کہا:

''نوجوان عنبر کو حضور شہنشاہ پیش کیا جائے''۔

درباریوں کی قطار میں سے ایک کرسی پر سے عنبر اٹھا اور فرعون کے سامنے آکر تین بار ادب سے سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔ فرعون نے کہا:

''ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے خلاف کچھ لوگوں نے محض اس لیے

سازش کی اور ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش کی کہ ہم نے ملک سے جہالت دور کر کے ایک خدائے بزرگ و برتر کی پرستش کا حکم صادر کیا ہے۔ ہم نے اپنے ملک، اپنی قوم اور اپنے مذہب کو گناہ سے بچالیا ہے۔ ہم نے ایک نیک قدم اٹھایا ہے۔ ہم اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ خدا کو ہماری زندگی منظور تھی۔ اس نے ہمیں اس نوجوان کو بھیج کر بچالیا۔ ہم اس نوجوان سے خوش ہیں اور آج بھرے دربار میں اعلان کرتے ہیں کہ آج سے عنبر ہمارا شاہی حکیم ہوگا"۔

اس اعلان کے ساتھ ہی خدمت گاروں نے نفیریاں زور زور سے بجا کر عنبر کے شاہی حکیم بنائے جانے کا اعلان کر دیا۔ فرعون نے اپنے گلے سے ہیرے موتیوں کا بڑا ہی قیمتی ہار اتار کر خود عنبر کے گلے میں ڈالا۔

"یہ ہماری طرف سے تمہیں انعام ہے۔ آج سے تم ہمارے

دربار کے اعلیٰ عہدے پر مامور ہو گے۔ تم شاہی خاندان کا علاج کرو گے۔ اس کے علاوہ تم ہمارے دوست بھی ہو گے"۔

عنبر نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا:

"شاہِ معظم! آپ نے مجھے جس عزت سے نواز ہے میں اس کے لیے آپ کا ممنون ہوں۔ خدا نے چاہا تو میں اس خدمت پر پورا اتروں گا"۔

فرعون نے اعلان کیا:

"دربار برخاست کیا جاتا ہے"۔

ملکہ نفریتی اس وقت سے عنبر کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی مامتا نے ایک بار پھر جوش مارا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہی وہ عنبر جو اس کا بیٹا تھا۔ دربار برخاست ہو گیا۔ فرعون ملکہ کو ساتھ لے کر اپنے شاہی ایوان کی طرف چل دیا۔ درباریوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو

www.urdurasala.com

مبارک باد دی۔ بڑے پجاری نے حسد کی نظر سے عنبر کو دیکھا۔ قہرمان نے منافقت سے کام لیتے ہوئے عنبر کو گلے سے لگالیا اور کہا:

''مبارک ہو عنبر، رب عظیم کی قسم آج کا دن میری زندگی کا حسین ترین دن ہے۔ تم اسی لائق تھے کہ تمہیں شاہی حکیم کا عہدہ دیا جاتا۔ آج تمہارے اعزاز میں ایک زبردست دعوت ہوگی''۔

یہ شاندار دعوت قہرمان کے اپنے عالی شان مکان میں دی گئی۔ اس میں درباریوں کے علاوہ شہر کے تمام معزز ترین لوگ بھی شریک تھے۔ ہر طرف کھانے پینے کے طشت لگے تھے۔ مہمان قہقہے لگاتے، باتیں کرتے کھا رہے تھے۔ اس دعوت میں طلالہ بھی موجود تھی۔ عنبر نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر آگے بڑھی اور اس نے عنبر کو مبارکباد دی۔

''مبارک ہو عنبر تمہیں امید ہے تم ہم لوگوں کا دربار میں ضرور

خیال رکھو گے''۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے نکل گیا اور درباریوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

طلالہ نے قہرمان کو ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف بلایا:

''کیا بات ہے طلالہ؟ عنبر تم سے ناراض کیوں ہے؟ میں ایک عرصے بعد تم سے مل رہا ہوں۔ کیا کوئی جھگڑا ہو گیا تھا؟''

طلالہ نے کہا:

''ادھر انجیر کے درختوں میں آجاؤ۔ میں تم سے ایک راز کی بات کہنا چاہتی ہوں''۔

قہرمان طلالہ کے ساتھ اس طرف ہو گیا جہاں انجیر کے درختوں کا جھنڈ تھا اور سنگ مرمر کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔

''کہو وہ کون سی راز کی بات ہے؟ جو تم مجھے کہنا چاہتی ہو''۔

طلالہ نے ادھر ادھر غور سے دیکھا اور کہا:

''سنو قہرمان، جس نوجوان عنبر کو تم اپنا دوست سمجھتے ہو وہ کس کا بیٹا ہے؟''۔

قہرمان نے بڑے سکون سے کہا:

''رجال ماہر تعمیرات کا بیٹا ہے''۔

''غلط ہے۔ وہ رجال کا بیٹا نہیں ہے''۔

قہرمان نے مذاق سے قہقہہ لگا کر کہا:

''تو کیا وہ تمہارا بیٹا ہے؟''۔

طلالہ بولی:

''مذاق کا وقت نہیں ہے قہرمان میری بات غور سے سنو۔ عنبر مصر کا شہزادہ ہے۔ اس کے پاس شاہی خاندان کی مہر ہے''۔

قہرمان چونک پڑا:

''کیا کہا؟ عنبر مصر کا شہزادہ ہے؟''

''ہاں، اس کے پاس فرعون کی شاہی مہر ہے''۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''وہ مہر عنبر نے خود مجھے دکھائی تھی''۔

اس کے بعد طلالہ نے قہرمان کو ساری کہانی سنا ڈالی کہ کس طرح عنبر نے اس سے شادی کی خواہش کی۔ طلالہ نے اس سے جراحی کے آلات ہتھیا کر اپنے غلاموں سے کہہ کر اسے مکان سے باہر پھنکوا دیا اور پھر کس طرح عنبر نے اسے شاہی مہر دکھا کر کہا کہ طلالہ نے جس نوجوان کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کیا ہے وہ مصر کا شہزادہ ہے۔

قہرمان سوچنے لگا۔ پھر ہاتھ ہلا کر بولا:

''نہیں نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں بچپن سے عنبر کو جانتا ہوں۔ وہ رجال کے گھر میں پیدا ہوا۔ ہم دونوں چھوٹے تھے جب

دریا کنارے کھیلا کرتے تھے۔ پھر وہ بھلا مصر کا شہزادہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس نے وہ مہر کہیں سے چرائی ہو گی''۔

''بہر حال جو کچھ بھی ہو۔ فرعون کی شاہی مہر اس کے پاس موجود ہے۔ تمہیں اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے قہرمان''۔

قہرمان نے حسب عادت ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا:

''طلالہ' قہرمان ایک دلیر سپہ سالار ہے۔ وہ کسی سے خوف نہیں کھاتا' ہاں لوگوں کو اس سے ضرور ڈرنا چاہیے''۔

وہ دعوت میں آ گئے۔ قہرمان عنبر کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ پھر وہ اسے ایک طرف لے گیا۔ اس کے دل میں طلالہ کی بات نے ایک الجھن سی پیدا کر دی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ کسی سے خوف نہیں کھاتا تھا مگر عنبر کے پاس فرعون کی شاہی مہر کا ہونا خطرے سے خالی نہیں تھا اور اگر کسی طرح یہ مہر قہرمان کے پاس آ جائے تو وہ اس سے بڑا فائدہ اٹھا

سکتا تھا۔ اس نے عنبر سے کہا:

''عنبر' تم میرے بچپن کے دوست ہو۔ اگر میں تم سے کوئی بات پوچھوں تو کیا سچ سچ بتاؤ گے؟''۔

''ضرور سچ سچ بتا دوں گا۔ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''کیا تمہارے قبضے میں فرعون کی شاہی مہر ہے؟ اور اگر ہے تو تم نے وہ کہاں سے حاصل کی تھی؟''

شاہی مہر کا حال عنبر کسی حالت میں بھی قہرمان کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے اس کے سوال میں فوراً کہا:

''تمہیں کسی نے غلط کہا ہے دوست' میرے پاس بھلا شاہی مہر کہاں سے آ سکتی تھی؟''۔

''مجھے طلالہ نے کہا ہے''۔

عنبر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اب سمجھا" میں نے طلالہ کو ایک جھوٹی مہر دکھائی تھی۔ اس نے میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے اس کو جلانے کے لیے کہا تھا کہ میرے پاس شاہی مہر ہے اور یہ کہ میں مصر کا شہزادہ ہوں۔ کمال ہے قہرمان، تم نے یقین بھی کر لیا۔

آخر میں تمہارے ساتھ پلا بڑھا ہوں۔ کیا تمہیں یقین آ سکتا ہے کہ میں مصر کا شہزادہ ہوں"۔

"یہی تو میں بھی حیران تھا کہ عنبر میری آنکھوں کے سامنے پل بڑھ کر میرے ساتھ ہی جوان ہوا۔ پھر بلا وہ مصر کا شہزادہ کیسے ہو گیا؟"۔

عنبر نے رب عظیم کا شکریہ ادا کیا کہ قہرمان کے دل میں طلالہ نے اپنی مکاری سے جو بات ڈالی تھی وہ اس نے بڑی حکمت عملی اور ہوشیاری سے نکال دی تھی۔ لیکن یہ اس کا وہم تھا۔ اس لیے کہ قہرمان

کے دل میں عنبر کے بارے میں شک ضرور پیدا ہو گیا تھا۔ آخر اس کے پاس شاہی مہر کہاں سے آ گئی تھی؟ قہرمان نے اس بارے میں پوری تحقیق کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

رات گئے دعوت ختم ہو گئی۔ عنبر اپنی حویلی میں آ کر لیٹ گیا۔ وہ بڑا تھکا ہوا تھا اسے بہت جلد نیند آ گئی۔ دوسرے روز وہ شاہی لباس پہن کر شاہی رتھ میں سوار ہو کر فرعون کے دربار میں پہنچ گیا۔ اسے تمام درباریوں نے پہلے روز دربار میں آنے پر مبارک باد دی۔ عنبر کی نگاہیں قہرمان کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عنبر کے قریب سے بڑا پجاری شاہی عصا ہاتھ میں لیے منہ ہی منہ میں کوئی منتر پڑھتا گزرا۔ عنبر نے اس قہرمان کے بارے میں پوچھا:

"مقدس پروہت، کیا آپ کو معلوم ہے قہرمان کہاں ہے؟"

بڑے پجاری نے رک کر عنبر کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور بڑی رعونت سے کہا:

"ہمیں سپہ سالار سے کیا کام، ہمیں کیا معلوم کہ وہ کہاں ہے؟"

اتنا کہہ کر پجاری آگے بڑھ گیا۔ عنبر سوچتا رہا کہ بڑے پجاری کی اس رعونت اور تکبر کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ عنبر سے نفرت کرتا ہو۔ اس لیے کہ قہرمان نے اسے اپنے ساتھ ملا لیا ہو۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے فرعون کو قتل کرنے کی سازش میں بڑے پجاری کا بھی ہاتھ تھا۔

ایک سیاہ چشم کنیز عنبر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے نکل گئی۔ پہلے تو عنبر ذرا ٹھٹکا۔ اس خیال سے کہ درباری اسے ایک کنیز کے پیچھے جاتے کیا خیال کریں گے۔ مگر کنیز نے ستونوں کے پیچھے کھڑے ہو کر اسے دوبارہ اشارہ کیا تو وہ رک نہ سکا۔ آگے بڑھ کر اس

نے کنیز کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ کنیز اسے لے کر شاہی محل کے پچھلے حصے کی طرف لے آئی۔ یہاں ایک باغ تھا جس میں دنیا بھر کے درخت اور پھول دار پودے لگے تھے۔ سنگ مرمر کے فوارے جگہ جگہ چل رہے تھے۔ ایک عالی شان بارہ دری کے اندر سنگ مرمر کے چبوترے پر فرعون کا بت لگا ہوا تھا۔ داہنی جانب شاہی محل کے زنانہ حصے کا پچھواڑہ تھا۔ اس محل میں ملکہ اپنی بے شمار کنیزوں، خادماؤں اور ماماؤں کے ساتھ رہتی تھی۔ دروازوں پر سیاہ فام حبشی غلاموں کے پہرے لگے تھے۔ یہ حبشی پہرے دار ننگی تلواریں لیے چاق و چوبند کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر ایک پل کے لیے رک گیا۔ کنیز نے عنبر کو رکتے دیکھا تو قریب آ کر کہا:

"میرے آقا! بے فکر ہو کر آگے بڑھیے۔ ملکہ عالیہ آپ کی راہ دیکھ رہی ہیں"۔

عنبر کا دل دھڑ کنے لگا تو گویا وہ عرصہ پندرہ برس کے بعد اپنی حقیقی ماں کو ملنے جا رہا تھا۔ اس کا دل ماں کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور چپ چاپ کنیز کے پیچھے پیچھے چلتا محل میں داخل ہو گیا۔ حبشی غلاموں نے کنیز کے ساتھ عنبر کو دیکھ کر سر جھکائے اور پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ جیسے عنبر کو ملکہ کے محل میں داخل ہونے کے لیے راستہ دے رہے ہوں۔ عنبر محل کی چوڑی چوڑی خوبصورت سیڑھیاں چڑھتا اوپر کی منزل میں آ گیا۔ یہاں سنگ مر مر کے ستونوں کے درمیان ایک غلام گردش مغربی دالان کی طرف نکل گئی تھی۔ اس دالان کے آخر میں ملکہ کا شاہی کمرہ تھا۔ اس کمرے کے باہر خواجہ سرا پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر کو کنیز کے ساتھ آتے دیکھ کر انہوں نے دروازہ کھول دیا۔

اندر ایک عالی شان تخت پر ملکہ مصر بیٹھی تھیں۔ وہ ادھیڑ عمر ہو رہی تھیں۔ چہرے پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ملکہ نے عنبر کو غور سے دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔

فرعون کا قتل

ملکہ نفریتی نے اشارے سے کنیز کو باہر چلے جانے کو کہا۔

کنیز سر جھکا کر شاہی حجلے سے باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں ماں بیٹا دونوں اکیلے تھے۔ ملکہ نے عنبر کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور کہا:

''عنبر' کیا تمہیں یقین ہے کہ تم رجال کے بیٹے ہو؟''

عنبر نے ایک نظر ملکہ کو' اپنی ماں کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کا دل ماں کے قدموں پر نچھاور ہونے کو بے تاب

ہو گیا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ ملکہ نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لیے تھے۔ اس نے عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ عنبر نے اپنے خون میں ماں کی ممتا کو محسوس کیا۔ اس نے آنسو بھری پلکیں اٹھا کر کہا:

''ملکہ عالیہ' مجھے درویش اناطول نے بتایا ہے کہ میں ایک ننھی سی کشتی میں دریائے نیل کی موجوں پہ بہتا چلا جا رہا تھا کہ ایک صبح میرے ماں باپ نے مجھے وہاں سے اٹھا لیا اور گھر لا کر پرورش شروع کر دی''۔

ملکہ کی پلکوں پر آنسوؤں کے ستارے لرزنے لگے۔ اس نے کہا:

''اس کشتی میں ایک شاہی مہر بھی تھی''۔

''وہ مہر میرے پاس موجود ہے ملکہ عالیہ' میرا باپ مرتے وقت وہ مجھے دے گیا تھا اور ایک خط میں یہ لکھ گیا تھا کہ میں اس کا بیٹا نہیں ہوں بلکہ مصر کے شہزادوں میں سے ہوں''۔

عنبر نے شاہی عبا کی جیب میں سے باپ کا خط اور شاہی مہر نکال
کر ملکہ کے سامنے رکھ دی۔ ملکہ نے خط کو غور سے پڑھا۔ پھر شاہی مہر
کو دیکھا اور ''میرے بیٹے'' کہہ کر عنبر کو اپنے سینے سے لگا لیا دونوں
ماں بیٹے کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ پندرہ
برس کے بعد ماں اور بیٹے کا ملاپ ہوا تھا۔ وہ کتنی دیر ایک دوسرے
کے پاس بیٹھے ممتا بھری باتیں کرتے رہے۔

''میرے بیٹے! اگر تیرے باپ نے تمہیں قتل کرنے کا حکم نہ دے
رکھا ہوتا تو میں تمہیں کیسے اپنے سے جدا کرتی؟ میں نے کلیجے پر پتھر
باندھ کر تمہیں دریا کے سپرد کیا تھا میں نے اپنے رب عظیم کے حضور دعا
کی تھی کہ وہ تمہاری رکھوالی کرے اور تمہیں جلد مجھ سے ملا دے۔ رب
عظیم نے آج میری دعا قبول کر لی ہے۔ آج کا دن میری زندگی کا
سنہری دن ہے۔ خوش قسمت دن ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا پھر مجھ سے

آن ملا ہے''۔

عنبر نے اپنی ماں کا ہاتھ اپنی آنکھوں پر لگاتے ہوئے کہا:

''ماں! میں بھی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ اتنے عرصے
کے بعد تم سے آن ملا۔ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو میں کبھی اپنی ماں سے
نہ مل سکتا تھا''۔

ملکہ نے اسی وقت شارمین کو طلب کیا۔ شارمین بھی ادھیڑ عمر کی
ہو چکی تھی۔ وہ اندر آئی تو ملکہ نے کہا:

''شارمین! یہ میرا بیٹا عنبر ہے۔ تم نے ہی اسے کشتی میں سوار کیا تھا
جب اس کی عمر بمشکل ایک دن تھی۔ کیا وہی ناک نقشہ نہیں ہے میرے
بچے کا؟''۔

شارمین نے کہا:

''ملکہ عالیہ! میں تو پہلے ہی آپ سے کہتی تھی کہ عنبر آپ ہی کا بیٹا

ہے۔ اس کی آنکھیں نیلی ہیں اور آپ کے بچے کی آنکھیں بھی نیلی تھیں اور پھر شاہی مہر سوائے آپ کے بچے کے اور کسی کے پاس نہیں ہو سکتی"۔

"شارمین، عنبر مجھے مل گیا۔ میرا بیٹا مجھے واپس مل گیا۔ اگر میں اپنے بیٹے کو دیکھے بغیر مر جاتی تو میری روح کو کبھی سکون نصیب نہ ہوتا۔ اب میں آرام سے مر سکوں گی"۔

عنبر نے اپنی ماں کا ہاتھ تھام کر کہا:

"ایسا نہ کہو میری ماں، میں تمہیں ہرگز ہرگز مرنے نہیں دوں گا"۔

ملکہ نے سرد آہ بھر کر کہا:

"تمہیں کیا معلوم کہ میرے اور فرعون مصر اخناتون کے قتل کے لیے دربار میں کیسی کیسی گھناؤنی سازشیں ہو رہی ہیں۔ اخناتون بھولا بھالا فرعون ہے۔ دربار کے اکثر لوگ اس کے خلاف ہو گئے ہیں اور

بڑا پجاری سپہ سالار کے ساتھ مل کر بغاوت کا منصوبہ بنا رہا ہے"۔

عنبر نے کہا:

"مجھے اس کی خبر ہے ملکہ عالم"۔

"پھر تم اس کے لیے کیا کر سکتے ہو بیٹا؟ دراصل ہم سب کو مل کر اس سازش کو ناکام بنا دینا چاہیے۔ قہرمان ایک زبردست چال چل رہا ہے۔ اس کا ارادہ فرعون مصر اور مجھے قتل کر کے تخت پر زبردستی قبضہ حاصل کرنا ہے"۔

"وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گا ماں، میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ آپ اس کا مقابلہ کریں گے۔ ہم سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے"۔

"بڑا پجاری اور فوج کا بہت بڑا حصہ اس کے ساتھ ہے عنبر"۔

"پھر کیا ہوا ماں، ہم ہر حالت میں قہرمان کے ناپاک عزائم کا

مقابلہ کریں گے‘‘۔

ملکہ نفریتی نے اپنے بیٹے‘ اپنے شہزادے کا ماتھا چوم کر کہا:

’’تم واقعی میرے بہادر بیٹے ہو عنبر۔ تم ایک دلیر اور جرات مند شہزادے ہو۔ میں جانتی ہوں، تم اپنے ماں باپ کے تخت و تاج اور عزت پر آنچ نہ آنے دو گے۔ مگر تم قہرمان اور بڑے پجاری کی طاقت کا غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ ان دونوں کے درباریوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں بڑی ہوشیاری اور سیاست سے کام لینا پڑے گا‘‘۔

’’تم مجھے جیسا حکم کرو۔ میں تیار ہوں ماں‘‘۔

’’میرے خیال میں ہمیں چھوٹے پجاری اور وزیر دربار کو ساز باز کر کے اپنے ساتھ شامل کر لینا ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قہرمان اور بڑے پجاری کے خلاف بڑی آسانی سے صف آرا ہو جائیں گے۔

یہ میرا کام ہے۔ میں آج ہی ان دونوں کو الگ الگ بلا کر ان سے بات کرتی ہوں‘‘۔

’’آخر انہیں کیا پڑی ہے ماں کہ وہ سپہ سالار اور بڑے پروہت کے خلاف محاذ کھولیں گے؟‘‘

’’میں وزیر دربار کے بیٹے کو سپہ سالار بنا دوں گی اور چھوٹے پجاری بڑے پروہت کا درجہ دے دوں گی‘‘۔

’’میرے خیال میں یہ حکمت عملی مناسب رہے گی‘‘۔

ملکہ نے سوچ کر کہا:

’’ایک بات کا ہمیں خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ابھی دربار میں کسی پر یہ راز نہیں کھلنا چاہی کہ تم شہزادے ہو اور مجھ سے مل چکے ہو۔ اسی لیے میں نے تمہیں آج بڑے خفیہ طریقے سے محل میں منگوایا ہے‘‘۔

’’ایسا ہی ہوگا ماں‘‘۔

"اب میرے بیٹے تم جا سکتے ہو۔کل شام تم مجھ سے ملنے آنا میں تمہارا انتظار کروں گی"۔

"جو حکم ملکہ عالیہ"۔

عنبر ماں کے قدموں کو ہاتھ لگا کر واپس آ گیا۔تھوڑی دیر بعد دربار لگا۔فرعون مصر اخناتون اور ملکہ نفریتی نفریوں کے شور میں تخت پر آ کر جلوہ افروز ہوئے۔ دربار میں فرعون نے دوسرے اعلیٰ درباریوں کے ساتھ عنبر کو بھی کرسی پیش کی اور ضروری کارروائی کے بعد دربار برخاست ہو گیا۔

اس دوران میں ملکہ نفریتی نے عنبر کی طرف دو ایک بار غور سے دیکھا۔جیسے اسے کہہ رہی ہو"میرے بیٹے ابھی کسی پر ماں بیٹے کے ملاپ کا راز نہ کھلے"۔

دربار برخاست ہونے کے بعد قہرمان نے عنبر سے ادھر ادھر دو

تین باتیں کیں اور رخصت لے کر شاہی مہمان خانے کی طرف چلا گیا۔شاہی مہمان خانے کے باہر انجیر کے درختوں کے جھنڈ میں پجاری اور فرعون کا ایک خاص ملازم ایک رتھ پر بیٹھے قہرمان انتظار کر رہے تھے۔قہرمان اسے ساتھ لے کر قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔ قلعے کے شمالی برج کے نیچے ایک پرانے اہرام کے کھنڈر میں انہوں نے اپنی خفیہ ملاقات شروع کر دی۔اس ملاقات میں یہ طے پاتا تھا کہ کس وقت آج رات فرعون مصر اور ملکہ مصر کو ہلاک کر دیا جائے۔

"میرے خیال میں آدھی رات کے بعد انہیں زہر دے کر ہلاک کر دینا چاہیے"۔

یہ رائے بڑے پجاری نے دی تھی۔قہرمان سوچنے لگا۔وہ ایک ہی وقت میں دونوں کو ہلاک کرنے کے حق میں تھا اور اس کے لیے رات کے شروع کا حصہ اس کے خیال میں بے حد موزوں تھا۔اس

نے فرعون کے خاص ملازم کو سونے کے سکوں کی ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا:

''یہ لو اپنا اور کام خوش اسلوبی سے ختم کرنے کے بعد تمہیں ترقی دے کر داروغہ مطبخ بنا دیا جائے گا۔ تمہارا یہ کام ہے کہ رات کو جب بادشاہ اور ملکہ کھانا کھانے بیٹھیں تو تم سب کی آنکھ بچا کر صرف بادشاہ اور ملکہ کے کھانے میں یہ زہر ملا دو۔ یہ زہر پھیکا ہے اور اس کا اثر ایک پل کے اندر اندر ہو جاتا ہے۔ اگر تم نے یہ کام کامیابی سے کر دیا تو تمہیں اور انعام دیا جائے گا''۔

فرعون کے ملازم خاص نے زہر کی چمڑے کی بوتل قہرمان سے لے کر اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا:

''رب زیوس کی قسم' آج کی رات فرعون اور ملکہ کی آخری رات ہو گی۔ کل وہ اس دنیا میں نہیں ہوں گے''۔

''شاباش''

اس کے بعد بڑے پجاری اور قہرمان نے آپس میں کچھ دیر صلاح مشورہ کیا اور پھر واپس روانہ ہو گئے۔ قہرمان نے ایک بڑا زبردست منصوبہ بنایا تھا۔ فرعون کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے یہ ایک بڑی ہی خوفناک سازش تھی۔ قہرمان کا منصوبہ یہ تھا کہ فرعون اور ملکہ کے ہلاک ہوتے ہی فوراً ان کی موت کا اعلان کر کے تخت پر قبضہ حاصل کر لیا جائے۔ ملک کی تمام سرحدیں بند کر دی جائیں۔ غیر ملکی سفیروں کی حویلیوں کے باہر پہرہ لگا دیا جائے اور فرعون کے حامیوں کو فوراً سرعام قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک گھناؤنی سازش تھی جس سے بے خبر فرعون بڑے سکون سے اپنے محل کی عبادت گاہ میں رب عظیم کی عبادت کر رہا تھا۔ وہ بڑے عجز و انکسار کے ساتھ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے، سر جھکائے دعا مانگ رہا تھا۔ دوسری طرف ملکہ

نفریتی اپنی خواب گاہ میں خرطوم کے ریشمی پردوں کے پیچھے عود وعنبر کی خوشبوؤں میں آرام دہ مسہری پر بیٹھی شارمین کے ساتھ باتیں بھی کر رہی تھی اور خراسانی ہرن کی اون کے بنے ہوئے دھاگے سے بنائی بھی کر رہی تھی۔

ملکہ نفریتی نے شارمین کو سارے راز سے آگاہ کر رکھا تھا۔اس نے وزیر دربار اور نائب پجاری کو بلا کر ان سے ساری بات طے کر لی تھی۔انہیں تیار کر لیا تھا کہ وہ قہرمان اور بڑے پجاری کے خلاف ہر قسم کی سازش میں ان کا ساتھ دیں۔دونوں درباری ملکہ کے سامنے سر جھکا کر راضی بہ رضا ہو گئے تھے۔مگر قسمت ملکہ کے ان تمام منصوبوں پر مسکرا رہی تھی۔جوں جوں شام کے کھانے کا وقت قریب آ رہا تھا،ملکہ کی موت کا وقت بھی قریب آتا جا رہا تھا۔

رات کا کھانا فرعون اخناتون اور ملکہ نفریتی ہمیشہ مل کر کھاتے

تھے۔حسب معمول جب رات کے کھانے کا وقت آیا تو کنیزوں نے سونے کی سلفچی لا کر ملکہ مصر کے ہاتھ دھلائے اور انہیں کاشان کی ریشمی شال سے پونچھ کر خشک کیا۔پھر ملکہ کے بالوں میں کنول کے سفید پھولوں کا گجرا سجایا اور اس کی ریشمی عبا تھام کر کھانے کے کمرے کی طرف چل پڑیں۔کھانے کے کمرے میں ایک طرف سے ملکہ مصر اور دوسری طرف سے فرعون مصر داخل ہوا۔دونوں ایک جگہ پہنچ کر ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے۔وسط میں سونے چاندی کی طشتریوں میں قسم قسم کے کھانے سجے ہوئے تھے۔ایسے کھانے کبھی کسی بادشاہ کی میز پر بھی کم دیکھنے میں آئے ہوں گے۔دنیا کا کوئی پرندہ ایسا نہیں تھا جس کا بھنا ہوا گوشت وہاں موجود نہ تھا۔کوئی مٹھائی اور پھل ایسا نہیں تھا جو وہاں میز پر موجود نہ ہو۔ملکہ مصر اور فرعون اخناتون ساتھ ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔نوکروں نے کھانا ڈالنا شروع کر دیا۔

فرعون کا ملازم خاص اپنی مکار آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے
مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ بادشاہ
اور ملکہ کو سوڈان کے سیاہ انگوروں کا رس بہت پسند ہے اور کھانے کے
بعد وہ انگور کے رس کا ایک ایک گلاس ضرور پیتے ہیں۔

اس ملازم خاص نے زہر اسی وقت کے لیے بچا کر رکھا ہوا تھا۔
کھانے کی محفل کوئی دو گھنٹے تک جاری رہی۔ فرعون اور ملکہ کھانا بھی
کھاتے رہے اور باتیں بھی کرتے رہے۔ اس اثنا میں قہرمان فوج
کے دستوں میں اپنے خاص فوجی افسروں کو ضروری ہدایات دے چکا
تھا۔ بڑے پجاری نے بھی دربار کے اپنے مخصوص طبقے کو اپنے ساتھ
کر لیا تھا۔ قہرمان بادشاہ کے محل کی بارہ دری میں بڑے پجاری کے
ساتھ چھپ کر بیٹھا فرعون اور ملکہ مصر کے ہلاک ہونے کا انتظار کر رہا
تھا۔

کھانے کے بعد جب انگور کا رس پینے کا وقت آیا تو بادشاہ نے
ملازم خاص کی طرف اشارہ کیا۔ ملازم خاص نے ادب سے سر جھکایا
اور پردے کے پیچھے جا کر جیب سے زہر کی بوتل نکالی۔ اور دونوں
گلاسوں میں زہر کا ایک ایک قطرہ انڈیل دیا۔ یہ زہر بے حد زہر قاتل
تھا اور اس کا ایک قطرہ پچاس آدمیوں کو ہلاک کر سکتا تھا۔ انگور کے رس
میں زہر ملا کر ملازم خاص سونے کے طشت میں دونوں گلاس سجا کر
باہر آ گیا۔ جھروکے کی جالیوں میں سے بڑا پجاری اور قہرمان یہ سارا
منظر دیکھ رہا تھا۔ جوں جوں فرعون اور ملکہ کی موت کی گھڑی قریب آ
رہی تھی۔ ان کے دل کی دھڑکنوں کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ جب
انہوں نے ملازم خاص کو انگوروں کا رس بادشاہ اور ملکہ کی طرف
بڑھاتے دیکھا تو دم بخود سے ہو کر نتیجے کے سامنے کا انتظار کرنے
لگے۔ ایک پل کے اندر نتیجہ ان کے سامنے آنے والا تھا۔ قہرمان ایک

پل کے بعد مصر کا بادشاہ بننے والا تھا۔ شاہی تخت و تاج کا مالک بننے
والا تھا۔

ملکہ اور فرعون اخناتون نے انگوروں کے سیاہ میٹھے، مگر زہر آلود
رس کے گلاسوں کو ہاتھوں میں تھام کر ایک دوسرے کی طرف مسکرا کر
دیکھا اور کہا۔۔۔اسے غٹا غٹ پی گئے۔ اس سے بے خبر کہ ان
گلاسوں میں بڑا مہلک زہر ملا ہوا تھا۔ بادشاہ اور ملکہ نے اس کے
گلاس ہونٹوں سے لگائے ہی تھے کہ ملازم خاص فوراً دوسری کمرے
میں روپوش ہو گیا۔ جوں ہی رس کے گلاس خالی ہوئے بادشاہ اور ملکہ
کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف تعجب
سے دیکھا۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ قاتل زہر معدے میں جا کر اپنا
کام کر چکا تھا۔ ان کے ماتھوں پر پسینہ آ گیا۔ انہوں نے بولنا چاہا مگر
زبان جیسے پتھر کی ہو گئی۔ اس نے ہلنے سے انکار کر دیا۔ ملکہ نے اپنا

ہاتھ فرعون کی طرف پھیلانا چاہا۔ مگر وہ ہاتھ نہ اٹھ سکا۔ دونوں کے
چہرے سبز ہو گئے۔ ان کے جسم ٹھنڈے پڑ گئے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے
دھڑام سے نیچے بیش قیمت قالین پر مردہ ہو کر گر پڑے۔

ان کے گرتے ہی ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔ کنیزوں
اور ملازموں کی چیخیں نکل گئیں۔ نوکروں نے شور مچاتے ہوئے ادھر
ادھر دوڑنا شروع کر دیا۔ حبشی غلام بھاگ کر اندر آ گئے۔ انہوں نے
بادشاہ کو اٹھانا چاہا مگر بادشاہ کا جسم مر کر پتھر ہو گیا تھا۔ اتنے میں ننگی
تلوار ہاتھ میں لیے سپہ سالار فوج قہرمان اندر داخل ہوا اور اس نے
آتے ہی اعلان کیا:

"خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی۔ فرعون مر چکا
ہے۔ آج سے میں فرعون مصر ہوں"۔

ایک وفادار حبشی خنجر لے کر قہرمان کی طرف بڑھا۔ قہرمان نے

تلوار کے ایک ہی وار سے حبشی کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس کے بعد
کسی کو آگے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ قہرمان فوراً شاہی محل کے
دیوان خاص میں آیا۔ وہاں فرعون کے قتل کی خبر پہنچ چکی تھی اور فرعون
کے وفادار درباری شور مچا رہے تھے۔ قہرمان نے آتے ہی بادشاہ کے
حامی درباریوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ دس گیارہ درباریوں
کو قتل کر چکا تو باقیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ ادھر فوج میں سپہ سالار
قہرمان کے حامی افسروں نے بادشاہ کے وفادار افسروں کو ہلاک کر
کے ساری فوج کو زیادہ تنخواہ کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا
تھا۔ بڑے پجاری نے نائب پجاری کو قتل کرنے کے بعد سارے
پروہتوں کی حمایت حاصل کر لی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ فرعون مر چکا
ہے اور ان کا پرانا مذہب نئے فرعون قہرمان نے بحال کر دیا ہے۔
قہرمان نے دربار کے وسط میں کھڑے ہو کر اپنے فرعون ہونے کا

اعلان کر دیا۔ سارے دربار پر سناٹا چھایا تھا۔ وہ اپنے سر پر سونے کا
تاج رکھ کر اپنے وفادار فوجی سرداروں کے ساتھ چبوترے کی طرف
بڑھا اور تخت پر جا کر بیٹھ گیا۔ فوجی سرداروں نے زور زور سے نعرے
لگائے جس کا جواب درباریوں نے بھی نعروں سے دیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ دربار نے قہرمان کو فرعون تسلیم کر لیا تھا۔

تم نہیں مرو گے

قہرمان فرعون بن کر مصر کے تخت پر بیٹھ گیا۔

اس نے راتوں رات اخناتون اور ملکہ نفریتی کی لاشوں کو ایک بہت قدیم بادشاہ کے اہرام میں دفن کروا دیا۔ اگلے روز عنبر سو کر اٹھا اور محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ آج اسے اپنی والدہ ملکہ کے ساتھ مل کر بہت سی اہم باتوں پر گفتگو کرنی تھی۔ محل میں آتے ہی اسے یہ اندوہناک خبر ملی کہ قہرمان نے سازش کر کے اس کے چچا فرعون اور

والدہ ملکہ کو ہلاک کرنے کے بعد مصر کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ خبر عنبر کے لیے انتہائی افسوسناک اور حیران کن تھی۔ وہ خبر سن کر بت بنا رہ گیا۔ مگر سانپ نکل چکا تھا۔ تیر کمان سے نکل گیا تھا۔ وہ سوائے خاموش رہ کر اپنی والدہ ملکہ اور چچا کا سوگ منانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا، بلکہ کھلے بندوں قہرمان کے آگے غم کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ قہرمان نے فوج، پجاریوں اور سارے اہل دربار کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ چند ایک درباری جو مقتول فرعون کے حامیوں میں سے تھے۔ وہ بھی قہرمان کے آگے خاموش ہو گئے تھے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے مخالفوں کو رات ہی رات میں بڑی بے دردی سے قتل کروا دیا تھا۔

عنبر کے نزدیک اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ قہرمان کو فرعون مصر بننے پر مبارکباد دے اور خاموش رہ کر مناسب وقت کا انتظار

کرے۔ اسے اپنی والدہ کے قتل کا بے حد دکھ تھا۔ اس کا دل خون کے
آنسو رو رہا تھا اور وہ قہرمان سے اپنی ماں کے قتل کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔
مگر اس وقت وہ مجبور اور بے بس تھا۔ اس نے اپنے شدید غم کو دل کے
اندر ہی دفن کر دیا اور قہرمان کو مبارک باد دینے اس کے خاص محل میں آ
گیا قہرمان سونے کی میز پر شاہی تاج ایک طشت میں رکھے اسے
فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی
چاپ سنی تو جھٹ تلوار نکال کر پلٹا۔ مگر اپنے سامنے عنبر کو دیکھ کر ٹھٹھک
گیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ ابھی تلوار کے ایک ہی وار سے
عنبر کا سر قلم کر دے۔ کیوں کہ اسے یقین ہو چکا تھا کہ عنبر ملکہ مصر کا بیٹا
ہے۔ وہ مصر کا شہزادہ ہے اور فرعون کے تخت کا جائز وارث ہے۔ ہو
سکتا ہے وہ کبھی تخت کے لیے اس کے خلاف کوئی سازش کھڑی کر
دے۔ لیکن پھر اس نے یہ سوچ کر تلوار میان میں کر لی کہ قہرمان کی طاقت

کے آگے عنبر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس نے چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ سے عنبر کی طرف ہاتھ بڑھایا
عنبر نے بھی چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے قہرمان کا ہاتھ
تھام کر دبایا اور کہا:

''مصر کا تخت مبارک ہو دوست، مجھے امید ہے کہ تم رعایا کے
لیے ایک نیک دل اور ہمدرد بادشاہ ثابت ہو گے۔ لوگوں کی ہمدردیاں
تمہارے ساتھ ہیں۔ اس لیے کہ اخناتون نے عوام کے مذہب کو تباہ
کرنے کی کوشش کی تھی جس کو ہرگز برداشت نہیں کیا جا سکتا''۔

قہرمان کو اچھی طرح احساس تھا کہ عنبر جھوٹ بول رہا
ہے۔۔۔ اصل میں اسے قہرمان کے فرعون بننے کی کوئی خوشی نہیں،
بلکہ سخت رنج ہے کہ اس نے اس کی والدہ ملکہ کو ہلاک کر کے تخت پر
قبضہ کر لیا ہے۔ مگر اس نے عنبر پر اپنے دل کی بات ظاہر نہ کی اور قہقہہ

لگا کر سینہ تان کر بولا:

"عنبر، میں نے اپنے زورِ بازو سے مصر کے تخت پر قبضہ کیا ہے۔ اخناتون نے لوگوں کے مذہب کے خلاف جو سنگین جرم کیا تھا اس کی سزا اسے مل کر رہی۔ میں نے عوام کے پرانے مذہب کو پھر سے بحال کر دیا ہے۔ اب مندروں اور گھروں میں اور شاہی عبادت گاہ میں پرانے بتوں کی پوجا ہوگی۔ لوگ مجھ سے خوش ہیں اور میں بہت جلد اپنا جشنِ تاج پوشی مناؤں گا"۔

عنبر کے دل کو جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں لے لے۔ جشنِ تاج پوشی کا سن کر اسے صدمہ ہوا۔ اس لیے یہ تاج و تخت اس کا حق تھا۔ جس تاج کو قہرمان نے اپنے سر پر رکھا ہوا تھا وہ تاج عنبر کی ملکیت تھا۔ مگر تقدیر نے عنبر کے خلاف اور قہرمان کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ مگر عنبر کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک روز حق و انصاف کا فیصلہ ضرور ہوگا۔ کیونکہ

رب عظیم کے ہاں دیر ضرور ہو جاتی ہے مگر اندھیر کبھی نہیں ہوتا۔ اس نے خوشی کے انداز میں کہا:

"میں بڑی بے تابی سے جشن تاج پوشی کے دن کا انتظار کروں گا۔ قہرمان، تم میرے پرانے دوست ہو۔ جتنی خوشی مجھے ہوگی اور بھلا کسے ہو سکتی ہے"۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ میں تمہیں بے شمار خوشیوں کے موقعے دوں گا۔ میں اتنی فتوحات حاصل کروں گا کہ تمہیں میرے لیے قدم قدم پر خوشی منانی ہوگی اور میرے لیے تمہیں خوشی مناتے دیکھ کر مجھے سب سے زیادہ خوشی ہوگی"۔

عنبر اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ قہرمان اس پر چوٹ کر رہا ہے۔ اسے حسد کی آگ میں جلانا چاہتا ہے۔ اس کے دل کو اندر ہی اندر کچوکے لگنے لگی تھا۔ قہرمان نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"دوست، تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ دربار میں تمہارا عہدہ برقرار رہے گا"۔

"شکریہ قہرمان، مجھے تم سے اسی انصاف کی امید تھی"۔

اچانک قہرمان نے تیز لہجے میں کہا:

"یہ انصاف نہیں عنبر، بلکہ میری دوست نوازی ہے۔ انصاف کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اگر میں تمہارے بارے میں انصاف کا تقاضا پورا کرتا تو شاید تمہیں خوشی نہ ہوتی۔ مگر میں نے دوستی سے کام لیا ہے اور تمہارے عہدے کو برقرار رکھا ہے"۔

عنبر نے بڑی موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے کہا:

"میں حضور کا اس کے لیے بھی دل سے شکر گزار ہوں"۔

اتنے میں بڑا پجاری اور وزیر دربار کے اندر داخل ہوئے۔ وزیر دربار نے آتے ہی کہا:

"مجھے تنہائی میں آپ سے کچھ بات کرنی ہے عزت پناہ"۔

قہرمان نے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا:

"اب تم جاسکتے ہو"۔

عنبر نے جھک کر سلام کیا اور شاہی ایوان سے باہر نکل آیا۔

باہر نکل کر وہ سیدھا دربار خاص کی طرف آ گیا۔ اس نے ہر کسی سے باتوں ہی باتوں میں بڑے طریقے سے معلوم کرنے کی سر توڑ کوشش کی کہ نئے فرعون نے اپنے پرانے فرعون اخناتون اور اس کی ملکہ نفریتی کی لاشوں کو کہاں دفن کیا ہے۔ مگر کوئی شخص بھی اسے کچھ نہ بتا سکا، اصل میں کسی کو بھی علم نہ تھا کہ اخناتون اور اس کی ملکہ کو ہلاک کرنے کے بعد کہاں دفن کیا گیا ہے۔

عنبر شاہی محل سے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلا اور بظاہر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مگر حقیقت میں وہ درویش اناطول کے پاس

جانا چاہتا تھا اس خیال سے کہ فرعون کا سراغ رساں اس کا تعاقب نہ کر رہا ہو۔ اس نے اپنی حویلی کو جانے والا راستہ اختیار کیا۔ ایک جگہ کھجوروں کے جھنڈ کے پاس پہنچ کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ کوئی بھی اس کا پیچھا نہیں کر رہا تو اس نے گھوڑا درویش اناطول کے جھونپڑے کی طرف ڈال دیا۔ دریائے نیل کے کنارے کنارے سرپٹ گھوڑا دوڑاتے وہ بہت جلد درویش اناطول کی جھونپڑی میں پہنچ گیا۔

اس وقت درویش اپنی جھونپڑی سے باہر انار کے درختوں کی چھاؤں میں بوریے پر بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔ عنبر گھوڑا ایک طرف کھڑا کر کے ریت پر بیٹھ گیا اور اناطول کی عبادت کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اناطول نے عبادت سے فارغ ہونے کے بعد عنبر کو دیکھا اور اٹھ کر اسے گلے لگا لیا۔ عنبر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ درویش نے اس

بعد دونوں کی لاشوں کو کسی خفیہ جگہ دفن کر دیا ہے۔ خدا جانے اس نے انہیں دفن کیا ہے یا دریا میں بہا دیا ہے"۔

درویش نے سر ہلا کر کہا "بادشاہ اور ملکہ کی روحیں قہرمان سے اس ظلم کا ضرور بدلہ لیں گی"۔

عنبر کہنے لگا "ان کے بدلہ لینے سے پہلے میں قہرمان سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ ابھی میرے پر کٹے ہوئے ہیں۔ ابھی میں مجبور ہوں۔ ابھی میں اکیلا اور بے یار و مددگار ہوں۔ مگر بہت جلد رب عظیم کی مہربانی سے میرے ساتھ پوری فوج اور پورا دربار ہو گا اور میں قہرمان کی گردن اڑا کر اس سے اپنا جائز حق مصر کا تاج و تخت چھین لوں گا"۔

"رب عظیم نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا عنبر، فی الحال تمہیں صبر اور حکمت عملی سے کام لینا ہو گا اور مناسب وقت کا انتظار کرنا ہو گا"۔

بعد دونوں کی لاشوں کو کسی خفیہ جگہ دفن کر دیا ہے۔ خدا جانے اس نے انہیں دفن کیا ہے یا دریا میں بہا دیا ہے"۔

درویش نے سر ہلا کر کہا "بادشاہ اور ملکہ کی روحیں قہرمان سے اس ظلم کا ضرور بدلہ لیں گی"۔

عنبر کہنے لگا: "ان کے بدلہ لینے سے پہلے میں قہرمان سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ ابھی میرے پر کٹے ہوئے ہیں۔ ابھی میں مجبور ہوں۔ ابھی میں اکیلا اور بے یارو مددگار ہوں۔ مگر بہت جلد رب عظیم کی مہربانی سے میرے ساتھ پوری فوج اور پورا دربار ہو گا اور میں قہرمان کی گردن اڑا کر اس سے اپنا جائز حق مصر کا تاج و تخت چھین لوں گا"۔

"رب عظیم نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا عنبر' فی الحال تمہیں صبر اور حکمت عملی سے کام لینا ہو گا اور مناسب وقت کا انتظار کرنا ہو گا"۔

عنبر نے سر جھکا لیا اور پلکوں پر آنسو بھر کر بولا:

"اے بزرگ ہستی' مجھے یہ بتایئے کہ میری والدہ ملکہ کی قبر کہاں ہے؟"

درویش اناطول نے یہ سوال سن کر آنکھیں بند کر لیں اور ریت پر دوزانو ہو کر مراقبے میں بیٹھ گیا۔ کافی دیر مراقبہ کرنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول لیں اور کہا:

"عنبر' تمہاری والدہ ملکہ اور چچا کی قبریں میں تمہارے پڑدادا کے پڑدادا فرعون کے اہرام کے کھنڈروں میں دیکھ رہا ہوں۔ تم وہاں جا کر ان کی قبروں پر دعا پڑھ سکتے ہو۔ یہ کھنڈر شہر کے شمال مشرق میں ہیں"۔

"شکریہ درویش خدا مست' میں ابھی دعا پڑھنے جا رہا ہوں"۔

درویش اناطول سے اجازت لے کر عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور

قدیم اہرام کے کھنڈروں کی طرف روانہ ہوگیا۔ شام ہونے سے پہلے
پہلے وہ وہاں پہنچ گیا۔ اہرام کے یہ کھنڈر ویران اور اجاڑ پڑے تھے۔
گھوڑے کو باہر باندھ کر وہ اہرام کے اندر داخل ہوگیا۔ یہاں چاروں
طرف ٹھنڈا اور مرطوب اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس نے مشعل جلا کر
ہاتھوں میں تھام لی۔ اچانک ایک طرف سے ایک جانور اڑ کر اس کے
سر پر پھڑ پھڑاتا ہوا باہر نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی اسے ایک آواز
آئی:

''اے شہزادے، کیا تو اپنی والدہ ملکہ کی قبر کی تلاش میں آیا
ہے؟''

عنبر کو یوں لگا جیسے یہ آواز اس کے پڑدادا کی روح کی ہے۔ اس
نے کہا:

''ہاں اے مقدس آواز رب عظیم تجھے اپنی رحمت سے نوازے۔

میرے رہنمائی کر اور بتا کہ میری والدہ کی قبر کہاں ہے؟''

آواز پھر سنائی دی: ''اس کے لیے تجھے میری ایک شرط ماننی ہو
گی۔ اگر تم نے میری شرط تسلیم کر لی تو میں تجھے تمہاری والدہ ملکہ کی قبر
تک پہنچا دوں گا۔ لیکن اگر تم نے میری شرط نہ مانی تو تم ساری زندگی
ان غاروں میں بھٹکتے رہو گے اور تمہیں اپنی ماں کی قبر کا پتا نہ چل سکے
گا''۔

عنبر نے جلدی سے کہا:

''مجھے اپنی شرط بتاؤ' میں اسے تسلیم کروں گا''۔

آواز نے کہا:

''تمہیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنا ہوگا کہ اے
رب زیوں، مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے۔ مجھ پر موت حرام کر
دے''۔

عنبر ذرا ہچکچایا: ''یہ۔۔۔یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

آواز نے غصے میں کہا:

''تو پھر ان غاروں میں ساری عمر بھٹکتا پھر۔ میں جا رہا ہوں''۔

''نہیں نہیں' ایسا نہ کرنا۔ میں تیار ہوں''۔

اور عنبر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا:

''اے رب زیوس' مجھے ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے۔ مجھ پر موت حرام کر دے''۔

فضا میں ایک شیطانی قہقہہ بلند ہوا اور غار کی دیواریں گونج اٹھیں:

''نیچے دیکھو' تمہاری والدہ کی قبر تمہارے سامنے ہے''۔

عنبر نے جھک کر دیکھا ایک گڑھے میں دو قبریں بنی ہوئی تھیں۔

ایک قبر پر اس کی والدہ کا نام اور دوسری پر اس کے چچا فرعون اخناتون

کا نام کندہ تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر دونوں قبروں پر دعا مانگی اور غار سے باہر نکلنے سے پہلے آواز کو مخاطب کر کے بولا:

''اے آواز مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے ہمیشہ کی زندگی کیوں دلوائی ہے؟''۔

ایک بار پھر شیطانی قہقہہ گونجا اور جواب ملا:

اس لیے کہ میں ہمیشہ کے جہنمی عذاب سے چھٹکارا پا سکوں۔ سنو' اب تمہیں رات کے پچھلے پہر دریا پر پہنچنا ہوگا۔ وہاں ایک جہاز تمہارے انتظار میں کھڑا ہوگا۔ یہ ہمیشہ کی زندگی کا جہاز ہوگا۔ تم اس پر سوار ہو جاؤ گے۔ اگر تم نے اپنی شرط اور قسم کے مطابق ایسا نہ کیا تو تمہاری والدہ کی روح قیامت تک سخت عذاب میں مبتلا کر دی جائے گی''۔

عنبر نے فوراً کہا۔

"میں ضرور پہنچ جاؤں گا۔ رب عظیم میری والدہ ملکہ کی روح کو عذاب سے محفوظ رکھے"۔

رب عظیم کے نام پر ایک بار پھر ایسا شیطانی قہقہہ گونجا جیسے کوئی پہاڑ کی چوٹی سے پتھروں کے ساتھ نیچے لڑھک رہا ہو۔ اس کے بعد آواز غائب ہو گئی۔ عنبر غار سے باہر نکل آیا۔ اس کی مشعل بجھ کر اندر ہی کہیں گر چکی تھی۔

گھوڑے پر سوار ہو کر وہ سیدھا اپنی حویلی میں آ گیا۔ وہ بڑا حیران تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، وہ ہمیشہ زندہ رہے اور اسے کبھی بھی موت نہ آئے۔ اس چیز کو آزمانے کے لیے اس نے خنجر لے کر اپنے بازو پر ایک خراش ڈالی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بازو کی کھال کٹ گئی لیکن خون کا ایک قطرہ بھی باہر نہ نکلا۔ اس کے ساتھ ہی زخم اپنے آپ مل گیا۔ وہ ابھی غور ہی کر رہا تھا کہ اسے باہر گھوڑوں کے رکنے

اور حویلی کے اندر قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ ایک دم کھلا اور دو سپاہی تلواریں سونتے اس کی طرف بڑھے۔

"ہم فرعون مصر کے نام پر تجھے گرفتار کرتے ہیں۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ تمہیں گرفتار کر کے زندہ زمین میں دفن کر دیں"۔

عنبر پہلے تو حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو مر نہیں سکتا۔ کیوں نہ مقابلہ ہی کرے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے بھی تلوار نکال لی۔ دونوں سپاہی اس پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے۔ بڑا زبردست مقابلہ شروع ہو گیا۔ عنبر اگر تلوار بازی میں ماہر تھا تو وہ سپاہی بھی کسی سے کم نہیں تھے۔ ایک کا دو سے مقابلہ تھا۔ کبھی عنبر کا پلہ بھاری ہو جاتا اور کبھی سپاہی اسے دھکیلتے ہوئے دیوار تک لے جاتے۔ آخر ایک کامیاب راؤنڈ کھیل کر عنبر نے ایک زوردار وار کر کے ایک سپاہی کی گردن اڑا دی۔ دوسرا سپاہی اپنے ساتھی کی موت

سے غضبناک ہو گیا۔ اس نے تلوار کا ایک بھرپور وار عنبر کی گردن پر کیا۔ تلوار سیدھی عنبر کی گردن سے ٹکرائی۔ مگر گردن کٹنے کی بجائے تلوار جھنجھنا کر اچٹ گئی۔ جیسے کسی لوہے کی ڈھال سے ٹکرائی ہو۔ چھن کی آواز پیدا ہوئی اور گردن کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔

سپاہی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے ایسا شدید اور بھرپور وار کیا تھا کہ اگر پتھر پر بھی کیا جاتا تو اس کے بھی ٹکڑے اڑ جاتے۔ مگر عنبر کی گردن پر ایک ہلکی سی خراش بھی نہ آئی تھی۔ وہ گھبرا گیا۔ عنبر نے اس کی گھبراہٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تلوار اس کے دل میں اتار دی۔ ایک چیخ کے ساتھ سپاہی مردہ ہو کر گر پڑا۔ عنبر نے تلوار نیام میں کی۔ اپنی حویلی کو ایک نظر دیکھا اور گھوڑے سوار ہو کر دریا کی طرف اٹھ دوڑا۔

اسے ڈر تھا کہ کہیں فرعون کی فوج اس کی تلاش میں نہ آ رہی ہو۔

اگرچہ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا تھا مگر پھر بھی اسے ڈر تھا کہ زمین کے اندر دفن ہونے سے کہیں اس کا سانس نہ رک جائے اور دم گھٹنے سے نہ مر جائے۔ اسے کیا خبر تھی کہ وہ زمین میں دفن ہونے کے بعد بھی ہزاروں سال تک بغیر سانس لیے اور کچھ کھائے پیے زندہ رہ سکتا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی۔ وہ دریائے نیل کے کنارے پہنچا تو دریا کنارے ایک چھوٹا سا بادبانی جہاز لنگر انداز تھا۔ جہاز پر روشنی ہو رہی تھی اور ملاحوں کے گیت گانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کس کو آواز دے کہ جہاز سے ایک چھوٹی سی کشتی اتر کر اس کے پاس آئی اور ایک ادھیڑ عمر جہازی نے کہا:

”تشریف لائیے، ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے“۔

عنبر چپ چاپ کشتی میں سوار ہو گیا۔ کشتی اسے لے کر بادبانی جہاز کے ساتھ لگ گئی۔ ایک سیڑھی کے ذریعے عنبر جہاز کے اوپر آ گیا۔ وہاں جہازی گیت گاتے ہوئے اپنے اپنے کام میں لگے تھے۔ عنبر کو سوار ہوتا دیکھ کر جہاز کپتان نے جہاز کا لنگر اٹھوا دیا اور جہاز نے پچھلے پہر کی ہوا میں دریا میں سفر شروع کر دیا۔ رات بھر اور اگلے دن سفر کرنے کے بعد جہاز کھلے سمندر میں داخل ہو گیا۔ اس دوران میں جہاز پر کسی نے بھی عنبر سے کوئی بات نہ کی تھی۔ سارے جہازی اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ عنبر جس کسی سے بات کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر خاموشی سے مسکراتا اور بغیر جواب دیے اپنے کام میں مشغول ہو جاتا۔

رات ہو گئی۔ اس رات سمندر میں طوفان آ گیا۔ صبح طوفان تھم گیا۔ بادلوں میں سے سورج نکلا تو عنبر اپنے لکڑی کے کیبن سے نکل

کر عرشے پر آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا وہاں ایک بھی جہازی نہیں تھا۔ وہ بھاگ کر کپتان کے کمرے میں گیا۔ وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ نیچے آیا۔ جہاز کے چپو اپنے آپ چل رہے تھے۔ ملاحوں کے گیت گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مگر ایک بھی ملاح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ سارے جہاز میں گھوم گیا۔ سارے کا سارا جہاز خالی تھا۔ پھر ملاحوں کے گیت کی آوازیں بھی بند ہو گئیں۔ چپو اپنے آپ چلتے رہے۔ جہاز کسی نامعلوم منزل کی طرف سمندر کی لہروں پر بہتا رہا۔ عنبر اس خالی اور ویران جہاز پر شاید ہمیشہ کے لیے تنہا رہ گیا۔۔ کیا وہ موت سے زندگی کی طرف جا رہا تھا؟

☆☆☆

☆ خالی جہاز عنبر کو لے کر کہاں پہنچا؟

☆ اس نے فرعون سے کیسے انتقام لیا؟

☆ یہ سب کچھ اس ناول کے دوسرے حصے

"فرعون کی تباہی" میں پڑھیے۔

فرعون کی تباہی

اے. حمید

موت کا تعاقب ۲

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

فرعون کی تباہی

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،

لاہور ○ حیدر آباد ○ کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ ، اچھرہ ، لاہور

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز ،
۱۹۹۔ سرکلر روڈ ، چوک انارکلی ، لاہور ۲ ۔/۵۴۰۰۰
ISBN - 969 - 31 - 0365 - 3

انوارالادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

فہرست

سُنو پیارے بچو،

عنبر ایک بادبانی جہاز پر سوار ملک مصر سے روانہ ہُوا تھا۔ اُسے دُعا ملی تھی کہ وُہ کبھی نہیں مرے گا۔ لوگ بوڑھے ہو کر مر جائیں گے مگر وہ ہمیشہ جوان رہے گا۔ اس کو تلوار ہلاک نہیں کر سکے گی۔ اُس کا خون نہیں نکلے گا اُس کا زخم اپنے آپ ربڑ کی طرح بند ہو جائے گا۔ وہ ساری رات سمندر میں سفر کرتا رہا۔ دن چڑھا تو افریقہ کے ساحل پر اُتر گیا۔ اُس نے ایک بستی میں جا کر کچھ خریدنا چاہا۔ فرعون مصر کے سونے کے سکّے دیے تو لوگ حیران رہ گئے۔ ایک آدمی نے کہا:

"یہ سکّے تو ایک ہزار سال پُرانے ہیں!"

دوستو، عنبر ایک ہی رات میں جہاز میں سوئے سوئے ایک ہزار سال آگے نکل گیا تھا۔ ایک ہزار برس گزر گئے تھے اور اس کی صرف ایک رات ہی گزری تھی۔ وہ ہیبنی بال کے دربار میں جاتا ہے۔ فرعون سے بدلہ لینے کے لیے ملک مصر پر حملہ کرواتا ہے۔ اُس پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے۔ ہیبنی بال ایک معصوم لڑکی کو بعل دیوتا کے آگے قربان کر کے آگ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ عنبر راتوں رات اُس لڑکی کو بچا کر قلعے سے بھاگ جاتا ہے۔ فوج پیچھا کرتی ہے۔ وہ پکڑے جانے والے ہوتے ہیں کہ طلالہ کی رُوح آسمان سے بجلی گرا کر فوج کو بھسم کر دیتی ہے۔ عنبر ملک نوبیہ میں داخل ہوتا ہے اور اس کی ملکہ سے ملاقات کرتا ہے۔ ہیبنی بال ملکہ کے ملک پر حملہ کر دیتا ہے۔ عنبر اس کی مدد کرتا ہے اور ملکہ کی موت کے بعد دشمنوں میں گھر جاتا ہے۔ طلالہ کی رُوح اسے قید سے نکالتی ہے اور وُہ رات کے اندھیرے میں فرار ہو کر نمرود کے ملک کو روانہ ہو جاتا ہے۔

قُدرت کا انتقام

عنبر کو دیوی نے دُعا یا بد دعا دی تھی کہ وُہ کبھی نہیں مرے گا۔ وقت گزرتا چلا جائے گا۔ لوگ پیدا ہوں گے اور بوڑھے ہو کر مر جائیں گے۔ قومیں اُبھریں گی اور مٹ جائیں گی۔ بادشاہ تخت پر بیٹھیں گے اور ایک ایک کر کے تخت چھوڑ کر مقبروں میں دفن ہوتے جائیں گے۔ مگر عنبر کو موت نہیں آئے گی۔ وُہ ہر حکومت میں، ہر عہد میں، ہر مقام میں، ہر بادشاہ کے دَور میں زندہ رہے گا۔ اگر وُہ کچھ کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے۔ پینا چاہے تو پی سکتا ہے۔ مگر نہ اُسے کبھی بھوک لگے گی اور نہ پیاس لگے گی۔ وُہ ہمیشہ جوان رہے گا۔ اس کے چہرے پر جھریاں نہیں پڑیں گی۔ اُس کے بال سفید نہیں ہوں گے۔ اس کی کمر کبھی نہیں جھکے گی۔ وُہ کبھی بوڑھا نہیں ہوگا۔ وُہ کبھی نہیں مرے گا۔

پیارے دوستو، آپ اس کتاب کے پہلے حصے میں پڑھ چکے ہیں کہ مصر کا جلا وطن شہزادہ عنبر اپنے چچا فرعون اخناتون اور والدہ ملکہ نفریتی کے قتل کے بعد مصر سے ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر بھاگ گیا۔ دیوی کی آواز نے اُسے کہا تھا کہ وُہ دریائے نیل کے کنارے

پہنچ جائے۔ وہاں ایک جہاز اُسے تیار ملے گا جو اُسے مصر سے فرار ہونے میں مدد دے گا۔ عنبر دریا پر پہنچ گیا۔ وہاں ایک چھوٹا سا بادبانی جہاز اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جہاز کے کپتان نے اُسے جہاز پر سوار کرایا۔ جہاز پر ملاّح اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ کسی ملاّح نے عنبر سے کوئی بات نہ کی۔ عنبر نے جس ملاّح سے بھی کوئی بات پُوچھی جواب میں وُہ ملاّح صرف مُسکرا کر خاموش ہو جاتا۔ جہاز کا کپتان بھی خاموش تھا اور اپنا کام کر رہا تھا۔ عنبر سوچنے لگا یہ لوگ کیسے ہیں کہ اُس سے کوئی بات نہیں کرتے اور اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔ جہاز کھلے سمندر میں پہنچا تو رات ہو گئی۔ عنبر نے سوچا کہ صُبح اٹھ کر وُہ جہاز کے کپتان سے مل کر ضرور پُوچھنے کی کوشش کرے گا کہ یہ جہاز کدھر جا رہا ہے اور ملاّح اُس سے بات کیوں نہیں کرتے؟

رات کو وُہ کچھ دیر بادبانی جہاز کے عرشے پر کھڑا سمندر کی لہروں کو اندھیرے میں دیکھتا رہا۔ پھر وُہ اپنے چھوٹے سے کمرے میں جا کر فرش پر قالین بچھا کر سو گیا۔ صبح اُس کی آنکھ کھُلی تو کمرے کے گول سوراخ میں سے دُھوپ اندر آ رہی تھی۔ وُہ جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر اُوپر آیا۔ پہلی بات اُسے یہ محسوس ہُوئی کہ اُسے بھُوک نہیں محسوس ہو رہی تھی! حالاں کہ ہر روز صبح اُسے بھُوک لگتی تھی اور وُہ ناشتہ کرتا تھا۔ مگر اُس روز اُسے بالکل بھُوک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ طبیعت بھی ہر طرح سے ہشاش بشاش تھی۔ وُہ جہاز

کے عرشے پر آ گیا۔ یہاں ایک بھی ملاّح نہیں تھا۔ وُہ جہاز کے کپتان کے کمرے میں گیا۔ وہاں ہر شے موجود تھی مگر کپتان موجود نہیں تھا۔ وُہ بھاگ کر نیچے گیا جہاں غلام حبشی قطاروں میں بیٹھے چپّو چلایا کرتے تھے۔ وُہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چپّو سمندر میں اپنے آپ چل رہے تھے مگر حبشی ملاّح ایک بھی نہیں تھا۔ عنبر کو پسینہ آ گیا۔

اے ربِّ عظیم! یہ ماجرا کیا ہے؟

اس نے سارا جہاز گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں سوائے اس کے اور کوئی انسان موجود نہ تھا۔ تو کیا وُہ جہاز پر اکیلا رہ گیا تھا؟ آخر یہ سارے ملاّح اور کپتان کہاں چلے گئے؟ رات کو تو سب کے سب جہاز پر موجود تھے۔ سمندر کی لہریں بڑی پُرسکون تھیں اور جہاز کے بادبان کھُلے تھے اور وہ اپنے آپ کسی نامعلوم منزل کی طرف سمندر میں بہا چلا جا رہا تھا۔ عنبر سر کو پکڑ کر بادبان کے لکڑی کے موٹے کھمبے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ یہ راتوں رات دنیا کیسے بدل گئی تھی؟ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہ وُہ بحری جہاز پر اکیلا رہ گیا ہے اور وہاں ایک بھی ملاّح موجود نہیں ہے۔ کیا دیوی کی بددُعا سچ ثابت ہو رہی تھی؟ کیا وُہ ہمیشہ کے لیے زندہ اور غیر فانی ہو گیا تھا؟ وُہ اُٹھ کر بے چینی کے عالم میں لکڑی کے فرش پر ٹہلنے لگا۔ وُہ کہاں جا رہا تھا؟ کس طرف جا رہا تھا۔ وُہ جہاز کے کپتان کے کمرے

میں آ گیا۔ اُس نے قطب نما کو دیکھا۔ بادبانی جہاز جنوب مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وُہ بہت جلد افریقہ کے کسی ملک کے ساحل پر لگنے والا تھا۔

اچانک اُسے ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ وُہ بھاگ کر اُوپر عرشے پر آیا۔ جہاز کے اوپر گدھ کی شکل کا ایک بہت بڑا پرندہ پَر پھیلائے منڈلا رہا تھا۔ وُہ رُک رُک کر بڑی بھیانک آوازیں چیخ رہا تھا۔ عنبر بادبان کے کھمبے کے ساتھ لگا اُسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر جہاز کے اُوپر منڈلانے کے بعد پرندہ سمندر کے اُوپر اُڑتا ہوا غائب ہو گیا۔ عنبر نیچے آ گیا۔ اُسے بھوک بالکل محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ پھر بھی اُس نے عادت سے مجبور ہو کر اپنے کمرے میں جا کر جَو کی سُوکھی روٹی مُرغابی کے بھُنے ہُوئے گوشت کے ساتھ کھائی اور قالین پر لیٹ کر غور کرنے لگا۔ اُس کے ساتھ کیسا واقعہ پیش آ رہا تھا۔

غور کرتے کرتے اُسے نیند آ گئی اور وُہ سو گیا۔ جب وُہ اُٹھا تو شام ہو رہی تھی۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وُہ سارا دن سوتا رہا تھا۔ جہاز اسی رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ سمندر پر رات کے سائے پھیلنے لگے تھے۔ جہاز کے بادبانوں میں ہوا بھری ہُوئی تھی اور نیچے اُس کے چپو اپنے آپ چل رہے تھے۔ کچھ دیر وُہ عرشے پر کھڑا سمندر میں سُورج کو غروب ہوتے دیکھتا۔ پھر اپنے

کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ اُس نے موم کی شمع روشن کر لی تھی جس کی دُھندلی روشنی میں وُہ بستر پر لیٹا گزرے ہُوئے زمانے اور آنے والے وقت کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ جانے رات کتنی دیر تک وُہ بستر پر لیٹا پہلو بدلتا رہا۔ پھر وُہ گہری نیند میں کھو گیا۔ صبح دن چڑھے وُہ اُٹھا اور عرشے پر آ کر ایک بار پھر وہ کھڑا ہو کر سمندر کا نظارہ کرنے لگا۔

سمندر کا رنگ مٹیالا ہو گیا تھا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ کسی دریا کا پانی اُس میں شامل ہونا شروع ہو گیا تھا اور وُہ زمین کے قریب پہنچنے والا تھا۔ ایک پہر گزرنے کے بعد آسمان پر مرغابیوں نے چکر لگانا شروع کر دیا۔ یہ بھی اِس بات کا اشارہ تھا کہ زمین قریب ہے۔ دوپہر کے بعد عنبر کو دُور ساحل کی لکیر نظر آئی۔

جہاز دھیمی رفتار کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف اپنے آپ بڑھ رہا تھا۔ شام تک عرشے پر کھڑا وُہ زمین کی کالی لکیر کو قریب آتے دیکھتا رہا۔ جب رات ہو گئی اور وہ تھک گیا تو نیچے اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر پڑا اور سو گیا۔ اکیلے جہاز میں اُسے کسی وقت خوف بھی محسوس ہوتا تھا۔ اگلے روز سورج نکلنے کے بعد عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے مرغابیوں کی آوازیں سُنیں۔ وُہ لپک کر اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اُس کا جہاز اپنے آپ رُک گیا تھا اور کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر ساحل تھا۔ جہاں ناریل

کے درختوں کے جُھنڈ دھوپ میں چمک رہے تھے۔

وہ حیران ہو رہا تھا کہ جہاز سمندر میں اپنے آپ کیسے کھڑا ہو گیا۔

اُس نے پانی میں کشتی اُتاری اور اُس میں سوار ہو کر اُسے کھیتا ہُوا ساحل کی طرف چل پڑا۔ اپنا جھولا اور تلوار اُس نے گلے میں لٹکا رکھی تھی۔ جھولے میں جَو کی خشک روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور فرعون مصر کے سونے کے چند سکّے تھے۔ ساحل پر پہنچ کر اُس نے کشتی ایک طرف کھینچ کر کنارے کے درخت سے باندھ دی۔ ساحل ویران پڑا تھا۔ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ جہاں وُہ اُترا ہے وہ کسی جزیرے کا ساحل ہے یا کسی نئے ملک کا کنارا ہے۔ ایک کچا راستہ جنگل کے بیچ میں سے جا رہا تھا۔ اِس راستے کو دیکھ کر عنبر کو معلوم ہوا کہ وہاں سے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ راستے پر گھوڑوں کے سُموں کے نشان بھی تھے۔ اب وُہ بڑا ہوشیار ہو کر چلا جا رہا تھا۔ کیونکہ اُسے کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ جس علاقے میں جا رہا ہے وُہ دشمن کا علاقہ ہے یا وہاں آدم خور وحشی آباد ہیں۔ چلتے چلتے وُہ جنگل سے باہر نکل آیا۔ اب اُس کے سامنے کسی گاؤں کی بستی کا ایک چھوٹا سا بازار تھا جہاں ننگ دھڑنگ حبشی بچے مٹی میں کھیل رہے تھے۔ دکانوں پر سیاہ فام حبشی بیٹھے تھے۔ کالی کالی حبشی عورتیں چیزیں خرید رہی تھیں۔ عنبر بازار میں سے گزر رہا تھا۔ اُس نے

محسوس کیا کہ لوگ اُس کے مصری لباس کو عجیب و غریب نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

دو چار بچے اُس کے نیلے رنگ کے لمبے کُرتے کو دیکھ کر اُس کے پیچھے تالیاں بجانے لگے۔ عنبر کچھ گھبرا گیا اور ایک دکان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس دُکان پر تیر کمان بِک رہے تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ یہ تیر کمان کسی سنہری دھات کے تھے جبکہ مصر میں جہاں سے وُہ آ رہا تھا۔ سیاہ دھات کے تیر کمان استعمال ہوتے تھے۔ وُہ اسی ادھیڑ بُن میں تھا کہ حبشی دکاندار نے اپنی زبان میں کچھ پُوچھا۔ عنبر وہ زبان نہ سمجھ سکا۔ عنبر نے اشاروں میں تیر کمان کی قیمت پُوچھی۔ دوکاندار نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا۔ عنبر نے جیب سے سونے کے چند سکّے نکال کر اُس کے آگے رکھ دیے تاکہ اُسے جتنے سکّوں کی ضرورت ہو لے لے۔ دُکاندار سکّوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے فوراً آواز دے کر ساتھ کے دُکانداروں کو اکٹھا کر لیا۔ سبھی سونے کے سکّوں کو حیرانی سے دیکھنے لگے۔ آخر ایک بوڑھا حبشی آگے بڑھا۔ اور اُس نے ٹوٹی پھوٹی پُرانی قبطی زبان میں عنبر سے پُوچھا:

"یہ سکّے تم نے مصر کے کون سے اہرام سے کھودے ہیں؟"

عنبر نے کہا کہ وُہ تو ابھی دو روز پہلے مصر سے سکّے جیب میں ڈال کر چلا ہے۔ اُس نے کسی اہرام سے نہیں کھودے۔ بلکہ اپنے گھر سے لیے ہیں۔ بوڑھا آدمی سکتے میں آ گیا۔ اُس نے کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سونے کے سکّے تو آج سے ایک ہزار برس پہلے مصر کے فرعون اخناتون کے زمانے میں چلا کرتے تھے۔"

عنبر پر گویا بجلی سی گری۔ تو کیا وُہ ایک ہزار سال آگے نکل آیا ہے؟ کیا اُس کے چچا فرعون اخناتون اور والدہ ملکہ نفریتی کو مرے ایک ہزار سال گزر چکے ہیں؟ وُہ اِسی حیرانی میں تھا کہ حبشی بوڑھا بولا:

"اے نوجوان مصری، تم کہاں سے آرہے ہو؟"

"مصر کے شہر تھیبس سے، وہاں میرا گھر ہے۔"

"مگر مصر کے شہر تھیبس کو تباہ ہُوئے ایک ہزار سال گزر گئے ہیں۔ اُس کے تو محض کھنڈر اب باقی ہیں۔ اب تو مصر کا دارالسلطنت میمفس شہر ہے۔"

عنبر کو چکّر آگیا۔ وُہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ دکاندار اُسے تعجب سے تک رہے تھے۔ بوڑھے حبشی نے کہا:

"تم مصر کے شہر سے کب روانہ ہُوئے تھے؟"

"میں پرسوں بادبانی جہاز پر بیٹھ کر وہاں سے چلا تھا۔"

"تمہارا جہاز کہاں ہے؟"

"سمندر کے کنارے کھڑا ہے۔"

بوڑھے حبشی نے اس وقت کچھ لوگوں کو سمندر کی طرف دوڑایا کہ جاکر دریافت کرو سمندر کے کنارے کوئی جہاز کھڑا ہے؟ تھوڑی

دیر بعد اُنھوں نے آکر بتایا کہ سمندر دُور دُور تک خالی ہے۔ وہاں کوئی جہاز تو کیا ایک کشتی تک نہیں ہے۔

عنبر نے کہا:

"مگر میں تو ابھی ابھی جہاز کو سمندر کے کنارے چھوڑ کر آیا ہُوں۔"

بوڑھے حبشی نے محسوس کیا کہ نوجوان مصری کا دماغ ٹھکانے نہیں رہا۔ اُس نے عنبر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہُوئے کہا:

"بیٹا، تم یہاں بیٹھ کر تربوز کا ٹھنڈا پانی پیو۔ شاید تمہارے دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے۔"

"لیکن — لیکن میں آپ سے بالکل سچ کہہ رہا ہُوں۔ میں پرسوں مصر کے شہر تھیبس سے بادبانی جہاز میں بیٹھ کر چلا تھا۔ وہاں میرے چچا فرعون اخناتون کو سپہ سالار نے قتل کر دیا تھا۔"

سارے دُکاندار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ بوڑھے حبشی نے کہا:

"اے نوجوان تمہارے پاگل ہونے میں اب کوئی شبہ نہیں رہا۔ کیونکہ اخناتون اور اُس کی ملکہ نفریتی کو قتل ہُوئے ایک ہزار سال گزر چکے ہیں۔ اُن کی قبریں بھی اہرام کے اندر پُرانی ہو گئی ہیں۔ جس سپہ سالار قہرمان نے انہیں قتل کر کے تخت پر قبضہ کیا تھا اُس کی ہڈیاں بھی قبر میں گل سڑ گئی ہیں۔"

عنبر نے حیرت زدہ ہو کر پُوچھا:

"تو مصر پر کس کی حکومت ہے ؟"

"ابوسمبل کے پڑپوتے کی جو ایک کمزور حکمران ہے اور اشوری حملہ آوروں کی زد میں رہتا ہے۔ مصر کی حکومت کمزور ہو کر زوال کی طرف جا رہی ہے۔"

عنبر کو یقین ہو گیا تھا کہ دیوی کی دُعا یا بددعا سچ ہو گئی ہے اور بادبانی جہاز میں سفر کرتے کرتے وُہ ایک ہزار سال آگے نکل آیا ہے۔ سب لوگ مر کھپ گئے ہیں۔ مگر وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ یہ بات وہ کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ اتنے میں بازار میں شور سا مچا اور لوگ بھاگ کر اِدھر اُدھر ہٹ گئے۔ ایک گھوڑ سوار فوجی لباس میں وہاں آ کر رُک گیا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے ؟"

بوڑھے حبشی نے جُھک کر کہا :

"اے معزز سردار، یہ نوجوان کہتا ہے کہ یہ فرعون اخناتون کے مصر سے یہاں آ رہا ہے ! حالاں کہ فرعون اخناتون کو مرے ایک ہزار سال گزر چکے ہیں۔ اس کے پاس فرعون اخناتون کے دَور کے سونے کے سکّے بھی ہیں جو آج کل کہیں نہیں چلتے۔"

حبشی سردار گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اُس نے پہلے عنبر کو سر سے لے کر پاؤں تک گھورا اور پھر کہا :

"اس کا لباس بھی ایک ہزار برس پُرانے مصر کا ہے۔ تمہارا نام

کیا ہے نوجوان ؟"

"عنبر"

"تم کون ہو ؟"

"مَیں مصر کا شہزادہ ہُوں۔ اخناتون میرا چچا ہے اور ملکہ نفرتی میری والدہ ہے"

سب لوگ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ سردار نے ہاتھ اُٹھا کر کہا :

"خاموش"

چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ سردار نے کہا۔

"سونے کے سکّے مجھے دکھاؤ"

عنبر نے سونے کے سکّے سردار کو دیے۔ سردار سکّوں کو ہتھیلی پر لے کر غور سے دیکھنے لگا۔ سکّے بالکل نئے اور چمکیلے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ ابھی ابھی شاہی خزانے سے نکالے گئے ہیں۔ کھُدائی میں نکلے ہُوئے سکّے سیاہ پڑ چکے ہوتے ہیں۔ سردار بھی چکر میں آ گیا۔ اُس نے پُوچھا :

"تم مصر سے یہاں کس طرح پہنچے ؟"

"اپنے بادبانی جہاز پر"

"تمہارا جہاز کہاں کھڑا ہے ؟"

"مَیں جہاز کو ساحل سمندر پر چھوڑ کر آیا تھا مگر یہ لوگ ابھی ابھی سمندر دیکھ کر آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں کوئی جہاز نہیں

ہے۔ مَیں خود حیران ہوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

بوڑھے حبشی نے کہا:

"معزز سردار، سمندر خالی ہے۔ وہاں کوئی جہاز نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس نوجوان کے دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے۔"

سردار نے عنبر کی نبض دیکھی اور کہا:

"تمہیں بخار معلوم ہوتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"مَیں خود حکیم ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مَیں تندرست ہوں۔"

"پھر تم پاگلوں ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم ایک ہزار سال پیچھے سے زندہ سلامت چلے آ رہے ہو۔"

"یہ حقیقت ہے معزز سردار، مَیں نے جہاز میں ایک ہی دن میں ایک ہزار سال عبور کر لیے ہیں۔"

لوگوں نے پھر قہقہے لگائے اور عنبر کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ سردار نے لوگوں کو چُپ کراتے ہوئے عنبر سے کہا:

"میرے ساتھ آؤ نوجوان، تمہیں آرام کی ضرورت ہے اور اِس بستی میں تمہیں میری حویلی کے سوا اور کہیں آرام نہیں مل

سکتا۔"

حبشی سردار عنبر کو ساتھ لے کر اپنی حویلی میں آ گیا۔

سردار کی حویلی اُس بستی کے کنارے پر تھی۔ اس کے ارد گرد زیتون اور کھجور کے درختوں کا بڑا گھنا اور خوبصورت باغ تھا جہاں سیاہ پتھر کے تخت بچھے ہوئے تھے۔ سردار عنبر کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ یہاں دیواروں پر تلواریں اور نیزے سجے تھے۔ فرش پر حسین اور قیمتی ایرانی قالین اور عربی ریشم کی چادریں بچھی تھیں۔

سردار نے پوچھا:

"کیا کھاؤ پیو گے؟"

"مجھے نہ بھوک ہے نہ پیاس۔"

سردار ہنس پڑا۔ اُس نے تالی بجائی۔ ایک حبشی خادمہ چاندی کے طشت میں تازہ کٹا ہُوا رس دار تربوز اور کھجوریں لے کر اندر آئی اور ان کے درمیان رکھ کر واپس چلی گئی۔ سردار نے کہا:

"اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو اور یہ ایک ہزار سال پُرانے سونے کے سکّے تم نے کہاں سے حاصل کیے ہیں؟"

عنبر نے شروع سے آخر تک ساری کہانی سچ سچ بتا دی۔ سردار گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اسے عنبر کی باتوں سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ مگر یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ وہ ایک ہزار

سال سے زندہ ہے اور اُسے موت نہیں آئی۔ اس کے باوجود عنبر
کی باتوں پر یقین نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ کوئی بھی انسان اِس دنیا
میں رہتے ہوئے ایک ہزار سال زندہ نہیں رہ سکتا۔

سردار نے کہا:

"عنبر تم آرام کرو۔ شاید نیند کر لینے سے تمہارے دماغ پر اچھا
اثر پڑے گا۔"

اب عنبر نے پوچھا:

"اِس مُلک کا نام کیا ہے۔ جہاں اِس وقت میں موجود ہوں؟"

سردار نے کہا:

"تم اِس وقت مُلک افریقہ میں ہو اور یہاں ہینی بال کی
حکومت ہے۔ میں صوبے کے گورنر کا بھانجا ہوں اور اس بستی کا
سردار ہوں۔ مصر میں فرعونوں کی حکومت ختم ہو چکی ہے اور اس وقت
وہاں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ ابوسمبل کے پڑپوتے فرعون کو لوگ قتل
کرنے کی فکر میں ہیں۔ ہمارا بادشاہ ہینی بال مصر پر حملہ کرنے ہی
والا ہے۔ پھر مصر پر ہماری حکومت ہوگی۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے یقین نہیں آرہا۔"

سردار ہنس پڑا:

"تم ہمارے لباس اور اپنے لباس کو دیکھو۔ اپنی زبان اور ہماری

زبان کو دیکھو۔ اپنے سونے کے سکّوں اور ہمارے چمڑے کے سکّوں کو
دیکھو۔ اپنی پُرانی بھدی تلوار اور ہماری تلوار اور تانبے کی دھات
کے تیر کمان کو دیکھو۔ کیا تمہیں ان سب میں ایک ہزار سال کا فرق
دکھائی نہیں دے رہا؟"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو سردار۔"

"اچھا اب تم آرام کرو۔ صبح باتیں کریں گے۔"

سردار چلا گیا۔ عنبر اکیلا بستر پر لیٹ کر غور کرنے لگا کہ خدا
جانے اب حالات کیا رُخ اختیار کریں گے۔ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ
تو کر دیا گیا ہے۔ اب یہ معلوم نہیں کہ اُسے تاریخ کے کِس کِس دَور
میں سے کون کون سی مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے گزرنا ہوگا—
اِس بات کا اُسے یقین تھا کہ اُس پر اعتبار کوئی نہیں کرے گا۔
اِس لیے اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وُہ اُسی مُلک کے لوگوں کا بھیس بدل
لے گا اور اب کسی سے نہیں کہے گا کہ وُہ ایک ہزار سال سے زندہ
چلا آرہا ہے۔

سنگ دِل ہینی بال

•

حبشی سردار ساری رات غور کرتا رہا۔

اُسے معلوم تھا کہ افریقہ کا بادشاہ ہینی بال مصر پر حملہ کرکے اسے فتح کرنا چاہتا ہے۔ اگر سردار اِس سلسلے میں ہینی بال کی مدد کرے تو وُہ فوج میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اِس کے لیے ضروری تھا کہ عنبر کو استعمال کیا جائے۔ مصر کے بارے میں عنبر کی معلومات سے فائدہ اٹھایا جائے اور اُسے مصر کے تازہ ترین حالات معلوم کرنے کے لیے اُس سے جاسوسی کرائی جائے۔ سردار نے فیصلہ کرلیا کہ وہ عنبر کو ساتھ لے کر بادشاہ ہینی بال کے دربار میں جائے گا۔ صبح اُٹھ کر اس نے عنبر کے ساتھ ناشتہ کیا اور کہا:

"عنبر! میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ملک میں آئے ہو تو تمہاری ملاقات بادشاہ ہینی بال سے کرائی جائے۔ وُہ تم سے مِل کر یقیناً خوش ہوگا۔ کیا تم ہمارے بادشاہ سے ملنا چاہتے ہو عنبر؟"

"کیوں نہیں، ضرور ملنا چاہوں گا۔"

عنبر نے سوچا کہ اب اُسے اپنے آپ کو تاریخ کے دھارے کے حوالے کر دینا چاہیے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ویسے بھی اُس

کی خواہش تھی کہ ایک معمولی مسافر کی طرح ایک سردار کی حویلی میں پڑا رہنے سے بہتر ہے کہ دربار میں کوئی اعلیٰ مقام حاصل کیا جائے آخر وہ مصر کا شہزادہ تھا۔ وُہ گھٹیا درجے کے ماحول میں ہرگز نہیں رہ سکتا تھا۔ سردار نے اُس کے دل کی بات کہی تھی۔ وُہ تو چاہتا تھا کہ بادشاہ تک رسائی حاصل کرے۔ سردار نے خوش ہوکر کہا:

"بس ٹھیک ہے۔ ہم کل ہی دارالحکومت ایلام کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

دوسرے دن سردار اپنے محافظوں اور عنبر کو ساتھ لے کر ایلام کی طرف روانہ ہوگیا۔ ایلام افریقہ کی اُس بستی سے تین دن کی مُسافت پر تھا۔ اعلیٰ نسل کے تازہ دم عربی گھوڑوں پر سوار سردار اور عنبر نے یہ سفر دو دن اور دوپہر میں طے کر لیا۔ تیسرے روز اُنہیں دُور سے ایلام شہر کی فصیل نظر آنے لگی۔

ایلام کا شہر بہت بڑا تھا۔ اس کے ارد گرد ایک بڑی مضبوط اور چوڑی فصیل تھی جس کے چار دروازے تھے۔ فصیل کے ارد گرد پانی سے بھری ہوئی ایک گہری کھائی چلی گئی تھی۔ فصیل کے بُرجوں پر ہروقت پہرے دار موجود رہتے تھے۔ ایلام کے اندر بادشاہ ہینی بال کا شان دار محل تھا۔ شہر کے بڑے دروازے سے داخل ہوتے ہُوئے پہرے داروں نے اُنہیں روک لیا۔ سردار نے اپنی شاہی انگوٹھی دِکھائی تو پہرے داروں نے ادب سے سر جُھکا دیا اور بگل بجا کر سردار کا خیرمقدم

کیا۔ عنبر بڑی شان کے ساتھ سردار کے ہمراہ شہر میں داخل ہو گیا
شہر میں ہر طرف چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ لوگ زرق برق لباس م
ملبوس تھے اور خوش حال دکھائی دے رہے تھے۔ دکانوں کے اند
...پڑے، مشک عنبر، قیمتی جواہرات، چاندی کے برتنوں او
قسم قسم کا سامان بھرا پڑا تھا۔ کارواں سراؤں کے باہر سپاہی ا
مزدور لکڑی کے تختوں پر بیٹھے پھلوں کا رس پی رہے تھے۔ ایک
بازی گر چوک کے بیچ میں رسّی تانے اُس پر رقص کر رہا تھا
اور لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔

مندر میں ڈھول پیٹے جا رہے تھے۔ عنبر نے سردار سے پُوچھا:

"یہ لوگ کس کی پُوجا کرتے ہیں؟"

سردار نے کہا:

"ہم لوگ دیوتا مردوک کی پرستش کرتے ہیں۔ جس نے ہمار
لیے پانی بنایا اور جو ہماری گائے بھینسوں کو دودھ دیتا ہے۔"

عنبر نے پُوچھا:

"کیا مردوک خود چل پھر سکتا ہے؟"

سردار نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا اور کہا:

"اے نوجوان، ہمارے مقدس دیوتا کے بارے میں ایسی با
زبان سے مت نکالو۔ مردوک ہمارا دیوتا ہے۔ وہ اگرچہ مندر میں
کا ایک بُت ہے۔ مگر وُہ جو چاہے کر سکتا ہے۔"

عنبر خاموش رہا۔ وُہ سردار کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانا
چاہتا تھا۔ کیوں کہ وُہ کسی بھی پتھر کے بُت کو خُدا ماننے پر تیار
نہیں تھا۔ وُہ جس ماں کا بیٹا تھا اُس نے صرف ایک اور واحد
خدا کی پُوجا کی تھی اور کل تک عنبر بھی اسی خُدا کی پُوجا کرتا آیا
تھا۔ جو تمام زمین و آسمان کا مالک ہے۔ مگر اُس وقت مناسب
یہی تھا کہ وُہ اہل ایلام کے مردوک دیوتا کے بارے میں کچھ نہ کہے۔

سردار ایک شاندار حویلی کی ڈیوڑھی میں آ گیا۔ نوکروں نے آگے
بڑھ کر گھوڑے تھام لیے۔ سردار عنبر کو ساتھ لے کر ایک نہایت سجے
ہُوئے پُرتکلف کمرے میں آ گیا یہاں دیواروں پر بیش قیمت قالین
ہرن اور شیر کی کھالیں لٹک رہی تھیں۔ زمین پر کم خواب کا فرش بچھا
تھا۔ چاندی کی تپائیوں پر رنگین صراحیوں میں انگوروں کا رس بھرا ہُوا
تھا۔ جگہ جگہ دیوار گیروں میں چاندی کے شمعدان رکھے تھے جن میں زیتون
کا تیل پڑا تھا۔

اُس رات سردار نے عنبر کے اعزاز میں دعوت دی اور شہر کے
معززین کو بھی بُلایا۔ سردار نے ان سب سے عنبر کا تعارف کرواتے
ہُوئے کہا:

"یہ میرا دوست اور ایک بہادر شاہی سردار ہے۔"

وُہ عنبر کو مصر کا باشندہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ ایلام
میں لوگ مصریوں کو اپنا دشمن خیال کرتے تھے اور ان سب کو

معلوم تھا کہ بادشاہ ہینی بال مصر پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے۔
دعوت میں کئی بھینسے، ہرن، مور، خرگوش، نیل گائے اور زرافے ذبح کیے گئے۔ دسترخوان پر ہر قسم کا بھنا ہوا گوشت، طرح طرح کا پھل خشک باداموں کے آٹے کی روٹی اور انگوروں کا رس موجود تھا۔

دعوت جاری تھی۔ ہر طرف ایک شور و غل مچا تھا کہ سردار عنبر کو ساتھ لے کر حویلی کے باغ میں آ گیا۔ سنگ مرمر کے حوض میں سنہری مچھلیاں تیر رہی تھیں اور فوارے چل رہے تھے۔ سردار نے کہا:

"عنبر، بادشاہ سے کل ملاقات ہو گی۔ میں نے ظلّ ہما شاہ افریقہ ہینی بال کو پیغام بھجوا دیا ہے، اور سنو، میں تمہیں بادشاہ سے شام کے ایک سردار کا بہادر بیٹا کہہ کر ملاؤں گا۔ یاد رکھو بادشاہ کو یہ کسی صورت بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم مصری ہو۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ تم مصر کے شاہی دربار میں کچھ عرصہ گزار چکے ہو۔"

عنبر نے کہا:

"سردار، تم جیسا کہتے ہو ایسا ہی ہو گا۔ اگر تمہاری یہی مرضی ہے کہ بادشاہ پر یہ ظاہر نہ ہو کہ میں مصر کا شہزادہ ہوں تو ایسا نہیں ہو گا۔"

"اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے عنبر، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ہینی بال کے دربار میں ایک اعلیٰ مقام دلواؤں — کیا تمہاری یہ خواہش نہیں کہ تم شاہی لباس پہن کر بادشاہ کے دربار میں بیٹھو؟"

"ضرور، میں تو یہی چاہتا ہوں۔ بلکہ میری شروع ہی سے یہ خواہش رہی ہے کہ دربار میں رہوں۔ میں ہمیشہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ رہا ہوں۔"

"تو پھر جس طرح میں کہتا ہوں اُسی طرح عمل کرنا۔ ربِ مردوک نے چاہا تو تم بہت جلد دربار میں وہ مقام حاصل کر لو گے کہ بڑے بڑے درباری تم پر رشک کریں گے۔"

"فکر نہ کرو سردار، میں تمہاری ہدایت کے مطابق آگے چلوں گا۔ تم جو کچھ کہو گے اُسی پر عمل کروں گا۔"

"شاباش عنبر، مجھے تم سے یہی اُمید تھی اور پھر تمہاری بھلائی بھی اسی میں ہے۔ کل ہم دربار شاہی میں چلیں گے۔"

"بے شک۔"

دُوسرے دن سردار نے عنبر کو بڑا قیمتی اور شان دار لباس پہنایا خود بھی شاہی خلعت زیب تن کی اور سجے سجائے گھوڑوں پر سوار ہو کر شاہی محل کی جانب چل پڑا۔ شاہی محل شہر کے درمیان میں ایک اُونچے ٹیلے پر واقع تھا۔ سنگ مرمر کی سیڑھیوں والا راستہ محل کے بڑے دروازے تک جاتا تھا۔ دروازے پر دربان نے انہیں روکا۔ سردار نے اپنی شاہی انگوٹھی دکھائی تو دروازہ کھول دیا گیا۔ اب وہ محل کی چار دیواری میں داخل ہو چکے تھے۔

یہ محل مصر کے بادشاہوں کے محل سے بالکل مختلف تھا۔ محل

کے ستون تکونے تھے اور محرابیں بھی تکون کی شکل میں تھیں۔ سارے کا سارا محل سُرخ پتھر کا بنا ہُوا تھا اور اس پر کسی قلعے کا گمان ہوتا تھا۔ سردار عنبر کو ساتھ لے کر دربار کے بڑے ہال میں آگیا یہاں درباریوں نے سردار سے ملاقات کی۔ سردار نے تمام درباریوں سے عنبر کا یہ کہہ کر تعارف کروایا کہ وُہ شام کے ایک سردار کا بیٹا ہے اور بادشاہ سلامت کی قدمبوسی کا شرف حاصل کرنے آیا ہے۔

"یقیناً یہ شاہی نوجوان ہمارے عظیم ترین شہنشاہ سے مِل کر خوش ہوگا۔"

عنبر نے کہا:

"کیوں نہیں، مجھے شہنشاہ ظلِ ہُما کی محبت ہی یہاں تک کھینچ لائی ہے۔"

سردار بہت خوش ہُوا کہ عنبر ٹھیک اُس کی ہدایت کے مطابق عمل کر رہا تھا۔ اتنے میں سارا محل طبل اور تاشوں کی تیز آوازوں سے گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی سارے درباری اپنی اپنی جگہوں پر ادب سے سر جھکائے کھڑے ہوگئے۔ سارے دربار میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ جہاں ایک پل پہلے اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ وہاں اب ایسی خموشی چھا گئی تھی کہ اگر ایک تنکا بھی گرے تو اُس کی آواز آجائے۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت ہینی بال

تشریف لا رہے ہیں:

لمبے تڑنگے فوجی سپاہیوں کا ایک دستہ ہتھیاروں سے لیس دربار میں داخل ہو کر تخت کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی افریقہ کا جابر اور سنگ دل بادشاہ ہینی بال دربار میں داخل ہوا۔ وہ فوجی لباس میں تھا۔ تلوار اس کے پہلو میں لٹک رہی تھی۔ اُس کے سر پر سونے کا تاج تھا۔ بازوؤں پر سونے کی زنجیریں چڑھی ہُوئی تھیں۔ اس کی شکل بڑی ڈراؤنی تھی۔ گھنی سیاہ ڈاڑھی مونچھوں میں چہرہ تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ آنکھیں سُرخ چیتے کی مانند تھیں۔ وہ آگے بڑھ کر سنگ سرخ کی سیڑھیاں چڑھتا تخت پر بیٹھ گیا۔ اس تخت پر دُنیا جہان کے قیمتی ہیرے جواہرات جڑے ہُوئے تھے۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور ایک بوڑھے درباری نے آگے بڑھ کر کہا:

"حضور کا سایہ رعایا پر سلامت رہے۔ ظلِ ہُما کی برکت سے رعایا خوش حال رہے۔"

تمام درباریوں نے سر جُھکا کر کچھ کہا۔ پھر وزیر دربار نے آگے بڑھ کر سونے کی تھالی میں رکھا ہُوا مردوک کے مندر کا مقدس زیتون کا تیل بڑے پُجاری کی طرف بڑھایا۔ بڑے پُجاری نے آگے بڑھ کر سجدہ کیا اور بادشاہ کے قدموں پر مقدس تیل کا نشان بنا دیا۔ پھر وہ اُسی طرح اُلٹے پاؤں واپس آکر ایک طرف چُپ چاپ سر

جھکائے کھڑا ہوگیا۔ وزیر دربار چمڑے کی دستاویز کھول کر کچھ پڑھنے لگا تھا کہ ہینی بال نے بلند آواز میں کہا:

"ہمارے بھانجے سردار گیمات کو پیش کیا جائے۔"

سردار درباریوں کی قطار میں سے باہر نکل آیا۔ اُس نے تخت کے پاس جا کر دو بار جُھک کر ہینی بال کو سجدہ کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ ہینی بال نے پُوچھا:

"گیمات، وہ شامی نوجوان کہاں ہے جس کو تم ہم سے ملانے لائے ہو؟"

"خدمت اُقدس میں حاضر ہے عالی جاہ۔"

"اُسے پیش کرو۔"

"جو حُکم عالی جاہ۔"

اس کے ساتھ ہی سردار نے اشارہ کیا۔ عنبر شان دار شاہی لباس میں ملبوس آگے بڑھا اور بادشاہ کو تین بار سلام کر کے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ دربار میں ایک سکتہ سا چھا گیا۔ عنبر نے بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ وزیر جنگ نے آگے بڑھ کر عنبر کی گردن کو جُھکانا چاہا۔ مگر ہینی بال نے ہاتھ اُٹھا کر کہا:

"اسے مجبور نہ کیا جائے۔"

دربار میں سناٹا طاری ہوگیا۔ ہینی بال نے پُوچھا:

"اے نوجوان، تم کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر نے سردار کے رٹے رٹائے فقرے دُہرا دیے۔ ہینی بال تخت سے اُتر کر عنبر کے قریب آگیا۔ عنبر نے دیکھا کہ ہینی بال ایک ہٹا کٹا تنومند آدمی ہے۔ وہ بادشاہ کم اور سپاہی زیادہ دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے چہرے سے سنگدلی اور ظلم ٹپک رہا تھا۔ ہینی بال نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ عنبر کی رگوں میں بھی شاہی خُون گردش کر رہا تھا۔ اگر وُہ بھی شاہی خاندان سے نہ ہوتا تو شاید ہینی بال کی خوف ناک نظروں کو برداشت نہ کر سکتا۔ مگر شہزادہ ہونے کی وجہ سے وُہ دربار میں ایک سنگ دل اور جابر بادشاہ کے سامنے بڑے وقار اور جرأت کے ساتھ کھڑا تھا۔ ہینی بال نوجوان عنبر کی جرأت اور پُروقار شخصیت سے بہت متاثر ہُوا۔ کہنے لگا:

"تمہاری نیلی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم شام کی مصری سرحد کے قریب کے رہنے والے ہو۔"

یہ سوال بڑا خطرناک تھا۔ سردار نے اس پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ وہ پریشان ہوگیا کہ نہ جانے عنبر اِس کا کیا جواب دے۔ مگر عنبر بادشاہوں کے مزاج اور دربار کی سیاست کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اُس نے فرعون کا عظیم الشان سازشوں والا دربار دیکھا تھا۔ ہینی بال کا دربار اُسے ڈرا نہیں سکتا تھا۔ اُس نے جھٹ کہا:

"جہاں پناہ، آپ کا اندازہ بالکل درُست ہے۔ میرے والد صاحب کے دادا شام کی مصری سرحد کے رہنے والے تھے۔"

ہینی بال نے اچانک غصے میں آ کر کہا :

" مگر تم مصری نہیں ہو۔ ٹھیک ہے ناں ؟"

عنبر نے جھٹ کہا :

" میں مصری نہیں ہوں عالی جاہ، مصریوں نے میرے آباؤ اجداد کو قتل کر کے ان کی جاگیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں تو مصریوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں"

ہینی بال نے خوش ہو کر کہا :

" شاباش، شاباش۔ ہمیں ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے میرے بھانجے نے تمہاری بہت تعریف کی تھی۔ تم دربار کے بعد مجھے ملنا"

عنبر نے سر جھکا کر کہا :

" جو حکم عالی جاہ"

دربار برخاست ہو گیا۔ ہینی بال چلا گیا۔ درباریوں نے عنبر اور سردار کو گھیر لیا اور عنبر کی جرأت کی داد دینے لگے۔ شام کو سردار ہینی بال کے خاص محل میں آ گیا۔ ہینی بال کمرے کے وسط میں کھڑا زمین پر بنا ہوا جنگ کا نقشہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے سردار بھانجے کو اندر آتے دیکھا اور پھر بڑے غور سے نقشے کو دیکھنے لگا۔ اچانک سردار کی طرف پلٹ کر بولا :

" کیا یہ شاہی سردار کا بیٹا مصر کے درباریوں سے واقف ہے؟"

" جہاں پناہ، یہ نوجوان اپنے باپ کے ساتھ کئی برس فرعون کے دربار میں رہا ہے"

ہینی بال نے زمین پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے کہا :

" پھر تم اسے کیوں نہیں مصر روانہ کرتے ؟ کیا تمہیں اس پر بھروسہ ہے ؟"

سردار نے کہا :

" پورا پورا بھروسہ ہے جہاں پناہ"

ہینی بال بولا :

" ہوں ـــ اگر اس نے غداری کی تو میں مصر پہنچ کر اس کا سر قلم کر دوں گا"

" وہ ایسا نہیں کرے گا عالم پناہ، اسے آپ سے عقیدت ہے" سردار نے یقین دلایا۔

" ٹھیک ہے اسے کل زر و جواہرات دے کر مصر روانہ کر دو، اور کہو کہ مصری فوج کی پوری تعداد اور منجنیقوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر کے جلد میرے پاس آئے"

" جو حکم عالم پناہ"

سردار نے جھک کر سجدہ کیا اور واپس اپنی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ یہی سوچتا آ رہا تھا کہ اگر عنبر نے پوری جاسوسی کی تو ہینی بال کی فتح یقینی ہو گی اور اسے ضرور کوئی

بڑا عہدہ انعام میں مل جائے گا۔ سردار اسی عہدے کے لالچ میں عنبر کو مصر میں جاسوسی کرنے بھیج رہا تھا۔ عنبر اس لیے مصر جانے پر راضی ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ماں کی قبر پر دُعا پڑھنے کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا واقعی ایک ہزار برس گزر چکے ہیں اور تھیبس کا شہر تباہ ہو کر کھنڈر بن چُکا ہے ؟

ویران شہر

•

رات کو سردار اپنے ساتھ عنبر کو ایک قہوہ خانے میں لے گیا۔ یہ قہوہ خانہ شہر ایلام کے مشرقی دروازے کے پہلو میں تھا۔ یہاں لوگ لکڑی کی چوکیوں کے ارد گرد بیٹھے قہوہ پیتے ہُوئے باتیں کر رہے تھے کہیں کوئی سپاہی جنگ میں دشمن کے ساتھ اپنی بہادری کی کہانی سنا رہا تھا۔ کہیں کوئی بیوپاری دوسرے تاجر سے کاروبار کی بات کر رہا تھا کہیں کوئی ملاح سمندر کے عجیب و غریب واقعات سُنا رہا تھا۔ قہوہ خانے کے اندر ہلکا ہلکا شور سا مچ رہا تھا۔ سردار کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر قہوہ خانے کا مالک لپک کر آگے بڑھا اور اُس نے جھک کر سلام کیا۔

"اگر حضور پسند فرمائیں تو میں سیاہ انگوروں کی بیل کے نیچے تخت بچھا دُوں ؟"

سردار نے کہا :

"ہاں وہاں مناسب رہے گا، یہاں شور ہے۔ ہم کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"جو حکم حضور۔"

قہوہ خانے کے مالک نے اُسی وقت قہوہ خانے کے عقب
میں سیاہ انگوروں کے باغ میں مشعل جلا کر سنگ سُرخ کا تخت
دیا اور اُوپر خرطوم کا سفید کھیس ڈال دیا۔ عنبر اور سردار وہاں
گئے۔ قہوہ آگیا اور وہ قہوہ پیتے ہُوئے باتیں کرنے لگے۔ عنبر نے
قہوے کی تعریف کی اور کہا کہ ایلام میں قہوہ بہت لذیذ ہو
ہے۔ سردار نے اُسے بتایا کہ جنوبی افریقہ اپنے لذیذ اور خال
قہوے کے لیے مشہور ہے۔ اس کے بعد وُہ ہینی بال کے دربا
کی باتیں کرنے لگے۔ عنبر ہینی بال کی مردانہ وجاہت اور سپاہیانہ
شخصیت سے بہت متاثر ہُوا تھا۔ سردار نے مناسب موقع دیکھ کر
بات شروع کرتے ہُوئے عنبر کو بتایا کہ ہینی بال چاہتا ہے کہ وہ مصر
جاکر وہاں بعض ضروری معلومات حاصل کرکے لائے۔ ہینی بال
مصر پر آخری اور فیصلہ کُن حملہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے
وہ مصری فوج اور منجنیقوں کی تعداد کے بارے میں مکمل تفصیل چاہ
ہے۔

عنبر کو معلوم تھا کہ سردار اُس سے یہی بات کرے گا اور
وُہ مصر جاکر یہ معلومات فراہم کرنے کے لیے ذہنی طور پر راضی بھی
تھا کیوں کہ مصر کے فرعون نے اُس کی والدہ اور چچا کو قتل کرکے
اُس خاندان کی بنیاد ڈالی تھی جو آج وہاں حکمران تھا۔ عنبر چاہتا تھا
کہ اس خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے تاکہ وہ اپنی والدہ

کے قتل کا انتقام لے سکے۔ پھر بھی وُہ سردار پر یہی ظاہر کرنا
چاہتا تھا کہ وُہ جاسوسی کرنے پر صرف اُس کی خاطر راضی ہو رہا
ہے۔ اُس نے کہا:

"معزز سردار، جاسوسی اچھا کام نہیں۔ لیکن میں تمھاری خاطر
یہ کام بھی کر لوں گا۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"میں تمھاری ہر شرط ماننے پر تیار ہُوں۔"

"شرط یہ ہے کہ میری معلومات اگر درُست ثابت ہوئیں تو میں
ہینی بال کے دربار میں ایک عہدہ طلب کرنے میں حق بجانب ہُوں گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہُوں کہ تمھیں دربار میں عہدہ دلوا دُوں گا۔"

"تو پھر میرے مصر پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔"

سردار بہت خوش ہُوا کہ عنبر نے بہت جلد اُس کی بات
مان لی تھی؛ وگرنہ اُسے خیال تھا کہ عنبر شاید مصری ہونے کی
وجہ سے جاسوسی کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ لیکن اُسے کیا معلوم کہ
عنبر تو مصر کے شاہی خاندان سے اپنی والدہ کے قتل کا بدلہ لینا
چاہتا تھا۔

سردار نے اُسی روز عنبر کے مصر کی طرف کُوچ کرنے کا بندوبست
کر دیا۔ عنبر کے ساتھ اس نے چھ سواروں کا ایک دستہ کر دیا۔ جن
کا فرض یہ تھا کہ وُہ عنبر کو اپنی حفاظت میں مصر کی سرحد پر
پہنچا کر واپس آجائیں گے۔ مُنہ اندھیرے یہ چھوٹا سا قافلہ مصر کی

جانب روانہ ہوگیا۔

ایلام شہر سے مصر کی سرحد سات دن رات کی مسافت پر تھی۔ دن کے وقت یہ لوگ سفر کرتے اور رات کو کوئی مناسب جگہ دیکھ کر پڑاؤ کر لیتے۔ چھٹے روز شام کے وقت یہ لوگ صحرا میں سفر کر رہے تھے کہ اچانک آسمان پر دُھند سی چھا گئی۔ ہوا بند ہوگئی اور حبس سا ہوگیا۔ سپاہیوں نے فوراً ایک جگہ ریت میں خیمے لگا دیے۔ عنبر نے سفر جاری رکھنے کے لیے کہا تو سپاہی نے کہا:

"سردار، بڑا زبردست آندھی کا طوفان آ رہا ہے۔ اگر ہم نے خیموں میں پناہ نہ لی تو ہم ریت کے تودوں میں دب کر رہ جائیں گے۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ ابھی وہ بمشکل خیمے کے اندر گھس کر لیٹنے ہی پائے تھے کہ آندھی چلنا شروع ہوگئی۔ یہ آندھی اس قدر شدید تھی کہ خیمے کے باہر ہزاروں شیر دھاڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ ساری رات آندھی چلتی رہی۔ سپاہی خیموں کو ہاتھوں اور پاؤں سے تھامے رہے۔ ہر لمحے یہی فکر تھا کہ ابھی خیمہ اُڑ جائے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد سپاہی تیز آندھی میں باہر نکل کر خیمے کے اوپر پڑی ہوئی ریت صاف کر دیتے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو یقیناً ریت کے ٹیلے تلے دب کر رہ جاتے۔

رات کے پچھلے پہر طوفان تھم گیا۔ آسمان ایک دم صاف ہوگیا۔ اُنھوں نے خیمے سے باہر نکل کر دیکھا۔ صحرا کا نقشہ ہی بدلا ہُوا تھا۔ جہاں پہلے ٹیلے تھے وہاں صحرا تھا، اور جہاں پہلے صحرا تھا وہاں اب ریت کے بڑے بڑے ٹیلے کھڑے ہوگئے تھے۔ اُنھوں نے خیمے اکھاڑ کر گھوڑوں پر رکھے اور ستاروں کی رہنمائی میں سفر شروع کر دیا۔ صبح کو سورج نکل آیا اور رات بھر کی شبنم میں بھیگی ٹھنڈی ریت ایک پہر دن گزرنے کے بعد انگاروں کی طرح گرم ہونا شروع ہوگئی۔ مگر اُنھوں نے پاؤں کے گرد چمڑا لپیٹ رکھا تھا اور سروں پر دُھوپ سے بچنے کے لیے عمامے باندھ رکھے تھے۔

دوپہر کے وقت اُنھوں نے ایک نخلستان میں پڑاؤ کیا۔ یہ نخلستان صحرا کے بیچ میں جنت کا ٹکڑا معلوم ہو رہا تھا۔ کھجوروں کے جھنڈ کی ٹھنڈی چھاؤں میں چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس چشمے کا پانی بے حد ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ اُنھوں نے خود بھی جی بھر کر پیا اور گھوڑوں کو بھی نہلا کر پانی پلایا۔ تیسرے پہر جب دھوپ ڈھلنے لگی تو وہ ایک بار پھر تازہ دم ہو کر اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔

ساری رات وہ صحرا میں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں سفر کرتے رہے۔

ستارے آسمان پر بڑے بڑے ہیرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ سپاہی تاروں کی رہنمائی میں سفر کرنے کے عادی تھے؛

چناں چہ جب رات ڈھل گئی اور آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تو انہیں دُور مُلک مِصر کے اہرام دکھائی دیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ مصر کی سرحد میں داخل ہونے والے تھے۔ سرحد کے پاس آ کر سپاہیوں نے عنبر کو خدا حافظ کہا اور واپس ایلام کی سمت مُڑ گئے۔

عنبر مُلک مِصر کی سرحد پر اکیلا کھڑا تھا۔ یہ وُہ مُلک تھا جس کی آب و ہوا میں وُہ پَل کر جوان ہُوا تھا اور جس کے ایک فرعون نے اُس کی والدہ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس کا دل انتقام کی آگ میں جلنے لگا۔ اُسے یُوں محسوس ہُوا کہ اگر اُس نے فرعون کے خاندان سے انتقام نہ لیا تو اُس کی ماں اور نیک دل چچا کی رُوح تڑپتی رہے گی۔ مصر کی سرحد میں وُہ ایک ہزار سال کے بعد داخل ہو رہا تھا۔ اس اثنا میں کتنے ہی فرعون مصر کے تخت پر بیٹھ کر مر کھپ گئے تھے۔ اس وقت مصر کے تخت پر ابوسمبل کا پڑپوتا بیٹھا تھا۔ وہ ایک کمزور اور عیش پسند فرعون تھا۔ اپنے آرام کی خاطر وہ لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کروا دیتا تھا۔ ہر طرف خانہ جنگی کا سماں تھا۔ مصر کی سلطنت دم توڑ رہی تھی۔ سرحدوں پر چاروں طرف سے چھوٹے چھوٹے مُلک حملہ کرتے اور لُوٹ مار کر کے بھاگ جاتے ملک میں ہر طرف ایک افراتفری مچی تھی۔ جس وقت عنبر مصر کی سرحد میں داخل ہوا تو اُسے چند ایک مِصری فوجیوں نے روک لیا۔

"کون ہو تم! اور کہاں سے آ رہے ہو؟"

عنبر اُس وقت ایک شہر شہر پھر کر بیماروں کا علاج کرنے والے حکیم کے بھیس میں تھا۔ اُس نے کہا:

"میرا نام عنبر حکیم ہے۔ میں فلسطین کے صوبے سے آ رہا ہُوں میں دُکھی اور بیمار انسانوں کی تیمار داری کرتا ہُوں"

سپاہی نے کہا:

"تم ٹھیک وقت پر آئے ہو۔ ہمارا ایک سپاہی کل سے سخت بیمار ہے۔ اُس کا علاج کرو۔ اگر تم نے اُسے تندرست کر دیا تو تمہیں سرحد عبور کرنے کی اجازت مل جائے گی؛ وگرنہ تمہیں اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا"

عنبر دل میں گھبرا گیا کہ یہ کس مصیبت میں وہ پھنس گیا ہے مگر اسے اپنی دوائیوں اور خدائے واحد پر بڑا بھروسا تھا۔ اُس نے کہا:

"مجھے مریض کے پاس لے چلو"

"آؤ میرے ساتھ"

پہریدار عنبر کو ساتھ لے کر چوکی کی کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ کوٹھڑی کے اندر ایک مصری سپاہی کھجُور کی چٹائی پر پڑا تھا۔ وہ نیم بے ہوش تھا۔ بُخار سے اُس کا جسم پھُنک رہا تھا۔ عنبر نے اُس کی نبض دیکھی۔ پھر اُس کی آنکھوں کو کھول کر دیکھا۔ اپنی صندوقچی میں

سے جڑی بُوٹیوں کا عرق نکال کر مٹّی کے پیالے میں ڈالا اور بیہوش
سپاہی کے حلق میں اُنڈیل دیا۔ اِس کے بعد اُس نے ٹھنڈی
ریت کا لیپ اُس کے ماتھے پر کرنا شروع کر دیا۔ ریت گرم ہو
جاتی تو وُہ اُسے اُتار کر اُس کی جگہ تازہ ریت کا لیپ کر دیتا

چند لمحوں کے بعد مریض کا بُخار ٹوٹ گیا اور اُس نے
آنکھیں کھول دیں۔ سپاہی پہرہ دار بہت خُوش ہُوئے اور اُس نے عنبر
کو سرحد عبور کرنے کی اجازت دے دی۔

عنبر نے ربِّ عظیم کا شکر ادا کیا کہ اُس کی جان عذاب سے
چھُوٹی۔ مصر کی سرحد سے ایک کچّا راستہ جو کہ پتھروں سے اَٹا ہُوا تھا
اہرام کی طرف جاتا تھا۔ عنبر گھوڑے پر سوار اِس راستے سے گزر
ہُوا اہرام کے کھنڈروں کے پاس پہنچ گیا۔ اُسے یاد آیا کہ آج سے
ایک ہزار برس پہلے جب وہ ان اہرام میں آیا کرتا تھا تو ابھی
اس کی بنیادیں کھودی جا رہی تھیں۔ مگر ایک ہزار برس گزر جانے
کے بعد آج اُس اہرام کے پتھروں کے ٹکڑے اُڑ گئے تھے اور جگہ
جگہ خشک جھاڑیاں اُگ رہی تھیں۔ وُہ زمانے کی بے رحم تبدیلیوں
پر غور کرتا ہُوا آگے گزر گیا۔

سرحد عبُور کرتے ہی اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ فرعون کو قتل
کر کے فوج کے سپہ سالار مہارک نے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ گویا
اُس وقت مصر پر فوج کی حکومت تھی۔ راستے میں عنبر کو کئی ایک

فوجی دستے ملے جو گشت کر رہے تھے۔ عنبر اُنہیں سلام کرتا ہُوا
آگے گزر جاتا۔ سب سے پہلی بستی جو اُسے ملی وُہ ایک چھوٹا سا قصبہ
تھا۔ اِس قصبے کے کچّے مکانوں پر ویرانی برس رہی تھی۔ عنبر کو
پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔
اندر سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ کئی بار دروازے پر ہاتھ مارنے
کے بعد ایک بوڑھے آدمی نے دروازہ کھولا۔ وُہ ڈرا ہُوا تھا اور
اُس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اُس نے سہم کر پُوچھا:

"کون ہو تم؟ اب ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ جو کچھ تھا
مہارک کے سپاہی لُوٹ کر لے گئے"

عنبر نے بوڑھے کو تسلّی دی اور کہا کہ وہ صرف تھوڑا سا پانی
پینا چاہتا ہے۔ کیوں کہ اُسے پیاس لگی ہے۔ بوڑھے نے اِدھر اُدھر
دیکھا اور کہا:

"اندر آ جاؤ"

عنبر ڈیوڑھی میں ایک چٹائی پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے آدمی نے اُسے
اور اُس کے گھوڑے کو پانی پلایا۔ اُس نے بتایا کہ مہارک نے فرعون
کو قتل کر دیا ہے اور لوگوں پر بڑا ظُلم ڈھا رہا ہے۔ اُس کے
سپاہی ہر طرف لُوٹ مار کر رہے ہیں۔ لوگوں کو بے دریغ قتل
کر رہے ہیں۔ عنبر نے پُوچھا:

"کیا تمہیں معلوم ہے، فوجیوں کی چھاؤنی کس جگہ ہے؟"

"مَیں پرسوں شہر گیا تھا۔ مَیں نے دیکھا تھا کہ فوجیوں کی کوٹھڑیاں شہر سے باہر دریائے نیل کے کنارے ابوسمبل کے اہرام کے پاس بنی ہوئی تھیں۔"

عنبر نے پُوچھا:

"بابا، کیا مہارکہ کے پاس بہت زیادہ فوج ہے؟"

"اگر زیادہ فوج نہ ہوتی تو وہ تخت پر کیسے قبضہ کرتا؟ اُس نے بے پناہ فوج بھرتی کر رکھی ہے۔"

"کیا اُس کی فوج میں سنگ باری کرنے والی منجنیقیں بھی ہیں؟"

"اِس کا مجھے علم نہیں۔ مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

عنبر نے بات ٹالتے ہوئے کہا:

"مَیں صرف اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔"

اِس کے بعد عنبر نے بوڑھے مصری کا شکریہ ادا کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گیا۔ بوڑھے مصری سے اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ مصر کے دارالسلطنت کا نام اب میمفس ہے۔ پُرانا دارالحکومت تھیبس کھنڈر بن چُکا ہے۔ نیا دارالحکومت وہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر واقع ہے۔ عنبر ساری رات سفر کرتا رہا۔ دن چڑھا تو وُہ ایک نخلستان کے قریب سے گزر رہا تھا۔ یہاں اُس نے چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور انگور توڑ کر کھائے۔ گھوڑے کو بھی گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ کچھ دیر آرام کرنے

کے بعد وُہ میمفس کی طرف چل پڑا۔ سورج غروب ہو رہا تھا کہ اُسے مصر کے سب سے بڑے شہر اور دارالحکومت میمفس کی فصیل کے آثار نظر آئے۔ شہر کے دروازے پر اُسے پہریداروں نے روک لیا۔

"تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، کہاں جانا ہے؟"

یہاں بھی عنبر نے یہی کہا کہ وُہ فلسطین کے ایک صوبے سے آیا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ چل پھر کر بیماروں کا علاج کرتا ہے اور میمفس میں اپنے ایک حکیم دوست سے ملنے آیا ہے۔ اُس نے پہریداروں میں مشک اور نافہ تقسیم کیا اور یوُں اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ وُہ مصر کے نئے دارالحکومت میمفس میں داخل ہوگیا۔ اِس شہر کو آباد ہُوئے ایک ہزار سال گزر گئے تھے۔ ایک ہزار برس پہلے عنبر کے زمانے میں اس شہر کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔ یہ شہر بھی دریائے نیل کے کنارے پر ہی آباد کیا گیا تھا۔ مگر یہ اُوپر کی طرف تھا۔ یہاں سیلاب کا خطرہ نہیں تھا۔ عنبر رات ہونے سے پہلے ایک کارواں سرائے میں پُہنچ گیا۔ یہاں پہلے ہی سے ایک قافلہ اُترا ہُوا تھا اور ہر طرف بڑی چہل پہل تھی۔ مگر عنبر نے محسوس کیا کہ لوگوں کے چہروں پر ایک پریشانی اور وحشت سی ہے۔ کوئی بھی شخص اُسے مطمئن نظر نہ آیا۔ نوکر کو کچھ سکے دے کر اُس نے گھوڑے کے چارے پانی کا بندوبست کرنے کو کہا اور خود تھوڑا

بہت کھا پی کر سرائے کے صحن میں لکڑی کی ایک چوکی پر بیٹھ کر قہوہ پینے لگا۔ سرائے کا مالک بھی اُس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

"میری بیوی کئی سال سے بیمار ہے۔ اگر تم اُس کا علاج کر دو تو میں ساری عمر تمہارا غلام رہُوں گا۔"

"مَیں اُس کا علاج کروں گا۔ تمہاری بیوی ضرور اچھی ہو جائے گی۔"

عنبر نے سرائے کے مالک کی بیوی کا علاج شروع کر دیا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر بیمار عورت تندرست ہو گئی۔ سرائے کے مالک نے خوش ہو کر کہا:

"تم اِس کے عوض مجھ سے جو مانگو تمہیں دُوں گا۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ صرف اپنی سرائے کے ایک کمرے میں کچھ عرصہ رہنے کی اجازت دے دو۔ میں اِس کے عوض تمہیں پُوری اُجرت ادا کروں گا۔"

"نہیں، مَیں تمہارا حق تمہیں ضرور دُوں گا۔"

عنبر بہت خوش ہُوا کہ اُس کی رہائش کا مسئلہ بغیر کسی شور شرابے کے بڑی آسانی سے طے پا گیا تھا۔ اُس نے بازار سے کچھ ضروری سامان خریدا اور سرائے کے ایک کمرے میں ڈیرے لگا لیے۔

اب اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پُرانے دارالحکومت تھیبس کا پتہ دریافت کیا اور ایک روز اُس کی جانب چل پڑا۔

تھیبس شہر اُس کا وطن تھا۔ وُہ اِسی شہر میں پَیدا ہُوا تھا۔ یہیں اُس نے رجال کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ اِس جگہ وُہ اپنے بے وفا دوست قہرمان کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ یہیں قہرمان نے فرعون بننے کے بعد اُس کی والدہ ملکہ کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ اِسی شہر کے باہر اہرام میں اُس کی ماں کی قبر تھی۔ عنبر اپنی ماں کی قبر پر دُعا پڑھنا اپنا سب سے پہلا فرض سمجھتا تھا۔

پُرانے شہر تھیبس کے کھنڈر نئے شہر میمفس سے کافی فاصلے پر تھے۔ اپنے وطن کے کھنڈروں میں پُہنچ کر عنبر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہاں سوائے ویران کھنڈروں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ اُس کا وُہ گھر تھا جہاں وُہ پلا تھا، نہ وُہ آنگن تھا جہاں کھیل کُود کر وُہ جوان ہُوا تھا۔ اُس کے بے وفا دوست قہرمان کا گھر بھی تباہ و برباد ہو چُکا تھا۔ اُس کے باپ فرعون کا محل ریت اور پتھروں کے ڈھیر میں تبدیل ہو چُکا تھا۔ کہیں کہیں ایک آدھ ستون کھڑا تھا جو بس گرنے ہی والا تھا۔

درویش اناطون کی جھونپڑی کے باقی رہنے کا تو سوال ہی پَیدا نہیں ہوتا تھا۔ دریائے نیل بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر کچھ پرے ہو گیا تھا۔ پُرانے اہرام کے پتھروں کے کنارے اُڑ گئے تھے اور جگہ

جگہ خشک جھاڑیاں اُگ آئی تھیں۔ عنبر کو اب یقین ہوگیا تھا کہ وہ ایک ہزار سال بعد وہاں آیا ہے؛ حالاں کہ ایک ماہ پہلے وُہ اپنے شہر اور محل کو ہنستا بستا چھوڑ گیا تھا۔ مگر ایک ہزار برس گزر گئے تھے۔ وُہ بڑی مشکل سے تلاش کرتا ہُوا پُرانے اہرام کے غار میں پہنچا۔ اِس غار کا دروازہ بڑے سے پتھر نے بند کر رکھا تھا۔ اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ عنبر کو یقین تھا کہ اس کی والدہ ملکہ کی قبر اُس غار کے اندر ہے۔

وہ اپنی ماں کی قبر پر دُعا پڑھنا چاہتا تھا۔

شاہی جاسوس

•

اہرام کے غار میں جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

عنبر اپنی والدہ ملکہ کی قبر پر دُعا پڑھے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ وُہ ایک ہزار برس کے بعد اپنی والدہ کی قبر پر دُعا پڑھنے آیا تھا۔ اُس نے اہرام اور اُس کے غار کو بھی پہچان لیا تھا۔ اُسے اس غار میں سے اپنی پیاری ماں کی مامتا کی خوشبو آرہی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ وُہ اندر کیسے جائے۔ غار کے آگے جو بڑا سا پتھر گرا ہُوا تھا وُہ ہزار برس گزر جانے کے بعد اُس اہرام کا ایک حصّہ بن گیا تھا۔ عنبر نے ادھر اُدھر سے راستہ تلاش کرنے کی کوشش شروع کردی۔ مگر وُہ کامیاب نہ ہوسکا۔

اچانک اُسے غار کے پتھر کے کونے میں ایک سوراخ سا نظر آیا۔ اُس نے ہاتھ اندر ڈال کر محسوس کیا کہ اندر سے مٹی بھربھری ہے۔ اب وہ وہاں سے مٹی ہٹانے لگا۔ کافی دیر تک مٹی ہٹانے کے بعد اُس نے غار میں اتنا سوراخ کرلیا کہ وہ رینگ کر غار کے اندر داخل ہوسکتا تھا۔ اُسے یہ بھی خیال تھا کہ ہزار سال گزر جانے کے بعد جانے اندر کیسے کیسے کیڑے مکوڑے پیدا ہوگئے

ہوں گے۔ اُس نے پتھر رگڑ کر مشعل جلائی اور خدائے واحد کا
نام لے کر رینگتا ہُوا غار کے اندر داخل ہو گیا۔ اندر گھُپ اندھیرا
تھا جسے مشعل کی روشنی دُور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ غار
کی چھت سے جالے لٹک رہے تھے۔ فضا میں نمی اور گھُٹن
تھی۔ مگر ماں کی محبت ان سب بلاؤں پر حاوی ہو چکی تھی۔ اس
لیے عنبر غار کے اندر مشعل ہاتھ میں لیے آگے بڑھتا رہا۔ اتنی
صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اُس نے ماں کی قبر کو پہچان لیا
قبر کا پتھر ویسے ہی تھا۔ صرف اُس پر چھت سے گری ہُوئی مٹی
اور ریت جگہ جگہ پڑی تھی۔ عنبر بے اختیار ماں کی قبر سے لپٹ
گیا اور پھوٹ پھُوٹ کر رونے لگا۔ رونے کے بعد جب اُس
کے دل کا غبار دُھل گیا تو اُس نے ہاتھ اُٹھا کر آنکھیں بند کیں
اور دُعا پڑھنے لگا۔ دُعا پڑھنے کے بعد وہ اپنے چچا کی قبر پر گیا
اور وہاں بھی دُعا پڑھی۔

وہ ماں کی قبر پر بیٹھ گیا اور اپنی گزری ہُوئی اور آنے والی
زندگی کے بارے میں غور کرنے لگا۔ وُہ ایک ہزار سال سے زندہ
تھا۔ موت اُس پر حرام کر دی گئی تھی۔ ابھی خدا جانے اُسے کتنے
ہزار سال اور زندہ رہنا تھا۔ کبھی وقت اِس خیال سے اُسے خوشی
بھی ہوتی کہ وُہ تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے۔ وُہ نئی نئی
حکومتوں کو عروج پر جاتے اور پھر برباد ہو کر مٹتے دیکھ رہا ہے۔

مگر کسی وقت وُہ اُداس بھی ہو جاتا کہ کہیں وُہ اتنی لمبی عمر سے
اُکتا نہ جائے۔ اگر وُہ اُکتا گیا تو پھر کیا ہو گا؟ کیوں کہ مَر تو وُہ
سکے گا نہیں۔

عنبر نے بیٹھے بیٹھے محسوس کیا کہ اُسے کہیں سے پانی کے گرنے
کی آواز آ رہی ہے۔ وُہ مشعل ہاتھ میں لے کر اُس طرف چل پڑا۔
جدھر سے پانی کی آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کہیں قریب
ہی پتھروں میں کوئی چشمہ بہہ رہا ہو۔ عنبر آگے بڑھتا گیا۔ غار اب
بائیں جانب کو گھُوم گئی تھی اور چشمہ بہنے کی آواز زیادہ قریب
سے سنائی دینے لگی تھی۔ تھوڑی دُور تک چلنے کے بعد عنبر ایک چشمے
پر پہنچ گیا۔ یہاں پر پانی اہرام کے پہاڑ کی چھت میں سے ایک پتلی
سی دھار کی شکل میں پتھروں میں گر رہا تھا جہاں جمع ہو کر وُہ چشمے
کی صورت میں بہہ کر غار کے اندر ہی اندر کسی نامعلوم مقام کی طرف
جا رہا تھا۔

عنبر نے مشعل ایک طرف رکھ کر چشمے میں ہاتھ ڈالا۔ پانی بیحد
ٹھنڈا تھا۔ اس نے پانی کا ایک گھونٹ پیا ہی تھا کہ غار میں زلزلہ
سا آ گیا۔ عنبر خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا اور دیوار کے ساتھ لگ کر
کھڑا ہو گیا۔ زلزلے کی وجہ سے غار کی دیواریں کانپ رہی تھیں اور
چھت میں سے کچھ پتھر نکل کر چشمے کے پانی میں گر پڑے۔ عنبر نے
خطرہ محسوس کیا کہ کہیں غار کی چھت نہ بیٹھ جائے۔ وُہ مشعل ہاتھ

ہیں لے کر واپس بھاگنے ہی والا تھا کہ زلزلہ رُک گیا۔ پھر اُسے ایک آواز سُنائی دی۔

"عنبر، کیا تم میری آواز کو پہچانتے ہو؟"

عنبر نے فوراً اُس آواز کو پہچان لیا۔ یہ اُس کے ہمدرد اور مشفق بزرگ اناطول درویش کی آواز تھی۔

"میرے بزرگ درویش اناطول، یہ آپ ہی کی آواز ہے۔ میں نے آپ کی آواز پہچان لی ہے۔"

"میرے بیٹے، تم نے میری آواز کو ٹھیک پہچانا۔ میں اناطول درویش کی روح ہوں۔ سُنو، تم اپنی والدہ کے بارے میں فکر کرنا چھوڑ دو۔ تمہاری والدہ کی رُوح جنّت میں آرام کر رہی ہے۔"

"کیا مَیں اپنی والدہ کی رُوح سے مل سکتا ہُوں؟"

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ ربِ عظیم نے تمہاری والدہ کی رُوح کو جنّت کے سب سے بلند حصّے میں پہنچا دیا ہے۔ تم سے ملنے کے لیے رُوح کو بہت نیچے آنا پڑے گا اور اِس سے اُسے تکلیف ہو گی۔"

عنبر نے بے تابی سے کہا:

"ربِ عظیم کا واسطہ ہے اناطول، مجھے بھی میری ماں کے پاس پہنچا دو۔ مَیں اب زندہ رہنا نہیں چاہتا۔"

"ایسا ناممکن ہے عنبر، تم اب زندہ رہوگے۔ قیامت تک

زندہ رہوگے۔ یہ تمہاری تقدیر کا فیصلہ ہے۔ تم اگر چاہو بھی تو مر نہ سکوگے۔"

"یہ تو ایک عذاب ہے اناطول۔"

"جسے تم عذاب کہہ رہے ہو۔ وُہ تمہاری خوش قسمتی ہے عنبر، ب عظیم نے تمہیں یہ موقع دیا ہے کہ تم تاریخ کا سارا کھیل اپنی نکھوں سے دیکھو۔ تہذیبوں کو اُبھرتے اور مٹتے دیکھو۔ بہاروں کو آتے ور پھولوں کو ہر موسم میں کھلتے دیکھو۔ تم پرندوں اور چشموں کے نغموں و قیامت تک سُنتے رہوگے۔ پھر بھلا تم گھاٹے میں کیسے ہو؟ تم تو ے فائدے میں ہو۔ تم نے تو آبِ حیات پی لیا ہے۔"

"لیکن اناطول، میں قیامت تک زندہ رہنا نہیں چاہتا۔"

"اب کچھ نہیں ہو سکتا عنبر، تمہاری تقدیر لکھی جا چکی ہے۔"

"اناطول، کیا تم مجھے یہ نہیں بتا سکتے کہ مہارکہ نے کتنی فوج نا رکھی ہے اور اس کے پاس اسلحہ کتنا ہے؟"

"عنبر بیٹے، یہ دُنیا والوں کی چیزیں ہیں اور دُنیا والے ہی اِسے جانتے ہیں۔ ہم کو ان کے معاملات میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہے۔ میں جانتا ہُوں تمہیں سیفی بال نے اسی لیے یہاں بھیجا ہے۔ بس تم اِس کام کو خود ہی کروگے۔ میں اِس سلسلے میں تمہاری وئی مدد نہیں کر سکتا۔ اچھا الوداع!"

"اناطول، اناطول!"

"الوداع، الوداع، الوداع"

عنبر بزرگ درویش انا طول کی رُوح کو "پکار"تا ہی رہ گیا اور اُ
کی رُوح کی آواز اُسے الوداع کہتی دُور ہوتے ہوتے غائب ہو گ
اب غار میں سوائے چشمے کے بہنے کی آواز کے اور کوئی آواز نہیں
تھی۔ عنبر کے لیے اب وہاں کھڑے رہنا بے کار تھا۔ اُس نے مشعل
اٹھائی اور واپس چل پڑا۔ ماں کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے اُ
نے ایک بار پھر دُعا پڑھی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بج
وہ مشعل کو بجھا کر غار میں سے باہر نکل آیا۔ غار کے اندر اندھیرا
مگر باہر تھیبس کے ویران کھنڈروں پر سُورج چمک رہا تھا اور صحرا
ریت گرم ہو رہی تھی۔ عنبر کا گھوڑا کھجُوروں کے نیچے گھاس چر رہا تھ
وُہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس کاروان سرائے کی طرف روانہ ہو گیا۔

کارواں سرائے میں واپس آ کر وہ سوچنے لگا کہ مصر کی فوجوں کے
بارے میں مکمل معلومات کہاں سے مہیا کرے۔ یہ کام کافی مشکل تھ
اُس نے کسی سے اِس کا ذکر نہ کیا تھا۔ سرائے کے مالک کو اُس
نے یہی بتایا تھا کہ وُہ میمفس میں بیماروں کا علاج کر کے اپنی روز
کمانے آیا ہے؛ چنانچہ سرائے میں ہی مریضوں نے اُس کے پاس
آنا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی شہرت سارے
شہر میں پھیل گئی۔ ایک روز وُہ (؟) بیٹھک میں اکیلا بیٹھا جڑی
بوٹیوں کو رگڑ کر دوائی بنا رہا تھا کہ باہر ایک گھوڑ سوار سپاہی آ

کر رُکا۔ اُس نے عنبر سے آ کر کہا کہ فوج کا ایک کماندار شدید سر
درد میں مبتلا ہے۔ اُس نے عنبر کو اپنے محل میں بُلایا ہے۔ عنبر تو
اسی گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ فوراً سپاہی کے ساتھ چل پڑا۔

سپاہی عنبر کو فوج کے کماندار کے چھوٹے سے محل میں لے گیا
کماندار شدید سر درد میں مُبتلا بستر پر لیٹا تڑپ رہا تھا۔ عنبر نے
اُس کی حالت دیکھ کر فوراً ایک دوائی پلائی۔ اُسے کچھ افاقہ ہو
گیا۔ اُس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہ کیسی دوائی ہے جس نے فوراً میرا سر درد دُور کر دیا"

عنبر نے کہا:

"یہ درد عارضی طور پر دُور ہُوا ہے۔ پُورا علاج کرنے کے لیے
آپ کے سر کو ایک جگہ سے کھول کر دیکھنا ہو گا"

کماندار نے چونک کر کہا:

"کیا تم کھوپڑی کھولنے کے فن سے واقف ہو؟"

"کیوں نہیں جناب، میرے باپ دادا یہی کام کرتے آئے ہیں"

"اور اگر مَیں مر گیا تو؟"

"ایسا کبھی نہیں ہُوا جناب کہ مَیں نے کسی کی کھوپڑی کھول کر
علاج کیا ہو اور وُہ مریض مر گیا ہو"

"یاد رکھو، اگر میں مر گیا تو میرے سپاہی تمہاری گردن قلم کر
دیں گے۔ کیا یہ شرط تمہیں منظور ہے؟"

"منظور ہے۔"

"تو پھر تیاری کرو۔"

عنبر نے کھوپڑی کھولنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اوزار
کر گرم پانی میں ڈال دیے۔ کماندار کا سارا سر مونڈ ڈالا۔ پھر
ایک دوائی پلا کر بے ہوش کر دیا۔ جب وہ پوری طرح بے ہو
ہوگیا تو عنبر نے ربِ عظیم کا نام لے کر تیز دھار والے چاقو
کماندار کی کھوپڑی کے ایک طرف چورس نشان لگایا اور گہرا شگا
ڈال کر وہاں سے کھوپڑی میں سوراخ کر دیا۔ اس کے بعد
نے باریک تار اندر ڈال کر مغز میں ایک طرف جمع شدہ غدو
ٹکڑے کو باہر نکال دیا۔ اب اس نے جلدی سے کھوپڑی کا
اسی جگہ جما کر وہاں سونے کے تاروں سے ٹانکے لگا کر کھال
کے اوپر منڈھ دی۔ کھال کے زخم پر دوائی لگا کر اس نے
باندھ کر سر کو بستر پر لٹا دیا اور سب کو ہدایت کر دی کہ ہو
آنے پر انہیں سر ہلانے کی اجازت نہ دی جائے۔

اس دوران میں عنبر کماندار کی بیوی کے پاس جا کر ا
حوصلہ دینے لگا۔ اس کی بیوی بڑی پریشان تھی۔ عنبر نے اسے د
دیا اور کہا کہ اب اس کے خاوند کو زندگی بھر سر میں درد
ہوگا۔ تیسرے پہر کماندار کو ہوش آگیا۔ اس نے آنکھیں کھول
اور اپنی بیوی کو بلا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ کماندار کے چہرے

تندرستی کے آثار تھے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر زخم ٹھیک ہوگیا اور
کماندار بھلا چنگا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ وہ عنبر کے علاج سے اس قدر
خوش ہوا کہ اس نے عنبر کو اپنا بھائی بنا لیا اور کہا:

"تم جب اور جس وقت چاہو بلا روک ٹوک میرے محل میں
آسکتے ہو۔ تمہیں کوئی نہیں روک سکے گا۔"

عنبر یہی چاہتا تھا۔ اب اس نے کماندار کے محل میں آنا جانا
شروع کر دیا۔ اسے معلوم ہوا کہ یہی وہ کماندار ہے جس کے ماتحت
منجنیقیں چلانے والی فوج کا دستہ ہے۔ عنبر نے ایک مہینے کے
اندر ہی کماندار پر اپنا اعتبار جما لیا۔ اپنی باتوں سے اس نے
ظاہر کیا کہ اسے سوائے بیماروں کے علاج کے اور کسی شے
سے دلچسپی نہیں ہے۔

"پھر بھی کبھی کبھی دل میں شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ شے
اپنی آنکھوں سے دیکھوں جو دشمن کے قلعے اور فوج پر بھاری پتھر
اور آگ پھینکتی ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ تم ہماری بے مثال منجنیقیں دیکھنا چاہتے
ہو عنبر؟"

"اگر آپ کی مرضی ہو تو دکھا دیں۔ اگر آپ نہیں چاہتے
تو بے شک نہ دکھائیں۔ میں ناراض نہ ہوں گا۔"

کماندار نے عنبر کی پیٹھ ٹھونک کر کہا:

"تم نے میری جان بچا کر اور مجھے درد سے نجات دلا کر مجھ پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم جو بھی خواہش کر اُسے پورا کرنا میں اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔ کل اسی وقت میرے ساتھ چلنا۔ میں تمہیں مصری فوج کا سب سے خطرناک ہتھ منجنیق دکھاؤں گا۔"

"میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا۔"

دوسرے روز عنبر بڑی تیاری کر کے کمانذار کے محل میں پہنچ گیا۔ وہ اسی دن کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں بے حد خوش تھا۔ یہ وہ راز تھا جو اُسے سوائے کمانذار کے اور کوئی بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ محل میں کمانذار اُس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ وہ عنبر کو اپنے شاندار فوجی رتھ میں بٹھا کر اہرام مصر کے علاقے کی طرف روانہ ہوگیا۔ اہرام کے عقب میں ایک بہت بڑے پہاڑ کو کھود کر اُس کے اندر ایک بے حد لمبا چوڑا کمرہ بنا دیا گیا تھا۔ یہ کمرہ اُونچا اور وسیع تھا۔ یہاں فرعون کی فوج کا سب سے خطرناک ہتھیار پڑا تھا جس سے ہیبنی بال ایسا بادشاہ بھی گھبراتا تھا۔ عنبر اس کشادہ ہال کمرے میں داخل ہوا۔

کمانذار نے ہاتھ کے اشارے سے کہا:

"دیکھو، یہ ہیں ہماری فوج کی طاقت ور منجنیقیں، جو بڑے سے بڑے دشمن کی فوج کو تہس نہس کر سکتی ہیں۔"

عنبر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اِس قدر لمبا چوڑا ہال کمرہ بے شمار منجنیقوں سے لدا ہوا تھا۔ یہ گویا اُس زمانے کی توپ تھی اور دشمن کے لیے تباہی کا پیام لاتی تھی۔ عنبر ایک ایک توپ کو غور سے دیکھنے لگا:

"مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ ایسے بہادر جرنیلوں نے مصر کی فوج کو ایسے خطرناک ہتھیار سے لیس کر رکھا ہے۔ رب عظیم کی قسم دشمن ہماری طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔"

کمانذار نے قہقہہ لگا کر کہا:

"ہم دشمن کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔"

"بے شک، بے شک!"

عنبر نے مصر آنے کا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اب وہ اُس سلطنت سے انتقام لے سکتا تھا۔ جس کے بادشاہ نے اُس کے خاندان کو برباد کیا تھا۔ کمانذار کے ساتھ عنبر اُس کے محل میں آگیا۔ دوپہر کا کھانا اُس نے محل میں ہی کھایا۔ شام کو وہ کمانذار سے اجازت لے کر واپس کاروان سرائے میں آگیا۔ اب وہ جلد سے جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس پر شک پڑے۔ اُس نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں بابل کے جنگلوں میں جانا چاہتا ہے۔ کسی کو بھلا عنبر کی اس خواہش پر کیا شبہ ہو سکتا تھا۔ وہ حکیم تھا اور اُسے

ہمیشہ جڑی بوٹیوں کی تلاش رہتی تھی؛ چناں چہ ایک روز اُس نے کمانڈار سے اجازت طلب کی۔ کمانڈار نے کہا:

"مجھے امید ہے، تم بہت جلد جڑی بوٹیاں تلاش کرکے واپس میمفس آجاؤ گے۔"

"مَیں ایک ہفتے کے اندر اندر آپ کی خدمت میں ہُوں گا۔"

"تمہارا آنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ مَیں بادشاہ سے کہہ کر تمہیں شاہی طبیب کے عہدے پر فائز کرانا چاہتا ہُوں۔"

"یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہوگی جناب، وگرنہ میں کس لائق ہُوں۔"

"نہیں نہیں عنبر، تم اپنے وقت کے ایک ماہر طبیب ہو۔ شاہی دربار کی کُرسی تمہارا حق ہے اور مَیں یہ حق تمہیں ضرور دلا کر رہُوں گا۔"

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا۔ مَیں ہر خدمت کے لیے حاضر ہُوں۔"

"مَیں تمہاری واپسی کا بے تابی سے انتظار کروں گا۔"

"مَیں آپ کو زیادہ انتظار کی زحمت نہیں دُوں گا۔"

اسی رات پچھلے پہر عنبر مصر سے واپس روانہ ہوگیا۔ کمانڈار نے فوج کا ایک خاص دستہ عنبر کے ساتھ کر دیا۔ آتی دفعہ وُہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا۔ مگر جاتی دفعہ وُہ ایک شان دار فوجی رتھ میں سوار تھا جسے چھ تنومند عربی گھوڑے چلا رہے تھے۔ ان تیز

رفتار رتھوں کی وجہ سے اُنھوں نے تین روز کی مُسافت صرف ڈیڑھ دن میں طے کر لی۔

دوسرے دن شام کو وُہ مصر کی سرحد پر کھڑا تھا۔ اُس نے دواؤں کا جھولا اپنے کندھے پر ڈالا۔ اپنے سفید گھوڑے پر سوار ہُوا اور سپاہیوں سے ہاتھ ہلا کر واپس ایلام کی طرف چل پڑا۔ اُس کا دل خوشی سے اُچھل رہا تھا۔ وُہ جلدی سے جلدی ایلام پہنچ کر سردار اور ہینی بال کو خود فرعونوں کی فوج اور منجنیقوں کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ جُوں جُوں افریقہ کی سرحد قریب آرہی تھی عنبر کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا تھا۔

فرعون کی تباہی

•

رات کے پہلے پہر عنبر ایلام پہنچ گیا۔

سردار ابھی تک دربار میں تھا۔ شاید مصر پر حملے کے بارے میں کوئی خاص اجلاس ہو رہا تھا۔ عنبر نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا ہینی بال کے شاہی محل کی جانب روانہ ہو گیا۔ ہینی بال اپنے جرنیلوں اور سردار کے ساتھ اپنے خاص کمرے میں جنگ کے بارے میں خفیہ اجلاس کر رہا تھا۔ عنبر نے حبشی غلاموں کے ہاتھوں اندر پیغام پہنچایا تو ہینی بال نے اُسے فوراً اندر بُلا لیا۔ سردار نے دروازے پر اس کا خیر مقدم کیا۔

"عنبر، تم ٹھیک وقت پر آ گئے۔ جہاں پناہ کئی بار تمہارے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔"

عنبر نے ہینی بال کو جھک کر سلام کیا۔ ہینی بال نے اُسے اپنے قریب بٹھایا اور کہا:

"اگرچہ ہم نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ مگر ہمیں اُمید ہے کہ تم مصر سے کامیاب لوٹے ہو گے۔"

عنبر نے بڑے ادب سے کہا:

"جہاں پناہ، یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں فرعونوں کے دیس میں جاؤں اور کامیاب واپس نہ لوٹوں۔"

"تو کیا تم ساری معلومات لے آئے ہو؟"

"کیوں نہیں جہاں پناہ۔"

عنبر نے چمڑے کا ایک نقشہ میز پر پھیلا دیا۔ یہ نقشہ اُس نے میمفس میں کاروان سرائے کے کمرے میں بیٹھ کر بنایا تھا۔ ہینی بال، سردار اور جرنیل بڑے غور سے نقشے کو دیکھنے لگے۔ عنبر نے ایک جگہ اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ پُرانے فرعونوں کے اہرام ہیں۔ ان اہراموں کے عقب میں یہ ایک پہاڑی ہے۔ اِس پہاڑی کے اندر ایک لمبا چوڑا ہال کمرہ ہے جس میں سینکڑوں کی تعداد میں منجنیقیں چھپا کر رکھی ہوئی ہیں۔"

ہینی بال خوشی سے نقشے کو دیکھ کر بولا:

"کیا فرعون نہارکی کی ساری منجنیقیں اسی پہاڑی کے اندر جمع ہیں؟"

عنبر کہنے لگا:

"جہاں پناہ، میں اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر آ رہا ہوں۔"

پھر اُس نے کماندار کا علاج کیا۔ اُس کی کھوپڑی کھول کر ہمیشہ کے لیے اُسے سر درد کی شکایت سے نجات دلائی۔ پھر اُس کا

اعتماد حاصل کیا اور ایک روز اُس کے ساتھ جا کر اس پہاڑی کے اندر موجود ساری منجنیقوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہینی بال عنبر کی ہوشیاری، فراست اور دلیری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس نے کہا:

"اے شام کے طبیب، تم بلاشبہ اِس لائق ہو کہ تمہیں فوج کا بلند سے بلند عہدہ دیا جائے۔ یہ بتاؤ کہ فرعون کی فوج کے بارے میں تم نے کیا معلومات حاصل کیں؟"

عنبر نے ہینی بال کو بتایا کہ فرعون مہارکہ نے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد فوج کی تعداد کو تھوڑا سا بڑھا دیا ہے۔ اُس نے فوجیوں کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ اِس وقت فرعون کے پاس پچاس ہزار پیدل فوج اور پچیس ہزار گھوڑ سوار فوج موجود ہے۔

"یہ فوج کس جگہ قیام رکھتی ہے؟"

"آدھی فوج شہر سے باہر ایک عمارت میں رہتی ہے اور باقی آدھی فوج شاہی محل کے باہر پتھر کی چھتوں والے مکانوں میں رہتی ہے۔"

"کیا اُن کے پاس ہاتھی بھی ہیں؟"

"ہاتھیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ زیادہ تر ہاتھی میمفس میں منجنیقیں اِدھر سے اُدھر لے جانے کے کام آتے ہیں۔"

"اور ہمارے پاس پانچ سو ہاتھی ہیں جو فرعون کی فوج کو ایک ہی ریلے میں کچل کر رکھ دیں گے۔ لیکن ہمیں سب سے زیادہ خطرہ

منجنیقوں سے تھا۔ اِس لیے کہ اِس فن میں مصریوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔ اس کے لیے ہم تمہارے شکرگزار ہیں کہ تم نے اس بارے میں ہمیں پوری معلومات فراہم کر دیں۔ اب فرعون مہارکہ شکست سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔ شکست اُس کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔"

پھر ہینی بال نے اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ فرعون کے ملک پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جرنیلوں نے سر جھکایا اور باہر نکل گئے۔ ہینی بال، سردار اور عنبر آدھی رات تک بات چیت کرتے رہے۔ ہینی بال کا خیال تھا کہ جس وقت فوج فرعون کی سرزمین پر پہنچے تو بہادر سپاہیوں کا ایک خاص دستہ پہاڑی پر حملہ کر کے تمام کی تمام منجنیقوں کو آگ لگا دے۔ عنبر نے کہا:

"جہاں پناہ، میرا خیال ہے۔ ہماری فوج کو یہ کام چڑھائی سے ایک روز پہلے رات کو کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ہمیں عام حملہ کر دینا ہوگا۔"

"تمہارا خیال بھی صحیح ہے۔ پہاڑی پر حملہ ہم رات کے وقت خفیہ طریقے سے اچانک کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا دستہ ہاتھیوں کے اصطبل میں آگ لگا دے گا تاکہ ہاتھی بدک کر بھاگ جائیں اور اپنے ہی ملک میں تباہی پھیلا دیں۔"

"اور ٹھیک اِس افراتفری میں ہماری فوج کو دشمن پر عام

حملہ بول دینا ہوگا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

آدھی رات کے بعد سردار اور عنبر واپس اپنی حویلی میں آئے تو وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ وہ لیٹتے ہی سو گئے۔ صبح اٹھ کر وہ محل میں پہنچ گئے۔ فوج میں تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں۔ اسلحہ خانے میں دھڑا دھڑ تیر کمان، نیزے، تلواریں اور دوسرا جنگی سامان تیار کیا جا رہا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر ساری فوج کو حملے کے لیے تیار کر دیا گیا۔

اور پھر ایک روز ہینی بال کی ستر ہزار فوج نے فرعون کے شہر میمفس کی طرف کوچ بول دیا۔ فوج نے دس ٹکڑیوں میں الگ الگ راستوں سے اپنا سفر شروع کیا۔ رتھوں پر سوار فوجیوں کا دستہ دریا کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ ہاتھیوں کا دستہ پہاڑی راستے کو چھوڑ کر میدانی راستے سے چلا۔ گھوڑ سوار ہینی بال کے ساتھ تھے اور پیدل فوج ایک بہت بڑے جہاز میں سوار ہو کر دریائے نیل کے دہانے کی طرف روانہ ہو گئی۔ گیارہ روز کے سفر کے بعد یہ ساری کی ساری فوج مصر کی سرحد پر ایک جگہ اکٹھی ہو گئی۔ پیدل فوج جہاز میں سے اتر کر دریائے نیل کے کنارے کنارے چلتی گھوڑ سواروں، ہاتھی والوں اور رتھ سواروں سے آن ملی۔ منجنیقیں بھی ساری کی ساری صحیح سلامت پہنچ گئیں۔ یہ ساری جنگی کارروائی بڑی خاموشی اور رازداری

سے ہوئی۔ پھر بھی خبر کرنے والے جاسوسوں نے فرعون مصر نہارکہ کو خبر کر دی کہ ہینی بال افریقہ سے بڑی فوج لے کر مصر کی سرحد پر پہنچ گیا ہے۔

فرعون نے جنگ کا اعلان کر دیا اور میمفس شہر کے تمام دروازے بند کر دیے۔ اُس نے پہاڑی پر پہرہ بٹھا دیا۔ ایک لاکھ پیدل اور گھوڑ سوار فوج کو لے کر شہر سے باہر نکل آیا اور ایک ریتلے میدان میں ٹیلوں کے درمیان پڑاؤ ڈال کر دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ شہر کی فصیل کے اوپر سپاہی تیر کمان لے کر چڑھ گئے تھے۔ وہاں کھولتے ہوئے تیل کے بڑے بڑے کڑاہے بھی رکھ دیے گئے تھے۔ یہ کھولتا ہوا تیل دشمن کے اُن سپاہیوں پر انڈیلا جاتا تھا جو فصیل کی دیوار پر سیڑھی لگا کر چڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

اب ہینی بال نے اپنی خاص چال چلی۔ اُس نے بیس ہزار فوج کو پیچھے رکھا۔ پندرہ ہزار فوجیوں کو آگ لگانے کا سامان دے کر پیچھے سے ہو کر پہاڑی کی طرف روانہ کر دیا اور خود تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ سامنے کی طرف سے اُس میدان کی طرف بڑھنے لگا جہاں فرعون نہارکہ کی فوجوں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ فرعون کی فوج کو سامنے کی طرف اُلجھائے رکھے۔ تاکہ عقب کی طرف جانے والی پندرہ ہزار فوج کے سپاہیوں کو پہاڑی پر حملہ کر کے منجنیقوں کو آگ لگانے کا موقع مل جائے۔ فرعون اُن منجنیقوں کو آخری وقت

میں نکالنا چاہتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اُس کی ایک لاکھ فوج ہینی بال کے سپاہیوں کو کُچل کر رکھ دے گی۔

جنگ شروع ہوگئی۔ سپاہی شیروں کی طرح لڑنے لگے۔ تیروں نیزوں کی بارش شروع ہوگئی۔ تلوار بجلی کی طرح چلنے لگی۔ دوسری طرف پندرہ ہزار سپاہیوں نے اہرام کے پہلو والی پہاڑی پر حملہ کر دیا۔ وہاں فرعون کی مختصر سی فوج تھی۔ ہینی بال کے سپاہیوں نے اُسے ہلاک کر کے پہاڑی کا دروازہ توڑ دیا اور اندر داخل ہو گئے۔ اندر اُنہیں بے شمار منجنیقیں نظر آئیں تو وہ حیران رہ گئے۔ عنبر کی جاسوسی کام کر گئی تھی۔ سپاہیوں نے ساری منجنیقوں پر رال کا تیل پھینک کر آگ لگا دی۔ منجنیقیں لکڑی کی تھیں۔ رال نے بھڑک کر اُنہیں جلانا شروع کر دیا۔ سپاہی آگ لگا کر واپس چل پڑے۔

میدان جنگ میں لڑائی ہو رہی تھی کہ کسی نے فرعون کو آکر بتایا کہ دشمن نے پہاڑی پر حملہ کر کے ساری منجنیقوں کو آگ لگا دی ہے۔ یہ فرعون کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔ مگر اُس نے ہمت نہ ہاری اور کسی سے کچھ نہ کہا۔ وہ اپنے ہاتھی سے اُترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے دوڑاتا ہُوا اہرام کے پہلو والی پہاڑی پر پہنچ گیا۔ پہاڑی کے دروازے سے آگ کے شعلے آتش فشاں پہاڑ کی طرح باہر نکل رہے تھے۔ پہاڑی کے اندر ساری کی ساری منجنیقیں جل کر راکھ ہو رہی تھیں۔ فرعون وہیں سے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا

واپس میدان جنگ میں آگیا۔ ہینی بال کو معلوم ہُوا کہ دشمن کا سارا اسلحہ جل کر راکھ ہوگیا ہے تو اُس نے ایک نئے جذبے اور ولولے کے ساتھ حملہ کر دیا۔ یہ حملہ ہینی بال کی ساری فوج کا حملہ تھا اور اِس قدر شدید تھا کہ فرعون کی فوج کے قدم اُکھڑنا شروع ہوگئے۔ فرعون کے جرنیل اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھانے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ مگر ہینی بال کی تازہ دم فوج کا دباؤ شدید ہو رہا تھا۔ آخر فرعون کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اُس نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ ہینی بال اب خود میدان جنگ میں کُود پڑا اور دُشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگا۔ یہ عالم دیکھ کر فرعون کی فوج کا رہا سہا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔ اُس نے شہر کی فصیل کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ فرعون اس سے پہلے بھاگ کر شہر میں داخل ہو چکا تھا —— ہینی بال بھاگتی ہُوئی فوج پر نیزے اور تیر برسا رہا تھا۔ ہزاروں فوجی ہلاک کر دیے گئے۔ ہینی بال فصیل کے قریب پہنچ کر رُک گیا اُس نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور فصیل پر منجنیقوں سے پتھر پھینکنے شروع کر دیے۔ مگر یہ منجنیقیں ہلکی قسم کی تھیں۔

ہینی بال نے ہاتھیوں کو چھوڑ دیا تاکہ وہ شہر کے دروازے کو توڑ ڈالیں۔ فصیل کے اوپر بیٹھے ہُوئے سپاہیوں نے ہاتھیوں پر کھولتا ہُوا گرم گرم تیل انڈیل دیا۔ ہاتھی جل کر مر گئے اور سینکڑوں فوجی بھی جل کر بھسم ہو گئے۔ ہینی بال نے حملہ روک دیا۔ فوج واپس

خیموں میں آرام کرنے لگی۔ لاشوں کو جلا دیا گیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ ہینی بال نے اپنے سپہ سالاروں کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔ عنبر بھی اِس اجلاس میں شریک تھا۔ وُہ رات گئے تک اِس مسئلے پر غور کرتے رہے کہ شہر کی فصیل کو توڑ کر اندر کیسے داخل ہُوا جائے۔ پتھر پھینکنے والی لکڑی کی مشینیں کمزور تھیں۔ فصیل کے اُوپر فوجوں کی بہت بڑی تعداد تیر کمان، نیزے اور کھولتا ہُوا تیل لیے بیٹھی تھی۔ ایک جرنیل نے کہا کہ شہر کا محاصرہ کر لیا جائے۔ شہر کے اندر کی خوراک اور پانی ختم ہو جانے پر فرعون خود بخود ہتھیار ڈال دے گا۔ اِس پر عنبر نے کہا:

"مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ اِس بڑے شہر میں پانی اور خوراک اس قدر موجود ہے کہ فرعون کی فوج ایک سال تک زندہ رہ سکتی ہے۔"

ہینی بال نے گرج کر کہا:

"میں ایک سال تک انتظار نہیں کر سکتا۔ جو کچھ کرنا ہے کل ہی ہو جانا چاہیے۔"

سپہ سالار نے کہا:

"پھر جیسا آپ کا حکم ہو ہم اسی پر عمل کریں گے۔ ہماری فوج آپ کے اشارے پر جان کی بازی لگا دے گی۔"

ہینی بال نے ہاتھ اُٹھا کر کہا:

"کل ہم فیصلہ کن حملہ کریں گے۔ ایک ہی ہلّے میں شہر کی فصیل کے دروازے کو توڑ کر شہر میں داخل ہو جائیں گے۔"

"ایسا ہی ہوگا جہاں پناہ۔"

دوسرے دن ہینی بال کی تازہ دم فوج نے جنوں اور بھوتوں کی طرح میمفس شہر کی فصیل پر حملہ کر دیا۔ وہ قد آدم ڈھالوں کی آڑ میں سیڑھیاں لے کر آگے بڑھے اور شہر کی دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ فرعون کی فوج نے اُن پر تیر، نیزے اور کھولتا ہُوا تیل انڈیلنا شروع کر دیا۔ بے شمار فوجی جل کر بھسم ہو گئے۔ مگر اُن کی جگہ تازہ دم سپاہی آ گئے۔ آخر ہینی بال کی فوج کے کچھ سپاہی دیوار کے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُنھوں نے فصیل کے کئی مورچوں پر قبضہ کر کے فوجیوں کو ہلاک کر دیا۔

اِس فتح نے ہینی بال کی فوج میں زندگی کی ایک نئی رُوح پھونک دی۔ وہ پہاڑ بن کر شہر کے بڑے دروازے سے ٹکرا گئے۔ ہاتھیوں نے اِس زور سے ٹکریں ماریں کہ شہر پناہ کے دروازے اُکھڑ کر گر پڑے۔ ہینی بال کی فوج فتح کے نعرے لگاتی شہر میں داخل ہو گئی۔ اُنھوں نے مصر کا دارالحکومت فتح کر لیا تھا۔ فرعون کی فوج نے بھاگنا شروع کر دیا۔ ہینی بال کے سپاہیوں نے شہر میں لوٹ مار اور قتلِ عام شروع کر دیا۔ اُنھوں نے مکانوں کو آگ لگا دی۔ حویلیوں کو لوٹ کر نذرِ آتش کر دیا۔ ہینی بال اپنے خاص گھوڑ سوار دستے

کے ساتھ فرعون کے محل کی طرف بڑھنے لگا۔

فرعون نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ محل کے بڑے دروا
پر آخری مقابلہ کیا۔ مگر اب وُہ جنگ ہار چکا تھا۔ سپاہی اُ
کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے۔ ہینی بال نے لڑتے لڑ
آگے بڑھ کر فرعون پر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا اور اُ
کی گردن قلم کر کے سر نیزے پر چڑھا کر بلند کر دیا۔

"فرعون قتل کر دیا گیا ہے"

ہینی بال ایک فاتح بادشاہ کی حیثیت سے فرعون کے م
میں داخل ہو گیا۔ اُس نے فرعون کی ملکہ کو حراست میں
لیا اور شاہزادیوں کو محل کی چار دیواری میں قید کر دیا۔ اس
بعد اُس نے فرعون کا سونے کا تاج سر پر رکھا اور ہیرے مو
والے انتہائی قیمتی تخت پر بیٹھ کر اعلان کیا:

"آج سے فرعونوں کا غرور خاک میں مل گیا ہے۔ میمفس ک
لوگ آزاد ہیں۔ قتلِ عام بند کر دیا جائے۔ کسی مکان کو لوٹ
کر آگ نہ لگائی جائے۔ لوگوں کو اجازت ہے کہ وُہ اپ
مذہب کے مطابق عبادت کریں۔ کسان کھیتوں میں کام کریں
اُنہیں ہر طرح کا آرام دیا جائے گا۔ ان پر سے ناجائز ٹیکس
دیے جائیں گے۔ فرعون یہاں کا خدا بن بیٹھا تھا۔ مگر مَیں خد
نہیں ہُوں۔ مَیں آپ کا بادشاہ ہینی بال ہُوں۔ جس کا جھنڈا سار

افریقہ میں لہراتا ہے۔"

اِس اعلان کے ساتھ ہی شہر میں قتلِ عام اور لوٹ مار
بند کر دی گئی۔ مگر اِس دوران میں ہینی بال کے وحشی سپاہیوں
نے ہزاروں انسانوں کو ہلاک کر دیا تھا اور سینکڑوں مکانوں کو
لوٹ کر آگ لگا دی تھی۔ عنبر جلے ہُوئے، لاشوں سے بھرے
ہُوئے بازاروں میں سے گزرتا اُس کاروان سرائے تک گیا جہاں
وُہ آ کر ٹھہرا تھا۔

سرائے کے مالک کا سارا سامان ٹوٹا پڑا تھا اور اُس کی لاش
ایک چبوترے پر خون میں نہائی ہُوئی پڑی تھی۔ عنبر محل میں واپس
آ گیا۔ وُہ کمانڈار اور اُس کی بیوی نے عنبر کے ساتھ بڑا اچھا سلوک
کیا تھا۔ کمانڈار کے محل کو بھی سپاہیوں نے لوٹ لیا تھا۔ کمانڈار کو
ہلاک کر دیا گیا تھا اور اُس کی لاش ایک صندوق کے اُوپر
پڑی تھی۔

اُسے معلوم ہُوا کہ کمانڈار کی بیوی کو بھی دوسری شہزادیوں اور
کنیزوں کے ساتھ خاص محل کی چار دیواری میں قید کر دیا گیا ہے
عنبر کو خوشی ہُوئی کہ وہ عورت ہلاک ہونے سے بچ گئی ہے۔
وُہ اُس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میمفس میں اُس عورت نے
عنبر کے ساتھ نیک سلوک کیا تھا۔ وُہ کمانڈار کی بیوی کے انسانی
برتاؤ کا اُسے بدلہ دینا چاہتا تھا؛ چنانچہ وُہ زنانہ محل کی طرف

چل پڑا۔ وہ ہینی بال کا خاص آدمی تھا۔ اُسے محل کے پہریداروں نے بالکل نہ روکا۔ وُہ محل کے اندر داخل ہو کر کماندار کی بیوی کو تلاش کرنے لگا۔ آخر وُہ اُسے ایک درخت کے نیچے بال کھولے اُداس بیٹھی مل گئی۔ وُہ اُس کے قریب گیا تو کماندار کی بیوی نے اُس کی طرف حیرانی اور نفرت سے دیکھا۔

"تم ہینی بال کے جاسوس تھے۔ تم نے ہمارے ساتھ دُشمنی کی۔ مَیں تم سے نفرت کرتی ہُوں۔"

قاتلانہ حملہ

•

مصری کماندار کی بیوی عنبر کو جاسوس سمجھتی تھی۔ عنبر نے اُسے بہت سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وُہ اپنی رٹ لگاتی گئی اور یہی بار بار کہتی کہ عنبر نے فرعون کے ساتھ غداری کی ہے۔ آخر عنبر نے کہا:

"بیگم صاحبہ، مَیں آپ کے پاس اِس لیے نہیں آیا کہ آپ مجھے جاسوس ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ مَیں صرف اِس لیے آیا ہُوں کہ آپ نے مجھ سے اچھا برتاؤ کیا تھا۔ میں اِس برتاؤ کا بدلہ چکانا چاہتا ہُوں۔ مجھے بتائیے مَیں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہُوں؟"

بیگم نے نفرت سے مُنہ پھیر لیا۔

"مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ مَیں ایک غیر مُلکی جاسوس اور اپنے دشمن سے کوئی خدمت نہیں لینا چاہتی۔"

"یہ آپ کی بھُول ہے۔ میں دُشمن نہیں ہُوں۔"

بیگم نے غصّے میں آکر کہا:

"تم میرے دشمن ہی نہیں، میرے خاوند کے قاتل بھی ہو۔ اگر تم ہینی بال کے لیے جاسوسی نہ کرتے تو آج میرا سہاگ سلامت ہوتا۔

تم قاتل ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔"

عنبر کو بھی غصہ آ گیا۔ اُس نے کہا:

"سُنو بیگم صاحبہ، میں تمہارا دشمن نہیں ہُوں۔ میں فرعون مہمارکہ کا دشمن تھا۔ اِس لیے کہ اس خاندان نے میری والدہ ملکہ کو زہر دے کر ہلاک کیا تھا۔ میں مصر کے شاہی خاندان کا فرد ہُوں۔ مَیں فرعون عاطون کا بیٹا ہوں۔ ملکہ نفرتیتی میری ماں تھی۔ فرعون قہرمان نے میری ماں کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ آج ایک ہزار برس بعد میں نے اس کے خاندان سے بدلہ لے لیا ہے۔"

عنبر کی باتوں کو بیگم حیرت سے منہ کھولے سُن رہی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"مَیں سچ کہہ رہا ہُوں بیگم صاحبہ، مَیں ایک ہزار برس سے زندہ ہُوں اور شاید ابھی کئی ہزار برس زندہ رہُوں گا۔"

بیگم اُس کا مُنہ ہی تکتی رہ گئی اور وُہ محل سے باہر نکل آیا۔

ہینی بال نے فرعون کی حکومت کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کر لی اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ اُس نے عنبر کو وزیر دربار مقرر کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز اور عزت تھی جو عنبر کو ملی۔ اِس کی توقع سردار کو بھی نہیں تھی۔ اُوپر سے تو اُس نے عنبر کو مبارک باد دی۔ لیکن دل میں وُہ حسد سے جل گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ ہینی بال کا وُہ خود وزیر دربار بننا چاہتا تھا۔ اس کی بہت بڑی شکست ہوئی تھی۔

نے معلوم تھا کہ ہینی بال اب اپنے فیصلے کو بدل نہیں سکتا۔ ایک بار جو وہ فیصلہ کر دے تو اُس پر ڈٹ جایا کرتا ہے۔

سردار نے بھی دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ اُس نے سوچا کہ وہ اگر ساری زندگی بھی کوشش کرتا رہے تو اب وزیر دربار کبھی نہیں بن سکتا۔ اِس کی ایک ہی صُورت ہے کہ کسی طرح عنبر کو راستے سے صاف کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ ہینی بال کا وزیر بن سکتا ہے۔ عنبر کو ہلاک کرنا اُس کے لیے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ مصیبت صرف یہی تھی کہ عنبر کو ہینی بال بہت پسند کرنے لگا تھا۔ وہ دربار میں اُس کو اپنے ساتھ بٹھاتا تھا۔ حکومت کے بارے میں ہر بات پر اُس سے مشورہ لیتا تھا۔ عنبر نے بھی اپنی خداداد لیاقت اور جرأت کی وجہ سے ہینی بال کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ وہ شاہی محل میں بڑے ٹھاٹھ سے رہتا تھا اور شاہی رتھ پر سواری کرتا تھا۔

سردار نے سوچا کہ کیوں نہ ہینی بال کے دل میں عنبر کے خلاف نفرت پیدا کر دی جائے تاکہ بادشاہ اپنے طور پر ہی عنبر کو خود سے ہٹا کر جلا وطن کر دے۔

سردار نے اپنے خطرناک منصوبے پر سوچنا شروع کر دیا۔ اُس نے کئی تدبیریں سوچیں۔ آخر ایک تدبیر اُسے پسند آ گئی۔ اس کے لیے سردار نے دربار کی سب سے خوبصورت اور بادشاہ ہینی بال کی منظورِ نظر کنیز مائرہ کو اپنے محل میں بُلایا۔

ہائرہ ملک نوبیہ کی رہنے والی تھی اور اُس کی پیدائش ملکہ نوبیہ کے محل میں ہُوئی تھی۔ وہ دربار کی سازشوں اور جوڑ توڑ سے پُوری طرح واقف تھی۔ سردار نے اُسے بُلا بھیجا تو وہ سمجھ گئی کہ ضرور سردار اُس سے کوئی خاص اور خطرناک کام لینا چاہتا ہے۔
وہ شام کے وقت سردار کے محل میں سیاہ لبادہ اوڑھے داخل ہُوئی سردار اُسے لے کر محل کے اُوپر والے چوبارے میں لے گیا۔

ہائرہ نے لبادہ اُتار کر رکھتے ہُوئے کہا:

"سردار، آپ نے اِس کنیز کو کیسے یاد کیا؟"

سردار نے کھڑکیوں کا پردہ گرا کر کہا:

"ہائرہ، تم بادشاہ ہی کی منظورِ نظر کنیز نہیں ہو بلکہ میں بھی تمہاری بہت عزت کرتا ہُوں۔ صرف اِس لیے کہ تم ایک عقلمند اور دلیر عورت ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ مَیں نے شروع شروع میں ہر مشکل میں تمہارا ساتھ دیا تھا۔ تم نے مجھ سے جس قسم کی مدد مانگی۔ مَیں نے وہ تمہیں دی تھی۔ اب وقت آیا ہے کہ تم میرے لیے ایک کام کرو۔"

ہائرہ نے کہا:

"کنیز کو حکم دیجیے۔"

"کام بڑی رازداری کا ہے۔"

"مَیں ہر قسم کی خدمت کے لیے حاضر ہُوں میرے آقا۔ آپ

کے مجھ پر اتنے احسان ہیں کہ مَیں اگر ساری عمر بھی آپ کی خدمت کرتی رہُوں تو وہ نہیں اُتر سکتے۔ آپ حکم کر کے تو دیکھیے۔"

سردار نے ہائرہ سے کہا کہ کوئی ایسی تدبیر کرے کہ عنبر وزیر دربار بادشاہ ہینی بال کی نظروں سے گر جائے بلکہ وہ اُسے مصر سے جلا وطن بھی کر دے۔ ہائرہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"میرے آقا، بھلا یہ کام بھی کوئی مشکل کام ہے؟ میں ایسا چکر چلاؤں گی کہ آپ بھی حیران رہ جائیں گے۔ بلکہ اگر آپ کہیں تو میں عنبر کا سر قلم کروا دُوں۔"

"نہیں نہیں، ابھی اِس کی ضرورت نہیں۔ مَیں صرف یہ چاہتا ہُوں کہ اُسے جلا وطن کر دیا جائے۔"

"ایسا ہی ہو گا حضور۔"

اِس کے بعد ہائرہ چلی گئی اور اُس نے اپنی سازش پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہ ہینی بال کو فرعون کے محل سے سُرخ موتیوں کا ایک بہت قیمتی ہار ملا تھا جو اُس نے اپنی چہیتی ملکہ کو تحفے کے طور پر دے دیا تھا۔ ہینی بال کو یہ ہار بہت پسند تھا اور وہ اُسے ہمیشہ ملکہ کے گلے میں دیکھنا پسند کرتا تھا۔ ملکہ ہمیشہ اسے اپنے گلے میں پہنے رکھتی تھی۔ صرف رات کو سونے کے وقت وہ اُسے اُتار کر ایک صندوق میں بند کر دیتی تھی۔ ہائرہ ملکہ کی خاص کنیز تھی۔ وہی ملکہ کو غسل کرواتی اور اس کا لباس تبدیل کرواتی تھی۔ ملکہ کو

ہائمہ پر بہت اعتبار تھا۔ ہائمہ کے مکار ذہن نے عنبر کے خلاف ایک تدبیر سوچی اور اس کے مطابق ایک رات وہ ملکہ کی خواب گاہ میں گئی۔ ملکہ سونے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ ہائمہ نے ملکہ کے سیاہ بالوں میں کنگھی کی۔ چہرے پر اُبٹن مَلا۔ اُس کا شاہی لباس سنبھال کر رکھا۔ اُسے رات کا لباس پہنایا۔ ملکہ نے گلے میں سے ہار اُتار کر کہا:

"ہائمہ اِسے سنبھال کر رکھ دو۔"

"جو حکم ملکہ عالم۔"

ہائمہ نے سُرخ موتیوں کا قیمتی ہار ملکہ کے ہاتھ سے لے کر اُس کے سامنے صندوق میں بند کر دیا۔ ملکہ مسہری پر لیٹ گئی۔ ہائمہ نے ساز پر ایک گیت چھیڑ دیا۔ اتنے میں بارہ دری میں نیلے آسمان پر چاند نکل آیا تھا۔ ملکہ نے چاند کو دیکھا تو کہا:

"میری مسہری بارہ دری میں لگوا دو ہائمہ۔ میں چاندنی رات میں سونا چاہتی ہوں۔"

"جو حکم ملکہ عالیہ۔"

اور ہائمہ نے کنیزوں کو بُلوا کر ملکہ کی مسہری باہر بارہ دری میں لگوا دی۔ تھوڑی دیر وہ ملکہ کے پاس بیٹھی اُسے میٹھے میٹھے گیت سناتی رہی۔ جب اُس نے دیکھا کہ ملکہ سو گئی ہے تو دبے پاؤں اُٹھ کر باہر آ گئی۔ اُس نے صندوق کے پاس کھڑے ہو کر ایک بار پھر

پلٹ کر اطمینان کیا کہ ملکہ سو رہی ہے۔ پھر وہ صندوق پر جُھکی۔ پلک جھپکنے میں صندوق کھول کر سُرخ موتیوں کا ہار نکال کر جیب میں ڈالا اور صندوق بند کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اُس کے خطرناک منصوبے کا پہلا حصّہ مکمل ہو گیا تھا۔

رات کے وقت وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھی عنبر کے محل میں پہنچی۔ وہ پچھلے خُفیہ دروازے سے اُس کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ عنبر ابھی تک دربار سے واپس نہیں آیا تھا۔ ہائمہ کے لیے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ اُس نے عنبر کی مسہری کی چادر اٹھائی اور اُس کے نیچے موتیوں کا ہار چھپا دیا۔ اِس کام سے فارغ ہو کر وہ بڑی تیزی سے خواب گاہ سے باہر نکل آئی۔ خفیہ دروازے سے نکل کر وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور واپس ملکہ کے محل میں آ گئی۔ اُسے کسی نے آتے جاتے نہ دیکھا تھا۔ اُس کا سارا منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اب صرف یہی ایک کسر باقی تھی کہ صبح اُٹھ کر ملکہ نے ہار تلاش کرنا تھا اور ہائمہ نے اُس سے یہ کہنا تھا کہ تمام درباریوں کے گھروں کی تلاشی لی جائے کیوں کہ تمام درباری اِس ہار کو پسند کرتے تھے۔

وہ بڑے آرام سے سو گئی۔ وہ اپنے کام پر بہت خوش تھی۔ صبح صبح ہی وہ اُٹھ کر ملکہ کی خواب گاہ میں پہنچ گئی۔ ملکہ ابھی ابھی سو کر اٹھی تھی اور غسل سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کرنے والی

تھی۔ ہائمہ نے ملکہ کا لباس تبدیل کروادیا۔ اُس کے بال بنائے، اُس کا بناؤ سنگار کیا اور پھر سُرخ ہار صندُوق میں سے نکالنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو چیخ مار کر بولی :

"ملکہ عالیہ ہار چوری ہوگیا !"

اب اُدھر کی بھی سُنیئے۔ آدھی رات کو دربار سے عنبر گھر واپس آیا تو بے حد تھکا ہُوا تھا۔ وُہ غسل کرنے کے بعد اپنی مسہری کی طرف آیا تو اچانک اُسے مسہری کی چادر کچھ مَیلی مَیلی سی محسوس ہُوئی۔ اُس نے حبشی غلام کو آواز دی۔

"زمُرّد !"

حبشی غلام حاضر ہُوا تو اُس نے کہا :

"مسہری کی چادر بدل دو !"

غلام نے ادب سے سر جُھکایا اور مسہری پر سے چادر اُلٹ دی۔ چادر کا ہٹنا تھا کہ نیچے سُرخ موتیوں کا ہار شمع دان کی روشنی میں چمکنے لگا۔ عنبر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔

"یہ ہار یہاں کیسے آگیا ؟"

حبشی غلام بھی پریشان سا ہوگیا۔ عنبر کو یُوں محسوس ہُوا جیسے اُس کے خلاف کوئی سازش کی جارہی ہے۔ اُس نے فوراً سُرخ موتیوں کا ہار پلنگ پر سے اُٹھا کر جیب میں رکھا۔ باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا بادشاہ بیضی بال

ے محل میں پہنچ گیا۔ بادشاہ دربار سے واپس آکر سونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ غلام نے جُھک کر عرض کی کہ وزیرِ دربار شرفِ مُلاقات کے خواہش مند ہیں۔ بادشاہ نے کہا :

"لیکن ابھی ابھی تو وُہ مجھ سے مِل کر گئے ہیں !"

"عالم پناہ ! وُہ کوئی ضروری بات گوش گزار کرنا چاہتے ہیں !"

"ٹھیک ہے ! اُنہیں اندر بلاؤ !"

عنبر نے بادشاہ کی شاہی خواب گاہ میں داخل ہو کر جُھک کر سلام کیا اور موتیوں کا سُرخ ہار بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"یہ — یہ تو ہماری ملکہ کا ہار ہے عنبر ! یہ تمہارے پاس کیسے آگیا ؟"

عنبر نے سارا واقعہ سُنا دیا۔ بادشاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

عنبر نے کہا :

"حضُور ! مجھے تو اپنے خلاف یہ کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے مَیں ہار لے کر سیدھا آپ کے حضور آگیا ہُوں !"

"اگر ایسی بات ہُوئی تو مَیں سازشیوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ لوگ میرے انتقام کی آگ سے نہ بچ سکیں گے۔ تم جا کر آرام کرو۔ صبح دیکھا جائے گا !"

اُس وقت دن کی روشنی پھیلنے ہی والی تھی۔ بادشاہ نے ہار ہاتھ میں پکڑا اور سیدھا ملکہ کے کمرے میں آگیا۔ ملکہ اپنی کنیز ہائمہ

کے ساتھ پریشان بیٹھی تھی۔ بادشاہ نے پوچھا:

"ملکہ، کیا آپ کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے؟"

"آپ کو کیسے پتہ چلا؟"

"اِس لیے کہ وہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔"

بادشاہ نے جب سُرخ موتیوں کا قیمتی ہار نکال کر ملکہ کے سامنے رکھا تو ملکہ سے بڑھ کر حیرانی کنیز ہائمہ کو ہُوئی۔ وہ بُت کی بُت بن کر رہ گئی کہ عنبر کی مسہری کے نیچے سے یہ ہار اتنی جلدی یہاں کیسے آ گیا۔ بادشاہ نے صاف صاف بتا دیا کہ کسی نے شرارت کر کے تمہاری خواب گاہ سے ہار چُرایا اور وزیر دربار کے گھر چھُپا دیا تھا۔ وزیر دربار کو اچانک ہار کا علم ہو گیا اور وہ اُسی وقت ہار لے کر ہماری خدمت میں حاضر ہو گیا۔

ہائمہ کی سازش پر پانی پھر گیا تھا۔

سردار کو سخت مایوسی ہُوئی۔ اب اُس نے عنبر کو قتل کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ اِس کام کے لیے اُس نے ایک حبشی غلام کی خدمات حاصل کیں۔ اُسے سونے چاندی اور زر و جواہر کا لالچ دے کر کہا کہ وہ راتوں رات وزیر دربار عنبر کو قتل کر دے۔ حبشی غلام عنبر کے محل کا پہریدار تھا۔ عنبر کے قتل کا وقت مقرر کر دیا گیا۔

ایک رات عنبر دربار سے لَوٹ کر محل میں واپس آیا تو اُسے پیاس محسوس ہُوئی۔ اُس نے غلام کو بُلا کر انگوروں کا تازہ رس

نکلوایا اور ایک گلاس پی کر مسہری پر لیٹ گیا۔ وہ دیر تک پہلو بدلتا رہا۔ پھر اُسے نیند آ گئی۔ اُدھر پہریدار حبشی غلام اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اپنا چہرہ سیاہ لبادے میں لپیٹ کر کمر کے ساتھ انتہائی تیز خنجر لگائے محل کی عقبی سیڑھیوں میں سے ہوتا ہُوا چوبارے کی چھت پر آ گیا۔

رات کی خاموشی ہر طرف چھائی ہُوئی تھی۔ حبشی نے چوبارے کی چھت پر سے عنبر کی چھت پر چھلانگ لگا دی۔ اُس کی دھمک عنبر نے بالکل محسوس نہ کی کیونکہ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ حبشی دبے پاؤں نیچے دالان میں اُتر آیا۔ اب وہ خواب گاہ میں داخل ہونے کا موقع تلاش کر رہا تھا جو جلد ہی اُسے مل گیا۔ اتفاق سے وہاں اُس وقت کوئی غلام پہرے پر موجود نہ تھا۔ حبشی نے پردہ ذرا سا ہٹا کر اندر جھانک کر دیکھا۔ وزیر دربار عنبر اپنی مسہری پر بے سُدھ ہو کر گہری نیند سو رہا تھا۔ حبشی چُپکے سے خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ بلی کی طرح سَرکتا ہُوا عنبر کے سرہانے کی جانب آ گیا۔

وہ بڑی گہری نگاہوں سے سانس روکے عنبر کو غور سے تکنے لگا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ عنبر نیند میں بالکل مدہوش ہے تو اُس نے کمر میں ہاتھ ڈال کر لمبا اور تیز دھار والا خنجر نکالا۔ اُسے فضا میں بلند کیا اور ایک ہی جھٹکے سے عنبر کے سینے میں پیوست کر دیا۔

عنبر کی اچانک آنکھ کھُل گئی۔ مگر قاتل پے در پے دو تین وار سینے پر کر کے بھاگ چُکا تھا۔ عنبر خاموشی سے لیٹا رہا۔ اِس لیے کہ خنجر اُس کی جان نہیں لے سکتا تھا۔ وُہ تو ہمیشہ کے لیے لافانی ہو چُکا تھا؛ چنانچہ وُہی ہُوا۔ خنجر لگنے سے عنبر کے سینے سے خُون کی ایک بُوند بھی نہ نکلی۔ سینے پر خنجر سے زخم ہُوا جو اپنے آپ مِل گیا۔

عنبر پھر گہری نیند سو گیا۔ حبشی غلام سیدھا سردار کے ہاں پُہنچا اور اُس نے جا کر بتایا کہ اُس نے خنجر کے تین وار عنبر کے سینے پر کر کے اُسے مَوت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ سردار نے اُسے موتیوں کا ایک ہار اور سونے کے کچھ سکّے انعام کے طور پر دیے اور خاموش رہنے کی ہدایت کر کے اُسے واپس بھیج دیا۔ حبشی غلام نے واپس اپنے گھر آ کر کمر میں سے خنجر نکال کر اسے دھو کر صاف کرنا چاہا تو وُہ یہ دیکھ کر تعجب میں آ گیا کہ خنجر پر خون کا معمولی سا نشان بھی نہیں تھا۔ اُس نے سوچا شاید خُون اُس کے کپڑوں کے ساتھ رگڑ کر ہٹ گیا ہے۔ اُس نے اپنے کپڑے دیکھے۔ وہاں بھی خون کا کوئی دھبہ تک نہ تھا۔ وُہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بہرحال اُس نے پانی سے خنجر کو صاف کیا اور سو گیا۔

صبح دن نکلا تو سردار سب سے پہلے دربار میں آ گیا۔ وُہ

دیکھنا چاہتا تھا کہ جب دربار میں عنبر کے قتل کی خبر پُہنچتی ہے تو بادشاہ پر اُس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ دربار میں آ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ درباری محل میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ حبشی قاتل باہر دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ اچانک اُس نے دیکھا کہ وزیرِ دربار عنبر شاہی رتھ میں سے اُتر کر محل کی سیڑھیوں کی طرف آ رہا ہے۔ حبشی نے کل رات اُسے خود قتل کیا تھا۔ اُس کے سینے پر خنجر کے تین بھرپُور ہاتھ مارے تھے۔ اگر وُہ مرا نہیں تھا تو کم از کم زخمی ہی ہُوا ہوتا۔ مگر وُہ روز کی طرح چاق و چوبند چلا آ رہا تھا۔ جب وُہ حبشی کے قریب سے گزرا تو حبشی کو غش آ گیا۔

سردار بڑا خوش تھا کہ اُس کے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ عنبر دُور ہو گئی ہے اور اب وہ بہت جلد ہینی بال کا وزیرِ دربار چُن لیا جائے گا۔ لیکن ایکا ایکی عنبر کو شاہی لباس میں اپنے سامنے دیکھ کر اُس پر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔ اُسے حبشی نے یقین دلایا تھا کہ عنبر مَر چُکا ہے اور اُس نے خود اُسے تین وار کر کے ہلاک کیا ہے۔ وُہ یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ عنبر نے آگے بڑھ کر سردار سے ہاتھ ملایا۔

"صبح بخیر سردار"

سردار نے ظاہری طور پر خندہ پیشانی سے اُس کے سلام کا

جواب دیا اور وہیں سے پلٹ کر باہر آ گیا۔ اسے پتہ چلا کہ حبشی
پہریدار ابھی ابھی کھڑے کھڑے دھم سے زمین پر گر کر بے ہوش
ہو گیا تھا اور اب اپنے گھر میں ہے۔

اسے آگ میں ڈال دو

دربار میں عنبر سے سردار نے زیادہ بات چیت نہ کی۔
چونکہ اس کے دل میں چور تھا۔ اس لیے وہ عنبر سے آنکھ
ملاتے ہوئے گھبراتا تھا۔ عنبر کو بھی خوب معلوم ہو گیا تھا کہ اُس
کے قتل کی سازش میں سردار کا ہاتھ ہے۔ کیوں کہ وہ اُس کے
اونچے رتبے سے حسد کرتا ہے اور اُسے قتل کر کے خود وزیر دربار
بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ سردار دربار سے نکل کر خفیہ طور پر
سیدھا حبشی غلام کے گھر گیا۔ وہ اب پوری طرح ہوش میں تھا
اور زمین پر بیٹھا ریت پر لکیریں ڈال رہا تھا۔ اُس نے حبشی سے
پوچھا:

"تم نے عنبر کو قتل نہیں کیا تھا زمرد؟"

حبشی غلام نے جھک کر ادب سے کہا:

"سردار، میں ربِ زیوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے
خود اس ہاتھ سے عنبر کے سینے میں خنجر کے تین بھرپور وار کیے
تھے۔ اگر میرے وار کسی ہاتھی کے سینے پر پڑتے تو ایک بار وہ
بھی ڈگمگا کر گر پڑتا۔ مگر عنبر پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔"

"آخر ایسا کیوں ہُوا ؟"

"یہی تو مَیں نہیں سمجھ سکا۔ آخر وہ گوشت پوست کا آدمی ہے۔ سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اُس کے جسم سے نہ کوئی خُون نکلا اور نہ کوئی زخم ہی ہُوا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں ؟"

"حضور، میرا تو خیال ہے کہ یہ شخص ضرور کوئی جن بھوت ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

اتنا کہہ کر سردار واپس اپنی حویلی میں آگیا۔ وہ بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ عنبر نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ ایک ہزار برس سے زندہ چلا آرہا ہے۔ اگر وہ ایک ہزار برس سے زندہ نہ ہوتا تو آج مر چکا ہوتا۔ مگر وہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا ہے۔ مَوت اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دُور بھاگ گئی ہے۔ وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔ مَیں نے غلطی کی جو اُس پر قاتلانہ حملہ کروایا۔ کاش اس حقیقت پر مجھے پہلے اعتبار آگیا ہوتا۔ کیا خبر عنبر کو شک ہوگیا ہو کہ قاتلانہ حملے کے پیچھے میرا ہاتھ ہے؟ سردار نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر سے اُس کی ہمیشہ کی زندگی کا راز معلوم کرکے رہے گا تاکہ وہ بھی ہمیشگی کی زندگی پالے اور کبھی نہ مرسکے۔

رات کو عنبر سے ملنے کے بعد سردار نے پُوچھا:

"عنبر! کیا یہ سچ ہے کہ تم واقعی ہمیشہ کے لیے غیرفانی بنا دیے گئے ہو؟"

عنبر نے گہری نظر سے سردار کو دیکھا اور کہا:

"کیا تمہیں اب بھی شک ہے سردار؟"

سردار نے شرمندہ سا ہو کر کہا:

"نہیں عنبر، مجھے اب کوئی شک نہیں رہا۔ میں یقین کرتا ہُوں کہ تم واقعی ایک ہزار برس سے زندہ چلے آرہے ہو لیکن اگر تم مجھے بھی اپنی ہمیشہ کی زندگی کے راز میں شریک کر لو تو میں تمہارا یہ احسان قیامت تک نہیں بھُولوں گا۔"

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے سردار۔ میں اپنی مرضی سے ہمیشہ کے لیے غیرفانی نہیں ہُوا۔ مجھے ایک دُعا یا بددُعا نے ایسا کر دیا ہے۔"

"کیا تم وہ دُعا یا بددُعا مجھے نہیں دے سکتے؟"

"مَیں اگر کوشش بھی کروں تو ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تم مجھ سے چھپا رہے ہو عنبر۔ تمہیں وہ راز ضرور معلوم ہے جس سے انسان ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں مرتا۔"

"میں ربِ عظیم کی قسم کھا کر کہتا ہُوں سردار کہ مجھے وہ راز ہرگز ہرگز نہیں معلوم۔"

"اچھا تو پھر مَیں تم پر اعتبار کرتا ہُوں۔"

سردار اُس وقت تو خاموش ہوگیا۔ مگر اُس نے یہ بات دل پر نقش کر لی کہ عنبر نے اُسے جان بُوجھ کر ہمیشہ زندہ رہنے کا راز نہیں بتایا۔ وُہ اب ایک دوسری ترکیب سے عنبر کو راستے سے ہٹانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُس نے سوچا کیوں نہ وُہ عنبر کے راز کے بارے میں ہینی بال سے بات کرے۔ ظاہر ہے بادشاہ ضرور چاہے گا کہ ہمیشہ زندہ رہ کر حکومت کرتا رہے۔ وُہ عنبر کو بُلا کر اُس سے کبھی نہ مرنے کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرے گا۔ عنبر نے اگر انکار کیا تو وُہ ضرور اُسے کسی نہ کسی طریقے سے مروا دے گا۔

اِس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے وُہ ایک روز ہینی بال کے حجلہ خاص میں پہنچ گیا۔ اس وقت ہینی بال نوبیہ پر چڑھائی کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ سردار نے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد ہینی بال سے کہا:

"عالی جاہ، اگر آپ اتنے ملک فتح کرنے کے بعد بھی اُسے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تو اس کا کیا فائدہ؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ہینی بال نے بھویں چڑھاتے ہُوئے کہا۔

"میرا مطلب یہ ہے حضور، کہ انسان چاہے ساری دنیا کو فتح کرے۔ پھر بھی اُسے ایک نہ ایک روز مرجانا ہے اور اِس دُنیا

کو خالی ہاتھ چھوڑ کر چلے جانا ہے۔"

"یہ تو ہر انسان کی تقدیر میں لکھا ہے۔"

"لیکن عالی جاہ، اگر آپ چاہیں تو ہمیشہ کے لیے رہ سکتے ہیں۔ تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"وُہ ایسے کہ اِس کا ایک راز ہے۔ اگر آپ اُس راز کو جان لیں تو آپ پر بھی موت حرام ہو سکتی ہے۔ پھر آپ قیامت تک اس مُلک پر حکومت کر سکتے ہیں۔"

"وہ راز کیا ہے سردار؟"

"وہ راز ہمارے دربار کے صرف ایک درباری کو معلوم ہے مگر وُہ اِس راز کو کسی قیمت پر بتانے کو تیار نہیں۔"

ہینی بال نے سردار کے قریب آکر پُوچھا:

"وُہ درباری کون ہے جو ہمارے دربار میں بیٹھا ہمیشہ زندہ رہنے کا راز دل میں چھپائے ہُوئے ہے؟"

"اُس کا نام عنبر وزیر دربار ہے عالی جاہ۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ سرکار عالی، کہ عنبر وزیر دربار ہمیشہ کے لیے غیر فانی ہوگیا ہے۔ اُس کو قیامت تک زندہ رہنے کا راز معلوم ہو گیا ہے۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ وُہ ایک ہزار برس سے زندہ

ہے۔ وہ اصل میں فرعون مصر کی اولاد میں سے ہے "۔

"یہ تم کیا فضول باتیں کر رہے ہو ؟"

"یہ فضول باتیں نہیں ہیں سرکار، میں سچ کہہ رہا ہوں عنبر ایک ہزار برس سے تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا گیا ہے۔ اُسے موت نہیں چھو سکتی۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں آتا تو اُسے قتل کروا کر دیکھ لیں۔ وہ پھر سے زندہ ہو جائے گا"۔

ہینی بال نے اِس قسم کی باتیں پہلے کبھی نہیں سُنی تھیں۔ وہ تعجب سے سردار کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا:

"اگر یہ سچ نہ ہُوا تو تمہاری سزا کیا ہوگی ؟"

"مجھے بے شک چمڑے کے بورے میں بند کر کے دریائے نیل میں پھینکوا دیں"۔

"کیا تمہیں منظور ہے ؟"

"منظور ہے عالی جاہ"۔

"ٹھیک ہے، ہم ابھی اس کا فیصلہ کیے دیتے ہیں"۔

بادشاہ نے فوراً وزیر دربار عنبر کو طلب کر لیا۔ عنبر نے محل میں لوگوں کا ہجوم اور سردار کے مکار چہرے کو دیکھا تو ایک بار تو وہ بے چارا گھبرا گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اِس دفعہ سردار نے ضرور کوئی نئی اور خطرناک چال چلی ہوگی۔ ہینی بال نے وزیر دربار کو اپنے تخت

کے سامنے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ عنبر تخت کے سامنے درباریوں کے درمیان میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ ہینی بال نے ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے کہا:

"اے وزیر دربار، کیا یہ سچ ہے کہ تم ایک ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو ؟ دوسرے یہ کہ تم فرعون مصر کی اولاد میں سے ہو اور تم پر موت حرام ہے، تم مر نہیں سکتے ؟"

عنبر کے لیے اب جھوٹ بولنے کا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اُس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ سچ سچ بادشاہ کے سامنے بیان کر دے۔ اُس نے کہا:

"آپ نے میرے بارے میں بالکل درست سُنا ہے۔ آپ کا یہ غلام ایک ہزار برس سے زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا اور میں فرعون مصر کی اولاد میں سے ہُوں"۔

ہینی بال ایک پل کے لیے چُپ رہا۔ سارے دربار میں بھی سناٹا طاری ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا:

"اِس سلسلے میں کیا تم کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہو ؟"

عنبر نے کہا:

"جہاں پناہ، میرے پاس اِس کے سوا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ایک روز آپ سب لوگ موت کا ذائقہ چکھ کر ہمیشہ کی نیند سو جائیں گے اور میں زندہ رہوں گا"۔

ہیلنی بال نے کہا :

" اس کا مطلب یہ ہُوا کہ تمہیں کبھی مَوت نہیں آ سکتی "

" کبھی نہیں عالی جاہ "

" اور اگر ہم تمہیں مار کر دکھا دیں تو ؟ "

بادشاہ کی زبان سے یہ بات نکلنے کے بعد سارے دربار پر سنّاٹا چھا گیا۔ سردار دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا۔ وُہ یہی چاہتا تھا۔ عنبر نے مُسکرا کر کہا :

" اگر مجھے مَرنا ہوتا حضور، اگر موت میری قسمت میں لکھی ہوتی تو میں ایک ہزار سال سے زندہ نہ چلا آ رہا ہوتا "

ہیلنی بال نے غصّے میں آ کر کہا :

" لیکن اگر ہم تمہیں مار دیں تو پھر تم کیا کہو گے ؟ "

" حضور، پھر تو میں کچھ کہنے کے قابل رہوں گا ہی نہیں۔ لیکن شرط یہی ہے کہ آپ مجھے مروا سکیں تو ــــ مگر میرا خیال ہے کہ آپ ایسا نہیں کر سکیں گے "

ہیلنی بال تخت پر سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ یہ اُس کی توہین تھی۔ اُس نے غضب ناک ہو کر کہا :

" وزیرِ دربار، تم نے یہ بات کہہ کر سارے دربار میں ہماری طاقت کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے "

عنبر نے جُھک کر کہا :

" ہرگز نہیں حضورِ انور، ہرگز نہیں، مَیں نے صرف یہ عرض کی ہے کہ موت مجھ بدقسمت کی تقدیر میں نہیں ہے "

" ہم تمہاری تقدیر بدل کر رکھ دیں گے۔ ہم تمہیں موت کی آغوش میں سُلا کر تمہارے دعوے کو غلط ثابت کر دیں گے "

اس کے ساتھ ہی اُس نے جلّاد کو دربار میں طلب کر لیا۔ سردار کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اُسے پُورا یقین تھا کہ اب عنبر تلوار کے وار سے نہیں بچ سکے گا۔ سارے درباری دم بخود ہو گئے۔ انہیں عنبر کی عقل پر افسوس ہونے لگا کہ خواہ مخواہ ضد کر کے اپنے آپ کو ہلاک کروا رہا ہے۔ بادشاہ نے آخری بار کہا :

" کیا اب بھی تم کہتے ہو کہ تم مَر نہیں سکتے ؟ "

عنبر نے بڑے ادب سے جُھک کر کہا :

" مَیں آپ سے ایک بہت بڑی حقیقت بیان کر رہا ہُوں حضورِ انور، جب تک مجھ پر مقدس آواز کی دُعا کا اثر ہے، مَیں کبھی نہیں مَر سکتا "

" ہم تمہاری مقدس آواز کو تسلیم نہیں کرتے "

" تو پھر مَیں حاضر ہُوں عالی جاہ "

ہیلنی بال نے جلّاد کو اشارہ کیا۔ جلّاد نے آگے بڑھ کر تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ پُوری طاقت سے عنبر کی گردن پر مارا۔ درباریوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اُنہیں یقین تھا کہ جب وہ آنکھیں

کھولیں گے تو وزیر دربار کا سر دھڑ سے جُدا ہو کر فرش پر گرا ہوگا اور دھڑ الگ تڑپ رہا ہوگا۔ لیکن جب اُنھوں نے آنکھیں کھولیں تو عنبر ویسے ہی کھڑا تھا اور اُس کا سر گردن پر ہی ٹکا ہُوا تھا سردار خاموش تھا۔ ہیلینی بال کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر جلاد کو اشارہ کیا۔

جلاد نے ایک بار پھر تلوار کا وار عنبر کی گردن پر کیا۔ تلوار پُورے زور کے ساتھ عنبر کی گردن پر لگی اور دوسری طرف سے نکل گئی۔ لیکن ہُوا یہ کہ گردن جہاں جہاں سے کٹتی۔ وہاں وہاں سے دوبارہ جڑ جاتی۔ نہ زخم ہوتا، نہ خون نکلتا۔ بادشاہ حیران رہ گیا۔ اُس نے کہا:

"اس کے اُوپر سے ہاتھی گزارا جائے۔"

سارے دربار پر سناٹا چھا گیا۔

اُسی وقت ہاتھی لایا گیا۔ عنبر کو فرش پر لٹا کر اُس کے اُوپر لکڑی کا ایک تختہ رکھ دیا گیا۔ مہاوت نے بادشاہ کا اشارا پاکر ہاتھی کو آگے بڑھایا۔ ہزاروں من وزن کا ہاتھی اُس تختے کے اُوپر چڑھ کر کھڑا ہوگیا۔ جس کے نیچے وزیر دربار عنبر لیٹا ہُوا تھا۔ جتنی دیر ہاتھی عنبر کے اُوپر کھڑا رہا، عنبر اُس کے نیچے بڑے اطمینان سے لیٹا بادشاہ سے باتیں کرتا رہا اور بار بار مُسکرا کر کہتا رہا:

"وہل، ہُما، آپ کو کب یقین آئے گا کہ مَیں مَر نہیں سکتا؟"

بادشاہ نے تنگ آکر حکم دیا:

"وزیر دربار کو کھولتے ہُوئے تیل کے کڑاہے میں ڈال دیا جائے۔"

اِس حکم پر سارے درباری خاموش ہوگئے۔ اُنھیں یقین تھا کہ کھولتے ہُوئے تیل میں گرائے جانے کے بعد عنبر کی مُوت یقینی ہوگی۔ اُسی وقت دربار میں حبشی غلام ایک کڑاؤ کو لے آئے۔ اُس میں زیتون کا تیل کھول رہا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عنبر کو اس کڑاؤ میں ڈال دیا جائے۔ دو حبشیوں نے عنبر کو پکڑنے کی کوشش کی تو اُس نے کہا:

"اِس کی کیا ضرورت ہے عالم پناہ، مَیں خود چلتے ہُوئے تیل میں اُتر جاتا ہُوں۔"

اتنا کہہ کر عنبر نے جُوتے اُتار کر الگ رکھے اور بڑے سکون سے کھولتے ہُوئے تیل کے کڑاؤ میں اُتر گیا۔ جس طرح بچے پانی سے بھرے ہُوئے تالاب میں اُتر جاتے ہیں۔ عنبر کے کھولتے ہُوئے کڑاؤ میں اُترنے سے نہ تو جلنے کی آواز آئی اور نہ ہی عنبر کا جسم جل کر سیاہ ہُوا۔ کھولتا ہُوا تیل یُوں اُس کے جسم سے چھُو رہا تھا جیسے وہ چشمے کا ٹھنڈا پانی ہو۔ عنبر کھولتے ہُوئے گرم گرم تیل کو دونوں چُلوؤں میں بھر بھر کر اپنے سر پر ڈالنے لگا۔

جیسے وُہ چشمے کے ٹھنڈے پانی میں نہا رہا ہو۔

سارا دربار اِس کرامت پر دنگ رہ گیا۔ بادشاہ ہینی بال تخت سے نیچے اُتر کر عنبر کے پاس آگیا۔ اُس نے ایک چڑیا کو پنجرے میں سے نکال کر کڑاؤ کے اُبلتے ہُوئے تیل میں ڈال دیا۔ شُوں کی آواز کے ساتھ ہی چڑیا ایک سیکنڈ کے اندر اندر بھُن کر پکوڑا بن گئی۔ مگر وُہی اُبلتا ہُوا گرم تیل عنبر کو کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔

بادشاہ نے ہار مان لی۔ اُس نے اشارہ کر کے عنبر کو کھولتے ہُوئے تیل سے باہر آ جانے کو کہا۔ عنبر چلّو بھر تیل ہاتھ میں لے کر باہر آگیا اور ایک ہی جھٹکے میں اُس نے یہ تیل سردار کے ہاتھ پر پھینک دیا۔ سردار کی چیخ نکل گئی اور اُس کے ہاتھ پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے۔ عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے سردار اب تمہیں یقین آگیا ہوگا کہ میں مر نہیں سکتا، اور اب تم مجھے قتل کروانے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

ہینی بال نے پُوچھا کہ یہ کیا شرارت ہے؟ عنبر نے الف سے لے کر یے تک بادشاہ کو ساری کہانی سُنا دی کہ کس طرح سردار نے ہار چوری کروا کر میری مسہری کے نیچے رکھا تاکہ مجھ پر چوری کا الزام لگا کر آپ کی نگاہوں میں مجھے ذلیل کرے اور پھر اس میں ناکام ہو کر کس طرح اُس نے اپنے حبشی کی مدد سے

مجھ پر خنجر سے حملہ کروایا۔ مگر میں زندہ رہا۔ ہینی بال سردار کے کرتوت سُن کر غصے میں آگیا۔ اُس نے اُسی وقت سردار کو گرفتار کر کے تہہ خانے میں ڈال دینے کا حکم صادر کر دیا اور عنبر سے کہا:

"محترم درویش نوجوان، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ساری زندگی میرے ملک میں رہو اور میری تاریخ مرتب کرو؟"

"جو حکم عالی جاہ، بندہ ہر خدمت کے لیے تیار ہے۔"

انسانی قربانی

•

بادشاہ ہینی بال کے دربار میں عنبر کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا۔ وہ وزیر دربار تو تھا ہی، لیکن اب بادشاہ نے اُس کی خاص قابلیت اور خداداد لیاقت سے متاثر ہوکر اُسے یہ کام سونپ دیا کہ وُہ اُس کے عہد حکومت کی تاریخ لکھا کرے۔ عنبر ہر روز رات کو دن کے گزرے ہُوئے واقعات قلمبند کرکے دُوسرے روز بادشاہ کو دکھاتا۔ عام طور پر بادشاہ اُس کے لکھے ہُوئے واقعات کو پسند کرکے اُسے شاہی تاریخ میں شامل کرلینے کا حُکم صادر کر دیتا۔ ایلام شہر میں لوگ بُتوں کی پُوجا کرتے تھے۔ یہ بُت مختلف جانوروں کے تھے۔ کوئی قبیلہ بھینس کی پُوجا کرتا تھا۔ کوئی گینڈے کی پُوجا کرتا تھا۔ کوئی سانپ کی اور کوئی مگرمچھ کی پُوجا کرتا تھا عنبر کسی بُت کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ وُہ ایک خُدا پر ایمان رکھتا تھا جو آسمانوں اور زمینوں کا مالک تھا اور جس کا کوئی بُت نہیں تھا۔ وُہ رات کو سونے سے پہلے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگا کرتا۔

شہر کے درمیان میں لعل دیوتا کا بہت بڑا مندر تھا۔ یہ مندر

چاروں طرف کے سنگ مرمر کے بے شمار ستونوں پر کھڑا تھا۔ بیچ میں ایک کشادہ ہال کمرہ تھا۔ جس کے بیچ میں سنگ سُرخ کا چبوترہ تھا جہاں جانوروں کی قربانی دی جاتی تھی۔ مندر کا بڑا پجاری اِس قربانی کے وقت خود اپنے ہاتھوں سے جانور کی گردن پر کلہاڑا چلاتا تھا۔ لعل دیوتا کے بڑے اُونچے لمبے بُت کے آگے ایک کشادہ تنور میں ہر وقت آگ جلتی رہتی تھی۔ جانور ذبح کرکے اس آگ میں ڈال دیے جاتے تھے۔ گویا لعل دیوتا نے قربانی قبول کرلی۔

ہینی بال کی حکومت اپنے پُورے عروج پر تھی۔ سارے افریقہ پر اُس کا قبضہ تھا اور اب وہ مُلک نوبیہ پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ملک نوبیہ مصر کے شمال مشرق میں تھا اور وہاں ایک ملکہ حکومت کرتی تھی۔ اِس ملکہ کو فارستان اور بابل کے بادشاہوں کی حمایت حاصل تھی۔ ہینی بال پھر بھی اُس کے ملک کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک روز عنبر کو بُلا کر کہا:

"وزیر دربار، تم نے ہمارے لیے جاسوسی کرکے مصر کی فتح آسان کردی تھی۔ کیا اب تم ہمارے لیے ملک نوبیہ جاکر وہاں کی جاسوسی نہیں کرسکتے؟"

عنبر کے لیے یہ بڑا مشکل مقام تھا۔ اُس نے سچائی سے کام لیتے ہُوئے کہا:

"اے شہنشاہ، مصر کے لیے مَیں نے اِس لیے جاسوسی کی تھی کہ فرعون کے خاندان نے میرے ماں باپ کو ہلاک کیا تھا۔ میں اُس خاندان سے انتقام لینا چاہتا تھا، لیکن نوبیہ سے مجھے کوئی بَیر نہیں۔ مَیں وہاں جاسوسی کس لیے کروں؟"

"کیا تم ہمارے لیے بھی یہ کام نہیں کر سکتے؟"

عنبر نے انکار کرنا فی الحال مناسب نہ سمجھا۔ کہنے لگا:

"وقت آنے پر جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔"

"تو پھر تم تیار ہو؟"

"یہی سمجھ لیں۔"

ہینی بال بڑا خوش ہُوا اور اُس نے حکم دے دیا کہ عنبر ملک نوبیہ جانے کی تیاری شروع کر دے۔ عنبر یہ کام کرنا نہیں چاہتا تھا مگر محض اِس لیے تیار ہو گیا کہ نوبیہ جا کر وُہ واپس نہیں آئے گا۔ وہ ہینی بال کے ملک کو چھوڑ دے گا اور پھر کبھی پلٹ کر نہ آئے گا۔

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ موسم میں بارش نہ ہُوئی اور کھیتیاں سُوکھ گئیں۔ شاہی گوداموں میں جو غلّہ تھا وہ لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ وُہ بھی ختم ہو گیا۔ مگر آسمان سے پانی کا ایک قطرہ نہ برسا۔ ملک میں قحط پڑ گیا۔ لوگ بھُوکوں مرنے لگے۔ ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ بڑے پجاری نے ہزاروں جانور بعل دیوتا کے حضور

قربان کر دیے۔ مگر بارش نہ ہُوئی۔ آخر بڑے پُجاری نے اعلان کیا کہ بعل دیوتا کسی نوجوان لڑکی کی قربانی مانگتا ہے۔ نوجوان لڑکی کی قربانی کے بعد قحط دُور ہو جائے گا اور آسمان سے بارش برسے گی۔ ہینی بال نے قربانی کا حکم دے دیا۔ سارے ملک میں پُجاریوں نے گھوم پھر کر اُس نوجوان لڑکی کی تلاش شروع کر دی جو اُن کے خیال میں قربانی کے لیے موزوں تھی۔

آخر اُنھوں نے ایک غریب کسان کی لڑکی کو چُن لیا۔

جب اُنھوں نے غریب کسان کو بتایا کہ اُنھوں نے اُس کی معصوم بچّی کو بعل دیوتا کے سامنے قربان کر دینے کا فیصلہ کیا ہے تو وُہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اُسے اپنی بچّی سے بڑی محبّت تھی۔ لڑکی کا بھی رنگ زرد ہو گیا۔ لڑکی کے باپ نے پُجاریوں کے قدموں میں گِر کر کہا:

"ربِّ شمس کے لیے میری بچّی اور میرے بڑھاپے پر رحم کریں۔ دیوتا کے آگے مجھے قربان کر دیں۔ مگر میری بچّی کو کچھ نہ کہیں۔"

بڑے پُجاری نے کسان کے سر کو ٹھوکر مار کر کہا:

"دیوتا صرف تمھاری بچّی کی قربانی مانگتا ہے۔ تم نے اپنی بچّی کی جان بخشی کی بھیک مانگ کر گناہ کیا ہے۔ اِس گناہ کے داغ کو دھونے کے لیے ہمیں ایک ہزار چاندی کے سکّے دو۔"

"مگر مَیں تو ایک غریب کسان ہُوں۔ میرے پاس چاندی کے

سکّے کہاں سے آ گئے ؟"

"تو پھر اپنے سارے برتن اور لڑکی ابھی ہمارے حوالے کر دو۔"

کسان رونے لگا۔ پجاریوں نے اُس کے گھر کا سامان لُوٹ لیا اور زبردستی لڑکی کو پکڑ کر لے جانے لگے۔ کسان نے آگے بڑھ کر اپنی بچّی کو بچانے کی کوشش کی تو پجاریوں نے اُسے مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ کسان بے ہوش ہو گیا اور پجاری روتی چِلّاتی لڑکی کو زبردستی رتھ پر ڈال کر مندر میں لے گئے۔

عنبر کو معلوم ہُوا کہ پجاری ایک معصوم بچّی کو بعل دیوتا کے آگے قربان کر رہے ہیں تو اُسے بڑا صدمہ ہُوا اور اس نے لڑکی کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اُسے کس طرح بچائے۔ یہ اُن کا مذہبی معاملہ تھا اور مذہبی معاملے میں نہ صرف بادشاہ بلکہ ایلام شہر کے لوگ بھی پجاریوں کے ساتھ تھے۔ کسی کو اعتراض نہیں تھا۔ پھر بھی عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسان کی معصوم بچّی کو قتل نہیں ہونے دے گا۔

پجاریوں نے اعلان کر دیا کہ پُورے چاند کی رات کو کسان کی بیٹی کو بعل دیوتا کے سامنے ذبح کر کے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اُنہیں یقین تھا کہ اِس قربانی کے بعد بارش ہو گی اور دیوتا خوش ہو کر ملک سے قحط دُور کر دے گا۔ عنبر نے بادشاہ سے مل کر بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بادشاہ نے ملک میں قحط کی

وجہ سے نوبیہ پر چڑھائی کا خیال ملتوی کر دیا تھا۔ اب اُس کی ساری توجہ اِس طرف تھی کہ کسی طرح ملک سے قحط دُور ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے بعل دیوتا کے آگے انسانی قربانی کی اجازت دے دی تھی۔

شام کو عنبر بادشاہ سے ملنے محل میں گیا۔

ہینی بال اپنے ایک دوسرے وزیر کے ساتھ ملک میں غذائی صورتِ حال پر بات چیت کر رہا تھا۔ جب وہ وزیر چلا گیا تو عنبر نے کہا:

"شہنشاہِ عالی! میں ایک خاص مقصد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا ہُوں۔"

"وہ مقصد بیان کرو عنبر، ہم سے جو کچھ بھی ہو سکا، ہم تمہارے لیے ضرور کریں گے۔"

عنبر نے کہا:

"اے شہنشاہ، کیا آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ پُورے چاند کی رات کو بعل دیوتا کے حضور جو ایک معصوم بچّی کی قربانی دی جا رہی ہے اُسے روک دیا جائے۔"

ہینی بال نے تعجب سے عنبر کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا:

"عنبر! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہاں میرے عظیم شہنشاہ، یہ میری آرزو ہے کہ آپ کسان

کی معصوم بچّی کی قربانی کو روکنے کا حکم دے دیں۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ملک میں قحط ہی رہے۔ لوگ بھُوکوں مَرتے رہیں۔"

"ہرگز نہیں حضور، میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا۔"

"تو پھر جب تک انسان کی قربانی نہیں دی جائے گی۔ دیوتا خوش نہیں ہوگا اور وہ بارش نہیں برسائے گا۔ مُلک سے قحط دُور نہیں کرے گا۔"

"بادشاہ سلامت، میرا خیال ہے کہ اگر کسان کی بچّی کی جگہ کسی پُجاری کی قربانی دی جائے تو دیوتا زیادہ خوش ہوگا۔"

ہینی بال نے غصّے میں کہا:

"وزیرِ دربار، تم اپنی حد سے آگے بڑھ رہے ہو۔ ایسی بات پھر زبان سے مت نکالنا۔ یہ ہمارے عوام کے مذہب کا معاملہ ہے پجاری دیوتا کے پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ عوام اور دیوتا بھی یہ گوارا نہ کریں گے کہ کسی پُجاری کو آگ میں ڈالا جائے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں؟"

"ہرگز نہیں ملکِ معظم، میں تو چاہتا ہُوں کہ آپ کا اقبال دن دُونی رات چوگنی ترقی کرے اور آپ کی حکومت کا جھنڈا ساری دنیا پر لہرائے۔"

"تو پھر آئندہ سے بعل دیوتا کی قربانی کے بارے میں ہم

ے کوئی بات نہ کرنا۔"

"بہت بہتر حضورِ انور۔"

عنبر نے جھُک کر بادشاہ کو سلام کیا اور واپس آگیا۔

کہنے کو تو اُس نے بادشاہ سے کہہ دیا تھا کہ وُہ اس معاملے میں دخل نہیں دے گا۔ لیکن وُہ ابھی تک اپنے اِس فیصلے پر ڈٹا ہُوا تھا کہ کسان کی لڑکی کو پتھر کے ایک بے جان بُت کے آگے ذبح ہونے سے بچا کر رہے گا۔ جُوں جُوں قربانی کا دن قریب آرہا تھا۔ اُس کا دماغ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ لڑکی کو ظالم پُجاری کے چنگل سے کیونکر چھڑایا جائے؟

لڑکی کو پجاریوں نے مندر کے نیچے ایک پُراَسرار تہہ خانے میں چھپا رکھا تھا۔ اِس تہہ خانے کو صرف ایک ہی راستہ جاتا تھا جس کا دروازہ بڑے پُجاری کے کمرے میں تھا۔ عنبر نے ایک روز تہہ خانے کا جائزہ لینے کا ارادہ کرکے بادشاہ سے خاص حکم نامہ حاصل کیا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا کہ وُہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ لڑکی بیمار تو نہیں؟ کیونکہ اگر بیمار لڑکی کی قربانی دی گئی تو دیوتا اُسے قبول نہیں کریں گے۔

حُکم نامہ لے کر عنبر مندر کی طرف چل پڑا۔

مندر میں جاکر اُس نے بڑے پُجاری سے ملاقات کی اور کہا:

"مَیں قربان کی جانے والی لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہُوں۔"

پجاری نے حیرانی سے پوچھا:
"وہ کس لیے؟"
"اِس لیے کہ کہیں لڑکی بیمار تو نہیں؟"
"لڑکی تندرست ہے۔ ہم نے اپنی پوری تسلّی کر لی ہے۔"
"مگر میرے پاس بادشاہ کا حکم نامہ ہے۔ تم مجھے نہیں روک سکتے۔ اِس لیے کہ مَیں شاہی طبیب بھی ہُوں۔"
بڑا پجاری اب مجبور ہو گیا۔
اُس نے عنبر کو ساتھ لیا اور اپنے کمرے کے دروازے میں سے گزر کر سیڑھیاں اُترتا اُس تہہ خانے میں داخل ہو گیا جہاں کسان کی لڑکی قید تھی۔ ایک کوٹھڑی میں مشعل جل رہی تھی۔ اُس کی روشنی میں کسان کی بھولی بھالی خوف زدہ لڑکی ایک کونے میں سمٹی بیٹھی تھی۔ اُس کا رنگ زرد تھا اور وہ سہمی ہُوئی تھی۔ وہ سوائے اس کے بالکل تندرست تھی کہ اُس پر خوف چھایا ہُوا تھا۔
عنبر نے یُوں ہی اُس کی نبض وغیرہ دیکھی۔ اصل میں وہ کچھ اور دیکھ رہا تھا۔ وہ اِس بات کا جائزہ لے رہا تھا کہ یہاں سے لڑکی کو کیسے بھگا کر لے جائے؟ اُسے محسوس ہُوا کہ لڑکی کو اس تہہ خانے سے نکالنا بڑا مشکل اور کٹھن کام تھا۔ بڑا پجاری ذرا سی دیر کے لیے باہر گیا تو عنبر نے لڑکی کے کان میں کہا:
"فکر نہ کرو، میں تمہیں یہاں سے نکال لُوں گا۔ تم پرسوں

رات تیار رہنا۔"
پجاری فوراً اندر آ گیا۔ اِس اثنا میں عنبر لڑکی سے بات کر چکا تھا۔ اُس کی بات سُن کر لڑکی کے چہرے پر کوئی خوشی نہ پیدا ہُوئی۔ اِس لیے کہ اُسے معلوم تھا کہ تہہ خانے کے اندھیرے جہنم سے اُس کو کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔ جاتے ہُوئے عنبر نے ایک گہری نگاہ لڑکی پر ڈالی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے تسلّی دی کہ فکر نہ کرو، میں پرسوں رات تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔
رات بھر وہ اپنے خاص محل میں بیٹھا سوچتا رہا کہ کسان کی لڑکی کو وہاں سے کیسے نکالے؟ قربانی میں صرف ایک رات باقی تھی۔ اِدھر بعل کے مندر میں انسانی قربانی کی بڑی زبردست تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ قربان گاہ کے چبوترے کو دن میں چار بار دودھ سے دھو کر پاک کیا جا رہا تھا۔ مقدس آگ میں بار بار صندل اور زعفران ڈالا جا رہا تھا۔ سارے مندر کے ستونوں کو زیتون اور کیلے کی ہری بھری شاخوں سے سجا دیا گیا تھا — قربان گاہ کے ساتھ ساتھ سرخ قالینوں پر شاندار چوکیاں بچھا دی گئی تھیں جن پر پجاریوں نے بیٹھ کر مذہبی گیت گانے تھے۔
دُوسرے روز صبح صبح لڑکی کو قربان کر دیا جانا تھا۔
رات ہو گئی اور پُورا چاند آسمان پر نکل آیا۔ اِسی رات کے

پچھلے پہر کسان کی معصوم بچی کو ذبح ہو جانا تھا۔ عنبر بڑی بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ کس طرح لڑکی کو وہاں سے فرار کروانا ہے۔ اب وُہ بے چینی سے وقت کا انتظار کر رہا تھا کہ رات گہری ہو اور وُہ مندر کی طرف جائے۔ اُس نے دو عربی گھوڑے مندر کے پیچھے زیتون کے باغ میں تیار کر رکھے تھے۔ ان گھوڑوں کو اُس کا غلام لیے کھڑا تھا۔ ایک روز پہلے اُس نے شہر سے رات کو باہر نکلنے کا پروانہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ اُس نے بادشاہ سے کہا تھا کہ شاید کل رات اُسے شہر سے باہر اپنے ایک بیمار رشتے دار کا علاج کرنے کے لیے جانا پڑے۔

جُوں جُوں رات گزر رہی تھی۔ عنبر کا دل زیادہ تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ آخر وقت آ گیا۔ عنبر نے حویلی کو تالا لگایا اور رتھ پر سوار ہو کر بعل کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مندر سے کچھ دور وُہ رتھ سے اُترا اور پیدل چل کر مندر کے پچھواڑے زیتون کے باغ میں آ گیا۔ یہاں وُہ اپنے غلام سے ملا جو دو عربی گھوڑے لیے اُس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم تیار ہو؟"

"بالکل حضُور۔"

"کیا تم نے کسان کو بھی تیار کروا دیا ہے؟"

"وُہ یہیں شہر کے مغربی دروازے کے پاس تیار ملے گا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا میرے آقا کہ ہم اُس کی لڑکی کو بچا کر اُس کے پاس لا رہے ہیں۔"

"اُسے خدائے واحد پر بھروسا کرنا چاہیے۔ وہی ہماری اور اُس کی بیٹی کی مدد کر رہا ہے۔ اب تم یہیں بیٹھو، مَیں لڑکی کو لانے جا رہا ہُوں۔"

"میرے آقا ہوشیار رہیے گا۔"

"فکر نہ کرو، مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ دُعا کرو کہ لڑکی محفوظ رہے۔"

اتنا کہہ کر عنبر درختوں اور جھاڑیوں میں سے ہوتا ہُوا بعل دیوتا کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے ایک انتہائی تیز دھار والا خنجر اپنے لبادے کے اندر چھپا رکھا تھا۔ وہ مندر کے شمال مغربی دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازے پر ایک پجاری پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے بھی پجاریوں ایسا لباس پہن رکھا تھا۔ اُس نے پہریدار کے قریب جا کر پجاریوں کی طرح اُسے سلام کیا اور پہریدار نے دروازہ کھول دیا۔ عنبر پجاری کے بھیس میں مندر کے اندر داخل ہو گیا۔ اب وُہ سجے سجائے ستونوں کے قریب سے ہوتا ہُوا بڑی تیزی سے بڑے پجاری کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ قربانی میں ابھی کافی دیر تھی۔ پھر بھی وہاں بڑی رونق تھی۔ دیواروں کے ساتھ

جگہ جگہ مشعلیں جل رہی تھیں اور پُجاری قربان گاہ کو دھو رہے تھے اور دُعا پڑھ رہے تھے۔ عنبر خاموشی سے سر جُھکائے اُن کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ ایک دالان کے عقب سے ہو کر وُہ مُڑا تو سامنے بڑے پُجاری کا کمرہ تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا اور باہر مشعل روشن تھی۔ عنبر نے آہستہ سے دھکا دیا تو دروازہ کُھل گیا۔ اندر بھی روشنی ہو رہی تھی اور بڑا پجاری ایک صندوق میں سے کچھ چیزیں نکال رہا تھا۔

پاؤں کی آہٹ سُن کر پُجاری نے پلٹ کر دیکھا۔

اُس کے سامنے پُجاریوں کے بھیس میں عنبر کھڑا تھا۔ بڑا پُجاری ایک دم سب کچھ سمجھ گیا۔ ابھی اس نے مدد کے لیے آواز ہی نکالی تھی کہ عنبر نے آگے بڑھ کر تیز دھار والا خنجر پُجاری کے دل میں اُتار دیا۔ پُجاری دھڑام سے نیچے فرش پر گر پڑا اور گرتے ہی مر گیا۔ عنبر نے جلدی جلدی اُس کے کپڑے اتار کر کندھے پر رکھے اندر سے کمرے کے دروازے کو کُنڈی لگائی اور سیڑھیاں اُترتا نیچے تہہ خانے میں آ گیا۔

کسان کی لڑکی قربانی کے لباس میں اُداس اور غمزدہ بیٹھی تھی۔ اُس نے عنبر کو پہچان لیا۔ عنبر نے کہا:

"جلدی سے اپنے کپڑے اُتار کر یہ پُجاری کے کپڑے پہن لو۔"

"مگر ـــــ"

"خُدا کے لیے جلدی کرو۔ یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں۔"

لڑکی نے عنبر کے کہنے پر عمل کیا۔ عنبر دیوار کی طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی نے قربانی کا لباس اُتار کر پُجاریوں والا لمبا چوغہ پہن لیا۔

"جلدی سے میرے ساتھ نکل چلو اور خبردار راستے میں کوئی بُلائے بھی تو آواز نہیں نکالنی۔"

عنبر اور لڑکی دونوں پُجاریوں کے لباس میں تھے۔ وُہ دونوں تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر بڑے پُجاری کے کمرے میں آئے۔ یہاں اُس کی لاش دیکھ کر کسان کی لڑکی سب کچھ سمجھ گئی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی اُتاری اور لڑکی کو ساتھ لے کر باہر مندر کے صحن میں آ گیا۔ وہاں قربانی کی تیاریاں بڑے زور شور سے شروع تھیں۔ پُجاری مشعلیں لیے اِدھر سے اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ عنبر نے لڑکی کے ہاتھ میں بھی ایک مشعل تھما دی اور اُسے ساتھ لیتا قدم قدم چلتا بڑے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

اُسے ہر قدم پر یہی خطرہ تھا کہ کہیں اُس کا راز فاش نہ ہو جائے اور وُہ پکڑے نہ لیے جائیں۔ اپنے بارے میں تو اُسے معلوم تھا کہ کوئی بھی اُسے ہلاک نہ کر سکے گا۔ مگر لڑکی کا بچنا محال تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا سے دُعا مانگتا رہا کہ وُہ ان دونوں کو اپنی حفاظت میں مندر سے باہر نکال دے۔ یہ لڑکی کی خوش قسمتی تھی

کہ کسی نے بھی اُن پر شک نہ کیا۔ سب نے یہی سمجھا کہ وہ پجاری ہیں اور انسانی قربانی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

عنبر بڑے دروازے میں سے نکل کر باہر سنگِ مرمر کی روش پر آگیا۔ یہ روش مندر کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی تھی۔ تھوڑی دُور اُس روش پر چلنے کے بعد عنبر نے لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے جنگل کی طرف لے گیا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے کہا:

"بھاگ چلو!"

اور اُن دونوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ جنگل کی جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں سے ہوتے ہُوئے عنبر اُس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں اُس کا غلام گھوڑے لیے انتظار کر رہا تھا۔ غلام نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا اور بولا:

"میرے آقا! رب شمس کا شکر ہے کہ آپ آ گئے۔"

عنبر نے لڑکی کو گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے کہا۔ دوسرے گھوڑے پر وُہ خود سوار ہوگیا۔ اُس نے حبشی غلام سے کہا:

"تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے، مَیں اُسے ساری زندگی فراموش نہ کر سکوں گا۔ آج سے تم آزاد ہو۔ میری حویلی کا سارا سامان، سارا روپیہ تمہارا ہے۔"

"میرے آقا، آپ کی خدمت میرا فرض تھا۔ مَیں نے آپ کی

خدمت کر کے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

"خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے لڑکی کے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ مارا اور خود بھی گھوڑے کو ایڑ لگا کر جنگل سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ جنگل سے نکل کر اُس نے اپنے لیے ایک ویران راستہ چُن لیا۔ یہ کھیتوں اور مکانوں کے عقب سے ہو کر گزرتا تھا۔ شہر کے شمال مشرقی دروازے پر لڑکی کا باپ گھوڑے پر سوار ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے اپنی بیٹی کو زندہ سلامت دیکھا تو خوشی سے نہال ہو کر اُس نے بچّی کو سینے سے لگا لیا۔ عنبر نے دروازے کے چوکیدار کو پروانہ دکھایا اور کہا کہ وُہ اپنے دو غلاموں کے ساتھ باہر کی بستی میں ایک مریض دیکھنے جا رہا ہے۔ پہریدار نے دروازہ کھول دیا اور تینوں شہر سے نکل کر آزاد فضا میں آ گئے اور انہوں نے سرپٹ گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے۔

طلالہ کی رُوح

مندر میں پُجاری لڑکی کی قربانی کے لیے بالکل تیار تھے۔ جلاد تلوار لیے کھڑا ہوگیا۔ پُجاری نے کہا کہ بڑے پُجاری سے کہو کہ لڑکی کو تہہ خانے سے قربانی کے لیے لے آئے۔ کچھ پُجاری بڑے پُجاری کے کمرے کی طرف بڑھے۔ اُنہوں نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ انہوں نے دروازہ کھول کر اندر دیکھا تو اُن کی چیخ نکل گئی۔ ان کے سامنے فرش پر بڑے پُجاری کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی۔ ہر طرف ایک شور مچ گیا۔ پُجاری بھاگ کر نیچے تہہ خانے میں گئے۔ وہاں لڑکی غائب تھی۔

پُجاریوں نے غُل مچادیا کہ بڑا پُجاری قتل کر دیا گیا ہے اور دیوتا کے حضور قربان کی جانے والی لڑکی غائب ہے۔ ایک کہرام مچ گیا۔ اُسی وقت بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ دیوتا کی سخت بے عزتی ہُوئی ہے اور اب ساری قوم پر، سارے مُلک پر اُس کا شدید عذاب نازل ہوگا۔ بادشاہ نے وزیرِ دربار کو بُلوایا تو معلوم ہُوا کہ وہ بھی غائب ہے۔ وُہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ ساری کارستانی

وزیرِ دربار کی ہے اور وُہی لڑکی کو بھگا کر لے گیا ہے۔ اُن کے مذہب کے خلاف یہ اِس قدر بڑا گناہ تھا جسے بادشاہ کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے غضب میں آکر یہ اعلان کیا۔

"فوج کو اُن کے پیچھے دوڑایا جائے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے لڑکی کو گرفتار کر کے دیوتا کے حضور قربان کر دیا جائے۔"

فوج کا ایک چاق و چوبند دستہ نیزوں اور تیر کمان سے لیس ہوکر سرپٹ گھوڑے دوڑاتا شہر کے دروازے سے نکلا اور عنبر کی تلاش میں روانہ ہوگیا۔ عنبر نے دو گھناؤنے جرم کیے تھے۔ ایک تو بڑے پُجاری کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا تھا اور دوسرے دیوتا کے حضور قربان کی جانے والی لڑکی کو اغوا کر لیا تھا۔ ہیبنی بال بے حد غیض و غضب کے عالم میں تھا اور چاہتا تھا کہ اگر اُسے عنبر مل جائے تو اُسے کچا ہی چبا کر کھا جائے۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کے بہادر سپاہی صبح ہونے سے پہلے پہلے صحراؤں میں سے ڈھونڈ کر لڑکی کو گرفتار کر کے لے آئیں گے۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ لڑکی کی قربانی کے بعد وہ عنبر کو ایک زمین دوز تہہ خانے میں بند کر دے گا جہاں وہ قیامت تک قید رہے گا۔

عنبر، کسان اور اُس کی بیٹی کو لے کر طلام شہر سے کافی دُور نکل چکا تھا۔ اس وقت وہ ایک صحرا سے گزر رہا تھا جہاں جگہ جگہ ریت کے ٹیلے تھے۔ دن نکل آیا اور دھوپ میں تیزی آنا شروع

ہو گئی تھی۔ لڑکی نے کہا:

"میں تھک گئی ہوں بابا۔"

کسان نے اپنی بچی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا:

"تو پھر کچھ دیر آرام کر لو بیٹی یہاں۔"

عنبر نے کہا:

"ایسا ہرگز نہ کرنا۔ بادشاہ کی فوج یقیناً ہماری تلاش میں روانہ ہو چکی ہو گی۔ اگر ہم یہاں آرام کرنے کے لیے رُک گئے تو ضرور گرفتار کر لیے جائیں گے۔"

"میری بچی تھک گئی ہے۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری بچی آج شام سے پہلے پہلے قربان گاہ پر قربان کر دی جائے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو بے شک یہاں آرام کرنے کے لیے رُک جاؤ۔"

کسان نے گھبرا کر کہا:

"نہیں نہیں، میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ تم نے میری بچی کی جان بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم مجھے جس طرح کہو گے ویسے ہی کروں گا۔"

"تو پھر سفر جاری رکھنا ہو گا۔"

لڑکی نے کہا:

"ہاں بابا، ہم سفر جاری رکھیں گے۔ میرے محسن کا خیال ٹھیک

ہے۔ بادشاہ نے ہماری تلاش میں فوج ضرور روانہ کر دی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے میری بچی، مجھے آرام سے تمہاری جان زیادہ عزیز ہے۔"

تینوں مسافروں نے سفر جاری رکھا۔ اُن کے عربی گھوڑے اُنہیں صحرا میں اڑاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ دوپہر کے بعد وہ ایک ٹیلے کے عقب میں سے گزرنے لگے تو عنبر کو محسوس ہوا کہ گھوڑے تھک گئے ہیں۔ اُس نے کہا:

"گھوڑے تھکن سے چُور ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ایک پل کے لیے یہاں آرام کر لینا ہی بہتر ہے۔"

"جیسے آپ کی مرضی میرے آقا۔"

کسان نے کہا اور اپنی بچی اور عنبر کے لیے ٹیلے کی چھاؤں میں بھیڑ کی کھال بچھا دی۔ تینوں مفرور اس پر بیٹھ گئے۔ عنبر نے گھوڑوں کو کھول دیا اور جھولے میں سے چارہ نکال کر اُن کے آگے ڈال دیا۔ گھوڑے چارہ کھانے لگے۔ ابھی انہیں وہاں بیٹھے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اچانک دُور سے غبار سا بلند ہوتا نظر آیا۔ لڑکی نے غبار کو دیکھ عنبر کی توجہ اُس طرف دلائی۔

"یہ غبار سا کیسا ہے؟"

کسان اور عنبر نے چونک کر غبار کی طرف دیکھا اور گھبرا کر کہا:

"معلوم ہوتا ہے بادشاہ کی فوج ہمارے سر پر پہنچ گئی ہے۔"

کسان نے گھبرا کر کہا :

"اب کیا ہوگا میرے آقا ؟"

عنبر نے کہا :

"صرف ہمیں گھبرانا نہیں ہے۔ ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے"

اُنھوں نے چادریں گھوڑوں پر ڈالیں اور صحرا میں گھوڑے ڈال دیے۔ مگر بادشاہ ہینی بال کے چاق و چوبند سواروں کا وُہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آگے بڑھتے چلے آرہے تھے اور اُن کے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ ایک ٹیلے کے پاس پہنچ کر کسان نے مڑ کر دیکھا تو اُس کی چیخ نکل گئی عنبر نے گھوم کر دیکھا۔ سواروں کے نیزے دُور سے دُھوپ میں چمکتے نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ عنبر پریشان ہو گیا۔ اُس نے خطرے کو محسوس کر لیا تھا کہ وُہ اُن کے سروں پر منڈلانے لگا ہے۔ مگر صحرا میں وُہ چھپ کر کہاں جا سکتا تھا ؟

بادشاہ کے سوار قریب سے قریب تر آرہے تھے۔ اب دُور سے اُن کے لوہے کے ٹوپ اور زرہ بکتر بھی صاف نظر آنے لگے تھے۔ کسان نے کہا :

"اب کیا ہوگا میرے آقا ؟"

"وہ ہمیں ضرور پکڑ کر لے جائیں گے۔ وہ مجھے بڑی بیدردی سے ہلاک کر دیں گے۔ وُہ میرے بابا کو بھی ہلاک کر دیں گے"

عنبر نے ہاتھ بلند کر کے کہا :

"گھوڑوں سے اُتر کر ٹیلے کی اوٹ میں ہو جاؤ"

"اس سے کیا ہوگا میرے آقا ؟" کسان نے گھبرا کر پُوچھا۔

"جیسا میں کہتا ہُوں ویسا ہی کرو"

کسان اور اُس کی بیٹی گھوڑوں سے اُتر کر ریت کے ٹیلے کی اوٹ میں ہو گئے۔ فوج کا دستہ انہیں تھوڑے فاصلے پر اُن کی طرف طوفان کی طرح بڑھتا صاف نظر آ رہا تھا۔ عنبر بھی گھوڑے سے اُتر پڑا اور صحرا میں دو زانو ہو کر دُعا مانگنے لگا۔ جتنی دیر وُہ دُعا مانگتا رہا بادشاہ کی فوج اُس کے اور قریب آتی گئی کسان اور لڑکی کا مارے خوف کے دم نکلا جا رہا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ دُعائیں مانگنا اب فضول ہے۔ اُنہیں دُنیا کی کوئی طاقت فوج سے نہیں بچا سکتی۔

اچانک عنبر نے آنکھیں کھول دیں۔ اُسے ایک آواز سنائی دی۔

"عنبر، میری آواز پہچانتے ہو ؟"

"کیا تم — تم طلالہ کی رُوح ہو ؟"

"تم نے کتنی جلدی مجھے پہچان لیا۔ یقیناً تم میری قدر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہزار برس گزر جانے پر بھی تم نے میری آواز کو جھٹ پہچان لیا۔ میں نے تمہاری قدر نہ کی اور تم سے دھوکہ کیا۔ میری روح ایک ہزار سال سے بے چین چلی آ رہی تھی۔

میں موقع کی تلاش کر رہی تھی کہ مصیبت میں تمہاری مدد کر کے
اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں۔ ربِ عظیم کا شکر ہے کہ آج مجھے موقع
مل گیا۔ میں تمہاری مدد کو آئی ہوں۔"

طلالہ کی رُوح کی آواز کسان اور اُس کی بیٹی کو سنائی نہیں
دے رہی تھی۔ وہ حیران ضرور ہو رہے تھے کہ عنبر کس سے باتیں
کر رہا ہے۔ فوج اب بالکل سامنے آ گئی تھی اور اُس نے بھی
اپنے شکار کو دیکھ لیا تھا اور سپاہی دُور سے تیر برسانے لگے تھے
تیروں کی پہلی بوچھاڑ عنبر سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر آ کر
گری۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دوسری بار اُس کے اُوپر گرنے
والی تھی۔ کسان کی لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔ عنبر نے کہا:

"طلالہ کی رُوح، اگر تم میری کچھ مدد کر سکتی ہو تو اس
فوج کو روکو۔ میں ایک مظلوم اور معصوم لڑکی کی جان بچا کر اس
سے بھاگ رہا ہوں۔ میں ایک نیک کام کر رہا ہوں اور ہینی بال
کی فوج اس لڑکی کو ذبح کر دینا چاہتی ہے جو گناہ ہے۔ اس
گناہ کے خلاف لوہے کی دیوار بن کر کھڑی ہو جاؤ اور اس باپ
بیٹی کی جان بچا لو۔"

"میں بڑی خوشی سے تمہاری مدد کروں گی عنبر۔ مگر یہ بتاؤ کہ
کیا پھر تم مجھے معاف کر دو گے؟"

"ہاں ہاں، میں پھر تمہیں معاف کر دوں گا۔ ضرور معاف کر

دوں گا۔ مگر خدا کے لیے اس وقت جلدی کرو۔ فوج ہمارے سر
پر آ گئی ہے۔"

"ابھی دیکھ کیا ہوتا ہے عنبر، گھبراؤ نہیں۔"

طلالہ کی رُوح اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔ تیروں کی دوسری
بوچھاڑ ٹیلے کے قریب آ کر گری اور کسان کی چیخ نکل گئی۔

"خدا کے لیے یہاں سے بھاگ چلو میرے آقا! تم کس سے
باتیں کر رہے ہو۔ اُٹھو، اپنی اور ہماری جان بچاؤ۔"

کسان اپنی بیٹی کا بازو پکڑ کر ایک طرف بھاگنے لگا تو عنبر
نے آگے بڑھ کر اُسے روک کر ٹیلے کی اوٹ میں کر دیا۔

"چپ چاپ یہاں بیٹھ جاؤ۔"

"کیا تم ہمیں فوج کے ہاتھوں قتل کروانا چاہتے ہو؟"

"تم دیکھتے رہو کیا ہوتا ہے۔"

فوج کا دستہ اب بالکل سامنے آ گیا تھا اور اُن کے سپہ سالار
نے للکار کر کہا:

"خبردار، بھاگنے کی کوشش نہ کرنا، نہیں تو جان سے مار
دوں گا۔"

ایک دم آسمان پر بڑے زبردست کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی
اور ایک زلزلہ سا آ گیا۔ صحرا کی زمین ہلنے لگی۔ فوج کا دستہ رُک
گیا۔ گھوڑے الف ہو کر زور زور سے ہنہنانے لگے۔ دوسری بار بجلی

چمکی تو پہلے سے زبردست کڑک پیدا ہُوئی۔ صحرا گونج اُٹھا۔ اس کے ساتھ ہی فوج کے دستے اور عنبر کے درمیان کی زمین شق ہو گئی اور وہاں ایک گہرا غار نمودار ہوگیا۔

فوج کے سپاہی حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے سپہ سالار نے حُکم دیا:

"نیزوں کی بوچھاڑ کر دو۔ یہ جادو ہے اور کچُھ نہیں:"

سپاہیوں نے کسان، اُس کی بیٹی اور عنبر پر نیزے اور تیر برسانے شروع کر دیے۔ نیزے اور تیر ان تینوں کے آس پاس آگرنے لگے۔ قریب تھا کہ کسی نہ کسی تیر یا نیزے سے کسان اور اُس کی بیٹی ہلاک ہو جائیں کہ ایک بار پھر آسمان پر بجلی کا شعلہ نمودار ہُوا۔ خوفناک کڑک کے ساتھ یہ شعلہ غیض وغضب کے عالم میں زمین کی طرف لپکا اور فوج کے دستے پر ایک بلائے ناگہانی بن کر گرا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آدھے گھوڑے اور آدھے سپاہی اُس شعلے میں جل بھُن کر راکھ ہوگئے۔ باقی سپاہی بھاگنے لگے تو چوتھی بار زبردست گرج کے ساتھ شعلہ لپکا اور باقی ماندہ گھوڑے اور سپاہی بھی جل کر راکھ ہوگئے۔ اب وہاں سوائے سپاہیوں اور گھوڑوں کی جلی ہُوئی لاشوں کے اور کچُھ نہیں تھا۔

طلالہ کی رُوح کی آواز سنائی دی:

"عنبر! مَیں نے تمہارے حُکم کے مطابق تمہاری مدد کر دی

ہے۔ کیا تم نے میرے گناہ کو معاف کر دیا ہے؟"

"تمہارا شکریہ طلالہ، یقین کرو، مَیں نے تمہیں دل سے معاف کر دیا ہے:"

"ربِّ عظیم تمہارا نگہبان ہو:"

اس کے بعد طلالہ کی رُوح نے خوشی سے ایک قہقہہ لگایا صحرا میں جیسے بے شمار بادلوں کی گرج سُنائی دی اور پھر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ کسان اور اُس کی بیٹی نے یہ سارا کرشمہ سہمے ہوئے دیکھا تھا۔ اُن بے چاروں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہُوا اور کیسے ہوگیا! وہ عنبر کے قدموں پر سجدے میں گر گئے اور اُن کے پاؤں کو چُومنے کی کوشش کرنے لگے۔

عنبر نے اُنہیں اُٹھایا اور کہا:

"سجدہ کسی انسان اور بُت کو نہیں کیا جاتا۔ سجدہ صرف خُدائے واحد کو کیا جاتا ہے۔ تم لوگوں نے جو کچُھ دیکھا، یہ اُسی خُدائے واحد کا کرشمہ تھا۔ اگر اُس کی مرضی نہ ہوتی تو یہ کچُھ بھی نہ ہوتا اور ہم فوج کی قید میں ہوتے — اور اب آگے بڑھتے ہیں۔ ملک نوبیہ کی سرحد یہاں سے دُور نہیں ہے:"

خوش اور حیرت زدہ کسان اپنی خوش قسمت بیٹی کو لے کر زمین پر سے اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر بولا:

"مَیں تمہارے خدائے واحد پر ایمان لاتا ہُوں:"

اور عنبران دونوں باپ بیٹی کو لے کر ملک نوبیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

آسمانی آگ

•

ملک نوبیہ میں عنبر ایک حکیم کے بھیس میں داخل ہُوا۔ کسان اور اُس کی بیٹی کو اُس نے باپ اور بہن ظاہر کیا۔ نوبیہ پر چونکہ ہینی بال کی چڑھائی کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ اِس لیے سرحدی سپاہیوں نے کافی چھان بین کے بعد عنبر اور اُس کے ساتھیوں کو سرحد کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی۔ نوبیہ کا پہلا شہر سرحد سے تھوڑی ہی دُور واقع تھا۔ یہاں عنبر نے کسان اور اُس کی بیٹی کو اپنے سے جُدا کر دیا۔ اُنہوں نے عنبر کا ایک بار پھر تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور نئے مُلک میں نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اپنی راہ لی۔

عنبر گھوڑے پر سوار دواؤں کا جھولا بغل میں لٹکائے نوبیہ کے دارالحکومت ثمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ثمیر اُس زمانے میں ایک انتہائی ترقی یافتہ شہر تھا اور ابھی ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ شہر کے مکان پختہ اینٹوں کے تھے اور سڑکوں پر دونوں جانب سایہ دار درخت کھڑے تھے۔ ملکہ کا محل شہر کے بیچ میں تھا۔ جس کا سنہری گنبد دُور ہی سے چمکتا دکھائی دیتا تھا۔ عنبر شہر

کی سڑکوں پر سے گزرتا لوگوں کو تجارت کرتے اور سودا سلف کی
خرید و فروخت کرتا دیکھتا ہُوا شاہی محل کی طرف جا رہا تھا۔

وُہ ملکہ نوبیہ سے مُلاقات کرنا چاہتا تھا۔

شاہی محل کے دروازے پر پہرہ داروں نے اُسے روک لیا
اور پُوچھا کہ وُہ کون ہے اور کس سے ملنا چاہتا ہے۔ عنبر نے بتایا
کہ وُہ افریقہ کے ملک ایلات سے آرہا ہے اور ملکہ کے لیے ایک
خاص پیغام لایا ہے۔ پہرہ داروں نے اُسے کوٹھڑی میں بٹھا لیا اور
وزیر دربار کو پیغام بھجوا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وزیر دربار کے سپاہی
آئے اور عنبر کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وزیر دربار اپنے محل کے
باغ میں سنگ مرمر کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اُس کے غلام چاروں
طرف ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ عنبر نے سلام کیا اور خاموش ہو کر
کھڑا ہو گیا۔

وزیر دربار نے پوچھا:

"اے نوجوان، تو ملکہ عالیہ کے لیے کیا پیغام لایا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"یہ میں صرف ملکہ عالیہ ہی کو بتا سکتا ہُوں۔"

وزیر دربار بولا:

"مَیں ملکہ عالیہ کا وزیر دربار ہُوں۔ مجھ سے حکومت کا کوئی راز
چھپا ہُوا نہیں ہے۔ تم بلا خوف مجھے اپنا راز بتا سکتے ہو۔"

عنبر نے کہا:

"محترمی، مجھے بہت افسوس ہے کہ میں سوائے ملکہ کے اور
کسی سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔"

وزیر دربار ایک انتہائی شریف انسان تھا۔ اُس نے کہا:

"بہت بہتر، اگر تم ملکہ سے مُلاقات کرنے پر اصرار کرتے ہو
تو میں آج ہی ملکہ عالیہ سے تمہاری مُلاقات کروائے دیتا ہُوں۔
ابھی تم نہا کر کھانا کھا لو۔"

"شکریہ۔"

وزیر دربار اُسی وقت ملکہ سے ملاقات کرنے خاص محل میں
آ گیا۔ اُس نے ملکہ کو بتایا کہ ایک نوجوان ایلات سے آیا ہے
اور کوئی خاص پیغام لایا ہے جسے وہ صرف آپ ہی کو بتانا چاہتا
ہے۔ ملکہ نے کہا:

"اُسے ہمارے حضور میں لے آئیے۔"

عنبر غسل کے بعد کھانا کھا کر فارغ ہی ہُوا تھا کہ وزیر دربار
نے اُسے بتایا کہ ملکہ عالیہ اُس سے ابھی ملاقات کرنا چاہتی
ہے۔ عنبر بہت خوش ہُوا اور اُس کے ساتھ ایک عالی شان رتھ
میں سوار ہو کر ملکہ کے خاص محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ملکہ اپنے
خاص محل میں بیٹھی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ عنبر نے اندر
آتے ہی جھک کر سلام کیا اور پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ملکہ

نے بڑے غور سے عنبر کو دیکھا۔ اُسے عنبر کے چہرے سے شرافت اور اچھے خاندان کی چمک نظر آئی۔ ملکہ نے عنبر سے پُوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے اے نوجوان؟"

عنبر نے یہ بتانا مناسب خیال نہ کیا کہ وہ ایک ہزار برس سے زندہ چلا آرہا ہے۔ کیونکہ اس راز کو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اُس نے کہا:

"اے ملکہ عالیہ میرا نام عنبر ہے۔ میرا تعلق مصر کے فرعونوں کے ایک قدیم خاندان سے ہے۔ میرے خاندان پر ہینی بال بادشاہ نے قبضہ کر لیا ہے اور مَیں اُس کے دربار سے بھاگ کر آیا ہُوں۔"

ملکہ نے حیرانی سے پُوچھا:

"تم ہینی بال کے دربار میں تھے کیا؟"

"ہاں ملکہ، مَیں اُس کے دربار کا وزیر تھا۔ مگر بادشاہ میری جان کا دُشمن بن گیا۔ صرف اسی لیے کہ میرا تعلق مصر کے قدیم خاندان سے ہے۔ اُس نے مجھے قتل کروانے کی کوشش کی۔ میری قسمت اچھی تھی کہ ایک وفادار غلام نے مجھے ہوشیار کر دیا اور میں وہاں سے جان بچا کر آپ کے ملک میں پناہ لینے آیا ہُوں۔"

ملکہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اُس نے کہا:

"ہم تمہیں اپنے ملک میں پناہ دیتے ہیں۔ مگر کیا تم کو معلوم ہے کہ ہینی بال ہمارے ملک پر کب چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

"ملکہ عالیہ، ہینی بال کے ملک میں قحط پڑا ہُوا ہے۔ وہ ابھی اپنی مصیبت میں پھنسا ہے۔ جُوں ہی اُس کو قحط سے نجات ملی وُہ آپ کے ملک پر حملہ کر دے گا۔ اس نے ساری تیاریاں مکمل کر رکھی ہیں۔"

ملکہ نوبیہ کے لیے یہ معلومات بہت قیمتی تھیں۔ اُس نے پُوچھا:

"اے نوجوان، کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہینی بال کتنی فوج کے ساتھ میرے ملک پر حملہ کرے گا؟"

"ملکہ عالیہ، ہینی بال کے پاس ایک لاکھ فوج ہے جس میں ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی ہے۔"

ملکہ نے وزیر دربار کی طرف دیکھا۔ وزیر دربار نے کہا:

"ملکہ معظمہ، ہاتھیوں کا دستہ ہمارے لیے پریشانی کا باعث ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارے سپاہی ہاتھیوں سے لڑنے کے عادی نہیں ہیں۔"

"اس دستے کے مقابلے کے لیے ہمیں ابھی سے تیاری شروع کر دینی ہوگی۔"

عنبر نے کہا:

"اگر آپ اجازت دیں تو اِس سلسلے میں مَیں آپ کی مدد کر سکتا ہُوں۔"

"کیوں نہیں، ہم اپنے ملک اور رعایا کو شکست سے بچانے کے لیے تم سے بھی مشورہ لینے کو تیار ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"شہر سے باہر کافی فاصلے پر ایک گہری خندق چاروں طرف کھدوا دیں۔ اِس خندق میں حملے کے وقت آگ جلا دیں۔ ہاتھی آگ کو دیکھ کر آگے آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر ہم اُوپر سے جلتے ہُوئے تیروں کی بارش کر دیں تو ہاتھی اُلٹا ہینی بال کی فوج کو کچل کر بھاگ جائیں گے۔"

"ہمیں تمھاری تجویز پسند آئی ہے عنبر! ہم آج ہی سے اس پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ باقی تم ہمارے محل میں درباری کی حیثیت سے رہو گے۔"

عنبر نے جُھک کر کہا:

"اِس عزت کے لیے مَیں حضور کا شُکر گزار ہُوں۔"

عنبر نے ملکہ کے شاہی محل میں رہائش اختیار کر لی۔

اُدھر جب ہینی بال کو معلوم ہُوا کہ جو سپاہیوں کا خاص دستہ عنبر اور دیوتا پر قربان کی جانے والی کسان لڑکی کی تلاش میں روانہ ہُوا تھا وہ راستے میں آسمانی بجلی سے جل کر بھسم ہو گیا

ہے تو اُسے بے حد صدمہ ہُوا۔ وہ غصّے سے کانپنے لگا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ عنبر اور لڑکی کو ہر حالت میں گرفتار کر کے اُس کے دربار میں پیش کیا جائے۔ سپاہی اُس کی تلاش میں نکل کھڑے ہُوئے۔ ایک ہفتے بعد بادشاہ کے خاص جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ عنبر اور کسان لڑکی نے ملکہ نوبیہ کے شہر میں پناہ حاصل کر لی ہے۔ ہینی بال کا غصّہ اور بڑھ گیا۔ اُس نے کہا:

"ہم ملکہ نوبیہ کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔"

ہینی بال انتقام کی آگ میں اِس قدر پاگل ہُوا جا رہا تھا کہ اُس نے مُلک سے قحط دُور ہو جانے کا بھی انتظار نہ کیا اور ایک لاکھ فوج لے کر ملک نوبیہ پر حملہ کر دیا۔ دس روز کے سفر کے بعد وہ نوبیہ کی سرحدوں میں داخل ہو گیا۔ اُس نے کئی چھوٹے چھوٹے شہر فتح کر کے لوگوں کو قتل کر دیا اور مکانوں اور کھیتوں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ملکہ کو حملے کی خبر ملی تو اُس نے وزیر جنگ اور سپہ سالار کو بُلا کر حملے کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ شہر کے دروازے بند کر دیے گئے اور شہر پناہ کی دیواروں پر تیر کمان والے سپاہی چڑھ کر بیٹھ گئے۔ دُوسرے روز ہینی بال کی فوج نے شہر پر حملہ کر دیا۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی مگر وہ شہر کا دروازہ توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شہر کے باہر

کھدی ہوئی خندق میں آگ لگی تھی۔ ہاتھی آگ کو دیکھ کر ڈر گئے
مگر ہینی بال نے دو روز کے اندر آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور تختوں
کے پُل بنا کر ہاتھیوں کو لے کر قلعے کی طرف بڑھنے لگا۔ قلعے
کے ایک خاص بُرج میں ملکہ نوبیہ اپنے وزیر دربار اور عنبر
کے ساتھ کھڑی لڑائی کا منظر دیکھ رہی تھی۔

ہینی بال کی بے پناہ فوج اور ہاتھیوں کے لشکر کو دیکھ کر وُہ
خوف زدہ ہوگئی۔ اُسے یُوں لگا جیسے ہینی بال کا مقابلہ کرنا
بہت مشکل ہے اور وہ قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ ملکہ
کی فوج شہر سے نکل کر دن بھر لڑتی رہی۔ شام کو وُہ قلعے میں
واپس آگئی اور دروازے بند کر دیے گئے۔ ملکہ پریشانی کے عالم
میں اپنے خاص محل میں ٹہل رہی تھی۔ اُسے اپنی شکست صاف
نظر آرہی تھی۔ ہینی بال کی ہاتھیوں کی فوج صبح حملہ کرنے والی
تھی اور ہزاروں ہاتھیوں کے آگے اُس کے مٹھی بھر تیر چلانے
والے سپاہیوں کا دستہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

عنبر نے ملکہ کی پریشانی کو دیکھ کر کہا:

"اے ملکہ آپ نے مجھے پناہ دی تھی۔ میں آپ کو پریشان
نہیں دیکھ سکتا۔ ہینی بال ایک ظالم اور سنگ دل بادشاہ ہے۔
اگر اُس نے آپ کا ملک فتح کر لیا تو وُہ اس محل میں آگ
لگا دے گا اور عورتوں اور بچوں کو بے رحمی سے قتل کر دے گا۔"

ملکہ نے کہا:

"مگر ہم اتنی بڑی فوج اور ہاتھیوں کے لشکر کا کیسے مقابلہ کر
سکتے ہیں۔ ہمارے پاس تو فوج بھی بہت کم ہے۔"

عنبر نے کہا:

"آپ گھبرائیں نہیں۔ خدائے واحد نے چاہا تو کل حملے کے
وقت میدانِ جنگ کا نقشہ پلٹ جائے گا۔ آسمان سے بجلی گرے گی
اور ظالم بادشاہ کا لشکر برباد ہو جائے گا۔"

ملکہ نے حیرانی سے پُوچھا:

"عنبر، کیا تم جادوگر بھی ہو؟"

عنبر نے کہا:

"اے ملکہ میں جادوگر نہیں ہُوں۔ مَیں ایک خدا پر ایمان
رکھتا ہُوں۔ مَیں بُتوں کی پُوجا بھی نہیں کرتا۔ مجھے اپنے خدا پر بھروسہ
ہے۔ وہ کسی نہ کسی ذریعے سے ہماری ضرور مدد کرے گا۔"

ملکہ کو عنبر کی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا، حالانکہ اُس کا جی
چاہتا تھا کہ وُہ اُس کی باتوں پر اعتبار کرے۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا
کہ آسمان سے بجلی گرے اور ہینی بال کا طاقت ور لشکر تباہ ہو
جائے۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ ملکہ ساری رات
اپنی خواب گاہ میں جاگتی رہی۔ وہ پریشانی کی وجہ سے ایک پل
کے لیے بھی نہ سو سکی۔

دن چڑھا تو ہینی بال کی فوجوں نے بڑا زبردست حملہ شروع کردیا۔

ہاتھیوں کا سیلاب دوڑتا ہُوا قلعے کی فصیل کی طرف بڑھا اور اُنھوں نے جلتے تیروں کی بارش میں دیوار کے ساتھ ٹکریں مارنی شروع کردیں۔ محل میں ایک زلزلہ سا آگیا۔ ملکہ سر جُھکا کر بیٹھ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُس کی فوج بڑی بہادری سے لڑ رہی تھی۔ مگر ہینی بال کی فوج کے آگے اُس کی کوئی پیش نہ جا رہی تھی۔ عنبر نے وعدے کے مطابق ملکہ کو تسلی دی اور محل کی چھت پر آگیا۔ اس وقت چھت پر کوئی نہیں تھا۔ اُس کے اوپر سے دشمن کے تیر گزر رہے تھے۔ میدانِ جنگ میں ایک قیامت کا شور مچا ہُوا تھا۔

عنبر نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور مشرق کی طرف منہ کرکے آواز دی:

"اے طلالہ کی رُوح، آج پہلی بار میں مدد کے لیے تمھیں بُلا رہا ہُوں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو یہاں آؤ اور ملکہ نوبیہ کی مدد کرو۔ اُس کے امن پسند مُلک پر ایک ظالم نے حملہ کردیا ہے وہ اُس کے محل کو آگ لگا کر اُس کی رعایا کو قتل کرکے اُن کے مکانوں اور کھیتوں کو آگ لگا دینا چاہتا ہے۔ انسان کی ہمدردی اور انصاف کے نام پر تو ظاہر ہو کر ملکہ کی مدد کر:"

عنبر خاموش ہوگیا۔ اُس نے کئی بار پکارا مگر طلالہ کی رُوح نہ آئی۔ آخر جب عنبر نے ساتویں دفعہ اُسے آواز دی تو طلالہ کی رُوح نے ایک قہقہہ لگا کر کہا:

"عنبر، تمھاری آواز مجھے بڑی دُور سے کھینچ لائی ہے۔ میں نے تمھاری ساری بات سُن لی ہے: تمھاری اور مظلوم ملکہ کی مدد کرکے مجھے خوشی ہوگی۔ ہینی بال نے ملکہ کے ملک پر ڈاکو بن کر حملہ کیا ہے۔ اُسے اُس کی سزا ضرور مل کر رہے گی!"

اس کے بعد آسمان پر بجلی چمکی۔ ایک کڑاکا پیدا ہُوا جس کی گونج نے در و دیوار ہلا دیے۔ ملکہ اپنے محل میں کانپ اُٹھی بجلی کا دُوسرا دھماکہ ہُوا اور آسمان سے آگ کے شعلے لپک لپک کر ہینی بال کی فوجوں اور ہاتھیوں پر گرنے لگے۔ ایسے لگتا تھا جیسے آسمان سے آگ کی بارش ہو رہی ہے۔ ہینی بال کی فوجوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہاتھی گھبرا کر اُلٹے بھاگے اور اپنی ہی فوجوں کو کچلنے لگے۔ بجلی بار بار کڑک کر شعلے کی طرح فوجوں پر گر رہی تھی اور فوجیں بھسم ہو کر راکھ بن رہی تھیں۔ دیکھتے دیکھتے میدانِ جنگ دشمن کی فوجوں کی لاشوں، گھوڑوں، ہاتھیوں کی ادھ جلی لاشوں سے بھر گیا۔ ہینی بال حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُس کی آدھی فوج مر گئی تھی اور باقی فوج کے قدم اُکھڑ گئے تھے اور

وہ جدھر منہ اُٹھا بھاگ رہی تھی۔ دوپہر تک سارا میدان خالی ہوگیا۔ بجلی کے شعلے نے ہینی بال کے ہاتھی پر بھی حملہ کیا۔ ہینی بال ہاتھی سے کُود کر اپنے گھوڑے پر آیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں سے فرار ہوگیا۔ دشمن بھاگ گیا تھا۔ میدان جنگ میں دشمن کے سپاہیوں کی جلی ہُوئی لاشوں کے پنجر پڑے تھے۔ ملکہ جنگ جیت چکی تھی۔ وہ خوشی سے نہال ہورہی تھی۔ اُس نے آگے بڑھ کر عنبر کی پیشانی چُوم لی اور کہا:

"عنبر، اگر تم ہماری مدد نہ کرتے تو اس وقت ہمارے محل میں آگ لگی ہوتی اور ہم زنجیروں میں جکڑے دشمن کی قید میں ہوتے۔ ہم تمہارا یہ احسان ساری عمر نہ بھول سکیں گے"۔

عنبر نے کہا:

"اے ملکہ، میں نے جو کچھ کیا اپنا فرض ادا کیا ہے اور پھر نہ تو یہ میرا جادو تھا اور نہ کچھ اور — یہ صرف ظالم کے خلاف میرے خدائے واحد نے مظلوم کی مدد کی ہے۔ ہینی بال نے ڈاکو اور غاصب بن کر آپ کے ملک پر حملہ کیا تھا۔ اُس کو اُس کی سزا مل گئی"۔

وزیر دربار نے کہا:

"پھر بھی اے نوجوان، یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا۔ اس جنگ کی فتح کا سہرا تمہارے سر پر ہے"۔

ملکہ نے اُسی وقت حکم دیا کہ عنبر کو شاہی خلعت پہنا کر دربار میں پیش کیا جائے۔ شام کو دربار لگا۔ عنبر شاہی لباس پہنے دربار میں سب سے آگے بیٹھا تھا۔ ملکہ نے خود تخت سے اُتر کر عنبر کے گلے میں سونے کا شاہی ہار ڈالا اور اسے شاہی مشیرِ خاص کا ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا شاہی عصا عطا کیا۔ عنبر نے ادب سے ملکہ کو سلام کیا اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔

عنبر کو ملکہ نوبیہ کے دربار میں ایک بلند مقام حاصل ہوگیا تھا اور جیسے کہ ہُوا کرتا ہے، محل میں کئی درباری اس کی اس اعلیٰ حیثیت سے حسد کرنے لگے اور اُس کے خلاف مخلاقی سازشیں شروع کر دیں۔ عنبر دیانت داری، ایمانداری اور سچائی سے اپنا فرض ادا کرتا رہا۔ ملکہ کو اُس پر بے حد بھروسہ تھا۔ جب تک ملکہ زندہ رہی اُس کی طرف کسی نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ لیکن آخر ملکہ مر گئی۔ ملکہ کی موت کے بعد اُس کا نااہل سپہ سالار تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کو دربار کے سازشی گروہ کی حمایت حاصل تھی یہ سارا گروہ عنبر کے خلاف تھا۔ آخر اُنھوں نے مل کر عنبر کو گرفتار کروا دیا۔ سپہ سالار بادشاہ کو یقین دلا دیا کہ عنبر بغاوت کر کے خود تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ سپہ سالار بادشاہ نے عنبر کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچل دینے کا حکم دے دیا۔

اُسے کیا معلوم تھا کہ عنبر کبھی مر نہیں سکتا۔

میدان میں ہاتھی لایا گیا۔ عنبر کو لٹا کر اس کے اُوپر تختہ ڈال کر ہاتھی کو اُس کے اُوپر کھڑا کر دیا گیا۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہُوا بلکہ الٹا ہاتھی ڈر کر چیختا ہوا واپس اُٹھ دوڑا اور اُس نے دو سپاہیوں کو کچل دیا۔ سپہ سالار حیران رہ گیا۔ اُس نے کہا کہ عنبر کو قید کر دو۔ کل اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ عنبر کو جیل خانے میں ڈال دیا گیا۔ مگر وُہ دُوسری بار لوگوں کو اپنی خفیہ طاقت کا کرشمہ نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ اب اس کا دل وہاں سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ آدھی رات کو اُس نے طلالہ کی رُوح سے مدد مانگی جس نے اُسے قلعے کی جیل سے اٹھا کر باہر رکھ دیا۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہُوا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا ملک بابل کی طرف روانہ ہو گیا۔

بابل اور نے نوا کی وادی پر نمرود کی حکومت تھی۔ اس نے انسانی کھوپڑیوں کا مینار بنا رکھا تھا۔ عنبر کو نمرود کے ملک میں کیا کیا مشکلیں پیش آئیں؟ آخر وہ کس طرح نمرود کے ظلم کا مقابلہ کرتا رہا اور وہاں سے فرار ہوا؟ مندر میں رقص کرنے والی دیو داسی کون تھی؟
یہ سب کچھ اس ناول کے تیسرے حصے "پھانسی کے تختے پر" میں پڑھیے

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

بچوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ رُوحوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرامِ مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادُو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مرجاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

عنبر، ناگ، ماریہ

پھانسی کے تختے پر

موت کا تعاقب نمبر ۳

اے حمید

www.urdurasala.com

پھانسی کے تختے پر

سُنو پیارے بچّو!

عنبر کو پُراسرار جادوگرنی طلالہ کی رُوح، فرعون کے مقبرے میں ملی تھی۔ اُس نے فرعون کی تباہی کے بعد مصر کی سرزمین سے رخصت ہوتے ہوئے عنبر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب بھی مشکل کے وقت اُسے یاد کرے گا وہ اُس کے کام آئے گی۔ عنبر طلالہ کی روح کا وعدہ لے کر فرعون کے مصر سے جُدا ہو گیا۔

دریائے نیل کی وادی میں کھیل کُود کر اس نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ وہ شاہی محل میں پیدا ہوا اور ماہی گیر کو دریائے نیل میں بہتا ہُوا مِلا۔ وہ اپنے ماں باپ کے شہر سے چلا گیا۔ عنبر اب بابل و نینوا کی وادی میں داخل ہو رہا ہے جہاں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کی تہذیب آج سے پانچ ہزار سال پہلے اپنی پُوری شان و شوکت میں تھی۔ یہاں بادشاہ نمرود کی حکومت ہے جو اپنے آپ کو خدا کہتا ہے۔

اُس نے انسانی کھوپڑیوں کا ایک مینار بنا رکھا ہے جسے وہ ہر روز محل سے نکل کر دیکھتا ہے۔ عنبر کا اس جھوٹے اور ظالم بادشاہ سے زبردست مقابلہ ہوتا ہے۔

فتح کس کی ہوئی؟

یہ آپ اِس ناول میں پڑھیں گے۔

نمرود کی خُدائی

پیارے دوستو۔

عنبر کے ساتھ ہم بھی بابل و نینوا کی پُراسرار وادی میں داخل ہوتے ہیں۔

آج سے پانچ ہزار سال پہلے ملک بابل میں ایک بادشاہ سرجون نے اردگرد کے علاقوں کو فتح کر کے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ یہ بادشاہ لوگوں سے بہت محبت کرتا تھا؛ چنانچہ اس کی حکومت میں شہر بابل نے بڑی ترقی کی۔ شہر کے اردگرد پچاس دروازوں والی فصیل بنائی گئی۔ کھیتوں کو پانی دینے کے لیے دریائے فرات سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئیں۔

اس بادشاہ کی وفات کے بعد حکومت ایسے بادشاہوں کے ہاتھ آتی رہی جو عوام کے ہمدرد نہیں تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت کمزور

ہوتی گئی اور اشوری قوم نے بابل کو فتح کر کے اُس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

اشوریوں کو چھ سو سال بعد ایک بابلی جرنیل بخت نصر اوّل نے شکست دی اور شہر بابل کو پھر سے آباد کیا۔ شہر کی پچاس دروازوں والی دیوار کو دوبارہ تعمیر کروایا۔ بخت نصر اوّل کے دور میں ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا۔ جب کہ بادشاہ نے کہا کہ ہم بتوں، ستاروں اور درختوں کی پوجا کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خدا کی عبادت کا اعلان کیا تو بادشاہ نے انہیں دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ مگر خدا کے حکم سے آگ گلزار بن گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ سلامت آگ سے باہر تشریف لے آئے۔ اس کے بعد بخت نصر اوّل کی حکومت کو زوال آنا شروع ہو گیا اور ہمسایہ ملک نینوا نے دیکھتے دیکھتے ترقی کی منزلیں طے کر لیں۔

نینوا کے اشوری حکمران بڑے محنتی اور فرض شناس تھے۔ انہوں نے اپنی محنت اور انتھک لگن سے نینوا کو عروج پر پہنچا دیا۔ ساتویں صدی قبل از مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش سے سات سو برس پہلے بابل پر جس بادشاہ کی حکومت تھی، اُس کا نام تاریخ میں بخت نصر دوم ہے۔ اُسے نمرود کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ایک انتہائی سنگ دل، ظالم اور دشمن کے خُون کا پیاسا حکمران تھا۔

بخت نصر نے ساری قوم کو فوج میں بدل کر رکھ دیا اور اُنہیں دو سال کے اندر اندر تیار کر کے اشوریوں کے ملک اور شہر نینوا پر بھرپور حملہ کر دیا۔ اس دوران میں جبکہ بخت تیاریاں کرتا رہا تھا۔ اشوریوں کو دولت کے عیش و آرام نے نکمّا بنا دیا تھا؛ چنانچہ وہ بخت نصر کے بھرپور حملے کی تاب نہ لا سکے۔ بخت نصر نے نینوا کو آگ لگا دی اور مکانوں کی راکھ کو زمین کے ساتھ ملا کر اُوپر ہل چلا دیا۔ وُہ بابل واپس جاتے

ہوئے اپنے ساتھ ہزاروں یہودیوں کو قیدی بنا کر لے گیا۔ یہودی دن بھر کھیتوں میں کام کرتے اور اپنے وطن بابل کو یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے۔

ملک بابل پر اسی بخت نصر روم کی حکومت تھی۔ جب عزرا اس ملک کی سرحدوں کے قریب گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا۔ بخت نصر کی سلطنت آج کے ملک شام سے لے کر ایران کی سرحدوں تک اور دوسری طرف آج کے لیبیا سے لے کر بحیرہ روم تک پھیلی ہوئی تھی۔ بابل کی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ اِن لوگوں کا مذہب بت پرستی تھا۔ انہوں نے اپنی عبادت گاہوں میں سینکڑوں بت بنا کر رکھے ہوئے تھے جن کی یہ پوجا کرتے تھے۔ بخت نصر بادشاہ اپنے آپ کو سب سے بڑے دیوتا مردُوخ کا بیٹا کہتا تھا۔ جب وُہ اپنے شان دار گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں نکلتا تو اس کے آگے آگے سپاہیوں کا

ایک دستہ ہوتا۔ کسی کو اتنی اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے مکان کی کھڑکی کھلی رکھے۔ سب کو حکم تھا کہ وہ بادشاہ کو دیکھتے ہی سر جھکا لیں۔ اگر کوئی سر نہ جھکاتا تو سپاہی وہیں تلوار کا ہاتھ مار کر اس کا سر قلم کر دیتے۔ اسی بادشاہ نے جب نینوا پر حملہ کیا تو وہاں اس قدر لوگوں کو ہلاک کیا کہ اُن کی کھوپڑیوں کا ایک بہت اونچا مینار تعمیر کروایا۔

اس بادشاہ کی ملکہ کا نام سُمیرا تھا۔ وہ ملک شام کی رہنے والی تھی جہاں کے خوب صورت باغوں کو یاد کر کے وہ ہمیشہ اداس رہا کرتی تھی۔ بخت نصر نے اس کی دل جوئی اور خوشی کے لیے اپنے محل کی چوتھی منزل پر زمین ہموار کر کے گھنے درخت اور باغ لگوائے جو دنیا کے ساتویں عجوبے میں شمار ہوتے ہیں۔ اس وقت ایسے باغ لگوانا جو کہ محل کی چوتھی منزل پر ہو ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ آج کے انجینئر اس بات پر حیران ہیں کہ چوتھی منزل پر گھنے درختوں اور باغات کو

پانی کیسے دیا جاتا تھا۔

لیکن بخت نصر شاہ بابل کے انجینئروں نے یہ کارنامہ بھی کر دکھایا تھا۔ دریائے فرات سے ایک نہر نکال کر چھوٹے چھوٹے منہ بند نالوں کے ذریعے محل کی چوتھی منزل تک پہنچائی گئی تھی جو لٹکتے ہوئے باغوں کو سیراب کرتی تھی۔ اسی شہر بابل میں ایک گہرا کنوآں بھی تھا جو تاریخ میں چاہ بابل کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ بابل کے حکم سے اُس دور کے سائنس دان نے تانبے کا ایک ایسا چاند ایجاد کیا تھا جو اُس کنویں سے نکل کر تھوڑی دیر کے لیے آسمان پر چمکتا اور پھر اُسی کنوئیں میں اُتر جاتا۔

شاہ بابل بخت نصر ایک ایسا مینار بنوانے کا بڑا خواہشمند تھا جو آسمان تک پہنچ جائے اور وہ خود اس کے اوپر چڑھ کر ستاروں کو دیکھے۔ تاریخ میں اسے مینار بابل کے نام سے لکھا گیا ہے۔ کہتے ہیں عراق

میں دریائے فرات کے کنارے ایک ویران علاقے میں اس مینار کے ٹوٹے پھوٹے پتھر آج بھی پڑے ہوئے ملتے ہیں۔ جس وقت عنبر بابل کی سرحد کے قریب پہنچ رہا تھا تو شہر میں بادشاہ بخت نصر دوم کے حکم سے اس مینار کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عنبر بابل میں آیا۔

بابل کی سرحد پر اسے سپاہیوں نے روک لیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آ رہا ہے۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ وہ ایک حکیم ہے، شہر ایلام کا رہنے والا ہے اور جڑی بوٹیوں سے بیمار لوگوں کا علاج کرتا ہے۔ سرحدی سپاہیوں نے اُسے کچھ نہ کہا اور ملک بابل کی سرحد میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ عنبر گھوڑے پر سوار ملک بابل کی سرزمین پر آگے بڑھنے لگا۔ دوپہر کو وہ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچ گیا۔ وہ تھک گیا تھا۔ اس کا گھوڑا بھی تھکن اور پیاس سے چور ہو

رہا تھا۔ اس نے گھوڑے کو کھول کر دریا کنارے اُگی ہری بھری گھاس پر چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود دریا میں نہانے لگا۔

نہانے کے بعد عنبر اور گھوڑا دونوں تازہ دم ہو کر بابل شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بابل وہاں سے ایک دن کی مسافت پر تھا اور شام کے سائے گہرے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ دھوپ کی گرمی ختم ہو رہی تھی۔ کھجور کے درختوں کے سائے میں ریت ٹھنڈی ہونے لگی۔ عنبر رات کسی جگہ آرام کرنے کے بعد اگلے روز اپنا سفر جاری کرنا چاہتا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ کس جگہ رات بسر کرے۔ وہ اس ملک میں اجنبی تھا اور قریب کوئی بستی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

رات کا اندھیرا پھیلنے لگا اور اس نے دور ایک روشنی دیکھی۔

یہ ایک پرانی سی حویلی تھی جس کے دروازے پر مشعل جل رہی تھی۔ قریب پہنچ کر عنبر نے دیکھا کہ حویلی کے باہر ایک سپاہی ڈھال

کندھے پر لٹکائے بڑا سا نیزہ ہاتھ میں لیے پہرہ دے رہا تھا۔ وہ ٹھٹھک گیا اور سوچنے لگا کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے اس لیے اسے وہاں سے چلے جانا چاہیے۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا گھوڑا ہنہنایا۔ آواز سن کر پہرے دار نے آواز دی۔

''جو کوئی بھی ہیں وہیں کھڑا ہو جائے۔''

عنبر رُک گیا۔ پہریدار قریب آ گیا۔ اس نے عنبر کو غور سے دیکھا:

''کون ہو تم؟''

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ افریقہ سے آیا ہے اور ایک حکیم ہے۔

پہریدار نے پوچھا:

''کہاں جا رہے ہو؟''

''شہر بابل کی طرف۔''

''یہاں کیوں کھڑے ہو گئے تھے؟''

''میں صبح سے سفر کر رہا ہوں۔ تھک گیا تھا۔ رات بسر کرنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کر رہا تھا اس جگہ روشنی دیکھی تو آ گیا کہ شاید یہ کوئی سرائے ہے۔''

پہریدار نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اب اس کے دو اور ساتھی بھی وہاں آ گئے اور عنبر کو سر سے پاؤں تک گھورنے اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔

''تم اسے سرائے کہتے ہو؟'' پہریدار نے ایک اور قہقہہ لگایا اور عنبر کے پاؤں پر نیزے کو چبھا کر بولا''

چلو اندر، تم بھی اس حویلی میں چلو۔''

تینوں سپاہی عنبر کو نیزے چبھوتے ہوئے حویلی کی ڈیوڑھی میں لے آئے۔ انہوں نے اس کی تلاشی لی۔ اس کے پاس سے سارے پیسے اور گھوڑا چھین لیا۔ عنبر نے کہا:

''کیا تم لوگ پردیسیوں سے یہی سلوک کرتے ہو؟''

اس پر ایک سپاہی نے زور سے عنبر کے منہ پر مُکا مارا۔ عنبر لڑکھڑا کر گر پڑا اور اس کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ عنبر نے زمین پر سے اٹھ کر کہا:

''اگر آپ لوگ میرا دواؤں والا جھولا دے دیں تو میں اپنے پھٹے ہوئے ہونٹ پر مرہم لگا سکوں۔''

''یہ لو اپنا جھولا۔''

پہریدار نے جھولا عنبر کی گود میں پھینک دیا اور ساتھ ہی دوسرے سپاہی نے بڑے زور سے ایک اور گھونسہ عنبر کی گردن پر مارا۔ عنبر کا خون کھول اٹھا مگر اس نے بڑے صبر سے کام لیا۔ وہ نئے شہر میں آتے ہی کسی سے لڑائی جھگڑا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک سپاہی نے کہا:

''تم ہمارا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟''

عنبر نے کہا:

''میں کسی سے لڑنا نہیں چاہتا۔ میں پرامن رہنا چاہتا ہوں۔''

سپاہی پاگلوں کی طرح ہنسنے لگے۔ ایک نے نیزہ عنبر کی طرف پھینک کر کہا:

''اسے اٹھاؤ اور میرے ساتھ لڑائی کرو۔ اگر تم نے لڑتے ہوئے مجھے نیزے سے ہلاک نہ کیا تو میں تمہیں ہلاک کر دوں گا۔''

عنبر کی جان عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ وہ لڑتا نہیں تو مارا جاتا۔ مرتو وہ نہیں سکتا تھا۔ لیکن خوامخواہ اس کا یہ راز فاش ہو جاتا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ عنبر اپنا یہ راز کسی کو بھی نہیں بتانا چاہتا تھا۔ مگر احمق سپاہی جو شکل وصورت اور ڈیل ڈول سے پورا بھینسا لگتا تھا' عنبر کو مجبور کر رہا تھا کہ وہ اُس کا مقابلہ کرے۔ اُس نے چیخ کر کہا:

''اُٹھاؤنیزہ،نہیں تو میں اپنے نیزے سے تمہارا جسم چھلنی کردوں گا۔''

اب عنبر کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ نیزہ اٹھا کر سپاہی کا مقابلہ کرے۔اس نے زمین پر گراہوا نیزہ اٹھالیا۔اس پر سپاہیوں نے خوشی سی نعرہ بلند کیا۔پہریدار نے بھی نیزہ ہاتھ میں تھام لیااور ایک دم پینترا بدل کرعنبر پرحملہ کردیا۔عنبر جلدی سے دوسری طرف ہٹ گیا۔سپاہی بھی دوسری طرف ہوگیا اور دوبارا پُر نیزے سے وار کیا۔عنبر نے یہ وار بھی اپنے نیزے پر بچالیا۔لڑائی با قاعدہ شروع ہوگئی تھی۔مشعل کی روشنی میں دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے نیزے ہاتھوں میں لیے پینترے بدل رہے تھے۔سپاہی بڑھ بڑھ کرعنبر پر وار کررہا تھا۔عنبراس کاوار بچارہا تھا اور خود حملہ نہیں کررہا تھا۔وہ خواہ مخواہ کسی انسان کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا تھا۔باقی

سپاہی شور مچا کر اور نعرے لگا کر اپنے ساتھی کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ سپاہی بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑائی کر رہا تھا۔ وہ سچ مچ کی لڑائی کر رہا تھا' جیسے عنبر اس کا دشمن ہو اور وہ اسے ہر قیمت پر ہلاک کر دینا چاہتا ہو۔ عنبر وار بچاتے بچاتے تھک گیا تھا۔ لیکن ہٹا کٹا سپاہی اسی طرح تازہ دم تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ عنبر کے جسم میں نیزہ پرو کر ہی دم لے گا۔ عنبر نے فیصلہ کیا کہ اس احمق اور جاہل کو تھوڑا سا سبق سکھانا چاہیے۔ اِس دفعہ اس نے بھی آگے بڑھ کر حملہ شروع کر دیا۔ سپاہی نے خوش ہو کر نعرہ لگایا۔ عنبر نے ایک وار خالی کرتے ہوئے اپنا نیزہ کچھ اس طرح گھمایا کہ اس کی نوک سپاہی کی گردن پر رکھ دی اور ذرا سا دبا کر کہا:

''میں اگر چاہوں تو تمہیں ہلاک کر سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں یونہی تمہارے خون سے اپنا ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔ میں

تمہیں معاف کرتا ہوں۔"

عنبر نے نیزہ کھینچ لیا۔ اس پر سپاہی نے چیخ کر کہا:

"بزدل ذلیل، تو نے مجھ سے احسان کیوں کیا؟ تم نے مجھے نہ مار کر میری بہادری کی توہین کی ہے۔ اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میرے ساتھیو، گواہ رہنا۔ اِس کمینے اجنبی نے میری بے عزتی کی ہے۔ میں اب اسے ہلاک کرنے لگا ہوں۔"

باقی سپاہیوں نے چیخ کر کہا:

"اِسے فوراً ہلاک کر دو۔ مردُوخ کی قسم، اِس بُزدل کمینے کو فوراً نیست و نابود کر دو۔ اس نے شاہِ بابل کی فوج کی توہین کی ہے۔"

دوسرے سپاہیوں کی شہہ پا کر سپاہی دیوانہ ہو گیا اور پاگل درندے کی طرح بڑھ چڑھ کر دائیں بائیں سے نیزے کے وار کرنے لگا۔ عنبر دن بھر کے سفر کا تھکا ہوا تھا، وہ گھبرا گیا۔ ایک بار جو سپاہی کا وار

بچانے لگا تو اس سے غلطی ہوگئی۔ اس کا پاؤں پھسلا۔ وہ زمین پر گر پڑا اور سپاہی نے چیخ مار کر پوری طاقت سے نیزہ عنبر کے سینے میں گھونپ دیا۔ سپاہی خوشی سے رقص کرنے لگے۔ اُن کا خیال تھا کہ عنبر تڑپ تڑپ کر مَر جائے گا اور اُس کے خون سے زمین سرخ ہو جائے گی۔ مگر وہ کچھ یہ دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے کہ عنبر نیزے سمیت زمین پر سے اٹھا۔ اُس نے زور لگا کر سینے میں کھبا ہوا نیزہ نکال کر پرے پھینک دیا اور کپڑے جھاڑنے لگا۔ سپاہیوں کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور وہ بت بنے عنبر کو کپڑے جھاڑتے دیکھ رہے تھے۔ وہ حیرت زدہ تھے کہ عنبر کے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہا تھا؛ حالاں کہ اگر سپاہی کا وہ نیزہ کسی ہاتھی کے پیٹ میں لگ جاتا تو وہ تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا۔ اِس کے برعکس عنبر ویسے کا ویسا کھڑا تھا۔

سپاہی نے آگے بڑھ کر عنبر کا جسم دیکھا۔ وہاں کوئی زخم نہیں تھا۔

دوسرے سپاہی نے چیخ کر کہا:

''اِسے ہلاک کردو۔''

اب انہوں نے بار بار عنبر کو نیزے مارنے شروع کر دیے۔ ہوتا یہ کہ نیزہ عنبر کے جسم سے پار ہوتا باہر نکل جاتا۔ عنبر کے جسم میں سوراخ ہوتا اور خون کا ایک قطرہ بہے بغیر سوراخ اپنے آپ بند ہو جاتا۔ سپاہی خوف سے تھر تھر کانپنے لگے۔ نیزے ان کے ہاتھوں سے اپنے آپ زمین پر گر پڑے اور وہ عنبر کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔

''تم دیوتا ہو، مردُوخ کے خاص دیوتا ہو۔''

عنبر نے انہیں سجدے سے اٹھاتے ہوئے کہا:

''میں دیوتا نہیں ہوں بلکہ تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ سجدہ کسی بُت یا انسان کو نہیں کیا جاتا۔ سجدہ صرف ایک خدا کو کیا جاتا

ہے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے۔''

تینوں سپاہی سجدے سے سر اٹھائے اُسے سہمی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ عنبر نے کہا:

''کیا اب مجھے اس حویلی میں رات بسر کرنے کو جگہ مِل جائے گی؟''

''ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں مقدس دیوتا۔''

ایک سپاہی نے عنبر کے گھوڑے کو سنبھالا۔ دوسرے نے اس کا جھولا اٹھا کر اسے بڑی احتیاط سے بغل میں دبا لیا اور تیسرے نے جھک کر کہا:

''مقدس دیوتا' میرے ساتھ آیئے۔ اس حویلی کا سب سے آرام دہ کمرہ آپ کے آرام کے لیے حاضر ہے۔''

عنبر مسکرا کر اس کے ساتھ حویلی میں داخل ہو گیا۔

اصل میں وہ دل ہی دل میں افسوس کر رہا تھا کہ ان سپاہیوں کی حماقت اور بے وقوفی سے خواہ مخواہ اُسے اپنا راز ظاہر کر دینا پڑا۔ وہ اس راز کو صرف اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے بھی کہ راز ظاہر ہونے سے لوگ اس کی پوجا شروع کر سکتے تھے اور حسد کر کے اس کا آرام سے زندہ رہنا بھی حرام کر سکتے تھے۔ وہ اسے قتل تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اُسے سکون کے ساتھ زندہ رہنے سے بھی محروم کر سکتے تھے۔

حویلی کا وہ کمرہ جو عنبر کی خدمت میں پیش کیا گیا دوسری منزل پر تھا۔ فرش پر چٹائی بچھی تھی۔ ایک طرف بھیڑ کی کھالوں کا ڈھیر پڑا تھا اور صندوق پر پانی پینے کی صراحی رکھی تھی۔ پہریدار نے جھک کر کہا:

''میں ابھی آپ کے لیے کھانے پینے کو لاتا ہوں۔''

عنبر کو بھوک نہیں لگی تھی، مگر اس نے پہریدار کو کھانا لانے سے منع

بھی نہ کیا۔ پہریدار چلا گیا تو عنبر نے سوچا کہ یہاں پہرہ چوکی کیوں لگایا گیا ہے؟ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک پہرے دار تھال میں کھجور کے آٹے کی میٹھی روٹی' انگور اور انجیریں لیے اندر آیا۔ عنبر نے انگور کھاتے ہوئے پوچھا:

''اس حویلی پر تم لوگ پہرہ کیوں دے رہے ہو؟''

پہریدار نے کہا:

''اے مقدس دیوتا' یہ حویلی ایک جیل خانہ ہے۔''

''کس کا جیل خانہ ہے؟ یہاں کون لوگ قید ہیں؟''

''اے دیوتا' ملک نینوا کو فتح کرنے کے بعد ہمارا بادشاہ شاہ بابل بخت نصر اپنے ساتھ ہزاروں اشوریوں کو قید کر کے لے آیا تھا۔ یہ اشوری قیدی ملک کے مختلف حصوں میں قید کے دن گزار رہے ہیں۔ اس حویلی میں نینوا شاہی خاندان کی ایک بوڑھی عورت قید ہے۔ وہ

نینوا کے بادشاہ کی ماں تھی۔ بادشاہ کا سر قلم کر دیا گیا۔ اُس کی ماں یہاں قید گزار رہی ہے۔''

''کیا اُس کا بیٹا کوئی نہیں بچا؟''

''نہیں مقدس دیوتا' ہمارے بادشاہ شاہ بابل نے نینوا کے سارے شہزادوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا تھا۔''

کھانا کھانے کے بعد عنبر لیٹ گیا۔ اُسے اُونگھ آ گئی۔ اچانک اُسے محسوس ہوا جیسے کوئی عورت کمزور سی آواز میں بڑے دردناک انداز میں بین کر رہی ہے۔ اُس کی آواز میں غم اور دُکھ تھا۔ عنبر اس غمناک آواز کو غور سے سننے لگا۔

دردناک آواز کا راز

پہلے تو عنبر نے سوچا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔
مگر دردناک آواز مسلسل آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی عورت کسی دیوار کے پیچھے منہ پر ہاتھ رکھے رُک رُک کر رو رہی ہے۔ عنبر کی نیند غائب ہو چکی تھی۔ وہ پوری طرح بیدار تھا۔ اور کان کھولے آواز کو بڑے غور سے سن رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ آواز نچلی منزل کے تہہ خانے سے آ رہی ہے۔ وہ بستر سے اٹھا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ وہ ہر حالت میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ عورت کون ہے جو آدھی رات کو رو رہی ہے۔ کمرے کے باہر گھپ اندھیرا تھا۔ وہ سنبھل سنبھل کر پاؤں اٹھاتا' اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا چلنے لگا۔ اُسے ایک دروازہ نظر آیا جس کی اندھیری سیڑھیاں نچلی منزل میں اتر رہی تھیں۔ عنبر اس زینے سے اتر کر نچلی منزل میں آ گیا۔

نچلی منزل میں بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اب اسے آواز قریب سے سنائی دینے لگی تھی۔ وہ آواز کا پیچھا کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ایک جگہ آواز اسے نیچے زینے میں سے آتی سنائی دی۔ وہ زینے کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ یہاں گہری تاریکی چھوئی ہوئی تھی۔ عنبر دیوار کے ساتھ ہاتھ رکھ کر نیچے اتر رہا تھا۔ زینہ ایک تہہ خانے کے فرش پر جا کر ختم ہو گیا۔ یہاں سیلن تھی اور ایسی بو پھیلی ہوئی تھے جیسے سیلاب کے بعد گھروں اور کھیتوں میں پھیل جاتی ہے۔ بین کرتی ہوئی عورت کی آواز اب بالکل صاف سنائی دینے لگی تھی۔

وہ ایک جگہ رک گیا۔ دردناک آواز دیوار کے عقب سے بلند ہو رہی تھی۔ عنبر نے ہاتھ پھیلا کر دیوار میں سے دروازہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ اسے دروازہ مل گیا۔ اس نے دروازے کے ایک پٹ کو تھوڑا سا دھکا دیا تو پٹ کھل گیا۔ اندر کا جو منظر اس نے دیکھا وہ

ایک ڈراؤنا منظر تھا اور عنبر کی جگہ کوئی کمزوردل نوجوان ہوتا تو ضرور چیخ مار کر بیہوش ہوگیا ہوتا۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ دیوار کے طاق میں دِیا جل رہا تھا۔ اُس کی پُراسرار دھندلی روشنی میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت اپنے سیاہ بال کھولے فرش کی چٹائی پر دوزانو سر جھکائے بیٹھی بین کر رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ چھت کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

عنبر دروازے میں کھڑا یہ المناک منظر دیکھنے لگا۔

اُس عورت نے دروازہ کھلنے کی آواز نہیں سُنی تھی۔ وُہ مسلسل بین کیے جا رہی تھی۔ عنبر ابھی آگے بڑھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ عورت روتے روتے رُک گئی۔ اُس نے چہرہ اوپر اٹھا کر بال پیچھے ہٹائے اور دیے کی طرف دیکھا۔ ہلکی روشنی میں اس کا چہرہ گول چاند کی طرح تھا۔ مگر زرد اور مرجھایا ہوا تھا۔ اب عورت کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ کوئی دروازے میں کھڑا ہے۔ اُس نے چونک کر دروازے

کی طرف دیکھا اور ایک نوجوان کو اپنے سامنے پا کر بولی:

''اگر تم مجھے قتل کرنے آئے ہو تو میں تیار ہوں۔ مگر خُدا کے لیے مجھے مرنے سے پہلے ایک بار۔۔صرف ایک بار اپنے زخمی بیٹے سے ملا دو۔۔صرف ایک بار مجھے اپنے شہزادے کی صورت دیکھنے دو۔''

عنبر سمجھ گیا کہ وہ عورت کون ہے اور وہ کیوں رو رہی ہے۔ اُس نے آگے بڑھ کر کہا:

''اے خاتون میں جلاد نہیں ہوں۔''

''پھر تم کون ہو؟''

''خاتون، پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟''

عورت نے کہا:

''میں ملک نینوا کے مقتول بادشاہ کی بدنصیب ملکہ ہوں جس کے ملک کو بابلیوں نے فتح کر کے آگ لگادی۔ رعایا کو قتل کر دیا۔ بادشاہ

کا سر کاٹ کر نیزے پر لٹکا دیا۔ شہزادوں کو ہاتھیوں سے کچل دیا۔ انہوں نے مجھے کیوں نہیں ہلاک کیا؟ مجھے یہ تکلیف سہنے کے لیے زندہ کیوں رہنے دیا؟''

اعنبر نے خاتون کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''ملکہ، ربِ عظیم کو یہی منظور تھا۔ اگر محل کے سارے لوگ قتل ہو گئے تھے تو پھر آپ اپنے بیٹے کا ذکر کیسے کر رہی تھیں! کیا وہ ابھی تک زندہ ہے؟''

ملکہ نے اپنے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیا:

''نہیں نہیں، میں نہیں بتاؤں گی۔ میرے منہ میں خاک۔ تم اُسے جا کر قتل کر دو گے۔ وہ زندہ نہیں ہے۔ وہ مَر چکا ہے۔ میرا بیٹا مر چکا ہے۔ میرا شہزادہ زندہ نہیں ہے۔''

اور وہ اپنے بیٹے کی یاد میں اُسی طرح دھیرے دھیرے بین

کرنے اور رونے لگی۔ عنبر نے ملکہ کا ہاتھ تھام کر کہا:

''اے غم نصیب ملکہ، میں خدائے عظیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ میں ایک اجنبی مسافر ہوں اور ملک ایلام سے چل کر بابل میں اپنی روزی کمانے آیا ہوں۔ میں ایک حکیم ہوں اور بیماروں کا علاج کرتا ہوں۔ اگر تم مجھے بتا دو کہ زخمی شہزادہ کہاں ہے تو میں اس کا علاج کر سکتا ہوں۔''

''نہیں نہیں، تم اُسے مار ڈالو گے۔ تم اُسے مار ڈالو گے۔''

''ملکہ، مجھ پر یقین کرو۔ میں جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ مجھ پر ایک ماں کی دکھی فریاد کا بہت اثر ہوا ہے۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں نہ صرف تمہارے بچے کو صحت مند کر دوں گا بلکہ اگر تم نے خواہش کی تو میں تمہیں یہاں سے آزاد بھی کراوں گا۔ مجھ میں اتنی طاقت ہے۔

آزادی کے نام پر ملکہ نے چونک کر کہا:

''کیا تم مجھے یہاں سے نکال کر میرے بچے سے ملا سکتے ہو؟''

''کیوں نہیں، مگر سب سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا زخمی شہزادہ کہاں ہے اور میں اس کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ شہزادے سے مل کر ہی تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتا ہوں کہ یہاں سے نکال کر تمہیں کہاں رکھنا ہوگا۔''

ملکہ کو عنبر پر کچھ بھروسہ ہونے لگا تھا۔ اُس نے کہا:

''تو میرے پاس بیٹھ جاؤ اور غور سے سنو۔ جس وقت بخت نصر اپنے ہاتھ میں تلوار لیے شاہی خاندان کا قتل عام کر رہا تھا۔ میں ستون کے ساتھ قیدی حالت میں کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ ظالم بادشاہ نے ایک ایک کر کے میرے سارے بچے قتل کر دیے تھے۔ مگر اتفاق سے ایک شہزادہ مارُوت زندہ رہا۔ سینے پر زخم کھانے کے باوجود وہ زندہ رہا۔ بادشاہ اسے مُردہ سمجھ کر اپنے سپاہیوں کے ساتھ

چلا گیا۔سپاہی مجھے بھی لے کر چل دیے اور محل کے ایک تہہ خانے میں قید کر دیا۔آدھی رات کو میرے دربار کا خاص غلام حانو کسی طرح پہریداروں کی نظر بچا کر محل میں لاشیں اٹھانے آیا تا کہ انہیں زمین میں دفن کر دے کہ اس نے دیکھا کہ شہزادہ ماروت زندہ تھا۔وہ اسے اٹھا کر شہر سے باہر ایک پہاڑی کی غار میں لے گیا اور اس کی مرہم پٹی کی۔پھر وہ چھپتا چھپاتا میرے پاس پہنچا اور اس نے مجھے بتایا کہ شہزادہ زندہ ہے مگر زخمی ہے۔اس بات کو پورا مہینہ گزر گیا۔مجھے اپنے بیٹے کی پھر کچھ خبر نہیں ملی کہ وہ کس حال میں ہے۔اگر تم سچ مچ دل سے ایک دکھی بیوہ ماں کی مدد کرنا چاہتے ہو تو مجھے میرے بیٹے سے ملا دو۔اس کے بعد چاہے مجھے قتل کر دو۔میں ایک بار اپنے شہزادے کو سینے سے لگانا چاہتی ہوں۔‘‘

عنبر نے ملکہ کو تسلی دی اور کہا:

''میں وعدہ کرتا ہوں ملکہ کہ تمہارے بیٹے کو تم سے ملانے کی پوری کوشش کروں گا۔ یہ بتائیں کہ وہ غار شہر سے باہر کس جگہ پر ہے؟''

''حانو نے مجھے بتایا تھا کہ غار شہر کے مشرقی دروازے سے باہر نکل کر ایک پہر کے سفر پر زیتون کی پہاڑی کے دامن میں ہے۔''

''بہت اچھا۔''

عنبر ایک دم خاموش ہو گیا۔ اسے دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ دروازے کے باہر آ کر رُک گئی۔ عنبر جھٹ ایک طرف ہو کر گھاس کے سُوکھے ڈھیر میں چھپ گیا۔ پہریدار نے دروازہ کھول کر اندر جھانک کر دیکھا۔ ملکہ کو موجود پا کر تسلی کرنے کے بعد دروازہ بند کر کے واپس چلا گیا۔ عنبر گھاس کے خشک ڈھیر میں سے باہر نکل آیا۔ اب اس کا وہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔ اس نے ملکہ سے اجازت لی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اُسے خطرہ تھا کہیں راستے

میں کسی پہریدار سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔

وہ اندھیرے میں زینہ ٹٹولتا ہوا اوپر کی منزل میں آ گیا۔ یہاں سے سیڑھیاں تلاش کر کے دوسری منزل میں آ گیا اور اپنے کمرے میں پہنچ کر دروازہ بند کر کے لیٹ گیا۔ بدنصیب ملکہ کی آواز رُک گئی تھی۔ وہ نینوا کی تباہ حال ملکہ کے درد و غم سے بہت متاثر ہوا تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ نینوا جا کر اُس کے جگر کے ٹکڑے کا علاج بھی کرے گا اور اُسے ماں سے بھی ملا دے گا۔ یہ ایک انتہائی انسانی ہمدردی کا کام تھا اور عنبر نے ملکہ سے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ اُسے اپنی ماں یاد آ رہی تھی جس کے خاوند کو اسی طرح قتل کروا دیا گیا تھا اور وہ بیچاری ساری زندگی اپنے بچھڑے ہوئے بیٹے کی یاد میں روتی رہی تھی۔ عنبر نے شہر بابل میں جانے کا ارادہ مُلتوی کر دیا تھا۔

اب وہ وہیں سے نینوا کا رخ کرنا چاہتا تھا۔ رات اسی طرح کی

سوچ بچار میں گزر گئی۔ صبح ہوئی' سورج نکل آیا۔ اُس کی کھڑکی میں سے دھوپ اندر آنے لگی۔ دروازہ کھلا اور پہریدار اس کے لیے دودھ اور شہد ناشتے کے لیے لایا۔

''اے مقدس دیوتا' ہم صرف دودھ اور شہد ہی آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں' لیجیے تناول فرمایئے۔''

پہریدار ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ عنبر ناشتہ کرنے لگا۔ اُس نے پوچھا:

''مجھے رات بھر ایک عورت کے بین کرنے کی آوازیں آتی رہیں۔ کیا یہ ملکہ نینوا کی آوازیں تھیں؟''

ہاں مقدس دیوتا' ملکہ رات رات بھر اپنے بچوں کو یاد کر کے روتی رہتی ہے۔''

''بادشاہ بخت نصر نے اِسے بھی قتل کیوں نہیں کر دیا؟''

''شاید وہ چاہتا تھا کہ ملکہ ساری عُمر زندہ رہ کر دکھ برداشت کرتی رہے۔ اُس نے ملکہ نینوا سے زبردست انتقام لیا ہے۔

عنبر نے پوچھا:

''کیا یہ ملکہ اسی جگہ قید رہے گی یا اُسے جلاوطن کر دیا جائیگا؟''

پہریدار عنبر کو چونکہ ایک مقدس انسان سمجھتا تھا اِس لیے اُس کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ وہ ایک ایک بات اُسے سچ سچ بتا رہا تھا۔ اُس نے کہا:

''ہمیں ابھی تک یہی حکم ہے کہ اسے حویلی میں تا عمر قید رکھا جائے اور کھانے کو پوری خوراک دی جائے تا کہ وہ تندرست رہ کر اپنے خاوند اور بچوں کا غم اٹھائے۔''

''کیا یہ ظلم نہیں ہے؟''

''ظلم کیا ہوتا ہے اے مقدس انسان' اگر نینوا کا بادشاہ ہمارے

ملک پر چڑھائی کر کے اِسے فتح کر لیتا تو وہ بھی ہمارے بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ یہی سلوک کرتا۔"

عنبر نے اس موضوع پر زیادہ گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر اُس نے کہا:

"کیا میرے گھوڑے کو بھی چارہ ڈال دیا گیا ہے؟"

"ہاں حضور، وہ بالکل تازہ دم ہے۔ کیا آپ تشریف لے جا رہے ہیں؟"

"اب میں آگے شہر بابل جاؤں گا۔ میں تمہارے بادشاہ سے ملاقات کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"آپ خوش نصیب انسان ہیں۔ مقدس دیوتا جو ہمارے بادشاہ شاہ بابل سے ملیں گے۔"

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

عنبر حویلی سے نکل کر باہر آ گیا۔

باہر دوسرے سپاہی بھی اس کو الوداع کہنے آ گئے تھے۔ وہ بڑے ادب سے ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ عنبر نے ان سب سے باری باری ہاتھ ملایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر بابل کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھوڑی دور تک وہ سیدھا چلتا رہا۔ پھر ایک ٹیلے کا چکر کاٹ کر واپس سرحد کی طرف چلنے لگا۔ وہ بابل کی سرحدوں سے نکل کر ملک نینوا کو جانا چاہتا تھا۔ نصف دن تک چلتے رہنے کے بعد اس نے ایک دوسری جگہ سے بابل کی سرحد عبور کی۔ چوکی داروں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ عنبر نے یہاں بھی وہی جواب دیا کہ وہ حکیم ہے۔ دکھی انسانوں کی خدمت کرتا ہے اور اب

شہر بابل سے جڑی بوٹیاں اکھٹی کرنے کے بعد ملک افریقہ کو جارہا ہے۔ بابل کی سرحد سے نکل کر عنبر نے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی کردیں اور ایک خاص رفتار کے ساتھ گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے نینوا کی طرف روانہ ہوگیا۔

آج سے بیس برس پہلے وہ ایک بار ملک نینوا کا سفر کر چکا تھا۔ دریائے فرات کے مغربی کنارے پر آباد یہ شہر بہت خوب صورت اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ لوگ پختہ مکانوں میں رہتے تھے۔ اور دریائے فرات سے نکل کر نہروں کا پانی انگور اور انجیر کے ہرے بھرے باغوں کو سیراب کرتا تھا' لیکن خدا جانے اب بخت نصر کی وحشی فوجوں نے اُن کا کیا حشر کردیا ہوگا۔ وہ نینوا کے راستے سے باخبر تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ رات کے دو پہر آرام کرنے کے بعد اگر وہ اسی طرح چلتا رہا تو دوسرے روز دن ہوتے ہوئے نینوا پہنچ جائے گا۔

سارا راستہ صحرا میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ دھوپ بڑی تیز تھی ریت کے اونچے نیچے ٹیلے جگہ جگہ کھڑے تھے۔ راستے میں جہاں کہیں کوئی ہرا بھرا نخلستان ملتا تو عنبر وہاں کچھ دیر آرام کرتا۔ گھوڑے کو گھاس کھلا کر پانی پلاتا۔ تھوڑی دیر بعد کھجوروں اور زیتون کی چھاؤں میں لیٹ کر اگلے سفر کے بارے میں سوچتا اور دوبارا سفر پر روانہ ہو جاتا۔ چلتے چلتے اُسے شام ہو گئی۔ اُس نے سفر جاری رکھا۔ جب رات گہری ہو گئی۔ آسمان پر ستارے چمکنے لگے اور عنبر کا گھوڑا ابھی تھک گیا تو وہ ایک جگہ رُک گیا۔ یہاں ٹیلے کے دامن میں کھجوروں کے چند ایک جھنڈ کھڑے تھے۔ اور ایک چھوٹا سا چشمہ بہہ رہا تھا۔

عنبر نے اس جگہ رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور سیاہ کمبل ریت پر بچھا کر لیٹ گیا۔ آسمان پر ستارے چاندی کے سفید پھولوں

کی طرح چمک رہے تھے اور چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عنبر دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ اسے تھوڑی دیر بعد ہی نیند آ گئی۔ یہ جگہ جہاں عنبر آرام کر رہا تھا۔ اس جگہ اکثر ڈاکو راتوں کو آ کر اپنے لوٹے ہوئے مال کا حساب کرتے اور آپس میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ آخر وہی ہوا۔ چار ڈاکوں گھوڑوں پر سوار وہاں آ کر رک گئے۔ اُن کے پاس ایک قافلے سے لوٹا ہوا سامان بھی تھا۔ انہوں نے عنبر کو سوتا ہوا بالکل نہیں دیکھا تھا۔ وہ دوسری طرف آ کر رکے تھے۔ مگر ان کی آوازوں سے عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ چار ڈاکو انجیر کی جھاڑیوں کے پاس زمین پر بیٹھے لوٹے ہوئے مال کو آپس میں تقسیم کر رہے ہیں۔ پہلے تو اسے خیال آیا کہ وہ ان کا مقابلہ کرے۔ پھر اس نے سوچا کہ چار آدمیوں سے مقابلہ کرنے کا نتیجہ وہی ناکامی کی صورت میں نکلے گا اور خواہ مخواہ یہاں بھی اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کا

راز فاش ہو جائے گا۔

وہ جھاڑیوں میں چھپا بڑے غور سے ڈاکوؤں کو آپس میں مال تقسیم کرتے دیکھتا رہا۔ وہ آپس میں چوری کا مال بھی بانٹ رہے تھے اور لڑ جھگڑ بھی رہے تھے۔ دو ڈاکو آپس میں زیادہ تکرار کر رہے تھے۔ اچانک ان میں سے ایک نے تلوار کھینچ لی اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''مجھ سے مقابلہ کرو۔ اگر میں ہار گیا تو میرا مال تم لے جانا۔''

دوسرا ڈاکو خاموش اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ پہلے ڈاکو نے اُسے گالی دی اور کہا:

''تم کمینے ہو بُز دل ہو۔ لاؤ اپنا مال بھی مجھے دے دو۔''

اِس پر دوسرا ڈاکو بھی غصے میں آ گیا۔ اُس نے تلوار نیام سے نکال لی اور سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ باقی دونوں ڈاکو مزے سے بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ شاید ان کا یہ خیال تھا کہ اگر یہ دونوں مقابلہ کرتے

ہوئے ہلاک ہوگئے تو وہ ان کا مال بھی آپس میں تقسیم کر لیں گے۔
دونوں ڈاکوؤں کا مقابلہ شروع ہوگیا۔عنبر یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ دونوں ڈاکو بڑے بلا کے تلوار باز تھے۔وہ بڑے تجربہ کار سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔عنبر کو افسوس ہوا کہ ایسے ماہر تلوار کے دھنی ڈاکے مار کر اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں۔اگر وہ کسی ملک کی فوج میں ہوتے تو ترقی کرتے۔ڈاکو بن کر زندگی بسر کرنے سے سوائے اس کے ان کا انجام اور کیا ہو سکتا تھا کہ اپنے ہی کسی ساتھی کے ہاتھوں قتل ہو جائیں۔
چاند آسمان پر نکل آیا تھا۔اس کی روشنی میں دونوں ڈاکو بڑی بے جگری سے ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر وار کر رہے تھے۔معلوم ہوتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو قتل کر کے ہی دم لیں گے۔چاند کی روشنی میں عنبر کو وہ صاف لڑائی کرتے نظر آ رہے تھے۔دوسرے ڈاکو

بجائے ان میں بیچ بچاؤ کرانے کے انہیں اور زیادہ لڑائی پر اُکسا رہے تھے۔ عنبر نے محسوس کیا کہ ایک ڈاکو پھنس گیا ہے اور ذرا کمزور ہاتھ سے وار کر رہا تھا۔ جبکہ دوسرا ڈاکو اس سے زیادہ طاقت ور تھا اور بڑے جوش کے ساتھ تلوار چلا رہا تھا۔ اچانک پہلا ڈاکو پتھر کی ٹھوکر کھا کر ریت پر گر پڑا۔ اس کا گرنا تھا کہ دوسرے ڈاکو نے ایک پل ضائع کیے بغیر تلوار کا بھرپور ہاتھ مار کر اُس کا پیٹ چاک کر دیا۔ ڈاکو نے ایک دلدوز چیخ ماری۔

اس کی چیخ سے آدھی رات کو صحرا گونج اٹھا۔ مگر وہاں سوائے عنبر کے اس کی چیخ سننے والا کوئی نہ تھا۔ ڈاکو نے تلوار کا ایک اور وار کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ وہ تھوڑی دیر تڑپا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔ ڈاکو نے تلوار نیام میں رکھی اور اس کا مال بھی قبضے میں کر کے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک طرف کو چلا گیا۔ باقی دو ڈاکو بھی اٹھے' گھوڑوں پر سوار

ہوئے اور اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔عنبر یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔
جب ڈاکو کافی دور چلے گئے تو وہ جھاڑیوں میں سے باہر نکلا۔ڈاکو لاش
ریت پر مُردہ پڑی تھی اور آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔

شہزادے مارُوت کی تلاش

عنبر ڈاکو کی لاش کو دیکھتا رہا۔

ابھی ایک لمحے پہلے وہ ڈاکو اس کے سامنے ایک جیتا جاگتا زندہ انسان تھا۔ وہ ہنس رہا تھا، جھگڑ رہا تھا، باتیں کر رہا تھا، لڑائی کر رہا تھا اور اب وہ بے حس وحرکت مُردہ ہو کر خون میں لپ پت پڑا ہے۔ اس نے ریت میں ایک گڑھا کھودا اور ڈاکو کی لاش کو اُس میں دبا دیا۔ اب اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ زمین پر لیٹا ڈاکوؤں کے بارے میں غور کرتا رہا کہ یہ لوگ دوسروں کو لوٹ کر قتل کر دیتے ہیں اور آخر ان کا اپنا انجام یہ ہوتا ہے کہ اُن کی لاش صحرا کی ریت پر بے یارومددگار پڑی ہوئی ہے۔

آسمان پر صبح کی سپیدی کا نور پھیلنے لگا تھا۔

صحراؤں میں سفر شروع کرنے کے لیے یہ ایک بہتر وقت ہوتا

ہے۔ عنبر نے اٹھ کر چشمے سے منہ ہاتھ دھویا۔ تھیلے میں سے کھجوریں نکال کر کھائیں، پانی پیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہونے ہی لگا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک چمکتی ہوئی چیز پر پڑی۔ اُس نے جھک کر دیکھا۔ چشمے کے پاس پتھروں میں ایک ہار پڑا تھا۔ عنبر نے ہار اٹھالیا۔ یہ ہار سونے کا تھا اور اس میں مرغی کے انڈے کے برابر ہیرا جگمگا رہا تھا۔ یقیناً ڈاکو افراتفری میں یہاں چھوڑ گئے تھے۔ ہار بہت قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ عنبر نے ہار اپنے جھولے میں ڈالا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے سفر پر شہر نینوا کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک پہر تک وہ صحرا میں سفر کرتا رہا۔ دوسرے پہر اُسے نینوا شہر کے آثار دور سے دکھائی دینے لگے۔ اُونچے ٹیلوں پر کھجوروں کے جھنڈ کھڑے تھے جن کے ساتھ ساتھ کچے مکانوں کی قطار چلی گئی تھی۔ عنبر ان مکانوں کے قریب سے گزرا تو اسے وہاں کوئی شخص

دکھائی نہ دیا۔ کئی مکانوں کی چھتیں گری پڑی تھیں۔ شہر نینوا کی فصیل آدھی سے زیادہ ڈھے چکی تھی۔ وہ شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ شہر کا دروازہ گرا ہوا تھا۔ وہاں کوئی پہریدار نہ تھا۔ شہر ویران اور تباہ حال تھا۔ بڑے بڑے حویلی نما مکان جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ شاہ بابل بخت نصر کی فوجوں نے نینوا شہر کو فتح کرنے کے بعد اُس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ شہر کے وسط میں بادشاہ نینوا کا محل جُوں کا تُوں کھڑا تھا۔

اتنے بڑے شہر میں کہیں کہیں مکان صحیح حالت میں تھے؛ ورنہ محلے کے محلے تباہ کر دیے گئے تھے۔ عنبر کو بہت کم لوگ ادھر سے ادھر گزرتے ہوئے ملے۔ کچھ دکانیں کھلی تھیں جہاں کھانے پینے کی چیزیں بک رہی تھیں۔ وہ ایک دکان پر گیا ایک بوڑھا آدمی شہد بیچ رہا تھا۔ عنبر نے پُوچھا:

''بابا، میں ملک افریقہ سے آیا ہوں۔ میں حکیم ہوں اور دُکھی لوگوں کا علاج کرتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ اس شہر پر کیا مصیبت گزر گئی کہ یہ تباہ ہو گیا؟''

بوڑھے دکاندار نے دائیں بائیں دیکھ کر کہا:

اے نوجوان، اگر تو یہاں اجنبی ہے تو سن کہ اس شہر کو کسی کی نظر کھا گئی۔ شاہ بابل نے حملہ کیا اِس کو برباد کر دیا۔ تو جس شہر کے کھنڈر دیکھ رہا ہے، کبھی یہاں لوگ مزے سے زندگی بسر کرتے تھے۔''

عنبر کو سب کچھ معلوم تھا۔ مگر وہ بوڑھے دکاندار سے بہت سی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

''بابا، کیا اس شہر میں کوئی معبد بھی تھا۔ جہاں لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے؟''

''ایسے کئی معبد تھے میرے بچے، مگر شاہ بابل نے اُن سب کو تباہ

کر دیا۔ دیوتا ہمیں معاف کریں۔"

عنبر کو معلوم ہوا کہ نینوا شہر میں شاہ بابل بخت نصر نے فوج کا ایک حصہ چھوڑ دیا ہے جو برباد شدہ شہر کی حفاظت کرتی ہے اور ایک فوجی گورنر محل میں رہتا ہے جو شاہ بابل کے نام پر یہاں حکومت چلاتا ہے اور بچے کھچے لوگوں اور کسانوں سے لگان وصول کرتا ہے۔

عنبر وہاں سے اٹھ کر شہر کے مغربی دروازے کی طرف آ گیا مگر شہر کا کوئی بھی دروازہ صحیح سلامت نہیں تھا۔ مغربی دروازہ بڑی تلاش کے بعد اُسے ملا تو وہاں دروزے کی جگہ اینٹوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ عنبر اِس دروازے سے شہر سے باہر نکل آیا۔ ملکہ کی ہدایت کے مطابق شہزادہ ماروت حانو کے ساتھ جس غار میں رہتا تھا وہ مغربی دروازے سے باہر ایک ٹیلے کے دامن میں تھا۔ عنبر گھوڑے پر سوار ٹیلے کی تلاش میں چل پڑا۔ وہ کئی اُونچے نیچے ٹیلوں کے قریب سے گزرا مگر وہاں اُسے

ایک بھی غار دکھائی نہ دیا۔ تھک ہار کر وہ اِس خیال سے واپس شہر میں آ گیا کہ صبح تازہ دم اُٹھ کر غار کی تلاش شروع کر دے گا۔

شہر میں اُسے کسی ایسی جگہ کی جستجو تھی جہاں وہ رات بسر کر سکے۔ لیکن وہاں کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ تھک ہار کر وہ اسی شہد بیچنے والے بوڑھے کی دکان پر آ گیا۔

''بابا' یہاں رات بسر کرنے کے لیے کوئی جگہ مل جائے گی؟''

بوڑھے دُکاندار نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا:

''دشمن کے حملے سے پہلے اس شہر میں کیسی کیسی خوبصورت سرائیں تھیں۔ دوسرے ملکوں کے مسافر وہاں آ کر آرام کرتے اور اہل نینوا کو دُعائیں دیتے تھے۔ مگر اب یہاں سوائے ویرانی اور بربادی کے اور کیا دھرا ہے؟ یہاں کے رہنے والوں کو سر چھپانے کی جگہ نہیں مل رہی۔''

عنبر نے بوڑھے دکاندار سے کہا کہ وہ رات بسر کرنے کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہے۔ اِس پر بوڑھے دکاندار نے کان کھڑے کر دیے اور پُوچھا:

''کیوں میاں، تم کتنے پیسے ادا کر سکتے ہو؟''

عنبر نے کہا:

''میں ایک رات کے لیے ایک چاندی کا سکّہ دے سکتا ہوں۔''

اِس پر دکاندار نے خوش ہو کر کہا:

''پھر تم میرے ہاں کیوں نہیں ٹھہر جاتے؟ آخر وہ بھی تو تمہارا اپنا ہی گھر ہے اور پھر پردیسیوں کی خدمت کرنا تو ہمارا فرض ہے۔''

عنبر بڑا خوش ہوا کہ اُس کے رات بسر کرنے کا معاملہ حل ہو گیا۔ بوڑھے نے عنبر کو اپنی دکان پر یہ کہہ کر بٹھا لیا کہ جب وہ دُکان بند کر کے گھر جانے لگے گا تو اُسے بھی ساتھ لیتا جائے گا۔ چوتھے پہر کے

قریب دکاندار نے دُکان بند کی اور عنبر کو لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کا مکان شہر کے اندر ایک اجھاڑ سی جگہ پر تھا جہاں چاروں طرف گرے پڑے مکانوں کا ملبہ پڑا تھا۔ بوڑھے کے اپنے مکان کا اگلا حصہ بھی جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ صرف پچھلے حصے میں ایک کوٹھڑی باقی تھی۔ بوڑھے نے کہا:

''میاں، تم اِس کوٹھڑی کی چھت پر آرام کر سکتے ہو۔ تمہارے گھوڑے کے لیے مَیں چارہ لاتا ہوں۔''

عنبر چھت پر بھیڑ کی کھال بچھا کر لیٹ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ غار اور شہزادے ماروت کے بارے میں کس سے دریافت کرے۔

بوڑھا تھوڑی دیر بعد گھوڑے کو گھاس وغیرہ ڈال کر واپس آ گیا اور عنبر کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ وہ بوڑھا بڑا باتونی تھا اور بخت نصر کے حملے کی ایک ایک تفصیل بیان کر رہا تھا۔

''شہر میں بخت نصر کی فوجوں نے قتل عام شروع کر دیا۔ مَیں اپنی اِس کوٹھڑی میں آ کر چھپ گیا۔ انہوں نے میرے مکان کو بھی آگ لگا دی۔ میری ساری دولت لوٹ کر لے گئے۔ دیوتاؤں کی نظر اچھی تھی کہ میری جان بچ گئی۔ مَیں اِس کوٹھڑی میں چھپا بیٹھا رہا۔ پہلے خیال آیا کہ نکل کر مقابلہ کروں اور ایک ایک سپاہی کو تلوار کا ہاتھ مار کر ہلاک کر دوں اور پھر اُن سپاہیوں کی جوانی اور اپنے بڑھاپے کا خیال آیا اور خاموش دبکا بیٹھا رہا۔''

عنبر بوڑھے کی باتوں سے تنگ آ گیا تھا۔

جو بات وہ پوچھنا چاہتا تھا اُس کے بارے میں وہ سوچ رہا تھا کہ بوڑھے سے پوچھے یا نہ پوچھے۔ پھر اُس نے سوچا آخر پوچھنے میں کیا ہرج ہے؟ اُس نے کہا:

''بابا' کیا فوج نے نینوا کے سارے شاہی خاندان کو قتل کر دیا

تھا؟''

بوڑھے نے کہا:

''میاں صاحبزادے، بخت نصر نے شاہی خاندان کے ایک ایک شخص کو اپنے ہاتھوں قتل کیا۔ اُس ظالم نے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ اُس نے تو شاہی خاندان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔''

عنبر نے راز داری کے انداز میں کہا:

''مگر میں نے سُنا ہے کہ ایک شہزادہ زندہ رہ گیا ہے۔''

اِس پر بوڑھا حیرانی سے اچھل پڑا اور آنکھیں سکیڑ کر بولا:

یہ۔۔۔یہ تم سے کس نے کہا میاں؟''

''بس کسی نے کہہ دیا۔ یہ بتاؤ کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ کیا واقعی شاہی خاندان کا شہزادہ زندہ ہے؟''

''شی، آہستہ بولو میاں آہستہ بولو۔ کسی نے سن لیا تو قیامت

آجائے گی۔شاہ بابل کے سپاہی رات کو یہاں گشت کرتے رہتے ہیں۔وُہ پاگل کتوں کی مانند بُو سونگھتے پھرتے ہیں۔"

عنبر نے سرگوشی میں پوچھا:

"تو پھر کیا یہ سچ ہے؟"

"کیا سچ ہے میاں؟"

"یہی کہ نینوا کا ایک شہزادہ زندہ ہے اور زخمی ہے......؟"

بوڑھے نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا:

"مگر یہ تم کیوں پُوچھ رہے ہو؟"

ویسے ہی پُوچھ رہا تھا۔"

"نہیں نہیں ضرور کوئی بات ہے اِس میں۔تم ویسے نہیں پُوچھ سکتے۔"

"کیوں نہیں پوچھ سکتا ویسے؟"

''اِس لیے کہ ایک غیر ملک کے رہنے والے کو ہمارے ملک کے شہزادے سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے؟''

اِس پر عنبر نے کہا:

''بابا' میں ایک حکیم ہوں اور بیماروں کا علاج کر کے مجھے دلی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جب سے مَیں نے یہ سُنا کہ نینوا کا شہزادہ کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔ وہ زندہ ہے' مگر زخمی ہے تو میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مَیں اُس کے زخموں کا علاج کروں۔ اُسے صحت مند کروں اور یُوں نینوا کے شاہی خاندان کا نام لینے والا زندہ رہے اور اِس خاندان کا نام آگے چل سکے۔''

بُوڑھے نے یہ سُن کر عنبر کو اپنے سینے سے لگا کر اُس کا ماتھا چُوم لیا۔

''تم ایک نیک دل انسان ہو بیٹے' تمہارا دل انسانی ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔ تم نے ہمارے بادشاہ کی آخری نشانی کے بارے میں

جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُسے سُن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔
میں چاہتا ہوں کہ تم شہزادے کا علاج کرو۔''

عنبر نے پوچھا:

''تو کیا وُہ واقعی زندہ ہے اور زخمی ہے؟''

''ہاں میرے بیٹے' شاہِ نینوا کا شہزادہ' شاہی خاندان کا آخری چراغ شہزادہ مارُوت زندہ ہے اور زخمی حالت میں ہے۔''

''وہ کس جگہ پر ہے بابا' مجھے بتاؤ۔ مَیں چل کر اُس کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔''

بوڑھے دکاندار نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''فکر نہ کرو میرے بیٹے' مَیں کل تمہیں شہزادہ مارُوت کے پاس لے چلوں گا۔ وہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیلے کے دامن میں ایک غار میں چھپا ہُوا ہے۔ وُہ سخت زخمی ہے اور یہاں سے فرار ہو کر

نہیں جا سکتا۔ شاہ بابل کے گورنر کو پتہ چل گیا ہے کہ شہزادہ بچ کر نکل گیا ہے۔ اُس کے سپاہی شہزادے کی تلاش میں ہیں۔ مگر وہ ملکہ کے ایک نہایت وفادار غلام حانو کی حفاظت میں ہے۔ یہ جانثار غلام اُس کی خدمت کر رہا ہے۔ کل تم میرے ساتھ چلنا۔ دیوتا مجھے معاف کریں۔ مَیں نے ایک اجنبی کے آگے شہزادے کا راز افشا کر دیا ہے۔''

عنبر نے بوڑھے کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''فکر نہ کرو بابا' مَیں شہزادے کے خاندان کا خیر خواہ ہوں۔''

بوڑھے نے اچانک سوال کیا:

''کیا تمہارا تعلق بھی تو نینوا کے شاہی خاندان سے نہیں ہے اجنبی جوان؟''

''میں تو ایک غریب خاندان میں پیدا ہوا ہوں بابا' میرا بھلا شاہی

خاندان سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔''

وہ رات عنبر نے بوڑھے شہد فروش کے مکان میں بسر کی۔ دن نِکلا تو بوڑھے نے کہا:

''تیار ہو جاؤ اجنبی نوجوان اب ہمیں شہزادے مارُوت کے پاس جانا ہے۔''

انہوں نے معمولی کسانوں کا حُلیہ بنایا اور خچروں پر سوار ہو کر شہر سے باہر نِکل گئے۔ راستے میں وہ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ عنبر نے اس سے پوچھا کہ اس کا شہزادے سے کیا تعلق ہے؟ بوڑھے نے کہا:

''وہ ہمارے بادشاہ کا بیٹا ہے ہم اُس کی رعایا ہیں۔ ہمیں اپنے بادشاہ اور اُس کے بیٹے سے محبت ہونی چاہیے۔''

''لیکن بابا، تمہیں کیسے پتہ چلا تھا کہ شہزادہ زخمی حالت میں غار

میں پڑا ہے؟''

اُس کا غلام حانو میری دکان پر شہد لینے آیا تھا۔ مَیں نے باتوں ہی باتوں میں اُس سے معلوم کر لیا اور پھر خود جا کر شہزادے کی تیمارداری میں حانو کا ہاتھ بٹایا۔''

اب وہ شہر سے کافی دور نکل آئے تھے اور چھوٹے چھوٹے ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کئی ایک ٹیلوں کے پاس سے گزر کر بوڑھا شہد فروش ایک اونچے ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگا۔ بائیں پہلو سے ہو کر وہ ڈھلان پر اتر گیا۔ عنبر اس کے پیچھے پیچھے کسان کے بھیس میں خچر پر سوار چلا جا رہا تھا۔ ٹیلے کی ڈھلان اتر کر وہ جنوب کی جانب آ گئے۔ یہاں ایک بہت بڑا پتھر کا ستون گرا پڑا تھا جس کے اردگرد جنگلی جھاڑیاں اُگ رہی تھیں۔ بوڑھے نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا:

''تھوڑی دیر کے لیے ایک طرف ہو جاؤ۔''

''کیا کوئی خطرہ ہے بابا؟''

''نہیں بھی ہے اور ہے بھی۔ ہم اِس وقت غار کے پاس کھڑے ہیں۔ شاہ بابل کے سپاہی بھُو کے کتّوں کی طرح شہزادے کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔ غار میں داخل ہونے سے پہلے میں تسلی کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کسی نے نہیں دیکھا۔''

''بوڑھا ستون کے اوپر کھڑا ہو گیا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چاروں طرف غور سے تکنے لگا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی شخص نہیں ہے تو وہ ٹیلے کے دامن میں جھاڑیوں کی طرف گیا تو اُس نے ایک غار کا منہ دیکھا جس کی محراب جنگلی بیلوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔

''اندر آ جاؤ۔''

عنبر بوڑھے شہد فروش کے ساتھ غار میں داخل ہو گیا۔ غار میں

اندھیرا اور سیلن تھی۔ بوڑھا یوں آگے بڑھ رہا تھا جیسے وہ پہلے بھی وہاں آتا رہا ہو۔ عنبر اس کے ساتھ لگا آگے بڑھ رہا تھا۔ غار ایک طرف گھوم گیا۔ ذرا آگے جا کر دائیں جانب ایک بڑا سا پتھر پڑا تھا۔ بوڑھے نے جیب سے لوہے کا ٹکڑا نکال کر اُس پتھر پر چار مرتبہ بجایا۔ اس آواز کے ساتھ ہی غار میں سامنے کی جانب سے ہلکی سی روشنی نمودار ہوئی۔ یہ روشنی آگے آتی گئی اور پھر ایک سیاہ حبشی کا چہرہ نمودار ہوا۔ جس نے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعل تھام رکھی تھی۔ یہ سیاہ فام شخص ملکہ نینوا کا وفادار غلام جانو تھا۔ وہ بوڑھے شہد فروش کے ساتھ ایک اجنبی جوان کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ پھر بجلی جیسی پھرتی کے ساتھ حبشی نے کمر سے خنجر نکالا اور عنبر کی طرف لپک کر خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا۔

بوڑھے نے جھٹ کہا:

''یہ طبیب ہے جانو اور شہزادے کے زخموں کا علاج کرنے آیا

ہے۔ یہ ہمارے بادشاہ کے حامیوں میں سے ہے اور ملک افریقہ کا رہنے والا ہے۔''

حبشی غلام نے کہا:

''کیا تم اس اجنبی پر اعتبار کرتے ہو بابا؟''

''ہاں حانو! میں اِس پر اعتبار کرتا ہوں۔ یہ کہو شہزادے کا کیا حال ہے؟''

''میرے ساتھ چل کر دیکھ لو۔''

حبشی غلام مشعل لیے غار میں آگے آگے چل پڑا۔ بوڑھا اور عنبر اُس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ غار کے دو تین موڑ گھوم کر وہ ایک ذرا کھلی جگہ پر آ گئے۔ یہاں دیوار کے پتھر میں ایک اور مشعل جل رہی تھی اور زمین پر گھاس پھوس بچھی ہوئی تھی۔ جس پر شہزادہ مارُوت زخمی حالت میں پڑا کراہ رہا تھا۔

پھانسی کے تختے پر

شہزادے کی عمر پندرہ سولہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

عنبر نے جھک کر شہزادے کا زخم دیکھا۔تلوار کا گہرا وار اس کے کندھے پر لگا تھا۔عنبر نے فوراً چیتھڑے اُتار کر زخم کو گرم پانی سے دھویا اور جھولے میں سے مرہم نکال کر زخم میں بھری اور اُوپر سے صاف سُتھری پٹی باندھ دی۔ اِس کے بعد اُس نے پیالے میں طاقت کی ایک دوائی انڈیلی اور شہزادے کو پلا دی۔زخم کے درد کی وجہ سے شہزادے کو بخار ہو گیا تھا۔دوائی نے جادو کا اثر کیا۔شہزادے کا بخار کم ہو گیا۔اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور حانو سے پوچھا:

''یہ کون ہے حانو؟''

حبشی غلام نے جھک کر ادب سے کہا:

''یہ ایک طبیب ہے شہزادہ سلامت' اور آپ کے علاج کے لیے

یہاں خاص طور پر بلوایا گیا ہے۔ کیا آپ کے درد میں کچھ آفاقہ ہوا ہے؟''

''کچھ ہوا ہے۔''

بوڑھے شہد فروش نے خوش ہو کر کہا:

''دیوتاؤں نے ہم پر رحم کر دیا۔ ہمارے شہزادے کا زخم بہت جلد اچھا ہو جائے گا۔ ہم نینوا کا کھویا ہوا تخت پھر سے حاصل کر کے رہیں گے۔''

حبشی غلام نے کہا:

''بابا! مجھے اِس حکیم پر بھروسہ نہیں ہے۔''

عنبر خاموش رہا۔ وہ اسے ابھی بتانا نہیں چاہتا تھا کہ جس نوجوان اجنبی پر وہ بھروسہ نہیں کر رہا اُس کو شہزادے کی والدہ ملکہ نینوا نے خاص طور پر وہاں بھیجا ہے اور وہ صرف شہزادے کی خاطر اتنا طویل سفر کر کے

وہاں پہنچا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ عنبر کو بوڑھے شہد فروش پر اعتماد نہیں تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ دھوکے باز تھا یا دشمنوں کا مخبر تھا بلکہ اس لیے کہ بوڑھا نادان اور جذباتی تھا۔ عنبر کو ڈر تھا کہ اگر اس کے سامنے اس نے شہزادے کی والدہ کا ذکر کر دیا تو وہ اس راز کو شاید اپنی بے وقوفی کی وجہ سے افشا نہ کر دے؛ چنانچہ وہ بوڑھے شہد فروش کی عدم موجودگی میں شہزادے کو اصل حقیقت بتانا چاہتا تھا۔

شہزادے کو اب پوری طرح ہوش آ چکا تھا اور وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ حبشی غلام نے بوڑھے سے پوچھا۔ کہ شہر کا کیا حال ہے اور شاہ بابل کے سپاہی کس کس جگہ شہزادے کی تلاش میں ہیں؟ بوڑھے نے کہا:

''سپاہی جگہ جگہ شہزادے کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ انہوں نے شہر کے ارد گرد اور شہر کے اندر اپنے جاسوس پھیلا رکھے ہیں۔ میری

دکان کے اردگرد ایک جاسوس ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے۔''

''کیا انہیں تم پر شک تو نہیں ہو گیا بابا؟''

''ایسا نہیں ہے۔''

''تو پھر جاسوس وہاں کیوں رہتا ہے؟''

''وہ میری دکان پر آنے جانے والے گاہکوں کو گھورتا رہتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ ضرور تم لوگوں کا پیچھا کر رہا ہوگا۔ کیا تم لوگوں نے غار میں داخل ہونے سے پہلے پوری تسلی کر لی تھی؟''

''میں اتنا پاگل نہیں ہوں جانو' میں بڑی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ یہاں تک آیا ہوں۔''

اس پر شہزادے نے کہا:

''وہ دن کب آئے گا بابا' جب میں اپنی پیاری والدہ سے ملوں گا۔''

''دیوتاؤں نے چاہا تو وہ دن جلد آئے گا۔''

شہزادے نے آہ بھر کر کہا:

''کیا معلوم کہ میری والدہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں۔ کیا خبر کہ شاہ بابل نے انہیں بھی قتل کر دیا ہو۔''

پھر شہزادے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حبشی غلام نے شہزدے کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''دل چھوٹا نہ کریں شہزادہ سلامت، مجھے ایک شاہی مخبر نے شکست کے دو روز بعد ہی اطلاع دی تھی کہ ملکہ عالم بابل شہر میں شاہ بابل کی قیدی ہیں اور انہیں بادشاہ نے شاہی خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح قتل نہیں کیا۔''

شہزادے نے بے تابی سے پوچھا:

''کیا اس نے میری والدہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟''

''یہ اُس نے نہیں بتایا۔ لیکن یہ اس نے پورے یقین سے کہا تھا کہ ملکہ سلامت زندہ ہیں اور کچھ لوگوں نے انہیں قید خانے کی طرف جاتے دیکھا ہے۔''

''دیوتا گواہ رہیں کہ مَیں اپنی والدہ کی یاد میں تڑپ رہا ہوں اور ضرور میری والدہ بھی مجھے یاد کر رہی ہوگی۔ مگر انہیں تو شاید یہی خبر ملی ہو کہ میں بھی دوسرے شہزادوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا ہوں۔''

حبشی غلام نے کہا:

''آپ فکر نہ کریں شہزادہ سلامت' دیوتاؤں نے چاہا تو آپ جلد ملکہ عالیہ سے ملیں گے۔ میری زندگی کا مقصد ہی اب یہی ہے کہ ملکہ عالیہ سے آپ کو ملا دوں۔ چاہے اِس میں میری جان کیوں نہ جاتی رہے۔''

شہزادے نے کہا:

''کاش، مجھے معلوم ہو جائے کہ میری والدہ بابل شہر میں کس جگہ ہیں۔ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ میں اُڑ کر اُن کی خدمت میں پہنچ جاتا۔''

غلام نے کہا:

''ہم بہت جلد یہ بھی معلوم کر لیں گے شہزادہ سلامت، وہ دن ضرور آئے گا۔ جب آپ نینوا کے تخت پر بادشاہ بن کر بیٹھیں گے اور آپ کے سر پر شاہی تاج ہو گا اور ملکہ عالیہ آپ کے ساتھ بیٹھی ہوں گی۔''

''ہمیں تباہ حال نینوا کو پھر سے آزاد کرنا ہے۔ ہمیں اپنے باپ دادا کی سلطنت کو پھر بحال کرنا ہے۔ جانو، وہ دن ضرور آئے گا۔ کاش ہمیں ہمارے وفادار سپہ سالار زرکسیر کے بارے میں معلوم ہو سکتا کہ وہ زندہ ہے یا نہیں ؟''

حانو نے کہا:

''اُس کے بارے میں بھی مُخبر نے صرف اتنا بتایا تھا کہ شکست کے روز وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ ملک یمن کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا تھا۔''

''کاش، یہ خبر درست ہو۔ میں اچھا ہو گیا تو اپنی والدہ کو ساتھ لے کر اپنے وفادار سپہ سالار زر کسیر کی تلاش میں ضرور جاؤں گا۔ وہ ضرور یمن میں بچی کھچی فوج کو اکٹھا کر رہا ہو گا۔''

اب عنبر نے کہا:

''شہزادہ سلامت، آپ کا زخم تازہ ہے۔ زیادہ باتیں کرنے سے اُس پر زور پڑے گا۔ آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ آرام کریں۔''

بوڑھے نے بھی جھٹ عنبر کی ہاں میں ہاں ملائی اور کہا:

''ہاں شہزادہ سلامت، اب آپ آرام سے لیٹ جائیں۔''

عنبر نے جھولے میں دواؤں بکس ڈالتے ہوئے کہا:

''میں پھر کسی روز آ کر زخم کی پٹی بدل دوں گا۔''

پھر اس نے حبشی غلام کو ہدایت کی کہ دوائی شہزادے کو دن میں تین چار مرتبہ پانی کے ساتھ پلاتا رہے۔ اس کے بعد بوڑھے شہد فروش اور عنبر نے شہزادے سے اجازت طلب کی اور آداب بجالا کے واپس چل پڑے۔ حبشی غلام مشعل لے کر انہیں غار کے منہ تک چھوڑنے آیا۔

باہر نکل کر وہ خچروں پر سوار ہوئے اور واپس شہر کی سمت چل پڑے۔ بوڑھا اپنی دکان پر آ گیا اور عنبر نے خچر پر سوار شہر کی سیر شروع کر دی۔ شہر کو بخت نصر کی فوجوں نے تباہ برباد کر دیا تھا۔ بہت کم آبادی زندہ تھی۔ شاہ بابل کے سپاہی جگہ جگہ کھڑے پہرہ دے رہے تھے اور ہر آنے جانے والے کو گھور رہے تھے۔ شاہ بابل نے حکم دے

رکھا تھا کہ شہزادے کو پناہ دینے والے کو بھی تلاش کر کے زندہ زمین گاڑ کر اُس پر بھُو کے کُتے چھوڑ دیے جائیں۔ عنبر بڑے سکون سے شہر کے کھنڈروں اور مکانوں میں گھوم پھر رہا تھا۔

ایک چوک میں سے گزرتے ہوئے اُسے پیاس لگی۔ سامنے کنوئیں پر کچھ عورتیں صراحیوں میں پانی بھر رہی تھیں۔ عنبر کو بھوک تو نہ لگی تھی لیکن کبھی کبھی پیاس اسے ضرور تنگ کیا کرتی تھی۔ وہ خچر پر سے اُتر کر پانی بھرتی عورتوں کی طرف بڑھا۔ اُس نے ایک عورت سے کہا:

''مجھے پانی پلا دو گی بہن؟''

عورت نے عنبر کی طرف دیکھا اور بولی:

''لو پیو۔''

اُس نے صراحی ہاتھوں میں لے کر عنبر کے اوک میں پانی انڈیلنا

شروع کر دیا۔ عنبر نے جی بھر کر پانی پیا۔ عورت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے جیب سے چاندی کے سکے نکالنے لگا تو ساتھ ہی سونے کا قیمتی ہیرے والا ہار بھی اُچھل کر زمین پر گر پڑا۔ ہار کو دیکھتے ہی عورت نے شور مچا دیا۔

''چور۔۔۔چور۔۔۔چور۔''

قریب کھڑے دو سپاہی عورتوں کا شور سُن کر وہاں آ گئے۔ عنبر بڑا حیران تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ وہ زمین پر سے ہار اٹھا کر اپنی جیب میں رکھنے ہی لگا تھا کہ عورت نے سپاہیوں سے کہا:

''یہ شخص ڈاکو ہے۔ اِس کے پاس میری مالکن کا قیمتی سونے کا ہار ہے۔ میری مالکن کا ہار ڈاکو لے گئے تھے۔ یہ شخص ڈاکو ہے۔ اِس کی جیب میں میری مالکن کا قیمتی ہیرے والا سونے کا ہار ہے۔''

عنبر پریشان ہو گیا۔ ہار سچ مچ چوری کا تھا۔ اُس کی جیب میں تھا

مگر چوری اُس نے نہیں کی تھی۔ سپاہی نے ہاتھ ڈال کر عنبر کی جیب میں سے ہار نکال لیا اور کہا:

"یہ ہار تم نے کہاں سے لیا ہے؟"

عنبر نے جھوٹ بولنا مناسب نہ سمجھا۔ اُس نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ ہار کچھ ڈاکو صحرا میں افراتفری کے عالم میں پھینک گئے تھے کہ اُس نے اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

اس پر سپاہی وحشیوں کی طرح قہقہے مار کر ہنسنے لگے۔ عورت نے چیخ کر کہا:

"یہ جھوٹ بکتا ہے۔ اِسی نے میری مالکن کا ہار چرایا ہے۔ یہ ڈاکو ہے اسے گرفتار کرلو۔"

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر عنبر کو گردن سے دبوچ لیا اور کہا:

"تم ڈاکو ہو چلو ہمارے ساتھ۔ ہم تمہیں چوری کا مزہ چکھاتے

ہیں۔"

عورت نے کہا:

"یہ ہار میری مالکن کا ہے، یہ مجھے دے دو۔"

سپاہی نے کہا:

"تم بھی ہمارے ساتھ چوکی پر چلو۔ وہاں تمہاری مالکن کو بھی بُلایا جائے گا۔ اگر چوری ثابت ہوگئی تو ہار اسے دے دیا جائے گا۔"

سپاہیوں نے عنبر کے ہاتھوں کو رسیوں سے جکڑ دیا اور اُسے لے کر چوکی طرف چل پڑے۔ عنبر بڑا پریشان ہوا کہ وہ خواہ مخواہ شہر کی سیر کو نکل آیا۔ نہ ادھر آتا اور نہ اس مصیبت میں گرفتار ہوتا۔ بہر حال اب وہ پھنس گیا تھا۔ ناچار ہو کر وہ سپاہیوں کے ساتھ چوکی پر پہنچ گیا۔

چوکی کیا تھی ایک چار دیواری کے اندر کچھ سپاہی بیٹھے چوپٹ کھیل رہے تھے۔ ایک اُن کا سالار تھا جس نے لوہے کا کنٹوپ سر پر ڈال

رکھا تھا۔ اس نے سارا معاملہ غور سے سُنا۔ ہار کو غور سے دیکھا۔ مالکن کو بُلا کر ہار دکھایا تو اُس نے جھپٹ کر کہا:

''یہی میرا قیمتی ہار ہے۔ یہ میرے خاوند کی نشانی تھی۔۔ کم بخت اس چور نے اسے اڑا لیا۔ اس کی گردن اڑا دو۔''

ہار مالکن کو دے دیا گیا اور عنبر کو قید میں ڈال کر سلاخدار دروازے پر تالا ڈال دیا گیا۔ سارے رات عنبر کال کوٹھڑی میں فرش پر بیٹھا مچھر مارتا رہا۔ اُسنے نے ایک پَل کے لیے بھی سو کر نہ دیکھا۔ صبح سالار نے آ کر اسے خبر سنائی۔ چوری کے جرم میں اُسے صلیب پر چڑھا دیا جائے گا۔ عنبر پر اِس دہشت ناک خبر نے کوئی اثر نہ کیا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ وہ صلیب پر بھی زندہ رہے گا۔ لیکن اس خیال سے وہ ضرور پریشان ہو گیا کہ اُس کا راز فاش ہو جائے گا اور ان سپاہیوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ مر نہیں سکتا۔ یُوں لوگوں میں اُس کی

مشہوری ہو جائے گی اور جس خفیہ کام کے لیے وہ نینوا شہر میں آیا ہے وہ ادھورا رہ جائے گا۔عنبر نے خبر سُن کر کہا:

''کیا مجھے معاف نہیں کیا جائے گا؟''

''بکواس بند کرو،تم نے چوری کی ہے اور شاہِ بابل کے حکم کے مطابق چوری کرنے والے کو تختے پر کیل ٹھونک کر لٹکا دیا جاتا ہے۔ تمہیں آج ہی لٹکا دیا جائے گا۔''

عنبر خاموش ہو گیا۔اِس لیے کہ سالار سے معافی مانگنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اُس کی گالیاں سُنتا رہے۔شام ہونے سے ذرا پہلے سپاہیوں کا ایک دستہ سالار کے ساتھ آیا اور عنبر کو زنجیروں میں جکڑ کر ایک ٹیلے کی چوٹی پر لے گیا۔یہاں لکڑی کی ایک صلیب زمین پر پڑی تھی۔لمبے لمبے لوہے کے کیل اور ہتھوڑا لیے ایک جلاد تیار کھڑا تھا۔

سالار نے حکم دیا اور سپاہیوں نے زبردستی اٹھا کر عنبر کو لکڑی کے تختے پر چت لٹا دیا۔ اس کے ہاتھ اور پیر پھیلا کر زنجیروں سے باندھ دیے گئے۔ پھر جلاد نے لوہے کا کیل اٹھا کر اُس کی نوک عنبر کی ہتھیلی پر رکھی اور ہتھوڑے کی ضربوں سے اُسے لکڑی کے تختے پر ٹھونکنا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی درد سے بلبلا اٹھے گا۔ مگر اس کے برخلاف عنبر خاموش رہا۔ کیل اس کی ہتھیلی میں ٹھکتا رہا اور وہ خاموش چہرے کے ساتھ جلاد کو تکتا رہا۔ عجب اتفاق تھا کہ ہتھیلی سے خون بھی نہیں نکل رہا تھا۔ سالار اور سپاہیوں کو بھی اس پر کچھ تعجب ہوا۔ مگر پھر انہوں نے سوچا کہ شاید ڈر اور خوف کی وجہ سے عنبر کا خون خشک ہو گیا ہے۔ جلاد اب عنبر کی دوسری ہتھیلی پر کیل ٹھونک رہا تھا۔ اس دفعہ بھی عنبر درد سے بالکل نہ چلایا اور نہ ہی ہتھیلی سے خون جاری ہوا۔ جلاد نے یکے بعد دیگرے عنبر کے دونوں پیروں میں بھی

لوہے کی کیلیں ٹھونک دیں اور سالار کے حکم سے تختے کو اٹھا کر زمین پر گاڑ کر کھڑا کر دیا۔

عنبر کی گردن آگے کو جھک گئی مگر اس کے چہرے پر درد کے کوئی آثار نہیں تھے اور وہ خاموش نظروں سے نیچے کھڑے سپاہیوں کو تک رہا تھا۔ سالار کچھ حیران ضرور ہوا۔ پھر اُس نے چلا کر کہا۔

''چلو چلیں، صبح آ کر اِس کی لاش دیکھیں گے۔ کل اِس کی لاش کو گِدھ کھا رہے ہوں گے۔''

اور وہ لوگ قہقہے لگاتے وہاں سے چلے گئے۔ عنبر تختے پر لٹکا ہوا اکیلا رہ گیا۔ شام گہری ہو گئی۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔ نینوا کی ویران بستی میں تاریکی چھا گئی۔ کہیں کہیں زیتون کے تیل کے دِیئوں کی روشنیاں ٹمٹمانے لگیں۔ آسمان تاروں سے بھر گیا۔ عنبر کو تکلیف صرف اتنی ہو رہی تھی کہ وہ تختے کے ساتھ لگا تھک گیا تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی اور عنبر پر غنودگی چھانے لگی۔ وہ مر نہیں سکتا تھا۔ اُسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو آسمان پر سورج کا اجالا پھیل رہا تھا۔ پھر مشرق سے سورج نکل آیا اور چاروں طرف اس کی روشنی پھیل گئی۔ اُس کے سر پر دو تین گِدھ منڈلا رہے تھے۔ مگر اُسے زندہ دیکھ کر اُسے کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ ٹیلے پر کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اُسے لوگوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں اور دوسرے ہی لمحے اُسے سالار اپنے سپاہیوں کے ساتھ ٹیلے پر چڑھتا دکھائی دیا۔ عنبر بڑے غور سے اُسے قریب آتا دیکھنے لگا۔ سالار اور دوسرے سپاہیوں کو یقین تھا کہ تختے پر رات بھر کا لٹکا ہوا عنبر مر چکا ہوگا اور اس کا گوشت گدھ نوچ نوچ کر کھا رہے ہوں گے۔ لیکن جب وہ اس تختے کے نزدیک آیا جس پر لوہے کے کیلوں کے ساتھ عنبر لٹکا ہوا تھا تو دہشت سے اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ

گئیں۔

عنبر زندہ تھا اور تختے پر لٹکا بڑے سکون کے ساتھ سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا جسم پوری طرح تندرست تھا۔ خون کا ایک قطرہ تک زخموں سے نہ بہا تھا اور گِدھ بھی اُس سے دور دور منڈ لا رہے تھے۔

عنبر نے آواز دے کر کہا:

''اے سالار! اگر تو قیامت تک بھی مجھے اِس تختے پر لٹکائے رکھے گا تو میں نہ مر سکوں گا۔ تم مر جاؤ گے۔ تمہاری آنے والی نسلیں بوڑھی ہو کر مَر جائیں گی مگر میں زندہ رہوں گا۔ مجھے تختے سے نیچے اُتار کر پہچان کہ میں کون ہوں۔''

سالار دم بخود پتھر بنا عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا کبھی ہوا ہی نہیں تھا کہ رات بھر تختے پر لٹکے رہنے کے بعد انسان صبح کو زندہ بچا ہو۔ مگر عنبر اُس کے سامنے زندہ تھا بلکہ پوری طرح تندرست تھا اور اُسے درد کا

کوئی احساس تک نہ تھا۔ اُس نے گھبرا کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ عنبر کو تختے پر سے اتار لیا جائے۔ سپاہیوں نے اُسی وقت عنبر کو نیچے اتار کر اُس کی ہتھیلیوں اور پاؤں میں ٹھکے ہوئے کیل نکال لیے۔ وہ یہ دیکھ کر اور زیادہ دہشت زدہ ہو گئے کہ کیلوں کے باہر نکلتے ہی ہتھیلیوں اور پاؤں کے زخم اپنے آپ بند ہو کر مل گئے۔

نینوا سے فرار

وحشی سپاہیوں کے لیے یہ ایک حیرت انگیز کرامات تھی۔

عنبر تختے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پوری طرح صحت منداور تندرست تھا۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک آدمی رات بھر تختے پر کیلوں سے ٹھکے رہنے کے بعد صبح بھلا چنگا اُٹھ کھڑا ہو گا۔ سالار نے دل میں ایک طرح کا خوف سا لیے عنبر سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور کس طرح زندہ ہے؟ عنبر نے مُسکرا کر کہا:

''یہ مَیں تم لوگوں کو نہیں بتا سکتا۔ برائے مہربانی میرا راستہ چھوڑ دیں اور مجھے اپنے گھر جانے دیں۔''

سالار نے کہا:

''جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم زندہ کس طرح ہوئے ہم تمہیں رہا نہیں کریں گے۔ اِس لیے کہ تم ڈاکو ہو اور ڈاکو کی سزا موت ہے۔''

عنبر نے کہا:

''کیا تم ایک بار پھر کوئی کرامت دیکھنا چاہتے ہو؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ایک بار پھر تم احمق جانوروں کی طرح میری طرف دیکھتے رہو اور حیران ہوتے رہو کہ میں زندہ کیسے رہا؟''

سالار غصے میں آ کر بولا:

''زبان قابو میں رکھو نوجوان' اِس دفعہ میں تمہیں وہ سزا دوں گا جس سے تم بچ نہ سکو گے۔''

اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ عنبر کو زہریلے سیاہ سانپوں کے گڑھے میں پھینک دیا جائے۔ سپاہیوں نے ڈرتے ڈرتے عنبر کو زنجیروں میں جکڑ دیا اور اُسے لے کر ایک پُرانے اجڑے ہوئے باغ میں آ گئے۔ اس باغ میں انجیر کے درختوں تلے ایک گڑھا کھدا ہوا تھا۔ اِس گڑھے کے اُوپر جالی دار ڈھکنا پڑا تھا۔ گڑھے میں بے شمار

کالے سانپ پھن اٹھائے پھنکاریں مار رہے تھے۔ اُن کو دیکھ کر ہی انسان کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ سالار نے حکم دیا:

''اِسے گڑھے میں پھینک دو۔''

ایک سپاہی نے جالی دار ڈھکنا الگ کر دیا اور دوسرے سپاہیوں نے عنبر کو اٹھا کر گڑھے میں پھینک دیا۔ وہ سب مزے سے جالی دار ڈھکنے میں سے عنبر کے مرنے اور سانپوں کے ڈسنے کا تماشہ دیکھنے لگے۔ اُن کا خیال تھا کہ عنبر کو ایک ایک کر کے تمام سانپ کاٹیں گے۔ اس کا جسم زہر سے نیلا پڑ جائے گا اور وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔

گڑھے میں عنبر سانپوں کے اوپر گرا۔ سانپ بھِر گئے۔ انہوں نے پھن اٹھا کر بڑی تیزی اور غضب کے عالم میں عنبر کو ڈسنا شروع کر دیا۔ اب ایسا ہوا کہ جو بھی سانپ عنبر کو ڈستا وہ تڑپ کر ایک طرف گرتا

اور تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ دیکھتے دیکھتے سارے کے سارے سانپ مر گئے۔ یہ سانپ بڑے قیمتی تھے۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ سالار نے حکم دیا کہ عنبر کو قید خانے میں ڈال دیا جائے۔

"کل صبح اس کو آگ میں جلا کر بھسم کر دیا جائے گا۔"

سپاہیوں نے عنبر کو زنجیروں میں جکڑا اور اُسے قید خانے کی طرف لے گئے۔

عنبر کو اس سارے کھیل میں ایک ہی پریشانی ہو رہی تھی کہ اس کا وقت ضائع ہو رہا تھا۔ وہ شہزادے ماروت کو جلد از جلد یہاں سے اغوا کر کے لے جانا چاہتا تھا۔ مگر ان سپاہیوں نے اس کے سفر میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے تھے۔ وہ قید خانے کے فرش پر بیٹھا وہاں سے رہائی حاصل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ جیل کا دروازہ کھلا اور پہریدار نے مٹی کے برتن میں دودھ لا کر اس کے آگے

رکھ دیا۔ عنبر نے پوچھا کہ یہ دودھ کس نے بھیجا ہے! کیوں کہ جیل میں تو قیدی کو سوائے سوکھی جَو کی روٹی اور سادہ نمکین پانی کے اور کچھ نہیں دیا جاتا۔ پہریدار نے کہا:

''یہ میں اپنے حصے سے آپ کے لیے لایا ہوں۔ آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اِسے پی لیجیے۔ آپ کے بدن کو طاقت ملے گی۔''

عنبر سمجھ گیا کہ پہریدار پر اُس کا بہت زیادہ اثر ہو گیا ہے۔ اُس نے سوچا کہ اِس اثر سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اُس نے دودھ لے کر پی لیا اور خالی برتن پہریدار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

''تمہیں معلوم ہے، میں کون ہوں؟''

پہریدار نے ادب سے جواب دیا:

''آپ ایک آسمانی انسان معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ پر موت اپنا اثر نہیں کر سکی۔''

عنبر نے جھوٹ موٹ رُعب کے ساتھ کہا:

''اے شاہِ بابل کے سپاہی' میری بات غور سے سن' میں ایک آسمانی دیوتا ہوں۔ تمہارا سالار چاہے کچھ کرلے۔ وہ مجھے ہلاک نہیں کرسکتا۔ میں ابھی تک خاموش ہوں۔ اگر میں غضب میں آگیا تو تم سب لوگ ہلاک کردیے جاؤ گے۔ لیکن میں نیکی کا دیوتا ہوں۔ میں تم لوگوں کو جان سے نہیں مارنا چاہتا۔ ہاں اگر تم میرا ایک کام کرو تو میں تمہیں ہمیشہ کی زندگی عطا کردوں گا۔''

پہریدار نے جھک کر سجدہ کیا اور بولا:

''اے آسمانی دیوتا' مجھے بتاؤ میں آپ کے لیے کیا کروں؟''

عنبر نے کہا:

''مجھے یہاں سے نکل جانے دو۔ مجھے آج رات آسمان پر پہنچ کر دیوتاؤں سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ اگر تم نے مجھے رہا کردیا تو

تم میری طرح کبھی نہ مر سکو گے۔''

پہریدار سوچ میں پڑ گیا۔ وہ عنبر کی آسمانی طاقت سے خوفزدہ بھی تھا۔ مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر اس نے عنبر کو رہا کر دیا تو سالار اس کی گردن اڑا دے گا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا:

''اے مقدس دیوتا' اگر میں نے تمہیں یہاں سے نکال دیا تو سالار مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔''

عنبر نے کہا:

''پھر تم بھی میرے ساتھ ہی یہاں سے فرار ہو جاؤ۔''

''نہیں نہیں میرے آقا' میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔۔۔ شاہ بابل کے سپاہی میرے بال بچوں کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال کر بھسم کر دیں گے۔''

عنبر سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ پہریدار کو مصیبت میں گرفتار کروانا

نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے کہا:

''اچھا، تم ایسا کرو کہ سالار کو بلاؤ۔ اُسے کہو کہ قیدی مَر رہا ہے۔''

سپاہی یہ سن کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سالار کو ساتھ لے کر آیا۔ سالار نے عنبر کو دیکھ کر پوچھا:

''کیا اب تمہیں ہوش آ گیا؟ تمہیں علم ہو گیا ہو گا کہ سالار کے انتقام سے دنیا کا کوئی انسان نہیں بچ سکتا۔''

اب عنبر نے اپنی ایک کرامت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے زمین پر پڑی ہوئی رسّی اٹھائی اور سالار کی طرف اچھال دیا۔ رسی اچھل کر سالار کے قدموں میں گری اور ایکدم بہت بڑے اژدہا کی شکل اختیار کر گئی۔ اس سے پہلے کہ سالار اپنا بچاؤ کر سکتا اژدہا نے سالار کے جسم کو بُری طرح لپیٹ لیا۔ سالار کا دم گھٹنے لگا۔ عنبر نے کہا:

''اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو سپاہی کو حکم دو کہ دروازہ کھول دے۔''

سالار کی جان سخت مصیبت میں مُبتلا تھی۔ اژدہا اُس کے جسم کے اردگرد بُری طرح بل ڈال رہا تھا اور اُس کا سانس گھٹنے لگا تھا۔ اُس نے لپک کے قید خانے کا دروازہ کھول دیا۔ عنبر جھٹ باہر نکل آیا۔

''سالار، تم نے دیکھ لیا ہو گا کہ میں بے گناہ تھا۔ بے گناہ کو سزا دینا سب سے بڑا گناہ ہے۔ اب میں جا رہا ہوں اور تمہاری ساری فوج بھی اگر چاہے تو مجھے دوبارا گرفتار نہیں کر سکتی۔ جو کوئی بھی میرے تعاقب میں آیا اُسے یہ سانپ ہلاک کر دے گا۔''

عنبر چلنے لگا تو سالار نے چیخ کر کہا:

''دیوتاؤں کے لیے مجھے اِس سانپ کی مصیبت سے نجات دلاتے جاؤ۔''

عنبر نے کہا کہ جب وہ شہر سے باہر نکل جائے گا تو سانپ اپنے

آپ دوبارہ رسی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اتنا کہہ کر عنبر وہاں سے فرار ہو گیا۔ قید خانے کے بڑے دروازے پر آ کر اُس نے ایک گھوڑا کھولا اور اُس پر سوار ہو کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ کافی دور چلا گیا تو سالار کے جسم کے گرد لپٹا ہوا بڑا سانپ اپنے آپ رسی میں بدل گیا۔ سانپ کے پھندے سے آزاد ہوتے ہی ضدّی سالار نے حکم دیا۔

''قیدی کو فوراً گرفتار کیا جائے۔ اس کا پیچھا کرو اور زنجیروں میں جکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔''

سپاہی بادل نخواستہ گھوڑوں پر سوار ہو کر عنبر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

بوڑھا شہد فروش اپنے مکان کی چھت پر سو رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ اتر کر نیچے آیا۔ اس نے پوچھا کہ باہر کون

ہے؟ عنبر نے کہا:

''میں ہوں بابا، اجنبی حکیم۔''

''تم کہاں غائب رہے؟'' بوڑھے شہد فروش نے دروازہ کھول دیا۔

عنبر نے بوڑھے کو ساری کہانی شروع سے آخر تک سنانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ وہ راستہ بھول کر ایک گاؤں میں پہنچ گیا تھا۔ وہاں سے وہ اب آ رہا ہے۔ بوڑھا شہد فروش بڑا حیران ہوا۔

''تم نے کمال کر دیا۔ میں کل رات بھر تمہاری راہ دیکھتا رہا مگر اب تمہیں میرا گھر کیسے مِلا؟''

''بس میں اندازے سے بھٹکتا ہوا ادھر آ نکلا اور مجھے تمہارا گھر مِل گیا۔

عنبر بے حد تھکا ہوا تھا۔ وہ خشک گھاس پر اونٹ کی کھال بچھا کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اِس گھر سے جلد از جلد نکل کر غار میں شہزادے ماروت سے ملاقات کرنی چاہیے تا کہ اُس کے فرار کا منصوبہ تیار کر کے اس پر عمل کیا جائے۔ یہی سوچتے سوچتے اُسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

صبح اٹھ کر اُس نے منہ ہاتھ دھویا۔ بوڑھا اپنی دکان پر آ کر بیٹھ گیا اور عنبر اُس کے آگے یہ بہانہ بنا کر وہاں سے روانہ ہو گیا کہ وہ پہاڑوں اور صحرا میں دواؤں کے لیے جڑی بوٹیاں تلاش کرنے جا رہا ہے۔ وہ سیدھا شہر سے نکل کر ٹیلے کے غار کی طرف آ گیا۔ غار کا منہ جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر جھاڑیوں کو ایک طرف کیا اور چپکے سے غار کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ غار کے اندر چلتا رہا اور اس مقام پر آ گیا جہاں راستے میں بڑا سا پتھر پڑا تھا۔ اس نے

لوہے کے ٹکڑے سے پتھر کو چار مرتبہ بجایا۔ پہلے روز کی طرح غار میں دور سے روشنی ہوئی اور حبشی غلام حانو مشعل ہاتھ میں لیے وہاں آ گیا۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو اُسے ساتھ لے کر غار کے بڑے کمرے میں آ گیا۔ شہزادہ زمین پر لیٹا تھا۔ اُس کا بخار بھی غائب تھا اور پہلے سے بہتر حالت میں تھا۔

عنبر نے جھک کر زخم پر سے پٹی اتاری۔ زخم کو گرم پانی سے دھویا۔ اُس میں تازہ دوائی بھری اور پٹی کر دی۔ جتنی دیر وہ پٹی کرتا رہا۔ حبشی غلام اُس کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ جب وہ پٹی کر چکا تو ایکدم حبشی غلام نے پوچھا:

''سچ سچ بتاؤ اے نوجوان کہ تم کون ہو اور تمہیں کس نے یہاں بھیجا ہے؟ اگر تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو یہاں تمہاری لاش دفن کر دی جائے گی اور قیامت تک کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔''

عنبر حبشی غلام کی وفاداری اور احساس ذمے داری سے بڑا خوش ہوا۔ اُس نے مُسکرا کر حانو کی طرف دیکھا اور کہا:

''میں خوش ہوں کہ تم شہزادے کے اتنے وفادار ہو اور تمہیں اس کی سلامتی کا اس قدر خیال ہے کہ تم اُس شخص پر بھی شک کرنے لگے ہو جو کہ اس کی تیمارداری کر رہا ہے۔''

''یہ میرا فرض ہے اور میں اِسے مرتے دم تک نبھاؤں گا۔''

عنبر نے کہا:

''ملکہ نینوا کا بھی یہی خیال تھا۔''

''ملکہ......؟''

عنبر کے اس جملے پر شہزادے نے چونک کر عنبر سے پوچھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے عنبر نے کہا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اُسے غور سے سنو۔ اِس کے بعد عنبر نے ملک افریقہ سے اپنے فرار کے بعد سے لے کر شہر

بابل میں داخل ہو کر حویلی میں رات گزارنے اور ملکہ کے بین سن کر اُس سے ملاقات کرنے تک سارے واقعات حبشی غلام اور شہزادے کو سنا دیے۔ یہ سن کر شہزادے کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا کہ اس کی ملکہ والدہ زندہ ہے اور اس کی یاد میں سوگوار ہے۔

''دیوتا کے لیے مجھے میری والدہ کے پاس لے چلو۔'' شہزادے نے بے تاب ہو کر کہا۔

''شہزادے سلامت' میں اسی مقصد کے لیے یہاں آیا ہوں کہ آپ کو نہ صرف اپنی والدہ سے ملوا دوں بلکہ آپ کا کھویا ہوا تخت حاصل کرنے میں بھی آپ کی مدد کروں۔ مگر اِس کے لیے ہمیں بہر سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔''

حبشی غلام کو بھی عنبر پر اب اعتبار آ گیا تھا۔ اُس نے کہا:

''کیا ملکہ عالیہ مجھے بھی یاد کرتی تھیں؟''

''ملکہ عالیہ کو تم پر بہت بھروسہ ہے۔ انہیں یقین ہے کہ تم بڑی وفاداری اور جانفشانی سے شہزادے کی حفاظت کر رہے ہو گے۔''

حبشی غلام بہت خوش ہوا اور بولا:

''جب تک شہزادے کا زخم ٹھیک نہیں ہو جاتا۔ ہم اِس غار سے باہر نہیں نکل سکتے۔ شہزادے کو زخمی حالت میں یہاں سے نکالنا بہت خطرناک ہوگا۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں شہزادے کے تندرست ہونے کا انتظار کرنا ہوگا''

''تمہارے خیال میں شہزادے کا زخم کتنے دِنوں تک اچھا ہو جائے گا؟''

''ابھی دو ہفتے اور لگیں گے زخم کے بھرنے میں۔''

شہزادے نے پریشان ہو کر کہا:

''میں اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ اُڑ کر اپنی والدہ کے پاس پہنچ جانا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے شہزادہ سلامت، ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ اس غار سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ مگر آپ کا زخمی حالت میں سفر کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بخت نصر کے سپاہی آپ کی اور میری تلاش میں چاروں طرف پھر رہے ہیں۔ ہمیں دو ہفتے تک یہیں رہنا ہوگا۔''

عنبر شہزادے کو دوا پلا کر واپس شہر آ گیا۔

دوسرے روز بھی وہ غار میں شہزادے کی پٹی بدلنے گیا۔ شہزادہ سو رہا تھا۔ اُس کی حالت پہلے سے بہتر تھی۔ حبشی غلام پتھر کی سل پر ایک دوائی رگڑ رہا تھا۔ وہ عنبر سے باتیں کرنے لگا۔

''بخت نصر نے بڑا ظلم کیا۔ شاہی خاندان کو قتل کر دیا گیا۔ اگر میں

شہزادے کو بچا کر نہ لاتا تو شہزادہ بھی زخم کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو گیا ہوتا۔''

عنبر نے حبشی غلام سے پوچھا کہ ملکہ کے وفادار سپہ سالار زرکسیر کا ملک یمن میں کیسے پتا چل سکتا ہے؟

غلام نے کہا کہ یمن میں اس کا ایک چچا رہتا ہے۔ وہ شہزادے کو لے کر اس کے پاس جا کر پناہ حاصل کر لیں گے۔ ملک یمن غیر جانب دار ہے اور بخت نصر نے بھی اس پر حملہ نہیں کیا۔

''اگر اس نے یمن پر حملہ کر دیا تو ہم یمن کی فوجوں کے ساتھ مل کر بخت نصر کا مقابلہ کریں گے۔''

غلام نے مسکرا کر کہا:

''ہم دونوں اکیلے سپہ سالار زرکسیر کی تھوڑی سی فوج کے ساتھ شاہ بابل کی اتنی بڑی فوج کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں؟''

غلام کو عنبر کی پوشیدہ طاقتوں کا علم نہیں تھا۔ عنبر نے بھی اُسے وقت سے پہلے کچھ بتانا مناسب خیال نہ کیا۔ اس نے صرف یہی کہا کہ یمن میں چل کر اُس کے چچا کے ہاں ٹھہریں گے اور پھر جیسے حالات ہوں گے۔ ویسے کریں گے۔

غلام نے کہا:

''سب سے مشکل کام ملکہ کو بابل شہر سے اغوا کر کے یمن میں لانا ہے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ تم بخت نصر کی فوجوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کہ ملکہ کو وہاں سے بھگا سکو گے؟''

''میں کوشش کروں گا اور اگر ربِ عظیم کی مدد شامل حال رہی تو ملکہ کو قید سے نکالنے اور شہزادے سے ملانے میں ضرور کامیاب ہوں گا۔''

حبشی غلام کو عنبر پر شک تھا کہ شاید اکیلا وہ ایسا نہ کر سکے۔ اُس نے

کہا کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار ہے۔

عنبر نے کہا:

''یہ وقت آنے پر فیصلہ کریں گے۔''

اتنے میں شہزادے کو ہوش آ گیا۔ وہ عنبر کو دیکھ کر مسکرایا۔ وہ بڑی تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا۔ عنبر نے پٹی کھول کر زخم دیکھا۔ زخم کافی بھر چکا تھا۔ اس نے دوائی لگا کر نئی پٹی باندھی۔ اُسے دوائی پلائی اور شہر آ گیا۔ اُس نے بوڑھے شہد فروش کو بتایا کہ شہزادہ روبہ صحت ہے۔ اُس نے شہزادے کو وہاں سے فرار کر کے لے جانے کے بارے میں بوڑھے کو کچھ نہ بتایا۔ اُس نے حبشی غلام اور شہزادے کو بھی منع کر دیا تھا کہ اس سلسلے میں پوری راز داری سے کام لیا جائے اور بوڑھے شہد فروش کو کسی قسم کی کوئی بات نہ بتائی جائے۔ عنبر ہر روز چوری چھپے غار میں جا کر شہزادے کا علاج کرتا رہا۔ پندرہ روز گزر

گئے۔ اِس اثنا میں شہزادے کا زخم بالکل اچھا ہو گیا اور وہ غار میں چلنے پھرنے لگا۔ اب وہ اس منصوبے پر غور کرنے لگے کہ وہاں سے فرار کِس طرح ہوا جائے؟

کافی سوچ بچار کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ کِسی رات کو سوداگروں کے لباس میں غار سے نکل کے ملک یمن کا رُخ کیا جائے۔ حبشی غلام کا خیال تھا کہ شہزادے کو کہیں سپاہی پہچان نہ لیں، اِس لیے اُسے کپڑوں کے گٹھڑے میں لپیٹ کر گھوڑے پر ڈال دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ عنبر کو بھی یہ خیال پسند آیا۔ اس نے کہا کہ وہ کل شہر جا کر کچھ کپڑے خرید لائے گا جنہیں پہن کر وہ وہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ عنبر واپس گھر آ گیا۔ فرار کے بارے میں اس نے بوڑھے شہد فروش کو کچھ نہ بتایا۔ دن بھر وہ شہر کی بچی کھچی مختلف دکانوں پر پھر کر کپڑا اور دوسرا سامان وغیرہ خریدتا رہا۔ اس نے دو خچر بھی خریدے جن پر

سامان لادا جاتا تھا۔

یہ سارا سامان خچروں پر رکھ کر وہ شام کے وقت غار میں آ گیا۔ آج رات کے پچھلے پہر وہ وہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ کیوں کہ سوداگر اُن دِنوں عام طور پر منہ اندھیرے سفر کیا کرتے تھے۔ ساری رات وہ تیاریاں کرتے رہے۔ حبشی غلام اور عنبر نے سوداگروں کا بھیس بدل لیا۔ شہزادے کے لیے انہوں نے ریشمی کپڑے کے تھان الگ رکھ دیے۔ ان ریشمی تھانوں میں شہزادے کو لپیٹ کر خچر پر رکھ دینا تھا۔ رات انہوں نے جاگ کر گزاری' منہ اندھیرے انہوں نے ریشمی تھان کھول کر شہزادے کو اس میں اِس طرح لپیٹا کہ اُسے سانس با قاعدہ آتا رہے اور اس کا دم نہ گھٹنے پائے۔ پھر انہوں نے بڑی احتیاط سے شہزادے کو اٹھا کر خچر پر لادا اور چپکے سے غار سے باہر نکل آئے۔ باہر آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے اور مشرق میں نیلی

جھلکیاں نمودار ہونے لگی تھیں۔

یمن کا سفر

نینوا کا ویران شہر پچھلے پہر کے دھند لکے میں سو رہا تھا۔

کچھ گھروں میں دور چراغوں کی روشنی ٹمٹما رہی تھی۔ حبشی غلام حانو اور عنبر ریشمی تھان میں لپٹے ہوئے شہزادے ماروت کو خچر پر لادے شہر سے باہر ہی باہر آگے بڑھ رہے تھے۔ جتنی جلدی ہو سکے وہ نینوا شہر سے دور ہو جانا چاہتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اس ملک کی سرحد عبور کر جائیں جس کی زمین شاہی خون کی پیاسی ہو رہی تھی اور جہاں قدم قدم پر شاہ بابل کے سپاہی شہزادے ماروت کی تلاش میں چوکنے ہو کر کھڑے تھے۔ حانو اور عنبر خاموشی سے سفر کر رہے تھے۔۔ اُس وقت دونوں ایک ہی خیال سے پریشان تھے کہ کہیں راستے میں کوئی سپاہی نہ مل جائے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا خطرہ انہیں ملک کی سرحد عبور کرتے وقت تھا۔ کیونکہ سرحدوں پر بخت

نصر کے سپاہی چوکیاں بنا کے بیٹھے ہر آنے جانے کی پڑتال کر رہے تھے۔

اس طرح خاموشی سے سفر کرتے ہوئے وہ شہر کی ٹوٹی ہوئی فصیل سے کافی دور نکل آئے۔ انہیں راستے میں ایک بھی گشت کرتا ہوا سپاہی نہ ملا۔ ایک جگہ پہنچ کر انہوں نے ریشمی تھان کا منہ کھول کر شہزادے کو تازہ ہوا دی اور تالاب کا ٹھنڈا پانی پلایا۔ شہزادے نے پوچھا:

''ابھی سرحد کتنی دور ہے جانو؟''

''شہزادہ سلامت' ہم تھوڑی دیر میں پہنچنے ہی والے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ جب تک آپ کا غلام زندہ ہے آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

عنبر حبشی غلام کی وفا شعاری اور جانثاری پر خوش بھی تھا اور افسوس بھی کر رہا تھا، کیونکہ سپاہیوں سے مقابلے کی صورت میں حبشی غلام

سوائے اِس کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کہ تلوار نکال کر لڑائی کرے اور دو ایک سپاہیوں کو زخمی کر کے خود بھی ہلاک ہو جائے اور یوں شہزادے کو دشمنوں کے حوالے کر دے۔ اِس کے برعکس عنبر سوچ رہا تھا کہ وہ سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہونے کی صورت میں کون سی ایسی چال چلے گا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے۔ بہر حال وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

آسمان پر اب ستاروں کی چمک ماند پڑنے لگی تھی اور مشرق کی طرف سورج کی روشنی نے اُبھرنا شروع کر دیا تھا۔ ملک نینوا کی آخری سرحد قریب آ رہی تھی۔ جُوں جُوں وہ سرحد کے قریب پہنچ رہے تھے۔ انہیں کئی قسم کے اندیشے گھیرنے لگے تھے۔ عنبر گہری سوچ میں تھا۔ حانو خچر کے پیچھے چل رہا تھا۔

عنبر نے کہا:

''سرحد پر تمہیں غلام بن جانا ہوگا۔ سپاہی لاکھ تم سے بات کریں تم صرف غوں غاں ہی کرتے رہنا۔ خبردار، کسی حالت میں بھی کوئی لفظ زبان سے مت نکالنا۔''

''ایسا ہی ہوگا۔''

آخر وہ سرحد پر پہنچ گئے۔ انہوں نے پہلے تو بڑی کوشش کی کہ دو چوکیوں کے درمیانی فاصلے پر سے سرحد عبور کر جائیں۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ سپاہیوں کے دستے برابر گشت کر رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ انہیں مجبور ہو کر ایک چوکی پر پڑتال کے لیے رکنا پڑا۔ پہریداروں کے پوچھنے پر کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ عنبر نے بتایا کہ وہ بابل کا تاجر ہے اور نینوا میں اپنا مال فروخت کرنے آیا تھا اور اب واپس بابل شہر کو جا رہا ہے۔ ایک سپاہی نے حبشی غلام سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو غلام نے ہاتھ کے اشاروں سے غوں غاں

کر کے ظاہر کرنے لگا کہ وہ گونگا ہے۔

عنبر نے انہیں بتایا کہ وہ اس کا غلام ہے اور گونگا ہے۔ وہ بات نہیں کر سکتا۔

سپاہی حبشی غلام کی حرکتیں دیکھ کر قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ بلکہ انہوں نے اسے تنگ کرنا اور اس کے سر پر دھپ لگانے شروع کر دیے۔ موقع کی نزاکت کے آگے حبشی غلام سپاہیوں کی مار سہتا رہا اور کچھ نہ بولا' بلکہ الٹا بیوقوفوں کی طرح ہنستا رہا۔ عنبر دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ وہ سپاہیوں کی چوکی سے جلد از جلد گزر جائے۔ اُسے یہ بھی دھڑکا لگا تھا کہ اگر کسی سپاہی نے اس کا ریشمی تھان کھلوا کر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ کیا کرے گا۔

آخر وہی ہوا جس کا اُسے ڈر تھا۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر خچر پر لدے ہوئے ریشم کے تھان کو

ہاتھ لگا کر دیکھا اور بولا:

''یہ تمہارا ہے یا اِسے شہر سے لوٹ کر لائے ہو؟''

عنبر نے کہا وہ تھان اس کا ہے۔ وہ بہت سے ریشمی تھان لے کر شہر بابل سے آیا تھا۔ اُس نے سارے تھان فروخت کر دیے ہیں اور یہ بچا ہوا تھان واپس لیے جا رہا ہے۔ مگر سپاہی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کہا:

''تم جھوٹ بکتے ہو۔ تم یہ ریشمی کپڑے کا تھان نینوا شہر سے لوٹ کر آ رہے ہو۔ اِسے یہیں رہنے دو، یہ تھان میں لوں گا۔ اِسے اُتار کر زمین پر رکھ دو اور چلے جاؤ۔''

عنبر کے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حبشی غلام بھی بے حد پریشان ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس احمق اور وحشی سپاہی کو کیسے سمجھائیں اور تھان لینے سے باز رکھیں۔ عنبر نے کہا:

''دیکھئے میں ایک غریب سوداگر ہوں اور منڈی کے آڑھتیوں سے قرض پر مال لے کر بیچتا ہوں۔ یہ مال میرا نہیں ہے بلکہ ایک آڑھتی کی امانت ہے جو مجھے بابل پہنچ کر اُسے واپس کرنی ہے۔ آپ کی مہربانی ہوگی، یہ تھان مجھ سے نہ لیں۔ اِس کے بدلے میں آپ سونے کے سکے لے لیں۔''

سپاہی نے قہقہہ مار کر کہا:

''سونے کے سکے بھی لوں گا اور ریشمی کپڑے کا تھان بھی لوں گا۔''

سپاہی کی اس ضد پر عنبر اور حانو گھبرا گئے۔ ابھی وہ کچھ سوچنے نہ پائے تھے کہ سپاہی نے آگے بڑھ کر تھان اُتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اب عنبر صبر نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ یہ شہزادے کی زندگی موت کا سوال تھا۔ اس نے فوراً مقدس درویش ناطول کی روح کو یاد کیا اور خنجر

پر لدے ہوئے ریشمی تھان پر پھونک ماری۔ سپاہی چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُسے ریشمی کپڑے کا تھان ایک شیر کی شکل میں نظر آیا۔ جو خچر پر بیٹھا اُس کی طرف دیکھ کر غُرّا رہا تھا۔

''شیر! شیر! شیر!۔''

سپاہی چیختا ہوا چوکی کی طرف ایسا بھاگا کہ اُس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ باقی سپاہی اس کی حماقت پر ہنسنے لگے۔

''پاگل ہو گیا ہے۔ اِسے خچر شیر نظر آرہا ہے۔''

مگر سوائے عنبر کے اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ سپاہی سچا تھا۔ اُسے واقعی شیر نظر آرہا تھا۔ سپاہیوں نے عنبر اور حبشی غلام سے کہا کہ وہ چلے جائیں۔ عنبر نے ربِ عظیم کا شکر ادا کیا اور حانو کے ساتھ خچر کو ہنکاتا ہوا سرحد پار کر گیا۔ سرحد کے دوسری طرف جاتے ہی اُن کی جان میں جان آئی اب انہوں نے بڑی تیزی سے سفر شروع کر دیا۔ وہ جتنی

جلدی ممکن ہو سکے نینوا کی سرحد سے دور ہو جانا چاہتے تھے۔ کافی دور سفر کرنے کے بعد جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب کوئی سپاہی ان کا پیچھا نہیں کر سکتا تو وہ ایک جگہ مہندی کی جھاڑیوں کے سائے میں رُک گئے۔ حبشی غلام نے کہا:

''ہم خطرے سے نکل آئے ہیں۔ شہزادے کو کپڑے کے تھان سے باہر نکال لینا چاہیے۔''

''ہاں' میرے خیال میں خطرہ ٹل گیا ہے۔''

انہوں نے تھان کھولا اور شہزادے کو باہر نکال لیا۔ بیچارہ کم سن شہزادہ گھنٹہ بھر کپڑے کے تھان میں لپٹے رہنے کے بعد ادھ موا ہو رہا تھا۔ وہ ریت پر چھاؤں میں لیٹ گیا اور تازہ ہوا میں لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ جب اس کی طبیعت سنبھلی تو اس نے پوچھا:

''شیر شیر کی آوازیں سپاہی نے کیوں نکالی تھیں؟ کیا وہاں کوئی شیر آ گیا تھا؟''

حبشی غلام نے مُسکرا کر کہا:

''یہ ہماری خوش نصیبی تھی شہزادہ سلامت کہ عین وقت پر سپاہی کا دماغ اُلٹ گیا اور وہ شیر آیا' شیر آیا کی آوازیں لگا تا ڈر کر بھاگ گیا؛ وگرنہ وہ ریشمی تھان کھول دیتا اور ہم سب گرفتار کر لیے جاتے اور پھر جو حشر دشمن ہمارا کرتا وہ صاف ظاہر ہے۔''

عنبر نے کہا:

''واقعی سپاہی کا دماغ الٹ گیا تھا؛ وگرنہ وہاں بھلا شیر کہاں آ سکتا تھا۔''

عنبر نے ان کو ہرگز نہ بتایا کہ یہ سب اس کے بزرگ اناطول کی روح کا کرشمہ تھا جس نے مشکل کے وقت اُن کی پوری پوری مدد کی

تھی۔ وہ اس راز کو راز ہی رکھنا چاہتا تھا۔ حبشی غلام نے کھانے کے لیے جو کی میٹھی روٹی اور انجیر کا مربّہ نکالا جو انہوں نے بڑے شوق سے کھایا اور چشمے کا ٹھنڈا پانی پی کر غور کرنے لگے کہ اب کس طرف کا رخ کیا جائے کہ وہ بڑی تیزی سے ملک یمن پہنچ جائیں۔ حبشی نے کہا:

''ہمیں دریائے فرات کے اوپر کی طرف سفر کرتے ہوئے ملک سمیریا کی جنوبی سرحدوں سے گزر کر آگے بڑھنا ہوگا۔ یہ سب سے آسان راستہ ہے۔ اس راستے سے میں واقف ہوں۔ میں کئی بار اس راستے سے یمن گیا ہوں۔''

عنبر نے پوچھا:

''اگر ہم ساری رات اور دن کا کچھ حصہ سفر کرتے رہیں تو کب تک یمن پہنچ جائیں گے؟''

''میرا خیال ہے چھ روز میں پہنچ جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے، ہمیں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اپنا سفر شروع کر دینا چاہیے۔''

حبشی غلام نے کہا:

''میرا خیال ہے ہمیں دشمن کے ملک کی سرحدوں کے قریب آرام نہیں کرنا چاہیے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہم تیزی کے ساتھ دشمن کی سرحدوں سے دور نکل جائیں۔ اس لیے ہمیں ابھی اٹھ کر سفر شروع کر دینا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے شہزادہ سلامت' آپ خچر پر بیٹھ جائیں۔''

''کاش، ہمیں کہیں سے گھوڑے مل جاتے۔''

''یہاں سے بارہ کوس کے فاصلے پر ایک آزاد بستی ہے وہاں سے ہم گھوڑے خرید سکتے ہیں۔''

شہزادے کو خچر پر سوار کرا کر انہوں نے دریائے فرات سے اوپر

کی طرف سفر شروع کر دیا۔ دریا دس کوس سفر کرنے کے بعد ان سے
بچھڑ گیا اور اب وہ اس آزاد بستی کے قریب پہنچ گئے جہاں سے انہوں
نے گھوڑے خریدنے تھے۔ یہ بستی خانہ بدوش قسم کے لوگوں کی تھی
جنہوں نے کسی خاص وجہ سے وہاں کئی سالوں سے ڈیرے جمار کھے
تھے۔ ان خانہ بدوش میں زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو جرائم پیشہ
تھے۔ اکثر ڈاکے مارتے تھے اور مسافروں کا سامان اور گھوڑے لوٹ
کر لے آتے تھے اور پھر اُنہیں بیچ کر گزارہ کرتے تھے۔

حبشی غلام حانو ان لوگوں کی بُری عادتوں سے اچھی طرح واقف
تھا۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو سونے کے عوض شاہ بابل کی
مخبری کرتے تھے۔ حبشی غلام نے خاص طور پر ایسے مخبروں سے خبر دار
رہنے کی ہدایت کی۔ وہ بستی میں داخل ہو کر ایک کاروان سرائے میں
آ گئے۔ انہوں نے سرائے کے مالک کو سونے کے کچھ سکے دیے جس

کے عوض انہوں نے کھانا کھایا اور ریشمی تھان فروخت کر دیا۔ پھر انہوں نے مالک سے کہا کہ وہ تین عمدہ نسل کے گھوڑے خریدنا چاہتے ہیں۔ اُس نے کہا:

''میں آپ کو گھوڑوں کے سوداگر کے مکان میں لے جاتا ہوں اس سے آپ اپنی پسند کے گھوڑے خرید سکتے ہیں۔''

عنبر نے کہا:

''وہ مکان کتنی دور واقع ہے؟''

''ساتھ والے بازار میں ہی ہے۔''

سرائے کا مالک ان تینوں کو ساتھ لے کر گھوڑوں کے سوداگر کی چھوٹی سی کچی حویلی میں آ گیا۔ سوداگر گھنگھریالے سیاہ بالوں والا ایک ڈاکو قسم کا آدمی تھا جس کے دائیں گال پر تلوار کے لمبے اور گہرے زخم کا نشان تھا۔ سرائے کے مالک نے کہا کہ یہ مسافر کپڑے کے

سوداگر ہیں اور تین گھوڑے خریدنا چاہتے ہیں۔ سوداگر نے عنبر، حانو اور شہزادے کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور کہا:

''تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو؟''

عنبر نے کہا:

''ہم ملک افریقہ کے رہنے والے ہیں۔ تجارت کرنے ملک نینوا گئے تھے۔ وہاں مال بیچ کر واپس آ رہے تھے کہ سرحد پر ڈاکوؤں نے ان کے گھوڑے چھین لیے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے گھوڑے خرید کر اپنے وطن واپس چلے جائیں۔''

''سوداگر نے بڑی مکار ہنسی کے ساتھ کہا:

''مگر جس راستے پر تم سفر کر رہے ہو وہ تو افریقہ کی بجائے ملک یمن کو جاتا ہے۔''

عنبر نے جھٹ کہا:

''ہم چاہتے ہیں کہ یمن سے کچھ موتی اور گرم مصالحہ خرید کر اپنے دیس ساتھ لے جائیں۔''

''بہت خوب، یہ لڑکا کون ہے؟'' سوداگر نے شہزادے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''یہ۔۔۔ یہ میرا بیٹا ہے۔'' عنبر نے جھٹ کہا۔

''مگر اس کی سیاہ آنکھیں اور سفید رنگت صاف بتا رہی ہے کہ یہ کسی امیر کا بیٹا ہے بلکہ کسی ملک کے بادشاہ کا بیٹا ہے۔''

عنبر اور حانو گھبرا گئے۔ کم بخت سوداگر نے صحیح اندازہ لگایا تھا۔ حبشی غلام کو اچانک خیال آیا کہ یہ شخص کہیں شاہ بابل بخت نصر کا مخبر ہی نہ ہو۔ اس نے فوراً کہا:

''یہ اپنے باپ کے ساتھ کافی عرصہ پہاڑی مقام پر رہا ہے اس وجہ سے رنگت گوری ہو گئی ہے۔''

عنبر نے جھٹ ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا:

''جی ہاں، ورنہ ہم غریبوں کا رنگ سفید کیسے ہو سکتا ہے اور پھر میرے بیٹے کی قسمت میں کسی بادشاہ کا بیٹا ہونا کہاں۔''

سوداگر ہنس کر بولا:

''ارے آپ لوگ تو میرے باتوں کو سچ سمجھ بیٹھے۔ میں تو آپ لوگوں سے مذاق کر رہا تھا۔ بھلا کیا مجھے معلوم نہیں کہ کسی ملک کے بادشاہ کا بیٹا اِس طرح خچر پر سفر نہیں کر سکتا۔''

عنبر نے بھی ہنس کر کہا:

''یہی تو میں بھی حیران تھا کہ آپ جیسا عقل مند سیانا آدمی اس قسم کی باتیں کیونکر سوچ سکتا ہے؟ اچھا اب یہ بتائیے کہ آپ ہمیں گھوڑے کس وقت دیں گے۔ اس لیے کہ ہم جلد سفر پر روانہ ہو جانا چاہتے ہیں۔ نینوا میں ہمارا پہلے ہی کافی نقصان ہو چکا ہے۔''

سوداگر نے کہا:

''آپ کل صبح یہاں تشریف لائیں۔ گھوڑے آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ یہیں قیمت بھی طے ہو جائے گی۔''

ساری باتیں طے کر کے کل کا وعدہ لے کر عنبر، جانو اور شہزادہ ماروت واپس کارواں سرائے میں آ گئے۔ وہ اس بستی میں رات بسر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر انہیں مجبوراً وہاں رات بسر کرنی پڑ گئی تھی۔

جانو نے کہا:

''مجھے یہ گھوڑوں کا سوداگر بڑا خطرناک آدمی لگتا ہے۔ مجھے اس کی باتوں سے مخبری کی بو آتی ہے۔ کس مکاری سے اس نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ تو کسی بادشاہ کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔''

عنبر نے حبشی غلام کی تائید کرتے ہوئے کہا:

''تمہارا شک بے جا نہیں۔ ہمیں اس سے ہوشیار رہنا ہوگا۔''

شہزادے نے کہا:

"اگر ایسی بات ہے تو ہمیں گھوڑوں کا خیال ترک کر کے ابھی اس بستی سے نکل جانا چاہیے۔"

نہیں شہزادہ سلامت' گھوڑوں کے بغیر ہم یمن تک کا سفر آسانی سے طے نہ کر سکیں گے۔ ہم صبح اس آدمی سے گھوڑے خریدتے ہی یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔"

انہی خطروں کا اظہار کرتے وہ سو گئے۔ صبح صبح اٹھ کر وہ سوداگر کی حویلی میں گئے۔ اس نے وعدے کے مطابق تین عربی نسل کے عمدہ گھوڑے تیار کر رکھے تھے۔ قیمت ادا کرنے کے بعد جب وہ گھوڑوں پر سوار ہونے لگے تو سوداگر نے بڑی مکار ہنسی کے ساتھ کہا:

"یمن کا راستہ خطروں سے بھرا پڑا ہے۔ احتیاط سے سفر کرنا دوستو۔"

عنبر نے کہا:

''آپ کا شکریہ۔''

اِس کے بعد وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور آہستہ آہستہ بستی سے باہر آ گئے۔ باہر آتے ہی انہوں نے ایک طرف کو گھوڑے سرپٹ دوڑانے شروع دیے۔ دھوپ بڑی تیز تھی اور گرمی میں ریت انگاروں کی طرح تپ رہی تھی۔ دوپہر تک سفر کرنے کے بعد وہ تھک گئے اور ایک جگہ درختوں کے سائے دیکھ کر آرام کرنے کے لیے رک گئے۔ یہاں درختوں کے سائے میں ایک ٹیلہ تھا' جس کے پہلو میں ایک غار بنا ہوا تھا۔ تینوں اس غار کے اندر چلے گئے اور انہوں نے غار کا منہ جھاڑیوں سے بند کر دیا انہیں شام تک سونا تھا اور خطرہ تھا کہ کہیں سوداگر نے مخبری نہ کر دی ہو اور سپاہی ان کی تلاش میں نہ آ رہے ہوں۔

ابھی وہ سونے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ انہیں دور سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایکدم چونکنے ہو گئے۔ عنبر اور حانو نے غار سے باہر نکل کر ٹیلے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر دیکھا تو انہیں ذرا دور کچھ سپاہی آتے نظر آئے۔ ان کا فولادی خود اور زرہ بکتر دھوپ میں چمک رہا تھا۔ وہ جلدی سے واپس غار میں چھپ گئے اور اس کا منہ جھاڑیوں سے بند کر دیا۔ خطرہ ان کے سر پر منڈلانے لگا تھا۔ سپاہی وہاں آ کر رک گئے۔ انہوں نے چشمے پر سے گھوڑوں کو پانی پلایا اور باتیں کرنے لگے۔ عنبر اور حانو نے گھوڑوں کے سوداگر کی آواز صاف پہچان لی۔ وہ انہیں کہہ رہا تھا:

''ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ وہ آج ہی صبح مجھ سے گھوڑے خرید کر سفر پر روانہ ہوئے ہیں اور زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔''

ایک سپاہی نے کہا:

"فکر نہ کرو، ہم انہیں بابل و نینوا کے ریت کے ٹیلوں کے اندر سے بھی نکال کر لے آئیں گے۔"

اتنا کہہ کر وہ گھوڑے دوڑاتے آگے نکل گئے تو گویا حبشی حانو کا اندازہ درست تھا۔ سوداگر شاہ بابل کی فوج کا جاسوس تھا اور اس نے شہزادے کے فرار کی اطلاع کر دی تھی۔ عنبر نے رب عظیم کا شکر ادا کیا کہ وہ غار کے اندر چھپے ہونے کی وجہ سے بچ گئے۔ انہوں نے رات اُسی غار میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاکہ سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہونے کا بالکل ہی اندیشہ نہ رہے۔ دوسرے روز وہ غار سے گھوڑوں سمیت باہر نکلے اور منہ اندھیرے ہی گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑی تیز رفتاری کے ساتھ یمن کی طرف چل پڑے۔

اجنبی نقاب پوش

نینوا کی سرحدوں سے یمن کی سرحد چھ روز کے سفر پر تھی۔

وہ دن کا کچھ حصہ آرام کرتے جب کہ صحرا میں دھوپ بہت تیز ہوتی اور اس کے بعد شام پڑتے ہی دوبارہ سفر پر روانہ ہو جاتے۔ وہ خطروں کی دنیا سے دور نکل گئے تھے اور اب نئے اندیشوں نے انہیں گھیر رکھا تھا۔ عنبر کو خاص طور پر حانو حبشی کے چچا کے بارے میں فکر تھی جس کے ہاں وہ یمن میں پناہ لینے جا رہے تھے۔ خدا جانے وہ کون شخص ہو۔ کہیں وہ بھی دولت کی لالچ میں آ کر شہزادے کی جاسوسی نہ کر دے۔ اگر ایسا ہو گیا اور وہ لوگ یمن میں گرفتار کر لیے گئے تو وہ شہزادے کی والدہ کو کیا منہ دکھائے گا۔ اس قسم کے وسوسے تھے جنہوں نے عنبر کو گھیر رکھا تھا۔ پانچویں روز وہ یمن کی سرحد سے ایک دن کے سفر کے فاصلے پر صحرا میں چلے جا رہے تھے کہ اچانک بڑے

زور کی آندھی چلنا شروع ہوگئی۔ وہ گھوڑوں کو لے کر ایک ٹیلے کی اوٹ میں آکر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے منہ سر کپڑے سے ڈھانپ لیے۔ آندھی بڑی شدید تھی اور دوپہر تک چلتی رہی۔

آندھی کا زور تھما تو انہوں نے دیکھا کہ صحرا کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ جہاں پہلے ریت کے ٹیلے تھے وہاں اب گہرے گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ یہ ایک عجیب وغریب حادثہ تھا۔ اس سے پہلے صحرا میں انہوں نے آندھی میں گڑھے پڑتے نہیں دیکھے تھے۔ وہ ایک گڑنے کے پاس آکر غور سے دیکھنے لگے۔ یہ کافی گہرا گڑھا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس کی اندر راستہ جا رہا ہے، عنبر نے گڑھے کے اندر اتر کر معلومات حاصل کرنے کا خیال ظاہر کیا تو حانو نے کہا:

''ہمیں اندر نہیں جانا چاہیے۔ کہیں کسی نئی مصیبت میں گرفتار نہ ہوجائیں۔''

شہزادے نے بھی اس قسم کے خیال کا اظہار کیا اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے چلنے ہی والے تھے کہ اچانک گڑھے میں سے آگ کے شعلے نمودار ہونے شروع ہو گئے۔ وہ تعجب سے ان شعلوں کو دیکھنے لگے۔ حانو نے کہا:

''یہ آگ کہاں سے آ گئی؟''

وہ ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ آگ تھمنا شروع ہو گئی۔ شعلے مدھم پڑنے لگے اور پھر آگ ٹھنڈی پڑ کر غائب ہو گئی اور اُس کی جگہ نیلے رنگ کا دھواں نکلنے لگا۔ یہ دھواں پہلے تو بادلوں کی طرح اُبھرتا رہا اور پھر اس نے ایک اونچے ستون کی شکل اختیار کر لی جو آسمان کی وسعتوں میں جا کر غائب ہو گیا تھا۔ وہ تینوں اس منظر کو حیرانی سے دیکھتے رہے۔ عنبر کا خیال تھا کہ شاید اس زمین کے اندر آتش فشاں پہاڑوں کا مادہ چھپا ہوا ہے جو باہر نکل رہا ہے۔ حانو نے کہا:

''میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔''

شہزادے نے کہا:

''ہاں عنبر' ہمیں آگے نکل جانا چاہیے۔''

وہ ابھی یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ آسمان پر ایک روشنی سی چمکی اور خوفناک چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شہزادہ ڈر کر جانو سے لپٹ گیا۔ حبشی غلام کے چہرے پر خوف کی زردی سی چھا گئی۔ ابھی وہ عنبر سے پوچھنے ہی والا تھا کہ سب کچھ کیا ہے کہ ایک خوفناک قہقہہ بلند ہوا اور گرد وغبار کے بادل نے اُٹھ کر انہیں چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ گھوڑے ڈر کر شور مچانے لگے۔ عنبر نے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا۔ جانو نے کہا:

''ہمیں یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے۔''

وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگنے لگے تو گھوڑے جیسے گرد و غبار کی دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑے۔ اب ایک مکروہ اور ڈراؤنی شکل ان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ کسی بھوت کی شکل تھی جس کے سر پر لمبے لمبے نوکیلے سینگ تھے۔ سرخ آنکھیں بڑے پیالوں جتنی تھیں اور سر کے بال پاؤں کو چھو رہے تھے۔ شہزادے کی چیخ نکل گئی۔ جانو کو پسینہ آ گیا۔ صرف عنبر خاموش اور پر سکون تھا۔ اس جن نے کڑکتی ہوئی آواز میں کہا:

''تم میرے گھر میں کیوں آئے ہو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

عنبر نے بلند آواز میں کہا:

''ہم مسافر ہیں اور سفر کر رہے ہیں۔ ہم سے غلطی ہو گئی ہے۔''

''نہیں تم نے جان بوجھ کر میرے گھر کو روند ڈالا ہے۔ میں تمہیں

زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تم لوگوں کو کچا چبا جاؤں گا۔''

اتنا کہہ کر اس بھوت نے ہاتھ آگے بڑھا کر شہزادے کو اپنے پنجے میں جکڑنے کی کوشش کی۔ شہزادہ بھاگ کر ایک طرف ہو گیا۔ بھوت نے قہقہہ لگایا اور شہزادے کی گردن دبوچنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حبشی غلام نے حق نمک ادا کرتے ہوئے نیام سے تلوار نکالی اور پوری طاقت کے ساتھ بھوت کے لمبے چوڑے ہاتھ پر وار کر دیا۔ بھوت کے ہاتھ پر زخم لگا۔ اس نے تڑپ کر ایک چیخ ماری اور ٹیلے کے دامن سے ایک تناور اور گنجان درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ درخت کو ایک ڈنڈے کی طرح اپنے سر کے گرد گھما کر اس نے پوری طاقت سے حبشی غلام کے سر پر وار کیا۔ اگر حانو پھرتی سے کام لے کر اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاتا تو وہ اس جگہ کچلا جاتا جس طرح پہاڑ کے نیچے چیونٹی آ کر کچلی جاتی ہے۔ بھوت نے دوسری بار وار کیا۔ غلام دوسری طرف

ہٹ گیا۔

بھوت غصے میں آ کر ریت اُڑانے لگا۔ چاروں طرف غبار سا چھا گیا۔ اب عنبر خاموش تماشائی بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لیے کہ حانو اور شہزادے کی جان خطرے میں تھی۔ بھوت نے انہیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ عنبر نے آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا اور طلالہ کی روح کو آواز دی:

''اے طلالہ کی روح، میری مدد کر۔ تو جہاں کہیں بھی ہے۔ یہاں آ اور ہماری مدد کر، ہمیں اس خوفناک بھوت سے نجات دلا۔''

اس وقت بھوت حبشی غلام کو ٹانگ سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ طلالہ کی روح نے عنبر کی آواز سن لی تھی وہ فوراً وہاں پہنچ گئی۔ اس نے آتے ہی جو ڈراونا نقشہ دیکھا وہ اسے پریشان کرنے کے لیے کافی تھا۔ عنبر نے روح سے کہا:

''اے طلالہ کی مقدس روح، ہمیں اس قاتل بھوت سے نجات دلا۔''

''فکر نہ کرو عنبر، میں تمہاری مدد کے لیے ہی آسمانوں سے آئی ہوں۔

روح نے ایک ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ ہاتھ کا فضا میں بلند ہونا تھا کہ بجلی بڑے زور سے کڑک اٹھی۔ بھوت ٹھٹھک گیا۔ اس نے آسمان کی طرف اپنا ڈراؤنا سر اٹھا کر دیکھا اور ایک زوردار قہقہہ بلند کیا اور آسمان سے آگ کے شعلے برسنا شروع ہو گئے، ان شعلوں کا رخ بھوت کی طرف تھا۔ وہ آسمانی بجلی بن کر کڑک کڑک کر بھوت کے سر پر گر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھوت کا جسم آگ کے شعلوں میں لپٹ گیا۔ وہ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے چلانے لگا۔ مگر آسمان سے آگ برابر اس کے اوپر برس رہی تھی۔ وہ آگ کا بگولا

بن کر صحرا میں گردش کرنے لگا اور پھر جل بھن کر راکھ ہو گیا۔ اس کے جلنے کے فوراً بعد صحرا میں سے گرد غبار کا طوفان غائب ہو گیا۔ زمین پر پڑے ہوئے گڑھوں کے نشان مٹ گئے۔ طلالہ کی روح بھی غائب ہو گئی۔

حبشی غلام نے زمین پر سے اٹھ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''دیوتاؤں نے ہماری مدد کی ہے۔ مقدس دیوتا ہم پر مہربان ہو گئے ہیں۔''

عنبر اب اُسے کیا بتاتا کہ مدد دیوتاؤں نے نہیں کی تھی بلکہ اُس کے محسن طلالہ کی روح نے کی تھی۔ اُس نے کہا:

''اب ہمیں جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

وہ جلدی جلدی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے آگے نکل

گئے۔

شام سے کچھ دیر پہلے وہ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ کچھ دیر رک کر آرام کرنے اور گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلانے کے لیے وہ کھجور کے جھنڈ تلے ایک چشمے کے پاس رک گئے۔ ابھی وہ گھوڑوں کو پانی پلا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ اچانک ٹیلے کے عقب سے بخت نصر کی فوج کے کچھ سپاہی نمودار ہوئے اور انہوں نے ان کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا۔ سردار نے عنبر کے قریب نیزہ مار کر کہا:

''تم ہم سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ آخر ہم نے تم لوگوں کو پکڑ لیا۔ شہزادے کے ساتھ ان سب کو رسیوں میں جکڑ دو۔''

عنبر اور غلام حبشی ایک دوسرے کا منہ ہی دیکھتے رہ گئے۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر ان تینوں کو رسیوں میں کس کر باندھ دیا اور گھوڑوں پر لاد کر واپس نینوا کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک

اور اتنی جلدی ہوا کہ وہ سمجھ ہی نہ پائے کہ فوج کہاں سے آ گئی تھی۔ اصل میں یہ سپاہی شروع ہی سے ان کا پیچھا کر رہے تھے اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ اب انہیں موقع مل گیا اور انہوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔

عنبر اور حبشی غلام سخت مایوسی کے عالم میں رسیوں میں بندھے شہزادے کے ساتھ گھوڑوں پر بیٹھے تھے اور واپس نینوا کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ شہزادے کی جان اب نہیں بچائی جا سکتی۔ عنبر طلالہ کی روح کو نہیں بلا سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ دوسری بار کبھی بھی نمودار نہیں ہوئی تھی۔ سفر کرتے ہوئے رات ہو گئی۔ سپاہیوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال لیا اور آرام کرنے لگے۔ انہوں نے جانو، عنبر اور شہزادے کو الگ الگ درختوں کے ساتھ باندھ دیا۔ آگ جلا کر بکرے کا گوشت بھونا اور اُسے کھانے لگے۔ وہ کھا بھی رہے تھے اور

خوشی سے قہقہے بھی لگا رہے تھے۔ آخر وہ تھک کر گہری نیند سو گئے۔ صرف ایک سپاہی ہاتھ میں تلوا لیے درختوں کے سامنے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔

عنبر بندھا ہوا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طرح شہزادہ اور حبشی غلام بھی بندھے ہوئے تھا۔ اُن کے لیے ہاتھ پاؤں ہلانا بھی مشکل ہو رہے تھے۔

رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی۔ انہیں معلوم تھا کہ کوئی طاقت انہیں سپاہیوں کے چنگل سے نجات نہیں دلا سکتی۔ دو روز بعد وہ بخت نصر کے گورنر کے سامنے ہوں گے۔ وہ شہزادے کا سر کاٹ کر طشت میں رکھ کر بخت نصر کے پاس بابل کو روانہ کر دے گا۔ یہ بڑی خوفناک بات تھی۔ عنبر نے سوچا جب شہزادے کی والدہ کو معلوم ہوگا کہ اس کے بیٹے کا سر کاٹ کر بابل لایا گیا ہے تو اس بے چاری

دکھیاری ماں پر کیا قیامت نہیں گزرے گی۔

عنبر یہی سوچ سوچ کر پریشان ہورہا تھا اور پہریدار سپاہی تلوار لیے اس کے سامنے بیٹھا بڑے غور سے ان تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اچانک عنبر نے پہریدار کے پیچھے ایک سائے کو دیکھا۔ یہ سایہ بڑے آرام سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پہلے تو عنبر نے اسے اپنا وہم خیال کیا۔ لیکن جب وہ سایہ پہریدار کے بہت قریب آ گیا تو عنبر نے دیکھا کہ وہ ایک اونچا لمبا کڑیل جوان تھا۔ جس نے چہرے پر سیاہ نقاب پہن رکھی تھی۔ اس اجنبی نقاب پوش کو حبشی غلام اور شہزادے نے بھی دیکھ لیا تھا۔ مگر وہ چپ تھے۔ وہ خاموشی سے یہ دیکھ رہے تھے کہ نقاب پوش کیا کرنے وہاں آیا ہے۔ پہریدار سپاہی کو بالکل علم نہیں تھا کہ اس کے پیچھے اس کی موت آہستہ آہستہ آگے بڑھ

رہی ہے۔

نقاب پوش بہت پھونک پھونک کر ریت پر قدم آگے اٹھا رہا تھا۔ وہ اب پہریدار کے بالکل سر پر پہنچ چکا تھا۔ اچانک اس نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا کر سپاہی کی گردن دبوچ لی۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی کے ساتھ ہوا کہ سپاہی کی آواز تک نہ نکل سکی۔ نقاب پوش نے سپاہی کا گلا دبانا شروع کر دیا اور اس وقت چھوڑا جب وہ مر چکا تھا۔ سپاہی کی لاش زمین پر رکھ کر نقاب پوش آگے بڑھا اور عنبر کے درخت کے پیچھے جا کر اس کی رسیاں کھولنے لگا۔ عنبر آزاد ہو گیا تو ان دونوں نے مل کر حبشی غلام جانو اور شہزادے کی رسیاں بھی کھول دیں۔ شہزادہ کچھ پوچھنے لگا تو نقاب پوش نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا سپاہی بھنا ہوا گوشت کھانے کے بعد بے سُدھ ہو کر سو رہے تھے اور خراٹے لے رہے تھے۔ نقاب پوش نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا شارا کیا۔

وہ دبے پاؤں چلتے نخلستان سے کافی دور نکل آئے۔ یہاں چار گھوڑے ایک درخت سے بندھے تھے۔ اب نقاب پوش نے زبان کھولی اور کہا:

''میں نینوا کے شہزادے کو ادب سے سلام کرتا ہوں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ شہزادے کی جان بچانے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی۔''

حبشی غلام نے پوچھا:

''اے اجنبی نقاب پوش' کیا تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم کون ہو اور تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ہم مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں؟''

نقاب پوش نے اپنا نقاب اتار دیا۔ وہ ایک خوش شکل نوجوان تھا۔

''میرا نام یورکا ہے۔ میں زرکسیر سپہ سالار فوج نینوا کا خدمت گار ہوں اور شاہِ نینوا کی وفادار فوج کے دستے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں

زر کثیر کی تلاش میں قرطاجنہ جا رہا تھا کہ راستے میں آپ لوگوں کو بخت نصر کی فوج کے سپاہیوں کی قید میں دیکھا۔ میں نے شہزادے کو پہچان لیا اور اس موقع کی تلاش میں رہا جب سپاہی سو جائیں اور آپ کو آزاد کرا سکوں۔''

عنبر نے کہا:

''ہم آپ کے شکر گزار ہیں معزز یورکا۔''

یورکا نے پوچھا:

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں آپ کا نام کیا ہے اور آپ شہزادے کے ساتھ کس حیثیت سے سفر کر رہے ہیں؟''

عنبر نے کہا:

''میرا نام عنبر ہے اور میں حکیم ہوں۔ میں شہزادے کا وفادار ہوں اور چاہتا ہوں کہ نینوا کا تخت شہزادے کو واپس دلایا جائے۔''

یورکا نے کہا:

''میں یہ سن کر بہت خوش ہوا ہوں کہ آپ ہمارے شہزادے کے وفادار ہیں۔ یقیناً ہم ایک روز اپنا کھویا ہوا تخت ضرور حاصل کریں گے اور شہزادے کو اپنا شہنشاہ بنائیں گے۔''

''ضرور۔'' حبشی غلام نے کہا۔

عنبر نے پوچھا:

''معزز یورکا' زرکسیر قرطاجنہ کس جگہ پر ہے؟''

یورکا نے جواب دیا:

''مجھے بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ بخت نصر کے سپاہیوں نے ہماری کمین گاہ پر چھاپہ مار کر ہمارے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر دیا اور زرکسیر کو گرفتار کر کے لے گئے۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ یمن کے بادشاہ نے بخت نصر کی مدد کی۔ کیونکہ وہ

بخت نصر کی پھیلتی ہوئی سلطنت اور طاقت سے خوف زدہ ہے۔''

''زرکسیر کہاں پر قید ہے؟''

''مجھے صرف اتنی خبر مل سکی ہے کہ وہ صوبہ قرطاجنہ میں کسی جگہ قید ہے اور بہر جلد اُسے شاہِ بابل کے دربار میں پیش کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ بخت نصر اس کا سر کاٹ کر محل کے دروازے پر لٹکانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ صرف اپنے جشن تاجپوشی کا انتظار کر رہا ہے جو دو ماہ بعد ہے۔''

زرکسیر کی گرفتاری اور وفادار فوج کے سپاہیوں کے قتل کا حبشی غلام اور شہزادے کو بے حد دکھ ہوا۔

حبشی غلام نے کہا:

''اس وقت ہماری حامی فوج کے سپاہیوں کی تعداد کتنی ہو گی؟''

''وہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں۔ شاہ بابل کے جاسوس کتوں کی

طرح ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لیکن میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ قرطاجنہ جا کر زر کسیر کو رہا کرانے کی کوشش کروں گا اور اس کے بعد اپنی حامی فوج کے سپاہیوں کو اکٹھا کر کے نینوا کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔''

حبشی نے کہا:

''دیوتا تمہیں تمہارے ارادوں میں کامیاب کرے۔''

عنبر نے کہا:

''یورکا' اگر تم برا نہ مانو تو کیا بتاؤ گے کہ قرطاجنہ میں تم سے کہاں ملاقات کی جا سکتی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ شہزادے کو بحفاظت یمن پہنچا کر میں بھی تمہارے ساتھ زر کسیر کی تلاش کروں گا اور اس سے ملاقات کروں گا۔''

یورکا نے کہا:

''میں قرطاجنہ شہر کے شمال والی کاروان سرائے میں ایک مسافر کے بھیس میں ٹھہرا ہوں گا۔ تم مجھ سے وہاں ملاقات کر سکتے ہو' لیکن کیا تم لوگوں کو یقین ہے کہ یمن میں شہزادہ محفوظ ہاتھوں میں ہو گا؟''

حبشی غلام نے کہا:

''یمن میں میرا ایک چچا رہتا ہے۔ اس کے انگوروں کے باغ ہیں۔ وہ شاہ پرست ہے اور بہت بھروسے کا آدمی ہے اس کا مکان شہر سے باہر محفوظ جگہ پر ہے۔''

یورکا نے کہا:

''پھر بھی جانو تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ یمن کے سپاہی بھی شہزادے کی تلاش میں شاہ بابل کے سپاہیوں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔''

عنبر نے جب یورکا کو بتایا کہ شہزادے کی والدہ ملکہ نینوا بھی زندہ

ہے اور بابل کے ایک سرحدی گاؤں کی حویلی میں قید کے دن گزار رہی ہے اور اُسی نے عنبر کو شہزادے کی تلاش میں بھیجا ہے تو یورکا بہت خوش ہوا اور عنبر کی انسانی ہمدردی سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے کہا:

''زرکسیر کو دشمنوں کی قید سے رہائی دلانے کے بعد ہم ملکہ عالیہ کو بھی آزاد کروالیں گے۔''

عنبر نے کہا:

''ایسا ہی ہوگا۔''

نقاب پوش یورکا نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے کہا:

''میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ سپاہیوں کی آنکھ کھل جائے۔ وہ شہزادے کو نہ پا کر ضرور ہماری تلاش میں نکلیں گے۔''

وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہوں نے باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔

باگیں ڈھیلی ہوتے ہی عمدہ نسل کے گھوڑے صحرائی رات میں ہوا کے ساتھ اڑنے لگے۔

سرطاجنہ کا قیدی

نقاب پوش یورکا شہزادے کے ساتھ یمن کی سرحد تک گیا۔
شہزادے کو عنبر اور حبشی کے ساتھ یمن کی سرحد پار کرانے کے بعد یورکا نے اجازت لی۔ شہزادے کو جھک کر سلام کیا اور زرکسیر کی تلاش میں واپس قرطاجنہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ عنبر بھی یورکا کے ساتھ ہی جانا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ زرکسیر سے ملنا اور اسے رہا کرانا بہت ضروری تھا۔ زرکسیر نینوا کی فوج کا سپہ سالار تھا اور ساری فوج اُس کے گرد جمع تھی۔ لیکن عنبر یہ تسلی کرنا چاہتا تھا کہ شہزادہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ کیونکہ یمن میں بھی خطرہ تھا۔ وہ حبشی غلام حانو کے چچا سے مل کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا واقعی وہ بھروسے کا آدمی ہے۔ اس نے یورکا سے کاروان سرائے کا پتہ معلوم کر لیا تھا۔
یمن کی سرحد پر محافظ سپاہیوں نے معمولی پوچھ گچھ کے بعد انہیں

ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ عنبر نے یہاں بھی یہی کہا کہ وہ حکیم ہے۔ حانو اُس کا غلام اور شہزادہ اس کا بیٹا ہے۔ سپاہیوں نے شہزادے کو نہ پہچانا۔ حبشی غلام نے دیوتاؤں کا اور عنبر نے رب واحد کا شکر ادا کیا۔ حانو' عنبر اور شہزادے کو لے کر بڑی تیزی کے ساتھ اپنے چچا کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ یمن کا شہر سرحد سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر تھا۔ وہ سارا دن چلتے ہوئے سیاہ پہاڑوں میں سفر کرتے رہے۔ رات کو ایک جگہ دم لینے کے آدھی رات تک آرام کرنے کے بعد انہوں نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔ اب پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا اور کہیں کہیں ہرے بھرے کھیت اور کھجوروں کے نخلستان نظر آنے لگے تھے۔ شہزادے نے کہا:

''تمہارے چچا کا گھر ابھی کتنی دور ہے حانو؟''

''سورج نکلنے سے پہلے ہم پہنچ جائیں گے شہزادہ سلامت۔''

آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا تھا کہ انہیں دور سے یمن شہر کے مکان دکھائی دیے۔ یہاں سے حبشی غلام عنبر اور شہزادے کو لے کر مغرب کی طرف ایک ہری بھری وادی میں گھوم گیا۔ یہ وادی ایک چھوٹے سے دریا کے ساتھ ساتھ دور پہاڑوں تک چلی گئی تھی۔ یہاں انہیں ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ ملا۔ اِس چشمے پر رُک کر انہوں نے منہ ہاتھ دھوئے۔ خود بھی پانی پیا اور گھوڑوں کو بھی پانی پلایا۔ تازہ دم ہو کر وہ آگے چل دیے۔ حبشی غلام نے بتایا کہ اس کے چچا کا انگوروں کا باغ شروع ہونے ہی والا ہے۔ سورج مشرق سے نکلا ہی تھا کہ وہ ایک انگور کے سرسبز و شاداب باغ میں داخل ہو گئے۔ یہاں زمین سے ایک مرد اونچی لکڑی کے جنگلے کی چھت ڈال دی گئی تھی جس کے اوپر انگوروں کی بے شمار بیلیں چڑھی ہوئیں تھیں اور جگہ جگہ سرخ انگوروں کے گچھے لٹک رہے تھے۔ حبشی غلام نے خوش ہو کر کہا:

’’دیوتاؤں کے کرم سے ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ یہ باغ میرے چچا کا ہے اور اس کے کنارے پر اس کا مکان ہے۔‘‘

یہ لوگ انگور کے باغ سے باہر نکلے تو سامنے ایک پتھروں کا بنا ہوا مکان تھا جس کی دیواروں پر سرخ پھولوں والی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ آنگن میں ایک بھینس اور کچھ بکریاں چارہ کھا رہی تھیں۔ دو چار مرغیاں ادھر ادھر دانہ دنکا چن رہی تھیں۔ چولہے میں آگ جل رہی تھی اور اس کے اوپر کڑاہی میں پانی کھول رہا تھا۔ حانو نے لکڑی کے ایک تخت پوش پر عنبر اور شہزادے کو بٹھا کر کہا:

’’آپ لوگ یہاں آرام کر سکتے ہیں۔ میں چچا کو تلاش کر کے لاتا ہوں۔ وہ باغ میں کہیں کام کر رہا ہوگا۔‘‘

آنگن میں ایک طرف گھوڑے باندھ دیے اور ان کے آگے چارہ ڈال کر حبشی غلام چچا کی تلاش میں باغ میں آ گیا۔ ایک جگہ اسے اپنا

چچا زمین کھودتا ہوا مل گیا۔ وہ ادھیڑ عمر کا حبشی تھا جس کے بال کانوں پر سے سفید ہو رہے تھے۔ چچا اپنے بھتیجے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اسے گلے لگا لیا۔

''پیارے بھتیجے' تم کب اور کیسے آ گئے؟ دیوتاؤں کا شکر ہے کہ میں نے تمہاری پیاری صورت دیکھی۔ مجھے تو اطلاع ملی تھی کہ شاہ بابل کی ظالم فوج نے شاہی خاندان کے ساتھ اس کے تمام وفادار غلاموں کو بھی قتل کر دیا ہے۔''

''پیارے چچا جان' دیوتاؤں کو میری زندگی منظور تھی جو بچ گیا؛ ورنہ ظالم سپاہیوں نے مجھے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ شہزادہ سلامت بھی بچ گیا ہے۔''

''اچھا' یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ کہاں ہے شہزادہ؟''

''میرے ساتھ ہے۔''

''ہیں، تمہارے ساتھ ہے؟ کہاں؟''

''آپ کے مکان کے آنگن میں ہمارے ایک وفادار ساتھی عنبر کے ساتھ بیٹھا ہے۔''

''چلو، میں چل کر اپنے شہزادے کا دیدار کرتا ہوں۔''

''آیئے، وہ بھی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

جانو کا چچا بڑی خوشی خوشی باغ سے نکل کر اپنے گھر کے آنگن میں آ گیا۔ اُس نے جھک کر شہزادے کو سلام کیا اور اُس کا ہاتھ چوما۔ اس کے بعد وہ عنبر سے گلے لگ کر ملا اور بولا:

''مجھے شہزادے کے وفادار ساتھی سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ وہ دن دور نہیں جب ہم سارے وفادار ایک جگہ جمع ہو کر کے شہزادے کو اس کا کھویا ہوا تخت دِلوا دیں گے۔''

چچا نے اسی وقت ایک بھیڑ ذبح کر کے اُسے بھون ڈالا۔ مکی کے

آٹے کی روٹی بنائی اور سرخ انگوروں سے بھرا ہوا طشت اور چشمے کا ٹھنڈا پانی اپنے مہمانوں کے آگے رکھ دیا۔ عنبر نے کہا:

''ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں چچا کہ آپ نے ہماری خلوص کے ساتھ مہمانی کی۔''

''یہ تو میرا فرض ہے بیٹے' اور پھر آپ لوگ تو میرے اپنے آدمی ہیں اور ہمارے معزز شہزادے کو ظالم دشمن کے پنجے سے چھڑا کر لا رہے ہیں۔''

کھانے پر بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ عنبر نے اپنی تسلی کے لیے پوچھا:

''چچا' کیا آپ کو یقین ہے کہ شہزادہ یہاں محفوظ ہوگا اور کسی جاسوس کو خبر نہیں ہوگی؟''

''کیوں نہیں بیٹا' یہ جگہ شہر سے باہر واقع ہے اور پھر میں یمن کی

فوج کو ہر موسم میں مفت انگور دیا کرتا ہوں۔ وہ مجھ پر بے حد بھروسہ کرتے ہیں۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے چچا۔ لیکن فوج کے سپاہی یہاں بھی تو کبھی کبھی آتے ہوں گے؟''

''انہیں یہاں آنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑی۔ انہیں ضرورت کی ہر شے قلعے میں بیٹھے بیٹھے مل جاتی ہے۔''

''ٹھیک ہے' مگر شہزادے کی رہائش کہاں پر ہوگی؟ کیونکہ شہزادے کا یوں کھلے بندوں اس مکان اور باغ میں چلنا پھرنا خطرے کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ جاسوس جگہ جگہ شہزادے کی بو سونگھتے پھرتے ہیں۔''

''آپ کا اندیشہ صحیح ہے عنبر بیٹے' شہزادہ یوں کھلے بندوں نہیں پھرے گا۔ میں شہزادہ سلامت کو ایک خاص جگہ رکھوں گا۔ کھانے کے

بعد میں تم لوگوں کو وہ جگہ دکھاؤں گا۔''

کھانے سے فارغ ہو کر چچا عنبر کو ساتھ لے کر مکان کے اندر آ گیا۔ یہ مکان اندر سے بہت سجا ہوا تھا۔ جگہ جگہ بدخشاں اور افریقہ کے قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔ چچا عنبر کو مکان کی سب سے پچھلی کوٹھڑی میں لے گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ چچا نے شمع روشن کر کے ہاتھ میں تھام لی اور کونے میں سے قالین اُٹھا کر فرش کا پتھر ایک طرف ہٹا دیا۔ پتھر کے ہٹتے ہی نیچے سیڑھیاں نمودار ہوئیں۔

''میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ بیٹا۔''

عنبر چچا کے پیچھے سیڑھی کے زینے اترنے لگا۔ زینہ ایک جگہ پہنچ کر ختم ہو گیا۔ یہاں چچا نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر روشن دان میں سے ہلکی ہلکی روشنی اور تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔ یہ چھوٹا سا کمرہ بہت سجا ہوا تھا۔ پلنگ پر ریشمی بستر لگا تھا۔ زمین پر قالین بچھے تھے۔

دیواروں پر بھی قالین لٹکے ہوئے تھے۔ تپائیوں پر مٹی کی لمبوتری صراحیاں رکھی تھیں جو ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئی تھیں۔ چچا نے پوچھا:

''کیوں بیٹا یہ کمرہ شہزادے کے لیے کیسا رہے گا؟''

''بہت محفوظ رہے گا چچا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس روشندان میں سے روشنی اور ہوا کہاں سے آ رہی ہے؟ کیا ادھر سے کسی شخص کی نظر نہیں پڑ سکتی؟''

یہ روشندان تھا جسے تم دیکھ رہے ہو۔ مکان کے پچھواڑے گھنے باغ کی جھاڑیوں میں کھلتا ہے۔ وہاں تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے کہ یہ جگہ جھاڑیوں اور گھنی گنجان گھاس میں چھپی ہوئی ہے۔ میں نے صرف روشندان کے پاس سے گھاس صاف کر دی ہے۔''

''کیا میں باہر سے اسے دیکھ سکتا ہوں؟''

”کیوں نہیں، آؤ میرے ساتھ۔“

چچا عنبر کو ساتھ لے کر مکان کے پچھواڑے آ گیا اور بولا:

”کیا تم روشندان کو تلاش کر سکتے ہو؟ یقین کرو وہ تم سے دو قدم کے فاصلے پر ہے۔“

عنبر نے بہت تلاش کیا مگر اسے روشندان کا کہیں بھی سراغ نہ ملا۔ آخر چچا نے مسکراتے ہوئے ایک جگہ سے جھاڑیوں کو پیچھے ہٹایا تو آگے گھاس کا ڈھیر تھا۔ ڈھیر کے عقب میں گئے تو وہاں درخت کی بڑی بڑی شاخوں کے نیچے روشندان نظر آیا۔

”کیا یہاں کسی کی نظر پڑ سکتی ہے بیٹا عنبر؟“

”یہ بڑی محفوظ جگہ ہے چچا۔“

عنبر کو ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تھا کہ شہزادے کی زندگی کو وہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس نے اور حبشی غلام نے شہزادے کو ساتھ لیا

اور تہہ خانے کے کمرے میں آ گئے۔ یہاں شہزادے کے لیے بستر پر مزید ریشمی گدے ڈال کر اُسے اور زیادہ آرام دہ بنا دیا گیا۔ شہزادے کی ضرورت اور آرام کی ہر شے وہاں رکھ دی گئی۔ وہ رات شہزادے نے تہہ خانے میں اور عنبر جانو نے گھر کے دوسرے کمرے میں بسر کی۔

صبح ہوئی تو عنبر نے اجازت طلب کی۔ چچا نے بہت کہا کہ وہ دو چار روز اور ٹھہر کر آرام کرے مگر عنبر راضی نہ ہوا۔ وہ بہت جلد قرطاجنہ جا کر یورکا سے ملنا چاہتا تھا تاکہ زرکسیر کو دشمن کی قید سے رہائی دلائی جا سکے اور پھر ملکہ کو رہا کروا کر شہزادے کے پاس پہنچایا جائے۔ اس کام کے لیے وقت بہت کم تھا اور اگر وہ آرام کرنے بیٹھ جاتا تو سارے کیے کرائے پر پانی پھر سکتا تھا۔ اُس نے کہا:

''چچا' یہ وقت آرام کا نہیں ہے' کام کا ہے۔ مجھے زرکسیر کو رہا

کروانا ہے اور پھر ملکہ کو بھی دشمنوں کے پنجے سے بچا کر یہاں لانا ہے۔''

چچا نے جھک کر کہا:

''زہے نصیب کہ میرے غریب خانے پر نینوا کی ملکہ تشریف لائے وہ دن میرے لیے خوش قسمت ترین دن ہوگا۔ مگر کیا بیٹے تم اکیلے ملکہ کو رہا کرا سکو گے؟''

''ربِّ عظیم کی مدد شامل حال رہی تو میں ضرور ایک روز ملکہ عالیہ کو یہاں لے کر آؤں گا۔''

''دیوتا تمہاری زبان مبارک کریں۔''

عنبر نے شہزادے کو سلام کیا۔ چچا اور حبشی غلام جانو سے گلے لگ کر ملا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے سفر قرطاجنہ کی سمت روانہ ہو گیا۔

حبشی غلام اسے چھوڑنے انگوروں کے باغ تک آیا۔ انگور کا باغ ختم

ہوا تو حانو سلام کر کے واپس چلا گیا۔

عنبر کا اب اکیلے سفر شروع ہو گیا تھا۔

وہ قرطاجنہ اس سے پہلے بھی جا چکا تھا۔ عمدہ نسل کے گھوڑے پر قرطاجنہ کا سفر وہاں سے چار روز کے سفر پر تھا۔ یہ راستہ زیادہ تر پہاڑوں اور وادیوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس اعتبار سے یہ سفر زیادہ کٹھن نہیں تھا۔ اسے راستے میں جگہ جگہ پانی اور گھوڑے کے لیے گھاس ملتا رہا اور سفر کرتا رہا۔ وہ رات کو کچھ دیر آرام کرتا اور منہ اندھیرے اٹھ کر سفر پر روانہ ہو جاتا۔ چوتھے روز صبح صبح وہ سفر پر چلا تو راستے میں ایک چٹان کے پہلو میں اُسے ایک جھونپڑا نظر آیا۔ اُسے پیاس لگی تھی۔ راستے میں کسی جگہ بھی کوئی چشمہ نہیں ملا تھا۔ عنبر گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے آواز دے کر پوچھا کہ وہاں کوئی ہے؟ اس کی آواز پر اندر سے ایک بوڑھی عورت باہر نکلی۔ اس نے پوچھا:

''تم کون ہو اجنبی' اور کیا چاہتے ہو؟''

عنبر نے کہا کہ وہ ایک مسافر ہے۔ ملک شام سے چل کر قرطاجنہ جا رہا ہے۔ اُسے پیاس لگی ہے۔

بوڑھی عورت نے عنبر کو پتھر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پانی لینے جھونپڑے میں چلی گئی۔ عنبر جھونپڑی کے باہر بیٹھا تھا کہ ایک گھوڑا سوار سپاہی وہاں آ کر رک گیا۔ اس اثنا میں عورت پانی لے کر باہر آ گئی تھی۔ سپاہی نے عورت سے کہا:

''اماں' اپنے بیٹے سے کہنا کہ شام کو گورنر قرطاجنہ کے محل میں پودینے کا گڈا بھر کر پہنچا دے۔ شاہی حکیم نے دوا بنانی ہے۔''

''بہت اچھا بیٹے' کیا گورنر ابھی ٹھیک نہیں ہوا؟''

''اس کی بیماری لمبی ہو رہی ہے اماں' سب حکیموں نے جواب دے دیا ہے۔''

عنبر کو یہ موقع بڑا اچھا لگا۔ اُس نے جھٹ پوچھا:

''گورنر قرطاجنہ کو کیا بیماری ہے اے معزز سردار؟''

سپاہی نے کہا:

''اُس کو زرد بخار ہے۔ وہ دس روز سے بے ہوش پڑا ہے۔''

عنبر نے کہا:

''کیا آپ مجھے موقع دیں گے کہ میں گورنر کا علاج کروں۔ میں بھی ایک حکیم ہوں اور زرد بخار والے کو اچھا کر سکتا ہوں۔''

''اگر یہ بات ہے تم ابھی میرے ساتھ آؤ۔ اگر تمہاری دوائی سے گورنر اچھا نہ ہوا تو تمہیں جیل میں ڈال دیا جائے گا جہاں پہلے ہی دس حکیم گل سڑ رہے ہیں۔''

''مجھے یہ شرط منظور ہے۔''

''تو پھر آؤ میرے ساتھ۔''

سپاہی عنبر کو ساتھ لے کر قرطاجنہ کی طرف چل پڑا۔ قرطاجنہ وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ سپاہی محل کے محافظ دستے کا سردار تھا۔ اس کو دیکھتے ہی شہر کے دروازے پر کھڑے سپاہیوں نے جھک کر سلام کیا۔ وہ شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ گورنر کا محل شہر کے وسط میں تھا۔ شہر میں بڑی رونق تھی۔ دکانوں پر قسم قسم کے ریشم، خوشبوئیں، تیل، گرم مصالحے اور کھانے کی چیزیں بک رہی تھیں۔ چوک میں جگہ جگہ پھلوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ سردار کو دیکھ کر لوگ جھک جھک کر سلام کر رہے تھے۔ سردار عنبر کو لے کر محل میں داخل ہو گیا۔ عالی شان محل کے ایک ریشمی پردوں والے پرسکون اور شاندار کمرے میں گورنر قرطاجنہ مسہری پر بے ہوش پڑا تھا اور شاہی حکیم اس کی نبض دیکھ رہا تھا۔ ارد گرد گورنر کی بیوی اور بچے غمگین صورتیں لیے پریشان کھڑے تھے۔ شاہی حکیم نبض دیکھ کر فارغ ہوا تو سردار نے عنبر کو آگے بڑھنے کا

اشارہ کیا۔

عنبر کے سیدھے سادے لباس کو دیکھ کر شاہی حکیم نے نفرت کا اظہار کیا۔

''یہ فقیر کون ہے۔ اسے یہاں آنے کی اجازت کس نے دی؟''

سردار نے کہا:

''اِسے میں لایا ہوں۔ یہ ملک افریقہ کا حکیم ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اگر میرے علاج سے گورنر اچھا نہ ہوا تو بے شک مجھے قید خانے میں ڈال دیں۔''

''یہ جاہل آدمی اتنے بڑے گورنر کا کیا علاج کرے گا بھلا؟'' شاہی حکیم نے نفرت سے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔ عنبر کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے آگے بڑھ کر اس نے بے ہوش گورنر کو غور سے دیکھا۔ گورنر کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اُس نے آنکھ کا پپوٹا اٹھا کر دیکھا۔

آنکھوں کا رنگ بھی پیلا ہو رہا تھا۔ عنبر نے نبض دیکھی۔ نبض بہت تیز چل رہی تھی۔ عنبر سمجھ گیا کہ گورنر کی بیماری شدید حالت کو پہنچ چکی ہے۔

اس نے اپنے تھیلے میں سے ایک ہرے رنگ کی شے نکالی۔ چاندی کے گلاس میں اس کے چند قطرے ٹپکا کر پانی ملا دیا۔ یہ زرد بخار کا تریاق تھا۔ اُس نے اِسی دوائی سے افریقہ میں کئی لوگوں کا زرد بخار اچھا کر دیا تھا۔ عنبر نے اس عرق کے چند گھونٹ سونے کی ایک نلکی کے ذریعے گورنر کے حلق میں انڈیل دیے۔ اب وہ دوائی کے اثر کا انتظار کرنے لگا۔ اُس نے سفید کپڑا منگوا کر گورنر کے ماتھے کو صاف کیا اور ایک مرہم ماتھے پر بھی لگا دی۔

عجیب کرامت ہوئی۔ گورنر جو اتنے روز سے بخار میں بے ہوش پڑا تھا ذرا سا ہلا۔ اُس نے اپنا ہاتھ ہلایا۔ پھر پلکیں جھپکا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے بیوی بچے خوشی سے اُس سے لپٹ گئے۔ سردار

بھی خوش ہوا کہ اُس کے لائے ہوئے حکیم کے علاج سے گورنر کو ہوش آ گیا۔ شاہی حکیم اندر ہی اندر جل بھن گیا۔ گورنر نے آہستہ سے پوچھا:

''کیا میں زندہ ہوں؟''

عنبر نے کہا:

''گورنر صاحب' آپ زندہ ہیں' زندہ رہیں گے۔ آپ کا بخار ٹوٹ چکا ہے۔''

''تم۔۔تم کون ہو؟''

سردار نے جھک کر کہا:

''حضور' یہ ایک حکیم ہے۔ اِسی کی دوائی نے آپ کو اچھا کیا ہے۔''

''اِس حکیم کا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دیا جائے۔''

''حضور! آپ آرام کریں۔ زیادہ نہ بولیں۔''

عنبر نے سردار سے کہا کہ اس کی ایک خوراک شام کو بھی پلا دی جائے۔ اب میں چلتا ہوں۔

سردار نے پوچھا کہ وہ کہاں پر ٹھہرے گا؟ عنبر نے کہا کہ وہ اس شہر میں اجنبی ہے اور کسی کو نہیں جانتا۔ سردار نے کہا:

''تم شاہی مہمان خانے میں شاہی مہمان بن کر ٹھہرو گے۔ کل تمہیں پھر گورنر کو دیکھنے آنا ہوگا۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔''

عنبر شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔ یہاں اُس نے بڑے سکون اور آرام کے ساتھ رات بسر کی۔ ساری رات وہ سوچتا رہا کہ صبح چل کر یورکا کو تلاش کیا جائے۔ یہ بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ اُس کو گورنر کی ہمدردیاں حاصل ہو گئی تھیں۔ اب وہ شاہی محل میں بلا روک

ٹوک پھر سکتا تھا اور بڑی آسانی سے زر کسیر کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ اگلے روز وہ صبح صبح گورنر کو دیکھنے اس کے کمرے میں گیا۔ گورنر اس کی دوائی سے بالکل اچھا ہو گیا تھا اور اپنی مسہری میں بیٹھا بچوں سے کھیل رہا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

''یہاں آؤ حکیم، میں تمہیں گلے لگا کر تمہارا شکرہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں صرف زبانی شکریہ ادا نہیں کروں گا۔ میں تمہارا گھر دولت سے بھر دوں گا۔ تم کون ہو اور یہاں کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟''

''حضور، ابھی تک تو میں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا ہوں۔ میں ملک افریقہ سے روزی کمانے یہاں آیا ہوں۔''

''آج سے تم ہمیشہ ہمارے شاہی مہمان خانے میں رہو گے اور ہمارا اور ہمارے بچوں کا علاج کیا کرو گے۔ اس کے عوض تم جو چاہو

گے، تمہیں ملتا رہے گا۔"

عنبر نے جھک کر کہا:

"حضور کی عنایت ہے؛ وگرنہ میں اس لائق نہ تھا۔"

"نہیں نہیں، تم ایک لائق حکیم ہے۔ اس سے پہلے ہر حکیم نے ہمارا علاج کیا ہے اور ناکام رہے۔ ہماری بیماری تو شاہی حکیم کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔"

عنبر نے گورنر کی نبض دیکھی۔ اُسے دوا دی اور واپس مہمان خانے میں آ گیا۔ اب وہ جلدی سے جلدی کاروان سرائے میں یورکا سے ملاقات کرنا چاہتا تھا؛ چنانچہ مہمان خانے میں واپس آتے ہی اُس نے لباس تبدیل کیا۔ دواؤں کا تھیلا کمرے میں رکھ کر اُسے تالا لگایا اور شہر ے شمال میں کاروان سرائے کی طرف چل پڑا۔ پوچھتے پوچھتے وہ کارواں سرائے پہنچ گیا۔

کاروان سرائے کے چھجے پر انگور کی بیلوں نے سایہ ڈال رکھا تھا۔ باہر دو شکاری کتے بندھے ہوئے تھے جنھوں نے عنبر کی طرف غرا کر دیکھا۔ سرائے کا مالک ایک لکڑی کے تخت پر بیٹھا تیتر کو دانہ ڈال رہا تھا۔ عنبر نے اُس سے پوچھا:

''یہاں ایک سوداگر ٹھہرا ہوا ہے۔ جو ملک یمن سے آیا ہے اور خوش شکل جوان ہے۔ نام اُس کا یورکا ہے۔''

''تم اُسے ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں مل سکتے ہو۔''

عنبر شکریہ ادا کر کے ڈیوڑھی سے گزر کر ساتھ والے کمرے میں آ گیا۔ اُس نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے یورکا نے پوچھا:

''کون ہے باہر؟''

عنبر نے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر کہا:

''میں ہوں عنبر' دروازہ کھولو۔''

یورکا نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ عنبر کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ عنبر کھجور کی چٹائی پر بیٹھ گیا اور اُس نے پوچھا۔

''کیا زرکسیر کے بارے میں کچھ معلوم ہوا کہ وہ کہاں قید ہے؟''

یورکا نے کہا:

''ابھی تک صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ شاہی محل کے تہہ خانے میں بند ہے اور اُس پر بڑا سخت پہرہ لگا ہوا ہے کسی کو اُس کے پاس جانے کی اجازت نہیں۔ صرف ایک پہریدار اُس کے پاس آجا سکتا ہے۔''

عنبر نے کہا:

''مجھے گورنر کے شاہی محل تک تو رسائی حاصل ہو گئی ہے۔''

''وہ کیسے؟'' یورکا نے حیرانی سے پوچھا۔

عنبر نے شروع سے لے کر آخر تک اُسے سارا واقعہ سنا دیا۔ یورکا

بہت خوش ہوا۔ اس لیے کہ زر کسیر کی رہائی کی سلسلے میں ایک بہت بڑا مرحلہ طے ہو گیا تھا۔ وہ شاہی محل تک تو پہنچ گئے تھے۔ عنبر نے یورکا کو سمجھایا وہ کل اس کے پاس شاہی مہمان خانے میں آئے گا۔ وہ سردار پر یہ ظاہر کرے گا کہ یورکا اس کا شاگرد ہے اور افریقہ سے جڑی بوٹیاں لے کر آیا ہے۔ پھر وہ اُسے گورنر سے بھی ملائے گا۔ یوں وہ اس کو ساتھ لے کر گورنر کے شاہی محل میں جاتا رہے گا اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت زر کسیر سے ملنے کی کوشش کی جائے گی۔

''یہ خیال بہت اچھا ہے۔ میں کل ہی تمہارے پاس جڑی بوٹیوں کی ٹوکری لے کر شاہی مہمان خانے میں پہنچ جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم بہت جلد زر کسیر کو رہا کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

آدھی رات کا حملہ

دوسرے دن یورکا عنبر سے ملنے شاہی مہمان خانے پہنچ گیا۔
وہ اپنے ساتھ جنگلی جڑی بوٹیوں سے بھرا ہوا ایک ٹوکرا بھی لایا۔
عنبر نے سپاہیوں کے سامنے گلے مِل کر اُس کا خیر مقدم کیا اور سردار سے یہ کہہ کر تعارف کروایا کہ یہ اس کا شاگرد یورکا ہے اور ملک افریقہ سے اُس کے لیے جڑی بوٹیاں لے کر آیا ہے۔ شام کو وہ گورنر کو دیکھنے شاہی محل میں گیا تو یورکا کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ اُس نے یورکا کو گورنر سے ملایا اور کہا:
''حضور، یہ میرا ہونہار شاگرد ہے۔ عمر میں مجھ سے برابر ہے مگر حکمت کا بہت شوق رکھتا ہے۔ ربِ عظیم نے چاہا تو ایک سال میں پورا طبیب بن جائے گا۔''
گورنر نے خوش ہو کر یورکا سے ہاتھ ملایا اور اُس بھی انعام واکرام

دینے کا اعلان کیا۔ یورکا ٔعنبر کے کہنے پر گورنر کے لیے اپنے ساتھ بہت سے تحفے تحائف بھی لے گیا تھا۔ اب عنبر دن کا زیادہ حصہ شاہی محل میں یورکا کے ساتھ بسر کرتا۔ وہ شاہی باغ میں مختلف جڑی بوٹیوں پر یوں ہی غور کرتے رہتے۔ سپاہیوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ وہ جنگلی بوٹیوں پر تحقیق کر رہے ہیں۔ کیونکہ شاہی باغ میں افریقہ اور عجم کے ملکوں کے بڑے بڑے عجیب وغریب درخت لگے ہوئے تھے۔ حقیقت میں وہ اس بات کے سراغ میں تھے کہ تہہ خانے کو راستہ کِدھر سے جاتا ہے۔

ایک ہفتہ گزر گیا مگر وہ تہہ خانے کا راستہ تلاش نہ کر سکے اس دوران میں عنبر نے محل کے سپاہیوں کو اپنے اعتماد میں لے لیا تھا۔ وہ ہر جگہ بے روک ٹوک آ جاتا۔ کوئی اسے کچھ نہ کہتا۔ ویسے بھی وہ گورنر قرطاجنہ کا چہیتا حکیم تھا۔ اُس نے پھر سے گورنر کو نئی زندگی دی تھی؛

وگرنہ وہ کب کا مر چکا ہوتا۔ اس کے باوجود اسے وہ جگہ نہیں مل رہی تھی جہاں زرکسیر کو قید کر کے رکھا گیا تھا۔ اس کا یہ مسئلہ بھی قدرت نے خود ہی حل کر دیا۔ ہوائیوں کی زرکسیر خود قید خانے میں بیمار پڑ گیا۔ پہلے تو کسی نے پروانہ کی مگر جب اس کا بخار شدت اختیار کر گیا تو گورنر کو فکر دامن گیر ہوا۔ کیونکہ شاہ بابل بخت نصر کے جشنِ تاجپوشی تک زرکسیر کا زندہ رکھا جانا بہت ضروری تھا۔ اُس روز بادشاہ نے اُسے اپنے ہاتھوں قتل کرنا تھا۔ گورنر کو کسی حکیم پر اعتبار اور بھروسہ نہیں تھا۔ اُسے عنبر کا خیال آیا۔ کیوں نہ اُس سے زرکسیر کا علاج کرایا جائے۔ وہ اِس محل میں اجنبی ہے۔ اُسے زرکسیر سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؛ حالانکہ اُسے کیا معلوم تھا کہ اس محل میں عنبر کو سب سے زیادہ دلچسپی اگر کسی شے سے تھی تو وہ زرکسیر تھا۔ وہ محل کے باغ میں یورکا کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ شاہی سپاہی نے آ کر اُسے کہا کہ گورنر قرطاجنہ اُسے

یاد کر رہا ہے۔ عنبر فوراً گورنر کے محل میں پہنچ گیا۔ گورنر نے کہا:

''عنبر! ہم تم سے ایک خاص کام لینا چاہتے ہیں۔ چوں کہ ہم تم پر بہت بھروسہ کرتے ہیں اس لیے تمہیں ہی اِس کام کے لیے چنا ہے۔''

عنبر نے کہا:

''حضور! آپ کام بتائیے۔ میں آپ کے اعتماد کو ہرگز ہرگز ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔''

''تو غور سے سنو! ہمارے پاس ہمارے شہنشاہ شاہِ بابل کا ایک خاص قیدی بطور امانت رکھا ہوا ہے۔ ایک ماہ بعد ہمیں اس قیدی کو بادشاہ کے جشنِ تاجپوشی پر واپس کرنا ہے۔ ہمارا یہ خاص قیدی زرد بخار میں مبتلا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا علاج کرو لیکن سوائے تمہارے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔''

عنبر دل ہی دل میں بے حد خوش ہوا۔ اس کا کام تو خود گورنر

قرطاجنہ کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی دلی خوشی چھپاتے ہوئے کہا:

''ایسا ہی ہوگا حضور' قیدی کا راز سوائے میرے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا۔ لیکن حضور سے اپنے شاگرد کے بارے میں ضرور اجازت چاہوں گا۔ اس لیے کہ میں اُس کو دُکھی اور بیمار لوگوں کی تیمارداری کے لیے تیار کر رہا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ وہ ہر مریض کو میرے ساتھ دیکھے تا کہ اُسے بھی تجربہ ہو۔

گورنر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا:

''اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ کسی سے بات نہیں کرے گا تو تمہیں میری طرف سے اجازت ہے''

عنبر نے فوراً کہا:

''حضور' یور کا ہر وقت میرے پاس شاہی مہمان خانے یا پھر شاہی

باغ میں رہتا ہے۔ وہ شہر کبھی نہیں جاتا۔ اس کا یہاں کوئی جاننے والا نہیں ہے۔ وہ کسی سے بات نہیں کرے گا۔ اس کی ذِمّے داری میں لیتا ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، تم ابھی سپاہیوں کے ساتھ قید خانے جا کر مریض کو دیکھو۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر حضور، میں ابھی دواؤں کا تھیلا لے کر حاضر ہوتا ہوں۔"

عنبر گورنر قرطاجنہ سے اجازت لے کر باغ میں آ گیا جہاں یورکا بے کار بیٹھا مکھیاں اُڑا رہا تھا اور سپاہیوں پر اپنی علمیت ظاہر کرنے کے لیے ایک بوٹی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے آتے ہی کہا:

"میرے ساتھ مہمان خانے تک چلو یورکا۔ ایک بہت ضروری کام آن پڑا ہے۔"

یورکا پوچھنے ہی والا تھا کہ کیا ضروری کام آن پڑا ہے کہ عنبر اُسے گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ شاہی مہمان خانے کی طرف لے گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا اور خوش ہو کر بولا:

''ہمارا مسئلہ اپنے آپ حل ہو گیا ہے یورکا۔''

''وہ کیسے؟''

عنبر نے گورنر کے ساتھ جو باتیں کی تھیں وہ ساری کی ساری بیان کر دیں اور یہ بھی بتا دیا کہ اُس نے یورکا کو ساتھ رکھنے کی بھی اجازت حاصل کر لی ہے۔ یورکا خوشی سے اچھل پڑا۔

''یہ تو بہت بڑا معرکہ سر ہو گیا ہے عنبر' میں ابھی تمہارے ساتھ چل کر زرکسیر سے ملتا ہوں۔''

''نہیں نہیں' ابھی تمہاری ملاقات کا وقت نہیں آیا۔ پہلے میں اس سے مل کر بات کرتا ہوں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے زرکسیر تمہیں اپنے سامنے

دیکھ کر حیرت سے کچھ کہہ دے اور سپاہیوں کو شک ہو جائے۔''

''یہ ٹھیک ہے' تم خود اس سے ملو اور کہو کہ یور کا بھی میرے ساتھ محل میں موجود ہے۔''

عنبر دواؤں کا تھیلا لے کر گورنر کے محل میں پہنچ گیا جس نے بڑے محافظ اور پہریداروں کے سردار کو حکم دیا کہ عنبر کو ساتھ لے کر قید خانے میں جائے اور مریض کا علاج کرایا جائے۔ سردار نے سر جھکا کر سلام کیا اور عنبر کو ساتھ لے کر قید خانے کی سمت چل پڑا۔ محل کے کئی برآمدوں' غلام گردشوں اور کمروں سے گزر کر وہ ایک جگہ سے سیڑھیاں اُتر کر نیچے تہہ خانے میں آ گئے۔ یہاں ایک اور دروازہ تھا۔ جہاں ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اُس نے سردار کو آتے دیکھ کر جھٹ دروازہ کھول دیا۔ اس دروازے کے اندر ایک اور دروازہ تھا۔ یہ دروازہ اس اندھیر کوٹھڑی کا تھا جہاں زرکسیز نینوا کی شکست کھائی

ہوئی فوج کا سپہ سالار قید کی حالت میں اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا۔
زر کسیر ایک پتھر کے چبوترے پر بیٹھا تھا۔ جس پر کھجور کی چٹائی بچھی تھی۔ زر کسیر نے ایک لمحے کے لیے اُن لوگوں کو دیکھا جو اُس کی کوٹھڑی میں داخل ہوئے تھے اور پھر سر جھکا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ زر کسیر کا لباس پھٹا ہوا تھا۔ سردار نے کہا:

''زر کسیر، گورنر نے قرطاجنہ کی جانب سے یہ شاہی حکیم تمہارے علاج کے لیے آیا ہے۔ اس کے علاج سے تمہارا بخار جاتا رہے گا اور تم اچھے ہو جاؤ گے۔''

زر کسیر نے طنز انداز میں کہا:

''اپنے گورنر سے جا کر کہہ دو کہ جس کی قسمت میں بہت جلد جلاّد کا کلہاڑا لکھا ہے اُس کا علاج کرانے کی کیا ضرورت ہے؟''

سردار بولا:

''میں یہاں تم سے بحث کرنے نہیں آیا۔ یہ حکیم تمہارا علاج کرے گا۔ تمہیں شاہِ بابل کے جشنِ تاجپوشی تک ہر حالت میں زندہ رہنا ہے۔''

زرکسیر کہنے لگا:

''اِس شاہی مسخرے حکیم کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور مجھے قدرتی موت مرنے دو۔ میں تمہارا علاج نہیں کراؤں گا۔''

عنبر نے حالات کا رخ کسی اور جانب جاتا دیکھا تو سردار کے کان میں کہا:

''سرادر، یہ شخص بہت ضدی معلوم ہوتا ہے۔ آپ باہر کھڑے ہو جائیں۔ میں خود اِسے سیدھی راہ پر لے آؤں گا۔''

''بہتر۔۔۔ مگر یاد رکھنا۔ زرکسیر کا تندرست ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ گورنر قرطاجنہ کا حکم ہے۔''

''میں خوب جانتا ہوں سردار' آپ فکر نہ کریں۔ زرکسیر بالکل صحت مند ہو جائے گا۔''

سردار کوٹھڑی سے باہر نکل کر سلاخوں کی دوسری طرف پہریدار کے پاس کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے دواؤں کا تھیلا پتھر کے چبوترے پر رکھا اور دوائیں نکالتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا:

''میں ایک خاص پیغام لے کر آیا ہوں زرکسیر۔''

زرکسیر جو کہ سر جھکائے بیٹھا تھا اور بخار میں پھنک رہا تھا' سرگوشی پر چونکا اور عنبر کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ عنبر نے دوائی کی شیشی نکال کر چبوترے پر رکھی اور زرکسیر کی نبض دیکھتے ہوئے بولا:

''میری طرف حیرانی سے مت دیکھو۔ سردار کو شک ہو جائے گا۔ بس خاموش بیٹھے رہو اور سنو۔۔ میں ایک خاص مقصد کے لیے اس محل میں آیا ہوں اور وہ مقصد تمہیں یہاں سے رہا کروانا ہے۔ ملکہ

زندہ ہے۔ شہزادہ مارُوت بھی زندہ ہے۔ شہزادے کو ہم نے ایک محفوظ مقام پر رکھا ہوا ہے۔ ملکہ بابل کے ایک قصبے میں قید ہے۔ میں اُس سے مل کر آ رہا ہوں۔ یورکا بھی میرے ساتھ ہے۔"

زرکسیر بڑی حیرانی اور خوشی کے ساتھ عنبر کی دھیمی دھیمی سرگوشی سُن رہا تھا۔ پھر عنبر نے اونچی آواز میں کہا:

"آپ لیٹ جائیں۔ بیٹھے رہنے سے آپ کا بخار زیادہ تیز ہو جائے گا۔"

زرکسیر عنبر کے کہنے کے مطابق چبوترے پر لیٹ گیا۔ عنبر نے کٹورے میں دوائی ڈال کر زرکسیر کو پلائی۔ یہ دوائی بہت اعلیٰ دوائی تھی اور عنبر کو یقین تھا کہ راتوں رات زرکسیر کا بخار ٹوٹ جائے گا۔ اُس نے سرگوشی میں کہا:

"میں کل پھر آؤں گا۔ میں اور یورکا آج رات کوئی منصوبہ تیار

کریں گے کہ تمہیں یہاں سے کس طرح رہا کرایا جائے۔"

عنبر نے دوائیاں تھیلے میں رکھیں اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔

سردار اُس سے بہت خوش تھا کہ اُس نے زرکسیر کو دوائی پینے پر آمادہ کر کے اسے دوا پلا دی۔ عنبر وہاں سے نکل کر سیدھا یورکا کے پاس گیا اور اسے ساری بات سُنا دی۔ یورکا نے کہا:

"اب سوال یہ ہے کہ زرکسیر کو یہاں سے کیسے نکالا جائے؟"

"یہی بات غور کرنے کے لائق ہے۔ قید خانے کے باہر بڑا سخت پہرہ ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہریداروں کی حمایت حاصل کی جائے۔ مگر ایسا ہو نہ سکے گا۔ ویسے بھی اس میں بات کے کھل جانے کا خطرہ ہے اور اگر کسی کو اس کی بھنک بھی پڑ گئی کہ ہم یہاں زرکسیر کو آزاد کرانے آئے ہیں تو گورنر فوراً ہم دونوں کی گردنیں قلم کروا دے گا۔"

''تو پھر کیا کیا جائے؟''

یہی میں سوچ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے اس سلسلہ میں کل زر کسیر سے ملاقات کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔''

دوسرے روز عنبر یورکا کو بھی اپنی ساتھ لیتا گیا۔ اِس خیال سے کہ زر کسیر کو عنبر کی باتوں پر یقین آ جائے۔ یورکا کو دیکھ کر زر کسیر کو بے حد خوشی ہوئی۔ اب اُسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ لوگ واقعی اُسے وہاں سے رہا کرانے کے لیے آئے ہیں۔ اُس کا بخار بھی ٹوٹ چکا تھا۔ مگر عنبر نے سردار کو یہی ظاہر کیا تھا کہ ابھی مریض کا بلا ناغہ دوائی پلانے اور اُس کی دیکھ بھال کی اشد ضرورت ہے۔ عنبر اور یورکا زر کسیر کے پاس بیٹھے اُسے دوائی پلا رہے تھے۔ یورکا زر کسیر کے ماتھے کی مالش کر رہا تھا۔ سردار حسب معمول باہر چلا گیا تھا۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ یہ لوگ زر کسیر کو وہاں سے بھگا کر لے جانے

کے لیے آئے ہیں۔

یورکا نے سرگوشی میں زرکسیر سے کہا:

''ہماری وفادار فوج کے سپاہی یمن کے سرحدی گاؤں میں ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں۔ نینوا کے عوام ہمارے ساتھ ہیں۔ وہ شاہ بابل بخت نصر کے ظلم کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ ہیں۔''

زرکسیر نے بھی سرگوشی میں جواب دیا:

''یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ میں یہاں سے کیسے فرار ہو سکوں گا۔ یہاں تو قدم قدم پر پہرہ لگا ہے۔''

یورکا نے کہا:

''اِس کا بندوبست ہم کر لیں گے۔ آپ اطمینان سے رہیں۔ بہر حال آپ ہر وقت تیار رہیے گا۔ ہم کسی وقت بھی آپ کو یہاں سے لینے کے لیے آ سکتے ہیں۔''

''میں تو ہر وقت فرار ہونے کے لیئے تیار ہوں۔''

عنبر نے دوائی پلا کر زر کسیر سے فرار کے بارے میں دو چار باتیں کیں اور پھر وہ یور کا کو ساتھ لے کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ وہ رات بھر بیٹھے اسی بات پر سوچ بچار کرتے رہے کہ زر کسیر کو کیسے قید سے نکالا جائے۔ اچانک عنبر نے کہا:

''اگر ہم کسی طرح پہریدار کو بے ہوش کر دیں تو زر کسیر کو وہاں سے بھگا کر لے جا سکتے ہیں۔''

''بے ہوشی کی دوائی تو میرے تھیلے میں موجود ہے۔''

''تو پھر انتظار کس بات کا ہے؟''

ٹھیک ہے' میں آدھی رات کو قید خانے میں دوائی پلانے کے بہانے جاؤں گا اور پہریدار کو بے ہوش کر کے زر کسیر کو اپنے ساتھ لے آؤں گا۔ مگر تمہارا فرض یہ ہے کہ محل سے باہر برق رفتار گھوڑے

تیار ہونے چاہیں۔''

یہ کام میں کرلوں گا۔''

''تو پھر ٹھیک ہے، ہم کل رات زرکسیر کا یہاں سے بھگا کر لے جائیں گے۔''

فرار کی رات آ گئی۔ زرکسیر جھوٹ موٹ کا بیمار بنا ہوا تھا اور عنبر کی ہدایت کے مطابق وہ سارا دن ہائے ہائے کرتا رہا تھا۔ عنبر نے سردار سے کہا:

''مجھے آج رات کو بھی دوائی پلانے کے لیے آنا پڑے گا۔''

سردار کہنے لگا:

''گورنر بہت فکرمند ہے کہ زرکسیر کو آرام کیوں نہیں آ رہا۔''

''اِس کی وجہ محض یہ ہے کہ قید خانے میں تازہ ہوا بہت کم آتی ہے۔ گورنر سے کہیے کہ کل تک زرکسیر کی بیماری ختم ہو جائے گی۔ آج

آدھی رات کو میں ایک خاص دوائی پلا رہا ہوں۔"

"بہت خوب۔"

عنبر شاہی مہمان خانے میں واپس آیا تو یورکا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے اُسے بتایا کہ گھوڑوں کا بندوبست ہو گیا ہے۔۔۔ تین برق رفتار گھوڑے شاہی محل کے عقبی باغ میں ہمیں آدھی رات کو بالکل تیار ملیں گے۔ عنبر اُسی وقت دوائی کا تھیلا لے کر قید خانے میں زرکسیر کے پاس آ گیا۔ اُس نے اُسے جھوٹ موٹ کی دوائی پلائی۔ اس کے ماتھے پر تیل کی مالش کی اور سرگوشی میں کہا:

"آج رات تیار رہنا زرکسیر، میں تمہیں اپنے ساتھ لینے آدھی رات کے وقت آؤں گا۔ شاہی محل کے پچھواڑے یورکا گھوڑے لیے ہمارے انتظار میں تیار کھڑا ہو گا۔"

"میں تیار ہوں گا عنبر۔"

عنبر نے تھیلا اٹھایا اور پہریدار سے مسکرا کر بات کر کے واپس چلا گیا۔

رات گہری ہونا شروع ہو گئی۔ شاہی محل میں آدھی رات کے وقت ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ عنبر اور یورکا نے فرار کا پورا پورا انتظام کر لیا تھا۔ آدھی رات گزر گئی تو یورکا شاہی محل کے پچھلے دروازے سے نکل کر عقبی باغ میں گھوڑوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ دوسری طرف عنبر نے دوائی کی شیشی اٹھائی اور زر کسیر سے ملاقات کرنے قید خانے کی طرف آ گیا۔ پہریدار نے دروازہ کھول دیا۔ اُس کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ عنبر رات کو قیدی کو دوا دینے آئے گا۔ زر کسیر بالکل تیار تھا۔ عنبر نے اُسے دوائی پلائی اور کہا:

''سب کام بالکل تیار ہے۔''

''مگر یہ پہریدار؟''

''اِس کا ابھی بندوبست کرتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر عنبر نے پہریدار کو آواز دے کر اندر بلایا۔ وہ اندر آیا تو عنبر نے کہا:

''ذرا اس شیشی کو ہاتھ میں تھامے رکھو میں مریض کے ماتھے پر مالش کرلوں۔''

پہریدار دوائی کی شیشی اٹھانے کے لیے نیچے جھکا تو پلک جھپکنے کے اندر اندر عنبر نے کسی تیز دوائی میں بھگویا ہوا رومال جیب سے نکال کر پہریدار کی ناک پر رکھ دیا۔ یہ دوا اس قدر تیز تھی کہ پہریدار کے ہاتھ پاؤں ایک دم ڈھیلے ہو گئے اور وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔ عنبر اور زرکسیر نے مل کر اُسے اٹھایا اور چبوترے پر لٹکا دیا۔ عنبر نے کہا:

''فوراً اپنے کپڑے اسے پہنا دو اور اِس کے کپڑے خود پہن لو۔ میں دروازے پر نظر رکھتا ہوں۔''

زر کسیر نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا اور جھٹ پٹ اپنے کپڑے پہریدار کو پہنا دیے اور اُس کی وردی پہن کر لوہے کا ٹوپ سر پر رکھ لیا اور ہاتھ میں تلوار تھام لی۔ وہ عنبر کے ساتھ قید خانے کا دروازہ بند کر کے فوراً باہر نکل آیا۔ دونوں زینے کی سیڑھیاں چڑھتے اوپر آ گئے۔ برآمدے میں دور تک گہری خاموشی تھی۔ وہ برآمدے میں سے گزر کر اوپر صحن میں آئے تو سامنے سے ایک پہریدار نے آواز دی۔

''کون ہے؟''

''شاہی حکیم ہوں۔ پہریدار کو ساتھ لے کر دوائی پلانے جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے جاؤ۔''

عنبر زر کسیر کو لے کر اُس طرف آ گیا۔ جہاں شاہی محل کا ایک چور دروازہ تھا۔ اس دروازے پر ایک سپاہی چوبیس گھنٹے پہرے پر رہتا

تھا۔عنبر وہاں پہنچا تو پہریدار نے آگے بڑھ کر پوچھا:

’’کون ہو تم؟‘‘

’’عنبر۔۔۔شاہی حکیم۔‘‘

’’تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ یہ تمہارے ساتھ پہریدار کیوں ہے؟‘‘

’’میں اسے لے کر جنگل میں......‘‘

عنبر کو کوئی اور جواب نہ سوجھ رہا تھا۔پہریدار کو شک ہوا۔اُس نے آگے بڑھ کر زر کسیر کو دیکھا۔وہ اُسے ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ کیونکہ ایک مہینہ وہ زر کسیر کا بھی پہریدار رہ چکا تھا۔اُس کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ زر کسیر کا تلوار والا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔اور دوسرے لمحے پہریدار کا جسم دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔

’’جلدی نکلو یہاں سے زر کسیر۔‘‘

وہ بڑی تیزی کے ساتھ محل کے چور دروازے سے نکل کے دوڑتے ہوئے باغ کے اس حصے میں آ گئے جہاں یورکا گھوڑے لیے بڑی بے تابی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے عنبر اور زرکسیر کو اپنی طرف دوڑ کر آتے ہوئے دیکھا تو گھوڑے کھول دیے۔ وہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں سرپٹ دوڑاتے شہر کے اُس حصے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں فصیل کے دروازے پر آدھی رات کو صرف ایک چوکیدار ہوتا تھا۔ دروازے سے کچھ دور عنبر نے یورکا اور زرکسیر کو درختوں کی اوٹ میں کھڑا کیا اور خود گھوڑا لے کر چوکیدار کے پاس گیا۔ چوکیدار نے نیزہ تان کر پوچھا۔

''کون ہو تم۔ کہاں جا رہے ہو؟''

عنبر گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور چوکیدار سے کہنے لگا وہ عنبر شاہی حکیم ہے اور شہر کی سیر کر رہا ہے۔ چوکیدار اسے پہچانتا تھا۔ اسے معلوم

تھا کہ یہ حکیم اکثر راتوں کو شہر کی سیر کیا کرتا ہے۔ وہ عنبر سے کہنے لگا کہ وہ گورنر سے سفارش کرے کہ اُسے فصیل شہر کی پہریداری سے ہٹا کر شاہی محل میں لگا دیا جائے۔ عنبر نے کہا کہ وہ ضرور اُس کی سفارش کرے گا۔ اِس دوران میں عنبر نے جیب سے رومال نکال لیا تھا۔ پھر اچانک اس نے رومال پہریدار کی ناک سے لگا دیا اور پہریدار بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ عنبر نے جانور کی آواز نکال کر زرکسیر اور یورکا کو بلایا اور انہیں ساتھ لے کر قرطاجنہ شہر کی چار دیواری سے باہر نکل گیا۔ اب وہ تینوں آزاد تھے اور انہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے قرطاجنہ سے اتنی دور نکل جائیں کہ گورنر کے سپاہی اُس کا پیچھا بھی کریں تو انہیں نہ پا سکیں۔

ملکہ کا فرار

وہ تینوں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے انگوروں کے باغ میں پہنچ گئے۔
انہیں یہاں سے شہزادے کو بھی ساتھ لینا تھا۔حبشی غلام حانو
شہزادے کے پاس تہہ خانے میں سو رہا تھا۔انہوں نے حانو کے چچا
کو جگایا۔ چچا انہیں تہہ خانے میں لے گیا۔فوراً شہزادے اور حانو کا
جھگا کر تیار کروایا گیا۔باہر دو گھوڑے بندھے ہوئے تھے شہزادہ اور
حانو ان پر سوار ہوئے اور یہ پانچوں سوار چچا کا شکریہ ادا کر کے بڑی
تیزی کے ساتھ گھوڑوں کو دوڑاتے ۔انگوروں کے باغ سے نکل کر
ملک یمن کی طرف روانہ ہو گئے ۔راتوں رات وہ کافی دور نکل آئے
اور جب سورج طلوع ہوا تو وہ قرطاجنہ سے اتنے فاصلے پر تھے کہ گورنر
کے سپاہی چاہے جتنی تیزی سے پیچھا کرتے وہ ان تک نہیں پہنچ سکتے
تھے۔

مگراس وقت تک عنبر کے ساتھی بہت دور نکل چکے تھے۔وہ ایک پل کے لیے بھی آرام کیے بغیر مسلسل گھوڑے دوڑاتے سفر کر رہے تھے۔دن بھر دھوپ میں سفر کرتے رہے۔رات کوانہوں نے تھوڑی دیر آرام کیااور پھر سفر پر روانہ ہوگئے۔گورنر کے سپاہی بہت پیچھے ان کے تعاقب میں چلے آرہے تھے۔جس وقت سپاہی رات کوآرام کر رہے تھے۔اُس وقت عنبر کے ساتھی گھوڑے دوڑاتے آگے بڑھے چلے جارہے تھے۔دوسرے روز بھی وہ شام تک سفر کرتے رہے۔رات کوایک جگہ تھوڑی سی دیر آرام کیا۔گھوڑوں کوچارہ کھلاکر پانی وغیرہ پلایااور پھران پرسوار ہوکر چل پڑے۔شہزادہ گھوڑے پر بیٹھ کرمسلسل سفر کرنے سے تھک گیا تھا۔مگر یہ اس کی اوراس کے وفادار ساتھیوں کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔وہ چپ چاپ یہ تکلیف برداشت کر رہا تھا۔تیسرے روز بھی ان کاسفر جاری رہا۔

چوتھے روز حبشی غلام کا گھوڑا تھک کر اچانک گرا اور اُس نے دم توڑ دیا۔ وہ شہزادے کے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سفر جاری رکھا۔ پانچویں روز وہ بابل کی سرحدوں سے بہت دور شمال مغربی پہاڑی سلسلے میں پہنچ گئے۔ اُن کی رہنمائی یورکا کر رہا تھا۔ یہی وہ پہاڑیاں تھیں جن کے غاروں میں زرکسیر کی حامی اور وفادار فوج کے بچے کھچے سپاہی روپوش تھے۔ شام ہونے سے پہلے یورکا انہیں لے کر ایک اونچے پہاڑ کے دامن میں آ گیا۔ یہاں ہر طرف جنگلی جھاڑیوں کے درمیان نوکیلی چٹانیں کھڑی تھیں۔ پہاڑ کے دامن میں بے شمار چکر کاٹنے کے بعد یہ لوگ ایک چھپے ہوئے غار کے اندر داخل ہو گئے اس غار کے آدھے منہ کو پتھروں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ غار کے اندر پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ یورکا نے کافی آگے جا کر ایک جگہ کھڑے ہو کر کسی جانور کی آواز نکالی اور پھر وہ کان لگا کر سننے لگا۔ دوسری تیسری

بار آواز نکالنے کے بعد دوسری طرف سے بھی اُسی طرح جانور کے بولنے کی آواز سنائی دی۔

''وہ لوگ موجود ہیں۔''

یورکا نے کہا اور زرکسیر، عنبر، شہزادے اور حانو کو لے کر جدھر سے آواز آئی تھی ادھر کو چل پڑا۔ غار کے کئی ایک موڑ گھومنے کے بعد وہ ایک نسبتاً کھلی جگہ پر آ گئے۔ وہ پہاڑ کی اونچی چھت کے نیچے کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے بہت سے سپاہی خوشی سے نعرہ لگاتے نمودار ہوئے اور انہوں نے زرکسیر کو گھیر لیا۔

''سردار، آپ کو نئی زندگی مبارک ہو۔ یورکا آپ ہمارے سپہ سالار کو لانے میں کامیاب ہوئے۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔''

یورکا اور زرکسیر نے شہزادے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اور انہیں نہیں پہچانا۔ یہ ہمارا شہزادہ ماروت ہے۔ نینوا کے تخت کا واحد وارث۔"

سپاہیوں نے شہزادے کے حق میں تلواریں بلند کر کے نعرے لگائے اور اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ نینوا سے دشمن کو نکال کر تہہ تیغ کرنے میں کبھی دریغ نہیں کریں گے۔ اس کے بعد یورکا نے سپاہیوں سے عنبر کا تعارف کرایا اور کہا کہ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو ہم زرکسیر کو کبھی دشمن کی قید سے رہائی نہ دلا سکتے تھے۔ سپاہیوں نے ایک ایک کر کے عنبر سے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور آئندہ کے بارے میں منصوبے تیار کرنے لگے۔ زرکسیر کو معلوم ہوا کہ باقی وفادار فوج کے بکھرے ہوئے سپاہی بھی ملک ملک سے فرار ہو کر اسی غار میں آ رہے ہیں۔ اس جگہ وہ اپنی فوجی طاقت کو پھر سے جمع کر کے نینوا پر حملہ کر سکتا تھا۔ مگر سب سے پہلے ملکہ کو دشمن کی قید سے

رہا کروانا بہت ضروری تھا۔ اگر وہ ملکہ اور شہزادے کو لے جا کر نینوا کے عوام کے سامنے کھڑا کر دیں تو انہیں یقین تھا کہ لوگ دشمن کے سپاہیوں کی تکا بوٹی کر دیں گے۔ وہ تعداد میں اتنے زیادہ نہیں تھے کہ شاہ بابل کی فوج کا مقابلہ کر سکتے۔ مگر چونکہ انہیں نینوا کی عوام کی حمایت حاصل تھی۔ اس لیے ان کی فوج بے شمار تھی اور انہیں یقین تھا کہ وہ دشمن کو شکست دے کر نینوا سے نکال دینے پر ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود عنبر کو فتح کے بارے میں شک تھا۔ اس نے زرکسیر سے کہا:

''آپ فوج کے سپہ سالار ہیں۔ کیا آپ کو پورا بھروسہ ہے کہ آپ اپنی مٹھی بھر فوج اور نہتے عوام کے ساتھ شاہِ بابل کی یلغار کا مقابلہ کر سکیں گے؟''

زرکسیر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر سر اٹھا کر بولا:

''اس کے لیے ہمیں کسی دوسری طاقت سے مدد لینا پڑے گی۔''

''یہی تو میں کہہ رہا تھا۔'' عنبر نے فوراً جواب دیا۔ ''اگر ہم کسی طرح اُر کے بادشاہ حمورابی کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہم نہ صرف نینوا پر قبضہ کر سکتے ہیں بلکہ شہر بابل کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔''

یورکا نے کہا:

''کیا حمورابی ہماری حمایت اور مدد کرنے پر تیار ہو جائے گا؟''

عنبر نے کہا:

''اُس کے ایک صوبے کا آدھا حصہ شاہِ بابل نے ہڑپ کر لیا ہے۔ ہم حمورابی کو شاہِ بابل کے خلاف اُکسا سکتے ہیں۔ اُس کی فوج بھی زیادہ ہے اور آج کل وہ بہت زور شور سے جنگی طاقت میں اضافہ کر رہا ہے۔ جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ وہ شاہِ بابل بخت نصر کے

ملک پر چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہے۔''

زرکسیر نے کہا:

''اگر ہم تھوڑی سی کوشش کریں تو حمور بی کو اپنے ساتھ شامل کر سکتے ہیں۔ ہم اسے یقین دلائیں گے کہ بادشاہ کی وفادار فوج اور نینوا کے عوام اس کے ساتھ ہوں گے۔ اس سے زیادہ اُسے اور کیا چاہیے؟''

یورکا نے کہا:

''میرا خیال ہے کہ حمور بی سے بات کرنے کے لیے میں اور عنبر جاتے ہیں۔''

زرکسیر نے کہا:''

''ٹھیک ہے۔ مگر اس وقت سب سے اہم کام ملکہ عالیہ کو بخت نصر کی قید سے نجات دلانا ہے۔''

عنبر کہنے لگا:

"یہ کام میں اکیلا ہی کرلوں گا۔ میں آج رات ہی بابل کی طرف نکل جاؤں گا اور پہلے سرحدی شہر کی حویلی میں جا کر ملکہ عالیہ کو قید سے چھڑا کر اپنے ساتھ لانے کی جان توڑ کوشش کروں گا۔"

یورکا بولا:

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

"بہتر ہے۔"

انہوں نے راتوں رات بعض ضروری تیاریاں شروع کر دیں۔ زرکسیر نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے ملکہ عالیہ کو لے کر وفادار فوجوں کے پاس غار میں پہنچ جائیں۔ منہ اندھیرے عنبر اور یورکا گھوڑوں پر سوار ہو کر بابل کے سرحدی گاؤں کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ وہ سارا دن چلتے رہے۔ وہاں سے بابل کے

سرحدی گاؤں کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک رات پہاڑوں میں آرام کرنے کے بعد وہ دوسرے روز دوپہر کے وقت بابل کی سرحد پر تھے۔ پہریداروں نے ان سے حسب معمول پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ اور بابل میں کیوں جارہے ہیں۔ عنبر نے اپنا وہی پرانا جواب دہرایا کہ وہ حکیم ہے اور یورکا اُس کا شاگرد ہے۔ وہ افریقہ سے بابل میں بیماروں کا علاج کرنے اور روزی کمانے آئے ہیں۔ پہریدار نے کہا:

''پہلے ہمارے سردار کی سر درد تو دور کرکے دکھاؤ۔''

''کہاں ہے تمہارا سردار؟''

''اندر لیٹا ہوا ہے۔''

عنبر یورکا کو ساتھ لے کر سردار کی کوٹھڑی میں آگیا۔ چوکی کا سردار ایک تخت پر چت لیٹا سر درد سے تڑپ رہا تھا۔

عنبر نے اس نے نبض دیکھی اور پوچھا:

''درد آدھے سر میں ہوتا ہے یا پورے سر میں؟''

سردار نے کہا:

''پورے سر میں بڑا خوفناک درد ہو رہا ہے۔ دیوتاؤں کے لیے حکیم ہو تو ایسے دوا دو کہ اس عذاب سے جان چھوٹے۔''

''ابھی علاج کیے دیتا ہوں۔ آپ گھبرائیے نہیں۔''

عنبر نے ایک شیشی میں سے سرخ رنگ کی دوائی نکال کر اُس کے چند قطرے سردار کے حلق میں ڈالے اور اس کے ماتھے پر ایک خاص قسم کے تیل سے مالش شروع کر دی۔ تھوڑی ہی دیر میں سردار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا درد سر غائب ہو چکا تھا۔ وہ عنبر سے بہت خوش ہوا اور اس نے عنبر کو سونے کے سکے پیش کیے اور پوچھا:

''تم کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟''

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ ملک افریقہ سے آیا ہے اور بابل میں

جا کر دُکھی بیماروں کا علاج کر کے اپنی روزی کمانے کا ارادہ رکھتا ہے
سردار نے اسی وقت انہیں سرحد پار کرنے کی اجازت دے دی اور
وعدہ لیا کہ سرحدی چوکی پر پھیرا ضرور مارا کرے گا۔ عنبر نے اُسے
احتیاطاً بتا دیا کہ اس کی ایک خالہ بابل میں رہتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے
سے ملاقات کرنے واپس افریقہ جانا چاہتی ہے۔ اگر وہ تیار ہو گئی تو
اُسے واپس لے جاتے ہوئے وہ چوکی پر ضرور آئے گا۔

''ضرور آنا' ہم تمہاری خالہ کو تحفے دیں گے۔''

''شکریہ آپ کا سردار' اب اجازت دیجئے۔''

سردار سے اجازت لے کر عنبر اور یورکا بابل کی سرحد میں داخل
ہو گئے اور گھوڑے دوڑاتے اس بستی کی طرف چل پڑے جس کی ایک
حویلی میں ملکہ نینوا قید تھی۔ عنبر کو اس بستی کا راستہ معلوم تھا۔ وہ سارا دن
سرحد کے اندر سفر کرتے رہے اور شام کو اس بستی کے قریب پہنچ گئے۔

عنبر نے یورکا سے کہا کہ اب اُسے بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ حویلی کے سپاہیوں کو کسی حالت میں بھی شک نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ملکہ کو رہا کروانے آئے ہیں۔ یورکا نے پوچھا:

"کیا سپاہی تمہیں جانتے ہیں عنبر؟"

عنبر نے مُسکرا کر کہا:

وہ مجھے مقدس انسان سمجھتے ہیں۔ تم چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ وہ میری کس قدر عزت کرتے ہیں، لیکن صرف ان کے عزت کرنے سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمیں بڑی حکمت عملی اور سوجھ بوجھ سے کام لینا ہوگا۔"

اب وہ باتیں کرتے ہوئے حویلی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ حویلی کے باہر مشعل روشن تھی۔ دو سپاہی دروازے پر ننگی تلواریں کندھے پر رکھے پہرہ دے رہے تھے اور دو سپاہی زمین پر بیٹھے کچھ کھا پی رہے

تھے۔ انہوں نے دو گھوڑ سواروں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو کھانا پینا چھوڑ کر تلواریں کھینچ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ عنبر اور یورکا پاس جا کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ایک سپاہی نے للکار کر کہا:

''کون ہو تم' دوست یا دشمن؟''

''ہم دوست ہیں۔'' عنبر نے کہا۔

سپاہی قریب آ گئے۔ انہوں نے عنبر کو دیکھا تو جھٹ تلواریں نیام میں کر لیں اور جھک کر بڑے ادب سے سلام کیا۔

''اے مقدس انسان' آپ کا آنا مبارک ہو۔''

انہوں نے فوراً زمین پر دستر خوان لگا دیا اور اندر سے طرح طرح کے کھانے لا کر چن دیے۔ عنبر اور یورکا نے وہ کھانے پیٹ بھر کر کھائے اُس نے سپاہیوں سے یورکا کا تعارف کرواتے ہوئے کہا:

''یہ میرا غلام ہے یورکا۔ مگر میں نے اسے آزاد کر دیا ہے اور اب

میرے ساتھ میرے بھائی کی طرح رہتا ہے۔ یہ مجھ سے حکمت اور جادو سیکھ رہا ہے۔''

رات کو حویلی کے تمام سپاہیوں نے ''مقدس انسان'' عنبر کے آنے کی خوشی میں بڑا جشن منایا اور دیر تک گانے گاتے اور رقص کرتے رہے۔ پھر وہ سارے بے سُدھ ہو کر سو گئے۔ صرف وہی پہریدار جاگتے رہے جو ملکہ نینوا کی کوٹھڑی کے باہر پہرہ دیتے تھے۔ عنبر نے یورکا سے کہا کہ وہ آرام سے کمرے میں لیٹا رہے۔

''میں ملکہ سے ملنے جا رہا ہوں۔ میں انہیں تمام حالات سے باخبر کر کے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شہزادے اور زرکسیر کو ہم لے آئے ہیں اور اب وہ بھی چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔''

اِس کے بعد عنبر ملکہ عالیہ کی کوٹھڑی کی طرف آ گیا۔ اُس نے پہریدار سے کہا کہ وہ ملکہ سے ملنا چاہتا ہے۔ پہریدار عنبر کی کرامات کو

دیکھ چکے تھے اور اس سے مرعوب بھی تھے۔ اِس لیے انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا اور وہ ملکہ کی کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ ملکہ پتھر کے چبوترے پر لیٹی ہوئی تھی۔ عنبر نے قریب جا کر سرگوشی میں کہا:

''ملکہ عالیہ' میں عنبر ہوں۔ وقت بہت کم ہے میری بات غور سے سنیں۔''

عنبر کو دیکھ کر ملکہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی:

''کیا میرا بیٹا زندہ ہے؟''

''ہاں ملکہ عالیہ' شہزادہ زندہ ہی نہیں بلکہ ہم نے اسے ایک محفوظ مقام پر چھپا دیا ہے۔ حبشی غلام اور زرکسیر بھی اُس کے ساتھ ہے۔''

''کیا زرکسیر کو رہا کرا لیا گیا ہے؟''

''شی' خدا کے لیے آہستہ بولیں۔ میں بہت بڑا خطرہ مول لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ زرکسیر کو ہم نے رہا کرا لیا ہے۔ اب ہم

آپ کو یہاں سے لینے آئے ہیں۔ یورکا بھی میرے ساتھ ہے۔ آپ کل رات کے آخری حصے میں تیار رہیے گا۔''

ملکہ کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ عنبر جلدی سے کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ اُس نے پہریدار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُسے سونے کے چند سکے دیے۔ جنہیں پا کر پہریدار بے حد خوش ہوا اور عنبر کو سلام کرنے لگا۔ عنبر نے اپنے کمرے میں آ کر یورکا کو بتایا کہ وہ ملکہ سے مل آیا ہے۔ کل رات ملکہ تیار ہوں گی اور ہمیں انہیں یہاں سے نکال کر لے جانا ہے۔

''مگر وہ کیسے؟'' یورکا نے پوچھا۔

''تم دیکھتے رہو۔''

''عنبر نے صبح بیدار ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ آج رات حویلی کے تمام سپاہیوں کی وہ دعوت کر رہا ہے۔ سپاہی بے حد خوش ہوئے۔ عنبر

نے فوراً بازار سے چھ سات بکرے منگوا کر ذبح کر دیے۔ شام کو دستر خوان پر قسم قسم کا بھنا ہوا گوشت اور مٹھایاں چُن دی گئیں۔ سپاہی خوشی سے نعرہ لگاتے ہوئے کھانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اِس دوران عنبر نے چھپ کر انگور کے رس سے بھرے ہوئے بڑے مٹکے میں ایک بے ہوش کر دینے والی دوائی کا سفوف ملا دیا تھا۔

اس دوائی کو پینے کے ایک گھنٹے بعد یہ سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ بس وہی وقت ہوگا ملکہ عالیہ کو یہاں سے نکال کر لے جانے کا۔ ہمیں بالکل تیار رہنا چاہیے۔''

''ہم تیار ہیں عنبر۔''

دعوت ختم ہوگئی۔ سپاہی ٹولیوں میں بٹ کر گیت گانے اور رقص کرنے لگے۔ پھر انہیں غنودگی محسوس ہونے لگی اور ایک ایک کر کے زمین پر گر کر بے ہوش ہونا شروع ہو گئے۔ سپاہیوں کے کمانڈار نے

جب تمام سپاہیوں کو بے ہوش ہو کر گرتے دیکھا تو اُسے کچھ شک ہوا۔
جب اُس کا بھی سر چکرانے لگا تو وہ سمجھ گیا کہ ان کے ساتھ بہت بڑا
دھوکہ کیا گیا ہے اُس نے جھٹ تلوار نکال کر عنبر پر حملہ کر دیا۔ یورکا ذرا
پرے کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بھاگ کر عنبر کی جان بچائے
کمانڈار کی تلوار عنبر کے سینے میں اتر چکی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی
کمانڈار پر دوائی نے اثر کر دیا اور وہ تلوار کا دستہ عنبر کے سینے میں ہی کھبا
ہوا چھوڑ کر بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ یورکا کے منہ سے چیخ نکل
گئی۔ کیوں کہ وہ صاف دیکھ رہا تھا کہ تلوار پوری کی پوری عنبر کے سینے
میں اتر چکی ہے اور اُس کی موت یقینی تھی۔

مگر دوسرے لمحے جو منظر اُس نے دیکھا وہ پہلے سے زیادہ حیران
کر دینے والا تھا۔ عنبر نے کھڑے کھڑے بائیں ہاتھ سے تلوار اپنے
سینے سے کھینچ کر نکالی اور پرے پھینک دی۔ نہ تو اس کے سینے پر کوئی

زخم لگا اور نہ خون کا کوئی قطرہ بہا۔ عنبر نے یورکا سے کہا:

''میری طرف دیکھنے کی بجائے اُوپر چلو' ملکہ کو آزاد کروانا ہے۔''

''مگر۔۔۔مگر تم زندہ کس طرح ہو؟''

عنبر نے جھنجھلا کر کہا:

''یہ بعد میں پوچھ لینا یورکا۔ پہلے اوپر چل کر ملکہ عالیہ کو قید سے نکالو۔''

وہ دونوں بھاگتے ہوئے ملکہ کی کوٹھڑی میں گئے اور بولے:

''ملکہ عالیہ' جلدی سے ہمارے ساتھ نکل چلیے۔ حویلی کے تمام سپاہی بے ہوش کر دیے گئے ہیں۔''

ملکہ اٹھ کر ان کے ساتھ چل پڑی۔ وہ حویلی سے باہر آ گئے۔ آسمان پر رات کے نیلے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ رات آدھی گزر چکی تھی۔ وہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور گھوڑے بابل کی سرحد کی

طرف ڈال دیے گئے۔ باقی آدھی رات اور آدھا دن وہ برابر گھوڑے پر بیٹھے انہیں برق رفتاری سے دوڑاتے سفر کرتے رہے۔ تیسرے پہر وہ سرحد چوکی کے قریب پہنچے تو عنبر نے گھوڑا روک لیا۔ اس نے ملکہ کو چادر میں لپیٹ کر گھوڑے پر یوں ڈال دیا کہ معلوم ہو وہ بہت زیادہ بیمار ہے۔ اور خود گھوڑے کی باگ تھام کر یورکا کے ساتھ پیدل چلتا چوکی پر پہنچ گیا۔ یہ آخری مرحلہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔

عنبر کو تو اپنی جان کی فکر نہیں تھی، کیوں کہ اس کو تو کوئی بھی نہیں مار سکتا تھا۔ اُسے یورکا اور ملکہ کی فکر تھی۔ اگر پہریدار کو ذرا سا بھی شک ہو گیا تو وہ ان دونوں کو کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ عنبر نے گھوڑا سرحد کی چوکی کے باہر کھڑا کیا اور خود اندر چلا گیا۔ اندر اُس کا دوست کمانڈر تخت پر نیم دراز انجیروں کا ٹوکرا آگے رکھے انجیر کھا رہا تھا۔ وہ عنبر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

''دوست، تم اتنی جلدی آ گئے؟ کیا واپس جا رہے ہو؟''

عنبر نے غمگین چہرہ بنا کر کہا:

''جس وقت میں خالہ کے ہاں پہنچا تو وہ بہت سخت بیمار تھیں۔ میں نے علاج شروع کیا تو کہنے لگیں کہ میں اب مر رہی ہوں۔ میرا علاج بے کار ہے۔ دیوتاؤں کے لیے مجھے واپس میرے بیٹے کے پاس لے چلو۔ میں آخری بار اپنے بیٹے کی شکل دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں۔''

کمانڈار نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''یہ تو بڑی افسوس ناک بات ہو گئی۔ دیوتا تمہاری خالہ کو صحت دیں، کہاں ہیں وہ؟''

''وہ باہر گھوڑے پر پڑی کراہ رہی ہیں۔ ہمیں اجازت دیں کہ ہم سرحد عبور کر کے جلدی سے جلدی خالہ کو اس کے بیٹے کے پاس پہنچا

سکیں۔''

''ضرور ضرور، لیکن کیا میں تمہاری خالہ کہ مزاج پُرسی نہیں کر سکتا؟''

عنبر پریشان ہوگیا۔ کماندار اس دوران میں کوٹھڑی سے باہر نکل کر اس گھوڑے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس پر ملکہ نینوا چادر میں لیٹی پڑی تھیں۔ عنبر نے سوچا اگر کماندار نے ملکہ کو پہچان لیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا اور وہ اسی وقت ان تینوں کو گرفتار کر لے گا۔ مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کس طرح کماندار کو کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کی خالہ کا چہرہ مت دیکھے۔۔۔ یورکا بھی پریشان ہوگیا۔

کماندار ملکہ کے گھوڑے کے پاس آیا اور چادر ہٹا کر غور سے عنبر کی بناوٹی بیمار خالہ کو تکنے لگا۔ یہ بڑی اذیت کی گھڑی تھی۔ یورکا اور عنبر کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پھڑک کر سینے سے باہر آ جائے گا۔

کماندار کچھ دیر ملکہ عالیہ کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔ ملکہ عالیہ عنبر کی ہدایت کے مطابق آنکھیں بند کئے پڑی کراہ رہی تھیں۔

اچانک کماندار نے اپنا چہرہ ملکہ عالیہ کی طرف سے ہٹا کر عنبر کی طرف غور سے گھور کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایسی کیفیت تھی کہ صاف معلوم ہو رہا تھا اُس نے ملکہ عالیہ کو پہچان لیا ہے اور اب وہ چیخ مار کر سپاہیوں کو حکم دینے والا ہے کہ ان لوگوں کو ملکہ سمیت فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ عنبر کا خون خشک ہونے لگے۔ یورکا کا ہاتھ تلوار کے دستے پر چلا گیا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر کماندار نے ملکہ کو پکڑ لیا تو وہ مقابلہ کرے گا۔ خواہ خود ہلاک ہو جائے۔ کماندار نے ذرا مسکرا کر کہا: ''دوست' کیا یہ تمہاری خالہ ہے؟''

کیا پہریداروں کے سردار کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ ملکہ کو اغوا کر کے لے جا رہے ہیں؟

زرکسیر اور حموربی بادشاہ نے مل کر نینوا اور بابل پر حملہ کیا تو فتح کس کو ہوئی؟

کیا یتیم شہزادہ اپنی والدہ سے مل سکا؟

یہ سب کچھ آپ اس ناول کے چوتھے حصے ''شہزادے کا اغوا'' میں پڑھیے۔

عنبر، ناگ، ماریا

شہزادے کا اغوا

موت کا تعاقب نمبر ۴

اے حمید

شہزادے کا اغوا

سُنو پیارے بچّو!

ہمارا ہیرو عنبر نینوا سے ملکہ کو ساتھ لے کر آدھی رات کو فرار ہوتا ہے۔ شہر کے دروازے پر چوکیدار اُسے روک کر پوچھتا ہے کہ وہ کون ہے اور گھوڑے پر کون لیٹا ہوا ہے؟ گھوڑے پر عنبر نے ملکہ کو بیمار بنا کر ڈال رکھا ہے۔

عنبر کا ہاتھ تلوار کے قبضے پر ہے۔ چوکیدار آگے بڑھ کر ملکہ کو پہچان لیتا ہے۔ عنبر کی تلوار چوکیدار کا کام تمام کر دیتی ہے۔ وہ شہر سے بھاگتا ہے۔ اب وہ بابل کے ہزاروں سالہ پُرانے شہر میں آگیا ہے جہاں تاریخ کے مشہور ساز بادشاہ حمور بی کی حکومت ہے۔ اس شہر میں ایک پُراسرار مندر ہے۔ اس مندر میں انسانوں کی قربانی دی جاتی ہے۔ حمور بی ملکہ نینوا کی مدد کرتا ہے۔ نمرود کی فوج بابل پر حملہ کر دیتی ہے۔ حمور بی کو شکست ہو رہی تھی کہ عنبر کو غیب سے مدد ملتی ہے۔ مگر یہ مدد کس

کی تھی؟

اس کا جواب آپ کو اس ناول میں ملے گا۔

لڑائی کی تیاری

''کیا میں آپ کو پہلے نہیں بتا چکا کہ یہ میری خالہ ہیں۔ یہ بیمار ہیں اور میں انہیں علاج کے لیے اپنے ساتھ ملک افریقہ لیے جا رہا ہوں؟''

عنبر نے یہ جملہ کچھ ایسے تیز لہجے میں دہرایا کہ سرحدی چوکی کے محافظ کو مزید کچھ پوچھنے اور پڑتال کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اُس نے مسکرا کر کہا کہ وہ تو یونہی پوچھ رہا تھا۔ یہ تو اس کا فرض ہے۔ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ کماندار کی زبان سے اتنا سن کر عنبر نے سکھ کا سانس لیا۔ یورکا نے بھی تلوار کے قبضے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا؛ وگرنہ اگر کماندار کو شک پڑ جاتا تو یورکا ضرور تلوار سے اُس پر حملہ کر دیتا۔ اس کے بعد جو ہوتا دیکھا جاتا۔ دوسری طرف ملکہ کا بھی اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے ہی تھا۔ عنبر نے گھوڑے کی بھاگ تھام کر کہا:

’’ہم سرحد عبور کر رہے ہیں ملکہ عالیہ۔‘‘

یہ بات اُس نے سرگوشی میں کی۔ ملکہ نے کچھ نہ کہا۔ اس کے چہرے پر گہرے اطمینان کی جھلک تھی۔ یورکا گھوڑے پر سوار تھا اور عنبرا اپنے اور ملکہ کے گھوڑے کی باگیں تھامے آگے آگے چل رہا تھا۔ سرحد عبور کرنے کے بعد تھوڑی دیر تک وہ پیدل ہی چلتے رہے اس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور پوری تیز رفتاری سے گھوڑوں کو ملک یمن کی طرف ڈال دیا۔ یمن کا سفر وہاں سے چار دن اور چار راتوں کی مسافت پر تھا۔ راستے میں مناسب جگہوں پر قیام کرتے یہ لوگ پانچویں روز یمن کی سرحد پر پہنچ گئے۔ یہاں یمن میں داخل ہونے میں انہیں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اب ان کا رخ اس قصبے کی طرف تھا جہاں شہزادہ اور حبشی غلام اپنے چچا کے مکان پر چھپے ہوئے تھے۔ وہ بہت جلد انگوروں کے باغ میں سے گزر کر اس مکان میں پہنچ گئے۔

شہزادے کا اغوا

دن کا وقت تھا۔ جانو اپنے چچا کے ساتھ باغ میں کام کر رہا تھا۔ اُس نے گھوڑوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ جبشی غلام ملکہ پر نظر پڑتے ہی جھک گیا۔ ملکہ نے گھوڑے پر سے اتر کر سب سے پہلا سوال یہی کیا کہ اس کا بیٹا' اُس کا لختِ جگر شہزادہ ماروت کہاں ہے؟ عنبر' یورکا' جبشی غلام اور اس کا چچا' ملکہ کو مکان کے تہہ خانے میں لے گئے۔ ملکہ نے شہزادے کو بار بار پیار کیا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''میرے بیٹے' دیوتاؤں کو یہی منظور تھا کہ ہماری سلطنت لُٹ جاتی' تمہارا باپ ہلاک کر دیا جاتا اور محل میں آگ لگا دی جاتی۔ پھر بھی میں آسمانی دیوتاؤں کا شکر ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے میرے بیٹے کو زندہ رکھا اور مجھے ملا دیا۔

اِس کے بعد اُس نے عنبر اور یارکا کا شکریہ ادا کیا جس نے موت

کے منہ سے نکال کر ماں کو اس کے بیٹے سے ملا دیا۔ پھر اس نے حبشی غلام کا بھی شکریہ ادا کیا جس نے زخمی شہزادے کو غار میں اپنی حفاظت میں رکھا۔ عنبر نے کہا:

''ملکہ عالیہ' ہم لوگوں نے اپنا اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اس لیے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ شاہِ بابل نے آپ کے ملک پر حملہ کر کے اتنا بڑا ظلم کیا ہے جس کی سزا اُسے ضرور ملنی چاہیے۔''

''وہ وقت ضرور آئے گا عنبر' ہم اُسی دن کے انتظار میں زندہ ہیں۔ یہ بتاؤ یورکا' زرکسیر کہاں ہے؟ وہ ہمارا وفادار سپہ سالار ہے۔''

''ملکہ سلامت' زرکسیر یہاں سے ایک رات کے سفر پر ان پہاڑیوں میں گیا ہوا ہے جہاں ہماری وفادار فوجیں غاروں میں چھپی ہوئی ہیں۔''

''ہم زرکسیر سے بہت جلد ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کب تک

واپس پہنچ جائے گا۔ کیا اُسے معلوم تھا کہ میں یہاں آ رہی ہوں؟''

''انہیں معلوم تھا ملکہ سلامت، لیکن وہ رہا ہونے کے فوراً بعد وفادار سپاہیوں سے ملنا چاہتے تھے۔''

''ٹھیک ہے، یہ زیادہ ضروری تھا۔ زرکسیر ہمارا وفادار اور بہادر سپہ سالار ہے۔ ہمیں اس پر بہت بھروسہ ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ یمن کے ملک اور بادشاہ کا کیا حال ہے؟''

حبشی غلام کے چچا نے جھک کر عرض کیا:

''ملکہ سلامت، یمن کا بادشاہ اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کر رہا ہے۔ اُسے مخبروں کے ذریعے معلوم ہو چکا ہے کہ بادشاہ بابل اس کے ملک پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن وہ اتنا طاقت ور نہیں۔ اِس لیے وہ شاہ بابل بخت نصر کی خوشامد کرنا ہی بہتر خیال کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے آپ سب لوگوں کو یہاں چھپائے رکھنے کا

فیصلہ کیا ہے۔''

''ہاں ملکہ سلامت' اگر یمن کے بادشاہ کو علم ہو گیا کہ نینوا کی ملکہ اور زر کسیر یہاں چھپے ہوئے ہیں تو شاہ بابل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہمیں ضرور گرفتار کر کے بابل بھجوا دے گا۔''

''مگر ہم کب تک اپنے شہزادے اور آپ لوگوں کے ساتھ یہاں چھپے رہیں گے؟''

یورکا نے کہا:

''جب تک ہم اس قابل نہیں ہو جاتے ملکہ عالیہ کہ نینوا پر چڑھائی کر کے اپنے وطن کو دشمنوں کے پنجے سے آزاد کرا لیں۔''

عنبر نے کہا:

''اس کے لیے ہمیں شاہ یمن کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرنی ہو گی۔''

”کیا ایسا کرنا خطرناک بھول نہیں ہو گی؟“

”شاہ یمن کو ہرگز یہ نہیں بتایا جائے گا کہ ملکہ نینوا اور شہزادہ اور زرکسیر یہاں موجود ہیں۔ اُسے شاہ بابل کے خلاف بڑھا کایا جائے گا اور اُس کی ہمدردی حاصل کی جائے گی۔“

ملکہ نے کہا:

”یہ فرض سوائے تمہارے اور کوئی ادا نہیں کر سکتا عنبر' مجھے اُمید ہے کہ میری خاطر جس طرح پہلے تم نے اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں تم یہ کام بھی ضرور کرو گے۔“

عنبر نے کہا:

”آپ پر شاہ بابل نے ظلم کیا ہے ملکہ عالیہ' آپ اپنے ملک میں امن سے رہ رہی تھیں کہ بخت نصر کی فوجوں نے چڑھائی کر کے آپ کے محل کو آگ لگا دی۔ آپ کے اہل خاندان کو قتل کر دیا۔ آپ کی مدد

کر کے مجھے خوشی ہوگی۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی عنبر! اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے عنبر تو میں اور شہزادہ ماروت ساری زندگی تمہارے شکر گزار رہیں گے۔ ہم تمہارا یہ احسان زندگی بھر فراموش نہ کر سکیں گے۔"

اِس پر حبشی غلام نے کہا:

"ملکہ عالیہ، میں بھی عنبر کا شکر گزار ہوں کہ اس نے بڑی جانفشانی سے شہزادے کے زخم کا علاج کیا۔ اُس وقت شہزادے کے زخم کی بہت خراب حالت تھی۔ جب عنبر میرے پاس آیا اور اس نے شہزادے کا علاج شروع کیا۔"

یورکا نے کہا:

"اور گورنر قرطاجنہ کے چنگل سے زرکسیر کو آزاد کرانا بھی عنبر ہی کا کام تھا۔ اگر یہ گورنر کا علاج کر کے محل میں شاہی حکیم کا مقام حاصل نہ

کرتا تو میں اکیلا ساری زندگی بھی اگر کوشش کرتا رہتا تو زرکسیر کو رہا نہ کرا سکتا تھا۔"

ملکہ نے عنبر کی طرف احسان مند نظروں سے دیکھ کر کہا:

"اور مجھے بخت نصر کے وحشی درندوں کی قید سے آزاد کروا کر لے جانا بھی عنبر ہی کا کام تھا۔ دیوتاؤں کی ہم پر خاص مہربانی ہوئی جو انہوں نے عنبر کو ہمارے پاس بھیج دیا۔ اسی لیے تو مجھے یقین ہے کہ ہم ایک نہ ایک دن اپنا کھویا ہوا تخت حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔"

حبشی غلام حانو کے چچا نے اِس مقام پر انگوروں کا شہد جیسا میٹھا رس پیش کرتے ہوئے کہا:

"میری زندگی، یہ زمین اور باغ کی ساری آمدنی اس کام کے لیے وقف ہے۔ میں فخر محسوس کروں گا اگر نینوا کی کھوئی ہوئی سلطنت کو

حاصل کرتے ہوئے میرے زندگی بھی قربان ہو جائے۔''

ملکہ عالیہ نے خوش ہو کر کہا:

''ہم اپنے تمام وفادار اور جاں نثار ساتھیوں سے خوش ہیں اور ہمیں ان پر پورا پورا بھروسہ ہے۔ اُن کی مدد ہی سے ہم اپنا کھویا ہوا وقار اور کھویا ہوا تخت حاصل کر سکیں گے۔''

ملکہ کا بستر شہزادے کی مسہری کے ساتھ ہی لگا دیا گیا۔ وہ رات انہوں نے تہہ خانے کے کمرے میں، یورکا اور حبشی غلام نے ایک دوسرے کمرے میں اور عنبر نے باہر باغ کے ایک گوشے میں لیٹ کر بسر کی۔ عنبر اب جلد سے جلد زرکسیر سے مل کر شاہ یمن حمور بی سے بات چیت کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ زرکسیر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

دو روز اسی طرح گزر گئے۔ تیسرے روز زرکسیر وہاں پہنچ گیا۔

ملکہ نے بڑے فخر اور خوشی کے ساتھ ہاتھ ملایا اور اُسے دُعا دی۔ اِس کے فوراً بعد انہوں نے ایک خفیہ اجلاس بُلا کر صلاح مشورہ شروع کر دیا کہ حمور بی کی ہمدردیاں کس طرح حاصل کی جائیں؟ عنبر نے کہا:

''مجھے یقین ہے کہ شاہ بابل بخت نصر یمن پر ضرور حملہ کرے گا۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ یمن ایک چھوٹا ملک ہے اور بخت نصر کی نگاہیں کئی دنوں سے اس پر لگی ہوئی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اُسے یقین دلایا گیا ہے کہ زرکسیر کو یمن کی حکومت نے اغوا کرایا ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو اِسے ہم اپنے حق میں ایک نیک فال تصور کر سکتے ہیں۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا یقین اُسے کس نے دلایا ہے؟''

عنبر نے کہا:

”یہ میں خفیہ طور پر معلوم کر چکا ہوں۔“

”پھر تو ہمیں ایک پل کی دیر بھی نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں فوراً حمور بی کے دربار میں رسائی حاصل کر کے اُسے اپنی حمایت کا بھرپور یقین دلانا چاہیے۔“

یورکا نے کہا:

”اگر ہم نے حمور بی کی فوجوں کے ساتھ مل کر نینوا سے بخت نصر کی فوجوں کو نکال دیا تو اُس کا کیا ثبوت ہے کہ حمور بی اپنے وعدے پر قائم رہے گا اور ہمارا کھویا ہوا تخت واپس کر دے گا۔“

عنبر نے بڑے اعتماد سے کہا:

”یہ کام آپ مجھے سونپ دیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حمور بی ایک اصول پرست اور با اخلاق بادشاہ ہے۔ اُس نے اپنی قوم کو جو اخلاقی اصولوں کا ایک قانون دیا ہے۔ اس میں سچ بولنے اور اپنے وعدے کی

پابندی کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں کچھ ایسا بندوبست کرلوں گا کہ حموربی شاہ یمن اپنے عہد اور شرطوں کے خلاف جانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔"

زرکسیر نے کہا:

"کیا تم اُس کے بیٹے کو یرغمال کے طور پر رکھو گے؟"

"نہیں زرکسیر، میں اس کی ساری سلطنت کو یرغمال میں رکھوں گا۔"

یورکا نے حیرانی سے پوچھا:

"وہ کیسے؟"

"یہ وقت آنے پر معلوم ہوگا۔ کیا تم نے اس کی ایک جھلک اس وقت نہیں دیکھی تھی جب صحرا میں ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کیا تھا؟"

یورکا نے کہا:

''ہاں مجھے یاد ہے۔تم پر دیوتاؤں کی خاص نظر ہے اور شاید تم جادو بھی جانتے ہو۔تم ایسا کر سکتے ہو۔اگر تم چاہو تو ایسا کر سکتے ہو۔''

زرکسیر نے کہا:

''یہ تم لوگ کس قسم کی باتیں کر رہے ہو؟ کیا عنبر جادو بھی جانتا ہے؟ دیوتاؤں کی مہربانی سے کیا مُراد ہے؟''

عنبر نے جھٹ کہا:

''زرکسیر یورکا مذاق کر رہا تھا۔ ہر انسان پر دیوتا اور ربِ عظیم کا فضل ہوا ہے' بشرطیکہ وہ سچا آدمی ہے۔یورکا نے ایک بار سفر کے دوران دیکھا تھا کہ جن ڈاکوؤں نے ہمیں رسیوں سے جکڑ کر پھینک دیا تھا' آخر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے اور ہم کو آزاد کر کے ہم سے معافی کے طلب گار ہوئے۔''

شہزادے نے حیرانی سے پوچھا:

''کیا تمہیں جادو آتا ہے عنبر؟''

زرکسیر نے کہا:

''شہزادہ سلامت' ہمیں ایسی باتوں سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔ ضرورت اس وقت جس چیز کی ہے وہ عمل ہے۔ ہمیں نینوا کی عوام کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔ حمورابی شاہ یمن کی ہمدردی حاصل کرنے کی ہمیں کوشش کرنی ہے۔''

ملکہ نے پوچھا:

''ہماری فوج کی تعداد کتنی ہے زرکسیر؟''

''ملکہ عالیہ' اس وقت ہمارے پاس وفادار فوج کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ مگر ہمارے وفادار سپاہی دور دور سے آکر ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ ہمیں اسلحہ اور منجنیقیں بھی حاصل کرنی ہیں۔ اس کے لیے سونے کی ضرورت ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔''

یہاں پر عنبر نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہا:

''اسلحہ اور منجنیقیں حمور بی سے حاصل کریں گے۔ ہماری تھوڑی فوج شاہ یمن کی بھاری فوج کے شانہ بشانہ لڑ کر اُس کا اسلحہ اور اُس کی منجنیقیں استعمال کر کے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کر لے گی۔ مجھے یقین ہے ہم کامیاب ہوں گے۔''

ملکہ نے کہا:

''دیوتا تمہاری زبان مبارک کریں۔''

زرکسیر نے کہا:

''عنبر' جیسا کہ تم یہ فرض خود اپنے ذمے لے چکے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد یمن کے دار السلطنت جا کر حمور بی کے دربار میں رسائی حاصل کر کے اُسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش شروع کر دو۔''

''میں اِس مقصد کے لیے کل ہی روانہ ہو جاؤں گا زرکسیر' مجھے

صرف یہ بتا دو ہم آپس میں کس جگہ ملاقات کر سکیں گے۔''

یور کا نے کہا:

''میرے خیال میں یہ انگوروں کے باغ والا مکان ہماری بہترین پناہ گاہ ہے۔ ہم اس جگہ ہر وقت پیغام بھجوا سکتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔ ملکہ عالیہ' شہزادہ اور حانو تو مستقل طور اسی جگہ رہیں گے۔ صرف میں اور زرکسیر فوجوں کے پاس ہوں گے۔ سرخ پہاڑوں کے غاروں سے تم بھی واقف ہو۔ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ اگر تمہیں ہم دونوں میں سے کسی کو ملنے کی ضرور محسوس ہو تو تم وہاں آ کر ہم سے ملاقات کر سکتے ہو۔''

''بہت بہتر' میں آج رات ہی اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔''

''ہم اس وقت یمن کے ایک سرحدی گاؤں میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہاں سے یمن کا دارالسلطنت حنائی ایک دن ایک رات کے

فاصلے پر ہے۔ اگر تم آج شام چل پڑو تو کل شام ہونے تک تم صنائی پہنچ جاؤ گے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" عنبر نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔

اُس نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ وہ یمن کے دارالحکومت صنائی میں ایک سوداگر کی بجائے حکیم کی صورت میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ حانو کے چچا نے اسے ایک کاروان سرائے کا پتہ دیا تھا جسے اس کا ایک دور کا رشتے دار بوڑھا حبشی چلا رہا تھا۔ وہ حبشی عنبر کی مدد کر کے اسے شہر میں کوئی ایسی دکان یا حویلی لے کر دے سکتا تھا جہاں بیٹھ کر وہ بیماروں کا علاج کر کے اپنا نام پیدا کر سکتا تھا۔ عنبر کے پاس کچھ سونے کے سکے موجود پڑے تھے۔ ملکہ نے اسے اپنا ایک قیمتی ہار دینا چاہا مگر عنبر نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ ملکہ عالیہ، مجھے اتنی دولت کی ضرورت

نہیں۔میرے پاس ایسا فن ہے کہ میں بہت جلد دولت پیدا کر سکتا ہوں۔لیکن میرا مقصد دولت پیدا کرنا نہیں بلکہ حنائی میں رہ کر شاہ یمن حمورابی کے دربار تک رسائی حاصل کرنا ہوگی۔"

"پھر بھی عنبر بیٹے' تمہیں ضروری اخراجات کے لیے پیسوں کی تو ضرورت ہوگی۔"

"اتنی رقم میرے پاس موجود ہے ملکہ عالیہ۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

سارا دن عنبر تیاریوں میں مصروف رہا۔دوسری طرف زر کسیر اور یور کا بھی سرخ پہاڑوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔شام ہوئی سورج کی گرمی ذرا کم ہوئی تو عنبر نے بھی ملکہ اور شہزادے سے اجازت لی اور دارالحکومت حنائی کی جانب اپنا سفر شروع کر دیا۔اُس نے جانو اور اُس کے چچا کو تاکید کر دی تھی کہ وہ شہزادے اور ملکہ کی پوری طرح

دیکھ بھال کریں اور کسی حالت میں بھی کسی اجنبی پر اعتبار نہ کریں۔
اُسے یقین تھا کہ تجربہ کار حانو اور سمجھ دار چچا ان کی ہدایت پر ضرور عمل کریں گے۔
یہی وجہ تھی کہ وہ مطمئن ہو کر سفر کر رہا تھا۔

دیوی بلطیس

یمن ایک رات کے فاصلے پر تھا کہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ عنبر نے ایک لمبا چوڑا صحرا عبور کر لیا تھا اور اب جس میدان میں سے گزر رہا تھا وہ چٹانوں اور چھوٹی چھوٹی جلی ہوئی سخت پہاڑیوں سے بھرا ہوا تھا۔ راستے میں کہیں کہیں پتھروں کے نیچے کوئی چشمہ اور تھوڑی بہت گھاس اُگی ہوئی مل جاتی اور عنبر گھوڑے کو تازہ دم کر لیتا۔ درخت کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ سخت پتھریلی زمین پر گھوڑا سست رفتاری سے چلا جا رہا تھا۔ گرمی بڑی شدید تھی۔ ایک پہاڑی کا موڑ کاٹ کر عنبر اچانک سامنے ایک سرخ رنگ کا ٹیلہ دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔ اس علاقے میں سرخ رنگ کا پہاڑ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا آہستہ آہستہ چلتا اُس پہاڑ کے قریب سے گزرنے لگا تو ایکا ایکی اُس کے کانوں سے ایک بوڑھی

عورت کی کمزور اور غمگین آواز ٹکرائی۔

''ہے بابا' کوئی مسافر اس غریب عورت پر رحم کرے۔''

عنبر بڑا حیران ہوا کہ اس بربراجاڑ ویرانے میں یہ عورت کہاں سے آ گئی؟ وہ آواز کے پیچھے چلتا ہوا ایک جگہ آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت زمین پر پتھر کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی ہے اور بار بار یہی جملہ دہرائے جارہی ہے۔ عنبر اُس کے پاس جا کر کھڑا ہوا گیا۔ اُس نے پوچھا:

''بی بی' تمہیں کیا تکلیف ہے؟''

عورت نے اپنے بوڑھی پلکیں اٹھائی تو عنبر کو یوں لگا جیسے اُن کی آنکھوں میں بڑی خوفناک کشش تھی۔ عورت کہنے لگی:

''بیٹا' دیوتا تمہارے نگہبان ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ میں تو بوڑھی ہوں اور اس دنیا میں کو کچھ دن کی مہمان ہوں۔ لیکن اس پہاڑ

کے اندر ایک غار ہے۔ اِس غار میں میرا ایک جوان بیٹا مر رہا ہے۔ اُسے سانپ نے کاٹ کھایا ہے۔ اگر تم اس کی زندگی بچا سکتے ہو تو اس کی مدد کرو۔ میں ساری زندگی تمہیں دعا دوں گی۔''

عنبر نے بوڑی عورت سے کہا:

''بی بی، گھبراؤ نہیں۔ میرے پاس ایسی دوائی ہے کہ تمہارا بیٹا جلد اچھا ہو جائے گا۔ کیا وہ اس سامنے والی غار کے اندر ہے؟''

''ہاں بیٹا، وہ اسی غار کے اندر پڑا ہے۔ دیوتاؤں کے لیے اس بوڑھی عورت پر رحم کرو اور میرے بچے کی جان بچا لو۔''

عنبر نے بوڑھی عورت کو تسلی دی اور گھوڑا باہر ایک پتھر کے ساتھ باندھ کر غار کے اندر داخل ہو گیا۔ یہ غار ایک نیم روشن سرنگ نما تھا جس کی اُونچی چھت میں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ عنبر جوں جوں غار کے اندر جا رہا تھا، اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اور روشنی کم

ہوتی چلی جا رہی تھی۔ عنبر بڑا حیران تھا کہ آخر اس بوڑھی عورت کا بیٹا کہاں پڑا ہوا ہے۔ ایک جگہ پہلو میں عنبر نے ایک دروازہ دیکھا جس کے اندر سے کسی مرد کے آہستہ آہستہ کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی آدمی درد کی وجہ سے رو رہا ہے۔ عنبر سمجھ گیا بوڑھی عورت کا بیٹا یقیناً اسی غار کے اندر ہے۔

وہ بے دھڑک اس دروازے میں سے اندر داخل ہو گیا۔ اُس کا غار کے اندر داخل ہونا تھا کہ پیچھے ایک بھاری پتھر آن گرا اور دروازے کا منہ بند ہو گیا۔ عنبر نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ وہاں تو باہر جانے کا کوئی بھی راستہ نہیں تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں پیچھے پلٹ کر پتھر کو ہلانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ مگر وہ پتھر اس قدر بھاری تھا کہ عنبر اگر ساری زندگی بھی لگا رہتا تو اُسے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اِس کے ساتھ ہی آدمی کے رونے کی آواز آنا بھی

بند ہوگئی تھی۔ عنبر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ کیا اُسے کسی سازش میں الجھایا گیا ہے؟ مگر یہاں اس ویرانے میں اس کا کون دشمن ہوسکتا تھا؟ اُس نے سوچا کہ ہمت نہیں ہارنی چاہیے اور آگے چل کر معلوم کرنا چاہیے کہ اس کے ساتھ یہ شرارت کون کر رہا ہے؟

غار میں اب روشنی کم ہوگئی تھی۔ پھر بھی ایک طرف سے روشنی کی ہلکی سی لکیر غار کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ عنبر روشنی کی اس لکیر کے ساتھ ساتھ روانہ ہوگیا۔ غار موڑ گھوم گیا۔ اس کے ساتھ ہی گرمی کی شدت میں اضافہ ہونے لگا۔ وہ تعجب کرنے لگا کہ یہ ٹھنڈے غار میں گرمی کہاں سے آگئی۔ غار کے آخری سرے پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ایک گہرے گڑھے میں لاوا کھول رہا تھا۔ یہ گڑھا ایک کنویں کی طرح تھا۔ عنبر کے بدن میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اُس کو بوڑھی عورت نے اپنی سازش میں پھنسا دیا تھا۔ یقیناً وہ عورت کوئی جادوگرنی یا

چڑیل تھی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سارا غار خوفناک قہقہوں سے گونج اٹھا۔ وہ غار کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ قہقہے کسی بہت بڑے جن کے معلوم ہو رہے تھے۔ عنبر نے سن رکھا تھا کہ یمن کے راستے میں کہیں کہیں غاروں میں فراعنہ مصر کے وقتوں کی غم زدہ پریشان روحیں بھٹکتی پھر رہی ہیں۔

مگر عنبر نے کبھی ان کی پروا نہیں کی تھی۔ اب وہ اس جگہ پھنس گیا تھا جو بھٹکتی ہوئی روحوں کا ٹھکانہ تھی۔ عنبر پیچھے ہٹنے لگا۔ مگر پیچھے بھی اب راستہ بند ہو چکا تھا۔ بائیں جانب اسے ایک چھوٹے سے غار کا منہ دکھائی دیا۔ وہ بے دھڑک ہو کر اس غار میں داخل ہو گیا۔ یہ غار کیا تھی ایک قسم کا قید خانہ تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی غار کا منہ بند ہو گیا اور عنبر پتھروں کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں قید ہو کر رہ گیا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ اس کے ساتھ کیا واقعہ گزر رہا

ہے۔ خواہ مخواہ اُس نے بوڑھی عورت کی آواز پر رک کر اس کا حال پوچھا۔ اچھا بھلا وہ اپنے سفر پر جا رہا تھا۔

''اے نوجوان' مرنے کے لیے تیار ہو جا۔ میں اس پہاڑی علاقے کا سب سے بڑا اور سب سے طاقت ور دیو ہوں میں نے بوڑھی عورت کا روپ دھار کر تجھے اندر بُلایا اور اب تجھے کھا کر اپنی بھوک مٹاؤں گا۔''

یہ آواز غار کی چھت کی طرف سے آ رہی تھی۔ عنبر سمجھ گیا کہ کسی پریشان بدروح کے شکنجے میں پھنس گیا ہے اور اب یہاں سے اُس کا آسانی سے نکلنا بڑا مشکل ہے۔ بھُوت کی آواز نے ایک پل کے لیے اُسے پریشان بھی کیا۔ پھر وہ اپنے حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے بلند آواز سے بولا:

''تم مجھے نہیں کھا سکو گے اے انجان بھُوت۔''

جن کا ایک بھیانک قہقہہ گونجا:

''ہاہاہاہا' اے کمزور انسان' تجھے اپنی طاقت پر یہ گھمنڈ ہے؟ تو بد قسمت ہے کہ ادھر آ گیا۔ تجھے تیری موت ہی گھیر کر میرے پاس لائی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت تجھے میری قید سے رہائی نہیں دلا سکتی۔ میں ابھی تجھے ہڑپ کر جاؤں گا۔''

عنبر کو معلوم تھا کہ جن ایسا نہ کر سکے گا۔ کیونکہ وہ مر نہیں سکے گا اور چونکہ وہ مر نہیں سکتا اس لیے جن اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو گا۔ اس نے پھر بلند آواز میں کہا:

''اے ناسمجھ بھوت' تو نے مجھے یہاں بلا کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ اِس کا احساس ابھی تمہیں ہو جائے گا۔''

''بکواس بند کرو اور میرا ناشتہ بننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

''میں تیار ہوں' تم اپنا کام شروع کرو۔''

اچانک غار کی چھت شق ہو کر پھٹی اور ایک لمبے لمبے سینگوں والا اُونچا لمبا سیاہ بھُوت نمودار ہو کر سامنے آ گیا۔ اُس کے نوکیلے دانت ٹھوڑی سے بھی نیچے آ رہے تھے اور سرخ آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ ناخون لمبے لمبے اور نوکیلے تھے۔ سارے بدن پر ریچھ کی طرح سیاہ بال اُگے تھے۔ اُس کا خیال تھا کہ عنبر اُسے دیکھ کر بے ہوش ہو جائے گا۔ لیکن اس کی بجائے عنبر بڑے سکون سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور جن کو دیکھتے ہوئے بولا:

''تھوڑی دیر بعد تم میرے غلام ہو گے۔ بہتر یہی ہے کہ ابھی یہاں سے بھاگ جاؤ اور پھر کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔''

جن مکروہ قہقہہ مار کر ہنسا:

''میں تمہاری زبان تالو سے کھینچ لوں گا۔''

اتنا کہہ کر جن نے اپنا بہت بڑا ہاتھ آگے بڑھایا اور عنبر کو مٹھی میں

لے کر ہاتھ اوپر اٹھایا۔ عنبر اس کے ہاتھوں میں یوں آ گیا جیسے ہاتھی کی سونڈ میں بلی کا چھوٹا سا بچہ ہو۔ عنبر نے کوئی حرکت نہ کی۔ جن نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ میں آگ کا انگارہ آ گیا ہے۔ اُس نے چیخ مار کر ہاتھ کو جھٹک دیا اور عنبر دور جا گرا۔ پتھروں پر گرنے سے عنبر کو کوئی چوٹ نہ آئی۔ جن غضب ناک ہو گیا۔ اُس نے پاؤں آگے بڑھا کر عنبر کے اوپر رکھ دیا اور چاہتا تھا کہ اُسے کچل کر رکھ دے کہ اُس نے دوبارہ چیخ مار کر پاؤں کو جھٹک دیا۔ اُسے یوں لگا جیسے اس نے اپنا پاؤں آگ میں ڈال دیا ہو۔

جن اور زیادہ غصے میں آ گیا۔ اب اُس نے ایک بہت بڑا پتھر اٹھایا اور دونوں ہاتھوں سے پوری طاقت کے ساتھ عنبر کے اوپر پھینک دیا۔ اتنا بڑا پتھر اگر کسی دو منزلہ عمارت پر گرتا تو وہ چکنا چور ہو جاتی۔ مگر عنبر کے اوپر گرتے ہی پتھر روئی کے گالے کی طرح پرے جا گرا اور عنبر

کو کچھ بھی نہ ہوا۔ اُس نے بلند آواز میں کہا:

''میں نے کہا تھا ناں کہ تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ لو اب میرے انتقام کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

اِس کے ساتھ ہی عنبر نے تلوار کھینچ کر ایک بھر پور وار جن کے پاؤں پر کیا۔ بجلی کا شعلہ سا لپکا اور جن کا ایک پیر کٹ کر الگ ہو گیا۔ جن نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ سارے غار میں زلزلہ آ گیا اور چھت سے بڑے بڑے پتھر گر کر ٹوٹنے لگے۔

عنبر نے دوسرا وار کیا تو جن زمین پر گر پڑا۔ عنبر نے ایک پَل ضائع کیے بغیر تلوار سے جن کی دونوں آنکھوں کو زخمی کر دیا۔ جن اندھا ہو چکا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ مگر عنبر کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتا تھا۔ وہ عنبر کو ذرا سا ہاتھ لگاتا تو اُس کا ہاتھ جل جاتا اور وہ چیخنے لگتا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تلوار ماری اور جن کی گردن

کٹ کر علیحدہ ہوگئی۔ جن مر گیا۔ جن کے مرتے ہی غار کا پتھر اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ لاوے کا کھولتا ہوں کنواں غائب ہوگیا اور غار میں روشنی ہوگئی۔ عنبر روشنی کی طرف آگے بڑھنے لگا۔

یہ روشنی غار کے باہر سے آ رہی تھی۔ عنبر تھوڑی دیر بعد غار سے باہر آ گیا۔ باہر وہ بوڑھی عورت غائب ہو چکی تھی اور اُس کا گھوڑا اُسی طرح پتھر کے ساتھ بندھا سوکھی گھاس کھا رہا تھا۔ عنبر کو یہ سب کچھ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح معلوم ہوا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے سفر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس قسم کا خوفناک تجربہ اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ پھر بھی اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اُس نے شیطانی دیو کو ہلاک کر دیا اور اب وہ دوسرے بے گناہ مسافروں کو ہلاک نہ کر سکے گا۔ چلتے چلتے شام ہوگئی۔ عنبر نے اپنا سفر جاری رکھا۔ وہ آرام کیے بغیر ساری رات سفر کرنا چاہتا تھا تاکہ صبح صبح یمن کے دارالحکومت

حنائی میں پہنچ جائے۔

آسمان پر ستارے چمکنے لگے تھے۔وہ سفر کر رہا تھا اور رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اردگرد ویرانے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی ۔اچانک فضا میں کسی شیر کی دھاڑ گونج اُٹھی شیر کی خوفناک آواز سن کر گھوڑا اڈر کر اچھلا اور عنبر اگر اُسے قابو میں نہ رکھتا تو وہ ضرور اُسے پتھروں پر گرا کر بھاگ جاتا۔عنبر جلدی سے گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ اُس نے گھوڑے کو ایک پتھر کے ساتھ کس کر باندھ دیا اور تلوار کھینچ کر پتھر کی اوٹ میں بیٹھ کر شیر کا انتظار کرنے لگا۔وہ تلوار سے شیر کو ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔اگرچہ اس کا دل گھبرا رہا تھا۔اُس نے اِس سے پہلے کبھی بھی شیر کا شکار نہیں کیا تھا۔مگر اُس کا دل مضبوط تھا اور اُسے یقین تھا کہ وہ شیر کو مار ڈالے گا۔

شیر کی گرج ایک بار پھر گونجی ۔اب کے شیر کی آواز بہت قریب

سے سنائی دے رہی تھی۔ گھوڑے نے اچھلنا کودنا بند کر دیا تھا۔ اس کے بدن پر لرزہ طاری تھا اور وہ سہما ہوا کھڑا تھا۔ ایک دم سے شیر پتھروں کے عقب سے نمودار ہوا اور اُس نے عنبر پر چھلانگ لگا دی۔ عنبر نے زور سے تلوار کا وار کیا۔ تلوار کا وار خالی گیا۔ شیر ایک بار پھر عنبر پر حملہ آور ہوا۔ عنبر نے زور سے دوسری بار تلوار کا وار کیا۔ شیر اس دفعہ بھی بچ گیا۔ تیسری بار حملہ کرنے کی بجائے شیر ذرا دور کھڑا ہو کر عنبر کی طرف دیکھ کر غرانے لگا۔ عنبر تلوار ہاتھ میں لیے اٹھ کھڑا ہوا اور قدم قدم شیر کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اِس لیے بھی بے دھڑک ہو گیا تھا کہ اُسے اپنے بارے میں تو معلوم ہی تھا کہ وہ مرے گا نہیں۔ مرے گا تو شیر ہی۔ اِس خیال نے اُسے بڑی طاقت دی اور وہ تلوار ہاتھ میں لیے شیر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ایکا ایکی وہ ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر زمین پر گر پڑا اور تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔ تلوار کا

گرنا تھا کہ شیر چھلانگ لگا کر عنبر کے اوپر آ گیا۔ اُس نے پوری طاقت سے عنبر کو ایک تھپڑ مارا۔ شیر کا بھر پور تھپڑ اگر ہاتھی بھی کھا لے تو اس کا چہرا اُڑ جاتا ہے۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ ہوا بلکہ اُلٹا شیر کا پنجہ زخمی ہو گیا۔ شیر نے دوسری بار عنبر کی گردن پر پنجہ مارا۔ مگر اس دفعہ بھی عنبر بچ گیا اور شیر کے پنجے سے خون بہنے لگا۔

شیر غصے میں زور سے گرجا اور اس نے عنبر کا چہرہ سالم کا سالم اپنے منہ میں ڈال لیا۔ عنبر نے شیر کے منہ میں جا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے ایک پَل کے لیے بھی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ شیر نے اپنے لمبے نوکیلے دانت عنبر کی گردن میں ڈالے ہوئے تھے مگر عنبر کو ذرا سی بھی درد نہیں ہو رہی تھی۔ شیر نے دو ایک بار زور سے جھٹکا دیا تا کہ عنبر کی گردن دھڑ سے الگ ہو جائے۔ مگر بجائے گردن الگ ہونے کے شیر کے دونوں دانت ٹوٹ گئے اُس نے درد کی شدت سے چیخ مار کر

منہ کھول دیا اور عنبر نے جھٹ اپنا سر نکال لیا۔ اب عنبر کی باری تھی۔ اس نے شیر کی گردن کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ اُس وقت عنبر کے ہاتھوں میں زبردست طاقت آ گئی تھی اور شیر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی گردن چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں آ گئی ہے۔ اس کے مُنہ سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور اُس کے ساتھ ہی شیر غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک انتہائی خوب صورت نازک سی عورت کی گردن عنبر کے پنجوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ عنبر نے فوراً اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

خوبصورت عورت اپنی گردن کو سہلانے لگی اور بولی:

''اے نوجوان! مجھ سے غلطی ہوگئی۔ مجھ کو معاف کردے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تو عام انسان نہیں ہے بلکہ کوئی آسمانی دیوتا ہے۔''

عنبر نے کہا:

''میں آسمانی دیوتا نہیں ہوں بلکہ ایک عام انسان ہوں۔''

''نہیں، ایک عام انسان کے پاس اتنی طاقت کبھی نہیں ہو سکتی جتنی طاقت تمہارے پاس ہے۔ تم یقیناً آسمانی دیوتا ہو۔ تمہیں اس کا علم نہیں ہے۔''

''مجھے اس کا اچھی طرح علم ہے کہ میں ایک عام انسان ہوں اور کوئی آسمانی دیوتا نہیں ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میری قسمت میں مرنا نہیں لکھا ہوا۔''

''کیا کہا؟ تمہاری قسمت میں مرنا نہیں لکھا؟''

''ہاں۔''

''تو کیا تم ہمیشہ سے زندہ ہو؟''

''ہاں، میں دو ہزار برس سے زندہ ہوں۔ یہ ایک راز ہے، جو میں تم پر ظاہر کر رہا ہوں۔''

خوب صورت عورت نے عنبر کی طرف مسکرا کر کہا:

''میری قسمت میں بھی ہمیشہ کی زندگی لکھی ہوئی ہے۔ میں بھی کبھی نہیں مر سکتی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم دونوں شادی کر لیں اور ساری زندگی اِس پُر فضا وادی میں بسر کریں۔ قیامت تک زندہ رہیں۔''

عنبر نے کہا:

''میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں ایک مقصد لے کر گھر سے نکلا ہوں۔ اور جب تک میرا وہ مقصد پورا نہیں ہو جاتا میں چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔''

''وہ مقصد کیا ہے اے نوجوان؟''

''میں تجھ سے بیان نہیں کروں گا۔ یہ ایک راز ہے جو میرے دل میں پوشیدہ ہے۔''

''ہو سکتا ہے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔''

''مجھے ربِ عظیم کی مدد کے سوا کسی کی مدد کی ضرورت نہیں

ہے۔''

عورت نے خوش ہو کر کہا:

''میں تمہارے کردار کی بلندی سے بے حد خوش ہوں۔ تم صرف ایک طاقت ور انسان ہی نہیں ہو بلکہ ایک عظیم کردار کے مالک انسان بھی ہو۔ تم مجھے اپنی زندگی کا مقصد بے شک نہ بتاؤ۔ لیکن اتنا ضرور بتا دو کہ میں تمہاری اور کیا مدد کر سکتی ہوں؟''

''تمہارا شکریہ، مگر تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام دیوی بلطیس ہے اور میں رب مردوک کے دربار سے ٹھکرائی ہوئی روح ہوں۔ میں نے ایک گناہ کیا تھا جس کی سزا ملی کہ میں شیرنی بن کر اپنی خوراک پیدا کرنے پر مجبور ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہاری چھوٹی سے چھوٹی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟''

عنبر نے کہا:

''میں یمن کے دارالحکومت صنائی جارہا ہوں۔ مجھے وہاں بہت ضروری کام ہے۔ وہاں سے واپس آ کر اگر یہاں سے گزرا اور کوئی کام ہوا تو تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ اس وقت میں اکیلا ہی اپنی مدد کروں گا۔''

دیوی بلطیس نے کہا:

''اے عظیم کردار کے مالک نوجوان، مجھے تمہاری باتوں سے کسی شاہی خاندان کی بُو آتی ہے۔ کیونکہ ایک اعلیٰ خاندان کا نوجوان ہی اتنا بلند ہمت اور بلند کردار ہو سکتا ہے۔''

عنبر کہنے لگا:

''دیوی بلطیس، میں اس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ بہر حال تمہارا شکریہ۔۔۔ واپسی پر ملاقات ہو گی۔''

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھنے لگا تو دیوی بلطیس نے ہاتھ

کے اشارے سے اُسے روک کر کہا:

''ملک یمن کے شہر حنائی کے باہر ایک ویران مندر میں میری چھوٹی بہن سائیکہ رہتی ہے' یہ لو میری انگوٹھی۔ وہاں اگر تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہوئی تو ویران مندر میں جا کر تین بار میری بہن کو آواز دینا اور اُسے یہ انگوٹھی دکھانا وہ تمہاری ضرور مدد کرے گی۔''

''میں تمہارا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں بلطیس۔''

''دیوتا تمہارے نگہبان ہوں۔''

عنبر نے دیوی بلطیس سے انگوٹھی لے کر جیب میں رکھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا۔ اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ دیوی بلطیس غائب ہو چکی تھی۔ عنبر کے سوار ہوتے ہی گھوڑے نے بھی شاید اطمینان کا سانس لیا تھا۔ کیونکہ جتنی دیر عنبر دیوی بلطیس سے باتیں کرتا رہا' گھوڑا تھر تھر کانپتا رہا تھا۔ جوں ہی

دیوی بلطیس غائب ہوئی گھوڑے کی جان میں جان آئی اور عنبر نے سوار ہو کر باگیں ڈھیلی چھوڑیں تو گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگا۔ اُس وقت رات گزر چکی تھی اور آسمان پر صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ اس صبح کی روشنی میں عنبر کو یمن کے شہر حنائی کے مکان اور فصیل شہر کے برج صاف نظر آ رہے تھے۔

قتل کی سازش

دن چڑھے عنبر یمن کے دارالسلطنت حنائی پہنچ گیا۔

اُس زمانے میں حمور بی کے دورِ حکومت میں حنائی ایک خوشحال اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ بازاروں اور گلیوں میں صفائی کا بڑا اچھا انتظام تھا اور دکانیں ریشمی کپڑے، گرم مصالحے، زیتون کے تیل اور دوسرے ضروری سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ لوگ امن پسند تھے۔ حمور بی کے اخلاقی قانون کی وجہ سے ہر طرف امن امان تھا اگر کوئی پریشانی تھی تو صرف یہ کہ شاہ بابل بخت نصر کی جانب سے ہر وقت حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ حمور بی نے اگرچہ کافی فوج جمع کر رکھی تھی، پھر بھی شاہ بخت نصر کے مقابلے میں اس کی فوج کا ساز و سامان کم تھا۔ اصل میں حمور بی نے تخت پر بیٹھتے ہی ساری توجہ اپنے ملک کے لوگوں کی حالت کو بہتر بنانے کی طرف زیادہ توجہ دی تھی۔ جنگ کی تیاریوں کی

طرف سے وہ غافل رہا تھا۔ شاہ بابل کی طرف سے حملے کے خطرے نے اُسے بیدار کر دیا تھا اور اب وہ بھی دن رات جنگی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔

عنبر اتنے بڑے شہر میں اجنبی تھا۔ وہ اس کاروان سرائے کا پتہ معلوم کرنے لگا جس کے مالک کے پاس حانو کے حبشی چچا نے اسے روانہ کیا تھا۔ یہ کاروان سرائے شہر کے وسط میں تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک دبلا پتلا سفید بالوں والا کالا حبشی ایک بڑی سی چوکی پر بیٹھا لوہے کی ایک کڑاہی میں زیتون کا تیل ڈالے مچھلی تل رہا ہے۔ اندر تیل کا دھواں اور تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ عنبر نے پوچھا۔

''میں اِس کاروان سرائے کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔''

اُس آدمی نے عنبر کو کہا:

''میں ہی مالک ہوں۔ تم کہاں سے آئے ہو؟''

جب عنبر نے اُسے بتایا کہ وہ حانو کے چچا کے پاس سے آرہا ہے جس کا انگوروں کا باغ ہے تو وہ حبشی مالک بڑا خوش ہوا اور اُس نے عنبر سے کہا:

''یہاں بیٹھ جاؤ نوجوان' تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام عنبر ہے۔''

''تم یہاں کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''میں یہاں............''

حبشی مالک نے اُس کی بات کاٹ کر کہا:

''یہاں کاروبار کرنے کے لیے بہت سرمائے کی ضرورت ہے بیٹا۔ اِس لیے کہ یہاں کے حالات پُر امن ہیں مگر چیزیں بڑی مہنگی ہیں۔ اِس لیے ہم لوگ جنگی تیاریاں کر رہے ہیں۔''

عنبر نے پوچھا:

”جنگی تیاریاں؟ مگر کس کے خلاف؟“

”کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بابل کا بادشاہ بخت نصر ہم پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے؟ ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور اُسے ایسا سبق سکھائیں گے کہ پھر وہ ساری زندگی یمن کا رخ نہ کر سکے گا۔“

عنبر بولا:

”اس جدوجہد آزادی میں میری تلوار بھی یمن والوں کے ساتھ شاہ بابل کی حملہ آور فوجوں کا مقابلہ کرے گی۔“

”شاباش نوجوان، ہم اپنے ملک میں آنے والے ہر نوجوان سے یہی توقع رکھتے ہیں۔ ہاں یہ بتاؤ کہ تم یہاں کس قسم کا کاروبار کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟“

عنبر نے کہا:

”میں آپ کو یہ بتانا بھول گیا ہوں کہ میں نے طب کا فن سیکھا ہوا

ہے۔ میں اس شہر میں طبابت کر کے روزی کمانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اس سلسلے میں میری کوئی مدد کریں تو میں آپ کا بہت شکرگزار رہوں گا۔''

''مگر برخوردار میں تمہاری کس قسم کی مدد کر سکتا ہوں۔'' اب میں یہ تو نہیں کر سکتا کہ اِدھر اُدھر سے بیماروں کو کندھے پر اُٹھا کر تمہارے پاس لاتا رہوں۔''

''نہیں نہیں محترم! اس کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف اتنی مدد کریں کہ مجھے اس شہر میں کسی موزوں جگہ پر کوئی بارہ دری یا چوبارہ یا حویلی لے دیں۔ جہاں میں ہسپتال کھول کر بیماروں کا علاج کر سکوں۔''

''یہ کام میں ضرور کر دوں گا۔ لیکن جب تک میں تمہارے لیے کوئی بہتر جگہ تلاش نہیں کرتا، تم ایسا کرو کہ میری اس سرائے کے پیچھے ایک چوبارہ خالی ہے۔ تم وہاں اپنا عارضی ہسپتال بنا سکتے ہیں۔ کیا تم

راضی ہو؟"

عنبر نے سوچا کہ جب تک کوئی اچھی جگہ نہیں ملتی' سرائے کے چوبارے میں ہی کام کرنا چاہیے اور چل پھر کر ذرا شہر کے سیاسی حالات دریافت کرنے چاہئیں اور اِس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ شاہ یمن کے دربار تک کس طرح رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ اُس نے کہا:

"ٹھیک ہے محترم' میں تیار ہوں۔"

"شاباش' آؤ میرے ساتھ۔"

سرائے کا مالک عنبر کو ساتھ لے کر سرائے کے پچھواڑے چوبارے میں آ گیا جو خالی پڑا تھا۔ اگرچہ یہ جگہ بڑے بازار سے ہٹ کر تھی۔ مگر عنبر کا مقصد کاروبار کرنا نہیں تھا۔ اِس لیے اُس نے کہا:

"یہ جگہ مجھے پسند ہے، آپ کا شکریہ محترم۔ میں آج سے ہی

یہاں کام شروع کر دوں گا۔"

سرائے کے مالک نے کہا:

"میں شہر کے بااثر لوگوں سے تعارف کروا دوں گا۔ اس طرح لوگوں کو تمہارے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ تم حکیم ہو اور پھر وہ لوگ تمہارے پاس علاج کی غرض سے آنا شروع ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔"

سرائے کا ملک بہت شریف اور ذمّے دار آدمی تھا۔ اُس نے شام ہونے سے پہلے پہلے لوگوں میں یہ بات مشہور کر دی کہ ملک افریقہ سے ایک بہت ہی لائق حکیم اُس کی سرائے میں اُترا ہے اور بیماروں کا علاج بڑی تیزی کامیابی سے کرتا ہے۔ دو تین روز کے اندر اندر یہ بات سارے شہر میں پھیل گئی۔ اِس اثنا میں عنبر نے بھی اپنے چھوٹے سے ہسپتال میں ہر بیماری کی دوا شیشی میں ڈال کر رکھ لی تھی۔ اُس

کے پاس مریض عورتیں، بچے اور بوڑھے آنا شروع ہو گئے۔ عنبر نے اونچے طبقے میں کافی واقفیت پیدا کر لی تھی۔ اِس کے مطلب میں دربار حمورابی کے اُمراء کی بیگمات بھی آتی تھیں جن کی زبانی انہوں معلوم ہوتا رہتا تھا کہ بادشاہ حمورابی کیا سوچتا ہے۔

کیوں کہ دربار کی سوچ بادشاہ کی سوچ ہوتی ہے۔ لیکن اُس نے محسوس کیا کہ حمورابی ذرا مختلف بادشاہ ہے۔ وہ اپنے فیصلوں کے لیے دربار کا پابند نہیں ہے۔ یہ بات پہلی بار اُس نے محسوس کی تھی۔ دو ہزار برسوں سے وہ دیکھتا آیا تھا کہ بادشاہوں کو درباریوں نے اپنے قابو میں کیا ہوتا تھا۔ وزیر اور بڑے مندر کے پجاری بادشاہ کی رائے پر حکومت کرتے تھے۔ مگر یہاں ایک مختلف بادشاہ تھا۔ وہ درباریوں سے مشورہ ضرور لیتا تھا مگر فیصلہ اُس کا اپنا ہوتا تھا۔ وہ خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتا اور اسی پر عمل کرتا۔

شہزادے کا اغوا

عنبر کو اس شہر میں کام کرتے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اس دوران میں اُسے شہزادے، ملکہ اور زرکسیر کی طرف سے کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ایک روز وہ ایک بیمار کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک اجنبی اُس کے ہسپتال میں داخل ہوا۔ اس نے اپنا منہ سر کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا۔ وہ ایک طرف ہو کر لکڑی کے تختے پر بیٹھ گیا۔ عنبر نے سوچا کہ یہ بھی کوئی مریض ہے۔ جب وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تو اجنبی نے اپنے منہ پر سے کپڑا اہٹا دیا۔ وہ یورکا تھا۔ عنبر اپنے پُرانے ساتھی کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ وہ یورکا کو لے کر کمرے میں آ گیا۔

یورکا نے کہا:

''عنبر! کیا تم نے حمورابی کے دربار میں رسائی حاصل کرنے میں کوئی کامیابی حاصل کی؟''

عنبر نے کہا: ''

ابھی تک میں صرف چند ایک درباریوں کے ساتھ تعلقات پیدا کر سکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں ایک آدھ مہینے کے اندر اندر دربار میں پہنچ جاؤں گا۔"

"اُس وقت تک بڑی دیر ہو جائے گی عنبر' زرکسیر نے ساری وفادار فوج کو ایک جگہ جمع کر لیا ہے۔ ہمارے خفیہ جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ شاہ بابل اس سال یمن پر حملہ کر دے گا۔"

"تو پھر کیا کیا جائے۔ حمورابی کے دربار تک پہنچنا خاصا مشکل کام نظر آ رہا ہے۔"

"مگر تمہارے لیے تو یہ کام مشکل نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"ٹھیک ہے' مگر میں پہلی بار محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے دقّت محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن میں کامیاب ضرور رہوں گا۔ تم میری طرف سے زرکسیر کو جا کر اطلاع کر دو کہ وہ کچھ روز اور صبر کرے۔"

’’میں موسم بہار میں تمہارے پاس آؤں گا۔‘‘

ہاں، موسم بہار میں مجھے پوری امید ہے کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ہوسکتا ہے پھر میں تمہیں بادشاہ کے دربار میں ہی ملوں۔‘‘

’’اب مجھے اجازت دو۔ مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔‘‘

عنبر نے اُس سے شہزادے اور ملکہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا:

’’وہ بالکل خیریت سے ہیں اور حانو کے ساتھ اُس کے چچا کے گھر میں بالکل محفوظ ہیں۔‘‘

’’یہ تم لوگوں کا فرض ہے کہ اُن کی ہر حالت میں حفاظت کرو۔ اگر وہ دشمن کے قابو میں آگئے تو ہمارے لیے نینوا کا تخت حاصل کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔‘‘

’’تم فکر نہ کرو عنبر، دشمن ان کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔ وہ سارا

دن تہہ خانے میں رہتے ہیں۔ صرف رات کو تھوڑی دیر کے لیے باہر آ کر انگوروں کے باغ میں ٹہل لیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، مجھے تم لوگوں سے یہی امید تھی۔''

یورکا واپس چلا گیا۔

عنبر سوچنے لگا کہ اگر وہ اسی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے حالات کے بدلنے کا انتظار کرتا رہا تو اُسے بہت دور ہو جائے گی۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جلد از جلد حمور بی کے دربار تک پہنچا جائے۔ وہ انہی خیالوں میں سارا دن غلطاں رہا۔ رات کو ہسپتال کا دروازہ بند کر کے وہ سو گیا آدھی رات گزر چکی تھی کہ اچانک کسی نے اُسے جگایا۔

''کون ہو تم؟'' عنبر نے ہڑبڑا کر اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

اجنبی ایک بوڑھی عورت تھی۔ اُس نے رو کر کہا:

بیٹا، میری بیٹی بہت سخت بیمار ہے۔ وہ مَرنے والی ہے۔ وہ

میرے گھر پر پڑی ہے۔ دیوتا تم پر مہربان ہوں۔ چل کر اُس کی جان بچالو۔ وہ میری اکیلی بیٹی ہے۔''

عنبر کے دل میں اُس عورت کے لیے بڑی ہمدردی پیدا ہوئی وہ اُسی وقت تیار ہو کر ضروری دوائیں ساتھ لے کر بوڑھی عورت کے ساتھ چل پڑا۔ وہ عورت شہر کی سنسان گلیوں میں سے نکل کر شہر کے باہر ایک ویران سے مکان میں آ گئی۔

''اندر آ جاؤ بیٹا۔''

عنبر مکان کے اندر داخل ہوا تو کسی نے اس کی گردن پر خنجر کی نوک رکھ کر کہا:

''چُپ چاپ اِدھر آ جاؤ۔''

عنبر چُپ چاپ اس کے ساتھ ایک طرف آ گیا۔ مکان کا دروازہ بند کر دیا گیا بوڑھی عورت بھی کہیں غائب ہو گئی۔ شمعدان کی لَو اُونچی

کردی گئی۔ اُس کی روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ ایک آدمی تخت پر پڑا ہے اور اس کے بازو پر گہرا زخم لگا ہے۔

''اس کا علاج کرو۔ تمہیں منہ مانگا انعام ملے گا۔ اگر تم نے انکار کیا اور کسی کو خبر کی تو تمہاری گردن قلم کر کے تمہارے گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔''

عنبر نے محض ہمدردی کی خاطر مریض کا زخم دیکھنا شروع کر دیا۔ کیونکہ وہ کسی سے خوف ہرگز نہیں کھاتا تھا۔ کوئی اُس کا کچھ بگاڑ بھی تو نہیں سکتا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ اس کے بازو پر تلوار کا زخم لگا تھا۔ اُس نے مریض کا زخم گرم پانی سے دھو کر دوائی لگانا شروع کر دی۔ اِس دوران میں وہ لوگ کو شکل صورت میں ڈاکو معلوم ہوتے تھے' آپس میں کسی اجنبی زبان میں باتیں کرتے رہے۔ اُن کا خیال تھا کہ عنبر اس زبان سے واقف نہیں۔ مگر عنبر وہ زبان جانتا تھا۔ وہ آپس میں مشورہ

کر رہے تھے کہ بادشاہ حمور بی کے محل میں داخل ہو کر اُسے قتل کر دیا جائے اور یوں بخت نصر کے حملے کے لیے راہ ہموار کی جائے۔

اب عنبر سمجھ گیا کہ یہ لوگ شاہ بابل کے جاسوس ہیں اور یمن میں بادشاہ کو قتل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ وہ مریض کے بازو پر بڑے انہماک سے پٹی باندھ رہا تھا اور یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ ان کی باتوں کو ہرگز نہیں سمجھ رہا۔ وہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ جشن نوروز کی رات کو جب کہ بادشاہ حمور بی دن بھر کے ہنگاموں سے چور ہو کر رات کو بے خبر سو رہا ہوگا تو اُس کے محل کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا جائے۔ عنبر پٹی کر چکا تھا۔ ایک ڈاکو نے اس کی طرف چاندی کے کچھ سکے پھینک کر کہا:

''تمہارا شکریہ دوست، لیکن یاد رکھنا۔ ہرگز ہرگز کسی سے بات نہ کرنا کہ تم آدھی رات کو اس مکان میں آئے تھے۔ اگر تم نے کسی سے

بات کی تو ہم تمھیں قتل کر کے تمہارے مکان کو آگ لگا دیں گے اور ہمارے لیے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔''

عنبر نے مُسکرا کر کہا:

''حضور، میں تو ایک معمولی حکیم ہوں۔ میرا کام ہی بیماروں اور دکھی لوگوں کا علاج کرنا ہے۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں کسی سے آپ کے بارے میں بات کروں۔ آپ بالکل فکر نہ کریں اور پھر کیا مجھے اپنی جان اور اپنا مکان عزیز نہیں؟''

دوسرا لٹھا کٹھا ڈاکو بولا:

''شاباش، تم ایک سمجھدار نوجوان معلوم ہوتے ہو۔ اب چپکے سے یہاں سے نکل جاؤ اور خبردار پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔''

''بہت بہتر حضور۔''

عنبر جان بوجھ کر بڑی نرمی سے کام لے رہا تھا۔ اُس نے جھک کر

سلام کیا اور مکان سے باہر نکل آیا۔ حنائی کی گلیاں آدھی رات کو سنسان پڑی تھیں۔ وہ بہت جلد اپنے گھر پہنچ گیا۔ دروازہ بند کر کے وہ بستر پر لیٹ گیا اور ایک منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے جو کام وہ ایک سال میں کر سکتا تھا۔ ربِ عظیم نے وہی کام ایک دن میں اُس کے لیے کر دیا تھا۔ جشن نوروز کی رات اُس کے دماغ میں شمع بن کر چمکنے لگی تھی۔ یہ بڑا نادر موقع تھا۔ وہ اِس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اُس رات میں ابھی دو دن پڑے تھے۔ وہ اِن دو دنوں کے اندر اندر اپنے منصوبے پر عمل کر دینا چاہتا تھا۔ یہی سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔ صبح اُس کی آنکھ کھلی تو دن کافی چڑھ آیا تھا اور اُس کے مکان کے باہر مریض بیٹھے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ اُس نے دروازہ کھول دیا اور مریضوں کو دوائی دینے لگا۔ ان مریضوں میں ایک سپاہی بھی تھا جو بادشاہ حمورابی کے دربار کے باہر

پہرہ دیتا تھا۔

عنبر نے اُس سے باتوں ہی باتوں میں پوچھا کہ جشن نوروز کے موقع پر کیا کیا ہوگا؟

سپاہی نے خوش ہو کر بتایا کہ یہ ہمارا قومی دن ہوتا ہے۔ اس روز سارے دربار میں خوشیاں منائی جائیں گی۔ بادشاہ سلامت درباریوں میں انعامات تقسیم کریں گے۔

عنبر کو معلوم ہوا کہ جشن کے روز سے ایک دن پہلے بادشاہ مندر میں مقدس چشمے پر غسل کرنے جائے گا۔ اس کے دماغ میں ایک خیال بجلی کی طرح چمکا اُس نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرلیا۔

جس روز بادشاہ حمورابی کی سواری شاہی محل کی طرف آنے والی تھی ۔اُس روز عنبر صبح ہی سے مندر کے باہر ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا۔ یہ جگہ ایک درخت کے سائے میں پتھر کی آڑ تھی۔ وہ کتنی ہی دیر وہاں

چھپا بیٹھا رہا۔ آخر اُسے دور سے بادشاہ کی سواری کا شور سنائی دیا۔ ڈھول تاشے اور نفریاں بج رہی تھیں۔ بادشاہ کی سواری چلی آ رہی تھی۔ جب سواری قریب آئی تو عنبر نے چھپ کر دیکھا کہ سپاہیوں کے دستے نیزے اور تلواریں لیے آگے آگے گزر رہے تھے۔ اُن کے پیچھے بادشاہ حمورابی سونے کا تاج سر پر رکھے ایک تخت پر بیٹھا تھا اور تخت کو حبشی غلاموں نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ جب بادشاہ کا تخت عنبر کے بالکل قریب سے گزرنے لگا تو وہ پتھر کی اوٹ میں سے نکل کر سامنے آ گیا اور جھک کر بولا:

"بادشاہ سلامت کی عمر دراز ہو۔ میرے پاس ایک راز ہے جو میں صرف بادشاہ سلامت کے کان میں کہنا چاہتا ہوں۔"

بادشاہ کی سواری رک گئی۔ سپاہیوں نے فوراً جھپٹ کر عنبر کو گرفتار کر لیا۔ ایک سپاہی نے نیام سے تلوار کھینچ لی۔ اور عنبر کو اُس کی گستاخی

کی سزا دینے کے لیے اُس کی گردن پر وار کرنے ہی والا تھا کہ بادشاہ حمور بی نے ہاتھ بلند کر کے کہا:

''ٹھہرو۔'' سپاہی وہیں رُک گیا۔

بادشاہ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

''تم کون ہو اے نوجوان؟ تم ہمیں کیا کہنا چاہتے ہو؟''

عنبر نے ایک بار پھر جھک کر کہا:

''بادشاہ سلامت' میں ایک پردیسی ہوں اور یہاں لوگوں کا علاج کرتا ہوں۔ میرے سینے میں ایک راز ہے جو میں صرف آپ کو تنہائی میں بتانا چاہتا ہوں۔''

بادشاہ نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''اِس نوجوان کو مندر کے خاص کمرے میں پہنچا دیا جائے۔''

محافظوں نے جھک کر سر تسلیم خم کیا اور عنبر کو اپنے ساتھ کر لیا۔ شاہی

جلوس مندر میں داخل ہو گیا۔ یہ مندر بہت بڑا مندر تھا۔ ہر کمرے میں سینکڑوں بُت رکھے تھے۔ بادشاہ نے شاہی مقدس چشمے پر غسل کیا۔ بُتوں کی پوجا کی اور اس کام سے فارغ ہو کر اُس نے عنبر کو اپنے پاس بلایا۔ اِس اثنا میں عنبر ایک کمرے میں اکیلا بیٹھا رہا۔ ایک سپاہی نے آ کر کہا:

''چلو تمہیں بادشاہ سلامت نے بلایا ہے۔''

عنبر چپکے سے اٹھ کر اس کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ وہ پہلی بار حمورابی کو اپنے سامنے پوری شان کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ وہ واقعی ایک باوقار اور دبدبے والا بادشاہ تھا۔ اُس کے چہرے پر وحشت کی بجائے ایک متانت اور شرافت تھی۔ شاہ بخت نصر کے وحشی چہرے کے مقابلے میں حمورابی کا چہرہ ہمدرد اور ایک رحم دل انسان کا چہرہ معلوم ہوتا تھا۔ بادشاہ نے عنبر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عنبر ایک

سنگ مرمر کی چوکی پر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا:

''اب بتاؤ نوجوان' وہ کون سا راز ہے جو تم ہمیں بتانا چاہتے ہو؟''

عنبر نے بادشاہ کے پیچھے کھڑے دو سپاہیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''بادشاہ سلامت' ان سپاہیوں کو بھی یہاں سے ہٹا دیں۔ میں راز کی بات آپ کو پوری تنہائی میں بتانا چاہتا ہوں۔''

وہ دونوں سپاہی بادشاہ کے جاں نثار محافظ تھے اور کبھی بادشاہ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ مگر بادشاہ نے انہیں وہاں سے ہٹا دیا اب اُس کمرے میں بادشاہ حمور بی اور عنبر اکیلے رہ گئے تھے۔ بادشاہ نے عنبر کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بات شروع کرے۔ عنبر نے کہا:

''بادشاہ سلامت' آج رات آپ کی خواب گاہ میں ایک شخص

آپ کو قتل کرنے کے لیے آئے گا۔"

بادشاہ کے چہرے پر ایک دم غصے کے آثار پیدا ہو گئے۔ اُس نے بڑی تیز نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ اُسے کیسے معلوم ہوا؟ اور وہ لوگ کون ہیں جو اُسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں؟

عنبر نے بادشاہ کو بتایا کہ وہ لوگ شاہ بابل کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور اُن میں سے ایک شخص آج رات بادشاہ کی خواب گاہ میں خنجر لے کر داخل ہوگا۔

حمور بی کا دربار

بادشاہ حمور بی کچھ پریشان ہوگیا۔

اُس نے عنبر کو حکم دیا کہ وہ بات کو وضاحت سے کھول کر بیان کرے۔ عنبر نے بادشاہ کو ساری بات کھول کر بیان کردی کہ کس طرح اُسے آدھی رات کو ایک بوڑھی عورت ایک ویران مکان میں لے گئی۔ وہاں ایک زخمی سپاہی لیٹا تھا اور باقی ڈاکو قسم کے لوگ ایک اجنبی زبان میں بادشاہ کو قتل کرنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ بادشاہ نے عنبر سے پوچھا:

''تم مجھے کیوں بچانا چاہتے ہو؟''

عنبر نے کہا:

''اِس لیے بادشاہ سلامت کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ زندہ رہیں اور جس طرح اب اپنی رعایا کی خوشحالی کے لیے کام کررہے ہیں اسی

طرح ساری زندگی کام کرتے رہیں۔"

بادشاہ عنبر کی باتوں سے کچھ مطمئن ہوگیا۔ اُس نے کہا:

"آج رات تم ہمارے ساتھ ہماری خواب گاہ میں رہو گے۔ یاد رکھو اگر ڈاکو ہمیں قتل کرنے نہ آئے تو ہم تمہیں اس کی عبرتناک سزا دیں گے۔"

عنبر نے جھک کر کہا:

"میں ہر سزا کے لیے تیار ہوں بادشاہ سلامت۔"

بادشاہ حمور بی عنبر کو اپنے ساتھ ہی جلوس میں محل میں لے گیا۔ حمور بی کا محل بہت عظیم الشان محل تھا۔ بادشاہ نے عنبر کو شاہی مہمان خانے میں بھجوا دیا اور خود دربار میں جا کر درباریوں اور اُمراء میں انعام و کرام تقسیم کرنا شروع کر دیے۔ عنبر سارا دن شام تک شاہی مہمان خانے میں بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ کب کوئی پیغام پر آ کر اُسے

بادشاہ کے پاس لے جاتا ہے شام ہوگئی۔ پھر رات کے سائے گہرے ہو گئے۔ ابھی آدھی رات نہیں ہوئی تھی کہ ایک خاص پیامی نے آ کر عنبر کو اطلاع دی کہ اُسے بادشاہ سلامت نے طلب کیا ہے عنبر اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ فوراً وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ شخص عنبر کو لے کر ایک خفیہ راستے سے ہوتا ہوا بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ بادشاہ وہاں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ شخص چلا گیا تو بادشاہ نے کہا:

''میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ اپنے پلنگ پر میں نے مختلف ریشمی سرہانے اس طرح رکھ دیے ہیں کہ دیکھنے والے کو یہی معلوم ہو کہ بادشاہ سو رہا ہے۔ لیکن حقیقت میں، میں پلنگ پر نہیں ہوں گا، بلکہ تمہارے ساتھ اس پردے کے پیچھے چھپا ہوں گا۔ میں نے اپنے خاص الخاص وفادار حبشی غلاموں کو چوکس کر دیا ہے۔ جوں ہی تمہارے کہنے کے مطابق میرے پلنگ پر حملہ ہوا حبشی غلام باہر نکل کر

اسے گرفتار کر لیں گے۔ لیکن اگر کوئی بھی نہیں آیا تو میں تمہیں بڑی عبرت ناک سزا دوں گا۔ اس جرم میں کہ تم نے بادشاہ کے ساتھ ایک خوفناک مذاق کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''یہ مذاق نہیں بادشاہ سلامت' حقیقت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ شاہ بابل کے بھیجے ہوئے آدمی آپ پر حملہ ضرور کرنے آئیں گے۔''

''بہت اچھا' آدھی رات گزر چکی ہے۔ تمہارے کہنے کے مطابق وہ کسی نہ کسی خفیہ راستے سے محل میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ اس پردے کے پیچھے چھپ جاؤ۔''

''بہتر حضور۔''

عنبر' بادشاہ حمورابی کے ساتھ ایک قد آدم ریشمی بھاری پردے کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ کی خواب گاہ خالی تھی۔ پلنگ پر شاہی بستر پر ریشمی لحاف کے نیچے تکیے اس طرح رکھے گئے تھے کہ یوں لگتا تھا

جیسے بادشاہ سو رہا ہے۔ خواب گاہ کی شمعیں دھیمی کر دی گئی تھیں۔

عنبر اور بادشاہ پردے کے پیچھے بیٹھے قاتل کا انتظار کرنے لگے۔ انہیں وہاں سے خواب گاہ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ سب سے زیادہ قاتل کا انتظار عنبر کو تھا۔ اس لیے کہ قاتل کے آنے پر ہی اس کے مستقبل کا دارومدار تھا۔ اگر کسی وجہ سے قاتل نہیں آتا تو بادشاہ اسے کیا سزا دیتا۔ وہ خود اپنے منصوبے میں ناکام ہو جاتا۔ ایک ایسا منصوبہ جس پر نینوا کے تخت کی واپسی کا سوال تھا۔

عنبر دل ہی دل میں رب عظیم سے دعا مانگ رہا تھا کہ قاتل خواب گاہ میں آ جائے۔ دوسری طرف بادشاہ بڑے سکون سے سنگ مرمر کی کرسی پر بیٹھا پردے کے پیچھے سے دیکھ رہا تھا کہ عنبر کے کہنے کے مطابق قاتل کب کمرے میں داخل ہوتا ہے اور وہ آتا بھی ہے یا نہیں؟ وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ عنبر کو ایک ایک پل

بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ خواب گاہ میں مشعول کی دھیمی دھیمی پُراسرار روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ آخر وہ گھڑی آن ہی پہنچی۔ شاہی خواب گاہ کا پردہ ذرا سا ہلا اور پھر ایک لمبا تڑنگا آدمی اندر داخل ہوا۔ اُس نے اپنا سر منہ پوری طرح لپیٹ رکھا تھا اور خنجر ہاتھ میں لیے دبے پاؤں بادشاہ کی مسہری کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اُسے دیکھ کر ایک بار تو بادشاہ حمور بی کو پسینہ آ گیا۔ اس نے سوچا کہ عنبر ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس وقت اگر وہ مسہری پر بے خبر سو رہا ہوتا تو ضرور قتل ہو گیا ہوتا۔ قاتل مسہری کے پاس آ کر رُک گیا۔ اُس نے ایک نظر ڈال کر ادگرد دیکھا اور پھر وحشیوں کی طرح خنجر لہرا کر ریشمی تکیوں پر پے در پے وار کرنے شروع کر دیے۔ اُس کا وار کرنا تھا کہ ادھر ادھر سے وفادار حبشی تلواریں لہراتے اندر آ گئے اور انہوں نے قاتل کو فوراً قابو کر لیا۔ اگر بادشاہ کا حکم نہ ہوتا تو وہ ضرور اس کی تکا بوٹی

کر دیتے۔ مگر حمورابی نے خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ قاتل کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ وہ اُس سے پوچھ کر اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا کہ اسے کس نے بھیجا ہے۔ حمورابی عنبر کے ساتھ پردے سے باہر آ گیا۔

قاتل نے حمورابی کے ساتھ عنبر کو دیکھا تو ساری بات کی تہہ تک پہنچ گیا کہ عنبر نے مخبری کر دی ہے۔ حبشی غلام قاتلوں کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر لے گئے۔ بادشاہ نے کہا:

''اِس قاتل کو تہہ خانے میں پھینک دیا جائے۔ ہم صبح اس سے خود آ کر ملیں گے۔''

''جو حکم سرکار۔''

حبشی غلام جھک کر آداب بجالاتے ہوئے خواب گاہ سے نکل گئے۔ حمورابی کے دل میں عنبر کی عزت بڑی بڑھ گئی تھی۔ اُسے یقین ہو

گیا کہ عنبر اُس کا سچے دل سے وفادار ہے اور اُس کی اطلاع سو فیصد درست تھی۔ اس نے عنبر سے کہا:

"اے نوجوان، ہم تمہارے بے حد شکر گزار ہیں کہ تم نے ہمیں عین وقت پر اطلاع دے کر ہماری جان موت کے چنگل سے بچالی۔ اگر تم ہمیں نہ ملتے تو ہو سکتا تھا کہ یہ قاتل اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاتا۔"

عنبر نے جواب دیا:

"بادشاہ سلامت، آپ جیسے پُر امن، انسانیت کا ہمدرد اور نیک دل بادشاہ کا زندہ رہنا بڑا ضروری ہے۔ بادشاہ کے لیے بھی اور اس ملک کی رعایا کے لیے بھی۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے آپ کی جان بچائی۔"

حمورابی نے خوش ہو کر کہا:

’’ہاں نوجوان‘ تم نے ہماری جان بچائی ہے۔اس کے عوض تم جتنی دولت چاہتے ہو ہم سے لے سکتے ہو۔کوئی جاگیر چاہتے ہو تو ہم تمہیں وہ بھی دے دیتے ہیں۔‘‘

عنبر نے کہا:

’’شکریہ بادشاہ سلامت‘ اِس خاکسار کو نہ دولت کی ضرورت ہے اور نہ جاگیروں کا لالچ ہے۔میں نے تو آپ کی جان بچا کر اپنا ایک فرض ادا کیا ہے۔‘‘

بادشاہ نے کہا:

’’پھر ہم تمہیں آج سے اپنا خاص وزیر مقرر کرتے ہیں۔تم ہمارے حفاظت کرنے والے دستے کے اعلیٰ نگران ہو گے۔کیا تمہیں منظور ہے؟‘‘

’’آپ کا حکم سر آنکھوں پر عالی جاہ۔خاکسار اس عزت افزائی پر

ہمیشہ آپ کو دعائیں دیتا رہے گا۔"

"تم آج سے ہمارے خاص وزیر ہو۔ تم شاہی دربار کے محل میں رہو گے اور دربار میں ہمارے قریب بیٹھا کرو گے۔"

"میں اس عزت افزائی پر جس قدر بھی محسوس کروں کم ہو گا حضور، آپ کا بے حد شکریہ۔"

"شکریہ تو ہمیں تمہارا کرنا چاہیے عنبر، اس لیے کہ تم نے ہماری ایک ایسے وحشی اور گمنام آدمی سے جان بچائی جو محض ایک بادشاہ کے اُکسانے پر ہمیں قتل کرنے آ گیا تھا۔"

"ربِ عظیم کا کرم ہے عالی جاہ، کہ وہ اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"اب تم اپنی خواب گاہ میں جا کر آرام کر سکتے ہو۔"

شب بخیر عالی جاہ۔"

شب بخیر۔‘‘

عنبر شاہی مہمان خانے کی خواب گاہ میں آ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ وہ بے حد خوش تھا۔ جو کام وہ اتنے عرصے سے نہیں کر سکا تھا۔ وہ ایک ہی رات میں ہو گیا تھا۔ کل تک وہ یمن کے شہر صنائی کا ایک معمولی حکیم تھا اور آج وہ شاہ یمن حمور بی کے دربار کا وزیر خاص تھا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز بھی تھا اور ایک بہت بڑی کامیابی بھی تھی۔ آخر وہ سو گیا۔

دوسرے روز وہ دربار میں پہنچ گیا۔ بادشاہ کے حکم سے اُسے شاہی لباس پہنایا گیا۔ حمور بی نے خود عنبر کے گلے میں ہیرے جواہرات کا قیمتی ہار پہنایا۔ رہنے کے لیے اُسے ایک خاص محل عطا کیا گیا۔ دربار میں خاص اعلان کرایا گیا کہ آج سے عنبر شاہ حمور بی کا وزیر خاص ہوگا۔ درباریوں نے اُسے مبارک باد دی۔ عنبر وزیر خاص بن گیا تھا۔

اِس دوران میں عنبر ہر رات اپنی پُرانی حویلی میں ضرور جاتا۔ محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کہیں اُس کا ساتھی یورکا وہاں نہ آیا ہو۔ کیونکہ یورکا کو علم نہیں تھا کہ عنبر حمور بی کے دربار میں پہنچ چکا ہے۔

بادشاہ حمور بی نے دو دن بعد تہہ خانے میں جا کر قاتل سے ملاقات کی۔ عنبر اس کے ساتھ تھا۔ قاتل زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا تھا۔ سپاہیوں نے آگ میں دہکتی سرخ سلاخیں اُس کی آنکھوں کے پاس کیں تو وہ بک پڑا۔ اس نے صاف صاف بتا دیا کہ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو شاہ بخت نصر نے حمور بی بادشاہ کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ حمور بی نے پوچھا:

''تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟''

''وہ ایک ویران مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیکن وہ منصوبہ ناکام ہونے کے بعد وہاں سے فرار ہو گئے ہوں گے۔''

بادشاہ کے حکم سے اُسی روز قاتل کو قلعے کی فصیل سے نیچے گرا کر ہلاک کر دیا گیا۔ ویران مکان پر چھاپا مارا گیا مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ قاتل کے ساتھ وہاں سے فرار ہو چکے تھے۔ اُسی رات عنبر نے موقع پا کر بادشاہ سے شاہ بابل کے متوقع کے بارے میں بات کی۔

حمورابی نے کہا:

"ہمارے جاسوسوں نے ہمیں اطلاع ضرور دی تھی کہ بخت نصر ہمارے ملک پر حملے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن یہ دیر کی بات ہے۔ اس کے بعد ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت، مجھے بڑے پکے ذریعے سے اطلاع مل چکی ہے کہ اس موسم بہار میں شاہ بابل یمن پر حملہ کر دے گا۔"

"کیا تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟"

''میری اطلاع غلط نہیں ہو سکتی عالی جاہ، ہمیں پوری طرح تیار رہنا چاہیے۔ شاہ بابل حملہ ضرور کرے گا۔''

حمور بی کے چہرے پر کچھ پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے۔ اُس نے کہا:

''بخت نصر کے پاس بہت بڑی فوج ہے۔ کیا ہم اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکیں گے؟''

عنبر نے کہا:

''بادشاہ سلامت، نینوا کے صوبے کے لوگ اپنی ملکہ اور شہزادے کی رہبری میں بخت نصر کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ اُس کی کچھ فوج ادھر مصروف ہو جائے گی۔ یوں دو محاذ جنگ کھل جائیں گے اور ہماری فوج آدھی فوج کا مقابلہ کر سکے گی۔''

''نینوا کی ملکہ اور شہزادے کو تو بخت نصر نے ہلاک کر دیا تھا۔''

''تمہیں عالی جاہ' یہ دونوں زندہ ہیں اور آپ ہی کے ملک کے اندر ایک سرحدی گاؤں میں چھپے ہوئے ہیں۔ نینوا کی وفادار فوج کا سپہ سالار زرکسیر بھی اپنی فوج کے ساتھ پہاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ اور ہمارے اشارے کا منتظر ہے۔''

بادشاہ عنبر کی زبانی اس قسم کی باتیں سن کر حیران ہوا۔ اُس نے پوچھا:

''تمہیں یہ ساری اطلاعات کہاں سے مل گئیں عنبر؟''

اِس لیے بادشاہ سلامت کہ میں خود ملکہ اور شہزادے اور زرکسیر سے مل کر آیا ہوں' بلکہ انہیں ساتھ لے کر آپ کے ملک میں وارد ہوا تھا۔ میں تو ایک عرصے سے آپ تک پہنچنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ وہ تو میں قاتل کا شکر گزار ہوں کہ اُس نے مجھے موقع مہیا کر دیا کہ میں آپ کے دربار تک رسائی حاصل کر کے آپ کو ساری صورتِ حال سے

آگاہ کر دوں۔''

''خوب خوب اب سمجھ گیا۔ اچھا یہ بتاؤ۔ کیا نینوا کے لوگ اب بھی اپنی ملکہ سے محبت کرتے ہیں؟''

''وہ اپنی ملکہ اور شہزادے کے لیے جان تک قربان کر دینے کو تیار ہیں عالی جاہ وہ لوگ ہمارے اشارے کے انتظار میں ہیں۔ جوں ہی ہماری طرف سے انہیں اجازت دی گئی۔ وہ ایک دم بغاوت کر دیں گے اور ہماری وفادار فوجوں کے ساتھ مل کر گورنر کو قتل کر کے ہر طرف آگ لگا دیں گے۔''

''تو پھر تم انتظار کس بات کا کر رہے ہو؟''

''صرف اس بات کا کہ شاہ بخت نصر حملہ کرے اور آپ کی طرف سے مجھے یقین ہو کہ آپ حملے کا مقابلہ کریں گے اور کسی صورت میں بھی شکست تسلیم نہیں کریں گے۔''

''ایسا ہر گز نہیں ہو گا عنبر' ہم اپنی شکست کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ ہمیں کوئی بھی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ہم میدان جنگ میں لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے مگر ہار نہیں مانیں گے۔''

''مجھے آپ جیسے بہادر اور جری بادشاہ سے یہی اُمید تھی عالیجاہ۔''

''بخت نصر کو حملہ کرنے دو۔اُس کو ایسا سبق سکھایا جائے گا کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گا۔''

''رب عظیم ہمارا حامی و ناصر ہو گا۔''

''دیوتا ہماری مدد کریں گے۔''

بادشاہ نے اسی روز سے فوجی تیاریاں زور و شور سے شرع کر دیں اور اپنے مخبر بابل کی طرف دوڑا دیئے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ بخت نصر کی فوجیں کب یمن پر حملہ کرنے والی ہیں۔اس اثنا میں ایک

افسوسناک حادثہ پیش آ گیا۔

ملکہ اور شہزادہ ماروت' حانو کے چچا کے باغ میں واقع مکان کے تہہ خانے میں بڑی حفاظت اور رازداری کے ساتھ رہ رہے تھے۔ یورکا کی اطلاع کے مطابق وہ سارا دن تہہ خانے کے اندر چھپے رہتے اور صرف رات کو باہر نکل کر انگوروں کے باغ میں تھوڑی دیر چہل قدمی کر لیتے۔ زرکسیر اپنی فوجوں کے ساتھ بغاوت کی تیاریوں میں لگا تھا۔ یورکا عنبر کے پاس اطلاع حاصل کرنے گیا ہوا تھا کہ اُس نے دربار تک رسائی حاصل کی ہے یا نہیں۔ شہزادے ماروت کے ساتھ ملکہ اور حبشی غلام حانو مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسر جانب شاہ بابل' ملکہ نینوا' شہزادہ ماروت اور زرکسیر کے فرار پر بے حد پریشان اور غضب ناک تھا۔ اُس نے غفلت کے جرم میں کئی سپاہیوں اور پہریداروں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا تھا۔ قرطاجنہ کے گورنر کو بھی

اس نے پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔ جشنِ تاجپوشی کے موقع پر زر کسیر کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرنے کی حسرت اُس کے دل میں ہی رہ گئی تھی۔ اُس کی اب سب سے بڑی کوشش یہی تھی کہ یمن پر حملے سے پہلے وہ کسی طرح زر کسیر یا شہزادے ماروت کو زندہ گرفتار کر سکے تاکہ نینوا میں بغاوت کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

اِس مقصد کے لیے اُس نے اپنے خاص آدمی روانہ کر دیے تھے جو بھیس بدل کر یمن کے اُس سرحدی گاؤں میں بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ جہاں ملکہ حانو اور شہزادہ ماروت تہہ خانے میں پناہ گزین تھے۔ بخت نصر کے جاسوس عام کاروباری آدمی کے بھیس میں پھر رہے تھے۔ ان میں سے دو آدمی گدھے پر مٹی کے برتن لادے گاؤں میں آوازیں دے کر فروخت کرتے پھر رہے تھے۔ انہیں اتنی خبر ضرور مل گئی تھی کہ ملکہ اور شہزادہ ماروت اسی گاؤں میں کہیں چھپے ہوئے ہیں۔

ایک روز وہ دونوں مٹی کے برتن بیچتے ہوئے حانو کے چچا کے انگوروں کے باغ میں نکل آئے۔ دن بھر کی تپش اور گرمی کی وجہ سے ان کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ وہ ایک چشمے کے کنارے سائے میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں چچا بھی وہاں آ گیا۔ اُس نے پوچھا:

''تم لوگ میرے باغ میں کس طرح بیٹھے ہو؟''

ایک جاسوس نے کہا:

''معاف کرنا مالک' ہم پھیری والے کمہار ہیں۔ یہ برتن بیچتے پھرتے ہیں۔ گرمی نے پریشان کیا تو یہاں دم لینے کو بیٹھ گئے۔ حکم دیں تو ابھی اُٹھ کر چلے جائیں۔''

اور واقعی وہ مکار جاسوس یہ کہہ کر اٹھنے لگے۔ احمق چچا کے دل میں رحمدلی پیدا ہوگئی۔ اُس نے ایک پَل کے لیے بھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ آخر یہ لوگ یہاں کہاں سے آ گئے؟ اِس سے پہلے تو کبھی

بھی کوئی برتن فروخت کرنے والا اِدھر نہیں آیا۔ مگر اُس نے ایسا نہ سوچا اور جاسوسوں سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں جاسوسوں نے چچا سے پوچھ لیا کہ وہ کون ہے اور کتنی دیر سے وہاں انگوروں کے باغ کا کاروبار کر رہا ہے۔ چچا بڑے بھول پن سے ان کے ایک ایک سوال کا جواب دیتا گیا۔ جاسوس بڑے چالاک اور مکار آدمی تھے۔ انہوں نے باتوں ہی باتوں میں کچھ بو سونگھ لی اور فیصلہ کیا کہ رات انگور کے باغ میں گزار کر اصل حقیقت معلوم کی جائے۔

انہوں نے چچا کو تو کچھ نہ بتایا۔ اُس سے اجازت لے کر اٹھے اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ لیکن کچھ دور آگے پہاڑی ٹیلوں میں جا کر انہوں نے گدھے کو ایک جگہ باندھا اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ جب ہر طرف رات کا اندھیرا چھا گیا تو وہ سر منہ لپیٹ کر وہاں

سے نکلے اور چھپتے چھپاتے انگور کے باغ میں پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے ایک درخت پر چڑھ کر مناسب جگہ بنائی اور چھپ کر دیکھنے لگے کہ رات کو وہاں چھپا ہوا شخص باہر ٹہلنے کے لیے آتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اُنہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ جو لوگ سارا دن تہہ خانوں میں چھپے رہتے ہیں، وہ رات کو چہل قدمی کے لیے ضرور نکلا کرتے ہیں۔

شہزادے کا اغوا

آخر وہی ہوا جس کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

جب آدھی رات گزری تو شہزادہ ماروت اپنی والدہ ملکہ کے ساتھ تہہ خانے سے چہل قدمی کے لیے نکلا اور انگور کے باغ میں آ گیا۔ حبشی غلام حانو اس کے ہمراہ تھا۔ وہ ہر روز کی طرح کسی قسم کے خطرے سے بے نیاز آدھی رات کے وقت باغ میں سیر کر رہے تھے۔ اور باتیں بھی کر رہے تھے۔ دونوں جاسوس انجیر کے ایک گھنے درخت میں چھپے بیٹھے تھے۔ انہوں نے ملکہ اور شہزادے کو باغ میں سیر کرتے ہوئے دیکھا تو حیران بھی ہوئے اور خوش بھی ہوئے۔ حیران اس لیے ہوئے کہ انہوں نے اتنی آسانی سے ملکہ اور شہزادے کا سراغ لگا لیا تھا۔ خوش اِس لیے ہوئے کہ اگر وہ شہزادے کو اغوا کر کے بابل لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو بخت نصر نہ صرف یہ کہ اُن کے عہدے

بڑھا دے گا بلکہ انہیں انعام و کرام سے بھی مالا مال کر دے گا۔

شہزادہ ماروت' ملکہ اور حبشی غلام حانو باتیں کرتے ہوئے اُن کے درخت کے نیچے سے گزر گئے۔ وہ زرکسیر اور عنبر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ انہیں بالکل خبر نہیں تھی کہ ایک درخت پر اُن کی ساری باتیں شاہ بابل کے جاسوس سن رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک باغ میں چہل قدمی کے بعد ملکہ' شہزادہ اور حانو واپس مکان کے تہہ خانے میں چلے گئے۔ اُن کے جاتے ہی دونوں جاسوس درخت پر سے اُترے اور بڑی تیزی کے ساتھ باغ سے باہر نکل کر اُس ٹیلی کی طرف بڑا گئے جہاں انہوں نے اپنا گدھا باندھ رکھا تھا۔ وہ پتھروں میں بیٹھے دیر تک اس بات پر سوچ بچار کرتے رہے کہ کس ترکیب سے شہزادے کو اغوا کیا جائے۔ وہ حبشی غلام کے سخت پہرے میں تھا۔ وہ سارا دن تہہ خانے میں چھپا رہتا تھا۔ رات کو باہر نکلتا تھا۔ مگر حبشی غلام

ننگی تلوار لیے ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ اگر انہوں نے حبشی سے لڑائی کی تو ہوسکتا ہے تہہ خانے میں کچھ اور سپاہی بھی چھپے بیٹھے ہوں۔ وہ باہر نکل کر بڑی آسانی سے انہیں قتل کر سکتے تھے۔

گدھے کو لے کر وہ سرائے میں آ گئے اور ساری رات سوچ بچار کرتے رہے۔ پھر وہ سو گئے۔ صبح اُٹھ کر انہوں نے دوبارہ سوچنا شروع کر دیا کہ کون سی ترکیب پر عمل کیا جائے۔ انہوں نے جان بوجھ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کو شہزادے ماروت کے بارے میں کچھ نہ بتایا تھا۔ وہ شہزادے کو گرفتار کر کے شاہ بابل کے دربار میں پیش کرنے کی عزت خود حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ شہزادے کو کیسے اور کیونکر حاصل کیا جائے۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے پندرہ بیس سپاہی لے کر رات کو چچا حبشی کے مکان پر چھاپہ مار کر شہزادے کو مع ملکہ کے پکڑ سکتے تھے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ خود ہی

انہیں پکڑ کر بادشاہ سے زبردست خراجِ تحسین حاصل کرنا چاہتے تھے۔

کافی سوچ بچار کے بعد آخر ایک ہی ترکیب اُن کی سمجھ میں آئی کہ کس طرح ان لوگوں کو بے ہوش کر دیا جائے اور شہزادے اور ملکہ کو اغوا کر لیا جائے۔ بے ہوش آخر کس طرح کیا جائے؟ یہ بھی ایک بہت اہم سوال تھا جس کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

پہلے جاسوس نے کہا:

"کیوں نہ اُن کے مکان کے اندر جانے والے پانی میں بیہوشی کی دوائی ملا دی جائے؟"

"مگر یہ بے ہوشی کی دوائی کہاں سے آئے گی؟"

"میرا ایک حکیم واقف ہے۔ اُس کے پاس چل کر یہ دوا حاصل کی جا سکتی ہے۔"

''لیکن اِس دوائی کو پانی میں ملایا کس طرح جائے گا؟''

''یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو' آؤ میرے ساتھ۔''

وہ سرائے سے نکل کر باہر آئے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں سَرپٹ دوڑاتے قصبے کی ایک حویلی میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک بوڑھا حکیم چوبارے میں بیٹھا کھرل میں کوئی دوا ڈالے اُسے رگڑ رہا تھا جاسوس نے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور کہا:

''ہم ایک بڑے راز داری کے کام سے آپ کے پاس آئے ہیں۔''

بوڑھے حکیم نے جو شکل وصورت سے کالے علم کا ماہر جادوگر معلوم ہوتا تھا اپنی بھنویں چڑھا کر دونوں جاسوسوں کی طرف دیکھا۔

''کیسی راز داری؟ کس کی راز داری؟''

پہلے جاسوس نے جیب سے سونے کے چند سِکّے نکال کر حکیم کے

آگے رکھ دیے۔ سونے کے سکے دیکھ کر لالچی حکیم کے چہرے پر چمک آ گئی۔ اُس نے مُسکرا کر کہا:

''ہاں ہاں کہو بھائی' میں تمہاری کس کام آ سکتا ہوں؟''

''بات یہ ہے کہ میاں جی' کہ ہمیں کوئی ایسی دوا چاہیے جو اگر پانی میں ڈال دی جائے تو اُسے پینے والا فوراً بے ہوش ہو جائے۔''

''کتنے پانی میں ڈالی جائے وہ دوا؟''

''ایک ایسے گھر کے پانی میں جہاں چھ افراد رہتے ہوں۔''

''ٹھیک ہے' کیا اُن سبھوں کو بے ہوش کرنا ہوگا؟''

''جی ہاں۔''

''تو ٹھیک ہے، میں سفوف دیے دیتا ہوں۔ اِسے اُس مٹکے میں ڈال دینا جس میں گھر والوں کے لیے پانی جمع رہتا ہے۔''

''کتنی دیر بعد لوگ بے ہوش ہو جائیں گے؟''

''پانی پینے کے تھوڑی ہی دیر بعد انہیں کچھ خبر نہ ہوگی کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔''

''ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ برائے مہربانی وہ سفوف جلدی سے عنایت کر دیجئے۔''

''ابھی دیتا ہوں۔''

''جادوگر بوڑھا اتنا کہہ کر اٹھا اور اس نے لکڑی کی ایک صندوقچی میں سے ایک ڈبیا نکالی جس کے اوپر سانپ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ ڈبیا میں سفید سفید سفوف بھرا ہوا تھا۔ اُس نے ڈبیا میں سے آدھا سفوف نکال کر انہیں دے دیا۔

''یہ پانی کے ایک مٹکے کے لیے کافی ہوگا۔''

دونوں جاسوس سفوف لے کر واپس سرائے میں آ گئے اور شام ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ مٹکے میں بے ہوشی کا سفوف ڈالنے کا کام

وہ اندھیرا ہونے کے بعد کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے جاسوس نے کہا:

''کیوں نہ ہم فقیروں کا بھیس بدل کر وہاں پہنچ جائیں اور موقع دیکھ کر مٹکے میں دوا ڈال دیں۔''

''یہ خیال بھی اچھا ہے۔''

''اُسی وقت اُنہوں نے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے۔ ایک جاسوس لنگڑا بن گیا اور دُوسرا اندھا بن گیا اور وہ انگور کے باغ کی طرف چل پڑے۔ باغ کے قریب آ کر انہوں نے فقیروں کی طرح آوازیں لگانی شروع کر دیں۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ وہ فقیروں کی طرح صدائیں لگاتے انگور کے باغ میں سے نکل کر چچا حبشی کے مکان کے صحن میں آ گئے۔

دیوتاؤں کے نام پر اندھے لنگڑے فقیروں کی کچھ مدد کرو۔

دیوتاؤں کے نام پر ہم پر ترس کھاؤ۔''

اُس وقت شہزادہ، حانو اور ملکہ نیچے تہہ خانے میں رات کے کھانے کی تیاریاں کر رہے تھے اور حانو کا حبشی چچا صحن میں بیٹھا انگور دھو کر طشت میں رکھ رہا تھا۔ اُس نے ایک اندھے فقیر اور دوسرے لنگڑے فقیر کو پھٹے پُرانے کپڑوں میں دیکھا تو اُس کا دل بھر آیا۔ اُس نے کہا:

''بابا لوگ، تم کو بھوک لگی ہے کیا؟''

''ہاں جی، بڑی بھوک لگی ہے۔''

''تو پھر یہاں بیٹھو۔ اندر میرے کچھ مہمان آئے ہیں۔ اُنہیں کھانا دے آؤں۔ پھر آ کر تمہیں بھی روٹی دیتا ہوں۔''

''دیوتا تم پر مہربان ہوں۔ اے نیک دل انسان تو نے دو محتاج فقیروں کو روٹی کھلائی۔ دیوتا تمہیں بہت رزق دیں گے۔''

حبشی چچا انگوروں سے بھرا ہوا طشت لے کر اندر چلا گیا۔ بس یہی موقع تھا جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ پانی سے بھرا ہوا بڑا مٹکا

دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ پہلے جاسوس نے دوسرے جاسوس کو اشارہ کیا۔ اُس نے فوراً جیب میں سے سفوف والی ڈبیا نکالی۔ اِدھر اُدھر چوکس ہو کر دیکھا۔ بھاگ کر پانی والے بڑے مٹکے کے پاس گیا۔ اُس کا ڈھکنا اٹھایا اور سارا سفوف اس کے اندر انڈیل دیا اور اس پر ڈھکنا رکھ کر واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

یہ کام اتنی جلدی اور اچھے طریقے سے ہو گیا تھا کہ اُنہیں خود بڑی حیرانی ہوئی۔ وہ اگر چاہتے تو وہاں سے اُٹھ کر بھاگ سکتے تھے۔ مگر انہوں نے سوچا کہ اب کھانا کھا کر ہی وہاں سے چلنا چاہیے تا کہ حبشی چچا کو اُن پر کسی قسم کا شک بھی نہ ہو۔ اتنے میں اندر سے خالی طشت میں جو کی دو روٹیاں اور کچھ شہد لیے چچا حبشی باہر آ گیا۔

''بابا لوگ، اِس وقت گھر میں جو حاضر ہے وہی پیش کر رہا ہوں۔''

''تمہاری مہربانی ہے بابا، فقیروں کو جو ملے گا کھالیں گے اور

تمہارے بچوں کو دعائیں دیں گے۔''

اور دونوں جاسوس کھانے پر یوں ٹوٹ پڑے جیسے برسوں سے بھوکے ہوں۔ وہ کم از کم حبشی چچا پر یہی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ چچا نے مٹکے سے پانی کے دو گلاس بھر کر اُن کے سامنے رکھ دیے۔ وہ یہ پانی کبھی نہیں پی سکتے تھے۔ وہ کھانا کھاتے رہے۔ چچا نے گلاس آگے کرتے ہوئے کہا:

''بابا لوگ پانی بھی تو پیو۔''

''شکریہ، شکریہ، ہمیں بھوک بہت لگی ہے۔ پیاس تو بالکل نہیں۔''

''اچھا، میں اپنے مہمانوں کو پانی دے آؤں اور واپسی پر تمہارے لیے اپنے باغ کے سیاہ انگور بھی لاتا ہوں۔''

چچا بڑے کٹورے میں پانی بھر کر اندر لے گیا۔ دونوں جاسوس بڑے غور سے ایک دوسرے کو دیکھ کر ذرا سا مسکرائے۔ اُن کا منصوبہ

کامیاب ہو رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں یہی دعا مانگ رہے تھے کہ حکیم کا سفوف اپنا کام کر جائے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سنہری موقع بھی اُن کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اُنہوں نے جھٹ اپنا پانی زمین پر گرا کر خالی گلاس وہیں رکھ دیے۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ انہوں نے پانی پی لیا ہے۔ حبشی چچا اندر سے سیاہ انگور لے کر باہر آیا۔

''یہ لو انگور بھی کھاؤ۔''

''دیوتا تمہارے باغ کو ہرا بھرا رکھیں اور زیادہ فصل ہو۔۔۔ گچھے انگور کے بیل پر سدا لٹکتے رہیں۔''

''تمہارا شکریہ اللہ کے نیک بندو۔''

''اچھا بابا جی اب اجازت دو۔''

''دیوتا نگہبان ہوں۔'' حبشی چچا بولا۔

''دیوتا نگہبان ہو۔'' جاسوسوں نے کہا۔

دونوں جاسوس چچا کے مکان کے صحن میں سے اٹھ کر واپس انگور کے باغ میں آ گئے اور ایک گھنے درخت کے اُوپر چھپ کر بیٹھ گئے۔ وہاں سے انہیں مکان کا صحن صاف نظر آ رہا تھا۔ چچا حبشی نے مٹکے سے پانی کا کٹورہ بھر کر نکالا اور غٹا غٹ پی گیا۔ پانی پینے کے بعد چچا نے تھوڑے سے انگور کھائے اور زمین پر بکھرے ہوئے برتن اٹھانے لگا۔ دونوں جاسوس درخت کی ٹہنیوں میں چھپے چچا حبشی کی حرکتوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ وہ کب بے ہوش ہوتا ہے؟ مگر حبشی بڑے مزے سے برتن ایک تخت پر جمع کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ گانا بھی گا رہا تھا وہ بہت جھنجلائے کہ کم بخت بے ہوش ہی نہیں ہوتا۔ پہلے جاسوس نے سرگوشی کی:

''میرا خیال ہے، حکیم نے ہم سے دھوکہ کیا ہے۔ اُس کی دوا میں کوئی اثر نہیں ہے۔''

دوسرے نے کہا:

''ذرا صبر کرو! ابھی دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔''

وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ بچا حبشی برتن اکٹھے کرتے اور گانا گاتے ہوئے ذرا رکا۔ اُس نے سر جھٹکا دیا پھر گانے لگا۔ ایک بار پھر وہ خاموش ہوا اور دونوں ہاتھوں سے سر دبانے لگا۔ پھر اُسے چکر سا آیا اور دھڑام سے زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

درخت میں چھپے ہوئے جاسوس بہت خوش ہوئے۔ ان کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ جلدی جلدی درخت پر سے اترے اور مکان کے صحن میں آ گئے۔ انہوں نے حبشی کو ہلا جُلا کر دیکھا۔ وہ پوری طرح بے ہوش ہو چکا تھا۔ نیچے تہہ خانے میں پانی گئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اُن کے اندازے کے مطابق اُس وقت تک دوسرے لوگوں کو بھی بے ہوش ہو جانا چاہیے تھا۔

''ہمیں اندر چل کر شہزادے کو گرفتار کر لینا چاہیے۔''

کچھ دیر انتظار نہ کر لیں؟''

''اور اگر انہیں دوبارہ ہوش آ گیا تو کیا کریں گے؟''

''ٹھیک ہے' چلو اندر چلتے ہیں۔''

دونوں جاسوس مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے سارے کمرے گھوم پھر کر دیکھے۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ آخر وہ جاسوس تھے اور انہیں بڑا تجربہ تھا۔ انہوں نے جگہ جگہ فرش کو ٹھونک بجا کر دیکھا۔ ایک کوٹھڑی کا فرش بجاتے ہوئے انہیں اندر سے کھوکھلی سی آواز سُنائی دی:

''تہہ خانہ اسی جگہ پر ہے۔'' ایک نے کہا۔

انہوں نے ذرا سی کوشش کے بعد تہہ خانے کا دروازہ معلوم کر لیا۔ فرش کی ایک سِل اُوپر اٹھائی تو نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ وہ دبے

پاؤں زینے پر پاؤں رکھتے نیچے اتر گئے۔ نیچے سے کسی قسم کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ تینوں مفرور بے ہوش ہو چکے ہیں۔ وہ تہہ خانے میں اترے تو انہوں نے دیکھا کہ ملکہ، شہزادہ اور حبشی غلام جانو اپنی اپنی جگہ پر بے ہوش ہو کر گرے پڑے تھے۔ کھانے کے طشت ان کے آگے رکھے ہوئے تھے۔ کچھ کھانا کھایا ہوا تھا اور باقی ویسے پڑا تھا۔ صرف پانی پینے کے گلاس فرش پر لڑھک گئے تھے۔

''جلدی سے شہزادے کو اوپر لے چلو۔ وقت ضائع مت کرو۔''

دونوں نے شہزادے کو اٹھایا۔ ایک جاسوس نے اُسے اپنے کندھے پر لا دا اور تہہ خانے سے باہر لے آیا۔ انہوں نے تہہ خانے کے دروازے کو بند کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ مکان کے خالی کمروں میں سے نکل کر باہر صحن میں آ گئے۔ چچا حبشی فرش پر اسی طرح بے ہوش پڑا تھا۔ انہوں نے انگور کے باغ میں لے جا کر

شہزادے ماروت کو ایک جگہ گھاس پر لٹا دیا۔ ایک جاسوس نے اپنی کمر کے گرد لپٹے ہوئی رسی کھولی اور شہزادے کے ہاتھ پیر خوب کس کر باندھ دیے۔

''اب یہاں سے نکل چلو۔''

انہوں نے شہزادے کو اپنے ساتھ گھوڑے پر ڈالا اور بڑی تیزی سے وہاں سے نکل کر ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ کافی دور چلنے کے بعد ایک جاسوس نے کہا:

''اگر ہم نینوا کی طرف سے بابل کو گئے تو وہاں شہزادے کے حامیوں نے بغاوت کر رکھی ہے' وہاں گرفتار ہو جانے کا خطرہ ہے۔''

''پھر کس طرف سے چلیں؟''

''ہمیں ملک یمن کی سرحدی چوکیوں سے ہو کر چلنا چاہیے۔''

''اور اگر وہاں ہمیں کسی نے دیکھ لیا تو؟''

''ہم ایک خاص جگہ سے یمن کی سرحد میں داخل ہو کر دوسری طرف سے باہر نکل جائیں گے۔ یہ راستہ محفوظ بھی ہے اور چھوٹا بھی۔ ہم بہت جلد بابل پہنچ جائیں گے۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میں یمن کی ساری سرحد سے واقف ہوں۔ ہم اُس جگہ سے اندر داخل ہوں گے جہاں کوئی سرحدی چوکی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر۔''

اور انہوں نے اپنے گھوڑے کی باگیں یمن کی سرحد کی طرف موڑ دیں۔

یمن کی سرحد وہاں سے دو روز اور دو رات کے فاصلے پر تھی۔ وہ سارا دن سفر کرتے رہے۔ شام کے وقت شہزادے کو ہوش آیا تو وہ اپنے آپ کو ڈاکوؤں کے چنگل میں پھنسا ہوا دیکھ کر بہت

پریشان ہوا۔

''تم لوگ مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟''

''شاہ بابل بخت نصر کے دربار میں۔''

اور دونوں جاسوس قہقہے لگا کر ہنس پڑے۔ شہزادے کا رنگ اُڑ گیا۔ آخر وہ دشمن کے جال میں پھنس گیا تھا۔ سب سے زیادہ اُسے اپنی والدہ ملکہ کا خیال آ رہا تھا کہ اُس کے گم ہو جانے سے اُس بد نصیب پر کیا بیت رہی ہو گی۔ مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ تقدیر کا لکھا ہو کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ گھوڑے پر بیٹھا رہا اور گھوڑے یمن کی طرف دوڑتے رہے۔

اُدھر کا حال بھی سُنیے۔۔۔ چچا حبشی کو جب ہوش آیا تو اُس نے سر کو ایک جھٹکا دیا اور سوچنے لگا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا؟ اُس نے اپنے سر کو دبایا۔ تخت پوش پر بکھرے ہوئے برتن دیکھے۔ دھوپ

کافی اوپر چڑھ آئی تھی۔ وہ حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آخر وہ اتنی دیر وہاں کیا کرتا رہا؟ کیا وہ بے ہوش ہو گیا تھا؟ اچانک اُسے اندھے اور لنگڑے فقیروں کا خیال آ گیا۔

''وہ۔۔۔ وہ کہاں چلے گئے؟ وہ کون تھے؟''

اِس کے ساتھ ہی اُس کا خیال ملکہ اور شہزادے کی طرف چلا گیا۔ وہ بھاگ کر نیچے آیا۔ تہہ خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اُس کا دل دَھک سے رہ گیا۔ وہ لپک کر اندر گیا۔ اندر اُس نے دیکھا کہ ملکہ اور حبشی غلام قالین پر بے ہوش پڑے تھے اور شہزادہ غائب تھا۔ اُس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اُس نے پانی کے چھینٹے مار کر ملکہ اور حبشی جانو کو جگایا۔ ملکہ کو جب معلوم ہوا کہ شہزادے کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ تو وہ چیخ مار کر گر پڑی اور رونے لگی۔ انہوں نے باہر نکل کر انگور کے باغ کا چپہ چپہ چھان مارا مگر وہاں شہزادے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ ناکام ہو کر تہہ

خانے میں آ گئے اور ملکہ کو تسلی دینے لگے۔ حانو اور چچا پریشان تھے کہ وہ یورکا اور زر کسیر کو کیا منہ دکھائیں گے؟ ملکہ پر تو غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ حانو نے کہا:

''ملکہ سلامت، فکر نہ کریں۔ میں شہزادے کو ڈھونڈ کر ہی دَم لُوں گا۔''

اِتنا کہہ کر وہ اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر یمن کی سمت روانہ ہو گیا۔ وہ یمن جا کر عنبر کو تمام حالات سے فوری طور پر باخبر کرنا چاہتا تھا۔

آدھی رات کو دستک

دونوں جاسوس شہزادے کو اغوا کر کے یمن کی سرحد میں داخل ہو گئے۔

وہ ایک ایسی خفیہ جگہ سے داخل ہوئے تھے، جہاں سرحدی محافظوں کی کوئی چوکی نہیں تھی۔ وہ جلد سے جلد اُس ملک کے میدانوں اور پہاڑی علاقے کو عبور کر کے بابل کی طرف نکل جانا چاہتے تھے۔ لیکن راستے میں شہزادہ اچانک بیمار ہو گیا۔ اُسے اِس شدت سے بخار آ گیا کہ اُس کا سارا جسم گرم ہو کر پھکنے لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اُس کا سانس بھی اکھڑنا شروع ہو گیا تھا۔ جاسوس پریشان ہو گئے۔ وہ شہزادے کو زندہ حالت میں بخت نصر کے دربار تک پہنچانا چاہتے تھے۔

''اب کیا کِیا جائے؟''

''یہاں تو اردگرد کوئی بستی بھی نہیں ہے جہاں شہزادے کے لیے کسی حکیم سے کوئی دوا حاصل کی جائے۔''

''یہاں سے قریبی شہر کتنی دور ہوگا؟ تم تو اس علاقے میں گھومتے پھرتے رہے ہو۔''

''یہاں سے ایک منزل پر یمن کا سب سے بڑا شہر حنائی ہے۔ صرف وہاں پہنچ کر ہمیں طبّی مدد مل سکتی ہے۔''

'''کیا وہاں کوئی واقف کار ہے تمہارا؟''

''ایک گھوڑوں کا تاجر میرا دوست ہے۔''

''اُس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟''

''ہاں۔۔۔وہ بڑے بھروسے کا آدمی ہے اور پھر اُسے کیا معلوم کہ ہم شہزادے کو اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔''

''تو پھر اُس کے ہاں چلو' شہزادے کا زندہ رہنا بہت ضروری

ہے۔"

اُنہوں نے شہر حنائی کی طرف گھوڑے ڈال دیے۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ رات کے سائے گہرے ہوئے تو وہ شہر حنائی میں داخل ہو گئے۔ دکانیں' بازار بند ہو چکے تھے۔ کہیں کہیں مکانوں میں شمع جل رہی تھی۔ وہ گھوڑوں کے تاجر کی حویلی میں آ گئے۔۔۔

جاسوس نے دروازے پر دستک دی۔ غلام باہر آیا۔ جاسوس نے اُسے کہا کہ اپنے مالک سے جا کر کہے کہ اُس کا ایک گہرا دوست آیا ہے۔ غلام نے اندر جا کر اطلاع کی تو تاجر سونے کے لباس میں باہر آ گیا۔ اپنے دوست کو دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوا۔

"تم اِس وقت کہاں دوست' آؤ اندر آؤ۔"

"بس ایک ضروری کام سے آنا پڑا۔"

اندر جا کر انہوں نے شہزادے کو ایک بستر پر لٹا دیا۔ وہ بیہوش تھا۔

گھوڑوں کے تاجر نے پوچھا:

''یہ کون ہے لڑکا؟''

''یہ میرے دوست کا بیٹا ہے۔ ہم بابل کی طرف جا رہے تھے کہ اسے سخت بخار آ گیا۔ علاج کے لیے مجبوراً حنائی کا رخ کرنا پڑا۔''

تاجر نے شہزادے کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''اِسے تو بڑا سخت بخار ہے۔''

''اِسی لیے تو مَیں اِسے یہاں لایا ہوں۔''

''یہ کب سے بے ہوش ہے؟''

''اِسے چھوڑو، تم یہ بتاؤ کہ کیا اس وقت یہاں کہیں سے کسی حکیم کا بندوبست ہو سکتا ہے جو اِس لڑکے کا علاج کر کے اِسے تندرست کر سکے؟''

تاجر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا:

''یہاں میں صرف ایک حکیم کو جانتا ہوں جو بہت قابل آدمی ہے۔ وہ امیر لوگوں کا علاج کرتا ہے۔ لیکن چونکہ میرے ساتھ اُس کے خاص تعلقات ہیں اِس لیے میں اُسے یہاں لا سکتا ہوں۔''

''تو پھر جلدی سے اسے لے آؤ۔''

''اِس وقت؟''

''ہاں ہاں اِسی وقت۔ بچے کی حالت بہت خراب ہے۔''

''یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا تم لوگ یہاں بیٹھو۔ میں ابھی اُسے لانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

دونوں جاسوس بے ہوش شہزادے کے پاس بیٹھ گئے اور تاجر حویلی کے دروازے میں سے نکل کر حکیم عنبر کی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ تاجر اتفاق سے حکیم عنبر کا گہرا دوست تھا۔ عنبر جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ رات کو ایک بار اپنی حویلی میں یہ دیکھنے کے لیے ضرور

آتا تھا کہ کوئی اُس سے ملنے تو نہیں آیا۔ اُسے یورکا اور زرکسیر کا انتظار تھا۔

تاجر تھوڑی ہی دیر میں عنبر کی حویلی میں پہنچ گیا۔

عنبر اُس وقت اپنی حویلی سے واپس شاہی محل میں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ باہر نکلنے ہی والا تھا کہ سامنے سے گھوڑوں کا تاجر آیا دِکھائی دیا۔ عنبر نے کہا:

''خرگام' تم اِس وقت کہاں پھر رہے ہو؟''

''یار میں تمہاری طرف ہی آ رہا تھا۔''

''وہ کیوں' خیریت تو ہے ناں؟''

''میں تو خیریت سے ہوں۔ لیکن میرے ایک عزیز دوست کا لڑکا بے حد بیمار ہے۔ وہ بخار میں بے ہوش پڑا ہے۔ اگر تم میرے ساتھ چل کر اسے دیکھ لو تو میں بڑا شکرگزار ہوں گا۔''

"اگر میں تمہیں دوائی دے دوں تو کیا خیال ہے خرگام؟"

"نہیں بھائی، تم میرے دوست ہو تو اِس وقت میری عزت کی خاطر میرے ساتھ چل کر خود مریض کو دیکھو اور اُس کا علاج کرو۔ وگرنہ میرا دوست کہے گا کہ یہاں میری کوئی وقعت ہی نہیں ہے۔"

"یہ بات ہے تو میں ابھی تمہارے ساتھ چلے چلتا ہوں۔ دوستوں کے لیے میں اپنے آرام و آسائش کی قربانی دینے کو ہر وقت تیار ہوں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ عنبر۔"

خرگام گھوڑوں کا تاجر حکیم عنبر کو ساتھ لے کر اپنی حویلی میں آ گیا۔ اُس وقت رات کافی گزر چکی تھی۔ تاجر اُسے ایک کمرے میں لے گیا جہاں دونوں جاسوس قالین پر بیٹھے تھے اور ان کے درمیان ایک لڑکا بے ہوش پڑا تھا۔ عنبر مریض کو دیکھنے کے لیے آگے کو جھکا تو حیرت

سے اُس کا دل اُچھل کر اُس کے حلق میں آ گیا۔

اگر وہ ضبط سے کام نہ لیتا تو اُس کے منہ سے ضرور چیخ نکل جاتی۔ کیونکہ اس کے سامنے قالین پر نینوا کا شہزادہ ماروت بیہوش پڑا تھا۔ عنبر نے پوچھا:

''اِس کی یہ حالت کب سے ہے؟''

ایک جاسوس نے کہا:

''صبح سے یہ بخار میں پھُنک رہا ہے۔''

''کیا یہ آپ کا بیٹا ہے؟''

جاسوس نے غم زدہ آواز میں کہا:

''کاش اِس کی جگہ میں بے ہوش ہو جاتا۔ اِس کی جگہ مجھے بخار آ جاتا۔ دیوتاؤں کے لیے میرے بچے کا علاج جلدی کریں۔ اِسے ہوش میں لے آئیں۔''

عنبر اُس شخص کی مکاری پر بہت خوش ہوا۔ اُسے معلوم تھا کہ شہزادہ اُس کا بیٹا نہیں ہے۔ پھر بھی وہ باپ کی کامیاب اداکاری کر رہا تھا۔ عنبر نے شہزادے کی نبض دیکھی اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور انہوں نے شہزادے کو کیسے اغوا کر لیا۔ ملکہ اور حانو کہاں ہیں؟ اُن کا کیا حال ہے؟ وہ یہ ساری باتیں اُن لوگوں سے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا اور معلوم کرنے کو بے چین بھی تھا۔ جاسوس یہ سمجھ رہے تھے کہ حکیم بیماری کے علاج پر غور کر رہا ہے۔ آخر ایک نے پوچھا:

''بچہ صحت مند ہو جائے گا حکیم صاحب؟''

''ضرور ہو جائے گا۔ لیکن میں یہاں اِس کا علاج نہیں کر سکتا۔''

''وہ کیوں؟''

''آپ اِسے میری حویلی کے شفا خانے میں لے آئیں۔ وہاں

میں اس کا علاج کر کے اُسے صحت مند کر دوں گا۔"

دونوں جاسوس وہاں سے کسی دوسری جگہ نہیں جانا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے کہا:

"کیا اِس جگہ آپ بچے کا علاج نہیں کر سکتے؟"

"جی نہیں، یہاں علاج کا پورا انتظام نہیں ہے۔ آپ کا بچہ شدید سرسام میں مبتلا ہے۔ اگر اِسے جلد میرے شفا خانے نہ پہنچایا گیا تو یہ مر جائے گا اور اس کی لاش پھول کر پھٹ جائے گی۔"

جاسوس فکر میں پڑ گئے۔ تاجر نے کہا:

"میرا تو خیال ہے کہ بچے کو شفا خانے لے جانا چاہیے۔ آخر وہاں لے جانے میں کیا حرج ہے۔ جب کہ بچے کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"ٹھیک ہے، ہم اِسے شفا خانے میں لیے چلتے ہیں۔"

''تو چلیے۔ یہ بھی میں صرف اس لیے تیار ہو گیا ہوں کہ آپ میرے ایک دوست کے دوست ہیں جس کی کوئی بات میں ٹھکرا نہیں سکتا۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ حکیم عنبر صاحب۔''

دونوں جاسوسوں نے شہزادے کو گھوڑے پر ڈالا اور اُسے عنبر کی حویلی والے شفاخانے میں لے آئے۔ جاسوس شہزادے کو اکیلا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ وہ ہر جگہ بے ہوش شہزادے کے ساتھ ساتھ رہتے۔ عنبر نے اُسے ایک پلنگ پر لٹا دیا اور ایک ایسی گولی کھلا دی جس کی وجہ سے ایک گھنٹے بعد ہوش میں آ جانا تھا۔ لیکن عنبر جاسوسوں کی موجودگی میں شہزادے سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا:

''آپ لوگ مریض کو اکیلا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ میں نے مریض کو جو دوا دی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ

ساری رات سویا رہے گا۔ صبح وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوگا۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے بے دلی سے اٹھے اور ساتھ والے کمرے میں آ گئے۔ عنبر بھی ان کے ساتھ ہی آیا۔ اُنہیں اگر چہ یقین تھا کہ وہ بے ضر ہاتھوں میں اور عنبر قیامت تک معلوم نہ کر سکے گا کہ وہ نینوا کے شہزادے کا علاج کر رہا ہے۔ پھر بھی وہ شہزادے کے بارے میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہتے تھے؛ تاہم یہاں عنبر کی بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا اِس لیے کہ شہزادہ واقعی بہت بیمار تھا۔ دونوں جاسوس شہزادے کو اکیلا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ وہ بستروں پر لیٹ گئے۔ دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ لیٹتے ہی ایسے سوئے کہ ساری حویلی میں ان کے خراٹے گونجنے لگے۔ عنبر اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے جو دوا شہزادے کو دی تھی اُس کی وجہ سے اب وہ ہوش میں آنے ہی والا تھا؛

چنانچہ وہ شہزادے کے پاس آ گیا۔

شہزادہ بے ہوش تھا۔

عنبر نے اُس کے ماتھے پر ایک دوا ملی۔ شہزادے نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ بڑے غور سے عنبر کو دیکھنے لگا:

''آپ ہیں؟ آپ۔۔۔ آپ۔۔۔؟''

''شی، خاموش رہو شہزادہ سلامت۔ رب عظیم نے رحم کیا جو آپ کو میرے پاس بھیج دیا۔ آپ اس وقت میری حویلی میں ہیں۔''

''اور۔۔۔ اور وہ۔۔۔ وہ ڈاکو۔۔۔؟''

''وہ ساتھ والے کمرے میں سو رہے ہیں۔ آپ سو جائیں اور یہی ظاہر کریں کہ بے ہوش ہیں۔ اُن کا میں بندوبست کرتا ہوں۔''

شہزادے نے آنکھیں بند کر لیں اور عنبر وہاں سے اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں آ گئے۔ جہاں دونوں جاسوس بے سُدھ پڑے

خراٹے لے رہے تھے۔ وہ اب ساری بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا کہ یہ لوگ شاہ بخت نصر کے آدمی ہیں اور شہزادے کو اغوا کر کے واپس بابل لے جا رہے ہیں۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ یہ لوگ شہزادے کو لے کر یمن کی طرف کیوں کر نکل آئے۔ یہ تو شہزادے کی خوش قسمتی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

اب عنبر فوراً سے پہلے ان دو جاسوسوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے الماری کھول کر اس میں سے ایک ایسے زہر کی شیشی نکالی جس کا ایک قطرہ اگر ہاتھی کو پلا دیا جائے تو پھڑک کر زمین پر گرے اور فوراً مر جائے۔ عنبر نے ان دونوں جاسوسوں کو ہلاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کیونکہ اِس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ ان دونوں کو بے ہوش کر کے شہر سے باہر کسی جگہ پھینک آئے اور شہزادے کو اپنے ساتھ محل میں لے جائے تو یہ ضروری بات تھی کہ

دونوں جاسوس ہوش میں آنے کے بعد گھوڑوں کے تاجر کے پاس جا کر شکایت کرتے کہ اس کے دوست حکیم عنبر نے انہیں بے ہوش کر کے نالے میں پھینک دیا تھا اور شہزادے کو اغوا کر لیا ہے۔ اِس طرح یہ بھی ضروری تھا کہ تاجر عنبر کے پاس آتا اور اپنے دوست کے بیمار بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کرتا۔

یوں حالات زیادہ خطرناک صورت اختیار کر سکتے تھے اور بات شاہ یمن حمور بی تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ اِس لیے عنبر کے لیے لازمی ہو گیا تھا کہ وہ اُن جاسوسوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر شہر سے باہر کسی ویران علاقے میں جا کر گڑھے میں دبا دے اور صبح تاجر اگر پوچھے تو وہ یہی کہے کہ اُس کے دوست کے بیٹے کو آرام آ گیا تھا اور وہ لوگ صبح دم واپس چلے گئے تھے۔

عنبر نے زہر کی شیشی ہاتھ میں پکڑی اور دونوں جاسوسوں کے

قریب آ گیا:

وہ بے خبر سو رہے تھے اور اُن کے منہ خراٹے لیتے ہوئے کھلے تھے۔ عنبر نے مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر شیشی کا منہ کھولا اور ایک ایک قطرہ زہر کا دونوں کے حلق میں ٹپکا دیا۔ زہر نے جسم کے اندر جاتے ہی اپنا اثر دکھا دیا۔ دونوں جاسوس ذرا سا ہلے اور اُن کے خراٹے ایک دم بند ہو گئے۔ وہ مر چکے تھے۔ عنبر نے شہزادے کو جا کر ساری صورت حال سے باخبر کر دیا اور کہا:

''میں ان ڈاکوؤں کی لاشیں ویرانے میں دفن کرنے جا رہا ہوں۔ آپ میرے آنے تک اطمینان سے دروازہ بند کر کے یہاں بیٹھیں اور اگر کوئی آئے تو دروازہ ہرگز نہ کھولیں۔''

''ایسے ہی ہو گا عنبر۔''

عنبر نے دونوں جاسوسوں کی لاشیں اٹھا کر گھوڑے پر ڈالیں اور

انہیں لے کر رات کے اندھیرے میں سنسان شہر کے بازاروں اور گلیوں میں سے ہوتا۔ باہر ویرانے میں آ گیا۔ یہاں اس نے ایک پہاڑی کے دامن میں زمین میں ایک گڑھا کھودا اور دونوں لاشوں کو اس میں دفن کر کے اُوپر مٹی ڈال دی۔ اِس کام سے فارغ ہو کر وہ فوراً واپس آ گیا۔ شہزادہ اکیلا پریشان ہو رہا تھا۔ اُس نے پوچھا:

''کیا ڈاکوؤں کو دفن کر دیا عنبر؟''

''ہاں شہزادہ سلامت' مگر یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ یہ لوگ تو آپ کو لے کر شاہ بابل کے دربار میں جا رہے تھے جو یقیناً آپ کو ہلاک کر دیتا۔''

شہزادے نے کہا:

''ہماری خود سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ہم لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ بس ہم نے پانی پیا اور ایک ایک کر کے سبھی بے ہوش ہو گئے۔''

ضرور اُنہوں نے چچا حبشی کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر پانی کے مٹکے میں بے ہوشی کی دوا ملا دی ہو گی۔ کیا ملکہ اور حانو اُسی جگہ ہیں؟''

''ہاں' ڈاکوؤں نے راستے میں مجھے کہا تھا کہ ہم تجھے بخت نصر کے پاس لے جا رہے ہیں اور تمہاری والدہ اور غلام کو ہم نے کچھ نہیں کہا۔ ہمیں صرف یہی حکم تھا کہ تمہیں اغوا کے کے دربار میں لایا جائے۔''

''ربّ عظیم کا شکر ہے کہ اُس نے تمہیں میرے پاس پہنچا دیا۔ اگر راستے میں آپ بیمار نہ ہوتے تو یہ لوگ کبھی میرے پاس نہ آتے۔ وہ یمن میں سے چوری چھپے گزر کر بابل کی طرف جلدی پہنچنا چاہتے تھے۔''

پھر عنبر نے شہزادے کو بتایا کہ وہ شاہ یمن حمور بی کے دربار میں وزیر خاص مقرر کر دیا گیا ہے۔ اُس نے حمور بی کے دربار میں سارا

قصہ شہزادے کو سُنا ڈالا۔ شہزادہ بڑا خوش ہوا۔

''اب آپ کو میرے ساتھ شاہی محل میں چل کر رہنا ہوگا اور مناسب وقت آنے پر میں آپ کو شاہ یمن سے بھی ملواؤں گا۔ میں نے اُس سے بخت نصر کے حملے' آپ کی زندگی اور ملکہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔''

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ عنبر نے چونک کر کہا:

''ضرور گھوڑوں کا تاجر آیا ہے۔''

''ہو سکتا ہے ڈاکوؤں کا کوئی ساتھی ہو۔''

''ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ میں ابھی جا کر پتہ کرتا ہوں۔''

عنبر نے تلوار کھینچ کے ہاتھ میں لے لی اور دروازے کے پاس جا کر پوچھا:

''کون ہو تم؟''

''عنبر' میں ہوں یورکا۔''

عنبر نے یورکا کی آواز پہچان لی اور خوش ہو کر دروازہ کھول دیا۔

یورکا نے اندر آ کر عنبر کو گلے سے لگا لیا۔

''کہو حالات کس رُخ پر جا رہے ہیں۔ کیا تمہیں......''

اچانک اس کی نظر شہزادے پر پڑ گئی۔ وہ بات کرتے کرتے رک گیا اور حیرت میں ڈوب کر شہزادے کو تکنے لگا۔

''شہزادہ سلامت آپ' یہاں کیسے؟ ملکہ اور غلام جانو کہاں ہیں؟ آپ یہاں کیسے پہنچ گئے۔ میں تو آپ کو قرطاجنہ میں چھوڑ کر آیا تھا۔''

''ان سے پوچھیں یورکا کہ میں یہاں کیسے پہنچ گیا ہوں؟''

یورکا نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

''یہ کیا راز ہے عنبر' کچھ تم ہی بتاؤ۔''

عنبر نے یورکا کو الف سے لے کر یے تک ساری داستان سُنا ڈالی۔ یورکا حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہوا کہ شہزادہ زندہ سلامت تھا۔

''اِس کا مطلب یہ ہوا کہ بخت نصر کو شہزادے اور زر کسیر کے فرار ہو جانے کا بے حد صدمہ ہے اور وہ ہر حالت میں ان دونوں کو گرفتار کروانا چاہتا ہے۔''

''ظاہر ہے وہ تو ہر ممکن کوشش کرے گا۔ ہم نے تو شہزادے کو اغوا کر کے اس کے شاہی وقار کو خاک میں ملا دیا ہے۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے حمور بی کے دربار میں کوئی مقام بنایا ہے یا نہیں؟''

''وہ بھی سب کام تسلی بخش طریقے سے ہو گیا ہے یورکا، تم اس وقت حکیم عنبر سے نہیں بلکہ حمور بی کے وزیر خاص سے باتیں کر رہے ہو۔''

''کیا یہ سچ ہے؟''

''سو فیصدی سچ ہے۔''

''دیوتاؤں کی مہربانی ہو چکی ہے عنبر' زر کسیر نے بھی وفادار فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا ہے۔''

''میں نے پوری تفصیل کے ساتھ حموربی سے بات کی ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ جس وقت بخت نصر یمن پر حملہ کرے ہم اُس وقت ملکہ اور شہزادے کو لے کر نینوا پہنچ جائیں اور زر کسیر کی قیادت میں وہاں شاہ بابل کے گورنر کے خلاف عام بغاوت کروا دیں۔ اس طرح بخت نصر کی آدھی فوج کی توجہ نینوا کی طرف بٹ جائے گی۔''

''تجویز تو بڑی معقول ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ بخت نصر یمن پر حملہ کب کر رہا ہے؟''

''اِس کے لیے حموربی نے اپنے جاسوس بابل روانہ کر دیے

ہیں۔''

''اگر بخت نصر نے یمن پر حملے میں دیر کی تو ہمیں نقصان ہوگا۔''

''وہ کس طرح؟''

''وہ اِس طرح کہ ہم وفادار فوجوں کا خرچ زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتے۔''

''یہ تو تم نے ٹھیک کہا ہے۔''

عنبر سوچنے لگا' پھر بولا:

اِس کا ایک ہی علاج ہو سکتا ہے کہ حمور بی سے بات کر کے اپنی وفادار فوجوں کو یمن کی شاہی فوجوں کے ساتھ شامل کر لوں۔ اِس طرح ہماری فوج کا سارا خرچ شاہی حکومت کے سر ہوگا۔''

''کیا حمور بی مان جائے گا؟''

''کیوں نہیں' آخر یہ فوج بھی اُس کے ساتھ نینوا میں لڑے گی۔''

''بڑی معقول تجویز ہے عنبر، تم بادشاہ سے بات کرو۔''

''تم بھی میرے ساتھ شاہی محل چلو۔ میں تمہیں بھی بادشاہ سے ملوانا چاہتا ہوں۔''

''اگر تم مناسب خیال کرتے ہو تو ٹھیک ہے۔ مجھے زر کسیر کے پاس جا کر اُسے تازہ اطلاع بھی دینی ہے کہ یہاں حالات کیا ہیں۔''

''کوئی بات نہیں، تم ایک روز بعد سفر پر روانہ ہو جانا۔''

عنبر راتوں رات یور کا اور شہزادے کو ساتھ لے کر محل کی جانب چل پڑا۔

پُراسرار مندر

یورکا اور شہزادے کو لے کر عنبر شاہی محل پہنچ گیا۔

شہزادہ، حمور بی کے شاہی محل میں بالکل محفوظ تھا۔ یورکا نے عنبر سے کہا کہ پیچھے ملکہ اور حانو شہزادے کی گمشدگی سے بہت پریشان ہوں گے۔ اس لیے میرا جلد سے جلد واپس جانا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ وہ زوکسیر کو تمام حالات سے باخبر بھی کرنا چاہتا ہے۔ یورکا کا خیال بڑا مناسب تھا۔ عنبر بھی چاہتا تھا کہ شہزادے کی والدہ کو اطلاع کر دی جائے کہ شہزادہ اُن کے پاس بالکل محفوظ ہے؛ وگرنہ ماں اپنے بیٹے کی جدائی میں رو رو کر بُرا حال کرے گی۔ عنبر نے ملکہ کو شہزادے کی جُدائی میں بین کرتے دیکھا ہوا تھا۔ اُس نے کہا:

''میں تمھیں شہزادے کے ساتھ حمور بی کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم شہزادے کو بادشاہ کے سامنے پیش کرو۔ میری جگہ اگر زرکسیر جو کہ نینوا کی فوج کا سپہ سالار تھا' بادشاہ سے ملے تو زیادہ بہتر ہے۔''

عنبر کو یورکا کی بات پسند آئی۔ یہ حقیقت بھی تھی کہ بادشاہ کے حضور یورکا کی بجائے زرکسیر کو پیش کرنا چاہیے تھا تاکہ بادشاہ کو یقین ہو جائے کہ نینوا کی فوج اور عوام اُس کے ساتھ ہیں۔ زرکسیر نینوا کی فوج کا نمائندہ تھا اور شہزادہ وہاں کی عوام کا نمائندہ تھا۔ کیونکہ نینوا کی عوام اپنے شہزادے اور ملکہ پر جان دیتے تھے۔

''پھر ایسا کرو' تم آج ہی ملکہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ اُنہیں کہو کہ شہزادہ ہمارے پاس محفوظ ہے اور ہم عنقریب ملکہ سلامت کو بھی حمورابی کے شاہی محل میں لے آئیں گے۔''

''بہت بہتر۔''

یورکا اسی وقت اپنے واپسی کے سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔

عنبر نے شہزادے کو اپنے خاص کمرے میں آرام دہ مسہری لگوادی اور خود دربار میں آ گیا۔ دربار میں اس روز نینوا کے کچھ لوگ جنگی قیدیوں کو پیش کیا جا رہا تھا جنہیں بخت نصر کے سپاہی قید کر کے اپنے ساتھ بابل لے گئے تھے اور جو وہاں کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر یمن کی سرحد پر پہنچ گئے تھے اور جہاں یمن کے سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر لیا تھا۔ حمور بی ان قیدیوں سے بابل کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دربار لگا اور حمور بی اپنے تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ قیدیوں کو پیش کیا جائے۔

چھ سات قیدی زنجیروں میں جکڑے ہوئے سامنے آ کر جھک گئے۔ حمور بی نے ان سے پوچھا:

''تم لوگ بھاگ کر یمن کی سرحد پر کیوں آئے؟''

قیدیوں کے ایک نمائندے نے جھک کر کہا:

''جہاں پناہ، ہمارے لیے سوائے یمن کے اور کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔''

''یہ خیال تمھیں کیوں کر آیا؟''

''اِس لیے جہاں پناہ کہ یمن بھی ہمارے ملک نینوا کی طرح بابل کا دشمن ہے اور بابل میں آپ کے ملک پر حملہ کرنے کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں۔ نینوا کے ساتھ آپ کے ملک کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں۔''

''تم نے اِن تیاریوں کو کیسے دیکھا۔ تم لوگ تو دشمن کی قید میں تھے؟''

''جہاں پناہ، ہمیں جیل خانے کے سپاہیوں نے بتایا تھا کہ وہ لوگ اسی موسم بہار میں یمن پر حملہ کر کے وہاں سے لوٹ مار کا سامان

اور بے شمار جنگی قیدی غلام بنا کر لائیں گے۔“

”نینوا میں تمہیں کہاں گرفتار کیا گیا تھا؟“

”شاہی محل کے باہر جہاں پناہ، ہمارے ساتھی لڑتے لڑتے ہلاک کر دیے گئے تھے۔ دشمن نے ہمیں گرفتار کر لیا اور غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گئے۔“

اِس موقع پر بادشاہ حموربی نے جھک کر پاس کھڑے ہوئے وزیر خاص عنبر کے کان میں کچھ کہا۔ عنبر نے نہایت ادب سے سر جھکایا اور قیدی سے پوچھا:

”کیا تمہیں معلوم ہے کی نینوا کا بادشاہ، ملکہ اور شہزادے اس وقت کہاں تھے؟“

”حضور، دشمن نے ہمارے بادشاہ کو ہلاک کر دیا تھا۔ ملکہ کو قید کر کے لے گئے تھے۔“

''اور شہزادے؟''

''شہزادوں کو بھی بخت نصر نے قتل کر دیا تھا۔ صرف ہمارا سپہ سالار زرکسیر دشمن سے جان بچا کر فرار ہو سکا تھا۔''

''کیا تمہیں اس بات کا دکھ نہیں کہ دشمن کی فوجوں نے تمہارے شہر نینوا کو جلا کر خاک کر دیا اور تمہارے بادشاہ کو قتل کر دیا؟''

''ہمیں اس سے بڑا دکھ اور کوئی نہیں ہو سکتا حضور' کاش! ہم اپنے وطن کی آبرو پر اپنی جانیں قربان کر سکتے۔''

''اگر تمہیں نینوا کے گورنر کے خلاف جنگ کا حکم دیا جائے تو کیا تم وہاں جا کر لڑو گے؟''

''اکیلے حضور؟''

''نہیں' اپنے دوسرے فوجیوں کے ساتھ۔''

''کاش' ایسا ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم اسی وقت گورنر نینوا

کے محل پر حملہ کرنے کو تیار ہیں۔ خواہ اِس میں ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

عنبر نے جھک کر بادشاہ حمور بی سے کچھ کہا۔ بادشاہ نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ ایک سپاہی آگے بڑھا۔ اُس نے تمام قیدیوں کی زنجیریں کھول دیں۔

''آج سے تم آزاد ہو اور یمن کی فوج کے سپاہی سمجھے جاؤ گے۔''

''حمور بی زندہ باد۔۔۔ بخت بلند ہو۔۔۔ دیوتاؤں کی رحمت ہو۔''

قیدیوں نے جھک کر تین بار کورنش بجا لائی اور سپاہی کے ساتھ دربار سے باہر نکل گئے۔ حمور بی نے دربار برخاست کر دیا اور بادشاہ نے کہا:

''تم ہمارے ساتھ آؤ عنبر۔''

''جو حکم جہاں پناہ۔''

حموربی عنبر کو ساتھ لے کر محل کے ایک خاص کمرے میں آ گیا۔ وہاں اُن دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اُس نے عنبر سے پوچھا:

''کیا خیال ہے عنبر، یہ سپاہی وفادار ہیں ملکہ کے؟''

''نینوا کا ہر سپاہی ملکہ اور شہزادے کا وفادار ہے جہاں پناہ، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔''

''تم نے معلوم کیا کہ تمہاری فوج کا سپہ سالار رزرکسیر اس وقت کہاں ہے؟''

''جہاں پناہ، وہ یمن کے جنوب میں سرخ پہاڑ کے غاروں میں وفادار فوج کو جمع کر چکا ہے اور سرکار کے حکم کا منتظر ہے۔''

''اُسے پیغام بھجوا دو کہ جب تک بخت نصر ہمارے ملک پر حملہ نہیں کرتا ہم اُسے نینوا میں فوجی گورنر کے خلاف بغاوت کرانے کا

مشورہ نہیں دے سکتے۔ اس سے سوائے خون خرابے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بخت نصر کی ساری فوج نینوا کی بغاوت کو کچل کر رکھ دے گی۔''

''اگر حکم ہو تو میں زرکسیر کو سرکار کی خدمت میں پیش کروں تاکہ جہاں پناہ خود سپہ سالار سے تفصیلی بات چیت کر سکیں۔''

''یہ خیال بھی مناسب ہے۔''

''دوسری بات یہ ہے حضور کہ ابھی تک ہمارے جاسوس بابل سے واپس نہیں آئے اور ہمیں کوئی خبر نہیں ہے کہ بخت نصر موسم بہار میں یمن پر حملہ کر رہا ہے کہ نہیں۔ زرکسیر نے وفادار فوجوں کی ایک بھاری تعداد اپنے اردگرد جمع کر لی ہے۔ یہ فوج یمن کی وفادار فوج بھی ہے۔ جُوں جُوں دیر ہو رہی ہے۔ اس فوج میں بے اطمینانی پھیل رہی ہے۔ کیونکہ زرکسیر اتنی فوج کا خرچ برداشت نہیں کر سکتا۔''

''یہ تو ایک قدرتی بات ہے عزبز' فوجیں ملک کی آمدنی کے حساب سے رکھی جاتی ہیں۔ ایک اکیلا آدمی اتنی بڑی فوج کا خرچ کیسے برداشت کرسکتا ہے۔''

''اسی خیال سے میں اکثر پریشان رہتا ہوں جہاں پناہ کہ زرکسیر کی فوج یمن کی وفادار اور مصیبت کے وقت ہمارے کام آنے والی فوج ہے۔ اسی فوج نے نینوا میں بغاوت کروا کر بخت نصر کی فوجی طاقت کو توڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر دینا ہے اور اگر اس فوج کے سپاہی محض بھوک سے تنگ آ کر واپس جانا شروع ہو گئے تو یہ یمن کا بڑا نقصان ہوگا۔ یہ فوجی اس وقت یمن کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دینے کو تیار ہیں۔''

حموربی خاموش ہوگیا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔ اُس نے سر اُٹھا کر پوچھا:

''پھر تمہارا کیا خیال ہے عنبر؟''

''میرا تو خیال ہے جہاں پناہ کہ ہم نینوا کی اس فوج کو یمن کی فوج کے ساتھ شامل کرلیں تو اُن کا ایک الگ ہراول دستہ بنادیں جو میدان جنگ میں سب سے پہلے دشمن کا مقابلہ کرے۔''

''ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر تمہاری رائے بھی یہی ہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم شوق سے زر کسیر کو اطلاع بھجوا سکتے ہو کہ وہ اپنے وفادار سپاہیوں کو لے کر یمن کے دارالحکومت میں آجائے۔''

''جو حکم جہاں پناہ۔''

''لیکن ایک بات کا خیال رہے۔'' حمور بی نے ہیرے جواہرات کی انگوٹھیوں والی اُنگلی اٹھا کر کہا۔ عنبر نے ادب سے پوچھا:

''ارشاد جہاں پناہ۔''

''کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے کہ شہر میں کوئی فوج داخل

ہوئی ہے۔ سپاہیوں کو چاہیے کہ وہ رات کو بھیس بدل کر ہمارے شہر میں آئیں اور چھاؤنی میں جا کر رہنے لگیں۔''

''ایسا ہی ہوگا جہاں پناہ۔''

''اب آپ جا سکتے ہیں۔''

عنبر نے جھک کر ادب سے کورنش بجالائی اور بادشاہ کے محل خاص سے باہر آ گیا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب جلدی سے یورکا اور شہزادے کو یہ خوشخبری سُنانا چاہتا تھا۔ یورکا سفر پر روانہ ہونے کے لیے تیار ہی تھا کہ عنبر پہنچ گیا۔ اُس نے شہزادے اور یورکا کو بادشاہ کے ساتھ ہوئی ساری گفتگو سُنا ڈالی۔ یورکا بہت خوش ہوا۔ کیوں کہ وفادار فوج کی بے کاری اور بھوک کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

''اب تم فوراً زرکسیر کے پاس پہنچو اور اُسے کہو کہ ساری کی ساری فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں کی صورت میں لے کر دارالحکومت

پہنچنا شروع کردے۔''

''میں ابھی سفر پر روانہ ہوتا ہوں۔''

''اِس بات کی خاص طور پر تاکید کرنا کہ کوئی سپاہی زرہ بکتر پہن کر نہ آئے۔ بلکہ عام شہریوں کے لباس میں ہو اور اسلحہ چھپا ہوا ہو۔ بادشاہ عوام کو نہیں بتانا چاہتا کہ دارالحکومت میں نینوا کے سپاہی جمع ہو رہے ہیں۔''

''بڑا مناسب خیال ہے۔''

''اب تم رب عظیم کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔''

یورکا اسی روز حنائی سے یمن کے سُرخ پہاڑوں کی طرف چل پڑا۔ عنبر نے یورکا کے جانے کے بعد اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اپنے بڑے مشکل منصوبے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے شہزادے کو اپنے کمرۂ خاص میں بٹھایا اور خود اُس پُراسرار ویران

مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جس کے بارے میں دیوی بلطیس نے اُسے کہا تھا۔

"اگر تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو ویران مندر میں جا کر میری بہن کو تین بار آواز دینا۔ وہ تمہاری مدد کو آ جائے گی۔ اُسے میری انگوٹھی دکھا دینا۔"

انگوٹھی عنبر نے جیب میں رکھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے مغربی پہاڑوں میں پُراسرار مندر کی تلاش کو چل پڑا۔ اُس زمانے میں آبادیاں بہت کم ہوا کرتی تھیں اور ویرانے بہت زیادہ ہوا کرتے تھے۔ ویرانے تلاش کرنا بہت آسان تھا۔ عنبر بھی تلاش کرتے کرتے ایک پہاڑ کے پاس پہنچ گیا جس کے پہلو میں کسی پُرانے مندر کے کھنڈر دکھائی دیے۔ یہ مندر پُرانے فرعون کے دور کا تھا اور اُس کے ستون گرے ہوئے تھے۔ پتھر کی سیڑھیوں پر گھاس اُگی ہوئی تھی۔

ایک جگہ سے اندھیرا راستہ مندر کے اندر جاتا تھا۔ عنبر نے گھوڑا باہر باندھا اور خود مندر کے اندر داخل ہو گیا۔

آگ کا شُعلہ

عنبر پراسرار ویران مندر کے بڑے تہہ خانے میں آ گیا۔

تہہ خانے کی چھت پہاڑ کے نوکیلے پتھروں کی تھی اور اُن کے ساتھ جالے بادلوں کی طرح لٹک رہے تھے۔ دیواروں پر پتھروں میں سے نقش و نگار کھودے گئے تھے۔ کہیں کوئی دیوی دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے کھڑی تھی۔ کہیں بادشاہ جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ کہیں کسی مُردے کو لکڑیوں کے ڈھیر میں جلایا جا رہا تھا۔ کہیں دیوتا کسی انسان کی قربانی قبول کر رہا تھا۔ قربانی دینے والے انسان کو چبوترے پر لٹا کر پُجاری ذبح کر رہے تھے۔ عنبر ان پتھریلی تصویروں کو ایک ایک کر کے غور سے دیکھنے لگا۔ اُس نے محسوس کیا کہ ہر تصویر میں ایک لمبے بالوں والی عورت ضرور کہیں نہ کہیں موجود ہے بلکہ ایک جگہ تو وہ خوفناک شکل والی دیوی بن کر انسانوں کو ہاتھوں میں پکڑ پکڑ

کر دہکتی آگ میں ڈال رہی ہے۔ اس عورت کی شکل دیوی بلطیس سے بڑی ملتی جلتی تھی۔ عنبر نے محسوس کیا کہ ہو نہ ہو یہی بلطیس کی بہن ہوگی جس کی روح اس مندر میں صدیوں سے آوارہ بھٹک رہی ہے۔

چھت کے ایک کونے میں سراغ تھا جہاں سے روشنی کی کرنیں مندر کے تہہ خانے میں داخل ہوکر وہاں کے ٹھنڈے پُر اسرار اندھیرے کو کسی حد تک دُور کر رہی تھیں۔ تہہ خانے کے وسط میں پتھر کے سیاہ ستونوں کے درمیان ایک چبوترہ سا بنا تھا جس کے اوپر ایک نوکیلے سینگوں والے قوی ہیکل بھینسے کا مجسمہ سا بنا تھا۔ اس بھینسے کی ایک ٹانگ اور پیٹھ کا نصف حصہ ڈھے چُکا تھا۔ فضا میں گہری خاموشی طاری تھی۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ دیوی بلطیس کی بہن کو تین بار آواز دے۔ عنبر نے چھت کی طرف منہ کر کے تین بار آواز دی۔

''اے دیوی بلطیس کی بہن، میں تم سے ملنے آیا ہوں......''

اُس کی آواز تہہ خانے کی فضا میں گونج اُٹھی۔ پہلی آواز پر بہت
سے چمگادڑ چھت میں سے پھڑ پھڑاتے ہوئے نکلے اور باہر کو اُڑ گئے۔
وہ ڈر گیا کہ یہ بلائیں کہاں سے آ گئیں۔ تیسری آواز پر چبوترے کے
آگے آگ کا ایک خوفناک شعلہ زمین پر سے اٹھا اور لپک کر چھت کی
طرف غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی چبوترے کے مجسمے پر بلطیس
دیوی کی بہن کی روح نمودار ہوئی۔ وہ مجسمے پر بیٹھی تھی۔ اُس کی سرخ
آنکھوں سے آگ کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ سَر کے بال کھلے تھے
اور اگلے دانت ہونٹوں سے باہر جھانک رہے تھے۔ اُس کی شکل و
صورت بڑی ڈراؤنی تھی۔ عنبر نے اُسے پہچان لیا۔ یہ وہی خوفناک
شکل وصورت والی دیوی تھی۔ جس کی شکل دیوار کی پتھریلی تصویروں
پر قریباً ہر جگہ موجود تھی۔ روح نے عنبر کی طرف کھا جانے والی نظروں
سے دیکھا اور اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے عنبر کی طرف جھٹکا۔

آ گ کا ایک گولا سا مجسمے کے منہ سے نکل کر عنبر کے پاؤں کے پاس آ کر رُک گیا۔ روح نے دوسری بار غصے سے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا۔ آگ کا گولہ ذرا سا حرکت کر کے ویسے ہی زمین پر جمارہا۔ بدروح نے غصے میں ایک چیخ ماری اور چھت میں سے ایک لمبی چونچ والا ہاتھی کے برابر پرندہ غوطہ لگا کر عنبر کی طرف آیا اور اُس کے سر کے اردگرد دو چکر لگا کر چیختا چلاتا فضا میں غائب ہو گیا۔ رُوح نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا اور غضب ناک ہو کر بولی:

''کون ہو تم؟''

عنبر نے مُسکرا کر کہا:

''کاش یہ سوال تم اپنا جادو کا کھیل دکھانے سے پہلے پوچھ لیتی۔ میرا نام عنبر ہے۔ مجھے تمہاری بہن دیوی بلطیس نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یہ ہے اُس کی انگوٹھی۔''

عنبر نے جیب سے انگوٹھی نکال کر بلطیس کی بہن کو دے دی۔

''اِس انگوٹھی کی وجہ سے تم پر میرے جادو کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ مگر اب تم میرے جادو سے نہیں بچ سکو گے۔ تم خود چل کر میرے پاس آئے ہو۔ میں اپنی بہن کا شکریہ ادا کرتی ہوں جس نے ایک لذیذ گوشت والا نوجوان میرے پاس بھیجا۔ تمہیں کھا کر میں بے حد خوش ہوں گی۔''

عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ بدروح کیسی ہے کہ اُسے اپنی بڑی بہن کے الفاظ کا بھی خیال نہیں۔ یقیناً یہ کوئی خبیث روح ہے۔ عنبر نے سوچا؛ وگرنہ یہ اپنی بہن کے الفاظ کا ضرور لحاظ کرتی۔ ظاہر ہے کہ وہ اُسے ہلاک نہیں کر سکتی تھی۔ صرف اپنا اور اُس کا وقت ضائع کر سکتی تھی۔ عنبر نے کہا:

''اے بدروح، تو مجھے ساری زندگی بھی کوشش کرتی رہے تو نہیں

کھا سکتی۔ اس لیے اِس خیال سے باز آ جا۔"

بدرُوح قہقہہ مار کر ہنسی:

"میں ابھی تمھیں اِس گستاخی کا مزا چکھاتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر اس نے فضا میں ہاتھ بلند کیا۔ ایک جلتا ہوا نیزہ اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اُس نے وہ نیزہ فضا میں واپس اچھال دیا۔ نیزہ اچھلا اور زور سے ایک چکر کھا کر عنبر کے سر کی طرف آیا۔ عنبر اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا رہا۔ جلتا ہوا نیزہ اس کے قریب آ کر بجھ کر زمین پر گر پڑا۔ بدروح نے دوسری بار جلتا ہوا پتھر عنبر کی جانب پھینکا۔ مگر وہ بھی عنبر کے قدموں میں آ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اب اُس نے ایک اژدہا کو حکم دیا کہ وہ عنبر کو جا کر نگل لے۔ اژدہا کے منہ سے آگ نکل رہی تھی اور اس کی کئی زبانیں تھیں۔ اژدہا نے پھنکار ماری اور عنبر کی طرف دوڑ کر لپکا۔ مگر اُس کے قریب جا کر یوں پیچھے گر کر تڑپنے لگا جیسے وہ کسی

پتھریلی دیوار سے ٹکرا گیا ہو۔

عنبر نے مُسکرا کر کہا:

''اے بدروح، تو مجھے کبھی ہلاک نہیں کر سکتی۔ تیرا جادو مجھ پر اثر نہیں کرے گا۔ اِس لیے بہتر ہے کہ تو میری بات غور سے سن۔''

بدروح نے بڑی نرمی سے کہا:

''تو کون ہے۔ مجھے سچ سچ بتا۔''

''سُن اے بدروح، میں فرعون مصر عاطون کا بیٹا ہوں اور دو ہزار سال سے زندہ چلا آ رہا ہوں۔''

اِتنا سُننا تھا کہ بدروح چبوترے پر سے اُتر کر عنبر کے پاس آ گئی اور جھک کر بولی:

''اے مقدس انسان، میں آج سے تیری باندی ہوں۔ مجھے تو جو حکم کرے گا میں اس پر عمل کروں گی۔ بتا تجھے مجھ سے کس قسم کی مدد کی

ضرورت ہے؟''

''سُن' بابل کا بادشاہ بخت نصر ملک یمن پر حملہ کر کے اُسے تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے۔ یمن کا ملک کمزور ہے۔ اُس کے پاس اتنا اسلحہ اور فوج نہیں ہے کہ وہ بخت نصر جیسے طاقت ور اور جابر بادشاہ کی فوج کا مقابلہ کر سکے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو بابل کے خلاف ہماری مدد کر۔''

''اے مقدس انسان' طلالہ کی روح نے تیری ہر بار مدد کی ہے۔ تو اُس سے کیوں نہیں کہتا؟''

''طلالہ کی روح میری معافی کے بعد آسمان کی اُن بلندیوں میں چلی گئی ہے۔ جہاں سے وہ زمین کی پستیوں میں دوبارہ نہیں آ سکتی۔ اِس لیے اب تیرا یہ فرض ہے کہ ہماری مدد کرے۔ اِس لیے کہ تو زمین کہ پستیوں میں رہنے والی بھٹکتی روح ہے۔ اِس زمین کے دشمن کے خلاف زمین ہی کے ذریعے استعمال کر اور بخت نصر کی فوج کو تباہ

کرنے کا طریقہ بتا۔‘‘

’’اے عنبر تو بھی سن لے تجھے بھی ایک بد دعا ملی ہے کہ جو تجھے اس زمین پر ہمیشہ کی زندگی مل گئی۔ تو ہمیشہ زمین کی پستیوں میں رہے گا اور ان پستیوں کے دکھ درد سہتا رہے گا۔ شیطان نے ایک بار کہا تھا کہ تو ہم سے ایک دن مدد مانگنے آئے گا۔ میں ہرگز تمہاری مدد نہ کرتی۔ اگر تو شیطانی طاقتوں میں مجھ سے آگے نہ ہوتا۔‘‘

’’اب جب کہ تو نے اپنی شکست کو مان لیا ہے تو پھر ہمارے ساتھ مل کر یمن کی فوج کی مدد کر۔‘‘

’’میں تیار ہوں عنبر۔‘‘

’’تو ہماری کس طرح مدد کر سکتی ہے؟‘‘

’’جس روز جنگ ہو اس روز تو مجھے آواز دینا۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گی اور پھر دیکھنا کہ میں تمہاری کس طرح مدد کرتی ہوں۔ لیکن

اس کے بدلے میں تجھے میری ایک شرط تسلیم کرنی ہوگی۔''

''وہ کون سی شرط ہے؟''

''تجھے اپنی زندگی کے دو ہزار برس مجھے دینے ہوں گے۔''

''مجھے منظور ہے۔''

''پھر میں جاتی ہوں۔ میدانِ جنگ میں ملاقات ہوگی۔''

زمین پر آگ کا شعلہ لپکا اور بدروح اُس میں غائب ہوگئی۔ غار کے چبوترے پر بھیلیے کا ٹوٹا ہوا بُت اسی طرح پڑا تھا۔ باہر سے چمگادڑیں پھڑ پھڑاتی ہوئی آئیں اور غار کی چھت میں چھپ گئیں۔ عنبر غار سے باہر نکل آیا۔ اُس نے سوچا سودا مہنگا نہیں رہا۔ یمن کے مظلوم عوام کی جائز مدد کے لیے اگر اُس نے اپنی زندگی کے دو ہزار سال اُس بدروح کو دے دیے ہیں تو اچھا کیا ہے۔

غار کے باہر اُس کا گھوڑا ویسے ہی بندھا ہوا تھا۔ عنبر اس پر سوار ہو

کروا پس شاہی محل میں آ گیا۔ محل میں واپس آ کر اس نے شہزادے سے کسی قسم کی کوئی بات نہ کی۔ اُس نے اِس کی ضرورت محسوس نہ کی۔ دو دن گزر گئے۔ اُسے یورکا اور زرکسیر کا شدت سے انتظار تھا۔

تیسرے روز یورکا اور زرکسیر اُس کے پاس پہنچ گئے۔ زرکسیر نے آگے بڑھ کر عنبر کو گلے لگا لیا۔ کیونکہ عنبر نے حمورابی نے دربار میں جو شاندار کام کیا تھا۔ یورکا نے اُس کی ساری تفصیل اُسے بتا دی تھی۔

''عنبر' نینوا کے عوام ہمیشہ تمہارا نام فخر سے لیا کریں گے۔ تُو نے ہمارے لیے وہ کام کیا ہے جو ہم مل کر بھی چاہتے تو نہ کر سکتے تھے۔''

''زرکسیر' میں نے مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مخالفت کر کے اپنا انسانی فرض ادا کیا ہے۔ یہ بتاؤ فوج کے سپاہی کہاں ہیں؟''

''عنبر' فوج کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ بہت سے سپاہی بھوک سے تنگ آ کر چلے گئے ہیں۔ اس وقت بمشکل ایک ہزار کے قریب سپاہی

ہیں جو تاجروں کے بھیس میں آج رات سے حنائی میں داخل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ وہ شہر کے مختلف سراؤں میں ٹھہریں گے جہاں سے ہم انہیں دس دس بیس بیس کر کے شاہی محل میں لے آئیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ ایسا ہی بہتر رہے گا۔''

یورکا نے کہا:

''ملکہ اور حانو کو شہزادے کی بازیابی کی خبر دی۔ تو وہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ ملکہ کا تو غم کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔''

شہزادے نے پوچھا:

''اب تو والدہ صاحبہ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟''

''اب تو تمہارے پاس آنے کی تیاری کر رہی ہیں۔''

شہزادے نے کہا:

''دیوتا میری امّی کو مجھ سے جلد ملائیں۔''

عنبر نے زر کسیر سے کہا:

''بادشاہ حمور بی تم سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔ میں آج ہی بادشاہ سے ملواؤں گا۔ لیکن تم نے وہاں یہ ضرور کہنا ہے کہ نینوا کے آس پاس ہماری بہت سی فوج چھپی ہوئی ہے جو وقت آنے پر بخت نصر کے خلاف جنگ کر دے گی۔''

''مگر وہ فوج آئے گی کہاں سے؟''

''اس کا انتظام میں کر لوں گا۔''

زر کسیر نے گہرا سانس بھر کر کہا:

عنبر' ایک سپہ سالار کی حیثیت سے اگر تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ جنگ کی صورت میں کیا ہوگا تو میں یہی کہوں گا کہ حمور بی کو شکست ہو گی۔''

یورکا نے کہا:

''وہ کس طرح؟''

''وہ اس طرح کے ہماری طاقت بخت نصر کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ ہمارے گھوڑے اور چند ایک ہاتھی بخت نصر کے ہاتھیوں کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس کے پاس پتھر اور آگ کے گولے پھینکنے والی توپوں کا کوئی شمار ہی نہیں اور ہمارے پاس ایسی توپیں اُنگلیوں میں گنی جا سکتی ہیں ۔ پھر بخت نصر کئی ملکوں کو فتح کر چکا تھا۔ وہ فتح کے گھمنڈ میں ہے۔''

''نینوا کے لوگ اُس کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔''

''نینوا پر اگر ہمارا قبضہ ہو بھی گیا تو عنبر یاد رکھو' یمن بخت نصر کی تباہی سے پھر بھی نہ بچ سکے گا۔ بخت نصر یمن پر قبضہ کرنے کے بعد نینوا کو بھی ایک بار پھر لے لے گا اور اس دفعہ وہ نینوا کے مکانوں پر ہل چلا کر زمین کے ساتھ ملیا میٹ کر دے گا۔''

عنبر نے بڑے اعتماد سے کہا:

''بخت نصر کو ہم شکستِ فاش دیں گے زرکسیر۔''

''مگر کِس طرح، کِس سے؟''

''یہ میدانِ جنگ میں تمہیں معلوم ہو جائے گا۔''

''عنبر، میں فوجی ہوں، خواب و خیال کی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ مجھے تو عملی طور پر بتاؤ کہ کیا تم نے مصر یا یونان کے بادشاہوں سے خفیہ معاہدہ کر رکھا ہے؟''

''ایسا بالکل نہیں ہے۔ لیکن ہم اکیلے بھی نہیں ہیں۔''

زرکسیر نے سر کو یوں جھٹکا دیا جیسے عنبر کی باتوں کو مذاق سمجھ رہا ہو۔ پھر اُس نے کہا:

''میرا تو خیال ہے کہ میں بادشاہ حمورابی سے ملاقات کے دوران میں اُسے صاف صاف کھل کر بتا دوں کہ صحیح صورت حال کیا ہے۔ تا

کہ بادشاہ کسی غلط فہمی میں نہ رہے۔"

عنبر نے جھٹ کہا:

"ربِّ عظیم کی قسم ایسا ہرگز نہ کرنا۔ اگر تم نے حمورابی کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر کر دی تو پانسہ پلٹ جائے گا اور ہو سکتا ہے ہمارے سپاہیوں کو اور ہمیں واپس نینوا بھیج کر حمورابی بخت نصر کے ساتھ صُلح کی بات چیت شروع کر دے۔ اِس لیے کہ اُسے ہماری امداد اور نینوا میں عوام کی کامیاب بغاوت پر بڑا بھروسہ ہے۔"

"مگر عنبر تم نے اُسے غلط بھروسہ کیوں دلایا؟ کیا تمھیں نہیں معلوم تھا کہ ہم قلیل فوج کے ساتھ ایسا نہ کر سکیں گے؟"

"لیکن اُس وقت تو ہماری وفادار فوج کی تعداد کئی ہزار تھی۔"

زرکسیر چپ ہو گیا۔ کیونکہ عنبر ٹھیک کہہ رہا تھا یورکا نے کہا کہ عنبر کا خیال بڑا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ انہیں بادشاہ سے اپنی کمزوری کے

بارے میں کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ اب تو بخت نصر کے ساتھ ایک زبردست اور آخری جنگ ہو ہی جانی چاہیے۔

''ہم تو پہلے ہی سے برباد اور جلاوطن ہیں۔ ہمارا کیا بگڑے گا ہو سکتا ہے اس جنگ میں تقدیر پانسہ پلٹ دے اور ہم بخت نصر سے اپنی شکست اور تباہی کا بدلہ لے سکیں۔''

''اگر تم سب کی یہی رائے ہے تو میں بادشاہ سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ لیکن میں اُسے زیادہ امید بھی نہیں دلانا چاہتا۔ یہ بھی اُس کے ساتھ زیادتی ہوگی۔''

''لیکن تم حمورابی سے اتنا ضرور کہو گے کہ تمہاری فوج اُسکا ساتھ دے اور نینوا میں کامیاب بغاوت ہوگی۔ جہاں کے عوام تمہارے اور ملکہ کے ساتھ ہوں گے۔''

''بہتر ہے' کہہ دوں گا۔''

اُس روز تیسرے پہر عنبر نے شہنشاہ حمورابی سے زرکسیراور شہزادے کی ملاقات کرادی۔ بادشاہ اُن دونوں سے مِل بہت خوش ہوا۔شہزادے کواس نے اپنے پاس تخت پر بٹھالیااور زرکسیر سے آئندہ کی جنگ کےامکانات کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔اُس نے زرکسیرکواپنے قریب ہی کُرسی پیش کی۔زرکسیر نے ویسے ہی بتایا جیسا کہ عنبر نے اُسے کہا تھا۔

بادشاہ نے پوچھا:

''تمہاری فوج کی کل تعداد کتنی ہوگی؟''

زرکسیر نے عنبر کی طرف دیکھا۔عنبر نے آنکھ سے اشارہ کیا۔

زرکسیر نے کہا:

''ایک ہزار اس وقت میرے پاس موجود ہے۔باقی دس بارہ ہزارفوج نینوا کے آس پاس غاروں میں چھپی ہوئی ہے جو جنگ کی

صورت میں باہر نکل کر بخت نصر کی فوج پر حملہ کر دے گی اور نینوا کے گورنر کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرے گی۔''

حمورابی بڑا خوش ہو کر بولا:

''یہ تو بڑی امید افزا اور خوشی کی بات ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم اِدھر بخت نصر کی باقی آدھی فوج کو سنبھال لیں گے۔ سوال یہ ہے کہ غاروں میں چھپی ہوئی فوج کے پاس کافی اسلحہ موجود ہے؟''

اس دفعہ پھر زرکسیر نے عنبر کے کہنے پر جھوٹ بولا اور کہا:

''جی ہاں بادشاہ سلامت' اُن کے پاس اتنا اسلحہ موجود ہے کہ وہ ایک ماہ تک لڑائی کر سکتے ہیں۔''

حمورابی مطمئن ہو گیا۔ اُس نے زرکسیر سے پوچھا کہ یمن میں جو فوج موجود ہے۔ وہ حنائی میں کب پہنچے گی؟ زرکسیر نے بتایا کہ وہ آج رات شاہی چھاؤنی میں پہنچ جائیں گے۔

''ٹھیک ہے۔ اب ہمیں ہمارے مخبروں کا انتظار ہے۔ اُن کے آنے پر ہی ہمیں معلوم ہوگا کہ بخت نصر کب چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہے اور ہاں۔۔۔ ہم چاہتے ہیں عنبر کہ ملکہ نینوا کو بھی جلد از جلد یہاں بُلا لیا جائے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بخت نصر انہیں ایک بار پھر اغوا کرانے کی کوشش کرے۔''

عنبر نے کہا:

''میں دو روز کے اندر اندر ملکہ سلامت کو یہاں بلوا لوں گا جہاں پناہ۔''

''ملکہ سلامت ہماری ملکہ کے محل میں ہماری خاص مہمان بن کر رہیں گی۔ اُن کی رہائش اور ہر قسم کی سہولت کا خیال رکھا جائیگا۔''

''ایسا ہی ہوگا جہاں پناہ۔''

یورکا، شہزادہ اور زرکسیر، عنبر کے شاہی محل میں واپس آ گئے۔

رات کو زرکسیر کی وفادار فوج نے تاجروں کے بھیس میں پہنچنا شروع کر دیا۔ عنبر اور زرکسیر خود بھی بھیس بدل کر سراؤں میں پھرتے رہے اور اپنی فوج کے سپاہیوں کو ساتھ لے کر شاہی چاؤنی پہنچاتے رہے۔ رات کے پچھلے پہر تک وفادار فوج ساری کی ساری حمور بی کی شاہی چھاؤنی میں پہنچ چکی تھی۔ اگلے روز اُن کا ایک الگ دستہ بنا دیا گیا اور اُنہیں اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح لیس کر دیا گیا۔ عنبر کو اب ایک ہی خیال پریشان کر رہا تھا کہ اگر بلطیس کی بہن نے وقت پر اس کی مدد نہ کی تو وہ کیا کرے گا۔ پھر تو ان کی شکست یقینی تھی۔ اُس نے محض بد روح کی یقین دہانی پر زرکسیر سے بھی جھوٹ بلوایا تھا اور حمور بی سے یہ کہا تھا کہ نینوا کے اردگرد اُن کے بارہ ہزاری سپاہی چھپے بیٹھے ہیں؛ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہاں اُن کی فوج کا ایک بھی سپاہی موجود نہ تھا۔ عنبر ساری رات پریشان رہا۔ رات کے پچھلے پہر وہ اٹھا اور چپکے

سے محل سے باہر نکل کر وہ ویران مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ایک بار پھر بدروح سے مل کر تسلی کرنا چاہتا تھا کہ وقت آنے پر وہ اسے دغا نہیں دے جائے گی۔ ویران مندر کے غار میں داخل ہو کر وہ چبوترے کے پاس پہنچ گیا۔ اور بلند آواز سے تین بار آواز دی۔

تیسری آواز پر چبوترے کے پاس آگ کا سرخ شعلہ لپکا اور بلطیس کی بہن کی روح نمودار ہوئی۔ اُس نے تعجب سے عنبر کو دیکھا اور کہا:

''تم اب کس مقصد کو لے کر یہاں آئے ہو عنبر۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔ اِس لیے کہ میں ایک بہت بڑی دعوت چھوڑ کر صرف تمہاری بات سننے آئی ہوں۔''

عنبر نے کہا:

''اے بلطیس کی بہن، میری بات کو غور سے سُن۔ تجھے معلوم ہونا

چاہیے کہ میں دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے والا انسان ہوں۔ میں نے آج تک کبھی نہ جھوٹ سنا ہے اور نہ جھوٹ بولا ہے۔ میں نے جس سے کوئی عہد کیا اُسے پُورا کیا۔ صرف تمہاری مدد کے وعدے پر میں نے زندگی میں پہلی بار کئی جھوٹ بولے ہیں۔ اب اگر تم وقت پر میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں تو یہ میری زندگی کی سب سے پہلی شکست ہوگی اور میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں جہنم کے آخری کونے تک بھی تیرا پیچھا کروں گا اور تم سے بدلہ لے کر رہوں گا۔''

بدروح قہقہہ مار کر ہنسی۔ اُس کے خوفناک قہقہے سے غار گونج اُٹھا۔

''سُن اے عنبر! ہم بھٹکی ہوئی روحیں جب کسی سے وعدہ کرتی ہیں تو اُسے پورا کرتی ہیں۔ چاہے اس کے لیے ہمیں کتنی بڑی قربانی ہی

کیوں نہ کرنی پڑے۔ میں نے تم سے مدد کا صرف وعدہ ہی نہیں کیا بلکہ تم سے اپنی ایک شرط بھی منوالی ہے۔ اب بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں۔ مجھے اپنی زندگی میں دو ہزار برس کی بہت ضرورت تھی جو میں تمہاری مدد کے بعد تم سے حاصل کرلوں گی۔ اب تو میں قول وقرار کے بندھن میں جکڑی گئی ہوں۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ میدانِ جنگ میں مَیں تمہاری کیا مدد کرتی ہوں۔"

"بس مجھے یہی اطمینان کرنا تھا۔ اب میں مطمئن ہو گیا ہوں۔"

"اچھا' اب میدانِ جنگ میں مُلاقات ہوگی۔"

"ضرور۔"

آگ کا شعلہ ایک بار پھر لپکا اور بدروح غائب ہوگئی۔ اس کے غائب ہوتے ہی شعلہ بھی بجھ گیا اور غار میں ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ عنبر کا دل مطمئن ہو گیا تھا۔ بلطیس کی بہن کی روح اُس کی

ضرور مدد کرے گی۔ وہ دغا نہیں دے سکتی۔ یہ عنبر کا وہم تھا کہ شاید وہ وقت پر دھوکا دے جائے۔ وہ دھوکا نہیں دے گی۔ وہ دھوکا دے ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ یا تو مدد کر سکتی تھی یا تباہ و برباد کر سکتی تھی۔ بد روحیں انسان کو ہلاک کر سکتی ہیں مگر دھوکا نہیں دے سکتیں۔ عنبر واپس شاہی محل میں آ کر سو گیا۔

دشمن آ گیا

حمورابی کے جاسوسوں نے آ کر اطلاع دی کی بخت نصر کی حملہ آور فوجیں چل پڑی ہیں۔

اِس خبر نے سارے محل میں ایک ہل چل سی مچا دی۔ شہنشاہ حمورابی نے اُسی وقت جنگی کونسل کا اجلاس طلب کر لیا۔ اجلاس صبح سے شام تک جاری رہا۔ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ہر محاذ پر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ حنائی شہر کی فصیل پر فوج بٹھا دی گئی۔ تیل کے کڑاوٗ اُوپر پہنچا دیے گئے۔ قلعے کی فصیل کے ارد گرد کھائی میں پانی چھوڑ دیا گیا۔ پتھر پھینکنے والی توپیں نصب کر دی گئیں۔ حمورابی نے فوج کو تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ بخت نصر کی فوج کا مقابلہ یمن کی سرحد پر جا کر کیا جائے اور اُسے اُسی جگہ پر روکنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا کہ بخت نصر بہت بڑی

فوج اور ہاتھیوں کے ایک زبردست لشکر کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اُس کے ساتھ پتھر اور آگ پھینکنے والی توپیں بھی بہت بھاری تعداد میں ہیں۔ جموربی نے فوراً زرکسیر اور عنبر کو اپنے محل خاص میں طلب کیا اور کہا:

''زرکسیر، تمہاری مدد اور وعدہ پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم فوراً اپنی فوج، ملکہ اور شہزادے کو ساتھ لے کر نینوا پہنچو اور وہاں چھپی ہوئی وفادار فوج کی مدد اور عوام کے تعاون سے گورنر نینوا کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دو۔''

''جہاں پناہ، ایسا ہی ہوگا۔''

زرکسیر نے شاہی محل سے واپس آ کر عنبر سے کہا:

''اب میں اپنا وعدہ پورا کرنے پر مجبور ہوں۔ لیکن اگر ہمیں شکست ہوگئی تو شہزادے اور ملکہ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے

گی۔''

عنبر نے کہا:

''میرا خیال ہے کہ ہمیں شہزادے اور ملکہ کو حانو کے چچا کے گھر میں چھپا دینا چاہیے۔ جس وقت حالات نے رُخ بدلا تو ہم انہیں وہاں سے نکال کر نینوا پہنچا دیں گے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ حالات رُخ بھی بدل سکتے ہیں؟''

''بہر حال ہمیں ہر طرح سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ویسے ہماری فتح یقینی ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی چھوٹی سی فوج کے ساتھ ہم بخت نصر کے لشکر کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے۔''

''زرکسیر تمہیں نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ ربِّ عظیم ہماری ضرور مدد کرے گا۔''

''اور گر اُس نے مدد نہ کی تو ہمارا انجام اس قدر عبرت ناک ہوگا کہ آنے والی نسلیں اُسے یاد کر کے خون کے آنسو رویا کریں گی۔''

''اب ناامیدی کی باتیں چھوڑو۔ ملکہ اور شہزادے کو لے کر چچا کے مکان میں پہنچو۔ اُنہیں وہاں محفوظ کر کے فوج کے ساتھ نینوا کے گورنر کے خلاف بغاوت کردو۔ میں چاہتا ہوں کہ نینوا کی بغاوت کی خبر بخت نصر کو راستے میں ملے اور وہ اپنی فوج کا کچھ حصہ اس طرف روانہ کردے اور یوں اُس کی طاقت راستے میں ہی آدھی ہو جائے گی۔''

''میں آج ہی روانہ ہو جاتا ہوں۔''

اُسی روز آدھی رات کو زرکسیر اور یورکا نے وفادار سپاہیوں کے ایک ہزار دستے کو اپنے ساتھ لیا اور برق رفتاری کے ساتھ نینوا کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہزادے کا اغوا

یمن کے دارالحکومت میں جنگ کی حالت تھی۔ ہر طرف جنگ کی تیاریاں زور شور سے ہو رہی تھیں۔ اسلحہ خانوں میں اسلحہ دھڑا دھڑ تیار کیا جا رہا تھا۔ تلواریں' تیر کمان' نیزے' خنجر اور زرہ بکتر ڈھالا جا رہا تھا۔ جاسوس پل پل کی خبر دے رہے تھے کہ دشمن کی فوجیں اب کہاں پہنچ گئی ہیں۔ حمور بی خود جنگی لباس پہنے جنگی تیاریوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ دوسری طرف زر کسیر نے چچا حبشی کے تہہ خانے میں پہنچ کر ملکہ اور شہزادے کو وہاں محفوظ کر دیا اور خود فوج لے کر نینوا کی طرف چل پڑا۔ حمور بی چاہتا تھا کہ دشمن کی فوج کو یمن پہنچنے سے پہلے پہلے نینوا کی بغاوت کی خبر ملے تا کہ اُس کی توجہ دوسری طرف بٹ جائے اور ایسا ہی ہوا۔ زر کسیر نے بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے کام لیا اور نینوا کی فوج پر باقاعدہ حملہ کرنے کی بجائے شب خون مار کر وہاں افراتفری پھیلانے کا فیصلہ کیا۔ نینوا کے باہر پہاڑوں میں ڈیرا ڈال کر

اس نے پہلی بار پچاس سپاہیوں کو شہر کی طرف بھیجا۔ جنہوں نے شہر میں جگہ جگہ آگ لگا دی۔ وہاں کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ ان کہ اپنی فوج یہ ساری کاروائیاں کر رہی ہے تو وہ بھی چوری چھپے اُن کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے بھی بخت نصر کے سپاہیوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔

نینوا کا نیا گورنر اس صورت حال سے پریشان ہوگیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بخت نصر کی قیادت میں یمن پر حملہ کرنے والی فوج کو نینوا کی طرف سے پریشانی ہو۔ ایسی صورت میں بخت نصر اُسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال سکتا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ بغاوت کو سختی سے کچل دیا جائے۔ باغی جہاں ملے اُسے بلا سوچے سمجھے قتل کر دیا جائے۔ مگر عوام کی طاقت کا مقابلہ کوئی بھی فوج نہیں کر سکتی۔ زرکسیر کے فوجی ہر رات چھپ کر شہر میں داخل ہو جاتے۔ شہر کے لوگ فوج کو پناہ بھی دیتے

اور اس کی رہنمائی بھی کرتے۔ فوجی جگہ جگہ آگ لگا کر اور شاہی فوجوں کے سپاہیوں کو ہلاک کر کے واپس بھاگ جاتے۔

اِس صورت حال کی خبر بخت نصر کو راستے میں ہی مل گئی۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔ اُس نے وہیں سے ایک قاصد دوڑا کر گورنر کو کہلوا بھیجا کہ اگر اُس نے بغاوت کو نہ کچلا تو اُسے وہ خود آ کر قتل کر دے گا۔

دوسری طرف زرکسیر کے فوجی بھی اکا دُکا قتل ہو جاتے تھے۔ چار پانچ دنوں کے اندر اندر وفادار فوج آدھی رہ گئی اور ابھی تک وہ محل کی ڈیوڑھی پر بھی قبضہ نہیں کر سکے تھے۔ زرکسیر پریشان ہو گیا۔ نینوا کے گورنر کی فوجیں چاروں طرف زرکسیر کو تلاش کرتی پھر رہی تھیں۔

گورنر نے شہر میں ہزاروں لوگوں کو پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔ لوگ دہشت زدہ ہو گئے تھے۔ ڈر گئے تھے۔ اُدھر زرکسیر کی وفادار فوجیوں کی سرگرمیاں بھی ماند پڑنے لگی تھیں؛ چنانچہ ایک روز گورنر نینوا نے

بخت نصر کو یہ خوشخبری بھجوادی کہ بغاوت کچل دی گئی ہے۔

بخت نصر کو تسلی ہوگئی اور وہ بڑے سکون کے ساتھ یمن کی سرحدوں کی طرف بڑھنے لگا۔ بخت نصر کی فوجوں کے طوفان نے یمنی حکومت کی سرحدی چوکیوں کو پرزوں کی طرح اُڑادیا اور تمام سپاہیوں کو قتل کر کے دارالحکومت صنائی کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ شاہ بابل کی فوجوں کی یمن کی سرحدوں کے اندر گھس آنے کی خبر حمور بی کو پہنچی تو اُس نے حکم دیا کہ راستے میں ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ اُس کی پانچ ہزار پیادہ اور گھوڑ سوار فوج نے آدھے فاصلے پر بخت نصر کی فوجوں کو روک لیا۔ بخت نصر نے اپنے دس ہزار کے ہراول دستے کو ترتیب دیا اور پہاڑ جیسے ہاتھیوں کے ساتھ حمور بی کی فوج پر حملہ کردیا۔ بڑے گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔

حمور بی کی فوج کے سپاہی ڈٹ کر لڑے مگر بخت نصر کی فوج کی

تعداد زیادہ تھی۔ پھر اُس کے ساتھ ہاتھی تھے۔ نتیجہ یہ نکلا تو حمور بی کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ آدھی سے زیادہ فوج کٹ مری اور باقی بھاگ کھڑی ہوئی۔ جس سپاہی کا منہ جس طرف کو اٹھا وہ ادھر ہی کو بھاگ گیا۔ پہلی لڑائی میں بخت نصر کو فتح ہوئی جس نے اُس کی فوج کے حوصلے بلند کر دیے اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ بڑے شہر کی طرف سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح بڑھنے لگی۔ حمور بی کو اپنے ہراول دستے کی شکست کی اطلاع ملی تو وہ پریشان ہو گیا۔

اُس نے عنبر اور وزیر جنگ سے مشورہ کیا اور یہی فیصلہ کیا گیا کہ شہر کے دروازے بند کر دیے جائیں اور دشمن پر فصیل پر سے تیروں اور آگ پتھروں کی بارش برسائی جائے۔ بخت نصر کی فوج شہر کے باہر پہنچ گئی۔ اُس نے میدان میں خیمے لگا لیے اور بڑے حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حمور بی نے قلعے کی دیوار پر چڑھ کر بخت نصر

کی فوج کو دیکھا تو ایک بار وہ سوچ میں پڑ گیا۔ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ فوج ہی دکھائی دیتی تھی۔ اُس نے عنبر سے کہا:

''نینوا کی بغاوت کا کیا ہوا؟ معلوم ہوتا ہے وہاں زرکسیر ناکام ہو گیا ہے، ورنہ دشمن کی پوری فوج یہاں موجود نہ ہوتی۔''

عنبر نے کہا:

''جہاں پناہ ایسا ہو تو نہیں سکتا۔''

''معلوم ہوتا ہے عنبر کہ ایسا ہو گیا ہے۔ تقدیر نے پانسہ ہمارے خلاف پلٹ دیا ہے۔ پھر بھی ہم مقابلہ کریں گے۔ بخت نصر کی فوج ہماری لاشوں پر سے گزر کر ہی شہر پر قبضہ کرے گی۔''

حمور بی کا حوصلہ بہت بلند تھا مگر عنبر اندر ہی اندر بہت فکر مند ہو رہا تھا۔ نینوا کی بغاوت اس کے خیال میں یقیناً ناکام ہو گئی تھی، ورنہ بخت نصر اپنی پوری فوج میدان میں کبھی جمع نہ کر سکتا۔ آخر اس کی بھی

تصدیق ہوگئی۔ رات کے اندھیرے میں حمورابی کا جاسوس نینوا سے خبر لایا کہ گورنر نینوا نے بغاوت کو کچل دیا ہے اور زرکسیر کی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ زرکسیر پہاڑوں میں روپوش ہو چکا ہے۔ اس خبر نے حمورابی کو خاصی الجھن میں ڈال دیا۔ اب اُسے بخت نصر کی فوج سے مقابلہ مشکل نظر آرہا تھا۔ عنبر کا منصوبہ ناکام ہوگیا تھا۔ دشمن اپنی بے پناہ طاقت کے ساتھ دروازے پر حملے کے لیے تیار کھڑا تھا اور دنیا کی کوئی طاقت اب اسے حملہ کرنے سے نہیں روک سکتی تھی۔

حمورابی نے اپنے سپہ سالار اور وزیر خاص عنبر کے ساتھ مل کر دارالحکومت میں کھانے پینے کے سامان کا جائزہ لیا۔ معلوم ہوا کہ شہر میں اتنی خوراک اور پانی موجود ہے کہ بخت نصر کی فوج اگر ایک سال تک بھی محاصرہ جاری رکھے تو شہر کے لوگ بڑے آرام سے گزارہ کر سکتے تھے۔ مگر دوسرے ہی روز بخت نصر کی منجنیقوں نے بڑے بڑے

پتھر پھینک کر قلعے کی دیوار کو ہلانا شروع کر دیا۔ یہ صورت حال بڑی تشویش ناک تھی۔ پتھروں کی بارش سارا دن جاری رہی اور دیوار ایک جگہ سے ٹوٹنی بھی شروع ہو گئی۔ قلعے کی فصیل سے حمور بی کے سپاہی دشمن پر تیر برساتے رہے۔ مگر بخت نصر کی پتھر پھینکنے والی لکڑی کی توپیں دور تھیں۔ تیر اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ حمور بی نے اپنی جنگی کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔ اُس نے کہا:

''اگر ہمارے قلعے کی دیوار پر پتھروں کی بارش اسی طرح ہوتی رہی تو دیوار ٹوٹ جائے گی اور بخت نصر کی فوجوں کا سیلاب اندر آ جائے گا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا بچہ بچہ لڑے گا۔ لیکن دشمن بڑی طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوا ہے۔ ہماری فوج اُس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔''

سپہ سالار نے کہا:

''اگر کسی طرح ہم بخت نصر کی توپوں کو تباہ کر دیں تو ہماری شکست فتح میں بدل سکتی ہے۔ اِس کی سب سے بڑی طاقت یہی توپیں ہیں۔''

''بخت نصر کے پاس ہاتھیوں کا بھی ایک پورا لشکر ہے۔ ہم ان سے کیسے نجات حاصل کر سکیں گے؟''

''ہاتھی دیوار کو توڑنے کے لیے آگے بڑھیں گے تو ہم اُن پر کھولتا ہوا تیل پھینک سکتے ہیں مگر دُور سے آنے والے بڑے بڑے پتھروں کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔''

''عنبر' تمہارا کیا خیال ہے؟''

حمور بی نے عنبر سے پوچھا جو خاموش گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اصل میں وہ اپنے آپ کو حمور بی کی بدنصیبی کا مجرم سمجھتا تھا۔ اگر وہ حمور بی کو نینوا کی بغاوت اور اپنی وفادار فوج کی مدد کا یقین نہ دلاتا تو

حمورابی شاید بخت نصر سے اچھی شرائط پر صلح کر لیتا۔ لیکن عنبر کی یقین دہانی پر اس نے بخت نصر کے حملے کو قبول کر لیا تھا اور اب حالات یہ تھے کہ نینوا کی بغاوت کو گورنر نے ایک ہی دن میں کچل دیا تھا اور زرکسیر کی فوج آدھی سے زیادہ ہلاک کر دی گئی تھی۔ خود زرکسیر اور یورکا جان بچانے کے لیے پہاڑوں میں روپوش ہو گئے تھے۔ اُس نے گہرا سانس بھر کر کہا:

''ہم چھاپہ مار دستے تیار کر کے رات کو بخت نصر کی فوج میں بھیج سکتے ہیں جو اُن کی توپوں کو نقصان پہنچائیں۔''

سپہ سالار نے کہا:

''یہ تو ٹھیک ہے، مگر بخت نصر بچہ نہیں ہے۔ وہ ایک نہایت قابل جرنیل ہے۔ اُس نے آدھے سے زیادہ افریقہ فتح کیا ہے۔ اُس نے پتھر پھینکنے والی توپوں کی حفاظت کا خاص بندوبست کر رکھا ہوگا۔''

حمورابی نے کہا:

''پھر بھی ہمیں کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ آپ آج رات ہی چھاپہ مار دستوں کو روانہ کریں۔''

''جو حکم جہاں پناہ۔''

آدھی رات کو پچاس سپاہیوں کا ایک دستہ قلعے کے ایک خفیہ راستے سے باہر نکل کر زمین پر رینگ کر چلتا ہوا بخت نصر کی فوجوں کے عقب میں آ گیا۔ یہاں لکڑی کی بہت بڑی بڑی پتھر پھینکنے والی توپیں نصب تھیں اور اُن پر بڑا سخت پہرہ تھا۔ حمورابی کے چھاپہ مار سپاہی چاروں طرف پھیل گئے۔ وہ ان لکڑیوں کی توپوں کو آگ لگانا چاہتے تھے۔ اِس مقصد کے لیے وہ اپنے ساتھ روئی اور تیل لائے تھے۔ مگر توپوں کے قریب پہنچنا اور پھر اُنہیں آگ لگانا بڑا مشکل نظر آ رہا تھا۔

چند سپاہی ہمت کر کے ایک توپ کے پاس پہنچ گئے۔ اُنہوں نے توپ پر تیل پھینکا اور پتھر رگڑ کر روئی کو آگ لگا رہے تھے کہ بخت نصر کے سپاہیوں نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے طبل بجا کر سب کو ہوشیار کر دیا۔ حمورابی کے سپاہی پکڑے گئے۔ بخت نصر کے پہریداروں نے انہیں فوراً ہلاک کر دیا۔ دوسرے سپاہی بھی پکڑ کر قتل کر دیے گئے۔ بڑی مشکل سے دو سپاہی جان بچا کر نکل سکے۔ انہوں نے واپس قلعے میں آ کر اپنی ناکامی کی کہانی سُنائی تو سپہ سالار نے گردن جھکا لی۔

جنگ کے تیسرے روز بخت نصر کی توپوں نے پتھر مار مار کر ایک جگہ سے قلعے کی دیوار میں شگاف ڈال دیا۔ اور اب فوج نے لوہے کی ایک چھت کے نیچے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ جُوں ہی فوج کا یہ دستہ فصیل کے نیچے آیا اُوپر سے اُن پر کھولتا ہوا تیل پھینکا گیا۔ دشمن کے سپاہی ہلاک ہو گئے اور کچھ واپس بھاگ گئے۔ لیکن دشمن نے اب

چاروں طرف سے قلعے میں شگاف ڈالنے شروع کر دیے۔ پانچویں روز قلعے کی دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹ چکی تھی اور بخت نصر کی فوج قلعے کے بالکل نزدیک پہنچ چکی تھی۔ اُس کے تیراندازوں نے تیر مار مار کر فصیل پر کھڑے تیل پھینکنے والے اکثر سپاہیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ شہروں میں چاروں طرف کہرام مچا ہوا تھا۔ لوگ اپنے اپنے بچوں اور عورتوں کو لے کر بڑے مندر میں جمع ہو کر رو رو کر دیوتاؤں سے مدد مانگ رہے تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ کچھ دیر بعد جابر بخت نصر کی فوجیں ان کے شہر میں داخل ہو جائیں گی اور انہیں تلواروں کے وار کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گی۔ حمور بی خود بہت پریشان تھا اور شاہی محل کے مندر میں دیوتا کے بُت کے آگے سجدے میں گرا ہوا تھا۔ محل کی بیگمات اور شہزادیاں سہمی بیٹھی تھیں۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے اور بخت نصر کی توپیں دھائیں دھائیں گولے برسا رہی تھیں۔ اب ان

توپوں کے آگ کے گولے محل پر بھی گرنے لگے تھے۔ ان لوگوں کی وجہ سے شہر میں جگہ جگہ آگ لگ رہی تھی۔

عنبر کچھ کہہ کر اٹھا اور شاہی محل کے مندر میں آ گیا۔

حمور بی بُت کے آگے سجدہ کیے ہوئے تھے۔ اُس نے بادشاہ سے کہا:

''جہاں پناہ۔''

بادشاہ نے سر اٹھا کر عنبر کی طرف دیکھا۔ مگر بلند کردار والے بادشاہ نے ایک پل کے لیے بھی عنبر سے کسی قسم کا گلہ یا شکوہ نہ کیا اس کی وجہ سے آج وہ تباہی کے کنارے پر کھڑا ہے۔ عنبر نے سوچ رہا تھا کہ اب بلطیس کی بہن سے مدد لینے کا وقت آ گیا ہے۔ اُس نے بادشاہ سے کہا:

''میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں جہاں پناہ' یہ سب کچھ میری

وجہ سے ہوا ہے۔۔ اگر میں آپ کو زرکسیر کی جانب سے اطمینان نہ دلاتا تو آپ جنگ کا خطرہ کبھی مول نہ لیتے۔''

حمورابی نے کہا:

''تقدیر میں جو لکھا تھا وہ ہو کر رہتا ہے عنبر' میں تمہیں الزام نہیں دیتا۔ یہ میری تقدیر میں لکھا تھا۔''

عنبر نے کہا:

''انسان اگر چاہے تو تقدیر کا لکھا مٹایا بھی جا سکتا ہے۔ جہاں پناہ۔''

''یہ ناممکن ہے عنبر' مجھے اپنی شکست تسلیم کر لینی چاہیے۔''

عنبر نے کہا:

''ایسا نہ کہیں جہاں پناہ' مجھے تقدیر کے خلاف کوشش کر لینے دیجئے۔''

’’تم کیا کر سکتے ہو عنبر' اب کچھ نہیں ہو سکتا۔‘‘

’’بہت کچھ ہو سکتا ہے جہاں پناہ' کچھ کرنے کا وقت تو اب آیا ہے۔ آپ قلعے کی فصیل کے ایک برج میں بیٹھ کر بری تقدیر کو اچھی تقدیر میں تبدیل ہوتے دیکھیں۔‘‘

’’یہ تم کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو عنبر؟‘‘

’’بادشاہ سلامت' برائے مہربانی آپ قلعے کے بُرج خاص میں تشریف لے چلیں اور اپنی شکست کو فتح میں بدلتے اور بخت نصر کی فوجوں کو تباہ و برباد ہوتے دیکھیں۔‘‘

’’مگر............‘‘

’’جہاں پناہ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔‘‘

حمور بی مجبوراً اُٹھا اور قلعے کے برج میں آ کر بیٹھ گیا۔ جنگ کا پانسہ الٹ چکا تھا۔ بخت نصر کی فوجیں دیوار کے شگافوں کے پاس پہنچ

چکی تھیں۔ فصیل پر حمور بی کے سپاہیوں کی لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ عنبر چپکے سے محل کی چھت پر چڑھ گیا۔ اُس نے آسمان کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر بلند آواز میں کہا:

''اے ویران مندر کی روح' اے بلطیس دیوی کی بہن! اپنے وعدے کو پورا کرتے ہوئے آ اور میری مدد کر۔''

ابھی لفظ عنبر کی زبان سے ادا ہی ہوئے تھے کہ ایک شعلہ لپکا اور روح اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اُس نے ہنس کر عنبر پوچھا:

''کیا چاہتے ہو؟''

عنبر نے کہا:

''کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ مجھے کیا چاہیے؟ میری فوجوں کو شکست ہو رہی ہے۔ دشمن کی فوجیں میرے قلعے میں داخل ہونے ہی والی ہیں۔ انہیں تہس نہس کر دو۔''

''ایسا ہی ہوگا۔''

اتنا کہہ کر روح غائب ہوگئی۔ عنبر سمجھا کہ شاید بدروح بھی اُس بدنصیبی میں اس سے جان چھڑا کر بھاگ گئی ہے۔ مگر اُس کے دل کو بھروسہ تھا کہ بدروح اُس سے جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتی۔ وہ ضرور مصیبت کے وقت اس کی مدد کرے گی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اُس نے دیکھا کہ مغرب کی طرف سُرخ بادل اُٹھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ وہ بادل پھیلتے پھیلتے بہت بڑا ہو گیا اور بخت نصر کی فوجوں کے اُوپر آ کر رُک گیا۔ عنبر محل کی چھت سے اتر کر قلعے کے اُس بُرج میں آ گیا جہاں بادشاہ حمورابی بیٹھا اپنے وزیروں کے ساتھ سرخ بادل کو بڑی حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

اُس نے عنبر کو دیکھ کر کہا:

''عنبر' یہ بادل کو دیکھ رہے ہو؟''

عنبر نے کہا:

''دیکھ رہا ہوں جہاں پناہ۔''

''اس سے پہلے ہم نے اِس قسم کا بادل کبھی نہیں دیکھا۔''

عنبر نے کہا:

''جہاں پناہ' یہ بادل آپ کی مدد کے لیے آیا ہے۔''

''ہماری مدد کے لیے؟ یہ بادل ہماری مدد کیسے کرے گا؟''

''آپ دیکھتے جایئے گا۔''

دشمن کی فوج کے سپاہی بھی اُس بادل کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ بخت نصر بھی اپنے ہاتھی پر بیٹھا بادل کو تعجب سے تک رہا تھا۔ اچانک بادل میں ایک ہولناک دھماکہ ہوا۔ سب کے دل دہل گئے۔ ہاتھی زور زور سے چنگھاڑے اور گھوڑے ہنہنانے لگے۔ ایک دھماکہ اور ہوا اور اُس سُرخ بادل میں سے آگ اور پگھلے ہوئے لاوے کی

بارش شروع ہوگئی۔ یہ کھولتا ہوا گرم گرم لوہا جس پر پڑتا وہ وہیں بھسم ہو کر کوئلہ ہو جاتا۔ دشمن کی فوجوں میں ہر طرف شور مچ گیا۔ ہاتھی دیکھتے دیکھتے گرتے اور جل کر راکھ ہو جاتے۔ یہی حال گھوڑوں کا اور سپاہیوں کا ہو رہا تھا۔ ایک ہی پل میں دشمن کے ہزاروں سپاہی جل کر بھسم ہو گئے۔ ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ دشمن کے سپاہیوں کی چیخوں سے میدان جنگ میں ہر طرف ایک کہرام بپا ہو گیا۔ بخت نصر ہاتھی سے اتر کر ایک ٹیلی کی اوٹ میں چھپ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بلائے ناگہانی کیا شے ہے اور کہاں سے اچانک نازل ہوگئی ہے۔ اُس نے تمام سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ پہاڑی کی اوٹ میں آ کر چھپ جائیں۔ اِس دوران میں اس کے ہزاروں سپاہی، گھوڑے اور ہاتھی جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ پتھر پھینکنے والی توپوں کو آگ لگ چکی تھی۔

آسمان کے بادل سے آگ اور پگھلے ہوئے لوہے کی بارش اُسی طرح ہو رہی تھی۔ بخت نصر کی بچہ کھچی فوج نے پہاڑ کی اوٹ میں آ کر پناہ لی ہی تھی کہ بادل سرکتا ہوا اُس پہاڑ کے اوپر آ گیا اور ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ اتنی زور سے بجلی پہاڑ پر گری کہ پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اُڑ گیا اور ساری کی ساری فوج کے پرخچے اُڑ گئے۔ بخت نصر بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے بھاگ گیا۔ وہ اس آسمانی آفت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

حمورابی اور اُس کے وزیر بُرج میں بیٹھے یہ سارا تماشا حیرانی اور مسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا دشمن کی توپیں، ہاتھی، گھوڑے اور ساری کی ساری فوج جل کر بھسم ہو گئی تھی۔ حمورابی نے اُٹھ کر عنبر کو گلے لگا لیا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اُس کی سمجھ میں

نہیں آیا تھا مگر حمور بی کو اتنا ضرور معلوم تھا کہ یہ سب کچھ عنبر کے دعا مانگنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

غیبی امداد

بخت نصر شکست کھانے کے بعد نینوا کی طرف بھاگ اُٹھا۔

مگر نینوا کے عوام اور زر کسیر کو یمن میں بخت نصر کی زبردست شکست کی اطلاع مل چکی تھی؛ چنانچہ اُس نے اپنی فوج اور عوام کے ساتھ مل کر محل پر حملہ کر دیا۔ گورنر نینوا کے محل پر قبضہ کرلیا اور اُس کی فوج کو ہلاک کر ڈالا۔ گورنر نینوا اپنے چند ایک ساتھیوں کے ہمراہ بھاگ اٹھا۔ وہ آدھے راستے میں بخت نصر سے مل گیا۔ بخت نصر اپنی شکست پر حیران اور سخت غضب ناک تھا۔ لیکن وہ کسی زبردست غیبی طاقت کے آگے بے بس کر دیا گیا تھا۔ اُس نے اپنے نینوا کے ساتھیوں کو شکست کی تفصیل اور سرخ بادل میں سے آگ برسنے کی تفصیل سنائی تو وہ دانتوں میں انگلیاں داب کر رہ گئے۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

بخت نصر نے کہا:

’’اب سوائے اِس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ملک نوبیہ میں جا کر پناہ لی جائے اور ایک بار پھر اپنی طاقت کو جمع کر کے اپنا ملک واپس لیا جائے‘ اِس لیے کہ بابل میں بھی لوگوں نے میرے خلاف بغاوت کر کے محل پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہاں کی تھوڑی بہت فوج ہلاک کر دی گئی ہے۔‘‘

سپہ سالار نے کہا:

ہمیں ملک شام سے بھی مدد طلب کرنی چاہیے۔ ہم نے ہنی بال کے حملے کے وقت شام کو بھرپور مدد دی تھی۔‘‘

’’ہاں‘ ہم ملک شام کی طرف کوچ کرتے ہیں۔ شام کا بادشاہ ہمارا دوست ہے۔ وہ اِس مصیبت کے وقت ضرور ہماری مدد کرے گا۔ بہر حال ہماری طاقت کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے۔ ہماری ساری فوج مع ہاتھی گھوڑوں اور توپوں کے تباہ کر دی گئی ہے۔ ہم اس

صدمے کو کبھی نہیں بھلا سکتے۔ ہمیں پھر سے فوج بناتے دیر لگے گی۔"

سپہ سالار نے کہا:

"ہمیں یہاں سے جلد از جلد ملک شام کی طرف نکل جانا چاہیے ہوسکتا ہے دشمن کی فوج ہمارے تعاقب میں ہو۔"

شکست کھائی ہوئی فوج کے سپاہی اور بخت نصر ملک شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

حمورابی نے اپنی فتح کا بہت زبردست جشن منایا اور عنبر کو بیحد انعام وکرام سے نوازا۔ حمورابی نے بھرے دربار میں اعلان کیا:

"آج اگر ہمارے وزیر خاص عنبر ہمارے ملک کی پناہ میں نہ ہوتے تو ہمیں تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ اِس وقت ہمارے ملک پر دشمن کا قبضہ ہوتا اور ہماری لاشیں محل کے ستونوں کے ساتھ لٹکی ہوتیں۔ لیکن ہمارے خاص وزیر عنبر نے عین وقت پر ہمیں بچا لیا۔

ہماری آنے والی نسلیں بھی عنبر کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کریں گی۔"

عنبر نے کہا:

"جہاں پناہ! میں نے جو کچھ کیا اپنا فرض ادا کرتے ہوئے کیا۔ اِس لیے کہ بخت نصر ظالم تھا۔ اُس نے ہمارے ملک کو تباہ کرنے کے لیے حملہ کیا تھا۔ اُس کا مقصد صرف تباہی، بربادی، قتل و غارت گری اور لوٹ مار تھا۔ لیکن میرے ربّ عظیم نے میری بات سن لی اور عین اس وقت ہم مظلوموں کی مدد فرمائی جس وقت ہم شکست کے قریب تھے اور دشمن قلعے میں کئی جگہوں پر شگاف ڈال چکا تھا۔ اگر ہمارے ساتھ رب عظیم کی رضامندی نہ ہوتی تو ہم اتنی بڑی فوج پر کبھی فتح حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اِس لیے جشن کی خوشیوں میں جہاں اور باتوں کا ہم خیال رکھیں گے وہاں ہمیں ربّ عظیم کا بھی شکریہ ادا کرنا

چاہیے۔"

حمور بی نے اعلان کر دیا کہ حکومت کی طرف سے عنبر کے ربِّ عظیم کا بھی شکریہ ادا کیا جائے گا۔"

بادشاہ حمور بی عنبر کے ربِّ عظیم سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے دربار میں حکم دے دیا کہ ربِّ عظیم کا ایک الگ معبد بنایا جائے جس میں اُس کی عبادت ہوا کرے گی۔ عنبر نے کہا:

جہاں پناہ، میں ایک بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے ربِّ عظیم کا کوئی بت نہ بنایا جائے۔"

"تو پھر اُس کی عبادت کیسے ہو گی؟

"جیسے بھی ہو، لیکن مجھے یقین دلایا جائے کہ ربِّ عظیم کا کوئی بت نہیں بنایا جائے گا۔"

"اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو اس پر ہر حالت میں عمل کیا جائے

گا۔ ربِّ عظیم کی عبادت گاہ میں کوئی بت نہیں ہوگا۔''

''آپ کا شکریہ جہاں پناہ۔''

اُسی روز شام کو عنبر ویران مندر میں بلطیس کی بہن کا شکریہ ادا کرنے گیا۔ مندر کے چبوترے کے پاس جا کر اُس نے چھت کی طرف ہاتھ پھیلا کر بلطیس کی بہن کو تین بار آواز دی۔ شعلے کی لپک کے ساتھ وہ سامنے آ گئی۔ عنبر نے کہا:

''اے روح' اے بلطیس کی بہن' میں تمہارا شکریہ ادا کرنے آ رہا ہوں۔ تم نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور میری اس وقت مدد کی جب میں سخت مصیبت میں گرفتار تھا۔''

رُوح نے کہا:

''عنبر' ہم روحیں جو وعدہ کرتی ہیں اُس پر قائم رہتی ہیں۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم مجھے مدد کے لیے پکارو گے تو میں تمہاری

مدد کو ضرور پہنچ جاؤں گی۔ میں تمہارا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں کہ تم نے اپنی قیامت تک کی زندگی میں سے دو ہزار سال دے دیے۔''

''یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ کاش میں اپنی ساری زندگی تمہیں دے سکتا۔ میں اس ہمیشہ کی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔''

''ایسا نہ کہو عنبر' یہ تمہیں بددعا نہیں دی گئی بلکہ دیوتاؤں کا تم پر خاص رحم ہوا ہے کہ تم قیامت تک زندہ رہو گے اور ہر تہذیب ہر بادشاہ کی حکومت اور ہر ظالم کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔''

''لیکن میں تھک گیا ہوں بلطیس کی بہن۔''

''یہ تھکاوٹ وقتی ہے۔ تم تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہو گے۔ تم نے کئی حکومتوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے بنتے اور بگڑتے دیکھا ہے۔ تم نے کئی تہذیبوں کو اپنی آنکھوں سے عروج پر جاتے اور پھر تباہ و برباد ہوتے دیکھا ہے۔ تم ایک ایسے تجربے میں سے گزر

رہے ہو جس نے تمہیں تاریخ میں ایک اُونچا مقام دے دیا ہے۔"

"یہ بتاؤ ابھی مجھے کتنے سال اور زندہ رہنا ہے؟"

"ہزاروں سال اور زندہ رہنا ہے تمہیں۔ تمہیں ابھی انسانی تاریخ کی ترقی کو دیکھنا ہے، ابھی تو انسان کی تاریخ اپنے بچپن میں سے گزر رہی ہے۔ تم اِس تہذیب کی جوانی بھی دیکھو گے۔"

"بلطیس کی بہن' میں تمہاری مدد کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

روح ہنس پڑی:

"مجھے شرمندہ نہ کرو عنبر' ہاں میرا ایک کام ضرور کر دینا۔"

"وہ کون سا؟"

"اگر تمہاری ملاقات میری بڑی بہن بلطیس سے ہو تو اُسے ضرور کہہ دینا کہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کر دی تھی۔"

''میں تمہارا پیغام بلطیس کو ضرور پہنچا دوں گا۔''

''اچھا' اب میں جاتی ہوں۔ دیوتا تمہارے نگہبان ہوں۔''

''ربِّ عظیم تمہارا بھی رکھوالا ہو۔''

وہی شعلہ ایک بار پھر بلند ہوا اور روح اس میں غائب ہو گئی۔ عنبر ویران مندر سے نکل کر واپس شاہی محل میں آ گیا۔ رات کے کھانے پر اُس کی ملاقات بادشاہ سے ہوئی۔ بادشاہ بے حد خوش تھا۔ فصیل شہر کی مرمت کا کام بڑے تیزی سے شروع تھا۔ عنبر نے کہا:

''جہاں پناہ' اب میں آپ سے اجازت طلب کروں گا۔''

بادشاہ نے پوچھا:

''وہ کیوں؟ وہ کس لیے؟''

''وہ اِس لیے جہاں پناہ کہ یمن میں میرا کام مکمل ہو گیا ہے۔ ابھی نینوا میں جا کر مجھے ایک اور فرض ادا کرنا ہے۔''

''وہ فرض کیا ہے عنبر' ہمیں بتاؤ۔ کیا ہم تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے؟''

''مجھے نینوا جا کر تخت و تاج وہاں کی ملکہ اور اس کے ولی عہد شہزادے کے حوالے کرنا ہے۔''

''اگر تم کہو تو ہم تمہارے ساتھ فوج روانہ کر دیتے ہیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں عالی جاہ' زرکسیر کی وفادار فوج نے نینوا پر مکمل قبضہ کر لیا ہے۔ گورنر بھاگ کر روپوش ہو چکا ہے۔''

''ہم تو چاہتے تھے کہ عنبر کہ تم ہمارے ساتھ یہاں رہتے۔ تمہارے ہونے سے ہمیں بڑی طاقت مل رہی تھی ۔ ہمیں ملکی اصلاحات اور اپنی رعایا کی حالت سنوارنے کے لیے قدم قدم پر تمہارے اچھے مشوروں کی ضرورت تھی ۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم باقی زندگی ہمارے پاس رہ کر بسر کرو۔ تمہیں جس شے کی ضرورت ہو گی

تمہیں مل جائے گی۔ ہم تمہارے لیے ایک خاص محل بنوا دیں گے۔ اسے ہر قسم کی آسائش سے سجا دیں گے۔''

''شکریہ جہاں پناہ' لیکن میری قسمت میں محلوں کا آرام و آسائش نہیں ہے۔ میں صبح صبح یمن سے نکل جانا چاہتا ہوں۔''

''کاش عنبر' تم میرے پاس ہمیشہ رہ سکتے۔ یقین کرو تمہارے چلے جانے سے مجھے اس قدر دُکھ ہوگا جتنا دُکھ ایک باپ کو اپنے عزیز ترین بیٹے کے جُدا ہو جانے سے ہوتا ہے۔''

''میں مجبور ہوں جہاں پناہ' مجھے جانا ہی ہوگا۔''

''جیسے تمہاری مرضی عنبر' میں تمہیں روک نہیں سکتا۔''

ابھی ایک پہر رات باقی تھی کہ عنبر سے نکلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ حمور بی اُسے الوداع کہنے شہر کے بڑے دروازے تک آیا۔ اُس نے عنبر کو گلے لگا کر اُس کی پیشانی کو چوما اور کہا:

''بیٹے' جہاں رہنا خوش رہنا۔ کبھی اپنے بادشاہ کو بھی یاد کرلیا کرنا اوران غریب لوگوں کو بھی' جنہوں نے تم سے پیار کیا اور اب بھی پیار کرتے ہیں۔''

''میں ان سب کا ممنون ہوں جہاں پناہ کہ اُنہوں نے مجھے اُس وقت اپنی محبت اور پیار کی آغوش میں جگہ دی جب اِس شہر میں مجھے کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا۔''

عنبر سے حمور بی ایک بار پھر بغلگیر ہوا اور اُسے رخصت کر دیا۔ عنبر نے گھوڑے پر سوار ہو کر نینوا کی طرف سفر شروع کر دیا۔ وہ سب سے پہلے حانو کے چچا کے گھر جا کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا ملکہ اور شہزادہ خیریت سے ہیں؟ دو راتیں اور ایک دن سفر کرنے کے بعد عنبر تیسرے پہر انگوروں کے باغ میں پہنچ گیا۔ وہاں اُسے معلوم ہوا کہ چچا' حانو' شہزادہ اور ملکہ' یورکا کے ساتھ نینوا واپس چلے گئے ہیں۔ عنبر

نے وہاں ایک رات ٹھہر کر آرام کیا اور اگلے روز پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

نینوا وہاں سے سات منزل پر تھا۔ پہلی چار منزلیں اُس نے تین دن میں طے کر لیں۔ وہ پانچویں منزل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ صحرا میں اچانک آندھی طوفان آ گیا۔ عنبر گھوڑے سے اُتر پڑا اور اُس نے ایک پہاڑ کے دامن میں پناہ لے لی۔ آندھی بڑے زور کی چل رہی تھی۔ جھاڑیاں اُکھڑ اُکھڑ کر فضا میں اُڑ رہی تھیں۔ یہ سرخ آندھی تھی۔ ایسی آندھی کبھی کبھی صحراؤں میں چلا کرتی ہے اور بہت نقصان پھیلاتی ہے۔ عنبر نے گھوڑے کو ایک چھوٹے سے کھوہ کے اندر باندھ دیا تھا۔

اچانک فضا میں ایک دھماکہ ہوا اور کسی کی آواز بلند ہوئی:

''عنبر، تمہیں یمن کی فتح اور نینوا کی طرف خوشی کا سفر مبارک ہو۔''

عنبر نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھا۔

''میں تمہیں دکھائی نہیں دوں گا عنبر، لیکن میں تمہیں ہر جگہ ملوں گا۔ ہر جگہ دیکھ سکوں گا۔ تم مجھے نہ سن سکو گے مگر میں تمہیں ہر جگہ سن سکوں گا۔ تم ربّ عظیم کی پرستش کرتے ہو، ربّ عظیم ہمیشہ تمہارا خیال رکھے گا۔''

آواز غائب ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی سرخ آندھی کا غبار بھی ڈھل گیا۔ اب آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے اور بڑے زور کی بارش ہوتی رہی۔ اس دوران میں شام ہو گئی۔ رات کے دوسرے پہر آسمان پر سے بادل چھٹ گئے اور گول زرد چاند نکل آیا۔ اُس کی خوبصورت روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔ عنبر نے ربّ عظیم کا شکر ادا کیا اور کھوہ سے نکل کر باہر آ گیا۔ سفر کے لیے یہ وقت بڑا مناسب تھا۔ بارش کا پانی صحرا کی ریت نے اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ چاندنی رات میں

پتھر ڈھل کر چمک رہے تھے۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر نینوا کی طرف چل پڑا۔

چوتھے روز وہ نینوا کی سرحد میں پہنچ گیا۔ سرحدی چوکیوں پر زرکسیر کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے عنبر کو آتے دیکھا تو خوشی سے نعرے لگانے لگے اور ایک فوجی جلوس کی شکل میں اُسے نینوا شہر کی فصیل تک لے گئے۔ شہر کے بڑے دروازے پر بھی سپاہیوں نے عنبر کو پہچان لیا اور مسرت کے عالم میں رقص کرنے لگے۔ اس جلوس کا شور جب شاہی محل تک پہنچا تو زرکسیر نے محل کی کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ اُس نے عنبر کو پہچان لیا۔ وہ فوراً محل سے باہر آ گیا اور اس نے آگے بڑھ کر عنبر کو گلے لگا لیا۔ سارے محل میں شور مچ گیا کہ یمن کا فاتح عنبر واپس نینوا آ گیا ہے۔ وہ زرکسیر کے ساتھ کس وقت محل میں داخل ہوا تو شہزادہ اور ملکہ اُسے لینے محل کے دروازے

تک آئے۔ عنبر کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔

اُسی روز ملکہ نے خاص دربار منعقد کیا۔ عنبر کو دربار میں ملکہ کے ساتھ اور شہزادے کے پہلو میں جگہ دی گئی۔ ملکہ نے اعلان کیا کہ وہ عنبر کو ساری عمر کے لیے اپنے دربار کا وزیر خاص مقرر کرتی ہے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر کہا:

''اے ملکہ سلامت' آپ کی اس عنایت کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں یہ عہدہ قبول کرنے کے لائق نہیں ہوں۔''

ملکہ نے حیرت سے پوچھا: مگر کیوں عنبر' ہم تو تمہیں ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ تم ہمارے محسن ہو۔ ہم پر تمہارا بہت بڑا احسان ہے۔ اگر تم مدد کو نہ پہنچتے تو ہم اپنا تخت کبھی حاصل نہ کر سکتے تھے اور بخت نصر کی طاقتور فوج کو کبھی شکست نہیں دی جا سکتی تھی۔''

''یہ سب کچھ میرے ربّ عظیم کی خاص مہربانی سے ہوا ملکہ سلامت، لیکن میں یہاں اب زیادہ دیر نہیں رہ سکتا۔ یہ بھی میرے ربّ عظیم کا حکم ہے۔''

''مگر تم کہاں جانا چاہتے ہو عنبر، کیا تمہیں ہمارا ملک پسند نہیں؟ یہ تو تمہارا اپنا ملک ہے عنبر۔''

اِس میں کوئی شک نہیں ملکہ سلامت کہ نینوا میرا اپنا ملک بن چکا ہے۔ لیکن پھر بھی مجھے اس ملک کے در و دیوار سے رخصت ہو کر آگے سفر پر روانہ ہونا ہے۔''

زرکسیر نے آگے بڑھ کر کہا:

''اے عظیم انسان، تم کہاں جاؤ گے؟''

''یہ میں بھی نہیں جانتا زرکسیر، میری منزل کہاں ہے۔ اس کا مجھے بھی علم نہیں ہے شاید میری منزل کہیں بھی نہیں ہے۔ شاید میں تاریخ

کے صحراؤں میں قیامت تک بھٹکتا رہوں گا۔''

''یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو عنبر؟'' ملکہ نے تعجب سے پوچھا۔''

عنبر ایک دم سنبھل گیا۔ وہ ایسی باتیں بے خیالی میں کہہ گیا تھا جو اُسے نہیں کہنی چاہئیں تھیں۔ اُس نے بات کو پلٹتے ہوئے کہا:

''میں تو ایک مسافر ہوں ملکہ سلامت' جس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ ربِّ عظیم آپ کی حفاظت کرے۔ اب میں جاتا ہوں۔ ہوسکتا ہے پھر کبھی ملاقات ہو۔''

عنبر نے باری باری سب سے ہاتھ ملایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر نینوا شہر سے باہر نکل آیا۔ ملکہ' شہزادہ' زرکسیر اور یورکا اُسے رخصت کرنے کافی دور تک ساتھ ساتھ چلتے رہے لیکن ایک مقام پر وہ بھی عنبر کا ساتھ چھوڑ کر واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ اب عنبر ایک بار پھر اکیلا تھا۔ زندگی کے وسیع و عریض صحرا میں اکیلا۔۔۔ تاریخ کے اتھاہ

سمندر میں اکیلا۔۔۔۔بالکل اکیلا۔

اُس نے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی کر دیں اور گھوڑا صحراؤں میں کسی نامعلوم منزل کی طرف دوڑنے لگا۔

صحرا میں آدھی رات کو عنبر کی ملاقات ایک پُراسرار رقاصہ سے ہوئی۔
اُس نے کہا' میں موہنجوڈرو کی دیوداسی ہوں۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔
میں تمہیں ہزاروں سال پُرانی تہذیب میں لیے چلتی ہوں۔ عنبر ملک
نینوا سے نکل کر پاکستان کے ہزاروں سال پرانے شہر موہنجوڈرو پہنچ
جاتا ہے۔ یہاں اُس کے ساتھ پُراسرار واقعات پیش آتے ہیں۔
یہ سب کچھ اس ناول کے پانچویں حصے ''روحوں کا شہر'' میں پڑھیے۔

عنبر، ناگ، ماریا

روحوں کا شہر

قسط نمبر 5

اے حمید

سُنو پیارے بچو!

بابل اور ملک نینوا کی تہذیب مٹ گئی۔ شہر بابل کو جلا کر اس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی گئی۔ پُراسرار مندر کی رقاصہ عنبر سے ملتی ہے اور آگ کے شعلوں میں ناچتے ہوئے اسے کہتی ہے کہ وہ موہنجد داڑو آکر اُسے ملے۔ وہ اس قدیم شہر کے ایک کھنڈر کے غار میں رہتی ہے۔

عنبر شہر بابل کو آگ کے شعلوں میں جلتا دیکھ کر وہاں سے نکلتا ہے اور ایک قافلے کے ساتھ سمندر کے کنارے پہنچتا ہے۔ یہاں سے وہ ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو کر ہندوستان کے ساحل پر آتا ہے اور

ایک کاروان سرائے میں اترتا ہے۔ موہنجوداڑو یہاں سے دو راتوں کے فاصلے پر ہے۔ عنبر کے ساتھ ایک پُراسرار مسافر لگا ہے جو اصل میں موہنجوداڑو کے بادشاہوں کے خزانے کی تلاش میں ہے۔ عنبر موہنجوداڑو پہنچتا ہے تو وہاں ایک عورت کو اس کے مُردہ خاوند کے ساتھ چِتا پر جلایا جارہا ہے۔ چِتا کو آگ لگتی ہے تو عنبر کود کر چِتا میں چھلانگ لگا دیتا ہے۔ وہ بے گناہ عورت کو زندہ جلنے سے بچانا چاہتا ہے۔

کیا وہ ستی ہوئی عورت کو بچا کر لے گیا؟

یہ راز آپ پر اِس ناول کو پڑھنے کے بعد کُھلے گا۔

موت کا دریا

ویران صحرا میں عنبر اکیلا سفر کررہا تھا۔
نینوا سے چلے اسے دو دن ہو گئے تھے۔ تیسرے روز بھی صحرائی ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے دور دور تک پھیلے ہوئے نظر آئے تو عنبر کچھ پریشان سا ہو گیا۔ کیونکہ اس کے اندازے کے مطابق اسے اب تک ملک شام کی سرحدوں کے اندر ہونا چاہیے تھا لیکن صحرا ختم ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ اس نے سوچا کہیں وہ بھٹک تو نہیں گیا؛ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تین دن تک وہ صحرا میں چلتا رہے اور آبادی کا نام ونشان تک دکھائی نہ دے۔ اُسے تو خیر پیاس کا احساس نہیں ہوتا تھا مگر اس کا گھوڑا پیاسا تھا اور اُسے پانی کی اشد ضرورت تھی۔ مگر پانی وہاں دور دور تک نظر نہ آتا تھا۔ شام تک گھوڑا پیاس سے نڈھال ہو کر

قدم قدم چلنے لگا اور آ کر ایک جگہ رک گیا۔ عنبر گھوڑے پر سے نیچے اتر آیا۔ اُس نے گھوڑے کو ایک جگہ باندھا اور خود اس کے لئے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ صحرا میں ایک درخت ہوتا ہے جس پر صرف کانٹے اگتے ہیں۔ یہ درخت زمین سے نمی چوستا ہے اور اُس کا تنا کچھ عرصے کے بعد پھول کر مشک کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس مشک میں اتنا پانی بھرا ہوتا ہے کہ اُس سے پچاس آدمی اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ ایک ٹیلے کی اوٹ سے نکلتے ہی عنبر کے سامنے یہ درخت دکھائی دیا۔ اُس نے فوراً گھوڑے کو ساتھ لیا اور درخت کے پاس جا کر کھڑا کر دیا۔ پھر اُس نے خنجر نکال کر درخت کے ڈھول پر شگاف ڈال دیا۔ خنجر کے نکلتے ہی درخت میں نے پانی بہنا شروع ہو گیا۔ گھوڑے نے شگاف پانی کو دیکھا تو بڑی بے تابی اور شوق سے پینے لگا۔ گھوڑا پانی پی کر سیر ہو گیا تو عنبر نے بھی تھوڑا پانی

پی کر پیاس بجھائی۔

وہ پھر سفر پر چل پڑا۔ مگر اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے اور صحرا کی بھول بھلیوں میں خدا جانے کہاں سے کہاں نکل آیا ہے۔ لیکن سوائے آگے چلتے رہنے کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ رک جائے تو کیا کرے؟ واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ صحرا میں اگر انسان ایک بار راستہ بھول جائے تو واپس پلٹنے پر وہ ہمیشہ کے لیے صحرا میں گم ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور پھر کسی جگہ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑتا ہے اور گدھ اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھاتے ہیں۔ اس کے باوجود عنبر کو اس بات کی تشویش تھی کہ وہ سیدھا راستہ تلاش کرے اور اپنی منزل پر پہنچ جائے۔ مگر اُس کی منزل کہاں تھی؟

وُہ گھوڑے پر سوار قدم قدم چلا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اسے شام ہو

گئی۔ وہ چلتا چلا گیا۔ پھر شام کے سائے گہرے ہو گئے اور ستارے نکل آئے۔ ستاروں کے حساب سے اُس نے اندازہ لگایا کہ وہ مشرق کی طرف چل رہا ہے اور شام کی سرحد سے کافی دور ہٹ گیا ہے۔ وہ پریشان ہو گیا۔ مشرق میں وہ کدھر جا رہا تھا؟ اُسے کوئی خبر نہیں تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی خفیہ طاقت اُسے اپنے پیچھے پیچھے لیے چلی جا رہی ہے۔ وہ رکنے کی کوشش کرتا تو اس کا دل رکنے کا نہ چاہتا۔ وہ آدھی رات تک چلتا رہا۔ گھوڑا بھوک سے نڈھال ہونے لگا۔ اُس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ صحرا میں گھاس کا ایک تنکا بھی کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اُس نے مجبور ہو کر بلطیس کی بہن اور طلالہ کی روح کو آواز دی۔ مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ایک ایسی موت کی وادی میں داخل ہو چکا ہے جہاں زندہ رُوحوں کا علم دخل بالکل نہیں ہے۔

اُس نے بزرگ درویش اناطول کی روح کو پکارا۔ اُس کی مقدس روح نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اب تو عنبر بڑا گھبرا گیا۔ خدا جانے وہ کس بلا میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کہیں وہ موت کے سفر پر تو نہیں چلا جا رہا؟ ایک پَل کے لیے تو اُسے اطمینان ہوا کہ وہ موت کی طرف جا رہا ہے اور اِس ہمیشہ کی زندگی سے اب تنگ آ گیا تھا اور مر جانا چاہتا تھا۔ وہ زمین پر دو ہزار سالوں سے زندہ تھا اور ابھی خدا جانے اُسے کتنے ہزار سال زندہ رہنا تھا۔ انسان ایک سو سال کی زندگی سے تنگ آ جاتے ہیں۔ اُس نے دو ہزار برس میں لاکھوں قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں، برداشت کی تھیں۔ اسے کئی بار ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کئی بار اس کے سینے میں خنجر گھونپا گیا تھا۔ اُس کی گردن پر تلوار کا وار کیا گیا تھا۔ اس کے اوپر ہاتھی پھیرا گیا تھا۔ اُس کے دل پر تیروں کی بارش کی گئی تھی۔ اُسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا اور اُسے

سمندر میں پھینکا گیا تھا۔ مگر وہ ہر بار زندہ رہا تھا۔ ہر قسم کی اذیت برداشت کر کے بھی زندہ رہا تھا۔ یہ اذیت اُس نے بار بار برداشت کی تھی۔

اُس نے سوچا کہ اگر وہ واقعی موت کی وادی میں داخل ہو چکا ہے تو اُسے ربّ عظیم کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ آخر اُس نے عنبر کی دعا سُن لی اور اُسے موت جیسے نعمت عطا کر دی۔ جو عام لوگوں کے لیے ایک مصیبت اور اُس کے لیے ایک رحمت بن گئی تھی۔ مگر اسے اپنے اوپر موت کی کمزوری یا نقاہت بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اُس پر نزع کا عالم بھی طاری نہیں ہوا تھا۔ اُس کی آنکھ ٹھیک تھی۔ ہاتھ پاؤں درست تھے۔ وہ ٹھیک دیکھتا اور سنتا تھا۔ وہ ذرا سی بھی تھکاوٹ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مر بھی نہیں رہا' وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ پھر آخر وہ کس منزل کی طرف جا رہا تھا۔

آدھی رات کے بعد اُس نے گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا اور خود ٹھنڈی ریت پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی ہوا چلی تو اُسے نیند آنے لگی اور وہ اونگھنے لگا۔ اچانک اُسے یوں لگا جیسے کوئی نرم نرم شے اُس کی پنڈلی کے اوپر سے سرکتی ہوئی گزر رہی ہے۔ اُس نے ہاتھ پرے ہٹا کر دیکھا تو وہ ریت کا ایک انتہائی زہریلا سانپ تھا۔ عنبر نے یوں ہی اُس سے کھیلنے کے لیے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ سانپ نے جھنجھلا کر پھنکار ماری اور عنبر کے ہاتھ پر کاٹ کھایا۔ سانپ کا زہر تو خیر عنبر کے جسم میں کیا پھیلتا' ہاں عنبر کے خون کا زہر سانپ کے جسم میں ضرور پھیل گیا اور وہ دیکھتے دیکھتے تڑپنے لگا اور کچھ دیر تڑپ کر مر گیا۔ عنبر کو بڑا افسوس ہوا۔ وہ وقت گزارنے کے لیے اس سانپ سے کچھ دیر کھیلنا چاہتا تھا۔ لیکن بے وقوف سانپ نے خواہ مخواہ اُسے کاٹ کھایا اور مر گیا۔

سانپ کے زہر سے عنبر پر کچھ زیادہ ہی غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ سو گیا۔ وہ کافی دیر سویا رہا جب اس کی آنکھ کھلی تو پَو پھٹ چکی تھی۔ آسمان پر صبح کا نور پھیلنے لگا تھا۔ عنبر نے بیدار ہوتے ہی دیکھا کہ اس کا گھوڑا غائب ہے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف غور سے تکنے لگا۔ مگر یوں لگتا تھا کہ اس کے گھوڑے کو آسمان نے اٹھا لیا یا زمین اسے ہڑپ کر گئی۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی گھوڑے کا کہیں نشان تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ خدا جانے وہ کہاں چلا گیا۔

ابھی عنبر اپنے گمشدہ گھوڑے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کچھ اس قسم کی آواز سنائی دی جیسے کہیں چشمے کا پانی بہہ رہا ہو۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ گھوڑا ضرور اِسی چشمے کی آواز سُن کے پانی پینے چلا گیا ہو گا۔ وہ آواز کے تعاقب میں چل پڑا۔ آواز ذرا فاصلے پر سے ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے آ رہی تھی عنبر ریت کے ٹیلے کے پاس پہنچ کر موڑ

گھوما تو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ ساف شفاف پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ پانی ایک اونچے پتھر سے گر کر نیچے ٹیلے کے دامن میں چلا جا رہا تھا۔ عنبر نے پانی پی کر منہ ہاتھ دھویا اور بیٹھ کر غور کرنے لگا کہ اگر اُس کا گھوڑا ادھر بھی نہیں آیا تو اُسے کیا کوئی صحرائی شیر کھا گیا؟ مگر شیر کھاتا تو گھوڑے کی ہنہنانے کی آواز سنائی دیتی۔ کہیں اُس کے خون کے دھبے ہی ملتے آخر ایسا شیر کون تھا کہ سالم کے سالم گھوڑے کو اُٹھا کر میلوں دور لے گیا۔

عنبر نے گھوڑے کو بھلا دیا اور اُس کے بارے میں سوچنا بند کر دیا۔ بہر حال گھوڑا اُس سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گیا تھا۔ اور اب اسے صحرا میں باقی سفر بغیر گھوڑے کے ہی طے کرنا تھا۔ لیکن وہ اپنے سفر کے بارے میں ہی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کہاں سے کدھر اور کدھر سے کہاں جائے۔ بلکہ اُس نے تو ربِّ عظیم کا شکریہ ادا کیا کہ

کم از کم گھوڑا تو بھول بھلیوں کی مصیبت سے چھوٹا۔ وہ غریب بے زبان جانور خواہ مخواہ اُس کے ساتھ پریشان ہو رہا تھا۔

بیٹھے بیٹھے اچانک عنبر کو خیال آیا کہ دیکھنا چاہیے یہ چشمے کا پانی جاتا کدھر کو ہے؟ اب دن نکل آیا تھا اور صحرا میں سورج کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ عنبر اُٹھ کھڑا ہوا اور چشمے کے پانی کے ساتھ ساتھ آگے چلنے لگا۔ پانی ایک چھوٹے سے نالے کی شکل میں ٹیلے کا چکر کاٹ کر دوسرے ٹیلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہاں سے ایک اور چکر کاٹنے کے بعد پانی کی لکیر ذرا چوڑی ہو گئی تھی اور نشیب میں سے ہو کر ایک پتھریلے ٹیلے کے دامن میں چلی گئی تھی۔ عنبر نے سوچا اب میں بھٹک تو گیا ہی ہوں۔ کیوں نہ یہ معلوم کیا جائے کہ چشمے کا پانی بجائے ریت میں جذب ہو کر خشک ہونے کے آخر جاتا کس طرف کو ہے۔

سخت پتھریلے ٹیلے کے دامن میں آیا تو عنبر نے دیکھا وہاں ایک غار سا تھا اور پانی ایک نالے کی صورت میں غار کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ غار کا منہ کافی کھلا تھا اور اندر جانے کو باقاعدہ راستہ تھا۔ پانی اس راستے کے ساتھ ساتھ ہو کر اندر کی طرف بہہ رہا تھا۔ عنبر غار میں داخل ہو کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا چشمے کے پانی کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ غار اندر سے کھلا اور کشادہ ہونا شروع ہو گیا۔ عنبر چونکہ ایک بے خوف شہزادہ تھا اور اس قسم کی مہمیں سر کرتا آیا تھا۔ اس لیے وہ ذرا نہ گھبرایا اور بڑھتا گیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر یہ چشمے کا پانی جاتا کہاں ہے؟

غار کے ایک جانب گھوما تو سامنے سے روشنی نظر آنے لگی۔ غار کے اندر سے کچھ دوسرے چشموں کا پانی بھی مل رہا تھا اور نالہ چوڑا ہو گیا تھا۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ روشنی پہاڑ کے اندر کہاں سے آ رہی

ہے؟ جوں جوں وہ روشنی کے قریب ہو رہا تھا غار کشادہ ہوتا جا رہا تھا اور روشنی پھیلتی چلی جا رہی تھی۔ پھر ایک جگہ غار میں چشمے کے نالے نے چکر کاٹا تو سامنے ایک کشادہ میدان سا آ گیا۔ جس کے دونوں طرف پہاڑ کی ڈھلان تھی۔ عنبر بڑا تعجب کرنے لگا کہ یہ پہاڑ کے اندر ہی اندر میدان کہاں سے آ گیا۔ چشمے کا پانی ایک نالے کی صورت میں ایک طرف ہٹ کر بہہ رہا تھا۔ کنارے کنارے ہری ہری کانٹے دار گھاس اگی ہوئی تھی۔ میدان کی بائیں جانب پتھروں کی کچھ دیواریں سی کھڑی تھیں۔ عنبر ان دیواروں کی طرف بڑھا۔ یہ دیواریں کسی پرانے مکان کی تھیں جن کی چھتیں پہاڑ کی چھت کے ساتھ مل گئی تھیں۔ فرش پر جگہ جگہ بجھی ہوئی لکڑیاں بکھری پڑی تھیں۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہاں سے لوگ ابھی ابھی کہیں اٹھ کر گئے ہیں۔ کیوں کہ بعض لکڑیاں ابھی تک سُلگ رہی تھیں۔ عنبر دوسری چار

دیواری میں داخل ہوا تو اُسے وہاں گوشت کی بو محسوس ہوئی۔ اُس نے غور سے دیکھا تو غار میں ایک گھوڑے کا ثابت پنجر پڑا ہوا تھا۔ پنجر پر ابھی تک سرخ سرخ تازہ گوشت چمٹا ہوا تھا۔

کہیں یہ اُس کا گھوڑا تو نہیں؟

مگر سوال یہ ہے کہ اس کا گھوڑا وہاں کیسے آ گیا۔ کیا اُسے کوئی شیر اٹھا کر لے آیا تھا؟ اگر شیر اٹھا کر لاتا تو ریت پر کم از کم اُس کے پنجوں کے نشان ضرور ملنے چاہئیں تھے۔ عنبر کو اپنے گھوڑے کی موت پر بے حد صدمہ ہوا۔ اُس نے دوسری کھوہ میں جھانک کر دیکھا تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اِس کھوہ میں انسانی ہڈیوں اور کھوپڑیوں کے انبار لگے تھے۔ کیا وہ کسی آدم غور قبیلے کی بستی میں نکل آیا تھا؟ عنبر کے بدن میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اِس لیے کہ وہ پہلی بار آدم غور کی بستی دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ یہ کھوپڑیاں زمانہ قدیم کی ہوں

اور کسی بادشاہ نے اپنے دشمنوں کو غار میں ہلاک کر دفن کر دیا ہو۔ مگر سوال یہ تھا کہ پھر گھوڑے کی لاش کا پنجر وہاں کس لیے پڑا تھا؟

وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں دور سے آرہی تھیں اور آہستہ آہستہ قریب آتی جارہی تھیں۔ عنبر جلدی سے وہاں ہٹ کر غار میں ایک خفیہ جگہ پر چھپ گیا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں اُس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ سب کو دیکھ سکتا تھا۔ آدمیوں کی آوازیں میدان کی دوسری جانب سے اُس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ پھر یہ آوازیں قریب آتے آتے بہت نزدیک سے سنائی دینے لگیں اور اب عنبر نے دیکھا کہ پندرہ بیس آدمیوں کا ایک گروہ کسی قیدی کو زنجیروں میں جکڑے دھکیلتا ہوا لیے چلا آرہا تھا۔ یہ سارے کے سارے لوگ وحشی آدم خور معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے تن ڈھانپنے کو صرف ایک گھاس پھونس کی جھالر کمر کے گرد باندھ رکھی

تھی۔اُن کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔جس قیدی کو وہ گرفتار کر کے لا رہے تھے اس نے بھی کمر کے گرد گھاس پھونس کی جھالر سی لٹکا رکھی تھی۔

قیدی کے چہرے پر خوف و ہراس چھایا ہوا تھا۔وحشی اُسے دھکے مار مار کر آگے دھکیل رہے تھے اور وہ بے چارہ بار بار خوف اور دہشت سے پتھروں پر گر گر پڑتا تھا۔پتھروں کی چار دیواری کے سامنے لا کر وحشیوں نے قیدی کو زمین پر لٹا کر پتھروں کے ساتھ باندھ دیا اور خود اس کے ارد گرد رقص کرنے لگے۔عنبر پتھروں میں چھپا حیرت سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔کچھ وحشیوں نے دو پتھروں کو آپس میں رگڑ کر آگ جلائی اور لکڑیاں سُلگا دیں۔دو وحشی غار میں جا کر خشک لکڑیاں لے آئے اور آگ کے اوپر رکھ دیں۔قیدی بے چارے کا برا حال ہو رہا تھا۔معلوم ہوتا تھا کہ اس کو اپنے انجام کی خبر ہو گئی تھی۔اُسے معلوم ہو

گیا تھا کہ وحشی آدم خور اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے؛
چنانچہ وہ رو رہا تھا اور بار بار وحشیوں سے رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔
لیکن وحشی قہقہے لگاتے ہوئے اُسے نیزے کے کچوکے لگا رہے تھے۔
جب آگ خوب زوروں پر روشن ہوگئی تو وحشی آدم خوروں کا سردار اپنی
جگہ سے اٹھا اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

''دیوتاؤں کے نام پر خاموش۔''

رقص رُک گیا۔ سارے وحشی ایک دم خاموش ہو گئے۔ جہاں
تھوڑی دیر پہلے اس قدر ہنگامہ تھا۔ وہاں اب سوئی بھی گرے تو آواز
سُنائی دیتی تھی۔ سردار نے کہا:

''قربانی شروع کی جائے۔''

ایک وحشی نے آگے بڑھ کر اپنے جھولے میں سے سیاہ پتھر کا ایک
مکروہ صورت بُت نکالا اور زمین پر آگ کے پاس رکھ دیا۔ قیدی

بھیانک نظروں سے یہ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا۔ سردار نے خنجر لے کر اپنی کلائی پر زخم لگایا اور زخم میں سے لپکتے ہوئے خون کے قطرے آگے بڑھ کر بُت کے اُوپر گرا دیے۔

چاروں طرف وحشیوں نے ایک شور مچایا۔

''دیوتا نے قربانی قبول کر لی' قربانی قبول کر لی۔

سردار نے بلند آواز میں کہا:

''آدمی کی قربانی شروع کی جائے۔

وحشیوں نے اپنی زبان میں نعرہ بلند کیا اور نیزے لے کر زمین پر کس کر بندھے ہوئے قیدی کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

صرف ایک پہلو خالی تھا۔ اور یہاں اُن کا سردار بیٹھا تھا۔ عنبر بھی اسی زاویے پر بیٹھا تھا اور وہ بھی سارا منظر صاف صاف دیکھ رہا تھا۔ قیدی کا رنگ زرد پڑ گیا اور یقیناً اُس کا سارا جسم سُن ہو گیا ہو گا۔ سردار کے

اشارے پر ایک وحشی نے اپنا نیزہ فضا میں بلند کیا اور پوری طاقت
سے اُسے قیدی کی ران میں گھبو دیا۔ قیدی نے ایک فلک شگاف چیخ
ماری اور تڑپنے لگا۔ دوسرے وحشی نے بھی نعرہ لگا کر نیزے کا بھرپور
وار دوسری ران پر کیا۔ خون کے فوارے ابلنے لگے۔ تیسرے وحشی
نے تیسرا نیزہ وحشی کے بازو میں اتا دیا اور چوتھے وحشی نے قیدی کا
دوسرا بازو زخمی کر دیا۔ قیدی زخموں سے تڑپ رہا تھا اور وحشی دونوں
چلوؤں سے اُس کا خون سمیٹ سمیٹ کر پی رہے تھے اور پاگلوں کی
طرح رقص کر رہے تھے۔

عنبر پتھروں میں چھپا یہ اذیت ناک منظر بڑے غور سے دیکھ رہا
تھا۔ قیدی کی حالت زار دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ
اُسی کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اکیلا تھا اور وحشی بہت
زیادہ تھا۔ وہ تو اُلو کی ایک آواز نکال کر سینکڑوں وحشیوں کو جمع کر سکتے

تھے۔ عنبر نے قیدی کو اُس کی تقدیر کے بھروسے چھوڑ دیا۔ وہ اس قدر شدید زخمی ہو گیا تھا کہ اب وہ بے ہوشی کے عالم میں صرف کراہ رہا تھا۔ ایک وحشی نے رقص کرتے کرتے نیزہ لہرایا اور قیدی کے پیٹ میں گاڑ دیا۔ اُس نے ایک دردانگیز چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔ وحشی خوشی سے چیختے چلاتے رقص کرنے لگے۔ قیدی کی اذیت ناک چیخ مارنے کا مطلب یہ تھا کہ دیوتا نے اُن کی قربانی قبول کر لی تھی۔ سردار نے انسانی خون سے ایک پیالہ بھر کر بُت کے آگے رکھ دیا اور ہاتھ باندھ کر بولا:

''اے آسمان کے مالک، ہماری چھوٹی سی قربانی قبول فرما۔''

اِس اعلان کے ساتھ ہی چار وحشیوں نے آگے جھک کر زمین پر جکڑے ہوئے قیدی کے بدن پر تلوار کے چار ہاتھ مارے اور اُس کے جسم کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ قیدی نے پھر کوئی آواز نہ نکالی۔

وہ مر چکا تھا۔ وحشی سرادر نے آگے بڑھ کر سب سے بڑا ٹکڑا خود اُٹھایا اور اُسے آگ پر رکھ کر بھوننے لگا۔ چند سیکنڈ آگ پر رکھنے کے بعد سردار نے انسانی جسم کے ٹکڑے کو کھانا شروع کر دیا۔ سردار کے حکم پر سارے وحشی خنجر اور تلواریں لے کر قیدی کی لاش پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے اپنی اپنی پسند کا گوشت کاٹ کر کھانا شروع کر دیا۔ عنبر سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ دل پر پتھر رکھ کر یہ دردناک نظارا دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے سارے وحشی پورے کے پورے آدمی کو چٹ کر گئے۔ اُنہوں نے اُس کی کھوپڑی بھی کھُرچ کھُرچ کر صاف کر دی۔ ہڈیوں پر سے بھی جگہ جگہ سے گوشت نوچ کر کھالیا۔ پھر اُنہوں نے ہڈیاں اور کھوپڑی غار کے اندر ایک کھوہ میں پھینک دیں۔

عنبر یہ ساری کاروائی دیکھ کر لرز گیا تھا۔ ایک جیتا جاگتا انسان ان

وحشیوں نے دیکھتے دیکھتے ہڑپ کرلیا تھا۔ وحشی آدمی کو کھانے کے بعد آگ کے گرد بیٹھ گئے اور جلتی لکڑیوں کو اٹھا اٹھا کر دیوتا کے بُت کر اُوپر سے گھمانے لگے۔ پھر انہوں نے سردار کے حکم پر ساری لکڑیوں کا بجھا دیا۔ سردار نے ایک چیخ ماری اور سارے وحشی جدھر سے آئے تھے اُدھر کو اچھلتے کودتے، قہقہے لگاتے، تیز تیز باتیں کرتے چل پڑے۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے عنبر پتھروں میں چھپا بیٹھا رہا۔ جب ان کی آوازیں بھی آنا بند ہو گئیں تو عنبر پتھروں میں سے نکلا اور آگ کے پاس آ کر غور سے زمین کو دیکھنے لگا۔ آگ کے پاس اُسے سونے کا ایک تکون ٹکڑا پڑا نظر آیا اُس نے وہ ٹکڑا اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ دیوتا کے بُت کو سردار جھولے میں ڈال کر واپس اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

اُس نے سوچا کہ اس آدم خور غار سے نکل جانا چاہیے۔ یہاں

رہنا خطرے سے خالی نہیں اور اب تو عنبر کو اپنی موت کا بھی یقین ہو گیا تھا اور وہ آدم خور وحشیوں کا نوالہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ وہ وہیں سے پلٹا اور واپس چل پڑا۔ لیکن اب اُسے ایک اور تلخ حقیقت کا احساس ہوا۔ جس طرف سے چشمے کا پانی آ رہا تھا اُدھر سے روشنی آنا بند ہو گئی تھی۔ وہ اندھیرے میں دور تک چلتا گیا' مگر اُسے واپسی کی کوئی راہ دکھائی نہ دی۔ وہ مجبوراً واپس وہیں آ گیا جہاں آدم خور لوگوں نے ایک زندہ انسان کو ہلاک کر کے کھا لیا تھا۔

بُرے پھنسے

عنبر سوچ رہا تھا کہ کہاں جائے کہ آدمخوروں کی آوازیں پھر آنا شروع ہو گئیں۔

وہ بھاگ کر اِن ہی پتھروں میں جا کر چھپ گیا۔ آدمخور اس دفعہ بہت شور مچاتے چلے آ رہے تھے۔ جب وہ قریب آئے تو عنبر نے دیکھا کہ انہوں نے ایک عورت کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ عنبر کا دل دہل گیا۔۔۔ تو کیا وہ اِس بے گناہ لوگوں کو بھی کھا جائیں گے؟ نہیں نہیں، اُنہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ عورت بے چاری کا رنگ زرد تھا۔ لمبے سیاہ بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ شکل صورت سے وہ کسی اعلیٰ خاندان کی عورت محسوس ہوتی تھی۔ اُس نے بڑے اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔ وحشیوں نے اُس عورت کو پتھر کے ایک ستون کے

ساتھ لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت اس عورت کو کھانے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ نہ تو سردار نے جھولے میں سے بُت نکالا اور نہ ہی آدمخور وحشیوں نے آگ جلائی تھی۔ عورت بے چاری پتھروں کے ستون کے ساتھ جکڑی ہوئی تھی۔ سردار نے عورت کے پاس جا کر اس کے لمبے بالوں کی ایک لٹ چاقو سے کاٹی اور اُسے ہوا میں اچھال دیا۔ تمام وحشیوں نے اپنی زبان میں فلک شگاف نعرے لگائے۔ وہ قیدی عورت کے اردگرد جانوروں کی طرح رقص کرنے لگے۔ عورت نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ہونٹ دور سے کانپتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

جب وحشی رقص کرتے کرتے تھک گئے تو سردار نے ایک چیخ ماری اور سارے آدم خور خاموش ہو کر کھڑے ہو گئے۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عنبر کا ہاتھ پھسل گیا اور ایک پتھر اپنی جگہ سے ٹوٹ کر نیچے گر

پڑا۔ غار کی خموشی میں پتھر کے فرش پر گرنے سے ایک چھنا کا پیدا ہوا۔ سردار اور وحشیوں نے چونک کر اس طرف دیکھا جدھر عنبر چھپا ہوا تھا۔ وحشی بھاگ کر وہاں پہنچ گئے۔ اُنہوں نے ایک نوجوان انسان کو پتھروں کے پیچھے چھپا ہوا دیکھا فلک شگاف چیخ مار کر کہا:

''پکڑلو' پکڑلو' پکڑلو۔''

سردار نیزہ لہراتا وہاں پہنچ گیا اور اُس نے نوجوان عنبر کو اُسی وقت گرفتار کرلیا۔

''کون ہو' کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟''

اور سردار وحشیوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنس پڑا۔

''اِس کو بھی جکڑ دو۔ کل دونوں کو بھون کر کھایا جائے گا۔ دیوتا کو تازہ خون کا نذرانہ پیش کیا جائے گا۔''

آدم خوروں نے عنبر کو بھی پکڑ کر عورت کے قریب ہی پتھر کے

ستون سے کس کر باندھ دیا۔ سردار کے حکم پر وہ عنبر کے گرد بھی چیخیں مارتے ہوئے رقص کرنے لگے۔ وہ نیزے لہرا رہے تھے اور بار بار چیخ رہے تھے۔ جب وہ تھک گئے تو سردار کے ساتھ اچھلتے کودتے، شور مچاتے ایک طرف کو چل دیے۔ اس دوران میں قیدی عورت بڑی حیرانی کے ساتھ عنبر کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوجوان وہاں کیسے آ گیا؟

جب سارے وحشی چلے گئے تو عورت نے اداس لہجے میں پوچھا:

''اے نوجوان! تو یہاں کس طرح آ گیا؟''

عنبر نے پوچھا:

''پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم یہاں کیسے پھنس گئی ہو؟''

عورت نے کہا:

''میرا نام تھائیس ہے اور میں موہنجوداڑو کے ایک تاجر کی بیوی

ہوں۔ میں اپنے خاوند کے ساتھ ایک قافلے کے ہمراہ سفر کر رہی تھی کہ اِن آدم خوروں نے ہمارے قافلے پر حملہ کر دیا سامان تو وہیں رہنے دیا اور ہم سب کو پکڑ کر اِن غاروں میں لے آئے۔ ان ظالموں نے میرے خاوند کو کھالیا ہے اور اب یہ مجھے کھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مگر تم کون ہو اور ان آدمخوروں کے پنجے میں کیسے پھنس گئے؟''

''تھائیس، میرا نام عنبر ہے اور میں ملک نینوا سے شمالی افریقہ کی طرف جا رہا تھا کہ راستہ بھول گیا اور اِن غاروں میں آنکلا۔ میں یہ معلوم کرنے کے لیے آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ اس غار کے اندر کیا ہے کہ میں نے دیکھا آدم خور ایک آدمی کو ہلاک کر رہے ہیں۔ میں پتھروں کی کھوہ میں چھپ گیا اور باقی جو کچھ ہوا وہ تم دیکھ چکی ہو'

تھائیس نے آہ بھر کر کہا:

''ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ ہم آدم خوروں کی خوراک بنیں۔ کاش میں اپنے دیوتا آمون کو اپنی مدد کے لیے پکار سکتی۔''

''تم اُسے پکارتی کیوں نہیں ہو تھائیس؟ اگر وہ دیوتا تمہاری مدد کر سکتا ہے تو یہاں آ کر بھی تمہاری مدد ضرور کرے گا۔''

''ایسا نہیں ہے عنبر' ہمارا دیوتا آمون صرف اُس حالت میں ہماری مدد کرتا ہے کہ ہم اُس کے مندر میں جا کر بھیڑوں کی قربانی دیں اور اُس کے بُت پر بھیڑوں کا خون گرائیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو دیوتا آمون بھی ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔''

''یہ کیسا دیوتا ہے کہ اگر قربانی پیش نہ کی جائے تو وہ بھی کوئی مدد نہیں کر سکتا جو صرف ایک عبادت گاہ تک ہی محدود ہے اور اُس مندر کے باہر وہ مجبور اور بے بس ہے۔''

''یہ وقت اِن باتوں کا نہیں ہے عنبر' یہ بتاؤ کہ تمہارا دیوتا اِس وقت

ہماری کوئی مدد کر سکتا ہے؟''

''میں کسی دیوتا کو تسلیم نہیں کرتا۔''

''تو پھر تم کس کی عبادت کرتے ہو؟''

''میں ایک رب کی عبادت کرتا ہوں جو عظیم ہے اور سب دیوتا اور کائنات کی ہر شئے جس کے ماتحت ہے۔''

''کیا تمہارا رب اس وقت ہماری مدد کر سکتا ہے؟''

''مجھے اپنے رب پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ میری ضرور مدد کرے گا۔''

''کیا وہ میری مدد بھی کرے گا۔''

''کیوں نہیں؟ وہ تمہاری مدد بھی کرے گا۔''

''مگر میں تو اس کی عبادت نہیں کرتی۔''

''وہ سب کا ربّ ہے' جو اُس کی عبادت کرتے ہیں اُن کا بھی اور

جو اُس کی عبادت نہیں کرتے اُن کا بھی ربّ ہے۔"

"تو پھر اپنے ربّ کو آواز دو۔ اُسے مدد کے لیے بلاؤ کہ وہ ہمیں اِن وحشی آدم خوروں سے نجات دلائے۔"

"وقت آنے پر ربِّ عظیم ضرور ہماری مدد کرے گا۔"

وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ وحشی آدم خوروں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ وہ غار میں واپس آ رہے تھے۔ عنبر نے تھائیس کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور سرگوشی میں کہا:

"تم بے ہوش ہو جانے کا بہانہ کرو۔"

"وہ کس لیے؟"

"جو میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔ جھوٹ موٹ بے ہوش ہو جاؤ۔"

"مگر کیوں؟"

"اِس لیے کہ وہ تمہیں بے ہوش دیکھ کر پہلے مجھے کھانے کی کوشش

کریں۔"

"تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟ تم پہلے کیوں مَرنا چاہتے ہو؟"

"اِس لیے کہ اگر انہوں نے پہلے مجھے کھانے کا فیصلہ کرلیا تو پھر تمہاری جان بھی بچ جائے گی۔ کیونکہ وہ مجھے کبھی نہیں کھاسکیں گے۔"

تھائیس عنبر کا منہ تکتی رہی۔ وہ کچھ نہیں سمجھ رہی تھی کہ عنبر کیا کہہ رہا ہے۔ عنبر اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کر رہا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اُس کی طاقت اُسے واپس مل گئی ہے اور وہ کبھی نہیں مَر سکتا۔ وحشیوں کی آوازیں اب زیادہ قریب سے سُنائی دے رہی تھیں۔ عنبر نے کہا:

"فوراً بے ہوش ہو جاؤ۔"

تھائیس نے جھوٹ موٹ بے ہوش ہو کر سر نیچے گرالیا۔ آدمخور اچھلتے کودتے شور مچاتے' تیز تیز باتیں کرتے اُس جگہ پہنچ رہے تھے

جہاں اُنہوں نے دونوں قیدیوں کو اپنی خوراک بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ قریب آ کر ایک حبشی نے چیخ ماری۔ سردار نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ عورت بے ہوش ہو چکی تھی۔ سردار نے اُنگلی سے عنبر کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

''پہلے اسے بھُون کر کھایا جائے گا۔''

عنبر یہی چاہتا تھا۔ وحشیوں نے پتھروں کو آپس میں رگڑ کر آگ جلائی۔ تھوڑی دیر میں آگ خوب بھڑک اٹھی۔ آگ کے گرد وحشیوں نے رقص کرنا اور اونچی آواز میں منتر وغیرہ پڑھنا شروع کر دیے۔ جب وہ منتر پڑھ چکے تو انہوں نے عنبر کو ستون سے کھول کر فرش پر لٹایا اور اُسے زنجیروں سے زمین میں میخیں ٹھونک کر جکڑ دیا۔ عنبر نے کسی قسم کی بھی مزاحمت نہ کی۔ تھائیس چوری چوری آنکھ سے یہ سارا ہولناک منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکی تھی کہ آخر عنبر نے سب سے

پہلے وحشیوں کی خوراک بنانا کیوں پسند کیا؟ یہ بات اُس کی سمجھ میں آ بھی نہیں سکتی تھی۔ لیکن بہت جلد اُس نے ایک ایسا منظر دیکھا جسے دیکھ کر اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سردار نے ہاتھ سے اشارہ کیا:

''اے مقدس دیوتا' ہم تیرے نام پر یہ قربانی پیش کرتے ہیں۔ ہماری قربانی قبول فرما' ہماری قربانی قبول فرما۔''

سردار نے بُت کو سجدہ کیا:

سردار کے ساتھ ہی سارے وحشی آدم خور سجدے میں گر پڑے اور بُت کی عبادت کرنے لگے۔ سردار نے سجدے سے اٹھ کر ایک چیخ ماری۔ سارے آدم خور سجدوں سے اٹھ گئے اور زمین پر لیٹتے ہوئے عنبر کے اردگرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ تھائیس کو عنبر زمین پر لیٹا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔ سردار نے اپنا نیزہ فضا میں بلند کیا۔ ایک چیخ

ماری۔ اور اپنی پوری طاقت سے نیزہ عنبر کی ران پر مار دیا۔ تھائیس نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ ایک بے گناہ نوجوان کا خون بہتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مگر وہاں کچھ اور ہی واقعہ ظہور میں آیا جس نے سارے وحشیوں کو پریشان کر دیا۔

سردار نے جونہی پوری طاقت سے نیزہ عنبر کی ران پر مارا نیزہ ٹوٹ کر دوہرا ہو گیا۔ سردار بڑا حیران ہوا۔ اُس نے چیخ مار کر دوسرا نیزہ لیا اور ایک بار پھر پوری طاقت کے ساتھ نیزہ ہوا میں بلند کر کے عنبر کی دوسری ران پر مارا۔ ایک بار پھر نیزہ عنبر کی ران کے ساتھ لگتے ہی ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ سردار پریشان ہو گیا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سخت پتھر پر نیزے مار رہا ہے۔ اُس نے پاگل ہو کر ایک بار پھر نیزہ لے کر عنبر کے پیٹ پر حملہ کیا۔ مگر نیزہ پھر ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ سردار کو بے حد غصہ آیا۔ اُس نے کہا:

''قیدی کے سارے جسم پر نیزوں کی بارش کر دو۔''

اس حکم کے ملتے ہی وحشیوں نے نیزوں سے عنبر پر حملہ کر دیا۔ وہ اچھل اچھل کر عنبر کے جسم پر نیزے مارتے۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے سارے نیزے ٹوٹ کر پرے جا گرے۔ آدم خور وحشی دم بخود سے ہونے لگے۔ سردار نے چیخ کر کہا:

''قیدی کو آگ میں پھینک دو۔''

وحشیوں نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے عنبر کو اٹھایا اور دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے اور عنبر آگ کے شعلوں میں گم ہو گیا۔ وحشی آگ کے ارد گرد ناچنے لگے اور تھوڑی دیر بعد وہ رقص کرتے ہوئے رُکے اور سردار کے اشارے پر اُنہوں نے لکڑی سے آگ ادھر ادھر ہٹانی شروع کر دی۔ اُن کو یقین تھا کہ عنبر اس وقت تک جل بھن کر کباب ہو چکا ہوگا۔ مگر سارے وحشیوں کی

چیخیں نکل گئیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ عنبر اُسی طرح زنجیروں میں جکڑا آگ کے انگاروں میں بڑے سکون کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ سردار دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ عنبر کے جسم پر جلنے کا کوئی معمولی سا نشان بھی نہیں پڑا تھا۔ اس نے زنجیر کو ہاتھ لگایا۔ زنجیر کا لوہا بھی ٹھنڈا تھا۔ آگ نے عنبر پر ذرا سا بھی اثر نہیں کیا تھا۔

سردار لرز اٹھا۔ اُسے یُوں لگا جیسے وہ ایک دیوتا کے سامنے کھڑا ہے وہ فوراً گھٹنوں پر گرا اور سجدہ ریز ہو گیا۔ اس کو سجدے میں گرتا دیکھ کر سارے وحشی آدم خور سجدوں میں گر پڑے اور منتر پڑھنے لگے۔ تھائیس یہ منظر دیکھ کر بھونچکی سی ہو کر رہ گئی۔ یہ واقعہ جتنا وحشیوں کے لیے عجیب و غریب تھا اُتنا ہی تھائیس کے لیے بھی حیرت انگیز تھا۔ وہ بھی کبھی یہ تصور نہیں کر سکتی تھی کہ ایک عام انسان آگ میں گرایا جائے، وہ دہکتی ہوئی آگ میں پڑا رہے اور پھر اِس میں سے زندہ

سلامت بچ جائے اور آگ اُس کے جسم پر کوئی اثر نہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کا ایک بال تک نہ جلے۔

سردار کے حکم پر وحشی آدم خوروں نے اُسی وقت عنبر کی زنجیریں کھول دیں۔ عنبر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور آگ میں سے باہر نکل آیا۔ سردار نے سر جھکا کر کہا:

''اے مقدس دیوتا' ہم نے تم سے زیادتی کی ہے۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہم پر اپنا عذاب نازل نہ کرنا۔''

عنبر نے سوچا کہ اب یہاں چالاکی سے ہی کام لینا چاہیے۔ اُس نے غصے میں کہا:

''کم بخت آدم خورو! میں تمہاری ایک ایک حرکت کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ تم نے لوگوں کو بہت پریشان کیا ہے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تم سب کو اسی آگ میں بھسم کر دوں گا۔''

سرداراور وحشی آدم خور گڑ گڑانے لگے۔

''رحم کرو‘رحم کرو‘اے دیوتا ہم پر رحم کرو۔''

''سب سے پہلے اس عورت کو آزاد کرو۔''

سردار نے لپک کر تھائیس کی زنجیریں کھول دیں۔وہ آزاد ہو کر عنبر کے پاس کھڑی ہو گئی۔

''عنبر‘ہمارے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔اُس سیاہ فام آدمی نے میرے خاوند کو سب سے پہلے آگ میں دھکا دیا تھا۔''

عنبر نے کہا:

''سردار‘اگر تم اپنے قبیلے کو میرے انتقام سے بچانا چاہتے ہو ہو تو فوراًاِس قاتل سیاہ فام وحشی کو ہلاک کر کے آگ میں ڈال دو۔''

''جو حکم مقدس دیوتا۔''

سیاہ فام وحشی چیخنے لگا۔مگر سردار نے بڑے آرام سے اُس کی

گردن پکڑ کر مروڑی اور خنجر کے ایک ہی وار سے اُسے ہلاک کر دیا اور پھر آگ میں ڈال دیا۔

''اے مقدس دیوتا' ہم نے تمہاری مرضی پوری کر دی ہے۔ اب ہمیں اپنے عذاب سے بچا اور ہمیں اپنے انتقام کا نشانہ مت بنا۔''

عنبر نے کہا:

''فوراً ہمارے لیے دو گھوڑوں کا بندوبست کرو' نہیں تو میں تم سب کو ابھی کھڑے کھڑے بھسم کر دوں گا۔''

سردار نے سر جھکا کر کہا:

''گھوڑے ابھی حاضر کرتا ہوں مقدس دیوتا۔''

اُس نے زور سے سیٹی بجائی۔ کچھ وحشی ایک طرف کو بھاگے اور تھوڑی ہی دیر میں دو نہایت اعلیٰ قسم کے عربی نسل کے گھوڑے وہاں موجود تھے۔ یہ گھوڑے ان وحشیوں نے قافلے والوں سے لوٹے

تھے۔ اور انہیں کھانے کے لیے پال رہے تھے۔ عنبر نے کہا:

''ہم دونوں کا یہاں سے باہر جانے کا راستہ بتاؤ۔''

''جو حکم مقدس دیوتا۔''

سردار سر جھکا کر گھوڑوں کی باگ تھامے آگے آگے چل دیا اور عنبر، تھائیس اور وحشی اُس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ غار میں کئی ایک خفیہ موڑ گھومنے کے بعد وہ سب باہر صحرا میں ٹیلے کے پاس نکل آئے۔ عنبر نے سورج کی روشنی اور صحرا کے ٹیلوں پر پھیلی ہوئی۔ دھوپ دیکھتی تو اُس نے سُکھ کا سانس لیا۔

''اے آدم خوروں کے سردار، یہ صحرا کس طرف کو جاتا ہے؟''

''اے مقدس دیوتا، اگر آپ مشرق میں چھ روز تک چلتے جائیں تو آپ ایسے ملک میں پہنچ جائیں گے جہاں کے لوگ اپنے مندروں میں بھینس کی پُوجا کرتے ہیں۔''

تھائیس نے عنبر سے کہا:

''یہ ہمارے ملک موہنجوداڑو کے بارے میں بتا رہا ہے۔ ہم لوگ بھینسے کی بھی پُوجا کرتے ہیں اور دیوتا آمون کی بھی عبادت کرتے ہیں۔''

''کیا تمہارا ملک یہاں سے چھ دن اور چھ راتوں کے فاصلے پر ہے؟''

''میرا خیال ہے اتنا ہی فاصلہ ہوگا۔ ہم چھٹے روز یہاں پہنچے تھے۔ کہ ہمارے قافلے کو اِن آدمخوروں نے لُوٹ لیا۔''

عنبر نے سردار سے کہا:

''ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو۔''

سردار اور سارے وحشی آدم خور سجدے میں گر پڑے۔ عنبر اور تھائیس گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صحرا میں مشرق کی طرف روانہ ہو

گئے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو وحشی لوگ سجدوں سے اٹھے اور منتر پڑھتے واپس غار میں جانے لگے۔

تھائیس خود بڑی حیران تھی کہ عنبر آگ سے کیسے بچ گیا۔ اُس نے آخر پوچھ ہی لیا۔ عنبر نے مُسکرا کر کہا:

''اس کا جواب میں تمہیں سوائے اس کے کچھ نہیں دے سکتا کہ میرے ربِّ عظیم نے میری مدد کی تھی۔''

تھائیس بولی:

''عنبر، میں تمہارے ربِّ عظیم پر آج سے ایمان لاتی ہوں۔''

''مجھے خوشی ہوئی تھائیس کہ تم نے انتہائی عقلمندی سے کام لیا ہے۔''

تھائیس نے عنبر کے ربِ عظیم کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے ہماری مدد کرتے دیکھا ہے۔ پھر میں کیسے

ان بتوں کی پُوجا کروں جو اپنے چہرے پر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اُڑا سکتے۔

ڈاکو آگئے

صحرا میں اُن دونوں کا بھیانک سفر شروع ہوگیا۔
تھائیس کو عنبر کے ربِّ عظیم پر گہرا یقین ہوگیا تھا اور وہ اپنے آپ کو عنبر کے ساتھ بہت محفوظ خیال کر رہی تھی۔ مگر اُن دونوں میں سے کسی کو یہ یقین نہیں تھا کہ وہ صحیح راستے پر چل رہے ہیں یا راستے میں بھٹک چکے ہیں۔ کیوں کہ انہوں صحرا میں سفر کرتے ہوئے تیسرا دن گزر رہا تھا اور آبادی کا کہیں دُور دُور تک بھی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے تھائیس سے پوچھا:

''کیا تم اپنے قافلے کے ساتھ اس صحرا میں سے سفر کرتی وہاں پہنچی تھیں تھائیس؟''

''کچھ اندازہ نہیں ہو رہا۔ کسی وقت لگتا ہے کہ یہی راستہ تھا اور کسی

وقت یہ سارا صحرا اور ریت کے ٹیلے اجنبی معلوم ہونے لگتے ہیں۔"

"بہر حال ہمیں سفر جاری رکھنا ہے۔ ربِّ عظیم نے چاہا تو کسی نہ کسی روز اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

دو روز سے وہ صحرا کی جڑی بوٹیاں کھا کر اور کہیں کہیں کسی چشمے سے پانی پی کر گزارہ کر رہے تھے۔ چوتھے روز بھوک اور پیاس نے انہیں اور ان کے گھوڑوں کو نڈھال کر دیا۔ عنبر نے کہا:

"گھوڑوں کی جگہ اگر ہمارے پاس اونٹ ہوتا تو وہ زیادہ دن تک بھوکا پیاسا رہ کر سفر کر سکتا تھا۔"

"مگر اب کیا ہو گا عنبر' بھوک اور پیاس نے میرا بُرا حال کر دیا ہے۔"

عنبر کو صبح ہی سے ہوا میں سمندر کے پانی کی بُو محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے کہا:

''ہوا میں سمندر کی بُو ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہم سمندر کے کنارے پہنچنے والے ہیں۔''

''لیکن عنبر سمندر کا کڑوا پانی ہماری پیاس نہیں مٹا سکتا۔''

''سمندر کے کنارے ہمیں کھجوروں کے درخت ضرور مل جائیں گے اور ہم کھجوریں کھا کر اپنے پیٹ کی آگ بُجھا سکتے ہیں۔''

وہ ہمت کر کے اس طرف سفر کرنے لگے جدھر سے سمندر کی ہوا آرہی تھی۔ عنبر کا اندازہ درست تھا۔ ہوا سمندر کی جانب سے آرہی تھی اور سمندر وہاں سے ایک دن کے سفر پر تھا۔ سفر کرتے کرتے شام ہو گئی تو تھائیس گھوڑے پر سے اُتر کر ریت پر لیٹ گئی۔

اب مجھ سے نہیں سفر ہوتا عنبر' پیاس نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔''

تھائیس کا واقعی حال خراب ہو رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے اور ہونٹوں پر پیاس کی وجہ سے پپڑیاں جم گئی تھیں۔

عنبر نے کہا:

''تم یہاں تھوڑی دیر آرام کرو۔ میں کہیں نہ کہیں سے پانی کی تلاش کرتا ہوں۔''

''مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ عنبر' مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''تمہیں ذرا ہمت سے کام لینا ہوگا تھائیس' اگر ہم نے ہمت ہار دی تو تو پھر اس ظالم صحرا سے زندہ سلامت بچ کر نہ نکل سکیں گے۔ مجھے یقین ہے یہاں قریب ہی کوئی نہ کوئی چشمہ ضرور ہوگا۔ میں ابھی تمہارے لیے پانی کی چھاگل بھر کر لاتا ہوں۔''

''دیر نہ کرنا عنبر' اگر پانی نہ بھی ملے تو واپس آ جانا۔ مجھے اکیلے میں بڑا ڈر لگتا ہے۔''

''فکر نہ کرو' میں بڑی جلدی واپس آ جاؤں گا۔''

اتنا کہہ کر عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس طرف چل پڑا جدھر اُس کا

خیال تھا کہ پانی کا چشمہ اُسے ضرور مل جائے گا۔ چلتے چلتے وہ کافی آگے نکل آیا اور تھائیس اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ وہ خیال کرتا کہ اُس ریت کے ٹیلے کے پیچھے چشمہ ضرور بہہ رہا ہوگا۔ جب وہاں پہنچا تو سوائے ریت کے کچھ نظر نہ آتا۔ پھر وہ پانی کے چشمے کی امید میں دوسرے ٹیلے کی جانب چل پڑتا۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ بہت دور نکل گیا۔ اچانک ایک جگہ فاصلے پر اسے کھجور کے درختوں کے جھنڈ نظر آئے۔

''نخلستان۔''

وہ خوشی خوشی کھجور کے جھنڈوں کی طرف بڑھنے لگا۔ کیونکہ کھجوروں کے جھنڈ کا مطلب یہ تھا کہ وہاں ضرور پانی کا چشمہ موجود ہے۔

اُدھر تھائیس زمین پر لیٹے لیٹے صحرا سے خوف کھانے لگی عنبر اُس

کے ساتھ تھا تو اُسے بڑا حوصلہ تھا۔ اب وہ اکیلی رہ گئی تھی اور ڈر نے لگی تھی۔ شام کے سائے آہستہ آہستہ پھیلنے شروع ہو گئے تھے۔

اچانک اُسے اپنے پیچھے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ اس کی جان میں جان آئی۔ اُس نے سوچا کہ عنبر پانی لے کر واپس آ گیا ہے۔ مگر یہ اس کا وہم تھا۔ کیوں کہ تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکوؤں کا ایک خونخوار گروہ اس کے ارد گرد کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ ڈاکوؤں کو دیکھ کر تھائیس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ڈاکوؤں کا سردار جابر مسکرایا اور بولا:

''بڑا عمدہ مال ہے۔ ذرا بھوکا پیاسا ہے اُسے کھلا پلا کر موٹا کر دیں گے اور یروشلم میں سونے کے سکوں کے عوض فروخت کر دیں گے۔

تھائیس کانپ گئی۔ ڈاکو قہقہے لگا کر ہنسے۔ سردار نے اشارہ کیا۔ ڈاکوؤں نے آگے بڑھ کر تھائیس کو اونٹ کے کجاوے میں ڈال لیا اور آگے روانہ ہو گئے۔ تھائیس چیختی چلاتی رہ گئی۔ مگر کسی نے اس کی

فریادوں پر کان نہ دھرا۔ وہ ڈاکوؤں کا بڑا وحشی گروہ تھا اور یہ لوگ قافلے بھی لوٹتے تھے اور عورتوں بچوں اور غلاموں کو لے جا کر دوسرے شہروں میں فروخت کر دیتے تھے۔ اس زمانے میں اس قسم کے غلاموں اور کنیزوں کی منڈیاں لگتی تھیں۔ جہاں سے لوگ اپنی اپنی پسند کے مطابق غلام اور کنیزیں خرید لیتے تھے۔

ڈاکوؤں کا قافلہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ کیونکہ اُن کے اونٹ اور گھوڑے تازہ دم تھے۔ اُدھر عنبر کھجوروں کے جھنڈ کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ وہاں ٹھنڈے اور شفاف پانی کا ایک چشمہ جاری ہے۔ عنبر نے گھوڑے سے اُتر کر اُسے پانی پلایا۔ خود بھی پیا اور چھاگل میں تھائیس کے لیے بھی بھر لیا۔ اب وہ جلدی سے واپس پہنچ کر تھائیس کو پانی پلانا چاہتا تھا۔

وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور تیزی سے اس طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں

وہ تھائیس کو ریت پر لیٹا ہوا چھوڑ آیا تھا۔ اگرچہ شام کے سائے بڑھنا شروع ہو گئے تھے لیکن ابھی صحرا میں غروب ہوتے سورج کی کافی روشنی باقی تھی اور اُسے راستہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ عنبر ریت کے ٹیلوں میں سے ہوتا ہوا جب اُس مقام پر آیا جہاں وہ تھائیس کو چھوڑ گیا تھا تو یہ دیکھ کر چکر کھا گیا کہ وہاں تھائیس موجود نہیں تھیں۔

گھوڑے سے اتر کر وہ ادھر ادھر تھائیس کو تلاش کرنے لگا۔ اُس نے زور زور سے تھائیس کو آوازیں بھی دیں۔ مگر صحرا میں اس کی آواز گونج کر رہ گئی۔ وہ پریشان ہو گیا۔ پھر ایکا ایکی اس کی نگاہ ریت پر اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں کے نشانوں پر پڑ گئی۔ صاف معمول ہو رہا تھا کہ ادھر سے کوئی قافلہ اُس کی عدم موجودگی میں گزرا ہے اور وہ تھائیس کو زبردستی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔

مگر تھائیس کو زبردستی قافلے والے کیوں لے گئے؟ کہیں وہ ڈاکو

نہ ہوں۔ ضرور اس کے بعد ڈاکوؤں کا ادھر سے گزر ہوا ہے اور وہ
تھائیس کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ عنبر نے گھوڑوں کے پاؤں کے
نشانوں پر اُس طرف چلنا شروع کر دیا جدھر سے ڈاکو اُس کے خیال
کے مطابق گئے تھے۔ وہ چلتا رہا' چلتا رہا۔ مگر ڈاکوؤں کا کہیں سراغ نہ
مِلا۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے نشان ریت پر برابر آگے بڑھتے چلے جا
رہے تھے۔ رات گہری ہونے لگی۔ مگر عنبر نے اپنا تعاقب جاری رکھا۔
لیکن ڈاکو اُس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔

جس وقت عنبر سمندر سے آدھے راستے پر پہنچا اُس وقت ڈاکو
سمندر کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ جہاں ایک چھوٹا سا جہاز بادبان
سمیٹے کھڑا لہروں پر ڈول رہا تھا۔ ڈاکوؤں کا سردار گھوڑے سے اُتر
پڑا۔ اس نے جہاز کی طرف منہ کر کے زور سے آواز دی۔ جہاز پر سے
بھی کسی نے اُس آواز کا اُسی طرح جواب دیا۔ تھائیس اونٹ کے

کجاوے میں ڈاکوؤں کے پہرے میں بیٹھی روتی ہوئی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ بے بس کر دی گئی تھی۔ اُسے رہ رہ کر عنبر کا خیال آ رہا تھا کہ جب واپس آ کر وہ تھائیس کو وہاں نہیں پائے گا تو بے چارہ کس قدر پریشان ہوگا۔

اب جہاز کی طرف سے ایک چھوٹی سے کشتی سمندر میں تیرتی کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔ ڈاکوؤں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر سے لوٹا ہوا سامان اُتارنا شروع کر دیا۔ انہوں نے تھائیس کو بھی کجاوے سے اُتارا اور اُس کے بازوؤں کو رسّی سے باندھ ڈالا کشتی قریب آ کر ساحل سمندر کے ساتھ لگ گئی۔ ڈاکوؤں نے جلدی جلدی سارا سامان اور تھائیس کو کشتی میں سوار کر دیا۔ کشتی جہاز کی طرف روانہ ہوگئی۔ دوسرے پھیرے پر انہوں نے سارے گھوڑے اور اونٹ کشتی پر لاد کر جہاز تک پہنچا دیے۔ تیسری بار سردار خود اپنے ساتھیوں کے

ساتھ کشتی میں سوار ہوا اور جہاز پر آ گیا۔

یہ بحری جہاز بھی ڈاکوؤں کے ایک ساتھی کا تھا جو اس جہاز کا مالک بھی تھا اور کپتان بھی تھا۔ عرشے پر اُس نے ڈاکوؤں کے سردار کو گلے لگا لیا اور تھائیس کے بارے میں پوچھا کہ یہ عورت کہاں سے پکڑی ہے۔ سردار نے کہا:

''یہ ایک مورنی ہے جسے میں نے بخند کے صحرا سے پکڑا ہے۔ اور اِسے سارڈینیا کے بازار میں فروخت کر کے سونے کی اشرفیاں حاصل کروں گا۔''

''بہت خوب' آؤ دوست اور کچھ کھا پی لو۔ تم بہت سفر کرتے کرتے تھک گئے ہو گے۔''

''ضرور ضرور۔''

کپتان نے حکم دیا: ''بادبان کھول دو۔''

اُسی وقت ملاحوں نے جہاز کے بادبان کھول دیے۔ بادبانوں میں ہوا بھرتے ہی جہاز نے مشرق کی سمت سمندر میں ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنا شروع کر دیا۔ تھائیس کو جس کوٹھڑی میں قید رکھا گیا تھا وہ بڑی چھوٹی سی تھی اور اُس کے اندر سے گندے پیازوں کی بدبُو آ رہی تھی۔ تھائیس بے حد غمزدہ اور پریشان بیٹھی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ آدم خور وحشیوں کے چُنگل سے بچی تو اِن ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گئی جو اُسے سارڈینیا یا یروشلم میں جا کر فروخت کر دیں گے۔ اُسے اپنی قسمت پر رونا آ گیا۔

عنبر ساری رات تھائیس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ گھوڑوں کے سموں کے نشان ریت پر چلتے چلتے اُسے ساحلِ سمندر پر لے آئے۔ اُس نے دیکھا کہ سمندر کے کنارے ایک جگہ پہنچ کر یہ نشان رک گئے تھے۔

وہ سمجھ گیا کہ ڈاکو لوگ یہاں سے کسی جہاز یا کشتی میں سوار ہو کر چلے گئے ہوں گے۔ اب اُس کا تعاقب کرنا بے سود تھا۔ اس لیے کہ عنبر اپنے گھوڑے کو سمندر میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اُس نے کچھ دیر بیٹھ کر وہاں آرام کیا۔ تھائیس کے مستقبل کے بارے میں غور کیا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر سمندر کے ساتھ ساتھ مشرق کی جانب چل پڑا۔ عنبر اب واپس صحرا میں سفر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس خیال سے سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگا کہ شاید کہیں سے اُسے کوئی جہاز یا کشتی مل جائے جو اُسے لے کر ملک سندھ میں موہنجوداڑو کی طرف لے چلے۔

ڈاکوؤں کا جہاز تھائیس کو لے کر کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اب اُس نے سمندر کے کنارے سے ہٹ کر کھلے سمندر میں سفر کرنا شروع کر دیا۔ تھائیس نے گول گول کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ اُسے ہر طرف پانی ہی پانی نظر آیا۔ جہاز سارا دن اور ساری

رات سفر کرتا رہا۔ اگلے روز اُسے غلام نے کھانا لا کر دیا۔ کھانا بڑا عمدہ تھا۔ اس میں زیتون کے تیل میں بھنا ہوا مرغ تھا اور ساتھ جو کی روٹی اور انجیریں بھی تھیں۔ تھائیس سمجھ گئی کہ اُس کی خاطر مدارات صرف اس لیے کی جا رہی ہے کہ اُس کی صحت اچھی ہو جائے تاکہ منڈی میں اُس کی قیمت زیادہ پڑے۔ اُسے اپنے اُوپر ترس آ گیا۔ کیونکہ وہ ایک بھیڑ بکری تھی جسے منڈی میں بیچنے کے لیے پالا جا رہا تھا۔

عنبر کو سفر کرتے ہوئے چوتھا روز طلوع ہوا تو اُسے سمندر کے کنارے ذرا ہٹ کر ایک پہاڑ نظر آیا۔ وہ پہاڑ کی طرف بڑھنے لگا۔ جوں جوں وہ پہاڑ کے قریب ہو رہا تھا۔ اُسے کھجوروں کے جھنڈ اور مکانوں کی لال دیواریں بھی دکھائی دینے لگیں۔ دوپہر کے بعد وہ اس پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ مگر عنبر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہاں کوئی بھی انسان دکھائی نہ دے رہا تھا۔ کچی

گلیوں کے مکان سنسان کھڑے تھے۔ اُن کے دروازے کھلے تھے۔
مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

روحوں کا شہر

شہر کے مکان، گلیاں اور دکانیں اُجاڑ پڑی تھیں۔
دکانوں کے اندر سامان لگا تھا۔ مگر نہ کوئی خریدار تھا اور نہ کوئی دکاندار۔۔۔ مکانوں پر بھی بھوتوں کا بسیرا تھا۔ ایک جگہ بازار میں چارے کا ڈھیر پڑا تھا۔ عنبر نے گھوڑے کو اُس چارے کے پاس کھلا چھوڑ دیا اور خود ویران آبادی کی سیر کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ اس شہر کے لوگوں کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟ چلتے چلتے وہ ایک مکان کے دروازے پر آ کر رُک گیا۔ یہاں ایک بوڑھا آدمی پتھر کے چبوترے پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ عنبر جلدی سے اُس کے قریب گیا اور اُس سے پوچھا کہ اس شہر کے لوگ کہاں چلے گئے؟ بوڑھے کی آنکھیں بند تھیں۔ عنبر نے اُسے ذرا ہلایا تو وہ ایک دم زمین

پر گر پڑا۔عنبر نے اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔وہ مر چکا تھا۔عنبر گھبرا کر وہاں سے دوسری طرف چلا گیا۔وہ بازاروں اور سنسان گلیوں میں سے گزر رہا تھا کہ اچانک اُس کی نظر ایک عورت پر پڑی جس نے رقاصاؤں کا سا لباس پہن رکھا تھا اور اُس کے پاؤں میں گھنگھرو چھن چھن کر رہے تھے۔عنبر بُت بنا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ رقاصہ نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔وہ ذرا سا مسکرائی اور گلی میں مڑ گئی۔ عنبر بھی اس گلی میں آ گیا۔رقاصہ گلی کے سرے پر کھڑی اشارے سے عنبر کو اپنی طرف بلا رہی تھی۔عنبر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔اُسے معلوم تھا کہ یہ عورت ضرور کوئی چڑیل یا جن بھوت ہے۔مگر وہ اس اجڑے ہوئے ویران شہر کا راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔رقاصہ چھن چھن کرتی عنبر سے کافی فاصلے پر چلی جا رہی تھی۔وہ ہر موڑ مڑنے سے پہلے عنبر کو پلٹ کر دیکھتی اور اپنے پیچھے چلے آنے کا اشارہ کر کے آگے

چل دیتی۔ اُس کا پیچھا کرتے کرتے عنبر ایک بہت بڑی عمارت کے سامنے پہنچ گیا۔ جس کے باہر پتھر کے چوڑے سے پیالے میں آگ جل رہی تھی۔ پُراسرار عورت اُس عمارت کے دروازے میں داخل ہو گئی۔ عنبر بھی آگے بڑھا۔ وہ عمارت ایک بہت بڑا مندر تھا۔ جس کے دروازے پر بھینسا کا بت بنا ہوا تھا۔ پراسرار رقاصہ نے اندر داخل ہونے سے پہلے عنبر کو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا۔ عنبر بلاخوف وخطر مندر کے دروازے میں سے داخل ہو کر اندر چلا گیا۔

یہ ایک عبادت گاہ تھی جس کے دلان میں جگہ جگہ پتھر کے بت بنے ہوئے تھے۔ یہ سارے کے سارے بت جانوروں کے تھے جن میں بھینسے کا بت سب سے بڑا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہاں جو قوم آباد تھی وہ بھینسے کی پرستش کرتی تھی۔ اُسے تھامیس کا خیال آ گیا جس نے کہا

تھا کہ موہنجوداڑو میں اُس کے ماں باپ بھی بھینسے کی پوجا کرتے تھے تو کیا وہ موہنجوداڑو پہنچ گیا تھا۔ مگر ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا جب کہ موہنجوداڑو وہاں سے سمندر کے سفر پر تھا اور وہاں پہنچنے کے لیے سمندر میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ ایک راز تھا جسے عنبر حل کرنے کے لیے رقاصہ کے پیچھے پیچھے مندر کے ایک ایسے کمرے میں آ گیا جہاں چبوترے پر آگ جل رہی تھی۔ وہ ایک ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور دیکھنے لگا کہ رقاصہ کہاں چلی گئی ہے۔ وہ اُسے کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ کہاں غائب ہو گئی؟

اِتنے میں اُسے گھنگھروؤں کے چھن چھن کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے دیکھا کہ وہی رقاصہ چبوترے پر نمودار ہوئی اور اُس نے آگ کے اردگرد رقص کرنا شروع کر دیا۔ یہ رقص ایسا تھا کہ جیسے کوئی

آسمان سے پری اُتر کر رقص کر رہی ہو۔ رقص کے ساتھ ساتھ وہ آگ کی پوجا بھی کر رہی تھی۔ عنبر ستون کے ساتھ لگا خاموشی سے اس عورت کو رقص کرتے دیکھتا رہا۔ عنبر کو محسوس ہوا کہ وہ عورت ناچ نہیں رہی بلکہ آگ کی پوجا کر رہی ہے۔ وہ بار بار آگ کے سامنے جھکتی اور پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر پیچھے ہٹ جاتی۔ تھوڑی دور پیچھے ہٹ کر وہ پھر آگے آتی اور آگ کے آگے جھک جاتی۔

جب وہ آگ کی پوجا سے فارغ ہو چکی تو قدم قدم چلتی عنبر کے پاس آ کر رک گئی۔ اُس کے ماتھے سے پسینے کے موتی جھلملا رہے تھے۔ اُس نے بالوں میں سفید پھول لگا رکھے تھے۔ اُس کے بازوؤں اور کلائی میں سونے کے کڑے تھے اور گلے میں ایک چاندی کا تعویذ تھا جس پر ستاروں کا طلسم بنا ہوا تھا۔ عنبر اُسے غور سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ عورت کون ہے؟ کیا اس عبادت گاہ کی پجاری

ہے یا کوئی چڑیل ہے؟ اُس عورت نے کہا:

''تمہارا نام عنبر ہے اور تم فرعون کے بیٹے ہو۔ تم دو ہزار سالوں سے زندہ ہو اس وقت تک زندہ رہو گے جب تک یہ زمین فنا نہیں ہو جاتی۔''

ایک دم عورت کے منہ سے یہ بات سُن کر عنبر بوکھلا کر رہ گیا۔۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس راز کو اُس نے ہر ایک سے چھپا چھپا کر رکھا ہے اُسے یہ اجنبی عورت ایک ہی سانس میں فاش کر دے گی۔

''تم۔۔۔تم کون ہو دیوی؟''

''میرا نام عنبرینہ ہے۔ میں دیوتا آمون کی دیو داسی ہوں۔ کیا تم عنبر نہیں ہو؟''

''ہاں' میرا نام عنبر ہے اور باقی تم نے میرے بارے میں جو کچھ کہا

وہ ٹھیک ہے۔ مگر تمہیں میرا یہ راز کیسے معلوم ہوا عنبر ینہ؟''

''میں دیوتا آمون کی دیوداسی ہوں۔ مجھے اس زمین کے سارے راز معلوم ہیں۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ تھائیس۔۔۔وہ عورت جو میرے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ وہ اِس وقت کہاں ہے؟''

دیوداسی عنبر ینہ نے ایک پل کے لیے آنکھیں بند کیں اور پھر مُسکرا کر بولی:

''وہ عورت اس وقت سمندر میں ملک حلب کی طرف سفر کر رہی ہے۔ اُسے ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں۔''

''کیا وہ زندہ ہے اور ٹھیک ٹھاک ہے؟''

''ہاں وہ زندہ ہے' مگر غم زدہ ہے۔ کیوں کہ اُس نے سُن لیا ہے کہ ڈاکو حلب یا یروشلم یا سدارڈینیا لے جا کر اُسے منڈی میں بھیڑ

بکریوں کی طرح کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے۔''

''عنبر ینہ' کیا تم اُسے ڈاکوؤں کے پنجے سے بچا سکتی ہو؟ وہ عورت بھی دیوتا آمون کی پوجا کرتی تھی اور بڑی مصیبت زدہ ہے۔''

''نہیں عنبر' یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ میں تمہیں یہ تو بتا سکتی ہوں کہ وہ اس وقت کہاں اور کیا کر رہی ہے؟ مگر یہ نہیں کر سکتی کہ اُسے اٹھا کر تمہارے پاس لے آؤں یا اُسے ڈاکوؤں سے بچالوں۔ یہ میری طاقت سے باہر ہے۔''

عنبر نے پوچھا:

''یہ بتاؤ کہ اس شہر کے لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟ یہ شہر ویران کیوں ہے؟''

''اِس شہر کو دیوتا آمون کی بد دعا لگی ہے۔ اس شہر کے لوگ گنہگار ہو گئے تھے۔ وہ بے ایمان تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ چوری کرتے

تھے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ وہ گناہوں کی دلدل میں پھنس گئے تھے۔ دیوتاؤں نے کئی بار اُنہیں نیکی کی طرف بلایا اور گناہوں سے توبہ کرنے کو کہا مگر وہ نہ مانے۔ پس دیوتاؤں نے انہیں زمین کے اندر غرق کر دیا۔ ان کے مکانوں اور دکانیں بچی کھچی رہ گئیں۔ اب وہ پھر کبھی اس دنیا میں نہیں آئیں گے۔ گناہ کرنے والے لوگوں کا ایسا ہی عبرناک انجام ہوتا ہے۔''

''عنبرینہ، میں اس شہر سے نکل کر موہنجوداڑو جانا چاہتا ہوں کیا تم میری مدد کر سکتی ہو؟ میں اُس ملک کا راستہ بھول گیا ہوں۔''

''تم اگر گھوڑے پر سفر کرو گے تو اس ملک میں ایک مہینے کے بعد پہنچ سکو گے۔ پھر بھی تمہیں ایک مہینے کا سفر سمندر میں کرنا پڑے گا۔ میں تمہیں ہوا میں اُڑا کر وہاں نہیں پہنچا سکتی۔ لیکن اتنا ضرور کر سکتی ہوں کہ تمہاری رہنمائی کروں اور تمہیں اُس شہر کا راستہ بتا دوں

جہاں سے تم ایک بادبانی جہاز میں بیٹھ کر ملک سندھ پھر موہنجوداڑو پہنچ سکتے ہو۔"

"میں اس کے لیے بھی تمہارا بے حد شکر گزار رہوں گا عنبر ینہ۔"

"میں تمہاری مدد کروں اور تمہیں صحرا میں سیدھا راستہ دکھاؤں؛ وگرنہ تم اگر ساری زندگی بھی چلتے رہو تو موہنجوداڑو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ تم اپنی غلطی کی وجہ سے صحرا میں ایک گول دائرے کی صورت میں سفر کر رہے ہو۔"

"میں بھی حیران تھا کہ میرا سفر ختم کیوں نہیں ہوتا۔"

"تمہارا سفر کبھی ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

دیوداسی عنبر ینہ، عنبر کو ساتھ لے کر مندر سے باہر آ گئی۔ شہر کی سنسان گلیوں میں سے گزرتے ہوئے عنبر نے اپنا گھوڑا بھی ساتھ لے لیا عنبر ینہ نے ایک ٹیلے کے اوپر کھڑے ہو کر اُسے بتایا:

''سمندر کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف سفر کرتے رہو۔ دو دن کے بعد تمہیں سمندر میں ایک دریا گرتا ہوا ملے گا۔ اب تم سمندر کو چھوڑ کر دریا کے ساتھ ساتھ اوپر کو سفر کرنا شروع کر دینا۔ ایک رات اور ایک دن گزرنے کے بعد تم از دمیر کے شہر میں پہنچ جاؤ گے۔ جہاں سے ملک روم اور ملک سندھ اور موہنجو داڑو کے لیے ہفتے میں ایک بار جہاز جاتا ہے۔ بس اسی بندرگاہ سے جہاز میں سوار ہو کر تم ملک سندھ پہنچ سکتے ہو''

عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر دیو داسی سے رخصت ہوا اور اُس نے سمندر کے ساتھ ساتھ اپنا سفر شروع کر دیا۔ گھوڑا اور وہ خود دونوں تازہ دم تھے۔ اِس لیے شام تک وہ بہت دور نکل گئے۔ اب صحرا کی ریت کم ہوتی جا رہی تھی اور پتھریلی چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ اور جھاڑیاں بھی مل رہی تھیں۔ راستے

میں اُسے رات ہوگئی۔ اُس نے آرام کرنے کے لیے ایک جگہ درختوں کے نیچے گھوڑے کو باندھا اور چادر بچھا کر سو گیا۔ ساری رات وہ سویا رہا۔ آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا اور گھوڑا گھاس چر رہا تھا۔۔۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ اُس نے وہاں سے منہ ہاتھ دھویا۔ گھوڑے کو پانی پلایا اور آگے چل پڑا۔

سارا دن وہ پہلے روز کی طرح سفر کرتا رہا۔ رات ہوئی تو ایک جگہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ وہ رات بھی اس نے سو کر بسر کی۔ دوسرے روز اس نے ایک دریا کو دیکھا جو سمندر میں گرتا تھا۔۔۔ دیوداسی نے اس کی درست رہنمائی کی تھی۔ وہ عنبرینہ کی ہدایت کے مطابق دریا کے اوپر کی طرف چلنے لگا۔ دریا کنارے اونچی اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ سارا دن وہ دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا۔ رات کو وہ ایک جگہ سو گیا۔ تیسرے روز وہ سو کر اٹھا تو سفر پھر سے

شروع کر دیا۔ اب اُسے درختوں کی قطاریں نظر آنا شروع ہو گئیں اور دور سے اس نے ایک چھوٹی سے بستی کے آثار دیکھے۔ سمندر میں کہیں کہیں کشتیاں چل رہی تھیں اور دو ایک بادبانی جہاز بھی کھڑے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ جس شہر کے بارے میں دیوداسی نے بتایا تھا وہ یہی شہر ہے۔

عنبر شہر میں داخل ہو گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا شہر تھا جس کے چوک میں پھلوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ لوگ رنگ رنگ کپڑے پہنے چل پھر رہے تھے۔ کمہار مٹی کے برتن بنا رہا تھا۔ سُنار زیور تیار کر رہا تھا۔ دھوبی تالاب میں کپڑے دھو رہا تھا۔ کچھ عورتیں لمبے لمبے بال کھولے ہاتھوں میں پھل رکھے عبادت گاہوں کی طرف منہ میں کچھ پڑھتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔ عنبر بندرگاہ پر آ گیا۔ یہاں ایک جہاز پر سامان لادا جا رہا

تھا۔ اُس نے ایک آدمی سے پوچھا:

''بھائی یہاں سے ملک سندھ کو جہاز کب جائے گا؟''

''یہی جہاز ملک سندھ کو جا رہا ہے اے نوجوان' مگر یہ دو روز بعد تیسری رات کو اپنا سفر شروع کرے گا۔ تمہیں کہاں جانا ہے؟''

''میں بھی ملک سندھ کا مسافر ہوں۔''

''مگر یہ جہاز تو مال لے کر جا رہا ہے۔ اس پر مسافر سفر نہیں کر سکتے۔''

''مسافروں کو لے جانے والا جہاز کب جائے گا؟''

''وہ پچاس دن کے بعد یہاں سے روانہ ہو گا۔''

''کیا کسی طرح میں اس جہاز پر سفر نہیں کر سکتا؟''

''اس کے لیے تمہیں اس جہاز کے کپتان کی اجازت لینی ہو گی۔''

’’کپتان سے میں کہاں مل سکتا ہوں؟‘‘

’’کپتان بیمار ہے۔ وہ کسی سے نہیں ملتا۔ وہ تم سے بھی نہیں مل سکتا۔‘‘

’’اگر وہ بیمار ہے تو میں اُسے تندرست کر سکتا ہوں۔ میں بیماریوں کا علاج بھی کر لیتا ہوں۔‘‘

’’تم کپتان کی بیماری کا علاج کیا کرو گے۔ اُسے تو شہر کے سارے حکیم جواب دے گئے ہیں۔‘‘

’’اُسے کیا بیماری ہے؟‘‘

’’اُسے کل سے ہچکی لگی ہے اور بند ہونے کا نام نہیں لیتی۔‘‘

’’تم مجھے اُس کے پاس لے چلو۔ میرے پاس اس بیماری کا علاج ہے۔‘‘

’’کیا تم مذاق تو نہیں کر رہے نوجوان؟‘‘

''میں تمہیں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔''

''تو آؤ میرے ساتھ۔''

وہ آدمی عنبر کو لے کر بندرگاہ کی عمارت کی ایک حویلی میں لے گیا جس میں ڈیوڑھی میں جہاز کے ملاح رونی صورت بنائے بیٹھے تھے۔ کیونکہ اگر کپتان ٹھیک نہ ہوا تو وہ جہاز لے کر نہیں جا سکتے تھے۔ ان کی ساری زندگی سمندر پر گزری تھی اور انہیں شہروں میں رہنا عذاب معلوم ہوتا تھا۔ عنبر جس وقت اُس کمرے میں پہنچا جہاں جہاز کا کپتان پلنگ پر پڑا تھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے ارد گرد عورتیں اور مرد جمع ہیں۔ کپتان اونچی آواز میں ہچکیاں لے رہا تھا اور اس کا بہت برا حال تھا۔ ہچکی لے لے کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا اور نرخرے میں سے بڑی ڈراؤنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ عنبر نے اندازہ لگایا کہ اگر ایک رات اور اُسے ہچکی لگی رہی تو وہ صبح تک مر جائے گا۔

اُس نے عورتوں اور مردوں کو پرے پرے ہٹا دیا اور کپتان کی نبض دیکھی۔ اُسے شدت کا بخار بھی تھا۔ عنبر نے اُس آدمی سے کہا:

''ان تمام عورتوں اور مردوں کو یہاں سے نکال دیا جائے۔''

کپتان نے بھی ہچکی لیتے ہوئے عنبر کو تعجب سے دیکھا کہ یہ نوجوان سا لڑکا بھلا اُس کے لیے کیا کر سکتا ہے جب کہ بوڑھے بوڑھے حکیموں نے اُسے جواب دے دیا ہے۔ اُس آدمی نے کپتان کے کان میں کہا:

''یہ کہتا ہے کہ میں کپتان کا علاج کر لوں گا۔''

کپتان بول نہیں سکتا تھا۔ وہ مسلسل ہچکیاں لے رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے عورتوں اور مردوں کو کمرے سے باہر نکل جانے کا حکم دے دیا۔ تمام لوگ عنبر کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے۔ عنبر نے آدمی سے کہا:

''کہیں سے مجھے ایک خنجر لا دو۔''

اُس آدمی نے اُسی وقت خنجر لا کر رکھ دیا۔ عنبر نے کہا:

''اِس کپتان کے کوئی بچہ ہے؟''

'ہاں اِس کی ایک بچی ہے جس سے وہ بہت پیار کرتا ہے۔''

''اُس بچی کو یہاں لے آؤ۔''

''وہ آدمی باہر گیا اور کپتان کی بچی کو لے آیا۔ عنبر نے بچی کو زمین پر لٹا دیا اور اُس آدمی سے کہا:

''میں جو کہوں کرتے جانا اور سوال نہ کرنا۔ اتنا یقین رکھو کہ بچی کو کچھ نہیں ہوگا۔''

عنبر نے بچی کی مشکیں کس دیں۔ کپتان بڑے غصے سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر عنبر نے بڑی تیزی سے خنجر نکالا اور کپتان کی بچی کے گلے پر اُلٹا پھیرنے لگا۔ بچی کی چیخ نکل گئی اور اُس کے ساتھ ہی

کپتان نے اچھل کر عنبر کی گردن دبوچ لی۔

''میں تمہیں قتل کر دوں گا۔''

کپتان کی زبان سے یہ جملہ ادا ہوا تو وہ خود اپنے آپ کو حیرانی سے دیکھنے لگا۔ کیونکہ ہچکی کی وجہ سے وہ دو روز سے کوئی لفظ زبان سے ادا نہیں کر سکا تھا۔ اُس کی ہچکی دور ہو چکی تھی۔ عنبر نے کپتان کی بچی کی مشکیں کھول دیں اور کہا:

''میں نے بچی کے گلے پر اُلٹی چھری پھیری تھی تا کہ اُسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ لیکن آپ کو یہی معلوم ہو کہ آپ کی پیاری بچی کو ذبح کیا جا رہا ہے۔''

کپتان نے حیرت سے پوچھا:

''مگر ایسا تم نے کیوں کیا؟''

عنبر نے کہا:

''اِس لیے کہ یہی آپ کی ہچکی کا علاج تھا۔ میں کوئی صدمہ ایک دم آپ کو پہنچانا چاہتا تھا تا کہ ہچکی ایک دم ٹوٹ جائے۔ دیکھ لیں آپ کی ہچکی ختم ہوگئی ہے اور اب کبھی شروع نہیں ہوگی۔''

کپتان، نوجوان عنبر کی عقلمندی اور حکمت پر بہت خوش ہوا۔ اُس نے کہا:

''تم ایک نہایت دانشمند اور مکمل حکیم ہو۔ تم کون ہو اور اس شہر میں کیسے آنا ہوا؟

''اے معزز کپتان، میرا نام عنبر ہے۔ میں ملک نینوا سے آرہا ہوں اور ملک سندھ جانے کا ارادہ تھا۔ معلوم ہوا کہ یہاں سے ہر تیسرے ماہ ایک جہاز سندھ کو روانہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر کپتان چاہے تو اس مال بردار جہاز میں بھی جگہ مل سکتی ہے جو تیسری رات کو یہاں سے روانہ ہو رہا ہے پس میں نے آپ سے ملنا کا ارادہ کیا تو کسی نے بتایا کہ آپ

شدید بیمار ہیں۔ میرے لیے یہ اچھا موقع تھا کہ آپ کو تندرست کر کے اپنی دلی مراد پاؤں۔"

"تو کیا تم سند جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"ہاں اے معزز کپتان۔"

"بے شک' یہ تمہارا حق بن گیا ہے۔ تم نے مجھے ایک ایسی المناک بیماری سے نجات دلائی ہے جس کے بارے میں مجھے سب لوگوں نے جواب دے دیا تھا۔ میں تمہیں ضرور اپنے ساتھ ملک سندھ لے چلوں گا۔ لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر تم میرے جہاز پر ہی رہو۔ میں تمہیں ایک اچھا عہدہ پیش کروں گا۔"

"کپتان' میرے پاس بڑے عہدے تھے جنہیں میں ایک ایک کر کے ٹھکرا کر آ رہا ہوں۔ اب میرا ملک سندھ جانا ضروری ہے۔۔ تھائیس نام کی ایک بیوہ کو ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس کے ماں

باپ موہنجوداڑو میں رہتے ہیں۔ میں اس شہر کی سیر بھی کرنا چاہتا ہوں اور تھائیس کے ماں باپ کو اُن کی بیٹی کے بارے میں بھی اطلاع کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا وہ ڈاکو جہاز پر سوار ہو کر چلے گئے تھے؟''

''ہاں۔۔۔مگر تمہیں کیسے پتہ چلا کپتان؟''

''اِس علاقے میں ڈاکوؤں کا ایک بہت بڑا گروہ قافلے لوٹتا پھرتا ہے۔ ان کا ایک ساتھی جہاز پر انہیں پناہ دیا کرتا ہے۔ وہ یقیناً تھائیس کو لے کر بندرگاہ انطاکیہ کی طرف گیا ہوگا۔ جہاں تک میرا خیال ہے تمہیں اب تھائیس کو بھول جانا چاہیے۔ وہ اب تمہیں نہیں مل سکے گی۔ اُسے نطاکیہ یا حلب شہر کی منڈی میں فروخت کر دیا جائے گا اور وہ باقی ساری زندگی کسی گمنام جگہ پر ایک معمولی کنیز بن کر گزارہ کرے گی۔''

عنبر نے کہا:

''بہر حال جو کچھ ہوا اس میں اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ عورت ایک رب پر ایمان لے آئی ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ جو بھی شخص رب واحد پر ایمان لاتا ہے زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوتا اور رب عظیم ہر تکلیف کے موقع پر اُس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ رب عظیم اس عورت کی ضرور مدد کرے گا۔''

کپتان نے مُسکرا کر کہا:

''اے نوجوان، تم ابھی بچے ہو۔ رب واحد پر ایمان لا کر تم زندگی میں زیادہ دور تک نہیں جا سکتے۔ دیوتاؤں کو ناراض کر کے کوئی بھی انسان اِس دنیا میں زیادہ خوش حالی کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔''

''جو کچھ بھی ہوا میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے جہاز پر ساتھ چلنے کی اجازت دی۔''

''شکر گزار تو میں ہوں عنبر' کہ تم نے مجھے ایک منحوس بیماری سے نجات دلائی۔ تم اس شہر میں کہاں اُترے ہوئے ہو؟''

''کسی جگہ بھی نہیں' ہاں آج کسی کاروان سرائے کو تلاش کرلوں گا۔''

''تمہیں کاروان سرائے میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ گھر تمہارا اپنا ہے۔ تم میرے گھر میں رہو اور پرسوں رات یہیں سے تم میرے ساتھ ملک سندھ کو روانہ ہو جانا۔''

''شکریہ اے معزز کپتان۔''

عنبر کپتان کے گھر رہنے لگا۔ دو روز یونہی گزر گئے۔ کپتان کے بارے میں عنبر کو معلوم ہوا کہ وہ نہایت جفاکش اور بہادر شخص تھا اور سمندروں میں بچپن سے سفر کر رہا تھا۔ اُسے سمندری طوفانوں اور مہموں کا بہت تجربہ تھا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر کی ایک

خوب صورت حویلی میں رہتا تھا جس کے دلان میں ایک بڑا خوب صورت سنگِ مرمر کا حوض تھا جس میں سرخ رنگ کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ وہ چھ مہینے سمندروں میں اپنے جہاز پر سفر کرتے گزارتا اور چھ مہینے اپنے گھر بیوی بچوں کے ساتھ بسر کرتا تھا تیسرے روز شام کو عنبر کپتان کے ساتھ جہاز پر گیا۔

جہاز بندرگاہ پر تیار کھڑا تھا سارا سامان جہاز پر لادا جا چکا تھا۔ سارے ملاح اور جہاز کے ملازم تیار کھڑے کپتان کا انتظار کر رہے تھے۔ کپتان عنبر کے ساتھ جہاز پر سوار ہوا تو جہاز کے بادبان کھول دیے گئے اور غلاموں سے کپتان کے حکم سے جہاز کی نچلی منزل پر بڑے بڑے چپو چلانا شروع کر دیے۔ جہاز بندرگاہ سے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ کر کھلے سمندر کی طرف چلنے لگا۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور بندرگاہ پر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ ان مشعلوں کی روشنی کا عکس

سمندر کے پانی میں پڑ رہا تھا۔ جہاز پر بھی اس قسم کی مشعلیں روشن تھیں۔ شہر میں بھی مکانوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ ہوا موافق چل رہی تھی۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور اس نے دھکا دے کر جہاز کو بہت جلد بندرگاہ سے دور کر دیا۔ جوں جوں جہاز سمندر میں جا رہا تھا بندرگاہ کی عمارتوں اور شہر کے مکانوں کی روشنیاں دور ہو رہی تھیں۔

کپتان جہاز پر کھڑا جہازیوں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ عنبر عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگا شہر اور بندرگاہ کی روشنیوں کو دور ہٹتے دیکھ رہا تھا۔ آخر یہ روشنیاں سمندر کی لہروں میں گم ہو گئیں اور جہاز کھلے سمندر میں پہنچ گیا۔

جہاز گھپ اندھیرے سمندر میں ملک سندھ کی طرف سفر کرنے لگا۔ جہاز کی روشنیوں کا عکس سمندر کی موجوں میں جھلملا رہا تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور جہاز کے پیندے سے ٹکرانے

والی موجوں کا ہلکا ہلکا شور بلند ہو رہا تھا۔ عنبر نے رات کا کھانا کپتان کے ساتھ کھایا۔ کھانا بڑا پُر تکلف تھا جس میں بھُنی ہوئی بطخ اور مور کا گوشت بھی شامل تھا۔ ساری رات جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ صبح سورج نکلا تو عنبر نے دیکھا کہ چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا اور جہاز کھلے بادبانوں کے ساتھ مشرق کی سمت چلا جا رہا تھا۔ کپتان نے نقشہ دیکھ کر اُسے بتایا کہ وہ ٹھیک راستے پر چلے جا رہے ہیں اور اگر راستے میں کوئی طوفان نہ آئے تو وہ چار روز کے بعد سندھ کے ساحل پر جا لگیں گے۔ عنبر نے کہا:

''میرا خیال ہے کہ سمندر پر سکون ہی رہے گا۔''

''یہ موسم طوفانوں کا نہیں' لیکن اس سمندر کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اِدھر پُرسکون موسموں میں بھی طوفان آ جایا کرتے ہیں۔''

دو روز تک جہاز بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ سمندر میں سفر

کرتا رہا۔ تیسرے روز دوپہر کے وقت آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھانا شروع ہوگئے اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ کپتان نے کسی طوفان کے خیال کے پیش نظر ملاحوں کو ضروری ہدایات دے دیں اور خود عنبر کے ساتھ عرشے پر کھڑا آسمان پر چھائے بادلوں کو دیکھنے لگا۔ بادل گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے اور ہوا تیز ہونا شروع ہوگئی تھی۔ ایکدم بادلوں میں چمک سی نمودار ہوئی اور بادل زور سے گرج اُٹھا۔

موہنجوداڑو کی طرف

بادلوں کی گرج کے ساتھ ہی مسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔

شہروں کی بارش اور سمندر کی بارش میں بڑا فرق ہوتا ہے۔شہر میں بارش ہوتو انسان اپنے مکان کی بالکونی یا کھڑکی میں بیٹھا اُس کے نظارے سے لطف اٹھاتا ہے۔مگر سمندر میں سفر کرتے ہوئے بارش آجائے تو اُس کے ساتھ طوفان بھی ضرور آتا ہےاور ایک بار تو آدمی گھبرا جاتا ہے۔چاروں طرف سمندر کی بپھرتی لہریں ہوتی ہیں جو دور دور سے دیوار کی طرح اُٹھ اُٹھ کر آتی ہیں اور جہاز کے پیندے سے ٹکرا کراُسے اچھال کر اپنے ساتھ بہالے جانے کی کوشش کرتی ہیں۔ جہاز طوفان' بارش اور بپھری موجوں میں کھلونے کی طرح اِدھر سے اُدھر ڈولنے لگتا ہے۔آج کل تو بحری جہاز مضبوط اور لمبے چوڑے

ہوتے ہیں۔ اُن کا وزن بھی بہت زیادہ ہوتا ہے اور تھوڑا بہت طوفان تو انہیں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن آج سے چار ہزار سال پہلے کے بادبانی جہاز چھوٹے، کمزور اور کم وزن دار ہوتے تھے۔ اس کے باوجود وہ لوگ اُن جہازوں سے طوفانوں کا مقابلہ کرتے۔ لمبے لمبے سفر کرتے اور نئے نئے جزیروں کو دریافت کرتے۔ پھر بھی اگر طوفان ایک خاص حد سے بڑھ جاتا تو وہ بڑی تیزی سے ڈوب بھی جاتے تھے۔

عنبر جس بادبانی جہاز پر سوار تھا وہ بھی کوئی طاقت ور جہاز نہیں تھا۔ طوفان نے شدت اختیار کی تو وہ بری طرح ڈولنے لگا۔ عنبر عرشے پر کھڑا تھا۔ اُسے چکر آنا شروع ہوگئے۔ سمندر کی لہریں عرشے پر پانی پھینک رہی تھیں اور ملاح اُس پانی کو لکڑی کی بڑی بڑی بالٹیوں کی ذریعے واپس سمندر میں پھینک رہے تھے۔ کپتان چرخی پر کھڑا جہاز کو

پوری طرح سنبھالے ہوئے تھا اور چیخ چیخ کر ملاحوں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ طوفان کی رفتار کافی تیز تھی۔ بادبان کئی جگہوں سے پھٹ گئے تھے۔ بادبان کا ایک ڈنڈا ٹوٹ کر گر پڑا تھا اور جہازی اُسے اٹھا کر دوبارہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ سارے رات طوفان جاری رہا۔ صبح ہوئی تو طوفان کو زور ٹوٹ چکا تھا۔ بارش تھم گئی تھی اور سمندر کی بھری ہوئی موجیں معمول پر آ گئی تھیں۔ کپتان رات بھر چرخی پر کھڑا جہاز کو سیدھا رکھنے اور تباہ ہونے سے بچانے کی جدو جہد کرتا رہا تھا۔ طوفان کے تھمتے ہی وہ ایک تختے پر پڑ کر گہری نیند سو گیا۔

ملک سندھ کا ساحل وہاں سے ایک رات اور ایک دن کے فاصلے پر تھا۔ طوفان نے اُنہیں تھوڑا سا اصل راستے سے دور کر دیا تھا۔ جہاز اب پھر سیدھے راستے پر جا رہا تھا۔ اس اعتبار سے جہاز کو اگلے دن

صبح کو سندھ کے مغربی ساحل پر جا لگنا تھا۔ دن بھر جہاز کی ضروری مرمت ہوتی رہی۔ لہروں نے جو توڑ پھوڑ کی تھی اُس کی دوبارہ مرمت کر دی گئی تھی۔ پھٹے ہوئے بادبان کو سی کر درست کر دیا گیا تھا۔ مستول کو بھی میخیں ٹھونک کر جوڑ دیا گیا۔ تیسرے پہر کپتان سو کر اٹھا تو عنبر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور سمندر کو دیکھنے لگا۔

آسمان پر ابھی تک بادل چھائے ہوئے تھے۔ سمندر کی لہریں پر سکون تھیں اور حد نظر تک سمندر خاموش تھا۔ کپتان نے کہا:

''اگر سمندر اسی طرح پر سکون رہا تو ہم کل صبح ساحل پر پہنچ جائیں گے۔''

عنبر نے کہا:

''میرا خیال ہے کہ اب طوفان نہیں آئے گا۔''

کپتان نے فضا میں سونگھتے ہوئے کہا:

''سمندر کے طوفان کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ خاص طور پر برسات کے دنوں میں تو اس میں کسی وقت بھی طوفان آ سکتا ہے۔ یہ فارس کا سمندر ہے۔ اس کے طوفان بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ دیوتاؤں نے ہم پر مہربانی کی جو رات والا طوفان خیریت سے گزر گیا۔

صبح اٹھتے ہی کپتان نے بھینسے کا ایک بُت جہاز کے عرشے پر لا رکھا اور سارے ملاحوں کے ساتھ مل کر وہ اس کی پوجا کرتے اور بلند آواز میں منتر پڑھتے ہوئے طوفان سے بچ نکلنے پر اُس کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ ابھی وہ اپنے دیوتا بھینسے کا پورا شکریہ ادا نہیں کر سکے تھے کہ سمندر پر دور ایک سیاہ دھبا نمودار ہوا۔ کپتان نے بُت کی پوجا کرتے ہوئے ایک آنکھ کھول کر اس دھبے کو دیکھا اور دوبارہ آنکھ بند کر کے عبادت میں مصروف ہو گیا۔ وہ یہ سمجھا کہ کوئی تجارتی جہاز ہے۔ کافی دیر پوجا پاٹ کرنے کے بعد ملاح اپنے اپنے کام میں لگ

گئے اور کپتان عنبر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ دھبا کافی بڑا ہو گیا تھا اور اُس کے بادبان صاف دکھائی دینے لگے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ کوئی تجارتی جہاز ہے۔''

کپتان نے بڑے غور سے اس جہاز کے بادبان کو تکتے ہوئے کہا:

''تجارتی جہاز ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ تجارتی جہازوں کے آنے کا راستہ نہیں ہے۔ تجارتی جہاز عام طور پر جنوب مغرب سے نمودار ہوا کرتے ہیں۔ شاید یہ کوئی ایسا جہاز ہے جو راستہ بھول گیا ہے۔''

جہاز اب کافی قریب آ گیا تھا۔ اچانک کپتان کا رنگ زرد ہو گیا اور اُس کے منہ سے نکل گیا۔

''یہ تو بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے۔''

اس کے ساتھ ہی کپتان نے چیخ کر اعلان کیا کہ ملاح ہوشیار ہو

جائیں۔ مال کے اوپر گھاس پھوس ڈال دیا جائے۔ تلواریں نیام سے باہر کھینچ لی جائیں اور جہاز کی رفتار کو تیز کر کے اس کا رخ مغرب کی طرف موڑ دیا جائے۔ کپتان کے حکم پر فوراً عمل کیا گیا۔ جہاز کا رخ مغرب کی طرف موڑ کر اس کی رفتار بڑھا دی گئی۔ ملاحوں نے تلواریں ہاتھوں میں تھام لیں اور وہ جہاز کو غور سے دیکھنے لگے۔

ڈاکوؤں کے جہاز نے بھی شاید کپتان کا اعلان سن لیا تھا۔ انہوں نے اپنے جہاز کو مغرب کی طرف موڑ کر اس کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ ڈاکوؤں کا جہاز چھوٹا تھا جس کی وجہ سے وہ ہر طرف آسانی سے مڑ سکتا تھا اور اس کی رفتار بھی تیز تھی؛ چنانچہ وہ بہت جلد اُن کے جہاز کے سر پر آن پہنچا۔ ڈاکو سروں پر سیاہ رومال باندھے ہاتھوں میں عُریاں شمشیریں لیے عنبر کے جہاز پر چھلانگیں لگانے کو تیار کھڑے تھے۔ انہوں نے کپتان کے جہاز پر منجنیقوں کی مدد سے دو بڑے بڑے پتھر

بھی پھینکے۔ ان پتھروں نے جہاز کے فرش کو دو جگہوں سے توڑ پھوڑ دیا۔ کپتان بے حد پریشان تھا اور پاگلوں کی طرح جہاز پر اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔

ڈاکوؤں کا جہاز جوں ہی کپتان کے تجارتی جہاز کے قریب سے گزرا' ڈاکوؤں نے چیخیں مارتے ہوئے چھلانگیں لگا دیں اور عرشے پر خوفناک جنگ شروع ہو گئی۔ تجارتی جہاز کے ملاح آرام طلبی کے عادی ہو گئے تھے۔ اُنہیں تلوار بازی کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جب کہ ڈاکو تلوار چلانے اور مقابلہ کر کے دشمن کو ہلاک کرنے کے عادی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تجارتی جہاز کے ملاح ایک ایک کر کے قتل ہونا شروع ہو گئے اور ڈاکوؤں نے چند ہی لمحوں بعد تجارتی جہاز پر قبضہ کر لیا اور کپتان کو گرفتار کر کے مستول کے ساتھ باندھ دیا۔ ابھی انہوں نے سامان لوٹ کر اپنے جہاز پر ڈالنا شروع نہیں کیا تھا۔

ایک ڈاکو نے عنبر کو مال کی بڑی بڑی گٹھڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے دیکھا تو اُسے کھینچتا ہوا اُوپر عرشے پر لے آیا۔

''سردار، یہ نوجوان نیچے چھپا ہوا تھا۔''

ڈاکوؤں کے سردار نے عنبر کو سر سے لے کر پاؤں تک گھورا اور پوچھا:

''تم کون ہو نوجوان؟''

''میں ایک مسافر ہوں اور اس جہاز پر سفر کر رہا تھا۔''

''تم چھپ کیوں گئے تھے؟''

''جان بچانے کے لیے۔''

''مگر جان تو تمہاری پھر بھی نہ بچ سکی۔''

''ٹھیک ہے، اگر تم مجھے قتل کرنے کی طاقت رکھتے ہو تو بے شک قتل کر دو۔''

سردار نے غصے سے عنبر کی طرف دیکھا:

''کیا بکواس کرتے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔''

عنبر نے مُسکرا کر کہا:

''میرا خیال ہے کہ تم ایک احمق ڈاکو ہو اور تمہاری موت گھیر کر تمہیں میرے پاس لے آئی ہے۔ خیریت تمہاری اسی میں ہے کہ ہمارے جس جس ملاح کو تمہارے آدمیوں نے قتل کیا ہے اس کا تاوان ادا کر دو اور اپنا جہاز لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ؛ ورنہ تم اور تمہارے ساتھی تمہارے جہاز سمیت یہاں بھسم کر دیے جاؤ گے۔''

سارے جہاز پر ایک سناٹا چھا گیا۔ کپتان بھی رسیوں میں بندھا ہوا تھر تھر کانپنے لگا۔ عنبر کے منہ سے جو فقرے نکلے تھے وہ بجلی بن کر ڈاکوؤں اور ان کے سردار پر گرے۔ سردار کا چہرہ غصے میں لال ہوا،

پھر سیاہ اور پھر سفید پڑ گیا۔ اس نے تلوار کو فضا میں لہرایا اور چیخ مار کر عنبر کے سر پر حملہ کر دیا۔ تلوار عنبر کے سر پر لگی تو چھن کی آواز آئی جیسے کسی چٹان سے ٹکرائی ہو۔

سردار نے دوسری بار اس سے زیادہ طاقت سے وار کیا۔ ایک بار پھر چھناکے کی آواز آئی اور اس کی تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ سردار نے بجائے اس پر غور کرنے کے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ اُس نے ایک اور تلوار تھامی اور عنبر کے جسم پر وحشیوں کی طرح پے در پے حملے کرنے شروع کر دیے۔ عنبر کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اس کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ اُس کا جسم قیمہ قیمہ ہو جاتا۔ مگر عنبر جوں کا توں کھڑا تھا۔ اُس کے جسم پر ایک ہلکی سی خراش بھی نہ آئی تھی۔ اب کپتان اور ڈاکوؤں کے علاوہ سردار بھی بھونچکا سا ہو کر رہ گیا کہ آخر یہ کیسا انسان ہے کہ اس پر تلوار کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا۔ عنبر نے ڈاکو

سے تلوار چھین کر کہا:

''اے ڈاکوؤں کے ظالم سردار، اب میری باری ہے۔ تو نے مجھ پر اتنے وار کیے ہیں۔ اب ایک وار میرا بھی برداشت کر کے دِکھا۔''

اِتنا کہہ کر عنبر نے ربِّ عظیم کا نام لے کر تلوار کو فضا میں اُچھال دیا۔ تلوار فضا میں جا کر لٹک گئی اور اُس میں سے آگ کے شعلے نکل کر آسمانی بجلی کی طرح ڈاکوؤں پر گرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کتنے ہی ڈاکو آسمانی آگ میں جل کر بھسم ہو گئے۔ باقی ڈاکوؤں نے اپنے جہاز سے چھلانگ لگا دی۔ ڈاکوؤں کے سردار نے دونوں ہاتھ جوڑے اور دو زانو ہو کر عنبر کے آگے جھک گیا۔

''اے دیوتا، ہمیں معاف کر دو۔ ہم نے گناہ کیا ہے۔ ہم سے بھول ہو گئی۔ اے دیوتا، ہم پر رحم کر۔ ہم کو معاف کر دے۔''

کپتان مستول کے ساتھ بندھا یہ سارا ماجرا تعجب سے دیکھ رہا

تھا۔ عنبر نے کہا:

''تُو نے ہمارے جتنے ملاح قتل کیے ہیں اُس کا تاوان ادا کرو۔''

سردار نے گڑگڑا کر کہا:

''میں ہر قیمت دینے کو تیار ہوں' اے دیوتا۔''

عنبر نے اشارہ کیا۔ تلوار فضا میں سے نیچے گر پڑی۔ ڈاکوؤں کا سردار سجدے میں گر پڑا۔ پھر ہاتھ جوڑ کر بولا:

''حکم کرو اے مقدس دیوتا۔''

''فوراً سونے کی اشرفیوں کی دس بوریاں اس جہاز پر پہنچاؤ۔''

''جو حکم اے مقدس دیوتا۔''

ڈاکوؤں کے سردار نے اُسی وقت اپنے ساتھیوں سے کہا:

''اشرفیوں کے دس توڑے فوراً اِس تجارتی جہاز پر لا کر رکھ دیے جائیں۔''

سردار کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور ڈاکو لپک کر اپنے جہاز پر گئے اور سونے سے بھری ہوئی اشرفیوں کے توڑے لے کر کپتان کے جہاز پر لا کر عنبر کے قدموں میں رکھ دیے۔ عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

''اب اِس جہاز میں دفعہ ہو جاؤ۔ اپنے جہاز کو لے کر یہاں سے بھاگ جاؤ اور خبردار پھر کسی جہاز پر حملے کی جرأت نہ کرنا۔''

''ایسا ہی ہوگا۔''

ڈاکوؤں نے سر جھکا کر کہا اور اپنے جہاز پر سوار ہو گئے۔ اُس جہاز کے بادبان کھول دیے گئے اور وہ مشرق سے مغرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ عنبر نے کپتان کو مستول سے کھولا تو وہ بھی ہاتھ جوڑ کر دوزانو ہو گیا۔

''تم دیوتا ہو میں تمہاری پوجا کرتا ہوں۔''

عنبر نے کپتان کو اٹھایا اور کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''میں دیوتا نہیں ہوں کپتان، بلکہ تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مجھ پر دیوتاؤں نے کچھ وعدے کیے ہیں جنہیں وہ پورا کر رہے ہیں۔ اُٹھو اور سونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے ان توڑوں کو آپس میں تقسیم کر لو۔''

''کیا یہ سب ہمارے ہیں؟'' کپتان نے حیرانی سے پوچھا۔

''تو اور کس کے ہیں؟'' عنبر نے مُسکرا کر کہا۔

''کیا اِن میں سے ایک تھیلی تم اپنے لیے نہ رکھو گے؟''

''نہیں کپتان، مجھے سونے کی اشرفیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے سونا ایک بے کار شے ہیں، مٹی ہے۔ میں اسے لے کر کیا کروں گا؟ بہتر ہے کہ تم اس کو کچھ آپس میں تقسیم کر لو اور باقی اُن ملاحوں کے بال بچوں کے لیے رکھ چھوڑو جنہیں ڈاکوؤں نے قتل کر دیا ہے۔''

کپتان نے کہا:

''اے مقدس دیوتا عنبر، تم واقعی ایک عظیم انسان ہو۔ اگر آج تم یہاں نہ ہوتے تو ڈاکو ہمارے جہاز کو لوٹ کر آگ لگا دیتے اور ہم سب کو قتل کر دیتے۔''

سارے ملاح کپتان کے ساتھ عنبر کے آگے جھک گئے۔ عنبر نے انہیں بلند آواز سے کہا:

''میرے آگے مت جھکو، میں اِس قابل نہیں ہوں بلکہ اُس عظیم ہستی کے آگے جھکو، جس کے آگے میں، تمہارے پتھر کے بُت اور اِس دنیا کی ہر شے جھکتی ہے۔''

''وہ کون ہے اے مقدس دیوتا؟''

''وہ رب عظیم ہے۔''

''مگر اُس کا بُت کہاں ہے؟''

اُس کا بُت کہیں نہیں ہے اِس لیے کہ وہ بتوں سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ سارے بت اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ اس کی کوئی شکل نہیں۔ وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر شے کو دیکھتا اور ہر بات کو سُنتا ہے اور ہم لوگوں کو دلوں کے اندر چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے۔''

''اے مقدس انسان، ہم تمہارے رب عظیم پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر ہمارے پتھر کے بُت کچھ کر سکتے تو ہمیں ضرور ان ڈاکوؤں سے نجات دلاتے، مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ وہ ایسا نہ کر سکے؛ حالاں کہ ہم صدیوں سے ان کی پوجا کرتے آئے ہیں۔''

''اس لیے کہ وہ ایسا کر نہیں سکتے تھے۔ وہ محض پتھر کا ٹکڑا ہے۔ تم اگر انہیں زمین پر پھینکو تو وہ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ ان کو چھوڑ کر آج سے اُس ایک رب عظیم کی عبادت کرو جو آسمانوں زمینوں اور چاند ستاروں کا رب ہے۔''

''ہم آسمانوں، زمینوں اور چاند ستاروں کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔''

سارے ملاحوں نے کپتان کے ساتھ مل کر نعرہ بلند کیا۔ کپتان نے سونے کی اشرفیاں ملاحوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ پانچ بوریوں کو اُس نے مساوی طور پر تقسیم کر کے اُن ملاحوں کے بچوں کے لیے رکھ لیا جو ڈاکوؤں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے۔ ڈاکوؤں کا جہاز آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

اب دور سے زمین کی سیاہ لکیر دکھائی دینے لگی۔ ملاحوں نے خوشی سے عالم میں جہاز پر شور مچا دیا کہ زمین نظر آ گئی۔ یہ سیاہ لکیر آہستہ آہستہ قریب آتی چلی گئی اور پھر دور سے درختوں کی چوٹیاں دکھائی دینے لگیں۔ ملک سندھ کے ساحل پر جہاز پہنچ گیا تھا۔ ساحل کے ساتھ لگتے ہی عنبر نے کپتان سے کہا کہ اب وہ جا رہا ہے اور پھر کبھی

اُس سے ضرور ملے گا۔

''میں خوش قسمت ہوں گا عنبر' اگر تم سے پھر ملاقات ہوگئی۔''

''میں موہنجوداڑو جا رہا ہوں۔ جب وہاں سے واپس ہوا تو ضرور ملاقات کروں گا۔ ہو سکتا ہے' مجھے تمہارے ہی جہاز پر واپسی کا سفر کرنا پڑے۔''

''میں ہر پھیرے پر تمہارا انتظار کیا کروں گا۔''

عنبر کپتان سے رخصت ہو کر بندرگاہ سے باہر نکل آیا۔ یہ ملک سندھ کی کوئی بندرگاہ تھی جہاں کچے مخروطی مکان کھڑے تھے۔ محصول لینے والے جگہ جگہ مسافروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ ایک سپاہی نے عنبر کی بھی تلاشی لینے کی کوشش کی۔ عنبر نے کہا کہ اُس کے پاس سوائے دو کپڑوں کے جو اُس نے پہن رکھے ہیں اور چند اشرفیوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ مگر سپاہی نے عنبر کے ساتھ گستاخی کی اور اُسے گردن

سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا۔

"بکواس کرتے ہو۔"

عنبر نے اپنا بایاں ہاتھ سپاہی کی گردن پر رکھ دیا۔ سپاہی تڑپ کر پرے جا گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عنبر نے اپنے کپڑے سمیٹے اور بندرگاہ کی عمارت سے باہر نکل کر بازار میں آ گیا۔ یہاں دکانیں کھلی تھیں اور سائبانوں کے نیچے لوگ تربوز اور مٹی کے کھلونے اور صراحیاں فروخت کر رہے تھے۔ عنبر نے ایک دکاندار سے پوچھا کہ موہنجوداڑو وہاں سے کتنی دور ہے۔

دکاندار نے اُسے بتایا کہ موہنجوداڑو وہاں سے کافی دور ہے۔ اور ایک قافلہ آج آدھی رات کو وہاں سے چلے گا۔ عنبر نے اُس قافلے میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور اُس کاروان سرائے کی طرف چل پڑا جہاں وہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔

مِصر کا بازار

تھائیس جس بحری جہاز میں سوار تھی وہ شمالی افریقہ کے ساحل پر جا کر رک گیا۔

جس ڈاکو نے تھائیس کو صحرا میں سے اغوا کیا تھا اُس نے اُسے یرموک شہر کے ایک بردہ فروش قاچان کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ قاچان غلاموں اور کنیزوں کی تجارت کرتا تھا اور یرموک شہر کے باہر اس کی ایک بہت بڑی حویلی تھی۔ اِس حویلی میں وہ تھائیس کو لے آیا اور اس نے اپنے گھر اُسے دوسری کنیزوں کے حوالے کر دیا۔ یہ ساری کنیزیں مختلف ملکوں سے خریدی گئی تھیں۔ انہیں ڈاکو اغوا کر کے

لائے تھے اور قاچان کے ہاتھ فروخت کر گئے تھے۔ یہ تمام بدنصیب اور غمزدہ عورتیں تھیں۔ مگر چونکہ اُسے معلوم تھا کہ اب وہ وہاں سے فرار ہو کر نہیں جا سکتیں۔ اس لیے وہ صبر شکر کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ وہ یہ سمجھنے لگی تھیں کہ ان کی قسمت میں ہی یہی لکھا تھا؛ لہٰذا اُنہوں نے اپنی قسمت کے لکھے کو قبول کر لیا تھا۔

ایک نئی کنیز تھائیس کو دیکھ کر وہ خوش بھی ہوئیں اور اُنہیں صدمہ بھی ہوا۔ انہوں نے تھائیس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس ملک سے آئی ہے؟ تھائیس نے اُنہیں شروع سے لے کر آخر تک اپنی ساری کہانی بیان کر دی۔ کنیزوں نے اُسے حوصلہ دیا۔ ایک سرخ بالوں والی کنیز نے کہا:

''میں ملک یرشغال سے آئی ہوں۔ مجھے ایک ڈاکو نے اغوا کر لیا تھا۔ میری ماں اور بہن بھائیوں کو میری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا

گیا۔ پھر بھی اب میں نے صبر کرلیا ہے۔ تم بھی صبر کرو۔ دیوتاؤں کی یہی مرضی تھی اور ہم دیوتاؤں کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔''

لیکن تھائیس اب دیوتاؤں پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ دیوتاؤں پر سے اُس کا اعتقاد اُٹھ گیا تھا۔ وہ عنبر کے ربّ عظیم پر ایمان لے آئی تھی اور اُسے یقین تھا کہ اُس کا ربّ عظیم ایک نہ ایک دن ضرور اُس کی مدد کرے گا اور وہ اِس ذلیل قاچان کی قید سے آزاد ہو کر موہنجوداڑو اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ اُسے عنبر کا کبھی کبھی خیال آتا تو اس کا دل اُداس ہو جاتا۔ وہ سوچتی کہ جانے وہ کہاں ہوگا اور اُسے معلوم بھی ہوگا یا نہیں کہ تھائیس کو ڈاکوؤں نے اغوا کر کے یرموک شہر میں فروخت کر دیا ہے اور اب ظالم بردہ فروش قاچان کے حرم میں ایک کنیز کی گھٹیا زندگی بسر کر رہی ہے۔

''تھائیس، کپڑے پہن کر بناؤ سنگار کرلو۔ آج کچھ لوگ ہمیں

دیکھنے آرہے ہیں۔''

ایک کنیز نے تھائیس کے پاس آکر کہا۔تھائیس نے پوچھا:

''وہ ہمیں کس لیے دیکھنے آرہے ہیں براملہ؟''

''اگر ہم میں سے کوئی کنیز انہیں پسند آگئی تو وہ اسے خرید کر لے جائیں گے۔''

''وہ خرید کر کہاں لے جائیں گے؟''

''یہ مجھے کیا معلوم؟''

براملہ چلی گئی اور چاقان اندر آگیا۔اُس نے زور سے ہنٹر زمین پر پٹخ کر کہا:

''سب کنیزیں نئے نئے کپڑے پہن کر بناؤ سنگار کرلیں۔''

اِتنا کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔مجبوراً دوسری کنیزوں کے ساتھ تھائیس کو بھی نئے کپڑے پہنا کر اُس کا بناؤ سنگار کیا گیا۔بناؤ سنگار کے بعد وہ

بہت خوبصورت نظر آنے لگی۔ دوسری کنیزوں نے رشک سے کہا:

''دیکھو تھائیس کتنی حسین ہے۔ وہ تو شہزادی لگ رہی ہے۔ اسے ضرور آج پسند کر لیا جائے گا۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں اپنے پسند کرنے والوں کو۔''

''آہستہ بولو تھائیس، نہیں تو ظالم قاچان تمہاری کھال اُدھیڑ دیگا۔''

تھائیس خاموش ہو گئی۔ دوپہر کو کچھ بردہ فروش آئے اور اُنہوں نے تھائیس کو پسند کر کے اُسے خرید لیا۔ قاچان کو اُس کی قیمت ادا کی تھائیس کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُس زمانے میں ملک مصر میں بازار لگا کرتا تھا جہاں دنیا جہان کے غلام اور کنیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ یہ بازار اس وقت ساری دنیا میں بہت مشہور تھا۔ امیر لوگوں کے ملازم دور دور سے آتے تھے اور اپنے آقاؤں کے

لیے غلام خرید کر لے جاتے تھے۔ یرموک سے تھائیس کو ایک اونٹنی پر بٹھا دیا گیا اور دو روز کی مسافت کے بعد اسے مصر میں لایا گیا۔

مصر میں تھائیس ایک مکان میں بند کر دی گئی۔ بردہ فروش اُس روز کا انتظار کرنے لگے جس روز مصر میں غلاموں اور کنیزوں کی فروخت کا بازار لگنا تھا۔ تھائیس کی دیکھ بھال کے لیے ایک بوڑھی عورت رکھ دی گئی اور مکان کے باہر تلوار والے سپاہی کا پہرہ لگا دیا گیا۔ بوڑھی عورت تھائیس کا بہت دل بہلاتی تھی مگر تھائیس ہر وقت غم زدہ رہتی۔ ایک روز اُس عورت نے کہا:

''تھائیس، تو کب تک اُداس رہے گی۔ اب تمہاری زندگی اسی طرح گزرے گی۔ تجھے چاہیے کہ پرانی زندگی کو بھلا دے۔ اُسے یاد نہ کر۔ اب نئی زندگی کو قبول کر لے۔ اس لیے کہ یہی زندگی تمہاری اصل زندگی ہے۔ تو اگر چاہے بھی تو یہاں سے کبھی آزاد ہو کر کہیں

بھاگ نہیں سکتی۔ایک کنیز نے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔اُسے بردہ فروشوں نے قتل کردیااور لاش اسی مکان کے صحن میں دفن کردی۔''

یہ سُن کرایک بارتو تھائیس کانپ گئی۔مگر جانے کیابات تھی کہ جب سے اُسنے ربّ عظیم پر اعتقاد کیا تھااور وہ ایک ربّ پر ایمان لائی تھی۔اُس کے اندر سے خوف اور موت کاڈر دور ہو گیا تھا۔وہ اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کرنے لگی۔اُسے یقین تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن یہاں سے ضرور فرار ہو جائے گی۔اُس کی قسمت میں کنیزوں جیسی زندگی نہیں لکھی ہے۔بوڑھی کنیز نے اُسے لاکھ ڈرایا تھا' دھمکایہ تھا۔مگر تھائیس پر اُس کا ذرّہ برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔اُس نے بوڑھی عورت کو تو کچھ نہ کہا لیکن دل ہی دل میں رب عظیم سے دعا مانگی کہ وہ اس کی مدد کرے اور اُسے ان بردہ فروش ظالموں کے پنجے سے نجات دلائے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جب مصر کے بازار میں غلاموں اور کنیزوں کی منڈی لگی۔ تھائیس کو بردہ فروش دوسری چنی ہوئی خوبصورت کنیزوں کے ساتھ لے کر منڈی میں آ گئے اور اسے ایک سجے سجائے چبوترے پر قطار میں بٹھا دیا گیا۔ ایک غلام نے کھڑے ہو کر کنیزوں کو باری باری پکارنا شروع کر دیا۔ اپنی باری پر ایک کنیز آ کر چبوترے پر کھڑی ہو جاتی۔ غلام اُونچی آواز میں اُس کنیز کے خاندان' اُس کی شرافت' وفاداری' خدمت گزاری اور اچھی عادتوں کی تعریف شروع کر دیتا۔ چبوترے کے سامنے کھڑے لوگ غلام کے لفظوں کو غور سے سنتے اور پھر کنیز کو دیکھتے اور کوئی نہ کوئی بولی دے کر اُسے خرید لیتا۔

اسی طرح تھائیس کی باری بھی آ گئی۔

غلام نے تھائیس کی تعریف کرنا شروع کر دی کہ وہ بڑے اونچے خاندان کی عورت ہے۔ وہ ایک شریف اور نیک عورت ہے۔ وہ بہت

محنتی عورت ہے۔ وہ کنیز بن کے گھر کا سارا کام کاج سنبھال سکتی ہے۔ اِس کو کوئی بچہ نہیں ہے جو اسے پریشان کرے اور جس کی خاطر وہ کام چور بن جائے مجمع میں کھڑے لوگ بڑے غور سے یہ سب سن رہے تھے اور تھائیس کو بھی غور سے دیکھ رہے تھے۔ تھائیس ریشمی لباس میں بڑی بارعب لگ رہی تھی اور اُس کے چہرے پر ایک وقار اور عظمت دکھائی دے رہی تھی۔

مجمع میں سے ایک سیاہ فام آدمی آگے بڑھا جس کی ایک آنکھ کانی تھی، لیکن جس کے کانوں اور گلے میں بڑے قیمتی ہیرے جگمگا رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی ملک کا بہت امیر کبیر آدمی ہے۔ اُس نے بڑھ کر تھائیس کی بولی دس ہزار دی۔ ایک اور شہزادے نے بیس ہزار کر دی۔ سیاہ فام نے چالیس ہزار کی آواز لگائی۔ بردہ فروش خوش ہو رہا تھا کہ اس کے مال کی زیادہ سے زیادہ قیمت پڑ رہی ہے،

ہوتے ہوتے بولی ایک لاکھ بیس ہزار ریال پر جا رک گئی۔ سیاہ فام کانے نے گردن فخر سے بلند کر کے چاروں طرف دیکھا جیسے کوئی ہے جو اس سے بڑھ کر بولی دے؟ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ شہزادہ بھی بھاگ گیا تھا۔

بردہ فروش نے بلند آواز میں چیخ کر کہا:

''ایک لاکھ بیس ہزار ریال ایک۔۔۔ ایک لاکھ بیس ہزار ریال دو۔۔۔ ایک لاکھ بیس ہزار ریال تین۔''

مجمع تولیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ بردہ فروش نے رقم گن کر اپنی جیب میں ڈالی اور تھائیس کو ایک سجی اونٹنی پر سوار کرایا گیا اور سیاہ فام اُسے لے کر شہر انطاکیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

انطاکیہ اُس زمانے میں ایک بڑا ترقی یافتہ اور بارونق شہر تھا اور مِصر سے چھ دن اور چھ رات کے سفر پر تھا۔ دریائے نیرو شہر کے بیچ

میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ چھ دن کے تکلیف دہ سفر نے تھائیس کو تھکا کر ادھ مُوا کر دیا۔ اطاکیہ پہنچ کر اُس ایک خوب صورت چھوٹے سے محل میں لے جایا گیا۔ اس محل میں جگہ جگہ خادم اور کنیزیں چل پھر رہی تھیں۔ جس کمرے میں تھائیس کو ٹھہرایا گیا اُس کے باہر دالان میں ایک شاندار حوض تھا جس میں فوارہ لگا تھا اور پانی میں سرخ اور نیلے رنگ کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ تھائیس بے حد تھکی تھی۔ اُس نے تھوڑا بہت کھانا زہر مار کیا اور سو گئی۔ وہ سارا دن اور ساری رات سوئی رہی۔ دوسرے روز اٹھی تو بالکل تر و تازہ تھی۔ مگر اس کا دل مرجھایا ہوا تھا۔ اس لیے کہ وہ اپنے گھر میں نہیں تھی بلکہ قید میں تھی۔ جہاں اُسے منڈی سے بھیڑ بکری کی طرح خرید کر لایا گیا تھا۔

دوپہر کے کھانے کے سیاہ فام کانا شہزادہ اُس کے ساتھ شامل تھا۔ وہ جنگلی بھالو کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ جانوروں کی

طرح کھانا کھا رہا تھا۔ شوربہ اس کی انگلیوں اور ہونٹوں کے کناروں پر سے بہہ رہا تھا۔ تھائیس کو یہ منظر دیکھ کر کانے شہزادے سے نفرت ہو گئی۔ کھانے کے بعد شہزادہ وہیں پاؤں پسار کر سو گیا۔ وہ خراٹے لینے لگا۔ اُس کے خراٹوں کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔ تھائیس نے اُس وقت ربِّ عظیم کے آگے سجدہ کر کے دعا مانگی کہ:

''اے ربّ، مجھے اس ظالم وحشی انسان سے بچا اور میرے ماں باپ کو مجھ سے مِلا دے۔ تو سب سے بلند اور سب سے افضل ہے تو ساری کائنات اور سارے انسانوں کا رب ہے۔ تیری ذات بے نیاز ہے اور تو سب کی دُعا سُنتا ہے۔ میری دُعا بھی سُن اور مجھ پر اپنا رحم فرما کر مجھے واپس میرے وطن ماں باپ کے پاس پہنچا دے۔''

دُعا مانگ کر تھائیس کو اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔ اُسے یوں لگا جیسے ربِّ عظیم نے اُس کی دُعا قبول کر لی ہے۔ شہزادہ سو رہا تھا اور زور

زور سے اسی طرح خراٹے لے رہا تھا۔ اچانک وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور تھائیس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑا۔ اُس کے زرد دانت چیتے کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ اُس نے کہا:

''اے کنیز، تو خوش قسمت ہے کہ میں نے تجھے ایک لاکھ بیس ہزار سونے کے سکّے دے کر خریدا ہے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی کسی کنیز کے لیے اتنی رقم خرچ نہیں کی۔ لیکن میری خواش تھی کہ میں تمہیں خرید کر اپنے گھر لاؤں اور اپنی بیوی بناؤں۔''

تھائیس سر سے لے کر پاؤں تک کانپ گئی۔ اُس نے دل ہی دل میں ربِ عظیم سے دعا کی کہ اے ربِ عظیم میری عزت اور ناموس کی حفاظت کرنا۔ میں اپنے مرے ہوئے بدنصیب خاوند کی امانت ہوں۔ میں مرتے دم تک اپنے مرحوم خاوند کی امانت بن کر زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔ سیاہ فام کانے شہزادہ اُسی وقت محل میں سب کو بُلا

کر اعلان کیا کہ وہ چاند کی پہلی تاریخ کو اپنی سب سے مہنگی اور سب سے چہیتی کنیز تھائیس سے شادی کرے گا۔

محل کی تمام کنیزوں اور غلاموں نے خوشی سے نعرے لگائے اور سیاہ فام کانے شہزادے کے لیے دعائیں مانگیں اور مبارکباد پیش کی۔ تھائیس کی تو یہ اعلان سُن کے جان نکل گئی۔ اُس نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ چاہے اُس کی جان نکل جائے وہ سیاہ فام کانے شہزادے کی قید سے ضرور نکل بھاگے گی۔ اِس مقصد کے لیے اُس نے ادھیڑ عمر کی کنیز برامکہ کو چُن لیا۔ اُسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ برآمکہ شہزادے کی بیوی رہ چکی ہے۔ شروع شروع میں جب برآمکہ خوب صورت تھی تو شہزادے نے اس کی بڑی ٹہل سیوا کی تھی۔ مگر اُس کے بوڑھی ہو جانے کے بعد اُسے پھر سے کنیز بنا لیا تھا۔

تھائیس نے نہایت ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے برامکہ کی

ہمدردیاں حاصل کرلیں۔ اُس نے ایک روز برامکہ کو پاس بُلا کر رونا شروع کردیا۔ جب برامکہ نے کہا:

''تمہیں تو رونے کی بجائے خوش ہونا چاہیئے کہ تجھے اس شہر کے سب سے دولت مند شہزادے نے اپنے لیے پسند کرلیا۔ اور وہ تم سے بیاہ کر رہا ہے۔''

تھائیس نے کہا:

''اے برامکہ تو عورت ہے ایک عورت ہی دوسری عورت کے دل کو ٹٹول کر اُس کا دُکھ درد سمجھ سکتی ہے۔ میں ایک شریف ماں باپ کی بیٹی اور ایک محنتی ایماندار شخص کی بیوی ہوں۔ تم ہی بتاؤ اگر تمہارا خاوند زندہ ہوتا تو کیا تم کسی دوسرے مرد سے شادی کرسکتی تھی؟''

''ہرگز نہیں۔''

''تو پھر تم خود ہی اندازہ لگالو کہ مجھے کس قدر صدمہ نہیں ہو رہا

ہو گا۔ میں اپنے خاوند کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مرد سے کیونکر شادی کر سکتی ہوں۔"

برامکہ نے نفرت سے کہا:

"خدا اس کانے جن کو غارت کرے اس کا تو کام ہی یہی ہے کہ نئی شادی کر کے پہلی بیوی کو ٹھکرا دے۔ اگر میرا بس چلتا تو میں اس سیاہ فام سے ایسا انتقام لیتی کہ یہ ساری زندگی یاد رکھتا اس نے میری زندگی بھی برباد کر کے رکھ دی ہے۔"

تھائیس نے فوراً گرم گرم لوہے پر چوٹ لگاتے ہوئے کہا:

"اگر تم اس ظالم جن سے اپنی بربادی کا انتقام لینا چاہتی ہو تو میری مدد کر کے اُس سے بدلہ لے سکتی ہو۔ تم مجھے یہاں سے رہا کرا دو۔ کانا شہزادہ خود بخود تمہارے انتقام کی زد میں آ جائے گا۔"

برامکہ نے خوش ہو کر کہا:

''یہ بات تو کبھی میرے وہم وگمان میں بھی نہ آئی تھی۔''

''تو کیا تم میری مدد کر کے اُس سے بدلہ لے سکتی ہو؟''

''ہاں، میں تمہیں یہاں سے فرار کرانے میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ تم یہاں سے نکل کر جاؤ گی کہاں؟ تمہارا وطن موہنجوداڑو یہاں سے ایک مہینے کے سفر پر ہے اور راستے میں بیس روز کا سمندر کا سفر بھی پڑتا ہے۔ تم اکیلی کہاں اور کیسے وہاں تک پہنچو گی؟''

''برامکہ، تم ایک بار مجھے یہاں سے نکلوا دو۔ پھر میرا ربِّ عظیم میری اپنے آپ مدد کرے گا۔''

''میں پوری کوشش کروں گی، بلکہ یہ کوشش بھی کروں گی کہ تمہیں کسی کے حوالے کر دوں جو تمہیں حفاظت سے تمہارے وطن پہنچا دے۔''

''اگر تم نے مجھے اس قید سے رہائی دلوادی تو میں تمہارا احسان ساری زندگی نہ فراموش کرسکوں گے براملہ۔''

''اِس کی فکر نہ کرو تھائیس'، کانے سیاہ فام شہزادے سے میرا انتقام ہی میری سب سے بڑی خوشی ہوگی۔''

براملہ اب اِس ٹوہ میں رہنے لگی کہ تھائیس کو کس طرح وہاں سے فرار کروا کر سیاہ فام ظالم جن کو اس کی حماقتوں اور ظلم کا مزا چکھائے۔ اُس نے شہر بھر میں اپنے خاص جاسوس دوڑا دیے کہ اگر کسی جگہ سے کوئی قافلہ ملک سندھ کی طرف جا رہا ہو تو اُسے فوراً آ کر اطلاع کی جائے۔

چاند کی پہلی تاریخ قریب آ رہی تھی۔ تھائیس پریشان ہو رہی تھی۔ اُس نے ایک روز براملہ کر چپکے سے پوچھا کہ اُس نے کوئی بندوبست کیا ہے؟ براملہ نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ادھر سیاہ فام شہزادے

نے تھائیس سے بیاہ کی تیاریاں زور شور سے شروع کر دیں۔ چاند کی پہلی تاریخ میں صرف دو روز باقی رہ گئے تھے کہ برامکہ نے شام کو آ کر تھائیس سے کہا:

''تھائیس، میں نے معلوم کروایا ہے کہ ایک قافلہ یہاں کی ایک کاروان سرائے سے آج صبح صبح تمہارے وطن کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔''

تھائیس نے خوشی سے جھوم کر کہا:

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو برامکہ؟''

''ہاں تھائیس، میرے جاسوس کبھی غلط خبر نہیں دیتے۔ بس تم آج رات جلدی جلدی تیار ہو جاؤ۔ منہ اندھیرے میرا ایک خاص جاسوس تمہیں اس کاروان سرائے تک پہنچا دے گا۔ قافلے کے امیر سے بات چیت طے ہو گئی ہے اور ہم نے اُسے تمہارا کرایہ بھی ادا کر دیا

ہے۔"

"میری اچھی بہن برامکہ' میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولونگی۔"

"یہ میں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں تھائیس' ہاں تمہیں مردانہ لباس پہن کر ایک عرب تاجر کی حیثیت سے قافلے میں سفر کرنا ہوگا۔ ہم نے تمہارا نام العارف قافلے کے امیر کو بتایا ہے۔ تم عرب تاجر العارف بن کر قافلے والوں کے ساتھ سفر کرو گے۔"

"میں تیار ہوں برامکہ' بالکل تیار ہوں۔ میں اپنے وطن جانے کے لیے اور اپنے ماں باپ کو ملنے کے لیے جانور بن کر سفر کر سکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے' میں آدھی رات کو تمہارے کپڑے اور دوسرا ضروری سامان لے کر آؤں گی۔ تم تیار رہنا۔"

''میں تیار رہوں گی۔''

پُراَسرار مُسافر

برامکہ چلی گئی تو تھائیس گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

وہ آج رات وہاں سے فرار ہو رہی ہے۔اُس کا دل خوشی سے نہال ہو رہا تھا اور وہ پریشان بھی بہت تھی۔خوش اس لیے تھی کہ ایک ظالم کے پنجے سے نجات حاصل کر رہی تھی اور پریشان یہ سوچ کر تھی کہ اگر وہ پکڑی گئی تو ظالم سیاہ فام اسے زندہ نہیں چھوڑے گا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ برامکہ کی بھی گردن اُڑا دے گا۔کیوں کہ اُس کے ظالم قصے وہ محل میں کنیزوں کی زبانی بہت سُن چکی تھی۔وہ اپنے بستر پر لیٹی یہی سوچ رہی تھی۔اسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔رات آدھی گزر چکی تو اُس کے دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی۔

تھائیس سمجھ گئی کہ برامکہ آ گئی ہے۔ اُس نے اُٹھ کر چپکے سے دروازہ کھول دیا۔ برامکہ ہاتھ میں مردانہ عربی لباس لیے اندر آ گئی۔

''جلدی سے یہ لباس تبدیل کرلو۔ باہر میرا خاص آدمی گھوڑے لیے تیار کھڑا ہے۔''

تھائیس نے کچھ بات کرنی چاہی تو برامکہ نے کہا:

''دیوتاؤں کی قسم اِس وقت باتیں نہ کرو۔ جلدی سے لباس بدل لو۔ وقت بہت کم ہے۔ اگر محل میں کوئی جاگ پڑا تو مصیبت آ جائے گی۔''

تھائیس نے کوئی بات نہ کی اور فوراً عربی لباس بدل لیا۔ اب وہ بالکل ایک عرب تاجر معلوم ہو رہی تھی۔ وہ عورت سے مرد بن گئی تھی۔

''میرے ساتھ آؤ۔''

تھائیس برامکہ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ برامکہ اُسے لے کر محل

کے مختلف دالانوں اور برآمدوں سے گزر کر ایک خفیہ چور دروازے کا دروازہ کھول کر وہ تھائیس کو لے کر باہر آ گئی۔ باغ کے ایک گوشے میں کھجور کے درختوں کے جھنڈ تلے ایک حبشی غلام دو گھوڑوں کی باگیں تھامے اُن کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اُس کے قریب جا کر برامکہ نے تھائیس کو ایک گٹھڑی دی اور کہا:

''اس گٹھڑی میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ ایک جوڑا مردانہ کپڑوں کا ہے اور کچھ سونے کی اشرفیاں ہیں جو راستے میں تمہارے کام آئیں گی۔''

تھائیس نے برامکہ کا ہاتھ تھام کر کہا:

''برامکہ' تم ایک بہادر عورت ہو۔ تم نے میرے ساتھ جو ہمدردی کی ہے۔ میں شاید زندگی بھر تمہیں اس کا بدلہ نہ دے سکوں۔''

''مجھے تمہارے بدلے کی ضرورت نہیں تھائیس' میری یہی خواہش

ہے کہ ہم نے ظالم سیاہ فام کانے کو شکست دی ہے اور تم ایک روز اپنے
ماں باپ کے گھر پہنچ جاؤ گی۔ یہ ظالم مرد جو ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح
خریدتے ہیں اور بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر ڈالتے ہیں۔ ان
کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے تھا۔ اچھا اب جاؤ۔ دیوتا تمہاری
حفاظت کریں۔''

''تھائیس گھوڑے پر سوار ہوگئی۔ برامکہ نے حبشی غلام سے کہا:

''تھائیس کو امیر کارواں کے حوالے کر کے واپس آنا اور خبردار کسی
کو یہ راز معلوم نہ ہو کہ تھائیس عورت ہے۔''

''جو حکم برامکہ شہزادی۔''

وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور رات کے اندھیرے میں باغ
سے نکل کر اُس کاروان سرائے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ایک
قافلہ ملک سندھ کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ وہ بہت

جلد کاروان سرائے پہنچ گئے۔ حبشی غلام سیدھا امیر کاروان کے پاس پہنچا اور اُس سے کہنے لگا:

''اے امیر، ہمارا مسافر حاضر ہے۔''

امیر نے کہا:

''ٹھیک ہے، اِسے قافلے میں شامل کر دو۔''

امیر کاروان نے سر سے پاؤں تک تھائیس کو دیکھا۔ اُسے ایک پل کے لیے بھی اُس پر شک نہ ہوا کہ وہ مرد نہیں بلکہ عورت ہے۔

تھائیس نے بھی مردوں کی طرح جھک کر امیر کو سلام کیا اور کہا:

''مجھے امید ہے آپ کے ساتھ ہمارا سفر بہت خوشی سے گزرے گا۔''

ہمارا سفر ہمیشہ خوشی سے گزرتا ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

''العارف، مصر کا مشہور تاجر۔''

''بہت خوب' مگر تمہارا مال کہاں ہے؟''

تھائیس گھبرا گئی۔ مگر حبشی غلام نے فوراً کہا:

''میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ ان کا مال پچھلے قافلے میں آئے گا۔ ملک سندھ میں ان کے بڑے بھائی کی طبیعت خراب ہے۔ اس لیے انہیں وقت سے پہلے سفر کرنا پڑ رہا ہے۔''

''ہاں ہاں یاد آیا۔ ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔''

تھائیس کی جان میں جان آئی؛ وگرنہ اُسے بالکل علم نہیں تھا کہ وہ امیر کارواں کے سوال کا کیا جواب دے۔ حبشی غلام تھائیس کو کاروان سرائے میں دوسرے مسافروں کے درمیان چھوڑ کر جانے لگا تو بولا:

''اب میں جاتا ہوں۔ امید ہے آپ کا سفر بخیریت خوشی سے گزرے گا۔''

''تمہارا شکریہ اے وفادار انسان' برامکہ کا میرا سلام کہنا۔''

''بہت بہتر، دیوتا آپ کی حفاظت کریں۔''

حبشی غلام سلام کر کے چلا گیا۔ کاروان سرائے میں تھائیس دوسرے مسافروں میں اکیلی رہ گئی۔ لیکن اُس نے سوچا اگر وہ چُپ چاپ شرمیلی سی بن کر ایک طرف بیٹھ گئی تو ضرور لوگوں کو اُس پر شک ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ وہ ایک عام مرد تاجر کی طرح دوسروں کے ساتھ گھل مِل کر باتیں کرے؛ چنانچہ اُس نے دوسرے مسافروں کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ یہ قافلہ کافی بڑا تھا۔ سینکڑوں اونٹ تھے جن پر سامان لادا جا چکا تھا۔ گھوڑے بھی تھے جو پہرہ داروں کے لیے تھے۔ مسافروں میں سے زیادہ تعداد اُن کی تھی جو سندھ کے ملک جا رہے تھے۔ تھائیس نے بہت جلد اُن کو اپنا دوست بنا لیا۔ ایک مسافر نے تھائیس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا:

''یار تم تو جوان لگتے ہو۔''

''تھائیس کا سارا بدن ایک ہاتھ مارنے سے ہل گیا۔ مگر وہ جھوٹ موٹ کا مرد بنی ہنستی رہی اور بولی:

''میں جوان ہی تو ہوں۔''

''مگر یار تمہاری ابھی مونچھ ڈاڑھی نہیں نکلی۔''

''میں اسے مونڈھ ڈالتا ہوں۔''

سارے مسافر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

'ارے یہ مرد کم اور لڑکی زیادہ ہے۔''

تھائیس کانپ گئی۔ کہیں ان لوگوں کو معلوم تو نہیں ہو گیا کہ وہ عورت ہے۔ مگر نہیں وہ مذاق کر رہے تھے۔ اُن میں سے اصل بات کی کسی کو بھی خبر نہ تھی۔ رات کے پچھلے پہر قافلہ تیار ہو چکا تھا اور سرائے کے باہر اونٹ گھوڑے اور گدھے قطار باندھے کھڑے تھے۔ امیر کارواں نے آ کر ایک بار سب کا معائنہ کیا۔۔۔ سارے مسافر

اونٹوں اور گدھوں وغیرہ پر تیار ہو چکے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو اونٹوں کے کجادوں پر بٹھایا گیا۔ تھائیس کو ایک گدھے پر جگہ ملی تھی۔

امیر کارواں نے نوبت بجا کر قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ نوبت کے بجتے ہی قافلہ چل پڑا۔ ایک ایسے سفر پر جو طویل بھی تھا اور پُر خطر بھی۔ جس کے راستے میں صحرا بھی تھے اور سمندر بھی۔ جنگل بھی تھے اور چٹیل میدان بھی۔ تھائیس کے لیے یہ زندگی کا پہلا سفر تھا کہ وہ عورت کی بجائے مرد بن کر سفر کر رہی تھی۔ قافلے میں وہ تھائیس نہیں تھی بلکہ العارف نام کا ایک تاجر تھا جو مصر کے شہر کے ملک سندھ کو جا رہا تھا۔ قافلہ صبح منہ اندھیرے کو چلتا ہوا سارا دن سفر کرتا رہا اور رات کو اُس نے اپنی پہلی منزل پر پڑاؤ کیا۔ یہ منزل مصر سے دور ایک نخلستان تھا جہاں سایہ دار درختوں کے جھنڈ تھے اور ایک میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ قافلہ یہاں رُک گیا۔ اونٹ بیٹھ گئے اور اُن پر سے

سامان اُتار دیا گیا۔ لوگوں نے منہ ہاتھ دھویا۔ تازہ دم ہو کر رات کا کھانا کھایا اور چھوٹے چھوٹے خیمے لگا کر شعلوں کی روشنی میں قہوہ پینے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ تھائیس جن لوگوں کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ اُن میں ایک شامی نوجوان نے زبردستی اُس سے دوستی کر لی تھی۔ اس کو ہرگز یہ معلوم نہیں تھا کہ العارف عرب تاجر ایک عورت ہے۔ وہ اُسے ایک مصری تاجر ہی سمجھتا تھا۔

شامی نے تھائیس کے ساتھ مل کر ایک بکرے کو ذبح کر کے بھونا اور اُسے مل کر کھایا۔ پھر وہ تلخ قہوہ بنا کر پیتے اور باتیں کرنے لگے۔ شامی نے کہا:

''بھائی عارف، ملک سندھ میں پہنچ کر تم کس شہر میں قیام کرو گے؟''

تھائیس اُسے اپنا ٹھکانہ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اُس نے یوں ہی

جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ وہ ہاڑی پا نام کے شہر میں قیام کرے گی جہاں اس کا ایک چچا ریشمی کپڑے اور گرم مصالحوں کا کاروبار کرتا ہے۔ وہاں اپنا مال فروخت کرنے کے بعد وہ ملک چین کی طرف نکل جائے گی۔ شامی تاجر نے بڑے اشتیاق سے کہا:

''ملک چین ایک بڑا حسین ملک ہے۔ وہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں سُنا ہے وہاں ریشمی کپڑے اور کستوری کا بڑا کاروبار ہے۔ کیا چین میں تمہارا کسی تاجر سے مِلنا جُلنا ہے؟''

تھائیس کو خواب میں بھی علم نہ تھا کہ ملک چین کہاں ہے اور کیسا ملک ہے۔ وہ زندگی میں کبھی وہاں نہیں گئی تھی۔ پھر بھی اُس نے اپنی بات رکھنے کے لیے کہا:

''ہاں میں کئی بار چین گیا ہوں۔ وہاں پیکن شہر میں یوسف نام کا ایک تاجر میرا دوست ہے۔ اگر تم چین جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو تم

میرے ساتھ وہاں جا سکتے ہو۔''

''اگر تم مجھے اپنے ساتھ چین لے چلو تو میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں گا۔ مجھے ملک چین دیکھنے اور وہاں جا کر کاروبار کرنے کا بے حد شوق ہے۔''

''ملک سندھ پہنچ کر تم مجھے ضرور ملنا۔ ہم وہاں سے اکٹھے چین جائیں گے اور کاروبار بھی کریں گے اور اُس خوب صورت ملک کی سیر بھی کریں گے۔''

''ضرور ضرور، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ہم ہاڑی پا شہر سے کون کونسا مال لے کر چین جائیں گے؟ مال ایسا ہونا چاہیے کہ جس کی وہاں کھپت ہو۔''

تھائیس کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ چین میں کون سے مال کی کھپت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں بات کو جاری رکھنا بہت ضروری تھا۔ اُس نے

یوں ہی کہہ دیا۔

''ہم ہاڑی پا شہر سے تانبے کے برتنوں کا سامان اور کپڑا لے جا سکتے ہیں۔''

یہ اُس نے یوں کہہ دیا تھا کہ اُس نے دیکھا تھا کہ اُس کے شہر میں تانبے کا سامان اور کپڑا عام فروخت ہوتا تھا۔ شامی تاجر نے کہا کہ وہ یہی مال لے کر چین جائیں گے اور اُسے بے حد نیند آ رہی تھی۔ مگر وہ شامی تاجر بڑا باتونی تھا اور باتیں ہی کرتا چلا جا رہا تھا۔ آخر تھائیس نے کہا:

''شامی بھائی مجھے تو نیند آ رہی ہے۔''

شامی نے بھی انگڑائی لے کر کہا:

''ہاں بھائی العارف، مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے اب سو جانا چاہیے۔''

اور وہ خیمے کے باہر ہی چادر اوڑھ کر ریت پر سو گیا۔ تھائیس خیمے کے اندر چلی گئی اور ایک قالین پر چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ اُسے نیند بھی آ رہی تھی مگر وہ دل میں ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں سیاہ فام شہزادے کے جاسوس تیز رفتار اُونٹوں پر سوار اُس کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں نہ پہنچ جائیں۔ اگر وہ وہاں پہنچ گئے تو اُسے دُنیا کی کوئی طاقت اُن ظالموں کے پنجے سے نہ بچا سکے گی۔ وہ ضرور اُسے گرفتار کر کے لے جائیں گے کیونکہ اُن کے مالک نے ایک لاکھ بیس ہزار ریال دے کر اُسے خریدا ہے۔ لیکن آخر اُسے نیند آ گئی۔

اُدھر جب دن چڑھا اور محل میں پتہ چلا کہ تھائیس غائب ہے تو چاروں طرف کہرام مچ گیا۔ سیاہ فام شہزادے کو اِس کی خبر ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے سارے محل کو سر پر اٹھا لیا۔ برامکہ کو بُلا کر اُس نے چیخ کر کہا:

''بتاؤ تھائیس کہاں ہے؟ میں نے اُسے تمہاری حفاظت میں دیا تھا۔''

برامکہ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

''میرے آقا! رات میں اُسے پلنگ پر سُلا کر اپنے کمرے میں گئی تھی۔ مجھے اگر معلوم ہوتا کہ وہ راتوں رات کہیں بھاگ جائے گی تو میں اُسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑتی۔''

''تم جھوٹ بکتی ہو۔ تم نے خود اسے بھگایا ہے۔''

''ایسا نہیں ہے میرے آقا! میں تھائیس کو بھگا کر اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ تھائیس خود ہی بھاگ گئی ہے۔ ہمیں اُس کی تلاش میں ابھی آدمی دوڑا دینے چاہئیں۔ وہ ابھی مصر کی سرحد کے اندر ہی ہو گی۔''

سیاہ فام شہزادے نے اپنے چھ برق رفتار گھوڑوں پر حبشی غلاموں

کوسوار کروا کر حکم دیا کہ جاؤ۔ تھائیس کو تلاش کرواور وہ جہاں کہیں بھی ہو اُسے گرفتار کر کے پیش کرو۔ چھ کے چھ حبشی غلام اپنے آقا کا حکم سُن کر اُسی وقت روانہ ہو گئے۔ سوال یہ تھا کہ کِدھر اُسے تلاش کریں؟ انہوں نے سرحد کے ساتھ ساتھ اپنے تمام جاسوسوں کو اطلاع کر دی۔ وہ خود بھی سارا دن شہر میں تھائیس کو تلاش کرتے رہے۔ انہوں نے کونا کونا چھان مارا۔ تقریباً ہر گلی، ہر محلے، ہر کاروان سرائے میں اُسے ڈھونڈا مگر وہ انہیں کہیں نہ ملی۔ شام کو وہ ناکام واپس لوٹے تو سیاہ فام شہزادہ اُن پر برس پڑا۔

''تم سارے کے سارے نمک حرام ہو۔ تم سے ایک کنیز نہیں تلاش کی گئی۔''

حبشی غلام نے کہا:

''آقا، ہم نے شہر کا کوئی کونا ایسا نہیں چھوڑا جہاں اُسے تلاش نہیں

کیا۔ وہ یقیناً شہر میں نہیں ہے آقا۔ وہ ضرور کسی قافلے کے ساتھ مصر سے نکل چکی ہے۔''

''کیا کل کوئی قافلہ یہاں سے باہر گیا تھا؟''

''معلوم ہوا ہے آقا کہ پرسوں رات ایک قافلہ یہاں سے ملک سندھ کی طرف روانہ ہوا تھا۔''

سیاہ فام نے گرج کر کہا:

''وہ ضرور اُسی قافلے میں گئی ہے۔ تھائیس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سندھ کے ایک شہر موہنجو داڑو کی رہنے والی ہے۔ فوراً قافلے کو راستے میں پکڑو اور تھائیس کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کرو۔ اگر تم خالی ہاتھ آئے تو میں تمہاری گردنیں اُتار دوں گا۔''

حبشی غلاموں نے سر جھکا کر عرض کی:

''ہم ابھی سفر پر روانہ ہوتے ہوئے ہیں ہمارے آقا اور تھائیس

کو قافلے میں سے تلاش کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔"

"جاؤ دفع ہو جاؤ۔"

حبشی غلام گھوڑوں پر سوار ہو کر اُس راستے پر روانہ ہو گئے جدھر قافلہ گیا تھا۔ سیام فام شہزادہ جوش کے عالم میں یہ بھول گیا کہ وہ جن غلاموں کو بھیج رہا ہے وہ خود بھی فرار ہو سکتے ہیں۔ حبشی غلام دن بھر سفر کرتے رہے۔ شام کو وہ ایک نخلستان میں رُک گئے۔ یہاں انہوں نے ایک دیہاتی بدو سے قافلے کے بارے میں پوچھا تو اُس نے بتایا کہ ہاں ایک قافلہ ایک روز پہلے وہاں ٹھہرا تھا۔

ایک غلام بولا:

"اگر ہم اسی طرح چلتے رہے تو قافلہ ہم سے ہمیشہ ایک منزل آگے رہے گا اور ہم اُسے کبھی نہ پا سکیں گے۔"

دوسرا بولا:

''تو کیا ہمیں دن رات گھوڑے پر بیٹھ کر سفر کرنا ہوگا؟''

''ہمیں ایسا ہی کرنا ہوگا۔''

چوتھے نے سانس بھر کر کہا:

''تھائیس خوش قسمت تھی کہ سیاہ فام ظالم آقا کے پنجرے سے آزاد ہوگئی۔''

''اس نے عورت ہو کر ایسی دلیری سے کام لیا ہے اور ہم مرد ہو کر ایسا نہیں کر سکتے۔''

یہ سوچنے کی بات ہے بھائیو' ہمارا مالک ہم غلاموں پر بڑا ظلم کرتا ہے۔ وہ ہم سے سارا سارا دن کھیتوں میں جانوروں کی طرح کام لیتا ہے۔ ہم پر کوڑے برساتا ہے اور ہمیں کھانے کو بہت تھوڑا دیتا ہے۔ کیا ہم عورتوں سے بھی گئے گزرے ہیں کہ اُس کا ظلم سہہ رہے ہیں

اور زبان سے کچھ نہیں کہتے؟''

''بھائیو! اس وقت اگر ہم چاہیں تو اپنے ظالم آقا کی غلامی کی زنجیروں کو ہمیشہ کے لیے توڑ سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے کہ ہم ابھی سے اپنے آپ کو آزاد سمجھنے لگیں اور تھائیس کا پیچھا چھوڑ دیں۔ وہ ہماری کنیز بہن تھی۔ ہم اُسے کبھی گرفتار کر کے دوبارا غلام لونڈی نہیں بنائیں گے۔''

''بڑا اچھا خیال ہے یہ۔۔۔ ہم آزاد ہیں۔ ابھی سے آزاد ہیں۔''

حبشی غلام اُٹھ کر ریت پر خوشی سے رقص کرنے اور آزادی کا ایک پُرانا گیت گانے لگے۔ انہوں نے سیاہ فام شہزادے کا فرمان پھاڑ کر پھینک دیا۔ وہ سوچنے لگے کہ اُنہیں کس طرف کا رخ کرنا چاہیے سب

سے بڑے غلام نے کہا کہ انہیں یہاں سے نکل کر ملک یمن کا رخ کرنا چاہیے جو ایک آزاد ملک ہے اور جہاں غلاموں کی تجارت قانونی طور پر جُرم قرار دی گئی ہے اور یوں وہ حبشی غلام جو کنیز تھائیس کو گرفتار کرنے گھر سے نکلے تھے خود آزاد ہو کر فرار ہو گئے۔

پجاری کا قتل

ایک بھیانک سفر کے بعد عنبر ملک سندھ میں پہنچ گیا تھا۔
آخر اُسے وہ قافلہ مل گیا جو سندھ کے ریگستانوں سے ہوتا ہوا
موہنجو داڑو جا رہا تھا۔ چھ روز اور چھ راتوں کے سفر کے بعد وہ
موہنجو داڑو کے عظیم الشان شہر پہنچ گیا۔ وہ موہنجو داڑو شہر کی صفائی،
گلیوں، بازاروں اور مکانوں کی طرز تعمیر اور لوگوں کی خوش حالی کو دیکھ
کر حیران رہ گیا۔ دو ہزار برس کے دوران میں وہ زندگی میں پہلی بار
ایک ایسا شہر دیکھ رہا تھا۔ جس کے لوگ خوش حال تھے۔ جہاں
مکانوں کی تعمیر کے لیے پکی ہوئی اینٹیں استعمال ہوتی تھیں۔ جس کی
گلیوں میں اینٹوں کے فرش لگے تھے اور جہاں گندے پانی کے نکاس

کا نہایت اعلیٰ بندوبست تھا۔

مصر کے فرعونوں کے زمانے میں بھی وہاں کے شہروں میں ہر طرف گندگی پھیلی رہتی تھی اور جگہ جگہ گندے پانی کے جوہڑ بنے ہوئے تھے۔ لوگ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے لیکن موہنجوداڑو شہر میں اُسے کہیں بھی گندے پانی کا ایک جوہڑ بھی نظر نہ آیا۔ دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ عورتیں بچے اور جوان چیزیں خرید رہے تھے۔ اُن کے کپڑے صاف سُتھرے تھے۔ اُن کے چہروں پر رونق تھی۔ کھیتوں میں کپاس کی فصل حیرت انگیز حد تک لہلہا رہی تھی۔ ایسی کپاس اُس نے مصر میں بھی نہ دیکھی تھی۔

عنبر ایک کاروان سرائے میں آ گیا۔ یہ کاروان سرائے بڑی صاف ستھری تھی۔ اُس کے مالک نے عنبر کو خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور اُسے اُس کا کمرہ دکھایا۔ عنبر نے کھانے کے وقت مالک سے

پوچھا:

''کیا آپ لوگ دیوتا آمون کی پوجا کرتے ہیں؟''

''ہاں، مگر کیا تمہیں معلوم نہیں ہے؟ تم کہاں سے آ رہے ہو؟''

''میں اِس شہر میں اجنبی ہوں۔ میں مصر سے آ رہا ہوں۔''

''دیوتا تمہیں خوش رکھیں۔ موہنجو داڑو میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''یہاں حکومت کس بادشاہ کی ہے؟''

''اے نوجوان تاجر! یہاں شہزادہ ارژنگ کی حکومت ہے۔ وہ ہمارے مرے ہوئے بادشاہ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ارژنگ بڑا نیک اور پرہیزگار شہزادہ ہے۔ اُسے اپنی رعایا سے محبت ہے۔''

''کیا اُس کی والدہ ملکہ زندہ ہے؟''

''نہیں ملکہ بھی مر چکی ہے۔ شہزادے کی پرورش اُس کی خالہ نے

کی تھی۔ اب بھی وُہی اُس کے ساتھ حکومت کے کاموں میں مدد دیتی ہے۔''

''مندر کے بڑے پجاری کا رُتبہ کیا ہے؟''

''وہ شہزادے کا روحانی باپ ہے۔ اُسی کے مشورے سے شہزادہ حکومت کا کام چلاتا ہے۔''

عنبر سمجھ گیا کہ یہاں عملی طور پر پجاری کی حکومت ہے اور چونکہ پجاری بڑے پارسا اور نیک ہیں۔ اس لیے موہنجوداڑو ایک خوش حال اور پاکیزہ شہر ہے اور یہاں کے لوگ ایک دوسرے کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ بازار میں سے ایک جلوس گزرا۔ عنبر اُسے دیکھنے لگا۔ یہ جلوس ایک جنازہ تھا۔ معلوم ہوا کہ شہر کا ایک امیر اور بوڑھا تاجر مر گیا ہے۔ لوگ اُسے جلانے لے جا رہے ہیں۔

تاجر کے جنازے کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جسے تاجر کے رشتے دار زبردستی کھینچے لیے جا رہے تھے۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ اُس نے مالک سے پوچھا:

''یہ لوگ اس لڑکی کو کیوں گھسیٹے لیے جا رہے ہیں؟''

کاروان سرائے کے مالک نے گہرا سانس بھر کر کہا:

''اے نوجوان، یہاں ایک قبیلہ آریاؤں کا آباد ہے۔ اس قبیلے کے لوگ اپنی عورتوں کو خاوندوں کے ساتھ ہی آگ میں جلا دیتے ہیں۔ یہ جو بوڑھا تاجر مرا ہے اُس نے ملک اٹا کیہ کی ایک نوجوان لڑکی سے شادی کی تھی۔ شادی کے چھٹے روز یہ مر گیا۔ اب اُس کے رشتے دار لڑکی کو زبردستی خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلانے لیے جا رہے ہیں۔''

''لیکن وہ تو جلنا نہیں چاہتی۔ پھر اُس کے ساتھ زبردستی کیوں کر

رہے ہیں؟''

''یہ اُن کے مذہب میں لکھا ہے کہ بیوی چاہے پسند کرے یا نہ کرے اُسے ہر حالت میں اپنے مَرے ہوئے خاوند کے ساتھ جل کر مَرنا ہوگا۔''

''کیا اس ظلم کو یہاں کا شہزادہ ارژنگ ختم نہیں کر سکتا؟''

''شہزادہ ارژنگ کسی قبیلے کے مذہب میں دخل نہیں دیتا۔ یہاں پر مذہب کے لوگوں کو اپنے اپنے انداز میں رسومات ادا کرنے کی پوری اجازت ہے۔''

عنبر کو اس نوجوان لڑکی پر بڑا ترس آیا۔ بوڑھے مُردہ تاجر کے ظالم رشتے داروں نے لڑکی کو رسیوں میں جکڑ رکھا تھا اور وہ اُسے زبردستی کھینچے لیے جا رہے تھے۔ لڑکی رو رہی تھی۔ شور مچا رہی تھی۔ لوگوں سے مدد کی دہائی دے رہی تھی مگر کوئی اُس کی آواز پر کان نہیں دھر رہا تھا۔

ہر شخص اُسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اِس لیے کہ وہاں کسی کے مذہب میں کوئی دخل نہیں دیتا تھا۔

اچانک عنبر نے فیصلہ کرلیا کہ وہ ہر قیمت پر اس نوجوان لڑکی کو ان ظالموں نے بچالے گا جو اُسے ایک مُردہ احمق بوڑھے تاجر کی لاش کے ساتھ آگ میں جلانے کے لیے جارہے تھے۔ اس کا ذکر اُس نے کاروان سرائے کے مالک سے نہ کیا۔ اُس کے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ یہاں کے لوگ یہ پسند نہیں کرتے کہ کسی کے مذہبی معاملات میں دخل دیا جائے۔ پھر بھی اُسے یقین تھا کہ شہر کے ہر شخص کو یہی خواہش ہے کہ اس بے گناہ لڑکی کو زندہ آگ میں جلائے جانے سے بچایا جائے۔ اس اعتبار سے عنبر کو بہت جلد عوام کی ہمدردیاں حاصل ہوسکتی تھیں۔

اُس نے کاروان سرائے کے مالک سے کہا:

''میں ابھی آیا۔''

''ارے میاں، تم کہاں جا رہے ہو؟''

عنبر نے کہا:

''میں اس ملک میں عورت کو خاوند کے ساتھ زندہ جلائے جانے کا تماشہ دیکھنے جا رہا ہوں۔''

''اچھا اچھا، ضرور جاؤ۔ یہ تماشہ تم نے اپنی زندگی میں کہیں نہیں دیکھا ہوگا۔۔۔لیکن ایک یاد رکھنا۔ کسی معاملے میں دخل دینے کی کوشش نہ کرنا۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میں کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گا۔''

عنبر کاروان سرائے سے اُٹھ کر بوڑھے تاجر کے جنازے کے ساتھ ہولیا۔ جنازہ شہر کے بازاروں اور پُر پیچ گلیوں میں سے گزرتا ہوا شہر سے باہر ایک میدان میں پہنچ کر رک گیا جہاں لکڑیوں کی ایک

چِتا پہلے سے تیار کر دی گئی تھی اور پُجاری بیٹھے منتر پڑھ رہے تھے اور ڈھو بجا رہے تھے۔ جنازے کو دیکھ کر وہ زور زور سے ڈھول بجانے لگے۔ لڑکی کے رونے کی آواز ڈھول کی آواز میں دب کر رہ گئی۔
جنازہ چِتا کے پاس رکھ دیا گیا۔ پجاری منتر پڑھنے لگے اور لڑکی کو چِتا کے پاس ہی لکڑی کے ایک کھمبے سے باندھ دیا گیا۔

جنازے میں جتنے لوگ شامل تھے وہ ایک ایک کر کے لڑکی کے پاس جا کر اُس کے سر کا ایک بال نوچتے اور آگے چل دیتے۔ یہ بھی ایک رسم تھی جو ادا کی جا رہی تھی۔ عنبر بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا۔ جب وہ لڑکی کے پاس پہنچا تو اُس کے سر کا بال نوچنے کے لیے اُس کی طرف جھکا اور کان میں کہنے لگا:

''فکر نہ کرو میں تمھیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔''

لڑکی روتے روتے ایک دم رُک گئی اور اُس نے بڑے غور سے

عنبر کی طرف دیکھا۔عنبر کی آنکھوں میں ایک ایسی دیوتاؤں جیسی چمک پیدا ہو گئی تھی کہ لڑکی کو فوراً یقین آ گیا کہ یہ نوجوان اُسے بچالے گا، مگر کیسے؟ یہ سوچ کر لڑکی پھر رونے لگی۔اُس نے سوچا کہ شاید نوجوان نے اُسے خوش کرنے کے لئے ایسا کہا ہے۔عنبر نے لڑکی کا بال نوچا اور آگے نکل گیا۔اب وہ یہ سوچنے لگا کہ لڑکی کو کیسے بچایا جائے۔ اچانک اُس کے ذہن میں بلطیس کی بہن کا خیال آ گیا۔اُس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مصیبت کے وقت اُس کی ضرور مدد کرے گی۔

اس خیال کے ساتھ ہی عنبر ان لوگوں سے الگ ہٹ گیا اور ذرا دُور جا کر ایک ویران سے پہاڑی ٹیلے کی اوٹ میں آ گیا۔یہاں آ کر اُس نے دل ہی دل میں ایک دُعا پڑھی اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا:

''اے بلطیس کی بہن، مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے۔اگر تو میری

آواز سُن رہی ہے تو میری مدد کر آ اور اپنا وعدہ پورا کر۔ تو نے مجھے کہا تھا کہ اگر مصیبت کے وقت میں تمہیں پکاروں گا تو تو میری مدد کو ضرور آئے گی۔"

پہلی آواز پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چوتھی بار پکارنے پر پہاڑ کر ایک لرزہ طاری ہوا اور بلطیس کی بہن ایک دیوی کی شکل میں اُس کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ مُسکرا رہی تھی:

"میں جانتی ہوں تم نے مجھے کس لیے بُلایا ہے اور اگر ایک بیگناہ لڑکی کی زندگی کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید میں کبھی نہ آتی۔"

"اگر تجھے سب کچھ معلوم ہے تو پھر اُس معصوم لڑکی کو اِن ظالموں سے بچا۔ یہ لوگ اس بے گناہ کو آگ میں زندہ جلا رہے ہیں۔"

"میں ضرور اُس کی مدد کروں گی۔"

"مگر مدد کیسے کرو گی۔ اُن لوگوں کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ اُن

کے مذہب میں دخل دیا گیا ہے۔"

دیوی ہنس پڑی:

"تم بڑے بھولے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ مجھے کچھ معلوم نہیں، مجھے سب کچھ معلوم ہے جسے تم نہیں جانتے۔ تم وہاں چتا کے قریب چل کر کھڑے ہو جاؤ اور تماشہ دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔"

اتنا کہہ کر بلطیس کی بہن غائب ہو گئی۔ عنبر وہاں سے چل کر ایک بار پھر چتا کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ لاش اور لڑکی کو جلانے کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں۔ لڑکی کو چتا کی بڑی بڑی لکڑیوں کے ساتھ زنجیروں سے کس کے باندھ دیا گیا تھا تا کہ وہ بھاگ کر نہ جا سکے اور پوری طرح جل کر بھسم ہو جائے۔ پروہت منتر پڑھ رہے تھے پجاری کے غلام زور زور سے ڈھول تاشے پیٹ رہے تھے۔ لڑکی زور زور سے چیخیں مار رہی تھی اور بین کر رہی تھی۔ مگر اُس کی چیخوں کی آواز کوئی

نہیں سن رہا تھا۔

اب چتا میں گھی ڈالا جا رہا تھا۔ لاش کو چتا پر رکھ دیا گیا تھا۔ جب گھی میں ساری لکڑیاں تر ہو گئیں تو ایک پجاری دو پتھر لے کر چتا کو آگ لگانے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس نے دونوں پتھروں کو رگڑا۔ چنگاری نکلی، مگر لکڑیوں کو آگ نہ لگی۔ اُس نے کئی مرتبہ ایسا کیا۔ مگر ہر بار لکڑیاں آگ پکڑنے سے انکار کر دیتیں۔ پُجاری بوکھلا گیا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے دوسرے پُجاری کو بھی بُلا لیا۔ اب سارے لکڑیوں کو آگ لگانے کی کوشش کر رہے تھے مگر لکڑیاں گیلے لوہے کی لٹھ بن گئی تھیں۔ کیا مجال کہ اُن پر آگ کا ذرا برابر بھی اثر ہو۔ سب سے زیادہ حیرانی اور خوشی بے گناہ لڑکی کو ہو رہی تھی۔ وہ جو کچھ دیکھ رہی تھی۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اب اُسے معلوم ہوا تھا کہ اُس سنہری بالوں والے نوجوان نے اُس کے سر کا بال نوچتے

ہوئے کیا کہا تھا تو کیا وہ بچ جائے گی؟ اُس کی آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے تھے اور وہ انتہائی تعجب کے ساتھ پُجاریوں کو آگ جلانے میں ناکام ہوتے دیکھ رہی تھی۔

ایک پُجاری نے زور سے کوئی منتر پڑھے اور کہا:

''دیوتا ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں۔ لاش کو یہیں رکھا جائے اِسے کل آگ کے سپرد کیا جائے گا۔ اِس لڑکی کو بھی اسی جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا رہنے دیا جائے گا۔''

باقی لوگوں نے پُجاری کی بات پر ہاں کہہ دی اور سارے لوگ تاجر کی لاش اور لڑکی کو وہیں چتا پر چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اُس جگہ صرف چار آدمی پہرہ دینے کے لیے رہ گئے تھے۔ عنبر ایک جگہ کھڑا یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے ٹیلے کی اوٹ میں جا کر بلطیس کی بہن کو ایک بار پھر اور پوچھا کہ اب کیا ہوگا اور یہ لڑکی اگلے زور کیسے بچ

سکے گی؟ بلطیس کی بہن نے کہا:

"یہ کام اب تمہیں کرنا ہوگا۔ میں جو کچھ کر سکتی تھی وہ میں نے کر دیا۔ اب باقی تمہارا فرض ہے کہ تم کرو۔ دیوتا نگہبان ہوں۔"

اور اتنا کہہ کر بلطیس کی بہن غائب ہوگئی۔

عنبر وہاں اکیلا رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دیوی یہاں مجبور ہے۔ اگر وہ کچھ کر سکتی تو ضرور مدد کرتی۔ بہر حال عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اُس لڑکی کو اکیلا ہی مقابلہ کر کے بچائے گا۔ وہ کاروان سرائے میں آ گیا۔ سارا دن وہ اپنے کمرے میں بیٹھا غور کرتا رہا کہ کس طریقے پر عمل کیا جائے۔ شام ہوگئی۔ پھر رات ہوگئی اور شہر میں کہیں کہیں مشعلیں جل اٹھیں۔ عنبر چپکے سے سرائے سے باہر نکلا اور اُس میدان میں آ گیا جہاں چتا پر ایک لاش اور ایک زندہ لڑکی زنجیروں میں جکڑی پڑی تھی۔ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور جائزہ لینے لگا کہ پہریدار

پجاری کیا کر رہے ہیں۔ یہ چاروں پہریدار بڑے ہٹے کٹے تھے اور ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے چتا کے اردگرد گھوم پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔ لڑکی بے چاری انتہائی بے بسی کی حالت میں چتا پر لیٹی سسکیاں بھر رہی تھی۔ عنبر کو اس پر بے حد ترس آیا۔ اُس نے دل ہی دل میں ایک ترکیب سوچی اور درخت کی اوٹ میں سے نکل کر چتا کے پاس آ کر رک گیا۔

پہریدار پجاریوں نے اُس کی طرف دیکھا۔ مشعل کی روشنی میں اُن کی سرخ آنکھیں انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں۔ بڑے پجاری نے پوچھا۔

''کون ہو تم؟ یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''

عنبر نے کہا:

''میں اِس لڑکی کو بچانے آیا ہوں۔''

عنبر نے یہ بات بالکل صاف ہی کہہ دی تھی۔ پجاری غصے میں سرخ ہو گئے۔ بڑے پجاری نے تلوار والا ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا:

''اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گردن کاٹ کر پھینک دوں گا۔''

لڑکی نے گردن موڑ کر دیکھا۔ مشعل کی روشنی میں اس نے نوجوان کو پہچان لیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں افسوس بھی ہوا کہ ابھی اس نوجوان کو پجاری تلواریں مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔

عنبر نے مُسکرا کر کہا:

''شاید تم لوگوں کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔ تم میں سے جس کسی نے بھی تلوار اٹھائی' وہ اپنی ہی تلوار سے قتل ہو جائے گا۔''

بڑے پجاری نے قہقہہ لگایا اور گرج کر کہا:

''اے کمینے ڈاکو' تو اپنے آپ کو کوئی جادوگر سمجھتا ہے؟ لے میرا وار بچا۔''

اِس کے ساتھ ہی پجاری نے تلوار والا ہاتھ عنبر کی گردن پر بڑے زور سے مارا۔ تلوار پجاری کے ہاتھ سے چھوٹ کر فضا میں بلند ہوئی اور پھر آندھی جیسی تیزی کے ساتھ آ کر پجاری کے سینے میں پیوست ہوگئی۔ پجاری نے ایک بھیانک چیخ ماری اور خون میں لت پت زمین پر گر کر تڑپنے لگا؛ چِتا پر لیٹی ہوئی لڑکی حیرت میں ڈوب کر نوجوان کو دیکھنے لگی۔ دوسرے پجاری کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انہوں نے اپنی اپنی تلواریں پھینکیں اور وہاں سے دُم دبا کر بھاگ گئے۔ پجاری تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔

عنبر لپک کر چِتا کی طرف گیا اور اُس نے فوراً اُس کی زنجیریں کھولنی شروع کر دیں۔ لڑکی خوف زدی سی ہو کر اپنے بچانے والے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اُسے کوئی بہت بڑا جادوگر خیال کر رہی تھی جو جب اور جس وقت چاہے دوسرے انسان کو ہلاک کر سکتا تھا۔ عنبر نے

لڑکی کو آزاد کرتے ہوئے کہا:

''یہاں سے ہمیں جلدی بھاگ جانا چاہیے۔ پجاری دوسرے لوگوں کو لے کر یہاں پہنچ ہی رہے ہوں گے۔''

لڑکی بوکھلائی ہوئی تھی۔ اُسے ایک دم نئی زندگی مل گئی تھی۔ اگر یہ نوجوان اُس کی مدد کو نہ آتا تو وہ جل کر راکھ ہو چکی ہوتی۔ عنبر اُسے ساتھ لے کر وہاں سے ٹیلے کی طرف بھاگ اٹھا۔ ٹیلے کی دوسری جانب ایک ڈھلان تھی جو ایک خشک نالے میں اُتر گئی تھی۔ وہ دونوں اس نالے میں آ کر ایک طرف کو بھاگنے لگے۔۔۔کافی دور بھاگتے رہنے کے بعد لڑکی تھک گئی۔ وہ ایک جگہ دم لینے کے لیے بیٹھ گئے۔ جب اُن کا سانس ٹھیک ہوا تو عنبر نے لڑکی سے پوچھا:

''مگر ہم جا کہاں رہے ہیں۔ میں اِس شہر میں اجنبی ہوں۔ تم کہاں کی رہنے والی ہو۔ کیا اِس شہر میں تمہاری کوئی ایسی عورت واقف

ہے جہاں تم چھپ سکو؟''

''یہ شہر میرا دشمن ہے۔ یہاں میں جس کے پاس بھی گئی وہ مجھے پکڑ کر پجاری کے حوالے کر دے گا۔ ہاں یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے جہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے۔ وہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔''

''تو چلو وہیں چلتے ہیں۔''

لڑکی نے عنبر سے کہا:

''مگر تم میرے ساتھ کہاں مارے مارے پھرو گے؟ میری خاطر تم اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈال رہے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''نہیں، میں نے تمہارا بازو تھاما ہے تو اب میں تمہیں منزل تک پہنچا کر ہی دم لوں گا۔ یہاں ٹھہرو، میں کہیں سے گھوڑوں کا بندوبست

کرتا ہوں۔''

عنبر وہاں سے اٹھ کر ایک قریبی دیہات میں گیا۔ وہاں ایک کھیت میں دو گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ عنبر نے دونوں گھوڑوں کو کھول کے ساتھ لیا اور انہیں دوڑاتا ہوا وہاں لے آیا جہاں لڑکی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے لڑکی کو گھوڑے پر سوار کروایا۔ خود بھی سوار ہوا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اُس لڑکی کی راز دار سہیلی رہتی تھی۔

زہری سانپ

عنبر اُس بدنصیب لڑکی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

وہ اُسے ساتھ لے کر سارا دن اور آدھی رات تک سفر کرتا رہا۔ پھر اُن کے گھوڑے اور وہ خود بھی تھک گئے اور آرام کرنے کے لیے ایک جگہ ریت کے ٹیلے کے سائے میں بیٹھ گئے۔ عنبر نے اُس لڑکی سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اس تاجر کے ساتھ کیسے بیاہی گئی تھی۔ جب کہ تاجر بہت بوڑھا تھا اور وہ جوان ہے۔ لڑکی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

''میرے ہمدرد نوجوان' تم نے میری جان بچا کر مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنالیا ہے۔ میں ایک نہایت غریب ماں باپ کی بیٹی

ہوں۔ میرے ماں باپ کاشت کار ہیں اور ایک زمیندار کی زمین کاشت کر کے اپنا اور میرا پیٹ پال رہے تھے۔ زمیندار کا قرضہ بہت زیادہ ہو گیا تو اس نے دھمکی دی کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر اُس کا قرض ادا نہ کیا گیا تو وہ ہمارے مکان کو آگ لگا دے گا اور میرے ماں باپ کو ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنا لے گا۔ اِس پر میرے ماں باپ رونے لگے۔ موہنجوداڑو کے اس تاجر نے مجھے دیکھا ہوا تھا؛ چنانچہ اُس نے ایک لونڈی کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اگر میری شادی اُس سے کر دی جائے تو وہ میرے ماں باپ کا سارا قرض چکا دے گا۔ پس میرے ماں باپ شادی کرنے پر مجبور ہو گئے۔"

"اس سے بڑا اور ظلم نہیں ہو سکتا تھا۔"

"ظلم تو یہ تھا کہ تاجر کے مرنے کے بعد مجھے یہاں کی رسم کے مطابق مجبور کیا جا رہا تھا کہ میں بھی اپنے بوڑھے خاوند کے ساتھ زندہ

آگ میں جل مروں۔ میرے ماں باپ کو اس کا کچھ علم نہیں ہے۔ اگر اُنہیں علم ہوتا کہ اُن کی بیٹی آگ میں اپنے مرے ہوئے خاوند کے ساتھ زندہ جلا دی گئی ہے تو وہ اِس صدمے سے زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ مگر میں دیوتاؤں کی مہربانی اور تمہاری ہمدردی اور بہادری کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ میں اس آفت سے بچ نکلی اور آج اپنے ماں باپ کے پاس زندہ سلامت جا رہی ہوں۔"

"یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اُس روز سیر کرتے کراتے میں اُدھر آ نکلا؛ وگرنہ میرے لیے تمہیں بچانا ناممکن تھا۔"

لڑکی نے ذرا تعجب کے ساتھ پوچھا:

"اچھا یہ بتاؤ کہ میری چتا کی لکڑیوں کو آگ کیوں نہیں لگی تھی؟ کیا تم نے کوئی جادو کیا تھا؟ کیا تم جادوگر ہو؟ تم نے یہ جادو کہاں سے سیکھا ہے؟ تم اِس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اِس لیے کہ میں نے تمہارے

جادو کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔"

عنبر سوچ میں پڑ گیا کہ وہ اس بھولی بھالی لڑکی کو کیا جواب دے۔ وہ اُسے ہرگز ہرگز یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ ہزاروں سال سے زندہ چلا آ رہا ہے اور یہ کہ وہ مصر کے فرعون کا بیٹا ہے یا یہ کہ اُس کی مدد بلطیس کی بہن نے کی ہے۔ اُس نے ذرا مُسکرا کر کہا:

"میں نے کوئی جادو نہیں کیا۔ لکڑیاں ہی گیلی تھیں جس کی وجہ سے اُنہیں آگ نہ لگ سکی تھی۔"

لڑکی نے کہا:

"یہ غلط ہے، لکڑیاں بے حد خشک تھیں۔ میں خود لکڑیوں پر لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ لکڑیاں اتنی خشک تھیں کہ اگر ایک چنگاری بھی اُن پر گر پڑتی تو وہاں آگ بھڑک اُٹھتی۔ تم نے ضرور جادو کیا ہے مجھ سے چھپا رہے ہو۔ تم بہت بڑے جادوگر ہو۔ آخر تم کو سچ بات

کہنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟''

عنبر کہنے لگا:

''تمہیں عام کھانے سے مطلب یاں پیڑ گننے سے؟ تمہاری زندگی بچ گئی ہے۔ تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ خواہ یہ جادو کے زور سے ہوا ہے یا کسی اور وجہ سے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اِس بارے میں زیادہ کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔ اگر تم مجھے نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔ ویسے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں آگ میں ڈالی جارہی ہوں اور کسی نے آکر مجھے بچالیا۔ آج میرا وہ خواب پورا ہوگیا ہے۔''

''تمہیں ربّ واحد کا شکر ادا کرنا چاہیے۔''

''مگر میں تو اپنے دیوتاؤں کی شکر گزار ہوں جنھوں نے میری جان بچانے کے لیے تمہیں یہاں بھیج دیا۔''

عنبر نے کہا:

''یہ تمہارا وہم ہے۔ تمہیں تمہارے دیوتاؤں نے نہیں بچایا بلکہ میرے ربِّ عظیم نے بچایا ہے۔ دیوتا اگر تمہیں بچانا چاہتے تو دُنیا کی کوئی طاقت تمہیں پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ سکتی تھی۔ دیوتا بیچارے تو خود مجبور ہیں۔ وہ کسی دوسرے انسان کی کیا مدد کریں گے؟''

لڑکی نے گھبرا کر کہا:

''ایسا نہ کہو' دیوتا ناراض ہو گئے تو وہ مجھے پھر سے آگ کے اندر جھونک دیں گے۔''

''میری بات مان لو لڑکی' دیوتاؤں نے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جو بُت پتھر کا ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنے ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی نہیں اڑا سکتا۔ وہ تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے۔ یہ میرا ربّ عظیم ہے جس نے تمہاری فریاد سنی اور تمہاری مدد کے لیے مجھے وہاں بھیج دیا۔''

''کیا ربّ عظیم دُعا سنتا ہے؟''

''کیوں نہیں، وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ وہ اُس دُعا کو بھی سُنتا ہے جو تم اپنے دل میں دُہراتی ہو اور جس کا ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاتی ہو۔''

''کیا ربّ عظیم کا بھی کوئی بُت ہے؟''

''نہیں، ربّ عظیم کا کوئی بُت نہیں ہے۔ اس کی ذات تمام بتوں کو توڑ دیتی ہے۔ جس نے ربّ عظیم سے محبت کی اس نے تمام بتوں کو دل سے مٹا دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی ایک ربّ عظیم پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمہاری، ہماری اور ہم سب کی نجات کا راستہ پوشیدہ ہے۔''

''میں تمہارے ربّ پر ایمان لاتی ہوں اے نوجوان، مگر مجھے یہ بتاؤ کہ میں رب کی عبادت کس طرح کیا کروں؟''

''تم ربّ کی عبادت اپنے ماں باپ کی خدمت کر کے' اپنے بہن بھائیوں سے پیار کر کے' دُکھی لوگوں کی مدد کر کے اور بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھا کر اور ہمیشہ سچ بول کر اور اپنے دماغ کو ہر وقت پاکیزہ رکھ کر کر سکتی ہو۔ اس لیے کہ ربّ عظیم کو عظمت' سچائی اور پاکیزگی پسند ہے۔ ہم اُس کی عظمت' سچائی اور پاکیزگی کا خیال تک بھی نہیں کر سکتے۔ ہم صرف اس کی عبادت اُسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ اپنے خیالات اور دماغ کو سچے خیالات اور نیک خواہشات سے بھرا ہوا رکھیں۔ کبھی جھوٹ نہ بولیں۔ کسی سے نفرت نہ کریں۔ بُرے خیال دل میں نہ لائیں۔ کسی سے حسد نہ کریں۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور پریشان حال لوگوں کی ہمیشہ مدد کریں۔''

''تمہاری باتیں میرے دل پر اثر کر رہی ہیں اے نوجوان' میں تمہارے خدائے واحد پر ایمان لاتی ہوں اور اپنے دل میں بنے

ہوئے سارے پتھر کے بتوں کو توڑ رہی ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ربّ عظیم ہی ساری دنیاؤں کا رب ہے اور وہی ایک ہستی عبادت اور شکریہ ادا کرنے کے لائق ہے۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ ربّ واحد تمہارے ارادوں کو طاقت بخشے اور تمہیں نیکی، پرہیزگاری، سچائی اور پاکیزہ خیالات کی توفیق عطا فرمائے۔"

تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد سو گئے۔ منہ اندھیرے عنبر کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ صحرا کا ایک خطرناک اور بے حد زہریلا سانپ لڑکی کی گردن کے گرد کنڈلی مارے بیٹھا ہے اور لڑکی بے چاری کا پسینہ چھوٹ رہا ہے۔ وہ تھر تھر کانپ رہی ہے۔ مگر اُس کے حلق سے آواز تک نہیں نکل رہی۔ اُس کی آنکھیں خوف اور دہشت سے اُبل کر باہر آ گئی ہیں۔ اسنے اشاروں ہی اشاروں میں

عنبر کی طرف دیکھ کر پھر آسمان کی طرف دیکھا۔

گویا کہہ رہی ہو:

''میرے لیے اپنے ربّ سے دعا مانگو۔ اُس سے میری زندگی کے لیے مدد مانگو۔''

عنبر پریشان ہو گیا۔ اُسے یہ بھی خیال تھا کہ لڑکی کا ربِ واحد پر ایمان ڈگمگا نہ جائے اور کہیں وہ یہ سوچنے پر مجبور نہ ہو جائے کہ اپنے دیوتاؤں کی توہین کرنے اور ربِّ واحد پر ایمان لانے کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ زہریلا سانپ اپنی پتلی پتلی زہریلی دوشاخہ زبان نکال کر پھنکاریں مار رہا تھا۔ وہ لڑکی کو ڈسنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

عنبر کچھ ہچکچایا' اِس لیے کہ خواہ ہمیشہ کی زندگی اُسے مل چکی تھی۔ لیکن سانپ کو ہاتھ لگاتے ہوئے وہ ہمیشہ گھبرا جاتا تھا۔ اس لیے کہ

اُس کا زہر ایک سیکنڈ کے اندر اندر سارے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ ایک بار پہلے بھی عنبر کو ایک سانپ نے ڈس لیا تھا۔ وہ مرا تو نہیں تھا لیکن دو دن تک اس کا سارا بدن زہر کے اثر سے انگارے کی طرح پھکتا رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

''گھبرانا نہیں، خاموش بے حرکت لیٹی ہو اور خدائے واحد سے دُعا مانگو کہ وہ ہماری مدد کرے۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے، میں کروں گا۔''

لڑکی نے عنبر کی بات کا کوئی جواب تو نہ دیا لیکن اُس کی آنکھوں میں ایک احساس تھا کہ وہ سب کچھ سمجھ رہی ہے اور جس طرح وہ کہے گا اُسی طرح عمل کرے گی۔ لڑکی کا خدائے واحد پر ایمان ایک ہی رات میں بے حد پختہ ہو گیا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور ربِّ عظیم سے دُعا مانگنے لگی کہ وہ اس پر اپنا رحم کرے اور اُس کی جان بچا لے اور اُسے ماں باپ اور بہن بھائیوں تک زندہ پہنچا دے۔ کیونکہ اُسے

معلوم تھا کہ اگر سانپ نے اُسے ایک بار بھی ڈس لیا تو وہ زہر کے اثر سے فوراً ہلاک ہو جائے گی۔

عنبر نے سانپ کی چھوٹی چھوٹی جادو بھری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے گھورنا شروع کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ سانپ کو ڈسنے کا موقع نہ دے۔ اِس لیے وہ دو روز اُس صحرا میں بُخار چڑھا کر لیٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کے پاس ایسی کوئی دوائی بھی نہیں تھی کہ جسے پی کر وہ بخار سے نجات حاصل کر سکتا۔ عنبر نے سانپ کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے چپکے سے اپنا ایک ہاتھ سانپ کی طرف بڑھانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دو انگلیوں کو ہلا بھی رہا تھا۔ کیوں کہ اُسے معلوم تھا کہ سانپ اُس کی حرکت پر توجہ دے گا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ کو سانپ کے بالکل پاس لے گیا۔ سانپ نے اپنا سر اٹھا رکھا تھا اور پتلی پتلی زبان بار بار پھنکار رہا تھا۔ لڑکی کا سارا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا

تھا اور دہشت سے اُس پر لرزہ طاری تھا۔ اُس کی آنکھیں باہر کو نکلی جا رہی تھیں ۔ عنبر نے یہ سوچ کر کہ کہیں خوف سے لڑکی کا دل ہی دھڑکنا بند نہ ہو جائے اُسے آہستہ سے سرگوشی جیسے لہجے میں کہا:

''گھبراؤ بالکل نہیں، حوصلہ رکھو۔ تم مر نہیں سکتیں۔''

اِس جملے نے لڑکی کو ایک نیا حوصلہ عطا کر دیا۔ وہ اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کرنے لگی ۔ عنبر نے اپنا ہاتھ سے کوئی ایک گز کے فاصلے پر لے جا کر روک دیا۔ اب سانپ اور عنبر دونوں ماہر جادو گروں کی طرح ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ سوال یہ تھا کہ پہلے حملہ کون کرتا ہے۔ اُس وقت اگر سانپ حملہ کر دیتا تو عنبر کو کاٹ کر وہ دو دن کے لیے شدید بخار میں مُبتلا کر سکتا تھا اور اگر عنبر پہل کر دے تو وہ سانپ کو قابو کر سکتا تھا؛ چنانچہ یہی ہوا۔ عنبر نے پہل کر دی۔ اُس نے ایک دم اپنا ہاتھ سانپ کی طرف بڑھایا اور ایک ہی جھٹکے میں اُس

کی گردن دبوچ لی۔

سانپ اُس کی گرفت میں تڑپنے' پھڑ کنے اور اپنے جسم کو سوسو بل دینے لگا۔ اُس نے لڑکی کی گردن چھوڑ کر عنبر کے بازو کے گرد اپنا سارا جسم لپیٹ لیا۔ سانپ میں بڑی طاقت تھی۔ عنبر کو اپنا ہاتھ ٹوٹتا محسوس ہوا۔ اس کی انگلیوں میں خون کی گردش سُست پڑنے لگی تھی۔ اُس نے لڑکی سے کہا:

''جلدی سے کوئی پتھر لاؤ۔''

لڑکی جو کہ ایک منٹ پہلے سحر سا ہو کر خوف کے عالم میں ریت پر چت لیٹی تھی۔ عنبر کو مصیبت میں پھنسا ہوا دیکھ کر فوراً اُٹھی اور اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر کے وہ کہیں سے ایک گول سا پتھر اٹھا لائی۔ عنبر نے کہا کہ وہ پتھر اس کے پاس پھینک دے۔ لڑکی نے آہستہ سے پتھر عنبر کے پاس پھینک دیا۔ سانپ اتنا طاقت ور تھا کہ عنبر نے زندگی میں کبھی اتنا

طاقت ور سانپ نہیں دیکھا تھا۔ یہ عنبر ہی کا کام تھا کہ وہ ابھی تک سانپ کی طاقت کو سنبھالے ہوئے تھا؛ وگرنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سانپ کب کا اُس کی کلائی توڑ کر اُسے ڈس چکا ہوتا۔ یہ اس قسم کا سانپ تھا کہ جس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ یعنی اُس آدمی کو اتنی بھی مہلت نہیں ملتی کہ وہ اتنا ہی کہہ سکے کہ مجھے پانی دو۔

پتھر کے قریب کِھسک کر عنبر نے سانپ کی سری کو اس پر رکھ کر اُوپر سے اپنا پاؤں رگڑنا شروع کر دیا۔ سانپ کی گرفت ڈھیلی ہوگئی اور وہ مُردہ ہوکر عنبر کے ہاتھ میں لٹکنے لگا۔ عنبر نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور مُردہ سانپ کو ریت کے اندر دفن کر دیا۔ اُس نے لڑکی سے کہا:

''ربِّ عظیم کا شکر ہے کہ اُس نے تمہاری جان بچائی۔''

''تمہاری جان بھی تو خدائے واحد نے بچائی۔ میں تو اُس ذات

کا اِس لیے بھی شکر ادا کر رہی ہوں۔"

"کیوں نہیں، ہمیں ہر حال ہر عالم میں اُسی ذاتِ واحد کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

"مگر یہ بتاؤ کہ تم نے سانپ کو ریت کے اندر کیوں دفن کر دیا؟ اسے باہر رہنے دیتے تا کہ کوئی گِدھ اس کو کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتے۔"

"میں طِب سے واقف ہوں لڑکی، ہمیشہ یاد رکھو۔ اگر کبھی سانپ کو مارو تو اُسے فوری طور پر زمین میں گڑھا کھود کر دفن کر دو۔ کیونکہ اگر مُردہ سانپ کو کسی کتے، بلے یا گِدھ نے کھالیا تو وہ اُس کے زہر کے اثر سے پاگل ہو جائے گا اور جس انسان کو کاٹے گا وہ بھی پاگل ہو جائے گا۔ آؤ اب اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ مجھے تمہیں چھوڑ کر واپس موہنجوداڑو آ کر وہ کام کرنا ہے جس کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔"

"خدائے واحد کے لیے ایسا نہ کرنا۔ موہنجوداڑو واپس نہ آنا۔

اگر انہوں نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہاری گردن اُتار دیں گے۔ وہ لوگ تو پہلے ہی سے تمہاری تلاش میں ہوں گے۔''

''میں اُن سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ میں اگر ڈرتا ہوں تو صرف اپنے ربّ سے ڈرتا ہوں۔ مجھے کسی کی پروا یا خوف نہیں ہے۔ ویسے بھی پجاری نے رات کے اندھیرے میں میری شکل کو غور سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھے بالکل نہیں پہچان سکیں گے۔''

''جیسے تمہاری مرضی' لیکن اپنی جان کی حفاظت کرنا۔ ہر انسان کا فرض ہے اور دیوتا بھی......معاف کرنا......''

عنبر ہنس پڑا:

''کوئی بات نہیں' شروع شروع میں ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ ایک بات میں تمہیں کھول کر بتا دینا چاہتا ہوں کہ جس انسان کو خدائے واحد پر بھروسہ اور ایمان ہو جاتا ہے وہ دنیا کے ہر خوف' ڈر اور غم سے

نجات حاصل کر جاتا ہے۔ یہ صرف ایک فقرہ ہی نہیں بلکہ آزمائی ہوئی بات ہے۔ ساری تاریخ اس کی گواہ ہے۔ اِس لیے تم میرے بارے میں ہرگز فکر نہ کرو۔''

اب صحرا میں صبح کا ہلکا ہلکا اجالا پھیلنے لگا تھا۔ انہوں نے چشمے پر منہ ہاتھ دھویا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر سفر پر روانہ ہو گئے لڑکی کا گاؤں وہاں سے آدھے دن کی مسافت پر رہ گیا تھا۔ وہ بغیر رُکے صحرا میں سفر کرتے رہے۔ دن کا دوسرا پہر ڈھل رہا تھا کہ دور سے لڑکی کو اپنے گاؤں کے کچے پکے مکان نظر آئے۔ اُس نے خوشی سے جھوم کر کہا:

''میرا گاؤں آ گیا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اس گاؤں میں داخل ہو رہے تھے۔ لوگوں نے لڑکی کو دیکھ کر سلام کیا۔ لڑکی عنبر کو لے کر اپنے ماں باپ کے گھر آ گئی۔ لڑکی کے ماں باپ اُسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''عاتکہ، تم اکیلی کیسے آ گئیں۔ تمہارا خاوند کہاں ہے؟ یہ نوجوان کون ہے''

''بابا جان، میں ابھی آپ کو ساری کہانی بیان کرتی ہوں۔''

لڑکی اپنی ماں سے لپٹ گئی اور پھر اُس نے الف سے لے کر یے تک اُنہیں ساری داستان سُنا ڈالی۔ بوڑھے ماں باپ نے عنبر کو پیار کے ساتھ گلے لگا لیا کہ اُس نے بہادری سے کام لے کر اُسے روک لیا کہ وہ تھکا ہوا ہے اور ایک دو راتیں ان کے ہاں آرام کر کے واپس جائے۔

عنبر راضی ہو گیا۔

آگ میں جادو

عنبر تیسرے روز عاتکہ کے ماں باپ سے رخصت ہو کر واپس موہنجو داڑو کی طرف چل پڑا۔

وہ دوسرے روز ہی صبح کو وہاں سے کوچ کر جانا چاہتا تھا مگر عاتکہ کے ماں باپ نے اُسے ایک روز اور ٹھہرا لیا۔ جاتے ہوئے اُس نے عاتکہ کے باپ سے کہا:

''آپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو کچھ دنوں کے لیے اپنے کسی رشتے دار کے ہاں بھیج دیں۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے مرحوم خاوند کے رشتے دار پجاریوں کے ساتھ مل کر بادشاہ کے سپاہی لے کر اُس کی تلاش میں نہ آ جائیں۔''

عاتکہ کے باپ نے کہا:

''بیٹے' ہم دنیا میں اکیلے ہیں۔ ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ ہم اِس بچی کو کسی کے ہاں بھجوادیں گے۔ دیوتا ہم پر مہربان ہو گئے ہیں۔ وہ اس کی ضرور حفاظت کریں گے۔''

اب عنبر اُن کو کیا کہتا کہ دیوتا اُن پر مہربان نہیں ہوئے بلکہ ربِّ عظیم نے اُن پر اپنا فضل کیا ہے۔ بہر حال اُس نے اِتنا ضرور کہا کہ عاتکہ کو زیادہ دیر باہر نہ نکلنے دیں اور زیادہ وقت گھر کے اندر ہی چھپا کر رکھیں۔ اتنا کہہ کر وہ واپس موہنجوداڑو کی طرف چل پڑا۔

ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد وہ موہنجوداڑو شہر کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ وہ شہر کے شمال مغربی راستے سے اندر داخل ہوا تھا۔ اب وہ کاروان سرائے میں بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ پجاری کے قتل کے سلسلے میں بادشاہ کے سپاہی اس کی تلاش میں

وہاں ضرور آئے ہوں گے۔ اِس لیے کہ پجاریوں کو سلطنت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا اور حکمران شہزادہ بڑے پجاری کی بات کبھی نہیں ٹال سکتا تھا۔ ویسے بھی اگر ایک قتل ہو جائے تو قاتل کو ضرور گرفتار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عنبر کو اگر کچھ خیال تو صرف اتنا کہ ہو سکتا ہے اُسے کوئی پہچان نہ سکے۔ لیکن یہ محض اُس کا وہم تھا۔ ایک پجاری نے اُسے مشعل کی روشنی میں بڑے غور سے دیکھ لیا تھا اور وہ اُسے ہر حالت میں پہچان سکتا تھا۔

اس پجاری کا نام سامبا تھا اور وہ بڑے پجاری کا بیٹا تھا۔ اُسے اپنے باپ کے قتل کا بڑا صدمہ ہوا تھا اور وہ عنبر سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ وہ جادوگر اور نجومی بھی تھا۔ اُس نے اپنے نجوم کے علم سے دیکھا کہ اس کے باپ کا قاتل موہنجوداڑو کے شمال مغربی علاقے میں ایک ایسی جگہ موجود ہے جہاں ایک تالاب بھی ہے۔

اس کا اندازہ اور نجوم کا علم بالکل درست تھا۔ عنبر واقعہ جس جگہ ٹھہرا ہوا تھا وہاں پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب بھی تھا۔ پُجاری سامبا نے شہر کے تمام تالاب کنارے کے مکانوں کو غور سے دیکھنا اوران کی خفیہ خفیہ جاسوسی شروع کر دی۔ اسے شہزادے کی حمایت حاصل تھی۔ وہ جس وقت چاہے عنبر کو اپنے باپ کے قاتل کو گرفتار کر سکتا تھا۔ تلاش کرتے کرتے آخر ایک روز وہ اس تالاب کے پاس بھی پہنچ گیا جس کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں ایک کچا مکان تھا۔ یہ مکان ایک غریب کمہار کا تھا۔ عنبر اسی مکان میں ٹھہرا ہوا تھا پجاری سامبا سارا دن تالاب کنارے چھپ کر بیٹھا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ اندر سے عنبر باہر آئے۔ عنبر اُس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ وہ تیسرے پہر کسی ضرورت کے ساتھ مکان سے نکل کر تالاب کے پاس آیا تو پجاری نے اسے فوراً پہچان لیا۔ اُس کا چہرہ انتقام کی آگ میں بھڑک اُٹھا۔ مگر

وہ خاموش رہا اور چپکے سے وہاں سے نکل گیا۔

محل میں آ کر اُس نے بڑے پروہت سے بات کی کہ اُس نے اپنے باپ کے قاتل کا سُراغ لگالیا ہے اور اب وہ اُسے گرفتار کر کے شہزادے کے حصول میں پیش کرنا چاہتا ہے تا کہ اُس کے باپ کے قاتل کو گرفتار کر کے سزا دی جائے۔ بڑے پروہت نے شہزادے سے بات کی جس نے اُسی وقت حکم جاری کر دیا کہ بڑے پجاری کے قاتل کو تالاب والے مکان سے گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا جائے۔ دوسرے روز صبح عنبر نہانے کے لیے تالاب آیا تو بادشاہ کی فوج سامنے کھڑی تھی۔ پجاری سامبان کے ساتھ تھا۔

''ٹھہر جاؤ۔'' فوج کے سردار نے کڑک کر کہا۔ ''ہم تمہیں موہنجوداڑو کے بڑے پجاری کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتے ہیں۔ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے اور اِس

کمہار کے مکان کو بھی تہس نہس کر دیں گے۔''

عنبر کو اپنے ہلاک ہونے کی تو پروا نہ تھی مگر ہاں اُسے غریب کمہار کا خیال ضرور تھا جس نے اُسے ایک مسافر جان کر اپنے مکان میں پناہ دی تھی۔ اُس نے کہا:

''اگر تم لوگ مجھے یقین دلاؤ کہ اس غریب کمہار کو کچھ نہیں کہا جائے گا تو میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دوں گا۔''

فوج کے سردار نے کہا:

''ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اس کمہار کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔''

عنبر نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا:

''تو مجھے گرفتار کر لو۔ میں گرفتاری کے لیے تیار ہوں۔''

پُجاری سامبا نے چیخ کر کہا:

''اِسے زنجیروں میں جکڑ کر دربار میں پیش کرو۔''

سپاہی اپنے سردار کے حکم پر فوراً آگے بڑھے اور انہوں نے عنبر کو گرفتار کر کے زنجیریں ڈالیں اور گھوڑے پر بٹھا کر محل کی طرف چل پڑے۔ عنبر ایک بار پھر گرفتار ہو چکا تھا۔ اب اُسے موہنجو داڑو کے شہزادے اور بادشاہ کے دربار میں پیش کیا جانا تھا۔ عنبر بھی یہی چاہتا تھا۔ کہ کسی نہ کسی طرح شاہی دربار تک پہنچے۔ وہ اُن چھوٹے چھوٹے گھروں میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ شاہی محل میں داخل ہو کر بڑے پروہت نے پُجاری کے قاتل کو دیکھا تو نفرت سے بولا:

''اس نوجوان نے ایک گھناؤنا جرم کیا ہے۔ اس نے ہمارے دیوتاؤں کے خاص پجاری کو قتل کیا ہے۔ اِسے دیوتا کبھی معاف نہیں کریں گے۔ اسے ہم آگ میں زندہ جلائیں گے۔ اسے دربار میں پیش کرو۔ میں بادشاہ شہزادے سے خود کہہ کر اسے آگ میں ڈالوں گا۔''

سپاہی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عنبر کو لے کر شاہی محل کے قید خانے کی طرف چل دیے۔ یہ قید خانہ محل کے نیچے ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں تھا۔ عنبر کو اس کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا۔ عنبر زمین پر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے خدائے واحد کا تصور کیا اور آنکھیں بند کر کے اس کی عبادت شروع کر دی۔ اس عبادت میں وہ اس قدر گم ہو گیا کہ اسے اپنے گرد و پیش کی خبر ہی نہ رہی۔ اُسے بالکل محسوس نہ ہوا کہ وہ ایک ایسی جگہ پر قید ہے جہاں ایک پل کے لیے ٹھہرنا بھی مصیبت ہے۔ خدا سے محبت کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی تھا ہے کہ انسان ساری دُنیا سے بے نیاز ہو کر اپنے ارادے میں پُختہ ہو جاتا ہے۔ اور بڑی طاقت' عزم اور بڑی لگن کے ساتھ جدو جہد میں مصروف ہو جاتا ہے۔

صبح عنبر کو موہنجو داڑو کے بادشاہ شہزادے کے سامنے پیش کرنا تھا۔

اُدھر تاجر کے رشتے دار بھی بے خبر نہیں تھے۔ عاتکہ نے فرار ہو کر اُن کی اور اُن کے مُردہ رشتے دار تاجر کی روح کو تکلیف پہنچائی تھی۔ انہوں نے پجاری کے ساتھ مل کر سپاہیوں کا ایک دستہ حاصل کر لیا تھا جو عاتکہ کی تلاش میں راتوں رات اُس کے گاؤں کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ جس وقت موہنجوداڑو کی سرحد میں داخل ہوا تھا' موہنجوداڑو کی شاہی فوج کے سپاہی عاتکہ کے گاؤں میں داخل ہو چکے تھے۔ بوڑھے تاجر کے رشتہ دار اُن کے ساتھ تھے۔ انہوں نے فوراً عاتکہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ لوگ مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ بوڑھے ماں باپ نے فوج کو دیکھ کر اپنی بیٹی کو ایک بہت بڑے ٹھنڈے تنور میں چھپا دیا تھا۔ مگر یہ تنور سپاہیوں کی آنکھ سے کیسے بچ سکتا تھا۔ ایک سپاہی نے تنور کے منہ پر سے گھاس کا گٹھا اُٹھا کر پرے پھینکا اور اندر جھانک کر دیکھا۔ تنور کے اندر لڑکی عاتکہ چھپی بیٹھی تھی۔

''باہر نکل آؤ۔ تم شاہی مجرم ہو۔ تم نے بادشاہ کے قانون اور اُس کے مذہب کی توہین کی ہے۔ ہم تمہیں بادشاہ کے قانون اور لوگوں کے مذہب کے نام پر گرفتار کرنے آئے ہیں۔''

سپاہیوں نے آگے بڑھ کر عاتکہ کو اسی وقت گرفتار کرلیا۔ اُس کے ماں باپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انہوں معلوم تھا کہ اب دنیا کی کوئی بھی طاقت اُن کی بیٹی کو زندہ آگ میں جل کر مرنے سے نہیں بچا سکتی۔ لڑکی چیختی رہی' چلاتی رہی' شور مچاتی رہی۔ مگر اُس کی فریاد کسی نے نہ سنی۔ سپاہیوں نے اسے رسیوں سے باندھ کر اونٹ پر ڈال دیا۔ اور واپس موہنجو داڑو کی طرف روانہ ہو گئے۔

ساری رات اور سارا دن مسلسل سفر کرنے کے بعد سپاہی لڑکی کو لے کر موہنجو داڑو پہنچ گئے۔ اور اُسے بڑے پروہت کے آگے پیش کر دیا گیا۔ کیونکہ لڑکی نے مذہب کے خلاف جرم کیا تھا اور مذہب کی

ٹھیکیداری پروہت کے پاس تھی۔ بڑے پروہت نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر عاتکہ کی طرف دیکھا۔

''اب تمہیں محسوس ہو گیا ہو گا کہ ہمارے مذہب کے خلاف گناہ کر کے تم دنیا کے جس کونے میں جا کر چھپ جاؤ گی۔ ہمارے دیوتا تمہیں گرفتار کرانے میں ہماری مدد کریں گے۔''

لڑکی نے غصے میں کہا:

''تمہارے دیوتا جھوٹے ہیں۔ میرا ربِّ واحد ضرور میری مدد کرے گا۔''

سارے لوگ دیوتاؤں کی توہین سن کر کانپ گئے۔ بڑے پروہت نے گرج سے کہا:

''کل اس لڑکی کی زبان کھینچ لی جائے۔''

''تم لوگ مجھے جو چاہے سزا دے دو۔ مگر میں تمہارے دیوتاؤں

کی ذرا پرواہ نہیں کرتی۔تمہارے سارے دیوتا اور اُن کے پتھر کے بُت جھوٹے ہیں۔سچّا صرف میرا رب واحد ہے۔وہی آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے۔وہی سورج کو طلوع کرتا ہے اور غروب کرتا ہے۔اُسی کے حکم سے ہوا چلتی ہے اور زمین کے نیچے سے درخت کا بیج پودا بن کر پھوٹتا ہے۔اُسی نے......

بڑے پروہت نے چیخ کر کہا:

''لے جاؤ اِس گستاخ کو اور قید میں ڈال دو۔''

سپاہی عاتکہ کو گھسیٹتے ہوئے محل کے قید خانے میں لے گئے اور اُسے ایک کال کوٹھڑی میں لا کر ڈال دیا۔عنبر کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ جس جگہ وہ بیٹھا ہے اُس سے چار کوٹھڑیاں چھوڑ کر بے چاری عاتکہ بھی قید ہے۔وہ عاتکہ۔۔۔جس کی زندگی بچانے کے لیے اُس نے بے پناہ جُراُت کا کام کیا تھا اور پُجاری کو قتل کر کے اب آگ میں زندہ

ڈالے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ ساری رات عنبر نے خدائے واحد کی عبادت میں گزار دی۔ اُسے صبح ہونے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ اس لیے کہ اُس کوٹھڑی میں کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ دوسری طرف عاتکہ کو بھی علم نہ ہو سکا کہ صبح ہو گئی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اُس سے تین کوٹھڑیاں چھوڑ کر اُس کا محسن قید کے عالم میں پڑا ہے۔

عنبر کی کال کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور دو زرہ پوش سپاہی کلہاڑے کندھوں پر رکھے اندر داخل ہوئے اور اسے اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گئے۔ دوسری جانب لڑکی کی کال کوٹھڑی میں بھی سپاہی آئے اور اُسے اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔ موہنجو داڑو کے بادشاہ شہزادے کا دربار لگا ہوا تھا۔ سارے درباری قطار باندھے کھڑے تھے۔ بڑا پروہت ہاتھ میں چاندی کا ڈنڈا لیے اُس کے سہارے کھڑا تھا۔ اُس کے سر کے بال مونڈے ہوئے تھے کھوپری پر ملا ہوا زیتون کا تیل

چمک رہا تھا۔

شہزادہ ابھی نہیں آیا تھا۔ دربار میں سناٹا طاری تھا۔ تخت کے پاس ایک سبز نیلے پَروں والا مور اپنے پنکھ پھیلائے رقص کر رہا تھا۔ شہزادے کو موروں سے بہت پیار تھا اور وہ ایک مور ہر وقت دربار میں اپنے پاس رکھتا تھا۔ اتنے میں دربار ڈھول تاشوں اور نفریوں کی آواز سے گونج اٹھا۔

دربان نے بلند آواز میں کہا:

''شہزادہ سلامت تشریف لا رہے ہیں۔ نگاہ روبرو' گردن خم' آواز گم' شہزادہ جاہ و حشم' دیوتاؤں کے پاسبان تشریف لا رہے ہیں۔''

شہزادہ اپنی خالہ ملکہ کے ساتھ زرق برق لباس میں ملبوس انتہائی قیمتی ہیرے جواہرات کا تاج سر پر رکھے دربار میں نمودار ہوا سارے دربارء جھک گئے۔ شہزادہ تخت پر آ کر اپنی خالہ ملکہ کے برابر بیٹھ گیا۔

دربار پر ابھی تک سناٹا طاری تھا۔ بڑے پروہت نے آگے بڑھ کر سر جھکایا اور کہا:

''حضور پُرنُور کی خدمت میں بڑے پُجاری کے قاتل اور دیوتاؤں کی توہین کرنے والی لڑکی کو پیش کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔''

شہزادے نے ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا کہ اجازت ہے۔ بڑے پروہت نے اپنا چاندی کا ڈنڈا ذرا سا زمین پر مارا۔ فوراً ایک دروازہ کھلا اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے عنبر کو دربار میں لا کر ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ بڑے پروہت نے دوسری بار چاندی کے ڈنڈے کو زمین سے ٹکرایا۔ دوسرا دروازہ کھلا اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی عاتکہ اندر داخل ہوئی۔ عنبر اُس لڑکی کو اور وہ لڑکی عنبر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اِس حالت

میں وہاں ملیں گے۔ عنبر کا خیال تھا کہ وہ اکیلا ہے اور عاتکہ کا خیال تھا کہ وہ اکیلی ہے۔ دربار میں وہ ایک دوسرے سے بات نہ کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو دیکھا اور بے کسی و مجبوری کی حالت میں سر جھکا لیے۔ بڑے پروہت نے شہزادے کے تخت کے پاس جا کر ایک بار پھر سر جھکا کر کہا:

''دونوں ملزم حاضر ہیں بادشاہ سلامت۔''

شہزادے نے کہا:

''پہلے اس لڑکی کو پیش کیا جائے جس نے ہمارے مقدس دیوتاؤں کی توہین کی ہے اور اپنے خاوند کے ساتھ زندہ آگ میں نہ جل کر ہمارے مذہب کی خلاف ورزی کی ہے۔''

بڑے پروہت نے دربار کی طرف دیکھ کر کہا:

''لڑکی کو پیش کیا جائے۔''

فوراً دو سپاہی عاتکہ کو لے کر آگے بڑھے اور اُسے تخت کے سامنے کھڑا کر کے واپس اپنی جگہوں پر چلے گئے۔ شہزادے نے بڑے غور سے عاتکہ کو دیکھا اور اُس سے کہا:

''اے لڑکی، تمہارا نام کیا ہے؟''

''عاتکہ۔''

ربِّ واحد پر ایمان لانے کے بعد عنبر نے محسوس کیا کہ لڑکی کی آواز میں ایک رعب اور دبدبہ آ گیا تھا۔ جس طرح دوسرے درباری دربار میں سہمے ہوئے کھڑے تھے، عاتکہ اس کے برخلاف بڑے بہادری اور جرأت کے ساتھ کھڑی شہزادے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی۔

شہزادے نے کہا:

''کیا تم بوڑھے تاجر کی بیوی تھی؟''

''جی ہاں' شہزادہ سلامت۔''

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے اپنے مُردہ خاوند کے ساتھ آگ میں نہ جل کر اس ملک کے مذہب کے خلاف ایک ایسا جُرم کیا ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔''

''میں نے کوئی جرم نہیں کیا شہزادہ سلامت۔''

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس جرم کی سزا موت ہے؟''

''جانتی ہوں شہزادہ سلامت۔''

''پھر تمہیں موت سے خوف نہیں تھا جو تم نے ہمارے مقدس دیوتاؤں اور مذہب کی توہین کی؟''

''میں موت سے نہیں ڈرتی شہزادہ سلامت' میرا ایمان جس ربّ عظیم پر ہے وہ ایک نیک انسان کو ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے میں آپ کے جھوٹے دیوتاؤں کی قید سے آزاد ہو چکی ہوں۔''

دربار میں موجود شہزادہ اور اُس کی خالہ سمیت سبھی لوگ خوف سے لرز گئے۔ ان کے مطابق وہ لڑکی کفر کر رہی تھی۔ شہزادے نے بڑے پروہت کی طرف دیکھ کر کہا:

''اس گستاخ لڑکی کو لے جاؤ اور اس کی کھال کھینچ کر اُس میں گھاس بھر کر شہر کے دروازے میں لٹکا دو۔''

''جو حکم بادشاہ سلامت'' بڑے پروہت نے خوش ہو کر کہا اور سپاہی لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے دربار سے باہر لے گئے۔ اب عنبر کو دربار میں پیش کرنے کی باری تھی۔ عنبر ہر قسم کی مصیبت اور طوفان کے لیے تیار تھا۔ مگر وہ اس بے گناہ لڑکی کی تکلیف برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اُس نے حسرت بھری نظروں سے لڑکی کو دیکھا کہ وہ رو رہی ہے اور وحشی سپاہی اُسے گھسیٹتے ہوئے قید خانے کی طرف لیے جا رہے تھے۔

کیا بے گناہ لڑکی کی کھال کھینچوا دی گئی؟ کیا تھائیس واپس
موہنجوداڑو واپنے ماں باپ کے گھر پہنچ گئی؟ عنبر نے دربار میں
کیا کیا کرامت دکھائی؟ دیوی بلطیس کی پُر اسرار بہن سے
اُس کی ملاقات کن حالات میں ہوئی؟

یہ سب کچھ اِس ناول کے چھٹے حصے

''ہڑپہ کا شیش ناگ''

میں پڑھیے۔

عنبر، ناگ، ماریا
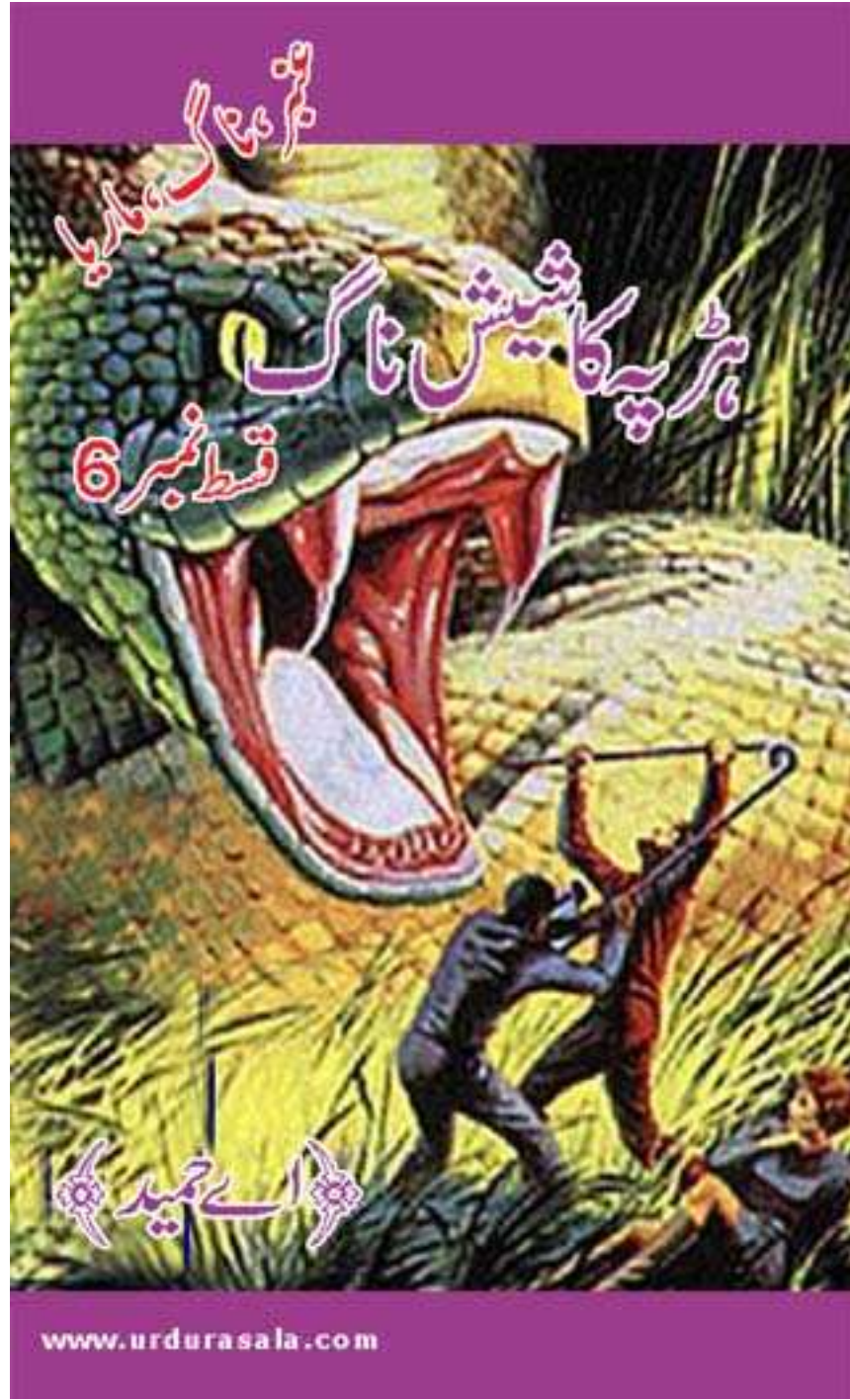
ہڑپہ کا شیش ناگ

قسط نمبر 6

اے حمید

سُنو پیارے بچو!

ہمارا ہیرو عنبر اکیلا صحرا میں سفر کرتا چلا جا رہا ہے۔ صحرا کے ایک مندر میں رقص کرتی رقاصہ اُسے موہنجوداڑو آنے کے لیے کہتی ہے۔ عنبر اس دعوت کے ساتھ ہی تاریخ عالم کی ایک پرانی تہذیب میں داخل ہوتا ہے۔ وہ بادبانی جہاز میں سفر کرتا موہنجوداڑو پہنچتا ہے۔ عنبر مندر میں پہنچ کر گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ بڑا پروہت اسے دربار میں پیش کرتا ہے۔ بادشاہ عنبر کو موت کی سزا سناتا ہے۔ مگر عنبر پر موت کا وار اثر نہیں کرتا۔ بادشاہ عنبر کا دوست بن جاتا ہے۔ صحرا کی شہزادی تھائیس مردانہ لباس میں سفر کرتی ہے، صحراؤں میں سے گزرتی، قافلے کے

ساتھ موہنجوداڑو کی طرف بڑھ رہی ہے۔ بادشاہ عاتکہ کی کھال کھنچوانے کا حکم دیتا ہے مگر ہمارا ہیرو عنبر اُسے بچا لیتا ہے۔ اس کے آگے اس ناول میں پڑھیے۔

اے حمید

جادو کی شکست

عاتکہ کو زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں پہنچا دیا گیا۔

اب عنبر کو دربار میں پیش کیا جانا تھا۔ بڑے پروہت نے اعلان کیا کہ اب اُس شخص کو پیش کیا جائے جس نے نوجوان لڑکی عاتکہ کو دیوتاؤں کی رسم کے مطابق اپنے مُردہ شوہر کے ساتھ جل مرنے سے بچایا تھا۔ شہزادے کو اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ ایک اجنبی شخص نے اُس کے ملک کے دیوتاؤں اور وہاں کے لوگوں کے مذہب کے خلاف ایک زبردست قدم اٹھایا تھا۔ بڑے پروہت کے اعلان کے بعد عنبر کو دربار میں پیش کر دیا گیا۔ وہ بھی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ عنبر دربار میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ شہزادے نے غور سے اس نوجوان کی طرف دیکھا تو گویا وہ نوجوان تھا جس

کو ہلاک کر کے دیوتاؤں کی توہین کی تھی۔ وہ غصے میں کانپنے لگا۔

بڑے پروہت نے کہا۔

''حضور! یہ وہ نوجوان ہے جس نے ہمارے مقدس بڑے پجاری کو ہلاک کر دیا اور اپنے خاوند کے ساتھ زندہ جل مرنے والی لڑکی کو بھگا کر لے گیا۔

شہزادے نے کہا:

''اے نوجوان! کیا تم اس الزام سے انکار کرتے ہو؟''

عنبر نے کہا:

''نہیں شہزادہ سلامت!''

شہزادے کے ساتھ ساتھ سارے درباری حیران رہ گئے کہ مجرم نے کس دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے جُرم کو تسلیم کر لیا تھا۔ شہزادے کی ماں نے عنبر سے پوچھا۔

''کیا تم کو معلوم ہے کہ اس جُرم کی سزا کتنی بھیانک ہے؟''

عنبر نے بڑی بہادری سے جواب دیا۔

''جانتا ہوں ملکہ عالیہ!''

''تو کیا تمہیں سزا کا ڈر نہیں ہے؟''

''میں صرف خدائے واحد سے ڈرتا ہوں ملکہ سلامت۔ مجھے دنیا میں اور کسی سے کوئی ڈر یا خوف نہیں ہے۔''

شہزادے نے بلند آواز میں کہا۔

''تم نے ہمارے بڑے پجاری کو قتل کرنے کی جرأت کی۔''

عنبر نے کہا:

''شہزادہ سلامت! وہ مجھ سے مقابلے پر اُتر آیا تھا۔ اگر میں اُسے ہلاک نہ کرتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتا۔ وہ ایک انتہائی خوفناک اور غیر انسانی فرض ادا کرنا چاہتا تھا۔ میں یہ برداشت نہ کر سکا۔ جس طرح

اُس نے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی اسی طرح میں نے بھی اپنا فرض پورا کیا اور نوجوان بے گناہ لڑکی کو زندہ آگ میں جلنے سے بچا لیا ہے۔''

بڑے پروہت نے چیخ کر کہا۔

''تم نے ہمارے دیوتاؤں کی اور ہمارے مذہب کی توہین کی ہے۔ہم اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ہم تمہیں اس کی سخت سے سخت سزا دیں گے۔''

عنبر نے کہا۔

''شہزادہ سلامت! بڑے پروہت سے پوچھیں کہ انہوں نے چِتا میں آگ لگانے کی ہزار بار کوشش کی مگر ایک بار بھی لکڑیوں نے آگ نہ پکڑی۔آخر اس کی کیا وجہ تھی؟ کیا اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ دیوتا ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ایک زندہ لڑکی عاتکہ اپنے مردہ خاوند کے ساتھ

آگ میں جل کر مرے؟''

''یہ بکواس ہے۔'' بڑے پروہت نے چیخ کر کہا۔ دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق لڑکی کو جلا دینا چاہیئے تھا۔''

''تو پھر تم لوگ اُسے کیوں نہیں جلا سکے؟'' عنبر نے پوچھا۔

بڑے پروہت نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اس لئے شہزادہ سلامت کہ اس نوجوان نے آگ پر جادو کر دیا تھا۔ یہ شخص جادوگر بھی ہے۔ اس کے جادو کی وجہ سے آگ نہیں جلی۔''

شہزادے نے پوچھا۔

''کیا تم جادوگر ہو اے نوجوان؟''

عنبر مسکرایا۔

''ہرگز نہیں شہزادہ سلامت! میں جادوگر نہیں ہوں۔ میں تو ایک عام انسان ہوں جو ملک افریقہ سے تجارت کی غرض سے آپ کے شہر

آیا ہے۔''

''پھر چتا پھر لکڑیوں نے آگ کیوں نہیں پکڑی تھی؟'' شہزادے نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

''اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ دیوتا اس ہلاکت کے خلاف تھے۔''

''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ لڑکیاں ہمیشہ اپنے خاوندوں کے ساتھ زندہ آگ میں جلتی آئی ہیں اور کبھی دیوتا ناراض نہیں ہوئے۔ پھر اس دفعہ انہیں خاص طور پر ناراض ہونے کی کیا وجہ تھی؟''

بڑے پروہت کے اس سوال کا عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ شہزادے نے بھی عنبر کی طرف دیکھا کہ وہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ مگر عنبر خاموش رہا۔ وہ کوئی جواب دینا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے کہ ان لوگوں سے بحث فضول تھی۔

عنبر چاہتا تھا کہ وہ اُسے جو سزا دینا چاہتے ہیں دے دیں تا کہ اس وقت شہزادے اور درباریوں پر یہ بھید کھلے کہ جس نوجوان کو وہ مار ڈالنا چاہتے ہیں وہ مر نہیں سکتا۔ شہزادے نے عنبر کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

''کیا واقعی تم جادو گر ہو؟''

''نہیں شہزادہ سلامت!''

شہزادے نے ہاتھ اوپر اٹھا کر اعلان کیا۔

''کل اُس لڑکی کے ساتھ اس نوجوان کی بھی کھال کھینچ کر اس میں گھاس بھر کر شہر کے دروازے میں لٹکا دی جائے۔ تا کہ لوگوں کو نصیحت ہو کہ دیوتاؤں کی توہین کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔''

سارے درباریوں نے بادشاہ کے اس فیصلے پر خوشی سے تالیاں بجائیں۔ بڑا پروہت بڑا خوش تھا کہ اُس کے دوست کے قاتل کو ٹھیک سزا ملی۔ اُس نے شہزادے سے کہا۔

''شہزادہ سلامت! میری درخواست ہے کہ کل جس وقت ان کافروں کی کھال کھینچی جائے تو آپ بھی وہاں موجود ہوں۔''

شہزادے نے کہا:

''ایسا ہی ہوگا۔ ہم وہاں موجود ہوں گے۔''

دربار برخواست ہوگیا۔ سپاہی عنبر کو لے کر قید خانے کی طرف چلے گئے۔ ساری رات عنبر سو نہ سکا۔ اُسے عاتکہ کے بارے میں پریشانی تھی کہ موت کی سزا سُن کر وہ کہیں صدمے سے پہلے ہی جان نہ دے دے۔ اُس کی کوٹھڑی وہاں سے کافی فاصلے پر تھی۔ اگر وہ قریب ہوتی تو عنبر اُسے ضرور حوصلہ دیتا۔ مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی پہریدار کے ہاتھوں پیغام بھی نہیں بھجوا سکتا تھا۔

اس سوچ بچار میں صبح ہوگئی۔ سپاہی آئے اور اُن دونوں کو لے اس جگہ لے چلے جہاں اُن دونوں کی کھال کھینچوائی جاتے والی تھی۔

شہزادہ پہلے ہی سے وہاں تخت پر موجود تھا۔ جلاد بڑا سا چھرا ہاتھ میں لیا تیار کھڑا تھا۔ اُس کا کام محض اتنا تھا کہ بادشاہ کے حکم پر ان دونوں کی باری باری کھال کھینچ دے۔ عنبر اور عاتکہ جب وہاں لائے گئے تو انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ عاتکہ بے چاری کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ اُس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ ایک ہی رات میں صدمے سے پگھل کر دبلی ہو گئی تھی۔ اُس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''خدائے عظیم کے حوالے عنبر! اب ہم اگلی دنیا میں ملیں گے۔ یہ لوگ اب ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے اور دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں اب ان ظالموں کے ظلم سے نہیں بچا سکتی۔''

عنبر نے عاتکہ کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''عاتکہ! خدائے عظیم کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئیے۔

وہ اگر چاہے تو ایک کمسن بچے کو سمندر کے طوفان سے بچا سکتی ہے۔ وہ اگر چاہے تو صحرا میں بھی پھول اُگا سکتا ہے اور سمندر میں پہاڑ پیدا کر سکتا ہے۔ تم بالکل نہ گھبراؤ اور خدائے عظیم کی رحمت پر بھروسہ رکھو۔''

''مگر عنبر! یہ لوگ تو چھرے لیے میرے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ ابھی میری کھال کھینچ دیں گے۔''

''اپنا دھیان خدا کی طرف رکھو عاطکہ! یقین کرو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔''

بڑے پروہت نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''شہزادہ سلامت اجازت دیں کہ ان کافروں سے اپنے دیوتاؤں کی توہین کا بدلہ لیا جائے۔''

شہزادے نے ہاتھ کھڑا کر کے کہا۔

''اجازت ہے۔''

بڑے پروہت جلاد کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''سب سے پہلے لڑکی کو لایا جائے۔''

یہ سُن کے عاتکہ بیچاری کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اُس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑ گیا۔ دو سپاہی اُسے گھسیٹتے ہوئے درمیان میں چبوترے پر لائے اور اُسے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔

عاتکہ پر بے ہوشی کی حالت طاری تھی۔ بڑے پروہت نے ایک ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔

''اے عظیم دیوتا مردوک! اس لڑکی نے تیرے اصولوں کی توہین کی اس نے اپنے خاوند کے ساتھ جل مرنے سے انکار کیا۔ یہ بھاگ گئی اور تمہارے قانون کا مذاق اڑایا۔ ہم تمہاری توہین اور بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اس کی کھال کھینچ رہے ہیں۔ اب تمہیں خوش ہو جانا چاہیے۔''

پروہت نے جلاد کو اشارہ کر دیا۔

جلاد نے آگے بڑھ کر چھرا اٹھایا اور عاتکہ کے سر کے بال کاٹ کر پرے پھینک دیئے۔ اب اُس نے اُس کی کھال اتارنی تھی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ سر کے درمیان میں چھرے سے شگاف دے کر کھال کھوپڑی سے اوپر کاڑدی جاتی تھی اور پھر اُسے آہستہ آہستہ نیچے کی طرف کھینچا جاتا تھا۔ اس سے مرنے والے کو بے حد اذیت ہوتی تھی۔ وہ درد اور کرب سے چلاتا تھا مگر جلاد اپنے ہولناک کام میں لگا رہتا تھا۔ عنبر کے لیے یہ لمحہ بڑا فکر انگیز تھا۔ بڑا خطرناک تھا۔ وہ کسی حالت میں بھی عاتکہ کو اس بے دردی سے موت کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔

اُس نے خیال ہی خیال میں آنکھیں بند کر کے بلطیس کی بہن دیوی کو یاد کیا اور کہا کہ وہ اُس کی اور عاتکہ کی مدد کو آئے۔ اُس نے

تین بار اُسے خاموشی کی زبان میں پکارا۔ تیسری بار پکارنے پر دیوی ظاہر ہو گئی اور اُس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کو سوائے عنبر کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دیوی نے کہا۔

''میں جانتی ہوں کہ تم نے مجھے کس لیے بلایا ہے۔''

عنبر نے کہا۔

''اے دیوی! اس بے گناہ لڑکی کی مدد کی۔ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ معصوم ہے۔ اس کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے۔''

دیوی نے مسکرائی اور کہنے لگی:

''گھبراؤ نہیں عنبر! میں اس لڑکی کی ضرور مدد کروں گی۔ یہاں کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ میرے ہوتے ہوئے اس لڑکی کو کچھ کہہ سکیں۔ تم دیکھتے جاؤ کہ میں کیا کرتی ہوں۔''

''تمہارا شکریہ دیوی! اگر آج تم میری مدد کو نہ آتی تو یہ لوگ اس

بے گناہ کی کھال کھینچ کر اسے اذیت کی موت مار چکے ہوتے۔''

''ایسا ہرگز نہیں ہوگا عنبر! ہرگز نہیں ہوگا۔''

اس دوران میں جلاد نے چھرا اٹھایا۔ستون کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی نے ایک خوفناک چیخ ماری۔جلاّد نے چھرا لہرایا اور قریب تھا کہ وہ بڑے زور کے ساتھ عاتکہ کے سر میں ایک گہرا شگاف ڈال دیتا کہ اچانک اُس کے ہاتھ سے چھرا چھن کے ساتھ فرش پر گر پڑا۔جلاد پریشان سا ہوگیا۔شہزادہ اور پروہت بھی تعجب کرنے لگے۔جلاد نے جلدی سے چھرا اٹھالیا اور دوسری بار لڑکی کے سر پر حملہ کرنے لگا۔ابھی چھرا عاتکہ کے سر کے قریب ہی آیا تھا کہ جلاد کے ہاتھ سے چھرا اچھل کر فضا میں بلند ہوا اور پھر بڑے تیزی کے ساتھ اُس کے کندے پر ایسا لگا کہ جلاد کی گردن تن سے الگ ہوکر فرش پر گر پڑی۔دربار میں ایک کہرام مچ گیا۔

شہزادہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ کیا ہو گیا؟''

بڑے پروہت نے چیخ کر کہا۔

یہ جادوگر ہے بادشاہ سلامت۔ اسے پہلے قتل کر دیا جائے۔''

شہزادے نے کہا۔

''پہلے اس نوجوان کو قتل کر دو۔''

دو سپاہی تلواریں لے کر عنبر کی طرف بڑھے۔ انہوں نے تلواریں لہرائیں اور عنبر پر پوری طاقت سے حملہ کر دیا۔ مگر یہ ان کی بدنصیبی تھی کہ تلواریں اُن کے ہاتھ سے پھر چھوٹ کر پرے جا گریں۔

شہزادے کے حکم سے دوسرے سپاہی آگے بڑھے۔ انہوں نے نیزے بلند کئے۔ وہ عنبر کو نیزوں پر پرو دینا چاہتے تھے۔ عنبر نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ دیوی اُس کی مدد کر رہی تھی۔ سپاہیوں کے

ہاتھوں سے نیزے اچھلے اور پھر اُن کے جسموں میں اُتر گئے۔

سپاہی چیخ مار کر فرش پر گرے اور خون میں لت پت تڑپنے لگے۔

شہزادے کی ماں نے ہاتھ بلند کر کے کہا۔

''ٹھہرو۔۔۔اس نوجوان کے ساتھ جادوگر مقابلہ کریں گے۔''

یہ پروہت اور دربار کے جادوگروں کے امتحان کا وقت تھا۔شہزادے نے بھی اپنی ملکہ والدہ کے خیال کی تائید کی۔اور کہا کہ دربار کا سب سے بڑا جادوگر سامنے آئے اور عنبر کو زیر کرنے کی کوشش کرے۔اُن کا خیال تھا کہ عنبر چونکہ جادوگر ہے اس لیے اُس پر کسی طاقت کا اثر نہیں ہوگا۔اُسے صرف جادو کے زور ہی سے قابو کیا جا سکتا ہے۔دربار کے بڑے جادوگر نے اٹھ کر شہزادے کو سلام کیا اور کہا۔

''غلام حاضر ہے عالم پناہ!''

''اے شاہی جادوگر!اس نوجوان کو اپنے جادو کے زور سے فتح

کرو۔ اس نے ہمارے دیوتاؤں کی توہین کی ہے اور ہمارے کئی آدمیوں کو اپنی جادوگری سے ہلاک کر دیا ہے۔''

''جو حکم عالم پناہ!''

جادوگر نے سر جھکا کر شہزادے کی تعظیم بجالائی اور پھر اپنی لال لال آنکھوں سے عنبر کی طرف دیکھا۔

''اے نوجوان! کیا تم جادوگر ہو؟ اگر جادوگر ہو تو اپنے اُستاد کو یاد کرو۔ اور میرا پہلا وار برداشت کرو۔''

عنبر نے کہا۔

''میں جادوگر نہیں ہوں۔ بلکہ خدائے واحد کی پرستش کرنے والا ہوں۔ میرا رب میری حفاظت کرتا ہے۔ میرا کوئی استاد نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کسی سے جادو سیکھا ہے۔''

شاہی جادوگر بولا۔

''تو پھر اپنے خدا کو کہو کہ وہ تمہیں میرے جادو سے بچائے۔ میں تم پر وار کرنے لگا ہوں۔''

''میرا خدا ضرور میری مدد کرے گا۔''

عاتکہ ستون کے ساتھ بندھی یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اُسے کبھی خواب میں بھی خیال نہیں آ سکتا تھا۔ کہ وہ جلاد کے چھرے سے بچ جائے گی۔ اب وہ عنبر کے لیے دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ اے رب عظیم اُسے اپنی پناہ میں رکھنا۔ دیوی بھی خدائے عظیم کے حکم سے عنبر کی مدد کر رہی تھی۔ عنبر اپنی جگہ پر چپ چاپ کھڑا تھا۔ شاہی جادوگر نے ایک ہاتھ اوپر اٹھا کر عنبر کی طرف اشارہ کیا۔ اچانک زمین پر ایک شعلہ لپکا اور وہ شعلہ رقص کرتا ہوا عنبر کی طرف بڑھنے لگا۔ عنبر کے قریب آ کر شعلے نے لپک کر عنبر کو جلا کر خاک کرنا چاہا۔ مگر عنبر نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور آگ کا شعلہ ایک دم

یوں بجھ گیا جیسے کسی نے اُس پر پانی کی بالٹی انڈھیل دی ہو۔ شاہی جادوگر نے دوسرا وار کیا۔ اُس نے زمین پر پاؤں مارا۔ اور اس کے ساتھ ہی سمندر کی ایک بہت بڑی طوفانی لہر اٹھی اور عنبر کی طرف خوفناک تیزی کے ساتھ بڑھی۔ عنبر نے بھی اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ پاؤں زمین پر مارنے کی دیر تھی کہ سمندر کی طوفانی بھاپ بن کر اڑ گئی۔ شہزادہ اور سارے درباری حیران ہو گئے کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ نوجوان سالڑ کا دربار کے پرانے اور شاہی جادوگر کو کس طرح شکست دے رہا ہے؟ اس دفعہ شاہی جادوگر نے غصے میں آ کر اپنا ڈنڈا زمین پر پھینک دیا۔ زمین پر ہزاروں زہریلے سانپ پیدا ہو گئے اور پھنکارتے ہوئے عنبر کی طرف بڑھنے لگے۔ عنبر نے بھی اپنا دوسرا پاؤں زور سے زمین پر مارا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بھیانک اژدہا زمین پر نمودار ہوا اور اُس نے شاہی جادوگر سارے کے سارے

پھنکارتے ہوئے سانپ ایک ہی سانس کے ساتھ نگل کر ہڑپ کر لئے۔شاہی جادوگر نے آخری وار کرنا چاہا مگر عنبر نے دیوی کو اشارہ کیا۔شاہی جادوگر ایک قلابازی کھا کر فضا میں بلند ہوا اور ہوا میں الٹا دیا گیا۔وہ رورو کر آوازیں دینے لگا۔

''مجھے بخش دو۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔''

جادوگر کی شکست کے ساتھ ہی سارے دربار کی فضا بدل گئی۔ بڑا پروہت غصے میں وہاں سے چلا گیا۔شہزادے کو یقین ہو گیا کہ عنبر سب سے بڑا جادوگر ہے اور اُسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔اُس نے عنبر کو بُلا کر کہا۔

''کیا تم نے جادو دیوتاؤں سے سیکھا ہے؟''

تھائیس کی تلاش

عنبر مُسکرا رہا تھا۔ اُس نے ستون کے ساتھ بندھی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''پہلے اس لڑکی کو آزاد کیا جائے۔''

شہزادے کے حکم سے عاتکہ کو اسی وقت آزاد کر دیا گیا۔ عاتکہ آزاد ہوتے ہی دوڑتی ہوئی چبوترے سے نیچے اتری اور عنبر کا ہاتھ چوم کر بولی۔

''اے مقدس انسان! خدائے عظیم نے اپنی رحمت سے ہماری جان بچالی۔''

عنبر نے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

''عاتکہ! ہمیں ہر حالت میں اپنے رب عظیم کا شکر گزار ہونا

چاہئیے۔ اگر وہ ہم پر اپنی رحمت نازل نہ کرتا تو ہم اس وقت خاک و خون میں تڑپ رہے ہوتے۔''

شہزادے کی ملکہ والدہ بھی عنبر کے پاس آ گئی تھی۔ شہزادے نے ایک بار پھر عنبر سے پوچھا کہ اُس نے یہ جادو جہاں سے حاصل کیا ہے؟ عنبر نے کہا۔

اے شہزادے! جسے تم جادو کہہ رہے ہو یہ جادو نہیں ہے بلکہ میرے خدائے واحد کا کرم ہے۔ جو ہم دونوں پر ہوا۔ جادو تمہاری شاہی جادوگر کے پاس تھا جس کو میں نے شکست دے دی۔ میرے پاس جادو نہیں ہے۔ جادو میرے مذہب میں حرام ہے۔''

شہزادے نے پوچھا۔

''تمہارا مذہب کونسا ہے؟''

''اے شہزادے میں ایک خدا کی پوجا کرتا ہوں۔ جو ساری

کائنات کا مالک ہے۔ جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ جو ایک ہے اور ہمیشہ ایک رہے گا۔''

شہزادے کی والدہ نے کہا۔

''ہم اپنے دیوتاؤں کو ہی اپنا خدا مانتے ہیں۔ ہم تمہارے خدا کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ لیکن تم ایک بہت بڑے جادوگر ہو۔ اور ہم تمہیں اپنے دربار کا سب سے بڑا شاہی جادوگر بناتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ عہدہ قبول ہے؟''

شہزادے نے کہا۔

''ہماری خواہش ہے کہ تم ہمارے دربار میں شاہی جادوگر کا عہدہ قبول کرو۔''

''مجھے منظور ہے۔''

شہزادہ عنبر سے بے حد متاثر ہو چکا تھا۔ چنانچہ اُس کے اُسی وقت

عنبر کے شاہی جادوگر بننے کا علان کر دیا اس اعلان کو سن کر پرانا شاہی جادوگر جل بھن کر خاک ہو گیا۔ وہ انتہائی غصے کے عالم میں اپنے شاگردوں کے ساتھ محل سے باہر نکل گیا۔ شہزادے نے عنبر کو شاہی جادوگر کا لباس عطا کیا اور اپنے ہاتھ سے اس کے ماتھے پر زعفران چھڑ کا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ آج سے عنبر موہنجوداڑو کی حکومت کا سرکاری جادوگر ہے۔

عنبر کے رہنے کے لیے سب سے بڑی عبادت گاہ کے پہلو میں ایک بارہ دری عطا کر دی گئی۔ اس بارہ دری کے ارد گرد ایک خوبصورت باغ تھا جس کے تالاب میں ایک آبشار گر رہی تھی۔ عاتکہ کو ملکہ نے اپنے پاس بُلا لیا اور کہا۔

''تمہیں بہت جلد تمہارے ماں باپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اب تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم شاہی حفاظت میں ہو۔''

عاتکہ نے سر کو ادب سے جھکا کر ملکہ کا شکریہ ادا کیا اور عنبر کو خدا حافظ کہہ کر شاہی حرم کی طرف چل دی۔ عنبر بھی اپنی عبادت گاہ والی بارہ دری میں آ گیا۔ شاہی جادوگر کی حیثیت سے اس کا کام صرف اتنا تھا کہ اگر کبھی کسی دوسرے ملک کا کوئی جادوگر موہنجوداڑو آ کر مقابلہ کی دعوت دے تو وہ حکومت کی طرف سے اُس کا مقابلہ کرے اور اُسے شکست دے کر موہنجوداڑو کی حکومت کا نام اونچا رکھے۔ عنبر نے یہ عہدہ صرف اس لیے قبول کر لیا تھا کہ وہ موہنجوداڑو میں رہنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اس دور میں سوائے اس شہر کے اور کوئی شہر ایسا نہیں تھا جو ترقی یافتہ ہو۔ صرف وہاں سے کافی فاصلے پر ہڑپہ ایک ایسا شہر تھا جو تہذیب و ترقی میں موہنجوداڑو کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ عنبر نے سُن رکھا تھا کہ موہنجوداڑو میں لوگ بھینسیں اور بیل کے ساتھ ساتھ سانپوں کی بھی پوجا کرتے ہیں۔ تھائیس بھی اُسی شہر کی رہنے والی تھی۔

عنبر کو تھائیس کا خیال آیا تو وہ سوچنے لگا کہ جانے وہ عورت کہاں ہو گی؟ ڈاکوؤں کے اغوا کرنے کے بعد سے عنبر نے اُس کی کوئی خبر نہیں سنی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ ضرور مصر یا شام کے بازار میں ایک کنیز کی طرح کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دی گئی ہو گی اور اب وہ کسی گھر میں نوکرانی بن کر زندگی کے دن پورے کر رہی ہو گی۔ اُس نے دیوی سے کئی بار اُس کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کی مگر اُس نے ہر بار اسے یہی بتایا کہ تھائیس کسی قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ عنبر بڑا حیران ہوتا کہ وہ اس وقت سے لے کر اب تک کسی قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہو گی؟

اب ذرا تھائیس کا بھی حال سنو!

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ تھائیس نے سیاہ فام شہزادے کے چنگل سے بھاگ کر مصر سے ملک سندھ کی طرف آنے والے قافلے

میں مردانہ لباس پہن کر العارف عرب تاجر کی حیثیت سے سفر کر رہی تھی اور ایک شامی نام کا عرب تاجر راستے میں اُس کا دوست بن گیا تھا۔ اُس تاجر کو بالکل علم نہیں تھا کہ جس عرب سوداگر کو وہ آدمی سمجھ رہا ہے وہ حقیقت میں ایک عورت ہے۔ اُدھر سیاہ فام شہزادے نے اپنے خاص سپاہیوں کو تھائیس کی تلاش میں روانہ کر دیا تھا۔

تھائیس کا قافلہ اپنے اصولوں کے مطابق دن کی دھوپ اور گرمی میں زیادہ دیر آرام کرتا اور رات کو سفر شروع کر دیتا۔ جبکہ سیاہ فام شہزادے کے سپاہی قافلے تک جلد از جلد پہنچنے کی غرض سے دن رات گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے۔ وہ صرف کچھ دیر کے لیے تھوڑی دیر کے لئے آرام کر لیتے اور گھوڑوں کا پانی وغیرہ پلا کر تازہ دم کر لیتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قافلے کے قریب قریب آن پہنچے۔ اس وقت وہ تھائیس کے قافلے سے ایک دن کی مسافت پر سفر کر رہے تھے اور

تھائیس کا قافلہ ایک نخلستان میں آرام کر رہا تھا۔ قافلے والوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا اور کھانے پینے میں مصروف تھے۔

شامی تاجر اونٹ کی گردن آگ پر بھون رہا تھا۔ تھائیس بھی مردانہ لباس میں اُس کے قریب بیٹھی کھجوروں کا حلوہ تیار کر رہی تھی۔ شامی تاجر نے کہا۔

''العارف! یار تم تو بالکل عورتوں کی طرح حلوہ تیار کر رہے ہو۔ ایسے لگتا ہے جیسے تم عورتوں کے درمیان کافی عرصہ رہے ہو۔''

تھائیس کانپ گئی۔ کہیں شامی کو پتہ تو نہیں چل گیا کہ وہ عورت ہے؟ لیکن نہیں اُسے تو صرف شک ہی ہوا تھا۔ تھائیس نے کہا۔

''میرا بچپن اپنی خالاؤں کے ساتھ بسر ہوا ہے۔ میرا باپ بچپن ہی میں مر گیا تھا۔''

''جب ہی میں بھی حیران تھا کہ میرا دوست العارف کبھی کبھی

عورتوں کی طرح کیوں حرکتیں کرنے لگتا ہے۔''

تھائیس نے مردوں کی طرح قہقہہ لگا کر شامی کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔

''دوست! میں تو پورا اور پکّا مرد ہوں۔ بھلا مرد بھی کبھی عورت ہو سکتا ہے!''

''کبھی نہیں۔ ایسا ہی نہیں سکتا۔'' لو اب یہ بھُنا ہوا اونٹ کھاؤ۔''

''شکریہ!''

تھائیس نے اونٹ کی گردن کا ایک بڑا سا ٹکڑا توڑا اور اُسے وحشی مَردوں کی طرح کھانے لگی۔ اس سے پہلے اُس نے کبھی اس طرح گوشت نہیں کھایا تھا مگر اب وہ ایسا کرنے پر مجبور تھی۔ گوشت کو مردوں کی طرح چباتے ہوئے اس کے جبڑے بہت جلد درد کرنے لگے۔ مگر وہ اپنے آپ کو مرد ظاہر کرنے کے لیے منہ ہلاتی گئی۔ شامی

تاجر بھی اُس کے ساتھ ہی کھا رہا تھا۔اس نے حلوے کا ایک نوالہ لیتے ہوئے کہا۔

''دوست! آؤ ذرا پنجہ آزمائی کریں۔دیکھیں ہم میں سے کون زیادہ طاقتور ہے۔ذرا ورزش بھی ہو جائے گی۔''

تھائیس کی تو جان ہی نکل گئی۔کیونکہ وہ کسی حالت میں بھی شامی تاجر سے طاقت ور نہیں تھا۔ہوسکتا تھا کہ وہ تھائیس کہ کلائیاں دیکھ کر اندازہ لگالے کہ یہ تو عورت ہے۔تھائیس نے بہت انکار کیا مگر شامی اپنی ضد پر اڑا رہا۔آخر اُس نے آگے بڑھ کر تھائیس کا پنجہ اپنے پنجے میں تھام لیا اور زور آزمائی کرنے لگا۔تھائیس بیچاری آخری عورت تھی۔اس کی چیخ نکل گئی۔شامی بڑا حیران ہوا کہ مرد ہو کر وہ ذرا سا دباؤ بھی برداشت نہیں کر رہا۔اُس نے زور سے جھٹکا دے کر تھائیس کو زمین پر گرالیا۔تھائیس کی زمین پر گرتے ہی پگڑی کھل گئی اور لمبے

لمبے کالے بال لہرانے لگے۔شامی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

تو کیا۔۔۔کیا تم عورت ہو؟''

تھائیس نے جھٹ اُٹھ کر پگڑی بال سمیٹ کر سر پر رکھی اور شامی کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''خاموش!''

شامی تاجر خاموش ہو گیا۔وہ پہلے ہی بڑا حیران تھا۔تھائیس نے اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے سرگوشی میں چُپ رہنے کو کہا تو وہ اور بھی خوف زدہ سا ہو گیا۔اُس نے چپکے سے آگ کے پاس بیٹھ کر حلوے کی رکابی اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

''العارف!تم عورت ہو۔تم مرد کے بھیس میں سفر کیوں کر رہے ہو؟یقین کرو اب جبکہ تمہارا بھید مجھ پر کھل گیا ہے یہ بھید میرے سینے میں محفوظ رہے گا۔''

تھائیس نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا تم سچ کہتے ہو شامی؟''

''ہاں۔ میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر تمہیں سچ کہتا ہوں۔ میں کسی سے ذکر تک نہیں کروں گا۔ لیکن مجھ پر اس راز سے پردہ ضرور اٹھاؤ کہ تم اس قافلے میں مردانہ بھیس بدل کر سفر کیوں کر رہی ہو؟''

تھائیس نے پہلے تو سوچا کہ وہ شامی پر اصل حقیقت واضح نہ کرے۔ اُسے ہرگز نہ بتائے کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آ رہی ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ مگر پھر اُس نے سوچا کہ جانے راستے میں کس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں اور اُس شامی کی مدد حاصل کرنے کی ضرور پیش آ جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اُسے تمام حالات سے با خبر کر دیا جائے۔ چنانچہ اُس نے الف سے لے کر یے تک شامی تاجر کو ساری کہانی بیان کر دی۔ شامی تاجر بڑے غور سے تھائیس کی کہانی

سنتا رہا۔ جب وہ اپنی داستان ختم کر چکی تو شامی نے کہا۔

''تمہاری داستان بڑی دردناک ہے تھائیس! مگر تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گا اور تمہیں حفاظت سے ہڑپہ تمہارے ماں باپ ے پاس پہنچا کر آؤں گا۔''

''میں تمہارا یہ احسان کبھی فراموش نہ کروں گی شامی۔''

شامی کچھ دیر سوچ کر بولا۔

''ایسا کبھی ہو نہیں سکتا کہ سیاہ فام کانے شہزادے نے اپنے سپاہی تمہاری تلاش میں روانہ نہ کئے ہوں۔ وہ ایک لاکھ بیس ہزار ریال میں خریدی ہوئی کنیز کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے سپاہی ضرور تمہاری تلاش میں آ رہے ہوں گے۔''

تھائیس نے گھبرا کر کہا۔

''اگر ایسا ہو گیا تو بڑی بھیانک بات ہو گی۔ میری ساری محنت

خاک میں مل جائے گی اور پھر تو میں مرتے دم تک اپنے ماں باپ کی صورت نہ دیکھ سکوں گی۔''

''سیاہ فام کانا تمہیں دوبارہ گرفتار کرنے کے بعد تم پر بے پناہ ظلم ڈھائے گا۔اور ہوسکتا ہے کہ تمہیں کسی ایسی چار دیواری میں بند کر کے رکھے جہاں تم سورج کی روشنی بھی نہ دیکھ سکو۔''

تھائیس خوف سے زرد ہوگئی۔شامی نے اُس کی پریشاں حالت دیکھ کر اُسے تسلی دی اور کہا کہ وہ بالکل نہ گھبرائے۔حالات کیسے بھی ہوئے وہ اُس کی ہر طرح سے مدد کرے گا۔اگر سیاہ فام کانے کے سپاہی آ بھی گئے تو وہ اُسے چھپانے کی کوشش کرے گا۔تھائیس مطمئن ہوگئی مگر دل میں اسے یہی دھڑکا لگا رہا کہ اگر سیاہ فام کانے کے سپاہی اُس کی تلاش میں آ گئے تو اُس کو ضرور گرفتار کر کے لے جائیں گے۔

آخر جس کا اُسے ڈر تھا وہ ہو کر رہا۔

قافلہ صبح سے نخلستان میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ دھوپ ڈھلنے لگی تو قافلے میں کوچ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ابھی اونٹوں پر مال کی گٹھڑیاں لادی جا رہی تھیں کہ دور سے گرد اٹھتی نظر آئی۔ قافلہ کے سردار نے آنکھوں پر ہتھیلی کا سایہ کر کے اُس طرف دیکھا اور اپنے ساتھی سے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کوئی سوار آ رہے ہیں۔ ہمیں اُن کا انتظار کرنا چاہئیے۔ ہو سکتا ہے مصر سے کوئی ضروری پیغام لے کر آ رہے ہوں۔''

گھوڑوں کی گرد اڑتی شامی تاجر اور تھائیس نے بھی دیکھ لی۔ تھائیس پریشان ہو گئی۔ اُس نے شامی سے کہا۔

''میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ سیاہ فام شہزادے کے سپاہی ہیں۔ وہ لوگ یہاں پہنچ گئے تو تلاشی لینے کے بعد مجھے ضرور پکڑ لیں گے۔ اب کیا ہو گا؟''

شامی نے دور گھوڑ سواروں کی اڑتی ہوئی گرد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''فکر نہ کرو۔ اس کا ابھی بندوبست کیئے دیتا ہوں۔''

شامی تاجر ایکدم چوکس ہو گیا۔ اُس نے نخلستان میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر تھائیس سے کہا۔

''میرے ساتھ آؤ۔''

تھائیس شامی کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ انہیں اُدھر جاتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ کیونکہ سب لوگوں کی توجہ اُن گھوڑ سواروں کی طرف تھی جن کے لوہے کے خود دھوپ میں چمکتے صاف دکھائی دینے لگے تھے۔ قافلہ سردار نے کہا۔

''یہ تو کسی شہزادے کی فوج کے سپاہی ہیں۔ ضرور کوئی خاص پیغام لے کر آرہے ہیں۔''

وہ آگے بڑھ کر گھوڑ سواروں کے قریب آنے کا انتظار کرنے

لگے۔ اُدھر شامی تاجر تھائیس کو ساتھ لے کر کھجوروں کے ایک جھنڈ کے نیچے آ گیا۔ یہاں ریت کے ایک چھوٹے سے ٹیلے میں ایک جگہ چھوٹا سا سوراخ بنا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں رات کو کوئی جنگلی جانور بسیرا کرتا ہے۔ شامی نے جلدی سے آگے بڑھ کر سوراخ کو چوڑا کیا۔ اندر اتنی جگہ تھی کہ ایک آدمی اس میں سمٹ کر چھپ سکے۔ شامی نے تھائیس سے کہا۔

''فوراً اس کھوہ میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ دیر مت کرو۔''

تھائیس پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا اور کھوہ کے اندر گھس کر سمٹ سمٹا کر بیٹھ گئی۔ شامی نے کچھ پتھر اور جھاڑیاں لے کر اس کھوہ کے منہ کے آگے کر دیں۔ کوئی آدمی اب اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے اندر کوئی عورت چھپی ہوئی ہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر شامی فوراً قافلے والوں کے پاس آ کر کھڑا

ہو گیا۔ اتنے میں گھوڑ سوار سپاہی وہاں پہنچ گئے۔ سپہ سالار نے
گھوڑے سے اُتر کر قافلہ سردار سے ہاتھ ملایا۔ قافلہ سردار سیاہ فام
شہزادے کا دوست تھا۔ سپہ سالار نے اُسے بتایا کہ شہزادے کی چہیتی
کنیز بھاگ گئی ہے اور اس قافلے کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔

''میں خود آپ کے ساتھ قافلے کی تلاشی لیتا ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا
ہے کہ میرے بہترین دوست کی کنیز بھاگ کر میرے قافلے میں سفر
کر رہی ہو اور مجھے علم ہی نہ ہو۔''

قافلے کی عام تلاشی شروع ہو گئی۔ اُس زمانے میں مسافروں
کے نام رجسٹروں میں کہاں درج کیے جاتے تھے۔ بس جتنے لوگ'
عورتیں اور بچے وہاں موجود تھے اُن میں سے ایک ایک گھور گھور کر
دیکھا جانے لگا۔ مگر وہاں تھائیس موجود ہوتی تو کوئی اسے تلاش کرتا۔
سپہ سالار اور قافلہ سردار نے بار بار عورتوں کو غور سے دیکھا مگر تھائیس

وہاں نہیں تھی۔ سپہ سالار نے کہا۔

''آخر وہ کہاں چلی گئی؟''

قافلہ سردار نے کہا ہو سکتا ہے وہ مصر میں ہی کسی جگہ چھپی بیٹھی ہو۔ کیونکہ اگر وہ اس قافلے میں سفر کر رہی ہوتی تو ضرور پکڑی جاتی۔

''آپ کے سامنے ہم نے قافلے کے سارے کے سارے مسافروں کو گھور گھور کر دیکھ لیا ہے۔ تمام عورتوں کو دیکھا بھالا ہے۔ میرے دوست شہزادے کو جا کر میرا پیغام دیں کہ اگر اُن کی کنیز میرے قافلے میں ہوتی تو میں اُسے خود زنجیروں میں جکڑ کر اُن کے پاس لاتا۔''

سپاہی نا امید ہو کر واپس روانہ ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ کنیز قافلے کے ساتھ سفر نہیں کر رہی۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ انہوں نے قافلے میں شریک تمام مسافروں کو دو دو چار چار مرتبہ

غور سے دیکھا تھا۔ اُن کے جاتے ہی شامی نے اطمینان کا سانس لیا۔ قافلے میں دوبارہ کوچ کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور ہر طرف ایک افراتفری سی مچ گئی۔ شامی موقع نکال کر کھجوروں کے جھنڈ کی طرف کھسک گیا۔ اُس نے ریت کے ٹیلے پر سے پتھر اور جھاڑیاں ہٹا کر تھائیس سے کہا کہ وہ باہر نکل آئے خطرہ ٹل گیا ہے۔ تھائیس بے چاری دہری ہو کر بیٹھی ہوئی تھی اور اُس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ یہ خوش خبری سن کر اُس نے سکھ کا سانس لیا اور فوراً جانور کے کھوہ میں سے باہر نکل آئی۔

جادوگر کا انتقام

تھائیس کو ایک بار پھر نئی زندگی اور آزادی نصیب ہوئی تھی،
اس نے شامی تاجر کا بے حد شکریہ ادا کیا جس کی وقت پر امداد نے
تھائیس کو ظالموں کی گرفت سے نجات دلائی تھی۔ شامی تاجر اُسے
ساتھ لے کر قافلے میں آ گیا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ تھائیس
تلاشی کے وقت وہاں موجود نہیں تھی۔ گھوڑسواروں کے جاتے ہی
قافلہ کوچ کے لیے تیار ہو گیا اور دوبارہ ملک سندھ کی جانب اپنے سفر
پر روانہ ہو گیا۔ ملک سندھ وہاں سے صرف ایک رات کے فاصلے پر تھا
اور اس قافلے کو ساری رات سفر کرنے کے بعد صبح موہنجو داڑو کی
سرحدوں میں داخل ہو جانا تھا۔ تھائیس نے خدائے عظیم کا شکر ادا کیا
کہ وہ آخری مصیبت سے بچ نکلی۔ اب اُسے اپنے گھر تک سفر بہت

آسان اور بے خطر نظر آرہا تھا۔ آسمان پر ستارے نکل آئے تھے۔ صحرا میں اُن ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور قافلہ بڑے سکون کے ساتھ صحرا میں سفر کر رہا تھا۔ اونٹوں کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی آوازیں بڑی سُریلی لگ رہی تھیں۔ شامی اور تھائیس ایک ہی اونٹ پر بیٹھے تھے۔

شامی نے کہا۔

''دیوتاؤں کی مہربانی سے ہم صبح موہنجوداڑو پہنچ جائیں گے۔ میں نے اگر چہ موہنجوداڑو رُکنا تھا مگر میں تمہیں ہڑپہ چھوڑ کر آؤ گا۔''

تھائیس نے کہا۔

''تم اپنی تکلیف نہ کرنا شامی! میں کسی دوسرے قافلے میں شریک ہو کر خود بخود اپنے گھر پہنچ جاؤں گی۔ مجھے موہنجوداڑو کی کارواں سرائے سے ہڑپہ جانے والا قافلہ آسانی سے مل جائے گا۔''

شامی کہنے لگا۔

''تھائیس جب تک مجھے یہ معلوم تھا کہ تم مرد ہو میں تمہاری طرف سے بے فکر تھا مگر اب میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اب یہ میرا فرض ہے کہ میں تمہیں تمہارے گھر تک پہنچا کر آؤں۔ اس لئے کہ ایک تو تم عورت ہو دوسرے دشمن تلاش میں ہے۔''

تھائیس نے کہا۔

''دشمن اب واپس جا چکا ہے شامی! وہ اب میری تلاش میں نکلے بھی تو مجھے نہیں پا سکتا۔''

''ایسا نہ کہو تھائیس! دشمن کی طرف سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ وہ لوگ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں جو دشمن کی طرف سے غافل اور بے پروا ہو جاتے ہیں۔ دشمن کو ہمیشہ اپنے سر پر سمجھنا چاہیئے۔''

''لیکن موہنجوداڑو پہنچنے کے بعد مجھے کیا خطرہ ہو سکتا ہے شامی؟
وہاں سے تو میرا وطن شروع ہو جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے تھائیس۔مگر دشمن بعض اوقات مکاری کے ساتھ وطن
میں بھی آ کر وار کر جاتا ہے۔اس لئے میں تمہارے ساتھ تمہارے شہر
تک چلوں گا اور جب تمہیں تمہارے ماں باپ کے حوالے کر دوں گا
تو اطمینان سے واپس آ جاؤں گا۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔''

اور قافلہ اپنے سفر پر چلتا چلا گیا۔

اُدھر موہنجوداڑو کے دربار کے پرانے شاہی جادوگر کو اپنی شکست
اور دربار کے عہدے کے چھن جانے کا بے حد صدمہ تھا اور وہ انتقام
کی آگ میں بھڑک رہا تھا۔وہ کسی نہ کسی طرح نئے شاہی جادوگر عنبر
سے اپنی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔پرانا جادوگر بڑا مکار

تھا۔ اُسے اِتنا معلوم تھا کہ وہ اپنے جادو کے ذریعے عنبر کو زیر نہیں کر سکتا۔ وہ جادو کے معاملے میں شاہی جادوگر سے بہت آگے تھا۔ اِس کا ثبوت اُسے شاہی دربار میں مل چکا تھا۔ وہ کسی اور طریقے سے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے چھوٹے جادوگر شاگردوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے ایک ہی مشورہ دیا کہ عنبر کی بجائے اُس لڑکی کو اغوا کر کے قتل کر دیا جائے۔ جس نے دیوتاؤں کی توہین کی تھی اور جس کی جان بچانے کے لیے عنبر نے بڑے مندر کے پجاری کو مار ڈالا تھا۔ شاہی جادوگر نے کچھ سوچ کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ اُس لڑکی عاتکہ کو اغوا کر کے اس پرانے مندر کے تہہ خانے میں بند کر دیا جائے۔ پھر دیکھتے ہیں عنبر اُسے حاصل کرنے کے لیے کیا کرتا ہے؟ اگر وہ اُسے حاصل کرنے میں ناکام رہا تو وہ ضرور بادشاہ کی نظروں میں گر جائے گا۔

اگر وہ ایک بار بادشاہ کی نظروں میں گر گیا تو وہ ضرور اُسے دربار سے باہر نکال دے گا اور میں یہی چاہتا ہوں کہ بادشاہ میرے دشمن کو ذلیل کر کے نکال باہر کرے تا کہ میں ایک بار پھر اپنے پرانے عہدے کو حاصل کر سکوں۔''

''دیوتا سامری ہماری مدد کرے۔''

جادوگر کے شاگردوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔

یہ لوگ ایک پرانے مندر کے تہہ خانے میں بیٹھے تھے۔ جادوگر نے ایک جلتی ہوئی مشعل اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لی اور اُسے ہوا میں دائرے کی شکل میں گھمانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اونچی آواز میں کوئی منتر پڑھتا جاتا تھا۔ سارے شاگرد اُس کا ساتھ دے رہے تھے۔ ایک بار اُس نے زور سے کچھ پڑھا اور آگ کا دائرہ چھوٹا کر دیا۔ پھر وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ مشعل اپنے آپ ہوا میں

دائرے کی شکل میں گردش کر رہی تھی۔

''اے جادوگروں کے بادشاہ سامری! تیرا ایک غلام مصیبت میں ہے اُسے ایک نوجوان جادوگر نے شکست دے دی ہے۔ اُس کی مدد کر اُس کی مدد کو آ۔۔۔''

فضا میں ایک دھماکہ سا ہوا اور پھر سامری جادوگر کی آواز سنائی دی۔

''اے یزدگرد جادوگر! ہمیں تمہاری شکست کا علم ہو گیا ہے۔ ہم تیری شکست سے بڑے اداس ہیں۔ مگر ہم اُس نوجوان سے انتقام لیں گے۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔''

جادوگر نے کہا۔

''میں عاتکہ لڑکی کو اغوا کر کے یہاں قید کر دینا چاہتا ہوں سامری! تا کہ اُس کا الزام شاہی جادوگر عنبر پر لگے اور بادشاہ اسے

ذلیل کر کے دربار سے نکال دے۔"

"تمہارا یہ خیال ہمیں پسند آیا ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ تو عنبر سے بھی ہماری شکست کا بدلہ لے۔"

"اے سامری! وہ بڑا جادوگر ہے۔ اُس پر میرا جادو نہیں چلتا۔" سامری نے چیخ مار کر کہا۔

" بکواس بند کر اے بزدگر! میرے مقابلے میں کوئی جادوگر نہیں آ سکتا۔ میری توہین کر کے تو نے میرے عذاب کو دعوت دی ہے۔"

شاہی جادوگر سجدے میں گر پڑا۔

"مجھے معاف کر دے اے عظیم جادوگر سامری! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ تمہارا جادو دنیا میں سب جادوؤں سے اُونچا ہے۔ تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تو مجھے حکم دے۔ میں اُس پر عمل کروں گا۔"

سامری نے کہا۔

''تو سن! عاتکہ لڑکی کو اغوا کر کے لانے کا ارادہ بھی ملتوی کر دے اور شاہی جادوگر عنبر پر میری طرف سے میرے حکم سے اپنا جادو پھونک۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جل کر بھسم ہو جائے گا۔''

''جو حکم عظیم سامری! مجھے اپنا منتر عطا کر وتا کہ وہ میں عنبر پر پھونک سکوں۔''

سُن اے یزدگر غور سے سُن! آج شام جب شاہی جادوگر دربار میں آئے تو تو بھی وہاں پہنچ کر اُسے مقابلے کی دعوت دے اور پھر میری طرف سے دیا ہوا منتر پھونک۔۔۔ وہ تمہارے زیر ہو جائے گا اور تمہارے منتر سے جل کر راکھ ہو جائے گا۔''

''اور سامری اگر ایسا نہ ہوا تو کیا ہو گا؟''

سامری نے چیخ ماری۔

''بکواس بند کر اور جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کر۔''

''جو حکم عظیم سامری؟''

سامری نے جادوگر کو منتر بتا دیا اور خود غائب ہوگیا۔ جادوگر قہقہہ لگا کر اپنے شاگردوں سے مخاطب ہوا۔

''اب وہ عنبر نوجوان میرے انتقام سے نہ بچ سکے گا۔ اُس کی موت اُسے آوازیں دے رہی ہے۔ آج شام وہ سارے درباریوں اور بادشاہ شہزادے کے سامنے جل بھن کر خاک ہو جائے گا۔''

''دیوتا آپ کے ساتھ ہوں۔''

تمام شاگردوں نے جادوگر کی تعریف میں نعرہ لگایا اور دعا مانگی۔

جادوگر نے اپنے سارے بدن پر جادو کی راکھ مل کر گلے میں سفید کھوپڑوں کا ہار پہنا۔ لمبا سیاہ چوغہ پہن کر سر پر ہڈیوں کا تاج رکھا اور ہاتھ میں گدھے کے جبڑے کی ہڈی پکڑ کر اپنے شاگردوں کے ساتھ

شاہی محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ آج وہ ہر مقام پر عنبر کو شکست دے کر اپنا پرانا عہدہ دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُسے سب سے بڑے جادوگر سامری کی تائید حاصل ہوگئی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگا۔ شاگردوں کا جلوس اس کے پیچھے پیچھے منتر الاپتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ بادشاہ شہزادے کو خبر کر دی گئی کہ پرانا شاہی جادوگر ایک بار پھر نئے شاہی جادوگر عنبر کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہے۔ شہزادے نے اجازت دے دی۔ عنبر بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیسی مصیبت اس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ مگر اب وہ سوائے مقابلہ کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسی میں اُس کی عزت اور وقار تھا۔ اُس نے دل ہی دل میں دیوی بلطیس کی بہن کو خیال کیا اور کہا کی ایک بار پھر اُس کی عزت کا سوال پیدا ہو گیا ہے اور وہ اُس کی مدد کرے۔

دیوی بلطیس کی بہن سامنے نمودار ہوگئی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"دیکھو عنبر! ایک بات تم ہمیشہ یاد رکھنا۔ میری طاقت محدود ہے اس کی بھی ایک حد ہے۔ میں ایک حد تک تمہاری مدد کر سکتی ہوں اُس کے آگے میں بھی مجبور ہوں اور کسی دوسری طاقت کا مقام شروع ہو جاتا ہے۔ ویسے میں تمہاری ہر بار مدد کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن میں کسی وقت مجبور ہو جاتی ہوں۔ اس لیے تم مجھے سوچ سمجھ کر آواز دیا کرو۔"

عنبر نے کہا۔

"میں تمہاری مجبوریوں سے باخبر ہوں دیوی۔ مگر میں بھی مجبور ہو کر تمہیں یاد کر رہا ہوں۔ یہ لوگ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ یہ جادوگر خاص طور پر مجھ سے اپنا خونی انتقام لینا چاہتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ یہ اس دفعہ اپنے دیوتا سامری سے نئی طاقت اور کوئی نیا منتر لے کر آیا ہے۔

دیوی ہنس دی۔

''وہ کسی سے بھی طاقت لے کر آ جائے مگر تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ تمہیں طاقتوں کی تائید حاصل ہے۔ سب سے پہلی طاقت تو تمہارے پاس یہی ہے کہ تم دو ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو اور تمہیں موت نہیں آ سکتی۔ اس سے بڑا جادو اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس جادوگر کو بھی ایک نہ ایک دن مر جانا ہے۔''

''یہ میں جانتا ہوں۔ مگر اُس کے جادو کا وار تو مجھ پر ہو سکتا ہے۔ وہ اگر چاہے تو مجھے انسان سے کوئی جانور بنا سکتا ہے۔ وہ مجھے ہلاک تو نہیں کر سکتا مگر مجھے گدھا تو بنا سکتا ہے۔''

دیوی زور سے ہنس پڑی۔

''فکر نہ کرو۔ اس دفعہ میں اُسے کوئی جانور بنا دوں گی۔''

اتنا کہہ کر دیوی غائب ہو گئی۔

عنبر دربار میں اکیلا رہ گیا۔ شہزادہ بھی وہاں پر موجود تھا۔ مگر ابھی تک اُس کی ہمدردیاں بھی پرانے جادوگر کے ساتھ تھیں۔ وگرنہ وہ اُسے کہہ سکتا تھا کہ ہم یہ مقابلہ کروانے کے لیے ہرگز راضی نہیں۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا اور پرانے جادوگر کو ایک بار پھر موقع دیا کہ وہ عنبر کو اگر شکست دے سکتا ہے تو شکست دے۔ عنبر کو اس بات کا بڑا احساس تھا اور وہ شہزادے کو بھی ذرا تھوڑا سا جھٹکا دینا چاہتا تھا۔

جادوگر اپنے شاگردوں کے جمگھٹے میں بڑی شان سے کھڑا تھا۔ شہزادے نے اشارہ کیا۔ بڑا پروہت بھی وہاں نمودار ہو کر پرانے جادوگر کی طرف داری کر رہا تھا۔ دراصل موہنجوداڑو کے دربار کے بھی لوگ عنبر کے دلی طور پر خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ اس کو کسی نہ کسی طرح شکست ہو اور پرانا جادوگر پھر سے دربار میں شاہی مقام حاصل کر لے۔ اس وقت بھی اُن سب کی ہمدردیاں پُرانے جادوگر کے

ساتھ تھیں اور وہ اُس کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دیوی کے غائب ہو جانے کے بعد عنبر اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔ اُسے اُن سب پر اور خاص طور پر جادوگر پر غصہ بھی بہت آ رہا تھا۔ کم بخت خواہ مخواہ اُس کے پیچھے پڑ گئے تھے۔

عاتکہ کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ پرانے جادوگر نے ایک بار پھر دربار میں شاہی جادوگر نے عنبر کو للکارا ہے۔ وہ بھی شاہی حرم کی بیگموں اور کنیزوں کے ساتھ بارہ دری کے جھروکوں میں موجود تھی۔ جادوگر نے آگے بڑھ کر شہزادے کے پائے تخت کو بوسہ دیا اور اپنے سر پر سے ہڈیوں کا تاج اُتار کر اُس کے حضور پیش کر دیا۔ شہزادے نے اُسے ایک ہاتھ سے چھوا۔ جادوگر نے زور سے کوئی منتر پڑھا اور پھر آسمان کی طرف پھونک ماری۔ آسمان پر کوئی بادل نہیں تھے مگر بڑے زور سے بادل گرج اُٹھے۔ جادوگر عنبر کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس

نے پوچھا۔

''اے نوجوان جادوگر! کیا تم پہلے وار کرو گے یا میں کروں؟''

عنبر نے کہا۔

''جس طرح تم چاہو کر سکتے ہو۔''

''میرا خیال ہے تم چھوٹے ہو تم پہلے وار کرو۔''

عنبر کہنے لگا۔

''نہیں تم بزرگ ہو اور مجھ سے زیادہ تجربہ کار اور پرانے ہو۔ اس لیے تم پہلے وار کرو۔''

''عنبر! تم میرا وار نہ سہہ سکو گے۔ اس لیے پہلے وار کر لو۔ کہیں تمہارے دل میں یہ حسرت نہ رہ جائے کہ تم نے وار نہیں کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ پہلے تم وار کر لو۔ تا کہ تمہارے دل میں یہ حسرت نہ رہ جائے کہ تم وار نہیں کر سکے۔''

شہزادے نے کہا۔

''پہلے تم وار کرو۔ یزدگر! عنبر کی اگر یہی خواہش ہے تو پھر ٹھیک ہے۔

عنبر کو شہزادے کی اس بات پر دلی صدمہ ہوا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ عنبر وار کرنے کی حسرت دل میں لے کر مر جائے اور پرانا جادوگر پھر سے شاہی حاصل کرے۔ شہزادے کے بارے میں عنبر نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ کم از کم اس کو وہ اپنے صحیح مقام سے ضرور باخبر کردے گا۔ شہزادے کا حکم پا کر پرانا جادوگر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اُس نے جیب سے چاندی کا ایک گول چھلا نکال کر ہاتھ میں لیا۔ اسے چوم کر ہوا میں چھوڑ دیا۔ عنبر اُس کی ہر حرکت کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ کیونکہ وہ کوئی جادوگر تو نہیں تھا۔ مگر وہ اس کی ہر حرکت پر کڑی نگاہ

رکھے ہوئے تھا۔

گول چھلا ہوا میں لوگوں کے سروں کے اوپر چکر لگانے لگا۔ دس بارہ چکر لگانے کے بعد وہ عنبر کے سر کے اوپر آ کر ٹھہر گیا اور گردش کرنے لگا۔ گردش کرتے کرتے اُسے ایکدم آگ لگ گئی اور اُس کے شعلے عنبر کے سر کی طرف نیچے کو آنے لگے۔ عنبر بھی ہوشیار ہو چکا تھا۔ شعلے بڑے بڑے ہوتے گئے اور آگ کی آبشار کی طرح عنبر کے چاروں طرف گرنے لگے۔ پھر اس آگ کی چوڑی آبشار نے عنبر کو اپنی طرف لے لیا۔ درباریوں میں ایک شور سا اٹھا۔ سب کو یقین ہو چکا تھا کہ عنبر اس آگ میں جل کر خاک ہو گیا ہو گا۔

جادوگر نے اشارہ کیا آگ سمٹ کر چھلے میں غائب ہو گئی۔ سارے درباری یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے کہ عنبر کو آگ نے کچھ نہ کہا تھا۔ وہ ویسے کا ویسا اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ اُس کے زندہ بچ جانے کی

سب سے زیادہ خوشی عاتکہ کو ہوئی جو دوسری بیگمات اور کنیزوں کے ساتھ بارہ دری میں بیٹھی جادوگری کا یہ مقابلہ دیکھ رہی تھی۔ جادوگر طیش میں آ گیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر ایک بار پھر عنبر پر وار کیا۔ اس دفعہ اس نے اپنے جھولے میں سے ریت کی ایک مٹھی لے کر اس پر کچھ منتر پھونکا اور اُسے چیخ مار کر زور سے زمین پر پھینک دیا۔ ریت کے ذروں کا زمین پر گرنا تھا کہ وہاں ایک پندرہ فٹ لمبا خوفناک جبڑے والا شیر دھاڑتا ہوا نمودار ہو گیا۔ جادوگر نے شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُسے حکم دیا کہ وہ عنبر کو چیر پھاڑ کر رکھ دے۔ شیر نے عنبر کو خون آلود آنکھوں سے دیکھا اور دل دہلا دینے والی دھاڑ مار کر عنبر کی طرف لپکا۔ وہ خدا جانے کب سے بھوکا تھا اور عنبر کی تکا بوٹی کر دینا چاہتا تھا۔ عنبر کے دل میں ایک پل کے لیے بھی خوف پیدا نہ ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر بڑے سکون کے ساتھ کھڑا رہا۔

شیر چھلانگ لگا کر عنبر پر جھپٹا۔ سارے کے سارے درباری سانس روک کر رہ گئے۔ بے چاری عاتکہ کا تو دم خشک ہو گیا۔ اُس نے خوف کے مارے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ایکدم شیر کو جیسے ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ عنبر کے سامنے منہ کے بل گر پڑا اور زمین پر گرتے ہی پتھر بن گیا۔ درباریوں کی زبان سے اوہ کا حکم بے اختیار نکل گیا۔ شیر زمین پر پتھر کا بت بنا پڑا تھا اور اُس میں ذرا سی بھی حرکت نہیں تھی۔ عنبر نے جادوگر سے کہا۔

''یزدگر! اپنی حسرت دل سے نکال لے۔ کہیں بعد میں تمہیں یہ خیال نہ رہے کہ تم اپنا بہترین ہتھیار مجھ پر استعمال نہ کر سکے۔ میں تمہیں اپنے دل سے اجازت دیتا ہوں کہ ایک اور وار کر کے دیکھ لے۔ بے شک اپنے سب سے بڑے دیوتا سامری کو بھی بلا لے اور اُسے کہہ کہ وہ بھی تمہارے ساتھ مل کر مجھ پر حملہ کرے۔''

یہ جادوگر اور اُس کے دیوتا سامری کی سب سے بڑی توہین تھی۔ اُس نے غصے میں آ کر ایک زوردار چیخ ماری اور اپنے دیوتا سامری کو پکار کر کہا اے سامری! اپنی توہین کا خود آ کر بدلہ لے۔ اچانک سامری سامنے آ گیا۔ وہ صرف جادوگر کو نظر آ سکتا تھا۔ اُس نے جادوگر سے کہا کہ پرے ہٹ جاؤ۔ میں اس نوجوان کو بے عزتی کا مزہ چکھاؤں گا۔ تم دیکھتے رہو۔

سامری نے عنبر کی طرف زور سے پھونک ماری۔ ایک زوردار آندھی چلی جس نے زمین پر گڑے ہوئے پتھر اکھاڑ دیئے مگر عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ سامری نے زمین پر زور سے اپنا پاؤں مارا۔ ایک خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ زلزلہ آیا۔ سارا محل ہل گیا مگر عنبر ذرا ٹس سے مس نہ ہوا۔ اب سامری نے اپنا ترشول عنبر کی طرف پھینکا۔ ترشول پہاڑ کا ایک بہت بڑا تودہ بن کر عنبر کے سر سے بڑے زور کے

ساتھ ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔ پتھر کے تودے کے ٹکڑے اُڑ گئے مگر عنبر کے سو کو ذرا سی بھی چوٹ نہ لگی۔

عنبر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''اے سامری! اپنا اور حربہ آزما کر دیکھ لے۔''

سامری حیران رہ گیا کہ وہ اس کو کس طرح دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اُس کو تو سوائے یزدگر جادوگر کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے غصے میں آکر عنبر پر تھوک دیا۔ ایسا لگا جیسے کھولتے ہوئے لاوے کی آبشار آتش فشاں پہاڑ سے اچھلی اور عنبر کی طرف بڑھنے لگی۔ مگر قریب جا کر وہ بھاپ بن کر اڑ گئی۔ عنبر نے کہا۔

''لو اے سامری اب میرا وار سہو۔''

اتنا کہہ کر اُس نے ہوا میں ہاتھ بلند کیا۔ آسمان پر بجلی چمکی۔ بادل زور سے گرجے۔ بجلی دھماکے کے ساتھ سامری کے اوپر گری اور وہ

چیختا چلاتا غائب ہوگیا۔اس کے ساتھ ہی جادوگر بھی گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ عنبر نے اُس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اے یز دگر تو نے اپنے دیوتا کا انجام دیکھ لیا۔اب اپنا انجام بھی دیکھ۔۔۔ہوشیار ہو جا۔''

عنبر کے ہاتھ کے اشارے سے وہاں ایک ہاتھی نمودار ہو گیا۔ جس نے زور سے چنگاڑ ماری اور آگے بڑھ کر جادوگر کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر گھمانا شروع کر دیا۔

جادوگر کی چیخیں نکل گئیں۔اُس نے دہائی دینی شروع کر دی کہ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے آزاد کر دو۔اب میں کبھی تمہارا مقابلہ نہیں کروں گا۔عنبر نے کہا۔

''اے جادوگر!میں اگر چاہوں تو تمہیں ہمیشہ کے لیے بندر بنا سکتا ہوں۔اس ہاتھی کو اشارہ کروں تو یہ تمہیں اپنے پاؤں تلے کچل کر

ہلاک کر سکتا ہے۔ مگر میں ایسا نہیں کرونگا میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ مگر میری ایک شرط ہے۔

''کونسی شرط ہے؟ دیوتاؤں کے لیے مجھے جلدی بتاؤ۔ میں قبول کرتا ہوں۔''

''شرط اگر شہزادہ سلامت قبول کریں تو بیان کروں گا وگرنہ تم ساری زندگی اسی ہاتھی کی سونڈ میں بسر کرو گے۔ نہ ہاتھی یہاں سے ہلے گا اور نہ تمہیں موت آئے گی۔''

''شہزادہ سلامت! میری حالت پر رحم کھائیں اور عنبر کی شرط قبول کرلیں۔''

عنبر نے کہا

''میری شرط یہ ہے کہ یزرو جادوگر موہنجوداڑو شہر سے باہر نکل جائے گا۔ وہ شہر سے ایک میل کے فاصلے پر رہیگا۔ اور کبھی شہر کے اندر

داخل نہیں ہو گا۔ اگر اُس نے اس شرط کی خلاف ورزی کی تو پھر میں اُسے ہمیشہ کے لیے اس خونخوار ہاتھی کے حوالے کر دوں گا۔ کیا تمہیں منظور ہے؟''

جادوگر نے وادیلا مچاتے ہوئے کہا۔

''ہاں! مجھے منظور ہے۔۔۔''

اصل میں وہ ایک ہاتھی کی سونڈ میں بے حد اذیت میں مبتلا تھا۔ ہاتھی اپنی سونڈ میں اسے کستا چلا جا رہا تھا اور قریب تھا کہ اس کا دم گھٹ جائے۔ عنبر نے ہاتھی کو اشارہ کیا۔ ہاتھی نے جادوگر کو زمین پر اتار دیا اور عنبر کو سونڈ اُٹھا کر سلام کرتا ہوا غائب ہو گیا۔ جادوگر کی جان میں جان آئی۔ عنبر نے کہا۔

''شہزادہ سلامت جادوگر یز دگر کو حکم دیجئے کہ وہ اس شہر سے باہر نکل جائے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرے۔''

شہزادہ بھی اب عنبر کا قائل ہو گیا تھا اور اُس پر یہ راز کھل چکا تھا کہ پرانے جادوگر کے مقابلے میں عنبر بہت طاقتور ہے۔ اُس نے پرانے جادوگر کو حکم دیا کہ اپنی شرط قبول کرنے کے مطابق وہ موہنجوداڑو شہر سے ایک میل کے فاصلے پر جلاوطن ہو جائے اور پھر کبھی شہر کا رخ نہ کرے۔ جادوگر پیچ و تاب کھا رہا تھا مگر سوائے پھنکاریں مارنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے شہزادے کے آگے جھک کر وعدہ کیا کہ وہ پھر کبھی شہر کا رخ نہیں کرے گا اور عنبر کو قہر بھری نظروں سے دیکھتا اپنے شاگردوں کے ساتھ محل سے باہر نکل گیا۔

پُراسرار تعاقب

صبح کے وقت قافلہ موہنجوداڑو شہر میں داخل ہوگیا۔

تھائیس اور شامی ایک ہی کارواں سرائے میں تھے۔ شامی نے تھائیس کو مردانہ بھیس ترک کردینے سے منع کیا اور کہا کہ وہ ابھی جب تک اپنے گھر نہیں پہنچ لیتی مردوں کے لباس میں ہی سفر کرے۔ سارا دن تھائیس اور شامی موہنجوداڑو کے بازاروں اور گلی کوچوں کی سیر کرتے رہے۔ شامی یہ دیکھ کر بڑا متاثر ہوا کہ موہنجوداڑو میں تمام گلیاں اور بازار پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے تھے اور ہر مکان سے گندے پانی کے نکاس کا بہترین انتظام کیا گیا تھا۔ بعض محلوں میں گہرے کنوئیں کھدے ہوئے تھے جہاں اونٹوں کے ذریعے چمڑے کے بڑے بڑے بوکوں میں ٹھنڈا پانی نکالا جارہا تھا۔ دکانوں میں

کھانے پینے کا سامان اس قدر زیادہ تھا کہ اس سے پہلے شامی نے مشرق کے کسی شہر میں نہیں دیکھا تھا۔

ہر چوک میں سوداگر ریشم کے تھان۔ غالیچے اور مٹی کے برتنوں کا ڈھیر لگائے آوازیں لگا رہے تھے۔ لوگ سفید اُجلے لباس میں خوش حال اور خوش پوش نظر آ رہے تھے۔ مشرق کے کسی شہر میں شامی نے غریب لوگوں کو اتنا خوش حال اور خوش لباس نہیں دیکھا تھا۔ جٹیار خانے میں لکڑی کے رنگدار تخت پر بیٹھ کر شامی اور تھائیس نے جَو کی موٹی روٹی اونٹ کے گوشت کے شوربے میں ڈبو کر کھائی۔ دریائے سندھ کی مچھلی بھی بھون کے ساتھ رکھ دی گئی۔ شامی نے اتنا لذیذ کھانا نہ بابل میں کھایا تھا نہ مصر میں۔۔۔ ہاں موریہ میں اُس نے دریا کنارے بیٹھ کر اُس نے تازہ بھُنی ہوئی مچھلی کے جو کباب کھائے تھے وہ ساری عمر اُسے یاد رہ گئے تھے۔ بازار میں بڑی رونق تھی۔ لوگ آ جا

رہے تھے۔ موہنجو داڑو شہر میں شامی نے قریب قریب ہر ملک کے آدمی کو چلتے پھرتے دیکھا۔ ان میں چینی بھی تھے۔ مصری۔ شامی۔ سوڈانی۔ بابلی اور سوری بھی تھے۔ اس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ موہنجو داڑو شہر ہر لحاظ سے ترقی کر رہا تھا۔ وگرنہ کسی دوسرے ملک کے لوگوں کو وہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ان لوگوں کی چال ڈھال اور حلیے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مسافر نہیں ہیں بلکہ وہاں کے باشندے ہیں اور وہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے ہوئے ہیں۔

ایک آدمی اُن کے پاس ہی تخت پر آ کر بیٹھ گیا اور روٹی کھانے لگا۔ تھائیس تو اپنے دھیان میں مگن کھانا کھا رہی تھی اُس نے غور نہ کیا۔ مگر شامی نے محسوس کیا کہ وہ آدمی تھائیس کو کھانا کھاتے ہوئے بڑے غور سے گھور رہا تھا۔ شامی ہوشیار ہو گا۔ شامی سے اُس آدمی کی

آنکھیں چار ہوئیں تو اُس نے جلدی سے رُخ بدل لیا اور یوں کھانا کھانے لگا جیسے بے خبر بیٹھا ہو۔ اب وہاں زیادہ دیر رہنا شامی نے گوارا نہ کیا۔ اُس نے بھٹیار خانے کے مالک کو تانبے کے چند سکے دیئے اور تھائیس کو ساتھ لے کر مُردوں کا پرانا اور شاہی قبرستان دیکھنے چل پڑا۔ یہ قبرستان شہر سے باہر ایک بلند ٹیلے کے دامن میں واقع تھا۔ یہاں قدیم بادشاہوں کی قبریں تھیں جن پر نیلے رنگ کے گنبد بنے تھے۔ قبرستان کے شروع میں مخروطی طرز کا سرخ پتھر کا ایک دروازہ تھا جس کے اوپر سیاہ پتھر کا بہت بڑے بیل کا مجسمہ لگا ہوا تھا۔ موہنجوداڑو میں دوسرے جانوروں کے علاوہ بیل کی پوجا بھی ہوتی تھی۔ تھائیس کو شامی نے بالکل نہ بتایا کہ ایک آدمی وہاں اُس کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ اس خیال سے کہ تھائیس گھبرا جائے گی۔

وہ قبرستان میں گھوم پھر کر مختلف دور میں موہنجوداڑو پر حکومت

کرنے والے بادشاہوں کے روغنی نیلے رنگ کے مزار دیکھ رہے تھے کہ شامی نے اُس پُراسرار شخص کو ایک دفعہ پھر دیکھا۔ وہ ایک مزار کی دیوار کے ساتھ لگا تھائیس اور شامی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ شامی کی نظریں اُس سے چار ہوئیں تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب شامی نے سوچا وہاں سے فوراً واپسی کارواں سرائے چلنا چاہیئے۔ مگر وہ اس پراسرار آدمی کی آنکھیں بچا کر واپس جانا چاہتا تھا۔ اس خیال سے وہ پیچھا نہ کر سکے اور اُسے اُن کی رہائش گاہ کا علم نہ ہو سکے۔ وہ تھائیس کو لیے قبرستان دیر تک چکر لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ تھائیس تھک گئی اور اس نے کہا۔

''شامی بھائی! میرے خیال میں اب ہمیں واپس چلنا چاہیئے میں سیر کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔''

شامی نے کہا۔

''میں ذرا ان قبروں کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

شامی نے محسوس کیا تھا کہ پراسرار آدمی ذرا فاصلے پر اُن کے برابر تعاقب کررہا تھا۔ وہ اُس سے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اُن کا تعاقب کس لیے کررہا ہے۔ وہ شخص کیونکہ بظاہر دور دور بے نیاز پھر رہا تھا۔ اور شامی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا کہ وہ اُن کا تعاقب کررہا ہے۔ اچانک قبرستان میں لوگ ادھر ادھر ٹہلنا شروع ہو گئے اور ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ معلوم ہوا کہ موہنجوداڑو کا شہزادہ اپنے باپ داداؤں کی قبروں پر دعا پڑھنے آرہا ہے شامی نے اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تھامیس کے ہاتھ کو زور سے کھینچتے ہوئے ایک طرف کر لیا اور کہا۔

''جلدی واپس چلو۔''

''شامی بھائی! اتنی زور سے میرا ہاتھ نہ کھینچو۔''

''تھائیس! جلدی کرو۔ یہاں سے فوراً نکل چلو۔''

تھائیس شامی کا منہ ہی تکتی رہ گئی کہ یہ اُسے اچانک اتنی جلدی کیوں پڑ گئی ہے۔ جب وہ قبرستان سے باہر آئے تو انہیں ایک جگہ پر بیل کی سواری مل گئی۔ وہ اس میں بیٹھ گئے۔ شامی نے گاڑی والے کو کچھ سکے دے کر کہا۔

''کارواں سرائے لے چلو۔ مگر جلدی جلدی۔''

گاڑی والے نے بیلوں کو سانٹا مارا اور انہیں تیز بھگانا شروع کر دیا۔ کارواں سرائے پہنچ کر شامی جلدی تھائیس کو اندر لے گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ تھائیس نے پوچھا۔

''تم اتنی جلدی میں کیوں تھے شامی؟''

شامی نے اُسے بتایا کہ ایک پراسرار آدمی برابر اُن کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اُس سے آنکھ بچا کر اسے وہاں تک لایا ہے۔

اب تو تھائیس بڑی گھبرائی۔ کمبخت بدقسمتی قدم قدم پر اُس کا پیچھا کر رہی تھی۔ اُس نے کہا۔

''مگر یہ پراسرار آدمی کون ہوسکتا ہے شامی؟''

''میرے خیال میں سوائے سیاہ فام شہزادے کے اور کسی کا آدمی ہوسکتا ہے۔''

''رب عظیم کے لیے ایسا نہ کہو۔ وہ کمینہ خدا جانے کب میرا پیچھا چھوڑے گا؟''

''تھائیس تم خود ہی غور کرو۔ وہ سوائے اس کے اور کس کا آدمی ہو سکتا ہے۔ اُس نے تو ہر بڑے شہر میں اپنے جاسوس تمہاری تلاش میں روانہ کرر کھے ہوں گے۔''

''پھر اب کیا ہوگا؟ کیا ہم یہاں سے بھاگ چلیں؟''

اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُسے خبر نہیں ہو سکی کہ ہم اس کارواں سرائے میں اُترے ہوئے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''ہم اُس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں آئے ہیں۔ وہ تو ہمیں قبرستان میں کہیں تلاش کر رہا ہوگا۔ اسی لئے تو میں تمہارا ہاتھ گھسیٹ کر کھینچ رہا تھا۔''

''اور اگر اُسے معلوم ہو گیا کہ ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں تو کیا ہوگا! ہو سکتا ہے اس کے باقی ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی اس شہر میں اُترے ہوئے ہوں۔''

''تو اترے ہوں۔ ہم کیا کریں۔ ہم بھی مرد ہیں۔ یعنی میرا مطلب ہے میں بھی مرد ہوں۔ اُن کا مقابلہ کروں گا۔ میں نے عہد کر رکھا ہے کہ تمہیں حفاظت کے ساتھ تمہارے ماں باپ کے گھر پہنچا کر

دم لوں گا۔ اگر یہ لوگ مزاحمت کریں گے تو میں اُن میں سے ایک ایک کو چن چن کر ہلاک کر دوں گا۔"

تھائیس نے پریشان ہو کر کہا۔

"شامی بھائی! تم اکیلے ان کمینوں کا کیسے مقابلہ کر سکو گے۔"

شامی نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

"میں نے مصر اور شام کے بڑے بڑے جنگجوؤں کے ہاتھ سے تلوار چلانا سیکھی ہے۔ وہ کتنے بھی ہوں میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"اچھا چلو میں مانے لیتی ہوں۔ اب رات ہو رہی ہے۔ آرام کرو۔"

شامی نے کھڑکی کے پاس رکھا ہوا دیا گل کر دیا اور اپنے غالیچے پر چادر اوڑھ کر گہری نیند سو گیا۔ تھائیس کو مگر نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ پریشان تھی۔ اُسے یہ وہم ہو گیا تھا کہ سیاہ فام شہزادے کا جاسوس اُس

کا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کھڑکی کو دیکھ رہی تھی جس میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں تھی۔ باہر نیلا آسمان اور اس پر چمکتے ہوئے ستارے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اُن کی ہلکی ہلکی نورانی روشنی کوٹھڑی کے اندر آ رہی تھی۔

یکا یک ایک آدمی کا چہرہ کھڑکی کے پاس آ کر اندر دیکھنے لگا۔ تھائیس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ چہرہ پلک جھپکنے میں غائب ہو گیا۔ شامی کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے پوچھا۔

''کیا یہ تم نے چیخ ماری تھی؟''

''ہاں شامی! وہ۔۔۔ وہ پُراسرار آدمی کھڑکی کی سلاخوں میں سے اندر گھور رہا تھا۔''

شامی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے تلوار ہاتھ میں لی اور کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ تھائیس اُسے آوازیں ہی دیتی رہ گئی مگر وہ

باہر نکل کر چاروں طرف اُس شخص کو تلاش کرنے لگا۔ جس نے شام ہی سے اُن دونوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ اُس کا کام ہی تمام کر دینا چاہتا تھا۔

لیکن باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ ہر طرف آج سے ہزاروں سال پہلے کی سی خاموشی طاری تھی۔ دیوار کے ساتھ دو گدھے بندھے تھے۔

شامی واپس کوٹھڑی میں آ گیا۔ تھائیس نے اُسے کہا کہ وہ باہر جانے کا خطرہ مول نہ لے۔ جانے وہ لوگ کتنی تعداد میں کہاں کہاں چھپے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم منہ اندھیرے یہاں سے نکل چلیں۔ شامی نے کہا

''اکیلے ہم ہڑپہ تک کیسے سفر کریں گے؟'' تھائیس بولی

'شامی بھائی۔ ہڑپہ یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر ہے۔ اگر ہم تھوڑا سا پانی اور خشک جَو ساتھ کر لیں تو کسی قافلے کا انتظار

کئے بغیر اکیلے ہی سفر کر سکتے ہیں۔''

شامی سوچ میں پڑ گیا۔ تھائیس کا خیال درست تھا۔ اگر انہوں نے قافلے کے چلنے کا انتظار کیا تو وہ پُراسرار آدمی ضرور قافلے کے ساتھ اُن کا تعاقب کرے گا۔ اس لئے بہتر یہی تھا کہ وہ منہ اندھیرے کارواں سرائے سے نکل کھڑے ہوں۔ وہ پُراسرار جاسوس اس خیال سے جا چکا ہوگا کہ صبح واپس آ کر اُن کی نقل و حرکت کی دوبارہ نگرانی شروع کر دے گا۔ کیونکہ ظاہر ہے وہ اس خیال سے مطمئن ہوگا کہ شامی اور تھائیس رات کو کہیں غائب نہیں ہو سکتے۔

شامی نے جاسوس کی اس بے خبری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور اُس نے تھائیس کو تیار ہونے کے لیے کہا۔

''میرا خیال ہے پھر ہمیں ابھی یہاں سے کوچ کر دینا چاہئیے۔''

مگر ابھی تو آدھی رات بھی نہیں گزری۔''

''ٹھیک ہے تھائیس۔ ہم جتنی جلدی اندھیرے اندھیرے میں یہاں سے نکل چلیں ہمارے لیے مناسب ہوگا۔ تم خشک جَو تھیلے میں بھرو میں چھاگلوں میں پانی ڈالتا ہوں۔ مگر بڑے آرام کے ساتھ۔ کارواں سرائے میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ ہم یہاں سے نکل رہے ہیں۔''

تھائیس نے کھڑکی کے آگے موٹا پردہ ڈال دیا اور بغیر دیا روشن کئے شامی کی ہدایت کے مطابق جلدی جلدی تھیلے میں خشک جو بھرنے لگی۔ اُدھر شامی نے چمڑے کی چھاگلوں میں پانی بھر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے کپڑے سمیٹے اور چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ پہلے شامی نے آگے جا کر اطمینان کر لیا تھا کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر اُس نے تھائیس کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اُس طرف دبے پاؤں چل پڑا جہاں ارنڈ کے درختوں تلے ان کا اونٹ بیٹھا جگالی کر رہا

تھا۔ شامی نے اونٹ کی رسیاں کھول کر بڑی محبت کے ساتھ اُس کے گھٹنوں کو تھپتھپایا۔ اونٹ ایکدم چوکس ہو گیا۔ شامی نے پہلے تھائیس کو اونٹ پر سوار کروایا اور پھر خود سوار ہو کر اونٹ کی مہار کھینچی۔ اونٹ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور شامی کے اشارے پر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کارواں سرائے کی حدود سے باہر نکل آیا۔

باہر ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ درختوں میں سے ہوتا ہوا ایک راستہ شہر سے باہر ریت کے صحرا کی طرف جا رہا تھا۔ شامی نے اونٹ کو اس راستے پر ڈال دیا۔ کوئی گھنٹہ بھر وہ خاموشی سے اونٹ پر سفر کرتے رہے۔ انہوں نے اونٹ کی رفتار تیز تر کر دی تھی۔ جب انہیں موہنجو داڑو شہر کے آثار دکھائی دینے بند ہو گئے اور وہ کافی دور نکل آئے تو شامی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

''اب ہم خطرے کی دنیا سے باہر نکل آئے ہیں۔''

''رب عظیم تیرا لاکھ شکر ہے۔''

''لیکن ہمیں دشمن کی طرف سے غافل نہیں رہنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔''

''اب تو ایسا نہ کہو شامی بھائی۔'' میرا تو یہ سن کر ہی دل دھک دھک کرنے لگا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر جب تک میں تمہیں تمہارے ماں باپ کے گھر نہیں پہنچا دیتا۔ میرے دل کو پورا اطمینان نصیب نہیں ہوگا۔''

''اگر ہم صحرا میں اسی طرح سفر کرتے رہے تو کل شام ہونے سے پہلے پہلے ہڑپہ پہنچ جائیں گے۔''

رات بھر شامی اور تھائیس اونٹ پر سوار ہڑپہ کی جانب سفر کرتے رہے۔ انہوں نے راستے میں کسی جگہ پر بھی آرام نہیں کیا۔ سفر کرتے کرتے دن نکل آیا اور صحرا میں کہیں کہیں کھجور اور ارنڈ کے درختوں

کے جھنڈ نظر آنے لگے۔ دھوپ میں گرمی کی شدت بڑھ گئی۔ ایک جگہ تھک کر وہ دونوں اونٹ سے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور آرام کرنے لگے۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا صحرائی چشمہ بہہ رہا تھا۔ انہوں نے اس چشمے پر منہ ہاتھ دھویا۔ پانی پیا۔ اونٹ کو بھی پانی پلایا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ تازہ دم ہو گئے اور ایک بار پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔

سارا دن وہ چلچلاتی دھوپ میں سفر کرتے رہے۔ شام ہونے سے پہلے پہلے ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو اس بات کی علامت تھی کہ شہر ہڑپہ قریب آ رہا ہے۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ ہڑپہ کے دور سے آثار نظر آنے لگے۔ تھائیس کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

''میرا شہر آ رہا ہے۔ میرے ماں باپ مجھ سے مل کر کس قدر خوش ہوں گے۔ انہیں اُمید نہیں ہو گی کہ میں اُن کے پاس زندہ واپس

آ جاؤں گی۔"

"تمہیں وطن پہنچنا مبارک ہو تھائیس۔"

شامی بھی بہت خوش تھا جس کام کا اُس نے بیڑا اُٹھایا تھا وہ پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اس طرح باتیں کرتے کرتے وہ ہڑپہ شہر میں داخل ہو گئے۔ تھائیس اپنے شہر کی گلی گلی سے واقف تھی۔ ہڑپہ شہر کو بھی شامی نے موہنجوداڑو کی طرح خاش حال اور بارونق دیکھا۔ وہاں کی تہذیب اور موہنجوداڑو کی تہذیب میں اُسے کوئی فرق نظر نہ آیا۔ تھائیس مختلف بازاروں سے ہوتی ہوئی ایک حویلی کے باہر جا کر رُک گئی۔ یہ حویلی تھائیس کے باپ کی ملکیت تھی۔ وہ شامی کو اپنے ساتھ لے کر اندر داخل ہوئی۔ اُس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملی تھی کہ راستے میں اپنا مردانہ لباس تبدیل کر سکتی۔ اُس کے ماں باپ نے دو اجنبی نوجوانوں کو اپنے مکان میں گھستے دیکھا تو غصے سے پوچھا۔

''تم لوگ کون ہو جو اس طرح حویلی میں گھسے چلے آرہے ہو؟''

تھائیس نے فوراً اپنی پگڑی اتار دی۔ اُس کے ماں باپ نے اپنی بیٹی کو پہچان لیا اور اُس سے لپٹ گئے۔ بیٹی اور ماں باپ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ تھائیس نے شامی کا تعارف کروایا اور کہا کہ اس شخص نے سارے سفر میں اس کی حفاظت کی تھی۔ پھر اُس نے اپنی ساری کہانی سنائی۔ ماں باپ خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔ انہیں ان کی گمشدہ بیٹی ایک عرصے کے بعد مل گئی تھی۔ شامی دو روز تھائیس کے گھر میں رہا۔ تیسرے روز اُس نے اجازت لی اور واپس موہنجو داڑو کی طرف روانہ ہو گیا۔

جس وقت وہ حویلی سے نکل کے بازاروں میں سے گزر رہا تھا۔ ٹھیک اُس وقت وہی پراسرار آدمی جو کہ سیاہ فام شہزادے کا جاسوس تھا۔ حویلی کے باہر ایک طرف چھپ کر کھڑا تھا اور تھائیس کو حویلی کی

ڈیوڑھی میں خوشی خوشی باتیں کرتا دیکھ رہا تھا۔ پُر اسرار جاسوس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ آئی اور وہ چپکے سے وہاں سے ہٹ گیا۔ اُس نے معلوم کر لیا تھا کہ سیاہ فام شہزادے کی کنیز کہاں رہتی ہے اور یہی معلوم کرنے کے لیے مصر کے وحشی سیاہ فام شہزادے نے اُسے بھیجا تھا۔

ہڑپہ کا شیش ناگ

جادوگر یزدگر شکست کھانے کے بعد ویران مندر میں جا کر بیٹھ گیا۔

اکثر شاگرد اُس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اُس کی عبرت ناک شکست کا نظارہ کیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ وہ ایک ناکام جادوگر ہے۔ دیوتا اُس سے ناراض ہو گئے ہیں اور اب اُس کے ساتھ رہنے کا مطلب وقت ضائع کرنا ہے۔ پھر بھی دو شاگرد ایسے تھے جو اپنے استاد کے بڑے وفادار نکلے۔ انہوں نے یزدگر کا ساتھ نہ چھوڑا اور اُس کے ساتھ ہی شہر سے باہر والے ویران مندر میں آ گئے۔ جادوگر کی بھرے دربار میں شکست

ہوئی تھی۔ وہ غصے کے عالم میں پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر عنبر سے انتقام لینے کی قسم کھائی تھی۔

''دیوتا میرا اگلا جنم بندر کا کریں اگر میں عنبر سے اپنی شکست کا بدلہ نہ لوں۔''

ایک شاگرد نے کہا۔

''مگر آقا جادو کے زور پر تو آپ اُس سے بدلہ نہیں لے سکتے۔ کیونکہ دیوتا اُس کے ساتھ ہیں۔ اُس کے پاس ہر جادو کا توڑ موجود ہے۔''

یزدگر نے کہا۔

''میں اُس سے کسی اور طرح بدلہ لوں گا۔''

''وہ کیسے آقا؟''

''میں عاتکہ کو اغوا کر کے اُس کی گردن کاٹ کر عنبر کے پاس

روانہ کر دوں گا۔ اس قتل سے اُسے بے حد تکلیف ہوگی اور میرا بدلہ اتر جائے گا۔ میرے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

''مگر آقا۔ عاتکہ تو شاہی حرم میں رہتی ہے اور ہم لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔''

''اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ میرا جادو اگر عنبر پر نہیں چل سکتا تو عاتکہ پر تو چل سکتا ہے۔ میں اُسے مجبور کر دوں گا کہ وہ خود بخود چل کر میرے پاس اس ویران مندر میں آجائے۔''

''یہ تو بڑا اچھا منصوبہ ہے آقا! اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔''

''لیکن اس کے لیے ہم میں سے کسی کو شاہی حرم میں جا کر عاتکہ کے درکا ایک بال لانا ہوگا۔ اُس کے سر کے بال کو حاصل کئے بغیر میرا جادو اُس پر نہیں چل سکے گا۔''

دوسرا شاگرد بولا۔

''میرے آقا! میں شاہی حرم میں جا کر عاتکہ کے سر کا بال اتار لاؤں گا۔''

''تم وہاں تک کیسے پہنچو گے؟ اگر کسی نے تمہیں پہچان لیا تو وہ ضرور تمہاری گردن قلم کر دیں گے۔''

''میں عورت کے بھیس میں جاؤں گا میرے آقا۔ بہر حال یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں کسی نہ کسی طرح آپ کو عاتکہ کے سر کا بال ضرور لا کر دے دوں گا۔''

''مجھے تم سے یہی امید تھی۔ تم دونوں میرے ہونہار شاگرد ہو۔ میں ہمیشہ تم پر فخر کیا کروں گا۔ تم کہو تو شاہی محل کی طرف چل پڑوں گا۔ اور دیوتاؤں کی قسم ضرور کامیاب واپس آؤں گا۔''

چھوٹے جادوگر نے فوراً زنانہ کپڑے پہنے۔ چہرے پر بوڑھی

عورت کا حلیہ بنایا اور ریشمی کپڑوں کی گٹھڑی کندھے پر رکھ کر آوازیں لگاتا شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ شاہی محل کے مشرقی دروازے پر کپڑا بیچنے والیاں اکثر آیا کرتی ہیں جن سے شہزادیاں اور بیگمات کپڑا خریدا کرتی ہیں۔ شاہی حرم میں مشرقی دروازے پر پہنچ کر اُس نے آواز لگائی اور انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں کئی ایک شہزادیاں وہاں آ گئیں اور اپنی اپنی پسند کا کپڑا دیکھنے لگیں۔ جادوگر کو عاتکہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ اُس نے ایک شہزادی سے پوچھ ہی لیا۔

''اے بیٹی! پچھلے دنوں میں نے اس محل میں ایک نئی لڑکی کو دیکھا تھا۔ اُس نے بہت سا ریشمی کپڑا خریدا تھا۔ آج وہ کہاں ہے؟''

ایک شہزادی نے مسکرا کر کہا۔

''وہ ابھی آ جائے گی تم فکر نہ کرو۔ ہم بھی تمہارا ڈھیر سارا کپڑا

خرید لیں گی۔ہم تو شہزادیاں ہیں۔وہ لڑکی تو ایک معمولی کنیز ہے۔''
جادوگر نے جلدی سے کہا۔
''بجا فرمایا میری بچیو! مجھے تو جو کچھ بھی امید ہے وہ تو تم ہی سے ہے۔''
''بھلا کنیز آپ کے سامنے کہاں ٹھہر سکتی ہے۔''
شہزادیاں کپڑا پسند کرنے لگیں۔جادوگر نے بڑا انتظار کیا کہ عاتکہ وہاں آن نکلے مگر وہ نہ آئی۔دوبارہ اُس کے بارے میں پوچھنا اُس نے مناسب نہ سمجھا۔اُس روز جادوگر ناکام واپس آ گیا۔اگلے روز پھر اس نے شاہی حرم کا رخ کیا۔اُس دفعہ وہاں عاتکہ موجود تھی۔
جادوگر بہت خوش ہوا۔باتوں ہی باتوں میں اُس نے کہا۔
''بچیو! اس بار میں حلب کے کچھ آئینے اور شام کی کنگھیاں بھی لائی ہوں۔۔یہ دیکھو!''

شہزادیوں نے حلب کے آئینے اور کنگھیاں خرید لیں۔ جادوگر نے ایک کنگھی ہاتھوں میں لے کر عاتکہ سے کہا۔

''ادھر آؤ بیٹی! میں خود تمہارے بالوں میں کنگھی پھیر کر دیکھاتی ہوں کہ کنگھی کرنے کا اصل طریقہ کیا ہے۔''

عاتکہ کو ذرا سا بھی شک نہیں ہو سکا تھا کہ جادوگر کی نیت کیا ہے۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ جادوگر کے آگے ہو کر بیٹھ گئی۔ جادوگر اس لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے کنگھی لے کر عاتکہ کے بالوں میں کرنی شروع کر دی۔ اُس وقت عاتکہ کے سر کے بالوں میں سے ایک بال توڑ کر الگ کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ چنانچہ یہ کام بڑی آسانی سے ہو گیا۔ جادوگر نے عاتکہ کے سر کا ایک بال کنگھے میں سے نکال کر اپنے جھولے میں ڈال لیا اور ادھر ادھر کی دو چار باتیں کرنے کے بعد شہزادیوں سے اجازت لے کر واپس بھاگ گیا۔

وہ سیدھا شہر سے باہر پرانے ویران مندر میں پہنچا۔ یزدگر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر اس نے پہلا سوال یہ کیا کہ کیا اُسے کامیابی ہوئی ہے؟ س کے جواب میں چھوٹے جادوگر نے جھولے میں سے عاتکہ کے سر کا بال نکال کر اُسے دے دیا۔

''کیا یہ عاتکہ کے سر کا ہی ہے؟''

''ہاں میرے آقا۔ میں عاتکہ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ یہ اُس کے سر میں سے کنگھی کرتے ہوئے میں نے خود اتارا ہے۔''

شاباش! تم نے شاگرد ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب تم دیکھو گے کہ یہ لڑکی کس طرح اپنے آپ میرے جال میں پھنس جاتی ہے۔''

یزدگر جادوگر بال جیب میں ڈال کر مندر کے تہہ خانے میں آ گیا۔ دیوتا مردوک کے سب سے بڑے بُت کے آگے وہ پتھر کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور اُس نے عاتکہ کا بال پتھر کی سل پر رکھ کر اُس

کے اردگرد سرخ رنگ کا دائرہ کھینچ دیا اور لوبان سلگا کر' آنکھیں بند کر کے کالے جادو کے منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ وہ بار بار منتر پڑھتے ہوئے لوبان کے اوپر کوئی مفید سا سفوف چھڑک دیتا جس کی وجہ سے سفید دھوئیں کا مرغولہ سا اُٹھ کر چھت کی طرف چلا جاتا۔

اُدھر عاتکہ کی بھی سنیں۔ وہ شاہی حرم میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ریشمی کپڑوں میں پھول کاڑھ رہی تھی کہ اچانک اس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہوگئی۔ اُس نے پہلے تو خیال کیا کہ اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گی۔ مگر جب طبیعت بگڑتی ہی گئی تو وہ وہاں سے کوئی بہانہ کر کے اُٹھی اور اپنے کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ جوں جوں یزدگر جادوگر کے منتر تیز ہو رہے تھے عاتکہ پر اُس کا اثر بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ اُسے یوں لگا جیسے کسی نے اُس کے سارے بدن میں آگ لگا دی ہے۔ اُس نے اٹھ کر چاندی کی صراحی میں سے پانی پیا۔ مگر گھبراہٹ

میں کوئی فرق نہ آیا۔

عاتکہ اٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ پھر اپنے آپ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل کر حرم کے دالان میں آ گئی۔ یہاں اس کو کسی نے نہ دیکھا۔ عاتکہ کے قدم بے اختیار حرم کے بڑے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اُس کے ہوش وحواس گم ہو چکے تھے اور وہ کسی جادو کے زیر اثر اپنے آپ چل رہی تھی۔ وہ شاہی حرم کے دروازے سے نکل کر باہر بازار میں آ گئی۔ لوگوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اس زمانے میں بازاروں میں کنیزیں اور غلام اکثر پھرتے رہا کرتے تھے۔ عاتکہ بازاروں میں سے گزرتی ہوئی شہر سے باہر آ گئی۔ وہ تیز تیز قدم سے چل رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی بڑی طاقت اُس کا ہاتھ پکڑے اُسے اپنے ساتھ چلائے جا رہی ہے۔

وہ پرانے مندر کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔

مندر میں یزدگر جادوگر کے منتروں کی آواز تیز ہوگئی تھی۔ گویا اُسے معلوم ہوگیا تھا کہ عاتکہ مندر میں داخل ہو چکی ہے۔ منتر پڑھتے پڑھتے اس نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا تھا لڑکی اُس کے سامنے کھڑی تھی۔ عاتکہ پر جادو کا اثر تھا۔ اس کا اپنا ذہن بالکل بند تھا۔ وہ تو جادوگر کے اشارے پر اور اُس کے منتروں کے زور سے چلی آ رہی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر جادوگر کو دیکھ رہی تھی۔ جادوگر منتر پڑھتے پڑھتے اٹھا اور عاتکہ کا ہاتھ تھام کر اُسے مندر کے تہہ خانے کے سب سے اندھیرے کمرے کی طرف لے گیا۔

یہاں ایک مشعل دیوار میں جل رہی تھی، جس کی دھندلی روشنی میں چھت کے ساتھ لٹکے ہوئے جالے نظر آ رہے تھے۔ دیواروں پر کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ عاتکہ جادو کے زور سے اندر آ گئی۔

اسے کوئی احساس نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور کون اُسے وہاں لے آیا ہے۔ جادوگر نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ عاتکہ اپنے آپ اس پتھر پر بیٹھ گئی۔ جادوگرا لٹے قدموں کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے کوٹھڑی کا لوہے کا دروازہ بند کر کے باہر سلاخ ڈال دی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اُس نے فاتحانہ قہقہہ لگایا اور ہال کمرے میں اپنے شاگردوں کے پاس آ کر بولا۔

اب اس لڑکی کو دنیا کی کوئی طاقت میرے پنجے سے آزاد نہیں کرا سکتی۔ یہ میرے قبضے میں ہے۔ عنبر اس کی تلاش میں سارا ملک چھان مارے مگر اُسے اس کا نشان نہیں ملے گا۔''

پہلے شاگرد نے کہا۔

''آقا! کیا آپ اس کی گردن اتار کر محل میں بھیجیں گے۔''

''تو اور کیا میں نے اس کی پوجا کرنے کے لیے اسے یہاں بلایا

ہے میں اس لڑکی کی گردن اتار کر اسے یہاں دفن کر دوں گا اور گردن ایک طشت میں ڈال کر عنبر کے گھر کی طرف روانہ کر دوں گا۔ طشت اپنے آپ اڑتا ہوا جادو کے زور سے عنبر کے کمرے میں پہنچ جائے گا۔ بس یہی میرا انتقام ہے جو میں اُس سے لینا چاہتا ہوں۔''

جادوگر قہقہے مار کر ہنسنے لگا۔ اُدھر عاتکہ پر جادو کا اثر دور ہوا تو اُس نے چونک کر اپنے سر کو جھٹکا دیا اور یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ وہ شاہی حرم سے کہاں آ گئی ہے؟ اُس نے بڑے غور سے ارد گرد دیکھا۔ وہ ایک دیمک زدہ کوٹھڑی میں قید تھی جس کی دیوار پر مشعل جل رہی تھی۔ مشعل کی روشنی میں اس نے چھت کے ساتھ لٹکے جالے کو دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ ڈر کر ایک طرف سمٹ گئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ حرم میں اپنی کنیزوں کے ساتھ کڑھائی کرتے کرتے اس ویرانے میں کیسے پہنچ گئی۔ اُسے کچھ یاد نہیں تھا کہ اچانک اُس کی

طبیعت خراب ہوگئی تھی اور وہ حرم سے نکل کر بازاروں اور گلیوں میں سے ہوتی ہوئی اس مندر میں پہنچ گئی تھی۔ اُس نے لوہے کے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارے۔ اور آوازیں دیں مگر وہاں اُس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔

دوسری جانب یزدگر جادوگر اپنے شاگردوں سے کہہ رہا تھا۔

''آج رات کے پچھلے پہر جب صبح کا تارا آسمان پر نکل رہا ہوگا تو اس لڑکی کی گردن کاٹ دی جائے گی۔ میرے جادو کا تقاضا ہے کہ صبح کے وقت یہ کام کیا جائے۔''

''جو حکم ہمارے آقا۔''

''اب تم لوگ جا کر آرام کرو۔ میں یہاں لیٹ کر ذرا آرام کر لوں۔ صبح ہونے سے پہلے تمہیں جگا دوں گا۔''

جادوگر کے دونوں شاگرد دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ گئے۔

جادوگر بھی چبوترے پر لیٹ کر سو گیا۔ وہ منتر پڑھتے پڑھتے تھک گیا تھا۔ لیٹتے ہی اُسے نیند آ گئی اور وہ خراٹے بھرنے لگا۔

عاتکہ اپنی کوٹھڑی میں جاگ رہی تھی۔ وہ پریشان تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور ربِ عظیم سے دعا مانگنا شروع کر دی کہ وہ اُسے اس مصیبت سے نجات دلائے۔ جس طرح پہلے بھی اُس نے اُسے ہر مصیبت سے نجات دلائی تھی۔

ربِ عظیم کے حضور میں اپنے دل کے ساتھ دعا مانگنے کا اثر یہ ہوا کہ ادھر عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے عاتکہ اُسے بلا رہی ہے۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر شاہی حرم کی طرف آ گیا اور خواجہ سرا کو کہا کہ عاتکہ سے کہے کہ عنبر اُس سے ملنے کے لئے آیا ہے۔ خواجہ سرا نے واپس آ کر اطلاع دی کہ عاتکہ حرم میں کہیں بھی نہیں ہے۔

عنبر پریشان ہو گیا۔ اس نے ملکہ سلامت سے جا کر بات کی۔
اُسی وقت سارے محل میں شور مچ گیا اور عاتکہ کی تلاش شروع ہو گئی۔
مگر عاتکہ وہاں ہوتی تو کسی کو ملتی۔ وہ تو وہاں سے دور شہر کے ایک
اجڑے ہوئے آسیب زدہ مندر کے تہہ خانے میں بیٹھی اپنی موت کا
انتظار کر رہی تھی۔ عنبر نے ملکہ سلامت سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے عاتکہ
کو زبردستی کسی دشمن نے اغوا کر لیا ہے۔ ملکہ نے کہا وہ دشمن کون ہو
سکتا ہے تو پھر عاتکہ سے تو کسی کی بھی دشمنی نہیں تھی۔ عنبر نے کہا دشمنی
اس دربار کے سارے پجاریوں اور جادوگروں سے تھی۔ کیونکہ اُس
نے یہاں کے مذہب کے رسم کے مطابق اپنے مُردہ خاوند کے ساتھ
جلنے سے انکار کر کے اُن کے دیوتاؤں کی توہین کی تھی۔ ملکہ نے کہا۔
''تو تمہارا کیا خیال ہے کہ عاتکہ کو پجاریوں نے اغوا کر لیا ہے؟''
''پجاریوں نے نہیں ملکہ سلامت بلکہ شکست خوردہ جادوگر یزدگر

نے۔''

''اس کو کیا ضرورت پڑ گئی تھی عاتکہ کو اغوا کرنے کی؟''

''ملکہ سلامت! وہ میرا انتقام اُس لڑکی سے لینا چاہتا ہوگا۔''

یہ تمہارا وہم ہے عنبر!''

''نہیں ملکہ عالیہ! مجھے یقین ہے کہ عاتکہ کو یز دگر نے اغوا کیا ہے۔اور اُس کی زندگی خطرے میں ہے۔''

''تو پھر اُسے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ جادوگر یز دگر کس جگہ روپوش ہوگیا ہے۔''

''میں اُسے تلاش کرلوں گا ملکہ سلامت! وہ اس شہر کے ارد گرد ہی کہیں چھپا ہوگا۔ عاتکہ کو اغوا کر کے وہ زیادہ دور نہیں جا سکے گا۔''

''تم اگر چاہو تو اپنے ساتھ سپاہی لے جا سکتے ہو۔''

''مجھے سپاہیوں کی ضرورت نہیں ملکہ سلامت! میں خود ہی اُس

سے نمٹ لوں گا۔‘‘

’’دیوتا تمہاری حفاظت کریں عنبر! ہمیں عاتکہ کے بارے میں بڑا فکر رہے گا۔ اگر وہ مل جائے تو اُسے لے کر فوراً ہمارے پاس پہنچنے کی کوشش کرنا۔‘‘

’’جو حکم ملکہ عالیہ۔‘‘

عنبر ملکہ سلامت سے اجازت لے کر محل سے باہر نکل آیا۔ اُس نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا۔ رات کے اندھیرے اور سناٹے میں اُس نے جگہ جگہ کھڑے ہو کر عاتکہ کے بین کرنے کی آوازیں سننے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ عاتکہ شہر کے کسی مکان میں، کسی حویلی میں موجود نہیں تھی۔ تو پھر وہ کہاں چلی گئی تھی؟ کیا اُسے زمین نے نگل لیا تھا یا آسمان نے اٹھا لیا تھا؟ عنبر یہی سوچتے سوچتے شہر سے باہر آ گیا۔ شہر کے اردگرد میدان پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کہیں درختوں کے

جھنڈ تھے۔ کھیت تھے اور اونچے نیچے ریت کے ٹیلے تھے۔ وہ ایک ٹیلے کے پاس آکر ریت پر بیٹھ گئے۔ اور دل ہی دل میں غور کرنے لگا کہ عاتکہ کہاں ہو سکتی ہے؟

رات آدھی گزر چکی تھی۔ یزدگر جادوگر چبوترے پر بے سُدھ ہو کر سو رہا تھا۔ اس کے شاگرد بھی ساتھ والے کمرے میں سو رہے تھے۔ اگر کوئی ویران مندر کی چار دیواری میں جاگ رہا تھا تو وہ عاتکہ تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں دعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے بے بسی سے رو رہی تھی۔ سسکیاں بھر رہی تھی۔ اچانک اُسے روتے روتے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے کوٹھڑی کے اندر لمبی سسکی بھری ہو۔ پہلے تو عاتکہ نے کوئی خیال نہ کیا اور یہی سمجھا کہ اس نے اپنی ہی سسکی کی آواز سُنی ہے۔ مگر جب دوسری مرتبہ اسی طرح لمبی سسکی کی آواز سنائی دی تو عاتکہ نے آنکھوں پر سے ہاتھ اُٹھا کر

سامنے دیکھا۔ جو کچھ اُس نے دیکھا وہ اس قدر حیرت انگیز تھا کہ عاتکہ چیخ مار کر پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔

''اُس کے سامنے مشعل کی روشنی میں ایک بہت بڑا اژدھا اور شیش ناگ کنڈل مارے بیٹھا اپنا اونٹ جتنا سر اٹھائے۔ لال لال بلی جیسی آنکھوں سے عاتکہ کو دیکھ رہا تھا۔ سسکی دراصل اس کی پھنکار کی آواز تھی۔ قریب تھا کہ عاتکہ بے ہوش ہو جائے کہ اژدھے نے کہا۔

''عاتکہ! مجھ سے ڈر نہیں! میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ میں تمہاری مدد کے لیے آیا ہوں۔ میں شیش ناگ ہوں۔ سانپوں کا سب سے بڑا دیوتا ناگ ہوں۔ مجھ سے تیرے رونے اور سسکیاں بھرنے کی آواز سنی نہیں گئی۔ میرا دل خون کے آنسو رونے لگا اور میں زمین کے نیچے سے نکل کر تمہاری مدد کرنے تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟''

عاتکہ کو کچھ حوصلہ سا ہوا۔اُس نے اپنے حواس ٹھیک کیے۔اور آگے بڑھ کر بولی۔

''اے شیش ناگ!اگر تو مجھے اس قید خانے سے باہر نکال دے تو میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔''

شیش ناگ نے کہا۔

''بس اتنی سی بات تھی۔اس کی وجہ سے تم رو رہی تھیں؟یہ کونسی مشکل بات ہے۔آؤ میرے پیچھے پیچھے۔۔۔''

عاتکہ نے کہا۔

''اے شیش ناگ مجھے ایک جادوگر یہاں اٹھا کر لے آیا ہے۔اور وہ شاید باہر پہرہ دے رہا ہے یا سو رہا ہے۔اس کا خیال رکھنا۔وہ بہت بڑا جادوگر ہے۔''

''تم فکر مت کرو لڑکی!شیش ناگ پر کسی کا جادو نہیں چل سکتا۔''

اژدھا نے آگے بڑھ کر لوہے کے دروازے پر زور سے اپنی طاقتور دم ماری اور دروازہ ٹوٹ کر پرے جا گرا۔

''آؤ میرے ساتھ مظلوم لڑکی! میں تمہیں اس مندر کے باہر چھوڑ آتا ہوں۔''

عاتکہ اژدھا کے ساتھ کوٹھڑی سے باہر نکلی تو جادوگر دروازہ ٹوٹنے کی آواز سُن کر بیدار ہو چکا تھا۔ اُس نے چونک کر دیکھا کہ عاتکہ ایک اژدھے کے ساتھ بڑھی چلی آ رہی ہے۔ وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اُس نے سانپ پر جادو کرنا چاہا ہی تھا کہ اژدھا نے آگے بڑھ کر بجلی جیسی تیزی کے ساتھ جادوگر کی گردن تک سر اپنے منہ میں لے لیا اور جھٹکا دے کر اُسے گردن سے الگ کر دیا۔ مندر میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ مگر اژدھا اور عاتکہ کو کچھ نہ ہوا۔ جادوگر کے شاگرد بھی بھاگتے ہوئے وہاں آئے۔ لیکن اپنے اُستاد کا عبرت ناک انجام

دیکھ کر اور شیش ناگ کی پھنکار سن کر واپس بھاگ گئے۔ اژدھے نے عاتکہ کو ساتھ لیا اور مندر سے باہر آ گیا۔

''اے لڑکی! یہاں میری حدود ختم ہوتی ہے۔ میں کوشش بھی کروں تو اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ اب تم آزاد ہو۔ اگر پھر کبھی تمہیں مصیبت کا سامنا ہوا تو اسی طرح مجھے یاد کر لینا۔۔۔''

اتنا کہہ کر شیش ناگ غائب ہو گیا اور وہ میدان میں اکیلی کھڑی رہ گئی۔

وحشی ملکہ

رات کے اندھیرے میں عاتکہ ٹیلے کے پاس تنہا کھڑی تھی۔
وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہاں جائے کہ اچانک مندر کی کھوہ میں سے بزدگر جادوگر کے دونوں شاگرد باہر نکلے اور ایک طرف کو دوڑتے ہوئے غائب ہو گئے۔ وہ بے انتہا ڈرے ہوئے تھے اور یوں بھاگ رہے تھے جیسے ان کے پیچھے کوئی بلا لگی ہو۔ عاتکہ خود ڈر کر سہم گئی اور اس کے ہونٹوں سے چیخ نکل گئی۔ اُس کی چیخ کی آواز عنبر نے سُن لی جو قریب ہی ایک سنگلاخ چٹان کے سائے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ

عاتکہ کو کہاں تلاش کرے۔ چیخ کی آواز سن کر وہ لپک کر اس طرف آیا جس طرف سے آواز آئی تھی۔ وہ ٹیلے کی آڑ سے باہر نکلا تو سامنے عاتکہ سہمی کھڑی تھی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر اس پر ہاتھ رکھ دیا۔ عاتکہ بے چاری اُس سے لپٹ کر رونے لگی۔

''تم یہاں کیسے آ گئیں عاتکہ؟ تم تو حرم میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی کڑھائی کر رہی تھیں؟''

''مجھے کچھ معلوم نہیں میں کیسے آ گئی عنبر! میری طبیعت اچانک بوجھل ہو گئی اور میں اپنے آپ اُٹھ کر شہر بازاروں، گلیوں میں سے گزرتی اس ویران مندر میں آ گئی۔''

اس کے بعد عاتکہ نے ساری کہانی عنبر کو سنائی اور کہا۔

''شاہی جادوگر کی لاش اندر پڑی ہے۔''

عنبر نے کہا۔

''اُس کا انجام یہی ہونا تھا۔ اُس کی لاش کو وہیں پڑا رہنے دو۔''

''عنبر! اگر وہ شیش ناگ میری مدد کو نہ آتا تو جادوگر نے مجھے ضرور ہلاک کر دینا تھا۔''

''ربِ عظیم نے تمہاری مدد کے لیے اُسے بھیج دیا تھا عاتکہ۔ مگر تم نے شیش ناگ سے پوچھا نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور وہاں کیسے آیا ہے؟''

''اُس نے اپنے آپ صرف اتنا بتایا تھا کہ میں زمین کے نیچے آرام کر رہا تھا کہ تمہارے رونے کی آواز نے مجھے بے چین کر دیا اور میں تمہاری مدد کے لیے آ گیا۔''

عنبر سوچنے لگا۔ پھر بولا۔

''عاتکہ! یہ شیش ناگ ہڑپہ کے بڑے مندر کا دیوتا ہے۔ میں نے بلطیس کی بہن سے سُنا تھا کہ ہڑپہ کے بڑے معبد میں شیش ناگ کی

پوجا ہوتی ہے اور شیش ناگ بڑا رحم دل دیوتا ہے اور وہ دکھی انسانوں کی مدد کرتا ہے۔"

"کاش! میں اُس سے اور کچھ پوچھ سکتی۔"

"تم اگر سوال بھی کرتیں تو شیش ناگ تمہیں کچھ نہ بتاتا۔" دیوتا لوگ جو انسانوں کی بھلائی کے لیے آئے ہیں راز نہیں بتایا کرتے۔ آؤ اب میرے ساتھ حرم میں چلیں۔ ملکہ اور دوسری بیگمات تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

عنبر نے عاتکہ کو ساتھ لیا اور شاہی حرم کی طرف چل پڑا۔ شاہی حرم میں پہنچ کر ملکہ نے عاتکہ کو گلے لگا لیا۔ عاتکہ نے یونہی ایک کہانی گھڑ لی کی وہ خواب میں چلنے کی عادی ہے اور کبھی کبھی خواب میں چلتی ہوئی گھر سے باہر نکل جایا کرتی ہے۔ چنانچہ آج بھی وہ اسی طرح خواب میں چلتے ہوئے گھر سے دور ایک جنگل میں پہنچ گئی تھی کہ اُس

کی آنکھ کھل گئی۔ عنبر نے اس بناوٹی قصے کی تائید کر دی۔ ملکہ کو یقین آ گیا اور اُس نے عاتکہ کے لیے شاہی حکیم سے مشورے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ صبح اٹھ کر وہ شاہی حکیم کو خود بلوا کر اس سے بات کرے گی۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ عنبر چاہتا تھا کہ عاتکہ کو کسی طرح اُس کی ماں تک پہنچا دے تا کہ وہ اپنے گھر میں باقی زندگی بسر کرے اور وہاں خوش رہے اب جادوگر بھی مر چکا تھا اور اُسکے شاگرد فرار ہو گئے تھے۔ اُسے کسی دشمن سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔ اُس نے عاتکہ سے ذکر کیا تو وہ بولی۔

''اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا خوشی ہوگی کہ میں اپنی پیاری ماں کے پاس چلی جاؤں۔ لیکن عنبر میری ماں یہاں سے ایک مہینے کی مسافت پر رہتی ہے۔''

''اس کی تم فکر نہ کرو۔ اگر تم راضی ہو تو تمہیں ہر حالت میں وہاں پہنچا دیا جائے گا۔''

''میں تیار ہوں۔ بشرطیکہ تم میرے ساتھ چلو۔''

''اگر فرصت مل سکی تو میں چلوں گا نہیں تو تمہیں شاہی فوج کی حفاظت میں پہنچایا جائے گا۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔ میں ہر طرح سے تیار ہوں۔''

عنبر نے اُسی روز شہزادے سے بات کی۔ اور اُس سے عاتکہ کے واپس اپنے ماں کے پاس جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ اُن ہی دنوں موہنجو داڑو میں یہ افواہ بڑی گردش کر رہی تھی کہ ہُن قوم کی ایک خونخوار عورت عمیکا جو کہ سارے قبیلے کی سردار ہے موہنجو داڑو پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس لئے شہزادے نے عنبر کو عاتکہ کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دی۔

''تمہارا دربار میں رہنا بہت ضروری ہے عنبر! ہم اس لڑکی کو حفاظت کے ساتھ اس کے گھر پہنچا دیں گے۔ اگر ہمیں عمیکا کی جانب سے حملے کا شدید خطرہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں خوشی سے ساتھ جانے کی اجازت دے دیتے۔''

''جیسے آپ کی مرضی شہزادہ سلامت! میں اُسے شاہی فوجی دستوں کی حفاظت میں پہنچانے کا بندوبست کر دوں گا''

''یہی میں بھی چاہتا ہوں۔''

بادشاہ شہزادوں کے جاسوسوں نے آ کر اطلاع دی تھی کہ موہنجوداڑو کے شمال میں ومانڈ پہاڑ کی دوسری جانب صحرائے گوبی میں ایک بڑی بہادر، خونخوار اور وحشی قوم آباد ہے جس پر عمیکا نام کی ایک وحشی ملکہ حکومت کرتی ہے۔ اس ملکہ نے اردگرد کے بے شمار شہروں کو برباد کر کر اُن پر قبضہ جمالیا ہے اور اب موہنجوداڑو پر نظریں

رکھے ہوئے ہے کیونکہ اُسے علم ہو گیا ہے کہ موہنجو داڑو ایک بڑا امیر اور خوش حال شہر ہے۔ بادشاہ شہزادے نے عنبر سے کہا۔

''عنبر! ہم تمہیں ایک انتہائی اہم اور راز دارانہ سفر پر روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ دلیرانہ کام ہے جو سوائے تمہارے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ کیا تم راضی ہو؟ کیونکہ اس میں جان کے چلے جانے کا بھی خطرہ ہے۔''

عنبر نے ادب سے کہا۔

''میری جان کی آپ پروانہ کریں شہزادہ سلامت! آپ مجھے وہ کام بتائیں جو مجھے ایک فرض سمجھ کر ادا کرنا ہے۔''

شہزادہ عنبر کو اپنے ساتھ محل کے اندر کمرہ خاص میں لے گیا اور یہاں اُس نے عنبر کو بتایا کہ اُس کے جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی ہے کہ ہُن قوم کی وحشی ملکہ عمیکا اپنے خونخوار لشکر کے ساتھ موہنجو داڑو

پر حملے کی تیاریاں کر رہی ہے۔

''تم فوراً صحرائے گوبی کے کنارے آباد اس قوم میں جاؤ اور جا کر معلومات حاصل کرو کہ اُن کے لشکر کی تعداد کتنی ہے۔ اُن کے پاس اسلحہ کتنا ہے اور وہ کب حملہ کرنے والی ہے۔ مجھے جاسوسوں کی بات پر اعتبار نہیں۔''

''میں کل ہی اس سفر پر روانہ ہو جاتا ہوں۔''

''راستے کے بارے میں پوری تفصیل تمہیں میرے جاسوس مہیا کر دیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہاں سے اگر دن کے وقت قافلہ چلے تو چھ ماہ کے اندر وہاں پہنچ جاتا ہے''

''چاہے کتنے دن لگیں شہزادہ سلامت! میں کل ہی اس سفر پر روانہ ہو جاؤں گا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تم جتنی تیزی کے ساتھ ہو سکے یہ سفر طے کرو

میں نے تمہارے لیے خاص طور پر ایسی اونٹنیوں کا بندوبست کیا ہے جو اس دفعہ فوج کے مقابلوں کی دوڑ میں اول آئیں تھیں۔ تمہارے ساتھ فوج کا ایک دستہ بھی ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کی ضرورت نہیں شہزادہ سلامت! میں اگر اکیلا ہی اس سفر پر چلوں تو بہتر ہوگا۔"

"یہ سفر بڑا دشوار گزار ہے عنبر۔ تم اسے اکیلے نہ کر سکو گے۔ ہاں البتہ فوج کا دستہ تمہیں مُن قوم کے علاقے میں چھوڑ کر واپس آ جائے گا۔ اور اگر تم کہو گے تو کسی خاص جگہ پر تمہاری واپسی کا انتظار کرے گا۔"

"بہتر ہے۔ کیا یہ دستہ کل سفر پر روانہ ہونے کے لیے بالکل تیار ہے شہزادہ سلامت؟"

"اگر تم صبح کوچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو وہ ایک پہر میں تیار ہو

جائے گا۔''

''میں صبح صبح منہ اندھیرے سفر پر نکل جانا چاہتا ہوں۔اس لیے کہ معاملہ نازک ہے اور وقت بہت کم ہے۔''

''مجھے تم سے یہی امید تھی۔اب صبح محل کے دروازۂ خاص پر ملاقات ہوگی جہاں تمہاری محافظ دستہ تیار کھڑا ہوگا اور ہم تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا شہزادہ سلامت!''

عنبر کو خیال آیا کہ عاتکہ بھی اُسی علاقے یعنی کوہ دماوند کے دامن میں واقع ایک قصبے کی رہنے والی ہے کیوں نہ اُسے بھی اس سفر میں ساتھ ہی لے لیا جائے؟ عاتکہ کی ماں اپنی بیٹی کے اغوا کا سُن کر روتی دھوتی واپس اپنے وطن چلی گئی تھی۔اُس نے شہزادے سے اُس کی اجازت طلب کر لی۔شہزادے نے اُسی وقت اجازت دے دی اور کہا

کہ وہ اگر چاہے تو عاتکہ کو بھی اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ عنبر نے شہزادے کو جھک کر سلام کیا اور سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اُس نے اُسی وقت عاتکہ کو بُلایا اور ساری بات سمجھا دی۔ عاتکہ بڑی خوش ہوئی۔ ملکہ سلامت نے بھی عاتکہ کی خوشی کو سامنے رکھتے ہوئے اُسے عنبر کے ساتھ اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ عنبر نے عاتکہ سے وحشی قوم کی ملکہ عمیکا کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے کہا۔

''میں نے اُس ملکہ کا نام سُن رکھا ہے اور اپنی والدہ سے سنا ہے کہ وہ ایک انتہائی سنگدل اور خونخوار قوم کی ملکہ ہے۔ ہمارے قصبے سے اس قوم کا علاقہ بہت دور ہے۔ مگر اُن کی خونخواری کی داستانیں ہمارے بڑے بوڑھے بڑی تفصیل سے سنایا کرتے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اُس قوم کے لوگ صحراؤں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ خیموں میں رہتے ہیں۔ بھیڑ بکریاں چرا کر گذارہ کرتے ہیں اور آس

پاس کے شہروں کو جب چاہے لوٹ کر آگ لگا دیتے ہیں۔

عنبر بڑے غور سے عاتکہ کی باتیں سن رہا تھا۔ اُس کے بعد اُس نے کہا۔

''تم جا کر ابھی سے تیاریاں شروع کر دو۔ کل صبح منہ اندھیرے ہمیں سفر پر روانہ ہونا ہے۔ تمہیں وقت پر تیار ہو جانا چاہیے۔''

''میں بالکل تیار ہوں گی۔''

وہ چلی گئی اور عنبر نے ضروری سامان باندھ کر رکھ لیا اور مسہری پر لیٹ کر صبح کا انتظار کرنے لگا۔ صبح ہونے میں صرف ایک پہر باقی تھا۔ وہ سوچتے سوچتے گزر گیا۔ جب پو پھٹی اور آسمان کے مشرق میں صبح کا نیلا اُجالا پھیلنے لگا تو عنبر نے اپنے سامان کی گٹھڑی غلام کے سر پر رکھی اور شاہی محل کے دروازہ خاص میں آ گیا۔ یہاں پہلے ہی سے دس بارہ چاق و چوبند سپاہی اور اونٹنیاں سفر کے لیے تیار کھڑی

تھیں۔شہزادہ بھی اُن کے پاس ہی کھڑا تھا ۔شہزادہ اس سفر کو باقی درباریوں سے خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ وہاں سوائے ان کے اور کوئی نہیں تھا۔عاتکہ اونٹنی کے ایک کجاوے پر بیٹھ چکی تھی۔وہاں پہنچتے ہی شہزادہ عنبر کو ایک طرف لے گیا اور اُسے دوبارہ تفصیل سمجھائی اور رازداری کی تاکید کی۔عنبر نے اپنی طرف سے شہزادے کو پوری یقین دہانی اور تسلی کر دی۔شہزادے نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔عنبر ایک برق رفتار اونٹنی پر بیٹھ گیا اور یہ چھوٹا سا قافلہ اپنے طویل اور پُر اسرار سفر پر روانہ ہو گیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُدھر ہڑپہ شہر میں جا کر معلوم ہو جائے کہ سیاہ فام شہزادے کا جاسوس کیا کر رہا ہے؟ اور بے گناہ تھا ئیس کس حال میں ہے؟ اس بے چاری کو ہرگز ہرگز علم نہیں تھا کہ سیاہ فام کا نے کا جاسوس اس کا پیچھا کرتے کرتے اُس کے گھر تک پہنچ چکا ہے۔وہ

اپنے خیال میں آزاد ہو کر اپنے ماں باپ کے گھر میں آزادی کی زندگی بسر کر رہی تھی، وہ صبح اُٹھ کر کنوئیں پر جا کر صراحیوں میں پانی بھر کر لاتی۔ پھر بھیڑ بکریوں کا دودھ دوہتی اور انہیں ساتھ لے کر وادی میں گھاس چرانے لے جاتی۔ جاسوس نے اس کی ایک ایک مصروفیت کو ذہن نشین کر لیا تھا اور اب ایک کارواں سرائے میں اپنے دو ساتھیوں کے پاس بیٹھا اس تجویز پر غور کر رہا تھا کہ تھائیس کو اغوا کر کے کیسے مصر پہنچایا جائے اور شہزادے سیاہ فام سے انعام و کرام حاصل کیا جائے۔

"میرے خیال میں سوائے اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ تائیس کو بے ہوش کر کے اونٹ کے کجاوے میں ڈال دیا جائے اور مصر کی طرف کوچ بول دیا جائے۔"

"لیکن راستے میں ہوش میں آ کر اگر اُس نے شور مچا دیا تو کیا ہو گا؟"

''ہم راستے میں ہوش آتے ہی اُسے دوبارہ بے ہوش کر سکتے ہیں۔''

''اگر بار بار بے ہوش کرنے سے وہ مر گئی تو شہزادہ سیاہ فام کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے؟ وہ یقیناً ہماری گردنیں بھی اتار دے گا۔''

''میری بیہوشی کی دوائی بھی ضرر ہے۔ اگر ایک ہزار مرتبہ بھی تھائیس کو بے ہوش کیا جائے تو تو اُس کی صحت پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔''

''اگر تمہیں اپنی دوا کے بے ضرر اور غیر نقصان وہ ہونے پر یقین ہے تو ہم اُسے بے ہوش کر کے اٹھا لیتے ہیں۔''

''میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ میری دوا بے ضرر ہے اور پھر سوائے اس کے ہمارے پاس کوئی چارہ کار بھی تو نہیں ہے۔ تم اور کیسے جیتی جاگتی زندہ عورت کو اٹھا کر اتنی دور دراز کے سفر پر لے جا

سکتے ہو؟''

''تو پھر ہم اس منصوبے پر کل ہی عمل کرتے ہیں۔ کل صبح جس وقت تھائیس اپنی بھیڑ بکریوں کو چشمے پر پانی پلانے آئے گی تو وہیں اُسے دبوچ لیا جائے گا۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

یہ لوگ صبح کو اغوا کی تیاریاں کرنے لگے۔ انہوں نے پراسرار آدمی کے ساتھ سارا سامان باندھ کر تیز رفتار اونٹوں پر لا دلیا۔ اور اونٹوں کو لے کر ہڑپہ شہر سے باہر اُس جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جہاں تھائیس قریباً روزانہ ہی اپنی بھیڑ بکریوں کو لے کر انہیں پانی پلانے اور گھاس پھونس چرانے آیا کرتی تھی۔ روزانہ کے مطابق تھائیس بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ چھڑی ہاتھ میں لئے نمودار ہوئی۔ وہ بڑی بے فکری سے چلی آ رہی تھی اور کوئی پرانا لوک گیت بھی گا رہی تھی۔

تینوں جاسوسوں نے ایک پھٹے پرانے کپڑوں والے اندھے فقیر کا بھیس بدل رکھا تھا۔ تھائیس جس وقت چشمے پر پہنچ کر رُک گئی اور بھیڑ بکریوں کو باری باری پانی پلانے لگی تو یہ آدمی اندھے فقیر کے بھیس میں وہاں سے نکل کر لاٹھی سے راستہ ٹٹولتا ہوا چشمے کی طرف چل پڑا۔ وہ بار بار بڑی دردناک آواز میں کہہ رہا تھا۔

''اندھے فقیر کو پانی پلا دو۔ اندھے فقیر کو پانی پلا دو۔''

ظاہر تو وہ یہ کر رہا تھا کہ وہ اندھا ہے مگر چوری چوری وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور لاٹھی سے راستہ ٹٹولتا وہ سیدھا اُس طرف جا رہا تھا جہاں تھائیس چشمے پر جانوروں کو پانی پلا رہی تھی۔ بے ہوش کرنے والی دوائی ایک رومال میں رکھی ہوئی اُس نے زور سے آواز لگائی۔

''اندھے فقیر کو پانی پلا دو بابا۔ دیوتا تمہارا بھلا کریں گے۔''

تھائیس نے ایک اندھے فقیر کو پانی کا سوال کرتے دیکھا تو اُس کا

نرم دل پسیج گیا۔ اُس نے دور ہی سے کہا۔

''ابھی پانی لاتی ہوں بابا۔ وہیں ٹھہرو۔''

اندھا فقیر یہی تو چاہتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو کر وہیں رک گیا۔ تھائیس نے مٹی کے ایک پیالے میں چشمے کا ٹھنڈا پانی ڈالا اور خوشی خوشی اندھے فقیر کی طرف آ گئی۔ وہ یہ نیک کام کر کے دلی خوشی محسوس کر رہی تھی۔ اندھا فقیر درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور اس نے جیب سے بے ہوشی کی دوائی میں تر بتر رومال نکال کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ تھائیس اس کے قریب آئی تو اندھے فقیر نے اُسے دعائیں دینی شروع کر دیں۔ تھائیس نے پانی کا پیالہ اندھے کے ہاتھوں میں دے کر کہا۔

''لو بابا پانی پی لو۔''

''جیتی رہو بیٹی۔ جیتی رہو بیٹی۔ دیوتا تمہارا جلدی سے بیاہ کر

دیں۔"

تھائیس ہنس پڑی۔ اندھے فقیر نے پانی پی کر پیالہ جان بوجھ کر زمین پر رکھ دیا۔ جونہی تھائیس پیالہ اٹھانے کے لیے جھکی بجلی جیسی تیزی کے ساتھ اندھے فقیر نے رومال والا ہاتھ تھائیس کے ناک پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اُس کی گردن دبوچ لی۔ تھائیس مچھلی کی طرح ایک بار تڑپی اور پھر بے ہوش ہو کر اندھے فقیر کی بانہوں میں گر پڑی۔ دوراس کے ساتھ ہی سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ تھائیس بے ہوش ہو گئی ہے تو وہ تیزی سے اونٹ لے کر آگے بڑھے۔ انہوں نے جلدی سے بے ہوش تھائیس کو اٹھا کر کجاوے میں ڈالا۔ خود بھی اونٹوں پر سوار ہوئے اور اُن کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ باگیں ڈھیلی ہوتے ہی اونٹوں نے وادی میں ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ تھائیس بیچاری کجاوے میں بے ہوش

پڑی تھی۔ اور اس کی بکریاں اور بھیڑیں چشمے پر اُسے زور زور سے ممیا کر پُکار رہی تھیں۔ اُنہیں کیا خبر تھی کہ اُن کی مالکن اُن سے دُور ہوتی چلی جا رہی ہے اور ایک بار پھر ایک ایسے خوفناک سفر پر روانہ ہوگئی ہے۔ جس کے انجام کا اُسے بھی کچھ پتہ نہیں۔

مصیبت کا سفر

تھائیس کی زندگی کا بھیانک سفر ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا۔
ہڑپہ شہر سے باہر نکلتے ہی جاسوسوں نے اونٹوں کی رفتار تیز کر دی اور مصر کی جانب پُر خطر اور طویل سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ سمندر کے سفر سے بچ کر اُس راستے سے جا رہے تھے جو موہنجو داڑو کے پہلو سے ہو کر مکران اور ایران سے ہوتا ہوا خشکی کی راہ پر ملک مصر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ سارا دن گرم دھوپ میں چلتے رہے۔ اونٹ بڑے تیز

رفتار تھے۔ شام کے وقت وہ تھک گئے اور ایک جگہ آرام کے لیے رُک گئے۔ یہاں پہنچ کر تھائیس کو ہوش آ گیا۔ اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ اور اُسے کہاں لئے جا رہے ہیں؟ پُراسرار آدمی نے ہنس کر کہا۔

''ہم سیاہ فام شہزادے سے تمہارا بیاہ کرنے لیے جا رہے ہیں۔''

تھائیس کانپ کر رہ گئی۔ تو گویا شامی کا خدشہ صحیح ثابت ہوا تھا۔ یہ شخص اُس کا جگہ جگہ پیچھا کر رہا تھا۔ اور آخر اُسے اغوا کر لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تھائیس نے اُس کی منت کی کہ وہ اسے سیاہ فام شہزادے کے پاس نہ لے جائے۔ مگر وہ تینوں اُس کی باتوں پر ہنستے رہے اور اُس کا مذاق اڑاتے رہے۔ آدھی رات کو وہ پھر اپنے سفر پر چل پڑے۔ ساری رات اور سارا دن سفر کرنے کے بعد وہ ایک قصبے کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے تھائیس کو دوبارہ زبردستی دوا

سُنگھا کر بے ہوش کر دیا۔

یہ قصبہ موہنجوداڑو سے کافی فاصلے پر واقع تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ وہ درست راستے پر جا رہے ہیں اور اگلے روز ملک سندھ کی سرحد عبور کر کے ملک ایران میں داخل ہو جائیں گے۔ اس قصبے سے انہوں نے کھانے پینے کی چیزیں خریدیں اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سندھ کی سرحدوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ دوسرے روز شام کے وقت انہوں نے ملک سندھ کی سرحد عبور کر لی اور ملک ایران میں داخل ہو گئے یہاں سے سنگلاخ پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا اور ان کے سفر کی رفتار سُست پڑ گئی۔ مگر وہ بغیر رُکے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ان سنگلاخ پہاڑی میدانوں میں سفر کرتے ہوئے انہیں دس روز ہو گئے تھے۔ گیارہویں روز وہ سوریہ اور بابل کے شہروں سے گزر کر ملک مصر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور بڑی تیزی کے

ساتھ شہزادہ سیاہ فام کے محل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھائیس بیچاری کا سفر اور غم کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کہاں تھی اور کہاں آ گئی؟ عنبر خدا جانے کہاں ہوگا۔ وگرنہ اُسے ہی اپنی بپتا سناتی۔ اُسے اپنا ہولناک انجام سامنے نظر آ رہا تھا۔

جس وقت یہ لوگ شہزادہ سیاہ فام کے محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو شہزادہ سیاہ فام اپنی کانی آنکھ لئے خود وہاں موجود تھا۔ غصے سے اس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ تھائیس کو دیکھتے ہی اُس کا پارہ ایکدم چڑھ گیا اور اُس نے اُسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ تھائیس بیچاری چیخ مار کر رہ گئی۔

"تم نے دیکھ لیا کہ میں تمہیں زمین کے نیچے سے بھی کھینچ کر لا سکتا ہوں بول اب کبھی یہاں سے بھاگنے کا نام لے گی؟"

اُس نے تھائیس کو بے دردی سے مارنا شروع کر دیا۔ تھائیس نے

ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ہر گز نہیں میرے آقا ہر گز نہیں۔ اب میں یہاں سے کبھی فرار ہونے کا نام نہیں لوں گی۔ میں آپ کی خدمت کروں گی اور ساری عمر آپ کی کنیز بن کر یہاں رہوں گی۔"

سیاہ فام نے قہقہہ مار کر کہا۔

"اب آئی ہو تم سیدھی راہ پر۔ چلو اندر چلو۔"

تھائیس اٹھ کر اندر چلی گئی۔ دوسری کنیزیں سہمی ہوئی کھڑی تھیں۔ سیاہ فام نے کڑک کر کہا۔

"اگر اب کسی نے یہاں سے بھاگنے کے متعلق سوچا بھی تو اُس کی کھال کھینچ لی جائے گی۔"

جب سیاہ فام چلا گیا تو دوسری کنیزوں نے تھائیس کو بڑی ہمدردی سے اپنے ساتھ لیا اور حرم میں داخل ہو گئیں۔ انہوں نے

اُسے گرم پانی سے نہلایا۔ اُس کی چوٹوں پر دوائی لگائی۔ اُسے نئی پوشاک پہنائی اور اُس کے کمرے میں لے جا کر سُلا دیا۔ وہ بے چاری در در کی ٹھوکریں کھا کر نڈھال ہوگئی تھی۔ اوپر سے سیاہ فام کی مار پیٹ اور طویل سفر نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ وہ پلنگ پر لیٹے ہی رونے لگی۔ چپکے چپکے اکیلی ہی اپنی ماں کو یاد کر کے روتی رہی۔ وہ بلند آواز سے بھی نہیں رو سکتی تھی کہ کہیں کسی کو خبر ہوگئی تو اس کی کھال اتروائی جائے گی۔ روتے روتے اُس کے آنسو بھی خشک ہو گئے اور وہ جانے کس قدر نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

کوہ دماند کی جانب عنبر کا سفر بھی جاری تھا۔ انہیں سفر کرتے ہوئے چار مہینے ہو گئے تھے۔ انہوں نے بڑی برق رفتاری سے سفر کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دو مہینے پہلے منزل مقصود پر پہنچ گئے تھے۔ عاتکہ بھی اُن کے ساتھ تھی۔ چوتھا مہینہ ختم ہو رہا تھا کہ یہ قافلہ اُس قصبے میں

پہنچ گیا۔ جہاں عاتکہ کی ماں رہتی تھی۔ عاتکہ کو دیکھ کر اُس کی ماں خوشی سے نہال ہوگئی۔ اُسے بالکل یقین نہیں تھا کہ اُس کی زندگی میں اُس کی بیٹی اُسے زندہ ملے گی۔ ایک روز قافلے نے اُسی جگہ قیام کیا۔

ہُن قوم کا علاقہ اب شروع ہونے والا تھا۔ عنبر نے حفاظتی سپاہیوں سے کہا کہ یہاں سے وہ واپس چلے جائیں۔ آگے وہ منصوبے کے مطابق اکیلا ہی سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ چنانچہ تیسرے روز سپاہی واپسی سفر پر روانہ ہوگئے۔ عنبر نے عاتکہ کی بوڑھی والدہ سے ہُن قوم کے رہن سہن کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ اُسے پتہ چلا کہ یہ قوم پانی اور اناج کے دیوتاؤں کی پوجا کرتی ہے۔ اُن کا ایک جنگ کا دیوتا بھی ہے جو انہیں ہر جنگ کی اجازت اور فتح کی خوش خبری دیتا ہے۔ عنبر ایک ہفتہ عاتکہ کی والدہ کے گھر ٹھہرا رہا۔ آٹھویں روز اُس نے ایک خوبصورت سیاہ گھوڑا خریدا

اور تیاری شروع کر دی۔

عاتکہ نے کہا۔

''عنبر بھائی! میری دعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ آپ ایک بڑی ہی وحشی اور آدم خور قوم میں جا رہے ہیں۔ رب عظیم آپ کی حفاظت کرے اور آپ جلد واپس ہمارے پاس آئیں۔''

عنبر نے عاتکہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''بس مجھے تمہاری دعاؤں کی ہی ضرورت ہے عاتکہ! تم دعا کرتی رہنا پھر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔''

عنبر نے عاتکہ کی ماں کو بھی جھک کر ادب سے سلام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر صحرائے گوبی کے اُس علاقے کی طرف چل پڑا جہاں سے ہُن قوم کی سلطنت کی حدود شروع ہوتی تھی۔ اُس نے جڑی بوٹیوں کے سوداگر کا بھیس بدل رکھا تھا اور ساتھ ایک جھولے

میں مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں بھی جمع کر رکھی تھیں۔ اگرچہ یہ بھی ایک صحرا تھا مگر یہاں گرمی کی شدت کم تھی اور بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ رات کو بڑی سخت سردی ہو گئی۔ عنبر نے جھولے میں سے سیاہ اون کا کمبل نکال کر اپنے اوپر اوڑھ لیا اور سمٹ کر سو گیا۔ اُسے پھر بھی رات بھر سردی لگتی رہی۔

صبح منہ اندھیرے اُٹھ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا۔ سورج نکلا تو گرمی کی شدت نے بدن پر خوشگوار اثر کیا۔ دوپہر کے وقت اُس نے دور کچھ خیمے دیکھے۔ وہ اُن خیموں کے قریب جا کر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اُسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ خیمے کے باہر کچھ بچے کھیل رہے تھے اور ایک بوڑھی عورت بکری کا دودھ دوھ رہی تھی۔ عنبر نے قریب جا کر اُس عورت کو سلام کیا اور کہا کہ اُسے بھوک لگی ہے۔ بوڑھی عورت نے پہلے تو بڑے غور سے عنبر کو دیکھا۔ پھر مٹی کے

کٹورے میں دودھ ڈال کر آگے کر دیا۔ عنبر غٹا غٹ سارا دودھ پی گیا۔ عورت اُسے برابر اپنی زرد چیتے جیسی آنکھوں سے گھور رہی تھی۔

جب وہ دودھ پی چکا تو اُس نے پوچھا۔

''تم کون ہو اور ادھر کیا لینے آئے ہو؟''

عنبر نے بڑی ملائمت سے کہا۔

''بی بی! میں جڑی بوٹیوں کو سوداگر ہوں اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں شہر شہر سفر کر رہا ہوں۔''

پھر اُس نے جھولے میں سے مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں نکال کر دکھائیں۔ عورت کو عنبر کی باتوں پر یقین آ گیا۔ عنبر نے پوچھا کہ یہاں کوئی مرد دکھائی نہیں دے رہا۔ یہ سب لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟

عورت نے اُسے بتایا کہ سارے مرد ساتھ والے شہر میں لوٹ مار کرنے گئے ہیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ وحشی ہُن قوم کے علاقے میں داخل

ہو چکا ہے وہ چلنے لگا تو بوڑھی عورت نے کہا۔

''تمہارے پاس اگر سونے چاندی کے سکے ہیں تو چپکے سے مجھے دے جاؤ ورنہ میرے قبیلے کے لوگ تمہیں لوٹ کر قتل کر دیں گے۔''

عنبر نے بوڑھی عورت سے کہا۔

''مگر بی بی میں تو ایک امن پسند سوداگر ہوں۔ میری تو کسی سے بھی دشمنی نہیں ہے۔ پھر تمہارے قبیلے کے لوگ مجھے کیوں ماریں گے؟''

بوڑھی عورت نے تنک کر کہا۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ سارا علاقہ ہُن قوم کا علاقہ ہے اور یہاں کوئی غیر قوم کا آدمی داخل نہیں ہو سکتا۔''

''مگر بی بی! اب میرا کیا ہوگا؟ میں تو واپس بھی نہیں جا سکتا۔''

''پانی کا دیوتا امارس تمہاری حفاظت کرے۔ تم اپنے آپ موت

کے منہ میں آ گئے ہو۔ میں تمہیں اپنے ہاں پناہ نہیں دے سکتی۔ اگر میں نے ایسا کیا تو میرے بچے مجھے بھی تمہارے ساتھ ہی قتل کر دیں گے۔"

"تو پھر میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

"مگر تم آگے کیوں جا رہے ہو؟ آگے تو وہ خیمے شروع ہوتے ہیں جہاں ہماری ملکہ عمیکا کا بڑا شاہی خیمہ لگا ہے۔ وہاں تو تم بالکل ہی زندہ نہ بچ سکو گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"بی بی! مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔ میں آگے ضرور جاؤں گا چاہے اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ نکلے۔"

بوڑھی عورت عنبر کی بہادری پر بہت حیران ہوئی۔ اُس نے اُسے کہا کہ اگر راستے میں کسی نے اُس کو قتل کرنے کی کوشش کی تو وہ آگے

سے مقابلہ ہرگز نہ کرے۔ اس طرح ممکن ہے کہ اُس کی جان بخشی کر دی جائے۔ لیکن اگر اس نے مقابلہ کیا تو وہ اُسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

''بہت اچھا بابی بی! میں تمہاری نصیحت پر ضرور عمل کروں گا۔''

اتنا کہہ کر عنبر آگے روانہ ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ہُن قوم کی خونخواری جیسی سنی تھی ویسی ہی ہے۔ یہ قوم آدم خور قسم کی ہے اور وہ ضرور کسی روز موہنجوداڑو میں گھس کر وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ وہ چلتا گیا۔ سورج مشرق کی طرف جھکنے والا تھا اور صحرا میں دھوپ کا رنگ سنہری ہو گیا تھا۔ اچانک عنبر کو سامنے سے کچھ گھوڑ سوار آتے دکھائی دیئے۔ جب وہ قریب آ گئے تو اس نے دیکھا کہ وہ لوگ گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے اور آندھی کی طرح گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ انہوں نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ قریب آ کر سارے گھوڑ سواروں

نے عنبر کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اُن کی شکلیں وحشی چیتوں کی طرح تھیں اور اُن ک آنکھوں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی محسوس ہو رہی تھیں ایک گھوڑ اسوار کے سر پر سفید عقاب کے پروں کی کلغی لگی تھی۔ اُس نے گرج کر کہا۔

''کون ہو تم؟''

خونخوار عمیکا

چھ سات خونی وحشی، ہن عنبر کو گھیرے کھڑے تھے۔

انہوں نے بھیڑ کی اون کے کرتے پہن رکھے تھے۔ اُن کے چہرے تپتے ہوئے تانبے کی طرف چمک رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اور اُن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔

کلغی والے گھوڑ سوار نے دوسری بار گرج کر پوچھا۔

''تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟''

عنبر نے سوچا اب خاموش رہنا مناسب نہیں ہے۔ اُس نے کہا۔

''میرا نام عنبر ہے۔ میں ملک سندھ کا رہنے والا ہوں اور یہاں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا ہوں۔ میں تاجر ہوں۔''

وہ سب وحشیوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ کلفی دار نے کہا۔

''تم اپنی موت کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔ تمہارے پاس سونا ہے؟''

ہاں۔۔۔ کچھ سکے ہیں۔''

''انہیں میرے حوالے کرو اور میرے ساتھ چلو۔''

عنبر نے جیب میں سے سونے کے سکے نکال کر کلفی دار کے حوالے کر دیئے اور اپنا گھوڑا موڑ کر ان کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ اُن لوگوں نے عنبر کے گھوڑے کو بیچ میں گھیر رکھا تھا۔ وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں کچھ خیمے تھے۔ یہاں عنبر کو ایک خیمے میں رسیوں میں باندھ کر قید میں ڈال دیا گیا۔ اُس کا گھوڑا چھین لیا گیا۔ عنبر ساری رات خیمے میں قید

کی حالت میں پڑا سوچتا رہا کہ یہاں سے نکل کر ملکہ کے دربار میں جانے کی کیا ترکیب ہو؟ رات گئے تک ہُن وحشی باہر ریت پر ایک بھیڑ کو بھون کر کھاتے اور شور مچاتے رہے۔ ایک وحشی نے آ کر بھیڑ کے گوشت کا ٹکڑا عنبر کی جھولی میں بھی پھینک دیا۔ پھر وہ لوگ باہر ریت پر کھلے آسمان تلے ہی کمبل اوڑھ کر سو گئے۔ عنبر نے اب وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ رسی بڑی مضبوطی کے ساتھ باندھی گئی تھی اور کوشش کے باوجود اپنے پاؤں نہیں کھول سکتا تھا۔ ساری رات عنبر نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح ہوئی تو اُسے گھوڑے پر بٹھا کر وحشی ہُن اپنے ساتھ لے کر آگے چل پڑے۔ وہ سارا دن چلتے رہے۔ شام کو انہوں نے ایک ایسی جگہ پڑاؤ کیا جہاں سرو کے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے اور یہ درخت اردگرد ٹیلوں پر بھی پھیلے ہوئے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ کسی آبادی کے آس

پاس ہے

وحشی ہُن رات گئے تک گوشت بھون بھون کر کھاتے اور شور مچاتے رہے۔عنبر کو انہوں نے خیمے میں باندھ کر قید میں ڈالا ہوا تھا۔ آدھی رات کے بعد اچانک کسی کی چیخ کی آواز گونجی اور پھر چاروں طرف خاموشی طاری ہو گئی۔اس کے بعد ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔عنبر نے اُٹھ کر خیمے کے باہر پہرہ دیتے وحشی ہُن سے پوچھا۔

''کیا بات ہوئی ہے؟ یہ چیخ کی آواز کس کی تھی؟''

پہریدار ہن نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''کروشکا کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔وہ مر رہا ہے۔''

کروشکا اُس کلغی دار ہُن کا نام تھا جس نے عنبر سے پوچھا تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔عنبر نے پہریدار سے کہا کہ مجھے

کروشکا کے پاس لے چلو۔ میں اُس کا علاج کر کے اُسے تندرست کر دوں گا۔ پہلے تو پہریدار نے اُس کی پرواہ نہ کی۔ لیکن جب عنبر نے بے حد اصرار کیا اور ادھر کروشکا کی حالت بھی غیر ہونے لگی تو پہریدار اُسے اسی طرح رسیوں میں باندھے کروشکا کے پاس لے گیا۔ کروشکا کے سارے جسم میں سانپ کا زہر چڑھ گیا تھا اور وہ بے ہوش پڑا تھا۔ دوسرے وحشی ارد گرد پریشان ہو کر کھڑے تھے اور اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے سردار کو کس طرح بچائیں۔ عنبر نے کہا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے جائیں تا کہ وہ کروشکا کا علاج کر سکے۔ فوراً رسیاں کھول دی گئیں۔ عنبر نے جلتی آگ پر پانی گرم کر کے جھولے میں سے ایک بُوٹی کا ست نکال کر اس میں ڈالا اور اُسے نیم گرم کر کے جلدی سے کروشکا کے ہونٹ کھول کر اُس کے حلق میں ٹپکا دیا۔

اُس عرق نے جادو کا کام کیا۔ کروشکا جو کہ مرنے کے قریب تھا۔

بے ہوش تھا اور اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا اُس کی حالت بدلنے لگی۔ اُس سانس ٹھیک ہو گیا۔ بخار کی شدت میں کمی آ گئی اور تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ تمام وحشی ہُن حیرت کا اظہار کرنے لگے۔ کہ اس نوجوان سوداگر کے پاس کونسی ایسی جادو کی دوا تھی جس نے اُن کے سپہ سالار کو موت کے منہ سے بچالیا۔ کروشکا کو جب معلوم ہوا کہ وہ عنبر سوداگر کی دوا سے اچھا ہوا ہے تو اُس نے تندرست ہونے کے بعد عنبر کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا۔

''میں تمہارے لیے اس کے بدلے میں کیا کر سکتا ہوں؟''

عنبر کو عاتکہ کی ماں نے بتایا دیا تھا کہ اگر تم کسی وحشی ہُن پر احسان کرو گے تو وہ اُس کا بدلہ چکانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے۔ عنبر نے فوراً کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ ملکہ عمیکا کے دربار میں پیش ہو کر اُس سے

ایک ملاقات کروں۔ تا کہ میرا یہ سفر یادگار رہے۔''

''یہ ہو جائے گا۔''

دوسرے روز کروشکا بالکل ٹھیک ہو گیا۔ اُس نے عنبر کو ساتھ لیا اور عمیکا کے محل کی طرف چل پڑا۔ ایک دن کی مسافت طے کرنے کے بعد شام کو وہ اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں میدان میں بے شمار خیمے لگے تھے۔ ان خیموں کے بیچ میں ایک بہت بڑا اور عالی شان خیمہ تھا۔ کروشکا نے عنبر کو بتایا کہ یہ خیمہ ملکہ عمیکا کا ہے۔ انہوں نے وہ رات کروشکا کے کے خاص خیمے میں بسر کی۔ صبح سویرے تیار ہو کر کروشکا عنبر کو ملکہ عمیکا سے ملانے دربار میں لے گیا۔ عنبر نے اُس سے پہلے مصر و شام سوریہ اور بابل و نینوا کے عظیم بادشاہوں کے دربار دیکھے تھے۔ اُس کا خیال تھا کہ ملکہ عمیکا کا دربار بھی اُسی قسم کا ہو گا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ ظاہری شان و

شوکت کی بجائے عمیکا کے دربار میں ایک سادگی جلال اور دہشت تھی۔ ایک اونچے چھت والے خیمے کے نیچے ان گنت ریشمی قالین بچھے تھے۔ سامنے ایک لکڑی کے تخت پر گاؤ تکیے اور قالین لگے تھے۔ اور اس پر ملکہ عمیکا بیٹھی تھی۔ ایک زرد آنکھوں والا آدم خور قسم کا چیتا سونے کی زنجیروں سے بندھا اُس کے پاس بیٹھا تھا۔ دائیں بائیں قالین پر کچھ سفید اور سیاہ داڑھیوں والے درباری خاموش بیٹھے تھے۔

کروشکا نے دربار میں داخل ہو کر دوبار جھک کر ملکہ کو سلام کیا اور پھر عنبر کو ایک طرف سلام کر کے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ عنبر نے بھی دوبار جھک کر سلام کیا اور وہ کروشکا کے پہلو میں قالین پر بیٹھ گیا۔ اُس وقت عمیکا کے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا۔ ایک ہُن نے دوسرے ہُن کے خیمے میں گھس کر چوری کر لی تھی۔ عمیکا نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد حکم دیا کہ چور کی گردن کاٹ کر اُس شخص کے خیمے

کے باہر لٹکا دی جائے جس کے گھر اُس نے چوری کی تھی۔ سپاہی اُس شخص کو پکڑ کر لے گئے۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہاں چوری کی سزا گردن کاٹ کر دی جاتی ہے تو قتل کی سزا کیا ہو گی؟ کروشکا نے اُسے بتایا کہ کسی بے گناہ ہُن کو قتل کر دینے کی سزا یہ ہے کہ قاتل کو جنگلی بکرے کی کھال میں زندہ سی کر ریت میں دبا دیا جاتا ہے۔ عنبر کو معلوم ہوا کہ اُن کے قبیلے میں آپس میں قتل کی وارداتیں کبھی نہیں ہوتی تھیں اور چوری کی واردات بھی ایک ایسے شخص نے کی تھی جو کاکیشیا کے علاقے سے وہاں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ ورنہ ہُن کبھی چوری نہیں کرتے تھے اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرتے تھے۔ ہاں دوسرے قبیلے کے لوگوں کو قتل کرنے میں وہ ایک پل کی دیر بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ دشمنوں کے ساتھ وہ بد سے بدتر سلوک کرتے تھے۔

مقدمے کے فیصلے کے بعد عمیکا نے دربار کے وزیروں کو کچھ

احکام دیئے اور پھر کروشکا کی طرف دیکھا اور کہا۔

''کروشکا تمہارے ساتھ یہ اجنبی کون ہے؟ مجھے یہ نوجوان مصر کے ملک سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔''

عنبر ملکہ عمیکا کی قیافہ شناسی پر دنگ رہ گیا۔ آج تک کسی نے اُسے اتنی جلدی اور اتنا صحیح نہیں پہچانا تھا۔ کروشکا نے جھک کر کہا۔

''ملکہ! یہ نوجوان جڑی بوٹیوں کا تاجر ہے اور کہتا ہے کہ وہ ملک سندھ سے آیا ہے اور جڑی بوٹیوں کی تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچا ہے۔ اسے آپ کے نیاز حاصل کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ میں اسے آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔''

ملکہ عمیکا ہنس پڑی۔

''اس نوجوان کو ہمارے قریب لاؤ۔''

کروشکا نے عنبر کو ساتھ لیا اور ملکہ کے تخت کے قریب جا کر کھڑا ہو

گیا۔ عنبر ملکہ کے تخت کے قریب پہنچا ہی تھا کہ سونے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا چیتا پریشان ہونے لگا۔ عنبر نے یہ محسوس کیا تھا کہ جانور اُسے دیکھ کر گھبرا جایا کرتے تھے۔

انسانوں کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ ایک آسیبی انسان ہے اور دو ہزار برس سے زندہ چلا آرہا ہے لیکن جانور کو احساس ہو جاتا تھا کہ وہاں کوئی غیر فطری شے آگئی ہے۔ یہی حال ملکہ عمیکا کے چیتے کا تھا۔ عنبر کے قریب آتے ہی وہ پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے بدن پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ پھر وہ ملکہ کے پیچھے جا چھپا۔ ملکہ حیران ہوئی کہ معاملہ کیا ہے۔ چیتا اس سے پہلے کبھی کسی کو دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اُسے دیکھ کر لوگ ڈر جایا کرتے تھے۔ لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ چیتا ایک اجنبی انسان کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا تھا۔ ملکہ نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''کیا تم ملک مصر کے رہنے والے نہیں ہو؟''

ملکہ کی عقاب جیسی تیز نگاہوں میں بلا کی کشش تھی۔ عنبر پر اُن آنکھوں کے جادو کا اثر ہونے لگا۔ لیکن چونکہ وہ ایک ایسا انسان تھا

جس پر ایک آسیب کا سایہ تھا۔ چنانچہ وہ بہت جلد سنبھل گیا اُس نے ملکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہا۔

''میں ملک مصر میں پیدا ضرور ہوا تھا مگر اس کے بعد وہاں سے چلا آیا۔

اور ملک سندھ میں آ کر آباد ہو گیا۔''

''تم کب مصر میں پیدا ہوئے تھے؟''

''آج سے دو ہزار سال پہلے۔''

اس جواب نے سارے درباریوں کو دم بخود کر دیا ملکہ بھی اس کی طرف دیکھ کر پہلے بھونچکی سی ہو گئی۔ اور پھر مسکرا کر بولی۔

''مجھے تم کوئی مسخرے معلوم ہوتے ہو۔ بہر حال تم اگر میرے دربار میں رہ جاؤ تو میں تمہیں اپنے دربار کا مسخرہ بنا لوں گی۔ کیونکہ تم ہنسنے ہنسانے والی باتیں بہت کرتے ہو۔''

عنبر نے یہ جملہ یونہی نہیں کہا تھا۔ اُس نے پختہ ارادہ کر کے یہ فقرہ زبان سے ادا کیا تھا کہ اگر ملکہ نے اُس سے پوچھا کہ وہ کس طرح دو ہزار برس سے زندہ ہے تو وہ اسے ثابت کر کے دکھادے گا۔ اتنی لمبی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ عنبر نے خود جلال میں آ کر اپنی شخصیت کا راز ظاہر کر دیا تھا۔ لیکن یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ ملکہ عمیکا نے اُسے مذاق سمجھا۔ عنبر نے بھی بات مذاق میں ٹال دی۔ مگر اُسے ملکہ کی اس بات سے دُکھ ہوا کہ وہ اُسے درباری مسخرے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔ اُس نے ادب سے جھک کر کہا۔

''میں آپ کا درباری مسخرہ بننے میں بھی عزت محسوس کروں گا۔''

اگر چہ عنبر کی بھرے دربار میں بے عزتی ہوئی تھی۔ مگر عنبر اسے برداشت کر گیا تھا۔ وہ ملکہ عمیکا کے ساتھ لڑائی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ جس مقصد کو لے کر وہاں آیا تھا اُس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ

خاموشی سے ملکہ کی فوج کے سارے راز معلوم کرے۔ ملکہ کی گستاخ زبان سے اتنا ضرور ہوا کہ عنبر نے اُس سے انتقام لینے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس مغرور ملکہ کو ایسا مزے چکھائے جسے وہ ساری عمر یاد رکھے۔"

"ٹھیک ہے آج سے تم ہمارے درباری مسخرے ہو۔ تمہیں ہمارے دربار میں رہ کر مناسب موقع پر دلچسپ لطیفے سُنا سُنا کر ہمیں خوش کرنا ہوگا۔ کروشکا! اس نوجوان کو مسخرے کا لباس پہنا دو۔"

کروشکا نے سر جھکا کر کہا۔

"جو حکم ملکہ عالیہ!"

عنبر درباری مسخرہ بنا دیا گیا۔ اس کا لباس بڑا مضحکہ خیز تھا۔ پاؤں میں لمبے جوتے۔ چمڑے کا لمبا کرتہ اور سر پر گول پھندے والی ٹوپی۔ عنبر نے اس میں اپنی بے عزتی ضرور محسوس کی مگر اُس نے اُسے کسی پر

ظاہر نہ ہونے دیا۔

کروشکا نے اُسے کہا۔

''میرا خیال تھا کہ تمہیں دربار میں کوئی باعزت عہدہ دلاؤں گا۔ مگر تم نے یہ کہہ کر کہ تم دو ہزار برس پہلے پیدا ہوئے تھے بھرے دربار میں ثابت کر دیا کہ تم واقعی مسخرے ہو۔ بھلا یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی انسان دو ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا ہو؟''

عنبر نے کہا۔

''تمہارا خیال درست ہے کروشکا۔''

''پھر تم نے ایسی مذاق کی بات کیوں کی؟''

''میرا خیال تھا کہ ملکہ میرے جواب سے خوش ہو کر مجھے انعام دے گی۔ لیکن اُس نے مجھے مسخرہ بنا کر رکھ لیا۔''

''بہر حال درباری مسخرہ رہ کر بھی انہیں میں خوش قسمت ہی کہوں

گا۔ ورنہ اگر ملکہ ناراض ہو جاتیں تو ابھی تمہارا سر قلم کروا دیتیں۔''

عنبر کروشکا کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''میں خوش قسمت ہوں کروشکا۔ واقعی خوش قسمت ہوں۔''

اب عنبر باقاعدہ دربار میں ہر روز حاضر ہوتا۔ وہ بات بات پر ملکہ کو اپنی دلچسپ باتوں پر ہنسایا کرتا۔ چیتا اُسے دیکھ کر ہمیشہ ملکہ کے عقب میں چھپ کر غرانے لگتا تھا۔ ایک روز ملکہ نے چیتے کو بہت مارا۔ وہ غراتا رہا۔ دھاڑتا رہا۔ مگر جونہی عنبر کی موجودگی کو محسوس کیا فوراً ملکہ عمیکا کے پیچھے جا چھپا۔ ملکہ نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک روز عنبر سے پوچھا۔

''عنبر! کیا تمہارے پاس کوئی ایسی ہڈی یا جڑی بوٹی ہے جسے محسوس کر کے ہمارا چیتا گھبرا جاتا ہے اور تمہارے سامنے نہیں آتا؟''

عنبر نے کہا۔

''ایسی کوئی بھی شے میرے پاس نہیں ہے ملکہ سلامت''

''پھر ہمارا چیتا تمہیں دیکھ کر کیوں گھبراتا ہے؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا ملکہ سلامت۔''

عنبر صاف مکر گیا۔ اب اُس کو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ملکہ پر اپنی زندگی کے اہم ترین راز کو فشاں کرتا پھرے۔ اب وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے ملکہ کی ساری فوج اور اسلحہ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے واپس بھاگ جائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے کروشکا کو اپنا دوست بنایا تھا۔ کروشکا کی اُس نے زندگی بچائی تھی۔ چنانچہ وہ اُس کا بہت خیال رکھتا تھا اور اُس کی ہر بات مان لیتا تھا۔

ایک روز اُس نے عنبر کو بڑے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

عنبر! اگر میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا تم مجھے اُس کا صحیح

جواب دو گے؟''

''ضرور پوچھو۔''

کروشکا نے کہا۔

''یہ کیا بات ہے کہ ملکہ عمیکا کا چیتا تجھے دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔
حالانکہ وہ تو ایک درندہ ہے۔ اُسے تو نہیں ڈرنا چاہیے۔ پھر اس کی وجہ
کیا ہے؟''

عنبر نے ایک پل کے لیے سوچا کہ کروشکا کو وہ اصل بات بتا
دے۔ لیکن پھر اُس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ اس کی کوئی
ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اُس نے مسکرا کر کہا۔

''بات دراصل یہ ہے کروشکا میں چیتے کی آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر اُسے گھورتا ہوں تو وہ سہم جاتا ہے۔ کیونکہ جنگل کا ہر جانور
انسان سے گھبراتا ہے۔ ہاں اگر انسان ڈر جائے تو پھر جانور اُسے

ڈرانے لگتا ہے۔ چونکہ میں چیتے سے ڈرتا نہیں اس لئے وہ مجھ سے خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔''

کروشکا نے تعجب سے کہا۔

''کچھ یقین نہیں آرہا۔ ایسے لگتا ہے جیسے بات کچھ اور ہی ہے جسے تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔''

''بھلا مجھے تم سے کوئی بات چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ اور پھر اس کے علاوہ اور بات بھی کیا ہو سکتی ہے؟''

کروشکا اکثر عنبر سے اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں عنبر کو معلوم ہو گیا کہ کروشکا ملکہ سے خوش نہیں ہے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ اُسے گوارا نہیں تھا کہ ہُن جیسی بہادر اور وحشی قوم کی ملکہ ایک عورت ہو۔ اس قوم کی سرداری ایک مرد کو کرنی چاہیئے تھی۔ عنبر نے ایک روز کروشکا کا دماغ ٹٹولنے کے لیے کہہ ہی دیا۔

''ملکہ سلامت بڑی لائق اور قوم کی وفادار ہیں۔ مگر کروشکا جب باہر والے لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ ہُن جیسی خونخوار اور وحشی قوم پر ایک عورت حکمرانی کر رہی ہے تو وہ اسے پسند نہیں کرتے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

کروشکا نے اِدھر اُدھر دیکھ کر فوراً اپنا ہاتھ عنبر کے ہونٹوں پر رکھ دیا اور کہا۔

''دیوتا امارس کے لیے یہ بات پھر کبھی زبان پر نہ لانا۔ تم اپنے ساتھ میری گردن بھی قلم کراؤ گے۔''

عنبر نے سرگوشی میں پوچھا۔

''میں یہ بات پھر کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔ مگر تم مجھے صرف اتنا بتا دو کیا میں نے غلط بات کی ہے؟''

''نہیں۔ تم نے ٹھیک کہا ہے۔ مگر ہم لوگ کچھ نہیں کر سکتے ملکہ کے

ارد گرد ساری قوم کے دیوانے جمع ہیں۔ جو اُس کے لیے لاکھوں آدمیوں کو قتل کر سکتے ہیں۔ بس اب خاموش رہنا بہتر ہے۔''

عنبر خاموش ہو گیا۔ اُس نے کروشکا سے فوجوں کی تعداد اور اسلحہ کے بارے میں باتوں ہی باتوں میں دو ایک کرید پوچھنے کی کوشش کی مگر اُسے تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔ حقیقت یہ تھی کہ خود کروشکا کو بھی زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ ملکہ عمیکا کی فوج بکھری ہوئی تھی۔ جہاں تک عنبر نے اندازہ لگایا تھا ہُن فوج لاکھوں کی تعداد میں تھی۔ اُن میں اب سے بڑی بات یہ تھی کہ انہیں اس طرح ترتیب دی گئی تھی کہ وہ جہاں حملہ کرتے اپنی خوراک اور لباس وہیں سے پیدا کرتے تھے۔ وہ دشمن کو پہلے لوٹتے تھے اور پھر قتل کر دیتے تھے۔ یا پہلے قتل کرتے تھے اور بعد میں لوٹ لیتے تھے۔ فوجوں کی تعداد اور مصر پر حملے کے بارے میں کروشکا بے خبر تھا۔ عنبر نے ایک ماہ میں یہ معلوم کیا کہ وہ شخص جس کو

ملکہ عمیکا کے سارے جنگی راز معلوم ہیں وہ اٹالی نام کا ایک جرنیل ہے جو ملکہ کے قریب رہتا ہے۔عنبر نے جرنیل اٹالی کے ساتھ تعلقات بڑھانے کا فیصلہ کرلیا۔

صحرائے گوبی سے فرار

لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ایک روز عنبر دربار میں بیٹھا تھا کہ وہاں ملکہ سوریہ کا ایک امیر تحفے تحائف لے کر ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے مگر اُس نے زیادہ خیال نہ کیا۔ ٹھیک اُسی لمحے اُس امیر نے بھی عنبر کو دیکھ لیا اور پہچان لیا۔ وہ امیر ملکہ عمیکا کی ہمدردی اور خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ملکہ کی خدمت میں تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد کہا۔

''ملکہ عالیہ! یہ شخص کون ہے اور یہاں کیسے آیا ہے؟''

ملکہ نے کہا۔

''یہ شخص درباری مسخرہ ہے۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرنے ادھر

آیا تھا۔لیکن ہم نے محسوس کیا کہ یہ سوداگر سے زیادہ مسخرہ ہے۔
چنانچہ ہم نے اسے اپنے دربار کا مسخرہ بنالیا۔''

امیر کو معلوم تھا کہ ملکہ عمیکا موہنجوداڑو پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔چنانچہ اُس نے کہا۔

''مگر ملکہ عالیہ!یہ شخص موہنجوداڑو کے شہزادے کا جاسوس ہے میں نے اسے موہنجوداڑو کے دربار میں دیکھا ہے۔

یہ انکشاف بجلی بن کر ملکہ پر گرا۔وہ آگ بگولا ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔عنبر بھی چکر میں آ گیا کہ یہ اچانک پانسہ کیسے پلٹ گیا۔سارے درباری عنبر کو غصے اور نفرت کے عالم میں دیکھنے لگے۔ملکہ نے گرج کر کہا۔

''اے درباری مسخرے!کیا یہ بات سچ ہے کہ تم موہنجوداڑو کے شہزادے کے جاسوس ہو؟اور یہاں ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو؟''

عنبر نے سوچا کہ یہاں مکر جانا ٹھیک ہے۔ چنانچہ اُس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''یہ جھوٹ ہے ملکہ عالیہ! میں موہنجوداڑو کے دربار میں جڑی بوٹیوں کے سوداگر کی حیثیت سے گیا ضرور تھا مگر میں جاسوس نہیں ہوں۔''

ملکہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اُس نے غصے کے عالم میں اپنے چیتے کی زنجیر کھول دی اور اُسے عنبر کی طرف حملے کا حکم دیا۔ چیتا اشارہ پاتے ہی عنبر کی طرف لپکا مگر قریب جاتے ہی بھیگی بلی بن کر واپس ملکہ کے پاؤں میں آ کر لیٹنے لگا۔ سارے درباری حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ملکہ نے کہا۔

''اس کے پاس درندوں کو ڈرانے کا جادو ہے۔ اسے قید میں ڈال دیا جائے۔ ہم خود اِسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے اس کی لاش

موہنجو داڑو کے دربار میں بھیجیں گے۔''

عنبر کو اُسی وقت زنجیریں ڈال دی گئیں اور قید خانے پہنچا دیا گیا۔

یہ قید خانہ زمین کے اندر ایک گڑھا بنا کر بنایا گیا تھا۔ عنبر کو ایک رسے کے ذریعے اندر ڈال کر رسہ اوپر سے کھینچ لیا گیا اور گڑھے کے سوراخ پر پتھر رکھ دیا گیا۔ اب وہ ایک تاریک اندھیرے گڑھے میں اکیلا رہ گیا تھا۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ زندہ ایک قبر میں اتر آیا ہے۔

اوپر سوراخ کی جھریوں میں سے روشنی کی ہلکی ہلکی، دھیمی دھیمی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔ عنبر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک پل کے اندر اندر سب کچھ ہی پلٹ کر رہ جائے گا اور وہ دربار سے اُٹھ کر جیل خانے کی کوٹھڑی میں آ جائے گا۔ لیکن اب اِس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ چپ چاپ بیٹھ کر آنے والے حالات کا انتظار کرے۔

صبح و شام ایک وحشی ہُن رسی کے ذریعے اوپر سے گوشت کا ٹکڑا

اور تھوڑا سا پانی اندر پھینک دیتا۔ عنبر کو وہاں پڑے پڑے صرف دھیمی
دھیمی کرنوں کی روشنی سے ہی معلوم ہوتا کہ اب رات ہوگئی ہے اور اب
صبح ہوگئی ہے۔ اُسے اُس اندھیرے گڑھے میں پڑے پڑے چھ روز
ہو گئے تو وہ پریشان ہو گیا۔ اُسے یوں لگا جیسے ملکہ اُسے گڑھے میں
ڈال کر بھول گئی ہے۔ اُسے موت کی تو بالکل پرواہ نہیں تھی۔ فکر یہ تھی
کہ اُس کا منصوبہ خاک میں مل رہا تھا جسے لے کر وہ موہنجو داڑو سے
وہاں آیا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اس منصوبے کو ترک کر دے۔ ملکہ
عمیکا سے تو اُسے بیر ہو گیا تھا اور اُسے ضرور ایک بار مزہ چکھانا چاہتا
تھا۔ عنبر کو محسوس ہوا کہ اُس کا وقت بے فائدہ ضائع ہو رہا ہے۔ چنانچہ
اُس نے دیوی بلطیس کو بلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے گڑھے میں
ایک طرف بیٹھ کر آنکھیں بند کیں۔ دھیان میں دیوی کی شکل کو
سامنے کیا اور آواز دے کر دیوی بلطیس کو پکارا۔ آخر وہی ہوا۔ اُس

کے چھ سات بار پکارنے پر گڑھے میں ایک طرف روشنی لپکی اور دیوی بلطیس کی بہن اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا بات ہے؟ تم نے مجھے اب کس لئے یاد کیا ہے؟ میں نے تمہیں پچھلی دفعہ بھی کہا تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے مجھے مت بلایا کرو۔ مجھے تمہارے پاس آتے ہوئے بڑی مشکلات میں سے گزرنا پڑتا ہے۔''

عنبر نے کہا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں دیوی۔ لیکن معاملہ ہی کچھ ایسا ہے کہ سوائے تمہاری مدد کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔''

''کیا بات ہے مجھے کھل کر اور جلدی سے بتاؤ۔ میں ایک محل میں اپنے دیوتاؤں کو ناراض کر کے یہاں پہنچی ہوں۔''

عنبر بولا۔

''بات یہ ہے کہ دیوی مجھے ملکہ عمیکا نے یہاں قید کر دیا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو یہ ایک تاریک اندھیرا گڑھا ہے۔ میں اگر ساری زندگی بھی ٹکریں مارتا رہوں تو یہاں سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور صورت حال یہ ہے کہ جب تک میں یہاں سے باہر نہ نکلوں میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''تم یہاں کس خیال کو ذہن میں لے کر آئے ہو؟''

''میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ ملکہ عمیکا کی فوج کی کل تعداد کتنی ہے۔ اُس کی فوج کے پاس اسلحہ کس قسم کا ہے اور یہ کہ وہ موہنجوداڑو پر کب حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے؟''

''یہ تم موہنجوداڑو کے شہزادے کے لیے کر رہے ہو؟''

''ہاں! اس لئے کہ اس نے مجھے اور عاتکہ کو پناہ دی تھی اور میں نے اُس سے وعدہ کیا ہے کہ میں اُس کے ساتھ وفادار رہوں گا۔

دیوی! کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتی ہو؟"

دیوی نے کہا۔

"عنبر! اس سلسلے میں، شاید میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گی۔ لیکن میں تمہیں یہاں سے باہر ضرور نکال دوں گی۔ اس کے بعد تمہیں ساری جدوجہد خود ہی کرنی ہو گی اور خود ہی معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔"

"مجھے منظور ہے۔ تم مجھے اس جہنم سے باہر نکال دو۔"

"آنکھیں بند کر کے منہ دیوار کی طرف کر کے بیٹھ جاؤ۔"

عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ دیوی بلطیس نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ عنبر نے دوسرے لمحے آنکھیں کھولیں تو وہ گڑھے کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا۔ وہ سیدھا اپنے خیمے کی طرف چل پڑا۔ ابھی وہ

راستے میں ہی تھا کہ وحشی ہُن نے اُسے پکڑ لیا۔ وہ اُسے پہچانتا تھا۔

''تم گڑھے سے باہر کیسے نکل آئے؟''

''جادو کے زور سے''

وحشی ہُن ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔

''کیا تم جادوگر ہو؟''

''ہاں''

''تو پھر چلو ملکہ سلامت کے پاس۔''

وحشی ہُن عنبر کو گھسیٹتا ہوا اپنے گھوڑے تک لے گیا اور اُس نے اُسے گھوڑے پر مُردہ لاش کی طرح ڈالا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے شاہی محل میں آ گیا۔ کروشکا اور دوسرے درباریوں نے عنبر کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ ملکہ عمیکا کا غصہ اور جلال تو اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ یہ اُس کی شکست تھی کہ اُس کا قیدی ایک تاریک گڑھے میں سے باہر

نکل آئے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اُس نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

''تم اس تاریک اندھیرے گڑھے میں سے باہر کیسے نکل آئے؟''

عنبر نے وہاں بھی اپنا وہی جواب دہرایا۔

''جادو کے زور سے ملکہ سلامت۔''

''کیا تم جادوگر ہو؟''

''ہاں ملکہ سلامت''

''اس کا ثبوت مہیا کرو۔ اگر ثبوت نہ دیا تو ابھی گردن اڑا دی جائے گی۔''

''ثبوت پیش کرتا ہوں ملکہ سلامت!''

''عنبر شش و پنج میں پڑ گیا کہ کہیں اُس کا جادو بے اثر نہ نکل

آئے۔اُس نے خیال ہی خیال میں ایک بار پھر دیوی بلطیس کو یاد کیا اور ایک بڑا سا پتھر منگوا کر اُسے قالین پر رکھ دیا۔ پھر اس پر زور سے پھونک ماری تو وہ آگ میں جلنے لگا۔ پھر پھونک مار کر اس نے پتھر کو بجھا دیا۔ کمال یہ تھا کہ قالین کا ایک دھاگہ بھی نہیں جلا تھا۔ اس کے بعد اس نے پانی سے بھرا ہوا گلاس منگوایا۔ گلاس اپنے ہاتھ میں لے کر انڈیلنا شروع کر دیا۔ پانی کی ایک دھار مسلسل فرش کے قالین پر گرتی رہی مگر قالین گیلا نہ ہوا۔ ملکہ نے زور سے تالی بجا کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔ تم ویسے ہی جادوگر ہو جیسے کہ تبت کے ہوا کرتے ہیں۔ تم آج سے میرے دربار کے شاہی مسخرے بھی ہو گے اور شاہی جادوگر بھی۔۔۔ لیکن تمہیں اس وقت تک جیل خانے میں رہنا ہو گا۔ جب تک تم یہ ثابت نہ کرو کہ تم موہنجوداڑو کے بادشاہ کے لیے یہاں جاسوسی نہیں کر رہے ہو۔ اگر اس بار بھی تم جیل توڑ کر باہر آ گئے۔ تو

تمہیں ہلاک کر کے اونٹ کی کھال میں بند کر دیا جائے گا۔''

عنبر نے اطمینان کا سانس لیا کہ ملکہ نے دوبارہ اُسے اندھیرے گڑھے میں بند نہیں کر دیا۔ کیونکہ وہاں سے باہر نکلنے کے لیے وہ دوبارہ دیوی بلطیس سے مدد کی درخواست نہیں کر سکتا۔ وہ بڑی خوشی کے ساتھ قید میں چلا گیا۔ اس دفعہ اُسے جس قید خانے میں ڈالا وہ ایک پتھریلے ٹیلے کے اوپر بنا ہوا تھا۔ سلاخوں والے دروازوں کے باہر ایک وحشی بُن تلوار کندھے پر رکھے پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اُسی قید خانے میں ایک اور قیدی پہلے سے محدود تھا۔

یہ قیدی ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی شکل چینیوں سے ملتی جلتی تھی۔ وہ کونے میں آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ عنبر اندر آیا تو اُس نے آنکھ اٹھا کر بھی اُس کی طرف نہ دیکھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کی عبادت کر رہا ہے۔ عنبر نے اُسے پریشان کرنا

مناسب خیال نہ کیا اور چپ چاپ دوسرے کونے میں بیٹھ کر وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس لئے کہ اب کی بار وہ بلطیس کو مدد کے لیے نہیں پکارنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے کی طرح اپنی ہمت کے ساتھ وہاں سے فرار ہو۔

تھوڑی دیر بعد اُس بوڑھے نے آنکھیں کھول کر عنبر کو دیکھا اور کہا۔

''تم کون ہو بیٹے ؟ اور کس جُرم کے بدلے قید میں ڈالے گئے ہو؟''

عنبر نے ساری داستان بوڑھے کو سنا ڈالی۔ صرف اُسے یہ نہ بتایا کہ پہلی بار دیوی بلطیس نے اُسے اندھیرے گڑھے میں سے نکالا تھا۔ اور یہ کہ وہ موہنجوداڑو کے شہزادے کی طرف سے وہاں جاسوسی کرنے آیا ہوا ہے۔ عنبر نے بوڑھے سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور

اُسے کس لئے جیل میں ڈال دیا گیا ہے؟ اس پر بوڑھے نے کہا۔

''بیٹا عنبر! میرا نام سانچو ہے۔ میں تبت کا رہنے والا ایک راہب ہوں۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے ملکہ عمیکا کے دربار میں آ کر سچے مذہب کا پرچار کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ پانی اور پتھر کے بتوں کی پوجا چھوڑ کر اُس عظیم شہزادے کی عبادت کرے جو دُکھی لوگوں کے لئے بہت جلد اُس دنیا میں آنے والا ہے۔ جو ایک رحم دل شہزادہ ہو گا۔ اور جو دکھی لوگوں کے لیے تخت و تاج چھوڑ کر جنگلوں میں چلا جائے گا اور ساری زندگی غریب اور غم زدہ لوگوں کی خدمت کرتا رہے گا ملکہ عمیکا نے مجھے قید کر دیا اور حکم دیا کہ پہلے چاند کی صبح کو میرے جسم کی کھال کھینچ کر مجھے اونٹ کے ساتھ باندھ کر صحرا میں چھوڑ دیا جائے۔''

عنبر کانپ اٹھا۔ اُس بے چارے بے گناہ بوڑھے کے ساتھ یہ اتنا بڑا ظلم ہونے والا تھا۔ اور وہ بوڑھا تبتی نہایت سکون کے ساتھ جیل

میں بیٹھا اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا۔

عنبر نے پوچھا۔

''بابا کیا تمہیں یہ موت قبول ہے؟ کیا تم اس کے خلاف بغاوت نہیں کرو گے؟''

بوڑھے تبتی کے چہرے پر بڑی معصوم مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کہا۔

''بیٹا! موت اور زندگی اب میرے لیے ایک برابر ہے۔ میں نے اپنی زندگی بسر کر لی ہے۔ اب اگر میں نیکی اور سچ کے پرچار کے جرم میں ہلاک بھی کر دیا جاؤں تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔''

''بابا کیا تمہارے بچے نہیں ہیں؟''

''ایک لڑکا ہے جو تبت کے بڑے مندر میں پجاری ہے۔ وہ بادشاہ کا شاہی پروہت ہے مگر دل میں وہ آنے والے شہزادے کو مانتا

ہے۔''

''کیا تمہاری خواہش نہیں بابا کہ تم یہاں سے واپس اپنے بیٹے کے پاس تبت جاؤ اور باقی زندگی اپنے نئے مذہب کے پرچار اور تبلیغ میں بسر کرو۔''

''بیٹا تبت میں بھی نئے مذہب کی تبلیغ کی سزا موت ہے۔ وہاں سب لوگ جنگل اور پہاڑ کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اگر میں نے وہاں اپنے نئے مذہب کا پرچار کیا تو وہ میرے ساتھ میرے بچے کو بھی قتل کر دیں گے۔''

''کیا تم یہاں سے فرار ہونا نہیں چاہتے بابا؟''

''ضرور چاہتا ہوں بیٹا۔ آزادی کسے عزیز نہیں۔ مگر میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ چاہوں بھی تو یہاں سے بھاگ نہیں سکتا۔ اسی لئے میں نے اپنے لئے موت کو گوارا کر لیا ہے۔ یہاں سے نکل کر کسی وحشی ہُن

کی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے سے کہیں بہتر ہے کہ یہاں آرام سے بیٹھ کر موت کا انتظار کروں۔"

"لیکن بابا! میں تو یہاں سے ہر حالت میں فرار ہو جانا چاہتا ہوں۔"

"تم جوان ہو بیٹے۔ تمہارا حق ہے کہ تم آزاد زندگی بسر کرو اور قید کو گوارا نہ کرو۔ مگر میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔"

"اگر میں تمہیں یہاں سے فرار ہونے میں مدد دوں بابا تو کیا تم میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو گے؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم یہاں سے نکلنے کے بعد وحشی ہُن قوم اور خونی عمیکا کے قابو میں نہیں آئیں گے؟"

"میں پوری کوشش کروں گا۔"

عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں سے بہت جلد فرار ہو جائے گا۔

ملکہ عمیکا کی فوج اور اسلحہ کے بارے میں اُسے اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ اُس کی فوج بے شمار ہے اور دوسرا یہ کہ فوج کے اسلحہ میں سوائے تلوار، تیر کمان اور نیزے کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس کے پاس پتھر برسانے والی اور قلعے کی دیواروں میں شگاف ڈالنے والی بڑی توپیں بھی نہیں تھیں۔ اب وہ جلد سے جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اُس نے قید میں بیٹھے بیٹھے غور کرنا شروع کر دیا کہ کون کون لوگ پہرے پر آتے ہیں اور کون کون وحشی ان دونوں کو ایک وقت پر کھانا اور پانی دینے آتا ہے۔ عنبر نے محسوس کیا کہ شام کے وقت جو بُن پہرہ دینے آتا ہے۔ وہ پہرہ دیتے دیتے کسی وقت اُونگھنے لگتا ہے۔ عنبر نے اُس کے ساتھ قسمت آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک روز جب وہ پہرہ دینے کے لیے آیا تو عنبر نے اُسے سلاخوں کے پاس بُلا کر کہا۔

''پانی پلا دو پیاس لگی ہے۔''

پہریدار نے لکڑی کے پیالے میں پانی لا کر دیا تو عنبر نے پیالہ اُلٹا کر دیا مگر پانی باہر نہ گرا۔ وحشی ہُسن کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ عنبر نے پیالے کو پھونک ماری۔ اس میں سے آگ کا شعلہ لپکا۔ پھر پھونک ماری تو پانی میں سرخ رنگ کی مچھلی تیرنے لگی۔ اب پھونک ماری تو پیالہ غائب ہو گیا۔ پہریدار ہُسن نے پوچھا۔

''تم نے یہ جادو کہاں سے سیکھا ہے؟''

''کیا تم سیکھنا چاہتے ہو؟''

''ہاں۔ضرور۔کیا مجھے سکھا دو گے؟''

''اس کی ایک شرط ہے''

''وہ کیا ہے؟''

''رات کے وقت اپنے خیمے میں جا کر اپنی بیوی کے سر کا ایک بال لا کر مجھے دو۔ میں اُس بال پر منتر پڑھ کر تمہارے کانوں میں ڈال

دوں گا۔ بس پھر میرے منتر تمہیں ایک بار سننے کے بعد یاد ہو جائیں گے اور تم پورے جادوگر بن جاؤ گے۔ پھر تم جب چاہو گے اس ملک کا بادشاہ بن سکو گے۔''

''سچ ہے؟''

''بالکل سچ''

''میں ابھی اپنی بیوی کے سر کا بال لاتا ہوں۔''

احمق پہریدار نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اُسے قیدیوں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔ اُس پر جادو سیکھنے کا بھوت بُری طرح سوار تھا کہ وہ سنتے ہی اپنے گھر کی طرف اُٹھ دوڑا۔

عنبر نے پلٹ کر بوڑھے تبتی سے کہا کہ وہ ہوشیار ہو جائے۔ عنبر نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھایا ہاتھ سلاخوں سے باہر نکال کر اُسے تالے پر مارنا شروع کر دیا۔ چھ سات بار چوٹ مارنے کے بعد تالا

کھڑاک سے ٹوٹ کر دور جا گرا۔ عنبر نے جلدی سے سلاخوں والا دروازہ کھول دیا اور بوڑھے تبتی سے کہا۔

''بابا! جلدی سے باہر نکل آؤں۔ وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں ہے۔''

بوڑھا تبتی اٹھ کر قید خانے سے باہر آ گیا۔ عنبر نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ رات کی خاموشی اور اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ دور خیموں میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ پہریدار اُسی طرف بھاگ کر گیا تھا۔ جلدی میں وہ اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ گیا تھا۔ عنبر نے قریبی اصطبل میں جا کر ایک اور گھوڑا چپکے سے کھول دیا۔ اُس پر بوڑھے تبتی کو سوار کرایا اور پہریدار کے گھوڑے پر خود سوار ہوا۔ اُس نے تبتی بوڑھے سے کہا۔

''اب ہمیں کسی جگہ بھی نہیں رُکنا۔ ساری رات سفر کرنا ہے۔ ہمارا

رخ قطب ستارے کے جنوب مشرق کی جانب ہوگا۔‘‘

اُس نے اپنے اور بوڑھے تبتی کے گھوڑے کو ایڑھی لگائی اور دونوں گھوڑے رات کی خاموشی میں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔

پھر قید میں

سفر اس لئے بھی خطرناک تھا کہ دشمن ہُن قوم کے خونی وحشی تھے۔

عنبر چاہتا تھا کہ راتوں رات صحرا میں جتنی دور نکل سکتا ہے نکل جائے۔ کیونکہ یہ اطلاع ملتے ہی کہ دو قیدی فرار ہو گئے ہیں وحشی ہُن سپاہیوں کو ضرور اُن کے تعاقب میں نکل پڑنا تھا۔ عنبر بوڑھے تبتی کے ساتھ ساری رات سفر کرتا رہا۔ دن نکلا تو اُن کے گھوڑے تھک گئے۔ وہ ایک چھوٹے سے خشک تالاب کے پاس جا کر رُک گئے جس میں تھوڑا سا پانی ایک طرف جمع تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ درختوں پر سے پتے جھاڑ کر انہیں کھلائے۔ خود بھی پانی پیا اور سوچنے لگے کہ اب کس طرف کو سفر شروع کیا جائے۔ قطب ستارہ غائب ہو چکا تھا۔ بوڑھے تبتی نے کہا۔

''اگر ہم اس رخ چلتے جائیں تو ایک روز اور ایک رات کے سفر کے بعد دریائے آمو کے کنارے پہنچ جائیں گے وہاں سے میں دریا پار کر کے ملک تبت کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور تم دریا کے ساتھ ساتھ تین روز کے سفر کرنے کے بعد ملک سندھ کے شمالی خطے میں پہنچ جاؤ گے جسے قندھار کہتے ہیں۔''

''کیا تم تبت چلے جاؤ گے؟''

''ہاں! لیکن اگر تم بھی میرے ساتھ آنا چاہو تو مجھے بڑی خوشی ہو گی تبت پُراسرار بلاؤں اور جادوگروں کی سرزمین ہے۔ میں تمہیں اپنے بیٹے سے ملاؤں گا۔ تم اُسے مل کر بڑے خوش ہو گے۔''

''بابا! میں تمہارے ساتھ ضرور جاتا مگر اس وقت میرے ذمّے ایک اور فرض ہے جسے ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ملک سندھ میں موہنجوداڑو پہنچ کر اپنا فرض ادا کرنے کے بعد

تمہارے ملک تم سے ملنے آؤں گا۔''

''میں تمہارا انتظار کروں گا۔ تبت کے شہر میں آ کر تم بڑے پجاری کا کسی سے پوچھ لینا۔ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں اُسی کے پاس ہوں گا۔ مجھے تم سے مل کر بڑی خوشی ہو گی۔''

''میں ضرور آؤں گا بابا! میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔ وحشی ہُن ملکہ عمیکا کے حکم پر ضرور ہمارا پیچھا کر رہے ہوں گے۔''

وہ ابھی اُٹھ کر چلنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ دُور سے سواروں کی گرد اڑتی نظر آئی۔ وہ سمجھ گئے کہ وحشی ہُن آن پہنچے ہیں۔ مگر وہاں صحرا میں کہیں بھی چھپنے کو جگہ نہ تھی۔ بوڑھا تبتی بے چارہ گھبرا گیا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اُن کی موت سر پر پہنچ گئی ہے اور اب انہیں کوئی طاقت وحشی ہُن کے سپاہیوں سے نہیں بچا سکتی۔ اُس نے

عنبر کی طرف دیکھ کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اب کیا ہوگا بیٹے؟ دشمن کے سپاہی تو سر پر آن پہنچے ہیں؟''

عنبر نے بوڑھے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''مجھے اپنے رب عظیم پر بھروسہ ہے۔ دشمن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ کیونکہ ہم بے گناہ ہیں۔ ہم نے اُن کے خلاف کوئی جرم نہیں کیا۔''

''مگر بیٹے وہ تو ننگی تلواریں لہراتے، گھوڑوں پر سوار بڑھے چلے آرہے ہیں اور ہمارے پاس اس صحرا میں چھپنے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ مجھے اپنی موت کا کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ لیکن تمہاری موت کا دکھ ہوگا۔ اس لئے کہ تم ابھی جوان ہو اور تم نے ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا تھا۔''

''بابا! تم میری موت کا فکر نہ کرو۔ یہ لوگ مجھے مار نہ سکیں گے۔''

''مگر بیٹا! وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور اُن کے پاس تلواریں ہیں

ہم تنہا ہیں اور نہتے ہیں۔ ہم اُن کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے۔ وہ یقیناً ہمیں ہلاک کر دیں گے۔''

''فکر نہ کرو بابا! جو میرے رب عظیم کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔''

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ سامنے سے گرد چھٹ گئی اور اس میں سے چار گھوڑ سوار نمودار ہوئے۔ وہ ہُن قوم کے وحشی سپاہی تھے۔ وہ چیخیں مارتے، ننگی تلواریں لہراتے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے بھی عنبر اور بوڑھے قیدی کو دیکھ لیا تھا۔ انہیں ملکہ عمیکا نے حکم دے دیا تھا کہ دونوں ہلاک ہونے والے قیدیوں کو دیکھتے ہی ہلاک کر دیا جائے اور اُن کی گردنیں کاٹ کر اُس کے دربار میں پیش کی جائیں۔ کیونکہ عمیکا کی قید سے فرار ہو کر انہوں نے ایک ایسا جرم کیا ہے جس کی سزا موت ہے۔

عنبر اور بوڑھا چپ چاپ کھڑے تھے۔ وحشی ہُن گھوڑے

دوڑاتے آئے اور اُن کے گرد گھیرا ڈال کر مسرت سے نعرے لگانے لگے۔ وہ ہوا میں اس طرح تلواریں لہرا رہے تھے جیسے کسی دشمن کا مقابلہ کر رہے ہوں۔ اُن وحشیوں کا سردار گھوڑا دوڑاتے ہوئے عنبر کی طرف بڑھا۔ عنبر نے فوراً بوڑھے تبتی سے کہا کہ وہ زمین پر لیٹ جائے۔ بوڑھا جلدی سے زمین پر لیٹ گیا۔ سردار تلوار لہراتا ہوا عنبر کا سرتن سے جُدا کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس نے پوری طاقت کے ساتھ اپنی تلوار عنبر کی گردن پر ماری۔ اُس کا خیال تھا بلکہ سارے وحشیوں کا خیال تھا کہ عنبر کی گردن سردار کا طاقتور وار کھینچ کر گاجر مولی کی طرح کٹ کر ریت پر گر پڑے گی اور اُس کی لاش تڑپنے لگے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے تلوار عنبر کی گردن پر پڑی اور ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ جیسے کسی لوہے کی چٹان سے ٹکرا گئی ہو۔

وحشی سرادر چکر میں آ گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا

تھا۔ زمین پر لیٹا ہوا بوڑھا تبتی بھی بھونچکا سا ہو گیا تھا۔ وحشی ہُمن سپاہیوں نے جنگلی جانوروں کی طرح زور سے چیخیں ماریں اور اب دوسرا سپاہی سردار کا اشارہ پا کر تلوار لہراتا ہوا عنبر کی گردن قلم کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ عنبر اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔ سپاہی نے آگے بڑھ کر پوری طاقت کے ساتھ عنبر کی گردن پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ پہلے کی طرح اس دفعہ بھی سپاہی کی تلوار عنبر کی گردن سے ٹکرائی۔ ایک چھناکے کی آواز پیدا ہوئی اور تلوار دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑی۔ سردار بجلی کی طرح کڑکا۔

''اس کا قیمہ قیمہ کر دو۔''

سارے سپاہی تلواریں لہراتے عنبر پر لپکے اور دھڑا دھڑ اُس کے سر اور کندھے پر تلواریں چلانا شروع کر دیں۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے ساری کی ساری تلواریں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑیں اور

سپاہیوں کے ہاتھوں میں صرف تلواروں کے دستے ہی رہ گئے۔ اب تو وحشی سپاہی ٹھٹک کر سوچنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جس آدمی کو وہ قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہیں وہ دیوتا تو نہیں جو انسان کے بھیس میں اُن کے درمیان آ گیا ہے؟ دوسرے ہی لمحے اُن پر خوف طاری ہو گیا۔

اب عنبر کی باری تھے۔ اُس نے زمین پر سے ٹوٹی ہوئی تلوار کا ایک پھل اٹھا کر اُسے ہوا میں اچھال دیا۔ یہ پھل تیر کی طرح ایک سپاہی کی طرف لپکا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن کے دل میں اتر گیا۔ سپاہی نے چیخ ماری۔ خون کا فوارہ اُس کے سینے سے پھوٹا اور وہ زمین پر گر کر مر گیا۔ عنبر دوسری تلوار کا پھل اٹھانے لگا تھا کہ وحشیوں کے سردار نے آگے بڑھ کر اُس کے آگے سجدہ کر دیا۔

''اے دیوتا! ہمیں معاف کرو۔ ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہم نے

تمہیں غلط سمجھا تھا۔ تم دیوتا ہو۔ تم امارس دیوتا ہو۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہم پر رحم کرو۔

عنبر اُن وحشی گنواروں کو کیا کہتا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے اور یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ بہر حال اُس نے اپنے خدا کا شکر ادا کیا کہ بوڑھے تبتی کی جان بچ گئی تھی۔ وگرنہ اگر پہلا وار اس پر کیا جاتا تو اُس کی گردن گاجر مولی کی طرح ضرور کٹ جاتی۔ اسی لئے عنبر نے بوڑھے کو زمین پر لیٹ جانے کے لیے کہا تھا۔ سردار ابھی تک دوسرے سپاہیوں کے ساتھ سجدے میں گرا ہوا تھا۔ عنبر نے اُس کے سر پر اپنا پاؤں رکھ کر کہا۔

''میں نے تمہیں معاف کیا۔ جاؤ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ لیکن اپنے تازہ دم گھوڑے ہمیں دیتے جاؤ۔ اور خبردار سارا راستہ پیدل چلنا۔ اگر کسی جگہ تم گھوڑے پر سوار ہوئے تو تم پر اُسی وقت' اُسی جگہ

میرا عقاب نازل ہو جائے گا اور میں آسمانی بجلی بن کر تمہیں ہلاک کر دوں گا۔"

سردار نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"اے دیوتا! آپ کا جو حکم ہو گا ہم وہی کریں گے۔ یہ تازہ دم گھوڑے آپ لے لیجئے اور ہمیں اپنے تھکے ہوئے گھوڑے دے دیجئے ہم واپس سارا راستہ پیدل چلیں گے اور ایک پل کے لیے بھی گھوڑوں پر سوار نہ ہوں گے۔"

"اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔ جلدی کرو۔"

تینوں سپاہی ایک بار پھر سجدہ کرنے کے بعد تھکے ہوئے گھوڑے لے کر واپس بھاگ گئے۔ بوڑھا تبتی حیران ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیوں کر اور کیسے ہو گیا؟ اس نے زمین پر سے اٹھ کر عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اے نوجوان! یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ کیا واقعی تم کوئی دیوتا ہو یا تمہارے پاس کوئی زبردست جادو ہے؟''

عنبر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں کوئی دیوتا نہیں ہوں بابا!''

''تو پھر تم سے یہ کرامت کیسے ہوئی کہ دشمن کی تلواریں تمہاری گردن سے ٹکراتے ہی ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں؟''

''یہ محض جادو کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔''

عنبر بوڑھے تبتی کو اپنے روز سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جادو اُس زمانے میں ایک عام بات تھی۔ ہر کوئی کسی جادوگر کا شاگرد بن کر جادو سیکھ لیتا تھا۔ مگر بوڑھے تبتی نے ایک زمانہ دیکھا تھا۔ اُسے عنبر کی بات پر اعتبار نہ آیا۔ مگر اس نے عنبر سے کوئی وضاحت بھی طلب نہ کی۔

اُس نے یہی ظاہر کیا کہ اُسے عنبر کی بات پر یقین آ گیا ہے۔ لیکن دل کے اندر اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ عنبر پر کسی آسیب کا سایہ ہے۔

''میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیئے۔ میں نے سپاہیوں کو اسی لئے پیدل چلنے کا حکم دیا ہے تا کہ ان کے بعد کوئی اور سپاہی ہمارا پیچھا کرتے یہاں نہ آ جائیں۔ جب تک یہ وحشی پیدل چلتے ملکہ عمیکا کے دربار میں پہنچیں گے ہم دریائے آمو کے کنارے پہنچ چکے ہوں گے۔''

وہ دونوں تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اور آگے چل پڑے۔ وحشی سپاہیوں کے تازہ دم گھوڑے بڑی تیزی سے اپنا سفر طے کر رہے تھے۔ شاہی اصطبل میں خوراک کھا کھا کر وہ بڑے توانا ہو رہے تھے اور ہوا کی لہریں بن کر اڑتے چلے جا رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بہت جلد دریائے آمو کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں سے بوڑھے تبتی کو

عنبر سے جدا ہو جانا تھا۔ اُس نے عنبر کو گلے لگا کر پیار کیا اور کہا۔

''بیٹے تم نے اس بوڑھے کی جان بچائی ہے۔ میں تمہارے اس احسان کا کبھی نہ کبھی بدلہ ضرور اتاروں گا۔ میں اپنے دیس تبت جا رہا ہوں۔ اور تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ پہلی فرصت میں میرے دیس ضرور آنا۔ میرا بیٹا رتنا کر بڑا اپروہت ہے۔ تم بڑی آسانی سے اس تک پہنچ جاؤ گے۔

''خدا تمہارا نگہبان ہو بابا۔ میں موہنجو داڑو سے فارغ ہو کر تمہارے دیس تبت کی سیر و سیاحت کرنے ضرور آؤں گا۔''

بوڑھے تبتی نے ایک بار پھر عنبر کو گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوما اور اپنا گھوڑا دریا پار کرنے کے لیے پانی میں ڈال دیا۔ جب تک بوڑھے نے دریا پار نہیں کر لیا' عنبر کنارے پر کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ دریا پار کر کے بوڑھے نے پلٹ کر عنبر کو دیکھا۔ دونوں نے ہاتھ ہلا کر ایک

دوسرے کو الوداع کہا اور اپنے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

بوڑھا تبت کی طرف اور عنبر موہنجوداڑو کی طرف۔

ادھر تھائیس بے چاری ایک بار پھر ظالم سیاہ فام کی قید میں مصیبت کے دن کاٹ رہی تھی۔ اُس کی نقل وحرکت پر زبردست پہرہ بڑھا دیا گیا تھا۔ سیاہ فام نے اُسے اتنی بھی اجازت نہیں دے رکھی تھی کہ وہ اپنی کوٹھڑی سے ایک پل کے لیے باہر آ سکے۔ وہ سارا دن اور ساری رات کوٹھڑی میں پڑی رہتی اور اپنے رب عظیم کی عبادت کیا کرتی۔ اُس نے دل ہی دل میں کئی بار اپنے منہ بولے بھائی شامی اور عنبر کو یاد کیا اور سوچا کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے تو وہ اس کی مدد کرنے ضرور آئیں۔ لیکن دونوں تھائیس کی پریشانیوں سے بے خبر تھے۔ شامی واپس اپنے وطن موہنجوداڑو پہنچ کر کاروبار میں مشغول ہو گیا تھا۔ وہ گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا اور شہر

میں اس کا ایک بہت بڑا اصطبل تھا۔ جہاں ملک ملک کے تاجر آ کر اپنا مال فروخت کیا کرتے تھے۔

ایک روز تھائیس نے ایک کنیز کو جو کہ کھانا دینے آئی تھی بتایا کہ سیاہ فام شہزادہ اپنے گھوڑوں کو ایک سوداگر کے ہاتھوں فروخت کر رہا ہے۔ وہ بے چاری اپنا سر تھام کے بیٹھ گئی۔ اُس کی قسمت میں ہی یہی لکھا تھا کہ وہ جانور کی طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں بکتی رہے۔ وہ ایک جانور اور بھیڑ بکری بن کر رہ گئی تھی۔ اُس کی شخصیت اور عزت و وقار ختم کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ اُس نے کنیز کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ بے بس و مجبور عورت ہے۔ اُس کا مالک اگر اُسے مار بھی ڈالے تو وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ کنیز بے چاری بھی اُس کی حالت پر آنسو بہاتی واپس چلی گئی۔

اُس کی اطلاع بالکل صحیح تھی۔ دو روز بعد سیاہ فام شہزادے کے

ہاں گھوڑوں کا ایک سوداگر آن کر ٹھہرا۔ سیاہ فام اُسے لے کر تھائیس کی کوٹھڑی میں آیا۔ سوداگر ایک گول مٹول کالا اور کلوٹا بجّو نما آدمی تھا جس کی ایک ٹانگ لنگڑی تھی اور وہ چھڑی کے سہارے چلتا تھا۔ اُس نے تھائیس کی طرف گھور کر دیکھا۔ سیاہ فام شہزادے نے کہا۔

''میں نے اس کنیز کو ایک لاکھ بیس ہزار درہم میں خریدا تھا۔ یہ کنیز یمن کے بادشاہ حمور بی کے حرم میں رہ چکی ہے اور شاہی ادب آداب سے پوری طرح واقف ہے۔ یہ بڑی سلیقہ مند اور وفادار کنیز ہے گھر میں اگر ایک ہزار آدمیوں کی بھی دعوت ہو تو یہ پلک جھپکنے میں سارے کا سارا بندوبست کر دیتی ہے اور اپنی نگرانی میں ایسے عمدہ کھانے پکواتی ہے کہ لوگ مدتوں یاد رکھتے ہیں۔''

گھوڑوں کے تاجر نے کہا۔

''ہمیں آپکی زبان پر بھروسہ ہے۔ ہم اسے ایک لاکھ بیس ہزار

درہم میں آپ سے خرید لیتے ہیں۔ ہمیں آپ کی دوستی اس کنیز سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم آپ کو نا اُمید نہیں کرنا چاہتے۔ آج سے یہ کنیز ہماری ہے۔ آیئے دالان میں بیٹھ کر رقم گن لیجئے۔"

وہ دونوں باہر چلے گئے۔ تھائیس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ ایک بار پھر بیچ دی گئی تھی۔ کاش کوئی تو اسے اپنی ماں یا بہن سمجھ کر بات کرتا۔ کوئی تو اسے بیٹی کہہ کر پکارتا۔ مگر وہاں کوئی بھی اُس کا بیٹا' بھائی یا باپ نہیں تھا۔ وہ سارے کے سارے سوداگر تھے اور اُسے ایک جانور کی طرح ایک ہاتھ سے خرید کر دوسرے ہاتھ میں فروخت کر رہے تھے۔

تھائیس اپنے رب عظیم کی رضا سے راضی ہو گئی۔ وہ صبر شکر کرتے بیٹھ گئی۔ وہ بے چاری اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی!

لنگڑے سوداگر نے دالان میں آ کر سکوں کی تھیلیاں کھول کے

تخت پر ڈال دیں اور پوری کی پوری رقم گن کر سیاہ فام کے حوالے کر دی۔ سیاہ فام نے ساری رقم ایک تھیلے میں ڈال کر اپنے غلام کو دی اور سوداگر سے کہا۔

''آپ کنیز کے مالک ہیں۔ جس وقت چاہیں اُسے لے جا سکتے ہیں۔''

''میں ابھی اُسے ساتھ لے کر یہاں سے اپنے وطن کی طرف کوچ کر جانا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ مال ہے شاید اُسے راستے میں ملک سندھ میں فروخت کرتا جاؤں اس لئے جلدی سفر پر روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔''

سیاہ فام نے کوٹھڑی میں جا کر تھائیس کے دونوں ہاتھوں میں رسی باندھی اور اُسے ایک جانور کی طرح باہر نکال کر لنگڑے سوداگر کے

پاس آ گیا۔ رسی لنگڑے سوداگر کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اُس نے کہا۔

''یہ آج سے آپ کی ملکیت ہے۔''

سوداگر نے تھائیس کو ایک اونٹ کے کجاوے پر بوڑھی کنیز کی حفاظت میں سوار کروایا اور اپنے قافلے کے ساتھ ملک سندھ کی جانب روانہ ہو گیا۔ یہ سوداگر ملک آسام کا رہنے والا تھا۔ اور راستے میں موہنجو داڑو کے شہر میں اپنے کچھ گھوڑے اور اونٹ فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مصر سے موہنجو داڑو کی طرف ایک تھکا دینے والا طویل سفر شروع ہو گیا تھا۔ تھائیس دوسری یا شاید تیسری بار یہ لمبا اور مصیبت کا مارا سفر کر رہی تھی۔ بوڑھی کنیز اگر چہ اُس کی ہر طرح سے دیکھ بھال کر رہی تھی پھر بھی تھائیس کی آنکھوں میں اپنے ماں باپ کو یاد کر کے بار بار آنسو آ جاتے تھے۔ اُسے ابھی تک بالکل علم

نہیں تھا کہ وہ کس طرف کو سفر کر رہی ہے اور یہ کہ اُن کی منزل کون سا شہر ہے۔

سفر کرتے ہوئے اُسے ایک مہینہ ہو گیا تو تو تھائیس نے محسوس کیا کہ وہ جن راستوں پر سے گزر رہی ہے وہ اس کے دیکھے بھالے ہیں۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے بوڑھی خادمہ سے پوچھ ہی لیا کہ وہ کس شہر کو جا رہے ہیں۔ خادمہ نے سوچا کہ انہیں سفر کرتے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے اب بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اُس نے کہا۔

''ہم موہنجوداڑو کی طرف جا رہے ہیں۔''

اتنا سننا تھا کہ تھائیس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ مگر اس نے اپنی خوشی بوڑھی خادمہ سے چھپائے رکھی۔ موہنجوداڑو اُس کے اپنے وطن کا سب سے قریبی شہر تھا۔ اور پھر موہنجوداڑو میں عنبر تھا۔ اس کا منہ بولا بھائی شامی تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ اُن سے ملنے کی کوشش کر سکتی تھی اور اگر

ایک بار وہ اُن سے مل گئی تو وہ اُسے اس غلامی سے ضرور نجات دلا کر ہی دم لیں گے۔

ڈیڑھ ماہ کی طویل مسافت کے بعد لنگڑا سوداگر اپنا قافلہ لے کر موہنجوداڑو کے شہر میں داخل ہو گیا۔ وہ شام کو کارواں سرائے میں اترے۔ سارے قافلے والے تھکے ہوئے تھے۔ وہ سرائے میں اُترتے ہی کھانا وغیرہ کھا کر سو گئے۔ تھائیس رات بھر جاگتی رہی اور سرائے کی سلاخ دار کھڑکی میں سے باہر دیکھتی رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی عورت اُدھر سے گزرتی ہوئی مل جائے جس کے ہاتھوں وہ شامی یا عنبر کے لیے پیغام بھجوائے۔ مگر رات کے وقت ادھر سے کوئی نہ گزرا۔ علاوہ ازیں لنگڑے سوداگر کا بد شکل کالا بھدا غلام تلوار لیے بار بار کوٹھڑی میں آ کر دیکھ جاتا تھا کہ تھائیس کیا کر رہی ہے۔ وہ صبح کا انتظار کرتے کرتے سو گئی۔ اُس کی آنکھ کھلی تو دھوپ نکل آئی تھی اور

باہر کچھ لوگ ایک دوسرے سے باتیں کرر ہے تھے۔ تھائیس نے دروازے کے ساتھ کان لگا کر سُنا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے ایک آواز اُس کی جانی پہچانی ہے۔

وہ جانی پہچانی آواز کس کی تھی؟

تھائیس کو لنگڑے تاجر کی غلامی سے کیسے نجات ملی؟

عنبر موہنجوداڑو کیسے پہنچا؟ وحشی ہُن قوم نے ملکہ عمیکا کی قیادت میں حملہ کیا تو اُس کا کیا انجام ہوا؟ عنبر نے ملک تبت میں جا کر کیسے کیسے اسرار دیکھے؟

یہ سب کچھ اس ناول کی ساتویں قسط میں ملاحظہ کیجئے گا۔

عنبر ناگ ماریا

زہر کا پیالہ

قسط نمبر 7
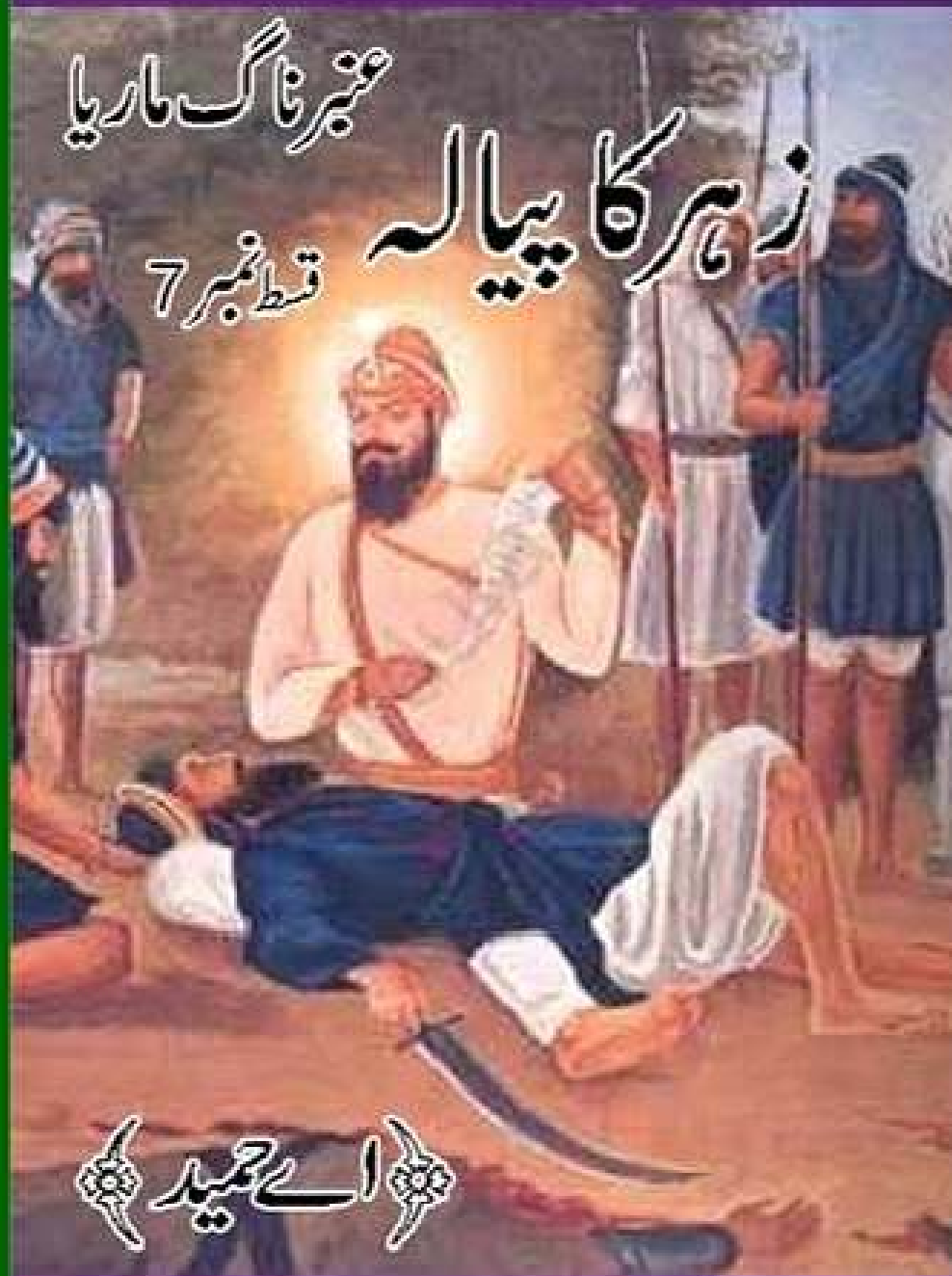
اے حمید

سنو پیارے بچو!

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں شہزادی تھائیس لنگڑے تاجر کی قید میں موہنجوداڑو پہنچ چکی ہے۔ لنگڑا تاجر گھوڑوں کی خریداری کے بارے میں شامی تاجر سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ شامی تاجر اصل میں تھائیس کا بھائی ہے ناگ ہے۔ تھائیس دروازے سے لگی آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہے۔ ناگ تھائیس کو قید سے آزاد کروا کر لے جاتا ہے۔ دوسری طرف صحرائے گوبی میں آباد وحشی ہُن قوم ہلاکو خاں کی قیادت میں موہنجوداڑو پر زبردست حملہ کرتی ہے۔ عنبر اپنے دوست موہنجوداڑو کے شہزادے کی مدد کرتا ہے۔ ہُن قوم کو

شکست ہوتی ہے۔ یہاں سے رخصت ہو کر ہمارا ہیرو ملک تبت کے سفر پر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ تبت میں عنبر کے ایک پجاری دوست کا بیٹا مندر میں ہے۔

شامی تاجر کی پراسرار قید سے ہمارے ہیرو نے ناگ سے مل کر شہزادی کو نکال لیا اور اسے لے کر تبت کے صحراؤں کی راہ لی۔ وہاں لاما رہتے ہیں جو پتھروں کی پوجا کرتے ہیں۔

اب آپ ناول میں پڑھیں:

اے حمید

قید کی رات

تھائیس دروازے کی اوٹ میں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

لنگڑے تاجر کے ساتھ جو آدمی باتیں کر رہا تھا' تھائیس کو وہ آواز جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ اُس آدمی کی پیٹھ تھائیس کی طرف تھی۔ بات کرتے کرتے وہ شخص پہلو کو تھوڑا سا گھوما تو تھائیس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ اُس کا منہ بولا بھائی شامی تھا۔ اُسے تو کبھی خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اس مصیبت میں وہ شامی کی' اپنے بھائی کی شکل بھی دیکھ سکے گی۔ اُس وقت شامی کو آواز دے کر بلانا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا۔ کیونکہ جوں ہی لنگڑے تاجر کو معلوم ہو جاتا کہ جس کنیز کو اس نے اتنے مہنگے داموں خریدا ہے وہ شامی کی مدد سے وہاں سے فرار حاصل کرنا چاہتی ہے تو وہ یقیناً راتوں رات اُس کو وہاں سے لے کر فرار ہو جاتا اور شامی اُس کی کچھ بھی مدد نہ کر سکتا تھا۔

اس لیے کہ تھائیس اُس وقت کے قانون کے مطابق لنگڑے تاجر کی کنیز تھی اور ایک مالک کو حق حاصل تھا کہ وہ اپنی کنیز کے ساتھ جس قسم کا چاہے سلوک کرے۔ تھائیس خاموش رہی۔

وہ وقت کا انتظار کرنے لگی۔ شامی لنگڑے تاجر سے اپنے کاروبار کی بات کر کے چلا گیا۔ تھائیس نے سوچا کہ اب ہوشیاری اور عقلمندی سے کام نہ لیا گیا تو وہ ساری زندگی لنگڑے تاجر کی زندگی سے آزاد نہ ہو سکے گی۔ وہ اپنے گھوڑے فروخت کر کے موہنجوداڑو سے نکل کر خدا جانے کس ملک کو اُسے ساتھ لے کر چلا جائے گا اور پھر وہ ساری عمر اپنے بھائی شامی کی شکل نہ دیکھ سکے گی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ لنگڑے تاجر کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرے اُسے آمادہ کرے گی کہ وہ شامی کی دعوت کرے اور جب وہ دعوت پر گھر آئے گا تو کسی نہ کسی طرح وہ اس کے سامنے آ جائے گی اور سارا معاملہ اپنے آپ

کھل جائے گا۔

شامی کے رخصت ہونے کے بعد لنگڑا تاجر کھانا کھانے کے لیے اندر آیا تو تھائیس نے آگے بڑھ کر اُس کے اپنے ہاتھ سے جوتے اتارے۔ دستر خوان پر کھانا چُنا۔ خود اس کے ہاتھ دُھلائے اور چاندی کے کٹورے میں پانی بھر کر دیا۔ لنگڑا تاجر بڑا حیران ہوا کہ آج کنیز اس کی اتنی آؤ بھگت کیوں کر رہی ہے؟ کیونکہ اس سے پہلے تو وہ اُس سے بات کرنے کی بھی روادار نہ تھی۔ وہ بڑی خوشی خوشی کھانا کھانے بیٹھ گیا اور تھائیس مور کے پروں کا بنا ہوا پنکھا لے کر اُسے ہوا کرنے لگی۔ لنگڑے تاجر نے مُسکرا کے پوچھا:

"کیا بات ہے تھائیس، یہ اچانک میری طرف سے تمہارا دل کیسے بدل گیا؟ کل تک تو تم مجھ سے ناراض تھیں؟"

تھائیس نے جھوٹ موٹ آہ بھر کر کہا:

"میرے آقا میں نے ساری زندگی آپ کی خدمت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر مجھے ساری عمر کنیز ہی بن کے رہنا ہے تو پھر کیوں نہ آپ جیسے امیر اور نیک دل سوداگر کی کنیز بن کر رہوں۔ آپ سے اچھا اور ہمدرد آقا مجھے اور کہاں ملے گا؟"

لنگڑا تاجر تھائیس کی زبان سے یہ جملے سُن کر پھولا نہ سمایا۔ کہنے لگا:

"شاباش تھائیس، تم نے بڑا نیک اور عقلمندی کا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے تمہیں بہت بڑی قیمت ادا کر کے حاصل کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس ایک نیک دل بی بی بن کر رہو۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا تمہاری خدمت کرتا رہوں گا۔"

"آپ کی ہمدردیوں کا میں احسان نہیں اُتار سکتی میرے آقا اب آپ کی زندگی کے ساتھ ہی میری زندگی ہے۔ آپ کی عزت کے

ساتھ ہی میری عزت ہے اور آپ کی خوشحالی کے ساتھ ہی میری
خوشحالی ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تھائیس تو یقین کرو کہ تم میرے گھر میں ملکہ بن
کر رہو گی۔ ملک ختن میں میری اور بھی بہت سی کنیزیں ہیں' مگر میں
تمہیں اُن سب کی سردار بنا کر رکھوں گا۔"

"میں آپ کے پسینے پر اپنا خون نچھاور کر دوں گی آقا۔"

لنگڑے تاجر کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ بھلا ایک کنیز
کہاں اپنے آقا کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کر سکتی ہے؟ جس
عورت کو زبردستی اُس کے ماں باپ سے جُدا کر کے لُوٹ مار کر کے
لایا گیا ہو وہ کہاں اُس ڈاکو کے ساتھ ہمدرد رہ سکتی ہے۔ مگر تھائیس تو
ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کام کر رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں
میں اُس نے کہا:

"میرے آقا میرا باپ بھی گھوڑوں کی تجارت کیا کرتا تھا۔ میں
نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے کاروبار میں اُن لوگوں کی گھر میں دعوت
ضرور کرتا تھا جن کے ساتھ اُس نے مال فروخت کرنا ہوتا تھا۔ اِس
طرح وہ سوداگروں سے اپنے مال کی منہ مانگی قیمت وصول کیا کرتا
تھا۔ آپ کو بھی وہ مشورہ دوں گی کہ اگر آپ اپنے گھوڑوں کی منہ مانگی
قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں تو آج جو تاجر آیا تھا اُس کی دعوت ضرور
کریں۔ آپ کا نمک کھا کر وہ پابند ہو جائے گا اور آپ کو مال کی منہ
مانگی قیمت ادا کر دے گا۔"

لنگڑے تاجر کو تھائیس کی یہ بات دل سے پسند آئی۔

"بھئی کمال ہے' تم نے تو مجھے بڑے نکتے کی بات بتا دی۔
اِس سے پہلے تو مجھے کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا۔ تم تو بڑی عقلمند عورت
ہو۔"

"میرے آقا! مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ میں آپ کو زیادہ سے زیادہ خوشحال اور امیر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسی وجہ سے میں نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے کیونکہ اس پر عمل کرنے سے آپ کا مال زیادہ قیمت پر فروخت ہو سکے گا۔"

"شاباش تھائیس، تم واقعی میری خیر خواہ ہو۔ صحن جا کر میں ساری کنیزوں کے سامنے کھل کر اعلان کر دوں گا کہ آج سے تم اُن کی سردار ہو اور صرف تم ہی کاروبار میں میرا ہاتھ بٹانے کے لائق ہو۔"

تھائیس نے بڑی عاجزی سے کہا:

"میرے آقا! میں تو آپ کی کنیز ہوں۔ بھلا میں کس لائق ہوں۔"

لنگڑے تاجر نے فوراً کہا:

"ایسا ہرگز نہ کہو۔ تم بہت دور اندیش اور عقلمند عورت ہو۔ میں

تمہاری ہدایت پر ضرور عمل کروں گا۔ میں کل ہی اس تاجر کی اپنے گھر دعوت کروں گا جو آج مال دیکھ کر گیا ہے۔ مگر کھانے پینے کا سارا بندوبست تم کو کرنا ہوگا۔"

"آپ فکر نہ کریں میرے آقا! سب انتظام بڑے اچھے طریقے سے ہو جائے گا۔"

تھائیس بہت خوش ہوئی۔ اُس نے جو تیر چلایا تھا وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ لنگڑا تاجر اُس کی باتوں میں آ گیا تھا اور اُس نے اگلے روز شام کی دعوت کا اعلان کر دیا۔ لنگڑے تاجر نے تھائیس کو سونے کے کچھ سکے دیے کہ نوکرانیوں سے کہہ کر اپنی پسند کی چیزیں منگوا لے۔

تھائیس نے اگلے روز نہایت اعلیٰ اور قسم قسم کے کھانے پکوا کر دستر خوان پر سجا دیے۔ وہ خود چہرے پر سفید نقاب ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

لنگڑے تاجر نے پوچھا:

”تھائیس یہ تم نے نقاب کیوں پہن لیا؟ ہمارے ہاں تو مہمانوں کے سامنے کنیزیں بغیر نقاب کے آتی ہیں۔“

”میرے آقا! میں صرف آپ کی کنیز ہوں۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی غیر مرد بھی میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔“

لنگڑا تاجر تو اپنی کنیز کی اس وفاداری پر دنگ ہو کر رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ایک ہی دن میں تھائیس کی نفرت اور ناراضگی کہاں رفو چکر ہو گئی؟ ٹھیک وقت پر مکان کے باہر گھوڑا آ کر رُکا۔ شامی لنگڑے تاجر کی دعوت میں شریک ہونے کے لیے آ گیا تھا۔ لنگڑا تاجر خود اُسے لینے دروازے تک گیا۔ تھائیس نے چہرے پر نقاب درست کیا اور تیار ہو کر کھڑی ہو گئی۔ شامی اپنے میزبان کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اندر آ گیا۔ اُس نے ایک سرسری نگاہ تھائیس پر ڈالی اور دسترخوان پر لنگڑے تاجر کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔

تھائیس کو اس نے بالکل نہ پہچانا۔ وہ پہچان بھی کیسے سکتا تھا؟ تھائیس نے چہرے پر سفید ریشمی نقاب پہن رکھا تھا۔ شامی نے سوچا کہ شاید لنگڑے تاجر کے ملک میں ایسا ہی رواج ہو گا کہ کنیزیں مہمانوں کے سامنے نقاب پہن کر آتی ہیں۔

دعوت شروع ہو گئی۔ نوکرانیاں اور تھائیس بار بار کھانے کی پلیٹیں اور چاندی کے کٹورے لے کر مہمان کے سامنے آتیں۔ تھائیس اب موقع تلاش کر رہی تھی کہ کس طرح لنگڑا تاجر دوسری طرف ہو تو وہ شامی پر اپنا آپ ظاہر کر دے۔ نقاب اُس نے اس لیے پہنا تھا کہ کہیں اُسے دیکھ کر شامی اچانک کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جس سے لنگڑے تاجر کو شک ہو جائے۔ اتفاق سے لنگڑا تاجر اُٹھ کر کسی کام سے دوسرے دالان کی طرف گیا تو تھائیس نے آگے بڑھ کر اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا اور کہا:

"شامی بھائی‘ مجھے دیکھ کر زبان سے حیرانی کے ساتھ کوئی بات نہ کہہ دینا۔ میں اس لنگڑے تاجر کی قید میں ہوں۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے مجھے یہاں سے نکالو۔"

اِتنا کہہ کر تھائیس پرے ہٹ گئی۔ شامی تو اسے دیکھ کر حیران ہو کر رہ گیا۔ اُسے وہم بھی نہیں تھا کہ تھائیس کو وہ اس جگہ دیکھے گا۔ لیکن تھائیس کی ہدایت پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے اُس نے اپنی حیرت کا بالکل اظہار نہ کیا اور پہلے کی طرح بڑے سکون سے بیٹھا کھانا کھاتا رہا۔ اتنے میں لنگڑا تاجر بھی وہاں آ گیا اور شامی کے ساتھ کاروبار کی باتیں کرنے لگا۔ اب شامی صرف ایک کاروباری ہی نہیں تھا بلکہ اُسے لنگڑے تاجر کے مکان سے تھائیس کو بھی رہا کروانا تھا؛ چنانچہ اُس نے لنگڑے تاجر کی ہر بات کو تسلیم کرنا شروع کر دیا۔ اُس نے گھوڑوں کی جو بھی قیمت لگائی‘ شامی نے فوراً ہاں کر دی۔ دیکھتے

دیکھتے پوری کی پوری قیمت پر سودا طے ہو گیا۔ لنگڑے تاجر کو ہرگز یقین نہیں تھا کہ کوئی سوداگر اس کے مال کی منہ مانگے دام دے دے گا۔ وہ تو اپنی کنیز کی عقلمندی پر دل ہی دل میں عش عش کرنے لگا۔

شامی اس عرصے میں یہی سوچ رہا تھا کہ وہ کیسے اور کیوں کر تھائیس کو وہاں سے باہر نکالے۔

یہ بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ شامی نے لنگڑے تاجر کو ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ موہنجوداڑو میں کس جگہ رہتا ہے؛ وگرنہ ہو سکتا تھا کہ تھائیس کو بھگا کر لے جانے کے بعد لنگڑا تاجر اُس کا پیچھا کرتا ہوا اس کے گھر تک آن پہنچا۔ شامی نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ کل رات وہ تھائیس کو وہاں سے نکال کر لے جائے گا۔ اب وہ تھائیس سے بات کرنے کے بہانے تلاش کرنے لگا۔ مگر لنگڑا تاجر تو کھانا کھانے کے بعد وہاں جم کر بیٹھ گیا اور ہلنے کا نام تک نہیں لیتا تھا۔ آخر تنگ آ کر اُس

نے لنگڑے تاجر سے کہا:

اب سودا تو طے ہو چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے خریدے ہوئے گھوڑوں میں سے کسی ایک کے سر پر ہاتھ پھیر کر واپس میرے پاس آجائیں۔ یہ میرا شگون ہوتا ہے جو میں ہر دفعہ مال خریدتے وقت کرتا ہوں۔ اس سے مال بیچنے والے اور خریدنے والوں پر دیوتاؤں کی مہربانیاں نازل ہوتی ہیں۔"

لنگڑا تاجر خوشی خوشی اٹھتے ہوئے بولا:

"ضرور ضرور' بھلا اِس میں مجھے کیا اعتراض ہے۔ یہ تو بلکہ بہت اچھا شگون ہے۔ آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کیا کروں گا۔ میں ابھی اصطبل سے ہاتھ پھیر کر آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر لنگڑا تاجر اٹھا اور اصطبل کی طرف نکل گیا۔ تھائیس نے اُس وقت تک باقی دونوں نوکرانیوں کو کسی کام کے لیے دوسرے

کمرے میں بھجوا دیا تھا۔ لنگڑے تاجر کے جاتے ہی شامی تاجر نے جھٹ کہا:

"تھائیس میری بات غور سے سنو۔ میں کل رات تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے آؤں گا۔ مجھے اِس گھر کا نقشہ معلوم نہیں۔ میں اس دالان کو جانتا ہوں جہاں اس وقت تخت پر بیٹھا میں کھانا کھا رہا ہوں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ کل جب آدھی رات گزر جائے تو کسی نہ کسی طرح اس دالان تک پہنچ کر گھر کی ڈیوڑھی تک آجاؤ۔ میں باہر سے دستک دوں گا۔ تم بھی اُسی طرح اندر سے دستک دینا۔ اس کے بعد دروازہ کھول کر باہر آجانا۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا۔"

"بہت اچھا شامی بھائی' میں کل رات حویلی کی ڈیوڑھی میں تمہارا انتظار کروں گی۔ مگر دیکھنا تم ضرور آنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں انتظار کرتی رہ جاؤں۔ اگر تم نہ آئے تو پھر ساری زندگی میں اِس ظالم تاجر

کے مکان کی ٹھوکریں کھاتی رہ جاؤں گی۔"

"تم ہرگز ہرگز فکر نہ کرو تھائیس، چاہے آندھی آئے چاہے طوفان آئے' تمہارا بھائی اپنی بہن کو بچانے کے لیے ضرور وقت پر پہنچ جائے گا۔"

تھائیس نے لنگڑے تاجر کے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ جلدی سے پرے ہٹ گئی اور نوکرانی کو آواز دے کر کہنے لگی کہ برتن اٹھا کر لے جائے۔ لنگڑا تاجر واپس آ کر بولا:

"یہ لو بھائی' میں آپ کے خریدے ہوئے مال میں سے ایک گھوڑے کے سر پر ہاتھ پھیر کر آ گیا ہوں۔ اب اس ہاتھ کو میں کیا کروں؟"

"میرے بھائی شگن کے مطابق یہ ہاتھ آپ اپنے سر پر پھیر لیں۔"

لنگڑے تاجر نے ایسا ہی کیا۔ شامی نے کہا اب وہی ہاتھ اس کے سر پر پھیر دے۔ لنگڑا تاجر ہاتھ شامی کے سر پر پھیر چکا تو بولا:

"بھائی یہ عجیب و غریب رسم ہے۔ بھلا بتاؤ تو اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔"

شامی نے کہا:

"اس سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ مال کا منافع بڑھتا ہے۔ مال زیادہ سے زیادہ اور جلدی سے جلدی بکتا ہے۔ سودا اپنی مرضی کے مطابق طے ہوتا ہے اور دیوتا آسمانوں پر مہربان ہو جاتے ہیں۔"

"پھر تو میں بھی ہر سودے کے بکنے پر ایسا ہی کیا کروں گا۔"

"ضرور ایسا کیا کرو میرے بھائی' اس میں بڑی برکت ہے۔ تم دیکھ لینا کہ تمہارے کاروبار میں دیکھتے ہی دیکھتے کتنا اضافہ ہو جائے گا۔ اچھا بھائی اب مجھے رخصت دیجیے۔"

لنگڑے تاجر نے مسکرا کر کہا:

"وہ۔۔۔وہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں تو بات ہی نہیں ہوئی؟"

"ارے ہاں، سارے مال کی قیمت میں پرسوں صبح ادا کر کے مال اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ آپ مال تیار رکھیے گا۔ آپ کا ہمارا سودا طے ہو گیا ہے۔ بات پکی ہو گئی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں پیچھے ہٹنے اور زبان سے پھرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اگر تمہیں بے اعتباری ہے تو میں ابھی کچھ سونا اور جواہرات پیش کر سکتا ہوں۔"

"ارے نہیں نہیں بھائی، مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے۔ آپ بھی سوداگر ہیں، میں بھی سوداگر ہوں۔ ٹھیک ہے میں پرسوں صبح آپ کی راہ دیکھوں گا۔"

"فکر نہ کریں، میں ہر حالت میں پرسوں صبح آپ کے دولت

خانے میں حاضر ہو کر رقم ادا کر کے اپنا مال لے جاؤں گا۔ اچھا اب خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

لنگڑا تاجر شامی کو ڈیوڑھی کے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ شامی نے کانی آنکھ سے ڈیوڑھی اور دروازے کا اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ اُسے کل رات آ کر اسی دروازے کو کھٹکھٹانا تھا۔ واپس آ کر لنگڑے تاجر نے تھائیس کی دانشمندی اور معاملہ فہمی کی بے حد تعریف کی۔

"تھائیس، تم واقعی میرے سب سے بڑی ہمدرد ہو۔ میں نے تمہاری ہدایت پر عمل کیا اور میرا سارے کا سارا مال منہ مانگی قیمت پر فروخت ہو گیا۔ دعوت کے چکر میں آ کر سوداگر شامی بیچارہ تو کوئی بات بھی نہ کر سکا۔ اس نے ایک درہم بھی مجھ سے رعایت کرنے کے لیے نہیں کہا۔ جو قیمت میں نے مانگی وہی اس نے ادا کرنے کی حامی

بھرلی۔"

تھائیس نے ہنس کر کہا:

"میرے آقا! مجھے معلوم تھا کہ اس دعوت میں آپ کو بے حد فائدہ ہوگا۔ اگر آپ کسی دوسرے کے ساتھ دعوت کیے بغیر اسے فروخت کرتے تو کبھی بھی اس قیمت پر سودا نہ بکتا۔"

"تھائیس! میں ہمیشہ کاروبار میں تم سے مشورہ کرتا رہوں گا۔ تمہارے والد کے کاروبار نے ہمیں بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ پرسوں میں تمہیں جواہرات کا ایک قیمتی ہار تحفے میں دوں گا۔"

تھائیس کو یہ سن کر بڑا افسوس ہوا کیونکہ پرسوں صبح تو وہ وہاں پر موجود نہیں ہوگی۔ وہ تو کل ہی رات اپنے بھائی شامی کے ساتھ لنگڑے تاجر کی قید سے نکل جائے گی۔ اُس نے کہا:

"میرے آقا! اگر آپ یہ ہار مجھے کل لا کر دیں تو میں آپ کی بے

حد شکر گزار رہوں گی۔"

"مگر تھائیس! ایک دن میں کیا فرق پڑ جائے گا؟"

"میرے آقا! ہمارے مذہب کے مطابق کل ہمارے دیوتاؤں کا جنم دن ہے، جو کوئی عورت کل کے دن اپنے خاوند کے ہاتھوں سے کوئی شے اپنے گلے یا کانوں میں پہنے گی وہ کبھی بیوہ نہیں ہوگی اور ہمیشہ دولت کی دیوی اس کے قدم چومے گی۔"

"پھر تو میں کل ہی تمہیں ہار لا کر دوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

تھائیس بڑی خوش ہوئی کہ وہاں سے جاتے جاتے اُس نے لنگڑے تاجر سے جواہرات کے ہار کا قیمتی تحفہ بھی ساتھ لے لیا تھا۔

دوسرے روز تاجر نے ہار لا کر اس کے گلے میں ڈال دیا اور کہا کہ وہ اپنے دیوتاؤں کے آگے اُس کے کاروبار کی ترقی کے حق میں دعا مانگے۔۔۔ تھائیس نے جھوٹ موٹ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ لنگڑے

تاجر نے اُسے کہا کہ وہ تیار ہو جائے۔ کل مال کی رقم ملتے ہی وہ یہاں
سے ملک ختن کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔ تھائیس نے اُوپر سے
ہاں کر دی اور دل میں سوچا کہ کل وہ اکیلا ہی وہاں سے کوچ کرے گا۔

ہوشیار، خبردار!

شامی اپنے مکان میں بیٹھا آدھی رات کا انتظار کر رہا تھا۔
کمرے میں دیوار کے ساتھ مشعل جل رہی تھی جس کی روشنی میں
تخت پر رکھی ہوئی ریت گھڑی اُسے بتا رہی تھی کہ ابھی آدھی رات
ہونے میں ایک پہر باقی ہے۔ آدھی سے زیادہ ریت ابھی گھڑی کے
اوپر والے حصے میں موجود تھی جو ذرہ ذرہ کر کے گھڑے کے نیچے
والے حصے میں گر رہی تھی۔ شامی نے تھائیس کو چھپا کر رکھنے کا سارا
بندوبست کر لیا تھا۔ ایک رات اُس نے تھائیس کو اپنے گھر میں چھپا
کر رکھنا تھا اور پھر دوسری رات کے اندھیرے میں اُسے اُس کے ماں
باپ کے گھر ہڑپہ پہنچا دینا ہے۔ اُسے یقین تھا کہ لنگڑا تاجر کبھی خواب

میں بھی اُس کے مکان تک نہیں پہنچ سکتا۔ شامی کا مکان موہنجوداڑو کی ایک گنجان ترین آبادی والی گلی میں تھا۔ یہاں چاروں طرف لوہاروں اور بڑھئی کی دکانیں تھیں۔ یہاں گھوڑوں کا ایک بھی تاجر نہیں رہتا تھا۔ اُس نے یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اُس سے مال نہیں خریدے گا۔ کیوں کہ اس طرح گھوڑے کے پاؤں کے نشان پر لنگڑا تاجر اُس کا سراغ لگا سکتا تھا۔

آخر رات آدھی گزر گئی۔

شامی خاموشی سے اپنے گھر سے باہر نکلا' گھوڑے پر سوار ہوا اور لنگڑے تاجر کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حویلی سے تھوڑی دور درختوں کے نیچے اُس نے گھوڑا ایک جگہ باندھا اور خود پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ رات اندھیری تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دور سے رات کو پہرہ دینے والے چوکیدار کی 'ہوشیار خبردار' کی آواز کبھی کبھی سنائی دے

جاتی تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں شمع بجھائے چین کی نیند سو رہے تھے۔ شامی پھر بھی بڑی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتا لنگڑے تاجر کی حویلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کئی ایک گلیوں سے ہوتا ہوا وہ حویلی کے سامنے پہنچ گیا۔ حویلی کے باہر اوپر کارنس پر ایک شمع روشن تھی۔ جس کی دھندلی دھندلی روشنی گلی کے پکے فرش پر پڑ رہی تھی۔ آدھی رات کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ شامی نے دائیں بائیں گلی میں دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ چوکیدار وغیرہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ اُس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر حویلی کے بند دروازے پر تین بار دستک دی۔ دوسری جانب تھائیس ڈیوڑھی میں کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے شامی کی دستک کی آواز سن کر فوراً اندر سے دستک دی اور دروازہ کھول دیا۔

''تھائیس بہن' جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔''

تھائیس نے کالا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ وہ جلدی سے اپنے بھائی کے ساتھ ہوگئی۔ دونوں بہن بھائی آدھی رات کے وقت موہنجوداڑو کی سنسان گلیوں میں سے گزرتے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں درختوں کے نیچے گھوڑا کھڑا کیا تھا۔ شامی نے تھائیس کو گھوڑے پر بٹھایا اور خود باگ تھام کر واپس چل پڑا۔ کئی ایک بازاروں اور گلیوں میں سے گزر کر وہ اس چوک میں آ گیا جہاں ایک گلی میں اُس کا مکان تھا۔ وہ چوک میں سے گزر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے جو کہ رات کو شہر میں گشت کر رہا تھا اس کا راستہ روک لیا۔

"ٹھہرو، کون ہو تم؟"

شامی رُک گیا۔ اُس نے سپاہی کے سوال کے جواب میں کہا:

"میں تاجر ہوں، میری بہن ایک گاؤں میں بیمار تھی۔ اُسے لے کر واپس آ رہا ہوں۔"

سپاہی نے تھائیس کی طرف دیکھ کر کہا:

"مگر یہ عورت بیمار تو معلوم نہیں ہوتی۔"

شامی بولا:

"اب یہ اچھی ہوگئی ہے۔ اسی لیے تو اسے ساتھ لے کر واپس موہنجوداڑو آ گیا ہوں۔"

سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا:

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ ضرور تم اس عورت کو کہیں سے ڈاکہ ڈال کر لا رہے ہو۔"

"اگر آپ کو شک ہے تو اس عورت سے پوچھ لیں۔"

اِس پر تھائیس نے کہا کہ وہ اس آدمی کی بہن ہے۔ وہ گاؤں میں بیمار تھی اور اب تندرست ہو کر واپس آ رہی ہے۔ مگر سپاہی نے اس پر اعتبار نہ کیا۔ اگر وہ اکیلا ہی ہوتا تو شامی نے سوچا تھا کہ وہ اُس کا

مقابلہ کر کے اُسے ہلاک کر دے گا۔ لیکن شامی کی بدقسمتی کہ اس
دوران میں دو اور پہرہ دینے والے سپاہی اپنے ساتھی کی آواز سن کر
وہاں آ گئے۔ اُنہوں نے ساری بات سُن کر کہا:

"تم دونوں کو ہمارے ساتھ کوتوال کے ہاں چلنا ہو گا۔ وہیں جا
کر فیصلہ ہو گا۔"

"وہاں کیا فیصلہ ہو گا؟"

"وہاں تمہیں یہ ثابت کرنا ہو گا کہ یہ عورت تمہاری بہن ہے اور
واقعی یہ اپنے گاؤں میں بیمار تھی اور اب تندرست ہو کر اپنے گھر آ رہی
ہے۔ اگر تم یہ ثابت نہ کر سکے تو تم دونوں کو قید کر لیا جائے گا۔"

شامی اور تھائیس تو دم بخود ہو کر رہ گئے۔ بے چارے ایک
مصیبت سے نکلے تھے کہ دوسری مصیبت میں پھنس گئے۔ پہلے شامی
نے سوچا کہ ٹھیک ٹھیک بیان کر دے اور سپاہیوں کو بتا دے کہ تھائیس

کے ماں باپ ہڑپہ میں رہتے ہیں اور وہ ظالم تاجر کی قید سے فرار ہو کر
آ رہی ہے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ اس طرح تو سپاہی تھائیس کو اُس
کے ماں باپ کے گھر لے جانے کی بجائے لنگڑے تاجر کے حوالے کر
دیں گے۔ کیوں کہ اس ملک کا قانون ہی یہی تھا کہ اگر کنیز بھاگ
جائے تو وہ جہاں کہیں بھی ہو اُسے گرفتار کر کے اس کے مالک تک پہنچا
دیا جائے۔

وہ بری طرح پھنس گئے تھے۔ شامی نے سپاہیوں کے ساتھ
باتیں کیں اور انہیں ہر طرح کا لالچ بھی دیا مگر وہ نہ مانے اور دونوں کو
اپنے ساتھ لے کر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھائیس کا تو خوف سے
برا حال ہو رہا تھا۔ اُسے ہر دم یہی دھڑکا لگا تھا کہ اب یہ لوگ اُسے
لنگڑے تاجر کے حوالے کر دیں گے اور وہ اس کے ساتھ اس قدر ظلم
کرے گا کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ دوسری جانب شامی کو بھی

ایک کنیز کو بھگانے اور قانون توڑنے کے جرم میں قید کر دیا جائے گا اور اُس زمانے کی قید ایسی ہوتی تھی کہ جیل کی کال کوٹھڑی میں ڈالے ہوئے قیدی کو پھر کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ وہ سالوں پڑا رہتا تھا اور آخر گل سڑ کر مر جاتا تھا۔ مگر اب وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ وہ مجبور تھی۔ جس طرح کہ اس کا بھائی شامی مجبور تھا۔

کوتوال کے گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ کوتوال دورے پر کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے اور ایک مہینے سے پہلے واپس موہنجو داڑو نہیں آئے گا؛ چنانچہ شامی اور تھائیس کی فریاد کے باوجود اُن دونوں کو جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ یہ کال کوٹھڑی تنگ اور اندھیری تھی۔ بے چارے دونوں بہن بھائی پریشان ہو کر بیٹھ گئے اور اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگے۔ شامی نے کہا:

’’کاش، میں چوک کی بجائے کسی دوسری گلی سے اپنے گھر کی

طرف جاتا۔‘‘

’’شامی بھائی تقدیر میں جو لکھا ہوا تھا وہ ہو کر رہا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ مجھے تو اِس بات کا دکھ ہے کہ میں نے اپنے ساتھ تمہیں بھی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔‘‘

ایسا نہ کہو تھائیس بہن، اگر تمہیں تکلیف ہوتی تو میں کیسے آرام کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ اب اپنے رب عظیم سے یہ دعا مانگو کہ لنگڑا تاجر صبح تمہیں غائب پا کر کوتوال کے گھر آ کر تمہاری گمشدگی کی اطلاع نہ کر دے۔‘‘

’’وہ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ ہمارے ہاں اُس آدمی کو بے حد بُزدل اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے جس کی کنیز اُسے چھوڑ کر بھاگ جائے۔ لنگڑے تاجر کو اپنی عزت اور شہرت کا بڑا خیال لگا رہتا ہے۔ اس لیے وہ کبھی میری گمشدگی کی اطلاع کسی کو دے کر ذلیل ہونا

گوارا نہیں کرے گا۔"

"لیکن اگر اس نے ایسا گوارا کر لیا تو پھر تم ساری زندگی اُس کی قید سے آزاد نہ ہو سکو گی اور اب وہ تم پر زیادہ ظلم کرے گا۔"

"رب عظیم ہم دونوں کا نگہبان ہو۔ ایسی صورت میں یہ لوگ تمھیں بھی لمبی مدت کے لیے جیل میں ڈال دیں گے اور پھر کوئی تمھاری خبر تک نہ لے گا۔ میں یہ کیسے گوارا کر سکتی ہوں کہ میرا بہادر بھائی بادشاہ کی قید میں تڑپ تڑپ کے بھوکا پیاسا جان دے دے۔"

"اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو تھامیس بہن اسے کوئی نہیں ٹال سکتا اور اگر ہماری آزادی مقدر ہو چکی ہے تو کوئی ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔"

شامی بھائی! ہمیں رب عظیم سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہماری مدد کرے اور ہمیں اپنے اوپر نا امیدی طاری نہیں کرنی چاہیے۔"

"آؤ ہم مل کے دعا کرتے ہیں۔"

دونوں بہن بھائی دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا لیے اور دیر تک دعا مانگتے رہے۔ دعا مانگنے کے بعد انہوں کچھ حوصلہ سا ہو گیا۔ انہیں اپنے اندر عمل کرنے اور سوچنے سمجھنے کی نئی طاقت گردش کرتی محسوس ہوئی۔ شامی نے کہا:

"یہ کال کوٹھڑی اتنی مضبوط اور محفوظ جگہ پر ہے کہ اگر ہم ساری زندگی کوشش کرتے رہیں تو یہاں سے نہ نکل سکیں گے۔"

"تمھارا خیال درست ہے شامی بھائی' مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ جو شخص ایک بار اس کال کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر اُس کی کبھی کوئی خبر نہیں لیتا۔ تم دیکھ لینا' کوتوال دورے سے واپس بھی آ گیا تو ہمیں کبھی اس کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا۔ یہ لوگ ہمیں یہاں ڈال کر بھول جائیں گے۔"

"یہ تو بڑا ظلم ہوگا۔ ہم یہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا ہرگز گوارا نہیں کریں گے۔" تھائیس نے گھبرا کر کہا۔

شامی نے اُسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

"گھبراؤ نہیں تھائیس! میں نے تمہیں صرف یہ بتانا چاہا ہے کہ یہاں کا رواج ہے۔ لیکن ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہم یہاں سے باہر نکلنے کی ہر حالت میں کوشش کریں گے۔"

"مگر اُس کی صورت کیا ہوگی؟ ہم یہاں سے فرار تو ہو نہیں سکتے۔"

"ٹھیک ہے، ہم یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے۔ لیکن دماغ سے کام لے کر کوئی ایسا طریقہ ضرور سوچ سکتے ہیں جس پر عمل کر کے ہم اس کال کوٹھڑی سے نجات حاصل کر لیں۔"

ہمارا خیال ہے کہ ہمیں ان دونوں بہن بھائیوں کو موہنجوداڑو کی

اس کال کوٹھڑی میں چھوڑ کر عنبر کی خبر لینی چاہیے کہ وہ اِس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ جیسا کہ آپ نے پچھلے حصے میں پڑھا ہوگا۔ عنبر بوڑھے تبتی سے دریائے آمو کے کنارے سے جدا ہو کر موہنجوداڑو کے شہر میں آن داخل ہوا۔ وہ سیدھا شاہی محل کی طرف آ گیا۔ محل میں اُس کے آنے کی خبر بادشاہ کو ہوئی تو وہ خود اُس سے ملنے آیا۔ عنبر نے جھک کر شہزادے کو سلام کیا۔

شہزادے نے کہا:

"ہم آپ سے بہت خوش ہیں کہ آپ نے اتنے دور دراز کا سفر کیا۔ آپ ضرور ہمارے لیے بڑی مفید معلومات لائے ہوں۔"

آپ آج رات آرام کریں۔ کل آپ سے باتیں ہوں گی۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر شہزادہ سلامت! ویسے آپ کا خادم کامیاب واپس آیا ہے۔"

"ہمیں آپ سے یہی امید تھی۔ اچھا' آپ آرام کریں کل ملاقات ہوگی۔"

"ضرور۔"

دوسرے روز شہزادے نے عنبر کو اپنے خاص کمرے میں طلب کیا وہاں اُس کی فوجوں کا سپہ سالار اناٹی بھی موجود تھا۔ عنبر نے جھک کر کورنش بجالائی۔ شہزادے نے اُسے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پوچھا:

"اب ہمیں اپنے سفر کو پورا حال سناؤ اور یہ بتاؤ کہ ہُن قوم ملکہ عمبکا ہمارے بارے میں کیا ارادے رکھتی ہے؟"

عنبر نے کہا:

شہزادہ سلامت' ملکہ عمبکا ایک خونی ملکہ ہے۔ اُس کا دل دیوتاؤں نے پتھر کا بنایا ہے۔ وہ ایک ایسی قوم کی ملکہ ہے جو اُس پر

جان دیتی ہے اور جو ایک آدمی کو کچا بھون کر کھا جانے میں کوئی شرم یا جھجک محسوس نہیں کرتی۔"

"کیا وہ ہمارے شہر پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے؟"

"ہاں بادشاہ سلامت' وہ اسی مہینے آپ کے شہر پر حملہ کرنے کے لیے اپنی بے پناہ فوج کے ساتھ روانہ ہوجائے گی۔ اُس کی فوج میں ہزاروں لاکھوں سپاہی ہیں جو اپنی ملکہ پر جان نچھاور کرنے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں۔"

شہزادہ کچھ فکر مند ہوگیا۔ سپہ سالار نے پوچھا:

"عمبکا کی فوج کے پاس اسلحہ کس قسم کا ہے عنبر؟"

"وہ صرف تیر کمان' نیزہ اور تلوار سے لڑتے ہیں۔ اُن کے پاس آگ برسانے اور پتھر پھینکنے والی توپیں بالکل نہیں ہیں۔"

"پھر تو ہم ان کو تباہ برباد کر کے رکھ دیں گے۔" شہزادے نے

کہا۔

”لیکن شہزادہ سلامت ہُن سپاہی مرنے کو ایک کھیل سمجھتا ہے۔ وہ ایک کے بعد ایک مرتا جائے گا۔ مگر آپکے شہر کی دیوار پر چڑھ کر ہی دم لے گا۔ آپ توپوں کا مقابلہ تو کر سکتے ہیں مگر ایسے سپاہی کا مقابلہ کس طرح کریں گے جو مرتا جا رہا ہے اور بڑھتا جا رہا ہے۔ جس نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ آپ کے تخت پر پہنچ کر ہی رُکے گا۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ہمیں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم موہنجوداڑو کا شہر ہُن قوم کی وحشیوں کے حوالے کر دیں؟“

”ہر گز نہیں شہزادہ سلامت‘ بلکہ میں آپ کو اُن خطرات سے خبردار کر رہا ہوں جو آپ کو پیش آنے والے ہیں۔ میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ دشمن کو کمزور خیال نہ کریں۔ اُسے طاقتور ترین دشمن سمجھ کر تیاری کریں۔“

عنبر نے کہا:

”میرے خیال کے مطابق ہمیں شہر کی دیوار کے گرد کھدی ہوئی کھائی کو اور زیادہ گہرا کر کے اُس میں مگرمچھ چھوڑ دینے چاہئیں۔ اس کے علاوہ شہر کی دیوار کے اوپر سے کھولتا ہوا تیل پھینکنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہیے۔ ہمیں شہر کے اندر پانی اور خوراک کا اتنا ذخیرہ کر لینا چاہیے جو ایک سال کے لیے کافی ہو۔“

سپہ سالار نے حیرانی سے پوچھا:

”کیا عمبکا کی فوج ایک سال تک ہمارے شہر کا محاصرہ کر سکتی ہے؟“

عنبر نے مُسکرا کر کہا:

”آپ شاید بھول گئے ہیں۔ معزز سپہ سالار کہ ہُن قوم ایک خانہ بدوش وحشی قوم ہے۔ اُس کا کام ہی صحراؤں میں خیمے گاڑ کر رہنا

ہے۔ وہ اپنے صحرا میں نہ رہے۔ آپ کے شہر کے باہر میدان میں رہ
لیں گے۔ انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

سپہ سالار بولا:

"مگر وہ کھائیں گے کہاں سے؟ ہم اُن کے آنے سے پہلے پہلے
سارے کھیت کھلیان جلا کر راکھ کر دیں گے۔"

"وہ کھیتی باڑی کر کے پھر سے فصل اُگا لیں گے۔ آپ کا دریائے
سندھ اُن کی بڑی مدد کرے گا۔"

شہزادہ گہری سوچ میں تھا۔ اُس نے سانس بھر کر کہا:

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ وہ ساری زندگی کے لیے ہمیں
ہمارے شہر میں بند کر دیں گے۔ ہم اپنے ہی شہر میں قید ہو کر رہ جائیں
گے۔"

عنبر کہنے لگا:

"ایسی نا امیدی کی بھی کوئی بات نہیں شہزادہ سلامت! اِس دوران
میں ہم کوشش کریں گے کہ ملکہ عمبکا کے سالارِ جنگ کو اپنے ساتھ
ملا لیں۔"

"کیا مطلب؟" سپہ سالار نے چونک کر کہا۔

"مطلب یہ کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ملکہ عمبکا کا نیا سالارِ جنگ
اُس کے حق میں نہیں ہے۔ مگر وہ اِس لیے مجبور ہے کہ وہ اکیلا ہے۔
فوج کی اکثریت ملکہ کے ساتھ ہے۔ اگر ہم محاصرہ کے دوران میں
کسی طرح اسے یقین دلا دیں کہ ہم فتح کی صورت میں اُسے بن قوم
کا بادشاہ بنانے میں مدد دیں گے اور اُسے تسلیم کر لیں گے تو ہو سکتا ہے
کہ وہ ہمارے ساتھ مل جائے اور جنگ کا پانسہ پلٹ جائے۔"

"آپ کا خیال مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہم محاصرے کی صورت
میں دشمن کا مقابلہ بھی کریں گے اور اُس کے سالارِ جنگ کو توڑنے کی

کوشش بھی کریں گے۔"

اُسی روز شہزادے نے ملک بھر میں ہنگامی صورت حال کا اعلان
کر دیا اور حکم دے دیا کہ شاہی گوداموں کو اناج کی بوریوں اور پانی
کے ذخیرے سے بھر دیا جائے۔ شہر کے اندر پانی کے نئے کنوئیں
کھودے جانے لگے۔ گوداموں میں کھانے پینے کی چیزیں جمع ہونا
شروع ہوگئیں، شہر موہنجوداڑو کے اردگرد کی ساری بے پناہ فصل کو کاٹ
کر شہر کے اندر اُس کا انبار لگا دیا گیا۔ شہر کی اردگرد کی کھائی کو خشک کر
کے اس کی دوبارہ کھدائی شروع ہوگئی۔ اُسے اور گہرا کر کے اُس میں
پانی کے ساتھ ساتھ دریائے سندھ کے دلدلی کناروں سے پکڑ کر
لائے گئے مگر مچھ چھوڑ دیئے گئے۔ شہر کی دیوار کے اوپر ہر پچاس قدم
کے فاصلے پر بڑی بڑی بھٹیاں بنا کر اُن پر تیل کے کڑھاؤ چڑھا دیے
گئے۔ تیر برسانے والوں اور پتھر پھینکنے والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ہر وقت

فصیل کے برجوں میں حاضر رہیں۔ سپاہیوں کو مختلف جگہوں سے
دارالسلطنت میں واپس بُلا لیا گیا۔ ساری کی ساری فوج کو ہر وقت
تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا۔

جاسوس دوڑا دیے گئے تھے۔ ان جاسوسوں نے آکر اطلاع دی
کی ملکہ عمبکا اپنے خونخوار اور بے پناہ لشکر کے ساتھ موہنجوداڑو کی
طرف طوفان بن کر بڑھتی چلی آرہی ہے۔ اگر زمین ریتلی نہ ہوتی تو
چار میل کے فاصلے پر بہتے ہوئے دریائے سندھ کے کناروں کو کاٹ
کر سارے میدان میں پانی چھوڑ دیا جاتا تا کہ دشمن کے سپاہی وہاں
خیمے نہ لگا سکیں۔ مگر زمین کے زیادہ تر ریتلی ہونے کی وجہ سے اس
منصوبے پر عمل کرنا فضول تھا۔ کیونکہ سارا پانی زمین جذب کر لیتی اور
دشمن کو بھی فائدہ پہنچتا کہ وہاں اُن کی فصل بڑی اچھی ہوتی۔ بہر حال
دشمن اپنے خونی لشکر کے ساتھ موہنجوداڑو کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا اور

سپاہی کمانوں میں تیر چڑھائے، کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہوں کے پاس کھڑے انتظار کر رہے تھے۔

تم کہاں؟

شامی اور تھا ئیس قید خانے میں بے کسی کے دن گزار رہے تھے۔ موہنجوداڑو کے سپاہی اپنی عادت کے مطابق اُن دونوں کو جیل میں ڈال کر بھول گئے تھے۔ انہیں دن میں دو بار روکھی سوکھی روٹی دے دی جاتی تھی۔ قید میں دونوں کی حالت پتلی ہو رہی تھی۔ انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ اُنہیں وہاں سے کب نکالا جائے گا، اِس بات سے وہ دونوں بڑے پریشان تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ ان دونوں میں سے کسی کو یہ خبر نہیں تھی کہ عنبر موہنجوداڑو کے دربار میں پہنچ چکا ہے۔ سپاہیوں نے انہوں نے دو ایک بار کہنے کی کوشش کی کہ انہیں وہاں سے نکال کر کوتوالِ شہر کے سامنے پیش کیا جائے۔ مگر ہر بار سپاہی قہقہہ مار کر چلے جاتے۔

شامی اِن حالات سے تنگ آ گیا۔ آخر وہ مرد تھا اور ایک بہادر مرد

تھا۔ اس سے پہلے اس نے بڑی دلیری سے تھائیس کو بڑی بڑی
جگہوں سے نکالا تھا۔ اُس نے وہاں سے فرار کے بارے میں سوچنا
شروع کر دیا۔ اُس نے تھائیس کو کچھ نہ بتایا مگر اپنے طور پر وہ جائزہ
لینے لگا کہ کھانا لے کر آنے والا سپاہی ان کے پاس آتا ہے۔ اُس
وقت پہریدار تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ یہ خیال
کرتا ہے کہ اب کھانا لے کر آنے والا سپاہی پہرہ دے گا۔ جب تک
وہ کھانا نہیں کھا چکتے۔ وہ سپاہی زِن کے پاس ذرا پرے بیٹھا انہیں
دیکھتا رہتا ہے۔ شامی نے ایک ترکیب دماغ میں پکی کر لی اور
مناسب وقت کا انتظام کرنے لگا۔

شہر میں ہُن قوم کے حملے کے پیشِ نظر ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا
اور جیل خانے کے اکثر سپاہی قلعے میں چلے گئے تھے اور وہاں پر
سپاہیوں کی تعداد تھوڑی رہ گئی تھی۔ شامی نے اِس موقع سے فائدہ

اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک رات اس نے تھائیس کو بتایا کہ وہ وہاں
سے فرار ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ تھائیس نے حیرت سے
پوچھا:

’’مگر شامی بھائی، ہم یہاں سے کیسے فرار ہوں گے؟‘‘

’’تم دیکھتے جاؤ اور خاموش رہو۔‘‘

رات کا پہلا پہر گزر رہا تھا۔ کھانا لے کر آنے والے سپاہی کا وقت
ہو رہا تھا۔ کوٹھڑی کے باہر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اسلحہ خانے کی
جانب سے سپاہیوں کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ اِس کا مطلب یہ تھا
کہ وہ سارے کے سارے کسی وجہ سے قلعے کی طرف چلے گئے ہیں۔
شامی نے اِس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ چند لمحے ہی
گزرے تھے کہ سپاہی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ کھانا لے کر
آ رہا تھا۔ شامی ہوشیار ہو گیا۔

سپاہی کے ہاتھ میں ایک لکڑی کا پیالہ اور ٹوکری تھی۔ اس ٹوکری میں روکھی سوکھی روٹیاں تھیں۔ شامی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جوں ہی دروازہ کھول کر سپاہی اندر داخل ہوا۔ شامی نے پوری طاقت سے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر مار دیے۔ سپاہی چکرا کر گر پڑا۔ شامی نے فوراً! اُسے گھسیٹ کر کمرے کے کونے کے اندھیرے میں کر دیا اور اُس کا زرہ بکتر پہن کر لوہے کا خود سر پر رکھ لیا۔

''میرے ساتھ چلو تھائیس جلدی۔''

تھائیس بے چاری اچانک یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ وہ تیزی سے شامی کے ساتھ ہولی۔ شامی اُسے لے کر جیل سے باہر نکل آیا۔ ایک برآمدے سے ہوتا ہوا وہ بڑے اسلحہ خانے میں سے گزر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے اُسے روک لیا:

''اِسے کہاں لیے جا رہے ہو؟''

شامی نے منہ دوسری طرف کر کے جلدی سے کہا:

''کوتوال نے بُلایا ہے۔''

سپاہی نے ٹھیک ہے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ شامی نے تھائیس کا ہاتھ تھاما اور قریب اُسے گھسیٹتا ہوا تھانے سے باہر لے آیا۔ بائیں جانب اصطبل کے باہر لکڑی کے ایک ستون کے ساتھ کچھ گھوڑے اور دو چار اونٹ بندھے ہوئے تھے۔ شامی نے جلدی سے دو گھوڑے کھولے۔ ایک پر خود بیٹھا دوسرے پر تھائیس کو بٹھایا اور وہاں سے اُٹھ بھاگا۔

''اب رُکنا نہیں تھائیس۔''

''ٹھیک ہے شامی بھائی۔''

وہ گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے موہنجو داڑو شہر کی حدود سے باہر نکل آئے۔ ہنگامی حالات کی وجہ سے اُن دنوں زیادہ تر توجہ اُن لوگوں کی

طرف دی جا رہی تھی جو شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ شہر سے باہر نکلنے والوں کی طرف کم توجہ دی جاتی تھی اور پھر شامی کو سپاہی کے لباس میں دیکھ کر کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کون اور کس عورت کو لے کر کہاں جا رہا ہے؟ سب نے یہی خیال کیا کہ سپاہی اپنی بیوی کو لے کر سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ اُن دنوں سفر عموماً رات کو ہی شروع کیا جاتا تھا۔

شہر سے باہر نکل کر انہوں نے ہڑپہ شہر کی طرف سرپٹ گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے۔ وہاں سے ہڑپہ کا سفر صرف ایک رات کا تھا شامی چاہتا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ ہڑپہ پہنچ کر تھائیس کو اُس کے گھر پہنچا کر محفوظ کر دے۔ کیونکہ موہنجوداڑو کے سپاہیوں کو کوئی علم نہیں تھا کہ تھائیس کہاں کی رہنے والی ہے۔ وہ خود بھی چاہتا تھا کہ تھائیس کو گھر پہنچانے کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وہاں سے روپوش ہو

جائے اور جب معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے تو واپس موہنجوداڑو آ جائے۔

اُدھر یوں ہوا کہ جب سپاہی پہرہ دینے کے لیے آیا تو اُس نے دیکھا کہ کھانا لے کر آنے والا کوٹھڑی میں بے ہوش پڑا ہے۔ جیل کا دروازہ کھلا ہے اور دونوں قیدی غائب ہیں۔ اس نے شور مچا دیا فوراً چند سپاہی کوتوال کے حکم سے گھوڑوں پر سوار ہو کر مفرور قیدیوں کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ ایک سپاہی کے ساتھ عورت تھی اور وہ شروع رات وہاں سے نکلے تھے۔ سپاہی اُن کے تعاقب میں ہڑپہ کی طرف اُٹھ دوڑے۔

اس لیے کہ اُن کے گھوڑوں کے تازہ نشان ہڑپہ کی طرف ہی جا رہے
تھے۔

شامی کو معلوم تھا کہ سپاہی اُس کا پیچھا ضرور کریں گے؛ چنانچہ وہ
تھائیس کی تھکاوٹ کے باوجود ایک پل کے لیے بھی کسی جگہ راستے
میں نہ رکا اور برابر آگے بڑھتا گیا؛ چنانچہ جب پو پھٹ رہی تھی۔ تو وہ
ہڑپہ شہر میں داخل ہو گئے۔ تھائیس شامی کو اپنے گھر لے گئی۔ تھائیس
کے باپ نے اپنی بیٹی کو دیکھ کر اسے گلے لگا لیا۔ وہ تو اپنی بیٹی کو رو دھو
چکا تھا۔ کیوں کہ اس زمانے میں ایک بار اُٹھا کر لے جانے والی
عورت مشکل ہی واپس اپنے گھر پہنچتی تھی۔ شامی نے ساری کہانی
بوڑھے باپ کو سنائی اور کہا:

"اب آپ کا فرض ہے کہ اپنی بیٹی کو کبھی گھر سے باہر نہ نکالیں۔"

"ایسا ہی ہوگا بیٹے شامی! دیوتا تمہاری نگہبانی کریں۔ اگر تم نہ

ہوتے تو میں ساری زندگی اپنی بیٹی کی شکل نہ دیکھ سکتا تھا۔"

"کم از کم ایک ماہ کے لیے تو اسے تہہ خانے میں بند کر دیں۔
کیونکہ سپاہی کوتوال کے حکم سے ضرور اس کی تلاش میں یہاں آئیں
گے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ موہنجو داڑو کے شہزادے کی جیل سے
فرار ہونے والے قیدی کو کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔"

"میں اپنی بیٹی کی کسی کو جھلک تک نہیں دکھاؤں گا بیٹے۔"

"ہاں بابا! میں بھی اب تھک گئی ہوں۔ اب میں بھی آرام کرنا
چاہتی ہوں۔ میں تہہ خانے سے کبھی نکل کر باہر کھیتوں میں یا جنگل
میں نہیں جاؤں گی۔"

"شاباش بیٹی! مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ مگر بیٹا شامی تم بھی تو
ہمارے ہاں ہی قیام کرو گے ناں۔"

"میں دو روز یہاں ضرور رک جانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد

سوچوں گا کہ کہاں جاؤں۔"

"اس کے بعد تم کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"میں موہنجوداڑو ابھی واپس نہیں جانا چاہتا۔ اس لیے کہ اگر واپس گیا تو ضرور دوبارا پکڑ لیا جاؤں گا اور جیل سے خود فرار ہونے اور ایک قیدی عورت کو فرار کرنے کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا جاؤں گا۔"

"بیٹے تم ہمارے پاس ہی رُک جاؤ۔"

"میں کب ایک اپاہج عورت کی طرح تہہ خانے میں پڑا رہ سکتا ہوں بابا' میں نے سوچا ہے کہ یہاں سے نکل کر ایک برس کے لیے قرطاجنہ اپنے بڑے بھائی کے پاس چلا جاؤں اور وہیں کچھ دیر تجارت کروں جب یہاں معاملہ رفع دفع ہو جائے گا تو واپس آ جاؤں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی بیٹے' ویسے میرا گھر تمہارے لیے حاضر تھا۔"

"شکریہ بابا جان۔"

وہ رات بھر کے سفر کے تھکے ہوئے تھے۔ شامی حویلی کی ڈیوڑھی میں اور تھائیس تہہ خانے میں سو گئی۔ سپاہی رات بھر سفر کرتے رہے۔ گھوڑوں کے سُموں کے تازہ نشان اُن کی رہنمائی کر رہے تھے۔ راستے میں اُنہوں نے بھی کسی جگہ آرام نہ کیا یا پھر وہ بھی پَو پھٹنے کے تھوڑی دیر بعد ہڑپہ پہنچ گئے۔ شہر میں انہوں نے تھانے میں قیام کیا اور اگلے روز مفرور قیدیوں کی تلاش شروع کر دی۔ وہ شہر ان سپاہیوں کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ کئی بار وہاں آ چکے تھے اور یہ شہر بھی موہنجوداڑو کے بادشاہ ہی کے ماتحت تھا۔ مگر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اتنی بڑی آبادی کے شہر میں وہ دو قیدیوں کو کس طرح تلاش کریں۔ کہاں تلاش کریں جب کہ دونوں قیدیوں نے فیصلہ کر لیا تھا

کہ وہ تہہ خانے سے باہر نہیں نکلیں گے۔

دو روز گزر گئے۔ موہنجوداڑو کے کوتوال پر مصیبت نازل یہ ہوگئی کہ دونوں قیدیوں کے جیل سے فرار ہونے کا علم بادشاہ شہزادے کو ہوگیا اُس نے کوتوال کو بُلا کر کہا:

"اگر تم نے مفرور قیدیوں کو پکڑ کر ہمارے حضور پیش نہ کیا تو اُن کی جگہ تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی۔ تمہیں علم نہیں کہ جیل سے قیدیوں کے فرار ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ کل کو ہمارا دشمن بھی ہمارے ملک کے حالات معلوم کر کے آسانی سے جیل سے نکل کر بھاگ سکتا ہے؟ کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ملک میں ہنگامی حالات ہیں اور دشمن کی فوج چڑھائی کے لیے بڑھی چلی آرہی ہے؟"

کوتوال تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس نے سر جھکا کر زمین چومتے

ہوئے کہا کہ وہ فوراً مفرور قیدیوں کو گرفتار کر کے دربارِ شاہی میں پیش کرے گا۔ اتنا کہہ کر وہ شاہی محل سے واپس آگیا۔ اُسی وقت اُس نے اپنا ایک خاص ایلچی ہڑپہ دوڑایا جس نے مفرور قیدیوں کو تلاش کرنے والے سپاہیوں سے کہا کہ ہڑپہ کے کوتوال کی خدمت حاصل کر کے دونوں قیدیوں کو ہر قیمت پر پکڑ کر واپس لائیں؛ ورنہ اُن کے سر قلم کر دیے جائیں گے۔ وہ سپاہی تو ششدر رہ گئے۔ اُنہیں اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ اب تو قیدیوں کو پکڑنا بے حد ضروری ہوگیا تھا۔

مگر مشکل یہ تھی کہ شہر میں اُن دونوں کا کہیں سراغ تک نہیں مل رہا تھا۔ ہڑپہ کے کوتوال نے کہا:

"یقیناً مفرور قیدی عورت شہر کے کسی مکان میں چھپ گئی ہے۔ اس کے لیے کسی پھپھے کٹنی کی خدمت حاصل کرنی ضروری ہوگئی ہے۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک بڑی ہی مکار عورت اور تجربہ کار پھپھے
کٹنی کو بلا کر تھائیس کا حُلیہ وغیرہ سمجھایا گیا اور اُسے کہا گیا کہ شہر کہ گلی
گلی، کوچہ کوچہ، مکان گھوم پھر کر اُس عورت اور مرد کو تلاش کر کے کوتوال
شہر کو خبر کرے۔ کٹنی نے کہا:

"حضور، یہ کنیز تو آسمان کی ٹکڑی اُتار بھی لاتی ہے اور واپس لگا
بھی آتی ہے۔ وہ عورت ایسی کہاں کی ہے کہ میری نظروں سے چھپ
جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں تو ہڑپہ کی ایک ایک اینٹ اُٹھا کر
دیکھ لوں گی کہ وہ کہاں چھپی بیٹھی ہے۔"

"شاباش کٹنی، اب تم جا کر اپنا کام شروع کر دو۔"

کٹنی نے عورتوں کے ہار سنگھار بیچنے والی کا بھیس بدلا اور شہر کی
طرف روانہ ہو گئی۔

اس دوران میں ایک رات شامی وہاں سے رخصت ہو کر اپنے

بڑے بھائی کی طرف قرطاجنہ کو نکل چکا تھا۔ اب گھر میں تھائیس اپنے
باپ کے ساتھ اکیلی رہتی تھی۔ باپ سارا دن جنگل میں بھیڑ بکریاں
چراتا اور تھائیس گھر میں اکیلی بند رہتی۔ باپ نے اُسے خاص طور پر
حکم دے رکھا تھا کہ وہ کبھی اور کسی کے لیے بھی مکان کا دروازہ اندر
سے ہرگز ہرگز نہ کھولے۔ تھائیس کو اِس بات کا خود بھی بے حد احساس
تھا۔ وہ اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے پہلے ہی بہت تکلیفیں اُٹھا چکی تھی۔
اب تو وہ دروازہ ہمیشہ بند رکھتی تھی اور اس کے علاوہ وہاں آتا بھی کوئی
نہیں تھا۔

اُسے کیا خبر تھی کہ ایک عورت اُس سے ملنے کے لیے گھر سے چل
پڑی ہے۔

کٹنی سولہ سنگھار بیچنے والی کے بھیس میں ہڑپہ شہر کی گلیوں میں گھوم
پھر کر گھر گھر جھانک رہی تھی کہ کہیں اس حُلیے کی عورت نظر پڑ جائے جو

اُسے بتایا گیا تھا۔ مگر ابھی تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئی
تھی۔ وہ ہر گھر کی ڈیوڑھی میں جا کر آواز لگاتی اور پھر منہ اٹھائے ایک
دم گھر کے اندر عورتوں کے بیچ چلی جاتی۔ ایک ایک عورت کو نظریں بچا
کر خوب غور سے دیکھتی۔ اُن سے باتیں کرتی اور باتوں ہی باتوں
میں معلوم کرنے کی کوشش کرتی کہ وہاں کوئی عورت موہنجوداڑو سے تو
نہیں آئی۔ آخر ایک جگہ اُسے معلوم ہوا کہ فلاں محلے میں ایک گھرانہ
ایسا ہے جہاں سے ایک عورت پچھلے ماہ موہنجوداڑو گئی تھی۔

کٹنی فوراً اُس محلے میں پہنچ گئی۔ یہ محلّہ اتفاق سے تھائیس کا محلّہ تھا
اور اسی جگہ اُس کا گھر تھا۔ کٹنی نے تھائیس کے محلے میں آوازیں لگانا
شروع کر دیں اور گھر گھر جھانکنا تاکنا شروع کر دیا۔ ایک روز تھائیس
اپنے مکان کے تہہ خانے سے نکل کے ڈیوڑھی والی کوٹھڑی میں بیٹھی
بال بنا رہی تھی کہ اُس کے کانوں میں ایک عورت کی آواز آئی جو

کانوں کے بُندے اور سنگھار کا سامان فروخت کر رہی تھی۔ کئی روز
سے اُس کا سنگھار کا سامان ختم ہو گیا تھا اور کانوں میں پہننے کو بھی کچھ
نہیں تھا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اُس عورت کو گھر میں بلا کر اُس
سے بُندے خرید لیے جائیں۔ کیونکہ وہ خود تو بازار جا کر خرید نہیں
سکتی۔ اس خیال کے ساتھ ہی اُس نے عورت کو آواز دے کر اندر بلا
لیا۔

کٹنی نے کوٹھڑی میں داخل ہو کر تھائیس کو دیکھا تو اُس کے دل کی
کلی کھل گئی۔ یہی تو وہ عورت تھی جس کی تلاش میں کٹنی بڑپہ کی گلی
کوچوں کی گرد اڑا رہی تھی۔ اُس کا ناک نقشہ ہو بہو ہی تھا جو اُسے
بتایا گیا تھا۔ اب صرف زبانی تصدیق باقی تھی۔ کٹنی نے تھائیس کی
بلائیں لے کر کہا:

”ہائے ماں مر گئی۔ ایسی چندے آفتاب صورت اور کانوں میں

بُندے نہ ہوں۔ میں کس لیے گلی گلی گھوم رہی ہوں۔ یہ لو بُندے۔ یہ دیکھو۔"

کٹنی نے تھائیس کو جھولے میں سے نکال نکال کر قسم قسم کے بُندے اور نگینے جڑے آویزے دکھانے شروع کر دیے۔ تھائیس بُندے اور آویزے بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی اور کٹنی سوچ رہی تھی کہ اُس سے یہ کس طرح معلوم کرے کہ وہ موئنجوداڑو سے ہو کر آئی ہے۔

تھائیس نے ایک بُندوں کی جوڑی پسند کر لی۔ اُس نے قیمت پوچھی تو کٹنی نے جان بوجھ کر زیادہ بتائی۔ تھائیس نے کہا:

"یہ تو بہت زیادہ قیمت ہے۔"

کٹنی نے کہا:

"اری بٹی، تجھے کیا معلوم کہ سولہ سنگھار کیا ہوتا ہے؟ بٹی تو یہاں

ہڑپہ میں بیٹھی ہے۔ جا کر موئنجوداڑو میں کسی بیگم سے پوچھ کہ ان بُندوں کی کیا قدر ہے وہاں؟ میں تو ہر مہینے موئنجوداڑو جا کر شاہی محل کی بیگموں کے ہاں سولہ سنگھار فروخت کرتی ہوں۔"

اِس پر تھائیس نے تنک کر کہا:

"ایسا نہ کہو بڑی بی، موئنجوداڑو مجھ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ میں ابھی ہفتہ بھر ہوا وہیں سے آئی ہوں۔ مجھ سے وہاں کی بیگمیں چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ میں اُن کے سب سولہ سنگھار جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہاں ان کے کیا بھاؤ ہیں۔ اس لیے تو مجھ سے زیادہ قیمت طلب مت کر۔"

کٹنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اب چاہے تھائیس اُس سے بُندے مفت بھی لے لیتی تو اُسے کوئی غم نہ ہوتا۔ کیونکہ تھائیس کی جاسوسی کرنے کے بعد کوتوال سے ملنے والا انعام پکا ہو گیا تھا۔ اُس نے

مسکرا کر اور جھوٹ موٹ شرمندہ سا ہو کر کہا:

"اے بیٹی! تو تو خواہ مخواہ ناراض ہو گئی۔ تجھ سے میں بھلا زیادہ دام کاہے کو لوں گی۔ یہ لے تو آدھی قیمت دے دے۔ بس اب تو خوش ہے نا؟"

"بڑی بی! کل بھی آنا۔ میں تم سے کچھ ہار بھی خریدنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور آؤں گی بیٹی! تمہارے لیے ایسے ایسے خوبصورت ہار لاؤں گی کہ تم نے موہنجوداڑو میں بھی نہ دیکھے ہوں گے بیٹی! اگر اس دفعہ موہنجوداڑو جانا ہوا تو میرے ساتھ چلنا۔ تمہیں اپنی بڑی لڑکی سے ملواؤں گی۔ وہ وہاں کے بڑے امیر سوداگر کی بہو ہے۔"

"اچھا بڑی بی بی! اگر جانا ہوات ہمارے ساتھ چلو گی۔"

"بیٹی تو وہاں کہاں رہا کرتی ہے؟ کیا تیرے وہاں کوئی رشتے دار

ہیں؟"

رشتے دار۔۔۔ وہ رشتے دار۔۔۔ ہاں بڑی بی بی! میرے وہاں رشتے دار ہیں۔ میں اُن ہی کے پاس جا کر ٹھہرا کرتی ہوں۔"

تھائیس کی گھبراہٹ سے کٹنی سمجھ گئی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے اُس کا وہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے اور وہ ضرور وہاں کوتوال کی قید سے فرار ہو کر ہڑپہ پہنچی ہے۔ اُس نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے کہا:

"اچھا بیٹی! اب میں جاتی ہوں۔ کل اسی وقت آؤں گی۔"

کٹنی چلی گئی۔ وہ سیدھا وہاں سے کوتوال شہر کے ہاں پہنچی اور اُنہیں ساری کہانی سنا ڈالی اور کہا کی وہ عورت یقیناً موہنجوداڑو کی مفرور قیدی ہے۔ موہنجوداڑو سے آئے ہوئے سپاہیوں نے کہا کہ وہ ابھی اُن کے ساتھ چلے۔ وہ چھاپہ مار کر اس عورت کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ فوراً ایک دستہ کوتوال شہر کی سرکردگی میں تیار ہو گیا اور تھائیس کے

گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھائیس گھر میں بُندے پہن کر بڑے خوش خوش بیٹھی کڑھائی کا کام کر رہی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور تین سپاہی اندر داخل ہو گئے۔ وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔ سپاہیوں نے اُسے پہچان لیا اور فوراً اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اُسے بڑے سے تھیلے میں بند کر کے گھوڑے پر لاد کر وہاں سے واپس آ گئے۔ کوتوال کو آتے ہی انہوں نے بتا دیا کہ مفرور قیدیوں میں سے عورت گرفتار کر لی گئی ہے۔ انہوں نے رات بھر تھائیس کو الٹا لٹکائے رکھا اور اُسے کوڑوں سے پیٹتے رہے کہ وہ بتائے کہ اُس کا ساتھی کہاں ہے؟ مگر تھائیس نے بالکل نہ بتایا۔ وہ بے ہوش ہو گئی۔ سپاہی اُسے بے ہوشی کی حالت میں ہی لے کر موہنجوداڑو کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُدھر رات کو تھائیس کے باپ نے جب معلوم کیا کہ سپاہی آ کر اُس کی بیٹی کو پکڑ کر لے گئے ہیں تو وہ سر

پکڑ کر بیٹھ گیا۔

سپاہی راتوں رات تھائیس کو لیکر صبح تک موہنجوداڑو پہنچ گئے۔ اور انہوں نے تھائیس کو کوتوال کی معیت میں شہزادے کے حضور پیش کر دیا۔ شہزادے نے سر سے لے کر پاؤں تک تھائیس کو دیکھا اور کہا:

"اِسے شام ہونے سے پہلے پہلے پھانسی پر لٹکا دو۔ اِسے جُرأت کیوں کر ہوئی کہ ہماری قید سے فرار ہو جائے۔"

کوتوال نے تھائیس کو جیل میں ڈال دیا اور شاہی محل کے باہر میدان میں پھانسی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تیسرے پہر تھائیس کو سیاہ لباس پہنا کر شاہی محل کے باہر میدان میں پھانسی دینے کے لیے لے آیا گیا۔

موت کا سایہ

پھانسی محل کی دیوار کے ساتھ لگا دی گئی تھی۔

تھائیس کو سیاہ لباس پہنا دیا گیا تھا۔ جلاد پھانسی کے پاس تیار کھڑا تھا۔ سپاہی تھائیس کو پکڑ کر محل کی دیوار کے سائے میں لے آئے۔

کوتوال نے حکم دیا کہ تھائیس کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ تھائیس کا مارے خوف کے برا حال ہو رہا تھا۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہ تھا۔ وہ حیران تھی کہ یہ ایک ہی دن میں کیا سے کیا ہو گیا۔ اُسے کبھی توقع ہی نہیں تھی کہ اسے پھانسی پر بھی چڑھایا جا سکتا ہے۔ اُس کی آنکھوں سے اپنے باپ اور بھائی شامی کو یاد کر کے آنسو بہہ رہے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ٹھیک اس وقت جب کہ تھائیس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا جا رہا

تھا۔ اُدھر سے عنبر گھوڑے پر سوار گزرا۔ وہ شاہی محل میں شہزادے سے ملاقات کرنے کے بعد مہمان خانے کی طرف جا رہا تھا کہ اُس نے ایک عورت کو پھانسی کے تختے پر کھڑے آنسو بہاتے دیکھا۔

اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس عورت کو اُس نے کہیں دیکھا ہے۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا قریب آ گیا تو اُس نے تھائیس کو اور تھائیس نے عنبر کو پہچان لیا۔ تھائیس نے چیخ مار کر عنبر سے کہا:

''عنبر! مجھے ان ظالموں سے بچاؤ۔ یہ مجھے پھانسی پر چڑھا رہے ہیں۔ میں بے گناہ ہوں۔''

عنبر نے فوراً کوتوال کو حکم دیا کہ تھائیس کو پھانسی کے تختے پر سے نیچے اُتار دیا جائے۔ کوتوال کو معلوم تھا کہ عنبر بادشاہ کا وزیر خاص ہے۔ پھر بھی اُس نے جھک کر عرض کی:

''جناب! ہم اِسے بادشاہ کے حکم سے پھانسی دے رہے ہیں۔

اس عورت نے ہمارے ملک کا سب سے گھناؤنا جرم کیا ہے۔ اس نے ہماری قید سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔"

عنبر نے گرج کر کہا:

"پھانسی روک دی جائے۔ میں بادشاہ سلامت سے ابھی بات کرتا ہوں۔"

"جو حکم حضور۔" کوتوال نے سر جھکا کر تسلیم عرض کی اور سپاہیوں سے کہا کہ وہ تھائیس کو پھانسی کے تختے پر سے اُتار دیں۔ تھائیس کو واپس قید خانے بھجوا دیا گیا اور عنبر وہاں سے سیدھا بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اُس نے بادشاہ سے تھائیس کے بارے میں صاف صاف بات کہہ دی اور اس کی جان بخشی کی درخواست کی۔

بادشاہ نے کہا:

"تمہارا اس عورت سے کیا رشتہ ہے عنبر؟"

عنبر نے کہا:

"وہ میری بہن ہے عالی جاہ۔"

"پھر ہم اُس کی جان بخشی کرتے ہیں۔"

اسی روز بادشاہ کے حکم سے تھائیس کی جان بخشی کا حکم دے دیا گیا۔ عنبر نے تھائیس کو اپنے ساتھ لیا اور اسے اُس کے گھر ہڑپہ پہنچا دیا گیا۔ ہڑپہ میں اُس کا باپ بیٹی کی یاد میں رو رو کر زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔ عنبر نے اُن سے کہا کہ وہ بچی کو لے کر کچھ دنوں کے لیے ہڑپہ سے باہر چلے جائیں۔

تھائیس نے کہا:

"عنبر بھائی، ہمارا تو اس دنیا میں کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے۔ ہم کہیں بھی نہیں جا سکتے۔"

"پھر تم میرے پاس شاہی قلعے کے مہمان خانے میں آ جاؤ۔ اس

لیے کہ یہاں رہنا کسی صورت میں بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ہُن قوم کا حملہ ہونے ہی والا ہے۔ دوسرے لوگ تو مقابلہ کر لیں گے مگر تم اور تمہارا کمزور باپ ایسا نہ کر سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم میرے ساتھ شاہی قلعے میں چلے چلو۔"

"ہم اِسے اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے عنبر بیٹا' ہم تیار ہیں۔"

عنبر تھائیس اور اس کے باپ کو لے کر ہڑپہ سے موہنجوداڑو واپس آ گیا اور یہاں اُس نے دونوں باپ بیٹی کو ایک پُرسکون مکان رہائش کے لیے دے دیا۔ وہ دونوں اُس مکان میں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

موہنجوداڑو پر موت کے سائے منڈلانے لگے تھے اور اِس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ ملکہ عمبکا اپنے خونی وحشی قبائل کے ساتھ موہنجوداڑو کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ وہ شہر کی سرحد کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اِدھر شہزادے کو بھی اُس کے جاسوس ایک ایک پل کی خبر دے رہے

تھے۔ اگرچہ شہزادے نے دشمن کے حملے کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے پورا بندوبست کر رکھا تھا۔ مگر پھر بھی جب اُسے جاسوس آ کر اطلاع دیتے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد بے پناہ ہے تو وہ ذرا سا گھبرا جاتا۔

آخر ملکہ عمبکا کا لشکر پہنچ گیا۔

موہنجوداڑو کی قلعے کی فصیل پر کھڑے سپاہیوں نے دور سے گرد اڑتی دیکھی۔ یہ گرد دیر تک اڑتی رہی۔ پھر انہیں ہُن قوم کے گائے کی ہڈیوں اور بکرے کے سینگوں والے خاص جھنڈے نظر آئے اور جنگی ڈھولوں کی آوازیں سنائی دیں قلعے کے اندر ہر سپاہی چوکس ہو گیا تیر کمانوں پر چڑھا لیے گئے۔ نیزے ہاتھوں میں تھام لیے گئے۔ دشمن نے شہر کی فصیل کے باہر میدان میں خیمے گاڑ دیے۔ کھڑی فصلیں پہلے ہی کاٹی جا چکی تھیں جو رہ گئی تھیں انہیں جلا دیا گیا تھا۔ دشمن کے

سپاہیوں نے بچے کھچے کھیتوں اور کسانوں کے گھروں کو آگ لگانی
شروع کردی۔ جو بوڑھے اور معذور قلعے میں پناہ نہیں لے سکے تھے۔
انہیں قتل کر کے قلعے کی طرف اچھال دیا گیا۔

دس بارہ وحشی ہُن گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر دوڑتے ہوئے
قلعے کی دیوار کی طرف آئے اور انہوں نے بلند آواز میں کہا:

”ملکہ کا حکم ہے کہ اپنے بادشاہ سے کہو شہر کے دروازے ہم پر
کھول دے۔ نہیں تو ہم شہر میں داخل ہو کر موئنجو دارو کے کسی بچے‘
کسی عورت‘ کسی جوان‘ کسی بوڑھے کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

فصیل کے اوپر سے کپتان نے جواب دیا:

”بادشاہ کے حکم سے اپنی ملکہ کو کہو کہ شہر کے دروازے اُن پر ہمیشہ
کے لیے بند کر دیے گئے ہیں۔ اگر ہمت ہے تو ان کے ساتھ ٹکرا کر
دیکھ لیں۔ اُن کے سر توڑ دیے جائیں گے۔“

ہُن گھوڑسواروں نے وحشیوں کی طرح ایک لمبی جنگی چیخ ماری اور
کمان میں سے تیر فصیل کی طرف چھوڑ دیے۔ اُن کے نشانے اس
غضب کے تھے کہ دس کے دس تیروں نے دس کے دس سپاہی نیچے گرا
دیے۔ وہ واپس بھاگ رہے تھے کہ قلعے کی طرف سے بھی تیروں کی
بوچھاڑ ان پر آئی مگر وہ بہت دور نکل چکے تھے۔

بادشاہ کو اپنے دس سپاہیوں کے ہلاک کر دیے جانے کا بہت دُکھ
ہوا۔ اُس نے فوراً عنبر کو طلب کیا اور اُس نے کہا:

”عمبرکا کے وحشیوں نے میرے سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔
اس سے ہمارے لشکر میں بددلی پھیل سکتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ خواہ
کچھ بھی ہو اپنے سپاہیوں کا اعتماد بحال کیا جائے۔“

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا:

”اس کا ایک ہی طریقہ ہے بادشاہ سلامت کہ ایک چھاپہ مار دستہ

تیار کیا جائے۔ جو رات کو شہر کے خفیہ راستے سے نکل کر دشمن کے کیمپ میں جائے اور ان کے زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کو ہلاک کر کے ان کے سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ سر شہر کی فصیل کے باہر لٹکا دیے جائیں۔ صرف اِسی ایک صورت سے اپنی فوج کا اعتماد بحال ہو سکتا ہے۔''

بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اُسے یہ ترکیب پسند آئی۔ اُس نے کہا:

''میں چاہتا ہوں کہ اس منصوبے پر فوری عمل کیا جائے اور تم آج ہی رات اپنی قیادت میں چھاپہ مار دستہ لے کر دشمن پر شب خون مارو۔''

عنبر اس کے لیے تیار تو نہیں تھا لیکن شہزادے کی خواہش کے آگے وہ انکار نہ کر سکا۔ اُس نے کہا:

''ایسا ہی ہو گا بادشاہ سلامت، کل فصیل کی دیوار کے ساتھ دشمن

سپاہیوں کے سر لٹکتے نظر آئیں گے۔''

عنبر نے فوراً چنے ہوئے طاقتور اور بہادر سپاہیوں کا ایک دستہ ترتیب دیا۔ انہیں خاص خاص ہدایت دیں اور سیاہ کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ لے کر آدھی رات کو قلعے کے ایک خفیہ راستے سے باہر نکل گیا۔ دشمن کے خیمے فصیل سے کافی فاصلے پر تھے۔ وہ چھپتے چھپاتے رینگ رینگ کر آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک لمبا چکر کاٹ کر دشمن کے عقب میں پہنچ گئے۔ یہاں دشمن کے خیموں کا ایک حصہ شروع ہوتا تھا۔ ایک خیمے کے باہر آگ جل کر بجھ گئی تھی اور اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

عنبر نے سپاہیوں کو اپنے پیچھے رینگنے کو کہا۔ وہ رینگ رینگ کر چلتا ہوا خیمے کے پاس آ گیا۔ اس نے درز میں سے جھانک کر اندر دیکھا اندر دس بارہ سپاہی بے خبر ہو کر سو رہے تھے۔ عنبر نے سپاہیوں کو اشارہ

کیا۔سپاہیوں نے پلک جھپکنے کے اندر اندر سارے سپاہیوں کے سر کاٹ کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیے سر اس قدر تیزی سے کاٹے گئے تھے کہ اُن میں سے کسی کی آواز تک نہ نکل سکی تھی۔

وہ بڑی تیزی سے خیمے سے باہر نکلے اور رینگتے ہوئے واپس قلعے کی فصیل کی طرف روانہ ہوگئے۔یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ دشمن کو ان کی خبر نہیں ہوئی تھی؛ ورنہ وہیں اُن کی تکا بوٹی کر دی جاتی۔اُسی طرح ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ دشمن کے خیموں سے کافی دور نکل آئے۔اب شہر کی فصیل ان کے سامنے تھی۔اُنہوں نے اپنے فصیل پر کھڑے پہرہ داروں کو خاص اشارہ کیا جس سے وہ سمجھ گئے کہ اپنے سپاہی آرہے ہیں۔وہ بڑے آرام سے خفیہ راستے سے داخل ہو کر قلعے کے اندر آگئے۔صبح کو ان وحشیوں کے کٹے ہوئے سر فصیل کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیے گئے۔

ملکہ عمبکا کو اس دلیرانہ واقعے کی اطلاع ملی تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو گئی۔اُسے کبھی خیال نہ تھا کہ دشمن رات کو اُن کے عقب میں آکر اُس کے سپاہیوں کے سر کاٹ کر لے جائے گا۔ملکہ نے جوش میں آکر اسی وقت حکم دیا کہ شہر پر حملہ کر دیا جائے۔یہ ایک بہت بڑا فیصلہ تھا۔اس لیے کہ عمبکا کی فوج کا سپہ سالار ابھی کچھ روز محاصرہ جاری رکھنا چاہتا تھا۔کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ فصیل بڑی مضبوط ہے اور اُسے آسانی سے توڑا نہیں جا سکتا۔جب کہ اُن کے پاس فصیل توڑنے والی توپیں بھی نہیں تھیں۔مگر وہ ملکہ کے حکم کو ٹال نہیں سکتا تھا۔وہ ملکہ کے آگے بے بس تھا۔اس لیے کہ ملکہ کو پوری قوم پوری فوج کا اعتماد حاصل تھا۔

سپہ سالار نے دبی زبان میں ملکہ سے کہا ایک دم حملہ کرنے میں خطرہ ہے کہ ہمارے سپاہیوں کا زیادہ نقصان ہو مگر عمبکا اُس پر برس

پڑی اور اُسے بزدل اور کمزور سپہ سالار کے طعنے دینے لگی۔ سپہ سالار
مجبور ہوگیا؛ چنانچہ اُس نے شہر پر حملے کا حکم دے دیا۔ فوج آگے
بڑھنے لگی۔ فصیل کے اوپر سے بھی سپاہیوں نے ہُن وحشیوں کو آگے
بڑھتے دیکھ لیا تھا۔ جب وہ کھائی کے قریب آئے تو انہوں نے اُوپر
سے تیروں کی بارش شروع کردی۔ دونوں طرف سے باقاعدہ لڑائی
شروع کردی۔ ہُن یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح وہ کھائی عبور کر کے
فصیل کی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن کھائی میں پانی
بھر گیا۔ کھائی گہری تھی اور پھر پانی میں انسانی خون کے پیاسے مگرمچھ
تیر رہے تھے۔

سپہ سالار کے حکم سے فوراً لکڑی کا پل تیار کر دیا گیا۔ ہُن وحشی
اس پُل پر سے گزر کر فصیل کی دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ اوپر سے اُن پر
تیروں اور نیزوں کی بارش شروع ہوگئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں

ہُن وحشی خون میں تڑپنے لگے۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ ایک
بہادر اور غیور قوم کے سپاہی تھے۔ آگے آکر وہ پیچھے ہٹنا نہیں جانتے
تھے۔ انہوں نے دیوار کے ساتھ سیڑھی لگادی۔ اور اوپر چڑھنے لگے۔
اوپر سے سپاہیوں نے کھولتا ہوا تیل اُن پر انڈیلنا شروع کر دیا۔ لاشیں
جل بھن کر سیڑھیوں پر سے نیچے گرنے لگیں۔ شام تک ہُن قوم کے
ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ لیکن ایک بھی سپاہی شہر کی فصیل کے اوپر
چڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اندھیرا پھیلتے ہی فوراً واپس خیموں میں
آگئی۔

ملکہ عمبکا کو نقصان کا پتہ چلا تو غضب ناک ہو کر سپہ سالار پر برس
پڑی کہ اگر شہر کے دروازے پر حملہ کیا جاتا تو اتنی فوج کبھی ہلاک نہ
ہوتی۔ دوسرے روز شہر کے دروازے پر حملہ کر دیا گیا۔ مگر دروازہ اس
قدر مضبوط تھا کہ اس کا توڑنا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ یہاں بھی بے

شمار وحشی مارے گئے اور باقی پسپا ہو گئے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ حملہ روک دیا جائے اور محاصرہ جاری رکھا جائے۔

عنبر اور شہزادہ بہت خوش ہوئے۔ دو دن میں دشمن کو پے در پے شکستیں ہوئی تھیں اور ان کی فوج کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ عنبر نے شہزادے سے کہا:

”دشمن اپنے زخم چاٹ رہا ہے۔ مگر وہ اب کسی اور انداز سے حملہ کرے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ بادشاہ سلامت کہ وہ ہمارے شہر کا خفیہ دروازہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ وہاں سے گزر کر شہر پر حملہ کیا جا سکے۔“

”ہم نے شہر میں داخل ہونے والے تمام خفیہ دروازے بند کروا کر ان کے اندر کی جانب مسلح پہرہ بٹھا دیا۔ ہمیں اُن کی طرف سے

کوئی فکر نہیں ہے۔“

”وہ تو آپ نے بجا فرمایا بادشاہ سلامت، پھر بھی ہمیں غافل نہیں رہنا چاہیے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دوسرے اُس کے پاس بڑے بڑے ذہین اور ایسے سپاہی موجود ہیں جو اپنی جان کی بازی لگا کر بھی خفیہ راستے تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں بادشاہ سلامت، لیکن ہمیں پہریداروں کی تعداد بڑھا دینی چاہیے۔“

”میں اس کا حکم دیتا ہوں۔“

اِدھر یہ انتظامات ہو رہے تھے اور اُدھر وحشی ہُن بڑی تیزی سے اس منصوبے پر غور کر رہے تھے۔ یہ منصوبہ ملکہ عمبکا نے پیش کیا تھا اور اُس پر غور کرنے کے لیے فوج کے سارے ہی سپہ سالار اُس کے خیمے میں موجود تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ میدان میں سے ایک سرنگ کھودی

جائے جو شہر کی فصیل کے اندر تک چلی جائے۔ عمبکا کا خیال تھا کہ اگر ہماری فوج روت کو اس سرنگ پر کام کرے تو چھ ماہ کے اندر اندر یہ سُرنگ میدانِ جنگ سے لے کر شہر کے اندر تک کھودی جا سکتی ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

''منصوبہ بڑا اچھا ہے ملکہ سلامت' لیکن اگر کسی روز بھی دشمن کو شک پڑ گیا کہ ہم سرنگ کھود رہے ہیں تو ہمارے کیے کرائے پر پانی پھر سکتا ہے۔''

''ہمیں اس سلسلے میں پوری روز داری سے کام لینا ہوگا۔ یہ سرنگ رات کو کھودی جایا کرے گی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی جائے گی۔''

''مگر ملکہ سلامت' دشمن کے جاسوس بھی ہمارے ہاں ضرور چکر لگاتے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے وہ یہ خبر بادشاہ تک پہنچا دیں۔''

''اِس کے لیے میں کہہ چکی ہوں کہ مکمل راز داری سے کام لیا جائے گا۔ سرنگ کھودنے والے سپاہیوں کو سب سے الگ رکھا جائے گا اور اُن کے خیموں کے ارد گرد کسی کو پھٹکنے نہیں دیا جائے گا۔''

''پھر ٹھیک ہے۔ سرنگ پر آج رات ہی سے کام شروع کر دینا چاہیے۔ یہاں کی زمین کچی ہے۔ ہمیں سرنگ کھودنے میں آسانی ہو گی۔''

چنانچہ اُسی رات نقشے تیار کرنے کے بعد سرنگ کھودنی شروع کر دی۔ ہُن وحشیوں کو سرنگیں کھودنے میں بڑے مہارت حاصل تھی۔ اس لیے کہ صحرا گوبی کی گرمی سے بچنے کے لیے وہ اکثر اپنے گھروں کے اندر سرنگیں کھود لیا کرتے تھے۔ یہ کام انہوں نے اتنی محنت اور مہارت سے کیا کہ دس بارہ روز کے اندر اندر انہوں نے کافی لمبی سرنگ کھود لی۔ رات کو سرنگ کھودنے کا کام شروع ہو کر پو پھٹنے تک

جاری رہتا۔ صبح کو یہ کام بند کر دیا جاتا۔ کھدی ہوئی مٹی خیموں کے پیچھے لا کر بچھا دی جاتی۔ اسی طرح تین مہینے گزر گئے۔

سرنگ آدھی سے زیادہ کھودی جا چکی تھی اور سُرنگ کھودنے والے کھائی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ کھائی پر جا کر انہیں سرنگ کو کافی گہرا بنانا تھا تاکہ اندر پانی نہ آجائے۔ یہ کام بھی ان لوگوں نے کمال ہوشیاری اور عقلمندی کے ساتھ کر لیا۔ اُدھر موہنجوداڑو کے شہزادے اور عنبر کو کچھ علم نہیں تھا کہ دشمن اُن کے نیچے نیچے سے ہوتا آگے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ وہ یہ سوچ کر اطمینان سے بیٹھے تھے کہ دشمن نے محاصرہ کر رکھا ہے اور وہ اس روز کا انتظار کر رہا ہے جب موہنجوداڑو کے لوگ محاصرے سے تنگ آکر شہر کے دروازے کھول دیں گے۔

فصیل ٹوٹ گئی

شہر کے محاصرہ کو چھٹا مہینہ جا رہا تھا۔

موہنجوداڑو کے شہر میں معمول کے مطابق کام کاج ہو رہا تھا۔

فصیل کے اوپر سپاہی صبح شام چوکس کھڑے رہتے۔ سامنے میدان میں عمبکا کے وحشی ہُن قبائل خیمے ڈالے پڑے تھے۔ بظاہر ہر شے اپنے مقام پر اپنی جگہ پر تھی۔ بادشاہ کو یہ خیال تھا کہ دشمن صرف محاصرہ کر کے آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔ مگر حقیقت یہ نہیں تھی۔ دشمن نے سرنگ کھود لی تھی اور آج رات اس کی فوج نے موہنجوداڑو کے شہر میں داخل ہو کر عام حملہ کر دینا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہو گئے۔ بادشاہ کی خواب گاہ میں شمعیں

روشن ہوگئیں۔ عود ولوبان سُلگا دیے گئے۔ بادشاہ عنبر کے ساتھ مل کر
غور کرنے لگا کہ محاصرہ اتنا لمبا کیوں ہو رہا ہے۔ کہیں دُشمن کوئی سازش
تو نہیں کر رہے؟ مگر انہوں نے یہی اندازہ لگایا کہ کہیں کوئی سازش
نہیں ہو رہی۔ ہر شے اپنی جگہ پر ٹھیک ٹھاک ہے۔ عمبکا صرف محاصرہ
کر کے انہیں تھکا دینا چاہتی ہے۔ عنبر کی تجویز کے مطابق عمبکا کے سپہ
سالار کو ساتھ ملانے کی ابھی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ
تھی کہ بادشاہ کے خاص جاسوس پہلے روز کے معرکے میں مارے گئے
تھے۔ اب بادشاہ کا خیال تھا کہ عنبر کو اس مہم پر بھیجے۔

"مجھے تم پر بھروسہ ہے عنبر، اور پھر تم عقلمند نوجوان ہو۔ تم بات کو
بڑے خاص انداز سے کرو گے اور مجھے یقین ہے کہ تم عمبکا کے خاص
سپہ سالار کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"میں آج رات ہی محل سے نکل کر دشمن کے خیموں کی طرف جاتا

ہوں اور سپہ سالار سے بات کر کے اُسے پورا لالچ دینے کی کوشش کرتا
ہوں۔"

دشمن رات کے پچھلے پہر سرنگ کے ذریعے داخل ہو کر حملہ کرنا
چاہتا تھا۔ اُس وقت جب کہ موہنجوداڑو کا شہر خواب خرگوش کے مزے
لے رہا ہو۔ عنبر شروع رات میں ہی ایک چرواہے کا بھیس بدل کر شہر
کے خفیہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

عنبر کو جاسوسوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ سپہ سالار کا خیمہ کس
طرف ہے۔ یہ خیمہ میدانِ جنگ کے مغربی جانب تھا۔ عنبر رات کے
اندھیرے میں اونچے نیچے مٹی کے تودوں اور جھاڑیوں کا چکر کاٹ کر
میدان، جنگ کی اُس جانب آ گیا جہاں اس نے مخصوص نشانی سے
سپہ سالار کا خیمہ پہچان لیا تھا۔ وہ چھپتا چھپاتا یہاں تک پہنچا تھا۔ خیمے
کے اندر مشعل روشن ہو رہی تھی۔ وہ آگے بڑھنے لگا۔ خیمے کے قریب

پہنچ کر اُسے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ ابھی وہ اُن آوازوں پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک سات آٹھ سپاہیوں نے اسے لپک کر اپنی گرفت میں لے لیا اور اُسے جکڑ کر بولے:

''کون ہو تم؟''

''ارے یہ تو دشمن کا آدمی ہے۔''

''یقیناً یہ جاسوس ہے۔''

''اِسے قتل کر دو۔''

''نہیں اِسے ملکہ کے پاس لے چلو اور انعام حاصل کرو۔''

عنبر سمجھ گیا کہ وہ گنواروں میں پھنس گیا ہے۔ وہ اُسے مار تو سکتے نہیں تھے مگر ملکہ کے سامنے پیش کر کے اُس کے سارے منصوبے پر پانی ضرور پھیر سکتے تھے اور یہی ہوا۔ ملکہ کا خیمہ وہی تھا جسے عنبر سپہ سالار کا خیمہ سمجھ رہا تھا۔ سپاہی اُسے لے کر خیمے کے اندر آ گئے وہاں

ملکہ عمبکا اپنے بڑے وزیرِ خاص کے ساتھ جنگ کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی۔

''ملکہ عالیہ، یہ شخص دشمن کا جاسوس ہے۔ یہ خیمے کے باہر گھوم رہا تھا۔''

ملکہ نے مشعل کی روشنی میں عنبر کو دیکھا تو اُسے پہچان لیا اور طنزاً ہنس کر کہا:

''تو تم ہمارے ملک میں جڑی بوٹیوں کی تجارت نہیں بلکہ جاسوسی کرنے آئے تھے۔ تم موہنجوداڑو کے بادشاہ کے جاسوس تھے؟''

عنبر نے کہا:

''اگر میں کہوں کہ یہ ٹھیک ہے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟''

ملکہ نے گرج کر کہا:

''میں تمہیں کولہو میں ڈال کر پلوا دوں گی۔''

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"تم پھر بھی مجھے ہلاک نہ کر سکو گی۔ اس لیے کہ میں مر نہیں سکتا۔ ہاں تمہیں ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ اِس شہر کا اگر تم ایک ہزار برس تک بھی محاصرہ کیے رکھو تو کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ جتنے سپاہی تم مروا چکی ہو اُس پر ہی صبر کرو اور لشکر لے کے یہاں سے واپس چلی جاؤ۔"

"بکواس بند کرو۔" ملکہ نے چیخ کر کہا۔ "میں اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔ میری فوج کا ایک ایک سپاہی تمہارے ایک ایک سپاہی کے خون کا پیاسا ہے۔ میں اپنے تمام سپاہیوں کا بدلہ لُوں گی۔ میں اس شہر کو فتح کر کے وہاں کسی انسان کو زندہ نہ چھوڑوں گی۔"

"تم ایسا نہ کر سکو گی۔"

ملکہ نے کہا:

"ان جب کہ تم ہماری قید میں ہو تو تمہیں بتانے میں ہرج نہیں سُنو، میری فوج نے جہاں تم کھڑے ہو وہاں سے لے کر تمہارے موہنجوداڑو کے شہر کے اندر تک سرنگ کھود لی ہے اور آج آدھی رات کے بعد ہم تمہارے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ میری فوج سرنگ کے اندر جمع ہو رہی ہے۔ بولو اب کیا کہتے ہو تم؟"

عنبر نے یہ سُنا تو حیرت میں ڈوب کر رہ گیا۔ اگر ملکہ ٹھیک کہہ رہی تھی تو موہنجوداڑو کا بادشاہ بازی ہار گیا تھا۔ کیونکہ اگر ملکہ کا ٹڈی دل شہر کراندر داخل ہو گیا تو وہ یقیناً شہر پر قبضہ کر لے گا۔ عنبر کو صدمہ ہوا کہ اس بارے میں انہوں نے کبھی نہ غور کیا کہ یہ ہُن قوم کے وحشی تو سرنگ کھودنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

ملکہ نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے سپاہیوں سے کہا:

"اِسے زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دو۔"

سپاہی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی زنجیریں ڈالیں اور اپنے ساتھ لے کر خیمے سے باہر چلے گئے۔ ملکہ عمبکا نے وزیر سے کہا:

"ایک پہر رات ڈھلنے کے بعد ہمیں شہر میں داخل ہو جانا چاہیے۔ میں اس سے زیادہ وقت ضائع نہیں کر سکتی۔"

"ملکہ عالیہ! ایک پہر تو ہمیں بہر حال انتظار کرنا ہوگا۔ ہم نے اپنے لشکر کو یہی وقت دیا ہے اور سپہ سالار اس وقت شہر میں داخل ہونے والے پہلے دستے کی نگرانی کر رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ شہر کا دروازہ کھلتے ہی ہم اپنے باقی ماندہ لشکر کے ساتھ موہنجوداڑو میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے۔"

اور ملکہ دیر تک قہقہے لگا کر ہنستی رہی۔

چار میل لمبی اور کشادہ سرنگ میں ہُن وحشیوں کا ایک دستہ داخل ہو چکا تھا۔ باقی دستے اس کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ یہ ساری جنگی کارروائی رات کے اندھیرے میں اس قدر خاموشی اور راز داری کے ساتھ ہو رہی تھی کہ شہر کی فصیل کے اوپر کھڑے پہریداروں کو بالکل احساس نہیں ہو رہا تھا۔ بے شمار فوج سرنگ میں پہنچ کر رک گئی۔ اُن سب کے پاس تلواریں نیزے اور تیر کمان تھے۔ وہ سب کے سب موہنجوداڑو کے سپاہیوں اور لوگوں سے وحشیوں کی طرح اپنے مَرے ہوئے ساتھیوں کا انتقام لینے پر تُلے ہوئے تھے۔ سپہ سالار اُن کی قیادت کر رہا تھا۔ عنبر نے اُس سے ملاقات کرنے میں دیر کر دی تھی۔ اگر وہ آج کی بجائے ایک روز پہلے اس سے ملاقات کر لیتا تو شاید حالات کا رُخ بدل جاتا۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور عمبکا کی وحشی فوج موہنجوداڑو کے شہر کے نیچے پہنچ چکی تھی۔

دشمن کے سپاہیوں کا جو دستہ آگے تھا۔ انہوں نے زمین کو کھود کر غار کے اوپر ایک دروازے بنا دیا۔ سپہ سالار سب سے پہلے باہر نکلا۔ اُس نے آدھا دھڑ غار کے باہر نکال کر دیکھا کہ موہنجو داڑو کا شہر گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے سپاہیوں کو باہر نکلنے کا اشارہ کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے سپاہی شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے مکانوں کی دیواروں کے ساتھ ساتھ ہو کر شہر کی فصیل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ اُنہوں نے ایک سپاہی کو پہرہ دیتے دیکھا۔ اُسے فوراً مار دیا گیا۔

دشمن چاروں طرف شہر کی فصیل اور دروازوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر انہوں نے وحشیوں کی طرح حلق سے چیخیں نکالیں اور عام حملہ کر دیا۔ موہنجو داڑو کی فوج کے سپاہی دنگ رہ گئے کہ یہ بلا کہاں سے نازل ہو گئی۔ اُنہوں نے سارا بندوبست باہر سے دشمن

سے مقابلہ کے لیے کر رکھا تھا۔ مگر دشمن اندر سے حملہ آور ہو گیا تھا۔ وہ بوکھلا گئے۔ کی ایک نے کھولتے ہوئے تیل کے کڑاؤں کو اس طرح انڈیلا کہ ان کے اپنے سپاہی جل بھُن کر خاک ہو گئے۔ بڑے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ شہزادے کو شاہی محل میں اطلاع ملی تو وہ گھبرایا ہوا محل کی دیوار پر چڑھ کر شہر میں دیکھنے لگا۔ ہر طرف کہرام مچا تھا۔ بُن وحشی سُرنگ کے ذریعے دھڑا دھڑ شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ بادشاہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔

تھائیس نے یہ منظر دیکھا تو بھاگی بھاگی شاہی محل میں بادشاہ کے پاس پہنچی اور پوچھا کہ عنبر کہاں ہے؟ بادشاہ نے اُسے بتایا کہ وہ سپہ سالار سے بات کرنے شہر سے باہر دشمن کے کیمپ میں گیا ہوا ہے۔

تھائیس سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے بادشاہ سے کہا۔

”اے بادشاہ! اس وقت اگر کوئی تمہیں بچا سکتا تھا تو وہ عنبر تھا۔ مگر

اُس کو تو تم نے خود شہر سے باہر بھیج دیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

بادشاہ نے پریشانی کے عالم میں کہا:

"تھائیس اگر تم کچھ کر سکتی ہو تو میں تمہارا احسان کبھی فراموش نہ کروں گا۔ کیا تم کسی طرح عنبر کو بلا سکتی ہو؟"

"یہ کیسے ممکن ہے بادشاہ سلامت' مگر میرا خیال ہے کہ اگر وہ دشمن کی قید میں ہے تو اُسے ضرور معلوم ہو گیا ہو گا کہ بُن وحشی شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔"

"آہ وہ بے چارہ اکیلا انسان کیا کر سکتا ہے۔"

"ایسا نہیں ہے بادشاہ' میں نے اُس اکیلے انسان کو ہزاروں کی فوج کے ساتھ مقابلہ کر کے فتح حاصل کرتے دیکھا ہے۔ اگر اُس نے آپ کی مدد کرنے کا ارادہ کر لیا تو شکست فتح میں بدل سکتی ہے۔"

"پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

"آپ محل کے سارے دروازے بند کروا دیں۔ دشمن ضرور اس طرف بھی آ رہا ہو گا۔ دروازوں کو فوراً بند کروا دیں۔ میں کوشش کرتی ہوں۔ کہ عنبر کو یاد کر کے اُس کے خیال پر اثر ڈالوں۔"

بادشاہ نے حکم دے دیا کہ محل کے سارے لوہے کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ دروازے اُسی وقت بند کر دیے گئے اور محل کی دیواروں پر سپاہی تیر کمان لے کر چڑھ گئے۔ تھائیس نے کمرے کے درمیان میں چوکی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں اور ربِّ عظیم سے دُعا مانگنے لگی۔

اُدھر عنبر کو پتہ چل گیا کہ عمبکا کی فوج موہنجو داڑو کے شہر میں داخل ہو گئی ہے اور وہاں بڑے زوروں کی جنگ ہو رہی ہے۔ مگر چونکہ وحشی بُن اچانک داخل ہوئے تھے اس لیے یقینی بات تھی کہ اُن کا پلّہ بھاری ہو۔ تھوڑی دیر میں شہر کے دروازے بھی اندر سے کھلنے والے تھے

جہاں سے عمبکا نے اپنے فوج کے ساتھ شہر میں فاتح کی حیثیت سے
داخل ہونا تھا۔ عنبر کو سب سے زیادہ خیال تھائیس کا تھا جو شاہی مہمان
خانے میں تھی۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ہُن وحشی جب قتل عام
شروع کر دیں گے تو کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ وہ تھائیس کو بھی
ضرور قتل کر دیں گے اُس کے دل میں تھائیس کو وحشی سپاہیوں سے
بچانے کا جذبہ بڑی شدت سے بیدار ہو گیا۔

اُس نے آنکھیں بند کر کے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر کے دیوی
بلیطیس کو آواز دی۔ ایک فلک شگاف قہقہے کے ساتھ جس کی آواز
صرف وہی سُن سکتا تھا' دیوی اُس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس
نے کہا:

''میں جانتی ہوں تم نے مجھے کس لیے بلایا ہے۔ اگر تھائیس کا
خیال نہ ہوتا تو شاید میں بھی اِدھر کا رُخ نہ کرتی۔ لیکن وہ ایک بے گناہ

لڑکی ہے۔ اُس نے مَردوں کے ہاتھوں بڑے ظلم اُٹھائے ہیں۔ میں
اُس کی ضرور مدد کروں گی۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں دیوی کہ تھائیس کو ظالم وحشیوں سے
بچایا جائے مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ سارے کے سارے
وحشی ہُن قوم کو موہنجو داڑو سے باہر نکال دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایک بھی
دشمن کا سپاہی وہاں رہا تو تھائیس کی زندگی خطرے میں ہو گی اور پھر اُن
لاکھوں بے گناہ عورتوں اور بچوں کی بھی جو موہنجو داڑو میں آرام سے رہ
رہے ہیں اور جنہوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں کہا:

''سنو عنبر! میں تمہیں اُس وقت تک کے لیے ایک طاقت عطا کرتی
ہوں جب تک کہ موہنجو داڑو سے ہُن وحشیوں کا صفایا نہیں ہو جاتا۔ تم
دشمنوں کو شہر سے نکالنے یا انہیں ہلاک کرنے کے لیے جو چاہو گے
وہی ہو گا۔ یہ لو میری انگوٹھی۔ اِسے پہن لو۔ اب تم جس چیز کی خواہش

کرو گے وہ پوری ہو جائے گی۔"

انگوٹھی عنبر کے حوالے کر کے دیوی غائب ہو گئی۔ عنبر نے انگوٹھی پہن لی۔ ابھی وہ چوکی سے اٹھا بھی نہیں تھا کہ چار سپاہی اندر داخل ہوئے اور اُسے گھسیٹتے ہوئے ملکہ عمبکا کے خیمے میں لے گئے۔ عمبکا نے قہقہہ لگایا اور کہا:

"اے کمینے جاسوس' اپنی جاسوسی اور بُن قوم کے ساتھ غداری کا انجام دیکھ لے۔ ہماری آدھی سے زیادہ فوج اس وقت تمہارے شہر میں داخل ہو کر قتل عام کر رہی ہے اور شہر کے دروازے ہم پر بھی کھلنے والے ہیں۔ بول' اب تو کیا کہتا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"تمہاری موت قریب آ رہی ہے عمبکا' اگر تو موت سے بچنا چاہتی ہے تو اسی وقت اِس جگہ سے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں

کے ہمراہ صحرائے گوبی کی طرف فرار ہو جا۔"

"اس کی گردن اتار دو۔" ملکہ نے جوش میں آ کر کہا:

ایک سپاہی نے تلوار کھینچ کر پوری طاقت سے ماری۔ مگر خود منہ کے بل گر پڑا اور تڑپ کر مر گیا۔ دوسرا آگے بڑھا۔ اُس کا بھی یہی حشر ہوا۔ ملکہ نے تیسرے کو آگے بڑھ کر عنبر کو ہلاک کرنیکا حکم دیا۔

تیسرا سپاہی ابھی ایک قدم بھی نہ اٹھا سکا تھا کہ وہیں منہ کے بل گر کر تڑپنے لگا۔ ملکہ عمبکا بوکھلا گئی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے اپنے وزیر کو تیر کمان دے کر کہا:

"اِس کا جسم تیروں سے چھلنی کر دو۔"

وزیر خاص نے کمان پر ایک ساتھ چھ تیر چڑھائے اور جب کھینچ کر مارے تو سارے کے سارے تیر بجائے عنبر کی طرف آنے کے اُس کے اپنے جسم کے پار ہو گئے۔ وہ لہولہان ہو کر زمین پر گرا اور

تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ عنبر نے ہنس کر کہا:

"عمبکا' تیری موت تمہارے سر پر کھیل رہی ہے۔ تمہارے دن پورے ہو گئے ہیں۔ تو نے لوگوں کے ساتھ بڑے ظلم کیے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تجھ سے گن گن کر بدلے لیے جائیں گے۔"

عمبکا کچھ ڈر گئی تھی۔ مگر اُس نے ظاہر نہ ہونے دیا اور چیخ کر وحشیوں کی طرح بولی:

"میں موہنجوداڑو کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔ میرے لشکر کے سپاہی اس وقت قلعے پر قبضہ جما چکے ہوں گے۔ تمہاری یہ جادوگری میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

اتنا کہہ کر وہ باہر نکلی اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی فصیل کی طرف روانہ ہو گئی۔ اُس وقت میدان جنگ میں دن کی روشنی پھیل چکی تھی اور ہُن وحشیوں نے شہر کا بڑا دروازہ کھول دیا تھا جس میں سے عمبکا کی

فوج اندر داخل ہو رہی تھی۔

عنبر خیمے سے باہر آیا۔ وہ بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر کے کھلے دروازے کی طرف گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے لے گیا۔ اُس نے انگوٹھی والا ہاتھ دروازے کی طرف کیا۔ اچانک کھلا دروازہ بڑی طاقت کے ساتھ اپنے آپ بند ہونا شروع ہو گیا اور سینکڑوں سپاہی اُس کے نیچے آ کر کچلے گئے۔ دروازہ بڑی مضبوطی سے بند ہو چکا تھا اور عمبکا اُس کے باہر کھڑی بڑی حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ عنبر گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے پاس آیا اور بولا:

"تمہارا زوال شروع ہو گیا ہے عمبکا۔ دروازہ اب تم پر کبھی نہیں کھلے گا۔ تمہاری اندر کی فوج اندر ہی تباہ کر دی جائے گی اور تمہیں اس فصیل کے نیچے بھسم کر دیا جائے گا۔"

عنبر نے انگوٹھی والا ہاتھ عمبکا کے لشکر کی طرف کیا۔ ایک دم سے

بجلی سی چمکی اور آن میں سارے کے سارے گھوڑے جن پر سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے اور گرتے ہی دم توڑ گئے۔ ایک دم ہزاروں گھوڑے مر گئے تھے۔ سپاہی زمین پر گر پڑے۔ عمبکا دانت پیس کر رہ گئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے سپاہی نیزے لے کر عنبر پر حملہ آور ہوئے۔ جو سپاہی نیزہ لے کر عنبر کی طرف بڑھتا اپنے ہی نیزے سے ہلاک ہو کر تڑپنے لگتا۔

عنبر نے عمبکا کو زمین پر سے اٹھا کر اپنے گھوڑے پر ڈال دیا۔ وہ تڑپ کر اچھلی مگر اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُسے کسی نے پتھر کر دیا ہے۔ بُن قوم کے وحشیوں نے اپنی ملکہ کو بے بسی کے عالم میں دشمن کی قید میں دیکھا تو ایک دم عنبر کی طرف یلغار کر کے بڑھے آسمان پر بجلی ایک بار کڑکی اور شعلے نے لپک کر اُن سب کو جلا کر خاک کر دیا۔

عنبر نے عمبکا کو قید کر لیا تھا۔ وہ شہر کے دروازے میں سے اندر داخل ہو گیا۔ شہر کے اندر ہر طرف ایک کُہرام بپا تھا۔ عمبکا کی فوج نے شہر پر قبضہ کر لیا تھا اور اب شاہی محل کا دروازہ توڑ رہے تھے۔ عمبکا نے چیخ مار کر اپنے سپاہیوں کو کچھ کہنا چاہا۔ مگر آواز اُس کے حلق کے اندر ہی بند ہو کر رہ گئی۔ عنبر نے انگوٹھی کو آسمان کی طرف بلند کیا بجلی کی کڑک نمودار ہوئی۔ اس کے شور سے سارا شہر گونج اُٹھا۔ مکانوں کے در و دیوار ہل گئے۔ اس کے ساتھ ہی عمبکا کے لشکر کا ایک ایک سپاہی جہاں تھا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ سارے کے سارے سپاہیوں کے ہاتھوں سے تلواریں' نیزے اور تیر کمان گر پڑے اور وہ پتھر کا بُت بن گئے۔

تھامیس نے بجلی کی کڑک سے سمجھ لیا تھا کہ عنبر آ گیا ہے۔ بادشاہ شاہی محل کے ایک خاص جھروکے میں چھپا کھڑا یہ سارا منظر اپنی

آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ ایک ہی پل میں سارے کے سارے سپاہی پتھر کا بت کس طرح بن گئے۔ عنبر گھوڑے پر ٹمبکا کو لے کر شاہی محل کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ اُس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ شاہی محل کے بڑے دروازے کی کھڑکی اپنے آپ کھل گئی اور وہ اندر داخل ہو گیا۔ بادشاہ اپنے درباریوں اور سپہ سالار کے ساتھ آگے بڑھ کر عنبر کے خیر مقدم کو آیا۔ عنبر نے سب سے پہلے پوچھا:

”میری بہن تھائیس کہاں ہے؟“

بادشاہ نے کہا:

”گھبرانے کی بات نہیں عنبر! تھائیس زندہ ہے اور محل کے حرم میں دوسری بیگمات کے ساتھ بڑے سکون کے ساتھ بیٹھی ہے۔ اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ تم آ گئے ہو اور ہماری شکست فتح میں بدل گئی ہے۔“

عنبر بادشاہ اور درباریوں کے ساتھ شاہی محل کے حرم میں آ گیا اور وہاں تھائیس سے ملاقات کی۔ تھائیس کو زندہ سلامت دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ اُس کی آمد سے پہلے پہلے اگر کوئی سپاہی محل میں داخل ہو کر اُسے ہلاک کر دیتا تو وہ اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا بادشاہ بے حد حیران تھا کہ عنبر نے یہ کیا کمال کر دکھایا کہ دشمن کے اُوپر اُٹھے ہوئے ہاتھ کو پتھر کر دیا۔ اُس نے عنبر سے پوچھنے کی کوشش کی۔ مگر عنبر نے صرف اتنا کہا:

”اے بادشاہ! یہ ربِّ عظیم کا تم پر فضل ہوا ہے۔ اس لیے اب تم پر لازم ہے کہ رعایا کے ساتھ ناانصافی اور ظلم نہ کرو۔ ہر شخص کو اُس کا حق دو اور گناہوں سے توبہ کرو! ورنہ اِس شہر پر اگر اب کوئی تباہی آئی تو لوگ اُسے ہمیشہ مردوں کا شہر کہہ کر پکارا کریں گے۔“

بادشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ ایک انصاف پسند اور نیک دل

بادشاہ بن کر رعایا پر حکمرانی کرے گا۔ کبھی کسی غریب کے ساتھ ظلم نہیں
ہونے دے گا۔ جو کوئی بھی ایسا کرے گا اُسے عبرت ناک سزا دی
جائے گی۔ عنبر نے عمبکا کو شاہی فوج کے حوالے کیا اور خود اپنی بہن
تھائیس کو لے کر اپنی حویلی کی طرف چل پڑا۔

زہر کا پیالہ

شاہی جادوگر کی موت کے بعد اُس کا شاگرد اندھوپ انتقام لینے
کی فکر میں تھا۔

اندھوپ اصل میں تبت کا رہنے والا تھا۔ وہ چھوٹا سا تھا کہ اس
کے ماں باپ مر گئے۔ اُسے اُس کے چچا نے پالا جو تبت کے شاہی
مندر میں پجاری تھا۔ اندھوپ جب بڑا ہوا تو اُس نے تبت کے
پجاریوں سے کالا علم اور جادو وغیرہ سیکھنا شروع کر دیا۔ چچا کے مرنے
کے بعد اندھوپ اکیلا رہ گیا۔ دوسرے پجاریوں نے مندر پر قبضہ کر
لیا اور اندھوپ کو نکال دیا۔ وہ تبت سے گرتا پڑتا۔ سفر کی مصیبتیں

برداشت کرتا گندھارا سے ہوتا ہوا موہنجوداڑو آ گیا۔ شہران دنوں بہت ترقی یافتہ تھا اور یہاں کے جادوگر ملک ملک میں مشہور تھے۔ اندھوپ یہاں کے شاہی جادوگر کا شاگرد ہو گیا۔ ابھی اُسے شاگردی کیے دوسرا سال ہی جاری تھا کہ عنبر کے ساتھ اس کے استاد کا مقابلہ ہو گیا جس میں اندھوپ کا اُستاد مارا گیا۔

اندھوپ کو مَرتے وقت اُس کا استاد کہہ گیا تھا کہ عنبر سے جو کہ میرا دشمن ہے انتقام ضرور لینا۔ اُس وقت تو اندھوپ اپنے ایک ساتھی شاگرد کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔ مگر اُس کے دل میں انتقام کی آگ اُسی طرح بھڑک رہی تھی۔ دوسرے شاگرد نے یہ کہہ کر قرطاجنہ کی راہ لی کہ وہ وہاں جا کر قسمت آزمائی کرے گا۔ مگر اندھوپ نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک وہ عنبر سے اپنے استاد کی موت کا بدلہ نہیں لے گا چین سے نہیں بیٹھے گا۔ وہ بھیس بدل کر موہنجوداڑو میں واپس آ گیا

تھا۔ ہُن قوم کے حملے کے وقت بھی وہ موہنجوداڑو میں ہی تھا اور شہر سے باہر والے ویران مندر میں چھپا ہوا تھا۔ جب ملکہ عُمبکا کو شکست ہو گئی تو وہ مندر سے باہر نکل آیا۔ اُسے معلوم ہوا کہ شاہی جادوگر عنبر نے شاہی پجاری کو بھی ہلاک کروا دیا ہے۔ اُس کے دل میں عنبر کے خلاف اور نفرت پیدا ہو گئی۔

اُس نے فقیر کا بھیس بدل لیا اور عنبر کی تلاش میں پھرنے لگا۔ عنبر شاہی محل میں زیادہ وقت گزارتا تھا اور اندھوپ ایک فقیر کے بھیس میں شاہی محل میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے یہ پتہ کر لیا تھا کہ عنبر کے پاس اس کی بہن تھائیس دوبارہ واپس آ گئی ہے اور دونوں بہن بھائی شاہی مہمان خانے سے اٹھ کر اپنی پُرانی حویلی میں آ گئے ہیں۔

اندھوپ کے لیے اب آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ شاہی مہمان خانے کی نسبت حویلی میں وہ زیادہ آسانی سے عنبر کے خلاف کوئی انتقامی

کاروائی کرسکتا تھا۔عنبر کو وہ اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اُس سے
بڑا جادوگر تھا۔جس نے اُستاد کو اپنے جادو سے ہلاک کردیا ہو وہ
شاگرد کو کیا سمجھے گا بھلا؟

یہی وجہ تھی کہ جب اندھوپ کو معلوم ہوا کہ عنبر کی بہن تھائیس اس
کے پاس حویلی میں واپس آگئی ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔عنبر سے انتقام
لینے کا وقت آگیا تھا۔وہ تھائیس کو اغوا کر کے اپنے ساتھ واپس تبت
لے جا کر عنبر سے اپنے استاد کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔تبت میں
اب جس پجاری کا اثر رسوخ تھا وہ اندھوپ کے چچا کا دوست تھا۔
اُسے پوری امید تھی کہ تھائیس کو وہاں سے لے جا کر وہ بڑے پجاری
سے مل کر اُسے لون دیوتاؤں کے بُتوں کے سامنے قربان کرا سکتا
ہے۔یہی اُس کا سارا منصوبہ تھا۔وہ ہر قیمت پر تھائیس کو اغوا کر کے
تبت لے جا کر اغوا کرادینا چاہتا تھا۔عنبر کس وقت گھر پر نہیں ہوتا اور

تھائیس کس وقت گھر پر کس جگہ ہوتی ہے۔اُسے یہ بالکل خبر نہیں تھی
کہ عنبر تھائیس کو ہڑپہ اُس کے باپ کے پاس چھوڑنے کے بعد خود
تبت جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔اگر اُسے اس کی خبر ہوتی تو وہ ضرور
تھائیس کے ہڑپہ پہنچنے کا انتظار کرتا۔چونکہ اُس کا خیال تھا کہ تھائیس
اب عنبر کے پاس موہنجوداڑو میں ہی رہے گی۔اِس لیے اُس نے تیزی
سے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

وہ کئی بار فقیر کے لباس میں خیرات کے لیے آواز لگاتا اُس گلی میں
سے گزرا جہاں عنبر کی حویلی تھی اور جس میں تھائیس رہتی تھی۔ایک بار
اُس نے تھائیس کو حویلی کی کھڑکی میں بھی کھڑے گلی میں جھانکتے
دیکھا۔مگر تھائیس کو گلی میں اکیلی آنے سے عنبر نے بڑی سختی سے منع کر
رکھا تھا۔۔اندھوپ نے فقیر کے بھیس میں جب بھی آواز لگائی تو
تھائیس ہمیشہ کھڑکی میں کھڑی ہو کر اُسے خیرات دیا کرتی۔اندھوپ

چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح چھت سے اُتر کر ڈیوڑھی میں آجائے‘ مگر
تھائیس چھت سے کبھی نہیں اترتی تھی۔ ایک روز اندھوپ نے آواز
لگائی تو تھائیس نے کھڑکی میں آ کر اُسے خیرات دی۔ اندھوپ نے
اُوپر سے گرایا ہوا سکہ اپنی جھولی میں تھام لیا اور منہ اُوپر اُٹھا کر کہا:

”بیٹی‘ دیوتا تم پر بڑے مہربان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے
بڑے دکھ سہے ہیں۔ تمہاری قسمت میں ابھی اور بھی دُکھ لکھے ہوئے
معلوم ہوتے ہیں۔ اگر تم مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ تو میں تمہاری قسمت کی
لکیریں دیکھ کر تمہاری تقدیر کا سارا حال بتا دوں گا۔“

تھائیس کا بڑا دل چاہتا تھا کہ وہ فقیر کو ہاتھ دکھا کر قسمت کا حال
معلوم کرے۔ ظاہر ہے اگر فقیر نے یہ بات سچ بتا دی تھی کہ اُس نے
بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں تو وہ اُس کے مستقبل کا حال بھی بتا سکتا تھا۔ مگر
وہ نیچے آنے سے گھبراتی تھی۔ اُس نے اندھوپ کی بات ٹال دی اور

کھڑکی بند کر دی۔ اندھوپ چلا گیا۔ اگلے روز آ کر اُس نے ایک بار
پھر تھائیس کو دیکھ کر ہاتھ اُٹھا کر کہا:

”بیٹی‘ تم پر ایک زبردست مصیبت آنے والی ہے۔ اگر تو فقیروں
کو ہاتھ دکھا دے تو اُس کا پہلے سے علاج ہو سکتا ہے۔“

تھائیس مصیبت کے نام سے ڈر گئی۔ اُس نے سوچا نیچے ڈیوڑھی
میں بیٹھ کر فقیر کو ہاتھ دکھانے میں کیا حرج ہے۔ اُس نے کہا:

”بابا‘ میں ڈیوڑھی میں آتی ہوں۔“

چالاک اندھوپ بڑا خوش ہوا۔ آخر تھائیس اس کے جال میں
آ گئی تھی۔ اُس نے ہر قسم کا انتظام کر رکھا تھا۔ اُسے اگر ضرورت تھی تو
اس بات کی کہ کسی طرح تھائیس اپنے مکان کے چوبارے سے اُتر کر
ڈیوڑھی میں آ جائے۔ وہ مکان کی ڈیوڑھی کے ساتھ ہو کر کھڑا ہو گیا۔
تھوڑی دیر میں تھائیس چوبارے سے اتر کر نیچے آئی اور اُس نے

آہستہ سے دروازہ کھول کر ہاتھ باہر نکال دیا۔

"بابا! لو میری قسمت کا حال بتاؤ۔"

اندھوپ نے بڑی محبت سے کہا:

"بیٹی! یہ جگہ بھی کوئی ہاتھ دکھانے کی جگہ ہے یہاں سے سب لوگ آ جا رہے ہیں۔ دروازہ ذرا سا کھول دو۔ میں ڈیوڑھی میں آ کر اطمینان سے تمہارا ہاتھ دیکھوں گا اور تمہیں تمہاری قسمت کا ذرا ذرا سا حال بتا دوں گا۔"

تھائیس آخر ایک ناسمجھ عورت تھی وہ اس کے فریب میں آ گئی۔

اُس نے دروازے کا پٹ ذرا سا کھول کر اندھوپ کو اندر بلا لیا۔ اندر آ کر مکار فقیر نے اپنے اردگرد ہوشیاری سے دیکھا اور پوچھا:

"بیٹی! کیا تم اِس گھر میں اکیلی رہتی ہو؟"

"نہیں بابا! میرا بھائی میرے ساتھ رہتا ہے۔"

"مگر وہ تو مجھے کہیں دِکھائی نہیں دیتا۔"

"وہ شاہی محل گیا ہوا ہے۔ شام کو آئے گا۔"

اندھوپ سمجھ گیا کہ شام تک وہ اس گھر میں اکیلی ہے اور وہ بڑے اطمینان سے اسے وہاں سے اغوا کر کے لے جا سکتا ہے۔ تھائیس نے اپنا ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا:

"بابا! اب مجھے بتاؤ کہ وہ کون سی مصیبت ہے، جس کا تم ذکر کر رہے تھے؟"

اندھوپ نے ہاتھ کی لکیروں کو یوں ہی دیکھتے ہوئے کہا:

"ایک بہت بڑی مصیبت تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ تم ایک بار اپنے کسی دشمن کی قید میں پڑ جاؤ گی۔ وہ تمہیں دور دراز کے سفر پر لے جائے گا۔ تم اُس مچھلی کی طرح تڑپو گی جو پانی سے باہر آ گئی ہو۔ مگر تم وہاں سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکو گی۔"

تھائیس گھبرا گئی:

''پھر کیا ہوگا بابا؟''

''پھر تم پر ایک آفت آن پڑے گی۔ تم روتی رہو گی اور تمہارے آنسو پونچھنے والا کوئی نہ ہوگا۔ تم راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دیوتاؤں کو پکارو گی۔ مگر کوئی دیوتا تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔''

''بابا' تم نے تو مجھے ڈرا دیا ہے۔ کیا میرا انجام موت ہوگا؟''

''ایسا بھی ہوسکتا ہے بچی' اگر تم نے اس کا علاج پہلے سے نہ کیا تو ایسا بھی ہوسکتا ہے۔''

''علاج کیا ہے بابا؟''

''کیا تمہارے مکان میں کہیں چولہا ہے؟''

''ہاں بابا' اُوپر والے کمرے میں ہے۔''

''مجھے وہاں لے چلو' میں اُس چولہے کی راکھ پر منتر پڑھ کر اُسے

پھونک مار کر تمہیں پانی میں گھول کر پلاؤں گا۔ اس کے پینے کے بعد تمہاری آفت ٹل جائے گی۔ تمہاری مصیبت تم سے دور ہو جائے گی۔ بس یہی ایک تمہاری مصیبتوں کا علاج ہے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اگلے برس تم کسی پردیسی ملک میں تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گی۔''

تھائیس تو کانپ کر رہ گئی۔ بے چاری شروع کے دن ہی سے مصیبتیں سہہ کر آ رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اب بھی وہ کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہونے والی ہے۔ بابا ٹھیک کہہ رہا ہے؛ چنانچہ اُس نے اندھوپ سے کہا:

''میرے ساتھ اوپر آ جاؤ بابا۔''

مکار بوڑھا تھائیس کے ساتھ حویلی کی درمیانی منزل میں آ گیا۔ راستے میں وہ ہر ایک شے کا جائزہ لیتا گیا کہ کون سی شے کہاں رکھی ہے۔ ایک چوبارے میں دیوار کے ساتھ چولہا بنا تھا۔ تھائیس نے

وہاں سے تھوڑی سی راکھ لے کر مٹی کی رکابی میں رکھ کر بابا کو پیش کی۔
اندھوپ نے کہا:

"بیٹی بھاگ کر اندر سے پانی کا کٹورہ لے آ۔"

تھائیس پانی لینے اندر گئی تو اندھوپ نے جلدی سے جیب میں سے ایک سفوف نکال کر اُس راکھ میں ملا دیا۔ تھائیس اتنے میں پانی کا کٹورہ لے کر آ گئی۔ اندھوپ نے راکھ میں سے ایک چٹکی لے کر پانی کے کٹورے میں ڈالی اور اس پر منتر پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک منتر پڑھنے کے بعد اُس نے کٹورے پر پھونک ماری اور کہا:

"یہ لے بیٹی! دیوتاؤں کا نام لے کر اِسے پی جا۔ تمہاری ساری مصیبتیں اس کے پیتے ہی ٹل جائیں گی۔"

تھائیس ذرا رُکی۔ اندھوپ نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"اگر تو نے پانی پینے میں دیر کر دی تو دیوتا تم پر ناراض ہو جائیں

گے۔ وہ تم پر اپنا قہر نازل کر دیں گے۔ عذاب نازل کر دیں گے۔ پھر تم پر ایسی مصیبت پڑے گی کہ تو دشمنوں کی قید میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے گی۔"

تھائیس لرز گئی اور اس کے ساتھ ہی اُس نے کٹورہ ہونٹوں سے لگایا اور غٹا غٹ کر کے سارے کا سارا پانی پی گئی۔ پانی کے پیتے ہی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اُسے ہر شے چکر کھاتی نظر آنے لگی۔ اُس نے آووز نکالنی چاہی مگر اس کی آواز اُس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ ایک بار پھر اس کے ساتھ فریب ہو گیا ہے۔ اُس نے بوڑھے کے گلے کو دبوچ لینا چاہا مگر اس کے ساتھ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہل سکی۔ وہ جیسے اندھی اور پتھر بن کر رہ گئی۔ اس کا سر ایک بار چکرایا اور وہ فرش پر گرتے ہی بے ہوش ہو گئی۔

اندھوپ کے سفوف نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔ تھائیس بے ہوش

ہوگئی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ تھائیس کو شام سے پہلے ہوش نہیں آئے گا اور عنبر بھی شام سے پہلے حویلی میں نہیں آئے گا۔ اندھوپ نے تھائیس کو اٹھا کر ایک کمرے میں بند کیا اور خود حویلی سے نکل کر موہنجوداڑو کے ایک غریب سے محلے میں آگیا۔ یہاں اُس نے دو عورتوں کو پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ وہ دونوں عورتیں گھر میں بالکل تیار بیٹھی تھیں۔

اندھوپ نے اندر جاتے ہی کہا:

''تھائیس بے ہوش ہو کر اپنی حویلی میں پڑی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم اسے وہاں سے اٹھا کر جہاں میں نے کہا ہے وہاں پہنچا دو۔''

''ہمارا انعام کیا ہے؟'' ایک عورت نے کہا۔

''جس وقت تھائیس تم میرے حوالے کر دو گی۔ تمہیں تمہارا انعام دے دیا جائے گا۔ وہ اِس وقت میرے جیب میں ہے۔''

اور اندھوپ نے اُن عورتوں کو جھولے میں سے سونے کے سکے نکال کر دکھائے۔ سونے کے سکے دیکھ کر لالچی عورتوں کے منہ میں پانی بھی آیا۔ اُنہوں نے ایک چارپائی اٹھائی اور جلدی سے باہر نکل گئیں۔ اُن کے نکلتے ہی اندھوپ بھی باہر نکل گیا۔ وہ سیدھا شہر سے باہر پُرانے ویران مندر کے ٹیلے کے دامن میں جا کر چھپ گیا۔

اُدھر دونوں مکار عورتیں چارپائی لے کر عنبر کی حویلی پہنچ گئیں۔

اُنہوں نے بے ہوش تھائیس کو چارپائی پر ڈال کر اوپر چادر ڈالی اور کندھوں پر چارپائی اٹھا کر باہر آگئیں۔ دو ایک آدمیوں نے پوچھا کہ وہ کس کو چارپائی پر ڈال کر لے جا رہی ہیں؟

اُنہوں نے روتے ہوئے جواب دیا:

''ہماری بھتیجی بیمار تھی، بے ہوش ہوگئی ہے۔ اسے حکیم کے پاس لے جا رہی ہیں۔''

کسی نے اُن پر شک نہ کیا۔ کیونکہ اُس زمانے کا رواج بھی یہی
تھا۔ جو کوئی بیمار ہوتا یا بے ہوش ہوتا اُسے چارپائی پر ڈال کر حکیم کے
پاس لے جاتے۔ اگر بچ رہتا تو واپس گھر آجاتا اور اگر مر جاتا تو وہیں
سے قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیتے۔ دونوں مکار عورتیں چارپائی
پر بدنصیب تھائیس کو ڈالے شہر کے گلی کوچوں سے گزرتیں باہر
آ گئیں۔ میدان میں سے ہو کر وہ اس پگ ڈنڈی پر ہو لیں جو شہر سے
باہر والے ویران مندر کی طرف جا رہی تھی۔ ٹیلے کے پاس اندھوپ
ایک تیز رفتار اونٹنی لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔ جوں ہی اُسے عورتیں چار
پائی اُٹھائے آتی نظر آئیں۔ وہ اونٹنی لے کر اُن کے پاس چلا گیا۔

"پہلے انعام لاؤ۔ پھر تھائیس کو ہاتھ لگانا۔"

"میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ تم گھبراؤ نہیں۔"

اندھوپ نے جھولے میں سے سونے کے بہت سے سکے نکال کر

اُن عورتوں کے حوالے کر دیے۔ سونے کے سکے لے کر عورتیں
بہت خوش ہوئیں۔ اندھوپ نے تھائیس کو اٹھا کر اونٹنی کے اوپر رکھے
کجاوے میں ڈال کر اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور اُسے رسی سے
اچھی طرح کس کر باندھ دیا۔ پھر وہ خود بھی اونٹنی پر بیٹھ گیا اور اُسے
ایسی ایڑ لگائی کہ وہ ملک گندھار کی طرف دوڑنے لگی وہ گندھار سے
کافرستان کی طرف ہوتا ہوا تبت کی طرف نکل جانا چاہتا تھا۔

یہ ایک بہت لمبا سفر تھا۔ مگر اندھوپ نے سفر کا سارا بندوبست کر
رکھا تھا۔ اُس نے اتنی خوراک اور پانی جمع کر لیا تھا کہ ان دونوں کے
لیے وہ دو مہینے تک کافی تھا۔ پھر وہ اِس علاقے کے چپے چپے سے
واقف تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ کس جگہ سے پانی مل سکتا ہے اور کس جگہ
پھلوں کے جنگل ہیں' بلکہ راستے میں اُس کے دوست بھی تھے جن
کے پاس وہ قیام کر کے تازہ دم بھی ہو سکتا تھا۔ ان دنوں یہی راستے

تھے جن سے ہو کر قافلے دوسرے ملکوں میں جایا کرتے تھے اور لوگوں
نے قافلوں کی سہولت کے لیے راستے میں جگہ جگہ پانی کے کنوئیں اور
سایہ دار درخت لگا رکھے تھے۔

اندھوپ کی اونٹنی ساری رات میدان میں سفر کرتی رہی۔ آدھی
رات کے وقت تھائیس کو ہوش آ گیا۔ اندھوپ نے اُس کے منہ سے
رومال نکال دیا۔ تھائیس نے دیکھا کہ اُس کے سامنے کجاوے میں
ایک نوجوان آدمی بیٹھا تھا۔ اُس نے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

اندھوپ نے ہنس کر کہا:

"میں نے داڑھی اُتار دی ہے۔ اگر تم تھوڑا سا غور کرو تو مجھے
ضرور پہچان لوگی۔ میں وہی فقیر ہوں جس نے تمہارا ہاتھ دیکھ کر تمہیں
قسمت کا حال بتایا تھا۔"

"تم۔۔۔ تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟"

"ایک ایسے ملک میں جہاں کوئی بھی تمہاری مدد کو نہ آ سکے گا۔
یہاں تک کہ اگر تمہارا بھائی عنبر ساری عمر بھی ٹکریں مارتا رہے تو تمہارا
ٹھکانہ معلوم نہ کر سکے گا۔"

"تم میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہو؟ میں نے تمہارا کیا
بگاڑا ہے؟"

"تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا، مگر تمہارے بھائی نے میرے استاد
شاہی جادوگر کو ہلاک کیا ہے۔ میں اُس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔"

"مگر اُس کا انتقام تم مجھ سے کیوں لے رہے ہو؟"

"اس لیے کہ عنبر سے میں اسی طرح انتقام لے سکتا تھا کہ اُس کی
بہن کو اغوا کر کے اُس سے ہمیشہ کے لیے دور کر دوں۔ اس کے سوا
اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔ عنبر پر ہمارے جادو کا اثر نہیں ہوتا۔"

"دیوتاؤں کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ مجھ سے بدلہ نہ لو۔ میں تو بے گناہ ہوں۔"

اندھوپ نے تھائیس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارتے ہوئے کہا:

"خبردار! اگر پھر زبان چلائی۔ خاموش رہ کر میرے ساتھ بیٹھی رہو۔ اگر زیادہ بات کی تو ابھی خنجر سے تمہارا گلا کاٹ کر تمہاری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اِس اُونٹنی کو کھلا دوں گا۔"

تھائیس بے چاری سہم کر چُپ ہوگئی۔ کمزور عورت تھی آخر۔۔۔ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اونٹنی سفر کرتی رہی اور تھائیس کجاوے میں بیٹھی سوچتی رہی کہ اُس کا انجام کیا ہوگا؟ اُسے اپنے بھائی عنبر کا خیال آ گیا کہ جب شام کو اُس نے گھر میں اسے تلاش کیا ہو گا اور اُسے نہیں پایا ہو گا تو بے چارہ کس قدر پریشان نہیں ہوا ہو گا۔ خدا

جانے وہ کس حال میں ہوگا اور اُس کی تلاش میں کہاں کہاں مارا مارا نہیں پھر رہا ہوگا۔ اس کو کیا معلوم کہ اُس کی بہن تھائیس ایک مکار شخص کی قید میں پھنس کر کسی نہ معلوم منزل کی طرف سفر کر رہی ہے۔

عنبر کے ساتھ ہوا بھی ایسے ہی تھا۔

شام کو وہ شہزادے سے مل کر واپس حویلی میں آیا تو خلاف معمول دروازہ کھلا تھا۔ اس کا ماتھا وہیں ٹھنکا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اُس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حویلی کی ڈیوڑھی میں قدم رکھا اور تھائیس کو آواز دی۔ مگر کوئی جواب نہ آیا۔ وہ اوپر آ گیا۔ اُس نے حویلی کا کونہ کونہ چھان مارا مگر تھائیس کا نشان تو نہ ملا۔ صرف چولہے کے پاس راکھ بکھری ہوئی تھی اور پانی پینے کا ایک خالی کٹورہ وہاں پڑا ہوا تھا۔ اس نے کٹورے کو سونگھا تو اُس میں سے ایک ایسے زہریلے سفوف کی بُو آئی جو صرف ایک طبیب اور جڑی بوٹیوں کا ماہر حکیم ہی

محسوس کر سکتا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ تھائیس کے ساتھ ایک مرتبہ پھر ظلم ہوا ہے اور اُسے کوئی اغوا کر کے لے گیا ہے۔ وہ گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ آخر اُسے کون اغوا کر کے لے جا سکتا تھا؟

ملکہ فرار ہو گئی

ایک اور مصیبت بیٹھے بٹھائے سر پر آن پڑی تھی۔

عنبر نے ملک تبت کو جانے کی ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں کہ اچانک تھائیس کی گمشدگی نے اس کے ذہن کو پریشان کر کے رکھ دیا۔

اُس نے محلے میں لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو اُسے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ دو عورتوں نے بے ہوش تھائیس کو چارپائی پر اٹھا رکھا تھا اور کہتی تھیں کہ اسے حکیم کے پاس لے جا رہی ہیں۔ کسی کو عورتوں کے حلیے یاد نہیں تھے۔ آخر ایک محلے کی عورت نے عنبر سے کہا:

''اُن عورتوں میں سے ایک عورت کو میں جانتی ہوں بیٹا۔''

عنبر نے بے تابی سے پوچھا:

"ماں، جلدی بتاؤ وہ عورت کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟"

بوڑھی عورت نے بتایا:

"وہ ایک بیوہ عورت ہے اور مُردہ عورتوں کو غسل دیتی ہے۔
یہاں سے دو محلے چھوڑ کر اینٹوں کے بھٹے کے پاس اس کا گھر ہے۔
اُس کی پکی نشانی یہ ہے کہ اس کا ایک دانت باہر کو نکلا ہوا ہے۔"

"تمہیں اچھی طرح یاد ہے ماں کہ یہ وہی عورت تھی؟"

"ہاں بیٹا، وہی عورت تھی۔ میں اُسے کبھی نہیں بھول سکتی۔ اُس
نے میری بیٹی کی لاش کو غسل دیا تھا۔"

عنبر نے گھوڑا نکالا۔ اُس پر سوار ہوا اور مُردوں کو غسل دینے والی
عورت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ پوچھتے پوچھتے وہ اس محلے میں پہنچ
گیا۔ اُسے عورت کا مکان بھی مل گیا۔ یہ ایک کچا سا مکان تھا جس کے

دروازے کے آگے اونٹ کی کھال کا پردہ گرا ہوا تھا۔ عنبر نے عورت کو
آواز دی۔ اُس عورت نے جھانک کر باہر دیکھا:

"کون ہو تم بھائی؟"

عنبر نے کہا:

"میرے پاس سونے کے کچھ سکے ہیں اور میری بڑی بہن کی
میت کو جا کر غسل دے دو۔ وہ آج ہی مر گئی ہے۔"

لالچی عورت نے کہا:

"اندر آ جاؤ بیٹا، باہر کیوں کھڑے ہو؟"

عورت نے عنبر کو اندر بلا لیا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ جوں ہی
عورت نے پردہ نیچے کیا۔ عنبر نے خنجر نکال کر عورت کی شہ رگ پر رکھ دیا
اور اُسے کہا:

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ جس عورت کو تم بے ہوش کر کے چارپائی پر

ڈال کر لے گئی تھیں وہ کہاں ہے؟"

اُس کی تو جان ہی نکل گئی۔ وہ ذرا ہچکچائی۔ عنبر نے خنجر کی نوک اُس کے گلے میں چبھوتے ہوئے کہا:

"اگر تم نے سچ سچ نہ بتایا تو میں اسی وقت اِسی جگہ تمہیں ہلاک کر کے پھینک جاؤں گا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔"

عورت نے کانپتے ہوئے کہا:

"بتاتی ہوں۔ ابھی بتاتی ہوں۔" "جلدی بتاؤ۔"

"وہ۔۔۔ اُسے شاہی محل کے پُرانے جادوگر کے شاگرد اندھوپ نے اغوا کرلیا ہے۔ وہ حویلی میں لڑکی کو بے ہوش کر کے ہمارے پاس آیا تھا۔ ہم اُس لڑکی کو چارپائی پر ڈال کر شہر کے باہر والے پُرانے مندر میں لے گئیں۔ جہاں سے اندھوپ نے اُسے اُونٹنی پر بٹھایا اور بھاگ گیا۔"

"کدھر گیا ہے وہ؟" عنبر نے خنجر کی نوک اور چبھوتے ہوئے کہا۔

"وہ۔۔۔ وہ کہتا تھا کہ میں ملک گندھارے ہو کر تبت جاؤں گا۔"

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہو۔"

"کیا اُس وقت تھائیس ہوش میں تھی؟"

"نہیں۔۔۔ وہ بے ہوش تھی۔"

عنبر نے ایک جھٹکے سے بوڑھی عورت کو پرے پھینک دیا۔ وہ اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس اپنی حویلی میں آ گیا۔ ساری رات وہ سوچتا رہا کہ تھائیس کو کہاں جا کر تلاش کرے۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر وہ تبت کی طرف گئی ہے تو وہ اُسے کہیں نہ کہیں ضرور ڈھونڈ لے گا۔ لیکن

کیا خبر وہ مکار اندھوپ اُسے لے کر کسی اور ہی طرف نکل گیا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو تھائیس کا ملنا مشکل ہو جائے گا۔ بہر حال جو کچھ بھی تھا اب وہ موہنجو داڑو میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اُس کا وہاں ٹھہرنا بالکل بے کار تھا۔

صبح صبح وہ سیدھا شاہی محل میں آ گیا۔ شہزادہ دیوتاؤں کے بُت کے سامنے عبادت کر رہا تھا۔ عبادت سے فارغ ہو کر اس نے عنبر سے ہاتھ ملایا اور کہا:

"آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے؟"

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ ابھی تبت کی طرف اپنے سفر پر روانہ ہو جانا چاہتا ہے۔ اُس نے شہزادے کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اُس کی بہن کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ بادشاہ نے کہا:

"ایسی بھی کیا جلدی ہے عنبر؟ آپ کچھ روز بعد چلے جایئے گا۔ ملکہ عمبکا کو دیوتاؤں کے آگے قربان ہوتے تو دیکھتے جانا۔"

"نہیں بادشاہ سلامت' میں جلدی سے تبت پہنچنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک قاصد نے آ کر اطلاع دی ہے کہ وہاں میرا چچا بہت بیمار ہے اور مجھے یاد کر رہا ہے۔"

"تو کیا ہم سپاہیوں کا دستہ آپ کے ساتھ کر دیں؟"

"نہیں شہزادہ سلامت' اِس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ان راستوں سے واقف ہوں اور پھر اتنے لمبے سفر پر سپاہی کہاں تک میرے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم تمہارے بے حد احسان مند ہیں عنبر کہ صرف آپ کی وجہ سے ہماری سلطنت تباہ ہوتے ہوتے بچ گئی۔ دیوتاؤں نے چاہا تو ہم کبھی نہ کبھی تمہارے احسان کا بدلہ ضرور اتار دیں گے۔"

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا شہزادہ سلامت' یہ تو ربِّ عظیم کی منشا سے ہوا ہے۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔"

"کیا ملکہ عمبکا کو ایک نظر دیکھتے نہ چلو گے؟"

"اگر آپ کہتے ہیں تو اُسے دیکھ لیتا ہوں۔"

شہزادہ عنبر کو ساتھ لے کر تہہ خانے میں آ گیا جس کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں ہُن قوم کی وحشی ملکہ قید تھی۔ کوٹھڑی میں ایک طرف مشعل جل رہی تھی اور وحشی ملکہ کسی شیر کی طرح کوٹھڑی میں بیقراری سے اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہی تھی۔ عنبر کو دیکھ کر اُس نے نفرت سے کہا:

"تم نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ دیوتا تم سے ضرور انتقام لیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"عمبکا، تم ایک ظالم قوم کی خونخوار ملکہ تھیں۔ تیرے ہاتھ بے گناہوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ تو نے ہزاروں بچوں کو یتیم

کیا ہے۔ ہزاروں ماؤں کو بیوہ کیا۔ لاکھوں بیویوں کے سہاگ لُوٹے۔ تجھ پر ربِّ عظیم کا عذاب نازل نہ ہوتا تو کس پر ہوتا؟"

"میں اس قید سے نکل کر تم سب سے بدلہ لوں گی۔ میں ایک بار پھر ہن قوم کو ایک مرکز پر جمع کروں گی اور موہنجوداڑو پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔"

شہزادے نے کڑک کر کہا:

"خاموش، گنوار قوم کی وحشی عورت، تیرا انجام قریب آ رہا ہے۔ تو اس قید سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اب تمہاری روح ہی یہاں سے آزاد ہو گی۔ تم نے ہم پر حملہ کیوں کیا تھا۔ کیا ہم نے تمہیں تنگ کیا تھا؟ کیا ہمارے سپاہیوں نے تمہارے قافلے لوٹے تھے؟ آخر ہماری تمہاری دشمنی کیا تھی کہ جو تو لاکھوں کا لشکر لے کر اپنے وطن سے ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے نکل پڑیں؟"

ملکہ نے فخر سے گردن تان کر کہا:

"ہم بہادر ہُن قوم کے لوگ ہیں۔ ہمارا کام ہی لڑنا اور لڑتے لڑتے مَر جانا یا دشمن کو مار دینا ہے۔ اگر ہم پر کوئی حملہ نہیں کرتا تو ہم اس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم خود آگے بڑھ کر اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ یہی ہمارے قبیلے کا اصول ہے اور اِسی اصول پر عمل کرتے ہوئے ہم نے تمہارے شہر پر چڑھائی کی تھی۔"

شہزادے نے کہا:

"پھر تم نے اپنے اِس ظالمانہ اصول کا انجام دیکھ لیا۔ اب تمہاری قسمت میں موت کی تلوار کے سوا اور کچھ نہیں۔"

عمبکا نے گردن تان کر کہا:

"میں موت کو ایک بہادر ہُن قوم کی طرح قبول کرتی ہوں۔ مجھے موت کی ذرا بھر پروا نہیں۔ ہم موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں۔

ہاں مجھے اگر دکھ ہے تو صرف اپنی چھوٹی بچی کا ہے جو میرے وطن میں میرے بغیر تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔"

شہزادے نے قہقہہ لگا کر کہا:

"ہم اُسے بھی یہاں لا کر تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیں گے۔"

عنبر کو شہزادے کی یہ بات بڑی ظالمانہ محسوس ہوئی۔ اُسے یوں لگا جیسے شہزادہ بھی اتنا ہی ظالم اور وحشی ہے جتنی ہُن قوم کے لوگ وحشی اور ظالم تھے۔ اُسے عمبکا پر ترس آنے لگا۔ اُسے بالکل معلوم نہ تھا کہ عمبکا ایک بچی کی ماں بھی ہے۔ اب وہ اُسے ایک دُکھی ماں کے رُو میں نظر آنے لگی۔ اُسے عمبکا کو وہاں سے نکالنے کی پیشکش کرے گا۔ اگر وہ مان گئی تو وہ ہر ممکن مدد کرے گا اور اگر نہ مانی تو اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر خود تبت کی طرف نکل جائے گا۔

عنبر نے بیماری کا بہانہ بنا کر ایک ہفتے کے لیے اپنے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ایک روز وہ قید خانے کی یوں ہی سیر کرتا کرتا چپکے سے عمبکا کی کوٹھڑی میں آ گیا۔ دو روز بعد عمبکا کو دیوتاؤں کے بُت کے سامنے ذبح کر دیا جانا تھا۔ عمبکا ایک پتھر پر دیوار کا سہارا لے کر اُداس بیٹھی تھی۔ اُس نے عنبر کو آتے دیکھا تو غصے میں بولی:

"تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

عنبر نے صاف صاف کہہ دیا:

"سُنو عمبکا! اگر تم صرف ملکہ ہوتیں تو میں کبھی تم سے ملاقات کرنے یہاں نہ آتا۔ اس لیے کہ تم ایک ظالم ملکہ ہو اور تمہاری موت پر مجھے بھی افسوس نہیں ہو گا۔ لیکن جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری ایک کمسن بچی وطن میں ہے جو تمہاری جدائی میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ میرا دل تمہاری ہمدردی سے لبریز ہو گیا ہے۔ اب تم

مجھے ایک ماں کے روپ میں نظر آ رہی ہو۔ اگر تم تیار ہو تو میں صرف تمہاری بچی کی خاطر تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔ میں یہ بہت بڑا خطرہ صرف تمہاری بچی کی زندگی کی خاطر مول رہا ہوں؛ حالانکہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ شہزادہ کسی قیمت پر تمہارا فرار گوارا نہیں کر سکتا اور تم میری مدد کے بغیر یہاں سے فرار بھی نہیں ہو سکتی ہو۔ شہزادے نے اپنی قوم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں دیوتاؤں کے آگے بڑے دن کو قربان کر دے گا۔ اب اگر تم یہاں سے فرار ہو گئیں تو خطرہ ہے کہ لوگ شہزادے کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ مگر میں صرف تمہاری بیٹی کی خاطر اپنی، شہزادے کی اور سلطنت کی زندگی کو خطرے میں ڈال رہا ہوں۔ بولو! تم کیا کہتی ہو؟"

ملکہ عمبکا بڑی جابر عورت تھی۔ مگر آخر وہ ایک ماں بھی تھی۔ جب اُسے اپنی کمسن بچی کا خیال آتا تھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے

تھے۔ اُسے اچھی طرح پتہ تھا کہ وہ ایک شکست خوردہ قوم کی ملکہ ہے جس کا سارے کا سارا لشکر تباہ ہو گیا ہے۔ اگر وہ لاکھ بار بھی کوشش کرے تو وہاں سے اکیلی فرار نہیں ہو سکتی۔ موت اس کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ عنبر نے جب اُسے وہاں سے نکالنے کی پیش کش کی تو اسے اپنی کمسن بچی یاد آ گئی۔ اُس کا بھولا بھالا چہرہ عمبکا کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اُس نے ایک دم عنبر کی پیش کش قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''میں تمہاری پیش کش قبول کرتی ہوں۔ مگر کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر شہزادے کو معلوم ہو گیا کہ تم نے مجھے یہاں سے اغوا کر لیا ہے' تو وہ اپنی فوج ہمارے پیچھے دوڑائے گا اور میرے ساتھ تمہاری بھی تِکّا بوٹی کر دی جائے گی۔''

عنبر نے کہا:

''میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ لیکن تمہاری بچی کی خاطر میں ہر قسم کا خطرہ اور مصیبت مول لینے کو تیار ہوں۔ میں ایک ماں کو ہلاک اور ایک بچی کو ماں کی یاد میں بلک بلک کر روتے نہیں دیکھ سکتا۔''

عمبکا کا دل عنبر کی طرف سے ایکدم صاف ہو گیا۔ اُس کے دل میں عنبر کے لیے بڑی عزت اور وقار پیدا ہو گیا۔ یہ شخص صرف اس کی بچی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہا تھا۔ پھر بھی اُس نے ایک بار پھر عنبر سے کہا کہ وہ غور کر کے اچھی طرح سوچ سمجھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں اسے پچھتاوا لگ جائے کہ اُس نے عمبکا کو بچا کر خواہ مخواہ اپنی عزت اور جان خطرے میں ڈالی ہے۔ عنبر نے مسکرا کر کہا:

''عمبکا بہن! میں نے زندگی میں جتنے بھی فیصلے کیے ہیں۔ ہمیشہ خوب سوچ سمجھ کر کیے ہیں۔ آج سے دو دن بعد یہ لوگ تمہیں دیوتاؤں کے آگے قربان کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کل رات

جب آدھی گزر جائے تو میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں۔"

عمبکا نے کہا:

"مگر یہاں تو کڑا پہرہ لگا ہے۔ تم مجھے یہاں سے کیسے نکال کر لے جاؤ گے؟"

"تمہیں شاید معلوم نہیں کہ شاہی محل میں شہزادے کے برابر اگر کسی کا مرتبہ ہے تو وہ میں ہوں۔ کسی پہرے دار کی جُرأت نہیں کہ تمہیں میرے ساتھ جانے سے روکے۔۔۔ اب میں جا رہا ہوں۔ میں کل آدھی رات کے وقت آؤں گا۔ تم تیار رہنا۔"

"میں ہر وقت فرار ہونے کے لیے تیار ہوں۔"

عنبر خوشی سے باہر نکل گیا۔

دوسرے روز اس نے کام یہ کیا کہ دو برق رفتار تازہ دم عربی گھوڑے لیے اور انہیں شہر سے باہر لے جا کر پُرانے مندر کے غار

میں باندھ آیا۔ اس کے بعد اس نے کچھ ضروری سامان ایک جھولے میں تیار کر لیا اور رات کا انتظار کرنے لگا۔ آدھی رات کے وقت وہ اپنی حویلی سے چپکے سے ایک اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور شاہی محل میں پہنچ گیا۔ اونٹ اس نے شاہی محل کے باہر درختوں کے نیچے کھڑا کر دیا اور خود اس تہہ خانے کی طرف چل دیا جہاں ایک کوٹھڑی میں عمبکا قید تھی۔

عمبکا بڑی بے تابی سے عنبر کا انتظار کر رہی تھی۔ اُسے عنبر کے آنے کا یقین بھی تھا اور نہیں بھی تھا۔ اُسے احساس تھا کہ عنبر اُس کے لیے بہت بڑے قربانی کر رہا ہے۔ وہ نہ صرف بادشاہ کی ساری عمر کی دشمنی مول رہا ہے بلکہ اپنی جان بھی اُس کے ساتھ خطرے میں ڈال رہا ہے۔ آدھی رات گزرنے کے بعد عمبکا نے عنبر کو دیکھا وہ پہرے دار کے ساتھ اُس کی کوٹھڑی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ خدا جانے اس نے

پہریدار کو کیا کہا تھا کہ اس نے آتے ہی کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا۔
عنبر نے اندر آ کر کہا:

"اے ہُن قوم کی وحشی ملکہ' اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا۔ اٹھ اور اپنی موت کو گلے لگانے کے لیے میرے ساتھ چل۔"

عمبکا سمجھ گئی کہ عنبر اداکاری کر رہا ہے۔ وہ آہستہ سے اُٹھی اور عنبر کے پیچھے پیچھے سر جھکائے۔ قید خانے سے باہر نکل گئی۔ عنبر اُسے لے کر اندھیری غلام گردشوں سے ہوتا ہوا محل کی جانب آ گیا۔ سامنے محل کا دروازہ تھا۔ دروازے پر ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر سپاہی نے سر جھکایا اور دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں باہر کھلی فضا میں نکل آئے۔ عنبر عمبکا کو لیے محل کے باغ میں آ گیا۔

یہاں پہنچتے ہی اُس نے کہا:

"جلدی سے بھاگ چلو۔"

اور وہ دونوں بھاگتے ہوئے اُن درختوں کے پاس آ گئے جہاں اونٹ بیٹھا ہوا تھا۔ عنبر اور عمبکا اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اونٹ انہیں لے کر بڑی تیزی سے شہر سے باہر پرانے مندر کی طرف آ گیا۔ یہاں ایک غار میں دو عربی گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ عنبر نے کہا:

"جلدی سے ایک گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہمیں آندھی بن کر اب اس شہر سے نکل جانا ہے۔ صبح بادشاہ کے سپاہی ضرور ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ ہمیں سورج نکلنے تک زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لینا ہے۔ جلدی کرو۔"

عمبکا گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ وہ عنبر کی دلیری اور انسانی ہمدردی سے بے حد متاثر ہوئی تھی۔ عنبر بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ انہوں نے گھوڑوں کو چابک مارے اور گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

رات بڑی اندھیری تھی۔ چاند نہیں نکلا ہوا تھا۔ مگر وہ دونوں

راتوں کے اندھیرے سے آشنا تھے۔وہ رات کے اندھیرے میں راستہ بنانا خوب جانتے تھے۔انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جو اونچے نیچے ٹیلوں کے اوپر اور درمیان سے ہو کر گزرتا تھا۔اس طرح وہ فاصلے کو زیادہ سے زیادہ طے کر سکتے تھے۔آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور وہ دونوں گھوڑوں پر بیٹھے ہوا کے ساتھ اڑتے چلے جا رہے تھے۔انہوں نے موہنجوداڑو شہر کی سرحد عبور کر لی تھی اور اب ملک گندھارا کی جانب دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔

ایک جگہ پہنچ کر انہیں دریا عبور کرنا پڑ گیا۔وہاں کوئی پُل وغیرہ نہیں تھا۔وہ رُک گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔عنبر کسی ایسی جگہ سے دریا عبور کرنا چاہتا تھا۔جہاں اس کا پاٹ چھوٹا ہو۔آخر دریا کے موڑ پر انہیں وہ جگہ مل گئی۔

یہاں سے دریا کا پاٹ کوئی میل ڈیڑھ میل کا تھا۔عنبر نے عمبکا کی

طرف دیکھا اور کہا کہ وہ دریا پار کرے گی؟عمبکا نے کہا کہ وہ ایک عورت ہی نہیں بلکہ ایک بہادر اور غیور قوم کی ملکہ بھی ہے؛چنانچہ اُس نے سب سے پہلے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔اس کے پیچھے پیچھے عنبر نے بھی گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔یہاں دریا کافی گہرا تھا۔مگر عربی گھوڑوں نے بڑی محنت،وفاداری اور روانی کے ساتھ تیرنا شروع کر دیا تھا۔گھوڑے گردن تک دریا کی لہروں میں ڈوبے ہوئے تھے مگر برابر تیرتے چلے جا رہے تھے۔آخر وہ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔یہاں انہوں نے ایک پَل کے لیے آرام کیا اور پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔وہ تیز سے تیز تر بھاگے چلے جا رہے تھے۔

کیونکہ اب پَو پھٹنے والی تھی اور اُنہیں معلوم تھا کہ عمبکا کے فرار کا انکشاف ہوتے ہی شاہی فوج کے سپاہی اُس کے تعاقب میں روانہ ہونے والے تھے۔وہ اس سے پہلے پہلے بہت دور نکل جانا چاہتے۔

جہاں ملے، قتل کر دو

دن چڑھا تو شاہی محل میں شور مچ گیا کہ ملکہ فرار ہو گئی ہے۔

موئنجو داڑو کے بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ اتنے سخت پہرے کے باوجود اس کی دشمن ملکہ کس طرح قید سے فرار ہو گئی۔ وہ خود جیل خانے میں پہنچا۔ معلوم ہوا کہ آدھی رات کو بادشاہ کا وزیر خاص عنبر اپنے ساتھ عمبکا کو یہ کہہ کر لے گیا تھا کہ اُسے پھانسی دی جانے والی ہے۔ بادشاہ نے پہریدار کو تو اسی وقت قتل کروا دیا اور عنبر کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جانے لگے۔ مگر وہ کہیں بھی نہیں تھا۔ اُس کی حویلی ویران پڑی تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ راتوں رات ہی شہر سے عمبکا کو

لے کر فرار ہو گیا ہے۔ بادشاہ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہوا کہ اس کے وزیر خاص نے اُسے دھوکہ دیا اور وہ ملکہ عمبکا کو لے کر فرار ہو گیا۔

بادشاہ نے اُسی وقت اپنے خاص سپاہیوں کا دستہ عنبر کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ اُنہیں حکم دیا گیا کہ وہ اگر ہو سکے تو عنبر کو گرفتار کر لیں اور ملکہ عمبکا کو اسی حالت میں وہیں قتل کر کے اس کا سر لے کر واپس آئیں۔ بادشاہ کو بے حد فکر لگ گیا تھا کہ اگر وہ ملکہ کو دیوتاؤں کے آگے قربان نہ کر سکا اس کی رعایا اُس کے خلاف ہو جائے گی۔ مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ مجبوراً اسے عمبکا کے سر کا انتظار کرنا پڑ رہا تھا اور ہو سکتا تھا کہ اس کے سپاہی ملکہ کو تلاش ہی نہ کر سکیں۔ ہو سکتا ہے وہ بہت دور نکل چکے ہوں۔

بہر حال بادشاہ کے لیے یہ بے حد کڑی اور سخت آزمائش کا وقت تھا۔ اُس نے محل میں تمام خوشیوں کی دعوتیں منسوخ کر دیں اور حکم

دے دیا کہ جب تک دشمن ملکہ کا سر کاٹ کر شہر میں نہیں آجاتا کوئی خوشی کی دعوت نہیں ہوگی۔ اُدھر بڑے پجاری نے سپہ سالار کے ساتھ مل کر بادشاہ کے خلاف اس کے کان بھرنے شروع کردیے کہ یہ محض اس کی کمزوری اور ایک غیر ملکی عنبر پر اس قدر بھروسہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ رعایا میں بھی لوگ بے چین ہو رہے تھے۔ وہ اپنے دیوتاؤں سے بے حد ڈرتے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر وقت پر دشمن ملکہ کی قربانی نہ دی گئی تو دیوتا اُن پر اپنا قہر اور عذاب نازل کردیں گے شہر میں بادشاہ کے خلاف چوری چھپے باتیں ہونے لگیں۔ بادشاہ اس صورت حال سے بے حد پریشان تھا۔

اُدھر عنبر اور ملکہ عمبکا دریا پار کرنے کے بعد بغیر رُکے سارا دن گرمی اور دھوپ میں سفر کرتے رہے تھے۔ انہوں نے کسی جگہ پر بھی آرام نہ کیا تھا۔ محض اس خیال سے کہ اگر وہ رُک گئے تو اُس کا اور

تعاقب کرنے والے شاہی دستے کے سپاہیوں کا فاصلہ کم ہو جائے گا اور وہ گرفتار کرلیے جائیں گے۔ جس وقت شاہی فوج کے سپاہی دریائے سندھ کے کنارے پہنچے۔ اُس وقت عنبر اور ملکہ عمبکا ملک گندھارا کی سرحدوں میں داخل ہو چکے تھے۔ شاہی فوج کے سپاہیوں نے عنبر اور ملکہ کے گھوڑوں کے سُموں کے نشان دیکھ لیے تھے اور وہ اُن ہی کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

دریا فوج نے عبور کرلیا۔ دریا کے پار انہیں دوبارا ریت پر گھوڑے کے سُموں کے نشان دکھائی دینا شروع ہو گئے اور انہوں نے بڑی برق رفتاری کے ساتھ فرار ہونے والوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ فوج کا دستہ بھی بغیر آرام کیے مسلسل آگے بڑھ رہا تھا جس کی وجہ سے اُن کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا؛ چنانچہ جس وقت عنبر اور ملکہ گندھارا شہر کی ایک سرائے میں اُترے تو بادشاہ کے سپاہی شہر سے

آدھے دن کے فاصلے پر تھے۔

عنبر کے کہنے پر ملکہ عمبکا نے چہرے پر ایک سیاہ نقاب اوڑھ لیا تھا تاکہ اُسے کوئی پہچان نہ سکے۔جس سرائے میں وہ اترے وہ کافی بڑی سرائے تھی اور اُس میں بہت سے مسافر اترے ہوئے تھے۔عنبر نے اپنے آپ کو جڑی بوٹیوں کا تاجر اور عمبکا کو اپنی بیوی ظاہر کیا تھا۔ سرائے میں کسی کو خبر نہ تھی کہ ان کے ہاں ہُن قوم کی وحشی ملکہ اُتری ہوئی ہے۔جس کے نام سے کبھی ملک کا بچہ بچہ کانپتا تھا۔۔اس ملک میں اگر ملکہ چاہتی تو ایک وزیر کے محل میں قیام کر سکتی تھی۔مگر عنبر نے اُسے ایسا کرنے سے منع کر دیا کیونکہ یوں اُن کے بھید کھل جانے کا خطرہ تھا۔عنبر نے عمبکا سے کہا:

”اگر ہم نے یہاں کسی امیر یا وزیر کے ہاں قیام کیا تو یہ بات شاہی محل تک جا پہنچے گی کہ ہُن ملکہ شہر میں اُتری ہوئی ہے،اس طرح

زہر کا پیالہ

یہ بات پھیل جائے گی اور ہمارا تعاقب کرنے والے سپاہی بڑی آسانی سے تمہیں گرفتار کر کے ہلاک کر سکیں گے۔بہتر یہی ہے کہ ہم گمنامی میں یہاں سے آگے کو نکل چلیں۔“

”بہتر ہے۔“

عنبر نے سرائے میں داخل ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دونوں گھوڑوں کو فروخت کر کے دو نئے عربی گھوڑی خرید لیے۔کیونکہ اتنا طویل سفر طے کرنے کے بعد دونوں گھوڑے تھک کر چُور ہو چکے تھے اور ان کے لیے اب مزید سفر کرنا مشکل ہو گیا تھا۔وہ کم از کم دو روز کے مسلسل آرام کے بعد ہی سفر کر سکتے تھے۔رات بھر آرام کرنے کے بعد عنبر اور ملکہ منہ اندھیرے اُٹھے اور گھوڑے لے کر چپکے سے سرائے سے باہر نکل آئے۔وہ اپنی روانگی کے بارے میں کسی کو اطلاع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

www.urdurasala.com

سرائے سے باہر آ کر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور یزدان کے
راستے ملک تبت کی طرف اپنا سفر جاری کر دیا۔ جس وقت وہ سفر پر
روانہ ہوئے اُس سے ایک پہر بعد بادشاہ کی فوج کا دستہ سرائے میں
پہنچ گیا۔ سرائے کے مالک سے پوچھ گچھ کے بعد اُنہیں معلوم ہوا کہ
عنبر اور عمبکا نے رات اس سرائے میں بسر کی تھی اور صبح منہ اندھیرے
ہی وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیے تھے۔ دستے کے سالار
نے اُسی وقت حکم دیا:

"مفرور قیدیوں کا تعاقب جاری رکھا جائے گا۔"

چنانچہ سپاہی ایک پل کے لیے بھی آرام کیے بغیر یزدان کی طرف
روانہ ہو گئے۔

ادھر اندھوپ نے بھی تھائیس کو لے کر اپنا سفر جاری رکھا تھا۔ وہ
تبت کی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ عنبر کو تھائیس کی بھی فکر

تھی اور راستے میں وہ ہر سرائے اور ہر گاؤں سے اُس کے بارے میں
معلومات حاصل کرتا چلا جا رہا تھا۔ اب تک جو معلومات حاصل ہوئی
تھیں اُن کے مطابق اندھوپ اور تھائیس اُسی راستے پر آگے آگے سفر
کر رہے تھے۔ تبت کی سرحدوں کے پاس پہنچ کر اندھوپ ایک
ویران کھنڈر کے پاس رُک گیا۔ وہ اور اُن کے گھوڑے تھک کر چور ہو
گئے تھے۔ تھائیس نے اب مزاحمت ترک کر دی تھی۔ اور اپنے آپ کو
قسمت کے حوالے کر دیا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ یہاں سے اگر وہ
فرار بھی ہو گئی اور واپس نہ جا سکے گی اور صحراؤں میں یہیں کہیں بھوک
پیاس سے دم توڑ دے گی۔ اندھوپ نے بھی اُس کی رسیاں کھول دیں
تھیں۔ یہ کھنڈر جہاں وہ ٹھہرے کسی پُرانی عبادت گاہ کا معلوم ہوتا تھا
جس کی تکونی چھت کے اُوپر بانس پر پھٹا پُرانا کپڑا لٹک رہا تھا۔
تبت کے علاقے میں اس قسم کے مندر ہوا کرتے تھے۔ تھائیس کو

مندر میں چھوڑ کر اندھوپ پانی کی تلاش میں ایک طرف نکل گیا۔وہ تھائیس کو تاکید کر گیا۔

''یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر تم یہاں سے بھاگ بھی گئیں تو زندہ واپس موہنجوداڑو نہ پہنچ سکوگی۔تبت کے صحرا اور برفوں کے میدان بڑے سنگدل ہوتے ہیں۔ یہ تمہیں راستے میں ہی بھوکا پیاسا مار دیں گے۔''

تھائیس نے کہا:

''میں جانتی ہوں اندھوپ کہ میری قسمت میں در بدر کی ٹھوکریں اور غلامی ہی لکھی ہے۔تم پانی تلاش کر کے واپس آ ؤ گے تو میں اسی جگہ بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''شاباش اب تم زیادہ سمجھداری کی باتیں کرنے لگی ہو۔''

اندھوپ مشکیزہ لے کر پانی کی تلاش میں نکل گیا۔تھائیس کھنڈر

کے پتھروں میں کچھ دیر اُداس بیٹھی رہی۔ پھر وہ اٹھی اور کھنڈروں کے بیچ اِدھر اُدھر بے مقصد پھرنے لگی۔ جہاں جگہ جگہ پتھروں کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ان پتھروں میں سفید پتھر بھی تھے۔ سرخ اور سبز پتھر بھی تھے۔ایسے پتھر تھے جو ریت کے بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔تھائیس نے ایک سبز رنگ کے پتھر کو اٹھا کر غور سے دیکھا اُس کے اندر ہلکی ہلکی روشنی تھی اور سبز رنگ کی لہریں سی اُٹھ رہی تھیں۔

تھائیس نے ڈر کر اُس پتھر کو زور سے دوسرے پتھروں پر پھینک دیا۔ سبز پتھر دوسرے پتھروں سے ٹکرایا تو ایک چنگاری پیدا ہوئی اور اچانک وہاں ایک بہت بڑا سانپ نمودار ہو گیا۔تھائیس ڈر کر پیچھے کو ہٹ گئی۔ سانپ بہت موٹا اور لمبا اژدہا تھا۔جس کی لال لال آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ تھائیس کو یوں لگا جیسے یہ سانپ اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ سانپ نے

کہا:

"تھائیس گھبراؤ نہیں، اس سے پہلے بھی میں تم سے مل چکا ہوں۔
کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟"

تھائیس نے ذہن پر زور ڈالا تو اُسے یاد آ گیا کہ ایک بار مندر میں
آ کر اُس نے ظالم ڈاکو سے اُسے نجات دلائی تھی۔ اُس نے جھٹ کہا:

"ہاں ہاں، میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم نے ایک بار ڈاکو سے
میری جان بچائی تھی اور تم نے کہا تھا کہ تم ہڑپہ کا شیش ناگ ہو۔ تم
وہی ہو ناں؟"

"تم نے مجھے ٹھیک پہچانا تھائیس، میں ہڑپہ ہی کا شیش ناگ
ہوں۔"

"مگر تم اِس پتھر سے کیسے پیدا ہو گئے؟ تم تو آزاد پھرا کرتے
تھے؟"

اژدھے نے کہا:

"تھائیس، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ ایک جادوگر
نے مجھے اس پتھر کے اندر قید کر رکھا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ یہ پتھر صحرا
میں لڑھکتا پھرے گا اور تم ساری زندگی اس پتھر کے اندر قید رہو گے۔
دیوتاؤں کا شکر ہے کہ تمہارا گزر ادھر سے ہوا اور تم نے مجھے نجات
دلائی۔"

"مگر میں نے تو یوں ہی سبز پتھر اٹھا کر اُدھر دے مارا تھا۔"

"ٹھیک ہے، لیکن اِس طرح سے مجھے جادوگر کی قید سے رہائی مل
گئی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم ادھر کہاں جا رہی ہو؟ کیا تم اکیلی ہو؟ اِس سے
آگے تو تبت کی پُر اسرار سرزمین شروع ہو جاتی ہے۔"

تھائیس نے کہا:

"اچھے اژدہا، میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا کیا ظلم نہیں

ہو رہا۔ تم نے مجھے ڈاکو سے نجات دلائی تو ایک بار پھر ایک ظالم کے پنجے میں پھنس گئی۔ اس نے مجھے ملک مصر میں جا کر فروخت کر دیا۔ وہاں سے عنبر نے مجھے آزاد کرایا اور میرے گھر ماں باپ کے پاس لا کر چھوڑ دیا۔ مگر جس شخص نے مجھے خریدا تھا وہ باز نہ آیا۔ اُس نے اپنے جاسوس بھیج کر ایک بار پھر مجھے اغوا کر لیا۔ یہاں بھی دوبارہ عنبر نے مجھے مصیبت سے نجات دلائی اور مجھے لا کر میرے باپ کر پاس چھوڑ دیا۔ میں ہنسی خوشی اپنے پیارے باپ کے ہاں رہ رہی تھی کہ یہ ظالم اندھوپ مجھے اٹھا کر لے گیا۔ یہ شخص تبت لے جا کر مجھے وہاں کے ظالم حکمرانوں کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو شاید مجھے اپنے دیوتاؤں کے سامنے بھینٹ چڑھا دیں گے۔"

اژدہا نے کہا:

"تمہاری داستان بڑی دردناک ہے تھائیس، مگر یہ بتاؤ کہ جس

شخص نے تمہیں تمہارے باپ کے گھر سے اٹھایا ہے، وہ کہاں ہے؟"

تھائیس نے کہا:

"وہ اس وقت صحرا میں پانی کی تلاش میں گیا ہوا ہے۔ وہ مجھے یہاں بٹھا کر کہہ گیا ہے کہ اگر میں نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو صحرا میں بھوک پیاس سے بلک بلک کر دم توڑ دوں گی۔"

"اس نے ٹھیک کہا ہے تھائیس، مگر اب جب کہ میں تمہارے پاس آ گیا ہوں تو تمہیں کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اب بالکل محفوظ ہو۔"

وہ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ تھائیس نے دور سے اندھوپ کو آتے دیکھا۔ اُس کے ہاتھ میں خالی مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ اُسے پانی کہیں سے بھی نہیں ملا تھا۔ تھائیس نے اژدہے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"یہی وہ سنگ دل ڈاکو ہے جو مجھے میرے باپ سے چھین کر لے آیا ہے۔ جو تبت کے آدم خوروں کے ہاں مجھے فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

اژدہے نے کہا:

"فکر نہ کرو تھائیس! اس شخص کو اس کے ظلم کا بدلہ مل کر رہے گا۔ تم خاموشی سے دیکھتی رہو۔"

تھائیس کے پاس آ کر اندھوپ نے کہا:

"اس صحرا میں کہیں بھی پانی کا چشمہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید آگے چل کر کہیں سے پانی مل جائے۔"

تھائیس اب وہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اُس کا دوست اژدہا سانپ قریب ہی پتھروں میں چھپا ہوا تھا۔ اُس نے سر درد کا بہانہ بنا کر کہا:

"میرے سر میں بڑا سخت درد ہو رہا ہے۔ میں آگے سفر نہیں کر سکتی۔"

اندھوپ نے چیخ کر کہا:

"مگر مجھے پیاس نے ہلکان کر دیا ہے۔ میں جلد سے جلد تبت کے شہر میں پہنچ کر اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہوں۔ اٹھو! چلو یہاں سے اُٹھو۔"

اندھوپ نے تھائیس کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ تھائیس نے روتے ہوئے کہا۔

"دیوتاؤں کے لیے مجھ پر اتنا ظلم نہ کرو۔ آخر میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

اندھوپ نے قہقہہ لگا کر کہا:

"تم نے میرے استاد کو قتل کرانے میں عنبر کا ساتھ دیا تھا۔ میں تم سے اپنے استاد کی موت کا بدلہ لے رہا ہوں اگر مجھے پانی مل بھی گیا تو

میں ہرگز ہرگز تمہیں یہاں نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں ہر حالت میں
میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ اُٹھو! ورنہ میں تمہاری دونوں ٹانگیں کاٹ کر
گھوڑے پر لاد کر لے جاؤں گا۔"

تھائیس نے اُس طرف دیکھا جدھر اژدہا چھپا ہوا تھا۔ تھائیس کو
اُدھر سانپ نظر نہ آیا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ کہیں سانپ اندھوپ سے ڈر
کر بھاگ تو نہیں گیا؟ اُس نے سوچا۔ مگر جب اُس نے اندھوپ کی
طرف دیکھا تو لرز اٹھی۔ اژدہا اس کے پیچھے آہستہ آہستہ سرکتا چلا آ رہا
تھا اندھوپ نے تھائیس کو بالوں سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

"اٹھتی ہو یا میں تمہیں یہیں قتل کر دوں؟"

"اٹھتی ہوں۔"

تھائیس نے بالوں کو باندھنا شروع کر دیا۔ اندھوپ اُس کے سر
پر کھڑا تھا اور دوسری جانب سانپ آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے بالکل

اُس کے عقب میں آ کر رُک گیا اور حملہ کرنے ہی والا تھا کہ اندھوپ
نے تھائیس کو گرج کر کہا:

"کیا سوچ رہی ہو۔ اُٹھو اور میرے ساتھ چلو۔"

ابھی یہ جملہ اُس کے منہ میں ہی تھا کہ پیچھے سے اژدہے نے
جھپٹ کر حملہ کر دیا اور اندھوپ کے گلے کے گرد اپنا آپ لپیٹ کر اس
زور سے بل دینے شروع کر دیے کہ اُس کی آواز تک نہ نکل سکی۔
دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں اُبل کر باہر آ گئیں۔ اُس کے ہونٹوں
سے جھاگ بہنے لگا اور اُس کا سانس رُک گیا۔ اژدہے نے زور سے
ایک جھٹکا دیا اور اندھوپ کی لاش کو زمین پر پھینک دیا۔ تھائیس نے
اژدہے کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ایک ظالم کے پنجے سے اُسے
نجات دلائی۔ اژدہے نے کہا۔

"تھائیس! یہ ایک جادوگر تھا۔ اگر اس کا جادو مجھ پر چل جاتا تو میں

ابھی ہلاک ہو جاتا۔ مگر میں نے اِسی لیے اُس کے گلے کو قابو میں کر لیا تھا تاکہ یہ زبان سے کوئی جادو منتر نہ بول سے۔ اب تم آزاد ہو جہاں چاہے جا سکتی ہو۔"

تھائیس نے کہا کہ وہ صحرا میں اکیلی رہ گئی ہے۔ اُسے نہ واپسی کے راستے کا علم ہے نہ آگے کی منزل کی کچھ خبر ہے۔ اژدہے نے کہا:

"تھائیس! میں تمہارے ساتھ چلتا۔ مگر مجھے راستہ نہیں آتا ہے، ورنہ کم از کم تبت کے شہر تک تمہیں ضرور پہنچا دیتا۔ اس سے آگے برش ناگ کی زمین شروع ہوتی ہے۔ میں تمہیں اپنا منکہ دے دوں گا۔ تم وہ منکہ برش ناگ کو جا کر دکھا دینا وہ اس سے آگے تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

"شکریہ شیش ناگ، لیکن مجھے بڑی سخت بھوک اور پیاس لگی ہے۔"

"اس کا بھی ابھی بندوبست کرتا ہوں۔"

اژدہا اتنا کہہ کر مندر کے عقب میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس نے اپنے سر پر لکڑی کا ایک تھال اٹھا رکھا تھا جس پر پانی کی صراحی اور کچھ سُرخ انار رکھے تھے۔

"یہ لو تھائیس! ان پھلوں اور پانی سے اپنی بھوک پیاس مٹاؤ۔ کچھ راستے کے لیے لے جاؤ۔"

تھائیس نے وہیں بیٹھ کر بڑے شوق سے پانی پیا اور انار کھائے باقی پانی مشکیزہ میں اور انار جھولے میں رکھے اور اژدہے سے منکہ لے کے گھوڑے پر سوار ہو کر تبت کی طرف روانہ ہو گئی۔ تبت کا شہر وہاں سے ایک رات کی منزل پر تھا۔ وہ شام کو وہاں سے چلی تھی۔ اُس نے رات کو بھی اپنا سفر جاری رکھا۔ تبت شہر میں اُس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ وہ محض اِس لیے اُس طرف جا رہی تھی کہ اُس

سے زیادہ قریب اور کوئی شہر نہیں تھا۔ واپس وہ جا نہیں سکتی تھی کیونکہ
اکیلی وہ واپسی کا طویل سفر طے نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے دل میں
صرف ایک ہی امید تھی کہ تبت کے شہر پہنچ کر وہ کسی نہ کسی طرح واپس
اپنے وطن ہڑپہ پہنچنے کی کوشش کرے گی۔

وہ ساری رات گھوڑے پر سوار چلتی چلی گئی۔ جب پَو پھٹنے لگی تو
بہت دور پہاڑوں پر جمی ہوئی برف نظر آئی۔ سورج نکلا تو یہ برف
سنہری ہو گئی۔ دور پہاڑوں پر گویا آگ سی لگ رہی تھی۔ سورج طلوع
ہو رہا تھا۔ اُس نے اُن پہاڑوں کے دامن میں عبادت گاہوں کے
اونچے اونچے چمکتے کلس بھی دیکھے۔ اِن میں سے ایک عبادت خانے کا
سنہری کلس اور گنبد اُن سب سے بلند تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑا
عبادت خانہ ہے۔ تھائیس کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہاں کے لوگ برف،
پانی، آگ اور پہاڑوں کے دیوتاؤں کی پُوجا کرتے ہیں۔ دن کی

روشنی میں تھائیس آگے بڑھتی چلی گئی۔

وہ ایک پرانے کنوئیں کے چبوترے کے قریب سے گزر رہی تھی
کہ اچانک ایک بہت بڑا سبز رنگ کا اژدہا پھنکار مار کر اس کے سامنے
آن کھڑا ہوا اور لہرا لہرا کر اپنی لال زبان نکال کر اُس کی طرف بڑھنے
لگا۔ تھائیس پہلے تو گھبرا گئی۔ سبز اژدہے کی آنکھوں میں اس قدر جادو
تھا کہ اس کا ذہن بند ہو کر رہ گیا۔ پھر اُسے شیش ناگ کے دیے ہوئے
منکے کا یاد آیا اور اسے یاد آیا کہ شیش ناگ نے کہا تھا کہ تمہیں راستے
میں ہرش ناگ ملے گا۔ اسے میرا منکہ دکھا دینا۔

تھائیس نے جھٹ جھولے میں سے سبز رنگ کا منکہ نکال کر
اژدہے کے آگے کر دیا۔

''اے ہرش ناگ' یہ منکہ مجھے شیش ناگ نے دیا ہے۔''

منکے کو دیکھتے ہی ہرش ناگ نے اپنا سر جھکا دیا اور بولا:

''میں اُس کا احترام کرتا ہوں جس کے پاس یہ منکہ ہو۔ تم جا سکتی ہو۔''

کیا یہ سامنے جو شہر ہے وہ تبت ہے؟''

''ہاں' یہ تبت کا شہر ہے۔ مگر اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔۔۔ دیوتا تمہاری حفاظت کریں۔''

ہرش ناگ غائب ہو گیا اور تھائیس تبت کی طرف چل پڑی۔

دیوداسی زندہ ہو گئی

تبت شہر سوگ میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ شہر کے سب سے بڑے عبادت خانے کی مورتی گنڈپ کی دیوداسی مر گئی تھی۔ اُس کی لاش عبادت خانے کے چبوترے پر مورتی گنڈپ کے قدموں میں پڑی تھی۔ پجاری اُس کے اردگرد لوبان اور اگر بتیاں اور عنبر سُلگائے دُعا پڑھ رہے تھے۔ یہ دیوداسی مورتی کی خاص پُجارن تھی اور بچپن سے لے کر مرتے دم

تک مورتی کی خدمت کرتی رہی تھی۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جب دیوداسی مر جاتی ہے تو اس کی روح اپنے جیسے کسی دوسری عورت کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ پھر اُس عورت کی شکل بھی دیوداسی جیسی ہو جاتی ہے؛ چنانچہ وہاں یہ صدیوں سے دستور چلا آ رہا تھا کہ جب بھی دیوداسی مرتی تھی تو پجاری چپکے سے اس دیوداسی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تھے جس کے جسم میں مرنے والی دیوداسی کی روح داخل ہو گئی تھی۔ جس وقت تھائیس تبت کے شہر میں داخل ہوئی تو اس وقت پجاری بیل گاڑی میں بیٹھ کر عطر اور عرق گلاب چھڑکتے نئی دیوداسی کی تلاش میں نکلنے ہی والے تھے۔ تھائیس شہر کے باہر ایک جگہ گھوڑے سے اُتر کر بیٹھ گئی، اُس نے مشکیزے میں سے پانی نکال کر پیا۔ دو ایک انار کھا کر اپنی بھوک مٹائی اور سوچنے لگی کہ تبت میں وہ کہاں جائے؟ کس کے پاس جائے؟ وہاں تو اس کا کوئی بھی جان

پہچان والا نہیں تھا۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ کسی سرائے میں جا کر ٹھہر جائے اور قسمت کے لکھے ہوئے کا انتظار کرے۔

ٹھیک اس وقت پجاری کی بیل گاڑی گھنٹیاں بجاتی اُس کے قریب سے گزری۔ اچانک بڑے پجاری رتنا کی نگاہ تھائیس پر پڑ گئی۔

"گاڑی روک لو، دیوداسی کے درشن ہو گئے۔"

بیل گاڑی ایک دم روک دی گئی اور سارے پجاری گاڑی میں سے اتر کر رتنا کر ساتھ تھائیس کی طرف قدم قدم بڑے احترام کے ساتھ بڑھنے لگے۔ اُن کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بڑے احترام و ادب کے ساتھ منتر پڑھ رہے تھے۔ تھائیس کے قریب آ کر سب کے سب جھک کر سجدے میں گر گئے۔ تھائیس گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی وہ سمجھ نہ سکی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ پھر پجاری سجدوں میں سے اٹھ کر

ایک طرف ہاتھ جوڑے کھڑے ہو گئے۔ بڑا پجاری رتنا کر ہاتھ باندھے آگے بڑھا اور سر جھکا کر ادب سے بولا۔

''اے مقدس دیوداسی' ہم اپنے دیوتاؤں کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہم پر اپنا رحم نازل کیا اور تمہاری رُوح کو پھر سے انسانی جسم عطا کیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم ایک بار پھر ہم پر اپنی رحمتیں نچھاور کرنے کو ہمارے درمیان آ گئی ہو' ورنہ تمہاری موت کے بعد ہم سب یتیم ہو گئے تھے۔ اے مقدس دیوداسی' آگے بڑھ کر ہماری رہنمائی کر اور مقدس مندر کی مورتی گنڈپ کے چرنوں میں رہ کر ہمیں روشنی عطا کر۔''

تھائیس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ اتنا اُسے ضرور محسوس ہو گیا تھا کہ کہیں کوئی زبردست غلط فہمی ہو گئی ہے۔ مگر پجاری لوگ تو بڑے یقین اور ہوش و حواس کے ساتھ اُسے

اپنی دیوداسی ظاہر کر رہے تھے اور اُن میں سے ایک بھی پجاری ایسا نہ تھا جو اندھا ہو یا جس کی ذہانت پر کوئی شک کیا جا سکتا ہو۔ آخر اُس نے پوچھا:

''آپ لوگ کون ہیں اور مجھے دیوداسی کیوں سمجھ رہے ہیں؟''

رتنا کر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی:

''مقدس دیوداسی' تم ہمارے سب سے بڑے مندر کی عظیم مورتی گنڈپ کی سب سے بڑی دیوداسی ہو۔ پہلی دیوداسی جس کی شکل ہو بہو تمہاری ہے مر گئی ہے اور اس کی رُوح وعدے کے مطابق تمہارے جسم میں حل ہو گئی ہے۔''

تھائیس نے پوچھا:

''مگر اِس کا ثبوت کیا ہے کہ میں ہی وہ دیوداسی ہوں جس کی رُوح میرے اندر داخل ہو گئی ہے؟''

"اس کا ثبوت یہ ہے دیوداسی' کہ مرنے والی دیوداسی کی شکل ہو بہو تمہاری شکل جیسی ہے۔ یہ اِس لیے ہوا ہے کہ اس کی روح نے تمہارے جسم میں داخل ہونے کے بعد تمہاری شکل کو اپنے جیسی کر لیا ہے۔"

"نہیں نہیں' یہ میری اپنی شکل ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کی روح میرے اندر داخل ہو جائے۔"

رتنا کرنے جھک کر کہا:

"اے مقدس دیوداسی ہمارے ساتھ مندر میں چل کر پرانی دیوداسی کی لاش دیکھ لو۔ پھر تمہیں یقین آ جائے گا کہ تم ہی وہ مقدس دیوداسی ہو جس کی تلاش میں ہم نکلے تھے۔"

اب تھائیس کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان کے ساتھ مندر میں جائے؛ چنانچہ وہ اُن کے ساتھ چلنے کے لیے آگے

بڑھی۔ پُجاریوں نے شہنائیاں اور ڈھول بجانا شروع کر دیے۔ جس کا مطلب تھا کہ انہیں نئی دیوداسی مل گئی ہے۔ وہ تھائیس کو بیل گاڑی پر بٹھا کر جلوس کی صورت میں بڑی شان کے ساتھ بڑے مندر کی طرف لے گئے۔ راستے میں لوگوں نے تھائیس پر پھول برسائے اور جھک جھک کر اسے سلام کیا۔ تھائیس ایک اعتبار سے خوش بھی تھی کہ ایک ایسے شہر میں اُس کا اتنا شاندار خیر مقدم ہو رہا تھا جہاں ایک لمحہ پہلے اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ٹھہرے گی کہاں۔ مگر ساتھ ہی اُسے یہ اندیشہ بھی کھائے جا رہا تھا کہ جانے آگے چل کر کیا حالات ہوں؟ جانے وہ اب بھی ان لوگوں کے چنگل سے نکل سکے گی یا نہیں؟ کیونکہ وہ تو اُسے اپنی دیوداسی سمجھ بیٹھے تھے اور کوئی بھی قوم اپنی دیوداسی یا دیوتا کو اپنے سے الگ نہیں کرتی۔

بڑا مندر شہر کے درمیان میں تھا۔

"اس کا ثبوت یہ ہے دیوداسی' کہ مرنے والی دیوداسی کی شکل ہو بہو تمہاری شکل جیسی ہے۔ یہ اِس لیے ہوا ہے کہ اس کی روح نے تمہارے جسم میں داخل ہونے کے بعد تمہاری شکل کو اپنے جیسی کر لیا ہے۔"

"نہیں نہیں' یہ میری اپنی شکل ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کی روح میرے اندر داخل ہو جائے۔"

رتنا کرنے جھک کر کہا:

"اے مقدس دیوداسی ہمارے ساتھ مندر میں چل کر پرانی دیوداسی کی لاش دیکھ لو۔ پھر تمہیں یقین آ جائے گا کہ تم ہی وہ مقدس دیوداسی ہو جس کی تلاش میں ہم نکلے تھے۔"

اب تھائیس کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان کے ساتھ مندر میں جائے؛ چنانچہ وہ اُن کے ساتھ چلنے کے لیے آگے

بڑھی۔ پُجاریوں نے شہنائیاں اور ڈھول بجانا شروع کر دیے۔ جس کا مطلب تھا کہ انہیں نئی دیوداسی مل گئی ہے۔ وہ تھائیس کو بیل گاڑی پر بٹھا کر جلوس کی صورت میں بڑی شان کے ساتھ بڑے مندر کی طرف لے گئے۔ راستے میں لوگوں نے تھائیس پر پھول برسائے اور جھک جھک کر اسے سلام کیا۔ تھائیس ایک اعتبار سے خوش بھی تھی کہ ایک ایسے شہر میں اُس کا اتنا شاندار خیر مقدم ہو رہا تھا جہاں ایک لمحہ پہلے اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ٹھہرے گی کہاں۔ مگر ساتھ ہی اُسے یہ اندیشہ بھی کھائے جا رہا تھا کہ جانے آگے چل کر کیا حالات ہوں؟ جانے وہ اب بھی ان لوگوں کے چنگل سے نکل سکے گی یا نہیں؟ کیونکہ وہ تو اُسے اپنی دیوداسی سمجھ بیٹھے تھے اور کوئی بھی قوم اپنی دیوداسی یا دیوتا کو اپنے سے الگ نہیں کرتی۔

بڑا مندر شہر کے درمیان میں تھا۔

یہ وہی مندر تھا جس کا سب سے بڑا گنبد اور تکونی مینار تھائیس کو
دور سے دکھائی دیا تھا۔ شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ نئی دیوداسی اپنا پرانا جسم
بدل کر آ گئی ہے۔ لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے تھائیس پر
پھول برسا رہے تھے۔ کسی کو شک کرنے کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں
تھی۔ کیونکہ وہ صاف دیکھ رہے تھے کہ نئی دیوداسی کی شکل پرانی
دیوداسی سے ہو بہو ملتی ہے۔ یہ جلوس شہر کی گلیوں اور بازاروں میں
سے گزرتا بڑے مندر میں پہنچ گیا۔ مندر کی سیڑھیوں پر بھی پجاری
ہاتھ باندھے کھڑے نئی دیوداسی کی راہ دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے
پھول برسا کر اور سجدے کر کے تھائیس کا استقبال کیا۔ تھائیس کو
پُجاری بھجن گاتے اور شہنائیاں بجاتے اور پھول برساتے مندر کے
بڑے ہال کمرے میں لے گئے۔

یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس کی چھت پتھر کی تھی اور کافی اونچی

تھی۔ درمیان میں ایک بہت بڑی مورتی کا بت بنا ہوا تھا۔ یہ مورتی
کا بت بہت اونچا تھا۔ مورتی کی آنکھوں میں خربوزے
جتنے دو سرخ لال چمک رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کھلے تھے اور لمبے
لمبے دانتوں میں دو سانپ لٹک رہے تھے۔ مورتی کے قدموں میں
ایک چبوترہ تھا جس پر پرانی دیوداسی کی لاش رکھی ہوئی تھی۔

پُجاری رتنا کرنے آگے بڑھ کر دیوداسی کا ہاتھ تھاما۔ اُس پر
گلاب کا عرق چھڑکا اور کہا:

"اے مقدس دیوداسی! اپنے پرانے جسم کا مشاہدہ کرو۔ یہ دیکھو
تمہارا پرانا جسم سوگ کو جانے والا ہے۔"

تھائیس نے آگے بڑھ کر دیوداسی کی لاش کا چہرہ دیکھا تو اُس کا
سر چکرا گیا۔ لاش کی شکل اُس سے ہو بہو ملتی جلتی تھی۔ اگر رتنا کر اُسے
سہارا نہ دیتا تو وہ ضرور غش کھا کر گر پڑتی۔ رتنا کرنے تھائیس کے ہاتھ

میں سونے کا کٹورہ دے کر کہا:

''مقدس دیوداسی' اپنی لاش پر دریائے آمو کا پانی چھڑک دے
تا کہ تمہارا جسم جنت میں ابدی نیند سوئے۔''

تھائیس نے کٹورے میں ہاتھ ڈال کر پانی کا چلو بھرا اور لاش پر
چھڑک دیا۔ اس کے ساتھ ہی شہنائیاں اور ڈھول بجنے لگے۔ تھوڑی
دیر تک یہ شور برپا رہا۔ پھر پجاری نے آگے بڑھ کر لاش کو سفید اور
سرخ پھولوں سے ڈھانپ دیا اور موم کی شمعیں جلا کر تھائیس کو لیے
آگے آگے چل پڑے۔ تھائیس نے رتنا کر سے پوچھا:

''مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟''

''مقدس دیوی' تمہارے مقدس آسمان پر۔۔۔ جہاں تم رہو گی۔
جب تک کہ تمہاری روح اس نئے جسم میں ہے۔ جہاں تک آرام کرو
گی اور تبت کے لوگوں پر موتی کے ساتھ مل کر اپنی محبت اور پھول

نچھاور کرو گی۔''

تھائیس سمجھ گئی کہ یہ لوگ اُسے اُس کی کوٹھڑی میں لیے جا رہے
ہیں۔

یہ کوٹھڑی یا حجرہ جس کو وہ لوگ استھان کہتے تھے مندر کے پہلو ہی
میں پتھروں میں سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ دروازے پر ریشم کر
پردے پڑے تھے۔ آبنوس اور صندل کی مسہری پر ہیرے جواہرات
جڑے تھے اور اندر خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ تھائیس مسہری پر بیٹھ
گئی۔ پجاریوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ وہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹتے
ہٹتے استھان سے باہر نکل گئے۔ رتنا کر نے تالی بجائی۔ چھ سات
خادمائیں سفید ساریاں پہنے' بالوں میں سفید پھول سجائے اندر
آ گئیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر جھک جھک کر دیوداسی تھائیس کے
پاؤں چومے۔ پھر دو خادماؤں نے سونے کا ایک طشت لا کر وہاں

رکھ دیا۔

رتنا کرنے جھک کر کہا:

''مقدس دیوداسی' تم آرام کرو۔ شام کو پُوجا کے وقت ملاقات ہو گی۔''

رتنا کر جھک کر سلام کر کے چلا گیا۔

کنیزوں نے تھائیس کے پاؤں چاندی کے برتن میں نیم گرم پانی سے صاف کیے۔ پھر اُس کے بازوؤں اور سر کو دُھلا کر مُشک و عنبر میں بسا دیا۔ پھر اس کے بالوں میں موتی اور پھولوں کی کلیاں پروئیں۔ تھائیس نرم نرم ریشمی بستر پر لیٹ گئی۔ کنیزیں اُس کے قریب زمین پر بیٹھ کر لوری گانے لگیں۔ تھائیس نے طویل مدت کے بعد نرم نرم ریشمی بستر دیکھا تھا۔ وہ تھکی ہوئی بھی تھی۔ اُسے تو لیٹتے ہی نیند آ گئی اور وہ گہری نیند سو گئی۔

وہ ساری رات سوئی رہی۔ صبح منہ اندھیرے اُسے اٹھایا گیا۔۔۔

اُٹھانے کا انداز بھی بڑا دلکش تھا۔ خادمائیں مور کی شکل کا ایک ساز لے کر اُس کے سرہانے بیٹھ کر آہستہ آہستہ بجانے لگیں۔ جب تھائیس نیند سے بیدار ہو گئی تو کنیزوں نے اُس کے چہرے پر گلاب اور مشک چھڑکنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں اور چہرے کو خالص گلاب کے عرق میں دھلایا گیا۔ اس کے بالوں میں کنگھی کر کے نئی کلیاں اور سرخ و سفید موتی پروئے گئے۔ اس کے اُوپر اُسے ایک سنہری تاروں والی چادر اوڑھائی گئی۔ باہر شہنائیاں بج اٹھیں۔ پجاری پالکی لے کر آ گئے تھے۔

تھائیس کو پالکی میں سوار کرایا گیا۔ ایک پجاری پیچھے پیچھے مور چھل ہلا رہا تھا۔ پجاریوں نے پالکی کندھوں پر اُٹھا رکھی تھی۔ یہ خوبصورت جلوس مندر کے بڑے دروازے کی طرف آ گیا۔ یہاں بڑا پجاری

رتنا کر اور تبت کا راجہ تھائیس کے استقبال کو تیار کھڑے تھے۔ جب
تھائیس کی سواری اُن کے قریب سے گزری تو انہوں نے ادب سے
اپنے سر جھکا دیے۔ پالکی مندر میں داخل ہوگئی۔ پیچھے پیچھے راجہ، بڑا
پجاری رتنا کر اور دوسرے پجاری بھی ہاتھ باندھے جلوس کی شکل میں
چل پڑے۔ مورتی کے پاس پہنچ کر پالکی رُک گئی۔ تھائیس پالکی سے
اُتر کر ایک تخت پر بیٹھ گئی جو مورتی کے قدموں میں رکھی تھی اور جس
میں بڑے ہی قیمتی رنگ برنگ کے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

دیوداسی کے تخت پر بیٹھتے ہی مندر کے باہر سینکڑوں کبوتروں کو آزاد کر
دیا گیا۔ مندر کے اندر پجاری منتر گانے لگے۔ شہنائیاں اور ڈھول
تاشے بجنے لگے۔ ہر طرف مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ سارے شہر میں خوشی
کے شادیانے بجائے جانے لگے۔ نئی دیوداسی نے مورتی کے چرنوں
میں تخت سنبھال لیا تھا۔ اب ایک آخری رسم باقی رہ گئی تھی۔

اچانک ہوا یہ بڑا سانپ یعنی سفید رنگ کا اژدہا جو مورتی کے
دانتوں میں لٹکا ہوا تھا رینگتا ہوا نیچے اُترا اور دیوداسی تھائیس کی طرف
بڑھنے لگا۔ تھائیس کے منہ سے تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اُسے پسینہ
آگیا۔ رسم کے مطابق تھائیس نے سانپ کو اٹھا کر اپنے گلے میں
ڈالنا تھا۔ پجاری چونکہ اس کو دیوداسی ہی سمجھتے تھے۔ اس لیے اُن کا
یقین تھا کہ دیوداسی کو سانپ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر تھائیس کی اندر سے
جان نکلی جارہی تھی۔ کیونکہ اُسے تو معلوم تھا کہ وہ دیوداسی بالکل نہیں
ہے۔

سانپ اُس کے قریب چلا آرہا تھا۔ سنگِ مرمر کے فرش پر وہ بل
کھاتا رینگتا اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ اچانک اُس کے سامنے
آکر رُک گیا اور اپنا بڑا سا پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا اور اپنی لال آنکھوں
سے تھائیس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بار بار اپنی خونی زبان نکال کر

پھنکار رہا تھا۔ رتناکر نے آگے بڑھ کر کہا:

"اے مقدس دیوداسی! رسم کے مطابق اس مقدس سانپ کو پکڑ کر اپنے گلے میں لپیٹ لے تاکہ جانوروں پر بھی تمہارا رحم ہو اور انسانوں کے علاوہ جانور بھی سورگ میں داخل ہو سکیں۔"

تھائیس کو پسینہ آ گیا۔ پھر ایکدم اُسے شیش ناگ کے دیے ہوئے منکے کا خیال آ گیا۔ اتفاق سے وہ منکہ اس کی چولی میں لپٹا تھا۔ اس نے سب کی آنکھ بچا کر چولی میں ہاتھ ڈال کر منکہ نکالا اور اُسے مٹھی میں چھپا کر وہی بند مٹھی والا ہاتھ سانپ کی طرف بڑھایا۔ کہاں تو سانپ تھائیس کو دیکھ کر پھنکاریں مار رہا تھا اور کہاں اب یہ حال ہو گیا کہ منکے کا احساس ہوتے ہی اس نے گردن جھکا دی اور زمین پر رینگتا ہوا تھائیس کے پاؤں میں آ کر بے جان ہو کر پڑ گیا۔

تھائیس نے ایک ہاتھ بڑھا کر سانپ کو اٹھایا اور اپنی گردن کے

گرد ڈال لیا۔ اس کے ساتھ ہی سارے مندر میں نعروں کا شور گونج اٹھا پجاریوں نے اونچی آواز میں بھجن گانے اور منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ اب بھلا کس کو شک ہو سکتا تھا کہ تھائیس دیوداسی نہیں ہے؟ مندر کے میناروں پر ڈھول بجنا شروع ہو گئے۔ راجہ نے آگے بڑھ کر تھائیس کے آگے سر جھکا دیا۔ ایک پُجاری سونے کی طشتری میں رنگ لے کر آگے آ گیا۔ تھائیس نے طشتری میں اُنگلی ڈبو کر اس میں سے رنگ لیا اور راجہ کے ماتھے پر تلک لگا دیا۔ بڑے پجاری نے ہاتھ اوپر اُٹھا کر کوئی منتر پڑھا۔

ایک دم سب لوگ پرے پرے ہٹ گئے۔ دور سے چھن چھن کی آواز آئی اور ایک رقاصہ نے تھائیس کے سامنے آ کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ سانپ ابھی تک تھائیس کے گلے میں لپٹا ہوا تھا۔ منکے کی وجہ سے وہ بالکل مردہ اور بے جان سا ہو رہا تھا۔ رقاصہ رقص کر رہی تھی وہ

بار بار ناچتی ہوئی تھائیس کے قریب آتی اور اُس کے پاؤں کو چھو کر واپس چلی جاتی۔ پھر وہ ناچتے ناچتے زمین پر لیٹ گئی۔ بڑا پجاری آگے بڑھا اور اُس نے راجہ سے کہا:

''اے راجہ دیوتا' حکم دو کہ اس رقاصہ کو مورتی کے چرنوں میں قربان کر دیا جائے۔''

تھائیس یہ سُن کر کانپ گئی' تو کیا وہ اس لڑکی کو ہلاک کر دیں گے؟

راجہ نے سر جھکا کر کہا:

''اجازت ہے میری طرف سے۔۔۔ اس رقاصہ کو دیوداسی کے نام پر مورتی کے چرنوں میں قربان کر دیا جائے۔''

بے چاری لڑکی کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ مگر مجبور تھی۔ ایک پجاری خنجر لے کر اس کی طرف بڑھا۔ دو پجاریوں نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر مورتی کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ مورتی کا

پتھریلا دروازہ اپنے آپ کھل گیا اور پجاری لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے مورتی کے اندر لے گئے۔ تھائیس اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا چاہتی تھی مگر اُس کی آواز حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔

پھر اچانک مورتی کے اندر سے رقاصہ لڑکی کی چیخ بلند ہوئی۔

تھائیس کا دل لرز اٹھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رقاصہ لڑکی کے دل میں خنجر گھونپ دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پجاری ایک پیالے میں خون اور دل لے کر باہر آ گئے اور تھائیس کے آگے پیالہ رکھ کر بولے:

''اے مقدس دیوداسی' رقاصہ لڑکی کی قربانی مورتی کے لیے قبول کر اور اس کے دل کو اپنا مقدس ہاتھ لگا تاکہ اُس کی روح بہشت میں آرام سے رہ سکے۔''

تھائیس نے دیکھا۔ سنگ مرمر کا پیالہ خون سے بھرا ہوا تھا اور اُس میں تازہ تازہ گرم گرم دل تیر رہا تھا۔ وہ تو کانپ گئی مگر وہ بے بس ہو گئی

بار بار ناچتی ہوئی تھائیس کے قریب آتی اور اُس کے پاؤں کو چھو کر
واپس چلی جاتی۔ پھر وہ ناچتے ناچتے زمین پر لیٹ گئی۔ بڑا پجاری
آگے بڑھا اور اُس نے راجہ سے کہا:

''اے راجہ دیوتا! حکم دو کہ اس رقاصہ کو مورتی کے چرنوں میں
قربان کر دیا جائے۔''

تھائیس یہ سُن کر کانپ گئی' تو کیا وہ اِس لڑکی کو ہلاک کر دیں گے؟
راجہ نے سر جھکا کر کہا:

''اجازت ہے میری طرف سے۔۔۔ اس رقاصہ کو دیوداسی کے
نام پر مورتی کے چرنوں میں قربان کر دیا جائے۔''

بے چاری لڑکی کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ مگر مجبور
تھی۔ ایک پجاری خنجر لے کر اس کی طرف بڑھا۔ دو پجاریوں نے
اُسے بازوؤں سے پکڑ کر مورتی کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ مورتی کا

پتھریلا دروازہ اپنے آپ کھل گیا اور پجاری لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے مورتی
کے اندر لے گئے۔ تھائیس اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا چاہتی تھی
مگر اُس کی آواز حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔

پھر اچانک مورتی کے اندر سے رقاصہ لڑکی کی چیخ بلند ہوئی۔

تھائیس کا دل لرز اٹھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رقاصہ لڑکی کے دل میں خنجر
گھونپ دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پجاری ایک پیالے میں خون اور
دل لے کر باہر آ گئے اور تھائیس کے آگے پیالہ رکھ کر بولے:

''اے مقدس دیوداسی! رقاصہ لڑکی کی قربانی مورتی کے لیے قبول
کر اور اس کے دل کو اپنا مقدس ہاتھ لگا تا کہ اُس کی روح بہشت میں
آرام سے رہ سکے۔''

تھائیس نے دیکھا۔ سنگ مرمر کا پیالہ خون سے بھرا ہوا تھا اور اُس
میں تازہ تازہ گرم گرم دل تیر رہا تھا۔ وہ تو کانپ گئی مگر وہ بے بس ہو گئی

تھی۔ وہ کاٹھ کی پتلی بن گئی تھی جس طرف اور جس طرح پجاری
اشارہ کرتے تھے وہ اسی طرح کرتی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دل کو
چھوا۔ دل گرم تھا۔ پُجاریوں نے زور زور سے شہنائیاں اور ڈھول
پیٹے۔ ایک پجاری نے سنگ مرمر کا پیالہ راجہ کے آگے کر دیا۔ راجہ نے
اس میں انگلی ڈبو کر خون کا تلک اپنے ماتھے پر لگایا۔ بڑے پجاری نے
وہ پیالہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور مورتی کے قدموں کی طرف
آ گیا۔

جہاں مورتی کے پاؤں تھے وہاں ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا تھا۔
پجاری نے پیالہ دیوداسی تھائیس کی طرف اٹھایا اور زوردار آواز میں
منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ دیر تک وہ منتر پڑھتا رہا۔ پھر اُس نے
پیالے کو زور سے مورتی کے چرنوں میں پھینک دیا۔ پیالہ ٹوٹ گیا اور
سارا خون مورتی کے چرنوں میں پھیل گیا۔ پجاری نے خوشی میں بھجن

گانے شروع کر دیے۔ یہ آخری رسم بھی پوری ہو گئی تھی۔ رتنا کر نے
کہا۔

''اے مقدس دیوداسی! راجہ کو اپنا آشیرباد دے۔''

راجہ نے گردن جھکا دی۔ تھائیس نے طشت میں سے پھول اُٹھا
کر راجہ کے تاج میں جڑ دیے۔ راجہ نے ایک بار پھر دیوداسی تھائیس
کے پاؤں چومے اور اُلٹے واپس جا کر اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ پجاری
باری باری قطار بنا کر مندر سے نکلنا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد مندر
سے سارے لوگ راجہ کے ساتھ ہی دیوداسی کو جھک جھک کر سلام
کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔ وہاں اب صرف رتنا کر بڑا پجاری رہ
گیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر تھائیس کے قدموں کو ہاتھوں سے چھوا اور
عرض کی:

''مقدس دیوداسی! تیرا خادم رتنا کر سدا تیری خدمت کے لیے

حاضر ہے۔ اسے دعا دے، اسے آشیرباد دے۔"

تھائیس نے طشت میں سے کچھ پھول اٹھا کر رتنا کر کے بالوں میں رکھ دیے رتنا کرنے دیوداسی کے پاؤں دو بارا چھوئے۔ اُسے سجدہ کیا اور اُلٹے قدموں واپس نکل گیا۔ اب تھائیس وہاں اکیلی رہ گئی تھی۔ وہ حیران ہوئی کہ اب وہ کیا کرے۔ سب سے پہلے تو اس نے اپنے گلے سے سانپ اتار کر پرے رکھ دیا۔ سانپ چپ چاپ رینگتا ہوا مورتی کے اوپر چڑھنے لگا۔ تھائیس ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کرے کہ سامنے سے دیوداسیاں، ہیرے جواہرات والی پالکی لیے اندر داخل ہوئے اور اُسے دیوداسی تھائیس کے سامنے رکھ کر جھک گئیں۔ تھائیس سمجھ گئی کہ وہ اسے لینے آئی ہیں۔ وہ بڑے وقار کے ساتھ اٹھی اور پالکی میں بیٹھ گئی۔ اُس کے بیٹھتے ہی کنیزوں نے پالکی کو کندھوں پر اٹھالیا اور بھجن گاتیں، مورچھل ہلاتیں تھائیس کے مقدس

استھان کی طرف چل پڑیں۔

تھائیس اس رات ریشمی بستر پر نہ سو سکی۔ اسے رہ رہ کر اُس بے گناہ رقاصہ کا خیال آ رہا تھا جسے سنگدل پجاریوں نے مُورتی کے اندر لے جا کر ذبح کر دیا تھا اور اُس کا دل نکال کر پیالے میں رکھ کر اُس کے پاس لے آئے تھے۔ تھائیس کا دل اس ظلم پر خون کے آنسو رونے لگا۔ سب سے زیادہ اُسے اِس بات کا دُکھ تھا کہ وہ اُس لڑکی کو بچانے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکی تھی۔

خُونی مُورتی

تھائیس کو دیوداسی کے روپ میں وہاں رہتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا۔

اُسے ہر روز چنگ بجا کر صبح صبح اٹھایا جاتا۔ کنیزیں عرق گلاب سے اُس کا ہاتھ منہ اور پاؤں دھلاتیں۔ اُس کے بالوں میں سفید اور سرخ موتی پروئے جاتے۔ اُس کے جوڑے میں سفید پھول سجائے جاتے۔ اُس کے گلے میں سرخ گلاب کے ہار ڈالے جاتے۔ اُسے

سنہری سونے کی تاروں والی اوڑھنی اوڑھائی جاتی اور پالکی میں بٹھا کر بڑی مورتی کے قدموں میں بچھے تخت پر لا کر بٹھا دیا جاتا۔ پھر پجاری منتر پڑھتے۔ ڈھول تاشوں اور شہنائیوں کے شور میں راجہ روزانہ آ کر مورتی کی پوجا کرتا۔ دیوداسی کے پاؤں کو چھو کر اپنے ماتھے پر مقدس تلک لگواتا۔ دوپہر کو پوجا پاٹھ ختم کر کے تھائیس کو واپس اُس کے استھان پر لایا جاتا۔ اُسے کھانا دیا جاتا۔ کھانے میں صرف سبزیوں کا عرق، دودھ اور پھل کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ ایک بار تھائیس نے جَو کے آٹے کی روٹی کھانے کی خواہش کا اظہار کی تو کنیزوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ بھلا کبھی مقدس دیوداسی نے بھی روٹی کھائی ہے؟

اب تھائیس انہیں کیسے سمجھاتی کہ وہ دیوداسی نہیں ہے۔ وہ تو ایک عام عورت ہے جس کی اتفاق سے صرف شکل پرانی دیوداسی سے ملتی

ہے۔ مگر اب وہ اس چکر میں پھنس گئی تھی، وہ چاہتی بھی تو اُس چکر سے نہیں نکل سکتی تھی اور پھر اس مصیبت سے نکل کر وہ جاتی بھی کہاں؟ اپنے وطن ہڑپہ کے وہ اِس قدر دور تھی کہ اگر وہاں سے فرار بھی ہو جائے تو اکیلی زندہ واپس اپنے شہر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اِن حالات میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک حالات اس کے حق میں نہیں ہوتے وہ اسی جگہ دیوداسی بن کر رہے گی اور اپنے آپ کو قسمت کے بھروسے پر رکھ کر مناسب وقت کا انتظار کرے گی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے تبت کے پجاریوں کی زندگی کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

اُس نے محسوس کیا کہ بڑا پجاری رتنا کر دل سے دیوتاؤں اور پتھر کے بتوں کو نہیں مانتا۔ لیکن چونکہ وہ بڑا پجاری تھا اس لیے بتوں کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتا تھا۔ بتوں سے بغاوت کرنے کی سزا بڑی

عبرت ناک موت تھی۔ کبھی کبھی رتنا کر سے ملنے اس کا بوڑھا باپ آیا کرتا تھا۔ ہم آپ کو یاد دلا دیں کہ یہ بوڑھا وہی تبتی تھا جس کی جان عنبر نے بچائی تھی اور جسے ملکہ عمبکا کی قید سے نکال کر اُس نے دریائے آمور پار کرا کر تبت کی طرف بھگا دیا تھا اور جس نے عنبر سے کہا تھا کہ اگر وہ کبھی تبت آئے تو اُسے ضرور ملے۔

تھائیس کے پاس بھی یہ بوڑھا تبتی ایک بار آیا۔ اُس نے تھائیس کو دیوداسی سمجھتے ہوئے اُس کے پاؤں چھوئے اور دعا کے لیے عرض کی۔ مگر تھائیس نے صاف صاف محسوس کر لیا کہ وہ دل سے اس کی پوجا نہیں کر رہا۔ بلکہ مارے باندھے وہاں آیا ہے۔ ایک روز تھائیس اپنے استھان پر بیٹھی بالوں میں موتی پرو رہی تھی کہ بڑا پجاری رتنا کر اس کے کمرے میں آیا اور جھک کر عرض کی:

مقدس دیوداسی! ملک چین سے ایک پجاری آیا ہے۔ وہ آپ کے

چرن چھو کر آشیر باد لینا چاہتا ہے۔"

تھائیس نے کہا:

"رتنا کر، ہمارے معزز چینی مہمان سے کہو کہ میں مندر میں اس سے ملاقات کروں گی اور وہیں اُسے آشیر باد دوں گی۔"

"جو حکم دیوداسی مہارانی۔"

رتنا کر جانے لگا تو تھائیس نے اُسے بُلا کر کہا:

"رتنا کر، ہم نے محسوس کیا ہے کہ تمہارے بوڑھے باپ کا دل ہمارے دیوی دیوتاؤں سے دور دور رہتا ہے۔ کیا تمہارا باپ کسی دوسرے دیوتاؤں کی پوجا کرتا ہے۔"

رتنا کر کو معلوم تھا کہ دیوداسی ٹھیک کہہ رہی ہے مگر وہ اُسے تسلیم کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ اُس نے کہا:

"ایسا نہیں ہے مقدس دیوداسی! میرا باپ ہمارے سارے دیوی

دیوتاؤں کی پُوجا کرتا ہے اور اُن سے ڈرتا ہے۔"

"ہمیں اُس کے دل کا اور تمہارے دل کا بھی حال معلوم ہے۔ سچ سچ بتاؤ۔ اصل بات کیا ہے؟ اگر تم نے جھوٹ بولا تو تمہارے خاندان پر ہمارا قہر نازل ہوگا۔"

رتنا کر دیوداسی کے قدموں میں گر پڑا اور ہاتھ جوڑ کر بولا:

"میں سچ سچ بتاتا ہوں مقدس دیوداسی! میرا باپ کسی ایسے اوتار کی عبادت کرتا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ ایک بہت عظیم انسان اس سرزمین میں جنم لے گا جو لوگوں کے دکھوں کے لیے اپنا شاہی محل چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جائے گا۔ وہی ہمارے دُکھوں کا علاج کرے گا اور ایک وقت آئے گا کہ تبت کے لوگ اس کی پوجا کیا کریں گے۔"

تھائیس سوچ میں پڑ گئی۔ اُس نے بھی ایک دفعہ عنبر سے سُنا تھا کہ

اس دُنیا میں ابھی بہت سے عظیم انسان پیدا ہونے والے ہیں۔ اُس نے کہا:

گھبراؤ نہیں رتنا کر! ہم تمہارے باپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ اگر وہ دل سے ہماری پوجا نہیں کرتا تو بے شک نہ کرے۔ مگر اُسے بتا دینا کہ وہ کسی دوسرے شخص سے ہمارے خلاف بات نہ کرے، ورنہ ہم اُسے کڑی سزا دیں گے۔''

''میرا باپ ایسا نہیں کرے گا مقدس دیوی' کبھی نہیں کرے گا۔''

''ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو۔''

رتنا کر تین بار جھک کر باہر چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد تھائیس دیر تک سوچتی رہی کہ وہ بوڑھا تبتی کس قدر دور اندیش ہوگا اور نیک ہوگا جو آنے والے واقعات کے بارے میں بھی علم رکھتا ہے۔

اُس نے سوچا کہ بوڑھے تبتی سے کبھی نہ کبھی ضرور گفتگو کرنی چاہیے۔

پھر اس کا ذہن عنبر کی طرف چلا گیا اور سوچنے لگی کہ جانے وہ کس حال میں ہوگا؟ اُسے کیا خبر کہ وہ کن حالات میں تبت میں زندگی بسر کر رہی ہے۔

رات کو سونے سے پہلے تھائیس کا ذہن ایک بار پھر خونخوار مورتی کی طرف چلا گیا جس کے اندر چاند کی ہر پہلی تاریخ کو ایک لڑکی کو قربان کر دیا جاتا تھا۔ اُس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کسی وقت مورتی کے اندر چل کر دیکھنا چاہیے کہ اُس کے اندر کیا ہے؟ مگر اُسے معلوم تھا کہ مورتی کے اندر دیوداسی قدم نہیں رکھ سکتی۔ اُن لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر دیوداسی نے مورتی کے اندر پاؤں رکھا تو مورتی پھٹ کر پاش پاش ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ دیوداسی کی طاقت کو برداشت نہیں کر سکتی۔

تھائیس نے سوچا کہ کیوں نہ آدھی رات کو بھیس بدل کر اندر جایا

جائے۔ اِس میں خطرہ تھا کہ کہیں وہ پکڑی نہ جائے۔ اگر کسی نے اُسے مورتی کے اندر دیکھ لیا تو ان لوگوں کا عقیدہ یہ دیکھ کر ڈگمگا جائے گا کہ دیو داسی کے اندر آنے پر مورتی پھٹ کر پاش پاش کیوں نہیں ہوئی؟ مگر اس نے سوچا کہ وہ بڑی ہوشیاری سے بھیس بدل کر وہاں جائے گی اور کسی کے ہاتھ نہیں آئے گی۔

وہ مناسب موقع کا انتظار کرنے لگی۔ آخر وہ مناسب موقع آ گیا۔ ایک رات اس کی کنیزیں راجہ کی مہارانی کے محل میں دعوت پر چلی گئیں۔ استھان میں تھائیس اکیلی رہ گئی۔ اس نے اُٹھ کر استھان کے تمام دروازے اندر سے بند کیے۔ اپنے جسم کو سیاہ رنگ کی چادر میں لپیٹا اور کھڑکی میں سے باہر نکل گئی۔ وہ مندر کے صحن میں دیوار کی اوٹ میں ہوتی بڑے کمرے کی طرف بڑھنے لگی بڑا دروازہ بند تھا۔ وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے ہی والی تھی کہ اُسے ایک پجاری

دروازے کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ تھائیس لپک کر پیچھے سائے میں آ گئی۔ پجاری نے دروازے کو کھول کر اندر جھانک کر دیکھا اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اندر کوئی نہیں ہے' دوسری طرف نکل گیا۔

اُس کے جانے کے بعد تھائیس نے جلدی سے بڑے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ دروازہ اندر سے بند کر کے وہ دیوار کے ساتھ ساتھ مورتی کی طرف بڑھنے لگی۔ چھت میں اُوپر ایک شمعدان میں موم بتیاں جل رہی تھیں۔ جن کی روشنی میں مورتی کی سرخ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ سفید سانپ اس کے جبڑوں میں لٹک رہا تھا۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اگر تھائیس دن کے وقت وہاں آ کر پوجا پاٹھ کروانے کی عادی نہ ہوتی تو اس خوف ناک خاموشی کو دیکھ کر وہ ضرور غش کھا کر گر پڑتی۔ مگر وہ کسی قسم کے ڈر کے بغیر مورتی کی طرف چپ چاپ بڑھتی چلی گئی۔

اُسے معلوم تھا کہ مورتی کی پشت میں وہ دروازہ ہے جہاں سے پجاری بے گناہ لڑکیوں کو گھسیٹتے ہوئے اندر لے جا کر ذبح کیا کرتے ہیں اور پھر اُن کا دل نکال کے دیو داسی کے حضور پیش کرتے ہیں۔

تھائیس اس دروازے کی طرف آ گئی۔ یہ مورتی کی پشت تھی جسے وہ زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔ مورتی کے عقبی حصے میں پتھر کا ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جہاں تک سیاہ پتھر کی سیڑھیوں بنی ہوئی تھیں۔ تھائیس نے سیڑھیاں چڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ اب وہ مورتی کے اندر تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر غور سے دیکھا۔ یہ ایک تنگ غار نما ایک کمرہ تھا جس کی چھت کے ساتھ ساتھ اوپر تک سیڑیاں چلی گئی تھیں وہ سمجھ گئی کہ یہ سیڑھیاں اوپر مورتی کی آنکھوں تک جاتی ہیں۔ ایک جانب تنگ رستہ چلا گیا تھا۔ تھائیس نے اندازہ لگایا کہ یہ راستہ مورتی کے پیٹ کو جاتا ہے۔ وہ اس راستے میں سے گزر کر مورتی کے

پیٹ میں آ گئی۔ یہ کافی کھلی جگہ تھی اور اس کے دونوں جانب پتھر کے چھوٹے چھوٹے بت بنے تھے۔

مُورتی کے اندر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے میں صرف مورتی کی آنکھوں سے ہلکی ہلکی سُرخ روشنی نیچے پڑ رہی تھی جس نے اندر کی فضا کو اور زیادہ ڈراؤنا اور خوف ناک بنا دیا تھا۔ ایک چبوترے پر تھائیس نے جما ہوا خون دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس جگہ پر پجاری قربان کی جانے والی لڑکیوں کو ذبح کرتے ہیں۔ وہ ابھی چبوترے سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ اسے اچانک سسکی بھرنے کی آواز سنائی دی۔

تھائیس کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔

کیا یہ سسکی مورتی کی تھی؟ پھر یہ سسکی کس نے بھری تھی؟

تھائیس نے سوچا کہ یہ محض اس کا وہم ہے۔ بھلا پتھر کی مورتی بھی کبھی

سسکی بھر سکتی ہے؟ اُس نے سر کو جھٹک کر ایک قدم اٹھایا ہی تھا کہ
سسکی کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ تھائیس نے اپنا سانس روک لیا
اور بڑے غور سے سننے لگی کہ سسکی کی آواز کدھر سے آئی تھی۔ اُس نے
اندازہ لگایا کہ آواز مورتی کے بائیں پہلو کی جانب سے آئی تھی۔ وہ
دبے پاؤں اُس کی طرف چل دی۔ ذرا آگے جا کر وہ رُک گئی۔

اب سسکی کے ساتھ کچھ اِس قسم کی دبی دبی' گھٹی گھٹی سی آواز آنے
لگی جیسے کوئی لڑکی اپنا سر گھٹنوں میں دبائے ہولے ہولے ڈر ڈر کر رو
رہی تھی۔ تھائیس پہلے تو ڈر گئی' لیکن پھر اُس نے حوصلے سے کام لیا اور
سوچا کہ اِس راز پر سے پردہ اٹھانا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ مورتی کے
اندر یہ کون عورت ہے جو رو رہی ہے۔ تھائیس نے اُس طرف رینگنا
شروع کر دیا جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز کسی وقت بند ہو
جاتی اور کسی وقت دوبارہ آنے لگتی۔ بہر حال تھائیس آواز کے ساتھ

ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔ ایک جگہ اُسے آواز بالکل قریب سے سُنائی
دی۔ اُس نے دیوار کے ساتھ کام لگا دیے۔

آواز اندر سے آ رہی تھی، یہ کسی لڑکی کے ہولے ہولے سسکیاں
بھرنے اور رونے کی آواز تھی۔ تھائیس نے دیوار کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔
اُس کا ہاتھ ایک دستے سے ٹکرایا۔ اُس نے دستے کو اپنی طرف کھینچا تو
دروازہ کھل گیا۔ وہ دبے پاؤں اندر داخل ہو گئی۔ اندر کا منظر دیکھ کر وہ
کانپ گئی۔ دیوار کے ساتھ ایک ننھی سی شمع جل رہی تھی۔ ایک لڑکی
جس کے بال کھلے تھے، زنجیروں میں جکڑی ہوئی دیوار کے ساتھ
بندھی پڑی تھی۔ اُس کا سر لٹک رہا تھا اور وہ آہستہ آہستہ سسکیاں
بھرتے ہوئے رو رہی تھی۔ اُس لڑکی نے بھی محسوس کیا کہ کوئی اندر آیا
ہے۔ اُس نے سر اٹھا کر اپنے سامنے ایک سیاہ لبادے میں لپٹے
ہوئے انسان کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ تھائیس نے دروازہ بند کر دیا اور

اس لڑکی کے پاس آ گئی۔ لڑکی کا مارے دہشت کے بُرا حال ہو رہا
تھا۔ قریب جا کر تھائیس نے اپنے چہرے پر سے نقاب اٹھایا اور لڑکی
کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ لڑکی نے تھائیس کو، تھائیس نے لڑکی کو پہچان
لیا۔ یہ لڑکی وہی رقاصہ تھی، جس کو پُجاری نے مورتی کے اندر لے کر
ذبح کیا تھا اور جس کا دل پیالے میں رکھ کر تھائیس کے سامنے پیش کیا
گیا تھا۔ لڑکی نے دیکھا کہ اس کے سامنے دیوداسی خود کھڑی ہے۔ وہ
سر سے لے کر پاؤں تک لرز گئی۔ قریب تھا کہ اس کے منہ سے چیخ
نکل جاتی کہ تھائیس نے لڑکی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا:

”گھبراؤ نہیں، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔“

لڑکی نے کپکپاتے ہونٹوں سے کہا:

”مقدس دیوداسی، آپ یہاں۔۔۔ یہاں۔۔۔؟“

”ہاں، میں یہاں یہ دیکھنے آئی تھی کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ

کہ تمہیں تو پچھلے دنوں ذبح کر دیا گیا تھا۔ میں نے خود پیالے میں
تمہارا دل پڑا دیکھا تھا۔ پھر تم زندہ کیسے ہو گئیں؟“

لڑکی نے کہا:

”اے مقدس دیوی، پُجاری آپ کیساتھ ظلم کرتے ہیں۔ وہ جن
لڑکیوں کو یہاں قربان کرنے کے لیے لاتے ہیں، انہیں ذبح نہیں
کرتے بلکہ اُن کی جگہ ایک بکرے کو ذبح کر کے اس کا خون اور دل
پیالے میں ڈال کر آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔“

”اور وہ لڑکیاں کہاں جاتی ہیں جنہیں وہ قربان کرنے کے لیے
یہاں لاتے ہیں؟“

”یہ میں نہیں جانتی اے مقدس دیوی، مجھے صرف اتنا معلوم ہوا
ہے کہ ان سب لڑکیوں کو پجاری کسی دوسری جگہ جمع کر کے کسی
دوسرے ملک بھجوا دیتا ہے۔“

تھائیس ایک دم سمجھ گئی کہ بڑا پجاری ان لڑکیوں کو دوسرے
شہروں میں اپنے آدمیوں کے ہاتھوں کھلے بازار میں کنیزیں بنا کر بکوا
دیتا ہے اور یوں سونا کماتا ہے۔ اُسے اپنا زمانہ یاد آ گیا جب وہ ایک
کنیز بنا کر مصر کے بازار میں کئی بار فروخت کی گئی تھی۔ تھائیس کو بڑے
پجاری سے نفرت ہو گئی۔ اُس نے لڑکی سے پوچھا:

''تمہیں معلوم ہے باقی لڑکیاں کہاں قید ہیں؟''

''نہیں مقدس دیوداسی' مجھے یہ نہیں معلوم۔''

''پجاری تمہیں یہاں کس لیے چھوڑ گیا ہے؟''

''اے دیوداسی' میں نے اُس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا
اور کہا تھا کہ مجھے مورتی پر قربان کیا جائے' چنانچہ پجاری نے مجھے
ایک بوڑھے مکار عورت کے حوالے کر دیا جو کئی روز سے مجھ پر ظلم کر
رہی ہے۔ اُس نے مجھے زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے اور مجھے بھوکا پیاسا

رکھ کر مجبور کر رہی ہے کہ میں اُس کے ساتھ چلی جاؤں اور قربان
ہونے سے انکار کر دوں۔''

''وہ بوڑھی عورت کہاں ہے؟''

''وہ ابھی ابھی باہر گئی ہے بس آ رہی ہو گی۔''

تھائیس نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''فکر نہ کرو لڑکی' میں تمہاری مدد کروں گی۔ لیکن تمہیں میری ایک
شرط ماننی ہو گی۔''

''میں ضرور مانوں گی دیوداسی' میں آپ کی داسی ہوں۔''

''سنو اب میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ خبردار کسی کو ہرگز یہ
نہ بتانا کہ مقدس دیوداسی یہاں آئی تھی۔ اگر تم نے کسی کو بتا دیا تو تم پر
میرا قہر نازل ہو گا۔''

''میں کبھی نہیں بتاؤں گی مقدس دیوداسی۔''

شاباش! اب میں جاتی ہوں۔ میں کل رات اسی وقت پھر آؤں گی اور تمہیں ان لوگوں کے ظلم سے بچا کر اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

"کیا آپ آئیں گی مقدس دیوداسی؟"

"میں ضرور آؤں گی۔"

اتنا کہہ کر تھائیس چپکے سے باہر نکل آئی۔ وہ واپس جا رہی تھی کہ اُسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ تھائیس جلدی سے دیوار کے سائے میں چھپ گئی۔ ایک بوڑھی عورت ہاتھ میں پانی کا کٹورہ تھامے چلی آ رہی تھی۔ تھائیس نے اپنا سانس روک لیا۔ بوڑھی عورت اس کے قریب سے گزر گئی۔ اُسے پتہ نہ چل سکا کہ اس کے پاس ہی اُن کی مقدس دیوداسی سیاہ نقاب اوڑھے چھپی ہوئی تھی۔

تھائیس دبے پاؤں چلتی ہوئی مورتی کے پیٹ میں آ گئی۔ یہاں سے گزر کر وہ مورتی کے عقب والے اُس دروازے میں آ گئی جہاں

سے گزر کر وہ اندر آئی تھی۔ وہ چپکے سے دروازے میں سے نکل کر بڑے کمرے میں آ گئی اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اچانک اُسے بڑے پجاری کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی سے باتیں کرتا ہوا مورتی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ تھائیس فوراً دیوار کے ساتھ لگ کر چھپ گئی۔ بڑا پجاری رتا کر ایک چھوٹے پجاری سے باتیں کرتا آ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"اگر یہ لڑکی کل رات تک چلنے کے لیے تیار نہ ہو تو اسے قتل کر کے اس کی لاش دریا میں بہا دی جائے۔ میں اب زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ قافلہ جانے کو تیار ہے۔ صرف اِس لڑکی کا انتظار کیا جا رہا ہے۔"

چھوٹے پجاری نے کہا:

"سرکار! دو ایک روز اور انتظار کر لیا جائے۔ یہ لڑکی بڑی

خوبصورت ہے۔ مصر کی منڈی میں اس کی بڑی قیمت پڑے گی۔
کچھ نہیں تو ایک ہزار سونے کے سکے تو ضرور مل جائیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اس کی خاطر میں اپنا باقی نقصان نہیں کر سکتا۔
دوسری بھی تو بیس پچیس لڑکیاں ہیں جنہیں مصر میں جا کر فروخت
کروانا ہے۔ اُن کو میں کہاں تک یہاں چھپائے رکھوں' اگر کسی کو
معلوم ہو گیا تو کیا ہو گا؟"

"میں کوشش کروں گا کہ لڑکی چلنے پر تیار ہو جائے۔"

"ہاں ضرور کوشش کرو' میں بھی اُسے چل کر سمجھاتا ہوں۔ مگر اصل
کام تم میرے بعد کرنا۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے تھائیس کے قریب سے گزر گئے۔ وہ اب
پوری طرح سمجھ گئی تھی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ گویا بڑا اپجاری رتنا کر
دوسرے پجاریوں کے ساتھ مل کر عورتوں کی تجارت کرتا تھا۔ قربان

ہونے والی لڑکیوں کی جگہ وہ بھیڑ بکریوں کو مورتی کے اندر جا کر ذبح
کرتا ان کا خون اور دل لا کر دیوداسی کو پیش کرتا اور لڑکیوں کو قافلے
میں شامل کر کے مصر کی منڈی میں بھجوا کر کنیزیں بنا کر بکوا دیتا تھا۔
تھائیس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ ساتھ باقی لڑکیوں کو
بھی ضرور بچائے گی اور انہیں کبھی در بدر کی ٹھوکریں نہیں کھانے دے
گی۔ وہ چپکے سے مندر کے کمرے سے نکل کر اپنے استھان میں آ گئی
اور مسہری پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ کل رات اس لڑکی کو بچا کر وہ کہاں
چھپائے گی؟

کیا دیوداسی نے قربان ہونے والی لڑکی کو بچالیا؟ تھائیس کا بھید کیوں کر کھلا کہ وہ دیوداسی نہیں بلکہ ایک قید سے بھاگی کوئی کنیز ہے؟ کیا عنبر وحشی ملکہ کو ہُمن قبائل میں پہچانے میں کامیاب ہوگیا؟ عنبر اور تھائیس کی تبت میں کن حالات میں ملاقات ہوئی؟

یہ آپ اس ناول کے آٹھویں حصے ''مردوں کی سرائے'' میں پڑھیں۔

کیا دیوداسی نے قربان ہونے والی لڑکی کو بچا لیا؟ تھائیس کا بھید کیوں کر کھلا کہ وہ دیوداسی نہیں بلکہ ایک قید سے بھاگی کوئی کنیز ہے؟ کیا عنبر وحشی ملکہ کو ہُمن قبائل میں پہچاننے میں کامیاب ہو گیا؟ عنبر اور تھائیس کی تبت میں کن حالات میں ملاقات ہوئی؟

یہ آپ اس ناول کے آٹھویں حصے ''مردوں کی سرائے'' میں پڑھیں۔

عنبر ناگ ماریا

مُردوں کی سرائے

قسط نمبر 8

اے حمید

سنو پیارے بچو!

تھائیس شہزادی۔۔۔مندر کی ایک دیوداسی کے روپ میں' تبت کے بڑے مندر میں' بہت بڑی مورتی کے اندر قید ناچنے والی لڑکی سے وعدہ کرنے آتی ہے کہ وہ کل رات اُسے قید کی کال کوٹھڑی میں سے نکال کرلے جائے گی۔ دوسری طرف اُسی رات مندر کا بڑا پجاری اُس لڑکی کو قافلے کے ساتھ روانہ کرنے والا ہے۔ یہ لوگ مصر اور شام میں جاکر عورتوں اور مردوں کو کنیزیں اور غلام بنا کر بیچتے ہیں۔ تھائیس آدھی رات کو بڑی مورتی کے اندر جاکر رقاصہ لڑکی کو چھڑا کر اپنے

ساتھ لے جاتی ہے۔ دوسری جانب ملکہ عمبکا ہمارے ہیرو عنبر کے ساتھ تبت کے ہُن قبیلے کی طرف بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اُن کے پیچھے موہنجوداڑو کی شاہی فوج کے دستے لگے ہیں۔ آخر یہ بھید کھل گیا کہ تھائیس دیوداسی نہیں۔ عنبر اور تھائیس کی ملاقات کیسے ہوئی؟ یہ آپ اس ناول میں پڑھیں۔

اے حمید

زنجیر ٹوٹ گئی

رقاصہ لڑکی مورتی کے تہہ خانے میں زنجیروں میں جکڑی پڑی تھی۔

بڑے پجاری رتنا کر نے بوڑھی عورت کو سختی سے تاکید کی کہ وہ رقاصہ لڑکی کو مار پیٹ کر اس بات پر راضی کرے کہ وہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ قافلے میں شامل ہونے کو تیار ہو جائے۔ کیونکہ قافلہ اگلے روز صبح وہاں سے خفیہ طور پر روانہ ہو رہا ہے رتنا کر دوسرے پجاریوں کے ساتھ مل کر ان لڑکیوں کو مصر روانہ کر دیتا تھا۔ وہاں وہ منڈی میں بھیڑ بکریوں کی طرح بیچ دی جاتی تھیں۔ اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ مگر تھائیس پر یہ بھید کھل چکا تھا اور اُس نے نہ صرف فیصلہ کر لیا تھا بلکہ رقاصہ لڑکی سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اُسے ضرور بچا لے گی۔ اپنے

کمرے میں آکر وہ سارا دن سوچتی رہی کہ اُسے کسی طرح وہاں سے نکال کر کہاں چھپایا جائے۔اور چھپانے کے بعد وہ اُسے کہاں لے جائے گی۔ایک طرح سے تو تھائیس خود بھی وہاں قید تھی۔وہ خود وہاں سے فرار ہونا چاہتی تھی مگر ایسا نہیں کرسکتی تھی۔

بہر حال رقاصہ لڑکی کی یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔تھائیس نے پکا ارادہ کرلیا تھا کہ وہ آدھی رات کو رقاصہ لڑکی کو وہاں سے نکال لائے گی۔آگے جو ہوگا دیکھا جائیگا۔کم از کم وہ پردیس میں غلام بن کر بے بسی کی زندگی بسر کرنے سے تو بچ جائے گی۔روز کی طرح تھائیس نے دیوداسی کے روپ میں مذہبی رسمیں ادا کیں۔راجہ کو تلک لگایا۔ بڑے پجاری رتاکر کو پھول دیئے اور عطر ولوبان کی خوشبو میں پجاریوں کے منتر سنے۔اس دوران میں اُس کا دھیان مورتی کے اندر قید لڑکی کی طرف ہی لگا رہا۔وہ سوچتی رہی کہ رات کو اسے وہاں سے

نکال کر کہاں چھپائے؟ تیسرے پہر تھائیس کو مقدس پالکی میں بٹھا کر واپس استھان لایا گیا۔ یہاں کنیزوں اور خادماؤں نے اُسے غسل دیا۔ نئے کپڑے پہنائے اور وہ مسہری پر لیٹ کر آرام کرنے لگی۔ رات کو ہلکا سا کھانا کھا کر اس نے خادماؤں کو جلدی بھیج دیا اور نیند کا بہانہ بنا کر سو گئی۔

وہ جاگ رہی تھی۔ آج کی رات بڑی خاص رات تھی۔ آج آدھی رات کے وقت اسے چوری چھپے مندر کی بڑی مورتی کے اندر داخل ہو کر رقاصہ لڑکی کو بچانا تھا اور اُسے اپنے ساتھ لا کر کہیں چھپا دینا تھا۔ تھائیس کے سرہانے ایک ریت گھڑی رکھی تھی۔ وہ بڑی بے تابی سے رات کے آدھی گزرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس کے کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ اُس نے شمع بھی بجھا دی تھی۔ صرف کونے میں پیتل کی تھالی میں ایک موم بتی جل رہی تھی۔ کھڑکی میں سے اُسے آسمان پر

چمکتے ہوئے ستارے صاف نظر آرہے تھے۔ رات آدھی گزر گئی تھا ئیس آہستہ آہستہ اپنے بستر پر سے اٹھ بیٹھی۔ اُس نے اپنے جسم کو سیاہ چادر میں چھپایا اور موم بتی بجھا کر دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازے کا ایک پٹ آہستہ سے کھول کر چاروں طرف چاروں طرف غور سے دیکھا اور پھر یہ اطمینان کر لینے پر کہ وہاں کوئی نہیں وہ چپکے سے باہر نکل آئی۔

دروازہ بند کر کے وہ دبے پاؤں مندر کے بڑے کمرے کی طرف روانہ ہوگئی۔

مندر میں ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں کونے میں دھیمی دھیمی شمع جل رہی تھی جس کی روشنی زیادہ نہیں تھی۔ تھائیس دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی بڑے کمرے میں آ گئی۔ یہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ جب وہ مورتی کے دروازے میں داخل ہونے لگی تو اُسے

یوں محسوس ہوا جیسے اندر سے کوئی شخص باہر آ رہا ہے۔ اُسے دو آدمیوں کی باتیں کرنے کی آواز بھی سنائی دی۔ تھائیس جلدی سے ہٹ کر ایک طرف ہو گئی۔ باتیں کرنے کی آوازیں قریب آ گئیں اور پھر دروازہ کھلا اور رتنا کر پجاری کے ساتھ باہر نکلا۔

وہ پجاری کو کہہ رہا تھا۔

''اگر یہ لڑکی تیار نہ ہوئی تو ہمارے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ اسے ہلاک کر کے دریائے آمو میں پھینک دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ زندہ رہ کر ہمارا راز فاش کر دے گی اور ہمیں اپنا راز اُس لڑکی کی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔''

پجاری نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے گی۔''

''مگر اب تو وقت ہی باقی نہیں رہا۔ پو پھٹتے ہی ہمارا خفیہ قافلہ مصر

کی طرف اپنے سفر پر روانہ ہو جائے گا۔ اگر یہ لڑکی اُس قافلے کے ساتھ نہ گئی اور اس نے شور مچا دیا تو ہمارا بھانڈا ٹھیک چوراہے میں ہی پھوٹ جائے گا اور راجہ ہم سبھوں کی گردنیں اتار کر شہر کے دروازے میں لٹکا دے گا۔"

پجاری ڈر سا گیا۔ اُس نے کہا۔

"ایسا نہیں ہو گا رتنا کر! ہم اُس لڑکی کو زبردستی اٹھا کر لے جائیں گے۔"

رتنا کر نے کہا۔

"یہی تو ہم کرنا نہیں چاہتے۔ ہم اسے بڑی آسانی سے ہلاک کر کے دریا کی لہروں کے سپرد کر سکتے ہیں مگر اسے زبردستی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ یہ ضرور شور مچا دے گی اور ہمارا راز کھل جائے گا اور ہمیں کہیں سر چھپانے کو جگہ بھی نہ ملے گی۔

پجاری نے جواب دیا۔

''آخر ایسی بھی مشکل کیا ہے رتنا کر! ہم نے اتنی لڑکیوں کو قابو کر کے فروخت کیا ہے۔ کیا ہم سے یہ لڑکی قابو نہیں آئے گی؟ اگر چاروں طرف سے مجبوری ہو گئی تو ہم اُس کے سر پر ہتھوڑا مار کر اسے بے ہوش کر کے قافلے کے ساتھ روانہ کر دیں گے۔''

''ظاہر ہے مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ بہر حال میں جا رہا ہوں۔ اب تم ٹھیک ایک پہر کے بعد پو پھٹتے ہی یہاں پہنچ جانا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ قافلہ شہر سے باہر دریا کنارے کنارے ہماری راہ دیکھ رہا ہو گا۔''

''آپ فکر نہ کریں میں پہنچ جاؤں گا۔''

تھائیس دیوار کی اوٹ میں چھپی اُن دونوں خطرناک پجاریوں کی گفتگو سن رہی تھی، جب وہ باتیں کرتے دور نکل گئے تو تھائیس

اندھیرے میں نکل کر مورتی کے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ دروازہ آہستہ سے کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ مورتی کے اندر کا راستہ سنسان اور اندھیرا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتی گئی۔ آخر وہ اس کوٹھڑی کے باہر آ گئی۔ جس کے اندر وہ رقاصہ لڑکی قید تھی۔ تھائیس نے ذرا سا دھکا دے کر دروازے کا پٹ کھول دیا۔ اندر لڑکی زنجیروں کے ساتھ جکڑی قید تھی۔

تھائیس کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسرت کی چمک آ گئی۔

''مقدس دیوداسی! مجھے آپ کا ہی انتظار تھا۔ آپ مجھے یہاں سے نجات دلانے والی بن کر آئی ہیں۔ وہ لوگ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں اُن کے ساتھ چلوں۔ مگر میں نے مسلسل انکار کیا۔ وہ تھوڑی دیر بعد پھر آئیں گے۔''

''لڑکی! یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں۔ میں نے اُن دونوں کی

ساری گفتگو سُن لی ہے۔ وہ تمہیں بیہوش کر کے لے جانے کی فکر میں ہیں۔ مگر اُن کے آنے سے پہلے پہلے میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی۔''

تھائیس نے قریب ہی پڑا ہوا ایک پتھر اٹھایا اور اُس کی ضربوں سے لڑکی کی زنجیرے توڑ دیں۔ لڑکی آزاد ہوگئی تو تھائیس نے کہا۔

میرے پیچھے پیچھے چپ چاپ چلتی آؤ۔''

لڑکی تھائیس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگئی۔ مورتی کی پیٹ سے نکل کر وہ مندر کے بڑے کمرے میں آ گئے۔ تھائیس بائیں جانب گھومنے لگی تو اُس نے بڑے پجاری رتنا کر اور چھوٹے پجاری کو مورتی کی طرف آتے دیکھا۔ وہ لڑکی کو لے کر جلدی سے ایک بت کے پیچھے چھپ گئی۔ پجاری کے ہاتھ میں لکڑی کا ہتھوڑا تھا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ لڑکی کو بے ہوش کر کے لے جانے کے لیے

آ رہے تھے۔ جب وہ قریب سے گزرے تو رتنا کرنے کہا۔

''ہتھوڑے کی چوٹ لڑکی کے سر کے پیچھے لگانا۔ خیال رکھنا۔ چوٹ زیادہ نہ لگے۔ خون نہ بہے۔ بس بیہوش ہو جائے۔''

''فکر نہ کرو رتنا کر! میں اس سے پہلے کئی لوگوں کو ہتھوڑا مار کر بے ہوش کر چکا ہوں۔ میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔ قافلے والے دریا کنارے صرف ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔''

''بس مورتی کے اندر جا کر ہتھوڑے کی چوٹ لگانے کی دیر ہے۔''

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے تو تھائیس نے سرگوشی سے لڑکی کو کہا۔

''جلدی سے میرے پیچھے آ جاؤ۔''

وقت بڑا نازک تھا ایک پل کے بعد رتنا کر اور پجاری کو معلوم ہو جانے والا تھا کہ رقاصہ لڑکی بھاگ گئی ہے اور یہ اُن کے حق میں انتہائی خطرناک بات ہو سکتی تھی۔ لڑکی کو ہلاک کر کے، یا اُسے وہاں سے اغوا کر کے وہ محفوظ تھے۔ مگر لڑکی کے بھاگ جانے پر ان کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ تھائیس نے معاملے کی سنگینی کے پیش نظر رقاصہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور قریباً گھسیٹتی ہوئی اُسے اپنے کمرے کی طرف لے گئی۔ اُس کے کمرے کے باہر ایک دھیمی سی شمع جل رہی تھی۔ تھائیس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور لڑکی کو لے کر اندر گھس گئی۔ اُس نے اندر جاتے ہی دروازے بند کر لیا اور لڑکی سے کہا۔

''فوراً میرے پلنگ کے نیچے چھپ جاؤ۔ جلدی۔''

رقاصہ لڑکی گھبرائی ہوئی تھی۔ بے چاری اُسی وقت تھائیس کے

پلنگ کے نیچے گھسی اور دم سادھ کر لیٹ گئی۔ تھائیس کے پلنگ پر کم خواب اور ریشم کی چادر اس طرح بچھی ہوئی تھی کہ اُس کے کنارے نیچے زمین پر بچھے ہوئے بکرے کی اُون کے سفید قالین چھو رہے تھے۔ چنانچہ اگر کوئی پلنگ کے نیچے لیٹا ہوا ہوتو وہ نظر نہیں آ سکتا تھا۔ تھائیس نے اپنا سیاہ لباس اتار کر صندوق میں رکھا اور شمع گل کر کے پلنگ پر اس طرح لیٹ گئی جیسے سو رہی ہو۔

اُدھر بڑا پجاری رتنا کر چھوٹے پجاری کے ساتھ لکڑی کا ہتھوڑا لے کر کوٹھڑی میں داخل ہوا تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ زنجیریں ٹوٹی ہوئی تھیں اور لڑکی غائب تھی۔ یہ بڑی ہی خطرناک بات تھی۔ لڑکی کا قید سے بھاگ جانا اُس کے لیے انتہائی ذلت آمیز موت کا باعث بن سکتا تھا۔ اس لئے کہ لڑکی کو معلوم تھا کہ بڑا پجاری قربان ہونے والی لڑکیوں کو فروخت کر دیتا ہے اور اُسے یہ بھی معلوم

تھا کہ صبح دریا کے کنارے سے ایک خفیہ قافلہ لڑکیوں کو لے کر روانہ ہونے والا تھا۔

''یہ بڑا غضب ہو گیا۔ فوراً لڑکی کو تلاش کرو۔''

رتنا کر نے گھبراہٹ سے کہا اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ دونوں پجاری پاگلوں کی طرح لڑکی کو مندر میں اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگے۔ مگر وہاں تو اندھیرے اور گہری خاموشی کے اور کچھ نہیں تھا۔ سب سے زیادہ پریشانی رتنا کر کو تھی کیونکہ لڑکی کی گمشدگی کے ساتھ اس کا بھانڈا پھوٹ جاتا تھا۔ انہوں نے مندر کا کونا کونا چھان مارا مگر اسے رقاصہ لڑکی کا کہیں سُراغ تک نہ ملا۔ وہ بڑے حیران تھے کہ عین وقت پر اُسے کون زنجیریں توڑ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ کسی غیر آدمی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ مندر کے اندر یا مورتی کے اندر قدم بھی رکھ سکے۔ یقیناً یہ کام کسی بھیدی کا تھا۔

''مگر وہ بھیدی کون ہو سکتا ہے۔''

''یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''میرا خیال ہے ہمیں باہر چل کر لڑکی کو تلاش کرنا چاہیے۔''

''باہر تو شہر سو رہا ہے۔گلیاں اور بازار سنسان ہیں وہاں ہمیں اُس کا سراغ کہاں ملے گا؟''

دونوں پجاری مندر کی تلاشی لینے کے بعد پریشانی کی حالت میں باہر نکل آئے۔انہوں نے باہر آ کر ارد گرد پھیلے ہوئے گڑھوں اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کے بُتوں کے پیچھے بھی تلاش کیا مگر لڑکی کو تو جیسے زمین کھا گئی تھی۔وہ وہاں سے لپک کر اُس بوڑھی عورت کی کوٹھڑی میں گئے جو اُس کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔بوڑھی عورت ہڑ بھڑا کر اُٹھ بیٹھی۔اُس نے جب سُنا کہ لڑکی کو کوئی آزاد کر کے لے گیا ہے تو سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔کیونکہ اُس جرم میں وہ بھی برابر کی

شریک تھی اور لڑکی کے بھانڈا پھوڑ دینے پر وہ عورت بھی پھانسی کے پھندے سے نہیں بچ سکتی تھی۔ اُس نے کہا۔

''میں تو اُسے اچھا بھلا چھوڑ کر آئی تھی۔''

''مگر تم نے کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے بند کیوں نہیں کیا؟''

''وہ تو کبھی بھی تالہ نہیں لگا کر رکھا تھا۔ ہمیشہ ایسے ہی کھلا رہتا تھا۔ اس لئے کہ کسی کی جرات نہیں کہ مورتی کے اندر داخل ہو۔''

''اب تو پھر کوئی اندر داخل ہو کر لڑکی کو آزاد کرا کے لے گیا ہے اور ہماری سب کی جان خطرے میں ہے۔ اگر لڑکی نے راجہ کے دربار میں جا کر ہمارے بارے میں سارا راز فاش کر دیا تو راجہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''مگر اُس کے پاس کیا ثبوت ہے کہ اُسے دوسرے ملک میں فروخت کرنا چاہتے تھے؟''

''کوٹھڑی میں ٹوٹی ہوئی زنجیریں ہمارے گناہ کا سب سے بڑا ثبوت ہیں۔''

''ہم اُن زنجیروں کو ابھی غائب کر دیتے ہیں۔''

''لیکن اگر راجہ نے پوچھا کہ اس لڑکی کو تو دیوتاؤں کے آگے قربان کر دیا گیا تھا۔ یہ پھر زندہ کیسے بچ گئی۔ اور پیالے میں خون کس کا تھا؟''

بڑے پجاری رتنا کر کے اس سوال کا کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔ چھوٹے پجاری نے کہا۔

''پھر اب کیا کیا جائے رتنا کر؟''

رتنا کر نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

''سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے تو خفیہ جانے والی قافلے کو فوراً روانہ کر دیا جائے تاکہ صبح ہونے سے پہلے

پہلے وہ تبت کی سرحدوں سے دور نکل جائے اس کے بعد خاموشی سے
اپنے طور پر لڑکی کی تلاش جاری رکھی جائے اور کسی سے کوئی بات نہ کی
جائے۔ اگر کہیں لڑکی نظر آ جائے تو اُسے اُسی وقت اُسی جگہ ہلاک کر
دیا جائے۔ کیونکہ وہ ہمارے گناہوں کا چلتا پھرتا زندہ ثبوت ہے۔
جب تک وہ زندہ ہے ہم سب کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔

اس کے بعد دونوں پجاری دریا کی طرف چلے گئے جہاں خفیہ
قافلہ تیار کھڑا تھا۔ انہوں نے جاتے ہی قافلے والے سے کہا کہ جس
لڑکی کو آنا تھا وہ بہت زیادہ بیمار ہوگئی ہے اس لئے قافلہ اُس کے بغیر
ہی روانہ ہو جائے۔ انہوں نے قافلے کو اسی وقت روانہ کر دیا۔ قافلہ
جب اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو واپس مندر میں آ گئے اور اپنی
کوٹھڑی میں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ رقاصہ لڑکی کو کہاں تلاش کیا جائے
اس سے پہلے انہوں نے قید خانے کی کوٹھڑی میں جا کر زنجیروں کو

دیواروں سے کاٹ کر الگ کر دیا تھا اور وہاں سے ساری ثبوت ختم کر دیئے تھے۔

رات کے سائے صبح کی روشنی میں گم ہونے لگے تھے۔ تھائیس یعنی مورتی مندر کی دیوداسی اپنے پلنگ پر خاموش لیٹی ہوئی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں کنیزیں اُس کا منہ ہاتھ دھلانے آجائیں گی۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ بڑا پجاری لڑکی کی تلاش میں ادھر نہیں آئے گا تو اُس نے چپکے سے اٹھ کر مسہری کے نیچے جھانک کر کہا۔

''باہر آجاؤ اب۔''

لڑکی سہمی ہوئی تھی۔ وہ باہر نکل آئی۔ تھائیس اُسے لے کر اپنے کمرے کی ایک پچھلی کھڑکی میں آگئی۔ یہاں لکڑی کے پرانے صندوق پڑے تھے۔ تھائیس نے لڑکی کو کہا۔

''جب تک تمہارے یہاں سے نکلوانے کا کوئی اور بندوبست نہیں ہوتا تم اس کوٹھڑی میں چھپی رہو۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں خود تمہیں کھانے پینے کی ہر چیز پہنچا دیا کروں گی۔''

''یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ ابھی میرا فرض پورا ادا نہیں ہوا ابھی تمہیں کسی ایسی جگہ پہنچانا ہے جہاں تم باقی زندگی عزت کے ساتھ بسر کر سکو۔ ابھی تک میری سمجھ میں یہ نہیں آ سکا کہ تمہارے لیے وہ جگہ کون سی ہو سکتی ہے۔''

''کاش میرے ماں باپ یا بہن بھائی زندہ ہوتے مگر میرا تو اس دنیا میں سوائے آپ جیسی مقدس ہستی کے اور کوئی نہیں ہے۔''

''رب عظیم تمہاری حفاظت کرے گا۔'' اے رقاصہ لڑکی اگر تم کو اُس نے اس اندھیری کوٹھڑی سے نکال دیا ہے تو اس کے بعد بھی وہ تمہاری ضرور حفاظت کرے گا۔ اچھا اب میں جاتی ہوں میری

کنیزیں آرہی ہوں گی۔"

تھائیس رقاصہ لڑکی کو پچھلی کوٹھڑی میں بند کر کے باہر تالا لگا کر اپنے کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد کنیزیں عطر' لوبان اور مشک و عنبر لے کر خواب گاہ میں آ گئیں۔ ایک کنیز نے چنگ پر صبح کا نغمہ چھیڑ دیا۔ تھائیس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی ہو۔ کنیزوں نے عطر گلاب سے اس کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اُس کے سیاہ بولوں میں موتی اور گلاب کی سفید کلیاں پروئیں۔ اُس کے پاؤں گلاب کے عرق میں دھوئے اور پالکی میں سوار کر کے اُسے کندھوں پر اٹھائے مندر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

مندر میں راجہ' اُس کے وزیر' پجاری اور رتنا کر مورتی کے آگے کھڑے تھے۔ دیوداسی کی پالکی کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا دیئے۔ تھائیس نے محسوس کیا کہ رتنا کر اور چھوٹے پجاری کے چہروں

پر پریشانی تھی۔ لڑکی کی گمشدگی کی وجہ سے وہ بے چین تھے اور بار بار کبھی دائیں کبھی بائیں دیکھ رہے تھے۔ تھائیس ان کی پریشانی کی وجہ اچھی طرح جانتی تھی۔ مگر وہ مطمئن تھی۔ اس لئے کہ جس کوٹھڑی کے اندر رقاصہ لڑکی بند تھی اُس کی چابی تھائیس کی ساڑھی کے پلّو کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ وہاں سے اُسے کوئی بھی دوبارہ اغوا نہیں کرسکتا۔ تھائیس نے بڑے سکون کے ساتھ مورتی مندر کی مذہبی رسمیں ادکیں اور پالکی میں سوار ہوکر واپس اپنے استھان میں آگئی۔

ویران خانقاہ

عنبر ملکہ عمبکا کو ساتھ لے کر ہُن قبائل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

اُس کے پیچھے موہنجو داڑو کی شاہی فوج کے سپاہی لگے اُن کا تعاقب کر رہے تھے۔ انہیں بادشاہ شہزادے کی طرف سے حکم تھا کہ ملکہ عمبکا کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے اُس کے دربار میں پیش کیا جائے۔ عنبر ملکہ کو موہنجو داڑو کے قید خانے سے آزاد کرا کر اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ وہ اُسے اُس کے قبیلے کے سپرد کر کے خود آگے تبت کی طرف نکل جانا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ شاہی فوج اُس کے پیچھے لگی ہو گی۔ اسی لئے اُس راستے میں کسی جگہ بھی آرام نہیں کیا گیا تھا اور وہ مسلسل سفر کر رہا تھا۔ آخر وہ تھک گئے۔ اُن کے گھوڑے بھی تھک کر

چور ہو گئے۔ اب وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں وہ دم بھر کو آرام بھی کر لیں اور جہاں انہیں گھوڑوں کے لیے پانی بھی مل جائے۔ ملکہ عمبر کا نے کہا۔

''میں اس علاقے سے واقف ہوں۔ یہاں سے تھوڑی دور ایک سیاہ پہاڑ کے دامن میں ایک ویران خانقاہ ہے جہاں ایک چھوٹا سا پہاڑی چشمہ بہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، ہم وہاں چل کر تھوڑی دیر آرام کریں گے۔''

انہوں نے گھوڑے آگے بڑھا دیئے۔ چلتے چلتے آخر وہ اس سیاہ پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے سیاہ پتھر کی بنی ہوئی ایک خانقاہ دیکھی جس کی چھت پر تکونی مینار ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ عنبر نے پوچھا۔

''کیا اسی خانقاہ کا تم کہہ رہی تھیں عمبر کا؟''

''ہاں۔میرا خیال ہے یہ وہی خانقاہ ہے۔''

قریب پہنچ کر عنبر نے دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔چشمے کے اوپر پتھروں کی ایک چھت تھی جس پر سبز انگور کی بیل چڑھی ہوئی تھی۔انہوں نے گھوڑوں کو پانی پلایا۔خود منہ ہاتھ دھویا اور انگور کھائے۔اور گھوڑوں کو اِدھر اُدھر گھاس پتے چرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔

تازہ دم ہونے کے بعد عمبر اور عمبکا دونوں خانقاہ کے اندر چلے گئے۔یہاں سوائے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے پتھروں اور ایک کونے میں بنے ہوئے چبوترے کے اور کچھ نہ تھا۔صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ خانقاہ ایک عرصے سے ویران چلی آ رہی ہے۔عنبر نے عمبکا سے پوچھا:

''کہ تم اس سے پہلے بھی یہاں آئی ہو؟''

عمبکا نے کہا۔

''بہت دیر کی بات ہے کہ میں ادھر سے اپنی فوج کے ساتھ گزری تھی۔ یہ خانقاہ ان دنوں بھی اسی طرح ویران تھی۔ میں نے یہاں کسی راہب یا لاما کو نہیں دیکھا تھا۔''

''یہ خانقاہ مجھے کسی مرے ہوئے لاما کی معلوم ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے اندر چبوترے کے پاس جو مٹی کا مرتبان پڑا ہے اس میں ضرور اُس مرے ہوئے لاما کی راکھ ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔ مگر ہمیں اس سے کیا۔ ہمیں تو یہاں گھڑی دو گھڑی آرام کر کے آگے نکل جانا ہے۔ اس لئے کہ شاہی فوج کے سپاہی ضرور ہمارا پیچھا کر رہے ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے عمبکا۔ مگر مجھے خانقاہوں سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے کہاں کسی مرے ہوئے پجاری یا دیوداسی کی راکھ پڑی ہو۔''

''تم مجھے وہمی انسان معلوم ہوتے ہو۔ حالانکہ ایک بہادر نوجوان کو وہمی نہیں ہونا چاہیے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم بہادر نوجوان ہو۔ پھر تم اتنا وہم کیوں کرتے ہو؟''

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''یہ میرا وہم نہیں ہے عمبکا۔ بلکہ میرا شوق ہے۔''

''کیا تمہیں روحوں کو دیکھنے اور ان سے باتیں کرنے کا شوق ہے؟''

''ہاں''

''کیا تم نے کسی روح کو آج تک دیکھا ہے؟ کسی روح سے کبھی بات کی ہے؟''

''نہیں''

عنبر نے دل کی بات دل ہی میں رہنے دی اور عمبکا کو اپنے

بارے میں بالکل نہ بتایا کہ وہ روحوں سے باتیں کر لیتا ہے اور اُس نے کئی روحوں کو اپنے سامنے دیکھا ہے۔ بلکہ وہ خود ایک روح تھا۔ اگر روح نہ ہوتا تو دو ہزار برس سے کیسے زندہ چلا آتا؟ عنبر اٹھ کر خانقاہ کے اندر چلا گیا۔ وہ دیواروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ مٹی کے پرانے مرتبان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ مرتبان پر مکڑی نے جالا بُن رکھا تھا اور اُس کا آدھا حصہ زمین کے اندر دفن تھا۔ عنبر نے مرتبان کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ وہ سخت ٹھیکرا تھا۔ اچانک اُسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی نے سسکی بھری ہو۔ وہ چونک سا گیا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ اُس کا خیال تھا کہ شاید اُس کے پیچھے کسی سانپ نے سسکارا ہے۔ مگر پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ عمبر کا باہر چشمے کے کنارے بیٹھ کر پاؤں دھو رہی تھی۔

عنبر نے مرتبان کو پھر ایک بار انگلی سے چھوا تو اسے ایک بار پھر

سسکاری سنائی دی۔ جیسے کوئی خاموشی سے آہیں بھر رہا ہو۔ عنبر محتاط ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس خانقاہ میں کسی درویش کی روح رہتی ہے۔ اُس نے آہستہ سے روح کو آواز دی۔

''تم جس کی بھی روح ہو۔ اگر سامنے آسکتی ہو تو سامنے آؤ۔''

نہ تو کسی نے جواب دیا اور نہ کوئی روح اس کے سامنے ہی آئی۔ وہ چبوترے کے دائیں جانب آ کر دیوار کو جھک کر دیکھنے لگا۔ یہاں اُسے ایک پتھر کی سل نظر آئی جو دیوار میں سے ذرا سی باہر کو کھسکی ہوئی تھی۔ عنبر نے دونوں ہاتھوں سے سل کو ذرا اپنی طرف کھسکایا۔ سل آگے کو آ گئی اور اُس کے عقب میں عنبر کو ایک سوراخ دکھائی دیا۔ عنبر نے سوراخ کے اندر ہاتھ ڈال کر ٹٹولا تو اندر اُسے پتھر کا ایک لٹو سا محسوس ہوا۔ عنبر نے اس لٹو کو ایک طرف گھما دیا۔ لٹو گھماتے ہی دیوار میں ایک شگاف پیدا ہو گیا۔ گڑگڑاہٹ اتنی زیادہ تھی کہ باہر چشمے پر

بیٹھی ہوئی عمبکا بھاگ کر اندر آ گئی۔

''کیا ہوا عنبر؟''

عنبر نے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ دیوار میں کافی کھلا دروازہ تھا شگاف دیکھ کر عمبکا بڑی حیران ہوئی۔

''یہ۔۔۔ یہ دیوار میں دروازہ کہاں سے آ گیا؟''

عنبر نے کہا۔

''آؤ اندر چل کر دیکھتے ہیں۔''

عمبکا بھی بڑی دلیر ملکہ تھی۔ وہ عنبر کے ساتھ شگاف کے دروازے میں سے گزر کر اندر چلی گئی۔ اندر ایک اونچی چھت والا کمرہ تھا جو کافی دور تک پہاڑ کے اندر ہی اندر چلا گیا تھا۔ چھت کے اوپر سے اندر ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ روشنی پہاڑ کے اوپر کسی قدرتی بنے ہوئے روشندان سے آ رہی ہے۔ ابھی

وہ چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ اچانک عنبر کو محسوس ہوا کہ اس کا پیچھا کرنے والے سپاہی خانقاہ کے قریب قریب پہنچ چکے ہیں۔ اُس نے عمبکا سے کہا۔

''جلدی سے باہر چلو۔ شاید دشمن سر پر پہنچ گیا ہے۔''

وہ دونوں بھاگتے ہوئے خانقاہ سے باہر آگئے۔ یہ عنبر کی خاص چھٹی حس تھی جس نے اُسے آنے والے خطرے سے بروقت خبر دار کر دیا تھا۔ اور جس کا اُسے ڈر تھا وہی ہوا۔ جب وہ خانقاہ سے باہر نکلے تو انہیں دور ایک پہاڑی کی ڈھلان پر موہنجوداڑو کے بادشاہ کے سپاہیوں کا ایک دستے کو اُسی خانقاہ کی طرف آتا تھا، کیونکہ وہاں سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

''فوراً گھوڑوں کو قابو کر کے خانقاہ کے اندر لے چلو عمبکا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔''

''یہاں ہم کہاں چھپیں گے عنبر! میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے فرار ہو جانا چاہیئے۔''

'''' اگر ہم یہاں سے فرار ہو گئے تو سپاہی بہت جلد ہمیں رستے میں پکڑ لیں گے۔ اس لئے کہ وہ آندھی کی طرح بڑھتے رہے ہیں۔ اور اس سے آگے صحرا میں کوئی چھپنے کی جگہ نہیں ہے۔''

عمبکا نے عنبر کی تجویز مان لی۔ انہوں نے گھوڑوں کو باگوں سے پکڑا اور کھینچتے ہوئے خانقاہ کے اندر لے گئے۔ یہ اُن کی خوش قسمتی تھی کہ عنبر نے ٹٹولتے ٹٹولتے دیوار میں ایک دروازہ تلاش کر لیا تھا۔ وگرنہ آج عمبکا کو دشمن کے سپاہیوں سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ عنبر نے پہلے دونوں گھوڑوں کو دیوار کے شگاف کے اندر داخل کر دیا اور اُس کے بعد خود بھی اندر چلا گیا۔ اندر جا کر اُس نے دیوار کے سوراخ میں اندر کی جانب سے ہاتھ ڈال کر لٹوں کو الٹا گھما دیا۔ لٹو کے الٹا گھومتے

ہی دیوار دوبارہ اپنی اصل جگہ پر آ گئی اور شگاف بند ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

''اب ہم اس خانقاہ میں بالکل محفوظ ہیں۔ اگر سپاہی یہاں ٹھہرے بھی تو وہ ہمیں نہ پا کر آگے نکل جائیں گے۔''

عمبکا نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ یہاں نہیں ٹھہریں گے۔''

''نہیں۔ وہ ضرور یہاں رُکیں گے۔ ایک تو یہاں پانی بہت ہے دوسرے انہیں یہاں ہمارے گھوڑوں کے سُموں کے نشان نظر آئیں گے۔ وہ ہمیں رُک کر ارد گرد ضرور تلاش کریں گے۔''

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ انہیں باہر بہت سے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ ایسے لگا جیسے بہت سے گھوڑے وہاں آ کر رُک گئے ہوں۔ باہر گھوڑوں کی آوازیں سُن کر اندر عنبر اور عمبکا کے گھوڑے بھی

ہنہنائے۔ عمبکا نے کہا۔

''دیوتاؤں کے لیے ان کو خاموش کرو۔ یہ ہمیں مروا دیں گے۔''

عنبر نے فوراً چادریں پھاڑ کر دونوں گھوڑوں کے منہ کس کر باندھ دیئے اور خود کان لگا کر دیوار کے اُس پار آوازیں سننے لگا۔ سپاہیوں نے عنبر اور عمبکا کے گھوڑوں کے سُموں کے نشان دیکھ لئے تھے اور وہاں رُک گئے تھے۔ سُموں کے نشان ادھر سے گھوم کر خانقاہ کے اندر جا رہے تھے۔ ایک سپاہی نے کہا۔

''یقیناً وہ لوگ خانقاہ کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی سپاہی گھوڑوں سے اتر کر تلواریں ہاتھ میں لئے خانقاہ کے اندر آ گئے۔ مگر خانقاہ کے اندر سوائے ادھر ادھر پڑے ہوئے پتھروں اور ایک چبوترے کے اور کچھ نہیں تھا۔

چھوٹی سی کوٹھڑی میں اگر دو گھوڑے ہوتے تو وہ کہاں چھپ سکتے

تھے؟ سپاہیوں کے افسر نے کہا۔

''لیکن گھوڑوں کے نشان اندر آ کر دوبارہ باہر نہیں جا رہے۔ پھر وہ کہاں چلے گئے؟ انہیں زمین کھا گئی ہے؟ تلاش کرو۔ وہ ضرور یہاں کہیں چھپے ہوں گے۔''

ایک سپاہی نے کہا۔

سردار اتنی چھوٹی سی کوٹھڑی میں ہم انہیں کتنی دیر اور کہاں تک تلاش کرتے رہیں گے۔ وہ ضرور یہاں سے نکل کر چلے گئے ہیں۔ ہمیں اُن کا پیچھا جاری رکھنا چاہیے۔ اگر ہم نے یہاں دیر کر دی تو وہ بہت دور نکل جائیں گے۔''

سردار نے کہا۔

''یہ مرتبان کیسا ہے؟''

ایک سپاہی نے کہا

''سردار! تبت کے لوگ اپنے کسی بزرگ کی راکھ مرنے کے بعد مرتبانوں میں بند کر کے رکھ دیا کرتے ہیں یہ ضرور کسی درویش کی راکھ ہے۔''

سردار نے غصہ میں کہا۔

''اتنے بڑے مرتبان میں چھوٹی سی راکھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ ضرور اس مرتبان میں چھپے ہوں گے۔''

اور یہ کہہ کر سردار نے مرتبان پر تلوار ماری اور مرتبان ٹوٹ گیا۔

سردار نے جھانک کر اندر دیکھا تو ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

''اس کے اندر تو کسی مُردے کی کھوپڑی اور ہڈیاں پڑی ہیں۔''

سپاہی بولا۔

''میں نے آپ سے یہی کہا تھا کہ اس میں کسی مُردے کی راکھ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس مرتبان کی مرمت کر کے اِسے دوبارہ

بند کر دینا چاہیئے۔ مُردوں کی بے حرمتی گنا ہے۔"

"بک بک بند کرو اور چلو آگے۔ وہ لوگ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے۔"

سردار نے چیخ کر سپاہیوں سے کہا اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر خانقاہ سے آگے نکل گئے۔ اندر دیوار کے ساتھ لگے عنبر نے اُن کی ساری باتیں سُن لی تھیں اور اُس نے مرتبان کے ٹوٹنے کی آواز بھی سنی تھی جس کا اُسے بے حد افسوس ہوا تھا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ سپاہی بہت دور نکل چکے ہوں گے تو وہ دیوار کا لٹو گھما کر باہر نکل آیا۔ ملکہ عمبکا بھی اس کے ساتھ تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ مرتبان اوپر سے ٹوٹ گیا ہے اور اُس کا ایک ٹکڑا نیچے گرا پڑا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"ان لوگوں نے اس درویش کی بے حرمتی کی ہے۔ اس کی روح

اُن سے ضرور بدلہ لے گی۔"

ملکہ عمبکا نے کہا

"ہمیں اس مرتبان کو جوڑ دینا چاہئیے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اتنا کہہ کر عنبر نے زمین پر گرا ہوا مرتبان کا ٹکڑا اٹھایا اور اُسے جوڑنا شروع کر دیا۔ عمبکا نے باہر چشمے کے پانی سے مٹی کو گیلا کر کے اس کا گارا بنایا۔ عنبر نے مرتبان کی ٹوٹی ہوئی کرچیں اٹھائیں اور گارے کی مدد سے اُسے جوڑنا شروع کر دیا۔ جب مرتبان پوری طرح جُو گیا تو عنبر نے کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟ کیا ہمیں آگے چلنا چاہئیے یا یہیں ٹھہر کر ان کی واپسی کا انتظار کرنا چاہئیے۔ کیونکہ یہاں سے آدھے دن کی مسافت کے بعد ہُن قبائل کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اور سپاہی اُس علاقے میں جانے کی جرأت نہیں کریں گے۔"

عمبکا کہنے لگی۔

''تمہارا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر سپاہی میرے علاقے میں ایک بار چلے گئے تو میرے قبیلے کے لوگ انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ضرور آج رات تک اسی جگہ واپس آجائیں گے اور ضرور یہاں پڑاؤ کریں گے۔''

''تو پھر ہمیں اس خانقاہ میں بیٹھ کر ان کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ جب وہ یہاں سے واپس چلے جائیں گے تو ہم بڑے سکون کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکیں گے۔''

یہ تجویز ویسے بھی بڑی معقول تھی۔ چنانچہ انہوں نے خانقاہ کے اندر ہی رات بسر کرنے کا ارادہ کرلیا۔ گھوڑے تو اُن کے پہلے ہی خانقاہ کے خفیہ کمرے میں بندھے تھے۔ وہ دونوں باہر آکر چشمے کے کنارے بیٹھ گئے اور اُس طرف دیکھنے لگے جدھر سپاہی گھوڑوں

پر سوار ہو کر انہیں دوڑاتے ہوئے گزر گئے تھے۔ دور سے اُن کے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی گرد اڑاتی نظر آئی اور پھر غائب ہو گئی۔ عنبر اور ملکہ عمبکا چشمے پر بیٹھے باتیں کرنے لگے کہ کل کسی وقت یہاں سے آگے روانہ ہوں گے۔ عنبر نے ملکہ سے پوچھا اب جبکہ اس کا لشکر جنگ ہار کر تباہ ہو چکا ہے وہ اپنے قبیلے میں جا کر کیا کرے گی؟ ملکہ نے کہا۔

''میں اب بھی اپنی قوم کی ملکہ ہوں۔ اگر ایک لشکر تباہ ہوا تو کیا ہوا؟ ساری قوم کا لشکر میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میرے لوگ مجھے بے حد پیار کرتے ہیں۔ وہ ایک بار پھر میری تلوار کے سائے میں جمع ہو جائیں گے۔ میں ایک پہلے سے بھی بڑا لشکر تیار کروں گی اور موہنجوداڑو کو ضرور فتح کر کے رہوں گے۔''

عنبر نے کہا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے ملکہ عمبکا! تمہیں اب جنگ وجدل

سے منہ موڑ لینا چاہیے ۔اس لئے کہ تم نے خود دیکھ لیا ہے کہ جنگ کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔"

ملکہ نے کہا۔

"میں ایک جنگ جُو ملکہ ہوں۔ میرا کام ہی لڑنا ہے۔ میری قوم بھی ایک بہادر اور جنگ جُو قوم ہے۔ اگر وہ لڑائی نہیں کرے گی تو پھر کیا کرے گی۔ اگر میں نے کسی پر حملہ نہ کیا تو کوئی دوسری طاقت میرے قبیلے پر حملہ کر کے ہمیں نیست و نابود کر دے گی۔ اور میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ملکہ عمبکا ایک وحشی اور خونخوار قوم کی ملکہ ہے۔ اُس کے دماغ میں جنگ اور لڑائی کے سوا اور کوئی بات نہیں آ سکتی۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک عنبر نے محسوس کیا جیسے خانقاہ کے

اندر کسی بڑے پتھر کے گرنے کی آواز آئی ہے۔ اُس نے چونک کر ملکہ کی طرف دیکھا۔ ملکہ نے بھی یہ آواز سن لی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ اندر پھر کسی پتھر کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ حیران ہوئے کہ اندر کون پتھر پھینک رہا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ کہیں ان کے گھوڑے نہ بدک گئے ہوں۔ وہ چشمے پر سے اٹھ کر خانقاہ کے اندر آ گئے۔ اندر آ کر انہوں نے جو منظر دیکھا وہ اُسے دیکھ کر دم بخود ہو کر رہ گئے۔

خانقاہ میں جس چبوترے کے پاس زمین میں بڑا سا مرتبان گڑا تھا وہاں ایک سیاہ کپڑوں میں ملبوس ایک آدمی کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں پتھر تھا۔ اس کی زرد آنکھوں سے سرخ چنگاریاں سی پھوٹ رہی تھیں اور اُس پر ایک سینگ ابھرا ہوا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ مرتبان والے مرد کی روح ہے۔ ملکہ پہلے تو ذرا ڈری پھر حوصلے سے وہاں کھڑی

رہی۔ عنبر کو روحوں سے باتیں کرنے کی عادت تھی اور وہ اُن سے کبھی نہیں ڈرتا تھا۔ اُس نے کہا۔

''کیا آپ اس مرتبان میں آرام کرنے والے بزرگ کی روح ہیں؟''

روح نے قہقہہ لگایا۔ خانقاہ کی چھت لرز اٹھی اور اندر سے انہیں گھوڑوں کے ڈر کر ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیں۔

روح نے کہا۔

''میں اس مرتبان میں سوئے ہوئے جادوگر کی روح ہوں۔ سنو! میں نے اس خانقاہ میں پچاس برس تک ریاضت کی ہے۔ چلّے کاٹے ہیں۔ میں بڑے سکون سے سو رہا تھا کہ تم لوگوں نے مجھے پریشان کر دیا۔ تمہیں میں اس لئے معاف کرتا ہوں کہ تم دونوں نے مل کر میری قبر کے مرتبان کو پھر سے جوڑ دیا ہے۔ لیکن میں اُن سپاہیوں کو کبھی

معاف نہیں کروں گا۔ جنہوں نے میرے مرتبان کو توڑ دیا تھا۔''

مرتبان کا بھوت

مرتبان کا بھوت بے حد غصے کی حالت میں تھا۔

اُسے اپنی پرانی قبر کے ٹوٹ پھوٹ جانے کا اس قدر صدمہ تھا کہ وہ شاہی فوج کے سپاہیوں سے اس کا پورا پورا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اُس نے عنبر اور عمبکا کو کہا کہ وہ خانقاہ میں بے فکر ہو کر آرام کریں۔ وہ انہیں کچھ نہیں کہے گا لیکن سپاہیوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ اُن کی واپسی کا انتظار کرے گا۔ اتنا کہہ کر مرتبان کا بھوت، یعنی جادوگر کی روح غائب ہوگئی۔ عنبر اور عمبکا نے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ عنبر نے کہا۔

''یہ اچھا ہے کہ شاہی فوج کے سپاہیوں نے مرتبان کے بھوت کو

ناراض کر دیا۔ اب اُن کی خیر نہیں ہے۔ جو کام ہم اکیلے نہیں کر سکتے تھے وہ یہ بھوت کر دے گا۔''

عمبکا نے کہا۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ مرتبان میں بند روح سپاہیوں کے آنے پر ظاہر ہو جائے گی؟''

''ہاں! مجھے پورا پورا یقین ہے۔''

عمبکا نے تشویش کے انداز میں کہا۔

''اور اگر روح ظاہر نہ ہوئی اور ہم نے بھی کوئی تدبیر نہ کی اور سپاہی ہمارے سر پر پہنچ گئے تو ہمارا جو حشر ہو گا وہ ساری دنیا دیکھے گی۔''

عنبر نے جواب دیا۔

''مجھے ان بھوتوں اور روحوں کا تجزیہ ہے۔ یہ قوم ایک بار وعدہ کر دے تو اُسے ضرور پورا کرتی ہے۔ اور پھر مرتبان کی روح تو انتقامی

کاروائی کر رہی ہے۔ وہ اپنے وقت پر ضرور نمودار ہوگی۔ تم دیکھ لینا۔"
عمبکا نے کہا۔

"بہر حال ہمیں اسی خانقاہ میں بیٹھ کر تعاقب کرنے والے دشمنوں کا انتظار کرنا ہے۔ کیونکہ اگر ہم یہاں سے چل پڑے تو راستے میں اُن سے ضرور مڈبھیڑ ہو جائے گی اور ہم اکیلے اتنے زیادہ سپاہیوں کو مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

وہ خانقاہ کے خفیہ کمرے میں جا کر گھوڑوں کے پاس بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ عمبکا کا مرتبان کے بھوت پر بھروسہ نہیں تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ روحیں یونہی کسی وقت جلال میں آجاتی ہیں اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھول جایا کرتی ہیں۔ لیکن عنبر کو اچھی طرح معلوم تھا کہ مرتبان کا بھوت ضرور ظاہر ہوگا۔ اور اگر سپاہی واپسی پر اِس خانقاہ میں ٹھہرے تو ان کا بہت بُرا حشر ہوگا۔ ایک اعتبار سے وہ

خوش تھا کیونکہ وہ دیوی بلیطیس کی روح کو بار بار تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔

دن گزر گیا۔ شام کے سائے گہرے ہونے لگے اور پھر تبت کے اُس پُر اسرار اور ویران علاقے میں رات آ گئی۔ ہر طرف خاموشی کی حکمرانی ہو گئی۔ آسمان پر ستارے چمکنے لگے۔ کسی طرف سے کوئی بھی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ عنبر کمرے کا دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔ خدا جانے کے ایک گھوڑے کو کیا ہوا کہ وہ بدک کر زور سے ہنہنایا اور رسہ تڑا کر باہر کو بھاگ گیا۔ عنبر اُس کے پیچھے بھاگا۔ تھوڑی دیر بعد عمبر کا بھی باہر نکل آئی۔ وہ خانقاہ سے باہر آ کر کھڑی ہو گئی اور رات کے اندھیرے میں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں عنبر کو گھوڑے کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھنے لگی۔

گھوڑا ایک گول دائرے کی شکل میں بھاگ رہا تھا۔ عنبر کبھی تو

گھوڑے کے پیچھے پیچھے دوڑتا اور کبھی ایک جگہ کھڑے ہو کر اس کوشش میں ہوتا کہ جھپٹ کر گھوڑے کی گردن پر سوار ہو جائے۔ مگر گھوڑا جو کہ شائد ڈر گیا تھا مسلسل دائرے کی صورت میں گھوم رہا تھا۔ ایک بار عنبر جھپٹا تو وہ گھوڑے کی گردن پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے نے زور سے جھٹکا مارا اور وہ لڑھک کے دور جا گرا۔ اب ملکہ عمبکا کے اندر وحشی قوم کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ سے دوڑ کے گھوڑے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ گھوڑا دیوانہ وار بھاگ رہا تھا اور مسلسل چکر لگا رہا تھا۔ ایک بار جب وہ گھوڑے کے سامنے سے گزری تو اُچھل کے گھوڑے پر سوار ہو گئی اور دونوں ہاتھوں سے اُس کی گردن کے لمبے بال ہاتھوں میں جکڑ لیے۔

گھوڑا بہت اُچھلا کودا۔ اس نے بہت زور مارا۔ بیشمار دفعہ ملکہ کو جھٹکنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ ملکہ عمبکا نے گھوڑے کو قابو تو کر لیا

مگر خود بے قابو ہوگئی۔ یعنی اُس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی پڑ گئیں اور گھوڑے نے ایک طرف سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا۔ عنبر اس صورتحال سے گھبرا گیا۔ وہ خانقاہ کی طرف بھاگا۔ وہاں سے اپنا گھوڑا لیا اور اُس پر سوار ہو کر اُسے دوڑاتا ہوا ملکہ کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ ملکہ خانقاہ سے کافی آگے نکل گئی تھی۔ عنبر بھی اُس کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا چلا گیا۔

کوئی ایک گھنٹے کے تعاقب کے بعد اُس نے ملکہ کے گھوڑے کو گھیرے میں لے لیا اور اُس کی باگیں پکڑ کر اُسے اپنے قابو میں کر لیا۔ اب ملکہ عمیکا بھی ہوش میں آ چکی تھی۔ اُس نے گھوڑے پر پوری طرح قابو پا لیا اور دونوں واپس چل پڑے۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ اچانک انہیں اپنے پیچھے گھوڑوں کے سُموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا۔

''دشمن کے سپاہی آن پہنچے ہیں۔''

''ہمیں فوراً خانقاہ میں پناہ لینی چاہیے۔''

ابھی وہ گھوڑوں کو واپس موڑ کر چلے ہی تھے کہ دشمن کے برق رفتار شاہی گھوڑوں نے اُنہیں آلیا۔ وہ اُن کے سر پر پہنچ گئے۔ اب وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ اگر انہوں نے بھاگنے کی کوشش تو وہ لوگ ضرور عمبکا کو تیر مار کر ہلاک کر دیں گے۔ اور اگر وہ رک گئے اور سپاہیوں کے آگے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا تو ہو سکتا ہے کہ عمبکا کی جان بچ جائے۔ اس کے علاوہ اُسے پوری امید تھی کہ سپاہی انہیں گرفتار کرنے کے بعد خانقاہ میں قیام کریں گے اور مرتبان کا بھوت یعنی جادوگر کی روح اُن سپاہیوں سے اپنا انتقام ضرور لے گی۔ اس خیال کے تحت عنبر نے عمبکا سے کہا۔

''ملکہ! اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دینا ہے۔ اس کے

بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

مگر دشمن ان کے گرد گھیرا ڈال چکا تھا۔ اب تو انہیں ہر حالت میں ہتھیار پھینکنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ سردار نے عمبکا اور عنبر کو پہچان لیا تھا۔ اس نے کہا۔

"اگر زندگی چاہتے ہو تو دونوں ہتھیار پھینک کر اپنا آپ ہمارے حوالے کر دو۔"

عنبر نے ہتھیار پھینک دیئے۔ ملکہ عمبکا نے تلوار اٹھانے کی کوشش کی تو عنبر نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر ریت پر پھینک دی۔ کیونکہ ٹھیک اُس وقت جب ملکہ نے تلوار اُٹھائی تھی عنبر نے ایک سپاہی کو کمان میں تیر جوڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ تیر نے ایک پل کے اندر اندر کمان سے نکل کر ملکہ کو ہلاک کر دینا تھا۔ ملکہ نے جھنجھلا کر کہا۔

''تم میرے قبیلے کی سرزمین پر ہو۔ اگر میری قوم کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ مجھے گرفتار کر کے لے جا رہے ہو تو وہ تمہارے ٹکڑے اڑا دے گی۔''

سالار نے ہنس کر کہا۔

''ہم جانتے ہیں عمبکا کہ تمہارے قبیلے کی سرحد کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ ہم وہاں تک تمہاری تلاش میں گئے تھے۔ ہاں اگر ہم وہاں ہوتے تو ضرور تمہاری قوم کے سپاہیوں کا مقابلہ کرنا پڑتا۔ مگر اس وقت تم اپنے ملک کی سرحدوں سے آدھے دن کی مسافت پر ہو۔ یہاں تمہیں ہماری قید سے کوئی نہیں بچا سکتا۔''

عنبر نے کہا۔

ٹھیک ہے سردار! ہم گرفتاری کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں'' ملکہ عمبکا نے چیخ کر کہا۔

''دشمن قوم کے کتے مجھے ہرگز گرفتار نہیں کر سکتے۔ میں ان کا مقابلہ کروں گی۔''

عنبر گھبرا گیا کہ اگر عمبکا نے مقابلہ شروع کرنے کی کوشش کی تو سردار ضرور اس کا سر قلم کر دے گا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ موہنجوداڑو کے بادشاہ نے اُسے اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ عمبکا کا سر کاٹ کر دربار میں لائے۔ اُس نے عمبکا کا ہاتھ دبا کر سرگوشی میں کہا۔

''ملکہ! خدا کے لیے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو اور مقابلہ نہ کرو۔''

اس دوران میں سپاہی گھوڑوں سے کود کر ملکہ عمبکا اور عنبر کو اپنے قابو میں کر چکے تھے۔ انہوں نے دونوں کے ہاتھ رسیوں سے پشت

پر باندھ دیئے اور انہیں لے کر خانقاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ خانقاہ کے پاس آ کر سردار نے کہا۔

''ہم تھوڑی دیر اس خانقاہ میں قیام کر کے تازہ دم ہوں گے۔''

عنبر کا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح دشمن کے سپاہی اس خانقاہ میں پل بھر کے لیے قیام کریں۔ کیونکہ اندر مرتبان کا خوفناک بھوت اور جادوگر کی خونخوار روح اس کا انتظار کر رہی تھی۔ سپاہیوں نے اپنے گھوڑے خانقاہ کے باہر باندھے اور خود اندر آ کر چبوترے اور زمین پر ادھر اُدھر لیٹ گئے۔ عنبر اور عمبکا کو دیوار کے پاس ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ سردار نے دیکھا کہ خانقاہ کے عقب میں بھی ایک کمرہ تھا جس کے اندر ایک بستر لگا تھا۔ اور گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ وہ شیطان کی طرح مسکرایا اور بولا۔

''تو تم دونوں نے اس خانقاہ میں ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ خیر کوئی

بات نہیں اب یہی جگہ تم دونوں کی قبر بنے گی۔ یہاں سے میں تم دونوں کے سر لے کر چلوں گا۔ تمہاری لاشیں مجھے ساتھ لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے بادشاہ کو تمہارے سر چاہئیں۔ تمہارے دھڑ نہیں۔۔۔ تم چاہو تو پتھر کے ستون کے ساتھ لگے لگے تھوڑی دیر آرام کر سکتے ہو۔''

باقی سپاہی قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ سردار نے کہا۔

''اٹالی مس! ان دونوں بکروں کے سر کاٹنے کے لیے اپنا خنجر خوب تیز کر لو۔ بس سارا کام ایک ہی جھٹکے میں ہو جانا چاہیے نہ تمہارے خنجر کو زیادہ محنت اٹھانی چاہیے نہ ان کو زیادہ تکلیف ہونی چاہیے۔''

سپاہی نے کھڑے ہو کر خنجر نکال کر کہا۔

''ایسا ہی ہو گا حضور۔''

اور پھر اُس نے سب کے سامنے خنجر ایک پتھر پر تیز کرنا شروع کر دیا۔ وہ خوب زور لگا کر پتھر پر خنجر کو رگڑ بھی رہا تھا اور دانت نکال کر ہنس بھی رہا تھا۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے عنبر اور عمبکا کو دیکھ رہا تھا۔ عمبکا کو اب اپنی موت یقینی دکھائی دے رہی تھی۔ اُس نے عنبر کی طرف دیکھا اور سرگوشی میں پوچھا۔

''مرتبان کی روح کہاں ہے؟''

عنبر نے زمین میں گڑھے ہوئے مرتبان کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے پہلے بھی ٹکٹکی باندھ کر مرتبان کو دیکھتا رہا تھا۔

سپاہی نے نفرت سے خنجر زمین پر پھینک دیا۔ سردار نے اپنے نیام میں سے تلوار نکال کر پکڑ لی اور ملکہ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

''کیا اب تم خوش ہو عمبکا کہ تمہاری گردن ایک سردار اپنی تلوار

سے قلم کرے گا؟"

"اگر اس وقت میں آزاد ہوتی تو اپنی تلوار سے تمہاری گردن قلم کر دیتی لیکن میں شکست کھا چکی ہوں اور تم لوگوں نے مکاری سے کام لے کر مجھے قید کر لیا ہے۔ میں مجبور ہو گئی ہوں۔ اس لئے کچھ نہیں کر سکتی۔ لیکن میں موت سے ڈروں گی بھی نہیں"

"کیا تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے؟"

"بکواس بند کرو۔ میں ملکہ ہوں۔ کوئی معمولی کنیز نہیں ہوں۔ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس کا مقابلہ کروں گی۔ تم دیکھو گے کہ موت مجھ سے ڈر کر سہم جائے گی۔ تم مرنے کے بعد بھی میرے چہرے پر سکون اور بہادری کی شان دیکھو گے۔"

سردار نے شیطانی قہقہہ لگایا۔

"تم ایک بہادر ملکہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر میں بھی ایک

بہادر سپہ سالار ہوں۔ میں نے آج تک ہزاروں عورتوں کو قتل کیا ہے۔ مگر دیوتا گواہ ہیں کہ تمہیں قتل کرتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی ہے۔

عنبر نے دیوی بلیطیس کو بلانے کے لئے آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ خانقاہ میں ایک دھماکہ سا ہوا۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں اور وہ لرز اٹھا۔ ساری زمین لرز اٹھی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ مرتبان کا بھوت ظاہر ہو چکا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے جن کے روپ میں ظاہر ہوا تھا۔ وہ اتنا بڑا تھا کہ اُس کا سر چھت سے ٹکرا رہا تھا۔ دونوں ہاتھ اتنے لمبے تھے کہ اُس کے گھٹنوں کو چھو رہے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں لمبی لمبی تلواریں تھیں اور ہاتھی جیسے دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔

سپاہی تو اُسے دیکھ کر ڈر گئے۔ بھُوت خانقاہ کے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس لئے باہر جانے کا راستہ بند ہو گیا تھا۔ سردار نے اپنی تلوار زور سے لہرا کر بھوت کے سر پر دے ماری۔ بھوت نے قہقہہ لگا کر اُس کی تلوار کو یوں ہاتھ میں پکڑ لیا جیسے وہ ماچس کی تیلی ہو۔ اب اُس کی باری تھی۔ اُس نے تلوار کا پہلا وار پوری طاقت کے ساتھ کیا اور سردار کی گردن قلم ہو کر فرش پر گر پڑی۔ اس کے بعد بھوت نے دو سپاہیوں کی گردنیں قلم کر دیں۔ باقی سپاہی چوہوں کی طرح ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ بھوت نے ایک ایک کر کے اُن سب کو اپنی گرفت میں لے لیا اور انہیں دبوچ کر باری باری ہلاک کر کے لاشیں فرش پر تڑپنے کے لیے چھوڑ دیں۔ اس کے بعد اس نے عنبر اور عمبکا کی رسیاں کاٹ ڈالیں اور کہا۔

''تم دونوں کو اس لئے آزاد کرتا ہوں کہ تم نے میری قبر کی مرمت

کی تھی۔ تم نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ اب تم آزاد ہو اور جب چاہوں یہاں سے جا سکتے ہو۔"

عنبر اور عمبکا نے بھوت کا شکریہ ادا کیا۔ بھوت نے کہا۔

"میں نے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر لیا ہے۔ تمہارے شکریے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جا رہا ہوں۔"

اور بھوت قہقہہ لگا کر دوبارہ مرتبان کے اندر چلا گیا۔ ملکہ نے عنبر کی طرف حیرانی سے دیکھا۔ جیسے کہ وہ کہہ رہی ہو کہ اگر یہ جادوگر کی روح اس کی مدد نہ کرتی تو وہ زندہ نہیں بچ سکتے تھے۔ عنبر نے ملکہ کو یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ وہ مر نہیں سکتا تھا اور اُسے بھی بچانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ ملکہ اُس کی بات کا یقین نہ کرے گی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"اور پھر وہ دونوں خانقاہ سے نکل کر باہر آ گئے۔ وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور پچھلی رات کے ستاروں کی روشنی میں اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

چنگیز خاں کے قبیلے میں

دوپہر تک سفر کرنے کے بعد عنبر اور ملکہ ہُن قبائل کی سرزمین میں پہنچ گئے۔

دور سے اپنے قبیلے کی خیمے دیکھ کر ملکہ عمبکا کے چہرے پر ایک مسرت کی چمک آ گئی۔ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کی تعریفیں کرنے لگی۔ اُس نے عنبر کو بتایا کہ ہُن قبیلے کے لوگ ایک اور دلیر قوم کے لوگ ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں پیدا ہوتے ہیں اور میدانِ جنگ میں ہی مرتے ہیں۔ فتح اور شکست اُن کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ اگر زندہ ہیں تو شکست کھا کر بھی فاتح ہیں۔ وہ پھر حملہ کر کے اپنی شکست کا بدلہ لے لیں گے۔ عنبر ملکہ عمبکا کی باتیں سنتا رہا۔ خیمے قریب آ رہے تھے۔ آخر ان دونوں کو لوگوں نے دیکھ لیا۔ وہ قریب

آ گئے۔ انہوں نے اپنی ملکہ کو پہچان لیا تھا۔ وہ اُس کے سامنے تعظیم میں جھک گئے اور انہوں نے نعرے لگا کر اپنی ملکہ کا استقبال کیا۔

آن کی آن میں سارے علاقے میں یہ خبر پھیل گئی کہ اُن کی ملکہ زندہ سلامت واپس آ گئی ہے۔ خیموں میں سے لوگ نکل نکل کر ملکہ کے گرد جمع ہو گئے۔ دور دور سے ہُن وحشی گھوڑوں پر سوار گھوڑے دوڑاتے آنا شروع ہو گئے۔ ایک بہت بڑا جلوس اکٹھا ہو گیا جو ''ملکہ زندہ آباد'' کے نعرے لگاتا ملکہ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنی ملکہ کو ایک پالکی میں بٹھا لیا اور اسے کندھوں پر اٹھائے چل پڑے۔ شام ہونے سے پہلے پہلے یہ جلوس ہُن قوم کی سلطنت کے بڑے شہر میں پہنچ گیا۔ یہ خیموں کا شہر تھا۔ درمیان میں ایک بہت عظیم الشان خیمے کا محل تھا۔ یہ محل عمبکا کا تھا۔ عنبر اس محل میں پہلے بھی رہ چکا تھا۔

محل میں رات کو ایک بہت بڑی دعوت ہوئی۔ جس میں ملکہ عمبکا نے اپنے درباریوں کو بتایا کہ اگر عنبر اُسے فرار ہونے میں مدد نہ دیتا تو اُس کا زندہ بچ کر اپنے لوگوں میں آ جانا بہت مشکل تھا۔ درباریوں نے عنبر کی تعریف میں نعرے لگائے۔ مگر عنبر ایک خاص مقصد لے کر آگے جا رہا ہے۔ وہ اکیلا بھی جا سکتا تھا لیکن اُس نے میری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور محض اس لئے کہ میری بچی کی جدائی اس سے برداشت نہ ہو سکی۔

ملکہ نے اپنی کمسن بچی کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور اُسے کہا۔

''بیٹی! اپنے محسن کو سلام کرو۔''

ننھی بچی نے ہاتھ اٹھا کر عنبر کو سلام کیا۔ عنبر نے بچی کا ماتھا چوم لیا اور کہا۔

''ربِّ عظیم تمہیں ایک بہادر اور نیک زندگی عطا کرے۔''

عنبر نے ایک ہفتہ ہُن قوم کی ملکہ کے دربار میں بسر کیا۔ اُس کی بہت زیادہ آؤ بھگت کی گئی۔ ہر روز اُس کی دعوت ہوتی جس میں قسم قسم کے کھانے اُس کے آگے رکھے جاتے۔ جس روز صبح کو عنبر جا رہا تھا اُس کی شام کو ملکہ نے اُسے بلا کر کہا۔

''عنبر! تم تبت جا رہے ہو۔ تبت ایک پُراسرار ملک ہے۔ اور پُراسرار شہر ہے۔ میں اپنی قوم کے دماغ سے شکست کا داغ دھونا چاہتی ہوں اور تبت پر چڑھائی کا ارادہ رکھتی ہوں۔''

عنبر نے کہا۔

''ملکہ! کیا اس سلسلے میں تم نے سارے پہلوؤں پر غور کر لیا ہے؟''

''ہاں عنبر! میں خوب غور کرنے کے بعد تم سے بات کر رہی ہوں۔ تبت مجھ سے دور بھی نہیں اور میرے لیے نیا بھی نہیں میں نے

سُنا ہے۔ کہ وہاں ایک کمزور راجہ کی حکومت ہے۔جس کے ہاتھوں اُس کی رعایا خوش نہیں ہے۔"

"لیکن ملکہ! اگر تم بُرا نہ مانو تو میں کہوں گا کہ تمہارے حملے کے بعد تبت کی رعایا خوش نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ تمہارے سپاہی راجہ سے زیادہ وحشی اور خونخوار ہیں۔ یقیناً تمہارے سپاہی وہاں حملے کے بعد عورتوں اور بچوں کو ہلاک کریں گے۔ اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

یہ بات اگر کوئی اور کرتا تو ملکہ اُسی وقت اُس کی گردن اُتار دیتی۔ لیکن عنبر کو وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس لئے کہ عنبر کے اُس پر بڑے احسان تھے۔ اُس نے دو بار اس کی زندگی بچائی تھی۔ اُس نے ہنس کر کہا۔

"تم ہمارے قوم سے اس سے زیادہ اور کیا توقع رکھ سکتے ہو؟"

ہماری قوم ایک وحشی قوم ہے۔ایک جنگجو قوم ہے۔یہ اگر سال میں ایک بار جنگ نہ کرے تو آپس میں لڑنا مارنا شروع کر دیتی ہے۔ موہنجوداڑو کے حملے میں۔ہمارا بے حد نقصان ہوا ہے۔ہم ابھی ایک برس تک وہاں دوبارہ حملے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔مگر ہمیں کسی نہ کسی ملک سے لڑنا ضرور ہے۔چنانچہ تبت ہی اس کے لیے موزوں ملک ہے۔ہم وہاں گرمیوں میں حملہ کرنا چاہتے ہیں۔''

''ملکہ عمبکا! اگر تم نے حملے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میں تمہیں کیسے روک سکتا ہوں۔ٹھیک ہے۔تم حملہ کر دو۔اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''اس کے بعد فتح ہمارے قدم چومے گی اور میری قوم کی تاریخ پر سے شکست کا داغ دُھل جائے گا۔''

''میری دعا ہے کہ تمہیں فتح نصیب ہو اور تمہارے سپاہی وہاں

بچوں، عورتوں بوڑھوں اور بے گناہ شہری پر ہاتھ نہیں اٹھائے گی۔"

"اس کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا۔ اس طرح تم وہاں کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکو گی اور وہاں کامیابی سے حکومت کر سکو گی۔ وگرنہ لوگ تمہاری فوج سے بھی اُسی طرح نفرت کریں گے جس طرح وہ آج کل بقول تمہارے اپنے راجہ سے کرتے ہیں۔"

ملکہ عمبکا نے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں عنبر کہ تبت کی رعایا کو میں اپنی رعایا سمجھوگی میں اُن کے ساتھ ہمدردی اور نیکی کا سلوک کروں گی۔ فوج کے علاوہ اور کسی پر حملہ نہ کرنے دوں گی۔"

"پھر تم مجھ سے مشورہ کیا طلب کر رہی ہو۔ بس ٹھیک ہے۔ تم نے ارادہ کر ہی لیا ہے تو ابھی سے تیاریاں شروع کر دو۔"

عمبکا نے کہا۔

’’لیکن میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں اور مجھے امید ہے تم مجھے نا اُمید نہیں کروگے۔‘‘

عنبر نے پوچھا۔

’’کس قسم کی مدد؟‘‘

’’میں چاہتی ہوں کہ تم تبت جا کر میرے لئے یہ معلوم کرو کہ وہاں فوجوں کی تعداد کتنی ہے؟ اُن کے پاس لڑائی کا سامان کس قسم کا ہے؟ اور وہاں کے راجہ نے فوجوں کو کہاں کہاں چھپا رکھا ہوا ہے؟‘‘

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ اس سے پہلے وہ عمبکا کے ملک میں موہنجوداڑو کی جاسوسی کرنے آیا تھا اور اب عمبکا اُسے تبت والوں کی جاسوسی کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اُسے تبت کے لوگوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ وہ تبت کی تباہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ تبت کے لوگ امن پسند لوگ ہیں اور عمبکا یہ

بات غلط کہہ رہی ہے کہ وہاں کا راجہ اپنی رعایا پر ظلم کر رہا ہے۔ شاید وہ تبت پر حملے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

''عمبکا! میں تمہارے لئے اس پہاڑ کی سب سے بلند چوٹی پر سے چھلانگ لگا سکتا ہوں مگر تمہارے لیے تبت والوں کی جاسوسی نہیں کر سکتا۔''

''کیوں؟ کیا تم ڈرتے ہو؟''

''نہیں عمبکا! یہ ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ جانے کیوں ایسا کرنے کے لیے میرا ضمیر تیار نہیں ہوتا۔ اور میں اپنے ضمیر کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔''

''کیا تمہاری وہاں کے راجہ سے کوئی رشتے داری ہے عنبر؟''

نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''پھر تم اس کے ساتھ اتنی ہمدردی کا اظہار کیوں کرر ہے ہو؟''

''مجھے راجہ سے نہیں بلکہ وہاں کی رعایا سے ہمدردی ہے۔ میں جنگ سے نفرت کرتا ہوں اور خاص طور پر حملہ کرنے والے سے۔ تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم اپنا لشکر لے کر ایک ایسے ملک پر چڑھائی کردو۔ جس کے عوام امن سے زندگی بسر کرر ہے ہیں اور جو تمہارے ملک پر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔''

ملکہ کا مزاج کچھ بگڑنے لگا۔ مگر اُس نے اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے عنبر سے کہا۔

''عنبر! تم میری قوم اور جنگ کے مزاج کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تم میرے لیے جاسوسی نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک بات کا وعدہ ضرور کرو۔''

''وہ کونسی بات ہے۔''

''یہ کہ تم تبت میں جا کر کسی سے ذکر نہ کرو گے کہ ہُن قوم کا لشکر اُن کے ملک پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔''

عنبر خاموش ہو گیا۔ اصل میں وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں جا کر لوگوں کے راجہ کو خبر دار کر دے کہ وحشی ہُن ملکہ اُس کے ملک پر حملہ کرنے والی ہے۔ وہ عمبکا سے جھوٹا وعدہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اس نے ہمیشہ زندگی میں سچا وعدہ کیا تھا۔ ملکہ نے اپنی بات پھر دہرائی۔

''کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو عنبر کہ تم تبت کے راجہ سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کرو گے؟''

''میں وعدہ کرتا ہوں۔''

عنبر نے یہ سوچ کر کہہ دیا کہ وہ تبت کے راجہ سے کوئی بات نہیں کرے گا۔ لیکن تبت کی رعایا سے ضرور کہہ دے گا کہ وہ حملہ کرنے

والے دشمن سے خبردار ہو جائے اور مقابلے کی تیاریاں شروع کر دے۔ ملکہ اُس کے جواب سے خوش ہو گئی اور اُس نے کہا۔

''عنبر! مجھے امید ہے کہ تم اپنا وعدہ پورا کر دیکھاؤ گے۔''

عنبر نے کہا۔

''میں نے آج تک کبھی کسی سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جتنی دیر تبت میں رہا اُس کے راجہ سے تمہارے حملے کے بارے میں زبان سے ایک لفظ نہیں نکالوں گا۔''

اس سے اگلے روز عنبر تبت کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہُن قبیلے کی سرزمین سے تبت سات روز کے فاصلے پر تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے کئی چٹیل میدانوں' صحراؤں ریت کے ٹیلوں' سنگلاخ پہاڑوں' گھاٹیوں تنگ و تاریک دروں اور برف پوش پہاڑوں پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ عنبر نے گھوڑے کی جگہ ایک یاک خرید

کر ساتھ لیا۔ یاک وہ جانور ہے جو تبت کے علاقے میں سفر کرنے کے کام آتا ہے۔ یہ تیز دوڑتا ہے اور پانی پیے بغیر کئی روز تک سفر کر سکتا ہے۔ یہ انتہائی شدید موسم کی سختی بھی برداشت کر لیتا ہے۔

چار روز کے سفر کے بعد عنبر ایک پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گیا۔ یہاں پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی اور سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ عنبر سفید بکرے کی کھال کے لباس میں ملبوس تھا۔ چھٹے روز وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں اُسے برف کے طوفان نے گھیر لیا۔ آسمان پر صبح ہی سے بادل چھا رہے تھے۔ شام کو تیز برفیلی ہواؤں کے جھکڑ چلنا شروع ہو گئے اور برف گرنے لگی۔ عنبر کو ایک جگہ ٹوٹے پھوٹے مکان کی چار دیواری نظر آئی۔ وہ اس کے اندر آ گیا۔ اس مکان کی چھت آدھی ڈھے چکی تھی۔ وہ کونے میں پتھروں کی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گے۔ اپنے قریب ہی اس نے یاک کو باندھ دیا۔ باہر تیز ہوائیں

چل رہی تھیں۔ آندھی نے شور مچا رکھا تھا اور برف کے گالے ٹوٹی ہوئی چھت میں سے اندر آ رہے تھے۔

اِدھر اُدھر سے کچھ لکڑیاں اکٹھی کر کے عنبر نے پتھروں کو رگڑ کر وہاں آگ روشن کر لی اور رات بھر آگ کے پاس بیٹھا اونگھتا رہا۔

رات کے پچھلے پہر اُسے یوں محسوس ہوا جیسے مکان کے باہر کوئی عورت رو رہی ہے۔ اُس نے کان لگا کر اس عورت کی آواز کو غور سے سنا۔ یہ آواز ایک عورت کی تھی جو بڑے ہی درد بھرے لہجے میں بین کر رہی تھی۔ عنبر بڑا حیران ہوا کہ آدھی رات کو اس ویرانے میں کون عورت وہاں آ کر رو سکتی ہے۔ جبکہ ارد گرد میلوں تک کسی آبادی کا نام و نشان تک نہیں۔ رونے کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ عنبر نے یاک کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر بندھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ عنبر فوراً سمجھ گیا کہ یہ کوئی بھٹکی ہوئی روح ہے جو اُسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

وہ اٹھ کر مکان کی چاردیواری سے باہر آ گیا۔ برف گرنا بند ہوگئی تھی۔ تیز ہواؤں کی زور بھی ٹوٹ چکا تھا۔ جونہی وہ باہر آیا۔ یک یک بھیانک چیخ فضا میں گھونج اٹھی اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو یقیناً گر کر بیہوش ہو جاتا۔ کیونکہ یہ چیخ انتہائی خوف ناک تھی۔ مگر عنبر روحوں اور بھٹکی ہوئی روحوں کا عادی تھا۔ بلکہ اب وہ خود ایک بھٹکی ہوئی روح بن چکا تھا جو دو ہزار برس سے زمین پر بھٹک رہی تھی۔ اُس نے چیخ کی آواز سُن کر بلند آواز میں کہا۔

''اے بھٹکی ہوئی روح! میرے سامنے آ۔''

ایک شعلہ بلند ہوا اور آتش گولے کی شکل میں عنبر کے اوپر آ کر گرا۔ مگر عنبر کو کچھ بھی نہ بگڑا۔ وہ اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ پھر آسمان سے ایک باری پتھر آیا اور عنبر کے سر پر گرتے ہی پاش پاش ہو کر دور جا گرا۔ عنبر نے کہا۔

''اے بھٹکی ہوئی روح! تو اگر ساری زندگی بھی اپنے جادو کرتی رہے تو مجھ پر قابو نہ پا سکے گی۔ اس لئے فوراً میرے سامنے آ کر معافی مانگ۔''

اس کا اتنا کہنا تھا کہ روح ایک حسین عورت کے روپ میں اس کے سامنے آ گئی۔ اس عورت کی شکل تبت کی عورت جیسی تھی۔ اس نے ظاہر ہوتے ہی عنبر کو جھک کر سلام کیا اور بولی۔

''مجھے معاف کر دینا عنبر! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ تم ہو۔ تم پر دیوتاؤں کا سایہ ہے۔ بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتی ہوں؟''

عنبر نے کہا۔

''تم کون ہو؟ اور یہاں کیا کر رہی ہو؟ تم زمین کی فضا میں کب سے بھٹکتی پھر رہی ہو؟''

بھٹکتی روح نے کہا۔

''اے دیوتاؤں کے پسندیدہ نوجوان! میرا نام رتنا گری ہے اور میں کبھی تبت کے راجہ کی چہیتی بیوی تھی۔ میں اپنے خاوند کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہی تھی کہ راجہ نے ایک دوسری عورت سے شادی کر لی اور مجھے بھول گیا۔ میں نے اُس عورت کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ راجہ نے مجھے ہاتھی کے پاؤں تلے دبوا کر کچلوا دیا۔ تب سے لے کر آج تک میں ان میدانوں میں بھٹکتی پھر رہی ہوں۔ راجہ کو اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ وہ ایک نیک دل انسان ہے اور اُس نے میرے ساتھ انصاف کیا تھا۔ مگر میں راجہ کی موت کے بعد اُس عورت کی اولاد سے ضرور بدلہ لوں گی۔''

عنبر نے کہا

''جس کو رب عظیم نے خود اپنی حفاظت میں کر رکھا ہے تم اُس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ رب عظیم کے

آگے گڑگڑا کر اپنی بخشش کی التجا کرو کہ وہ تمہیں معاف کر دے اور تجھے اس عذاب سے نجات دلائے۔"

روح نے شیطانی قہقہہ لگایا۔

"میں اُس عورت کی اولاد سے انتقام لوں گی۔ انتقام لوں گی۔"

عنبر نے کہا۔

"ابھی تو تم خود قدرت کے انتقامی پنجے میں جکڑی ہوئی ہو۔ اب یہاں سے دور ہو جاؤ۔ میں چاہتا تھا کہ تمہارے لئے دعا کروں مگر معلوم ہوا کہ تمہارے لئے دیوتاؤں نے توبہ کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ یہاں سے چلی جاؤ۔"

بدروح نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ عنبر کے آگے جھکی اور قہقہے لگاتی وہاں سے غائب ہو گئی۔ عنبر کو راجہ کے نیک دل ہونے کی ایک اور گواہی مل گئی تھی۔ اگر واقعی تبت کا راجہ ایک امن پسند تھا تو پھر عمبکا

کوکوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے پُرامن ملک پر چڑھائی کرے۔وہ یقیناً اُس کا مقابلہ کرے گا اور تبت کے راجہ اور وہاں کے عوام کو ملکہ عمبکا کے وحشیانہ ظلم سے بچائے گا۔اتنی دیر میں صبح ہوگئی۔سورج بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔زمین پر برف ہی برف پھیلی ہوئی تھی۔عنبر تھوڑا بہت کھا پی کر یاک پر سوار ہوا اور آگے روانہ ہوگیا۔

تبت کی سرحد وہاں سے آدھ گھنٹے کے سفر پر تھی۔

رقاصہ کہاں گئی؟

تھائیس دیوداسی نے رقاصہ کو پچھلی کوٹھڑی میں چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

وہ ہر روز دو وقت اسے کھانے پینے کو دیتی اور اُسے تاکید کرتی کہ وہ کوٹھڑی سے باہر نکلنے کی ہرگز کوشش نہ کرے۔ کیونکہ بڑا اپجاری رتنا کر اور چھوٹا پجاری اُس کی تلاش میں پاگل کتوں کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ رقاصہ بے چاری سارا دن کوٹھڑی کے اندر پڑی رہتی۔ رات کو وہ لکڑ کے بڑے بڑے صندوق کے درمیان بکری کی کھال پر لیٹ کر سو جاتی۔ تبت میں سردیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ مگر اندر اُسے سردی زیادہ نہیں لگتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ باہر نکلنا سخت خطرناک ہے۔ پھر بھی کبھی وہ اس قید سے اُن جاتی اور اُس کا دل چاہتا کہ وہ باہر نکل کر تازہ ہوا کھائے۔ مگر دیوداسی کے خیال سے چپکی

ہو کر بیٹھ رہتی وہ سوچتی کہ اگر باہر نکل بھی جائے تو کہاں جائے گی؟ اتنے بڑے ملک میں اُس کا کوئی بھی تو جاننے والا نہیں تھا۔ اُدھر رتنا کر اور پجاری بے حد پریشان تھے۔ رقاصہ کا ابھی تک اُنہیں سراغ نہیں ملا تھا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رقاصہ کو زمین کھا گئی یا آسمان نے اوپر اٹھا لیا۔ آخر وہ کہاں گُم ہو گئی؟ وہ اُن کا بہت بڑا راز اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ انہیں سب سے زیادہ یہ فکر تھی کہ اگر رقاصہ نے راجہ کے دربار میں جا کر بتا دیا کہ رتنا کر اور پجاری عورتوں کو دوسرے ملک لے جا کر بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر دیتے ہیں تو راجہ اُن کی کھال کھنچوا دے گا۔ رقاصہ اس خیال سے ڈرتی تھی کہ اگر اُس نے راجہ کو سب کچھ بتا دیا تو اُس کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ رتنا کر کے آدمی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

اسی وجہ سے تھائیس بھی خاموش تھی کہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں

تھی جو رقاصہ کو اپنے ساتھ لے کر ملک تبت سے باہر نکل جائے اور باقی زندگی رقاصہ کسی دوسرے ملک میں جا کر اطمینان سے بسر کرے۔ لیکن ایسا اعتماد والا آدمی ملنا بڑا مشکل تھا۔ اس وقت تو تھائیس کی ساری کوشش اس بات پر خرچ ہو رہی تھی کہ رقاصہ کے بارے میں کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ دیوداسی کے استھان کی پچھلی کوٹھڑی میں چھپی ہوئی ہے۔

تھائیس جتنے دیر مندر میں جا کر عبادت کرتی وہ اپنے پیچھے کوٹھڑی کے باہر تالہ لگا کر جاتی۔ واپس آ کر سب سے پہلے تالہ کھول کر یہ دیکھتی کہ رقاصہ موجود ہے؟ اُدھر رتنا کر نے سارے مندر میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے کہ وہ معلوم کریں کہ رقاصہ کہاں چھپی ہوئی ہے۔ اتنا اُسے یقین تھا کہ رقاصہ تبت کے اندر ہی ہے۔ وہ باہر نہیں گئی۔ کیونکہ تبت کی سرحدوں پر اس کے آدمی نگرانی کر رہے تھے۔

رتنا کر نے تھائیس کی خدمت کرنے والی کنیزوں کو بھی اپنے اعتماد میں لے لیا تھا۔

اُس نے بڑی کنیز لاجورد کو اپنے راز میں شریک کرلیا تھا اور اُسے سب کچھ بتا کر کہا تھا کہ وہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ رقاصہ کہیں دیوداسی کے استھان میں تو نہیں چھپی ہوئی۔ لاجورد نے کہا تھا۔

''دیوداسی کے استھان میں وہ کیسے جاسکتی ہے؟ دیوداسی کو کہاں ضرورت پڑی ہے کہ ایک رقاصہ کو اغوا کرکے اپنے پاس چھپا کر رکھے۔ ایسا تو سوچنا بھی گناہ ہے۔''

رتنا کر نے جواب میں کہا تھا۔

''یہ ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے یوں لگتا ہے جیسے دیوداسی نے رقاصہ کو فرار کروانے میں بڑی مدد دی ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو پھر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر تو دیوتاؤں کی مرضی

ہے کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے۔''

''ایسا نہیں ہے۔ دیوداسی نے دیوتاؤں کی مرضی کے خلاف ایسا کیا ہے اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔''

''دیوداسی ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ ایک مقدس دیوداسی ہے۔ وہ دیوتاؤں کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتی۔''

''وہ ضرور ایک مقدس دیوی ہے۔ مگر مجھے بھی مورتی مندر کی خدمت کرتے ہوئے سالہا سال گزر گئے ہیں۔ کچھ باتوں کا علم مجھ کو بھی ہے۔ میں تمہیں تاکید کروں گا کہ تم دیوداسی کے استھان پر نگاہ رکھو اور دیکھو کہ رقاصہ وہاں تو نہیں چھپی ہوئی؟ اگر تمہیں ذرا بھی شک پڑے تو فوراً مجھے اطلاع کرو۔''

کنیز لاجور درتا کر کے کہنے کے مطابق استھان میں چوکس رہنے لگی۔ وہ تھائیس کے بالوں میں موتی پروتی اور اُسے عبادت کے لیے

تیار کرتے ہوئے بھی بڑے غور سے ادھر ادھر دیکھتی رہتی۔ ایک ہفتے کی نگرانی کے بعد اس نے محسوس کیا کہ ہر روز شام کو مقدس دیوداسی بڑے پُراسرار طریقے سے اپنے کمرے کی پچھلی کوٹھڑی کے اندر جاتی ہے۔ اندر جا کر وہ دروازہ بند کر لیتی ہے۔ کچھ دیر اندر رہنے کے بعد باہر آ کر دروازے پر پھر سے تالا ڈال دیتی ہے۔ کنیز نے دیوداسی کی خاص طور پر نگرانی شروع کر دی۔ اُس نے دیکھا کہ وہ جھولے میں کچھ ساتھ لے کر بھی اندر جاتی ہے۔

لاجورد نے فوراً رتنا کر اور پجاری کو آ کر اطلاع کر دی۔ اتنا کر نے کہا۔

''یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ کوٹھڑی کے اندر جا کر دیوداسی کیا کرتی ہے اور دوسرے یہ کہ جھولے میں کیا ہوتا ہے۔''

لاجورد اب اس ٹوہ میں رہی کہ معلوم کرے جھولے میں کیا ہوتا

ہے۔ آخر اُس نے پتہ لگالیا کہ دیوداسی صبح شام کوٹھڑی کے اندر پھل اور پانی لے کر جاتی ہے۔ لاجورد نے رتنا کر کو آ کر بتایا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

''ہونا ہو اندر ضرور کوئی چھپا ہوا ہے۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ دیوداسی نے رقاصہ لڑکی کو ہی چھپا رکھا ہو۔ لاجورد! اُس رقاصہ کا وجود ہمارے لیے سخت خطرے کا باعث ہے۔ کسی طرح کوٹھڑی کے اندر جا کر معلوم کرو کہ کیا اندر وہی رقاصہ چھپی ہوئی ہے؟ اگر تم نے آ کر مجھے خوش خبری سنائی تو میں تمہارا منہ ہیرے جواہرات سے بھر دوں گا۔''

لاجورد انعام کی لالچ میں کوٹھڑی کے اندر کا راز معلوم کرنے کے لیے بے تاب ہوگئی۔ ایک روز اُس نے سر درد کا بہانہ بنایا اور دیوداسی کے ساتھ عبادت کرنے مندر نہ گئی۔ تھائیس مندر میں گئی تو لاجورد چپکے سے اپنے کمرے سے باہر نکلی اور دوسری کنیزوں سے نظریں

بچاتی اُس کوٹھڑی کے باہر آ گئی جس پر تالا پڑا ہوا تھا۔ اُس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ اندر سے کوئی آواز تو نہیں آ رہی۔ مگر اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

پھر اُس کے مکار دماغ نے ایک ترکیب سوچی۔

لاجورد نے آہستہ سے کوٹھڑی کے دروازے پر دستک دی اور کہا۔

"رقاصہ! سنو! میں دیوداسی کی خاص کنیز بول رہی ہوں۔ میں تمہارے راز میں برابر کی شریک ہوں۔ مجھے دیوداسی نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ آج رات وہ کھانا لے کر دیر سے آئے گی۔

اندر سے رقاصہ نے جواب دیا۔

"اچھا۔۔۔ میں نے سُن لیا ہے۔"

لاجورد خوشی سے دیوانی ہو گئی۔ اُس نے بند کوٹھڑی کا راز معلوم کر لیا تھا۔ اندر سے رقاصہ نے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

لاجورد نے کہا۔''اس کی ضرورت نہیں۔ میں جا رہی ہوں۔'' اتنا کہہ کر لاجورد بھاگی بھاگی رتنا کر کے پاس پہنچی اور اُسے بتا دیا کہ رقاصہ لڑکی دیوداسی کے کمرے کی کوٹھڑی میں چھپی ہوئی ہے۔ رتنا کر کو گویا چھپا ہوا خزانہ مل گیا تھا۔ اب دیر کرنا درست نہیں تھا۔ کیونکہ رقاصہ شام کو ضرور دیوداسی کو بتا دیتی کہ ایک کنیز نے آ کر اُسے اطلاع دی تھی کہ اُس کی راز فاش ہو گیا ہے اور وہ ضرور اُسے وہاں سے کسی جگہ اور چھپا دیتی۔

رتنا کر نے چھوٹے پجاری کو ساتھ لیا اور چھپتے چھپاتے دیوداسی کے استھان میں پہنچ گئے۔ انہوں نے بیہوش کرنے والے عرق کی بوتل اپنے ساتھ رکھ لی تھی۔ دیوداسی کے کمرے میں پہنچ کر انہوں نے ہتھوڑے کی مدد سے کوٹھڑی کا تالا توڑ دیا۔ اندر بیٹھی ہوئی رقاصہ سہم

گئی۔ مگر رتنا کر اور پجاری نے اُسے سنبھلنے کی مہلت ہی نہ دی۔ انہوں نے لپک کر رقاصہ کو اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اور رتنا کر نے دوائی سونگھا کر اُسے بے ہوش کر دیا۔

بے ہوش رقاصہ کو اٹھا کر انہوں نے ایک قالین میں لپیٹا اور قالین کو کندھے پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ باہر آ کر رتنا کر سیدھا اپنی کوٹھڑی کی طرف چلا گیا اُس کی کوٹھڑی کے اندر ایک خفیہ تہہ خانہ تھا۔ رتنا کر نے پجاری کے ساتھ مل کر رقاصہ کو تہہ خانے کے اندر فرش پر لٹا کر اُس کے دونوں ہاتھ رسیوں سے باندھ دیئے اور باہر نکل کر دروازے پر تالا لگا دیا۔ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اُن کی زندگی ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہوگئی تھیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر دونوں پجاری سیدھے مندر میں آ گئے۔ اور عبادت کرنی شروع کر دی۔

دیوداسی تھائیس نے محسوس کیا تھا کہ رتنا کر اور چھوٹا پجاری تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گئے ہیں۔ ایک بار اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں تھے۔ دوسری بار اُس نے دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر موجود تھے اور آنکھیں بند کئے ہاتھ جوڑے مورتی کی عبادت کر رہے تھے۔ تھائیس کا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور دال میں کالا کالا ہے۔ اگر ایسی بات نہیں تو یہ دونوں اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے اور پھر کچھ دیر غائب رہنے کے بعد کہاں سے واپس آ گئے ہیں؟

تھائیس کا ذہن پریشان ہو گیا۔

عبادت میں اُس کا دل ذرا نہ لگا۔ وہ اسی خیال میں رہی کہ جلدی سے واپس اپنے کمرے میں جا کر دیکھے کہ رقاصہ کوٹھڑی میں موجود ہے یا نہیں۔ آخر عبادت کی رسمیں ختم ہو گئیں۔ کنیزوں نے دیوداسی کو پالکی پر بٹھا کر کندھوں پر اٹھایا اور اُس کے استھان میں لے آئیں۔

یہاں انہوں نے رسم کے مطابق ایک ایک کر کے اُس کے بالوں سے مقدس موتیوں کی لڑیاں اتاریں۔ دیوداسی فوراً کوٹھڑی میں جانا چاہتی تھی۔ مگر جب تک ساری رسمیں پوری نہ ہو جائیں وہ وہاں سے ہل نہیں سکتی تھی۔

آخر رسمیں ختم ہوگئیں اور کنیزیں ایک ایک کر کے وہاں سے چلی گئیں۔ تھائیس دیوداسی اپنے کمرے میں اکیلی رہ گئی۔ تنہائی ملتے ہی اس نے اپنے کمرے کو بند کر کے اندر سے کنڈی لگائی اور بھاگ کر پچھلی کوٹھڑی کی طرف آگئی۔ کوٹھڑی کا ٹوٹا ہوا تالہ دیکھتے ہی اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ کوٹھڑی میں داخل ہوگئی۔ رقاصہ لڑکی غائب ہو چکی تھی۔ ٹوٹے ہوئے تالے سے صاف ظاہر تھا کہ کسی نے اُسے زبردستی وہاں سے نکال لیا ہے۔ اُسے وہاں سے نکالنے والا سوائے بڑے پجاری رتنا کر کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ صرف

اُسی کو رقاصہ کی گرفتاری سے اپنی جان کا خطرہ تھا۔ تھائیس سر کو پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اب وہ مجبور تھی۔ کھلے بندوں رقاصہ لڑکی کو تلاش نہیں کر سکتی تھی۔ وہ راجہ کو بھی لڑکی کے بارے میں نہیں کہہ سکتی تھی۔ کیونکہ سب سے پہلے تو راجہ اس سے یہ پوچھتا کہ اُس رقاصہ کو اپنی کوٹھڑی میں بند کرنے کی بجائے راجہ کے حوالے کیوں نہ کیا۔ اس کے علاوہ وہ اس بات پر بھی تعجب کا اظہار کرتا کہ دیوداسی مورتی کے اندر گئی تو مورتی پھٹ کیوں نہیں گئی؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ دیوداسی جھوٹی ہے۔

یہی کچھ سوچ کر تھائیس خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اندر ہی اندر معلوم کرنے کی کوشش ضرور کی کہ اُس کی عدم موجودگی میں اس کے کمرے میں کون آیا تھا؟ مگر اُسے کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔ کیونکہ کسی کو بھی رتنا کر کے اندر آنے کا علم نہ ہو سکا تھا۔ تھائیس کو بہت صدمہ ہوا کہ ایک بے گناہ معصوم لڑکی ایک بار پھر ڈاکوؤں اور لٹیروں

کے ہاتھ لگ گئی ہے جو اس کی زندگی کو برباد کر کے رکھ دیں گے اور اُسے ایک ایسے ملک میں لے جا کر فروخت کر دیں گے جہاں سے معلوم نہیں اسے کون خرید کر کہاں لے جائے گا؟ مگر اب بات تھائیس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔

رقاصہ لڑکی رتنا کر کے تہہ خانے میں بند تھی۔ رتنا کر کو اچھی طرح معلوم تھا کہ لڑکی کا اس کے تہہ خانے میں زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں۔ اگر رلیجہ کو کسی نے مخبری کر دی تو اُسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اُس نے چھوٹے پجاری کے ساتھ مشورہ کیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کو جتنی جلدی ہو سکے ملک مصر پہنچا دیا جائے۔''

''مگر قافلہ تو کب کا روانہ ہو چکا ہے۔ اب اسے کون ساتھ لے جائے گا۔''

''لیکن اس کا یہاں رہنا بے حد خطرناک ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم خاص طور پر کچھ اپنے آدمیوں کو تیار کر کے اس لڑکی کے ساتھ مصر کی جانب روانہ کریں۔''

''اگر وہ لوگ تیار ہو جائیں تو اس سے بہتر اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔ کیونکہ دوسرا قافلہ تو اگلے سال یہاں سے روانہ ہوگا۔''

''اور ایک سال تک رقاصہ لڑکی کو اپنے تہہ خانے میں بند کر کے رکھنا اپنی موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ پس یہ ٹھیک ہے میں اپنے خاص آدمیوں کو بھاری انعام کا لالچ دے کر تیار کرتا ہوں کہ وہ ایک خفیہ قافلہ بنائیں۔ اور رقاصہ کو ساتھ لے کر مصر کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اس پر خرچ بہت اٹھے گا مگر اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ کیونکہ یہ لڑکی یہاں ہماری موت کا باعث بن سکتی ہے۔''

''میں آج رات ہی آدمیوں سے مل کر انہیں تیار کرتا ہوں۔''

چھوٹے پجاری نے ایک دن کے اندر ہی اندر خاص آدمیوں سے مل کر ایک چھوٹا سا قافلہ تیار کروا دیا اس قافلے کو ایک رات چھوڑ کر تیسری رات تبت سے روانہ ہونا تھا۔ رتنا کر نے تیسری رات کو رقاصہ لڑکی کو بیہوش کر کے قالین کے اندر چھپا کر باہر نکالا اور بیل گاڑی پر ڈال کر شہر سے باہر اُس مقام پر لے آیا جہاں ایک درے میں خفیہ قافلہ سفر کے لیے تیار کھڑا تھا۔

خفیہ طور پر روانہ ہونے والے اس قافلے میں کوئی پچاس کے قریب تنومند آدمی شریک تھے۔ انہوں نے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُن کے ساتھ چھرے، خنجر، تیر کمان اور تلواریں بھی کافی تعداد میں تھیں۔ رتنا کر نے بھاری انعام دے کر ان لوگوں کو تیار کیا تھا۔ رقاصہ لڑکی کو قالین میں سے نکال کر بیل گاڑی میں لٹا دیا گیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔ رتنا کر نے قافلے کے

سردار سے کہا۔

''فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ آج کی رات کسی جگہ بھی رکنا نہیں۔ اپنا سفر جاری رکھنا۔ راتوں رات یہاں سے جتنی دور نکل سکو نکل جانا ہے۔ مصر میں پہنچنے کے بعد اس لڑکی کو اپنے خاص آدمی کے حوالے کر کے واپس آ جانا۔''

''بہت اچھا مہاپُرش!''

''راستے میں اگر حملہ ہوا تو ہر حالت میں اس رقاصہ لڑکی کی حفاظت کرنا اور حملہ کرنے والوں کو ہرگز ہرگز زندہ مت چھوڑنا۔ سمجھے؟''

''سمجھ گئے سرکار۔''

''اب سفر شروع کر دو۔''

اُسی وقت رات کے اندھیرے میں خفیہ قافلہ آگے کو چل پڑا۔

رتنا کر اور چھوٹا پجاری چھپتے چھپاتے واپس مندر میں آ گئے۔ اُن کے سر سے گویا ہزاروں من کا بوجھ اتر گیا تھا اور وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ اس بات سے انہیں بڑی حیرت تھی کہ دیوداسی نے مورتی کے اندر جا کر رقاصہ لڑکی کو اغوا کیوں کیا؟ اُسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ مورتی کے اندر جائے؟

''کہیں یہ دیوداسی کسی دشمن ملک سے یہاں آ کر ہماری جاسوسی تو نہیں کر رہی رتنا کر؟''

''مجھے بھی اب اُس پر شک پڑنے لگا ہے۔ کیونکہ اگر اگر دیوداسی اصلی اور مقدس ہوتی اور پرانی دیوداسی کی طرح ہوتی تو اس کے اندر جاتے ہی مورتی فوراً پھٹ جاتی۔ مورتی اس کے جلال اور طاقت کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔''

''پھر تو صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک جھوٹی دیوداسی ہے۔ اور

ہمارے ملک میں جاسوسی کرنے آئی ہے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ اس کی شکل پہلے والی مقدس دیوداسی سے ملتی جلتی ہے۔''

''میں تمہارے خیال سے اتفاق کرتا ہوں۔ یہ ایک جھوٹی دیوداسی ہے۔''

''پھر تو اس کو گرفتار کر لینا چاہئے اور راجہ کو بتا دینا چاہئے کہ دیوداسی کے روپ میں دشمن کی جاسوسہ مندر کے اندر بیٹھی ہے۔''

''اس کا ثبوت کیا ہو گا؟''

''اس سے بڑا ثبوت کیا ہو گا کہ ہم اُس راجہ کے سامنے کہیں گے کہ وہ مورتی کے اندر داخل ہو۔ راجہ کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ مقدس دیوداسی کے مورتی میں داخل ہوتے ہی وہ پھٹ جائے گی۔''

اور اگر دیوداسی نے راجہ کو ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ ہم لڑکیوں کو قربان نہیں کرتے بلکہ انہیں یہاں سے لے جا کر

دوسرے ملک میں بیچ ڈالتے ہیں تو کیا ہوگا؟''

بھید کھل گیا

رتنا کرنے اب دیر کرنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ سیدھا تبت کے راجہ کے خاص محل میں آ گیا اور اس نے جا کر صاف صاف کہہ دیا کہ دیوداسی کی رُوح نے خواب میں آ کر اُسے بتایا ہے کہ جس عورت کو وہ دیوداسی سمجھ کر اُس کی پُوجا کر رہے ہیں وہ جھوٹی اور دھوکے باز عورت ہے۔ راجہ اُس کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو رتنا کر؟''

رتنا کرنے جھک کر کہا۔

''اے راجوں کے راجہ! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اصلی دیوداسی کی روح کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ اُس نے کل رات خواب میں آ کر مجھے بڑے غصے میں کہا ہے کہ راجہ سے جا کر کہہ دو کہ ایک جھوٹی اور مکار عورت میرا بھیس بدل کر مجھے تکلیف پہنچا رہی ہے۔ اُسے فوراً

گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا جائے اور میری تلاش کی جائے۔

''لیکن اس کے لیے ہمیں لوگوں کے سامنے ثبوت پیش کرنا ہوگا کہ یہ دیوداسی جھوٹی ہے۔''

رتنا کر نے کہا۔

''اس کا ثبوت بڑا آسان ہے۔ ہم دیوداسی کو کہیں گے کہ وہ مورتی کے اندر داخل ہو۔ اگر مورتی کے اندر داخل ہونے کے بعد بھی اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلی تو سب پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ دیوداسی جھوٹی اور مکار ہے۔''

راجہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ دیوداسی کو مورتی میں داخل ہونے کے لیے کہا جائے میں ابھی اسی مندر میں آرہا ہوں۔''

رتنا کر خوشی خوشی باہر نکل گیا۔ مندر میں فوراً اعلان کر دیا گیا کہ

دیوداسی کا امتحان لیا جائے گا۔ اور اُسے مورتی کے اندر داخل ہونے کے لیے کہا جائے گا۔ تھائیس نے یہ سُنا تو پریشان ہوگئی۔ اُس نے وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچا۔ مگر وہاں سے اُس کا نکل جانا بے حد مشکل تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ راجہ کے خاص سپاہی آ کر اُسے اپنے ساتھ پالکی میں بٹھا کر مندر میں لے گئے۔ مندر میں سارے پجاری، درباری اور راجہ موجود تھا۔ تھائیس کا رنگ زرد تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اس کے جھوٹ کا پول ابھی کُھل جائے گا اور راجہ اُسے موت کی سزا دے گا۔

بڑا پجاری رتنا کر آج بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔

راجہ نے دیوداسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اے مقدس دیوداسی! ہماری ایک رسم کے مطابق ہر سال میں ایک دن ایسا آتا ہے، جب دیوداسی کو مندر کی مورتی کے اندر داخل ہو

کر لوبان سلگانا پڑتا ہے۔ آج وہ دن آگیا ہے اس لئے میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ سب کے سامنے اس بڑی مورتی کے اندر داخل ہو کر مقدس لوبان کو سلگاؤ اور دیوتاؤں کی روح کو خوش کرو۔''

بڑے پجاری نے سونے کی طشتری میں رکھ کر دیوداسی کے ہاتھوں میں تھما دیا اور کہا۔

''اے مقدس دیوداسی! اپنے قدم بڑھا کر مورتی کے دروازے میں سے اندر داخل ہو اور لوبان کو سلگا تا کہ ہماری قوم اور ہمارے شہر پر دیوتاؤں کی رحمتیں نازل ہوں۔''

تھائیس کے ہاتھ اور پاؤں کانپ رہے تھے۔ مگر وہ بے بس ہو گئی تھی۔ اُس نے مجبوراً طشتری ہاتھوں میں تھام لی اور مورتی کے دروازے کی طرف بڑی۔ رتنا کر پجاری کو یقین تھا کہ مورتی دیوداسی کے اندر داخل ہونے سے اپنی جگہ سے ہرگز ہرگز نہیں ہلے گی۔ لیکن

راجہ کوتھوڑا سا شک تھا۔ اُس نے سوچا اگر مورتی پھٹ گئی تو بہت نقصان ہونے کا ڈر ہے۔

چنانچہ وہ ایک ستون کی آڑ میں ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔ تھائیس طشتری ہاتھ میں لئے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی مورتی کے پُشت والے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جب وہ دروازے کے قریب پہنچی تو رک گئی۔ اُس نے پلٹ کر رتنا کر کی طرف دیکھا جو زراز را مسکرا رہا تھا۔ راجہ کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر دیوداسی سچی ہوئی تو مورتی اپنی جگہ سے ہلے گی اور پھٹ جائے گی۔ رتنا کر نے کہا۔

''اے مقدس دیوداسی! وقت گزر رہا ہے۔ اندر تشریف لے جا کر لوبان سلگاؤ۔ دیوتا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

تھائیس سمجھ گئی تھی کہ اس کی موت آ گئی ہے۔ اُس نے دل پر ہاتھ

رکھا اور مورتی کے دروازے میں سے اُس کے اندر داخل ہوگئی۔ راجہ نے ڈر کر آنکھیں بند کر لیں۔ مگر وہاں کچھ بھی نہ ہوا۔ نہ تو مورتی اپنی جگہ سے ہلی اور نہ اُس کے چہرے پر خراش تک آئی۔ صاف ظاہر تھا کہ دیوداسی جھوٹی ہے۔ رتنا کر نے بلند آواز میں کہا۔

''اے راجہ! آپ کو ثبوت مل گیا ہے کہ دیوداسی کی روح کا خواب سچا تھا اور یہ دیوداسی جھوٹی ہے۔ اس نے ہمارے مذہب کا مذاق اڑایا ہے۔ اس نے اصلی دیوداسی کی روح کو دھوکہ دیا ہے اور اُسے تکلیف پہنچائی ہے۔''

''راجہ نے ہاتھ بلند کر کے کہا۔

''اس عورت کو گرفتار کر لیا جائے۔''

فوراً سپاہی آگے بڑھے اور انہوں نے تھائیس کو زنجیروں میں جکڑ دیا اور راجہ کے حکم سے اُسے لے جا کر جیل میں بند کر دیا۔ رتنا کر بے

حد خوش تھا کہ اُس نے جھوٹی دیوداسی کا راز کھول کر ایک نیک کام کیا ہے اور اصلی دیوداسی کی روح کو سُکھ پہنچایا ہے۔ وہ اس لئے بھی خوش تھا کہ اُس نے دیوداسی سے رقاصہ کو اغوا کرنے کا انتقام لے لیا ہے۔ وہ راجہ کے حکم سے جیل میں قید کر دی گئی تھی۔ رتنا کر نے اُس کے ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ مندر کے پجاری اصلی دیوداسی کی تلاش میں آج سے ہی نکل کھڑے ہوں گے۔ اُس نے راجہ کے حکم سے پجاری کی ایک ٹولی اصلی دیوداسی کی روح کی تلاش میں روانہ کر دی اور راجہ سے کہا کہ اب ضروری ہو گیا ہے کہ دیوداسی کی روح کو خوش کرنے اور مورتی کے ساتھ کئے گئے گناہ کا کفارہ اُتارنے کے لیے ایک ہی وقت میں دو لڑکیوں کی قربانی دی جائے۔ راجہ نے فوراً اجازت دے دی۔ رتنا کر ایک تیر سے دو نشانے کرنا چاہتا تھا۔ ایک طرف وہ لڑکیوں کی قربانی کر کے راجہ اور اس کی رعایا کو خوش کرنا

چاہتا تھا اور دوسری طرف ان لڑکیوں کو فروخت کر کے سونے کے سکے کمانا چاہتا تھا۔

چنانچہ دو روز بعد دو لڑکیوں کو مورتی پر سے قربان کر دیا گیا۔

یہ قربانی بھی جھوٹی تھی۔ لڑکیوں کو مورتی کے اندر لے جا کر کوٹھڑی کے اندر بند کر دیا گیا اور ان کی جگہ دو بکریوں کے خون میں ڈوبے ہوئے دل پیالے میں ڈال کر راجہ کو پیش کئے گئے راجہ نے خون میں انگلی ڈبو کر تلک لگایا اور اعلان کیا کہ مورتی اور دیوداسی کی روح نے ان کی قربانی قبول کر لی ہے۔

تھائیس کو قید خانے میں پتہ چلا کہ دو لڑکیوں کی قربانی دی گئی ہے تو وہ سمجھ گئی کہ رتنا کر پجاری نے دو اور لڑکیاں مصر میں بیچنے کے لیے حاصل کر لی ہیں۔ مگر اب تو خود اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے وہ اُن لڑکیوں کو کیسے بچا سکتی تھی۔ شام کو رتنا کر اُس کی کوٹھڑی میں آیا۔

اُس نے تھائیس کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور کہا۔

''اے مکار عورت سچ سچ بتا تو کون ہے اور ہمارے ملک کی جاسوسی کس کے اشارے پر کر رہی ہے؟''

تھائیس نے صرف اتنا کہا۔

''میں زمانے کی ٹھکرائی ہوئی عورت ہوں۔ جس وقت تم لوگوں نے مجھے دیوداسی کی روح سمجھ کر میرے گلے میں مالا ڈالی تھی تو اُس وقت مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ میں مقدس دیوداسی بنائی جا رہی ہوں۔ میں کسی ملک کی جاسوسی کرنے یہاں نہیں آئی۔ میں ایک بدنصیب عورت ہوں اور تمہارے ملک میں پناہ تلاش کرنے آئی تھی۔''

رتنا کرنے گرج کر کہا۔

''تم بکواس کرتی ہو۔ ہمارے راجہ کو معلوم ہو چکا ہے کہ تم ایک جاسوس ہو اور کسی ایسے بادشاہ یا راجہ کی طرف سے یہاں بھیجی گئی ہو جو

ہمارے ملک پر چڑھائی کر کے ہمیں تباہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ دیوتاؤں نے ہماری مدد کی اور ہم نے ٹھیک وقت پر تمہیں گرفتار کر لیا۔ اب ہم تمہیں شہر کے سب سے بڑے چوک میں سب کے سامنے پھانسی پر لٹکا دیں گے۔"

تھائیس نے غصے میں آ کر کہا۔

"اے مکار پجاری! تو بھی کان کھول کر سن لے کہ میں راجہ کے سامنے تمہارا بھانڈا ابھی پھوڑ دوں گی اور سب کو بتا دوں گی کہ تم ایک مکار شخص ہو اور تم لڑکیوں کو قربان کرنے کی بجائے انہیں دوسرے ملک میں لے جا کر بیچ دیتے ہو۔"

رتنا کر نے قہقہہ مار کر کہا۔

"تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کوئی تمہاری بات پر یقین نہیں کرے گا۔ میرے پاس تمہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے

ثبوت تھا میں نے اُسے سب کے سامنے پیش کر دیا اور اب تمہیں یہاں پھانسی مل جائے گی۔ مگر تم میرے خلاف کوئی ثبوت نہ دے سکو گی۔ میں لڑکیوں کی جگہ جن بکریوں کو ذبح کرتا ہوں انہیں کھا پی کر ہضم کر جاتا ہوں۔''

تھائیس خاموش ہوگئی۔ وہ سمجھ گئی کہ رتنا کر سچ کہہ رہا تھا۔ ثبوت اس کے پاس واقعی کوئی بھی نہیں تھا۔ اگر اس نے سب کے سامنے رتنا کر پر الزام بھی لگایا تو بغیر ثبوت کے وہ بیکار الزام ہوگا اور سب لوگ یہی سمجھیں گے کہ تھائیس بدلہ لینے کے لیے جوابی الزام تراشی کر رہی ہے حقیقت یہ تھی کہ تھائیس اب پوری طرح رتنا کر کے چنگل میں پھنس چکی تھی اور پھانسی کا پھندا اُس کی قسمت میں لکھا جا چکا تھا۔ اُس نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے رتنا کر کے سامنے گڑ گڑا کر کہا۔

''رتنا کر! میں ساری عمر تمہاری باندی بن کر رہوں گی۔ کسی طرح

مجھے یہاں سے باہر نکال دے۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ میں وہی کروں گی جو تو کہے گا۔“

رتنا کرنے شیطانی قہقہے کے ساتھ کہا۔

”اب وقت گزر گیا ہے۔ اگر آج سے دس روز پہلے تو کہتی تو شاید میں قافلے کے ساتھ تجھے مصر بھیج کر وہاں بکوا دیتا۔ مگر اب وقت نہیں رہا۔ سب لوگوں پر اور راجہ پر بھی تمہارا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے۔ ساری رعایا تمہیں بھرے چوک میں پھانسی دینا چاہتی ہے اب میں نے اگر تمہیں یہاں سے بھگا دیا تو یہ لوگ مجھے پھانسی پر چڑھا دیں گے۔“

تھائیس نے کہا۔

”تم کوئی مذہبی بہانہ بنا کر انہیں خاموش کر سکتے ہو۔“

”نہیں۔ میں اس معاملہ میں کوئی بہانہ نہیں بنا سکتا۔ اور پھر تم نے میری زندگی میں خطرے میں ڈال دی تھی۔ میں تمہاری زندگی بچانے

کے لیے خطرہ کیوں مول لوں؟ اب تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ خاموشی سے اس کال کوٹھڑی میں بیٹھ کر اپنی موت کا انتظار کرو۔"

رتنا کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

تھائیس اپنی قسمت پر آنسو بہانے کے لیے اکیلی رہ گئی۔ راجہ نے تھائیس کو پھانسی دینے کے لیے چاند کی آخری تاریخ کا اعلان کر دیا۔ اس حساب سے ابھی تھائیس کی موت میں پورے پندرہ دن باقی تھے۔ اُسے کیا خبر تھی کہ یہاں موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس سے تو کہیں بہتر تھا کہ وہ ایک بار پھر سیاہ فام کانے کے قبضے میں ہی چلی جاتی۔ کم از کم اُس کی زندگی تو محفوظ رہتی۔ اب تو اُسے جان سے ہاتھ دھونا پڑ گیا تھا۔ وہ کسی نوکر یا کنیز سے مل کر بھی وہاں سے فرار نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے کہ سارے لوگ اس کے دشمن ہو رہے تھے۔ کیونکہ اُس نے دیوداسی کو جھوٹا روپ دھار کر اُن کے مقدس مذہب کی توہین

کی تھی۔ اُس کے لیے اب اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ خاموشی سے اپنی موت کا انتظار کرے۔

اب ذرا یہ دیکھیں کہ عنبر کس حال میں ہے؟

عنبر سفر کرتے کرتے اُن میدانوں میں داخل ہو گیا۔ جن کی سرحدیں تبت سے ملتی تھیں۔ برفانی علاقہ ختم ہو کر ایک بار پھر میدان گہلستان شروع ہو گیا تھا۔ یہاں زمین اونچی نیچی اور پتھریلی تھی۔ دور دور تک کوئی درخت نہیں تھا۔ کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی کھائیاں آجاتی تھیں جن کے اندر جنگلی گھاس اگی تھی۔ عنبر دوپہر تک چلتا رہا۔ تیسرے پہر وہ ایک درے میں آ گیا جو دو ٹیلوں کے بیچ میں تھا۔ ان ٹیلوں کے اوپر کانٹے دار درخت کھڑے تھے۔ عنبر تھک گیا تھا۔ وہ یاک پر سے اُتر کر بیٹھ گیا اور یاک کو اس نے ایک درخت کے ساتھ باندھ کر درے میں سے خشک گھاس توڑی اور اُس کے آگے ڈال

دی۔

عنبر پتھروں پر کھال بچھا کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ صبح وہ تبت پہنچ جائے گا۔ وہاں اُس کا جاننے والا سوائے بوڑھے تبتی کے اور کوئی نہ تھا اور اُس نے پتہ یہی بتایا تھا کہ بڑے پجاری سے مل لینا۔ وہ اُس کا بیٹا ہے۔ عنبر پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ اُس کی اونگھ ٹوٹ گئی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کسی لڑکی کی چیخ کی آواز سنی تھی۔ اُس نے کان آواز پر لگا دیئے۔ ایسے لگا جیسے چیخ فضا میں ایک بار پھر گونج کر ختم ہو گئی تھی۔ اچانک وہی چیخ ایک بار پھر سنائی دی۔ اب یہ آواز مسلسل آنے لگی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی عورت کے ساتھ ظلم کیا جا رہا ہے اور وہ چیخ چیخ کر رحم کی درخواست کر رہی ہے۔ عنبر انسانی ہمدردی کے جذبات سے بے چین ہو گیا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے اٹھا کہ آواز کدھر سے آ رہی ہے۔ وہ گھاٹی کے نشیب میں

سے نکل کر سامنے میدان میں آیا تو دیکھا کہ چھ سات آدمی تلواریں اٹھائے گھیرا ڈالے کھڑے ہیں اور اُن کے درمیان ایک لڑکی تڑپ رہی ہے۔ دو آدمی اُسے زبردستی پکڑ کر بیل گاڑی پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ تڑپ کر پھر نیچے گر پڑتی ہے۔

''میں نہیں جاؤں گی۔ میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔''

لڑکی چیخ چیخ کر شور مچا رہی تھی۔ عنبر سے یہ ظلم برداشت نہ ہو سکا۔ اُس نے آگے بڑھ کر کہا۔

''تم لوگ اس لڑکی پر ظلم کیوں کر رہے ہو؟''

ساتوں کے ساتوں ہٹے کٹے آدمی تلواریں ہاتھوں میں لئے عنبر کو خونی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔ ایک نے دانت پیس کر کہا۔

''تم کون ہوتے ہو ہمارے معاملے میں دخل دینے والے؟''

عنبر نے کہا۔

''میں ایک انسان ہوں اور ایک بے بس عورت پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔''

بڑے کٹے آدمی نے گرج کر کہا۔

''بکواس بند کرو۔ یہ ہماری لونڈی ہے۔ ہم اس کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں۔''

اس پر لڑکی نے چیخ کر کہا۔

''یہ جھوٹ ہے۔ میں ان کی لونڈی نہیں۔ یہ مجھے تبت سے اغوا کر کے ملک مصر بیچنے لے جا رہے ہیں۔''

اُس آدمی نے بڑے زور سے لڑکی کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اُس کے ہونٹوں پر سے خون جاری ہو گیا۔ عنبر سے یہ ظلم برداشت نہ ہو سکا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اس آدمی کے منہ پر ایسا گھونسا مارا کہ وہ

لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا۔ اُس کے ساتھی نے طیش میں آ کر تلوار بلند کی اور عنبر پر بھرپور وار کیا۔ عنبر فوراً ایک طرف ہٹ گیا۔ مگر وہ اتنے سارے آدمیوں کے سامنے بے بس ہو گیا سب کے سب تلواریں لے کر عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اُس پر بار بار تلواریں برسا رہے تھے مگر ایک بھی تلوار عنبر کو زخمی نہیں کر رہا تھا۔ وہ سب کے سب حیران ہو گئے کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اتنے میں عنبر نے ایک آدمی سے تلوار چھین لی اور باقاعدہ لڑنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے چار آدمیوں کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اس کے بعد پانچویں آدمی کی گردن بھی کٹ کر دور جا گری۔ اس لئے کہ دشمن کی تلوار کا وار تو عنبر کا کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتا تھا۔ جبکہ عنبر کا ہر وار ان کی گردن اڑا رہا تھا۔ لڑکی ایک طرف سہمی کھڑی یہ عجیب و غریب لڑائی دیکھ رہی تھی۔

اب صرف دو آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ایک نے پیچھے سے آ کر عنبر

کے جسم میں تلوار گھسیڑ دی۔ تلوار اس کے جسم میں پار ہو کر دوسری طرف نکل گئی۔ مگر عنبر اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا رہا۔ اُس نے تلوار اپنے جسم میں ہی پروئی رہنے دی اور اپنی تلوار سے اس آدمی کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔ دوسرا آدمی یہ کرامت دیکھ کر سجدے میں گر پڑا۔ عنبر نے اپنے جسم سے تلوار کھینچ کر پرے پھینکی اور اُس آدمی کے سر پر تلوار کی نوک رکھ کر کہا۔

''بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟''

''رحم! رحم! رحم!''

لڑکی نے چیخ کر کہا۔

''اس پر رحم نہ کرنا۔ اس نے سینکڑوں عورتوں کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اس نے کئی لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اگر تم نے اُسے چھوڑ دیا تو یہ ابھی کتنے ہی گھر اُجاڑے گا۔ کئی ماؤں کی گود برباد کرے گا اور کئی

بچوں کو یتیم کرے گا۔"

عنبر ابھی کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ لڑکی نے آگے بڑھ کر زمین پر گری ہوئی تلوار اٹھائی اور اس زور سے اُس آدمی کے سر پر ماری کہ اُس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا اور وہ زمین پر گر کر تڑپے بغیر ٹھنڈا ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟ وہ تو رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔"

"سانپ پر کبھی رحم نہیں کھانا چاہئے۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے بے گناہ لڑکیوں پر کیا کیا ظلم کیے ہیں تو تم بھی ان پر رحم نہ کھاتے اور جس طرح میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے تم بھی اسے اپنی تلوار سے ہلاک کر دیتے۔"

عنبر نے لڑکی سے پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور یہ لوگ تمہیں کہاں لئے جا رہے تھے؟"

لڑکی بیل گاڑی پر بیٹھ گئی اور اُس نے الف سے لیکر یے تک عنبر کو ساری کہانی سناڈالی۔عنبر اُس کی داستان سُن کر حیران رہ گیا کہ تبت کے شاہی مورتی مندر میں یہ ظلم ہوتا ہے۔وہ سمجھ گیا کہ مورتی مندر کا بڑا پجاری رتنا کر بوڑھے تبت کا بیٹا ہی ہے۔مگر اُس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ وہ دیوداسی کون ہے جس نے اُس لڑکی کی جان بچانے کی کوشش کی تھی۔بہر حال اُسے اُس دیوداسی سے کوئی سروکار بھی نہیں تھا۔ہوسکتا ہے انسانی ہمدردی کے تحت اُس نے ایسا کیا ہو۔ عنبر نے لڑکی سے پوچھا کے اب وہ کیا چاہتی ہے؟لڑکی نے بتایا کہ وہ ہمیشہ اُس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔کیونکہ اُس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ دیوتا ہے اور اُس کی حفاظت ہر مشکل وقت میں کرسکتا ہے۔عنبر نے کہا کہ میں تو تبت جارہا ہوں ۔لڑکی نے کہا۔

''میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی اور بڑے پجاری کے ظلم کو راجہ

کے سامنے فاش کروں گی۔ تاکہ دوسری میرے جیسی لڑکیوں کی جان بچ سکے۔''

''تو پھر چلو میرے ساتھ۔''

عنبر نے لڑکی کو یاک پر سوار کروایا اور خود اُس کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

مُردوں کی سرائے

تھائیس کو پھانسی دینے کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔

مورتی مندر کے بڑے صحن میں مورتی کے بُت کے بالکل سامنے تختے جوڑ کر پھانسی گاڑ دی گئی تھی۔ راجہ نے سرکاری طور پر اعلان کر دیا تھا کہ آج سے ٹھیک پندرہ دنوں کے بعد تھائیس کو مقدس دیوداسی کا بھیس بدلنے کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ جیل کی کوٹھڑی میں تھائیس بے بسی کے عالم میں پڑی تھی۔ کوئی اُس سے ہمدردی کرنے والا نہیں تھا۔ کوئی اُس کے دُکھ میں شریک ہونے والا نہیں تھا۔ ایک سپاہی نیزہ ہاتھ میں لئے ہر وقت کوٹھڑی کے سلاخ دار دروازے کے باہر پہرہ دیتا تھا۔ دن میں دو بار اُسے روکھی سوکھی روٹی اور پانی دیا جاتا۔ روٹی کی تھالی سلاخوں کے نیچے سے اندر کھسکا دی جاتی اور وہیں سے باہر کھینچ لی جاتی۔ رسم کے مطابق پھانسی کے ایک

روز پہلے تھائیس کا سر مونڈ دیا جانا تھا۔ پھر اُسے لمبا سیاہ کرتہ پہنا کر پھانسی کے پھندے کی طرف لے جانا تھا۔ سیاہ کرتہ تیار کر لیا گیا تھا۔ کسی وقت تھائیس کو عنبر کی یاد آتی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ وہی اس کا ایک ہمدرد بھائی تھا جو اس مصیبت سے اسے نجات دلا سکتا تھا۔ لیکن وہ خدا جانے کہاں تھا۔

تھائیس کو بالکل خبر نہیں تھی کہ اس کا ہمدرد بھائی عنبر تبت کی سرحدوں میں داخل ہو چکا تھا۔ رقاصہ لڑکی اُس کے ساتھ تھی۔ سرحدی چوکی پر سپاہیوں نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور تبت کیوں جا رہا ہے؟ عنبر نے کہا کہ وہ ایک سوداگر ہے اور اپنی بیوہ بہن کے ساتھ تجارت کی غرض سے مال خریدنے تبت آیا ہے۔ اُس زمانے میں سوداگروں کو بڑی رعایت حاصل تھی۔ کیونکہ ہر ملک کا بادشاہ یا راجہ چاہتا تھا کہ اُس کا ملک تجارت میں ترقی کرے۔ آج کی طرح اس

زمانے میں بھی کسی ملک کی ترقی کا راز تجارت کی ترقی میں ہی پوشیدہ تھا۔ چوکی کے سپاہی رقاصہ لڑکی کو نہ پہچان سکے اور انہوں نے دونوں کو تبت کی سرحدوں میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ اُس زمانے میں تبت ملک کا نام بھی تھا اور زہر کا نام بھی یہی تھا۔ تبت شہر سرحدوں سے آدھے دن کی مسافت پر تھا۔ عنبر نے وہیں سے ایک اور یاک خرید لیا۔ اب دونوں ایک ایک یاک پر سوار تبت شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں کبھی کوئی خانقاہ آ جاتی۔ کبھی چند ایک خیموں کی بستی میں سے گزرنا پڑتا۔ جہاں فقیر لوگ اُن سے خیرات طلب کرتے۔ عنبر نے رقاصہ لڑکی کے چہرے پر نقاب ڈال دی تھی۔ کیونکہ اس کے پہچان لئے جانے کا خطرہ تھا۔ انہیں پجاریوں کا ایک جلوس ملا۔ لوگوں نے مذہبی لباس پہن رکھا تھا اور رنگ برنگے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے۔ عنبر نے رقاصہ لڑکی سے پوچھا۔

''کیا تبت شہر میں تمہارا ایک بھی رشتے دار نہیں ہے؟''

لڑکی نے سوچ کر کہا۔

''شہر سے دور گاؤں میں ایک بوڑھی عورت رہتی ہے جو میری والدہ کی خالہ زاد بہن ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تمہیں اُس کے پاس چلی جانا چاہئے اس لئے کہ میرے ساتھ تم کہاں تک در بدری کرتی رہو گی۔ ویسے بھی ایک عورت کو یوں بھٹکتے پھرنا اچھا نہیں۔''

''لیکن پجاریوں نے مجھے پہچان لیا تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ وہ مجھے دوبارہ پکڑ کر دوسرے ملک جا کر بیچ دیں گے۔''

''جیسا کہ تم نے کہا تھا کہ تبت میں یہ کام صرف دو شخص کرتے ہیں۔ ایک رتنا کر بڑا پجاری اور دوسرا چھوٹا پجاری۔ میں تبت کے راجے سے شکایت کر کے ان دونوں کو گرفتار کروا دوں گا۔ پھر تو تمہیں

کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

''کیا راجہ تمہاری بات کا یقین کرے گا؟''

''کیوں نہیں؟ تم اس کا ثبوت مہیا کروگی۔ تم گواہی دوگی کہ رتنا کرنے اپنے چھوٹے پجاری کے ساتھ مل کر تمہیں اغوا کر کے فروخت کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اگر انہوں نے یقین نہ کیا تو؟''

''پھر ایسا ہے کہ تمہارا زندہ رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ رتنا کر نے مورتی کے اندر قربانی پیش نہیں کی۔ اگر تمہیں قربان کر دیا گیا تھا تو پھر تم زندہ کیسے ہو؟ اور اگر تم زندہ ہو تو ظاہر ہے رتنا گر نے چالاکی اور بددیانتی سے کام لیا ہے۔ یوں وہ ہر اعتبار سے پکڑا جائے گا۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔''

''تم تبت میں کس جگہ ٹھہرو گے؟''

''میں تبت میں کسی کو نہیں جانتا۔ جہاں تک میرا خیال ہے مجھے سرائے میں ٹھہرنا پڑے گا۔ تم بھی میرے ساتھ رہنا۔ میرا خیال ہے کہ سرائے میں تمہیں کوئی نہیں پہچانے گا۔ ویسے احتیاطاً تم چہرے پر نقاب گرائے رکھنا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے بڑے پجاری رتنا کر کے جاسوس اُدھر گھوم پھر رہے ہوں۔''

وہ باتیں کرتے' یاک پر سوار چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے گھوڑا سواروں کا ایک دستہ دوڑتا ہوا اُن کے پاس آ کر رُک گیا دستے کے سردار نے پوچھا۔

''تم لوگ کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟''

عنبر نے جھک کر سردار کو سلام کیا اور بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے بولا۔

''میرا نام حکیم عنبر ہے۔ یہ میری بیوی طلالہ ہے۔ میں دکھی اور

بیمار لوگوں کا علاج کرتا ہوں۔ تبت میں جڑی بوٹیوں کی تجارت کی غرض سے آیا ہوں۔''

''تم نے اس عورت کو نقاب کیوں ڈلوا رکھی ہے؟ اِدھر تو کوئی بھی عورت کسی مرد سے پردہ نہیں کرتی؟''

عنبر نے بڑی دانشمندی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''معزز سردار! میں شمالی افریقہ کے ایک خاص قبیلے کا رہنے والا ہوں۔ ہماری شادی کو ابھی ایک سال پورا نہیں ہوا۔ ہمارے قبیلے میں رواج ہے کہ عورت شادی کے ایک برس تک دوسرے مردوں سے پردہ کرتی ہے۔ اگر وہ پردہ نہ کرے تو اس کے ہاں مُردہ بچے پیدا ہوتے ہیں۔''

سردار نے تعجب سے رقاصہ لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا۔

''شاید تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے پیچھے تبت کے مورتی مندر

کے پجاریوں کا جلوس آرہا ہے۔ وہ لوگ دیو داسی کی روح کی تلاش میں نکلے ہیں جو مر گئی ہے اور جس کی روح روایت کے مطابق کسی دوسری عورت کے اندر چلی گئی ہے۔ وہ اس عورت کا نقاب پلٹ کر ضرور دیکھیں گے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاں مردہ بچے پیدا نہ ہوں اور پجاری لوگ تمہاری بیوی کا چہرہ نہ دیکھیں تو اس راستے سے ہٹ کر سفر کرو۔ وگرنہ تم اُن کو منع نہ کر سکو گے۔ اس ملک کی رسم اور قانون کے مطابق پجاریوں کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ جس عورت کا چاہیں چہرہ دیکھ لیں۔''

عنبر نے جھک کر کہا۔

''اے معزز نسل کے با عزت سردار! میں تمہارا شکر گذار ہوں کہ تم نے مجھے وقت سے پہلے خطرے سے آگاہ کر دیا۔ میں اس راستے سے ہٹ کر اپنی بیوی کے ساتھ سفر کرونگا۔ کیونکہ اگر پجاریوں نے میری

بیوی کا نقاب الٹ کر اُس کا چہرہ دیکھ لیا تو میرے سارے بچے مُردہ پیدا ہوں گے۔ میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔ اب جلدی سے اس راستے سے ہٹ جاؤ۔ وہ جلوس یہاں پہنچنے ہی والا ہوگا۔"

اتنا کہہ کر سپاہی اپنے سردار سمیت آگے کو روانہ ہو گیا۔ عنبر نے لڑکی سے کہا۔

"اگر یہ سردار ہمیں وقت پر اطلاع نہ کرتا تو پجاری تمہیں ضرور پہچان لیتے پھر تمہارا ان کے چنگل سے بچ نکلنا بڑا مشکل ہو جاتا۔"

لڑکی نے کانپ کر کہا۔

"مورتی مندر کے سارے پجاری مجھے جانتے ہیں۔ وہ تو مجھے ابھی پکڑ کر لے جائیں گے۔ دیوتاؤں کے لیے یہاں سے کسی دوسری طرف نکل چلو۔ نہیں تو وہ لوگ مجھے رتنا کر کے پاس پہنچا دیں گے اور

رتنا کر مجھے اس دفعہ کبھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"ہم دوسری طرف سے اپنا سفر جاری رکھیں گے۔"

عنبر نے لڑکی کو ساتھ لے کر یاک کا راستہ مغرب کی طرف کر دیا۔ یہاں ریت ملی مٹی کے بڑے بڑے تودے تھے۔ عنبر نے تھوڑی دیر کے لیے سفر ملتوی کر دینا ہی مناسب خیال کیا۔ اُس نے لڑکی کو یاک سے اتارا۔ اور دونوں یاک تودے کے پہلو میں باندھ کر چھپا دیئے اور خود زمین پر قالین کا چھوٹا سا ٹکڑا بچھا کر چھپ کر بیٹھ گئے اور پجاریوں کے جلوس کا انتظار کرنے لگے۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ انہیں دور سے ڈھول تاشوں اور ڈگڈگیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں قریب سے قریب تر آتی گئیں۔ پھر پجاریوں کا جلوس نمودار ہوا۔ انہوں نے رنگ برنگ لباس پہن رکھے تھے۔ سروں پر سفید سموری ٹوپیاں تھیں۔ ہاتھوں

میں ڈگ ڈگیاں تھیں جنہیں وہ بار بار بجا رہے تھے۔ کچھ پجاری آگے آگے کانسی کے برتن میں سے کسی شے کا عرق چھڑکتے جاتے تھے۔ جلوس جب اُن کے قریب سے گزرا تو رقاصہ لڑکی نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے مجھے رتنا کر اور اُس کے چھوڑے پجاری کے حکم سے مورتی کے اندر کوٹھڑی میں زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ اگر یہ لوگ مجھے دیکھ لیتے تو ابھی میری تکا بوٹی کر دیتے۔''

''تمہیں ربّ عظیم کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ اُس نے تمہاری جان بچالی۔''

لڑکی نے سانس بھر کر کہا۔

''لیکن میں ایک بار پھر اپنے دشمنوں کے درمیان جا رہی ہوں۔ میرا کوئی بھائی یا باپ ہوتا جو مجھے کسی دوسرے ملک اپنے ساتھ لے

جاتا۔''

عنبر نے کہا۔

''تم مجھے بھی اپنا بھائی اور باپ سمجھ سکتی ہو۔لیکن مصیبت یہ ہے میں تمہیں اتنی جلدی اور اس وقت کسی دوسرے ملک میں نہیں لے جا سکتا۔''

میں ایک لمبا سفر طے کر کے تبت پہنچا ہوں۔میں اگر چاہوں بھی تو تمہیں اپنے ساتھ واپس نہیں لے جاسکتا۔اس لیے کہ میرا خود وطن کوئی نہیں۔اس دنیا میں تمہاری طرح سے میں بھی اکیلا ہوں۔میرا بھی کوئی نہیں ہے۔نہ ماں ہے نہ باپ ہے۔نہ کوئی بہن ہے۔نہ بھائی ہے۔میں تو جس ملک میں جاتا ہوں اُسی ملک کو اپنا سمجھ لیتا ہوں۔''

''میں بھی ایک خانہ بدوش لڑکی ہوں۔میرا بھی اس دنیا میں کوئی

نہیں۔ میں دنیا کے ہر ملک کو اپنا وطن سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن جس ملک میں پیدا ہوئی تھی اس کو اپنا ملک نہیں سمجھ سکتی۔ تبت میرا وطن ہے۔ مگر اس وقت تبت ہی مجھے ہلاک کرنے کی فکر میں ہے اور میں اپنے ہی وطن میں چھپتی پھرتی ہوں۔"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے بہن! اس کا غم نہیں کرنا چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ فی الحال تبت شہر پہنچ کر تم میرے ساتھ سرائے میں رہنا۔ میں راجہ سے مل کر تمہیں پیش کرنے کی کوشش کروں گا تا کہ تم رتنا کر کے خلاف سچی گواہی دے سکو اور اُسے اُس کے گناہوں کی سزا دے سکے۔ اس کے بعد دیکھ لیں گے کہ تمہیں کسی جگہ عزت آبرو کے ساتھ پہنچایا جائے۔"

رقاصہ لڑکی نے کہا۔

"میرے بھائی عنبر! تم میرے لیے ایک فرشتہ رحمت بن کر آئے

ہو۔ اگر تم اس وقت میری مدد نہ کرتے تو خدا جانے اس وقت وہ ڈاکو پجاری مجھے کہاں سے کہاں لے جا چکے ہوتے۔''

عنبر نے کہا۔

''میری بہن! رب عظیم کی ہر بات میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔ انسان وہی اچھا ہے جو کسی مصیبت سے ایکدم پریشان نہ ہو۔ بلکہ رب کی رضامندی کے ساتھ رضامند ہو جائے اور صبر شکر کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے۔ ایسا انسان مصیبت پر ضرور فتح حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر انسان گھبرا جائے اور خدا کی ذات پر بھروسہ کرنا چھوڑ دے تو مصیبت اُسے زندہ نہیں چھوڑتی۔ ایک خوفناک بھوت بن کر اس کے سر پر سوار ہو جاتی ہے۔ اور اُسے ختم کر کے ہی دم لیتی ہے۔''

وہ باتیں کر رہے تھے اور پجاریوں کا جلوس دور نکل گیا تھا۔ عنبر

نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ جلوس کافی دور نکل گیا ہے اب ہمیں آگے نکل جانا چاہئے۔''

''ٹھیک ہے۔ ہمارا راستہ بالکل صاف ہے۔''

دونوں پالکوں پر سوار ہوئے اور آگے چل پڑے۔ اب انہیں شہر کے اونچے نیچے سفید دیواروں اور تکونی سنہری چھتوں والے مکان نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ شہر کی دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی اور کہیں کوئی ایسا دروازہ سلامت نہ تھا جہاں سپاہیوں کا پہرہ ہو۔ عنبر نے حیرانی سے لڑکی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کیا اس شہر کی کوئی فصیل نہیں؟ یہاں کوئی قلعہ نہیں ہے؟''

رقاصہ لڑکی نے کہا۔

''ہمارا راجہ ایک امن پسند راجہ ہے۔ وہ جنگوں پر یقین نہیں رکھتا۔

یہی وجہ ہے کہ اُس نے نہ تو اپنے لئے کوئی قلعہ بنایا ہے اور نہ شہر کے گرد کوئی مضبوط دیوار بنائی ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا راجہ ایک نیک دل، رحم دل اور امن پسند راجہ ہے۔ وہ کسی سے جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن کیا اُسے یہ معلوم نہیں کہ کوئی دوسری طاقت بھی اُس پر حملہ کر سکتی ہے؟ ہر کوئی تو امن پسند اور نیک دل نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسا ملک بھی ہو جس کا بادشاہ یہ تاک لگائے بیٹھا ہو کہ وہ تبت پر حملہ کر کے اُسے لوٹ کر تباہ و برباد کر دے۔"

رقاصہ لڑکی نے پوچھا۔

"کسی کو کیا پڑی ہے کہ تبت ایسے دور دراز ملک پر حملہ کرے۔ جبکہ یہاں سوائے برف کے پہاڑوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

''شاید تمہیں معلوم نہیں۔ دوسرے ملکوں میں یہ بات مشہور ہے کہ تبت کے بڑے مندر کے نیچے ہیرے جواہرات اور سونے کا بہت بڑا خزانہ دفن چھپا ہوا ہے۔ اس خزانے میں صدیوں سے بادشاہوں کے خزانے دفن چلے آرہے ہیں۔''

رقاصہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ ہم نے تو یہاں رہ کر بھی کوئی بات نہیں سُنی۔ اگر کسی پجاری کو بھی معلوم ہوتا تو وہ ضرور اس خزانے کو کھودنے کی کوشش کرتا۔ پھر بڑے پجاری کو کیا پڑی تھی کہ وہ عورتوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بیچ کر سونے کے سکے کمائے۔ وہ بڑی آسانی سے مورتی مندر کے خزانے پر ہاتھ صاف کر سکتا تھا۔''

''اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مورتی مندر کے بڑے پجاری

رتنا کر کو بھی معلوم نہیں کہ مندر کے نیچے ایک خاص جگہ پر سونے، ہیرے، جواہرات کا ایک بے بہا خزانہ دفن پڑا ہے۔''

''پھر اس راز کا کس کو علم ہے؟''

عنبر نے ہنس کر کہا۔

''کیا تم یہ خزانہ تلاش کرنا چاہتی ہو؟''

لڑکی نے بے تابی سے خوش ہو کر کہا۔

''اگر ہم یہ خزانہ تلاش کر لیں تو اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ کیا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے بادشاہوں کے خزانے میں سے تھوڑا سا حصہ ہم بھی حاصل کر لیں۔ آخر ہم نے بھی تو اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں؟ بھائی! یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس خزانے کا نقشہ ہے؟''

''خزانے کا نقشہ میرے پاس نہیں ہے۔ لیکن سُنا ہے کہ اس مندر کی مورتی کے اندر کسی بہت بڑے پتھر کے چبوترے کے نیچے یہ نقشہ

موجود ہے۔

بہر حال ہمیں فی الحال خزانے سے زیادہ اس بات کی فکر ہونی چاہیئے۔ کہ تمہیں پجاریوں کی نظروں سے بچا کر کونسی سرائے میں رکھا جائے؟ کیا تمہارے خیال میں شہر کے باہر کوئی ایسی سرائے ہے؟''

عنبر رقاصہ لڑکی سے باتیں کر رہا تھا اور وہ خیال ہی خیال میں خزانے کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔ جیسے اُس نے خزانے کا نقشہ حاصل کر لیا تھا اور اب خزانے کا منہ کھول کر ہیرے جواہرات سمیٹ رہی تھی۔ عنبر نے اس کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کہا۔

''تم سن رہی ہو میں کیا پوچھ رہا ہوں؟''

''کیا؟'' رقاصہ نے چونک کر کہا۔ ''کیا کہا تم نے؟''

''میں نے یہ پوچھا تھا کہ شہر کے اندر یا باہر کوئی ایسی سرائے ہے جہاں ہم قیام کر سکیں اور ہم پر کوئی شک نہ کرے۔''

"میرا خیال ہے کہ شہر کے اندر ایک اجاڑی محلّہ ہے جسے محلّہ گنڈپ کہتے ہیں۔ وہاں چونکہ مُردوں کو جلانے اور دفن کرنے والے رہتے ہیں اس لئے وہاں بہت کم لوگ آتے ہیں' وہاں ایک سرائے ہے۔ جہاں ہم گمنامی میں رہ سکتے ہیں اور ہمیں کوئی نہیں زیادہ دیکھ سکے گا۔"

"ٹھیک ہے، ہم اسی سرائے کی طرف جاتے ہیں۔ اس سرائے کا نام کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے اس کا نام بھی مُردوں کی سرائے ہے۔"

عنبر ہنس پڑا۔

"کیا عجیب نام رکھا ہے اس سرائے کا' یوں لگتا ہے جیسے وہاں مُردے آ کر ٹھہرتے ہیں۔ کیا وہاں کبھی کسی مُردے کی روح آئی ہے؟"

مُردوں کی سرائے

''کہتے ہیں ایک دفعہ ایک مُردہ عورت کی روح رات کو وہاں آ گئی تھی وہ سرائے کی کھڑکی کے ساتھ لگ کر آدھی رات کو برفباری میں کھڑی ہو گئی تھی اور رو رو کر سرائے کے مالک سے کہہ رہی تھی۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ مجھے اندر سرائے میں آنے دو۔ مجھے سرائے میں کمرہ دو۔ پھر کہتے ہیں سرائے کا مالک باہر گیا تو اُس روح کو دیکھ کر غش کھا کر گر پڑا اور پھر کبھی نہ اٹھا۔''

''اچھا۔ اب اگر روح آئی تو میں تم سے اس کی ملاقات ضرور کرواؤں گا۔''

''ہائے میں مر گئی۔ میں کیوں اُس سے ملنے لگی بھلا۔''

''اچھا بھئی۔ میں اس سے ملاقات کروں گا۔ میں روحوں سے نہیں ڈرتا۔ اور پھر ہم سب کو ایک نہ ایک دن روح بن جانا ہے۔ بھلا اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ کیا ہم سب کی سب روحیں نہیں ہیں؟ یہ روح ہی تو ہے جو ہمارے اندر بولتی ہے۔ سوچتی ہے۔ ہمیں آنے والے واقعات سے باخبر کرتی ہے اور اچھی اچھی باتیں سمجھاتی ہے۔ اگر یہ روح نہ ہو تو ہم ایک دم مُردہ ہو جائیں۔ پھر جب ہمارا جسم مُردہ ہو کر زمین کے اندر چلا جائے گا تو روح آزاد ہو کر آسمانوں پر چلی جائیگی۔ پھر روح سے ڈرنے کی کیا بات ہے؟''

''بھائی! تم چاہے جو کچھ کرو مگر مجھے روحوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔''

''کیا تمہیں کسی روح سے ملاؤں؟''

''ہائے۔ میں نہیں ملتی کسی روح سے؟''

''مجھے تو ڈر نہیں لگتا۔ میں تو کئی بار کئی روحوں سے ملاقات کر چکا

ہوں۔ ابھی میرے سفر کے دوران ہی ایک جنگل میں مجھے ایک روح ملی تھی۔ اُس کے سر پر بڑے بڑے سینگ تھے اور اُس کے دانتوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ کسی چڑیل کی روح تھی۔ وگرنہ نیک لوگوں کی روحیں کبھی زمین پر آ کر اس طرح لوگوں کو تنگ نہیں کرتیں۔ وہ تو ہمیشہ جنت میں نہروں کے کنارے پھولوں بھرے باغوں میں سیر کرتی پھرتی ہیں۔"

رقاصہ لڑکی نے ڈر کر پوچھا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر؟۔۔۔ پھر یوں ہوا کہ میں نے روح کو للکار کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور مجھ سے کیا چاہتی ہے؟ روح نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا۔ اُس کے دانتوں سے خون کے قطرے گرنے لگے۔ اُس کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ اُس نے کہا۔ میں اس جنگل کی سب

سے خوفناک اور ملکہ چڑیل کی روح ہوں۔ میں ہر روز ایک آدمی کھاتی ہوں۔ آج صبح سے میں کسی آدمی کی تلاش میں بھٹک رہی ہوں۔ مجھے کوئی آدمی نہیں ملا اور بھوک سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ اس لئے میں تمھیں کھانے کے لیے یہاں آئی ہوں۔''

''ہائے میں مر گئی۔ پھر کیا ہوا بھائی؟''

''پھر یوں ہوا کہ چڑیل نے اپنے تیز ناخنوں والے پنجے اوپر اٹھائے اور میرے سر کے اوپر آ کر گدھ کی طرح منڈلانے لگی۔ وہ مجھ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ میں بھی پہلے تو گھبرا سا گیا۔ پھر میں نے اپنے رب عظیم کا نام لیکر پکارا اور دل میں کہا کہ میں نیک بندہ ہوں۔ اور چڑیلیں اور بری روحیں نیک بندوں کا کبھی کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ بلکہ ان سے ڈر کر اور کنی کترا کر بھاگ جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ میں نے رب کا نام پانچ بار لے کر چڑیل کی طرف زور سے پھونک

ماری۔میری پھونک کا منہ سے نکلنا تھا کہ چڑیل کے پروں میں آگ لگ گئی اور وہ چیختی چلاتی' شور مچاتی ہائے میں مرگئی ہائے میں مرگئی کا واویلا مچاتی آسمان میں غائب ہوگئی۔''

رقاصہ لڑکی نے سہم کر کہا۔

''ہائے۔رب عظیم نے میرے بھائی کو بچالیا۔''

''میری اچھی بہن !ربِّ عظیم اپنے نیک بندوں کو بچالیا کرتا ہے۔''

اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ ایک سرائے کے قریب سے گزرے تو لڑکی نے کہا۔

''یہی ہے وہ مُردوں کی سرائے۔''

عنبر وہاں رُک گیا۔سواری اُس نے ایک طرف باندھی اور خود لڑکی کو ساتھ لے کر سرائے کے موٹے تازے اور گنجے مالک کے

پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے اسے بتایا کہ وہ ایک حکیم ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ تبت میں تجارت کی غرض سے آیا ہے اور سرائے میں کچھ روز قیام کرنا چاہتا ہے۔ گنجہ مالک اپنے گول گول لال لال ڈیلے گھما کر انہیں سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔

تبت کا دربار

سرائے کے مالک نے عنبر کو رہنے کے لیے ایک کوٹھری دے دی۔
عنبر صبح کے وقت سرائے میں رقاصہ کو بند کر کے باہر نکل جاتا اور شہر کی آوارہ گردی شروع کر دیتا۔ وہ اس شہر کے ماحول کو اچھی طرح دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہاں کے لوگ بڑے سیدھے اور بھولے بھالے ہیں۔ ایک دوسرے سے زیادہ سروکار نہیں رکھتے۔ ہر شخص اپنا اپنا کام بڑی محنت اور لگن سے کرتا ہے اور دوسرے کے کام میں دخل نہیں دیتا۔ شہر کے مکان بڑے سیدھے اور سادہ تھے۔
مندروں میں شام کو عبادت ہوتی تھی۔ اُس نے ایک بار بڑے مورتی مندر کو بھی دیکھا۔ وہ اس جگہ بھی گیا جہاں بڑی مورتی کا بت تھا اور

جس کے اندر ایک چبوترے کے نیچے مندر کے خزانے کا نقشہ دفن تھا۔ یہاں اُس نے ایک پھانسی بنی ہوئی دیکھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ مندر کی ایک جھوٹی دیوداسی کو پورے چاند کی رات کو پھانسی دی جائے گی۔ واپسی پر اُس نے رقاصہ کو بتایا تو وہ بولی۔

''ہو نہ ہو یہ وہی دیوداسی ہے جس نے میری جان بچائی تھی۔''

''تو کیا وہ اصلی دیوداسی نہیں تھی؟''

''اگر وہ اصلی دیوداسی ہوتی تو مندر کے اندر داخل ہوتے ہی مورتی پھٹ جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اُس نے مورتی کے اندر آ کر مجھے وہاں سے نکالا تھا اور مورتی سہی سالم اپنی جگہ پر کھڑی رہی تھی۔ ضرور رتنا کرنے اس کے خلاف سازش کر کے ثابت کر دیا ہوگا کہ وہ نقلی دیوداسی ہے اور راجہ نے اُسے پھانسی کی سزا کا حکم دے دیا ہوگا۔ بھائی کیا ہم کسی طرح اُسے بچا نہیں سکتے؟ وہ بڑی اچھی عورت ہے

اُس نے اپنی جان کی قربانی دے کر مجھے بچایا تھا۔''

عنبر نے کہا۔

''یہ تو ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم خود ایک سرائے میں پڑے ہیں اُس کی جان کیسے بچا سکتے ہیں؟''

انہیں سرائے میں آئے تیسرا روز تھا کہ ایک دن شہر میں ہر طرف ماتم ہونے لگا۔ گھروں کے اوپر کالے جھنڈے لہرانے لگے۔ لوگ روتے ہوئے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ سرائے کے مالک نے بتایا کہ تبت کا راجہ اچانک مر گیا ہے۔ عنبر نے پوچھا۔

''کیا وہ بیمار تھا؟''

''نہیں۔ بس کھانا کھاتے کھاتے لقمہ اُس کے حلق میں پھنس گیا اور مر گیا۔ بڑا نیک راجہ تھا۔ دیوتا اُس کی روح کو بخش دیں گے۔''

عنبر نے رقاصہ سے کہا۔

''مجھے سوفیصد یقین ہے کہ راجہ مرا نہیں۔ اُس سکتہ ہوگیا ہے اور یہ بھولے بھالے لوگ اُسے مُردہ سمجھ کر زمین کے اندر دفن کر رہے ہیں۔''

عنبر نے سرائے کے مالک سے پوچھا۔

''راجہ کا محل کہاں ہے؟''

''کیوں۔ تم وہاں جا کر کیا کروگے؟''

''تم مجھے بتاؤ محل کا راستہ کِدھر کو ہے؟''

سرائے کے مالک نے اُسے محل کا راستہ بتایا۔ عنبر نے رقاصہ لڑکی کو کوٹھڑی میں رہنے کی ہدایت کی اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ محل کے ارد گرد زبردست پہرہ تھا اور سپاہی بھی راجہ کے سوگ میں سر جھکائے اُداس کھڑے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ وہ کونسی ایسی ترکیب کرے کہ کسی طرح رانی کے

پاس پہنچ جائے۔ کیونکہ وہ مرد اُسے محل کے اندر نہیں گھسنے دیں گے۔
اُس نے دور ہی سے رونا اور چلانا شروع کر دیا قریب جا کر سپاہیوں
نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ روتے ہوئے بولا۔

''میں رانی کا بھائی ہوں۔ ملک شام سے آ رہا ہوں۔ مجھے میری
غم زدہ بہن کے پاس لے چلو۔''

عنبر نے کچھ اس طرح اداکاری کر کے شور مچایا کہ سپاہی گھبرا گئے
اور ایک سپاہی نے کہا۔

''رانی کے بھائی کو اس کی غم زدہ بہن کے پاس پہنچا دو۔ بے چارا
یہیں رو رو کر دم توڑ دے گا۔''

عنبر نے زمین پر لوٹنا شروع کر دیا تھا۔ سپاہیوں نے جلدی سے
عنبر کو اٹھایا اور اُسے ساتھ لے کر محل کے دوسرے دروازے سے اُس
بارہ دری کی طرف آ گئے جہاں مہارانی اپنی راشتہ دار عورتوں اور

کنیزوں کے ساتھ سیاہ لباس پہنے' بال بکھرائے اپنے خاوند کے سوگ میں رو رہی تھی۔ سپاہی عنبر کو دروازے پر چھوڑ کر چلے گئے۔ عنبر آہستہ آہستہ بارہ دری کے پیچھے والے صحن میں آ گیا۔ اب وہ ایک ستون کے پیچھے ہو کر انتظار کرنے لگا کہ رانی ذرا اکیلی ہو تو وہ اُس سے جا کر بات کرے۔

تھوڑی دیر بعد عورتیں ایک ایک کر کے اٹھتی چلی گئیں۔ اب وہاں رانی اور کچھ کنیزیں ہی رہ گئیں تھیں۔ عنبر نے یہ موقع غنیمت جانا اور لپک کر مہارانی کے سامنے آ کر بولا۔

''مہارانی! میری گستاخی کو معاف کر دینا۔ لیکن معاملہ اتنا نازک تھا کہ مجھے آپ کے پاس آنا پڑا۔''

مہارانی نے اپنی سوگوار پلکیں اٹھا کر تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا۔

''کون ہوتم ؟ تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی ؟'' کنیزیں بھی پریشان ہوکر گھبرا گئیں اور وہ شور مچانے ہی لگی تھیں کہ عنبر نے صاف اور کھلے لفظوں میں کہہ دیا۔

''مہارانی! میرا خیال ہے کہ راجہ مرا نہیں زندہ ہے۔''

یہ جملہ گویا بجلی بن کر مہارانی پر گرا۔ وہ اب سارا کچھ بھول گئی کہ یہ کس سے بات کر رہی ہے۔ اُس نے جلدی سے پوچھا۔

''یہ تم کِس طرح کہہ رہے ہو؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''مہارانی صاحبہ مجھے ایک بار راجہ کی لاش کے پاس لے جائیں میں اسکے بعد کوئی یقینی فیصلہ کروں گا۔ جلد کریں۔ زیادہ دیر نہیں ہونی چاہئے۔''

مہارانی اُسی وقت اٹھی اور عنبر کو ساتھ لے کر ساتھ والے کمرے میں آ گئی۔ یہاں ایک چبوترے پر راجہ کی لاش پڑی تھی۔ اُس کا سارا

جسم سفید چادر میں ڈھکا ہوا تھا۔ صرف چہرہ کھلا تھا۔ ارد گرد درباری اور پجاری اداس چہرے لیے بیٹھے تھے۔ مہارانی سیدھی عنبر کو راجہ کی لاش کے پاس لے گئی سارے دربار یہ سمجھے کہ شاید راجہ کا کوئی قریبی رشتہ دار دُور سے آیا ہے۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ عنبر نے جھک کر راجہ کی آنکھوں کو کھول کر دیکھا۔ اب اُس کے اندر کا ماہر حکیم بیدار ہو گیا تھا۔ عنبر نے محسوس کیا کہ راجہ کی آنکھوں میں سفیدی نہیں آئی تھی جو عام طور پر ایک مُردہ آدمی کی آنکھوں میں آجاتی ہے۔ اُس نے رانی سے کہا۔

''مہارانی جلدی سے مجھے ایک نشتر یا خنجر لا کر دیا جائے۔''

مہارانی نے ایک لمحے کے لیے عنبر کی طرف دیکھا۔

''خنجر؟ وہ کس لئے؟''

عنبر نے کہا۔

''دیر نہ کریں مہارانی صاحبہ! فوراً مجھے ایک خنجر کہیں سے منگوادیں۔''

مہارانی نے اُسی وقت ایک سپاہی کو بلوایا اور اُس سے خنجر لے کر عنبر کے حوالے کر دیا۔ اب تو سارے درباری بھی چونکنے ہو گئے کہ یہ کون آدمی ہے جو راجہ کی لاش کے پاس خنجر لے کر بیٹھ گیا ہے اور یہ کیا کرنے لگا ہے! وہ اٹھ کر لاش کے اردگرد جمع ہو گئے۔ عنبر نے راجہ کا ایک بازو ننگا کیا اور کلائی پر خنجر کی نوک زور سے چبھو دی۔ راجہ نے کوئی حرکت نہ کی۔ مگر اُس کی کلائی سے خون جاری ہو گیا۔ عنبر نے راجہ کے دل پر دونوں ہاتھوں سے مالش شروع کر دی۔ مالش کے ساتھ ساتھ کلائی سے خون زیادہ بہنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایسا ہوا کہ راجہ نے اپنا ہاتھ ذرا سا ہلایا۔ درباری ششدر ہو کر رہ گئے۔ عنبر برابر مالش کرتا رہا۔ جب خون کافی بہہ گیا تو عنبر نے کلائی پر پٹی کس کر باندھ دی اور

راجہ کے سینے پر دباؤ ڈال کر اندر پھیپھڑوں میں رُکی ہوئی ہوا کو باہر خارج کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دو چار مرتبہ پھیپھڑوں کو دبانے سے اندر کی ہوا سانس بن کر منہ سے باہر نکل گئی اور اس کے ساتھ ہی راجہ نے سانس لینا شروع کر دیا۔ مہارانی تو خوشی سے پاگل ہو گئی۔

عنبر سینے کو بار بار آہستہ آہستہ دباتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد راجہ نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھا اور کمزور سی آواز میں کہا۔

''کیا ہوا ہے؟''

عنبر نے راجہ کے کان میں کہا۔

''آپ کو نیند آ گئی تھی مہاراج! آپ آرام کریں۔''

راجہ سو گیا۔ اُس کا سانس باقاعدہ چل رہا تھا اور چہرے پر خون کی گردش سے رونق آ گئی تھی۔ جس راجہ کو وہ لوگ مُردہ سمجھ رہے تھے وہ دراصل زندہ تھا۔ اُسے سکتہ ہو گیا تھا۔ اگر کچھ دیر اور اس کی فصد کھول

کر خون باہر نہ نکالا جاتا تو وہ یقیناً مر جاتا۔ رانی نے عنبر کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اے مقدس دیوتا! تم رحمت بن کر میرے محل میں آئے ہو۔ تم نے میرے راجہ کو پھر سے زندہ کر کے پر ایک ایسا احسان کیا ہے جسے میں ساری زندگی فراموش نہیں کر سکتی۔"

"مہارانی صاحبہ! میں نے ایک حکیم ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ہاں اگر میں کچھ دیر اور یہاں نہ آتا تو پھر آپ کے راجہ ضرور اس جہاں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتے۔"

اس کے بعد عنبر نے محل سے کستوری اور زعفران منگوا کر انہیں پانی میں ملایا اور اُس کے قطرے راجہ کے حلق میں ٹپکانے شروع کر دیئے۔ کستوری اور زعفران کی گرمی نے راجہ کے ٹھنڈے جسم میں زندگی کی بھرپور طاقت دوڑا دی اور وہ بیدار ہو گیا۔ جب اُسے بتایا گیا

کہ وہ مر گیا تھا اور ساری درباری اُس کو قبر میں اتارنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ یہ شخص اچانک نمودار ہوا اور اِس نے اُسے پھر سے زندہ کر دیا۔ تو راجہ نے احسان مند نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

''تم۔ آج سے میرے بھائی ہو۔''

دو دن کے بعد راجہ پھر سے بھلا چنگا ہو گیا۔ ابھی تک عنبر اور رقاصہ لڑکی سرائے میں ہی تھے۔ عنبر نے ساری بات آ کر رقاصہ کو بتا دی اور کہا کہ راجہ چاہتا ہے کہ میں اُس کے محل میں آ کر رہوں۔

''لیکن تم میرے ساتھ کیونکر جا سکو گی؟ کیونکہ راجہ تمہیں فوراً پہچان لے گا۔ یہ مذہبی معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے راجہ میری سفارش بھی قبول نہ کرے کیونکہ ملک کے سارے لوگوں کو معلوم ہے کہ تمہیں دیوتا کے آگے قربانی کے لیے چنا گیا تھا۔''

رقاصہ لڑکی نے سوچ کر کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو عنبر! راجہ میرے معاملہ میں مجبور ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ تم ابھی اپنی ماں کی خالہ کے پاس گاؤں چلی جاؤ جب ذرا میرے ہاتھ دربار میں مضبوط ہو جائیں گے تو میں تمہیں واپس بلوا کر رتنا کر کو اُس کے گناہوں کی سزا دلاؤں گا۔''

رقاصہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی۔ اُس نے گاؤں اپنی رشتہ دار عورت کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلے روز عنبر رقاصہ لڑکی کو لے کر منہ اندھیرے اُس کے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ مہارانی اور راجہ کو اس نے یہ کہا کہ وہ صحرا اور پہاڑوں میں ایک خاص بوٹی تلاش کرنے جا رہا ہے۔ رقاصہ کے گاؤں پہنچ کر اُس نے اُسے اس کی خالہ کے حوالے کیا اور خود اُسی روز رات کو واپس تبت کی طرف روانہ ہو گیا۔

صبح صبح وہ شاہی محل میں پہنچ گیا۔

عنبر اب شاہی محل میں رہنے لگا تھا۔ اُس نے رتنا کر کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ رتنا کر عنبر سے حسد کرنے لگا تھا۔ کیونکہ راجہ عنبر کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ لیکن عنبر کو رتنا کر کی ذرا بھر بھی پرواہ نہیں تھی۔ اُسی روز گاؤں سے واپسی پر اُسے پتہ چلا کہ ایک دن بعد پورے چاند کی رات کو مورتی کے مندر میں نقلی دیو داسی کو پھانسی دی جانے والی ہے۔ عنبر نے سوچا کہ یہ نقلی دیو داسی کون ہو سکتی ہے۔ ضرور یہ کوئی بڑی چالاک عورت ہو گی جو مقدس دیو داسی کو روپ بھر کر ان لوگوں کو دھوکہ دیتی رہی۔ مگر وہ اس خیال کو بھول گیا اور دوسرے خیال میں مصروف ہو گیا۔ پھانسی سے ایک روز پہلے وہ راجہ کے حکم سے قید خانے میں داروغہ جیل کو بخار کی دوائی دینے گیا تو ایک کوٹھڑی کے قریب سے گزرتے ہوئے اچانک اس کی نظر تھائیس پر

پڑی۔ وہ غم زدہ چہرہ لیے دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ عنبر کے قدم جیسے وہیں کے وہیں رُک گئے۔ تھائیس نے بھی عنبر کو دیکھ لیا اور خوشی سے چیخنے ہی والی تھی کہ عنبر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کو کہا اور قریب آ کر سرگوشی کی۔ کیا تم ہی نقلی دیوداسی ہو؟''

''ہاں''

مورتی زندہ ہوگئی

عنبر تو جیل خانے کے اندر تھائیس کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔
اُس کے وہم گمان میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ تبت پہنچے گا تو آگے قید خانے میں تھائیس پھانسی کا انتظار کر رہی ہوگی۔ اُس نے تھائیس کو اپنی بہن کہا تھا اور وہ ہرگز گوارا نہ کرسکتا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اُس کی بہن کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ مگر یہاں صورت حال بڑی نازک تھی۔ تھائیس کو پھانسی دینا۔ راجہ کا مذہبی فریضہ تھا اور راجہ اپنے مذہبی فرض سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ اُس نے تھائیس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور داروغہ جیل کو دوا پلانے کے بعد واپس آکر سوچنے لگا تھا تھائیس کو کیسے بچایا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ عنبر کا راجہ پر بڑا احسان تھا۔ اُس نے راجہ کو پھر سے زندگی بخشی

تھی۔ اگر وہ نہ ہوتا تو لوگ راجہ کو زمین کے اندر دفن کر چکے ہوتے۔ مگر یہ معاملہ مذہب کا تھا۔ تھائیس نے مقدس دیوداسی کا جھوٹا بہروپ بھر کر اُن کے مذہب کی توہین کی تھی۔ وہ اُسے کسی طرح سے بھی عوام کے انتقام سے نہیں بچا سکتا تھا۔ یہ فیصلہ راجہ ہی کا نہیں بلکہ پوری قوم کا تھا کہ تھائیس کو اس بھیانک جُرم کی سزا دی جائے اور اُسے مورتی مندر میں پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔

تھائیس کو پھانسی ملنے میں صرف ایک دن باقی تھا۔ اُسے تھائیس کو بچانے کے لیے جو کچھ بھی کرنا تھا بس ایک ہی دن میں کرنا تھا۔ عنبر ساری رات سوچتا رہا مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کس طرح اُسے بچائے۔ وہ سو گیا۔ صبح اٹھا تو وہ تھکا ہوا تھا اور اُس کا ذہن ابھی تک تھائیس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا اُس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ تھائیس کو قید سے بچا کر

وہاں سے بھگا بھی نہیں سکتا تھا۔ آخر وہ اُسے کہاں اکیلی بھگائے؟ تبت اتنی دور دراز کا ملک تھا کہ تھائیس اگر اکیلی وہاں سے چلے تو کبھی بھی زندہ سلامت کسی دوسرے ملک میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔ آخر اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ تھائیس کو اصلی دیوداسی ثابت کر کے اُسے پھر سے دیوداسی بنا کر مندر میں بحال کریگا۔ اس مقصد کے لیے اُسے دیوداسی بلیطیس کی روح کی بڑی ضرورت تھی۔ اُس نے اُسی وقت اپنے کمرے میں جا کر دروازے اندر سے بند کئے اور دیوی بلیطیس کی روح کو آواز دی۔

پانچویں بار پکارنے پر دیوی بلیطیس کی روح سامنے آ گئی۔

وہ اپنی عادت کے مطابق مسکرا رہی تھی۔ اُس نے آتے ہی عنبر سے پوچھا۔

''عنبر! اب تم پر کیا آفت آن پڑی ہے جو تم نے مجھے اتنی دور

آسمانوں کے ایک گوشے سے بلایا؟ کیا پھر کسی کو یہاں سے اٹھا کر دوسرے ملک میں پہنچانا ہے؟''

عنبر نے دیوی بلیطیس کو تھائیس کے بارے میں ساری کہانی سُنا ڈالی اور کہا۔

''تھائیس اس معاملے میں بے گناہ ہے۔ اس میں اُس کا صرف اتنا ہی قصور ہے کہ اُس کی شکل دیوداسی سے ملتی تھی اور بڑے پجاری نے اُسے دیوداسی بنا کر مندر میں بٹھا دیا۔ اب جب اُسے معلوم ہوا کہ تھائیس نے صرف انسانی ہمدردی کی خاطر ایک عورت کو وہاں سے فرار ہونے میں مدد دی ہے تو وہ اس کا دشمن ہو گیا اور اُس نے ثابت کر دیا کہ دیوداسی اصلی نہیں ہے بلکہ نقلی ہے۔ اگر تھائیس ایک مظلوم عورت سے ہمدردی نہ کرتی تو کبھی پھانسی کے تختے پر نہ پہنچتی۔ اب ایک عورت ہوتے ہوئے تمہارا فرض ہے کہ تھائیس کی مدد کرو۔ اور

ثابت کردو ان لوگوں پر کہ تھائیس ہی اصلی دیوداسی ہے۔"

بلیطیس کی روح مسکرائی۔

"تم نے بڑی ہوشیاری سے مجھے میرے فرض میں جکڑ دیا ہے۔ بہر حال میں تھائیس کی مدد کروں گی۔ اس لیے کہ اُس نے ایک مظلوم عورت کی مدد کی تھی۔"

عنبر نے کہا۔

"تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ مورتی مندر میں سے آواز دے کر لوگوں اور راجہ پر یہ ظاہر۔۔۔۔۔"

دیوی بلیطیس کی روح نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے سب معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ تمہیں سب معلوم ہے۔ تھائیس کو

آج رات پھانسی ملنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ٹھیک اُس وقت جبکہ مورتی مندر میں تھائیس کو پھانسی کے تختے کی طرف لے جایا جارہا ہو تم ان لوگوں پر ثابت کر دو کہ تھائیس ہی اصلی دیوداسی ہے۔ بس۔ اس کے بعد ہر بات اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گی۔''

''بہت اچھا۔ اب رات کو مورتی مندر میں ملاقات ہو گی۔''

دیوی بلیطیس کی روح جانے ہی والی تھی کہ عنبر نے اُسے روک کر کہا۔

''کیا اس کا اثر اصلی دیوداسی کی روح پر تو نہیں پڑے گا؟ کہیں وہ پھر سے انتقام لینے کی کوشش تو نہیں کرے گی؟''

''ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ اصلی دیوداسی کی روح یہاں سے کروڑوں نوری سالوں کے فاصلے پر ہے۔ اُس کو کچھ خبر نہیں ہے یہ سارے ڈھکوسلے پجاریوں نے خود بنا رکھے ہیں۔''

اتنا کہہ کر بلیطیس کی روح مسکراتی ہوئی غائب ہوگئی۔

اب سب سے پہلا کام عنبر نے یہ کیا کہ راجہ سے کہا کہ وہ اُس عورت سے ملنا چاہتا ہے۔ جس کو آج رات مندر میں پھانسی دی جانے والی ہے۔ راجہ نے پوچھا۔

''اے ہمارے دوست! آپ اُس مجرم عورت سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

عنبر نے کہا۔

''ایک حکیم کی حیثیت سے میری خواہش ہے کہ میں یہ معلوم کروں کہ ایک ایسی عورت کے جسم پر اور دل و دماغ پر کیا گزر رہی ہوتی ہے جسے معلوم ہو کہ ایک پہر کے بعد اُسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔''

راجہ کے ذہن میں یہ بات آگئی اُس نے کہا۔

''اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔''

راجہ سے اجازت لے کر عنبر بڑی تیزی سے سیدھا جیل خانے میں تھائیس کی کوٹھڑی میں پہنچ گیا۔ اُس نے تھائیس کو ساری بات سمجھا دی اور کہا کہ وہ فکر نہ کرے۔ دیوی بلیطیس کی روح نے وعدہ کرلیا ہے کہ وہ عین وقت پر ظاہر ہو کر اُسے موت سے بچالے گی اور اُسے اس کا کھویا ہوا وقار پھر سے دلا دیگی۔ تھائیس نے کانپتے ہوئے کہا۔

''اگر وہ نہ آئی تو پھر کیا ہوگا عنبر؟ یہ لوگ مجھے ہرگز ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ پجاری رتنا کر تو میری جان کا دشمن بنا بیٹھا ہے۔ وہ تو پھانسی کے وقت خاص طور پر وہاں موجود ہوگا۔''

''تم گھبراؤ نہیں تھائیس! دیوی بلیطیس نے کبھی مجھ سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ اپنے وعدے کے مطابق پہنچ جاتی ہے اور میری مدد کرتی رہی ہے۔ ساری زندگی میں ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے کہ

اُس نے وعدہ کیا ہو اور وقت پر نہ پہنچی ہو۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو ناں عنبر؟''

''ہاں ہاں۔ تو کیا جھوٹ بول رہا ہوں۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ اور پھر دیوی بلیطیس کے لیے یہ کام کوئی مشکل کام نہیں ہے اُس نے تو اس سے بھی بڑھ کر مشکل وقت میں میری مدد کی ہے۔ بہر حال تم ان باتوں کو اس وقت نہیں سمجھ سکتیں اس لئے کہ تمہارے دماغ پر موت کا خوف سوار ہے۔ آج رات تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ بلیطیس کی روح تمہاری کس طرح مدد کرتی ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ وہاں ایک لمحے کے لیے بھی مجھ سے بات نہ کرنا۔ وہاں کسی پر یہ ظاہر نہ ہو کہ تم مجھے جانتی ہو۔''

''اچھا عنبر بھائی۔ میں کوئی بات نہیں کروں گی۔''

عنبر جیل خانے سے نکل کر واپس محل میں آ گیا۔

رات ہوگئی۔ لوگوں کا ایک ہجوم مورتی مندر کے اندر اور باہر جمع ہوگیا۔ یہ سب لوگ نقلی دیوداسی کو پھانسی پر لٹکتے ہوئے دیکھنے آرہے تھے۔ وہ اُس کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ مورتی کے بت کے آگے پھانسی بنی ہوئی تھی۔ تھائیس کو رسیوں سے جکڑ کر ایک لکڑی کے پنجرے میں جانور کی طرح بند کیا گیا تھا۔ بڑا پجاری رتنا کر لمبا سرخ چُغہ پہنے' دوسرے پجاریوں کے ساتھ بڑی شان سے وہاں کھڑا منتر پڑھ رہا تھا۔ اور لوبان سُلگا رہا تھا۔ راجہ اور مہارانی بھی قریب ہی تخت پر بیٹھے تھے۔ جلاّد پھانسی کے تختے پر تیار کھڑا تھا۔ عنبر بھی راجہ کے قریب ہی کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل دیوی بلیطیس کی روح کو یاد کر رہا تھا۔

بڑے پجاری رتنا کر نے پنجرے میں بند تھائیس پر ایک نفرت اور غصے کی نگاہ ڈالی اور بلند آواز میں کہا۔

''تم نے ہماری مقدس دیوداسی کی نقل کر کے ہمارے مذہب کی توہین کی ہے۔تو نے ہمارے عوام اور ہمارے راجہ کو دھوکہ دیا ہے۔تم نے ہماری مقدس دیوداسی کی روح کو دھوکہ دیا ہے۔اُس جرم کو ہم کبھی معاف نہیں کر سکتے۔تمہیں اس جرم کی سزا میں آج ہزاروں لوگوں راجہ' پجاریوں اور اصلی دیوی کی مقدس روح کے سامنے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے گا۔''

اُس نے راجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مہاراج ادھیراج! حکیم دیجئے کہ اس دھوکے باز عورت کو اُس کے فریب اور دھوکہ بازی کا مزہ چکھایا جائے۔''

راجہ نے ہاتھ کھڑا کر کے اشارہ کر دیا۔اُس کے اشارے کے ساتھ ہی دو سپاہیوں نے آگے بڑھ کر لکڑی کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا اور رسی کو زور سے کھینچ دیا۔رسی کے جھٹکے کے ساتھ بے

چاری تھائیس پنجرے سے نکل کر باہر فرش پر گر پڑی۔ اور رونے لگی۔
لوگ قہقہے مارنے لگے۔ عنبر کو اپنی بہن کی یہ حالت دیکھ کر بے حد
صدمہ ہوا مگر وہ اُس وقت سوائے خاموش رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا
تھا۔ سپاہی تھائیس کو فرش پر گھسیٹتے ہوئے پھانسی کے تخت پر لے گئے۔
پجاری رتنا کرنے ہاتھ بلند کر کے کہا۔

''اس مکار عورت کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے تا کہ اصل دیوداسی کی
روح ہم سے خوش ہو اور ہمارے کھیتوں میں اناج آ گائے۔ ہمارے
دریاؤں میں پانی دے اور ہمارے بچوں کو زندہ سلامت اور ہمارے
راجہ اور مہارانی کو لمبی عمر دے۔''

لوگوں نے ایک ساتھ مل کر تھائیس کے خلاف نعرے لگائے۔
جلاد نے تھائیس کو بالوں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اُس کی گردن میں
پھانسی کا پھندا ڈال دیا۔ عنبر نے دیکھا کہ تھائیس بڑی ہی بے بسی کے

عالم میں اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ جیسے پوچھ رہی ہو کہ دیوی بلیطیس کی روح کہاں ہے؟ کیا وہ اس وقت مدد کو آئے گی جب لوگ اُسے پھانسی دے چکے ہوں گے اور اُس کی لاش موٹے رسے کے ساتھ لٹک رہی ہوگی؟ عنبر خود بڑا پریشان تھا کیونکہ دیوی بلیطیس کی روح کے آنے کا وقت ہو گیا تھا اور وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اگر دیوی بلیطیس نے آنے میں ایک پل کی دیر کر دی تو یہ لوگ تو اُس کی بہن کو پھانسی دے دیں گے۔ وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ راجہ نے اُسے بے چین دیکھ کر پوچھا۔

''کیا ہمارا دوست! ایک عورت کو پھانسی دینے کا منظر برداشت نہیں کر سکتا؟''

عنبر نے یونہی مسکرا کر کہا۔

''ایسا نہیں ہے مہاراج۔ ایسا نہیں ہے۔''

لیکن حقیقت یہ تھی کہ عنبر واقعی گھبرایا ہوا تھا۔ اُدھر جلاد نے تھائیس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا تھا اور وہ راجہ کے حکم کا منتظر تھا۔ بڑے رتنا کر نے راجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مہاراج! اپنے خادم کو اجازت دیجئے کہ وہ دغاباز دیوداسی کو موت کے گھاٹ اتار کر اصلی دیوداسی کی روح کو خوش کرے۔''

مہاراج اپنی اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے کہا۔

''اجازت ہے۔''

مہاراج کے منہ سے ان لفظوں کا نکلنا تھا کہ اچانک وہاں بھونچال سا آ گیا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور مورتی کا پتھر کا ایک بازو اپنے آپ اٹھا اور اُس نے پھانسی کے تختے پر سے تھائیس کو اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا اور دوسرے ہاتھ سے جلاد کو اٹھا کر اس زور سے فرش پر پٹخ دیا کہ اس کا سر پاش پاش ہو گیا۔ سارے مندر میں سناٹا چھا

گیا۔ راجہ اور رانی اپنی جگہوں پر بیٹھے کانپنے لگے۔ سارے لوگ سجدوں میں گر پڑے اور دیوداسی کے بھجن گانے لگے۔ انہوں نے کبھی پتھر کی مورتی میں جان پڑتے نہیں دیکھی تھی۔ پتھر کی مورتی کا سانپ اُس کے جبڑوں سے اُچھل کر نیچے گرا اور اُس نے لپک کر بڑے پجاری رتنا کر کو گلے سے بوچ لیا۔ رتنا کر تھر تھر کانپنے لگا۔ مورتی کے اندر سے آواز آئی۔

''اے احمق لوگو! تم نے میری اصل دیوداسی کو نقل سمجھا اور اُسے میری آنکھوں کے سامنے پھانسی دینے لگے تھے؟ میں تمہارا یہ جرم کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں تمہیں بد دعا دیتی ہوں کہ آج سے تمہارے ملک میں قحط پڑے گا اور کبھی بارش نہیں ہو گی۔ فوراً میری دیوداسی کی روح کو اس کی اصل جگہ پر بٹھاؤ اور اُس کی پہلے کی طرح پوجا کرو۔ رتنا کر! تم ایک ذلیل انسان ہو۔ تم جو کچھ کرتے رہے ہو سب کچھ

جانتی ہوں۔ مگر ابھی میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گی۔ لیکن تمہاری سزا یہی ہے کہ اس دیوداسی کے پاؤں ہر روز اپنے ہاتھ سے دھو کر اس کے آگے سجدہ کیا کرو۔"

اس کے بعد زلزلہ رُک گیا مورتی نے تھائیس کو اپنے بازو سے اتار کر آہستہ سے اپنی گود میں بٹھا دیا اور اس کا ہاتھ اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ وہ پھر پتھر کی مورتی بن گئی۔ سارے مندر میں لوگوں نے دیوداسی زندہ آباد دیوداسی کی جے ہو کے نعرے لگائے اور باری باری اُس کے سامنے آ کر سجدے کرنے لگے۔

راجہ اور رانی بھی اپنی جگہ سے اُٹھے اور انہوں نے آگے بڑھ کر دیوداسی تھائیس کو سجدہ کیا اور کہا۔

"ہمیں معاف کر دو اے مقدس دیوداسی! ہم سے بڑی بھول ہو گئی۔ اگر ہمیں معلوم ہوا کہ تم ہی اصل دیوداسی ہو تو ہم کبھی تمہارے

ساتھ یہ سلوک نہ کرتے۔ ہماری تم سے عاجزی کے ساتھ درخواست ہے کہ ہمارے ملک کو قحط سے بچاؤ اور مورتی دیوی کے آگے دعا کرو کہ وہ اپنی بددعا واپس لے۔ ہمارے دیس پر بارش کرے۔''

تھائیس کے لیے یہ سن کچھ ایک زبردست کرامت سے کم نہیں تھا۔ عنبر بے حد خوش تھا۔ آخر دیوداسی بلیطیس کی روح اُس کی مدد کو پہنچ گئی تھی۔ وہ چپکے چپکے تھائیس کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ تھائیس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی اور کہا۔

''مہاراج! میں مورتی سے درخواست کروں گی کہ وہ اس دیس کے لوگوں کے جرم معاف کر دے۔''

اتنے میں رتنا کرنے چیخ کر کہا۔

''مقدس دیوداسی! اس سانپ سے میری جان بچاؤ۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھ معاف کر دو۔ میں اب کبھی تمہاری توہین نہیں کروں

گا۔مورتی دیوی سے کہو وہ مجھے معاف کردے۔''

تھائیس نے کہا۔

''رتنا کر!تم نے ہمیں بڑا دکھ دیا ہے۔ہم تمہیں ضرور سزا دیں گے۔تمہاری سزا یہی ہے کہ یہ سانپ ہمیشہ سوتے جاگتے میں تمہاری گردن کے ساتھ لپٹا رہے گا۔تم اسے مارنے کی کوشش کرو گے تو یہ تمہیں اُسی وقت ڈس کر ہلاک کردے گا۔''

رتنا کر دیوی تھائیس کے آگے آکر قدموں میں گر پڑا۔

''رحم کرو!رحم کرو!اے مقدس دیوداسی مجھ پر رحم کرو!میرے گناہ معاف کردو۔میرے گناہ معاف کردو۔میں ہمیشہ تمہاری خدمت کروں گا۔میں کبھی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ مجھے معاف کردو اے مقدس دیوداسی!مجھ سے بڑی بھول ہوگئی۔ مجھے معاف کردو۔''

جب راجہ اور عنبر نے بھی کہا کہ رتنا کر کو معاف کر دیا جائے۔ لوگوں نے بھی ہاتھ جوڑ کر رتنا کر کی زندگی کی بھیک مانگی تو تھائیس نے ہاتھ آگے بڑھا کر رتنا کر کی زندگی کی بھیک مانگی تو تھائیس نے ہاتھ آگے بڑھا کر رتنا کر کے گلے سے سانپ کو پکڑ لیا اور اُسے دوبارہ مورتی کے بازو پر لٹکا کر بولی۔

"ہم نے اپنے راجہ اور رعایا کے کہنے پر تمہیں معاف کر دیا اگر آئندہ تم نے ایسی حرکت کی تو تمہیں اُسی وقت ہلاک کر دیا جائے گا۔"

رتنا کر سجدے میں گر کر گڑگڑانے لگا۔ تھائیس نے سب کو وہاں سے نکل جانے کے لیے کہا۔ کنیزوں نے آگے بڑھ کر تھائیس دیوداسی کے پاؤں میں گلاب کا عطر چھڑکا۔ اُسی وقت وہاں پالکی آگئی اور اُس پالکی میں سوار کروا کر اُس کے استھان کی طرف لے گئیں۔

سانپ کے منہ میں

رقاصہ لڑکی گاؤں میں اپنی خالہ کے پاس رہ رہی تھی۔
عنبر تبت کے دربار میں مصروف ہوگیا۔ اُسے اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ رقاصہ لڑکی کو یاد کرتا ویسے بھی وہ اسے دربار میں واپس نہیں لا سکتا تھا۔ کیونکہ ایسی حالت میں پجاری رتنا کر اُسے پہچان لیتا اور اُس کی جان لینے کی کوشش کرتا۔ عنبر نے سوچا کہ وہ لڑکی اپنی خالہ کے پاس ہی رہے تو اچھا ہے لیکن رقاصہ لڑکی لالچی عورت تھی۔ وہ ایک غریب ماں باپ کی بیٹی تھی۔ اُس نے ساری زندگی غریبی دیکھی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ وہ کسی طرح ڈھیر ساری دولت حاصل کر کے تبت سے کوچ کر کے افریقہ کے کسی ملک میں جا کر باقی زندگی آرام سے بسر کرے۔ مگر دولت کا خواب کبھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اب جبکہ اُسے معلوم ہوا کہ مورتی کے چبوترے کے نیچے پرانے بادشاہوں

کاخزانہ دفن ہے تو اُس کے اندر دولت کالالچ پیدا ہوگیا۔ مگر وہ اکیلی کچھ نہ کرسکتی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ عنبر کو ساتھ ملا کر خزانہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ مگر عنبر کو دولت سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اور اب تو وہ رقاصہ سے بھی بہت دور ہو گیا تھا۔

گاؤں میں اپنی خالہ کے پاس پڑے پڑے وہ بے چین ہوگئی۔ اُسے یوں محسوس ہوتا جیسے مورتی کے اندر کا خزانہ اس کا انتظار کر رہا ہے اور وہ یونہی اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ رقاصہ کو ایک دور کا پھوپھی زاد بھائی گنالا جو ایک عرصہ ہوا گھر سے غائب ہو گیا تھا آوارہ گردی کرتا کرتا گاؤں میں آن وارد ہوا۔ وہ خالہ کے گھر کو جانتا تھا۔ چنانچہ وہ سیدھا وہاں آگیا۔ خالہ نے اُسے کہا کہ یہ بھی تمہاری بہن ہے اور اِس کا اس دنیا میں اب کوئی نہیں رہا۔ گنالا بہت تیز، زیرک اور دولت پرست آدمی تھا۔ اس کی زندگی بھی در بدر

کے عالم میں گزر رہی تھی۔ اُس نے بھی دولت کے خواب دیکھے تھے۔ اُس نے تصور میں کبھی اپنے آپ کو ایک بادشاہ دیکھا تھا جو زرو جواہر میں کھیل رہا ہو اور کبھی ایک ایسا ڈاکو جو بادشاہوں کے خزانے لوٹ رہا ہو۔ رقاصہ نے جب اُسے بتایا کہ تبت شہر کے سب سے بڑے مورتی مندر کے چبوترے کے نیچے ایک ایسے خزانے کا نقشہ چھپا ہوا ہے جو تبت کے بادشاہوں نے ہزار سال سے اکٹھا کیا ہوا ہے۔ یہ بات سن کر گنالا کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ اُس نے بڑی رازداری کے انداز میں رقاصہ سے کہا۔

''یہ بتاؤ کہ اس خزانے کا کسی اور کو تو علم نہیں ہے؟''

''نہیں۔ کسی کو علم نہیں ہے۔''

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ مورتی مندر کے اندر وہ چبوترہ کہاں ہے جس کے نیچے اس بے بہا قیمتی خزانے کا نقشہ چھپا ہوا ہے؟''

''ہاں۔ میں نے وہ چبوترہ دیکھا ہے۔''

گنالا خوشی سے اُچھل پڑا۔

''تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ تم آج ہی میرے ساتھ شہر چلو۔ ہم رات کی تاریکی میں چھپ کر مندر جائیں گے اور چبوترے کے نیچے سے خزانے کا نقشہ نکال لائیں گے۔''

''لیکن گنالا مورتی کے اندر بڑا پہرہ ہوتا ہے۔ وہاں سوائے مندر کے پجاریوں کے اور کوئی نہیں جا سکتا۔''

''تو پھر ہم پجاریوں کا بھیس بدل لیں گے۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ ایسا حلیہ بدلوں گا کہ بڑے سے بڑا پجاری بھی نہ پہچان سکے گا کہ میں پجاری نہیں ہوں۔''

''تو پھر ہم آج شام ہی شہر کو روانہ ہو جائیں گے۔''

''سب سے پہلے ہمیں یہاں بیٹھ کر پجاریوں کا بھیس بدلنا پڑے

گا۔ یہاں سے ہم پجاری بن کر چلیں گے اور پُجاری بن کر ہی شہر میں داخل ہوں گے۔"

"یہ اچھا خیال ہے۔"

رقاصہ بے حد خوش ہوئی کہ اُسے ایک ایسا آدمی مل گیا تھا جس نے اُس کا دولت مند بننے کا خواب پورا کرنے کا وعدہ کرلیا تھا۔ وہ بھی کسی ایسے آدمی کی تلاش میں ہی تھی۔ اگلے روز انہوں نے خالہ سے کہا کہ وہ شہر کی سیر کو جارہے ہیں۔ انہوں نے اپنے کمرے میں جا کر پجاریوں کا سفید لباس پہنا اور دوسرے دروازے سے باہر نکل گئے۔ سارا دن وہ ایک بیل گاڑی پر سفر کرتے رہے۔ شام کو وہ تبت شہر پہنچ گئے۔ رات انہوں نے ایک پرانے اور چھوٹے سے مندر میں بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

یہ مندر بڑے مورتی مندر کے عقب میں کچھ فاصلے پر تھا۔ یہاں

وہ رات بھر اس منصوبے پر غور کرتے رہے کہ مندر کے اندر کب داخل ہوں۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے شام کا وقت پسند کیا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ عبادت کرنے کے بہانے شام کو مورتی میں داخل ہو جائیں گے اور پھر رات کو وہیں چھپ جائیں گے۔ جب سارے پجاری اِدھر اُدھر ہو جائیں گے تو وہ چبوترے کے نیچے سے خزانے کا نقشہ نکالنے کی کوشش کریں گے۔ شام کے وقت وہ مندر میں داخل ہو گئے۔

چونکہ وہ پجاریوں کے لباس میں تھے اس لئے کسی نے بھی ان پر شک نہ کیا۔ وہ بڑے اطمینان سے لمبے لمبے چغے پہنے مندر کے صحن میں ایک جگہ بیٹھ گئے اور مورتی کی طرف منہ کر کے منتر پڑھنے لگے۔ بیچ میں رقاصہ نے سرگوشی میں کہا۔

’’زمین کھودنے والی کدال کہاں ہے؟‘‘

''میرے کرتے کے اندر چھپی ہوئی ہے۔''

''بس ٹھیک ہے۔''

وہ اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ جونہی رات کا اندھیرا چاروں طرف چھا گیا اور مندر میں کہیں کہیں روشنی کی چھوٹی چھوٹی مشعلیں جل اٹھیں تو رقاصہ نے چہرے کا نقاب کھسکا کر کہا۔

''کنالا! وقت آ گیا ہے میرے پیچھے چلے آؤ۔''

رقاصہ کو چونکہ مندر کے تمام خفیہ راستوں کا علم تھا۔ اس لیے وہ اپنے لالچی بھائی کنالا کو ساتھ لے کر آگے بڑھی۔ کنالا چپ چاپ سر جھکائے اس کے پیچھے چل پڑا۔ مورتی کے عقب میں جا کر رقاصہ نے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تو وہ کنالا کو ساتھ لے کر مورتی کے اندر داخل ہو گئی۔ اندر چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ صرف مورتی کی آنکھوں کے

روشندانوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔

گنالا نے پوچھا۔

''وہ چبوترا کہاں ہے؟''

''شی! خاموش رہو۔''

رقاصہ نے گنالا کے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے چپ کرایا اور ایک طرف چلتے ہوئے اشارہ کیا۔ گنالا خاموشی سے پیچھے چل دیا۔ دو تین صحنوں میں سے گزر کر رقاصہ مورتی کے بائیں پہلو میں ایک چبوترے کے پاس آ کر رُک گئی۔ اُس نے سرگوشی میں کہا۔

''یہ ہے وہ چبوترہ۔''

گنالا نے چبوترے کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ اُس کے نیچے ایک پتھر کی بڑی سی سل لگی تھی۔ گنالا نے لمبے کرتے کے اندر سے کدال نکالی اور پتھر کی سل کو اکھاڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ کافی دیر تک سل کو

اکھاڑنے کی کوشش کرتا رہا مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس دوران میں رقاصہ پہرہ دیتی رہی اور اردگرد دیکھتی رہی کہ کوئی آ تو نہیں رہا۔ اُس نے گنالا سے کہا۔

"دیوتاؤں کے لیے دیر نہ لگاؤ۔ سل کو اکھاڑ ڈالو۔ نقشہ اسی سل کے نیچے چھپا ہوا ہے۔"

"میں سارا زور لگا رہا ہوں۔"

گنالا کو پسینہ آ گیا تھا۔ اُس کا سارا زور خرچ ہو رہا تھا۔ ایک بار جو اُس نے زور سے دھکا لگایا تو سل اپنی جگہ سے حرکت کر گئی۔ دونوں بہت خوش ہوئے۔ گنالا نے اب پہلے سے بھی بڑھ کر جوش و خروش کے ساتھ سل کو اپنی جگہ سے اکھاڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کی محنت کے بعد سل اپنی جگہ سے اوپر اٹھ گئی۔ گنالا نے سل کے نیچے ہاتھ مارا وہاں ایک ننھا سا گڑھا تھا۔ رقاصہ نے بھی اندر ہاتھ مارا تو اس

کے ہاتھ پیتل کی ایک چھوٹی سی صندوقچی سے ٹکرایا۔ اُس نے صندوقچی باہر نکال کر گنالا کو دی اور کہا۔

''ضرور نقشہ اسی میں ہے۔ اسے لے کر باہر چلو۔''

گنالا نے پتھر کی سل کو اُسی جگہ پھر سے لگا دیا۔ پیتل کی صندوقچی کو بغل میں دبایا اور رقاصہ عورت کے پیچھے پیچھے مورتی سے باہر نکل آیا۔ وہ چھپتے چھپاتے مندر کے صحن میں سے ہو کر ستونوں کے ساتھ لگتے' دیوار کے سائے کی اوٹ میں دبے پاؤں چلتے' مندر سے باہر نکل آئے۔ ایک جگہ ان کی بیل گاڑی کھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ کر اپنی سرائے کی طرف روانہ ہو گئے۔ سرائے میں پہنچ کر سب سے پہلے انہوں نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگائی اور صندوقچی کو کھول دیا۔ صندوقچی کے اندر چمڑے کے ایک خول میں کچھ لپٹا ہوا تھا۔ انہوں نے خول کھول کر الگ کیا کہ اُن کے سامنے زمین پر تبت کے

بادشاہوں کا خزانہ پھیلا ہوا تھا۔

خوشی اور مسرت سے اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔

''تو یہ ہے وہ نقشہ؟۔ تم نے ٹھیک کہا تھا بہن! یہ تو واقعہ کسی خزانے کا نقشہ ہے۔ مگر یہ خزانہ ہے کہاں؟''

دونوں لالچی انسان بڑی بے تابی کے ساتھ نقشے کو غور سے دیکھنے لگے۔ یہ نقشہ یاک کی کھال کے چمڑے پر بنا ہوا تھا۔ اس میں گول دائرے تھے اور سرخ لاخ سے بنی ہوئی آڑی ترچھی لکیریں تھیں۔ جگہ جگہ پرانی تبتی زبان میں کچھ اشارے اور جگہوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ وہ دیر تک نقشے کو دیکھتے رہے مگر انہیں کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی ایسا شخص تلاش کیا جائے جو پرانی تبتی زبان سمجھتا ہو۔ مگر ایسا شخص کہاں سے ملے؟ گنالا وہاں کے لوگوں کو نہیں جانتا تھا۔ آخر اُس نے رقاصہ سے

پوچھا کہ اُس کے خیال میں وہاں کوئی ایسا انسان ہے جو ہزار سال پرانی تبتی زبان کو پڑھ سکتا ہو۔ رقاصہ نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا کہ اس سارے علاقے میں صرف ایک ہی بوڑھا اُس کی نگاہ میں ہے جو تبت کی پرانی زبان پڑھ سکتا تھا۔

''وہ کون ہے۔ کہاں ہے۔ چلو اُس کے پاس چلتے ہیں۔''

رقاصہ نے بتایا کہ وہ بڑے پجاری رتنا کر کا باپ ہے یہ وہی تبتی بوڑھا تھا جو عنبر کو راستے میں ملا تھا۔ اور جسے چھوڑ کر عنبر نے دریائے آمور کے کنارے رخصت کیا تھا۔ گنالا نے کہا۔

''وہ کہاں رہتا ہے؟''

''وہ ہمارے گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک پرانے کھوہ میں اکیلا رہتا ہے۔ اور عبادت کرتا رہتا ہے وہ کسی سے نہیں ملتا۔''

''ہم اُس کے پاس چل کر اس نقشے کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔''

رقاصہ نے کہا۔

''مگر اس طرح تو وہ بھی خزانے کے راز سے آگاہ ہو جائیگا۔''

گنالا نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''فکر نہ کرو بہن! اس کا بندوبست بھی کرلوں گا۔''

رقاصہ بالکل نہ سمجھ سکی کہ بندوبست کرنے سے اُس کی کیا مُراد تھی۔ بہرحال اُس نے گنالا کو ساتھ لیا اور اُسی روز اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہوگئی۔ گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر وہ اُس کھوہ میں آگئے جہاں بوڑھا تبتی ایک پتھر پر بیٹھا سورج کی طرف منہ کئے عبادت میں مصروف تھا۔ رقاصہ اور گنالا بڑے ادب سے اُس کے پاؤں میں جا کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ وہ عبادت سے فارغ ہو تو اس سے بات کریں۔ کافی دیر کے بعد بوڑھے تبتی نے آنکھیں کھول کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں جلال اور

سرخ روشنی تھی۔

''تم لوگ کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟''

گنالا نے ہاتھ جوڑ کر بڑی مکاری سے کہا۔

''اے بزرگ درویش! ہم آپ کی زیارت کو آئے ہیں۔''

بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

''ہم لوگ دنیا والوں سے منہ موڑ چکے ہیں۔ ہم سے کسی کو کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ سچ بتاؤ تم کیا لینے آئے ہو؟''

رقاصہ نے گنالا اور سرگوشی میں کہا کہ بوڑھے کے آگے جھوٹ موٹ بولنے کی بجائے اُسے سچ سچ بتا دینا چاہئے۔ گنالا نے جیب سے چمڑے کا نقشہ نکال کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''اے بزرگ درویش! ہمارے خاندان کا یہ پرانا نقشہ صدیوں سے ہمارے ہاں چلا آرہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں پڑھ کر بتاؤ

کہ اس پر کیا لکھا ہے؟''

بوڑھے تبتی نے نقشہ دیکھا تو حیرت سے بولا۔

''یہ تو تبت کے پرانے بادشاہوں کے خزانے کا نقشہ ہے۔ تم کو کہاں سے مل گیا؟''

گنالا نے پھر جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ وہ اُن کے خاندان میں صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ بوڑھے نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑے غور سے نقشے کو پڑھ رہا تھا۔ اس نے گنالا کو بتایا کہ نقشہ مورتی مندر سے شمال میں ایک خشک چٹان کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے دس فرلانگ کے فاصلے پر دو تر چھے درخت آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ ان درختوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر اگر ستر قدم جنوب مشرق کی طرف چلیں تو ایک ٹیلہ آئے گا۔ بس خزانہ اُسی ٹیلے کے اندر ایک کھوہ میں ہے۔ گنالا نے خوش ہو کر چمڑے کا نقشہ اپنی جیب میں

رکھ لیا اور کہا۔

''شکریہ اے بزرگ درویش! کیا ہم یقین کریں کہ آپ اس نقشے کے بارے میں کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے؟''

بوڑھے تبتی نے کہا۔

''ہم کو دنیا کا کوئی لالچ نہیں رہا۔ ہم حرص و ہوس کے تمام پھندوں کو توڑ چکے ہیں۔ ہماری طرف سے تم کو خزانہ ملے یا موت ملے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔''

لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم ضرور کسی نہ کسی سے بات کر دو گے۔ اس لئے میں اس قصے ہی کو ہمیشہ کے لیے چُکا دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر گنالا نے دیکھتے دیکھتے خنجر نکالا اور بوڑھے تبتی کے سینے میں پوری طاقت سے گھونپ دیا۔ رقاصہ چیخ مار کر اس پر گر پڑی۔ بوڑھا تبتی گر پڑا۔ اُس کے سینے سے خون جاری ہو گیا۔ اُس نے

زبان سے کچھ نہ کہا۔ وہ خاموش پُر سکون روشن آنکھوں سے گنالا کو دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کی آنکھوں سے روشنی ماند پڑنے لگی۔ اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سے مسکراہٹ آئی اور وہ ایک ہلکی سی ہچکی لے کر گہری نیند سو گیا۔

رقاصہ نے غصے میں گنالا کا گریبان پکڑ کر کہا۔

''یہ تم نے کیا کر دیا۔ اس درویش سے ہمیں کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔''

''پھر تم نے اسے ہلاک کیوں کر دیا؟''

گنالا نے خون آلود خنجر ریت پر صاف کرتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں چاہتا کہ اس خزانے کا کوئی خاموش گواہ بھی زندہ رہے۔ اب چلو۔ خزانہ ہمارہ راہ دیکھ رہا ہے۔''

''تم جاؤ میں نہیں جاؤں گی۔'' رقاصہ لڑکی نے غصے سے کہا۔

پھر اچانک اس نے محسوس کیا کہ یہ ظالم شخص تو بڑی آسانی سے اُسے بھی قتل کر دے گا۔ اِس خیال کے ساتھ ہی اُس نے بوڑھے کی لاش کو کھوہ میں زمین پر رکھا اور چپکے سے کنالا کے ساتھ ہو گئی۔ کنالا اُسے لے کر راتوں رات واپس تبت میں آ گیا۔ یہاں اُس نے وہ رات ایک گمنام سی سرائے میں بسر کی۔ رات بھر وہ خزانے کے بارے میں سوچ بچار کرتا رہا۔ رقاصہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے کنالا کو خزانے کا راز بتا کر زندگی کی ایک بھیانک غلطی کی ہے۔ کوئی پتہ نہیں تھا کہ وہ خزانہ لے کر اُس بھی ہلاک کر دے اور خود سارے خزانے کا مالک بن بیٹھے۔ انہی سوچ بچار میں صبح ہو گئی۔ وہ دونوں بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ سرائے سے باہر نکلے اور مورتی کے مندر کی طرف نکل آئے۔ یہاں سے اُس نے اندازے کے مطابق شمال کی طرف سفر شروع کر دیا۔ وہ اُس خشک چٹان کی تلاش

میں تھے جس کے بارے میں بزرگ درویش نے نقشہ پڑ کرانہیں بتایا تھا۔ چلتے چلتے انہیں دوپہر ہوگئی اور وہ تبت شہر سے کافی دور نکل آئے۔ وہ پیدل چل رہے تھے۔ چنانچہ وہ تھک گئے اور ایک جگہ ذرا ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ اچانک انہیں دور ایک خشک چٹان نظر آئی۔ اُن کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ گنالا نے رقاصہ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے لے کر چٹان کے پاس آ گیا۔ یہاں کھڑے ہو کر انہوں نے شمال کی طرف دیکھا۔ گنالا بولا۔

''بس یہاں سے دس فرلانگ کے فاصلے پر وہ درخت ہیں جن کے قریب ہماری قسمت کا سونا اور ہیرے جواہرات دفن ہیں۔''

''ہمیں یہاں سے چلنا شروع کر دینا چاہیے۔''

''چلو۔''

انہوں نے خشک چٹان سے آگے چلنا شروع کر دیا۔ وہ چلتے چلے

گئے۔ جب انہوں نے ٹھیک دس فرسنگ پورے کیئے تو شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ یہاں انہیں وہ درخت نظر آ گئے جو آڑے ترچھے کھڑے تھے اور ہر شے نقشے کے مطابق اور اُن کی اپنی مرضی کے مطابق ہو رہی تھی۔ یہ درخت بے حد پُرانے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی بہت ہی قدیم جنگل کے کھنڈر باقی رہ گئے ہوں۔

''ہم بالکل ٹھیک مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ یہاں سے ستر قدم جنوب مشرق کی طرف چلنا ہے۔''

دونوں نے ترچھے درختوں کے درمیاں کھڑے ہو کر جنوب مشرق کی طرف منہ کیا اور قدم قدم گنتے ہوئے چلنا شروع کر دیا۔ ستر قدم چلنے کے بعد وہ رک گئے۔ یہاں انہیں کوئی کھوہ یا کسی غار کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے جس کے اندر قدیم تبت کے بادشاہوں کا خزانہ دفن ہو۔ دونوں بے چینی کے عالم میں اِدھر اُدھر

ٹکریں مارنے لگے۔شام کے سائے اور گہرے ہوگئے تھے اور اب میدانوں میں رات کا پہلا اندھیرا اترنا شروع ہوگیا تھا۔پھر بھی کھلی جگہ ہونے کی جگہ سے وہاں ہلکی ہلکی چمک ابھی باقی تھی اور وہ غروب ہوتی روشنی میں وہ مقام تلاش کر لینا چاہتے تھے جہاں پرانے تبتی بادشاہوں کا خزانہ دفن تھا اور جس کے بارے میں نقشے نے ساری نشانیاں اور علامتیں درست بتائی تھیں۔کچھ دیر اِدھر اُدھر تلاش کرنے کے بعد گنالا کو ایک مقام پر کچھ پتھر کے ٹکڑے ابھرے ہوئے معلوم ہوئے۔وہ لپک کر اُن پتھروں کے پاس بیٹھ گیا اور انہیں غور سے دیکھنے لگا۔اُس نے اپنی بہن سے ذکر کیا۔اور کہا کہ اُس کے خیال میں یہی وہ مقام ہے جہاں خزانہ دفن ہے۔رقاصہ نے اُس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

''جلدی سے زمین کھودنی شروع کردو۔میرا بھی خیال ہے کہ

خزانہ یہیں دفن ہے۔

گنالا نے اپنے کرتے کے اندر سے کدال نکالا اور دھڑ دھڑ زمین کھودنی شروع کر دی۔ کافی زمین کھودنے اور بڑے پتھر ادھر ادھر ہٹانے کے بعد انہیں ایکدم ایک دروازہ سا دکھائی دیا جس سے ایک زنگ سے بھرا ہوا سیاہ تالہ پڑا تھا۔ تالے کو زنگ نے کھالیا تھا۔ گنالا نے کدال مار کر تالا توڑ دیا اور دروازہ کھول کر اندر دیکھا۔ اندر گہرے اندھیرے میں ایک سرنگ چلی جا رہی تھی۔ خدا جانے یہ سرنگ کہاں چلی گئی تھی۔ گنالا نے اندر منہ ڈال کر دیکھنے کی کوشش کی تو اُسے ایک سانپ کی پھنکار سنائی دی۔ اُس نے ڈر سے سر باہر نکال لیا اور رقاصہ سے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے اندر کوئی سانپ ہے۔''

کیا رقاصہ اور اُس کے ساتھی تبت کے پرانے بادشاہوں کا خزانہ حاصل کر سکے؟ کیا عنبر تبت کے حکمرانوں کو ہُن قوم کے وحشیانہ حملوں سے بچا سکا؟ تھائیس کب تک دیوداسی کے روپ میں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتی رہی؟ بڑے پجاری کا کیا انجام ہوا؟

یہ سب کچھ اسی ناول کے نویں حصے ''مکڑے کا جال'' میں ملاحظہ فرمائیے۔

عنبر، ناگ، ماریا

مکڑے کا جال

(قسط نمبر ۹)

اے حمید

خزانے پر لاش

کنالا کو سرنگ کے اندر سانپ کے پھنکارنے کی آواز آ گئی تھی۔

اس لئے وہ اندر جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ سانپ کے پھنکارنے کی آواز رقاصہ نے بھی سن لی تھی۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ مگر خزانے کا لالچ ایسا تھا کہ وہ باہر بھی کھڑے نہیں رہ سکتے تھے دوسرا اسے یہ بھی ڈر تھا کہ وہاں کوئی آ کر انہیں گرفتار نہ کر لے اس لئے کہ راجہ کے سپاہی اس علاقے میں ہر وقت گشت کرتے رہتے تھے کیونکہ وہ شہر کی فصیل کے آس پاس کا علاقہ تھا اور راجہ کو وحشی ہن قوم کی طرف سے تبت پر حملے کا بہت خطرہ تھا۔ رقاصہ نے کنالا کو ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔

''دیوتاؤں کے لئے کسی طرح سانپ کو ہلاک کرو ہمیں خزانے کی تلاش میں اس سرنگ کے اندر ہر حال میں جانا پڑے گا۔''

''مگر سانپ مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہا۔'' کنالا نے کہا۔

اس نے ایک خشک جھاڑی لے کر پتھر رگڑ کر آگ جلائی اور اس کی روشنی میں سرنگ کے اندر اتر گیا۔ رقاصہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی سانپ اگر کہیں تھا تو وہ آگ کو دیکھ کر دوسری طرف چلا گیا تھا کنالہ اور رقاصہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے۔ سرنگ کے اندر چلے جا رہے تھے یہ سرنگ بڑی پرانی معلوم ہو رہی تھی۔ چھت نیچی تھی دیواروں سے پانی رس رہا تھا اور زمین پر کہیں کہیں ٹپکتے پانی نے کیچڑ پیدا کر دیا تھا۔ سرنگ ایک طرف گھوم گئی اب ان کے سامنے پتھر کی ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں تھیں جو ایک چوڑے گڑھے میں اتر گئی تھیں کنالا جلتی ہوئی شاخ ہاتھ میں لئے نیچے گڑھے میں اتر گیا گڑھے میں ایک طرف بڑا

سا شگاف دیوار میں پڑا ہوا تھا۔ جس کے اندر پتھروں کا ڈھیر لگا تھا۔
رقاصہ نے کہا کہ اس کا خیال ہے خزانہ یقیناً ان پتھروں کے نیچے ہوگا
نقشہ بھی یہی کہہ رہا تھا کنالا نے جلتی ہوئی ٹہنی کو دیوار سے لگایا اور
بڑے جوش خروش کے ساتھ پتھروں کو ادھر اُدھر ہٹانا شروع کر دیا جب
سارے پتھر ہٹ گئے تو رقاصہ کی چیخ نکل گئی، نیچے ایک لکڑی کے
صندوق کے اوپر کسی انسان کا ہڈیوں کا پنجر پڑا تھا۔ صاف معلوم ہوتا
تھا کہ کوئی شخص خزانے کو چرانے وہاں تک آیا اور پھر کسی وجہ سے
ہلاک ہو گیا اور لاش گل سڑ کر ہڈیاں وہیں رہ گئیں کنالا نے ہڈیوں
کے پنجر کو پرے پھینک کر صندوق کے تالے کا پتھر مار کر توڑ دیا۔ تالہ
ٹوٹنے کے بعد اس نے صندوق کو ڈھکنا اٹھایا تو ان دونوں کی آنکھیں
پھٹی کی پھٹی رہ گئیں صندوق سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے
بھرا ہوا تھا۔ جواہرات کی چمک نے سرنگ کے اندھیرے میں روشنی

کر دی کنالا نے خوشی سے پاگل ہو کر کہا۔

''آخر خزانہ مل گیا۔ خزانہ مل گیا۔ میں بادشاہ ہوں میں تبت کا بادشاہ ہوں۔''

''وہ پاگلوں کی طرح خوشی میں آ کر ناچنے لگا۔ ناچتے ناچتے وہ ٹھوکر کھا کر خزانے کے اوپر منہ کے بل گرا اور جب وہ اٹھا تو اسے وہی پھنکار سنائی دی۔ اس نے دیکھا کہ ایک دس فٹ لمبا سانپ اپنا پھن زمین سے چار پانچ فٹ اوپر اٹھائے اسے اپنی لال لال غصہ بھری آنکھوں سے گھور رہا تھا اور منہ سے دوشاخہ زبان نکال رہا تھا کنالا کا تو جیسے خون ہی خشک ہو گیا اس کے سارے بدن پر پسینہ آ گیا۔ رقاصہ بھی دہشت زدہ ہو کر گڑھے کی دیوار کے ساتھ لگ گئی وہ کانپ رہی تھی اور ماتھا پسینے میں تر بتر ہو گیا تھا۔ اتنے میں کنالا نے اسے آواز دی

''مجھے بچاؤ..........''

کنالہ کی آواز میں التجا تھی۔ اسے اپنی موت ایک فٹ کے فاصلے پر نظر آرہی تھی۔ سانپ کی سرخ آنکھوں اور بار بار پھنکارے مارتی زبان نے اسے پتھر کر دیا تھا۔ وہ جہاں پڑا تھا وہیں رہ گیا تھا کوشش کے باوجود وہ ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا تھا اس کا خیال تھا کہ اگر رقاصہ سانپ پر پتھر پھینکے تو ہوسکتا ہے کہ سانپ مر جائے اور اس کی زندگی بچ جائے چنانچہ اس نے ایک بار پھر اسے آواز دی۔

''سانپ کو پتھر سے کچل دو۔''

''اس کی آواز میں سخت گھبراہٹ تھی وہ لرز رہی تھی رقاصہ نے اس کی آواز سن لی تھی مگر اس کی ہمت بھی جواب دے گئی تھی ایک بار اس نے سانپ کو کچل دینے کے خیال سے زمین پر سے پتھر اٹھانے کے لئے ہاتھ ذرا سا ہلایا تو سانپ نے زبردست پھنکار کے ساتھ رقاصہ کی طرف دیکھ کر اپنا پھن لہرایا۔ رقاصہ وہیں کی وہیں بت بن کر رہ گئی

، کنالہ نے سوچا کہ اس طرح تو وہ ضرور سانپ کے ہاتھوں ڈسوا کر مر جائے گا۔ کیوں نہ تھوڑی سی کوشش کر کے آزاد ہونے کی فکر کی جائے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے خزانے کے اوپر پڑے پڑے۔ پیچھے کی طرف کھسکنا شروع کر دیا اس کے پیچھے کھسکنے سے سونے کے کچھ سکے اور جواہرات فرش پر گر پڑے۔ سانپ چوکنا ہو گیا۔ اس نے اپنی زبان بار بار لہرانا شروع کر دی۔ کنالا ایک پل کے لئے دبک کر سمٹ گیا۔ سانپ بھی اپنا پھن اٹھائے وہیں کا وہیں رک گیا۔ اور اپنی لال آنکھوں سے کنالا کی ہر حرکت کا جائزہ لینے لگا۔ '' کنالا نے آہستہ سے گردن گھما کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کی کہ رقاصہ کیا کر رہی ہے آخر وہ اس کی مدد کیوں نہیں کر رہی؟ ابھی اس نے ذرا سی گردن ہلائی ہی تھی کہ سانپ کو یوں لگا جیسے اس پر حملہ ہونے لگا ہے اس نے پھن آگے بڑھایا اور آن کی آن میں کنالا کی گردن پر ڈس دیا

کنالا کی چیخ نکل گئی۔ اس نے پتھر اٹھا کر مارنے کی کوشش کی مگر سانپ غائب ہو چکا تھا۔

مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے خدا کے لئے کچھ کرو۔" وہ بے بسی کے عالم میں چلایا رقاصہ نے آگے بڑھ کر کنالا کو سنبھالا اور اس کی گردن پر سانپ کے ڈسنے کا زخم دیکھنے لگی۔ جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں گوشت سرخ ہو کر سیاہ پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ رقاصہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کنالا کی زندگی کیسے بچائی جائے کہ اس کا رنگ نیلا پڑ گیا، ناک سے خون جاری ہو گیا ہونٹوں سے جھاگ بہنے لگا۔ آنکھیں سفید ہونے لگیں ہاتھ پاؤں اکڑ کر اندر کی طرف مڑ گئے رقاصہ نے کہا۔

"دیوتا کے لئے بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں؟"

"کنالا نے ہونٹ کھول کر کچھ کہنا چاہا۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ سانپ کے مہلک زہر نے اس کی زبان کو پتھر کر دیا ہے۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی

مکڑے کا جال

زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ کر سکا صرف رقاصہ کو غوں غاں ہی سنائی
دی اب کنالا کے ناک کان اور منہ سے خون جاری ہو گیا تھا اور اس کی
آنکھیں پتھرا رہی تھیں رقاصہ نے اسے آواز دی تو اس نے کوئی
جواب نہ دیا اس نے ایک ہچکی لی اور مر گیا۔ رقاصہ اسے وہیں رکھ کر
پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی اچانک ایک گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی۔
جیسے زلزلہ آ گیا ہو زمین ہلنے لگی سرنگ کی غار سے پتھر گرنا شروع ہو
گئے ایک دھماکے کے ساتھ اوپر سے پتھروں کا ایک تودہ گرا اور سارا
خزانہ اس میں دفن ہو کر رہ گیا۔ ساتھ ہی کنالا کی لاش بھی پتھروں میں
گم ہو گئی۔ رقاصہ چیخ مار کر گڑھے میں سے باہر نکل آئی پتھر گڑھے پر
بھی گر رہے تھے رقاصہ سرنگ میں سے باہر کی طرف بھاگنے لگی اس
کے پیچھے برابر بڑے بڑے پتھر گر رہے تھے۔

وہ سرنگ میں سے باہر نکل کر ریت پر گر پڑی۔ اس کے پیچھے ایک

بڑے پتھر نے گر کر سرنگ کے دروازے کو بند کردیا زمین پر گرے
گرے رقاصہ نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو سرنگ کا منہ بند ہو گیا
تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کبھی کوئی دروازہ نہیں تھا زلزلہ اب رک
گیا تھا زمین کے جھٹکے بند ہو گئے تھے رقاصہ کتنی دیر زمین کے ساتھ لگی
کانپتی رہی اس میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ وہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ
سکے، اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بھائی کنالا کو سانپ کے
ڈسنے سے مرتے اور پھر خزانے پر پتھروں کی بارش ہوتے دیکھی تھی
اس کا سارا جسم خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا تھا آخر اس کی کھوئی ہوئی ہمت
واپس آئی۔ وہ زمین پر سے اٹھی، اس نے اپنے کپڑے جھاڑ کر سرنگ
کی طرف دیکھا اس کا دل یہ سوچ کر خون کے آنسو بہانے لگا کہ اس
خونی غار کے اندر کنالا کی لاش پتھروں میں دبی پڑی ہے۔ اب اسے
اس جگہ سے دہشت ہونے لگی تھی رات گہری ہو چکی تھی۔ ہر طرف

اندھیرا تھا صرف تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی تھی۔

رقاصہ واپس اپنے گاؤں کی طرف چل پڑی۔ اس کا دل خزانے کے قریب جا کرنا کام ہونے اور کنالا کی موت سے بوجھل ہو رہا تھا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قدرت نے کنالا سے نیک دل بوڑھے تبتی کے خون کا بدلہ لیا ہے۔ کنالا نے بوڑھے کو بے گناہ مار ڈالا تھا اسے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا دیوتاؤں نے کنالا سے بوڑھے کے قتل کا بدلہ لیا تھا۔ اس کی لاش غار کے اندر پتھروں میں دفن ہوگئی تھی رقاصہ رات بھر چلتی رہی۔ وہ تبت شہر کے قریب سے گزر کر واپس اپنے گاؤں کی طرف جا رہی تھی جہاں اس کی ماں کی خالہ رہتی تھی اس کا ذہن پریشان ہو رہا تھا۔ اس نے کتنی مشکلوں کے ساتھ خزانے کا نقشہ حاصل کیا تھا پھر کنالا کو ساتھ لے کر گرتی پڑتی خزانے کے غار تک پہنچی تھی اور آخر اس ساری جدوجہد کا انجام یہ ہوا کہ کنالا کو سانپ نے

ہلاک کر دیا۔ خزانہ پتھروں میں چھپ گیا اور وہ خالی ہاتھ واپس گھر جا رہی تھی۔

سب سے بڑی مصیبت یہ ہوئی تھی کہ خزانے کا نقشہ بھی اندر خزانے کے پاس ہی رہ گیا تھا اس وقت زلزلے اور پتھروں کے گرنے کی افرا تفری میں رقاصہ خزانے کا نقشہ کنالا کی جیب سے نہ نکال سکی تھی۔ باہر آ کر اسے خیال آیا تو وہ بے حد پچھتائی مگر اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا سرنگ کا دروازہ پتھروں سے بند ہو گیا تھا۔

پھر بھی رقاصہ نے اس سرنگ اور چٹان کی ساری نشانیاں ذہن میں یاد کر لی تھیں اسے یقین تھا کہ اگر وہ دوبارا کسی وقت وہاں آئے تو خزانے کو جانے والی سرنگ کے دروازے کو پہچان سکتی ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اکیلی کبھی واپس آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اور کسی کو ساتھ لے کر آئے تو وہ سارا خزانہ خود ہی لوٹ کر لے جا سکتا تھا۔

مکڑے کا جال

خالہ کے گاؤں پہنچ کر رقاصہ اپنے گھر کے تخت پوش پر بے دم ہو کر گر پڑی۔ چل چل کر اس کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اور سانس پھولا ہوا تھا اس نے اپنی خالہ کو سارا قصہ سنایا کنالا کی عبرت ناک موت سن کر بوڑھی عورت کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے کہا۔

بیٹی کنالا کو بوڑھے کو قتل نہیں کرنا چاہئے تھا یہ اسے ایک بے گناہ درویش بوڑھے کو قتل کرنے کی سزا ملی ہے۔

خالہ جب سانپ نے اسے ڈسا تو اس کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور ناک ،کان، ہونٹوں سے خون جاری ہو گیا دیوتا اس کی روح کو معاف کریں اس کی لاش تو دیکھتے دیکھتے گلنے سڑنے لگی تھی۔

بیٹی تبت کے صحراؤں اور میدانوں کے سانپ بے حد زہریلے ہوتے ہیں اور یہاں کا ناگ تو انسان کو ایک پل میں ختم کر دیتا ہے۔

لیکن خالہ! اس خزانے کا کیا بنے گا؟

میری بچی! اس خزانے کی حفاظت سیاہ ناگن کر رہی ہے وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو کوئی بھی خزانے کی تلاش میں جائے گا اس کا یہی حشر ہو گا

تو کیا اتنے قیمتی خزانے کو بھلا دیا جائے؟

ہاں میری بچی! عقل مندی اور دور اندیشی کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم اس خزانے کو بھول جائیں۔

بہت اچھا خالہ میں بھولنے کی کوشش کروں گی۔

کہنے کو تو رقاصہ نے ایسا کہہ دیا تھا مگر خزانہ ایک زندہ بھوت بن کر اسکے دل وہ دماغ پر سوار ہو گیا تھا اسے اٹھتے بیٹھتے خزانے کے خواب آتے۔ اس کے سامنے جواہرات اور سونے چاندی سے بھرا ہوا صندوق کھل جاتا اور موتی لعل، ہیرے، زمرد اور عقیق زمین پر گرنے لگتے وہ خواب میں دیکھتی کہ اس نے خزانہ غار سے باہر نکال لیا ہے

سانپ کو ہلاک کر دیا ہے اور خچر پر صندوق لادے اپنے گھر کی طرف چلی جا رہی ہے پھر وہ دیکھتی کہ وہ اپنے عالی شان سنگ مرمر کے محل میں جالی دار جھروکے کے پاس تخت طاؤس پر بیٹھی ہے اور کنیزیں اس کے پاؤں گلاب کے عرق سے دھو رہی ہیں۔

مگر جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اپنی خالہ کے کچے مکان میں ایک لکڑی کے تختے پر پڑی ہوئی تھی۔ اسے اپنی حالت پر بڑا ترس آتا وہ یہ سوچ کر پاگل ہو جاتی کہ وہاں سے آدھے دن کی مسافت پر ایک غار کے اندر اتنی دولت پڑی ہوئی ہے کہ وہ ساری زندگی ایک محل میں مہارانی بن کر بسر کر سکتی ہے کہ لیکن وہ اکیلی اس دولت کو حاصل نہیں کر سکتی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ کوئی بہادر مرد اس کے ساتھ ہو، حقیقت یہ تھی کہ بوڑھے تبتی کی روح کنالا سے اپنے قتل کا انتقام لینے کے بعد رقاصہ سے بھی بدلہ لینے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رقاصہ کو

مکڑے کا جال

ایک روز خیال آیا کہ وہ ایک مرد کے سہارے کے بغیر بھی چاہے تو
خزانہ حاصل کر سکتی ہے پھر اسے خیال آیا کہ وہ غار کے دروازے کا
پتھر کیسے ہٹائے گی اور اندر کھدائی کیسے کرے گی؟ وہ اس نتیجے پر پہنچی
کہ جب تک اس کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہوگا وہ خزانے تک نہیں پہنچ
سکے گی۔ اب وہ ایک ایسے ساتھی کی تلاش میں رہنے لگی جو مرد ہو اور
اس کا قریبی رشتے دار ہو جو اس کے ساتھ خزانہ حاصل کرنے جا سکے
اور جو یہ راز کسی پر فاش بھی نہ کرے۔
قدرت جب کسی سے بدلہ لیتی ہے تو پھر اس کا کوئی نہ کوئی سبب بھی
پیدا کر دیتی ہے یہ رقاصہ بوڑھے تبتی بزرگ کے قتل میں برابر کی
شریک تھی اس لئے یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ اس کو اس کے گناہ کی سزا نہ
ملے۔ چنانچہ ایک روز ایسا ہوا کہ بوڑھی خالہ کا ایک پوتا جو کہ اس کے
بیٹے کی وفات کے بعد ملک چین کے ایک سوداگر کا نوکر بن کر زندہ رہا

تھا وہاں بغاوت ہو جانے کے بعد در بدر کی ٹھوکریں کھاتا، اس کے
پاس پہنچ گیا اس نوجوان نام سیا نگ تھا۔ وہ ایک بھینگا اور ٹھگنے قد کا
آدمی تھا جس کی آواز گدھے سے ملتی جلتی تھی وہ دولت کے لئے کسی کو
بھی ہلاک کر سکتا تھا اس نے اپنی بوڑھی دادی اور رقاصہ کر اپنی بہادری
کے جھوٹے سچے قصے سنائے جس میں یہ بھی تھا کہ اس نے چین میں
کئی ڈاکوؤں کو ہلاک کیا اور پھر ایک بادشاہ کے محل میں داخل ہو کر اس
کے سارے درباریوں کو سوتے میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ رقاصہ
سیا نگ راس سے بڑی متاثر ہوئی اس نے سوچا کہ یہ شخص اس کے
ساتھ خزانے تک جانے کے لئے بڑا موزوں رہے گا۔ اس نے ایک
روز سیا نگ سے خزانے کا ذکر کیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔
کیا سچ مچ کہیں خزانہ ہے؟
رقاصہ نے اسے شروع سے لے کر آخر تک خزانے کی ساری کہانی سنا

دی۔ اسے یہ بھی بتا دیا کہ اس سے پہلے خزانہ اس کے بھائی کنالا کو ہلاک کر چکا ہے۔ جس کی لاش خزانے پر ہی دبی ہوئی ہے سیا نگ نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

میں ایک بہادر انسان ہوں سانپ کیسا ہی زہریلا کیوں نہ ہو۔ اس کی جرات نہیں کہ مجھے ڈس سکے تم میرے ساتھ چلو ہم ایک ہی رات کے اندر وہاں سے خزانہ کھود کر لے آئیں گے۔''

''سیا نگ نے فوراً دو خچروں کا انتظام کر لیا اور بوڑھی خالہ سے اجازت لے کر ایک روز وہ چپکے سے خزانہ لینے گھر سے روانہ ہو گئے۔ دن بھر چلنے کے بعد وہ رات کو اس مقام پر پہنچ گئے جہاں وہ غار تھا غار کا منہ پتھروں سے اسی طرح بند تھا سیا نگ اور رقاصہ خچروں سے نیچے اتر آئے انہوں نے دونوں خچروں کو ایک جگہ پتھر کے ساتھ باندھ دیا سیا نگ نے کدال نکال کر غار کا منہ کھودنا شروع کر دیا وہ ایک طاقتور

انسان تھا تھوڑی ہی دیر میں اس نے غار کے پتھر ادھر اُدھر ہٹا دیئے۔
غار میں سرنگ کا راستہ نظر آنے لگا۔
سیانگ نے حیرانی سے کہا۔
یہ تو سرنگ جاری ہے۔
ہاں یہی سرنگ خزانے تک جاتی ہے۔
سیانگ ایک مشعل ساتھ لایا تھا اس نے پتھروں کو رگڑ کر آگ پیدا کی۔ مشعل کو جلایا اور دونوں سرنگ کے اندر داخل ہو گئے رقاصہ اس کی رہنمائی کر رہی تھی کیونکہ اسے راستے کا علم تھا، چلتے چلتے آخر وہ سرنگ کا موڑ گھوم کر اس مقام پر آ گئے جہاں نیچے گڑھا پتھروں سے بھرا ہوا تھا رقاصہ نے اشارہ کر کے کہا۔
یہی وہ گڑھا ہے جس کے اندر خزانہ دفن ہے۔
سیانگ نے کدال لے کر گڑھے میں سے پتھروں کو ہٹانا شروع

کر دیا۔ یہ کام بڑا ہمت طلب تھا مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور کدال
چلاتا رہا وہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔ آخر وہ گڑھے کو پتھروں سے خالی
کرنے میں کامیاب ہو گیا وہی ٹوٹی پھوٹی سیڑھی نمودار ہوئی دونوں
اس سیڑھی پر سے نیچے اترے۔ سامنے بائیں جانب پہلو میں وہ مقام
تھا جہاں پتھروں کے نیچے کنالا کی لاش اور جواہرات، سونے چاندی
کے سکوں اور ہیرے موتیوں سے بھرا ہوا صندوق پڑا تھا رقاصہ نے کہا
سیا نگ۔ اب ہم خزانے کے سرہانے پہنچ گئے ہیں یہ وہ پتھروں کا
ڈھیر ہے جس کے نیچے نہ صرف میرے بھائی کنالا کی لاش ہے بلکہ
ہیرے جواہرات اور سونے سے بھرا ہوا صندوق بھی ہے۔
ہم اسے ابھی نکال کر لے جائیں گے۔
سیا نگ نے فاتحانہ قہقہہ لگا کر کہا۔ اس کے قہقہے کی آواز سارے غار
میں گونج گئی سیا نگ نے دھڑا دھڑ کدال چلانی شروع کر دی تھوڑی

دیر بعد پتھروں کے نیچے سے وہ صندوق نکل آیا۔ جس میں سے ہیرے جواہرات باہر بکھرے پڑے تھے اور جس پر کنالا کی لاش پڑی تھی رقاصہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ایک ہی ہفتے میں کنالا کی لاش گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی تھی اور اس کی کھوپڑی کے اوپر ہی سیاہ ناگ بیٹھا پھنکار رہا تھا سیا نگ کے آگے بڑھنا چاہا تو ناگ نے اپنا پھن پھیلا کر اوپر اٹھالیا۔

سیا نگ اس ناگ سے بچنا، اسی نے کنالا کو ہلاک کیا ہے فکر نہ کرو میں نے ایسے کئی ناگ ہلاک کر ڈالے ہیں اتنا کہہ کر سیا نگ نے کدال لہرا کر سانپ پر حملہ کر دیا اور سانپ اچھل کر سرنگ کی چھت سے جالگا۔ رقاصہ حیران رہ گئی کہ سانپ اتنی اوپر اڑ کر کیسے چلا گیا؟ سیا نگ نے کدال ایک طرف رکھ کر پتھر سانپ کی طرف مارنے شروع کر دیئے۔ سانپ کو ایک بھی پتھر نہ لگا وہ اڑ کر دوسری جگہ جا پہنچتا۔

سیا نگ تھک گیا سانپ پھر نیچے آ گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو کر پھن کو لہرانے لگا سیا نگ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں سے کسی نے جان نکال لی ہے وہ ناگ کی سرخ آنکھوں اور پھنکارتی ہوئی زبان کے سامنے بے بس ہو گیا۔ سانپ نے آہستہ آہستہ اس کی طرف رینگنا شروع کر دیا رقاصہ بھی بت بنی دیوار کے ساتھ لگی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ سانپ جھوم جھوم کر اپنے پھن کو لہرا لہرا کر سرخ زبان باہر نکال رہا تھا اور پھنکارتا ہوا اس کی طرف رینگ رہا تھا اور سیا نگ بالکل پتھر بنا اپنی جگہ پر کھڑا تھا ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے اس کے اندر سے ہلنے کی طاقت ختم کر دی ہے۔

رقاصہ کے دل میں خیال آیا کہ وہ چیخ کر سیا نگ کو خطرے سے آگاہ کر دے مگر آواز اس کے حلق کے اندر دب کر رہ گئی سانپ اب سیا نگ کے بالکل سامنے آ گیا تھا ایک دم وہ زور سے پھنکارا اور اس نے بجلی

جیسی تیزی کے ساتھ آگے کو جھک کر سیانگ کے ماتھے پر ڈس دیا۔
ایک فلک شگاف چیخ مار کر سیانگ گر پڑا۔ رقاصہ کے منہ سے بھی
بھیانک چیخ نکل گئی وہ گڑھے کی سیڑھیوں پر واپس بھاگنے لگی تو سانپ
نے اس کا پیچھا کیا اور جب وہ اوپر والی آخری سیڑھی پر تھی تو اس کے
اوپر بھی ڈس کر اپنا زہر رقاصہ کے جسم کے اندر داخل کر دیا۔ رقاصہ چیخ
مار کر پیچھے گڑھے میں سیانگ کے اوپر گر پڑی۔ سانپ باہر نکل گیا اور
پھر ایک زلزلے کے بھیانک جھٹکے کے ساتھ سارے کا سارا پہاڑ
اپنے سارے پتھروں سمیت ان دونوں کے اوپر گر پڑا۔
اور وہ دونوں خزانے کے ساتھ غار میں ہمیشہ کے لئے دفن ہو گئے

عورت کی قربانی

بڑے پجاری رتنا کرنے تھائیں کو دیو داسی مان لیا تھا۔ مگر دل سے
اسے شک تھا کہ یہ عورت اصل نہیں بلکہ نقلی دیو داسی ہے اس کی وجہ یہ
تھی کہ پہلی بار جب وہ مورتی کے اندر داخل ہوئی تھی تو مورتی پر کوئی
اثر نہیں ہوا تھا اگر سچ مچ اصلی دیو داسی تھی تو پہلی بار مورتی اپنی جگہ سے
کیوں نہ ہلی تھی؟ رتنا کر کے دل میں اس بات کا بھی صدمہ تھا کہ اس
نے اس کو شکست دی ہے اور راجہ کے سامنے ذلیل کیا ہے اس نے راجہ
پر ثابت کر دیا تھا کہ وہ عورت جھوٹی ہے اور وہ اسے پھانسی کے تختے پر

لے گیا تھا لیکن عین وقت پر تھائیں نے کچھ ایسا جادو کیا کہ سارا کھیل الٹ گیا اور رتنا کر کو لینے کے دینے پڑ گئے کہاں تو یہ تھا کہ وہ دیوداسی کو پھانسی دلوا رہا تھا جلاد نے اس کے اشارے پر اور راجہ کے حکم پر اس کے گلے میں رسہ ڈال دیا تھا اور کہاں یہ ہوا کہ راجہ اور رتنا کر دونوں کو اس دیوداسی کے آگے سجدہ کرنا پڑا اور اس سے اپنے کیئے کی معافی مانگنی پڑی۔

راجہ نے رتنا کو بلا کر اس کی زبردست بے عزتی کی اور کہا کہ اس کو یہ جرات کیسے ہوئی کہ وہ اصلی دیوداسی کو پھانسی کے پھندے تک لے گیا؟ رتنا کر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

مہاراج مجھے کیا علم تھا کہ یہی اصل دیوداسی ہے مجھے معاف کر دیا جائے مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔''

''راجہ نے کہا''

دیوتاؤں کا شکر ہے کہ دیوداسی مجھ سے زیادہ ناراض نہیں ہوئی وگرنہ وہ میری سلطنت کو تباہ کرسکتی تھی اور تمہاری سزا یہ ہے کہ تم ہر روز صبح اٹھ کر دس بار دیوداسی کے سامنے جا کر اسے سجدہ کیا کرو گے۔

مرتا کیا نہ کرتا، بڑے پجاری کو راجہ کا حکم ماننا پڑا۔اور وہ روزانہ صبح کو اٹھ کر دیوداسی کے استھان پر جاتا وہ مسہری پر بڑی شان سے لیٹی ہوتی کنیزیں اس کے بالوں میں سفید پھول اور موتی پرو رہی ہوتیں اور وہ اس کے سامنے دس بار سجدہ کر کے اسے سلام کر کے الٹے پاؤں واپس نکل جاتا۔اس میں اسے اپنی بڑی ذلت نظر آ رہی تھی اس لئے کہ اسے یقین تھا کہ یہ عورت اصلی دیوداسی نہیں ہے مگر وہ مجبور تھا کچھ نہ کر سکتا تھا راجہ اس کے اور نئے وزیر عنبر کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا رتنا کر نے اس بات کو بھی خاص طور پر محسوس کیا تھا کہ جب سے یہ نیا وزیر عنبر آیا ہے راجہ بالکل بدل گیا ہے وہ اس کی ہر بات مان لیتا ہے

اس نے ایک بار عنبر کو دیوداسی سے باتیں کرتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا جس سے اس کے دل میں شک پختہ ہو گیا کہ عنبر اور دیوداسی ضرور آپس میں ملے ہوئے ہیں حالانکہ عنبر خاص طور پر اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ سب کے سامنے تھائیں سے بالکل بات نہ کرے۔

رتنا کر نے ایک روز اپنے شاگرد سے کہا۔

ایسے لگتا ہے کہ یہ شخص عنبر کوئی جادوگر ہے اور اس نے جادو کے زور سے مورتی کو اپنی جگہ سے ہلایا تھا ورنہ وہ عورت اصلی دیوداسی نہیں ہے اور مورتی کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتی۔

آپ کا کہنا بالکل درست ہے سرکار! عنبر ملک افریقہ سے جادو سیکھ کر آیا ہے اور افریقہ کا جادو تو بڑا سخت ہوتا ہے اس کی مدد سے تو انسان دریا کے پانی پر بھی چل سکتا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اب نقلی دیوداسی کا بھانڈا کس طرح پھوڑا جائے؟

یہ کیسے راجہ پر ثابت کیا جائے کہ یہ عورت ایک جھوٹی عورت ہے اور عنبر نے جادو کے زور سے مورتی کو اپنی جگہ سے ہلایا تھا۔

سرکار! وقت کا انتظار کریں جونہی مناسب موقع ملا ان کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوڑ دیا جائے گا۔

بڑا پجاری یہی سوچ کر خاموش ہو گیا اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا لیکن یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ ان ہی دنوں مورتی پر کسی عورت کو قربان کرنے کا موسم آ گیا، اس کے لئے پجاریوں نے ایک عورت کو چن کر پہلے ہی تہہ خانے میں بند کر رکھا تھا۔ اسے ہر روز دن میں تین بار نہایت اعلیٰ قسم کی خوراک دی جاتی تھی۔ تاکہ وہ خوب موٹی تازی ہو جائے اور اس کی قربانی سے دیوتا زیادہ سے زیادہ خوش ہوں یہ عورت ایک غریب بوڑھے پجاری کی بیٹی تھی جو اندھا ہو چکا تھا رتنا کرنے خاص طور پر اس عورت کو چنا تھا کیونکہ وہ کسی بات پر اس

کے باپ اندھے پجاری سے ناراض تھا اور اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا
قربانی کی تیاریاں شروع، ہو چکی تھیں۔
سارے مندر کو پھر سے دھو دھلا کر صاف کر دیا گیا تھا۔ دیواروں پر
پھولوں کی بیلیں سجا دی گئی تھیں۔ ستونوں کے سامنے نئی مشعلیں جلا
دی گئی تھیں چبوترے کو ہر روز بکری کے دودھ سے دھویا جاتا تھا
تھائیں کو اس قربانی کا علم ہوا تو اس نے اپنی ایک خاص کنیز کو بھیج کر
عنبر کو اپنے کمرے میں بلایا عنبر رات کے اندھیرے میں اس سے ملنے
آیا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ راجہ کو معلوم ہو کہ وہ ایک دوسرے کو
جانتے ہیں تھائیں نے دروازہ کھول کر عنبر کو تخت پر بٹھایا اور قربانی کے
بارے میں ساری بات کھول کر بیان کر دی۔ عنبر نے ساری داستان
سن کر کہا۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص رتنا کر ایک بار پھر ایک بے گناہ عورت

کی زندگی کو برباد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

ہاں عنبر! میں چاہتی ہوں کہ اس عورت کو بھی اس ظالم کے چنگل سے بچایا جائے اور اس کا بھانڈا ابھی پھوڑ دیا جائے تا کہ یہ اس کے بعد کسی معصوم لڑکی کی زندگی برباد نہ کر سکے، اس وقت موقع بھی ہے۔

تم فکر نہ کرو۔ میں اسے اپنے برے ارادے میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا میں اس کا راز فاش کر دوں گا۔ اور اس نے راجہ اور دوسرے لوگوں کی آنکھوں پر جو قربانی کی جھوٹی پٹی باندھ رکھی ہے اسے کھول کر پھینک دوں گا اور رتنا کر کو ایسی سزا دلواؤں گا کہ وہ ساری زندگی نہیں بھولے گا۔

تم اس سلسلے میں کیا کرو گے؟

میرا خیال ہے کہ جس وقت رتنا کر پیالے میں خون اور لڑکی کا دل ڈال کر راجہ کے آگے لائے میں اسی وقت اٹھ کر اعلان کر دوں کہ بڑا

پجاری رتنا کر جھوٹا اور دغا باز ہے اس نے لڑکی کی قربانی نہیں کی بلکہ ایک بکری ذبح کر کے اس کا دل پیالے میں ڈال دیا ہے۔

یہ تو ٹھیک ہے کہ تم رتنا کر کو سزا دلوا دو گے لیکن اس طرح وہ لڑکی بھی نہیں بچ سکے گی۔ راجہ کہے گا کہ اب بکری کی جگہ اصلی عورت کو مورتی کے آگے قربان کیا جائے۔

عنبر سوچ میں پڑ گیا تھائیں نے بالکل ٹھیک کہا تھا پھر اس عورت کو کس طرح بچایا جائے؟ اس نے کہا۔

کیا اس عورت کو چپکے سے اغواء کر کے کسی طرف روانہ کر دیا جائے؟ تھائیس بولی۔

سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں لیکن ہم آخر کس کس عورت کو ہر بار اغواء کر کے فرار کراتے رہیں گے؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ راجہ کو اس انسانی قربانی سے کسی طرح روک دیا جائے؟

اصل میں ہونا تو یہی چاہئے خیراب تو سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس عورت کو کسی طرح اغواء کر کے یہاں سے بھگا دیں اس کے بعد میں راجہ پر اثر ڈال کر اسے مجبور کروں گا کہ وہ مورتی کے آگے انسانی قربانی دینا بند کر دے۔

کیا اس دفعہ ایسا نہیں ہو سکتا کیا تم دیوی بلیطس کو نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک بار آ کر تبت کی عورتوں کی زندگی ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دے؟ آخر وہ بھی ایک عورت ہے اور دوسری عورتوں کے ساتھ اسے ضرور ہمدردی ہو گی۔

میں کوشش کروں گا۔

کوشش نہیں عنبر۔ فیصلہ کر لو کہ تم یہی کرو گے، تا کہ قربانی کے روز ہم رتنا کر مکاریوں کو راجہ کے سامنے فاش کر دیں۔

بہت اچھا، میں آج ہی رات دیوی بلیطیس سے بات کرتا ہوں۔

عنبر تھائیں سے اتنا کہہ کر واپس اپنے گھر آ گیا، گھر آتے ہی اس نے دیوی بلبطیس کی روح کی آواز دی وہ نمودار ہوئی تو اس نے اسے ساری بات سنا کر عورت کے نام پر رحم کی بھیک مانگی۔

تم بھی ایک عورت ہو بلبطیس! کیا تم گوارا کرلوگی کہ اس مندر میں قربانی کے نام پر ہر برس ایک عورت کو اغواء کر کے دوسرے ملک میں جا کر فروخت کیا جاتا رہے؟

دیوی بلبطیس نے عنبر کی زبانی پوری بات سنی تو وہ سخت غصے میں آ گئی۔اس نے کہا۔

ایسا ہرگز نہیں ہوگا، میں اس کمینے اور ظالم پجاری کو ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ وہ ہمیشہ یاد کرے گا فکر نہ کرو قربانی کے روز میں مورتی مندر میں موجود ہوں گی،

دیوی بلبطیس اتنا کہہ کر چلی گئیں۔عنبر نے اگلے روز تھائیں کو جا کر بتا

دیا کہ دیوی بلیطیس راضی ہوگئی ہے اوراس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ قربانی کے روز مورتی میں موجود ہوگی اور رتنا کر کو اس کے ظلم کا بدلہ چکھا دے گی تھائیس بڑی خوش ہوئی۔

اس دوران میں وہ دن آ گیا جس روز مندر میں ایک عورت کو قربان کیا جانا تھا۔ سارا دن مندر میں پجاری بھجن گاتے رہے اور منتر پڑھتے رہے شام کو مندر میں لوبان سلگ اٹھے اور دیواروں کے ساتھ لگی مشعلیں روشن کردی گئیں ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔

خوشبوئیں ہی خوشبوئیں تھیں۔ تھائیس دیوداسی کے روپ میں سج دھج کر پالکی میں سوار مندر پہنچ گئی اسے مورتی کے پہلو میں بٹھا دیا گیا راجہ بھی اپنی رانی کے ساتھ تخت پر آ کر بیٹھ گیا دوسرے پجاری اور لوگ دونوں طرف ادب سے جھک کر کھڑے ہو گئے بڑا پجاری رتنا کر بھی وہاں موجود تھا اور اونچی آواز میں دیوداسی کے آگے دوزانو بیٹھا منتر

پڑھ رہا تھا۔

رات آدھی گذر گئی، تو ڈھول تاشوں اور منتر کے شور میں اس عورت کو مندر میں لایا گیا جس کی قربانی دی جانے والی تھی اس عورت کو پجاریوں نے زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا بے چاری کے بال کھلے تھے اور آنکھوں میں وحشت ٹپک رہی تھی لیکن وہاں اس کا سوائے عنبر اور دیوداسی کے اور کوئی ہمدرد نہیں تھا۔ اور یہ دونوں سب کے سامنے اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ عنبر اور دیوداسی دونوں بلیطیس کا انتظار کر رہے تھے۔ جسکے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ ضرور آ کر اس عورت کی جان بچا لے گی۔

عنبر راجہ اور رانی کے پاس ہی ایک زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خاموش تھا اور اس وقت کا منتظر تھا جب دیوی بلیطیس کی روح کو آ کر اس عورت کو قربان ہونے سے بچانا اور رتنا کر کے ڈھونگ کا پھول

کھولنا تھا ایک دم ڈھول تاشوں کا شور بلند سے بلند تر ہو گیا۔قربان کرنے والی عورت کو مندر کے وسط میں لایا گیا اس بے چاری کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ اپنے اندھے باپ کو یاد کر کے روئے جارہی تھی مگر اس کے رونے پر کسی کو ترس نہ آرہا تھا۔عنبر اور تھائیں کے دل پر تو بڑا اثر ہوا تھا۔مکار پجاری رتنا کر آگے بڑھا اور اس نے راجہ کے سامنے جا کر کہا۔

اے تبت کے سورج راجہ!اجازت دو کہ اس عورت کو دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق مورتی پر قربان کر دیا جائے۔وقت ہو گیا ہے اور ہماری مقدس مورتی اس عورت کا خون پینے کے لئے بے تاب ہو رہی ہے۔

راجہ نے اپنی رانی کی طرف دیکھا۔رانی نے سر کو ہلا کر اشارہ کیا،راجہ نے ہاتھ بلند کر کے کہا۔

اجازت ہے.............دیوداسی کی اجازت بھی لی جائے۔

اب رتنا کر براسامنہ بنا کر دیوداسی کی طرف آیا اور جھک کر بولا۔

اے مقدس دیوداسی! اجازت دو کہ اس عورت کو تمہاری رضا کے مطابق مورتی پر قربان کیا جائے۔

تھائیس نے آہستہ سے کہا۔

اجازت ہے۔

دیوداسی کی اجازت کے ساتھ ہی زور زور سے تاشے ڈھول بجنے لگے۔ اور پجاری اونچی آواز میں بھجن گانے لگے رتنا کر نے ایک پجاری کو ساتھ لیا اور عورت کو گھسیٹتے ہوئے مورتی کے پیچھے لے گیا۔ یہاں وہ دونوں مکار پجاری دروازے میں سے داخل ہو کر اندر چلے گئے۔ اندر جاتے ہی رتنا کر نے عورت کو کوٹھری میں لے جا کر زنجیروں سے باندھ دیا اور کہا۔

ہم تمہیں ہلاک نہیں کریں گے۔لیکن خبردار آواز مت نکالنا۔
وہ عورت تو ہکا بکا ہو کر رہ گئی بے چاری بڑی خوش ہوئی کہ اس کی جان بخشی ہوگئی ہے۔مگر اسے کیا معلوم تھا کہ یہ سنگدل لوگ اسے غلام بنا کر دوسرے ملک میں فروخت کردیں گے۔جہاں وہ ساری زندگی سسک سسک کر مرتی رہے گی۔اسے کوٹھڑی میں بند کرکے دونوں پجاریوں نے اس کے سامنے ایک بکری کو ذبح کیا اس کے خون سے چاندی کا پیالہ بھرا اس کے سینے سے دل نکال کر پیالے میں ڈالا اور منتر پڑھتے باہر آگئے
دوسرے لوگوں اور پجاریوں نے دیکھا کہ پیالے میں عورت کا خون اور دل پڑا ہے تو انہوں نے خوشی سے نعرے لگائے کیونکہ ان کے خیال میں مقدس مورتی نے ان کی قربانی قبول کرلی تھی۔رتنا کر خون سے بھرا ہوا پیالہ لے کر راجہ کے سامنے آیا اور بولا۔

اے مقدس راجہ! مقدس دیوداسی کی مرضی کے مطابق مورتی نے ہماری قربانی قبول کر لی ہے۔ اس خون سے تلک لگا کر ہمیشہ کے لئے امر ہو جائیں۔

راجہ نے خون کے پیالے میں انگلی ڈبوئی اور ابھی وہ ماتھے پر تلک لگانے ہی والا تھا کہ اچانک مورتی میں گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی پہلے کی طرح مورتی کا لمبا ہاتھ اپنی جگہ سے ہلا اور اس نے آگے بڑھ کر راجہ کے ہاتھ سے پیالہ لے کر کہا۔

اے راجہ۔ تو احمق بن گیا ہے۔ تجھے اپنی رعایا کا کوئی خیال نہیں رہا۔ یہ پجاری ایک عرصے سے تجھے بے وقوف بنا رہا ہے مورتی کا ہاتھ آگے بڑھتا دیکھ کر اور اسے بولتا سن کر سارے لوگ ششدر ہو کر سجدے میں گر پڑے۔ راجہ تو تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

اے مقدس مورتی! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے تو معاف کر دے، میں تیرا ادنیٰ غلام ہوں۔

مورتی نے کہا۔

سن اے راجہ۔ یہ مکار پجاری رتنا کر ایک عرصے سے مجھ سے دھوکا کر رہا ہے۔ یہ جس عورت کو قربانی کے لئے میرے اندر لے جاتا ہے یہ اس کو کوٹھڑی میں بند کر کے ایک بکری کو مار کر اس کے خون میں دل ڈبو کر لے آتا ہے اس کے بعد یہ اس عورت کو دوسرے ملک میں غلام بنا کر بیچ دیتا ہے اور دولت کماتا ہے اس مکار پجاری اور اس کے ساتھی کو بھی گرفتار کر لو اور اپنے وزیر کو میری کوٹھڑی میں بھیج کر اس عورت کو وہاں سے نکالو جس کو یہ پجاری ذبح کرنے لے گیا تھا یہ خون بکری کا ہے اور یہ دل بھی بکری کا ہے اس بکری کی لاش بھی اندر ہی پڑی ہے

راجہ کے ہاتھوں کے توطے اڑ گئے۔ پجاری رتنا کر پر جیسے بجلی

گر پڑی تھی راجہ نے اسی وقت حکم دیا کہ مکار پجاری کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا جائے پھر اس نے انے وزیروں کو مورتی کے اندر بھیجا انہوں نے اندر جا کر دیکھا کہ جس عورت کو قربان کرنا تھا وہ اسی طرح ایک طرف بیٹھی ہے اور فرش پر بکری کی لاش خون میں لت پت پڑی ہے۔

وزیر عورت کو لے کر باہر آگئے۔ انہوں نے راجہ کو بتایا۔

اے راجہ! مقدس مورتی کی آواز درست ہے مکار پجاری نے اس عورت کی بجائے ایک بکری کو ذبح کر دیا ہے اور یہ خون اور اس کے اندر ڈوبا ہوا دل بکری کا ہے۔

راجہ ایک دم سجدے میں گر پڑا۔

اے مقدس مورتی! تیری جے ہو، مجھ سے قصور ہو گیا ہے میں معافی چاہتا ہوں آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہو گا میں اس عورت کو تیرے قدموں

میں اپنے ہاتھوں سے قربان کرتا ہوں۔

مورتی نے گرج کر کہا۔

ہرگز نہیں۔ میں انسان کی قربانی سے تنگ آ گئی ہوں آج سے میرے قدموں میں انسان کی قربانی ہرگز نہیں ہو گی آج سے انسانی قربانی ہمیشہ کے لئے بند کی جاتی ہے۔ اس کی جگہ ہر سال ایک بکری کو قربان کیا جائے گا اگر کسی نے ایسا نہ کیا تو میں اس شہر کو برباد کر دوں گی۔"

راجہ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

اے مقدس مورتی! تیرے حکم پر عمل کیا جائے گا۔ اس ملک میں آج سے کسی انسان کی قربانی نہیں ہو گی صرف بکری کی قربانی ہو گی۔

مورتی نے اپنا ہاتھ اوپر کھینچ لیا اور وہ ایک بار پھر پتھر کی مورتی بن گئی۔

عنبر اور تھائیں بڑے خوش ہوئے کہ دیوی بلیطیس نے آ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عورتوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بننے سے بچا لیا ہے راجہ نے

عنبر سے کہا کہ جیسا مورتی نے کہا ہے ملک میں ویسا ہی ہوگا اور مکار پجاری رتنا کر کو برف کے پہاڑ میں دفن کر دیا جائے گا راجہ نے مقدس دیوداسی کو جھک کر سلام کیا۔ اس کے پاؤں چھوئے اور واپس چلا گیا دیوداسی نے خوشی کی نظروں سے عنبر کو دیکھا وہ عورت کی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس عورت کو اسی وقت اس کے اندھے باپ کے حوالے کر دیا گیا۔ جس نے اپنی بچی کو سینے سے لگا لیا۔

ناگن رانی

تبت میں رہتے ہوئے عنبر کو تیسرا مہینہ جا رہا تھا کہ راجہ بیمار ہو گیا۔ راجہ کی بیماری کی خبر رانی نے اسے آکر دی وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ایک تختی پر کچھ لکھ رہا تھا کہ رانی کی سواری آگئی عنبر رانی کو لینے خود باہر آگیا۔ وہ حیران ہوا کہ رانی اچانک کیسے وہاں آگئی رانی نے اسے بتایا کہ راجہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے اسے چل کر دیکھو عنبر وہاں کا شاہی طبیب بھی تھا اور پھر رانی کو معلوم تھا کہ عنبر نے ایک بار راجہ کی جان بچائی تھی عنبر اسی وقت رانی کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

مکڑے کا جال

محل میں راجہ بستر پر خاموش پڑا ہوا تھا۔اس کی بیماری صرف اتنی تھی
کہ اس کا سر چکرا رہا تھا اور بدن میں بے حد کمزوری محسوس ہو رہی تھی
عنبر نے راجہ کا معائنہ کیا اور اسے اپنے ہاتھوں سے چاندی کے
کٹورے میں ایک بوٹی کا عرق ڈال کر پلایا۔راجہ نے عرق پی لیا تو
اس کی طبیعت ذرا بحال ہو گئی۔عنبر شام تک راجہ کے پاس بیٹھا رہا۔
شام کو وہ واپس اپنے مکان پر آ گیا۔اگلے روز شام تک راجہ کی طبیعت
ٹھیک رہی رات کو اس کی حالت پھر خراب ہو گئی اب اس کی آنکھوں
کے نیچے سیاہ حلقے نمودار ہو گئے تھے عنبر راجہ کی حالت دیکھ کر بڑا
پریشان ہوا کہ آخر یہ اسے کون سی بیماری لگ گئی ہے۔مہارانی کو الگ
پریشانی تھی اس نے راجہ کی بیماری کی وجہ سے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔وہ
عنبر سے بار بار التجا کرتی کہ اس کے راجہ کو صحت مند کیا جائے عنبر کی سمجھ
میں راجہ کی بیماری بالکل نہ آ رہی تھی وہ طاقت کی دوائی راجہ کو دیتا ذرا دو

چار روز کے لئے اس کی طبیعت سنبھلتی اور پھر خراب ہو جاتی راجہ نے دربار کی ساری مصروفیات ترک کر دی تھیں ۔ سوائے عنبر اور مہارانی کے اور کوئی ملنے نہیں آتا تھا۔

عنبر راجہ کی بیماری پر جتنا غور کرتا اتنا ہی وہ اس میں الجھ جاتا۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ رانی سے کچھ پوچھ گچھ کی جائے اس مقصد کے لئے وہ خاص طور پر ایک روز رانی کے محل میں گیا اور اس نے مہارانی سے بات شروع کی کافی دیر کی گفتگو کے بعد بھی عنبر راجہ کی بیماری کی کوئی وجہ معلوم نہ کر سکا۔ اس دوران میں وقت گزرتا گیا اور راجہ کی بیماری زور پکڑتی گئی اب اس کا رنگ نیلا پڑنے لگا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے خون میں زہر شامل ہو رہا ہے جو آہستہ آہستہ اسے ہلاک کر رہا ہے عنبر نے اپنی ساری حکمت کی کتابیں پھر سے پڑھ ڈالیں مگر اسے بیماری کا کہیں بھی سراغ نہ ملا۔

ایک بات اس عرصے میں اس نے محسوس کی تھی کہ راجہ کی ایک ملکہ جس کے ساتھ اس نے ایک سال ہوا شادی کی تھی۔ دیکھتے ہوئے آنکھ نہیں جھپکتی تھی عنبر کو اتنا معلوم تھا کہ یہ خصوصیت صرف سانپ میں پائی جاتی ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے کبھی آنکھ نہیں جھپکتا تو کیا راجہ کی نئی ملکہ ناگ ہے۔؟

یہاں یہ بات بیان کر دینی ضروری ہے کہ ایک سانپ کی عمر اگر دو سو برس سے زیادہ ہو جائے تو اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ آدمی یا عورت کے روپ میں سامنے آ کر زندہ رہ سکتا ہے۔ وہ جتنی دیر چاہئے عورت یا آدمی بن کر زندگی بسر کر سکتا ہے عنبر کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر کوئی سانپ مرد بن کر یا عورت بن کر کسی سے شادی کر لے تو وہ عورت یا مرد زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہتا۔ اس کے جسم میں سانپ کا زہر شامل ہونا شروع ہو جاتا ہے جو آہستہ آہستہ اسے ہلاک کر دیتا ہے

اس ملکہ کے بارے میں عنبر نے رانی سے پوچھا۔

یہ ملکہ جس سے راجہ نے بیاہ کیا کہاں کی رہنے والی ہے

رانی نے کہا۔

دیوتا ہی جانے کہاں کی رہنے والی ہے راجہ ایک بار شکار کھیلنے جنگل میں گیا تھا کہ اس کو اپنے ساتھ لے آیا اور پھر اس سے شادی کر لی۔

کیا یہ ملکہ کبھی اپنے ماں باپ کے گھر نہیں گئی۔؟

اس کا کوئی ماں باپ ہو تو جائے۔ وہ تو اس دنیا میں اکیلی ہے بس جب سے آئی ہے محل میں ہی پڑی ہے۔

غور کر کے بتاؤ رانی صاحبہ! کیا یہ ملکہ کبھی بھی محل سے باہر نہیں گئی؟

مہارانی خاموش ہو گئی وہ سوچ رہی تھی۔ پھر بولی۔

ہاں اتنا یاد ہے کہ کبھی کبھی جنگل کی سیر کو اکیلی ضرور جایا کرتی ہے راجہ نے کئی بار اس کے ساتھ جانے کی خواہش کی مگر اس نے ہمیشہ راجہ کو

ٹال دیا اور اکیلی ہی جنگل کی سیر کو گئی۔

عنبر گہری سوچ میں ڈوب گیا وہ غور کر رہا تھا کہ ملکہ جنگل میں تنہا کیا کرنے جاتی ہے؟ اگر وہ ناگن ہے تو ضرور اپنے کسی ساتھی سانپ سے ملنے جاتی ہو گی عنبر نے ملکہ کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا اس نے مہارانی کو تو کچھ نہ بتایا اور اس دن کا انتظار کرنے لگا جس روز ملکہ کو جنگل کی سیر کو جانا تھا عنبر نے راجہ سے بھی کوئی بات نہ کی۔ ویسے ملکہ راجہ کی بڑی تیمارداری کرتی تھی وہ ہر وقت راجہ کے سر پر منڈلاتی رہتی کبھی اس کا سر دبا رہی ہے کبھی اسے دوائی پلا رہی ہے کبھی اسے اپنے ہاتھ سے پھل کھلا رہی ہے۔

راجہ بھی اس ملکہ سے بہت پیار کرتا تھا وہ اپنی پرانی بیوی مہارانی کو اتنا اچھا نہیں سمجھتا تھا جتنا اچھا وہ اپنی نئی بیوی اور نوجوان ملکہ کو سمجھتا تھا رانی اگر کسی وقت ادھر اُدھر ہو جاتی تو وہ اتنا خیال نہ کرتا لیکن اگر ملکہ

کہیں ایک پل کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی تو راجہ فوراً خادمہ بھیج کر اسے بلا لیتا یہ ملکہ دبلی پتلی سانولے رنگ کی تھی اس کی آنکھوں میں سانپ کی آنکھوں کی سرخی تھی اور وہ پلکیں بالکل نہیں جھپکتی تھی عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ راجہ کی بیماری کا کھوج لگا کر رہے گا۔

ایک روز ملکہ نے سیاہ لبادہ اوڑھا اور گھوڑے پر بیٹھ کر محل کے پیچھے والے جنگل کی طرف سیر کو نکل گئی عنبر اسی دن کا انتظار کر رہا تھا وہ بھی تھوڑی دیر بعد گھوڑے پر سوار ہوا اور ملکہ سے تھوڑے فاصلے پر اس کے پیچھے چل پڑا۔

ملکہ محل سے نکل کر جنگل کو جانے والے راستے پر ہو گئی یہ راستہ ایک اونچی اونچی خاردار جھاڑیوں اور چھتری نما درختوں والے گھنے جنگل کی طرف جاتا تھا جنگل کے اندر سائے بڑے گہرے تھے اور ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا ملکہ چلتی گئی۔ آخر سامنے ایک چٹان آ گئی جس پر

مکڑے کا جال

ہری ہری بیلوں نے چادر سی بچھا رکھی تھی ملکہ یہاں پہنچ کر گھوڑے
سے اتر گئی اس نے گھوڑے کو ایک درخت کے ساتھ باندھا اور چٹان
کے عقب میں گھوم گئی۔ عنبر نے بھی جلدی سے گھوڑے کو ایک درخت
کے پاس باندھا اور ملکہ کا تعاقب شروع کر دیا۔
چٹان کی اوٹ سے نکل کر سامنے ایک کھوہ سی تھی جس کے باہر زیتون
کا درخت اگا ہوا تھا ملکہ اس کھوہ کے باہر پتھروں پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ
گئی عنبر بھی اس کا تعاقب کرتا وہاں تک پہنچ گیا وہ چپکے سے ایک
درخت کے پیچھے چھپ کر یہ دیکھنے لگا کہ ملکہ کیا کرتی ہے ملکہ خاموشی
سے پتھر پر بیٹھی تھی پھر اس نے ہوا میں اپنا سانس چھوڑا۔ سانس کی بو
سارے جنگل میں پھیل گئی تھوڑی دیر بعد ایک طرف سے موٹا سیاہ
رنگ کا ایک لمبا ناگ نمودار ہوا وہ ایک موٹی تازی بکری کے اوپر بیٹھا
ہوا تھا یہ بکری ملکہ کے پاس آ کر رک گئی سانپ آہستہ سے بکری کے

اوپر سے اتر کر نیچے آ گیا اور اس نے پھنکاریں مارتے ہوئے ملکہ کے اردگرد چکر لگانے شروع کر دیئے سات چکر پورے کرنے کے بعد سانپ بکری کے پاس کنڈل مار کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنا پھن پھیلا لیا۔

اب ملکہ نے لمبے لمبے سانس بھرنے شروع کر دیئے پھر اس نے دونوں ہاتھ اوپر آسمان کی طرف اٹھائے اور پلک جھپکتے ہی سیاہ رنگ کی ناگن بن گئی ناگن بنتے ہی اس نے زور سے پھنکارا اور اپنے ناگ کے پاس آ کر بیٹھ گئی بکری اس وقت تھر تھر کانپ رہی تھی دونوں ناگ ناگن اب بکری کی پچھلی ٹانگوں کے ساتھ چمٹ گئے اور انہوں نے بکری کا دودھ پینا شروع کر دیا جتنی دیر تک وہ دودھ پیتے رہے بکری پر لرزہ طاری رہا جب سانپوں کا جوڑا جی بھر کر دودھ پی چکا تو وہ بکری ٹانگوں سے اتر کر زمین پر آ گیا اور ایک دوسرے کے ساتھ

کھیلنے لگے کافی دیر وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے رہے جب وہ کھیل کود سے تھک گئے تو ناگ اسی طرح بکری پر سوار ہوا اور بکری اسے لے کر جنگل کے ایک طرف کو چل دی۔

ناگ کے جاتے ہی ناگن پتھر پر آ کر کنڈل مار کر بیٹھ گئی اس کے بیٹھتے ہی وہ پھر سے ملکہ بن گئی اسکے بعد وہاں سے اٹھی اور واپس آ کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور اپنے محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ عنبر یہ سارا کھیل دیکھ کر حیران رہ گیا اس نے جو کچھ دیکھا تھا اس کا یقین نہیں آ رہا تھا تو کیا واقعی ملکہ ناگن ہے؟ اب تو اس نے اسے آنکھوں سے ناگن کا روپ بدلتے دیکھ لیا تھا اب اسے اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ راجہ کی بیماری کی وجہ اصل میں ناگن رانی ہے جو آہستہ آہستہ راجہ کے خون میں اپنا زہر پھیلا رہی ہے اور اگر راجہ کا علاج نہ کیا گیا تو وہ موت کی آغوش میں پہنچ جائے گا اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کو

ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن راجہ کو کیسے یقین آئے کہ ملکہ ناگن ہے عنبر نے سوچا کہ راجہ کو یہ سارا کھیل اپنی آنکھوں سے دکھایا جائے۔

یہ سوچ کر وہ واپس محل میں آ گیا اس نے دوسرے روز راجہ سے کہا۔

مہاراج میں آپ کی بیماری کے بارے میں تنہائی میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ کمرے میں سوائے میرے اور آپ کے تیسرا کوئی نہ ہو،

ٹھیک ہے میں ابھی اس کا بندوبست کر دیتا ہوں راجہ نے ہاتھ کے اشارے سے ساری کنیزوں اور نوکروں کو کمرے سے باہر نکال دیا۔

اتفاق سے ٹھیک اس وقت ناگن ملکہ ہاتھ میں دودھ کا کٹورا لئے اندر داخل ہوئی۔

مہاراج۔ آپ کے لئے دودھ لائی ہوں۔

راجہ بڑا خوش ہوا کہ اس کی ملکہ اس کا کتنا خیال رکھتی ہے اور اس کی کس

قدر خدمت کر رہی ہے اس بے چارے کو کیا خبر تھی کہ اصل میں وہی ملکہ اس کی بیماری کی جڑ ہے اور وہ ناگن بن کر اسے ہلاک کر رہی ہے

راجہ جب دودھ پی چکا تو اس نے ملکہ سے کہا۔

ملکہ! ہم تنہائی میں حکیم عنبر سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

ملکہ نے کہا۔

مہاراج۔ میں آپ کی بیگم ہوں رانیوں میں سے ایک وفادار اور خدمت گزار ہوں کیا میں آپ کے پاس نہیں ٹھہر سکتی۔

مہاراج نے بڑی عاجزی سے کہا۔

نیک دل اور بے حد وفادار ملکہ! ہمیں معاف کر دینا تمہاری وفاداری پر تو ہمیں کبھی شک نہیں ہو سکتا لیکن ہمارے شاہی حکیم صاحب کی خواہش ہے کہ جب وہ ہماری بیماری کے بارے میں ہم سے بات کرے تو کمرے میں سوائے ہم دونوں کے اور کوئی نہ ہو۔

ناگن ملکہ نے بڑے غصے کے ساتھ حکیم عنبر کی طرف دیکھا۔عنبر نے صاف محسوس کیا کہ وہ ایک خونخوار ناگن کے روپ میں اسے دیکھ رہی ہے اور اس کا بس چلے تو اسے ڈس کر اسی وقت ہلاک کر دینا چاہتی ہے مگر وہ بے بس تھی پھر اس نے مسکرا کر کہا۔

جیسے آپ کی مرضی مہاراج۔

اور اتنا کہہ کر چپکے سے کمرے سے باہر نکل گئی اس کے باہر جاتے ہی عنبر نے راجہ سے پوچھا۔

مہاراج۔پہلی بات تو یہ ہے کہ میں جو کچھ آپ سے پوچھوں آپ بالکل سچ سچ اور پوری تفصیل کے ساتھ مجھے بتائے گئے۔اس لئے کہ یہ آپ کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔اور میں ہر قیمت پر آپ کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں،آپ مجھ سے جو بات بھی پوچھیں گے میں صاف صاف بتاؤں گا عنبر۔

پہلی بات تو یہ بتایئے کہ یہ ملکہ آپ کو کہاں سے ملی تھی؟

پہلے تو راجہ نے حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھا کہ یہ اس نے کیسا گستاخی کا سوال پوچھ لیا ہے پھر جب اسے خیال آیا کہ عنبر اس کا خیر خواہ ہے اور یہ اس کی زندگی اور موت کو مسئلہ ہے تو اس نے کہا۔

قصہ یوں ہوا کہ ایک روز میں شکار کے لئے اکیلا جنگل میں گیا دو روز تک شکار کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا مگر کہیں شکار نہ ملا تھک ہار کر ایک درخت کے پاس بیٹھ گیا ابھی مجھے وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ مجھے کسی عورت کے رونے کی آواز سنائی دی میں بڑا حیران کہ اس سنسان جنگل میں یہ کون عورت ہے جو رو رہی ہے خیر میں رونے کی آواز کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا ایک جگہ تالاب کے کنارے جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک انتہائی خوبصورت عورت شہزادیوں کے لباس میں بیٹھی اپنے بال کھولے رو رہی ہے مجھے دیکھ کر وہ خاموش ہوگئی

میں نے قریب جا کر پوچھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے اس نے مجھے بتایا کہ وہ ملک چین کے ایک گورنر کی بیٹی ہے وہ اپنے باپ کے ساتھ یہاں سے گزر رہی تھی کہ ایک شیر اچانک آیا اور اس کے باپ کو اٹھا کر لے گیا، اب وہ اس دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے وہ کہاں جائے؟ کیا کرے؟ اور اس عورت نے پھر سے رونا شروع کر دیا میں نے اسے تسلی دی اور ترس کھا کر اسے اپنے ساتھ محل میں لے آیا۔ یہاں لا کر میں نے اس سے شادی کر لی اور اب وہ میری ملکہ ہے۔

عنبر نے ساری کہانی سنی تو کہا۔

کیا ملکہ نے کبھی آپ سے جنگل میں جانے کو کہا ہے۔

بالکل نہیں بلکہ وہ تو اکثر جنگل میں اکیلی ہی جایا کرتی ہے کیا آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ ملکہ ہمیشہ جنگل میں اکیلی کیوں جاتی ہے اس کی مرضی ہے میں نے اس پر پابندی لگانا کبھی گوارا نہیں کیا۔

اچھا تو پھر اب جس روز ملکہ جنگل میں اکیلی جائے تو آپ میرے ساتھ چلیں گے۔

وہ کس لئے۔

میں آپ کو ایک ایسا نظارہ دکھاؤں گا جسے دیکھ کر آپ حیران بھی ہوں گے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی بیماری کی اصل وجہ کیا ہے۔

ادھر عنبر راجہ سے باتیں کر رہا تھا اور ادھر دروازے کے ساتھ لگی ناگن ملکہ ان کی ساری گفتگو سن رہی تھی، اسے معلوم ہو چکا تھا کہ شاہی حکیم عنبر پر اس کا ناگن ہونے کا راز کھل گیا ہے اب دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں پہلی صورت یہ تھی ملکہ جنگل میں ناگ سے ملاقات کرنی بند کر دے دوسری صورت یہ تھی کہ عنبر کو ڈس کر ہلاک کر دیا جائے چونکہ ملکہ جنگل میں ناگ سے ملنا بند نہیں کر سکتی تھی اس لئے اس نے فیصلہ

کیا کہ عنبر کو کاٹ کر مار ڈالے۔

ملکہ کے جنگل میں جا کر ناگ سے ملنے اور بکری کا دودھ پینے میں ابھی چھ روز باقی تھے جنگل کا ناگ اس کا بھائی تھا رسم کے مطابق ضروری تھا کہ وہ ہفتے میں ایک بار ناگ بھائی سے ملاقات کر لے۔ ناگن ملکہ نے عنبر کو آدھی رات کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ادھر عنبر نے راجہ سے کہا کہ وہ چھ روز تک انتظار کرے ساتویں دن وہ اسے لے کر جنگل میں جائے گا اور اسے وہ تماشا دکھائے گا جسے دیکھ کر اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کی بیماری کی جڑ کیا ہے۔ اور اس کا علاج کیا ہے عنبر کا روز کا معمول تھا کہ وہ دن بھر کے کام کاج کے بعد رات کو دس بجے ضرور سو جاتا تھا اس نے ناگن ملکہ کی بات تھائیس کو بھی جا کر بتا دی تھی تھائیس بڑی حیران ہوئی، اس نے کہا کہ اسے ناگن ملکہ سے بچ کر رہنا چاہیے

عنبر نے کہا۔

وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی یوں لگتا ہے کہ اس کی موت کے دن قریب آ گئے ہیں اس نے بہت روز عیش کر لی اور ایک ایسے راجہ کو مار ڈالنے کوشش کر رہی ہے جس نے ترس کھا کر اسے اپنے شاہی محل میں جگہ دی ناگن احسان فراموش ہے اگر اسے سزا نہ دی گئی تو وہ راجہ کو اپنے زہر سے ہلاک کر دے گی۔

تھائیس نے کہا۔

مگر پھر بھی عنبر بھائی تمہیں ہوشیار رہنا چاہیے ناگن ملکہ بڑی مکار معلوم ہوتی ہے اگر اسے کسی طرح یہ بھنک بھی پڑ گئی کہ تم لوگ اس کے پیچھے لگے ہو تو وہ راجہ کو مار ڈالے گی۔

اس راز سے سوائے تمہارے اور کوئی واقف نہیں ہیں۔

پھر بھی دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔

میں نے سارا انتظام کرلیا ہے ساتویں روز ناگن ملکہ کا بھانڈا پھوڑ دیا جائے گا۔

اسی رات کا ذکر ہے کہ عنبر دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر رات کو اپنے محل کی چھت پر لیٹا آرام کرر ہا تھا کہ ناگن ملکہ سیاہ کالے ناگ کے روپ میں وہاں آگئی، عنبر کام کاج سے بہت تھکا ہوا تھا وہ مسہری پر لیٹا اونگھتے اونگھتے سو گیا۔ اس کا سونا تھا کہ ناگن ملکہ سانپ بن کر رینگتی ہوئی عنبر کی مسہری کے پاس آگئی، اس نے اچانک اپنا کالا پھن پھیلا لیا اور فرش سے چار فٹ اونچی ہو کر لہرانے اور پھنکارنے لگی، اس کی پھنکار سے عنبر کی آنکھ بالکل نہ کھل سکی، وہ گہری نیند سو رہا تھا ناگن اپنا خوفناک پھن پھیلائے لہراتی رہی پھر وہ ایک دم آگے کو جھکی اور اس نے عنبر کی گردن پر جھپٹا مار کر کاٹ دیا عنبر کی آنکھ کھل گئی اس نے سانپ کو دیکھ کر پہچان لیا اور سمجھ گیا کہ ناگن ملکہ اس سے انتقام

لینے آئی ہے مگر وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا اس نے ناگن کو اپنا کام کرنے کی کھلی چھٹی دے دی۔ ناگن نے دوسری بار پھر جھپٹ کر عنبر کی گردن پر کاٹ کھایا ناگن ملکہ کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا تھا جس کو وہ ایک بار کاٹ دیتی تھی اس کا بدن دیکھتے دیکھتے گل سڑ کر ختم ہو جاتا تھا اور سارا خون سیاہ ہو کر جم جاتا تھا مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ عنبر پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا، وہ اسی طرح لیٹا سانس لے رہا تھا ناگن نے جھنجھلا کر تین چار مرتبہ عنبر کو ڈسا مگر عنبر بڑے سکون سے سویا رہا اس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا ناگن نے سات مرتبہ ڈسا، اس کا سارا زہر ختم ہو گیا مگر عنبر کی میٹھی نیند میں معمولی سا بھی فرق نہ آیا۔ وہ پریشان ہو کر وہاں سے بھاگ گئی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عنبر آخر کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔ جس زہر سے جنگل کے سارے ہاتھی ہلاک ہو سکتے تھے اس نے عنبر کا کچھ بھی نہیں بگاڑا۔

مکڑے کا جال

ناگن ملکہ اسے ڈس کر چلی گئی تو عنبر مسکرا دیا۔

اگلے روز ملکہ نے عنبر کو دربار میں دیکھا تو اسے اور بھی حیرانی ہوئی کم بخت اس پر اس کے قاتل زہر کا اتنا اثر بھی نہیں ہوا تھا کہ کم از کم دو ایک روز اسے بخار ہی چڑھ جاتا۔ وہ تو بے حد چاق و چوبند راجہ سے گفتگو کر رہا تھا عنبر نے اتنی احتیاط ضرور کی کہ صبح اٹھ کر ایک خاص بوٹی کا عرق پی لیا اور راجہ سے رات والے واقعے کا کوئی ذکر نہ کیا تھا ئیں

کوالبتہ اس نے بتا دیا کہ رات ملکہ ناگن کے روپ میں آئی تھی اور اسے ساتھ مرتبہ ڈس کر اپنا سارا زہر اس پر ختم کر کے چل دی تھی، تھائیس نے حیرانی سے کہا۔

اس کا مطلب ہے کہ وہ تم سے ضرور بدلہ لے گی، مجھ سے کیا بدلہ لے گی تھائیس اس کے دن پورے ہو چکے ہیں وہ اپنی خیر منائے۔

ادھر مکار پجاری رتنا کر کو پندرھویں روز ہاتھی کے پاؤں تلے دبا کر مروانا تھا اس کی موت میں چودھ روز باقی رہ گئے تھے وہ جیل کی کوٹھڑی میں اکیلا پڑا رہتا تھا۔

کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہ تھی صرف ایک آدمی اس کے پاس صبح شام کھانا لے کر جاتا تھا۔ مگر مکار پجاری کا دماغ یونہی بے کار نہیں پڑا تھا وہ برابر وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا اس نے کھانا لے کر آنے والے پر اپنا اثر ڈالے کا فیصلہ کر لیا مکار پجاری کو

اتنا جادو ضرور آتا تھا کہ وہ اس معمولی سپاہی کو متاثر کر سکے ایک روز سپاہی حسب عادت پجاری کا کھانا لے کر آیا اور اس نے کہا۔

تمہاری زندگی بھی کیا ہے، صبح سے لے کر رات گئے تک راجہ کی فوج کی خدمت کرتے ہو اور اس کے صلے میں سوائے اس کے اور کیا ملتا ہے کہ کسی جنگ میں تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے اور کوئی تمہارے بال بچوں کو پوچھے گا بھی نہیں۔ مجھے تو تمہاری زندگی پر ترس آتا ہے تمہاری زندگی تو مجھ سے بھی بدتر ہے میں تو بارہ روز بعد مر جاؤں گا مگر تم ساری زندگی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے رہو گے۔

سپاہی نے آہ بھر کر کہا۔

پھر ہم غریب سپاہی اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ہمارے باپ دادا بھی اسی طرح تبت کے راجاؤں کی خدمت کرتے چلے آئے ہیں ہم بھی اسی طرح محنت کر کے مر جائیں گے۔

مگر کیا تم جانور ہو؟ کیا تم تبت کی بھیڑیں ہو؟ تم تو انسان ہو، ایک بہادر سپاہی ہو اگر تم نہ ہو تو راجہ کبھی حکومت نہیں چلا سکتا راجہ تمہاری طاقت کی وجہ سے حکومت کر رہا ہے تمہیں اپنی قدر پہچانی چاہیے۔

سپاہی بولا۔

ہم اپنی قدر جان کر بھی کیا کرلیں گے۔ بس کولہو کے بیل کی طرح چکر میں گھوم رہے ہیں۔ ساری زندگی اسی طرح گھومتے رہیں گے۔

پجاری نے دیکھا کہ اس نے سپاہی پر اثر ڈال دیا ہے تو کہنے لگا۔

نہیں بھائی۔ راجہ کو کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے وہ بھی ہم تم جیسا ایک عام آدمی ہے اگر وہ راجہ بن سکتا ہے تو تم بھی راجہ بن سکتے ہو میں بھی راجہ بن سکتا ہوں اور کچھ نہیں تو تم میرے وزیر بن سکتے ہو۔

مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم قید میں ہو۔ بارہ روز بعد تم کو مار ڈالا جائے گا پھر تم راجہ کیسے بن سکتے ہو؟

مکار پجاری نے ہنس کر کہا۔

یہ تو میں یوں ہی قید میں پڑا ہوں محض اپنے وزیر کی تلاش میں مجھے وزیر مل گیا ہے آج سے میرے وزیر تم ہو میں اعلان کرتا ہوں کہ راجہ بن کر تمہیں اپنے دربار کا وزیر بناؤں گا۔

اس کے ساتھ ہی پجاری نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اوپر اٹھایا تو اس کے منہ سے آگ کا شعلہ نکل کر چھت کی طرف جا کر غائب ہو گیا، یہ اس کا جادو تھا سپاہی بے چارہ ڈر کر پرے ہٹ گیا۔

پجاری نے کہا۔

ڈرو نہیں۔ یہ دیوتاؤں کی طرف سے اشارہ ہے کہ انہوں نے مجھ کو تبت کا نیا راجہ تسلیم کر لیا ہے اب تم پر فرض ہے کہ تم رات کو میری کوٹھڑی کا دروازہ کھلا رکھو کیونکہ تم میرے وزیر ہو اور وزیر کو راجہ کے ہر حکم ماننا پڑتا ہے۔

جوحکم مہاراج!

بے چارہ پہرے دار آگ دیکھ کر ڈر گیا تھا اور اس کے دل کو یقین آ گیا تھا کہ پجاری ہی اصل میں وہ راجہ ہے جسے دیوتاؤں نے اس کے ملک پر مقرر کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے وزیر ہونے پر بھی بہت خوش تھا۔

چنانچہ رات کو اس نے پجاری کی کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے بند نہ کیا۔ مکار پجاری اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔

آدھی رات کو وہ کوٹھڑی سے نکل کر باہر آ گیا جیل خانے کے صحن میں سارے سپاہی سو رہے تھے اس نے ایک سپاہی کی تلوار لے کر کمر کے ساتھ باندھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا اس استھان کی طرف آگیا جہاں تھائیس یعنی دیوداسی رہتی تھی پجاری تبت شہر سے بھاگنے سے پہلے تھائیس سے اپنی ذلت کا بدلہ ضرور لینا چاہتا تھا اس لئے کہ اسے

یقین تھا کہ وہ نقلی دیوداسی ہے اور یہ اس کی وجہ سے ہی اسے موت کی سزا بھی ملی تھی اور اس سے اس کا بڑے پجاری کا عہدہ بھی چھین لیا گیا تھا۔ دیوداسی کے استھان کے باہر اندھیرا تھا، پجاری گھوڑے سے اتر آیا۔ گھوڑا اس کے مکان سے ذرا دور ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ وہ دبے پاؤں دیوار کے سائے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ اس نے تھائیس کے مکان کی پچھلی دیوار پھاندی اور صحن کے اندر کود گیا۔ یہاں بھی چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ مگر پجاری کو ایک ایک راستے کا علم تھا وہ چوروں کی طرح چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ایک جگہ سیڑھیاں اوپر کو چلی گئی تھیں وہ سیڑھیوں پر سے ہو کر اوپر والے برج میں آ گیا یہاں سے لکڑی کا ایک زینہ اس درے میں جاتا تھا جہاں دیوداسی کے کمرے کا دروازہ تھا مگر پجاری دروازے میں سے اندر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ روشن دان میں سے اندر کودنا چاہتا تھا۔

وہ لکڑی کے زینے پر سے ہو کر اس دیوار کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جس کے اوپر روشن دان تھا پجاری نے رسہ پھینک کر روشن دان کے کنڈے میں پھنسا دیا اس نے رسے کو کھینچ کر دیکھا کہ مضبوطی سے اڑ گیا ہے؟ رسہ بڑی مضبوطی کے ساتھ کنڈے میں پھنس گیا تھا اب مکار پجاری نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ روشندان میں بیٹھ کر اس نے نیچے دیکھا۔ تھائیس بڑے سکون کے ساتھ مسہری پر سو رہی تھی اس کے سرہانے موم بتی جل رہی تھی خواب گاہ میں اور کوئی نہیں تھا۔

مکار پجاری نے رسہ اندر کی طرف لٹکا دیا اور دیوار کا سہارا لیتے ہوئے بڑے ہی آرام کے ساتھ نیچے اتر گیا تھائیس ایسی گہری نیند سو رہی تھی کہ اسے ذرا سا احساس بھی نہ ہوا کہ قاتل اس کے پاس کھڑا ہوا ہے۔ پجاری نے تھائیس کے چہرے کو غور سے دیکھا، اس کے پاس وقت بہت کم تھا ابھی اسے مورتی مندر میں جا کر مورتی کی آنکھوں سے دو

سرخ لعل بھی چوری کرنے تھے وہ یہ لعل ساتھ لے کر ملک چین کی
طرف فرار ہو جانا چاہتا تھا۔
یہ اتنے قیمتی لعل تھے کہ پجاری ساری زندگی ایک عالی شان محل میں
بادشاہوں کی طرح بسر کر سکتا تھا۔
پجاری نے آہستہ سے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا اور اسے نیام سے کھینچ
لیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ تھائیس کی زندگی کا آخری وقت آ گیا ہے
یہی وجہ تھی کہ اسے خبر ہی نہیں ہو رہی تھی کہ قاتل تلوار نکالے اس کے
سرہانے کھڑا تھا، تھائیس نے خواب میں گہرا سانس بھر کر سر کو دوسری
طرف ہلایا پجاری سمٹ کر پردے کے پیچھے ہو گیا۔ تھائیس پہلو بدل
کر پھر گہری نیند میں کھو گئی،
اب اس کا وقت آ گیا تھا موت نے اس کی زندگی کے دن پورے کر
دیئے تھے پجاری نے تیز تلوار اٹھا کر تھائیس کی گردن کے اوپر رکھی اور

پھر اس زور سے جھٹکا دیا کہ اس کی گردن کٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ اس کا سارا بستر خون سے بھر گیا، اس بے چاری نے آواز تک نہ نکالی اور مر گئی، پجاری جلدی سے روشن دان میں سے ہو کر باہر کود گیا۔ اس نے دیوداسی سے اپنا انتقام لے لیا تھا۔

اب صرف لعل کی چوری باقی تھی وہ گھوڑے پر سوار ہو کر تیز رفتاری کے ساتھ مورتی مندر میں آ گیا گھوڑے کو دور ایک درخت کے ساتھ باندھ کر وہ مندر میں داخل ہو گیا، اس کے لئے مندر کا چپہ چپہ جانا پہچانا تھا اس نے چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا اسے معلوم تھا کہ مورتی کی آنکھوں میں کدھر سے راستہ جاتا ہے دونوں سرخ لعل مورتی کی آنکھوں میں لگے تھے مورتی کے اندر داخل ہو کر وہ سیڑھیوں پر چڑھنے لگا جو مورتی کے بازوؤں کے اندر سے ہوتا ہوا اس کی گردن اور پھر آنکھوں کے پیچھے تک چلا گیا تھا۔

مکڑے کا جال

سیڑھیوں میں گھپ اندھیرا تھا، پجاری نے مشعل روشن کر کے ہاتھ میں پکڑ لی مشعل کی روشنی میں وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ راستے میں جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے بن رکھے تھے۔ یہ نازک نازک جالے تھے جنہیں پجاری اپنی تلوار سے کاٹتا چلا گیا، جب وہ سب سے اوپر مورتی کی آنکھوں کے پاس پہنچا تو اسے سرخ لعل چمکتے نظر آئے مکار پجاری کی آنکھوں میں دولت کی ہوس کی چمک پیدا ہوگئی۔ اس نے سب سے آخری زینے پر پاؤں رکھ کر ایک ہاتھ آگے بڑھایا اور لپک کر مورتی کی آنکھوں کے کناروں کو پکڑ کر اس پر چڑھ گیا اس نے باہر کی طرف جھانک کر دیکھا تو اس کا سر چکرا گیا مندر کے صحن کا چبوترہ چھوٹا سا نظر آرہا تھا وہ اس وقت مورتی کے سب سے اوپر آنکھوں کے کناروں پر کھڑا تھا اس نے مورتی کی آنکھوں میں سے لعل نوچنا شروع کر دیا۔ خنجر کی نوک سے مورتی کا چونا اترنے لگا۔

مکڑے کا جال

ابھی اس نے تیسری بار ہی مورتی کی آنکھوں میں خنجر مارا تھا کہ اس کا
پاؤں پھسل گیا اس نے مورتی کی آنکھ کے کناروں کو تھامنے کی بہت
کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا اور ایک چیخ کے ساتھ نیچے گرنے
لگا۔ ابھی وہ مورتی کے سینے کے پاس ہی پہنچا تھا کہ وہ مندر کے
خوفناک آدم خور مکڑے کے جال میں گر کر الجھ گیا۔ جال کو جھٹکا لگا تو
آدم خور مکڑا اپنے سوراخ سے باہر نکل آیا۔ اس کے جال میں شکار
پھنس چکا تھا پجاری اس کے جال میں الجھا ہوا تڑپ رہا تھا وہ
باہر نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ مگر جوں جوں وہ ہاتھ پاؤں
چلاتا وہ اور زیادہ مکڑے کے جال میں الجھتا جاتا اسکے جسم کی رگیں پھٹی
جا رہی تھی۔

مکڑے نے پجاری کی گردن پوری نہیں کھائی بلکہ آدھی کھا کر اور کچھ
کتر کر نیچے پھینک کر چھوڑ دی اگر وہ ساری گردن کھا جاتا تو کم از کم

مکڑے کا جال

پجاری مر جاتا اور اسے تکلیف سے نجات مل جاتی لیکن وہ زندہ تھا اور اب مکڑا اس کی پسلیوں پر سوار اس کے سینے کا گوشت کتر رہا تھا مکڑے کے دانت نیزوں کی طرح پجاری کو اپنے سینے میں لگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے آدم خور خوفناک مکڑے کو سینے پر سوار اپنی پسلیوں کا گوشت کھاتے دیکھ رہا تھا مگر اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ہاتھ اٹھا کر اسے پرے پھینک سکتا۔

مکڑا برابر اس کا گوشت کھا رہا تھا اس کا سینہ لہولہان ہو گیا اور اس کی پسلیاں نظر آنے لگیں۔ تین پسلیوں کے اوپر سے گوشت چٹ کرنے کے بعد مکڑا اب پجاری کے بازو کی طرف آ گیا اس نے اس کے دائیں بازو کو گولائی کی شکل میں کتر کر کاٹ دیا۔ دھپ سے پجاری کا کٹا ہوا بازو نیچے مندر کے فرش پر گر پڑا۔ بازو کے گرتے ہی اس پر لاکھوں کی تعداد میں سرخ چیونٹیوں نے حملہ کر دیا۔ جو پہلے ہی گوشت

اور خون کی بو پا کر وہاں موجود تھیں مکڑا اب دوسرے بازو کو کترتے ہوئے اس کا گوشت کھا رہا تھا تھوڑی دیر میں پجاری کا دوسرا بازو بھی کٹ کر نیچے گر پڑا۔ اس پر بھی لاکھوں چیونٹیاں چمٹ گئیں۔
اب شدت سے پجاری کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔ اس کا منہ اوپر سے پورا کھلا تھا مگر آواز بالکل نہ نکل رہی تھی وہ ایک شدید عذاب میں مبتلا تھا اب اس نے دیوتاؤں سے اپنی موت مانگنی شروع کر دی، مگر اسے موت بھی نہیں آ رہی تھی تائیں خوش قسمت تھی کہ اسے پتہ بھی نہ چلا اور وہ مر گئی۔ لیکن اس کے قاتل کو مکڑا شدید عذاب دے دے کر ہلاک کر رہا تھا پجاری کے دونوں بازو کتر کر نیچے گرانے کے بعد مکڑا اس کے چہرے پر رینگتا ہوا آ گیا اور اس نے اپنے تیز نوکیلے پنجے اس کے گالوں پر گاڑ کر اپنے نوکیلے دانتوں سے اس کی آنکھ کھرچنی شروع کر دی، پجاری کے بدن میں گویا سینکڑوں چھریاں چلنے لگیں۔ مکڑا

مکڑے کا جال

بڑے آرام سے اس کی آنکھ کھرچ رہا تھا آخر اس نے پجاری کا ڈیلا باہر نکال کر گلاب جامن کی طرح نیچے گرا دیا۔ ایک آنکھ پھوڑنے کے بعد مکڑا دوسری آنکھ کی طرف آ گیا اور نے پجاری کی دوسری آنکھ کھرچنی شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مکڑے نے پجاری کی دوسری آنکھ بھی نکال کر نیچے پھینک دی۔ نیچے لاکھوں کروڑوں بڑی بڑی جیونٹیاں جمع تھیں اور دھڑ ادھڑ پجاری کے گوشت کو چٹ کر رہی تھیں وہ اس کے بازوؤں کا سارا گوشت کھا چکی تھیں اب انہوں نے آن کی آن میں دونوں آنکھیں ہڑپ کر لیں اور اوپر دیکھنے لگیں کہ اب اوپر سے کیا گرتا ہے؟

مکڑے نے اب پجاری کی ایک ٹانگ کاٹ کر نیچے پھینک دی ٹانگ کا گرنا تھا کہ چیونٹیوں نے اس پر بھی ہلا بول دیا۔ وہ ساری کی ساری ٹانگ پر چمٹ گئیں اور جب تک دھپ سے دوسری ٹانگ نیچے گری

مکڑے کا جال

وہ پہلی ٹانگ کا گوشت کھا چکی تھی۔مکڑا پجاری کا پیٹ چاک کرنے کے لئے آگے بڑھا اس وقت تک پجاری درد کی شدت سے ہلاک ہو چکا تھا ساری رات مکڑا مکار پجاری کی لاش کو کتر کتر کر کچھ کھاتا اور کچھ نیچے چیونٹیوں کے لئے پھینکتا رہا جب صبح ہوئی تو مکڑا اپنے سوراخ میں واپس جا چکا تھا اور اس کے خون آلود جال میں پجاری کی چند ایک ہڈیاں لٹک رہی تھیں۔

دوسرے دن سارے شہر میں شور مچ گیا کہ کسی نے دیوداسی کو سوتے میں قتل کر دیا ہے اور پجاری کی لاش مورتی کے اوپر مکڑے کے جال میں لٹکی ہوئی ہے اس قتل کا سب سے زیادہ افسوس عنبر کو ہوا دیوداسی کی موت کا سارے شہر میں سوگ منایا گیا، پجاری کی بچی کھچی ہڈیوں کو جال میں سے نکال کر راجہ کے حکم سے کتوں کے آگے ڈال دیا گیا۔ دیوداسی کو پورے اہتمام کے ساتھ مندر کے صحن میں دفن کر دیا گیا۔

چار روز تک تھا ئیس آخر اس دنیا سے کنارا کر گئی لیکن اسے اس بات سے تسلی بھی ہوئی کہ قدرت نے اس کے قاتل پجاری سے بھی بدلہ لے لیا اور وہ ایک انتہائی تکلیف دہ موت مرا سات دنوں کے بعد سوگ ختم کر دیا گیا دیو داسی کی قبر پر سونے کا چبوترہ بنایا گیا سارے لوگ صبح شام اس کی پوجا کرتے عنبر نے سوچا کہ اگر تھا ئیں عام حالات میں مرتی تو اسے یہ عزت کبھی نہ ملتی پھر بھی اسے افسوس تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔

دوسری طرف راجہ کی بیماری بھی زیادہ خطرناک صورت اختیار کرنے لگی تھی ناگن ملکہ اب جلد سے جلد راجہ کو بھی اپنے زہر سے ہلاک کر دینا چاہتی تھی آخر وہ دن آ گیا جس روز ناگن ملکہ نے اپنے بھائی سیاہ ناگ سے ملنے جنگل میں جانا تھا ناگن ملکہ نے اس روز بڑی مکاری سے کام لیا۔ وہ ٹھیک وقت پر تیار ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور جنگل کی

طرف روانہ ہو گئی۔ عنبر اور راجہ نے بھی اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔
شہر سے باہر نکل کر وہ جنگل میں آ گئے۔

جب ناگن ملکہ چٹان کے قریب پہنچی تو گھوڑے پر سے اتری اور پتھر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی عنبر اور راجہ ایک درخت کے پیچھے چھپ کر یہ تماشہ دیکھنے لگے عنبر نے راجہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا مکار ملکہ نے گہرا سانس بھر کر اپنے ناگ کو ادھر آنے سے منع کر دیا ناگ بالکل نہ آیا۔ نہ ملکہ نے ناگن کا روپ بدلا۔ اس کی بجائے وہ ہاتھ اٹھا کر دیوتاؤں سے دعا مانگنے لگی کہ اے دیوتاؤں میرے راجہ کو بیماری سے دور کرو۔

دعا مانگ کر وہ اٹھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس محل کی طرف چلی گئی اس کا تیر نشانے پر بیٹھا تھا، راجہ نے عنبر سے کہا کہ وہ جھوٹ بولتا تھا کہ ملکہ ناگن ہے بلکہ وہ تو اس کی وفادار بیوی ہے کہ بے چاری راتوں کو

مکڑے کا جال

جنگل میں آکر اس کی صحت کی دعائیں مانگتی ہے۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا وہ سمجھ گیا تھا کہ ملکہ نے مکاری سے کام لیا ہے۔

وہ کسی مناسب وقت کا انتظام کرنے لگا۔

خوفناک چال

راجہ کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا کہ عنبر نے اس ملکہ پر ناگن ہونے کو شک کیا تھا۔

اس نے عنبر کی سرزنش کی اور کہا کہ آئندہ وہ اس کی چہیتی ملکہ کو ناگن نہ کہے عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، کوئی ثبوت بھی نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ خاموش رہے اس دوران میں راجہ کی بیماری بڑھتی گئی اس کے جسم میں خون زہر بنتا چلا گیا۔ آخر وہ بستر پر پڑ گیا اس کی آنکھوں کے گرد حلقے زیادہ گہرے ہو گئے اسے بھوک بھی لگنی کم ہو گئی

مہارانی کو بے حد فکر ہوا اس نے عنبر سے مشورہ کیا اس نے ملکہ کے بارے میں رانی کو سب کچھ بتا دیا تھا مہارانی کو یقین تھا کہ عنبر سچ کہتا ہے اور ملکہ سچ مچ کی ناگن ہے لیکن سوال وہی ثبوت کا تھا ان کے پاس ملکہ کو ناگن ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا مہارانی نے کہا۔

تو کیا ہم راجہ کو ناگن کا شکار ہونے دیں؟ نہیں ہرگز نہیں ہوسکتا میں اپنے جیون ساتھی اور سلطنت کے مالک کو مرنے نہیں دوں گی دیوتاؤں کے لئے اسے اس منحوس ناگن سے بچاؤ۔

عنبر نے کہا۔

مصیبت یہ ہے کہ ناگن ملکہ صرف پگھلے ہوئے سیسے میں ہی جل کر مر سکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی راجہ کا اعتماد حاصل کرنا ضروری ہے۔

تو پھر کوئی ترکیب سوچو بھائی میں راجہ کو اس طرح سسک سسک کر مرتے نہیں دیکھ سکتی۔

مہارانی آپ فکر نہ کریں میں کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور ڈھونڈ لوں گا، اتنا آپ کو کہے دیتا ہوں، کہ آپ کا راجہ مرتا نہیں۔ مرے گی یہ ناگن ہی اگر آج وہ کامیاب ہوگئی ہے تو کل وہ ضرور شکست کھا جائے گی۔

عنبر صبح شام ترکیبیں سوچنے لگا جس سے وہ راجہ پر یہ ثابت کر سکے کہ ملکہ ناگن ہے راجہ زیادہ بیمار ہو گیا تھا ناگن ملکہ منہ رکھنے کے لئے راجہ کی بڑی خدمت کر رہی تھی وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس کی سب سے وفادار اور خدمت گذار ملکہ ہے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ راجہ کے خون میں اپنا زہر شامل کر رہی تھی۔ اور اسے ہلاک کر رہی تھی۔ ساری ساری رات عنبر حکمت اور طب کی کتابیں پڑھتا رہتا وہ کوئی ایسا نسخہ تلاش کر رہا تھا جس کی مدد سے وہ ناگن ملکہ کو ہلاک کر سکے اور راجہ کو قائل کر سکے کہ ملکہ ناگن ہے انسان نہیں۔

راجہ بڑا کمزور ہو گیا تھا، وہ اندر ہی اندر گھل رہا تھا، اس کی ہڈیاں نکلنا

شروع ہوگئی تھیں سوائے دودھ کے وہ کچھ بھی نہیں پی سکتا تھا مہارانی کا غم کے مارے برا حال ہو رہا تھا وہ بار بار عنبر کو کہلوا بھیجتی کہ راجہ کو بچانے کے لئے کچھ کرو۔ آخر ایک رات عنبر کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی وہ خوشی سے اٹھ کر سیدھا مہارانی کے پاس آیا بولا۔

مہارانی مجھے طریقہ مل گیا ہے طریقہ مل گیا ہے۔

کون سا؟ کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو۔

بس یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔

وہ وہاں سے سیدھا راجہ کے پاس پہنچا اور اس نے اسے جا کر کہا۔

مہاراج۔ آپ کی بیماری کا علاج مل گیا ہے

وہ کیا ہے دیوتاؤں کے لئے جلدی کرو میرا تو دم نکلا جا رہا ہے ایسے لگ رہا ہے جیسے کوئی اندر سے ہولے ہولے جان ختم کر رہا ہے۔

عنبر نے کہا۔

مہاراج۔ میں صرف آپ کی اور مہارانی کی زندگی کی خاطر آخری بار آپ سے عرض کروں گا کہ جس طرح میں کہوں ویسے ہی عمل کریں۔

میں ویسے ہی کروں گا۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟

عنبر نے کہا۔

میں آپ کو ایک دوائی دوں گا یہ دوائی آپ نے خود بھی پینی ہو گی اور ملکہ کو بھی پلانی ہو گی۔

راجہ نے حیرانی سے کہا۔

ملکہ کو کس لئے پلانی ہو گی؟ بیمار تو میں ہوں ملکہ تو بیمار نہیں ہے پھر اس کو دوائی کی کیا ضرورت ہے؟

عنبر نے گذارش کی۔

مہاراج۔ دیوتاؤں کے لئے میری بات میں دخل نہ دیں میں جو کچھ کہہ رہا ہوں برائے مہربانی اس پر عمل کریں اس میں آپ کی زندگی

اور آپ کی موت کا راز ہے اگر آپ نے اعتراض کرنا اور نکتہ چینی کرنی شروع کر دی تو آپ صحت یاب نہ ہو سکیں گے اور مجھے ڈر ہے کہ آپ کی زندگی بھی پھر تھوڑی ہی رہ جائے گی۔

راجہ نے کہا۔

کیا تم نے پھر میری ملکہ پر شک کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ ناگن ہے ؟عنبر! میں نے تمہیں کئی بار منع کیا تھا کہ وہ ناگن نہیں ہے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو کہ وہ ناگن نہیں بلکہ میری وفادار بیوی ہے۔

عنبر بولا۔

مہاراج میں آخری بار آپ سے کہوں گا کہ اگر آپ نے میری باتوں پر عمل نہ کیا تو ایک مہینے کے اندر اندر آپ مر جائیں گے اور آپ کو کوئی نہ بچا سکے گا۔

راجہ موت کے خیال سے کانپ گیا۔ اسے زندگی اور اپنی سلطنت اور

تخت و تاج سے بڑا پیارا تھا اس کو جب عنبر نے موت سامنے دکھا دی اور کہا کہ وہ ایک مہینے کے اندر اندر مر جائے گا تو وہ سہم گیا اور بولا۔ نہیں، نہیں۔ عنبر! میں ابھی مرنا نہیں چاہتا تم مجھے جس طرح کہو گے میں اسی پر عمل کروں گا تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو

عنبر نے کہا۔

میں آج آپ کو ایک عرق دوں گا، رات کو سونے سے پہلے آپ اس کی ایک خوراک پانی میں ملا کر خود پی لیں اور ایک خوراک پانی میں ملا کر ملکہ کو پلا دیں، مگر اس بات کا خیال رہے کہ ملکہ کو علم نہ ہو آپ دوائی پینے کے بعد یہ گولی چھپ کر منہ میں رکھ لیں۔ لیکن ملکہ کو یہ گولی بالکل نہیں دکھانی۔ ملکہ پر یہی ظاہر کرنا ہے کہ آپ سو رہے ہیں لیکن آپ نے جاگ کر چپکے سے یہ دیکھنا ہے کہ ملکہ پھر کیا کرتی ہے، جو کچھ آپ رات کو دیکھیں صبح مجھے بتا دیجیے گا اس کے بعد آپ کا علاج شروع ہو

گا۔

راجہ نے کہا۔

تو کیا میں ملکہ کو بالکل نہ بتاؤں کہ اسے دوائی ملا کر پانی پلا رہا ہوں؟

بالکل نہیں بتانا مہاراج۔نہیں تو آپ زندہ نہ بچ سکیں گے۔

راجہ نے وعدہ کرلیا کہ وہ ملکہ سے ہر بات چھپائے گا چنانچہ رات کو ملکہ اور راجہ خواب گاہ میں آ گئے ،راجہ بستر پر بیمار پڑا تھا اور ملکہ اس کا سر دبا رہی تھی عنبر نے اس پانی کی صراحی میں سوراخ کر دیا تھا جو ملکہ اور راجہ کے کمرے کے اندر رکھی جاتی تھی ملکہ کی آنکھ بچا کر راجہ نے ملکہ کے پانی کے گلاس میں دوائی ملا دی۔ایک گلاس میں دوائی ملا کر خود پی لی۔اس کے بعد راجہ نے عنبر کی دی ہوئی گولی منہ میں رکھ لی اس بات کا ملکہ کو کچھ علم نہ ہو سکا۔اس کے بعد راجہ نے جھوٹ موٹ یہ ظاہر کیا کہ وہ سو گیا ہے۔

وہ جان بوجھ کر عنبر کی ہدایت کے مطابق خراٹے لینے لگا ملکہ کو بھی نیند آنے لگی تھی، وہ بھی اپنی مسہری پر سوگئی

عنبر نے جو دوائی راجہ اور ملکہ کو پلائی تھی اس کا اثر یہ تھا کہ وہ پیاس بہت لگاتی تھی راجہ کو تو عنبر نے گولی کھلا دی تھی جس کی وجہ سے پیاس نہیں لگتی تھی لیکن ملکہ نے گولی نہیں کھائی تھی اس نے صرف دوائی ہی کھائی تھی چنانچہ آدھی رات کو ملکہ کو سخت پیاس لگی وہ مسہری پر سے اٹھی اور اس نے گلاس لے کر صراحی میں سے پانی انڈیلنا چاہا مگر صراحی میں عنبر نے پہلے ہی سے سوراخ کر دیا تھا جس کی وجہ سے سارا پانی بہہ گیا تھا اور صراحی خالی ہوگئی تھی۔ باہر سے عنبر نے دروازے پر تالا لگا دیا تھا ملکہ نے جب دیکھا صراحی میں پانی بالکل نہیں ہے تو وہ بڑی پریشان ہوئی باہر سے دروازہ بھی بند تھا۔

پیاس کی وجہ سے اس کا گلا خشک ہونے لگا۔ ایسی شدت کی پیاس لگی

مکڑے کا جال

جیسے وہ صحرا کی دھوپ میں سفر کر رہی ہو وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی اور سوچنے لگی کہ پانی کہاں سے پئے راجہ چوری آنکھ سے اس کی ساری بے چینی دیکھ رہا تھا مگر ظاہر یہی کر رہا تھا کہ وہ سو رہا ہے ملکہ پیاس کے مارے تڑپنے لگی۔ آخر اس کے دماغ میں ایک ہی ترکیب آئی کہ وہ سانپ بن کر نالی کے راستے باہر جائے اور باہر سے پانی پی کر پھر اندر آ کر ملکہ بن کر لیٹ جائے۔ اس نے آگے بڑھ کر راجہ کو غور سے دیکھا، راجہ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور زور زور سے خراٹے لینے لگا۔

جب ملکہ کو یقین ہو گیا کہ راجہ گہری نیند سو رہا ہے تو وہ کمرے کے درمیان میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اس نے گہرا سانس بھرا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے آنکھیں بند کر لیں پلک جھپکنے میں وہ ملکہ سے ناگن بن گئی، راجہ ایک آنکھ کھولے یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا اس

نے جب ملکہ کو ناگن بنتے دیکھا تو لیٹا لیٹا کانپ کر رہ گیا، تو عنبر ٹھیک کہتا تھا کہ ملکہ ناگن ہے اس کے سامنے اس کی ملکہ ناگن یعنی سانپ بنی اور فرش پر رینگتے ہوئے کمرے کی نالی میں سے باہر نکل گئی۔ راجہ کو معلوم تھا کہ وہ پانی پینے باہر گئی ہے وہ لیٹے لیٹے ملکہ کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا۔

باہر آ کر ناگن نے باغ کی طرف چلنا شروع کر دیا باغ میں ایک چھوٹا سا پانی کا چوبچہ تھا جہاں سے لوگ پانی وغیرہ لیتے تھے، ناگن نے اس سے پانی پیا اور واپس اپنے کمرے کی طرف چل پڑی محل میں کسی کو معلوم نہ تھا کہ ان کی ملکہ اس وقت سانپ بنی باغ سے رینگتی ہوئی محل کی طرف جا رہی ہے۔ کمرے کے باہر آ کر وہ اس نالی میں داخل ہو گئی جو اندر جاتی تھی۔

اندر مسہری پر راجہ ایک آنکھ کھولے غور سے نالی کی طرف دیکھ رہا تھا

اچانک نالی میں سانپ کا منہ نمودار ہوا پھر سانپ نالی میں سے رینگتا ہوا اندر آ گیا اور کمرے کے فرش پر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ راجہ یہ سب کچھ دیکھتا رہا پھر اچانک سانپ کی جگہ ملکہ نمودار ہو گئی ملکہ آہستہ سے فرش پر سے اٹھی اس نے راجہ کے پلنگ کے پاس آ کر اس پر جھک کر غور سے دیکھا کہ کیا وہ سو رہا ہے؟ راجہ جھوٹ موٹ کے خراٹے لے رہا تھا جب ملکہ کو اطمینان ہو گیا کہ راجہ کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ سانپ بن کر پانی پینے نالی کے راستے باہر گئی تھی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا پانی پی کر اس کی طبیعت بحال ہو گئی تھی چنانچہ وہ اپنے پلنگ پر جا کر بڑے سکون کے ساتھ لیٹ گئی۔

راجہ کو تو پھر ساری رات نیند نہ آ سکی وہ یہی سوچتا رہا کہ اس نے ایک سانپ سے شادی کر رکھی تھی؟ تو کیا ملکہ ناگن تھی؟ کیا یہی اس کی بیماری کی اصل وجہ تھی؟

عنبر بالکل سچا تھا،اس نے تو پہلے روز ہی کہہ دیا تھا کہ ملکہ ناگن ہے۔
اوراس کا زہر راجہ کے جسم میں پھیلنے لگا ہے راجہ کے دل میں عنبر کی قدر
بڑھ گئی اوراسے پلنگ سے خوف آنے لگا۔جس پر ملکہ لیٹی ہوئی تھی
راجہ سوچنے لگا کہ اس ملکہ سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔؟ پھر اس
نے سوچا کہ اس کا طریقہ بھی عنبر ہی نکالے گا۔باقی ساری رات راجہ
نے آنکھوں ہی میں کاٹ دی دہشت کی وجہ سے اسے بالکل نیند نہ آ
سکی کسی وقت اسے یوں محسوس ہوتا کہ ابھی ملکہ سانپ بن کر اس کے
بستر پر آئے گی اوراسے کاٹ کر ہلاک کر دے گی،کبھی وہ ادھ کھلی آنکھ
سے ملکہ کے پلنگ پر تکنے کی کوشش کرتا کہ وہ ناگن تو نہیں بن گئی؟اسی
ادھیڑ بن میں رات گزر گئی۔

عنبر شاہی محل میں راجہ کا انتظار کر رہا تھا۔جب ملکہ غسل کرنے اور بناؤ
سنگار کرنے کے لئے چلی گئی تو عنبر راجہ کی خواب گاہ میں داخل ہوا راجہ

پر دہشت طاری تھی عنبر نے رات کی داستان پوچھی کہ کیا ہوا راجہ نے بتایا کہ اس کی ملکہ ناگن ہے وہ سانپ بن کر کمرے کی نالی سے باہر گئی اور پانی پی کر پھر واپس آ گئی عنبر نے مسکرا کر کہا۔

میں رات کو باہر پانی کے چو بچے پر موجود تھا، میں نے خود اسے پانی پیتے دیکھا ہے۔

راجہ نے کہا۔

دیوتاؤں کے لئے مجھے اس ناگن سے بچاؤ، یہ تو مجھے مار کر ہی دم لے گی۔

عنبر نے مہارانی کو بھی وہیں بلا لیا اور راجہ نے اسے بھی ساری کہانی سنائی اور کہا کہ ملکہ ناگن ہے راجہ نے کہا اسے ابھی تلوار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔

عنبر نے کہا۔

اسے راجہ، یہ ناگن تلوار سے نہیں مرے گی یہ پھر سے زندہ ہو جائے گی

راجہ نے پوچھا۔

پھر اس بلا سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے؟

اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ شہر سے باہر ایک بہت بڑا گڑھا کھدوایا جائے اس گڑھے میں ملکہ کو دھکا دے کر گرا دیا جائے اور اوپر سے اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا جائے۔

میں آج ہی حکم دیتا ہوں کہ شہر سے باہر ایک گڑھا کھودا جائے۔

مہارانی نے کہا۔

کہ ملکہ کو شک نہیں پڑے گا کہ آخر یہ گڑھا کس لئے کھودا جا رہا ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

ہم یہ مشہور کر دیں گے کہ راجہ شہر سے باہر ایک نئے مندر کی بنیاد رکھنا چاہتے ہے چنانچہ جب گڑھا کھد کر تیار ہو جائے تو راجہ رسم ادا کرنے

مکڑے کا جال

ملکہ کے ساتھ آئے تانبا اس کے لئے پاس ہی پگھلنے کے لئے رکھ دیا جائے گا کہ مندر کی بنیادوں میں بھرا جائے گا۔

راجہ کو عنبر کی یہ ترکیب پسند آئی۔

راجہ نے اسی روز حکم دے دیا کہ چونکہ وہ بیمار ہے اور اس کی بیماری لمبی ہو رہی ہے اس لئے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے وہ شہر سے باہر ایک نئے مندر کی بنیاد رکھے گا فوراً مزدوروں نے کام شروع کر دیا۔

ایک ہفتے کی شب و روز محنت کے بعد کافی گہرا گڑھا کھود ڈالا گیا گڑھے کے پاس ہی ایک بہت بڑے کڑھاؤ میں تانبا پگھلنے کے لئے رکھ دیا گیا اس کے نیچے ایک ہفتہ آگ جلتی رہی اور وہ آٹھویں روز پگھل کر پانی کی طرح ہو گیا اور ابلنے لگا۔

اب ہر ایک شے تیار تھی۔ راجہ نے اعلان کیا کہ مندر کی بنیادوں میں تانبا بھرنے کی رسم شام کو ادا کی جائے گی شام کے وقت راجہ سواری

میں اپنی ملکہ اور مہارانی کے ساتھ بیٹھ کر گڑھے کے پاس آ گیا اس بات کا خاص طور پر اعلان کر دیا گیا تھا کہ نجومیوں کے کہنے کے مطابق یہ رسم راجہ اکیلے ہی ادا کرے گا چنانچہ وہاں آنے کی کسی کو اجازت نہیں ہو گی۔ ٹھیک شام کے وقت راجہ عنبر، مہارانی اور ملکہ کے ساتھ گڑھے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے گڑھے میں جھانک کر دیکھا یہ ایک گہرا کنواں سا بنا ہوا تھا اسکے کنارے پر ایک کڑھاؤ میں پگھلا ہوا تانبا کھول رہا تھا۔ مہارانی نے راجہ کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر کہا۔

مہاراج۔ مندر کی بنیاد رکھنے کی رسم ادا کی جائے

راجہ نے کہا۔

مہارانی۔ تم کو یہ بات اگر چہ بری لگے گی مگر میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے اپنی تمام رانیوں میں سے اپنی ملکہ سے بے حد پیار ہے اور

میں چاہتا ہوں کہ اس مقدس مندر کی بنیاد میری چہیتی ملکہ کے ہاتھوں پڑے چنانچہ میں اعلان کرتا ہوں کہ مندر کی رسم میری ملکہ ادا کرے گی
عنبر نے کہا۔ اے راجہ۔ میری گزارش ہے کہ مندر کی رسم آپ خود ادا کریں کیوں کہ شروع سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ نئے مندروں کی بنیاد ہمیشہ راجاؤں نے خود رکھی ہے۔
عنبر دراصل ملکہ کو پکا کرنا چاہتا تھا یہی ہوا جس کا عنبر کو شبہ تھا ملکہ عنبر کی اس بات پر غصے میں آ گئی اور بولی۔ تم کون ہوتے ہو شاہی معاملات میں دخل دینے والے؟ جب راجہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مندر کی رسم اس کی ملکہ کے ہاتھوں ادا ہو گی تو پھر اس میں کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ راجہ نے اپنے گلے سے پھولوں کی مالا اتار کر اپنی ناگن ملکہ کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا۔
ملکہ ٹھیک کہتی ہے عنبر! ہمارے فیصلے پر اعتراض کرنے کی کسی کو جرات

نہیں ہو سکتی، یہ رسم ہماری ملکہ ہی ادا کرے گی۔ عنبر نے جھک کر کہا۔

جو حکم مہاراج۔

اس پر مہارانی نے سوچی سمجھی سکیم کے مطابق روتے ہوئے کہا۔

کیا مہاراج کو اب مجھ سے اتنا سا بھی لگاؤ نہیں رہا کہ وہ اس مندر کی رسم میرے ہاتھوں ادا کرائیں؟ کیا میں ان کے دل سے بالکل ہی اتر گئی ہوں؟ ناگن ملکہ نے تنک کر کہا۔

کبھی تم نے اپنی شکل پر بھی غور کیا ہے؟ تو اب بوڑھی ہوگئی ہے تیرا کوئی کام نہیں کہ تو سلطنت کے کاموں میں دخل دے اب سلطنت پر میرا حق ہے میں راجہ کی چہیتی ملکہ ہوں اور مندر کی رسم میں ہی ادا کروں گی کیوں مہاراج؟ ہاں ملکہ، یہ رسم تمہارے ہاتھوں سے ہی ادا ہو گی عنبر رسم شروع کی جائے۔

جو حکم مہاراج۔

ہمالہ کا ناگ پھنی

عنبر نے پھولوں کی ٹوکری ملکہ کے ہاتھوں میں دے کر کہا
اے ملکہ ان پھولوں کو گڑھے میں گرادیں۔
ملکہ ناگن کو ایک لمحے کے لئے بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ یہ سب کچھ
اس کو پھانسنے کے لئے کیا جارہا ہے وہ اس پر ہی بہت خوش تھی کہ راجہ
مہارانی کی بجائے اس کے ہاتھوں مندر کی رسم ادا کروا رہا ہے اس
نے پھولوں کی ٹوکری دونوں ہاتھوں میں تھامی اور گڑھے کے کنارے
پر آکر کھڑی ہوگئی عنبر اس کے پاس ہی کھڑا تھا وہ اسی لمحے کا منتظر تھا

مکڑے کا جال

جونہی ناگن ملکہ نے جھک کر پھولوں کی ٹوکری گڑھے میں پھینکی عنبر نے دونوں ہاتھوں سے ملکہ کو گڑھے میں دھکا دے دیا ایک چیخ کی آواز کے ساتھ ناگن ملکہ گہرے اندھے گڑھے میں گر پڑی عنبر نے ایک پل ضائع کئے بغیر کھولتے ہوئے تانبے کے کڑھاؤ کے نیچے سے اینٹیں کھسکا دیں جس سے کڑھاؤ کا جھکاؤ گڑھے کی طرف ہو گیا اور سارے کا سارا کھولتا ہوا پگھلتا ہوا تانبا نیچے گڑھے میں بہہ گیا نیچے سے ملکہ کی ایک اور چیخ کی بھیانک آواز آئی اور پھر ایک آواز آئی جیسے کوئی بہت بڑا اژدھا پھنکاریں مار رہا ہو۔

عنبر اور راجہ نے جھک کر دیکھا کہ ملکہ سانپ کے روپ میں پگھلے ہوئے تانبے میں پتھر بن چکی تھی مہارانی بھی یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی گڑھے میں ملکہ کی جگہ ایک سانپ تھا جو کھولتے ہوئے تانبے میں سبز رنگ کا پتھر بنا ہوا تھا۔

عنبر نے کہا۔
مہاراج! اب یہ ناگن ہمیشہ کے لئے مر چکی ہے اب یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور آپ ایک ہفتے کے اندر اندر اچھے ہو جائیں گے۔
راجہ نے اور مہارانی نے عنبر کا شکریہ ادا کیا کہ محض اس کی عقل مندی کی وجہ سے راجہ کی جان بچ گئی وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس آ گئے اور مزدوروں کو حکم دیا گیا کہ گڑھے کو پر کر دیں مہارانی راجہ اور عنبر محل میں آ گئے۔
انہیں بالکل خبر نہیں تھی کہ ٹھیک اس وقت جب کہ ناگن ملکہ کی چیخ بلند ہوئی تھی تو شہر سے دور جنگل میں کھوہ کے اندر لیٹے ہوئے سانپ نے اپنا پھن اوپر اٹھا لیا تھا اس نے اپنی ناگن کی چیخ کی آواز سن لی تھی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی ناگن کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنی کھوہ سے باہر نکلا اور شاہی محل کی طرف چل پڑا وہ اپنی ناگن کی بو پاتا ہوا

اس مقام پر آ گیا جہاں اس کی ناگن کو گڑھے میں دفن کر دیا گیا تھا ناگ بڑی بے چینی کے ساتھ گڑھے کے اردگرد چکر لگانے لگا وہ رات بھر اس گڑھے کے گرد چکر لگا تا رہا دن نکلا تو وہ قریب کی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

اصل میں یہ ہمالہ کا ناگ پھنی تھا۔ اس کو زندہ رہتے ہوئے دو سو سال ابھی نہیں گزرے تھے دو سو برس ہونے میں ابھی ایک سال باقی تھا ایک سال کے بعد اس کے اندر بھی وہ طاقت پیدا ہونے والی تھی کہ وہ جب اور جس وقت چاہے آدمی کی شکل اختیار کر لے لیکن اس سے پہلے وہ چونکہ عنبر نے ناگن کو دھکا دیا تھا، اس لئے اس کے کپڑوں کے ساتھ ناگن کی بو لگ گئی تھی ناگ پھنی اس بو کے پیچھے پیچھے میدان میں سے گزرتا ہوا شاہی محل کی طرف آ گیا۔

اتنی دیر زندہ رہنے کے بعد ناگ پھنی کی عقل بہت تیز ہو گئی تھی اس

نے سوچا کہ اگر کسی نے اسے محض سانپ سمجھ کر ہلاک کر دیا تو اس کی اتنے برسوں کی محنت خاک میں مل جائے گی اور اس کا سانپ سے انسان بننے کا خواب ادھورا رہ جائے گا اس لئے وہ بڑی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا شاہی محل کو جانے والے ایک نالے میں سے ہوتا ہوا وہ اس باغ میں پہنچ گیا جس کے اندر عنبر کا گھر تھا یہاں سے ناگ پھنی کو اپنی ناگن کی بو بڑی تیز محسوس ہو رہی تھی وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی ناگن کا قاتل اسی مکان میں رہتا ہے ناگ پھنی باغ کے ایک درخت تلے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا اور رات کے اندھیروں کے پھیلنے کا انتظار کرنے لگا۔

اب رات کافی گہری ہو گئی تھی۔

محل کے سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ صرف پہرے دار ہی جاگ کر محل کی سیڑھیوں اور

دروازوں پر پہرہ دے رہے تھے راجہ بھی سو رہا تھا مہارانی بھی اس کی
تیمارداری کرنے کے بعد گہری نیند سو چکی تھی عنبر ابھی ابھی سویا تھا
ناگ پھنی سانپ محل کی دیوار پر سے رینگتا ہوا اندر صحن میں داخل ہو گیا
اسے عنبر کے کمرے تک پہنچنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہوئی کیونکہ وہ اپنی
ناگن کی بو پر تعاقب کرتا ہوا چلا جا رہا تھا جو عنبر کے جسم کے ساتھ لگی تھی
کیونکہ اس نے اسے گڑھے میں دونوں ہاتھ لگا کر دھکا دیا تھا، سانپ
عنبر کے بند کمرے کے باہر ادھر اُدھر چکر لگانے لگا۔

اسے اندر جانے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا آخر اسے وہ نالی
نظر آ گئی جو عنبر کے کمرے کے اندر جا رہی تھی سانپ پہرے دار کی نظر
بچا کر اس نالی کے ذریعے کمرے کے اندر داخل ہو گیا کمرے میں ہر
شے بڑے قرینے سے لگی تھی دیوار پر ریشمی پردے لگے تھے اندر ناگن
کی بو بڑی تیز تھی اور یہ بو اس پلنگ پر سے آ رہی تھی جس پر عنبر سویا ہوا

تھا۔ سانپ کمرے کے قالین پر رینگتا ہوا عنبر کی مسہری کے پاس پہنچ گیا اس نے سرہانے کی طرف جا کر اپنا خوف ناک پھن پھلا دیا اور سوئے ہوئے عنبر کے چہرے کو پھنکار مار کر دیکھا۔

عنبر کے جسم سے ناگن کی بو کے بھبھکے اٹھ رہے تھے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اسی شخص نے اس کی ناگن کو ہلاک کیا ہے ناگ پھنی نے زبان نکال کر زور سے پھنکار ماری۔ اس کی پھنکار کی آواز کے ساتھ ہی عنبر کی آنکھ کھل گئی اس نے اپنے چہرے پر اسی ناگ کو پھن پھیلائے جھکے ہوئے دیکھا جو جنگل میں بکری کے اوپر سوار ہو کر آیا تھا اور ناگن ملکہ کے ساتھ مل کر کھیلا کرتا تھا عنبر صاف سمجھ گیا کہ اس کے جسم سے ناگن کی جو بو آ رہی ہے ناگ اسی کی تلاش میں اس سے ناگن کے قتل کا بدلہ لینے آیا ہے اس نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی وہ سانپ کے ڈسنے کا انتظار کرنے لگا وہ تھوڑی آنکھیں کھول کر دیکھ رہا ہے

اس نے جھک کر عنبر کی گردن پر ڈس دیا ایک بار ڈس کر وہ پیچھے ہٹا اور دوسری بار پھر ڈس دیا جب تیسری بار ناگ نے عنبر کو ڈسا تو اس نے ہاتھ کا جھپٹا مار کر ناگ پھنی کو گردن سے دبوچ لیا۔

ناگ پھنی کو انسان کا روپ بدلنے میں چونکہ پانچ چھ مہینے کا عرصہ رہ گیا تھا اس لئے اس کے اندر انسان کی عقل آ گئی تھی وہ انسان کی گفتگو کو بھی سمجھنے لگا تھا، عنبر کو یہ معلوم تھا کہ یہ ناگ پھنی بے حد بوڑھا ہے مگر اسے اس کا علم نہیں تھا کہ وہ بھی انسان کا روپ دھار سکتا ہے یا نہیں۔

عنبر نے سانپ کی گردن پکڑ کر کہا۔

میں جانتا ہوں تم اپنی ناگن کا بدلہ لینے آئے ہو، مگر تم غلط آدمی کے پاس آئے ہو، اب جب کہ تم مجھے تین بار ڈس چکے ہو اور اپنا مہلک زہر میرے خون کے اندر شامل کر چکے ہو تو تمہیں علم ہو گیا ہوگا کہ مر نہیں سکتا، وگرنہ تمہارے زہر نے اب تک میرے جسم کو نیلا کر کے

مردہ بنادیا ہوتا۔

سانپ نے عنبر کی آواز سن لی تھی اور وہ واقعی حیران تھا کہ عنبر پر اس کے زہر کا کوئی اثر کیوں نہیں ہوا پچھلے دنوں اس نے جنگل میں ایک آدمی کو کاٹا تھا تو وہ اس کے کاٹنے کے فوراً بعد دھڑام کر کے زمین پر گر پڑا تھا اور اس کے سارے جسم سے نیلے رنگ کا خون جاری ہو گیا تھا اور وہ مر کر پتھر ہو گیا تھا لیکن عنبر کو اس نے تین بار ڈسا تھا لیکن اس پر اس کے زہر کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوا تھا کہ وہ کبھی نہیں مر سکتا تو کیا وہ بھی کوئی سانپ ہے۔ جس نے دو سو برس زندہ رہنے کے بعد یہ طاقت حاصل کر لی ہے کہ وہ انسان کے روپ میں ظاہر ہو کر زندہ رہے؟ سانپ اس سے بات تو نہیں کر سکتا تھا مگر اس کی باتیں ضرور سن سکتا تھا۔

عنبر نے کہا۔

میں تمہیں اب آزاد نہیں کروں گا، میں تمہیں اپنے ایک مرتبان میں قید

کر کے رکھوں گا کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ تم اپنی ناگن کا انتقام راجہ اور رانی سے بھی لو گے کیونکہ مجھ سے انتقام لینے میں تم ناکام ہو گئے ہو۔

ناگ پھنی قید کئے جانے کے خیال سے کانپ اٹھا وہ زور سے تڑپا اس خیال سے کہ شاید وہ اپنے آپ کو عنبر کی گرفت سے آزاد کر لے اور وہاں سے بھاگ جائے مگر عنبر کی گرفت بڑی مضبوط تھی اس نے سانپ پوری طرح قابو میں کر لیا تھا، اس نے مسہری سے اٹھ کر ایک مرتبان کے منہ سے پتھر کا ڈھکنا اٹھایا اور سانپ کو اس کے اندر داخل کر کے اوپر سے پتھر کا ڈھکنا رکھ دیا۔

بس اب تم ساری زندگی اسی مرتبان میں گزارو گے اور ہم میں سے کسی کا کوئی نقصان نہ کر سکو گے، تمہاری ناگن نے راجہ پر ظلم کیا تھا وہ اسے ہلاک کر رہی تھی، میں نے اس سے پہلے کہ وہ ہلاک کرتی اسے ہلاک

کر دیا۔

عنبر دوبارہ مسہری پر لیٹ گیا۔

صبح اٹھ کر اس نے راجہ یا مہارانی کو سانپ کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی اسی روز شاہی جاسوسوں نے آ کر اطلاع دی کہ شمال کے ملک سے یاجوج قوم کا ایک بہت بڑا لشکر تبت پر حملہ کرنے چلا آ رہا ہے راجہ پریشان ہو گیا۔ اس نے اسی وقت عنبر کو دربار میں طلب کیا اور تازہ صورت حال سے آگاہ کیا عنبر بڑا حیران ہوا کہ جس ہن قوم کی وحشی ملکہ نے تبت پر حملہ کرنا تھا اس نے تو حملہ نہ کیا اور یہ یاجوج قوم کی فوج کہاں سے آ گئی؟ اس نے جاسوس کو بلا کر پوچھا۔

کیا تم نے اپنی آنکھوں سے یاجوج قوم کی فوج کو دیکھا ہے؟

جی ہاں حضور۔ میں نے بلکہ دو تین پڑاؤ تک اس فوج کے ساتھ ایک

مکڑے کا جال

تاجر بن کر سفر بھی کیا ہے اس فوج کا ایک زرد رنگ کا چپٹی ناک والا

خونخوار سالار ہے جو ہر روز ایک بکرے کو بھون کر ناشتہ کرتا ہے۔ اس

کی طاقت کا یہ حال ہے کہ ایک روز میرے سامنے اس نے ایک ہاتھی

کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کا کچومر نکال دیا۔

اس کا نام گومیز ہے حضور! اور وہ جب بولتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے پہاڑ

پر سے بڑے بڑے پتھر نیچے گر رہے ہوں، اس کی ملکہ بھی ساتھ تھی مگر

راستے میں ہی اس نے ملکہ سے ناراض ہو کر اسے قتل کر کے اپنے پالتو

چیتے کو کھلا دیا۔

مہارانی کانپ اٹھی۔

اتنا ظالم ہے وہ آدمی۔

ہاں مہارانی صاحبہ! میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اسے ایک ایک

دن میں پچاس پچاس دشمن کے قیدیوں اور غلاموں کو ہلاک کرتے

دیکھا ہے انسان کو قتل کرنا تو اس کے لئے ایسا ہے جیسے کسی چیونٹی کو مسل دیا۔

راجہ نے کہا۔

یہ بتاؤ کہ اس کے پاس ہتھیار کون کون سے ہیں؟

اس نے بتایا۔

اس کے پاس تلواریں ہیں، نیزے ہیں۔ بھالے ہیں، تیر کمان ہیں اور ایک نیا ہتھیار بھی ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

وہ نیا ہتھیار کون سا ہے؟

جاسوس بولا۔

یہ نیا ہتھیار ایک ایسی توپ ہے جو آگ پھینکتی ہے اس کی آگ سے سپاہی جل مرتے ہیں اور خیموں میں تباہی پھیل جاتی ہے۔

عنبر نے کہا۔
اس وقت یاجوج کی فوج تمہارے خیال میں کس مقام پر ہوگی۔؟
جہاں تک میرے اندازہ ہے کہ اس وقت یاجوج والوں کی فوج تبت سے چھ روز کی پیدل مسافت پر ہوگی اگر گومیز اسی طرح فوج کو آگے بڑھاتا چلا آیا تو وہ آج سے ٹھیک چھ روز بعد تبت کی سرحدوں میں گھس آئے گا۔
راجہ نے کہا۔
ہم یاجوج کی فوج کو کبھی اپنی سرحدوں میں گھسنے نہیں دیں گے ہم کٹ مریں گے اور اپنا ملک اور اپنے ملک کے عوام دشمن کے حوالے نہیں کریں گے تم اب جاسکتے ہو،
راجہ نے جاسوس کو وہاں سے بھجوادیا اس کے بعد اس نے مہارانی کو بھی کہا کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرے اب کمرے میں راجہ

اور عنبر اکیلے رہ گئے تھے ۔ راجہ کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ اس کی فوج بہت تھوڑی اور نہ ہونے کے برابر ہے وہ آج تک کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑی تھی ، اسے لڑائی کا تجربہ بھی نہیں تھا پھر وہ یاجوج کی وحشی اور خونخوار فوج کا کس طرح سے مقابلہ کر سکتی تھی راجہ نے عنبر سے پریشان ہو کر کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یاجوج کا لشکر تبت کی سرحدوں پر پہنچ گیا تو میں اپنی مٹھی بھر اور نا تجربہ کار فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کیسے کر سکوں گا۔

عنبر نے کہا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تبت کی فوج بے حد معمولی فوج ہے اس کے سپاہیوں کو کسی قسم کی جنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے اور ہماری فوج میں سوائے تیر کمان اور تلواروں کے اور کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے۔

یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ ایسی صورت میں ہم یقیناً یاجوج کی فوجوں کو شکست کھا جائیں گے اور پھر اس ملک کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ جو میں کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

راجہ بہت پریشان تھا وہ بالکل سچا پریشان تھا وہ عنبر سے بار بار کہہ رہا تھا کہ وہ اسے کوئی ایسا مشورہ دے جس سے اس کا ملک دشمن کی بربادی سے بچ جائے اور وہ دشمن کو شکست بھی دے دے۔ عنبر نے راجہ سے کہا۔

مہاراج۔ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں کہ ہم یاجوج کی فوج کو شکست بھی دے دیں اور ہمارا ملک تباہی سے بھی بچ جائے۔ اس لئے کہ یا تو ہم اپنے دشمن کو شکست دیں گے اور پھر ملک کو برباد ہونے سے بچائیں گے۔

مگر یہ کیسے ممکن ہوگا؟ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ کیا تمہارے ذہن میں

کوئی ایسا منصوبہ ہے جو ہمیں تباہی اور ذلت سے محفوظ رکھ سکے؟

عنبر نے خوب سوچ سمجھ کر کہا۔

اس کے سوا اور کیا منصوبہ ہو سکتا ہے مہاراج کہ یاجوج کے خونخوار لشکر کا مقابلہ کرنے کی بجائے گومیز کے ساتھ صلح کی بات کی جائے۔

راجہ سوچنے لگا۔ عنبر کی یہ بات اس کے دل کو لگی تھی،

لیکن عنبر! دشمن جب سر پر پہنچ چکا ہو اور حملہ کرنے کے لئے تیار ہو تو پھر وہ صلح اپنی شرطوں پر کرتا ہے یاجوج کا لشکر لے کر گومیز ہماری سرحدوں کی طرف بڑھ رہا ہے ایک ہفتے کے اندر اندر وہ ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہوگا، اگر ہم نے اس وقت صلح کی بات کی تو ظاہر ہے کہ ہم اس سے ڈر کر صلح کریں گے اور گومیز پھر اپنی من مانی شرطیں منوائے گا۔

ایسا تو ہوگا ہی لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس قسم کی شرطیں ہمارے سامنے

رکھے گا۔

راجہ نے کہا۔

وہ ضرور اپنا آدمی تبت کے تخت پر بٹھائے گا اور مجھے اس کا غلام بنا کر رکھ دے گا، وہ تبت کے سارے خزانے کو لوٹ کر اپنے ساتھ لے جائے گا وہ تبت کے پرانے مندروں کا سارا سونا اور ہیرے جواہرات سمیٹ لے گا، اور ہو سکتا ہے کہ وہ صلح کے لئے تیار بھی نہ ہو۔

مہاراج! اس کا فیصلہ تو اس سے بات کرنے کے بعد ہی ہو گا۔

لیکن عنبر ایک بار وہ ہماری سرحدوں پر آ کر بیٹھ گیا تو وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر ہی چھوڑے گا۔

عنبر نے اس کے جواب میں کچھ نہ کہا وہ چاہتا تھا کہ راجہ کی زبان سے صلح کی بات چیت کہلوائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ راجہ نے کہا۔

اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ امن کے نام پر اپنے ملک کی سلامتی اور اس کے عوام کی سلامتی کے نام پر یاجوج کے لشکر کے سالار اعظم گومیز سے تم صلح کی بات چیت کرو۔

اگر آپ کا حکم یہی ہے تو مجھے اس میں انکار کی کیا صورت ہو سکتی ہے میں آج ہی یہاں سے کوچ کرتا ہوں۔

راجہ کے حکم کے مطابق عنبر اسی روز رات کو بڑی خاموشی کے ساتھ تبت شہر سے نکل گیا اس کے روانہ ہونے کی خبر کسی کو نہ دی گئی مقصد صرف یہ تھا کہ وہ راستے میں ہی گومیز سے مل کر راجہ کی طرف سے صلح کی پیش کش کرے اور اسے تبت پر حملہ کرنے سے باز رکھے، عنبر کو گومیز ایسے وحشی سالار اعظم سے نرم دلی کی توقع نہیں تھی لیکن یہ اس کا انسانی فرض تھا کہ وہ سلامتی اور امن کے لئے صلح کی طرف قدم اٹھائے

یاجوج کا لشکر

عنبر کو صحرائے گوبی میں سفر کرتے تیسرا روز جارہا تھا چوتھے روز صحرا کی ریت ختم ہونا شروع ہوگئی اور خشک گھاس کے ویران میدانوں کا سلسلہ چل نکلا سردی آہستہ آہستہ بڑھ گئی، پانچویں روز اس نے ایک ایسے پہاڑ کو عبور کیا جس کی چوٹیوں پر سفید برف جمی ہوئی تھی اب وہ کیشا کی وادی میں داخل ہو چکا تھا چھٹے روز اس نے ایک پہاڑی گھاٹی عبور کی اور جب باہر وادی میں آیا تو دریا کے کنارے یاجوج کا

عظیم الشان لشکر خیمہ ڈالے پڑا تھا، وہ ٹیلے پر کھڑا ہو کر لشکر کے لمبے چوڑے خیموں کے سلسلے کو دیکھنے لگا جدھر نظر اٹھاؤ فوج ہی فوج تھی خیمے ہی خیمے لگے ہوئے تھے لشکر نے کشتیوں کا پل بنا کر دریا پار کر لیا تھا عنبر نے فرعون کی فوجوں کے بعد پہلی بار کسی بادشاہ کو اتنا بڑا لاؤ لشکر دیکھا تھا۔

یاجوج کی فوج، ہن قوم کی وحشی فوج سے بھی بڑی فوج تھی اسے یقین ہو گیا تھا کہ شاہی جاسوس کی اطلاع بالکل درست تھی، اگر اس نے راجہ کی طرف سے صلح کی بات چیت نہ کی تو یہ فوج تو تبت کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ سکتی ہے اب اسے سب سے زیادہ یہ فکر تھی کہ کیا گومیز راجہ کی طرف سے صلح کی پیش کش کو قبول کرے گا؟ ضرور وہ اپنی طرف بڑی شدید قسم کی شرطیں لگائے گا، ظاہر ہے جو سپہ سالار اتنی دور سے اتنے لاؤ لشکر کے ساتھ اتنا فاصلہ طے کر کے اور راستے کی

مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہے وہ آسان شرطوں پر ہرگز صلح نہیں کرے گا۔ وہ تو راجہ سے ضرور مطالبہ کرے گا کہ تبت کا سارا خزانہ اور ہیرے جواہرات اور سونا اس کے حوالے کردیا جائے تو وہ حملہ نہیں کرے گا۔

سوال یہ تھا کہ کیا وہ اس پر بھی راضی ہو جائے گا؟

عنبر کو شبہ تھا۔ کہ سپہ سالار اعظم تبت کے تخت پر قبضہ کرنے کا مطالبہ کرے گا، مگر اس کی طرف سے کوشش کرنا اس کا فرض تھا چنانچہ عنبر نے گھوڑے کی باگ یاجوج کے خیمہ زن لشکر کی طرف موڑ دی، دوپہر کے قریب وہ لشکر کے خیموں کے نزدیک پہنچ گیا اس وقت یاجوج فوج کے کچھ سپاہی دریا کنارے کی جھاڑیوں میں خرگوشوں کا شکار کھیل رہے تھے انہوں نے عنبر کو آتے دیکھا تو بغیر کچھ کہے سنے اس کی طرف تیروں کی بوچھاڑ کردی عنبر کو سخت غصہ آیا کہ یہ الو کے پٹھے کس

قسم کے سپاہی ہیں کہ خواہ مخواہ اس پر حملہ کر رہے ہیں اور اسے موقع دے رہے ہیں کہ وہ ان پر ظاہر کرے کہ موت اس کی قسمت میں نہیں لکھی اور ان کے تیر اثر نہیں کر رہے ہیں۔

یاجوج کے سپاہیوں کے تیر اس کے پاؤں کے قریب آ کر زمین میں گڑ گئے عنبر نے سوچا کہ سپاہیوں کا نشانہ خطا نہیں گیا بلکہ انہوں نے یہ اسے خبردار کیا ہے کہ وہ جہاں ہے وہیں کا وہیں کھڑا رہے عنبر وہیں رک گیا سپاہی اس کے قریب آ کر اس کے اردگرد گھوڑوں پر چکر لگانے لگے ایک نے گرج کر پوچھا۔

کون ہو تم؟

میں تبت کے راجہ کا ایلچی ہوں اور تمہارے سپہ سالار کے لئے پیغام لایا ہوں۔

سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

کہاں ہے وہ پیغام؟ تم بکواس کرتے ہو قتل کر دو اسے سپاہی تلواریں سونت کر اس کی طرف بڑھے تو عنبر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

ٹھہرو۔ اتنی جلد بازی نہ کرو کہ بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے اس میں کوئی شک نہیں کہ میں راجہ کا پیام بر ہوں، اور تمہارے سپہ سالار گومیز کے لئے راجہ کا ایک ضرور پیغام لے کر آیا ہوں، مجھے اس کے پاس لے چلو۔

تم دشمن کے جاسوس ہو، ہم تمہیں گومیز کے پاس لے جانے سے پہلے ہی قتل کر دیں گے اس کی گردن اڑا دو تلوار مار کر۔

ایک سپاہی نے حکم سنتے ہی تلوار لہرا کر عنبر کی گردن پر ماری، عنبر نے اپنی تلوار نکال کر اس کا وار روک لیا اب دونوں کی باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی۔ دوسرے سپاہی بڑے مزے سے ان کا مقابلہ دیکھنے اور زور زور سے قہقہے لگانے لگے ایسا لگتا تھا جیسے یہ ان کے لئے ایک تفریح

ہے ایک کھیل ہے وہ اپنے ساتھی کو بار بار کہہ رہے تھے۔

قتل کر دو، اسے قتل کر دو۔

تلوار سے گردن اڑا دو۔

تلوار سے دونوں ٹانگیں کاٹ دو۔

اس کی کھوپڑی پاش پاش کر دو۔

عنبر کو معلوم تھا کہ وہ اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے تھے لیکن وہ اپنی اتنی بڑی طاقت ان پر خواہ مخواہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ سپہ سالار گومیز سے پرامن حالات میں صلح اور امن کی بات چیت کرے مگر ان کم بختوں نے خوامخواہ ضد میں آ کر اس سے لڑائی چھیڑ دی تھی اور اسے مجبوراً تلوار کھینچ کر لڑنا پڑ گیا تھا۔

عنبر سپاہی سے تلوار بازی بھی کر رہا تھا اور دوسرے سپاہیوں کو کہتا بھی جا رہا تھا کہ اسے لڑنے سے باز رکھو میری بات غور سے سنو میں لڑنے

نہیں بلکہ صلح کی بات کرنے آیا ہوں میں لڑائی نہیں چاہتا میں کسی کا خون بہانا نہیں چاہتا میں امن اور پیار کا پیغام لے کر آ رہا ہوں مجھ کو کسی کا خون بہانے پر مجبور نہ کرو۔

سپاہی نے چیخ مار کر کہا۔

کمینے بزدل تبتی، بکواس بند کرو، اور مردوں کی طرح میرا مقابلہ کرو یا مجھے ہلاک کر دو یا خود ہلاک ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

عنبر نے بلند آواز میں کہا۔

میں اپنے ہاتھ تمہارے خون سے نہیں رنگنے چاہتا میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا اپنی تلوار نیام میں ڈال لو اور مجھے اپنے سپہ سالار گومیز کے پاس لے چلو تاکہ میں جس کام کے لئے آیا ہوں وہ کروں۔ میں تمہارا خون نہیں بہانا چاہتا۔ سپاہی نے تلوار کا ایک بھرپور وار عنبر کے گھٹنے پر کرتے ہوئے کہا۔

بزدل کمینے !مرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔

تلوار کاوار بڑا ابھر پور تھا۔اور عنبر کے گھٹنے پر پورے کا پورا پڑا تھا مگر دشمن کی تلوار اچٹ کر دور جا گری، سپاہی بھی حیران ہی ہو رہا تھا کہ دوسرے ساتھیوں نے نعرہ لگا کر اپنی تلوار اس کی طرف پھینک دی سپاہی نے زمین پر سے تلوار اٹھائی اور پہلے سے بھی زیادہ وحشت اور جوش کے ساتھ عنبر پر بڑھ چڑھ کر حملے کرنے لگا ابھی تک عنبر نے آگے بڑھ کر سپاہی پر کوئی حملہ نہیں کیا تھا وہ صرف اپنے وار بچا رہا تھا۔ مگر سپاہی آپے سے باہر ہو رہا تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ عنبر ایک بزدل شخص ہے اور لڑائی سے گھبرا کر اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔چنانچہ سپاہی نے عنبر کے منہ پر تھوک کر کہا۔

بزدل نامرد۔تم مجھ سے بھاگ نہ سکو گے، میں تمہاری قبر تک تمہارا پیچھا کروں گا۔

عنبر کو بے حد طیش آ گیا۔ خون اس کی آنکھوں میں اتر آیا آخر وہ مصر کے شاہی فرعون کا بیٹا تھا اور مصر کا شہزادہ تھا پھر بھی اس نے بڑے تحمل اور بردباری سے کام لیا اور تلوار چلاتے چلاتے، سپاہی کا ہر وار روکتے روکتے دوسرے سپاہیوں سے کہا۔

اپنے ساتھی کو روک لو۔ ورنہ تم سب کو پچھتانا پڑے گا، بکواس بند کرو اے تبت کے جاسوس اور اپنی موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔

میں جاسوس نہیں ہوں میں راجہ کا پیغام بر ہوں مجھ سے لڑائی مت کرو۔ مجھے اپنے سپہ سالار کے پاس لے چلو، میں ایک نہایت ضروری پیغام لے کر آ رہا ہوں۔

ہم تمہیں اسی جگہ قتل کر کے تمہاری قبر بنائیں گے اور پھر تمہاری قبر پر ہمارے گھوڑے دوڑا کریں گے اور ہم تجھے یاد کر کے کہا کریں گے کہ ایک بزدل اس جگہ قتل ہوا تھا۔

عنبر نے بلند آواز میں کہا۔

میں بزدل نہیں ہوں میں شاہی خاندان کا بہادر شہزادہ ہوں مجھ کو انتقام لینے پر آمادہ نہ کرو صلح کی پیش کش قبول کرو، میں ایک صلح کا منصوبہ لے کر یہاں آیا ہوں۔

مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرو اور نہ مجھ سے ہلاک ہو کر خون سے اس زمین کو لالہ زار کرو۔

خاموش ذلیل قوم کے کتے۔

عنبر یاجوج فوج کے سپاہی کی یہ گالی برداشت نہ کر سکا، اب اس نے فیصلہ کر لیا کہ سپاہی کو اس کی گالی اور بدزبانی کا مزہ ضرور چکھانا چاہئے اب اسے اپنی عزت بچانی تھی اور دشمن پر یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ نہ تو بزدل ہے اور نہ بے غیرت چنانچہ اب وہ باقاعدہ سپاہی کے وار کا جواب دینے لگا۔ پہلے وہ صرف اس کے وار روک رہا تھا اب اس

نے بھی وار کرنے شروع کر دیئے اس کو وار کرتے اور تلوار چلاتے دیکھ کر سپاہی کچھ پریشان سا ہوا کیونکہ اس کے تلوار چلانے کے انداز میں شہزادوں اور سپہ سالاروں کا سا وقار اور بہادروں کی تجربہ کاری اور پھرتی تھی، ایسے لگتا تھا جیسے اس نے کئی جنگوں میں بڑے بڑے سپہ سالاروں سے لڑائی کی ہو پھر بھی یا جوجی سپاہی نے ہمت نے نہ ہاری اور آگے بڑھ کر ایک ایسا وار کیا کہ اگر عنبر نہ روکتا تو تلوار اس کے سینے سے پار ہو جاتی، عنبر نے جوابی طور پر اپنی تلوار پہلو بچا کر سپاہی کے دل پر رکھ کر اندر اتار دی، ایک بھیانک چیخ کے ساتھ سپاہی زمین پر گر کر خون میں نہا گیا اور تڑپنے لگا۔

اسے تڑپتا دیکھ کر دوسرے سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ وہ ہر طرف سے اس پر وار کرنے لگے، مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ بجائے اسے قتل کرنے کے خود ایک ایک کر کے قتل ہونا شروع ہو گئے۔ جب زمین پر

چھ سپاہیوں کی لاشیں خاک وہ خون میں تڑپنے لگیں تو باقی سپاہی اپنی اپنی تلواریں وہیں پھینک کر خیموں کی طرف اٹھ دوڑے، عنبر وہیں رک گیا، اس نے ان کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا، اس لئے کہ وہ وہاں ان کے ساتھ لڑائی کرنے نہیں آیا تھا لڑائی پر تو ان لوگوں کی ضد اور بےوقوفی نے اسے مجبور کر دیا تھا۔

عنبر نے تلوار نیام میں رکھ کر ماتھے کا پسینہ صاف کیا کہ قریب کی جھاڑیوں سے کسی نے تالی بجا کر کہا۔

شاباش نوجوان۔ شاباش۔ تم ایک بہادر سپاہی ہو، عنبر نے پلٹ کر دیکھا جھاڑیوں میں سے ایک چپٹی ناک، عقابی آنکھوں اور زرد رنگ کا وحشی آدمی باہر نکل کر اس کے پاس آگیا، اس نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

اگرچہ تم نے میرے چھ سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے مگر میں تمہاری

بہادری سے بڑا متاثر ہوا ہوں میں نے ان کے ساتھ تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں۔ انہوں نے تمہیں لڑائی پر مجبور کیا تھا اور اب اس کا مزہ چکھ لیا ہے۔ وہ بہادری کی موت مرے ہیں اور تم نے بڑی بہادری سے انہیں ہلاک کیا ہے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تبت کے راجہ سے کیا پیغام لائے ہو؟

عنبر نے کہا۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟

زرد رنگ کے خونخوار آنکھوں اور چپٹی ناک والے آدمی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

اے نوجوان۔ تم اس وقت یاجوج کے لشکر کے سپہ سالار اعظم گومیز کے سامنے کھڑے ہو۔ کہو یقین آیا کہ میں کون ہوں؟

عنبر نے جھک کر گومیز کو سلام کیا اور کہا۔

اے قابل عزت گومیز! یاجوج کے عظیم لشکر کے سپہ سالار اعظم! میں آپ کو سلام کرتا ہوں۔

تم راجہ کی طرف سے کون سا پیغام لائے ہو؟

اگر اجازت ہو تو میں آپ کو آپ کے خیمے میں چل کر بیان کروں۔

ہاں۔ضرور۔ضرور۔آؤ میرے ساتھ میرا خیمہ دریا کے کنارے ہی ہے آؤ میرے ساتھ۔

اور سپہ سالار اعظم گومیز عنبر کو ساتھ لے کر اپنے خیمے میں آ گیا۔

گومیز کا خیمہ کافی کشادہ تھا، زمین پر قسم قسم کے قالین اور شیروں کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ دیواروں اور بانسوں کے ساتھ تلواریں ، ڈھالیں، اور نیزے لٹک رہے تھے حبشی غلام چاروں طرف ننگی تلواریں لئے پہرہ دے رہے تھے گومیز نے خیمے میں داخل ہوتے ہی تالی بجائی اور چاروں حبشی سر جھکا کر باہر چلے گئے گومیز نے عنبر کو بیٹھنے

کا اشارہ کیا عنبر نرم نرم گد یلے دار تخت پر بیٹھ گیا ایک غلام سرخ اناروں کا رس لے آیا عنبر نے رس پیا اور تازہ دم ہو گیا، سپہ سالار اعظم نے کہا۔

نوجوان اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا پیغام لائے ہو۔؟

عنبر نے بڑے ادب کے ساتھ عرض کی۔

اے سپہ سالار اعظم، میں تبت کے راجہ کا خاص ایلچی ہوں اور اس کی طرف سے سفر کی مصیبتیں برداشت کرتا ہوا ایک خاص پیغام لے کر آیا ہوں اگر اجازت ہو تو پیغام عرض کروں۔

ہاں، اجازت ہے۔

اے سپہ سالار اعظم! میرے ملک تبت کے راجہ نے درخواست کی ہے کہ وہ انسانوں کا خون بہانے سے گریز کرتے ہوئے آپ کے ساتھ صلح کی بات چیت شروع کرنا چاہتا ہے اب آپ یہ فرمائیں کہ آپ

کن شرطوں پر صلح کی بات چیت شروع کریں گے۔

سپہ سالار نے زور سے قہقہہ لگایا،

ہم تبت کے راجہ کو، اس قدر بزدل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ ہمارے دبدبے سے ہی ڈر کر ہتھیار ڈال دے گا کم از کم تو جو کہ اس بزدل راجہ کے ایلچی ہو اتنے بزدل نہیں ہو، تم نے تو چھ سپاہیوں کو اکیلے ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہے پھر تمہارا راجہ اتنا بزدل کیوں ہے؟

عنبر نے کہا۔

سپہ سالار اعظم، میرا راجہ امن پسند ہے، وہ سلامتی اور محبت کا آدمی ہے وہ لڑائی پسند نہیں کرتا وہ نہیں چاہتا کہ اس کی سلطنت میں لوگوں کا قتل عام ہو، عورتیں اور بچے خاک و خون میں تڑپیں اور ان کے مکانوں کو آگ لگا دی جائے اور وہ جنگ کی بھیانک سختیاں برداشت کریں

اس لئے اس نے انتہائی خلوص دل اور نیک نیتی کے ساتھ صرف امن اور سلامتی کے نام پر آپ کے آگے صلح کا ہاتھ پھیلایا ہے میری بھی یہی خواہش ہے حضور کہ آپ جنگ اور جنگ کے قتل عام سے پرہیز کریں اور راجہ کے ساتھ صلح کی بات چیت کا آغاز کریں۔

سپہ سالار گومیز نے شیطان کی طرح قہقہہ لگایا۔

مجھے کبھی یقین نہیں آسکتا کہ تم جس نے ابھی میری آنکھوں کے سامنے چھ سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے ایک پل کے اندر اندر اتنے بزدل ہو جاؤ گے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں ایک بہادر اور خونخوار قوم کا سپاہی ہوں؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اپنے سپاہیوں کو سفر کی مصیبتیں برداشت کراتا یہاں تک لایا ہوں؟ آخر کس لئے؟ صرف اس لئے کہ ہم ایک ملک کو فتح کر کے وہاں کا سونا چاندی ہیرے جواہرات اور خزانہ لوٹیں گے میں انہیں خالی ہاتھ کیسے واپس لے جا

سکتا ہوں؟ اور پھر اپنی قوم کو جا کر کیا منہ دکھاؤں گا۔؟

عنبر نے کہا۔

آپ اس سلسلے میں اپنی شرطیں بتا سکتے ہیں آپ کو میرا راجہ سارا خزانہ سونا اور ہیرے جواہرات دے دے گا، اس سے زیادہ اور آپ کیا چاہتے ہیں۔؟

گومیز نے عنبر کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے کہا۔ راجہ اپنا خزانہ دے کر مجھ پر احسان نہیں کرے گا، خزانہ تو میں ویسے بھی جنگ کر کے اس سے حاصل کرلوں گا میری شرط یہ ہے کہ جب میں اپنی فوج کے ساتھ اس کے ملک میں داخل ہوں تو راجہ اپنا تخت اپنا سارا خزانہ اپنے سارے شہزادے ساری شہزادیاں، ساری رانیاں، سارے مندر میرے حوالے کر دے میں اس کے سامنے اس کے سارے شہزادوں کی گردنیں قلم کروں گا تا کہ اس کی نسل سے آئندہ کوئی راجہ بن کر تبت

کے تخت پر نہ بیٹھ سکے جا کر اپنے راجہ سے کہہ دو کہ اگر اسے میری یہ شرط منظور ہے تو میں اس کے ملک میں قتل عام نہیں کروں گا اور لوگوں کے گھروں کو لوٹ کر آگ نہیں لگاؤں گا۔

عنبر گہری سوچ میں پڑ گیا، اس نے گومیز سے کہا کہ اسے سوچنے کا موقع دیا جائے۔ گومیز نے کہا کہ یہاں سوچنے سے کیا ہوگا؟ بہتر یہی ہے کہ تم واپس اپنے راجہ کے پاس جا کر سوچو اور مجھے ایک ہفتے کے اندر اندر اسی جگہ دریا کے کنارے آ کر اطلاع دو کہ راجہ نے کیا سوچا ہے؟ کیا اسے میری شرط منظور ہے یا نہیں؟

اگر تم ایک ہفتے کے اندر اندر یہاں نہ پہنچے تو میرا لشکر تبت کی طرف کوچ کر دے گا۔ عنبر نے رات وہیں ٹھہر کر صبح وہاں سے تبت کی طرف روانہ ہونے کی اجازت لی اور ایک خیمے کے اندر آ کر قالین پر لیٹ گیا۔

دیوارِ چین

عنبر اپنے خیمے میں لیٹا رات بھر سوچتا رہا۔

وہ بڑی بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ سپہ سالار اعظم ایک خونخوار وحشی انسان تھا، اور وہ تبت میں آ کر بے گناہ انسانوں، عورتوں اور بچوں کا خون بہانا چاہتا تھا جسے عنبر کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا راجہ نے اسے ہر قسم کی اجازت دے رکھی تھی کہ موقع پر وہ جیسے مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا اور بڑے سکون کے ساتھ سو گیا۔ اگلے روز اسے سپہ سالار نے بلایا اور پوچھا کہ وہ کب راجہ سے

بات چیت کرنے واپس جا رہا ہے؟ عنبر نے کہا۔

اے سپہ سالار اعظم! میں تبت نہیں جا رہا۔

گومیز نے پوچھا۔

تو پھر فیصلہ کیسے ہوگا۔

فیصلہ میں نے کرلیا ہے۔

وہ کیا ہے؟

راجہ نے مجھے اختیار دے رکھا ہے کہ میں موقع مناسب دیکھ کر فیصلہ کر سکتا ہوں اور میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم آپ کی یہ شرطیں قبول نہیں کر سکتے، ہم آپ کو اپنے معصوم بچوں اور عورتوں کے قتل کی اجازت نہیں دیں گے، یہ ظلم ہم برداشت نہیں کر سکتے۔

گومیز نے غصے میں کہا۔

اے نوجوان! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم پوری

طرح ہوش میں رہ کر مجھ سے بات کرر ہے ہو؟ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس کے سامنے کھڑے ہو اور کس سے بات کرر ہے ہو؟

عنبر نے جواب دیا۔

اے سپہ سالار اعظم! میں پوری طرح ہوش میں ہوں مجھے پوری طرح معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوں میں کس سے بات کرر ہا ہوں اور کیا بات کرر ہا ہوں میں تبت کے راجہ کی طرف سے آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں آپ کی شرط منظور نہیں ہے۔

تو پھر تمہیں میرے لشکر عظیم کا مقابلہ کرنا ہوگا جو تم نہیں کر سکو گے، میرا لشکر تمہارے شہر کو تباہ کر دے گا تمہارے بچوں کو ذبح کر دے گا تمہاری عورتوں کے سروں کو نیزوں پر پرو دے گا۔ اور تمہارے شاہی محلوں اور مکانوں کو آگ لگا دے گا۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو۔

عنبر نے انتہائی تحمل سے کہا۔

آپ ایسا نہیں کر سکیں گے سپہ سالار اعظم!

یہ ایک ایسی گستاخی کی بات تھی کہ جسے گومیز ایسا خونخوار سپاہی کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا اس نے دانت پیس کر عنبر کی طرف دیکھا اور اس کے منہ پر زوردار طمانچہ مار کر کہا۔

تبت کے کتے۔! اگر پھر کوئی بات کی تو میں زبان کھینچ کر باہر نکال لوں گا۔

عنبر نے پھر اسی سکون کے ساتھ کہا۔

آپ ایسا نہیں کر سکیں گے گومیز! جب آپ تبت پر حملہ کرنے کے لئے یہاں سے کوچ کریں گے تو آپ کے سامنے ایک ایسی لمبی چھوڑی دیوار کھڑی ہو گی جس کو آپ کا لشکر اگر ساری زندگی کوشش کرتا رہے تو عبور نہ کر سکے گا۔

سپہ سالار نے طیش میں آ کر نیام سے تلوار کھینچ لی اور چیخ کر کہا۔

تمہارا آخری وقت آ گیا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی عنبر کے سینے میں پوری کی پوری تلوار اتار دی، اس کا خیال کیا بلکہ اسے یقین تھا کہ اس کے سینے سے خون کا فوارہ چھوٹے گا اور دھڑام سے زمین پر گر کر تڑپ تڑپ کر مر جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا سپہ سالار اعظم نے جب اپنی تلوار عنبر کے سینے سے باہر کھینچی تو وہ اسی طرح کھڑا بڑے سکون اور بغیر کسی تکلیف یا درد کے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گومیز کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں عنبر کے سینے میں جہاں تلوار گھسی تھی وہاں زخم کا معمولی سا نشان بھی نہیں تھا اور خون کا ایک ننھا سا قطرہ بھی باہر نہیں گرا تھا۔

گومیز کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچا شاید وہ خواب دیکھ رہا ہے یا شاید اس کی تلوار عنبر کے سینے میں نہیں اتری تھی اس نے غصے میں آ کر دوبارہ اپنی تلوار عنبر کے سینے میں گھونپ دی اس

دفعہ بھی وہی ہوا نہ خون نکلا اور نہ عنبر کے سینے پر کوئی زخم لگا تلوار باہر نکل آئی۔ اور عنبر اپنی جگہ پر ویسے کا ویسا کھڑا رہا اب تو گومیز کا سر چکر کھا گیا اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملنا شروع کر دیں کہ وہ شاید کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔

عنبر نے کہا۔

اے گومیز! تم خواب نہیں دیکھ رہے اپنی آنکھیں مت ملو، تم ایک حقیقت کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہو تمہاری تلوار نے دو بار میرے سینے کو چھلنی کیا ہے مگر تم دیکھ سکتے ہو کہ دونوں بار زخم مل گیا ہے نہ خون بہا ہے نہ زخم لگا ہے۔

یہ.......... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ گومیز نے حیرانی سے پوچھا۔

یہ کیسے ہو گیا ہے؟ تم اسے نہیں سمجھ سکتے تم ہی دیکھو کہ یہ ہو گیا ہے اور اس لئے ہو گیا ہے کہ میں مرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا دنیا میں کوئی

شخص ابھی پیدا نہیں ہوا جو مجھے ہلاک کر سکے، اسی لئے میں تم سے ایک بار پھر کہوں گا کہ تبت پر حملے سے باز آ جاؤ۔

گومیز نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

میں حملہ ضرور کروں گا۔ مجھے تبت پر حملے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی میں تبت شہر کو برباد کر کے ہی دم لوں گا۔

عنبر نے کہا۔

تو پھر تم ایسا نہ کر سکو گے ذرا اپنے خیمے سے باہر نکل کر دیکھو، تمہارے اور تبت کے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی ہو گئی ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک چلی گئی ہے اور جو اتنی اونچی ہے کہ آسمان سے باتیں کر رہی ہے تمہاری فوج اس دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی مگر اسے زندگی بھر عبور نہ کر سکے گی۔

گومیز نے تڑپ کر کہا۔

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ راتوں رات اتنی لمبی چوڑی دیوار تعمیر کر سکو۔

باہر نکل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ ایسا ہو گیا ہے اور وہ دیوار تعمیر ہو چکی ہے۔

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

یہ کہہ کر گومیز خیمے سے باہر نکل گیا عنبر بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا باہر سے پہلے ہی یاجوج کی فوج کے سپاہی ٹولیوں کی صورت میں کھڑے اس دیوار کو حیرت سے دیکھ رہے تھے جو مشرق سے مغرب تک ایک سمندر کی بلند ترین لہر کی طرح چلی گئی تھی گومیز نے اس دیوار کو دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کے سامنے میدان میں ایک اونچی پتھریلی دیوار مشرق سے لے کر مغرب تک جہاں تک نظر کام کرتی تھی پھیلتی چلی گئی تھی۔ دیوار بے حد اونچی تھی اور اس کے

کناروں پر برجیاں بنی تھیں جن کے اندر ایک ایک شیر کھڑا اس کی فوج کی طرف دیکھ کر گرج رہا تھا۔

گومیز نے پلٹ کر عنبر کو دیکھا۔

یہ جادوگری ہے یہ دھوکا ہے میں اس دیوار کو ڈھادوں گا۔

اور گومیز گھوڑے پر سوار ہو کر دیوار کی طرف اٹھ دوڑا۔ دوسرے سپاہی بھی اس کے پیچھے تلواریں لہراتے دوڑ پڑے دیوار کے پاس جا کر انہوں نے دیوار پر دھڑ ادھڑ تلواریں چلانی شروع کر دیں پہلے ہی وار سے ان کی تلوار ٹوٹ گئیں دیوار کے پتھر پہاڑیوں کے پتھروں سے بھی زیادہ سخت تھے، اس کے ساتھ ہی دیوار کے اوپر سے شیروں نے دھاڑنا شروع کر دیا اور گومیز کے سپاہیوں پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی سارے کے سارے سپاہی ہلاک ہو گئے گومیز بھی بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس بھاگا۔

گومیز نے طیش کے عالم میں کہا۔

میں اس دیوار سے انتقام لوں گا۔

عنبر نے کہا۔

گومیز خواب کی دنیا سے نکل کر حقیقت کو تسلیم کرو جس دیوار سے ٹکرانے کے تم خواب دیکھ رہے ہو اس کو تمہاری آنے والی نسلیں بھی پار نہ کر سکیں گی آج سے تقدیر نے فیصلہ کر دیا ہے کہ یاجوج قوم کے سپاہی کبھی اس دیوار کے پار نہ جا سکیں گے وہ ساری رات اس دیوار کو چاٹتے رہیں گے اور صبح دیوار کے پتھروں کو اتنا ہی مضبوط اور سخت پائیں گے کہ جتنا وہ رات کو تھے میں واپس جا رہا ہوں۔

کیا تم اسی دیوار کو پار کر کے جاؤ گے؟

ہاں! میں اسی دیوار کے اوپر سے ہو کر جاؤں گا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔

اتنا کہہ کر عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور دیوار کی طرف روانہ ہو گیا سارا لشکر
اور خود گومیز ٹیلے پر کھڑا اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ
یہ شخص اس دیوار کو کہاں سے اور کس طرح پار کرے گا۔ عنبر دیوار کے
پاس پہنچ کر رک گیا اس نے پلٹ کر گومیز کو دیکھا اور ہاتھ ہلایا
اس کے بعد اس نے گھوڑے کو چابک ماری اور گھوڑے نے زمین پر
سے اٹھ کر ہوا میں اڑنا شروع کر دیا یہ پہلا موقع تھا کہ عنبر نے اپنے
گھوڑے کو ہوا میں اڑایا تھا کسی کو خبر نہیں تھی کہ اس نے راتوں رات
دیوی بلیطیس سے مل کر اس سے دیوار چین بنانے اور ہوا میں اٹھ کر
دریا کو پار کرنے کی اجازت حاصل کر لی تھی یا جوج کا لشکر اور گومیز
اسے پھٹی پھٹی آنکھوں اور کھلے منہ کے ساتھ ہوا میں اڑتا دیکھ رہے
تھے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عنبر کوئی بہت بڑا جادوگر ہے اور اس کے
سامنے ان کی کوئی پیش نہیں چل سکتی تھی وہ اگر تبت پر حملہ بھی کرتے تو

انہیں زبردست شکست ہوتی۔

عنبر اڑتے اڑتے جب دیوار کے اوپر پہنچا تو بڑے آرام کے ساتھ اس کی دوسری جانب اترنا شروع کر دیا اس کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی یاجوج کے مشکریوں نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا انہوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے کہ تبت پر حملہ کرو۔ ہمیں خزانہ دو ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ پورے کرو ہمیں تبت کا سونا دو ہمیں جواہرات دو ہم واپس نہیں جائیں گے گومیز نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر سپاہی بپھر گئے تھے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے کہ وہ تبت پر حملہ نہیں کر سکتے اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے بے فائدہ سفر کی مصیبتیں برداشت کی اور اب واپسی پر بھی برداشت کریں گے؟ سپاہیوں نے تلواریں سونت لیں کچھ سپاہیوں نے سپہ سالار کی طرف داری کی انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔

سارے کے سارے لشکر میں خانہ جنگی شروع ہو گئی وہ فوج جو دوسروں کو قتل کرنے کا مذموم ارادہ لے کر گھر سے نکلی تھی اب آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگی۔ دیکھتے دیکھتے میدان جنگ میں سپاہیوں کی لاشیں تڑپنے لگیں ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں خیموں کو آگ لگا دی گئی سپاہیوں نے توپوں کی مدد سے ایک دوسرے پر آگ برسانی شروع کر دی آگ خون بربادی موت چند لمحوں کے بعد اسی میدان میں سپہ سالار اعظم کی لاش بھی تڑپ رہی تھی۔

عنبر دیوار سے دوسری طرف آ کر زمین پر اتر گیا۔

حقیقت یہ تھی جیسا کہ بعد میں دیوی بلیطیس نے سے بتایا کہ نہ تو وہاں کوئی لمبی چوڑی دیوار کھڑی کی گئی تھی اور نہ عنبر گھوڑے پر اڑا تھا، یہ سب کچھ خیال کی طاقت کے ذریعے دشمن کی فوجوں اور اس کے سپہ سالار کو یقین دلایا گیا تھا کہ سامنے ایک دیوار کھڑی ہے اور عنبر نے یہ

اس قدر اعتماد اور بھروسے کے ساتھ تھا کہ دشمن کی آنکھوں کے سامنے سچ مچ کی ایک دیوار خیال ہی خیال میں کھڑی ہو گئی تھی حالانکہ سب کچھ نظر کا دھوکا تھا ظاہر ہے کہ اگر دیوار خیالی تھی تو عنبر کا گھوڑے پر اڑنا بھی خیالی تھا۔

عنبر بہر حال کامیاب ہو کر وہاں سے چلا تھا۔ اس نے راجہ کو صرف صلح کی ذلیل کر دینے والی شرطوں ہی سے نہیں بچایا تھا بلکہ ایک اعتبار سے دشمن کو شکست دے کر وہیں سے پیچھے مار بھگایا تھا واپسی کا سفر بڑا کٹھن تھا اس لئے کہ موسم بے حد خراب ہو گیا تھا عنبر کو راستے میں کئی روز ایک جھونپڑے میں قیام کرنا پڑا کیونکہ برف کا شدید طوفان چل رہا تھا آخر وہ تبت پہنچ گیا۔

اس کے آنے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی وہ سیدھا شاہی محل پہنچا۔ خدمت گزار نے راجہ کو اطلاع دی کہ عنبر وزیر خاص تشریف لے آئے

ہیں اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں راجہ ایک دم مسہری پر سے اٹھ بیٹھا۔اس نے کہا۔

ہمارے وزیر خاص کو فوراً ہمارے پاس بھیج دیا جائے ۔تھوڑی دیر بعد عنبر راجہ کے پاس بیٹھا اسے اپنے سفر کی کہانی سنا رہا تھا جب اس نے راجہ کو بتایا کہ اس نے یاجوج کی فوج پر راجہ کے لشکر اور جنگی طاقت کی ایسی دہشت ڈالی کہ گومیز ڈر کر وہیں سے واپس ہو گیا ہے۔

راجہ کو یقین نہ آیا اس نے کہا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔عنبر؟ گومیز کا اتنا بڑا لشکر اتنی دور آ کر اتنی آسانی سے کیسے واپس جا سکتا ہے؟

لیکن وہ تو واپس چلا گیا ہے مہاراج۔

یقین نہیں آتا۔

آپ جاسوس بھیج کر صورت حال معلوم کر سکتے ہیں۔اگر تم ایسا کرنے

میں کامیاب ہو عنبر تو تم نے ایک اتنا بڑا کارنامہ اکیلے نے کیا ہے جو میری ساری فوج مل کر نہیں کر سکتی تھی۔

راجہ نے اسی وقت شاہی جاسوس کی ایک ٹولی برق رفتار گھوڑوں پر سوار کرا کر یہ معلوم کرنے کے لئے روانہ کر دی کہ یاجوج کا لشکر کہاں ہے؟ یہ ٹولی چھ دن کے سفر کے بعد واپس تبت پہنچ گئی، اس نے راجہ کو آ کر بتایا کہ یاجوج کا لشکر دریا پار کر کے اپنے ملک کی طرف بہت آگے جا چکا ہے راجہ نے عنبر کو سینے سے لگا لیا۔ عنبر نے اس کے عوام کو ایک بھیانک قتل عام سے بچا لیا تھا ان کی عزت و آبرو کو بچا لیا تھا ان کی جائیدادوں کو جل کر راکھ کرنے سے بچا لیا تھا راجہ نے ایک خاص جلسہ کیا جس میں عنبر کو ملک کا سب سے عقل منداور بہادر انسان کا خطاب دیا گیا۔

عنبر کو ایسے خطاب کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اسے دلی خوشی ہوئی تھی کہ وہ

بے گناہ اور غریب لوگوں کے کام آیا ہے اگر وہ یاجوج کی فوج کے راستے میں دیوار کھڑی نہ کرتا تو وہ وحشی لوگ وہاں آ کر ایسی تباہی مچاتے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہ ملتی۔

اس دوران میں ناگ پھنی عنبر کے کمرے میں مرتبان میں پڑا رہا وہ ہر روز صبح کو ڈھکنا اٹھا کر اسے دیکھ لیتا اور تھوڑا سا دودھ اندر ڈال کر ڈھکنا بند کر دیتا عنبر کو اتنا علم ہو چکا تھا کہ یہ سانپ بھی کئی سو سال پرانا ہے اور شاید بہت جلد یہ بھی آدمی کی شکل اختیار کرنے کے قابل ہو جائے دو ایک بار اس نے سوچا کہ سانپ کو ہلاک کر دے پھر اسے یہ خیال آیا کہ سانپ نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس کو ہلاک کرے، چنانچہ وہ سانپ کی طرف سے غافل ہو گیا۔

تبت کے دربار میں ملک یونان کا ایک سفیر آیا جس کی زبانی معلوم ہوا

کہ یونان کے شہر مقدونیہ سے اٹھ کر ایک نوجوان جرنیل سکندر نکا ٹورس نے سارے یونان اور مصر پر قبضہ کرلیا ہے۔ یہ خبر عنبر کے لئے بڑی حیرت انگیز تھی کیونکہ مصر اس زمانے میں ایک بہت بڑی طاقت تھی اس کے بعد اگر دنیا میں اس وقت کوئی، زبردست طاقت مصر کا مقابلہ کرتی تھی تو وہ ایران کی سلطنت تھی جہاں دارا بادشاہ حکومت کرتا تھا عنبر نے سوچا کہ جو نوجوان یونانی سردار مصر کو فتح کرسکتا ہے وہ یقیناً ایران کی طرف بھی چڑھائی کرے گا، اس کا دل اب تبت سے بیزار ہوگیا اور سوچنے لگا کہ کسی طرح یونان پہنچ کر سکندر اعظم کے دربار میں جائے اور اس سے ملاقات کرے مگر تبت سے یونان ایک بے حد طویل سفر تھا وہ خشکی کے راستے کئی مہینوں میں پہنچ سکتا تھا لیکن اگر وہ چین کی طرف نکل جائے اور وہاں سے بحری جہاز کے ذریعے سمندر میں سفر اختیار کرے تو جلدی پہنچ سکتا تھا کیونکہ اس زمانے میں چین

مکڑے کا جال

کے بادبانی جہاز بڑے تیز رفتار تھے اور خلیج ٹونکن سے لے کر بحیرہ روم تک سفر کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک روز وہ یونان کے سفیر سے ملاقات کرنے گھر سے نکل پڑا۔اس کے جانے کے بعد ایسا ہوا کہ مہارانی کسی کام سے اس کے کمرے میں آئی،اس نے دیکھا کہ عنبر وہاں نہیں ہے اس کا کمرہ خالی تھا وہ واپس جانے ہی والی تھی کہ اچانک اس کی نظر سفید سنگ مرمر کے اس مرتبان پر پڑی جس میں ناگ پھنی تھا وہ بڑی حیران ہوئی کہ یہ مرتبان وہاں کہاں سے آگیا،اس نے آگے بڑھ کر بڑے غور سے مرتبان کا جائزہ لینا شروع کر دیا پھر اس نے مرتبان کا ڈھکنا اٹھا دیا کہ بھلا دیکھے تو اس کے اندر کیا ہے۔ڈھکنے کا اٹھنا تھا کہ ایک زوردار پھنکار مار کر سانپ باہر نکل آیا اس نے بڑی پھرتی سے مہارانی کو ہاتھ پر ڈسا اور فرش پر رینگتا ہوا غائب ہو گیا۔

مہارانی کی موت

عنبر یونان سفیر کے ہاں پہنچ گیا۔

یونانی سفیر نے عنبر کا بڑا شاندار استقبال کیا اور اس کو پھل اور سرخ قندھار کے انگوروں کا مربہ پیش کیا عنبر نے یونانی جرنیل سکندر اعظم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد بات چیت کی تو یونانی سفیر نے اسے بتایا کہ اس وقت دنیا کے کسی ملک میں سکندر اعظم کے برابر کا بہادر اور کم عمر جرنیل نہیں ہے وہ شاہ فلپ کا بیٹا ہے اور اس نے

اپنی بہادری کردار کی بلندی اور ارادے کی مضبوطی سے یونان میں ایک دیوتا کی شکل اختیار کر لی ہے۔

ہم یونان کے لوگ اپنے جرنیل سکندر اعظم کو ایک دیوتا سمجھتے ہیں اس نے یونان کی سلطنت کو بحیرہ روم سے لے کر بحیرہ عرب تک پھیلا دیا ہے۔ اس کے دبدبے سے دنیا کے بڑے بڑے بہادر سپہ سالار کانپتے ہیں وہ ایک دلیر اور عظمت والا سپاہی ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا مصر پر بھی آپ کی فوج نے قبضہ کر لیا ہے۔؟

یونانی سفیر بولا۔

جی ہاں ہم نے سب سے پہلے مصر کو ہی فتح کیا تھا۔

مصر پر ایک ایسے کمزور اور عیش پسند فرعون کی حکومت تھی جس کے ہاتھوں وہاں کے عوام بے حد تنگ آئے ہوئے تھے۔

کیا یونانی فوج نے مصر کے پرانے مقبروں کو بھی ڈھا دیا ہے؟

نہیں! یونانی فوج ایسا نہیں کرتی۔ اسے سکندر اعظم کی طرف سے خاص طور پر حکم ملا ہے کہ جس شہر میں وہ داخل ہوں وہاں کسی عمارت کو نہ ڈھائیں۔

عنبر نے کہا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں کوئی دو ہزار برس کے بعد اس دنیا میں ایک انصاف پسند اور نیک دل جرنیل کی آمد کے بارے میں سن رہا ہوں۔

یونانی سفیر نے حیرانی سے کہا۔

کیا مطلب؟

عنبر نے فوراً سنبھل کر کہا۔

میرا مطلب ہے کہ تاریخ میں سکندر اعظم ایسا سپاہی ہزاروں برس کے بعد پیدا ہوا ہے۔

یونانی سفیر نے خوش ہو کر کہا۔

جی ہاں۔ جی ہاں۔ اس میں کیا شک ہے کہ ہمارے نکاٹورس سکندر اعظم کی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی اور پھر سکندر کو علم وہ حکمت سے بھی بے حد شوق ہے اس نے اپنے دربار میں یونان کے بہترین فلسفی اور عقلمند استاد جمع کرر کھے ہیں۔ خود اس نے اپنی تعلیم ارسطو ایسے باکمال فلسفی سے حاصل کی ہے۔

کیا ارسطو کوئی بہت لائق استاد ہے؟

کیوں نہیں ارسطو کا مقابلہ اس وقت دنیا میں کوئی بھی فلسفی نہیں کر سکتا وہ سکندر کا استاد ہے اور اس کے ساتھ ہی دربار میں رہتا ہے۔

شکریہ جناب۔ آپ کا عنبر نے یونانی سفیر سے کہا آپ نے اپنے ملک اور اپنے بہادر بادشاہ سکندر اعظم کے بارے میں مجھے بڑی مفید معلومات دیں۔

عنبر نے یونانی سفیر کو جھک کر ادب سے سلام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے اپنے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب ادھر ذرا مہارانی کا حال بھی سنیئے۔ ناگ نے مہارانی کو ڈسا تو وہ چیخ مار کر فرش پر گر پڑی۔ دہشت سے اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں ویسے سانپ کا زہر بھی بڑا مہلک تھا، زہر نے اسی وقت اپنا کام شروع کر دیا کمرے میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا مہارانی کا گلا اس قدر خشک ہو گیا کہ اس سے آواز تک نہ نکل رہی تھی۔ اس پر کمزوری اور زہر کے اثر کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ اتفاق سے عنبر کا ملازم اندر داخل ہوا اس نے مہارانی کو فرش پر بے ہوش پڑے دیکھا تو شور مچا دیا۔

سارے محل میں افراتفری مچ گئی۔

راجہ خود وہاں پہنچ گیا جلدی سے مہارانی کو اٹھا کر خاص کمرے میں

مسہری پر لٹا دیا گیا زہر برابر اثر کر رہا تھا مہارانی کا رنگ نیلا پڑتا جا رہا تھا راجہ نے اسی وقت عنبر کی تلاش میں سپاہی دوڑا دیئے۔ عنبر یونانی سفیر کے گھر سے اپنے گھر تک ابھی آدھے راستے میں تھا کہ سپاہیوں نے آ کر بڑی گھبراہٹ میں بتایا کہ مہارانی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے

کون سے سانپ ہے؟

حضور آپ کے مرتبان میں جو تھا۔

عنبر سر سے لے کر پاؤں تک کانپ گیا۔

اسے معلوم تھا کہ اس ناگ پھنی کے کاٹے کا کوئی پانی نہیں مانگتا، یعنی زہر اتنی جلدی اثر کرتا ہے کہ مرنے والے کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ کسی سے پانی ہی مانگ سکے کیونکہ ایسے سانپ کا زہر گرم خشک ہوتا ہے اور اس کا سب سے پہلا اثر گلے کی رگوں پر ہوتا ہے جو انہیں خشک کر دیتا ہے اور آدمی کی آواز بند ہو جاتی ہے عنبر نے گھوڑے کو ایڑ

لگائی اور تیزی سے اسے دوڑاتا ہوا شاہی محل میں پہنچ گیا مہارانی
مسہری پر بے ہوش پڑی تھی عنبر نے کسی سے کوئی بات نہ کی جھک کر
مہارانی کی نبض دیکھی اور فوراً اپنے کمرے سے دواؤں کا بکس منگوایا
راجہ سر کو تھامے اداس بیٹھا تھا، اس نے عنبر سے صرف اتنا کہا
میرے دوست تم نے ہر مشکل وقت میں میری مدد کی ہے اب بھی
میری مدد کرو اور میری مہارانی کو بچا لو، اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں بھی
زندہ نہ بچ سکوں گا۔

عنبر نے مختلف بوٹیوں کو ملا کر ان کا عرق کٹورے میں ڈال کر مہارانی
کے حلق میں ٹپکایا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ مہارانی کا حلق سوکھ گیا ہے
اور اس کی رگیں لکڑی کی مانند سخت پڑ چکی تھیں عنبر نے پھر بھی ہمت نہ
ہاری اور ناگ کا مہرہ نکال کر اس مقام پر رکھ دیا جہاں سانپ نے
مہارانی کو ڈسا تھا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی مہرے نے رانی کے

جسم میں سے زہر کو چوسا مگر بہت کم، زہر اس کی رگوں میں دماغ تک پہنچ چکا تھا اور جب زہر ایک بار خون کے ذریعے مختلف رگوں میں سے ہوتا ہوا دماغ کی رگوں میں پہنچ جائے تو پھر انسان کا بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اس کے باوجود عنبر نے ناامید ہونے کی بجائے دوبارہ عزم وہمت سے مہارانی کی جان بچانے کی کوشش شروع کر دی وہ بار بار اس کے حلق میں دوائی ٹپکاتا۔

اس نے مہارانی کی کلائی کی رگ کاٹ کر خون جاری کرنے کی بھی کوشش کی مگر زہر نے اس کے خون کو جما دیا تھا خون رگوں میں جم کر سیاہ ہو گیا تھا عنبر نے آخری بار ایک کوشش کرتے ہوئے مہارانی کے سینے پر دباؤ ڈال کر اس کے سانس کو تیز کرنے کی کوشش کی کہ شاید تازہ ہوا کے دماغ میں جانے سے زہر کا اثر کسی حد تک کم ہو جائے لیکن تقدیر کا لکھا کام کر چکا تھا، ہونی ہو کر رہی تھی۔ مہارانی کا سانس اکھڑنا

شروع ہو گیا راجہ بے بسی کے عالم میں کبھی اپنی رانی کو دیکھتا اور کبھی عنبر کو اس نے کہا۔

عنبر! میں اپنی ساری سلطنت قربان کرنے کو تیار ہوں کسی طرح میری رانی کی جان بچالو۔ اسے اگر کچھ ہو گیا تو پھر میں زندہ نہیں رہوں گا۔

عنبر ماتھے کا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

مہاراج! میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ رانی کی زندگی بچ جائے میں نے اپنی ساری دوائیں آزمالی ہیں آپ رب عظیم سے دعا کریں کیونکہ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

راجہ سجدے میں گر گیا، عنبر پوری ذمے داری اور محنت کے ساتھ مہارانی کے سانس کو درست کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر رانی کا سانس مدھم مدھم ہونا شروع ہو گیا وہ بار بار اکھڑنے لگا اور اس کے بعد مہارانی نے آخری ہچکی لی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے

رخصت ہوگئی۔ راجہ چیخ مار کر مہارانی کے قدموں پر گر پڑا۔
چالیس روز تک سارے ملک میں مہارانی کا سوگ منایا گیا غریبوں میں خیرات تقسیم کی گئی، بھوکوں کو کھانا کھلایا گیا راجہ نے سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے وہ کسی سے نہ ملتا تھا کسی سے بات نہ کرتا تھا بس سارا دن اندر بیٹھا عبادت کرتا رہتا اور مہارانی کی روح کے لئے دعا کرتا رہتا عنبر کو مہارانی کی موت کا بڑا دکھ تھا۔ مہارانی ایک نیک دل عورت تھی اس نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ اس ظلم کا بدلہ سانپ سے ضرور لے گا اس نے سانپ کو محل کے اردگرد باغ میں بڑا تلاش کیا۔ مگر وہ اسے کہیں بھی نہ ملا وہ سانپ کی تلاش میں جنگل میں اس جگہ بھی گیا جہاں ناگن ملکہ جایا کرتی تھی اس نے وہ کھوہ بھی دیکھی جہاں وہ ظالم سانپ رہا کرتا تھا مگر اب وہ وہاں بالکل موجود نہیں تھا البتہ اسے بکری نظر آگئی وہ کھوہ کے پاس ایک جگہ کھڑی گھاس چر رہی تھی عنبر نے سوچا

کہ اگر بکری یہاں موجود ہے تو سانپ بھی ضرور یہیں کہیں چھپا ہوا ہو گا۔ کیونکہ وہ سانپ اس بکری کا دودھ پیتا تھا عنبر جانتا تھا کہ اس قسم کا سانپ جو سینکڑوں سالوں سے زندہ ہو اور جسے انسان کی جون بدلنے میں تھوڑا عرصہ باقی رہ گیا ہو وہ سفر نہیں کیا کرتا بلکہ ایک ہی جگہ بیٹھ کر انتظار کیا کرتا ہے۔

عنبر نے اس جگہ سانپ کی تلاش شروع کر دی وہ بکری کی نگرانی کرنے لگا۔ بکری گھاس چرنے کے بعد کھوہ میں چلی گئی اور پھر باہر نہ آئی۔ عنبر وہاں رات گئے تک بیٹھا رہا مگر بکری باہر نہ آئی اسے سانپ بھی کہیں دکھائی نہ دیا وہ واپس آ گیا۔ دوسرے روز وہ پھر گیا مگر اسے ناکامی ہوئی وہ مسلسل ایک ہفتہ وہاں جاتا رہا ایک روز وہ درخت کے پیچھے چھپ کر بیٹھا کھوہ کی طرف نظریں جمائے دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس نے اسی ظالم سانپ کو دیکھا جس نے رانی کو مار ڈالا تھا۔ سانپ بکری

کی ٹانگوں سے چمٹا ہوا اس کا دودھ پی رہا تھا عنبر نے بے حد افسوس کیا کہ اس روز وہ اپنا تیر کمان ساتھ لانا بھول گیا تھا۔

اب وہ کیا کرے؟ کیا پتھر مارے؟ مگر پتھر کا وار اوچھا بھی پڑ سکتا تھا۔ اور اگر ایک بار پتھر ذرا پرے جا گرا اور سانپ کو عنبر کی موجودگی کا احساس ہو گیا تو وہ وہاں سے ایسا بھاگے گا کہ پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ عنبر سوچ میں پڑ گیا ادھر سانپ بکری کی ٹانگوں سے لپٹا ہوا برابر اس کا دودھ پی رہا تھا زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا سانپ کسی وقت بھی دودھ پی کر وہاں سے جا سکتا تھا۔ آخر عنبر نے سانپ کو آگے بڑھ کر پکڑنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ عنبر کے اوپر سانپ کے زہر کا اثر ہوتا ہی نہیں تھا عنبر درخت کے پیچھے سے نکل کر زمین پر لیٹ کر رینگتے ہوئے سانپ کی طرف بڑھنے لگا۔ سانپ عنبر کی موجودگی سے بے خبر بڑے مزے سے دودھ پی رہا تھا ہو سکتا ہے اگر وہ دودھ پینے

میں مشغول نہ ہوتا تو اسے عنبر کی موجودگی کا احساس ہو جاتا۔ لیکن وہ تو
دودھ پینے میں بڑے مزے سے لگا ہوا تھا اور اسے بالکل معلوم نہ تھا
کہ اس کی موت رینگتی ہوئی اس کے قریب آرہی ہے عنبر نے دل میں
فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سانپ کو فوری طور پر ہلاک کر دے گا کیونکہ اس
نے رانی کو ہلاک کیا تھا وہ ایک قاتل سانپ تھا اور اب اسے دنیا میں
زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

اب سانپ اور عنبر کا درمیانی فاصلہ بہت کم رہ گیا عنبر سانپ کے سبز اور
سفید سر کی کھال کو صاف دیکھ رہا تھا بکری کا جسم اسے کانپتا نظر آرہا تھا
سانپ کی دم آہستہ آہستہ دائیں بائیں دودھ پینے سے جھوم رہی تھی وہ
مست ہو کر دودھ پی رہا تھا اچانک سانپ کی چھٹی حس بیدار ہو گئی
اسے احساس ہوا کہ کوئی انسان اس کے نزدیک پہنچ چکا ہے ادھر عنبر
نے بھی محسوس کر لیا کہ سانپ خبردار ہو گیا ہے اس نے ہاتھ آگے

بڑھایا ہی تھا کہ سانپ ایک جھٹکے کے ساتھ بکری سے الگ ہوا اور بجلی
ایسی تیزی کے ساتھ اچھل اچھل کر کھوہ کے اندر گھس کر غائب ہو گیا
بکری بھی وہاں سے بھاگ گئی۔
عنبر یہ سب کچھ دیکھتا ہی رہ گیا۔
اس سے ذرا سی چوک ہو گئی تھی۔ اگر وہ ایک سیکنڈ پہلے سانپ کی
طرف ہاتھ بڑھا دیتا تو وہ اسے پکڑ سکتا تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا اب تیر
کمان سے نکل چکا تھا سوائے صبر کرنے اور انتظار کرنے کے اور کوئی
چارہ نہ تھا، عنبر کافی دیر وہاں جھاڑی کے پاس بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ
شاید سانپ کسی وقت باہر آئے مگر سانپ اتنا بے وقوف نہیں تھا اور پھر
اس کے دماغ میں باقاعدہ انسانی عقل آنا شروع ہو گئی تھی وہ بول نہیں
سکتا تھا مگر انسانوں کی طرح سوچ ضرور سکتا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ
باہر کھوہ کے پاس اس کا دشمن کھڑا انتظار کر رہا ہے کہ وہ باہر جائے اور

اسے پکڑ کر ہلاک کر دیا جائے۔

اندھیرا ہوتے ہی عنبر واپس محل میں آ گیا۔

عنبر ہر روز دن میں دو ایک بار کھوہ کے پاس آ کر سانپ کی تلاش ضرور کرتا مگر سانپ اسے دوبارا دکھائی نہ دیا چار مہینے گزر گئے اب سانپ کو انسانی شکل بدلنے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے عنبر کو بھی وقت کا پورا پورا احساس تھا اب تبت میں اس کا دل نہیں لگتا تھا چنانچہ اس نے ایک روز راجہ سے کہا کہ وہ ملک یونان جانا چاہتا ہے راجہ نے کہا۔

کیا آپ ہمارے ملک کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں؟

ایسی بات نہیں راجہ۔ میں ایک سیلانی انسان ہوں کبھی کسی ملک میں زیادہ دیر کے لئے نہیں رہتا تبت میں رہتے ہوئے مجھے کئی سال ہو گئے ہیں اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں یہاں سے کوچ کر کے ملک یونان کی سیر کروں اور یونانی جرنیل سکندر اعظم سے ملاقات کروں۔

راجہ نے کہا۔

میں نے سنا ہے کہ سکندر اعظم ساری دنیا کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے؟ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا تم نے تبت میں یونانی سفیر سے ملاقات کی تھی؟

ہاں مہاراج! مگر یونانی سفیر کی باتوں سے مجھے سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ سکندر نے مصر فتح کر لیا ہے اور اب ایران کے بادشاہ دارا کے خلاف چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے۔

تو پھر وہ ایران کے بعد موہنجوداڑو اور پھر تبت پر بھی ضرور حملہ کرے گا۔ میرے جاسوسوں نے تو یہ اطلاع دی ہے کہ وہ دنیا کے سارے ملک فتح کر کے ساری دنیا کا بادشاہ بننا چاہتا ہے۔

اگر ایسی بات ہے تو پھر سکندر بڑا دلچسپ آدمی ہو گا کیونکہ دنیا کا بادشاہ بننے کا خواب آج تک کسی جرنیل نے نہیں دیکھا اور اگر دیکھا بھی ہے

تو وہ پھر زندہ نہیں بچ سکا۔

مگر وہ تو ابھی چھبیس برس کا نوجوان لڑکا ہے۔

سنا میں نے بھی یہی ہے مہاراج۔

راجہ نے بڑی دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

عنبر! اگر تمہیں واقعی یونان جانا ہے تو پھر میری درخواست ہے کہ تم میرا ایک کام ضرور کرو گے۔

میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں مہاراج آپ حکم کریں۔

ہمارا سفیر گندھرو وہاں موجود ہے اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ سکندر اعظم نے خفیہ طور پر تبت پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو برائے مہربانی ہمارے سفیر کو ضرور اطلاع کر دینا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم سکندر اعظم کے دربار میں بڑے اعلیٰ مقام پر ہو گئے کم از کم ایسے مقام پر ضرور ہو گے جہاں سے تمہیں خفیہ اطلاع بھی مل سکتی ہو گی۔

اے راجہ! اگر میں نے سکندر اعظم کی دوستی حاصل کر لی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے سفیر کو خطرے سے پہلے آگاہ کر دوں گا۔

دو روز بعد عنبر نے تبت کو خیر باد کہا اور ملک چین کی طرف روانہ ہو گیا۔ تبت سے چلتے وقت وہ اس کھوہ کے پاس بھی گیا جہاں ناگ پھنی رہتا تھا مگر وہاں کوئی سانپ نہیں تھا، عنبر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا تبت سے ملک چین کی سرحد صرف دو روز کے سفر پر تھی دوسرے روز صبح کے وقت عنبر میدان میں سفر کر رہا تھا کہ وہ تھک گیا ساری رات سفر کرتا رہا تھا وہ ایک جگہ اتر کر آرام کرنے لگا۔ اس نے گھوڑے کو بھی گھاس وغیرہ چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا ابھی اسے لیٹے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اسے کسی سانپ کی پھنکار سنائی دی وہ سمجھ گیا کہ ناگ پھنی اس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا ہے اس نے اٹھ کر دیکھا تو تھوڑے فاصلے پر ناگ پھنی اپنا پھن اٹھائے اس کی طرف تک رہا تھا عنبر کو علم تھا کہ یہ

سانپ انسان کی آواز کو سن کر سمجھ لیتا ہے مگر زبان سے بول نہیں سکتا
عنبر نے بلند آواز میں کہا۔
کیا مہارانی کو ہلاک کرنے کے بعد بھی تمہارا انتقام کا جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ کیا تم اپنی ناگن کی موت کا بدلہ ساری دنیا کو ہلاک کر کے لینا چاہتے ہو؟
ناگ پھنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسی طرح اپنا پھن پھیلائے عنبر کی طرف جھوم جھوم کر دیکھتا رہا۔ عنبر نے ایک بار پھر کہا۔
تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اس لئے کہ میں مرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا اگر تم نے میرے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو خود ہلاک ہو جاؤ گے تم نے رانی کو مار کر اچھا کام نہیں کیا جس طرح تم نے رانی کو مار کر اپنی ناگن کا بدلہ لیا ہے اسی طرح میں تم سے رانی کی موت کا بدلہ ضرور لوں گا۔ تم میرے انتقام سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے

عنبر نے دیکھا کہ سانپ نے اپنا پھن جھکا دیا جیسے عنبر کو جھک کر اس سے معافی مانگ رہا ہو پھر سانپ زمین پر لیٹ گیا اور رینگتا ہوا عنبر کے پاؤں کے پاس آ کر اس نے اپنا سر عنبر کے آگے زمین کے ساتھ لگا دیا اور بالکل ساکت ہو گیا صاف ظاہر تھا کہ وہ عنبر سے اپنے ظلم کی معافی مانگ رہا تھا عنبر نے اسے کچھ نہ کہا۔ اس لئے کہ اس بات کا اسے بعد میں احساس ہوا تھا کہ سانپ دو سو برس کی زندگی کے بعد اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ وہ اسے سوائے پگھلے ہوئے لوہے یا تانبے کی آگ میں ڈالنے کے اور کسی طرح ہلاک نہیں کر سکتا پھر بھی اس نے کہا۔

ابھی تو میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ۔

سکندرِ اعظم کی تلاش میں

سانپ چپکے سے جھاڑیوں میں رینگتا ہوا غائب ہو گیا۔
عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور ملک چین کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام تک وہ
پہاڑی علاقے میں پہنچ گیا، یہاں دور دور تک پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا
تھا وادی میں اکثر زمین پتھریلی تھی کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ اور

ڈھلانوں پر کھیت نظر آ رہے تھے وہ چین کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا رات کے سائے گہرے ہونے لگے تو اسے دور ایک بستی میں روشنی دکھائی دی رات بسر کرنے کے لئے عنبر نے اس بستی کا رخ کیا یہ بستی ایک چینی بستی تھی جہاں کسان رہتے تھے عنبر نے سرائے کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہاں کوئی سرائے نہیں ہے یہاں سردی خوب پڑ رہی تھی ایک بوڑھے چینی نے پوچھا۔

بیٹا! تم کہاں سے آ رہے ہو، اور تمہیں کہاں جانا ہے؟

عنبر نے کہا۔

بابا۔! میں تبت سے آ رہا ہوں اور مجھے سمندری راستے سے یونان جانا ہے کیا اس بستی میں مجھے رات بسر کرنے کو جگہ مل جائے گی؟

بیٹا! یہاں کوئی سرائے نہیں ہے لیکن تم میرے جھونپڑے میں رات بسر کر سکتے ہو، ہم اگرچہ غریب ہیں مگر اپنے ملک میں آئے ہوئے

مہمانوں کی بڑی عزت کرتے ہیں آؤ میرے ساتھ میرا جھونپڑا یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔

عنبر اس بوڑھے چینی کے ساتھ اس کے جھونپڑے میں آ گیا زمین پر پوستین بچھی تھی اور کونے میں چربی کا دیا جل رہا تھا بوڑھے چینی نے عنبر کو قہوہ پلایا اور اسے سمندر کے سفر کے بارے میں بتانے لگا۔

اس نے بتایا کہ وہ چین کے سرحدی گاؤں میں ہے وہاں سے چھ روز کی مسافت پر وہ جنوب کی طرف چلے تو ایک بندرگاہ پر پہنچ جائے گا اس بندرگاہ سے مہینے میں دو بار بادبانی جہاز دوسرے ملکوں کی طرف گرم مسالے، چربی کا تیل اور سلک لے کر جاتے ہیں ان جہازوں میں کہیں نہ کہیں ضرور جگہ مل جائے گی عنبر نے راستے کا نقشہ ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیا۔ رات اس نے بوڑھے چینی کے گرم جھونپڑے کے اندر بڑے سکون کے ساتھ بسر کی صبح اٹھ کر وہ بوڑھے سے

رخصت ہوا اور اس چینی بندرگاہ کی طرف چل پڑا۔ جہاں سے اسے
یونان جانے والا بادبانی جہاز مل سکتا تھا وہ راستے میں آرام کرتا
مسلسل سفر کرتا رہا اس دوران میں اسے سانپ کہیں بھی دکھائی نہ دیا
عنبر سمجھ گیا کہ اس نے پیچھا کرنا چھوڑ دیا ہے اور واپس اپنی کھوہ میں چلا
گیا ہوگا لیکن یہ اس کا خیال تھا۔ سانپ ناگ پھنی برابر اس کے ساتھ
ساتھ چل رہا تھا مگر اس کے سامنے نہیں آرہا تھا اور اب وہ عنبر کا
دوست بننا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ دو ماہ بعد جب وہ انسان
کی شکل اختیار کرلے تو عنبر کے ساتھ دوست بن کر زندگی بسر کرے۔
آخر ساتویں روز عنبر کو دور سمندر میں بادبانی جہازوں کے مستول اور
پھڑ پھڑاتے بادبان کھائی دینے لگے۔ وہ بے حد خوش ہوا کہ اپنی منزل
پر پہنچ گیا تھا، اگرچہ یہ ایک ایسی منزل تھی جہاں سے اس کی زندگی کا
ایک اور سفر شروع ہو رہا تھا اب تو عنبر کی ساری زندگی ایک سفر بن کر رہ

گئی تھی ایک منزل آتی تھی دم بھر کے لئے وہ اس منزل پر قیام کرتا تھا اور پھر کسی دوسری منزل کے لئے سفر شروع کر دیتا تھا کسی وقت وہ اس مسلسل سفر کی زندگی سے تنگ آ کر دیوتاؤں سے دعائیں مانگتا کہ اس سے ہمیشہ کی زندگی چھین لی جائے اور وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح بوڑھا ہو اور پھر مر جائے مگر اس کی یہ دعا کبھی قبول نہیں ہوتی تھی ہمیشہ کی زندگی شاید اس کا مقدر بن کر رہ گئی تھی۔

بندرگاہ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کئی جہاز سمندر میں کھڑے ہیں کچھ جہازوں کے بادبان لپٹے ہوئے ہیں کچھ کے بادبان کھل رہے ہیں اور کچھ سفر شروع کر رہے ہیں کچھ پر سامان لادا جا رہا ہے اور کچھ پر سے سامان اتارا جا رہا ہے بندرگاہ پر بڑی رونق تھی بڑی چہل پہل تھی وہ چین کے ملک کی تجارت کو دیکھ کر بہت حیران ہوا اتنی تجارت تو اس نے اس سے پہلے کسی ملک میں نہیں دیکھی تھی وہ آگے بڑھ کر ایک

آدمی سے ملا جو جہاز پر سامان رکھوا رہا تھا عنبر نے اس سے دو تین بار بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنے کام میں اس قدر مصروف تھا کہ اس نے عنبر کی طرف توجہ ہی نہ کی۔ عنبر چپکے سے ایک طرف بیٹھ گیا جب وہ شخص کا کام سے فارغ ہوا تو عنبر نے اس سے پوچھا کہ وہ جہاز کہاں جا رہا ہے؟ اس آدمی نے عنبر کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر پوچھا۔

تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جانا چاہتے ہو؟

عنبر نے کہا۔

میں ایک جڑی بوٹیوں کا سوداگر ہوں تبت سے آیا ہوں اور ملک یونان جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

مگر یہ جہاز تو یونان نہیں جا رہا۔

یہ کہاں جا رہا ہے؟

مصر۔

مصر کا نام سنتے ہی عنبر کے دل میں پرانی یادوں کے پھول کھل گئے مصر جہاں وہ پیدا ہوا، جہاں دریائے نیل کے کنارے اپنے دوست کے ساتھ کھیل کود کر بڑا ہوا۔ پھر مصر کے شاہی محل میں سازشوں کا شکار ہوا اسے بے اختیار اپنی ماں یاد آ گئی جس کا مقبرہ مصر میں ایک پرانے اہرام کے اندر تھا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر اس نے آنسوؤں کو اندر ہی جذب کر لیا، اس نے کہا۔

میں مصر ہی چلا جاؤں گا وہاں سے کسی جہاز میں سوار ہو کر ملک یونان جانا آسان ہو گا یہ جہاز کب روانہ ہو گا۔

پرسوں رات کو چل پڑے گا۔ ہاں اگر ہوا موافق رہی تو ورنہ موافق ہوا کے انتظار میں اسی جگہ کھڑا رہے گا۔

عنبر نے سواریوں کے بارے میں پوچھا تو اس آدمی نے کہا

اب اس جہاز پر کسی سواری کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہاں اگر تم جہاز کے کپتان سے مل لوتو ہوسکتا ہے وہ تمہارے لئے کچھ کر سکے۔

کپتان سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔

اس وقت وہ بندرگاہ کے ایک قہوہ خانے میں بیٹھا قہوہ پی رہا ہے۔

عنبر وہاں سے سیدھا بندرگاہ کے قریبی قہوہ خانے میں آ گیا، یہاں اسے جہاز کے کپتان کی تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی کپتان سب سے خوبصورت میز پر زرق برق لباس پہنے اکیلا بیٹھا کیکڑوں کے کباب کے ساتھ قہوہ پی رہا تھا عنبر نے سلام کر کے اپنے آنے کی وجہ بیان کی تو کپتان نے سفید رومال سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔

کیا تم ضرور مصر جانا چاہتے ہو؟

جی ہاں۔ اگر آپ مجھے جہاز میں اپنے ساتھ لے جائیں تو میں آپ کا

مکڑے کا جال

بہت شکر گزار رہوں گا مصر میں میری ماں کا مقبرہ ہے میں اپنی ماں کی قبر

پر دعا مانگنا چاہتا ہوں۔

چینی کپتان نے اپنی باریک آنکھوں سے عنبر کو دیکھا اور دیکھ کر پوچھا۔

کیا تم کوئی کام کر سکتے ہو؟

عنبر نے کہا۔

جی ہاں! میں بیماروں کا علاج کر سکتا ہوں میں حکیم بھی ہوں۔

پھر ٹھیک ہے پرسوں شام کو جہاز پر آ جانا اب تم جا سکتے ہو۔

عنبر نے سلام کیا اور شکریہ ادا کر کے وہاں سے واپس آ گیا وہ رات اورا

س سے اگلا دن اس نے بندرگاہ کے باہر ایک چھوٹے سے ٹوٹے

پھوٹے پتھروں کے مکان میں بسر کیا اس نے اپنا گھوڑا ایک منگول

سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اسی روز رات کو جہاز جانے والا تھا

شام کو عنبر جہاز پر آ گیا جہازیوں نے اسے روکا تو عرشے پر کھڑے

کپتان نے مسکرا کر ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اسے اوپر آنے دو۔عنبر جہاز پر سوار ہو گیا اس روز صبح ہی بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی شام کے بعد ہوا میں تیزی آ گئی۔ بادبانی جہاز کے لئے یہ بڑی اچھی اور موافق ہوا تھی کپتان نے رات کا انتظار کئے بغیر ہی حکم دے دیا کہ جہاز کے بادبان کھول دیئے جائیں اور سفر شروع کیا جائے جہازیوں نے مستول پر چڑھ کر اسی وقت بادبان کھول دیئے۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور جہاز نے مغرب کی طرف بندرگاہ سے دور ہٹنا شروع کر دیا رات بڑی تاریک تھی آسمان پر چاند کہیں بھی نہیں تھا لیکن ستارے بے شمار نکلے ہوئے تھے ان کا عکس سمندر میں پڑ رہا تھا۔

جہاز نے سمندر میں اپنے لمبے سمندری سفر کا آغاز کر دیا عنبر کو جہاز کی نچلی منزل کے ایک کونے میں جگہ مل گئی تھی جہاں اس نے اپنا بستر بچھا دیا تھا ادھر اُدھر اور مسافروں نے بھی بستر لگا رکھے تھے جہاز کی نچلی

مکڑے کا جال

منزل بڑی مرطوب تھی۔ یہاں دن کو بھی تھوڑا تھوڑا اندھیرا چھایا رہتا جہاز کو سمندر میں سفر کرتے ہوئے چوتھا دن تھا کہ دوپہر کے وقت اچانک سارے جہاز میں سانپ سانپ کا شور مچ گیا لوگ ڈر کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے جہاز والے لاٹھیاں لے کر سانپ کو تلاش کرنے لگے، اچانک انہیں ایک جگہ لکڑی کے ڈرموں کے پاس سانپ نظر آ گیا مارو مارو کا شور اٹھا اور جہازی لاٹھیاں برسانے لگے مگر سانپ ڈرموں کے پیچھے غائب ہو گیا تھا ڈرم اتنے زیادہ تھے کہ انہیں وہاں سے ہٹانا مشکل کام تھا۔ پھر بھی جہازیوں نے سانپ کو کافی دیر تک تلاش کیا۔

آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اگر سانپ اب نظر آیا تو فوراً بتایا جائے اسے وہیں کچل دیا جائے گا عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ سانپ کہاں سے آ گیا؟ پھر اسے خیال آیا کہ یہ سانپ کہیں ناگ پھنی ہی نہ ہو؟ وہ

ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے بستر کے نیچے کچھ کھڑ بڑ ہوئی اس نے بستر کی چادر ہٹائی تو نیچے وہی سانپ یعنی ناگ پھنی بیٹھا تھا، وہ اس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔

دوست! مجھے صرف تمہاری دوستی یہاں تک کھینچ لائی ہے۔ وگرنہ میں کبھی اپنے آپ کو موت کے منہ میں نہ ڈالتا اب تمہارا فرض ہے کہ میری حفاظت کرو اور مجھے یہاں اپنے پاس چھپائے رکھو۔

قدموں کی چاپ سنائی دی کوئی مسافر آ رہا تھا۔ عنبر نے جلدی سے چادر سیدھی کر دی مسافر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ جہاں وہ بیٹھا تھا اس کے بالکل قریب چادر کے نیچے سانپ لیٹا ہوا تھا مگر سانپ نے بڑی عقل مندی کی کہ اسے کاٹا نہیں وگرنہ وہاں لینے کے دینے پڑ جاتے عنبر چاہتا تھا کہ وہ آدمی جلدی سے وہاں سے اٹھ جائے مگر وہ باتیں ہی کئے جا رہا تھا عنبر نے

تنگ آ کر کہا

بھائی معاف کرنا مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔

اچھا۔ تو آپ جلدی سو جاتے ہیں۔

جی ہاں۔ میں جلدی سو جانے کا عادی ہوں۔

اچھا تو، میں جاتا ہوں صبح کو پھر آؤں گا۔

وہ آدمی گیا تو عنبر نے شکر ادا کیا اس کے جاتے ہی عنبر نے چادر کھسکا کر دیکھا نیچے سانپ اسی طرح لیٹا ہوا تھا عنبر نے کہا۔

تم نے بڑی غلطی کی جو اس جہاز میں سوار ہو گئے اگر ان لوگوں کو تمہاری کھوج مل گئی تو یہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے بہر حال اب اگر تم آ گئے ہو تو یہاں چھپے رہو یہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

سانپ نے اپنا منہ اٹھا کر جیسے کہا۔

شکریہ دوست۔

بادبانی جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا راستے میں کئی طوفان آئے اور گزر گئے بادبان پھٹے ان کی دو بار امرمت کر لی گئی اس دوان میں وہ آدمی ہر روز عنبر کے پاس آ کر ادھر اُدھر کی باتیں کر کے عنبر کے ساتھ دوستی پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ عنبر کے پاس تبت کے راجہ کا دیا ہوا ایک بہت ہی قیمتی ہیرا تھا جو اس نے اپنے بستر کے اندر چھپا رکھا تھا۔ نہ جانے اس شخص کو کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ عنبر کے بستر میں قیمتی ہیرا موجود ہے اب وہ ڈاکو عنبر کے قیمتی ہیرے کے پیچھے پڑا ہوا تھا اس کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح عنبر کو سمندر میں دھکا دے کر گرا دے اور پھر اس کے بستر میں سے قیمتی ہیرا نکال کر اس کا مالک بن جائے لوگ یہی سمجھیں گئے کہ عنبر اتفاقیہ سمندر میں گر گیا ہے اور کسی کو پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ اس ڈاکو نے عنبر کے بستر میں سے

قیمتی ہیرا نکال کر اپنے قبضے میں کر لیا ہے عنبر کو بھی اس ڈاکو کی نیت پر کچھ شک ہو گیا تھا لیکن وہ اپنی طرف سے بہت مطمئن تھا اس خیال سے کہ وہ ڈاکو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اسے یہ خبر ہی نہ تھی کہ اس نے عنبر کو سمندر میں دھکا دے کر گرانے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔

ایک روز جب کہ رات کو سمندر پر چاندنی چھٹکی ہوئی تھی اور بڑا خوبصورت نظارہ تھا، وہ آدمی عنبر کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

بھائی اتنی گرمی میں تم یہاں نچلی منزل میں بیٹھے ہو، ذرا باہر نکلو اوپر جہاز کے عرشے پر چلو دیکھو کس قدر ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے کیسی چاندنی چھٹکی ہوئی ہے عنبر نے سوچا کہ اگر وہ اس آدمی کے ساتھ اوپر نہ گیا تو وہ وہیں اس کے پاس بیٹھ جائے گا اس سے یہی بہتر ہے کہ اوپر چل کر تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد اسے ٹرخا دیا جائے تا کہ پیچھا چھوٹے۔ چنانچہ عنبر اس کے ساتھ اوپر جہاز کے عرشے پر آ گیا، واقعی

مکڑے کا جال

بڑی ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی جہاز بڑی پرسکون رفتار کے ساتھ جا رہا تھا آسمان پر پورا چاند نکلا ہوا تھا اس کی پیلی چاندنی سمندر پر ایک چمکتی چادر کی طرح پھیلی ہوئی تھی عنبر اور وہ ڈاکو عرشے کے جنگلے پر آ کر کھڑے ہو گئے ڈاکو اب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح باتوں میں لگا کر عنبر کو دھکا دے کر سمندر میں گرا دے اور پھر خود ہی شور مچا دے کہ اس کا دوست سمندر میں گر گیا ہے اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جہاز پر سے بیچ سمندر میں گرے ہوئے مسافر کو کبھی بچایا نہیں جا سکتا، اس زمانے میں ایسی کوئی شے ایجاد نہیں ہوئی تھی جو سمندر میں پھینک کر مسافر کو ڈوبنے سے بچا سکے، شاید اپنی دو ہزار برس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ عنبر کو بالکل محسوس نہیں ہوا کہ اس کا دشمن اس کے پاس کھڑا اسے سمندر میں دھکا دینے کا موقع تلاش کر رہا ہے وہ اس کے پاس کھڑا اس کی بے معنی باتوں پر صرف ہوں ہاں ہی کر رہا

تھاڈاکو سوچ رہا تھا کہ وہ ذرا سا پیچھے ہو کر عنبر کو بڑی آسانی سے سمندر میں دھکیل سکتا ہے عنبر دونوں کہنیاں جنگلے کی لکڑی پر رکھے جھکا کھڑا تھا۔

ڈاکو مسافر پیچھے ہو کر دھکا دینے ہی والا تھا کہ عنبر نے پہلو بدل لیا اور اس کا وار خالی گیا اسے بڑا افسوس ہوا یہ ایک سنہری موقع تھا جو اس کے ہاتھ میں سے نکل گیا اس نے اردگرد دیکھا وہاں دو چار مسافر ہی کھڑے تھے............. اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اسے سمندر میں گرا دے تو شاید کسی کو علم بھی نہ ہو گا تھوڑی دیر میں عرشے پر سے مسافر نیچے چلے گئے اب وہ دونوں وہاں تنہا رہ گئے ڈاکو بڑا خوش ہوا کہ اب وہ بڑی آسانی اور آزادی سے اپنے منصوبے پر عمل کر سکتا ہے آخر اسے موقع مل ہی گیا عنبر سمندر میں کچھ دیکھنے کے لئے آگے جھکا تو ڈاکو نے دونوں ہاتھوں سے اسے دھکا دینے کے لئے اس کے

پیچھے بڑھائے ابھی ہاتھوں نے عنبر کو چھوا نہیں تھا کہ ڈاکو کے پاس ہی سانپ کی خوفناک پھنکار سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے پلٹ کر دیکھا تو ڈاکو اس حالت میں پایا گیا کہ وہ اسے دھکا دینے والا تھا عنبر تڑپ کر پرے ہٹ گیا اور سانپ نے اچھل کر ڈاکو کی گردن پر ڈس لیا اور غائب ہو گیا۔

ڈاکو کے منہ سے مارے دہشت کے ایک چیخ نکلی اور وہ اس طرح لڑ کھڑایا کہ عنبر کے دیکھتے دیکھتے جنگلے پر سے پھسل کر سمندر میں جا گرا۔ سانپ کے زہر نے اس کے حلق کو بند کر دیا تھا وہ دوسری بار آواز بھی نہ نکال سکا۔ اس نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور پھر سمندر کی طوفان خیز موجوں نے اسے نگل لیا۔

عنبر حیرانی سے کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہ گیا۔ ایک پل کے اندر اندر یہ سب کچھ ہو گیا اس پر یہ بھید کھلا کہ ڈاکو اسے سمندر میں دھکیلنے والا ہے۔

سانپ نے اچھل کر ڈاکو کو کاٹ کھایا اور پھر وہ لڑھک کر سمندر میں گر پڑا سانپ بھی غائب ہو گیا اب اس نے شور مچایا کہ ایک مسافر سمندر میں گر پڑا ہے جہازی وہاں جمع ہو گئے انہوں نے سمندر کی طرف دیکھا سمندر کی لہریں بڑے سکون سے بہہ رہی تھی چاندنی پھیلی ہوئی تھی جہاز خاموشی سے اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا تھا جہاز یوں نے ہنس کر عنبر کو دیکھا اور واپس چلے گئے جیسے کہہ رہے ہو۔ پاگل تو نہیں ہو گئے؟ وہ بھی سچے تھے اس لئے کہ آدمی جب سمندر میں گرتا ہے تو ایک دم نہیں ڈوب جاتا وہ شور مچاتا ہے۔

ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر اس مسافر نے تو ایک بار بھی سمندر سے سر باہر نہیں نکالا تھا نہ شور مچایا تھا نہ ہاتھ پاؤں مارے تھے۔ اب ان لوگوں کو کیا خبر تھی کہ سانپ کے زہر نے ڈاکو کے جسم میں داخل ہو کر اسے اس قابل ہی نہیں چھوڑا تھا کہ وہ ہاتھ پاؤں ہلا سکے یا آواز دے سکے۔

مکڑے کا جال

ڈاکو بری نیت سے آیا تھا وہ سمندر میں غرق ہو گیا جہاز اپنی منزل کی
طرف سفر کرتا رہا کئی بار سورج نکلا اور غروب ہو گیا کئی راتیں آئیں
اور گزر گئیں کئی طوفان آئے اور جہاز کو جھنجھوڑ کر آگے نکل گئے جہاز
سمندر میں چلتا رہا۔ آخر ایک روز صبح کو سورج نکلا تو اس کی روشنی میں
مسافروں کو دور ایک سیاہ لکیر سی دکھائی دی ہر طرف شور مچ گیا زمین آ
گئی زمین آ گئی۔ مسافروں کے چہرے جو کہ لمبے سفر کی وجہ سے مرجھا
گئے تھے خوشی سے چمک اٹھے۔ دوپہر کے وقت جہاز ایک طویل بحری
سفر کے بعد بندرگاہ پر آن لگا معلوم ہوا کہ یہ بحیرہ فارس کی ایک
چھوٹی سی بندرگاہ ہے جہاں سے قافلے ملک شام ایران، اور مصر کو
جاتے ہیں عنبر کو ہواؤں میں اپنے وطن کی خوشبو محسوس ہوئی اس نے
بستر باندھا سانپ کو ایک کونے میں بند کر کے اوپر کپڑا لپیٹا اور
بادبانین جہاز سے اتر کر نیچے آ گیا اتنی مدت کے بعد زمین پر پاؤں

رکھ کر اسے بے حد خوشی محسوس ہوئی جہاز کے ہچکولوں کی وجہ سے اس کا سر ابھی تک چکرا رہا تھا۔

یہ بندرگاہ بھی اس زمانے کی چھوٹی بندرگاہوں کی طرح تھی، ایک مدت کے بعد عنبر نے ریت اور کھجور کے درختوں کے جھنڈ دیکھے تھے یہاں سردی نہیں گرمی تھی عنبر ایک سرائے میں آ کر ٹھہر گیا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ایک قافلہ اگلے روز ایران کی طرف روانہ ہونے والا ہے عنبر قافلہ کے سردار سے ملا اور اس نے اپنا مختصر سا سامان اس کے حوالے کر کے چاندی کے کچھ سکے بھی ادا کر دیئے یہاں اسے خبر ملی کہ ایران پر شہنشاہ دارا کی حکومت ہے جو شام سے لے کر بحیرہ فارس تک پھیلی ہوئی ہے اور لوگ اس کی حکومت میں خوش حالی اور امن کی زندگی بسر کر رہے ہیں اگلے روز وہ قافلے کے ساتھ ایران کی طرف روانہ ہو گیا۔

مکڑے کا جال

اس سارے علاقے پر بادشاہ دارا کی حکومت تھی۔عنبر نے دیکھا کہ راستے میں جہاں کہیں کسی منزل پر قافلہ پڑاؤ کرتا وہاں کنواں سرائے اور عبادت گاہ ضرور ہوتی بادشاہ کی طرف سے مقرر کئے گئے گورنر کے سپاہی وہاں پہرہ دیتے۔سراؤں میں کسی کا مال چوری نہ ہوتا راستے میں کسی ایک جگہ بھی ڈاکوؤں نے قافلے کو لوٹنے کی کوشش نہ کی کئی راتوں کئی دنوں کے سفر کے بعد عنبر قافلے کے ساتھ ملک ایران کے دارالسلطنت ماژندران پہنچ گیا۔یہ ایک بڑا اور شاندار شہر تھا۔
بازاروں میں گہما گہمی تھی دکانیں ریشمی کپڑوں،عنبر و کستوری اور کھانے پینے کی چیزوں سے بھری پڑی تھیں،لوگوں کے چہروں پر خوش حالی اور سکون کا اثر صاف ظاہر تھا عنبر قافلے سے نکل کر کارواں سرائے کی تلاش میں چل پڑا ایک بازار کا موڑ گھومتے ہوئے ایک لنگڑے آدمی نے کہا۔

سرائے میں چلنا ہے۔ تو میرے ساتھ چلیں۔

﴿جاری ہے﴾

یہ لنگڑا آدمی کون تھا اور عنبر کو کس پراسرار سرائے میں لے گیا۔ عنبر نے شہنشاہ دارا سے کن حالات میں ملاقات کی؟

عنبر کو دوست سانپ کب انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔؟

سکندر اعظم سے عنبر کی ملاقات کیونکر ہوئی ....یہ تمام واقعات آپ کو اس ناول کی اگلی قسط ''میں سانپ ہوں میں ملیں گے''

عنبر۔ناگ۔ماریا

(قسط نمبر ۱۰)

میں سانپ ہوں

اے۔حمید

میں سانپ ہوں

سنو پیارے بچو!

عنبر، ہمارا ہیرو، اپنے پراسرار دوست کے ساتھ ملک ایران میں داخل ہوا ہے۔ ناگ ایک سانپ ہے۔ اسے زندہ رہتے ہوئے پانچ سو برس گزر گئے ہیں۔ اب اس میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ وہ انسان کا روپ میں آ جائے؛ چنانچہ ناگ اصل میں ایک سانپ ہے جس نے انسان کی شکل بدل رکھی ہے۔ وہ عنبر کا دوست بن جاتا ہے۔ کیونکہ عنبر اس کے زہر سے نہیں مرتا۔ اس لئے کہ عنبر کبھی نہیں مر سکتا۔

اسے ایک دعا ملی ہوئی ہے کہ جب تک اس کا مرشد نہ چاہے زندہ رہے گا۔ ایران میں عنبر اپنے دوست ناگ کے ساتھ شہنشاہ دارا کے دربار میں آتا ہے۔ عنبر کے پاس تبت کے راجہ کا دیا ہوا قیمتی ہیرا بھی ہے۔ یونان میں جا کر عنبر سکندر اعظم سے ملاقات کرتا ہے۔ اس سے آگے یہاں سے پڑھیے۔

اے۔ حمید

ہیروں کے چور

لنگڑا آدمی عنبر کو لے کر شہر کے گنجان علاقے میں آ گیا۔

یہاں تنگ و تاریک گلیاں تھیں اور مکانوں کے اوپر مکان چڑھے ہوئے تھے۔ دکانوں پر لوگوں کا شور مچا تھا۔ ایک گلی کا موڑ گھوم کر وہ

میں سانپ ہوں

آدمی عنبر کو ایک اندھیرے مکان کی ڈیوڑھی میں لے آیا۔ اس مکان پر انگور کی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ ڈیوڑھی میں اندھیرا اور ٹھنڈک تھی۔ آگے ایک صحن آگیا جس کے درمیان میں چھوٹا سا فوارہ لگا ہوا تھا۔ پانی فوارے میں سے نکل کر تالاب میں گر رہا تھا جس میں رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ عنبر نے لنگڑے آدمی سے پوچھا۔ کہ یہ سرائے کونسی ہے؟ اس کے جواب میں اس نے صرف اتنا کہا:

''تمہیں یہاں ہر قسم کا آرام ملے گا۔''

لنگڑا آدمی عنبر کو ایک کمرے میں لے آیا جس کے دروازوں پر محرابیں بنی ہوئی تھیں اور زمین پر بڑے قیمتی قالین بچھے تھے۔ ایک طرف پلنگ لگا تھا۔ عنبر سے لنگڑے آدمی نے کہا:

''آپ یہاں آرام کریں میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔''

لنگڑا چلا گیا تو عنبر نے کمرے کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ یہ سرائے نہیں ہے بلکہ کسی کھاتے پیتے آدمی کا گھر ہے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اسے سرائے کی بجائے خاص اور آرام دہ مکان میں کیوں لایا گیا تھا؟ کیا ان لوگوں کی اس کے قیمتی ہیرے پر نظر تھی۔ کیا ان کے جاسوسوں نے ڈاکوؤں کو خبر کر دی تھی کہ عنبر نام کا ایک آدمی تبت کے راجہ کا انتہائی قیمتی ہیرا لے کر سفر کر رہا ہے۔ اسے ماژندران میں ہی قابو میں کر لیا جائے۔ اگر ایسی بات تھی تو عنبر بھی بہت ہوشیار تھا اس نے ہیرے کو اندر والی جیب سے نکال کر اپنے جوتوں میں چھپا لیا تھا۔ وہ ایک اجنبی ملک میں تھا۔ یہاں اسے ہر قدم پر خطرے سے دوچار ہونا تھا اور ایک ایک قدم اسے پھونک پھونک کر اٹھانا تھا۔ لنگڑا آدمی اسے بڑا پراسرار لگتا تھا۔ عنبر نے سانپ ناگ پھنی والا مرتبان پلنگ کے نیچے رکھ دیا۔ ابھی وہ غور ہی کر رہا تھا کہ اس اجنبی شہر میں وہ کیا کام کرے کہ اس کی روزی کا کوئی سلسلہ

بن جائے کہ لنگڑا آدمی کھانا لیکر آ گیا۔ کھانا دے کر وہ چلا گیا۔ کھانے میں بکرے کا بھنا ہوا گوشت اور دودھ تھا۔ کھانا کھانے کے بعد عنبر نے دودھ کٹورے میں ڈال کر سانپ کو پلایا اور اسے دوبارہ مرتبان میں بند کر دیا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ پلنگ پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اس شہر میں اسے ایک دکان کھولنی چاہیئے جہاں وہ بیماروں کا علاج شروع کر دے۔ اس کے علاوہ وہ کوئی اور کام کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کچھ جڑی بوٹیاں اور عرق اس کے پاس موجود تھے۔ اتنے میں دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا ڈاکو نما آدمی مسکراتا ہوا اندر آیا اور عنبر کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا:

''میرا نام پرویز سیاہ پوش ہے میں اس شہر میں ہیرے جواہرات کا کام کرتا ہوں۔ یہ سرائے بھی میری ہے۔ مگر میں اپنی پسند کے

لوگوں کو یہاں رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔ لنگڑا خادم میرا غلام ہے۔ اس کو میری پسند کے لوگوں کا علم ہے؛ چنانچہ وہ ایسا ہی مسافر یہاں لاتا ہے جو مجھ پسند آجائے۔''

عنبر نے سیاہ پوش سے ہاتھ ملایا اور مسکرایا اور کہا:

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں بھی عام قسم کی سرائے میں ٹھہرنے کا عادی نہیں ہوں۔ آپ کا کھانا نہایت عمدہ تھا اور کمرہ بڑا آرام دہ ہے۔''

سیاہ پوش عنبر کے پاس بیٹھ کر بولا:

''آپ کو یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ فرمائیے کہ آپ کا ملک ایران میں کیسے آنا ہوا؟ کیا آپ سوداگر ہیں؟ یا غلاموں کی خرید و فروخت کا کام کرتے ہیں؟''

عنبر نے کہا:

''جی نہیں میں جڑی بوٹیوں کا کام کرتا ہوں اور بیماروں کا علاج بھی کرتا ہوں۔ میں تبت شہر میں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں گیا ہوا تھا۔ وہاں سے سیدھا آپ کے شہر میں آرہا ہوں۔''

سیاہ پوش بہت خوش ہو کر کہنے لگا:

''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ بیماریوں کا علاج بھی جانتے ہیں۔ میری ایک بیوی ہے جو ملک مصر کی رہنے والی ہے میں نے اسے دس ہزار سونے کے سکوں کے عوض یمن سے خرید اتھا۔ اسے ایک عجیب بیماری لگی ہوئی ہے وہ رات کو سوتے میں چلنا شروع کر دیتی ہے کیا آپ کے پاس اس بیماری کا کوئی علاج ہے؟''

عنبر نے کہا:

''ایسی کوئی بیماری نہیں جس کا کوئی علاج نہ ہو۔ میں کوشش کروں گا کہ وہ اچھی ہو جائیں۔''

''مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر میری بیوی کی بیماری دور ہو جائے کیونکہ وہ اکثر راتوں میں اٹھ کر چلنا شروع کر دیتی ہے اور کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ ابھی پرسوں میں اسے دریا کے کنارے سے پکڑ کر لایا ہوں اگر تھوڑی دیر اور ہو جاتی تو وہ یقیناً دریا میں ڈوب گئی ہوتی۔ اس طرح میرے دس ہزار سونے کے سکے بھی اس کے ساتھ ہی ڈوب جاتے۔''

عنبر نے محسوس کیا کہ سیاہ پوش اس کے پلنگ کے نیچے رکھے ہوئے مرتبان کو بار بار دیکھ رہا تھا آخر اس سے نہ رہا گیا۔ پوچھنے لگا:

''کیا اس مرتبان میں بھی کوئی عرق ہے؟''

''جی ہاں' اس میں جوڑوں کے درد کا ایک خاص عرق ہے۔''

''کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟''

سیاہ پوش نے ہاتھ مرتبان کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ عنبر نے اسے

روک دیا:

''معاف کریں میں اسے ہوا نہیں لگا سکتا۔ ابھی یہ عرق پوری طرح تیار نہیں ہوا۔ اسے میں ایک ہفتے بعد کھولوں گا اگر اس وقت اس کا ڈھکن اٹھا دیا تو اس کا اثر ضائع ہو جائے گا۔''

''کوئی بات نہیں۔''

سیاہ پوش تھوڑی دیر کے بعد چلا گیا۔ جاتے جاتے وہ یہ کہہ گیا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس اسے کل لے کر جائیگا۔ عنبر اس کے جانے کے بعد سوچ میں پڑ گیا کہ یہ شخص حقیقت میں کون ہے۔ وہ اسے بڑا پر اسرار آدمی لگتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ نہ تو وہ سرائے کا مالک ہے اور نہ ہی اس کی بیوی بیمار ہے۔ پھر اسے عنبر کے ساتھ کیا لالچ ہو سکتا ہے؟ کیا اسے علم تو نہیں ہو گیا کہ اس کے پاس ایک قیمتی ہیرا موجود ہے۔ عنبر کو یقین تھا کہ وہ ہیرے کی تلاش میں

ہے۔بہر حال وہ ہر قسم کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو گیا۔

اس دوران میں عنبر نے شہر میں گھوم پھر کر معلوم کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسی حویلی خالی ہو جہاں بیٹھ کر وہ بیماروں کا علاج کر سکے اور شہر کے بارے میں اُس ملک کے بادشاہ دارا کے بارے میں معلومات حاصل کر سکے۔شام کو وہ سرائے میں واپس آیا تو سیاہ پوش نے پوچھا:

''آپ شہر کی سیر کرنے گئے تھے کیا؟ میں نے آپ کو چوک میں دیکھا تھا۔آپ پہلے کہتے تو میں اپنا غلام آپ کے ساتھ کر دیتا۔وہ آپ کو سارے شہر کی سیر کرواتا۔''

عنبر نے کہا:

اصل میں سیر کرنے کا تو اک بہانہ تھا۔مجھے کسی ایسی حویلی کی تلاش ہے جہاں میں بیماروں کے علاج کا کام کر سکوں۔''

''ارے تو آپ نے مجھ سے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔میری اپنی

حویلی ایک چوک میں خالی پڑی ہے۔ آپ بیشک وہ لے لیں۔ میں آپ سے اس کا کرایہ بھی وصول نہیں کروں گا۔ آپ جتنی دیر چاہیں وہاں رہیں اور اپنا کام کریں کیوں کیا خیال ہے؟''

عنبر بولا:

''خیال تو بڑا نیک ہے مگر میں کرایہ ضرور ادا کروں گا۔''

سیاہ پوش جھٹ بولا:

''بھائی اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ آخر آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اگر ہم آپ کی خدمت نہیں کریں گے تو پھر اور کون کرے گا۔ ویسے بھی بیماروں کا علاج کرنا ایک نیک کام ہے۔ آپ بیشک آج ہی جا کر میری حویلی لے لیجئے میرا غلام آپ کو وہاں لے جائے گا۔''

عنبر کو اس وقت ایران کے شہر میں ایک ایسے ٹھکانے کی اشد ضرورت تھی جہاں وہ بیٹھ کر اپنا کام کر سکے اور اس ملک میں اپنی نئی

زندگی شروع کر سکے۔ سیاہ پوش کی باتوں سے اسے سازش کی بو ضرور آ رہی تھی۔ لیکن چونکہ وہ ہر سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا اس لئے اس سیاہ پوش کی حویلی میں اڈہ جمانے کا فیصلہ کرلیا۔

اس نے مسکرا کر کہا:

''گر آپ اتنا اصرار کرتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا؟ میں آج ہی چل کر حویلی دیکھ لیتا ہوں۔''

سیاہ پوش نے خوش ہو کر کہا:

''مجھے خوشی ہے کہ آپ نے خاکسار کو خدمت کا موقع دیا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ کل وہاں جائیں اور یہ رات میرے مکان پر ہی بسر کریں۔ اس سے میری عزّت افزائی ہو گی۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔''

وہ رات عنبر سیاہ پوش کے مکان پر ہی ٹھہرا۔ رات کا کھانا اس نے

سیاہ پوش کے ساتھ مل کر کھایا۔لنگڑا غلام بڑی ہوشیاری سے خدمت کر رہا تھااور دستر خوان پر قسم قسم کے کھانے لا کر سجا رہا تھا کھانے کے بعد عنبر اکیلا ہی شہر کی سیر کو نکل گیا۔کمرے کو وہ تالا لگا گیا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ سیاہ پوش کو ناگ پھنی سانپ کے بارے میں کچھ معلوم ہو؛ چنانچہ سانپ کے مرتبان کو اس نے اپنے بستر کے نیچے چھپا دیا تھا شہر میں خوب روشنی ہو رہی تھی۔یہ ایک بہت رونق والا شہر تھااور عنبر نے محسوس کیا کہ لوگ بڑی خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

کاروان سارئے کے باہر گھوڑوں اور اونٹوں کی قطاریں بندھی تھیں جن پر تجارت کا سامان لدا ہوا تھا عبادت گاہوں میں آگ کی پوجا ہو رہی تھی مکانوں میں شمعیں روشن تھیں اور لوگ ہنسی خوشی رات کے کھانے کے بعد گپ بازی کر رہے تھے یا سونے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے شہر کے ہر چوک میں پہریدار سپاہی موجود تھے عنبر کو دو

ہزار برس کا پرانا مصر یاد آ گیا۔ فرعون کے زمانے میں وہاں بھی ایسا ہی بہترین انتظام ہوتا تھا۔

کافی دیر بعد سیر کرنے کے بعد عنبر واپس حویلی میں آیا تو اس کے کمرے پر اسی طرح تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور کپڑے بدل اپنے بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ وہ اس مرتبان کو کھول کر دیکھے کہ سانپ وہاں موجود ہے یا نہیں؟ اسے وہم سا پڑ گیا تھا جیسے اس کے بعد سیاہ پوش نے اس کے کمرے کی تلاشی لی ہے۔ ہیرا تو اس کے جوتوں میں چھپا ہوا تھا۔ عنبر جلدی سے اٹھا اور پلنگ کے نیچے سے اس نے مرتبان نکال کر اس کا ڈھکنا اٹھایا؛ تو وہ دھک سے رہ گیا۔

مرتبان میں سے سیاہ سانپ غائب تھا۔

اس نے کمرے میں ایک ایک شے کی تلاشی لی۔ ہر ایک صندوق

اور کپڑے کو اٹھا کر دیکھا۔ مگر سانپ کہیں بھی نہیں تھا۔ کیا سیاہ پوش نے سانپ کو اغوا کر لیا ہے؟ مگر اسے سانپ کو چرانے کی کیا ضرورت تھی؟ کہیں سانپ نے سیاہ پوش یا لنگڑے کو ہلاک تو نہیں کر دیا؟ کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ ناگ پھنی کو پکڑنے کے لئے کوئی اور مرتبان میں ہاتھ ڈالے اور وہ اسے کاٹ نہ کھائے۔ عنبر سوچ میں پڑ گیا کہ وہ سیاہ پوش کو کیسے وہاں بلائے آخر اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور باہر صحن میں فوارے کے پاس آ کر ٹہلنے لگا۔ اچانک اسے سیاہ پوش اپنے کمرے سے باہر نکلتا دکھائی دیا اس نے بھی عنبر کو فوارے کے پاس ٹہلتے دیکھ لیا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا عنبر کے پاس آیا اور بولا:

"میرے بھائی کیا آپ کو گرمی کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی؟ اس دفعہ ہمارے شہر میں کچھ زیادہ ہی گرمی پڑ رہی ہے۔ میں خود گرمی محسوس کر رہا ہوں۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے لئے غلام سے کہوں کہ وہ ٹب

میں ٹھنڈا پانی بھر دے۔''

عنبر کو معلوم ہو گیا کہ سیاہ پوش کے ساتھ ساتھ لنگڑا غلام بھی زندہ ہے اور سانپ نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں کاٹا۔ پھر وہ کہاں چلا گیا؟ کیا سیاہ پوش سانپ کو پکڑنے کے طریقے سے واقف ہے؟ اس نے سیاہ پوش سے سانپ کے بارے میں پوچھنا مناسب خیال نہ کیا۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی بیان کر چکا تھا کہ مرتبان میں عرق پڑا ہے۔ اس نے کہا:

''جی نہیں، گرمی زیادہ نہیں ہے۔ مگر چونکہ میں تبت کے سرد علاقے میں رہ کر آیا ہوں۔ اس لئے مجھے کچھ زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ غسل کرنے کی میں ضرورت محسوس نہیں کر رہا۔ بس تھوڑی دیر ٹہلنے کے بعد طبیعت بہل جائے گی۔''

سیاہ پوش بھی عنبر کے ساتھ ہی صحن میں ٹہلنے لگا اور اپنی بیوی کے

بارے میں باتیں کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ عنبر اسی وقت چل کر اس کی بیوی کو دیکھے۔ لیکن عنبر نے کہا کہ وہ کل اسے دیکھے گا اور پھر اسے کوئی ایسی دوائی دے گا کہ جس سے اس کا سوتے میں چلنا رک جائے گا۔ عنبر کچھ دیر ٹہلنے کے بعد واپس اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا اسے نیند آنے لگی تو اس نے شمع بجھا دی اور سو گیا۔

آدھی رات کو کسی چیز کے گرنے کی کمرے میں آواز پیدا ہوئی اور عنبر کی آنکھ کھل گئی ہڑ بڑا کر اٹھنے یا آواز دے کر پکارنے کی بجائے وہ اسی طرح پلنگ پر لیٹا رہا۔ صرف اس نے تھوڑی سی آنکھ کھول کر کمرے کا جائزہ لیا۔ سلاخ دار کھڑکی میں سے ہلکی ہلکی چاندنی اندر آ رہی تھی۔ اس مدھم روشنی میں عنبر نے سیاہ پوش کو دیکھا کہ کمرے کی دیوار کے ساتھ چوروں کی طرح کھڑا ہے اور اس کی ٹھوکر لگنے سے

تپائی پر سے تانبے کا کٹورا نیچے گر پڑا ہے۔ سیاہ پوش کو جب اطمینان ہو گیا کہ عنبر کٹورا گرنے کے شور سے نہیں جاگا تو وہ دیوار سے ہٹ کر آگے بڑھا۔ اور عنبر کے بستر کے پاس آ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اور یوں خراٹے لینے لگا جیسے گہری نیند سویا ہو۔ سیاہ پوش نے اب عنبر کے کپڑوں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ یہ کپڑے لکڑی کے تخت پر پڑے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سیاہ پوش کو کسی خاص چیز کی تلاش ہے جو اسے مل نہیں رہی۔ عنبر کو معلوم تھا کہ وہ اس کے قیمتی ہیرے کو تلاش کر رہا ہے۔ یہ ہیرا عنبر نے اپنے سرہانے کے نیچے چھپا رکھا تھا اور سرہانے کے نیچے سیاہ پوش ہاتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔

عنبر کے کمرے کی اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد جب سیاہ پوش کے ہاتھ کچھ نہ آیا تو وہ چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اس کے

جانے کے بعد عنبر کچھ دیر دم سادھے بستر پر لیٹا رہا۔ پھر اٹھا اور اس نے کواڑ اندر سے بند کر لئے۔ وہ حیران تھا کہ سیاہ پوش نے باہر کھڑے ہو کر اندر لگی ہوئی کنڈی کیسے کھول لی؟ وہ کھڑکی کی سلاخوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے جھانک کر نیچے گلی میں دیکھا اس کے دیکھتے ہی ایک سایہ لپک کر ایک طرف کو ہو گیا۔ عنبر نے صاف دیکھ لیا کہ وہ لنگڑا غلام تھا۔ تو گویا وہ لنگڑا غلام بھی سیاہ پوش کی سازش میں شریک تھا۔

عنبر نے کھڑکی بند کر دی اور پلنگ پر آ کر لیٹ گیا۔ باقی ساری رات اسے نیند نہ آئی۔ اس نے سرہانے کے نیچے ہاتھ لے جا کر ہیرے کو دیکھا اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اسے تسلی ہو گئی۔ مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ پچھلے پہر جا کر کہیں اس کی آنکھ لگی اور وہ دن چڑھے تک سوتا رہا۔ جب لنگڑے غلام نے ناشتے کے لئے

دروازہ کھٹکھٹایا تو دن کافی نکل آیا تھا۔ غلام ناشتہ لیکر اندر آ گیا۔

''حضور کافی دیر تک سوئے رہے۔ میں اس سے پہلے بھی دو بار آپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر واپس چلا گیا ہوں۔ لیجئے ناشتہ حاضر ہے۔ میرا آقا آپ کو صبح کا سلام کہہ رہا تھا۔''

''اپنے آقا کو میرا بھی سلام کہنا اور اس کا شکریہ بھی ادا کرنا۔''

لنگڑا غلام چپکے سے باہر نکل گیا۔ ناشتے کے بعد عنبر نے کپڑے پہنے۔ قیمتی ہیرے کو اپنی جوتی میں چھپایا اور جب لنگڑا غلام برتن لینے آیا تو اسے کہا:

''اپنے آقا سے کہو کہ میں نئی حویلی دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''بہت بہتر حضور' آپ تیار ہو جائیں۔ میں ابھی حاضر ہو کر آپ کو نئی حویلی میں لئے چلتا ہوں۔''

عنبر کمرے سے نکل کر باہر صحن میں آ کر فوارے کے پاس سنگ مر

مر کی کرسی پر بیٹھ کر لنگڑے غلام کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں سیاہ پوش بھی اپنے سیاہ لباس میں ملبوس ہو کر وہاں آ گیا۔ اس کا چہرہ بڑا ہشاش بشاش تھا۔ رات کو جو اس کو ہیرا تلاش نہ کر سکنے پر ناامیدی ہوئی تھی۔ اس کا اس کے چہرے پر ذرا سا بھی اثر نہیں تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے عنبر سے ہاتھ ملایا:

''خوبصورت ایران کی پہلی صبح مبارک ہو بھائی۔''

''آپ کو بھی صبح مبارک ہو۔''

''چلیے میرے ساتھ میں خود آپ کو حویلی دکھاتا ہوں۔ بلکہ آپ ابھی سے اس حویلی پر قبضہ کر لیجئے۔ اسے اپنی ہی حویلی سمجھو اور بیماروں کا علاج شروع کر دیجئے۔ دکھوں انسانوں کی خدمت کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔''

''ضرور ضرور، میں تو اسی لئے تیار ہو کر آیا ہوں۔''

''تو پھر تشریف لے چلئے۔''

اور عنبر سیاہ پوش کے ساتھ ایک رتھ میں سوار ہو کر نئی حویلی کیطرف روانہ ہو گیا۔ یہ حویلی شہر کے کنارے پر ایک گنجان محلے کی چھتی ہوئی گلی میں واقع تھی۔ چھت کی وجہ سے گلی میں دن کے وقت بھی ٹھنڈا ٹھنڈا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ حویلی کافی کھلی تھی اور اندر صحن میں اناروں کے درخت لگے ہوئے تھے۔ جن کی ٹہنیاں سرخ سرخ موٹے اناروں سے لدی پھندی تھیں۔

عنبر کے لئے یہ جگہ بہت موزوں تھی۔ اس نے اسی روز اپنا سامان سیاہ پوش کے مکان سے لا کر نئی حویلی میں رکھ دیا۔ باہر ایک لکڑی کی تختی لگا دی جس پر پارس کی زبان میں لکھا تھا کہ یہاں بیماروں کا علاج ہوتا ہے۔ دوپہر کے کھانے پر عنبر سرائے میں آیا تو سیاہ پوش نے کہا کہ کھانا کھانے کے بعد وہ اس کی بیمار بیوی کو چل کر دیکھ لے۔ عنبر

نے سوچا کہ یہ کام بھی کر ہی ڈالنا چاہئے۔اس نے کہا کہ وہ ضرور چل کر اس کی بیمار بیوی کا معائنہ کرے گا۔معلوم ہوا کہ اس کی یمن کی بیوی شہر سے باہر ایک مکان میں رہتی ہے۔عنبر سیاہ پوش کے ساتھ شہر سے باہر آ گیا۔جس مکان میں اس کی یمنی بیوی رہتی تھی وہ ایک منزلہ تھا اور اس کے صحن میں سرو کے درخت دیوار کے اوپر سے صاف نظر آ رہے تھے۔سیاہ پوش گھوڑے پر سے اتر کر عنبر کو مکان کے اندر لے گیا۔اور ایک سجے ہوئے کمرے میں بٹھا دیا خود وہ اپنی بیوی کو لینے چلا گیا۔تھوڑی دیر کے بعد اسے کچھ اس قسم کی زنانہ آواز سنائی دی جیسے کسی عورت کے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہو۔وہ پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

چیخ کی آواز فضا میں گم ہو چکی تھی۔

سیاہ پوش کون تھا؟

عورت کی چیخ کی آواز بڑی خوفناک تھی۔

لیکن یہ آواز ایک بار سنائی دے کر دوبارہ سنائی نہیں دی۔ عنبر کچھ پریشان بھی ہوا کہ یہ چیخ کی آواز کس عورت کی تھی۔ کیا یہ سیاہ پوش کی بیوی کی آواز تھی؟ وہ اسی پریشانی میں تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور سیاہ پوش اپنی مکارہنسی کے ساتھ نمودار ہوا۔ اس نے عنبر کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہا:

''میرے ساتھ آؤ میرے بھائی' آپ کا بیمار آپ کا انتظار کر رہا ہے۔''

عنبر ایک پریشان خاموشی کے ساتھ سیاہ پوش کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ اسے صحن میں اگے ہوئے سرو کے درختوں میں سے ہو کر برآمدے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اس جگہ لے آیا جہاں کوئی عورت اپنے سیاہ بال کھولے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس عورت کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ یہ سیاہ پوش کی بیوی تھی جسے سوتے میں رات کو چلنے کا مرض لاحق تھا سیاہ پوش نے کہا:

''مرجانہ' دیکھو کون آیا ہے؟''

عورت نے بستر پر کوئی حرکت نہ کی۔ سیاہ پوش عنبر کو لے کر بستر کے قریب آ گیا۔

''یہ دیکھو' حکیم صاحب آئے ہیں۔ لیکن یہ ایک نوجوان حکیم ہے

اور تبت سے چل کر ماژندان آیا ہے یہ تمہارا علاج کرے گا۔ تم بہت جلد اچھی ہو جاؤ گی۔''

عورت نے پہلو بدل کر عنبر کو دیکھا۔ یہ ایک دبلی پتلی گندمی رنگ کی بڑی پیاری لڑکی تھی جس کی آنکھیں نیلی تھیں اور چہرے پر ایک گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔ وہ انتہائی قیمتی ریشمی لباس پہنے ہوئے تھی مگر معلوم ہو رہا تھا کہ اسے کسی نے زبردستی وہاں قید کر رکھا ہے۔ سیاہ پوش نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور کر دیکھا۔ مرجانہ کے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ پیدا ہوئی اور اس نے عنبر کی طرف مسکرا کر کہا:

''دیوتا اہرمن آپ کی عمر لمبی کرے۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔''

سیاہ پوش خوش ہو کر بولا:

''دیکھا بھائی عنبر' میری بیوی اگرچہ پارس کی رہنے والی ہے مگر اس نے میری خاطر' اپنے خاوند کی خاطر ہمارا مذہب قبول کرلیا ہے۔ اب یہ بھی میری طرح آتش پرست ہے، بہر حال اس کی بیماری نے مجھے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ تم اس کا علاج کرو' تاکہ یہ صحت مند ہو کر میرے ساتھ مل کر ملک ملک کی سیریں کرے۔''

''جناب میں پوری کوشش کروں گا۔ بی بی ذرا نبض دکھاؤ۔''

مرجانہ نے اپنا ہاتھ عنبر کی طرف بڑھا دیا عنبر نے نبض دیکھی تو بالکل ٹھیک چل رہی تھی۔ اسے صرف کمزوری محسوس ہوئی۔ یہ کمزوری کسی خوف کی وجہ سے تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ مرجانہ پر کوئی دباؤ ڈالا گیا ہو اس پر کسی چیز کا خوف طاری ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرا اداس اور اترا ہوا تھا۔ سیاہ پوش نے پوچھا:

''کیوں میاں عنبر' کیا خیال ہے؟''

عنبر نے کہا:

''آپ کی بیگم صاحبہ بیمار ہیں۔ان کا باقاعدہ علاج کیا جائے گا۔
ان کے اندر خون کی زبردست کمی ہے اور ان کا راتوں کو اٹھ کر چلنا اسی
خون کی کمی کی وجہ سے ہے۔''

''عنبر بھائی میں اپنی ساری دولت لٹا دوں گا۔کسی طرح میری
اس بیوی کو صحت مند کر دیں۔''

''میں پوری کوشش کروں گا۔اس کے لئے مجھے دن میں ایک بار
یہاں آ کر انہیں دیکھنا ہوگا اور دوا پلانا ہوگی۔''

''میرا غلام آپ کو اپنے ساتھ لے کر آیا کرے گا۔وہ آپ کی
خدمت کے لئے تیار ہوگا۔''

''میں اکیلا ہی آجایا کروں گا۔اس میں غلام کی ضرورت نہیں
ہے۔''

''نہیں نہیں بھائی' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ میری بیگم کا علاج کرنے آئیں اور غلام آپ کے ساتھ نہ ہو۔ غلام تو آپ کے پیچھے پیچھے ہاتھ باندھ کر چلا کرے گا۔''

''جیسے آپ کی خوشی۔''

عنبر سمجھ گیا کہ سیاہ پوش اپنی بیگم پر اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کہ وہ اس سے بے حد پیار کرتا ہے اور اس کی بیماری سے بہت پریشان ہے اور اپنی ساری دولت لٹا کر بھی اس کا علاج کرانا چاہتا ہے؛ چنانچہ اس نے زیادہ انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس دوران میں عنبر نے محسوس کیا کہ سیاہ پوش کی بیگم مرجانہ نے دو ایک بار عنبر کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو:

''دیوتا اہرمن کے لئے مجھے اس ظالم شخص سے نجات دلاؤ۔ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل جھوٹ ہے۔ بالکل جھوٹ ہے۔''

مگر وہ بے بس تھی مجبور تھی۔ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ سیاہ پوش کے ساتھ واپس اپنی حویلی میں آ گیا۔ یہاں کئی بیمار اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تختی کے لگتے ہی محلے کے بیشمار مرد، عورتیں اور بچیاں اس کی حویلی کے باہر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ اب عنبر کو محسوس ہوا کہ شہنشاہ دارا کو اپنی رعایا کی صحت کے بارے میں اتنا خیال نہیں ہے۔ جبکہ دو ہزار برس پہلے مصر کے فرعونوں کے زمانے میں ایسا نہیں تھا۔ وہاں گلی گلی، محلے محلے فرعون کی طرف سے ایک حکیم مقرر تھا۔ جو بیماروں کا علاج مفت کرتا تھا۔ عنبر نے پوری توجہ سے بیماروں کو دیکھنا اور پھر انہیں دوائی دینا شروع کر دیا۔ دوسرے روز دوپہر کے کھانے کے بعد عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر سیاہ پوش کی بیگم مرجانہ کے گھر کی طرف چل پڑا۔ لنگڑا اغلام اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ مکان پر پہنچ کر اس نے غلام کے ذریعے اپنا پیغام اندر بھجوایا۔ مرجانہ نے اسے

اندر بلالیا۔ وہ اسی طرح اداس چہرہ لیے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ عنبر نے اس کی نبض دیکھی۔ اس کو ایک خاص طاقتور عرق کے چند قطرے پلائے ماتھے پر ایک تیل کی مالش کی اور اجازت طلب کی۔ مرجانہ نے کوئی جواب نہ دیا صرف خاموش نظروں سے اسے تکتی رہی۔ لنگڑا غلام اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ عنبر نے سلام کیا اور مکان سے باہر نکل آیا۔

اب ذرا اس سانپ کا بھی حال سنیے جو مرتبان میں بند تھا اور غائب ہو گیا۔

جس روز عنبر دن کے وقت شہر کی سیر کو نکلا تھا اسی روز اس کے جانے کے بعد سیاہ پوش کے لنگڑے غلام نے اپنے مالک کے حکم پر عنبر کے کمرے کی پوری پوری تلاشی لی۔ قیمتی ہیرا تو اسے نہ مل سکا۔ کیونکہ عنبر اسے اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ مگر پلنگ کے نیچے مرتبان دیکھ کر

لنگڑے کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اسے بھی دیکھا جائے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ اس نے ابھی مرتبان کا ڈھکنا اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے سانپ کی پھنکار سنائی دی۔ اس نے ڈھکنا وہیں رکھ دیا۔ مگر ڈھکنا ذرا ترچھا رکھا گیا۔ اس میں اتنی جگہ خالی رہ گئی تھی کہ وہاں سے سانپ اگر چاہے تو باہر نکل آئے۔ لنگڑا غلام باہر نکل گیا تو سانپ بھی مرتبان سے باہر نکل آیا۔ اس کے سانپ کے جون میں رہنے کے دن پورے ہونے والے تھے اور اب اسے کسی بھی انسان کے روپ میں آنے کی طاقت ملنے والی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ وہ بے چین تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح مرتبان سے باہر آجائے چونکہ لنگڑے غلام نے مرتبان کو ہاتھ لگا دیا تھا اس لئے اس کی بو وہاں باقی رہ گئی تھی۔ سانپ اس کی بو پا کر کمرے سے باہر نکل آیا اور جدھر کو بو جا رہی تھی۔ ادھر کو ہی چل پڑا۔ لنگڑا غلام اسی وقت

سیاہ پوش کے پاس کھڑا اسے بتا رہا تھا کہ عنبر کے کمرے میں شاہی ہیرا کہیں بھی نہیں ہے۔ صرف مرتبان میں ایک سانپ تھا جو وہ وہیں چھوڑ آیا ہے۔

''سانپ؟ کیسا سانپ؟'' سیاہ پوش نے حیرانی سے پوچھا۔

''بڑا کالا ناگ تھا حضور! اس کی پھنکار سن کر میرا تو کلیجہ دہل گیا تھا۔ اگر میں جلدی سے ڈھکنا بند نہ کرتا تو وہ مجھے ضرور ڈس لیتا۔''

''مگر عنبر کے ساتھ سانپ کا کیا کام؟''

''حضور یہ حکیم لوگ سانپ' بچھو ضرور اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ کیا خبر ان کی دوائیں بناتے ہوں۔''

''شاید......... بہر حال میرے جاسوسوں نے تبت سے غلط اطلاع نہیں دی تھی۔ شاہی ہیرا اس نوجوان کے پاس ہی ہے۔ اس نے ضرور اسے کسی خاص جگہ چھپا کر رکھا ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر وہ ہیرا

حاصل کرنا ہے۔ اس وقت اس ہیرے کی قیمت کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اگر وہ ہیرا مجھے کسی طرح مل جائے تو میں اسے شہنشاہ دارا کی خدمت میں پیش کر کے اس صوبے ماژندان کا گورنر مقرر ہو سکتا ہوں۔ شہنشاہ دارا اس قدر قیمتی ہیرا پا کر بے حد خوش ہوگا۔''

''مگر ہم اسے کہاں تلاش کریں حضور؟ جہاں یہ عنبر حکیم رہتا ہے اس کمرے کا تو میں نے کونہ کونہ چھان مارا ہے۔''

''آج رات میں خود جا کر تلاشی لوں گا۔''

اور یہ وہی رات تھی کہ جب سیاہ پوش خود تلاشی لینے کے لئے چھپ کر عنبر کے کمرے میں آیا تھا۔ مگر ناکام واپس گیا تھا۔ ادھر سانپ لنگڑے کی بو پر برابر اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر رات کو وہ اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ مگر سانپ کے وہاں پہنچتے ہی غلام کسی کام سے باہر نکل گیا۔ سانپ نے اس کی کوٹھڑی میں رہنا مناسب نہ سمجھا

اور وہ حویلی کے صحن میں فوارے کے پاس والے اناروں کی جھاڑیوں میں چھپ گیا۔

جس روز لنگڑا عنبر کو ساتھ لیکر مرجانہ کے مکان پر گیا۔ اس روز سانپ نے محسوس کیا کہ لنگڑے غلام کی بو غائب ہو گئی ہے۔ وہ دوپہر کے بعد تک وہاں اناروں کے درختوں میں چھپا بیٹھا رہا۔ وہ واپس عنبر کے کمرے میں جانے کے لئے مڑا تو اس نے محسوس کیا کہ کہ فضا میں عنبر کے بو بھی غائب ہے۔ وہ ابھی تک سانپ تھا۔ اور صرف بو سے انسانوں کو پہچانتا تھا۔ لنگڑے غلام کی بو کے پیچھے وہ اس لیے لگا تھا کہ اس نے اسے مرتبان میں پریشان کیا تھا۔ اپنی فطرت کے مطابق اب وہ اسے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

دوپہر کے بعد سانپ نے محسوس کیا کہ لنگڑے غلام کی بو دور سے آ رہی ہے۔ وہ چوکس ہو گیا۔ اس وقت غلام عنبر کو لیکر مرجانہ کے مکان

سے واپس آ رہا تھا۔ عنبر تو اپنی حویلی میں چلا گیا اور لنگڑا سیدھا سیاہ پوش کے کمرے میں آ گیا۔ جب وہ اناروں کے درختوں کے قریب سے گزرا تو سانپ بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ غلام سیاہ پوش کے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا تھا........ سانپ چاروں طرف گھوم پھر کر اندر جانے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ اندر غلام سیاہ پوش سے باتیں کر رہا تھا۔

''کیا عنبر نے مرجانہ کو دوائی پلائی تھی؟''

''جی ہاں حضور، میری آنکھوں کے سامنے دوائی پلائی تھی۔''

''مرجانہ نے حکیم سے کوئی بات کرنے کی کوشش تو نہیں کی؟''

''نہیں حضور بالکل نہیں، وہ تو بس دم سادھے پلنگ پر لیٹی رہی اور حکیم اس کے ماتھے پر کسی تیل کی مالش کرتا رہا۔ لیکن حضور، آخر اس کا انجام کیا ہو گا؟''

”کیا کہنا چاہتے ہو تم؟“

غلام نے دست بدستہ ہو کر عرض کی:

”حضور میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ میں آپ کا غلام ہوں مجھے سب سے زیادہ آپ کی زندگی اور آپ کی سلامتی کی فکر ہے۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں آپ کے قدموں میں ہی جان دے دوں گا۔“

سیاہ پوش نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

”مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں ایک نہ ایک دن اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا اور ایک دن اس صوبے کا گورنر بن جاؤں گا.........صوبے کا سب سے بڑا آدمی بن جاؤں گا۔“

لنگڑا غلام سر جھکا کر بولا:

”دیوتا اہرمن آپ کو اس سے بھی زیادہ عزت عطا کرے لیکن

آپ کو یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہئے کہ مرجانہ یونان کے صوبیدار یوریڈس کی اکلوتی بیٹی ہے جسے آپ اغوا کر کے لے آئے ہیں اور یونان کے ساتھ شہنشاہ دارا کی سخت دشمنی ہے۔ بلکہ شہر میں یہ خبر گرم ہے کہ سکندر اعظم بہت جلد ایران پر بھی حملہ کرنے والے ہیں۔ اس صورت میں آپ کی زندگی یقیناً خطرے میں ہو گی۔''

سیاہ پوش نے قہقہہ لگا کر کہا:

جس شے کو تم میری کمزوری سمجھ رہے ہو۔ اصل میں وہی میری سب سے بڑی طاقت ہے۔ میں تو صرف مرجانہ کے صحت مند ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔ جس روز یہ صحت مند ہو گئی۔ اسی روز میں اسے لیکر شہنشاہ دارا کے پاس حاضر ہو جاؤں گا اور کہوں گا کہ عالم پناہ! میں آپ کی خدمت میں آپ کے دشمن کی بیٹی گرفتار کر کے لایا ہوں اور اس کے ساتھ تبت کا شاہی ہیرا بھی ہو گا جو اس وقت عنبر کے قبضے

میں ہے، پھر میں اس صوبے کا صوبے دار ہوں گا اور یہ شہر میرے قدموں میں ہوگا۔''

''لیکن حضور تبت کا شاہی ہیرا تو ابھی تک ہمارے قبضے میں نہیں ہے۔''

''وہ بھی میرے قبضے میں آ جائے گا اور مرجانہ بھی صحتمند ہو جائے گی۔ میں ایک تیر سے دو نشانے لگا رہا ہوں۔ عنبر سے میں قیمتی ہیرا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور وہ مرجانہ کو بھی صحت مند کر دے گا۔ کہو اب کیا خیال ہے لنگڑے؟''

''حضور مالک ہیں جو چاہیں ویسا ہی ہوگا۔ مجھے تو چونکہ آپ کی سلامتی عزیز ہے اس لئے کسی وقت فکر لگ جاتا ہے کہ کہیں آپ کے دشمنوں کو کچھ ہو نہ جائے۔''

''بے فکر رہو۔ سیاہ پوش ایک طاقتور انسان ہے۔ اس نے اس

صوبے کا گورنر بنتا ہے۔ اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔''

''دیوتا اہرمن آپ کی حفاظت کرے۔''

''لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا تم۔''

''وہ کون سی بات حضور؟''

یہی کہ عنبر جب بھی مرجانہ کو دیکھنے اور اس کا علاج کرنے جائے وہ اس کے ساتھ تنہائی میں کوئی بات نہ کرنے پائے اگر کسی طرح مرجانہ نے عنبر کو اصل حقیقت سے خبردار کر دیا تو میرے لئے خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔ کیونکہ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ عنبر ایک خاص قسم کا انسان ہے جو ہر خطرے کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ عنبر مرجانہ کی فریاد سن کر اسے بچانے کی کوشش کرے۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا حضور میں انہیں کبھی تنہائی کا موقع نہیں دوں گا مگر سرکار کہیں مرجانہ رات کو چلتی ہوئی کہیں حکیم کے گھر نہ پہنچ

جائے۔"

"اس کا میں نے بندوبست کرلیا ہے میں مرجانہ کا پاؤں ہر رات زنجیر سے باندھ دیتا ہوں جو پلنگ کے پائے کے ساتھ بندھی ہوتی ہے وہ اگر چاہے بھی تو اپنے پلنگ سے اٹھ کر نہیں جا سکتی۔"

اندر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر پھنی ناگ نے دیوار کے اوپر چڑھ کر روشن دان میں سے اندر کمرے کی دیوار پر رینگنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ریشمی پردوں کے پیچھے سے رینگتا ہوا نیچے قالین پر آ گیا اور لنگڑے غلام کی بو پا کر اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت غلام ستون کے سامنے کھڑا اپنے مالک سیاہ پوش سے باتیں کر رہا تھا۔ سانپ نے یہ موقع غنیمت جانا اور ایک طرف سے آ کر حملہ کر دیا سیاہ پوش نے عین موقع پر اسے دیکھ لیا۔ اس نے چیخ مار کر غلام کو خبردار کر دیا۔ لنگڑا غلام اچھل کر پلنگ پر جا گرا۔ اس دوران میں سیاہ پوش نے سنگ مرمر کا

ایک گلدان اٹھا کر سانپ پر زور سے دے مارا۔گلدان اگر سیدھا سانپ کے لگتا تو اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔مگر ستون کے ساتھ ٹکرا کر خود دو ٹکڑے ہو گیا اور اس کا ایک ٹکڑا سانپ کی کمر پر لگا جس سے وہ سخت زخمی ہو گیا۔سیاہ پوش نے دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی تلوار کھینچی اور اسے لہراتا ہوا سانپ کی طرف بڑھا مگر سانپ دیوار کے اوپر رینگتا ہوا اب روشندان کے قریب پہنچ گیا تھا روشندان سے نکل کر وہ صحن میں آ گیا اور یہاں سے ہو کر وہ اناروں کے درختوں میں جا کر چھپ گیا۔

سیاہ پوش اور غلام اسے تلاش کرتے کرتے تھک گئے مگر سانپ انہیں نہیں ملا وہ سخت زخمی حالت میں انار کے درختوں میں پڑا تھا۔ چونکہ سانپ انسانوں کی شکل اختیار کرنے کی طاقت حاصل کرنے والا تھا۔اس لئے اس میں اتنی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ اس کا زخم

تھوڑی دیر بعد اپنے آپ ٹھیک ہو جاتا اور ایسا ہی ہوا۔ سانپ جھاڑیوں میں بے سدھ پڑا تھا اور اس کی کمر کا زخم آپس میں ملنا شروع ہو گیا۔ کچھ دیر گزرنے پر اس کا زخم بالکل اچھا ہو گیا۔ اسے دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ وہ پورا صحت مند اور طاقتور سانپ ہے۔ سانپ صحت مند ہونے کے بعد جھاڑیوں میں سے نکلا۔ ذرا پرے ٹوٹی ہوئی دیوار تھی۔ اس کے نیچے ایک گہرا سوراخ تھا۔ سوراخ کے اندر جا کر لیٹ گیا۔

اسے عنبر کی بو بالکل نہیں آ رہی تھی۔

میں سانپ ہوں

سارا دن اور ساری رات سانپ انار کی جھاڑیوں میں چھپا رہا۔
اسے عنبر کی ہلکی سی بھی بو نہیں آرہی تھی اور وہ خود عنبر کے گھر جانے
کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ اب اس میں انسان کی
شکل میں آنے والی طاقت آنے ہی والی تھی اس کی وجہ سے سانپ
کے اندر انسانوں جیسی عقل پیدا ہو رہی تھی اور بو پا کر انسانوں کو سونگھنے
کی صلاحیت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ اب وہ انسانوں کی آپس میں گفتگو
بھی سمجھنے لگا تھا۔ عنبر کو وہ بڑی اچھی طرح سے پہچاننے لگا تھا۔ اسے

معلوم تھا کہ عنبر اس کا مالک بھی ہے اور دوست بھی ہے اور اس نے اس کی جان بچائی تھی۔ وہ جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا رہا ادھر عنبر کے دل میں یہ بات زور پکڑتی جا رہی تھی کہ معلوم کرے کہ مرجانہ کون ہے اور سیاہ پوش اسے کہاں سے اٹھا کر لے آیا ہے؟ ایک روز وہ دوائی پلانے کے بہانے مرجانہ کے کمرے میں آیا۔ لنگڑا غلام سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ لگا تھا۔ عنبر نے سوچا جب تک یہ غلام اس کے ساتھ ساتھ لگا رہے گا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

لیکن لنگڑے غلام سے پیچھا چھڑانا بھی بڑا مشکل تھا۔

اب ایسا اتفاق ہوا کہ جس کمرے میں عنبر مرجانہ کی تیمارداری کر رہا تھا اس کمرے میں سانپ بھی نکل آیا۔ جب سانپ نے سامنے آ کر اپنا پھن سامنے کیا تو عنبر نے اسے فوراً پہچان لیا۔ مرجانہ سہم گئی لنگڑا غلام چیخ مار کر باہر بھاگ گیا عنبر نے سانپ کو اشارہ کیا کہ وہ

کمرے کے دروازے پر پہرا دے تاکہ لنگڑا دوبارہ اندر نہ آسکے۔
سانپ نے عنبر کی ہدایت سن کر رینگنا شروع کر دیا اور وہ دروازے کے بیچ میں آکر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا پھن اسی طرح اٹھا رکھا تھا۔
عنبر نے میدان صاف پا کر مرجانہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:
''بہن مرجانہ مجھے اپنا بھائی سمجھو اور جو کچھ پوچھوں صاف صاف بتانا۔''
مرجانہ نے بے بسی کے عالم میں کمرے میں چاروں طرف دیکھا اور کہا:
''کیا آپ واقعی مجھ سے اپنی بہن جیسی محبت کرتے ہیں؟''
''ہاں مرجانہ میں نے تمہیں بہن کہا ہے تو یقین کرو میں تمہیں اپنی بہن ہی سمجھتا ہوں۔ مجھے اپنی ساری کہانی سناؤ۔ مجھے بتاؤ کہ تم سیاہ پوش کی بیوی ہو؟''

مرجانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس نے سر ہلا کر کہا:

''نہیں میں سیاہ پوش کی بیوی نہیں ہوں۔''

عنبر نے حیرانی سے پوچھا:

''تو پھر.........تو پھر تم کون ہو؟''

مرجانہ بولی:

''میرے بھائی میری درد بھری کہانی سن کر تم بھی رونے لگ پڑو گے۔میں مرجانہ ہوں۔یونان کے صوبہ کریٹ کے صوبیدار یوریڈلیس کی بیٹی مرجانہ..........اور.........اور یہ سیاہ پوش مکار مجھے کریٹ سے اغوا کر کے لے آیا ہے۔''

عنبر حیران رہ گیا:

''تو.........کیا تم یونانی صوبے دار یوریڈلیس کی بیٹی ہو؟''

''ہاں.........میں بدنصیب یوریڈلیس کی بیٹی ہوں۔نہ جانے

میری جدائی میں میرے باپ کا کیا حال ہوگا۔''

عنبر یہ سن کر بے حد پریشان ہوا کہ مرجانہ یونان کے ایک عظیم سردار کی بیٹی تھی اور سیاہ پوش اسے اغواہ کر کے لایا تھا۔ اس نے پوچھا:

''لیکن وہ تمہیں کس لئے یونان سے اغوا کر کے یہاں لے آیا ہے؟ کیا وہ تمہیں کہیں فروخت کرنا چاہتا ہے؟''

مرجانہ نے کہا:

''میں نے اسے لنگڑے غلام سے کہتے سنا ہے کہ وہ میرے صحت مند ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ اس کے بعد وہ مجھے ایران کے بادشاہ کے حضور پیش کر کے انعام و کرام حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''کیا تم واپس اپنے باپ کے پاس جانا چاہتی ہو؟''

''کیوں نہیں۔ میں تو اپنے باپ سے جدا ہو کر ذلت کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ کاش مجھے پر لگ جائیں اور میں یہاں سے اڑ کر اپنے

پیارے باپ کے پاس پہنچ جاؤں۔''

''فکر نہ کرو، تمہارا باپ بھی تمہارے لئے کچھ کر رہا ہوگا۔''

''پیارے بھائی ایران اور یونان کی آپس میں سخت دشمنی ہے نہ یونان کا کوئی شخص ایران میں داخل ہوسکتا ہے اور نہ ہی ایران کا کوئی شخص یونان میں داخل ہوسکتا ہے۔ ان حالات میں بھلا میرا غم نصیب باپ سوائے اس کے اور کیا کرسکتا ہے کہ وہ ایران اور یونان کی جنگ کا انتظار کرے۔''

عنبر نے مرجانہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''نیک دل بہن، گھبراؤ نہیں۔ تمہارہ بھائی تمہاری ضرور مدد کرے گا۔''

''کاش، تم میری مدد کرسکتے۔''

میں ہر ممکن کوشش کروں گا مرجانہ.........تم فکر مت کرو۔''

ابھی وہ یہ باتیں کرر ہے تھے کہ دروازے کے باہر سیاہ پوش نمودار ہوا۔ اس کے ساتھ لنگڑا اغلام بھی تھا۔ وہ قہر آلود نظروں سے سانپ کو دیکھ رہا تھا جو عین دروازے کے بیچ میں پھن پھیلائے کھڑا تھا۔ عنبر خاموش ہو گیا اور مرجانہ کی نبض دیکھنے لگا۔ اسے فکر ہوا کہ کہیں سیاہ پوش سانپ کو ہلاک نہ کردے۔ حالانکہ وہ سانپ عنبر کے لئے اس اعتبار سے بڑا قیمتی تھا کہ اسے ایک بہت بڑی طاقت قدرت کی طرف سے ملنے والی تھی۔ اس نے سانپ کی طرف دیکھا۔ سیاہ پوش نے دور سے کہا:

''عنبر بھائی اس سانپ کو پتھر مار کر ہلاک کردو۔ یہ تمہیں کاٹ لے گا۔''

بھلا عنبر کو وہ سانپ کیسے کاٹ سکتا تھا۔ اس نے کہا:

''میں نے اسے مارنے کی بڑی کوشش کی ہے یہ قابو میں نہیں

آتا۔ اگر تم اسے مار سکتے ہو تو مار دو۔ میں خود اس کی وجہ سے یہاں قید ہو کر رہ گیا ہوں۔"

سانپ عنبر کی باتیں سن رہا تھا وہ محض سیاہ پوش کو دھوکہ دینے کے لئے ایسا کر رہا ہے۔ اس نے سیاہ پوش کی طرف ذرا سا پھن پھیلا کر بڑے زور کی پھنکار ماری۔ سیاہ پوش سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ عنبر نے سانپ کو اشارہ کیا کہ وہ راستہ چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرے کیونکہ سیاہ پوش نیام میں سے تلوار نکال کر آہستہ آہستہ سانپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

مرجانہ بڑی حیران ہوئی کہ عنبر سانپ سے کیسے باتیں کر رہا ہے اس نے سرگوشی میں پوچھا:

"بھائی کیا سانپ تمہاری باتیں سن رہا ہے؟"

"شی، خاموش رہو۔"

عنبر نے مرجانہ کو خاموش کر دیا ادھر سانپ نے عنبر کی بات سن لی تھی۔ اس نے اپنے پھن کو سمیٹا اور پلک جھپکنے کے اندر اندر ایسا غائب ہوا کہ پھر کسی کو نظر ہی نہ آیا۔ سیاہ پوش اور لنگڑا اغلام اسے ڈھونڈتے ہی رہ گئے۔ سیاہ پوش نے قریب آ کر کہا:

''اب میری بیگم کا کیا حال ہے عنبر؟''

''پہلے سے یہ بہتر ہیں''

سیاہ پوش نے دیوتا اہرمن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

''میں چاہتا ہوں کہ میری بیگم اس چاند کی پندرہ تاریخ تک بالکل اچھی ہو جائے تاکہ میں اسے سیر کرانے کے لئے کوہ قاف کی طرف لے جاؤں۔''

مرجانہ نے عنبر کی طرف دیکھا عنبر نے کہا:

''میں پوری کوشش کروں گا جناب۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔

کل پھر آؤں گا۔''

اتنا کہہ کر عنبر نے مرجانہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر خدا حافظ کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ باہر آ کر جب وہ اناروں کے درختوں کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے سانپ کی ہلکی سی پھنکار سنی۔ وہ رک گیا۔ سانپ جھاڑیوں میں سے ذرا سا باہر نکل کر اسے دیکھ رہا تھا۔ گویا کہہ رہا ہو:

''کیا مجھے ان موذی دشمنوں کے پاس چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟''

عنبر نے ادھر ادھر دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ پھر اس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر سانپ کو اٹھا کر اپنے لبادے کے اندر چھپا لیا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ عین اس وقت سیاہ پوش اور لنگڑا اغلام کمرے کی کھڑکی کے ساتھ لگے عنبر کو دیکھ رہے تھے۔ سیاہ پوش نے غصے میں کھڑکی پر ہاتھ مار کر کہا:

''میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہی سانپ ہے۔''

''مگر حضور وہ سانپ تو شدید زخمی تھا۔ وہ تو مر بھی چکا ہوگا۔''

''پھر عنبر کو اسے لبادے میں چھپا کر لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ یقیناً یہ وہی مرتبان والا سانپ ہے اور عنبر اس کی کسی خاص مقصد کے لئے پرورش کر رہا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم آج رات ہی جا کر اس سانپ کو ہلاک کر دو۔''

لنگڑے غلام نے ڈرتے ڈرتے کہا:

''مگر سرکار سانپ کو مارنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''بکواس بند کرو۔'' سیاہ پوش نے چیخ کر کہا۔ ''میں جو حکم دیتا ہوں اس پر عمل کرو۔ آج ہی رات عنبر کے کمرے میں جاؤ اور جا کر سانپ کو فوراً ہلاک کر دو۔''

''جو حکم سرکار۔''

لنگڑے غلام نے جھک کر کہا۔ وہ دل ہی دل میں بیحد خوفزدہ تھا کیونکہ وہ اس سانپ کو کوئی جادوگر سانپ سمجھ رہا تھا جو شدید زخمی ہونے کے باوجود بھی نہ صرف زندہ تھا بلکہ اس کے جسم پر زخم کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ لیکن وہ اپنے سیاہ پوش مالک کے حکم کے سامنے انکار نہیں کر سکتا تھا؛ چنانچہ اس نے رات کو عنبر کے کمرے میں جا کر سانپ کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

لنگڑا غلام رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

ادھر عنبر نے اپنے کمرے میں جا کر سانپ کو مرتبان میں بند کر کے بستر کے نیچے رکھ دیا۔ مگر احتیاطاً اس نے مرتبان کے ڈھکن کو تھوڑا سا ترچھا رکھا۔ اس لئے کہ سانپ کا انسانی شکل میں آنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ سیدھا اپنی حویلی میں چلا گیا جہاں اس کے مریض انتظار کر رہے تھے۔ عنبر بہت دیر تک

مصروف رہا اسے رات ہوگئی۔ ابھی تک کتنے ہی مریض وہاں موجود تھے۔

ادھر شام کے سائے گہرے ہوتے ہی لنگڑے غلام نے سانپ کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلیا اور وہ عنبر کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حویلی کے صحن میں جا کر اس نے یہ معلوم کرلیا کہ عنبر گھر پر موجود نہیں ہے۔ یہ ایک سنہری موقع تھا۔ لنگڑا اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتا ہوا عنبر کے کمرے کے باہر آ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے جیب سے لوہے کی سلاخ نکال کر دروازے کا تالا کھول دیا اور چپکے سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے موم بتی جلائی۔ روشنی میں کمرے کی ہر شے صاف صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گیا کہ عنبر کے بستر پر ایک نہایت حسین عورت زیورات اور ہیرے جواہرات کے ہار پہنے لیٹی

ہوئی ہے۔

وہ حیرت کے ساتھ اسے دیکھنے لگا۔ اسے خیال آیا کہ شاید عنبر نے کوئی کنیز خرید لی ہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ آگے بڑھے یا واپس جائے کہ بستر پر لیٹی ہوئی عورت نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

''خدا کے لئے مجھے اس ظالم حکیم عنبر سے بچاؤ۔ میرے سارے زیورات میرے جسم کا سارا سونا لے لو اور اس ظالم کے پنجے سے مجھے آزاد کرادو۔ وہ تالا لگا کر مجھے اندر قید کر کے چلا گیا ہے۔''

لنگڑا غلام بہت خوش ہوا کہ بیٹھے بٹھائے اسے اتنے قیمتی زیورات اور جواہرات مل رہے ہیں۔ اسے بچانے کا کیا ہے وہ ابھی اسے اپنے ساتھ لے چلے گا۔ اس نے کہا:

''تم کون ہو اور عنبر تمہیں یہاں کیوں لایا ہے؟''

حسین عورت نے کہا:

''میرا نام یوحا ہے۔ میں ملک شام کے امیر سوداگر کی بیٹی ہوں۔ یہ ظالم شخص عنبر مجھے میرے گھر سے اٹھا کر لے آیا ہے اور اب یہ مجھے بھیڑ بکریوں کی طرح بازار میں فروخت کرنا چاہتا ہے۔ دیوتاؤں کے لئے میری مدد کرو میں یہ سارے ہیرے جواہرات کے زیورات تمہیں دے دوں گی۔''

لنگڑے غلام نے کہا:

''فکر نہ کرو میں ابھی تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ مجھے ذرا ایک شے تلاش کر لینے دو۔''

لنگڑے غلام نے خنجر نکال کر کمرے میں ادھر ادھر گھوم پھر کر وہ مرتبان تلاش کرنا شروع کر دیا جس کے اندر سانپ موجود تھا۔ عورت ڈر گئی۔ اس نے کہا:

''خدا کے لئے یہ خنجر چھپا لو کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ مجھ پر رحم

کرو۔ میں بڑی دکھی عورت ہوں۔"

غلام نے تنگ آ کر کہا:

"شور مت کرو میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا۔ میں ایک سانپ کی تلاش میں ہوں جو یہاں ایک مرتبان میں بند تھا۔ کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے؟"

عورت نے کہا:

"نہیں تو' میں نے تو یہاں کوئی سانپ نہیں دیکھا۔"

اچانک غلام کی نظر بستر کے نیچے مرتبان پر پڑ گئی۔ اس کا ڈھکنا اٹھا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر مرتبان کو ٹھوکر مار کر الٹ دیا اور خنجر تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس میں سانپ نکل کر رینگنا شروع کر دے گا اور وہ اسے خنجر مار کر ہلاک کر دے گا۔ لیکن مرتبان خالی تھا۔ اس میں سے کچھ بھی باہر نہ نکلا۔

عورت نے کہا.....

''دروازہ بند کر دو۔ اگر وہ اس کمرے میں ہوگا تو دروازہ کھلا پا کر باہر نکل جائے گا۔''

لنگڑے غلام نے آگے بڑھ کر دروازے کو کنڈی لگا دی اور کمرے کی ساری چیزوں کو الٹ پلٹ کر سانپ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں وہ عورت بڑے آرام اور سکون کے ساتھ بستر پر لیٹی اسے دیکھتی رہی۔ جب لنگڑا سانپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تنگ آ گیا تو عورت نے کہا:

''کیا تم واقعی سانپ کو ڈھونڈ رہے ہو؟''

لنگڑے غلام نے طیش میں آ کر کہا:

''تو تم کیا سمجھتی ہو میں کسے تلاش کر رہا ہوں۔ سانپ ہی کو تو ڈھونڈ رہا ہوں۔''

عورت بولی:

’’اگر مرتبان میں بھی نہیں ہے کمرے میں بھی نہیں ہے تو پھر سانپ کہاں چلا گیا؟‘‘

’’جہنم میں چلا گیا ہوگا اور کہاں جانا ہے اسے؟‘‘

عورت کہنے لگی:

’’اگر سانپ تمہارے سامنے آجائے تو تم کیا کرو گے؟‘‘

لنگڑے نے غصے میں آکر کہا:

’’میں اسے خنجر مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔‘‘

عورت مسکرا کر کہنے لگی:

’’تو مجھے خنجر مار کر دو ٹکڑے کر دو۔ میں سانپ ہوں۔‘‘

لنگڑا غلام ہنستا ہوا اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بولا:

’’تم بہت مذاقیہ عورت معلوم ہوتی ہو۔ بہر حال اگر سانپ مل گیا

تو تمہیں اس کے ٹکڑے اڑا کر دکھا دوں گا۔"

عورت نے لنگڑے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

"میری طرف غور سے دیکھو میں سانپ ہوں۔"

اب لنگڑے غلام نے محسوس کیا کہ وہ عورت آنکھیں بالکل نہیں جھپک رہی تھی اور یہ خاص بات صرف سانپ میں ہوتی ہے کہ وہ پلکیں نہیں جھپکتا۔ ابھی لنگڑا غلام کچھ غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک عورت نے پھنکار ماری اور سانپ میں تبدیل ہو گئی۔ لنگڑے غلام کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ وہ خنجر والا ہاتھ سانپ پر مارنے ہی والا تھا کہ سانپ نے اچھل کر اس کی گردن پر ڈس لیا اور رینگ کر دیوار کے اوپر چڑھ گیا اور غلام کے تڑپ تڑپ کر مرنے کا تماشہ دیکھنے لگا۔ لنگڑا غلام سانپ سے ڈسوا کر وہاں سے اٹھا۔ کنڈی کھولی اور کمرے سے باہر نکل کر بھاگ اٹھا۔ عنبر کی حویلی سے نکل کر وہ اپنے مالک کے

مکان کی طرف بھاگنے لگا۔ اس دوران میں سانپ کے زہر نے اس پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ جوں جوں وہ دوڑ رہا تھا سانپ کا زہر اسی تیزی سے اس کے خون میں حل ہو رہا تھا۔ پھر بھی لنگڑا بھاگتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ سیاہ پوش کی حویلی میں پہنچ کر صحن میں فوارے کے پاس پہنچ کر دھڑام سے گر پڑا۔

اس کے گرنے کی آواز سن کر سیاہ پوش لپک کر صحن میں آ گیا۔ اس نے اپنے لنگڑے غلام کو زمین پر گرے ایڑیاں رگڑتے دیکھا تو پوچھا:

''کیا ہوا ہے تمہیں؟''

لنگڑے غلام کا گلا بند ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ سرگوشی کے انداز میں صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ اسے سانپ نے کاٹا ہے اور پھر مر گیا۔ وہ سیاہ پوش کو یہ نہ بتا سکا کہ اس نے سانپ کو عورت کے روپ میں دیکھا ہے۔ سیاہ پوش کو بیحد دکھ ہوا کہ عنبر کے سانپ نے اس کے وفادار غلام

کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر وہ مجبور تھا۔ اس لئے کہ اس کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ لنگڑے غلام کو عنبر کے سانپ نے ہی ہلاک کیا ہے۔ خاص طور پر اب جبکہ وہ سانپ ایک عورت بن چکا تھا۔ پھر بھی اس نے عنبر سے اپنے غلام کی موت کا انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

یونان کی طرف

عنبر کافی رات گئے واپس اپنے گھر آیا۔

وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر وہیں رک گیا کہ اس کے بستر پر ایک حسین عورت لیٹی ہوئی ہے جب اس نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی اور زمین پر بیٹھ گئی اور سر جھکا کر کہا:

''اے میرے محسن میں ناگ پھنی سانپ ہوں میرا وقت پورا ہو گیا ہے اور اب مجھے دیوتاؤں نے اتنی طاقت دے دی ہے کہ جس وقت چاہوں اور جب چاہوں کسی بھی انسان کی شکل میں آ سکتا ہوں۔''

''لیکن تم نے عورت کا روپ کیوں بدل رکھا ہے؟''

سانپ نے عنبر کو لنگڑے غلام کا سارا قصہ سنایا کہ کس طرح وہ اسے ہلاک کرنے خنجر ہاتھ میں لے کر وہاں آیا تھا اور پھر کس طرح اس نے اسے ڈس دیا اور وہ بھاگ کر سیاہ پوش کے مکان پر پہنچ کر مر گیا۔ عنبر نے کہا:

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا ناگ پھنی، ہمیں کسی کو یوں ہلاک نہیں کرنا چاہئے۔''

''میرے محسن اگر میں اسے ہلاک نہ کرتا تو وہ مجھے ہلاک کر

دیتا۔''

عنبر نے کہا:

''چلو جو ہو گیا' اب اس پر افسوس کرنے سے کیا حاصل ہو گا۔ بہر حال تم دوبارہ سانپ بن کر مرتبان کے اندر آرام کرو۔ مجھے نیند آرہی ہے۔''

''جو حکم میرے محسن۔''

اتنا کہہ کر عورت نے پھنکار ماری اور وہ ایک دم سانپ کے روپ میں آگئی اور چپکے سے رینگتی ہوئی اپنے مرتبان میں چلی گئی عنبر نے مرتبان اٹھا کر ایک الماری میں رکھ دیا اور باہر سے تالا لگا دیا۔ اب چونکہ وہ انسانی سانپ بن گیا تھا اسلئے اس کی حفاظت زیادہ ضروری ہو گئی تھی۔ عنبر نے تالا لگا کر چابی جیب میں رکھی ہی تھی کہ سانپ نے کہا:

''یہ سیاہ پوش آپ کی جان لینے کی فکر میں ہے۔''

''اچھا اب تم سو جاؤ۔''

اس کے بعد عنبر نے شمع بجھائی اور بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

دوسرے روز سید ھا مرجانہ کے پاس پہنچا۔ اس وقت وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ مرجانہ نے عنبر کو لنگڑے غلام کی موت کی خبر سنائی۔ عنبر نے جھوٹ موٹ حیرانی کا اظہار کیا۔ اتنے میں سیاہ پوش بھی وہاں آ گیا۔ وہ عنبر سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ مرجانہ کی صحت اس کے ہاتھ میں تھی۔ تھوڑی دیر وہ اس کے پاس بیٹھا رہا پھر کسی کام سے اٹھ کر باہر آ گیا تو عنبر نے کہا:

''آج رات تم تیار رہنا' میں تمہیں یہاں سے نکال کر تمہارے باپ کے ملک کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ کیا تم تیار ہو؟''

مرجانہ نے خوش ہو کر کہا:

''میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ لیکن اس ظالم شخص کے چنگل سے ہم کیسے نکل سکے گیں؟''

''فکر نہ کرو اس کا میں نے سارا انتظام کرلیا ہے۔ تم رات کو تیار رہنا۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں۔''

یہ کہہ کر عنبر مکان کے صحن میں آ گیا۔ یہاں اسے سیاہ پوش ملا جو بڑی تیزی سے اندر جا رہا تھا۔ کیونکہ وہ ان دونوں کو تنہائی کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے عنبر کو باہر نکلتے دیکھا تو وہیں رک گیا اور پوچھنے لگا:

''عزیز بھائی، بیگم صاحبہ کو اچھے ہونے میں ابھی کتنے دن اور لگیں گے؟''

''وہ بڑی تیزی سے صحت مند ہو رہی ہیں آپ فکر نہ کریں۔''

''میں اپنی بیگم کے بارے میں بڑا پریشان ہوں۔''

عنبر نے کہا:

''آج رات کھانے کے بعد اسے باغ میں چہل قدمی کرائیں۔ میں بیگم صاحبہ کو بھی کہہ آیا ہوں کہ وہ رات کو باغ میں ضرور ٹہلیں اس سے ان کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔''

''بہت بہتر ایسا ہی ہوگا۔''

عنبر نے وہاں سے نکل کر سیدھا شہر کے ایک سوداگر کے گھر کی طرف رخ کیا جو گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا اس نے سوداگر سے دو بڑے ہی صحت منداور تیز بھاگنے والے دو عربی گھوڑے خریدے اس کے علاوہ اس نے کچھ کھانے پینے کا خشک سامان خریدا اور وہاں سے سیدھا اپنی حویلی میں آ گیا۔ گھوڑوں کو اس نے اپنی حویلی کے صحن میں باندھ دیا۔ کھانے پینے کا سفری سامان وغیرہ اس نے اپنے گھوڑے پر

رکھ دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا۔ الماری میں سے اس نے مرتبان باہر نکالا اور سانپ سے مخاطب ہو کر بولا:

''ناگ پھنی میری بات غور سے سنو۔''

سانپ مرتبان سے رینگ کر باہر نکل آیا اور زمین پر پھن پھیلائے عنبر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے کہا:

''سنو، مرجانہ نام کی ایک شریف لڑکی سیاہ پوش کے قبضے میں ہے۔ وہ اسے کنیز بنا کر شہنشاہ دارا کے حضور پیش کرنا چاہتا ہے۔ مرجانہ یونان کے صوبے کریٹ کے صوبیدار کی بیٹی ہے اور سیاہ پوش اسے ڈاکوؤں کی طرح گھر سے اٹھا کر لے آیا ہے۔ میں اس لڑکی کو ساتھ لیکر اس کے باپ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اس مقصد کے لئے میں نے آج رات یہاں سے نکل جانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ سارا بندو

بست کرلیا گیا ہے۔تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ تم مرجانہ کی شکل اختیار کرکے جب میں کہوں سیاہ پوش کے گھر جاؤ اور صحن میں کھڑے ہو کر اسے آواز دو اور اس کے ساتھ میری ہدایت کے مطابق چہل قدمی کرو۔اس دوران میں' میں دوسری طرف سے مرجانہ کو اس کے کمرے سے نکال کرلے جاؤں گا۔''

سانپ نے کہا:

''میرے آقا کیا میں اس کے بعد سیاہ پوش کے پاس ہی رہوں گا؟''

''نہیں تم اس کے فوراً بعد سر کے درد کا بہانہ کرکے اپنے کمرے میں چلے جانا اور وہاں سے گھوڑے کا روپ بدل کے سرپٹ دوڑتے ہوئے مجھے شہر کے باہر آکر ملنا،ہم تمہارا انتظار کریں گے۔''

''جو حکم میرے محسن۔''

جب رات ہو گئی تو عنبر گھوڑوں کو لیکر مرجانہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سانپ بھی اس کے ساتھ تھا مکان کے عقبی باغ میں اس نے گھوڑے باندھ دیئے اور سانپ کو لیکر مکان کے صحن میں آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے سانپ سے سرگوشی میں کہا:

''وہ دیکھو سیاہ پوش کے کمرے میں شمع جل رہی ہے اب تم مرجانہ کا روپ بدل کر اسے آواز دے کر بلاؤ اور یہاں ٹھہرو اتنی دیر میں، میں مرجانہ کو ساتھ لیکر یہاں سے نکل جاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد تم بھی ہمارے ساتھ آ ملنا۔ ہم شہر سے باہر تمہارا انتظار کریں گے۔''

''ٹھیک ہے میرے آقا۔''

عنبر سانپ سے جدا ہو کر دوسری طرف چلا گیا۔ سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور ایک دم مرجانہ کی شکل میں سامنے آ گیا۔ پھر اس

نے سیاہ پوش کو آواز دے کر نیچے بلایا۔ سیاہ پوش اسے آنکھیں مل مل کر دیکھنے لگا۔ کیونکہ ابھی ابھی وہ اسے بستر پر چھوڑ کر آیا تھا۔

''مرجانہ کیا تم سوتے میں تو نہیں چل رہیں؟''

''نہیں تو........کیا آپ بھول گئے ہیں کہ حکیم نے آج خاص طور پر باغ میں ٹہلنے کے لئے کہا تھا؟''

''اوہ ہاں یاد آیا.........آؤ ذرا ٹہلتے ہیں۔ اب تو تم بڑی ہشاش بشاش نظر آ رہی ہو۔''

''جی ہاں اب میں پہلے کے مقابلے میں اپنے آپ کو زیادہ تندرست محسوس کر رہی ہوں۔''

''دیوتاؤں کا شکر ہے تمہاری بیماری نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔''

انہوں نے باغ میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف عنبر مرجانہ کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اصلی مرجانہ تخت پر بیٹھی اس کا انتظار کر

رہی تھی۔

''کیا تم تیار ہو مرجانہ؟''

''ہاں میرے بھائی۔''

''آؤ چلیں۔''

مرجانہ اس کے ساتھ نکل کر کمرے سے باہر آ گئی جب وہ باغ کی دیوار کے پاس سے چھپ کر گزرنے لگی تو اس نے دیکھا کہ سیاہ پوش کے ساتھ ایک اور مرجانہ ہو بہو اسی کی شکل کی باغ میں ٹہل رہی ہے۔

اسے چکر سا آ گیا۔ اس نے کہا:

''یہ........یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟''

عنبر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آہستہ سے کہا:

''خاموش رہو۔''

اور مرجانہ خاموش ہو گئی لیکن وہ حیران اور پریشان تھی کہ وہ ایک

وقت میں دو جگہوں پر کیسے آ گئی ہے۔ عنبر اسے ساتھ لیکر مکان کے باہر آ گیا۔ باغ میں ذرا فاصلے پر دونوں گھوڑے بندھے ہوئے تھا۔ عنبر نے مرجانہ کو گھوڑے پر سوار ہونے میں مدد دی۔ دوسرے گھوڑے پر وہ خود سوار ہوا اور قدم قدم چلتے وہاں سے باہر آ گئے۔

باغ جب کافی دور رہ گیا تو انہوں نے گھوڑوں کو دوڑانا شروع کر دیا اور شہر سے باہر آ کر ایک پہاڑی کے نیچے نہر کنارے رک گئے اور ناگ پھنی کا انتظار کرنے لگے۔ مرجانہ نے پوچھا:

''یہاں ہم کس لئے رک گئے ہیں؟''

''ہمیں اپنی ایک ساتھی مرجانہ کا انتظار کرنا ہے۔''

''مرجانہ کا؟ وہ تو میں ہوں۔''

''ایک اور مرجانہ بھی ہے جو اس وقت سیاہ پوش کے ساتھ باغ میں ٹہل رہی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو تم میرے ساتھ کبھی نہ نکل سکتی

تھیں۔"

مرجانہ نے سر کو تھام لیا اور بولی:

"دیوتا زیوس کی قسم ہے تمہیں بھائی، مجھے سمجھاؤ یہ اصل قصہ کیا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"اگر تم میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم اس راز کو اپنے تک ہی رکھو گی اور کسی کو نہیں بتاؤ گی تو میں ابھی اصل کہانی سنائے دیتا ہوں۔"

"میں دیوتا زیوس کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تمہارے راز کو اپنے دل میں ہی رکھوں گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں کسی سے نہیں کہوں گی۔"

"تو پھر سنو۔"

اس کے بعد عنبر نے مرجانہ کو سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح اس کا

دوست ایک سانپ ناگ پھنی ہے جو دو سو برس سے زندہ ہے اور اب اس میں قدرت نے اتنی طاقت دے دی ہے کہ وہ جب اور جس وقت جس آدمی یا عورت کا روپ چاہے بدل سکتا ہے۔ یہ وہی ناگ پھنی تھا جس نے مرجانہ کی شکل بدل کر سیاہ پوش کو دھوکہ دیا اور اسے وہاں سے بھاگنے میں مدد دی؛ وگرنہ ابھی تک سیاہ پوش کو معلوم ہو گیا ہوتا کہ مرجانہ بھاگ گئی ہے اور وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ تمہاری تلاش میں نکل چکا ہوتا۔ مرجانہ نے کہا:

''تو کیا وہ مرجانہ کے روپ میں ہمارے پاس آئے گا۔''

عنبر نے کہا:

''نہیں اگر وہ عورت کے روپ میں ہم تک پہنچے تو اسے بڑی دیر لگے گی۔ اس لئے وہ گھوڑا بن کر دوڑتا ہوا ہمارے ساتھ ساتھ سفر کرے گا۔''

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ انہیں شہر کی طرف سے دور گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ عنبر نے کہا:

''وہ آ رہا ہے۔''

چند لمحوں کے بعد ناگ پھنی گھوڑے کی شکل میں سرپٹ دوڑتا ہوا دور میدان سے ان کی طرف آتا نظر آیا۔ قریب آ کر وہ رک گیا اور بولا:

''میں آ گیا ہوں میرے محسن۔''

ایک گھوڑے کو انسانوں کی طرح باتیں کرتا سن کر مرجانہ تعجب کرنے لگی۔ عنبر نے پوچھا:

''سیاہ پوش کہاں تھا؟''

''وہ مجھے بستر میں سلا کر اپنے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔''

''بس ٹھیک ہے۔ اب وہ ہمارے تعاقب میں نہیں آئے گا اب

ہم راتوں رات ایران کی سرحد سے کافی دور نکل سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے جتنی جلدی ہو سکے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ ناگ پھنی کیا خیال ہے تم سانپ بن کر میرے لبادے میں لیٹ کر سفر کرو گے یا گھوڑا بن کر ہمارے ساتھ ساتھ دوڑو گے؟"

سانپ نے کہا:

"میرے آقا میں گھوڑا بن کر دوڑوں گا تو تھک جاؤں گا بہتر یہی ہے کہ میں سانپ بن کر آپ کے کرتے کی جیب میں سفر کروں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

گھوڑے نے پھنکار ماری اور ایک بار پھر سانپ بن کر زمین پر بیٹھ گیا۔ عنبر نے سانپ کو اٹھا کر اپنے لبادے کے اندر رکھا اور مرجانہ کو لے کر سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ایران کی سرحدوں کی طرف چل پڑا۔

سیاہ پوش اپنی طرف سے مرجانہ کو سلا کر اپنے کمرے میں چلا گیا

تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہ آ سکتا تھا کہ جس عورت کو وہ مرجانہ سمجھ کر بستر پر لٹا گیا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے اور اصلی مرجانہ اس وقت عنبر کے ساتھ ایران کی حد سے باہر نکل چکی ہے۔
رات گزر چکی تھی۔ صبح کا سورج نکل آیا۔ سیاہ پوش نے محسوس کیا کہ مرجانہ خلاف معمول زیادہ دیر تک سو رہی ہے۔ اس وقت تک وہ بیدار ہو جایا کرتی تھی۔ سیاہ پوش بے حد خوش تھا کیونکہ رات مرجانہ بہت ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ لنگڑا اغلام ہلاک ہو چکا تھا۔ عنبر بھی مرجانہ کو دوا پلانے نہیں آیا تھا۔ سیاہ پوش نے اونٹنی کا دودھ کٹورے میں ڈالا اور مرجانہ کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ دروازہ کھلا تھا اس نے سوچا شاید مرجانہ باہر کسی ضروری کام کی وجہ سے گئی ہو گی۔ اس نے کمرے میں آ کر دیکھا مرجانہ کا بستر خالی تھا دودھ کا کٹورا اس نے تپائی پر رکھ دیا اور باہر آ کر مرجانہ کی تلاش شروع کر دی۔ اس نے

مکان کا کونہ کونہ چھان مارا مگر مرجانہ کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا........سیاہ پوش کچھ پریشان سا ہو گیا۔ آخر مرجانہ کہاں چلی گئی؟ سیاہ پوش نے سوچا کہ کہیں وہ فرار تو نہیں ہو گئی۔ اس خیال کے ساتھ ہی سیاہ پوش لپک کر دوبارہ مرجانہ کے کمرے میں آیا اور اس نے اس کا صندوق کھول دیا۔ صندوق میں سے سارے زنانہ کپڑے غائب تھے۔ تو کیا مرجانہ فرار ہو گئی ہے؟

سیاہ پوش تیزی کے ساتھ گھر سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا عنبر کی حویلی میں آ گیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کہیں عنبر بھی تو غائب نہیں ہے؟ یہاں آ کر اس نے دیکھا کہ اس کی حویلی پر تالا پڑا تھا۔ اس نے دو ایک آدمیوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ عنبر صبح سے ہی غائب ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اس نے عنبر کو گھوڑے پر سوار شہر سے باہر جاتے دیکھا ہے۔

"کیا اس کے ساتھ کوئی عورت بھی تھی؟"

"ہاں ایک عورت سیاہ لباس پہنے گھوڑے پر سوار اس کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔"

سیا پوش کا خون کھول اٹھا۔ عنبر مرجانہ کو لے کر بھاگ گیا تھا...... اب کیا ہو سکتا تھا؟ مگر سیاہ پوش اس بات پر حیران تھا کہ عنبر رات کو کس عورت کو ساتھ لے گیا جبکہ رات بھر تو مرجانہ اس کے گھر میں سوئی رہی تھی؟ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ بہر حال یہ ایک حقیقت تھی کہ عنبر مرجانہ کو اپنے ساتھ بھگا کر لے جا چکا تھا۔ سیاہ پوش نے واپس اپنی حویلی میں آ کر اپنے وفادار غلام بوتیک کو حکم دیا کہ وہ مرجانہ کی تلاش میں روانہ ہو جائے اور اس کو یونان کی سرحدوں میں داخل ہونے سے پہلے پہلے قتل کر دے۔ غلام نے سر جھکا کر کہا:

"جو حکم سرکار! ایسا ہی ہو گا۔"

بوتیک گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ یہ غلام سیاہ پوش کا خاص غلام تھا اور اپنے مالک کے لئے جان بھی قربان کر سکتا تھا ان کا مقصد ہی اپنے آقا کی خدمت ہوتا ہے اور وہ اپنے مالک پر اپنی جان قربان کر دینے کو بڑی عزت سمجھتے ہیں۔ غلام کو رخصت کر کے سیاہ پوش اپنی حویلی میں واپس آ گیا۔ اور سوچنے لگا کہ اگر وہ خود بھی مرجانہ کی تلاش میں چل پڑے تو ہو سکتا ہے وہ اسے یونان میں داخل ہونے سے پہلے ہی گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے؛ چنانچہ وہ بھی اسی رات گھوڑے پر سوار ہو کر نکل کھڑا ہوا۔

جس وقت سیاہ پوش مرجانہ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اس وقت مرجانہ اور عنبر ایران کی حد سے نکل کر ملک شام کی طرف بڑی تیزی سے سفر کر رہے تھے عنبر نے کسی جگہ زیادہ آرام بھی نہ کیا۔ بس پل بھر کو رکے۔ کھایا پیا۔ گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلایا اور سفر پر چل پڑے۔ اسے

معلوم تھا کہ سیاہ پوش ضرور اس کا پیچھا کرے گا؛ چنانچہ وہ جتنی جلدی ہو سکے ایران سے دور ہو جانا چاہتا تھا۔

غار میں آگ

ساتویں روز عنبر اور مرجانہ شام کی سرحدوں سے نکل کر مصر میں داخل ہو گئے۔

مصر میں اس وقت زبردست خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ فرعون مصر کو قتل کیا جا چکا تھا اور فوجی سردار نے زبردستی قبضہ کر رکھا تھا۔ لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور وہ فوجی سردار طاقت کے زور پر

عوام کی تحریک کو کچلنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ ملک میں یہ افواہ تھی کہ سکندر اعظم عنقریب مصر پر چڑھائی کرنے والا ہے عنبر اور مرجانہ مصر کے شہروں سے دور دور سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک مقام پر انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔

دھوپ بے حد تیز تھی اور گرمی کے مارے ان کا دم نکلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ انہیں کھجوروں کے جھنڈ اور ایک چھوٹا سا چشمہ دکھائی دیا۔ تو وہ رک گئے۔ گھوڑوں کو کھلا چھوڑ کر عنبر اور مرجانہ چشمے کنارے ٹھنڈی ریت پر آرام کرنے لگے۔

ادھر سیاہ پوش نے تیزی سے سفر کرتے ہوئے راستے میں اپنے وفادار غلام کو جالیا اور اب وہ دونوں مل کر عنبر کا تعاقب کر رہے تھے وہ بے حد تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ دن کو بھی سفر کرتے اور رات کو بھی آرام نہ کرتے۔ اسی طرح انہوں نے مصر کی

سرحدوں کے اندر عنبر اور مرجانہ کے گھوڑے کے سموں کے نشان دیکھ لئے اور اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ دوسری جانب عنبر نے ذرا سستی سے کام لیا۔ اس نے سوچا کہ اب وہ دشمن سے بہت دور نکل آیا ہے وہ بھلا اسے کہاں پکڑ سکتا ہے۔ وہ غافل ہو کر آرام کرنے لگا اور دشمن ان کے سر پر پہنچ گیا؛ حالانکہ پہلے وہ دن کو بھی برابر سفر کر رہے تھے۔ جس وقت عنبر اور مرجانہ چشمے کے کنارے آرام کر رہے تھے۔ ٹھیک اس وقت سیاہ پوش اپنے غلام کے ساتھ ایک ٹیلے کی اوٹ میں انہیں آرام کرتے دیکھ رہا تھا۔

''سرکار دشمن سامنے آرام کر رہا ہے حکم ہو تو ابھی جا کر ان دونوں کے سر قلم کر کے آپ کی خدمت میں پیش کروں۔''

سیاہ پوش نے بڑے غرور سے اپنے غلام کی طرف دیکھا اور کہا:

''میرے جانباز غلام! ابھی ان لوگوں کی موت کا وقت نہیں آیا۔

تھوڑی دیر انتظار کرو۔ ان کی گردنیں میں خود تمہارے سامنے قلم کروں گا۔“

”مگر میرے آقا! دشمن اس وقت بے خبر ہے۔ ہمیں فوراً حملہ کر دینا چاہئے۔ وہ ایک مرد ہے اور ایک عورت ہم دونوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔“

”ٹھیک ہے بوتیک لیکن ذرا صبر سے کام لو اور دیکھتے جاؤ کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ ان دونوں کو میں ایسی سزا دوں گا کہ جسے وہ مرنے کے بعد بھی نہیں بھولیں گے۔“

سیاہ پوش اور اس کا غلام آپس میں عنبر اور مرجانہ کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے کہ عنبر کے ٹھنڈی ریت پر لیٹے ہوئے ناگ پھنی نے ایک دم اپنی گردن اٹھائی اور پھن پھیلا کر فضا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگا۔ عنبر نے سانپ کو ایسے کرتے دیکھا تو کہا:

''ناگ پھنی کیا بات ہے؟ تم ایک دم چونکے کیوں ہو گئے ہو؟''

ناگ پھنی نے کہا:

''میرے محسن' فضا میں آپ کے دشمن کی بو ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ سیاہ پوش ارد گرد کہیں موجود ہے۔''

سیاہ پوش کا نام سن کر مرجانہ ڈر گئی۔

''خدا کے لئے عنبر بھائی یہاں سے بھاگ چلو۔ وہ بڑا ظالم آدمی ہے۔ وہ ضرور ہم سب کو ہلاک کر دے گا۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

عنبر نے مرجانہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''گھبراؤ نہیں مرجانہ' اگر وہ ہمارے پاس آ گیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ وہ بھی ہماری طرح کا گوشت پوست کا انسان ہے۔ آخر کوئی دیوتا نہیں ہے۔''

مرجانہ خوفزدہ آواز میں بولی:

''عنبر بھائی، وہ بڑا کمینہ اور سنگدل ہے۔ اس کے ساتھ ضرور اس کے غلام بھی ہوں گے۔ ہم اتنے سارے لوگوں کا کیسا مقابلہ کرسکیں گے؟''

عنبر نے ناگ پھنی سے کہا:

''ناگ پھنی، تمہیں صرف ایک آدمی کی بو آرہی ہے کیا؟''

ناگ پھنی نے اپنے پھن کو تھوڑا سا اور اونچا کر کے فضا میں سونگھا اور کہا:

''میرے محسن، مجھے ایک سے زیادہ آدمیوں کی بو محسوس ہو رہی ہے۔''

مرجانہ جھٹ بولی:

''دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ ضرور اس کے ساتھ

اس کے جانباز غلام بھی ہیں جو اس کے اشارے پر جلتی آگ میں بھی کود جاتے ہیں۔''

''پھر میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے کوچ کر دینا چاہئے۔''

''میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی۔''

وہ جلدی سے اٹھ کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور آگے روانہ ہو گئے۔ ٹیلے کی اوٹ میں سے سیاہ پوش اور اس کے غلام نے انہیں فرار ہوتا دیکھا تو وہ بھی گھوڑوں کو ایڑ لگا کر ان کے تعاقب میں چل پڑے عنبر اور مرجانہ سارا دن سفر کرتے رہے۔ شام ہوئی تو وہ مصر کی آخری سرحدی چوکی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے یہاں انہوں نے کسی خفیہ مقام پر رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ عنبر یوں سیاہ پوش اور اس کے ساتھیوں کو دھوکہ دینا چاہتا تھا۔ وہ بظاہر انہیں یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ وہ برابر بغیر رکے سفر کر رہے ہیں؛ چنانچہ وہ گاؤں سے

باہر ایک قدیم اور شکستہ اہرام کے سائے میں آ کر رک گیا۔

عنبر کیلئے یہ مقام کوئی اجنبی نہیں تھا۔ وہ ان ہی فضاؤں میں سانس لے کر بڑا ہوا تھا۔ یہ تمام جگہیں اس کی جانی پہچانی تھیں؛ اگر چہ دو ہزار برس کا زمانہ گزر گیا تھا مگر وہاں ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ کھجوروں کے جھنڈ ویسے کے ویسے ہی تھے۔ گاؤں کے کچے مکان اور چشموں پر پانی بھرتی مصری عورتیں بھی ویسی ہی تھیں اور اہرام بھی اسی طرح عزت سے مصر میں کھڑے تھے۔

یہ اہرام جہاں عنبر مرجانہ کو لے آیا تھا' یہ کسی بہت ہی پرانے فرعون کا تھا۔ اہرام کے پتھر جگہ جگہ سے اکھڑ چکے تھے۔ ایک غار نما راستہ اہرام کے اندر چلا گیا تھا۔ مرجانہ کو تو اندر جاتے ہوئے بڑا ڈر لگ رہا تھا......... لیکن جب عنبر نے اسے کہا کہ اگر وہ باہر رہے تو ہو سکتا ہے

کہ سیاہ پوش انہیں قتل کر دے تو وہ ڈر کر غار کے اندر داخل ہو گئی یہ غار عام اہرام کے غاروں کی طرح تھا۔ اندر اندھیرا تھا اور مکڑوں نے جگہ جگہ اپنے جالے بن رکھے تھے۔ ہزاروں سال کے عرصے میں چوروں ڈاکوؤں نے اہرام کی قبریں کھود کر تمام سونا چاندی اور زر و جواہر لوٹ لئے تھے۔ حد یہ تھی کہ بعض مردوں کا کفن بھی چور لے گئے تھے اور ان کی ہڈیاں کھلی قبروں کے اندر ویسے کی ویسے ریت پر پڑی ہوئی تھیں۔

مرجانہ نے دیوار کے ساتھ لگے ہوئے صندوق کی طرف دیکھ کر کہا:

''یہ صندوق کیسا ہے؟''

عنبر نے مسکرا کر مرجانہ کی طرف دیکھا اور اسے بتایا کہ یہ کسی فرعون کا غلام ہے جسے قبر کے باہر ہی پہریدار کے طور پر دفن کیا گیا

تھا۔ عنبر نے صندوق کو ذرا سا جھٹکا دیا تو وہ کھل گیا۔ مرجانہ کی چیخ نکل گئی۔ کیونکہ صندوق میں سے ہڈیوں کا ڈھانچہ ان کے اوپر آن گرا عنبر ہنس پڑا:

''گھبراؤ نہیں مرجانہ میں ان مردوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بڑے شریف مردے ہیں۔ کسی کو بے چارے کچھ نہیں کہتے۔ ان کی ساری زندگی بادشاہوں کی خدمت کرتے گزری ہے۔ یہ تو کسی سے دشمنی کر ہی نہیں سکتے۔''

عنبر نے ساری ہڈیاں بڑے احترام کے ساتھ اٹھا کر صندوق میں رکھیں اور ڈھکن بند کر دیا۔ ناگ پھنی بھی زمین پر رینگتا ہوا عنبر کے ساتھ چل رہا تھا۔ عنبر نے ایک کھلی جگہ زمین صاف کی اور وہاں بیٹھتے ہوئے کہا:

''میرا خیال ہے رات بسر کرنے کے لئے یہ جگہ بہت اچھی ہے۔

تمہارا کیا خیال ہے مرجانہ؟"

"عنبر بھائی میرے لئے تو ہر وہ جگہ اچھی ہے جہاں ہمارے دشمن کی نظر ہم پر نہ پڑ سکے۔"

"تو پھر اسی جگہ رات بسر کرتے ہیں۔ دشمن یہاں پر بھی نہیں مار سکتا اس کو اس غار کا علم بھی نہ ہوگا۔"

لیکن عنبر یہاں بھی مار کھا گیا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ اس کا دشمن ایک مکار اور انتہائی عیار آدمی ہے۔ اس نے اپنے دشمن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سیاہ پوش عنبر اور مرجانہ کو غار میں داخل ہوتے دیکھ چکا تھا وہ ان کے بالکل قریب آ گیا تھا اور اہرام کے باہر والے گاؤں میں ایک جگہ بیٹھا اپنے جانباز غلام کے ساتھ مل کر عنبر اور مرجانہ کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ غلام نے کہا:

"میرے آقا مرجانہ اور عنبر اس وقت غار کے اندر موجود ہیں۔

میرا خیال ہے اس غار کے منہ کو پتھروں سے بند کر کے اندر آگ لگا دینی چاہئے۔''

سیاہ پوش نے کچھ دیر غلام کی تجویز پر غور کیا۔ اسے یہ تجویز بڑی پسند آئی تھی۔ اس طرح سے وہ عنبر اور مرجانہ کے قتل کے الزام سے بھی بری ہو سکتا تھا۔ اس نے کہا:

''نہایت مناسب خیال ہے لیکن اس کے لئے ہمیں ابھی سے کام شروع کر دینا ہو گا۔''

''غلام حاضر ہے میرے آقا۔'' پہلا کام تم یہ کرو کہ ارد گرد سے بڑے بڑے پتھر لا کر غار کے منہ پر جمع کر دو۔''

بوتیک غلام اسی وقت اٹھا اور اس نے پتھروں کو ڈھونا شروع کر دیا آدھی رات تک اس نے غار کے سامنے بڑے مضبوط پتھروں کے ٹکڑوں کا ڈھیر لگا دیا۔ سیاہ پوش اور غلام نے مل کر ریت کا گارا بنایا اور

انہوں نے غار کے منہ کے آگے بڑے بڑے پتھر رکھنے شروع کر دیا۔ یہ کام بڑی مشکل اور محنت طلب تھا۔ مگر وہ دونوں یہ کام کرتے رہے انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ اس لئے کہ سیاہ پوش کے دل میں انتقام کی آگ جل رہی تھی۔ دو چار گھنٹوں کے اندر اندر انہوں نے غار کے منہ پر پتھروں کی مضبوط دیوار چن دی تھی۔ صرف ایک تھوڑا سا سوراخ باقی رہنے دیا۔ غلام نے کہا:

''میرے آقا اب اندر آگ لگا دیجئے۔''

سیاہ پوش نے بہت سی خشک جھاڑیاں جمع کر کے سوراخ کے راستے اندر پھینک دی۔ پھر اس نے دو پتھروں کو رگڑ کر آگ سلگائی اور اندر جھاڑیوں پر پھینک دی۔ جھاڑیوں میں ایک دم آگ بھڑک اٹھی۔ آگ کے بھڑکتے ہی سیاہ پوش اور غلام نے ایک بڑا سا گول پتھر اٹھا کر اس سوراخ کے منہ پر رکھ کر اسے بند کر دیا۔ پتھروں کی

درزوں کو انہوں نے مٹی اور ریت کے گارے سے لیپ دیا۔ یہ لیپ صحرائی رات کی ٹھنڈی ہوا میں سخت ہو کر پتھر بن گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر سیاہ پوش اور غلام غار سے کافی دور درختوں کی جھاڑیوں کی اوٹ میں زمین پر چٹائی بچھا کر یوں بیٹھ گئے جیسے دو مسافر ہوں اور سفر کے دوران میں پڑاؤ ڈال کر آرام کر رہے ہوں۔ اصل میں وہ یہ اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ عنبر اور مرجانہ کہیں دیوار توڑ کر باہر تو نہیں نکل آئے؛ حالانکہ انہیں یقین تھا کہ پتھروں کی اتنی مضبوط دیوار وہ کبھی بھی نہ توڑ سکیں گے۔ پھر بھی انہوں نے تیر کمانوں میں جوڑ کر ان کا رخ غار کی طرف کر رکھا تھا۔ کہ جوں ہی وہ پتھر ہٹا کر باہر نکلیں انہیں تیر مار کر چھلنی کر دیا جائے۔ رات گزرتی چلی جا رہی تھی

غار کے اندر مرجانہ اور عنبر بڑے سکون سے سو رہے تھے۔ ان کے

پاس ہی ریت پر پتھروں کے درمیان سانپ بھی لیٹا آرام کرر ہا تھا۔ اچانک سانپ کو دھوئیں کی بو غار میں آتی محسوس ہوئی وہ چوکنا ہو گیا۔ اس نے اپنا پھن پھیلا کر سونگھنے کی کوشش کی کہ یہ بو کس طرف سے آ رہی ہے؟ دھوئیں کی بو بڑی صاف اور تیز تھی۔ جدھر سے بو آ رہی تھی سانپ نے ادھر چلنا شروع کر دیا۔ غار کے مختلف اندھیرے راستوں سے گزرتا ہوا وہ جب غار کے منہ کے پاس پہنچا تو سامنے سے روشنی نظر آئی۔ دھواں اس قدر تھا کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ غار کے اندر کسی نے آگ لگائی ہے اور اس کا منہ بند کر دیا ہے۔ وہ لپک کر پیچھے مڑا اور بڑی تیزی کے ساتھ پتھروں پر رینگتا ہوا اس مقام پر پہنچا جہاں عنبر اور مرجانہ سو رہے تھے دونوں اس طرح گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے جیسے دنیا میں ان کا کوئی دشمن نہیں ہے........سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور فوراً انسان کی شکل میں سامنے آ گیا اس نے

عنبر کو زور زور سے ہلا کر جگایا۔ عنبر ہڑ بڑا کر اٹھ گیا اور بولا:

''کون ہو تم؟''

سانپ نے کہا:

''میرے آقا میں آپ کا دوست ناگ پھنی ہوں اور ایک انسان کے روپ میں آپ سے ہمکلام ہوں۔''

عنبر نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا:

''تمہیں اس وقت ہمیں جگانے کی کیا ضرورت تھی؟''

سانپ نے کہا:

''میرے محسن غار کے اندر آگ لگ چکی ہے۔''

''کیا کہا آگ؟''

''جی ہاں میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں۔ کسی نے غار کا منہ بند کر کے اندر جھاڑیاں پھینک کر آگ لگا دی ہے۔ دھواں اس

طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔''

عنبر ایک دم ہوشیار ہو گیا۔ مرجانہ بھی انکی باتوں کی آواز سن کر جاگ پڑی۔ اسے جب، معلوم ہوا کہ دشمن ان کے سر پر پہنچ گیا ہے۔ اور اس نے انتہائی چالاکی سے کام لیتے ہوئے غار کا منہ بند کر کے آگ بھڑکا دی ہے تو وہ رونے لگی۔

''اب کیا ہو گا عنبر بھائی؟''

عنبر نے کہا:

''رونے سے کیا ہو گا؟ خبردار رونے کی کوشش نہ کرنا، ہمیں ہمت اور عقل سے کام لے کر دشمن کی اس چال کو ناکام بنانا ہے۔ ناگ پھنی تم میرے ساتھ آؤ۔ مرجانہ تم اسی جگہ بیٹھی رہو۔''

عنبر نے ناگ پھنی کو ساتھ لیا اور غار میں سے گزرتا ہوا اس کی منہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ناگ پھنی نے درست اطلاع دی تھی۔ غار کے

اندر سیاہ کڑوا دھواں بھر گیا تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں سانس لینے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ آخر انہیں ایک جگہ آگ کی روشنی دکھائی دی۔ غار کے منہ کے آگے جھاڑیوں کے ڈھیر میں آگ لگی ہوئی تھی اور دھوئیں کے بادل اٹھ اٹھ کر اندر کی طرف آ رہے تھے۔

عنبر نے ناگ پھنی سے کہا:

''کیا تم کسی طرح اس آگ کو بجھا سکتے ہو؟''

ناگ پھنی بولا:

''میرے آقا دنیا میں صرف آگ ہی ایک ایسی شے ہے، جس میں میری جان جاتی ہے۔ کیونکہ میری موت آگ ہی میں لکھی ہے۔''

''پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے کیونکہ اگر آگ اسی طرح روشن رہی تو اس غار میں بچی کھچی ہوا بالکل ختم ہو جائے گی اور دھواں ہی دھواں بھر جائے گا جس کی وجہ سے ہم بہت جلد مر جائیں

گے۔''

ناگ پھنی نے سہم کر کہا:

''ایسا تو نہیں ہونا چاہیے حضور اس آگ کو بجھانے کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا۔''

''لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں یہاں تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے اور آگ پانی کے بغیر ہرگز نہ بجھ سکے گی۔ تپش میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔''

ان کے سامنے سے دھوئیں کا سیاہ بادل اٹھا اور اس نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ عنبر اور ناگ پھنی کھانستے کھانستے بے حال ہو کر پیچھے کی طرف بھاگے۔ بڑی مشکل سے وہ ایک کھلی پر آ گئے مرجانہ بھی گھبرا کر واپس وہاں آ گئی۔ جب وہ چاروں طرف سے مایوس ہو گئے اور انہیں موت بالکل سامنے دکھائی دینے لگی تو عنبر نے کہا:

''اب ہماری زندگی اور موت کا سوال پیدا ہو گیا ہے۔ ہم چاروں طرف سے مایوس ہو گئے ہیں۔ اس لئے مجھ پر لازم ہے کہ اس آگ کو بجھانے میں دیوتاؤں کی مدد حاصل کروں۔''

''دیوتاؤں کی مدد؟'' مرجانہ نے حیرت سے کہا:

''ہاں' دیوتاؤں کی مدد۔''

اس کے بعد عنبر نے دونوں آنکھیں بند کر کے ہاتھ غار کی چھت کی طرف پھیلائے اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ پھر اس نے زور سے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔ اس کے ساتھ ہی غار میں بادلوں کی گرج سنائی دی اور بارش شروع ہو گئی۔ مرجانہ اور ناگ پھنی تو حیرانی کے عالم میں دیکھتے رہ گئے کہ غار کے اندر کہاں سے بارش شروع ہو گئی۔ لیکن بارش ان کی آنکھوں کے سامنے ہو رہی تھی اور غار کے اندر کی آگ بجھ گئی تھی اور دھواں بیٹھ گیا تھا۔

آخری چوکی

ناگ پھنی کو پتہ تھا کہ عنبر کے اندر دیوتاؤں کی طاقت موجود ہے۔
مگر مرجانہ اسکی ان خفیہ طاقتوں سے بالکل ہی بے خبر تھی۔ وہ غار
کے اندر عنبر کے اشارے پر بارش ہوتے اور آگ بجھتے دیکھ کر حیران
ہوگئی تھی۔ عنبر نے فوراً کہا کہ وہاں سے نکلنے کی کوشش کی جائے۔
تینوں غار کے منہ کیطرف بھاگے۔ یہاں آ کر انہیں معلوم ہوا کہ آگ
بالکل ٹھنڈی ہوگئی ہے مگر غار کا منہ باہر سے پتھروں سے بند کیا گیا
ہے۔ انہوں نے مل کر بہت زور لگایا۔ مگر کوئی بھی پتھر اپنی جگہ سے

ملنے کو تیار نہ تھا۔

''یہ ساری سازش سیاہ پوش کی ہے۔''

''وہ یقیناً ہمارا پیچھا کرتا یہاں تک پہنچا ہے۔''

''لیکن اب ہمیں یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

''غار کا منہ تو بند ہے۔ اتنے بڑے بڑے پتھر کیسے ہٹائیں؟''

مرجانہ نے روتے ہوئے کہا:

''عنبر بھائی آپ ہی کچھ کریں تو ہم آزاد ہوں گے؛ ورنہ ہماری تو یہاں لاشیں ہی لوگوں کو ملیں گی۔''

''میں کوشش کرتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر عنبر غار کے منہ کے ساتھ لگ گیا۔ اس نے ایک بڑے سے پتھر کے ساتھ کندھا لگا کر زور لگانا شروع کر دیا ظاہر ہے جس پتھر کو دو مرد مل کر نہیں ہلا سکے اسے وہ اکیلا اپنی جگہ سے کیسے ہلا سکتا تھا۔

لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس وقت اس کے ساتھ دیوی بلطیس کی روح اس کی مدد کر رہی تھی۔ جوں ہی عنبر نے دیوی کی روح کو دل ہی دل میں پکارا۔ اس نے اپنی تمام طاقت عنبر کے حوالے کر دی۔ اب جو عنبر نے ذرا سا زور لگایا تو غار کے منہ پر لگے ہوئے سارے پتھر ایک دھماکے کے ساتھ اکھڑ کر باہر جا گرے۔ باہر سے دن کی روشنی اندر آنے لگی۔ مرجانہ اور ناگ پھنی نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ ٹھیک اس وقت دو تیر غار کے منہ پر آن لگے۔ اگر مرجانہ ذرا پرے ہٹ کر کھڑی نہ ہوتی تو ایک تیر تو یقیناً اس کی گردن میں پیوست ہو جاتا۔

عنبر نے کہا:

''پیچھے ہٹ جاؤ دشمن ہماری تاک میں بیٹھا ہے۔''

باہر سیاہ پوش اور اس کا غلام ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھے غار کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ اپنی طرف سے مطمئن ہو گئے کہ اندر وہ لوگ

ہلاک ہو گئے ہوں گے اور بات بھی درست تھی۔ بھلا ایک چھوٹے سے غار میں آگ لگ جائے تو انسان کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ اور پھر جب کہ غار کا منہ پتھروں سے بند کر دیا ہو۔ سیاہ پوش اور غلام وہاں سے واپس چلنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اچانک غلام نے کہا:

''مالک ادھر دیکھو۔''

''کیا ہے ادھر؟'' سیاہ پوش نے کہا۔

''میں نے غار کے منہ پر کچھ پتھروں کو گرتے دیکھا ہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بھلا ان چٹان جیسے پتھروں کو کوئی ہلا سکتا ہے۔''

ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی غار کے منہ پر لگے ہوئے سارے سارے پتھر دھڑام سے زمین پر آن گرے۔ سیاہ پوش حیران ہو کر دیکھتا رہ گیا۔ پھر انہوں نے

مرجانہ اور عنبر کو دیکھا اور ایک تیسرے آدمی کو بھی، جسے سیاہ پوش بالکل نہ پہچان سکا۔ سیاہ پوش نے حیرانی سے اپنے غلام کی طرف دیکھا اور کہا:

''یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''وہ لوگ باہر آ رہے ہیں سرکار تیر چلائیں۔''

اور انہوں نے دونوں تیر کمانوں میں جوڑ کر چھوڑ دیئے۔ کھٹ سے تیر غار کے منہ پر لگے اور عنبر اور مرجانہ ایک طرف کو ہٹ گئے مرجانہ نے کہا:

''کمینہ سیاہ پوش باہر گھات لگائے بیٹھا ہے۔ اب کیا ہو گا؟''

عنبر نے ناگ پھنی کی طرف دیکھ کر کہا:

''ناگ پھنی اب تم اپنا کام دکھاؤ۔''

''جو حکم میرے محسن۔''

ناگ پھنی نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر پھنکاری ماری اور ایک دم پھر سے وہ سانپ بن گیا۔ سانپ کے روپ میں آتے ہی وہ رینگتا ہوا غار کے منہ سے باہر نکل گیا۔ باہر نکل کر اس نے اہرام کے عقب سے ہو کر جھاڑیوں کے پیچھے پیچھے رینگنا شروع کر دیا۔ جدھر سیاہ پوش اور اس کا غلام گھات لگائے بیٹھے تھے۔ سانپ بڑی ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ ریت پر رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ادھر سیاہ پوش اور غلام بوتیک جھاڑیوں میں چھپے غار کے منہ پر تھوڑی دیر بعد تیر برسا رہے تھے۔ غلام نے کہا:

''میرے آقا میں آگے بڑھ کر غار کے منہ کے پاس جاتا ہوں اور اس کے اندر تیر چلاتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، ورنہ یوں تو ہم سارا دن بیٹھے رہیں گے۔''

بوتیک نے تیر کمان کندھے سے لٹکائے اور چھپتے چھپاتے غار

کے منہ کے پاس آ کر ایک طرف چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ ادھر غلام کو غار کی طرف بھاگتے ہوئے سانپ نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ برابر ان جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہا تھا جدھر سیاہ پوش چھپا ہوا تھا۔ وہ سیاہ پوش کے بالکل پیچھے آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ پوش نے کمان میں تیر جوڑ رکھا ہے اور غار کی طرف نشانہ باندھے بیٹھا ہے۔ سانپ بڑے سکون سے رینگتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ اب اس نے آہستہ آہستہ اپنی گردن اٹھا کر پھن پھیلانا شروع کر دیا۔

جب وہ پوری طرح پھن پھیلا چکا تو آگے بڑھ کر اس ڈسنے ہی والا تھا کہ سیاہ پوش کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے زمین پر سے پتھر اٹھا کر سانپ پر دے مارا۔ پتھر دور جا گرا اور اسی اثنا میں سانپ نے بجلی جیسی تیزی کے ساتھ لپک کر سیاہ پوش کی پنڈلی پر ڈس لیا۔ سیاہ پوش چیخ مار کر پیچھے گرا۔ سانپ تیزی سے رینگتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔

سیاہ پوش کا سارا جسم پتھر کی طرح سن ہو گیا۔ زہر اس کے خون میں اتر گیا تھا۔ اس کے کان منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا تھا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ آسمان کو دیکھنے لگا۔ اسے اپنے وہ سارے ظلم یاد آ گئے جو اس نے لوگوں کے ساتھ کئے تھے مگر اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اب توبہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ کاش وہ اپنی زندگی میں ہی انسانوں پر ظلم نہ کرتا بلکہ ان کے ساتھ محبت اور مہربانی کا سلوک کرتا۔

دوسرے لمحے سیاہ پوش مر چکا تھا اور اس کی لاش پر ریت پڑی تھی۔

سانپ بڑا حیران ہوا کہ سیاہ پوش کا ساتھی کہاں ہے؟ کیونکہ غار کے منہ پر دو تیر آ کر لگے تھے جس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ جھاڑیوں میں دو آدمی چھپ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن یہاں اسے

دوسرا آدمی کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک سانپ کی نظر ریت پر پاؤں کے نشان پر پڑی۔ یہ پاؤں کے نشان غار کے منہ کی طرف جا رہے تھے۔ سانپ فوراً سمجھ گیا کہ دوسرا آدمی غار کی طرف حملہ کرنے گیا ہے اب اس نے تیزی کے ساتھ غار کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ رینگنے کی بجائے بھاگ رہا تھا۔ کیونکہ اس پر عنبر اور مرجانہ کی زندگیوں کی ذمہ داری تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے ذرا بھی دیر کر دی تو گار کے باہر تیر کمان لے کر بیٹھا ہوا انسان بڑی آسانی سے اندر کے آدمیوں کو تیر مار کر ہلاک کر سکتا ہے۔

غار کے قریب پہنچ کر سانپ نے غلام بوتیک کو دیکھ لیا۔ وہ بڑی چالاکی اور مکاری سے غار کی اوٹ میں ایک پتھر کے سہارے بیٹھا تھا۔ کمان میں تیر جوڑ کر اس نے نشانہ لے رکھا تھا کہ ذرا مرجانہ یا عنبر کی شکل نظر آئے اور وہ تیر چلا کر اسے ہلاک کر دے اس وقت وہ آدمی

سب سے بڑا دشمن تھا۔ سانپ اہرام کا چکر کاٹ کر پیچھے سے آیا اور غلام بوتیک کے عقب میں آ کر پتھروں کے درمیان میں بیٹھ گیا۔ اس نے اچھی طرح سے غور کر لیا کہ دشمن پر کدھر سے حملہ کرنا ہے۔

چنانچہ بائیں پہلو میں آ کر اس نے گردن اٹھا کر بڑے سکون سے اپنا پھن پھیلایا اور پلک جھپکنے کے اندر اندر بوتیک کے پاؤں پر ڈس کر پرے ہٹ گیا اور اس کی موت کا تماشہ دیکھنے لگا۔ بوتیک نے جب دیکھا کہ ایک سیاہ کالے ناگ نے اسے ڈس لیا ہے تو فوراً خنجر نکال کر اس نے اس جگہ کو کھرچنا شروع کر دیا۔ جہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ سانپ دل ہی دل میں مسکرانے لگا کیونکہ اس کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ ڈسنے کے ساتھ ہی دماغ کی طرف پہنچ جاتا تھا پھر بھی وہ دشمن کو دیکھتا رہا۔ بوتیک خنجر زخم پر چلا رہا تھا پھر اس کا ہاتھ سست ہو گیا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اس کی گردن ٹیڑھی ہو گئی۔ آنکھیں

اوپر کو چڑھ گئیں۔ اس کے کانوں ناک اور منہ سے سیاہ خون جاری ہو گیا اور وہ پتھر کی طرح بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

بوتیک کے زمین پر گرتے ہی ناگ انسانی روپ میں آ گیا اور اس کے قریب آ کر کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا کہ وہ مرا ہے یا نہیں۔ مرنے والے نے جب یہ دیکھا تو کہ ابھی ابھی جس سانپ نے اسے کاٹا تھا وہ انسانی شکل میں اس کے سامنے آن کھڑا ہے تو اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اس کے منہ سے ضرور چیخ نکل جاتی۔ اگر زہر نے اس کے حلق کو بند نہ کر دیا ہوتا۔ زہر اس کے سارے خون میں شامل ہو کر دل و دماغ تک پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ وہ ناگ پھنی کو پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے دیکھتے ایک ہچکی لے کر دوسری دنیا میں پہنچ گیا۔

اس کے مرتے ہی ناگ پھنی نے غار کے منہ پر جا کر آواز دی:

''میرے محسن باہر آ جائیں۔ دشمنوں کا کام تمام ہو چکا ہے۔''

اس کے اعلان کے ساتھ ہی غار میں سے مرجانہ اور عنبر باہر نکل آئے۔ عنبر کو اگرچہ اپنی موت کا کوئی ڈر نہیں تھا لیکن اسے مرجانہ کا فکر ضرور تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بھی دکھاوے کا فکر اپنی جان کے بارے میں کر رہا تھا۔ اسلئے کہ وہ ناگ پھنی اور مرجانہ پر اپنی خفیہ طاقتوں کو کھول کر واضح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے باہر نکلتے ہی کہا:

''سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ باغ میں ہمارے گھوڑے موجود ہیں یا نہیں؟''

وہ تینوں باغ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں جھاڑیوں کے پاس اسے سیاہ پوش کی لاش ملی۔ مرجانہ نے لاش کو دیکھ کر دیوتاؤں کا شکر ادا کیا کہ ظالم کے پنجے سے نجات ملی۔ جس وقت وہ باغ میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے گھوڑے ادھر ادھر گھاس چر رہے تھے۔ گھوڑوں کو دیکھ کر انہیں بڑی خوشی ہوئی کیونکہ اس وقت ان کے پاس

اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ دو گھوڑے خرید سکتے۔ عنبر کے پاس شاہی ہیرا ضرور تھا مگر وہ اس ہیرے کو فروخت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''ہمیں فوراً اپنے سفر پر روانہ ہو جانا چاہئے۔'' عنبر نے کہا:

ناگ پھنی بولا:

''ہمیں جتنی جلدی ہو سکے مصر کی سرحدوں سے باہر نکل جانا چاہئے۔ کیونکہ یہاں چاروں طرف خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ کسی کو ذرا سا بھی شک پڑ گیا کہ ہم یونان کی طرف جا رہے ہیں یا مرجانہ یونان کے ایک صوبے دار کی بیٹی ہے تو ہمارے سامنے ایک اور نئی مصیبت آن کھڑی ہو گی۔''

وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سفر پر روانہ ہو گئے۔

مصری سرحد کی آخری چوکی پر سے گزرتے ہوئے پہریداروں نے انہیں روک لیا اور تلاشی لینا شروع کر دی۔ ان لوگوں نے ہنگامی

حالات کی وجہ سے پوری پوری تلاشی لی؛ چنانچہ جب عنبر کے جوتے اتروا کر دیکھے گئے تو ان میں سے بیش قیمت ہیرا نکل آیا۔ پہریداروں کی تو باچھیں کھل گئیں۔ اس قدر قیمتی ہیرا انہوں نے ساری زندگی نہیں دیکھا تھا۔

چوکی کے کپتان نے کہا:

"تم نے یہ ہیرا ضرور کہیں سے لوٹ مار کر کے حاصل کیا ہے۔ بولو تمہاری سزا کیا ہو سکتی ہے؟ کیوں نہ ہم تمہاری گردن اتار دیں۔ بولو......"

عنبر اور مرجانہ پریشان ہو گئے خواہ مخواہ راستے میں ایک رکاوٹ پڑ گئی تھی۔ عنبر کو معلوم تھا کہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ اور نہیں نکلنے والا تھا کہ وہ وقت ضائع ہوتا اور ان کا سفر کھوٹا ہوتا۔ اس نے کپتان سے کہا کہ یہ ہیرا اس کے دادا کے وقتوں کا گھر میں چلا آ رہا ہے اور وہ

اسے لیکر اپنے والد صاحب کے پاس جنوبی افریقہ جا رہا ہے۔ اس پر کپتان اور دوسرے پہریدار ہنس پڑے اور بولے:

''خوب کہانی گھڑ رکھی ہے تم نے' بھلا ہم نے یہ معلوم نہیں کیا کہ یہ ہیرا تم نے چوری کیا ہے۔ تمہارے پاس ایسا ہیرا کہاں سے آ سکتا ہے؟''

عنبر نے انہیں لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ہیرا اسی کا ہے اور تبت کے راجہ نے اسے خوش ہو کر دیا ہے۔ مگر پہریدار نہ مانے۔

انہوں نے عنبر سے ہیرا چھین لیا اور ان دونوں کو سرحدی چوکی کی حوالات میں بند کر دیا۔ مرجانہ اور عنبر' دونوں بڑے پریشان ہوئے کہ وہ کس مصیبت میں پھنس گئے۔

جس حوالات میں انہیں بند کیا گیا تھا وہ چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ جس کے اندر بے حد گرمی اور گھٹن تھی۔ ناگ پھنی کا بھی لبادے میں

دم گھٹنے لگا۔ عنبر نے اسے نکال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس نے ساری باتیں سن لی تھیں۔ اس نے کہا:

''آقا! اگر اجازت ہو تو ایک ایک کو کاٹ کر ہلاک کر دوں؟''

عنبر نے کہا:

''یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ میں انہیں ہلاک کروا کر گناہگار نہیں بننا چاہتا۔''

مرجانہ بولی:

''پھر ہم اس قید سے کیسے نکلیں گے؟''

''اس کا کوئی طریقہ سوچ لیتے ہیں۔''

اصل میں مرجانہ اور ناگ پھنی کو ابھی عنبر کی خفیہ طاقتوں کا علم نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ غمگین ہو گئے' نا امید ہو گئے۔ عنبر نے انہیں بے بسی کی حالت میں دیکھا تو انہیں تسلی دی اور کہا کہ انہیں ہمت سے

کام لینا چاہئے۔

''ہماری نیت نیک ہے۔رب عظیم ضرور ہماری مدد کرے گا۔''

''مگر کیسے میرے بھائی؟'' مرجانہ نے روتے ہوئے کہا:

''مرجانہ تم بہت جلد گھبرا جاتی ہو جس طاقت نے تمہیں ایک سنگ دل قاتل کے پنجے سے چھڑایا ہے وہ یہاں بھی ضرور تمہاری مدد کرے گا۔اس لئے رونا دھونا بند کرو۔''

مرجانہ آنسو پونچھ کر چپ ہوگئی۔لیکن اس کا دل بیحد بوجھل تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کا اتنے پہریداروں اور سپاہیوں کی قید سے بچ کر نکلنا بہت مشکل ہے۔عنبر کو اپنے ہیرے کا بھی فکر تھا۔وہ تبت کے راجہ کا دیا ہوا تحفہ تھا اور ویسے بھی بڑا قیمتی ہیرا تھا۔عنبر کوٹھڑی کی دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے سوچتا رہا کہ وہ کونسی ترکیب لگائے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔وہ مصری سپاہی کو

ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ شاید اس لئے بھی کہ وہ اس کے ہم وطن تھے۔

مگر سوال یہ تھا کہ پھر دوسرا طریقہ وہاں سے فرار ہونے کا۔ اور کیا ہوسکتا ہے؟ وہ نہ صرف وہاں سے فرار ہونا چاہتا تھا بلکہ اپنا ہیرا بھی واپس لینا چاہتا تھا۔ آخر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی۔

اس نے ناگ پھنی سے کہا:

''تم مصری فوج کے سپہ سالار کے روپ میں آ کر پہریداروں کے پاس جاؤ اور انہیں حکم دو کہ وہ ہمیں آزاد کردیں۔''

''بہت بہتر میرے آقا۔''

سانپ رینگ کر کوٹھڑی کے روشندان سے باہر نکل گیا۔ باہر جاتے ہی اس نے پھنکار ماری اور مصری فوج کے سب سے بڑے افسر یعنی سپہ سالار کے روپ میں نمودار ہوگیا۔ وہ بہترین اور اعلیٰ قسم کی فوجی وردی میں تھا۔ وہ بڑی شان سے گھوڑے پر سوار چلتا ہوا

پہریداروں کے پاس آگیا۔ سپاہیوں نے اپنی فوج کے سپہ سالار کو دیکھا تو پریشانی کے عالم میں تھر تھر کانپتے ہوئے اسے تکنے لگے۔

''میرا منہ کیا تک رہے ہو؟ کپتان کہاں ہے؟'' ناگ پھنی نے کہا:

فوراً کپتان چوکی سے باہر نکل کر سامنے آگیا اور جھک کر بولا:

''غلام حاضر ہے سردار۔''

سانپ ناگ پھنی نے گرج کر کہا:

''حوالات میں کون لوگ بند ہیں؟''

''جناب چور ہیں' جو تبت کے راجہ کا ہیرا چرا کر بھاگ رہے تھے کہ ہم نے پکڑ کر قید کر دیا۔''

سانپ نے کپتان کو ایک لات مار کر کہا:

'کمینے انسان تم دوست دشمن میں تمیز بھی نہیں کر سکتے۔ تمہیں

معلوم نہیں کہ یہ ہماری حکومت کے مہمان ہیں اور خاص طور پر ہمارے سردار اعظم کے لئے اس ہیرے کا تحفہ لا رہے تھے۔ فوراً انہیں حوالات سے رہا کر دو۔"

"جو حکم سرکار۔"

کپتان نے لپک کر حوالات کا دروازہ کھول دیا۔ عنبر اور مرجانہ باہر نکل آئے۔ کپتان نے انہیں جھک کر سلام کیا اور کہا:

"معاف کرنا جناب ہم سے غلطی ہوگئی، سخت غلطی ہوگئی۔"

عنبر نے کہا:

"کوئی بات نہیں۔"

عنبر اور مرجانہ نے دیکھا کہ سانپ مصری فوج کے سالار کی شکل میں گھوڑے پر بیٹھا حکم چلا رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا دیئے۔ سپہ سالار یعنی سانپ نے کہا:

''اے ہمارے ملک کے سردار اعظم کے دوستو! اس ناخلف کپتان اور پہریداروں کی وجہ سے آپ کو زحمت ہوئی' اس کے لئے میں حکومت کی جانب سے آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ امید ہے آپ ہماری خطا کو در گزر کریں گے۔''

عنبر نے کہا:

''اے معزز سپہ سالار، غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ اچانک تشریف لے آئے اور ہمیں جیل کوٹھڑی سے آزادی نصیب ہوئی۔''

سانپ بولا:

''میں تو آپ لوگوں کا استقبال کرنے آرہا تھا۔ اگر ذرا دیر سے پہنچتا تو دیوتا جانیں یہ آپ کے ساتھ کیسا سلوک کرتے۔''

''بہر حال ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔''

’’چلئے میرے ساتھ‘ سرحدی شہر میں سردار اعظم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔‘‘

’’آیئے۔‘‘

ناگ پھنی سپہ سالار کے روپ میں آگے بڑھا تو پہریداروں اور سپاہیوں نے جھک کر سلام کیا اور پیچھے پیچھے ہٹ گئے۔ ناگ پھنی مرجانہ اور عنبر کو ساتھ لیکر ایک طرف چل پڑا۔ چوکی سے ذرا دور آ کر ناگ پھنی نے وہ ہیرا بھی عنبر کو دے دیا جو اس نے کپتان کی جیب سے نکال لیا تھا۔ عنبر نے ہیرا اپنے جوتوں میں چھپایا اور کہا:

’’یہ مصری حکومت کی آخری چوکی تھی۔ اب ہمیں کوئی خطرا نہیں۔ ناگ پھنی تم اپنا روپ تبدیل کر سکتے ہو۔‘‘ ناگ پھنی اسی لمحے دوبارہ اسی سانپ کی شکل میں عنبر کی جیب میں چلا گیا اور وہ گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوئے مصر سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

گہرا نیلا سمندر

منزلوں پر منزلوں کا سفر کرتے آخر بحیرہ روم کے کنارے پہنچ گئے۔

بحیرہ روم کے گہرے نیلے سمندر پر دن کی دھوپ چمک رہی تھی۔ یہاں سے مرجانہ کا وطن کریٹ ایک رات اور ایک دن کے سفر کا تھا وہ اپنے باپ کی یاد میں اداس ہوگئی۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ اڑ کر اپنے باپ کے پاس پہنچ جائے جس کا رو رو کر برا حال ہو گیا ہوگا.......

بحیرہ روم کے کنارے ایک چھوٹی سی بندرگاہ سے وہ ایک بادبانی

جہاز میں سوار ہو گئے اور انہوں نے کریٹ کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔ کریٹ یونان کا ایک چھوٹا سا صوبہ تھا۔ جس کے تین جانب پانی اور ایک جانب خشکی تھی۔ اس جزیرہ نما پر سکندر اعظم کی حکمرانی تھی اور یوریڈیوس اس صوبے کا صوبے دار تھا۔

بادبانی جہاز عنبر مرجانہ اور ناگ پھنی کو لیکر سارا دن اور ساری رات گہرے نیلے سمندر میں سفر کرتا رہا۔ رات کو عنبر اور مرجانہ عرشے کے تختے پر بیٹھ گئے اور آسمان پر چمکتے ستاروں کا نظارہ کرنے لگے۔ صبح جہاز کریٹ کی بندرگاہ پر لگنے والا تھا۔ عنبر کا یہ فرض تھا کہ وہ صوبیدار یوریڈیوس کی بیٹی مرجانہ کو اس کے باپ کے حوالے کرے۔ اس کے علاوہ اس کا منصوبہ سکندر اعظم سے ملاقات کرنیکا تھا۔ وہ سکندر کے اس فلسفی استاد سے ملنا چاہتا تھا جس کا نام ارسطو تھا اور جس کی عقلمندی کی اس نے بے حد تعریف سنی تھی۔

آدھی رات کے بعد وہ سو گئے۔ صبح ان کی آنکھ کھلی تو جہاز کریٹ کی بندرگاہ کے ساتھ لگ چکا تھا اور دن کافی نکل آیا تھا۔ مرجانہ کو ساتھ لیکر عنبر جہاز سے اتر آیا ۔ بندرگاہ کے باہر آکر اس نے مرجانہ سے اس کے گھر کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ اپنے گھر کا راستہ خوب جانتی ہے؛ چنانچہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صوبیدار یوریڈیوس کے گھر کی طرف چل پڑے۔

مرجانہ کے باپ کا مکان ایک عالی شان محل تھا جس کے باہر سپاہی پہرا دے رہے تھے۔ انہوں نے مرجانہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور جھک کر ادب سے سلام کرنے کے بعد کہا:

''شہزادی صاحبہ دیوتا اپالو کا شکر ہے کہ آپ تشریف لے آئیں۔ آپ کی جدائی میں آپ کے والد صاحب تو بیمار پڑ گئے ہیں۔''

مرجانہ عنبر کو لیکر اپنے باپ کے محل میں آ گئی۔ باپ بستر پر بیمار پڑا

تھا۔اس نے اپنی بیٹی کو دیکھا تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس نے اپنی بچی کو گلے سے لگالیا۔مرجانہ بھی باپ کے گلے سے لگ کر خوب روئی۔جب دونوں کے دل کی بھڑاس نکل چکی تو ریڈیوس نے پوچھا۔

''یہ نوجوان کون ہے بیٹی؟''

''ابا جان' یہی وہ نوجوان عنبر ہے جس کی مدد سے میں دشمنوں کے چنگل سے نکل کر آپ تک پہنچی ہوں۔''

پھراس نے اپنے باپ کو ساری کہانی سنائی۔مرجانہ کے باپ نے عنبر کو بھی سینے سے لگالیا۔اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

''بیٹا تم نے ایک باپ کو اس کی بیٹی کو ملا کر مجھے خرید لیا ہے۔میں ساری زندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گا بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر

سکتا ہوں؟''

عنبر نے بوڑھے کا کمزور ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا:

''میں نے باپ کو اس کی بیٹی سے ملا کر اپنا انسانی فرض پورا کیا ہے حضور۔ میرے لئے یہی انعام کافی ہے۔''

''بیٹا عنبر، تم اس محل کو اپنا ہی گھر سمجھو۔ چاہے ساری عمر یہاں رہو۔''

عنبر ساری عمر وہاں رہنے نہیں آیا تھا۔ اسے وہاں سے آگے یونان کے مشہور شہر ایتھنز جانا تھا جہاں سکندر اعظم حکومت کرتا تھا۔ عنبر کو صوبیدار کے ذریعے معلوم ہوا کہ سکندر اعظم مصر اور ایران پر چڑھائی کی تیاری کر رہا ہے۔ عنبر نے یوریڈیوس اور مرجانہ سے اجازت لی اور اپنے دوست ناگ پھنی کو جیب میں رکھ کر ایتھنز کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایتھنز پہنچنے کے لئے اسے بادبانی جہاز میں سفر کرنا پڑا۔ ایک دن اور ایک رات کی مسافت کے بعد وہ ایتھنز کی بندرگاہ پر پہنچ گے۔

یوریڈیوس صوبیدار نے ایتھنز کے ایک امیر ترین سوداگر کے نام عنبر کو خط لکھ کر دیا تھا۔ عنبر خط لے کر اس سوداگر کے گھر پہنچ گیا۔ یہ ایک امیر سوداگر تھا جس کے گھر کے اندر جگہ جگہ پانی کے فوارے لگے ہوئے تھے اور باغ میں زیتون اور سرخ اناروں کے درخت ٹھنڈی ہواؤں میں جھوم رہے تھے۔

سوداگر نے بڑے احترام سے اپنے گھر میں بلایا اور کہا:

"اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو۔ جس چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک کہہ دیجئے۔ نوکر آپ کی خدمت کے لئے ہر وقت حاضر رہیں گے۔"

دوسرے روز عنبر ایتھنز کی سیر کے لئے گھر سے اکیلا ہی نکل آیا۔ ایتھنز اس دور کا انتہائی خوبصورت اور خوش حال شہر تھا۔ لوگ بڑے

سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے ملک میں تعلیم کا بڑا چرچا تھا جگہ جگہ سکول اور کالج تھے۔ دکانوں پر چیزیں خریدنے والوں کا ہجوم لگا ہوا تھا ایک جگہ عنبر کو بھوک محسوس ہوئی تو وہ ایک دکان میں آ گیا۔ یہاں بہت سے یونانی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے میں مرغابیوں کا گوشت اور کیکڑوں کا شوربہ ضرور تھا۔ کھانے کے بعد عنبر واپس اپنے میزبان سوداگر کے گھر آ گیا۔

سوداگر کے ہاں رہتے ہوئے عنبر کو ایک ہفتہ گزر گیا تھا کہ ایک روز سوداگر نے اسے بتایا کہ سکندر اعظم نے مصر اور ایران پر حملے کا منصوبہ ملتوی کر دیا ہے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ سکندر اعظم بیمار ہے۔ اس کے سر میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد درد کے شدید دورے پڑتے ہیں۔

عنبر نے پوچھا:

''کیا شاہی طبیب اتنے بڑے بادشاہ کا علاج نہیں کر سکے؟''

سوداگر نے بتایا کہ شاہی طبیب بھی ناکام ہو گئے ہیں۔ کسی کو سمجھ میں سکندر کی بیماری نہیں آ رہی۔ عنبر نے سوچا کہ سکندر سے ملنے کا اس اچھا موقع کبھی نہیں مل سکتا۔ اس نے ناگ پھنی کو جیب میں رکھا اور محل کی طرف چل پڑا۔ محل کے دروازے پر اسے روک دیا گیا۔ اس نے کہا کہ سکندر اعظم کو اطلاع دی جائے کہ ملک قرطاجنہ سے ایک طبیب اس کی بیماری کا علاج کرنے آیا ہے۔ جب یہ اطلاع سکندر تک پہنچی تو اس نے عنبر کو اندر بلا لیا۔ سکندر ایک عالی شان تخت پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے سرہانے ایک طرف درباری ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ایک طرف شاہی حکیموں کی قطار سر جھکائے کھڑی تھی اور پہلو میں ایک سفید داڑھی والا بوڑھا بیٹھا گہری سوچوں میں گم تھا۔

عنبر کو معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا سکندر کا استاد ارسطو ہے۔ عنبر نے اندر

جا کر بڑی عقیدت کے ساتھ جھک کر سکندر کو سلام کیا اور کہا:

''یہ خاکسار قرطاجنہ کا ایک معمولی سا حکیم ہے اور آپ کی بیماری کا سن کر اس خیال سے آیا ہے کہ شاید میری دوا سے آپ تندرست ہو جائیں۔''

سکندر خاموش رہا ارسطو بھی خاموش نگاہوں سے عنبر کو تکنے لگا.....

یونان کے شاہی حکیم نے کہا:

''اگر تم معمولی حکیم ہو تو اتنی پیچیدہ بیماری کا علاج کیسے کر سکو گے جو بڑے بڑے تجربہ کار حکیموں کے بھی سمجھ میں نہیں آ رہی؟''

''یہ جرأت میں صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ سر کے شدید درد کا علاج ہمارے خاندان کی پرانی ریت ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد اس بیماری کا علاج خاص خود پر کیا کرتے تھے۔ میرے پاس اس کا ایک خاص نسخہ اور ایک خاص دوا ہے۔ اگر شہنشاہ اعظم اجازت ہو تو میں

علاج شروع کروں؟''

سکندر کا سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اسے علاج شروع کرنے کی اجازت ہے۔ عنبر نے ارسطو کی طرف دیکھا اور کہا:

''اجازت ہے استادِ زمان؟''

ارسطو نے اپنی سفید ڈاڑھی میں انگلیاں پھیر کر کہا:

''اگرچہ مجھے امید نہیں کہ تم سکندرِ اعظم کا علاج کر سکو۔ کیونکہ ایک ناتجربہ کار نوجوان ہو۔ پھر بھی میں تمہیں اجازت دیتا ہوں مگر ہر دوا پلانے سے پہلے مجھے دکھانی ہوگی۔''

''جیسے آپ کا حکم استادِ زمان۔''

اس وقت دربار میں ہر ایک کی نگاہ عنبر پر تھی۔ سکندر کو شدید درد ہو رہا تھا۔ عنبر نے دواؤں کے تھیلے میں سے دو تین مختلف عرق کی

بوتلیں نکال کر چاندی کے میز پر رکھ دیں اور پھر ان کو آپس میں ملانے لگا۔ ان سب دوؤں کو ملا کر اس نے سونے کے چمچ میں عرق کے چند قطرے ٹپکائے اور ارسطو کی طرف بڑھا کر کہا:

''استادِ زمان دوائی کو ملاحظہ فرمالیجئے۔''

ارسطو نے مشکوک نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور پھر چمچ ناک کے قریب لے جا کر اسے سونگھا اور کہا:

''یہ کونسی بوٹی ہے جس کا یہ عرق ہے؟ میں نے تو اس سے پہلے ایسی دوا کبھی نہیں دیکھی۔''

عنبر نے بڑے ادب سے عرض کی:

''استادِ زمان یہ ملک تبت کے پہاڑوں میں اگنے والی ایک خاص بوٹی ہے جو سال کے صرف ایک مہینے میں اگتی ہے۔ میں نے برس ہا برس کی محنت کے بعد اسے تبت میں جا کر اکٹھا کیا ہے۔ اس بوٹی میں

میں نے چار اور بوٹیوں کا عرق ملایا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں شہنشاہ اعظم کو دوا پیش کروں۔''

ارسطو نے کہا:

''اجازت ہے۔''

عنبر دوا کا چمچ لئے سکندر اعظم کی طرف بڑھا۔ سکندر اعظم کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ مگر وہ بڑی دلیری سے درد کو برداشت کر رہا تھا۔ عنبر نے دوا کا چمچ آگے کرتے ہوئے کہا:

''اس عرق کو پی لیجئے شہنشاہ اعظم۔''

سکندر نے ارسطو کی طرف دیکھا۔ ارسطو نے سر ہلا کر اشارہ کیا کہ ٹھیک ہے اس دوا کو بھی آزما کر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟ سکندر نے دوا پی لی اور چمچ عنبر کے ہاتھ میں دے دیا۔ تمام لوگوں پر ایک خاموشی طاری ہو گئی۔ ہر کوئی یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھا کہ سکندر پر

دوا کا کیا اثر ہوا ہے۔ دوا پینے کے چند لمحے بعد ہی سکندر نے محسوس کیا کہ اس کے سر کا درد غائب ہونا شروع ہو گیا ہے اور پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کی طبیعت سنبھلتی گئی اور درد کم ہوتا چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد درد بالکل غائب ہو گیا اور سکندر اعظم اٹھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے ارسطو کی طرف دیکھ کر کہا:

''استاد مکرم اس دوائی نے کمال کر دکھایا ہے۔''

''نوجوان تمہاری دوائی نے ہمارے سر درد کو دور کر دیا ہے جبکہ ہمارے دربار کے سارے کے سارے حکیم جواب دے گئے تھے۔ ہم تم سے بے حد خوش ہوئے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا خواہش کرتے ہو؟ تم جو بھی خواہش کرو گے ہم اسے ابھی اسی وقت پورا کریں گے۔''

عنبر نے دست بستہ ہو کر عرض کی:

''اے شہنشاہ اعظم، مجھے زندگی میں صرف ایک ہی خواہش ہے کہ

میں آپ کے دربار میں ایک درباری بن کر باقی زندگی بسر کردوں۔ اگر آپ میری خواہش کو پورا کردیں تو میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا؛

سکندر نے مسکرا کر کہا:

''ہم تمہیں اپنے دربار کا خاص الخاص حکیم مقرر کرتے ہیں۔ آج سے تم ہمارے دربار کے ایک معزز رکن کی حیثیت سے ہمارے دربار میں آکر بیٹھا کروگے۔''

عنبر نے جھک کر کہا:

''خاکسار اس پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ میں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

ارسطو نے مسکرا کر کہا:

''نوجوان عنبر، تم بڑی دلچسپ باتیں کرتے ہو۔ تمہاری باتوں

سے ہمارے شہنشاہ کا دل بہل جایا کرے گا۔''

عنبر نے بصد ادب کہا:

''استاد زمان آپ کے سورج کے سامنے میرا چراغ کہاں جل سکتا ہے؟''

ارسطو نے مسکرا کر کہا:

''ہر شے کا اپنا اپنا ایک الگ مقام ہوتا ہے۔ اپنی جگہ پر ہر شے بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ سورج دن کو روشنی کرتا ہے لیکن چراغ رات کو روشن ہوتا ہے۔ جب سورج کہیں نہیں ہوتا تو چراغ کی روشنی ہی لوگوں کو راہ دکھاتی ہے۔''

اس نے ارسطو کے بارے میں جیسا سنا تھا اسے ویسا ہی پایا۔ سکندر کے حکم پر عنبر شاہی محل کے ایک حجرے میں آ کر رہنے لگا۔ اب ارسطو سے ہر روز اس کی ملاقات ہوتی۔ سکندر اعظم عنبر سے بہت خوش

تھا۔ ایک روز ارسطو نے سکندر کے سامنے ایک ایسی بحث چھیڑ دی جس کا تعلق آدمی کے مرنے کے بعد دوسری زندگی سے تھا۔ سکندر کا خیال تھا کہ انسان کی دوسری زندگی کوئی نہیں ہوتی۔ ارسطو بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ انسان جب مر جاتا ہے تو مٹی کے ساتھ ملکر مٹی ہو جاتا ہے۔ عنبر نے ادب سے کہا:

''استاد زمان میرا ایک مرشد ہوا کرتا تھا۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ انسان تو بڑی چیز ہے اگر سانپ سو برس کا ہو جائے تو وہ مرنے کے بعد زندہ رہتا ہے اور جس شکل میں چاہے سامنے آ سکتا ہے۔''

ارسطو نے قہقہہ لگا کر کہا:

''تمہارا مرشد کوئی دیوانہ آدمی تھا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ سانپ زندہ رہنے کے بعد کسی دوسری شکل میں آ جائے۔ اول تو سانپ اتنی لمبی عمر تک زندہ رہ نہیں سکتا اور اگر پھر زندہ رہ بھی جائے تو اسکے اندر

ایک ایسی طاقت پیدا ہو جانا ایک مذاق کی بات ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"استاد زماں میں نے ایک ایسا انسان دیکھا ہے جو دو ہزار برس سے زندہ ہے۔"

سکندر اور ارسطو نے عنبر کی طرف کچھ اس طرح سے دیکھا۔ جیسے وہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ عنبر نے ادب سے جھک کر کہا:

"حضور اگر اجازت ہو تو میں ایک ایسا سانپ آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔ جس کو زندہ رہتے دو سو برس ہو چکے ہیں اور جس میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ جو شکل چاہے اختیار کر سکتا ہے۔"

سکندر پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ارسطو نے حیرت سے عنبر کو دیکھا:

"نوجوان حکیم تمہیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو اور کس کے

سامنے کہہ رہے ہو؟ کیا تم سکندر اعظم شہنشاہ سے مذاق کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟''

عنبر نے ادب سے کہا:

''استادِ زمان میں مذاق نہیں کر رہا۔''

اس کے ساتھ ہی عنبر نے جیب سے ناگ پھنی سانپ نکال کر قالین پر رکھ دیا اور کہا کہ یہ ہے وہ سانپ جو دو سو برس سے زندہ ہے اور کسی بھی شکل کے ساتھ سامنے آ سکتا ہے۔ سکندر اور ارسطو سانپ کو تعجب سے دیکھنے لگے۔

مصر پر حملہ

سکندر اعظم سانپ کو انسان کی شکل میں دیکھ کر ششدر رہ گیا۔
اس نے ناگ پھنی سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور انسان کی صورت
میں کیسے آ گیا؟ ناگ پھنی نے اسے بتایا کہ اس کا نام یوحا ہے ایسے
سانپ کو جو دو سو برس زندہ رہے یوحا کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اتنی
طاقت آ جاتی ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے نمودار ہو سکتا ہے۔ ارسطو
نے آگے بڑھ کر یوحا کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس کے شانوں اور

بازوؤں کوٹٹول کر دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ یوحا میں سانپ کی ساری خصلت موجود تھی یعنی وہ آنکھیں نہیں جھپکتا تھا اور کسی وقت چپکے سے زبان نکال کر ہلکی سی پھنکار مارتا تھا۔ سکندر نے عنبر سے کہا:

''عنبر یہ سانپ تجھے کہاں سے ملا؟''

عنبر نے سکندر کو سانپ کے ملنے کی ساری کہانی سنا دی۔ سکندر اعظم نے کہا کہ وہ اس سانپ کو اپنے ساتھ فوج میں رکھے گا اور اس سے بڑے بڑے کام لے گا۔ عنبر نے کہا کہ یوحا سے پوچھ لیجئے۔ کیونکہ اس کی مرضی حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ سکندر نے یوحا سے اجازت طلب کی تو اس نے پہلے ٹال مٹول سے کام لیا اور عنبر کے کہنے پر وہ راضی ہو گیا۔ لیکن اس نے ایک شرط پیش کی کہ وہ کسی ایسے شخص کو ہلاک نہیں کرے گا جس کے بیوی بچے ہوں۔ سکندر نے اس کی شرط منظور کر لی۔ ارسطو نے ایک بار پھر سانپ کو اصلی روپ میں آنے کو کہا

تو اس نے عنبر کی طرف دیکھا اور پوچھا:

''میرے محسن کیا آپ کی بھی اجازت ہے؟''

''ہاں یوحا میری طرف سے بھی اجازت ہے۔''

چنانچہ اس کے ساتھ ہی ناگ پھنی انسان سے بدل کر پھر سانپ بن گیا۔ عنبر نے سانپ کو اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ اسی شام ارسطو عنبر کو ساتھ لیکر محل کے باغ میں ٹہلتے ہوئے بولا:

''سکندر اعظم پوری دنیا کو فتح کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ اگر یوحا نے اس کی مدد کی تو وہ بہت جلد اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے گا۔''

عنبر نے کہا:

''استادِ زماں، سکندر اعظم پر لازم ہے کہ یوحا کی اس شرط کا ضرور خیال رکھے جس میں اس نے کہا ہے کہ وہ کسی ایسے جرنیل کو ہلاک

نہیں کرے گا جس کے بیوی بچے ہوں۔''

ارسطو کچھ سوچ کر بولا:

''ایسا تو بہت مشکل ہوگا۔ کیونکہ ہوسکتا ہے سکندر اس جرنیل کو یوحا کی مدد سے ہلاک کروانا چاہے وہ شادی شدہ ہو اور اس کی بیوی بچے بھی ہوں۔ پھر تو بڑی مشکل پیش آجائے گی۔''

عنبر نے کہا:

''استاد زمان ایسی صورت میں یوحا اس آدمی کو کبھی ہلاک نہیں کرے گا۔''

ارسطو بولا:

''تو کیا وہ شہنشاہ اعظم سکندر کے حکم کو ماننے سے انکار کر دے گا۔''

''یہ میں نہیں جانتا؛ ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر اس کی شرط کا

خیال نہ رکھا گیا تو وہ کسی کے حکم کو بھی تسلیم نہیں کرے گا اور غائب ہو جائے گا۔"

ارسطو نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے ٹہلتا رہا پھر بولا:

"سکندر مصر پر حملہ کرنے والا ہے۔ مصر کو فتح کرنے کے بعد وہ ایران پر حملہ کرے گا اور وہاں سے سندھ کی طرف روانہ ہو جائے گا۔ وہ یونان سے لے کر جاپان تک اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔"

عنبر نے پوچھا:

"آپ کے خیال میں سکندر اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائے گا؟"

"اگر وہ ہمت سے کام لے گا اور اپنے ارادے پہ ڈٹا رہے گا تو کوئی عجب نہیں کہ وہ آدھی دنیا فتح کر لے۔"

عنبر سوچنے لگا کہ یہ کیسا بادشاہ ہے کہ ساری دنیا سے دشمنی مول لے رہا ہے۔ اس نے اپنی دو ہزار سالہ عمر میں ظالم بادشاہ بھی دیکھے تھے اور دوسرے ملکوں پر حملہ کرنے والے بادشاہ بھی دیکھے تھے۔ مگر اس نے ایسا بادشاہ آج تک نہیں دیکھا تھا۔ جو فوج لے کر ساری دنیا کو فتح کرنے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہو۔ مگر سکندر اعظم ایسا ارادہ رکھتا تھا' بلکہ وہ مصر کی طرف کوچ کرنے ہی والا تھا۔ ایک بات عنبر نے محسوس کی تھی کہ سکندر اعظم کی عمر اگرچہ چھوٹی تھی۔ مگر وہ بے حد دلیر اور پختہ عزم نوجوان تھا۔ جس بات پر ڈٹ جاتا تھا اس کو پورا کر کے ہی چھوڑتا تھا۔

رات کو اس نے ناگ پھنی مشورہ کیا تو وہ بولا:

''میرے محسن میں ایک طاقت پسند بادشاہ کی ذاتی غرض کے واسطے دوسرے لوگوں کو ہلاک نہیں کر سکتا۔ سکندر اعظم دوسرے ملکوں

کو صرف اپنے لئے فتح کرنا چاہتا ہے' اس کے نزدیک عوام کی بھلائی نہیں ہے یونان میں عوام کی حکومت تھی۔ لیکن سکندر نے عوام کی حکومت کو ختم کر کے اپنا قبضہ جما لیا اور اب وہ بادشاہ بن کر بیٹھ گیا ہے اور ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

عنبر نے کہا:

یوحا' میری طرف سے تمہیں پوری آزادی ہے جس بات کی اجازت تمہارا ضمیر تمہیں دے تم وہی کرو۔ بیشک اس معاملے میں میری پرواہ بھی نہ کرو اور نہ سکندر کے حکم کی پرواہ کرو۔ میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔''

ناگ پھنی بولا:

''بس میں یہی آپ سے اجازت چاہتا تھا۔ اس لیے کہ سکندر اعظم کی شاہی طاقت کے ہاتھ بٹانے کے لئے میرا جی نہیں چاہتا۔''

''اچھا ناگ پھنی! وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔''

اسی ہفتے سکندر نے مصر کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ وہ لاکھوں سپاہیوں، ہاتھی گھوڑوں اور منجنیقوں کے ساتھ بحیرہ روم کو عبور کر کے شمالی افریقہ میں داخل ہو گیا۔ راستے میں آئے ہوئے چھوٹے چھوٹے شہروں اور ملکوں کو روندتا ہوا وہ مصر کی سرحدوں پر جا پہنچا۔ مصر میں اس وقت ایک سنگدل جرنیل پوٹلمی کی حکومت تھی۔ بلکہ اس نے فرعون کو قتل کر کے تخت پر زبردستی اور عوام کی مرضی کے خلاف قبضہ کر رکھا تھا۔ لوگ اس کے خلاف تھے کیونکہ اسے سوائے اپنے عیش و آرام کے رعایا کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

چنانچہ جب سکندر کی فوجوں نے مصر کی سرحدوں پر حملہ کیا تو مصر کے عوام نے سکندر کی فوجوں کا ساتھ دیا اور پوٹلمی کے خلاف محاذ بنالیا مصری فوجوں کی طرف سے بھی پوٹلمی کی طرف بے اطمینانی پھیل گئی

تھی۔ کیونکہ پوٹلمی نے بعض اپنے رشتہ داروں کو اونچے عہدے دے رکھے تھے.........دوسری طرف یونانی فوج تازہ دم تھی اور سکندر کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار تھی۔ وہ اسلحے کے معاملے میں مصریوں سے بہت آگے تھی۔ پہلی ہی یلغار میں یونانی فوج مصر کی سرحدوں میں داخل ہوگئی اور اس نے مصر کے دار الحکومت تھیبس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھیبس کے شہر کے دروازے بند کر دیے گئے اور مصری فوج تیر کمان اور نیزے لے کر قلعے کی فصیل پر چڑھ گئی۔

سکندر اعظم کی فوج نے قلعے کے باہر میدان میں خیمے لگا لئے اور قلعے کا محاصرہ شروع ہو گیا۔ ایک مہینہ گزر گیا اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تھیبس شہر کے اندر کھانے پینے کا بہت سا ذخیرہ موجود تھا اس صورت حال سے سکندر پریشان ہو گیا۔ اس نے ارسطو سے مشورہ کیا ارسطو نے اسے مشورہ دیا کہ اگر کسی طرح پوٹلمی کو ہلاک کر دیا جائے تو اس کی

فوج میں بد دلی پھیل جائے گی اور پھر یونانی فوج حملہ کر دے تو وہ قلعے کے اندر داخل ہو سکتی ہے۔

''اس کام کے لئے ہم ناگ پھنی یوحا کو استعمال کر سکتے ہیں۔ وہ سانپ کے روپ میں قلعے کے اندر داخل ہو کر پوٹلمی کو ہلاک کر سکتا ہے۔''

سکندر نے کہا:

لیکن اس میں اس کی اپنی جان کو بھی تو خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے پوٹلمی کے سپاہی اسے بھی ہلاک کر دیں۔''

ارسطو نے کہا:

''ایسی صورت میں سانپ اپنے آپ کو کسی بھی پہریدار کی شکل میں تبدیل ہو کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو وہ پوٹلمی کو ڈسنے کے بعد یونانی سپاہی کا بھیس بدل لے تو اس کی جان محفوظ ہو سکتی

ہے۔''

سکندر کو ارسطو کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے اسی وقت عنبر کو طلب کیا اور اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ عنبر نے ناگ پھنی کو سامنے حاضر کر لیا اور کہا:

''یوحا جیسا کہ تم جانتے ہو کہ سکندر اعظم اس وقت مصر کے شہر تھیبس کے باہر اپنی فوجوں کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ تم قلعے کے اندر جا کر مصر کے جرنیل اور سنگ دل فرعون پوٹلمی کو ہلاک کر دو۔ پوٹلمی غیر شادی شدہ ہے اور اسکے علاوہ وہ ایک ظالم بادشاہ بھی ہے۔ اس نے رعایا پر بے انتہا ظلم کیے ہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ رعایا آج اس کے خلاف ہو چکی ہے۔ کیا تم اس کام کو سر انجام دے لوگے؟''

سانپ یوحا نے ادب سے جھک کر کہا:

''میرے محسن میں آپ کے حکم کیخلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکال سکتا۔ اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں ابھی قلعے کی طرف روانہ ہو جاتا ہوں۔''

''ہاں ناگ پھنی میری یہی خواہش ہے پوٹلمی کو اس کے جرم کی سزا دی جائے۔''

''تو میں تیار ہوں۔''

سکندر اور ارسطو نے عنبر کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ناگ پھنی کو ایک مشکل کام پر آمادہ کر لیا۔ اسی روز دوپہر کے بعد ناگ پھنی کے روپ میں خیمے سے نکل کر قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ریت کے ٹیلے کے ساتھ رینگتا ہوا قلعے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سب سے بڑا خطرہ اس وقت تھا۔ جب اس نے قلعے کی فصیل پر چڑھنا تھا۔ کیونکہ فصیل پر کھڑے پہریدار بڑے چوکس تھے اور ہو سکتا تھا کہ وہ سانپ کو رینگتا

دیکھ لیتے اور فوری طور پر تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دیں اور سانپ کو اتنی مہلت ہی نہ ملے کہ وہ اپنی جون بدل سکے۔

پھر بھی ناگ پھنی اپنے دوست اور اپنے محسن عنبر کے حکم کے مطابق فرض ادا کرنے بے خوف ہو کر موت کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا وہ میدان عبور کر کے قلعے کی فصیل کے گرداگرد جانے والی کھائی کے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں سے وہ کھائی کے پانی میں اتر گیا اور چپکے چپکے جھاڑیوں اور سرکنڈوں کی اوٹ میں تیرتا ہوا کھائی کے دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ ایک جگہ اس نے مناسب موقع دیکھا اور بڑی احتیاط سے رینگتا ہوا ہولے ہولے قلعے کی فصیل پر چڑھنے لگا۔ آدھا راستہ طے کرنے کے بعد اسے فصیل کے اوپر سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ خطرناک مقام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ وہیں سے بائیں پہلو کی جانب بڑھ

گیا۔فصیل کے پہلو میں رینگتے ہوئے وہ اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔
یہاں اس نے غور سے آوازوں کو سننے کی کوشش کی۔اوپر سے کسی سپاہی کی آواز نہیں آرہی تھی۔اس نے موقع غنیمت جانا اور بڑی تیزی سے دیوار پر چڑھ کر فصیل کے اوپر آگیا۔سانپ نے گردن ذرا سی اوپر نکال کر فصیل کے چاروں طرف دیکھا۔سپاہیوں کی ایک ٹولی دور بیٹھی کھانا کھارہی تھی۔سانپ کو اس بہتر سنہری موقع اور نہیں مل سکتا تھا۔وہ لپک کر فصیل کی دیوار کے اوپر سے ہوکر ایک بارہ دری کی طرف آگیا،جس کے ساتھ ہی نیچے کو سیڑھیاں آرہی تھیں۔اب اس کا سانپ کی شکل میں شاہی محل تک کا راستہ طے کرنا اپنی موت کو خود آواز دینے کے برابر تھا۔کیونکہ قدم قدم پر سپاہی کھڑے تھے اور کوئی بھی سپاہی سانپ کو دیکھ کر اسے فوراً ہلاک کر سکتا تھا۔
ناگ پھنی سیڑھیوں میں ایک طرف پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔اس

نے پھنکار ماری۔ اس نے اپنے ذہن میں ایک عام یونانی افسر کا نقشہ جمایا اور پھنکار ماری۔ دوسرے لمحے وہ ایک خوبصورت یونانی افسر کی وردی پہنے انسان کی شکل میں کھڑا تھا۔ وہ خود اپنی وردی اور کمر کیساتھ لگی تلوار کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا۔ قلعے کے اندر شہر میں بڑی چہل پہل تھی شہری خرید و فروخت کر رہے تھے۔ سپاہی جگہ جگہ تلواریں لئے کھڑے ہر آنے جانے والے کو غور سے گھور رہے تھے کہ کہیں دشمن کا کوئی جاسوس تو نہیں قلعے کے اندر داخل ہو گیا۔

لیکن سانپ پر کسی کو شک ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ تو ایک خوبصورت نوجوان یونانی افسر کے روپ میں تھا اور فوج میں سینکڑوں یونانی افسر تھے۔ ہر سپاہی ہر افسر کو نہیں پہچانتا تھا۔ سانپ جب قریب سے گزرتا تو ہر سپاہی اسے سلام کرتا۔ ناگ پھنی اسی طرح چلتا چلتا شہر

کے وسط میں آ گیا جہاں سے ایک کھلی سڑک شاہی محل کی طرف جا رہی تھی۔ ایک رتھ محل کی طرف جا رہا تھا۔ ناگ پھنی نے رتھ رکوالیا اور رتھ سے کہا:

''مجھے بھی شاہی محل لے چلو۔''

رتھ بان نے سلام کر کے کہا:

''تشریف لایئے سرکار۔''

ناگ پھنی رتھ میں سوار ہو گیا اور رتھ بڑی تیزی سے شاہی محل کی جانب چل پڑا۔ رتھ بان کی زبانی ناگ پھنی نے باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا تھا کہ پوٹلمی اس وقت شاہی محل میں اپنے افسروں اور سپہ سالاروں کی خفیہ میٹنگ کر رہا ہے۔ ناگ پھنی محل کے قریب جا کر رتھ سے اتر گیا۔ دروازے پر کھڑے پہریداروں نے ایڑیاں جوڑ کر ناگ پھنی کو سلام کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ یونان افسر بھی اندر میٹنگ

میں جا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً ناگ پھنی کے لئے دروازہ کھول دیا۔ اب وہ شاہی محل کے لمبے چوڑے کمروں اور غلام گردشوں میں سے گزر رہا تھا۔ جو سپاہی بھی اس کے قریب سے گزرتا اسے سلام ضرور کرتا۔ ایک جگہ چند افسر کھڑے باتیں کر رہے تھے ناگ پھنی ان کے قریب سے گزرنے لگا تو ایک افسر نے کہا:

''کہاں جا رہے ہو میاں صاجزادے؟''

ناگ پھنی گھبرا گیا کہ انہیں کیا جواب دے۔ مگر فوراً ہی سنبھل کر ذرا غصے میں بولا:

''تمہیں معلوم نہیں کہ اندر اجلاس ہو رہا ہے اور میں پوٹلمی کے پاس محاذ جنگ سے ایک خاص پیغام لے کر جا رہا ہوں۔''

افسر خاموش ہو گئے کیونکہ اس زمانے میں محاذ جنگ کی ایک ایک پل کی خبر پوٹلمی کو دی جاتی تھی اور یہ کام عام طور پر افسر ہی انجام دیتے

تھے۔ کیونکہ سپاہی اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر قلعے پر کھڑے تھے۔ یوحابلا روک ٹوک اس کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ جہاں پوٹلمی اپنے جرنیلوں کے ساتھ اجلاس کررہا تھا۔ وہ زمین پر میدان جنگ کا نقشہ بنائے ہوئے اس پر جھکا ہوا تھا۔ کتنے ہی جرنیل اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ ان سب کی پیٹھ ناگ پھنی کی طرف تھی۔ کسی نے اسے اندر داخل ہوتے بھی نہ دیکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ سوائے اپنی فوج کے کسی وفادار افسر کے دوسرا کوئی بھی نہیں آسکتا۔ ناگ پھنی چپکے سے دیوار کے ساتھ سایے میں کھڑا ہوگیا۔ اب یہ بڑا نازک وقت تھا۔ یہاں اس نے اپنے آپ کو دوبارہ سانپ کے روپ میں بدلنا تھا اور پوٹلمی کو جا کر ڈسنا تھا۔ اس نے سایے میں کھڑے کھڑے پھنکار ماری اور فوراً سانپ کی شکل میں زمین پر رینگتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ سانپ کی پھنکار کی آواز کچھ افسروں نے سنی

انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ مگر انہیں وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ سانپ رینگتا ہوا اس مقام پر آ گیا جہاں پوٹلمی آگے کی طرف جھکا کھڑا تھا۔ سانپ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ کسی نے بھی اس کی آہٹ محسوس نہیں کی اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ سانپ عین پوٹلمی کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنا پھن پھیلایا اور ایک لمحے کا انتظار کیے بغیر بڑی تیزی سے پوٹلمی کی پنڈلی پر ڈسا اور اسی تیزی کے ساتھ واپس دیوار کے اندھیرے میں جا کر بھاگ گیا۔ باہر ایک ستون کے پاس جا کر اس نے پھنکار ماری دوبارہ یونانی افسر کے روپ میں آ گیا اور تیز تیز قدموں سے شاہی محل کے بڑے دروازے کی طرف چل دیا۔

ادھر پوٹلمی کی پنڈلی پر سانپ نے ڈسا تو اسے معلوم ہو گیا۔ اس

نے پلٹ کر دیکھا۔ایک سیاہ کالا ناگ بڑی تیزی کے ساتھ دیوار کے اندھیرے کی طرف بھاگ رہا تھا۔اب جرنیلوں کو بھی معلوم ہو گیا کہ پوٹلمی کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔کچھ سانپ کی طرف بھاگے اور باقیوں نے پوٹلمی کو سنبھال لیا۔اور شاہی طبیب کو بلانے کے لئے آدمی دوڑا دیے.........ناگ پھنی نے جان بوجھ کر پوٹلمی کے جسم میں بہت زیادہ زہر داخل کر دیا تھا؛چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے پوٹلمی کی حالت بگڑنے لگی۔اس کے ہاتھ پاؤں مڑ گئے۔آنکھیں چڑھ گئیں۔ ہونٹ'ناک'کان' سے خون نکلنے لگا۔حلق بند ہو گیا۔وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔مگر آواز اس کے گلے کے اندر بند ہو کر رہ گئی تھی۔

اس سے پیشتر کہ شاہی حکیم وہاں آ کر پوٹلی کا علاج کرتا وہ مر چکا تھا۔اس کی موت نے چاروں طرف ایک قیامت بپا کر دی۔کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ اتنی جلدی اور ان کی آنکھوں کے سامنے پوٹلمی مر

گیا ہو۔ سارے محل میں زہریلے ناگ کی تلاش شروع ہوگئی مگر سانپ
وہاں ہوتا تو کسی کو نظر بھی آتا۔ سانپ تو ایک خوبصورت یونانی کی شکل
میں اس وقت قلعے کی فصیل کے اوپر ٹہل رہا تھا اور موقع تلاش کر رہا تھا
کہ دوبارہ سانپ کی شکل میں آکر نیچے میدان کی طرف رینگ کر
بھاگ جائے۔ آخر اسے یہ موقع مل ہی گیا۔ سپاہی تھوڑی دیر کے لئے
پرے ہٹے تو وہ ایک برج کی اوٹ میں آگیا اور پھنکار مار کر پھر سے
اس نے سانپ کی شکل اختیار کر لی اور نیچے فصیل کی دیوار پر رینگنا
شروع کر دیا۔

نیچے وہ خیریت کے ساتھ پہنچ گیا۔ جھاڑیوں میں سے گزر کر وہ
کھائی کے پانی میں اتر گیا اور تیرتا ہوا دوسرے کنارے آگیا۔ یہاں
سے وہ ٹیلے کے پیچھے پیچھے ہوتا' راستے میں ہر آفت کا مقابلہ کرتا' گرتا
پڑتا سکندر کے کیمپ میں پہنچ گیا۔ یہاں سکندر' ارسطو اور عنبر اس کا

انتظار کرر ہے تھے۔اس نے دوبارہ انسانی شکل میں آ کر بتایا کہ وہ پوٹلمی کو ڈس آیا ہے اور اب تک وہ مر چکا ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کے جسم میں دگنا زہر داخل کیا ہے۔

بادشاہ دارا کی مَوت

مصر کے سپہ سالار پوٹلمی کی موت چھپائی نہ جا سکتی تھی۔
تھیبس شہر میں ہر طرف یہ بات مشہور ہوگئی کہ ان کے ظالم بادشاہ کو سانپ نے ڈس لیا ہے اور وہ مر گیا ہے۔لوگ پہلے ہی بادشاہ کے خلاف تھے۔انہوں نے دیوتاؤں کا شکریہ ادا کیا اور نعرے لگاتے گھروں سے باہر نکل آئے۔سپاہیوں نے ان پر تیر برسانے شروع

کر دیئے۔ دوسرے جرنیلوں نے کمان فوراً اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ مگر جہاں عوام کا الا ؤ ابل رہا ہو وہاں فوج بے بس ہو جاتی ہے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا عوام بپھر کر مقابلے پر آ گئی۔ فوج کے لئے بڑی مشکل پیدا ہو گئی وہ قلعے پر کھڑی ہو کر سکندر کی فوجوں کی دیکھ بھال کرے یا شہر کے اندر بپھرے ہوئے عوام کا مقابلہ کرے۔ اس صورت حال کی خبر جاسوسوں نے سکندر کو بھی دے دی۔ وہ تو اسی موقع کے انتظار میں تھا۔ اس نے فوراً قلعے پر حملے کا حکم دے دیا۔

یونانی فوج ایک سیلاب کی طرح قلعے کی طرف بڑھنے لگی۔ اندر سے عوام نے فوج پر حملہ کر دیا۔ فوج دونوں طرف سے دشمنوں میں گھر گئی۔ سپاہی ایک تیر قلعے کے باہر سکندر کی فوج پر چلاتے اور دوسرا تیر اندر عوام کے بپھرے ہوئے سیلاب پر چلاتے۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سکندر اعظم کے جاسوسوں نے وہاں کے عوام

کے ساتھ مل کر شہر کے دروازے کھول دیئے۔ قلعے کے دروازے کھلتے ہی یونانی فوج شہر کے اندر داخل ہوگئی۔ اور اس نے چاروں طرف سے مصری سپاہیوں کو قتل عام کرنا شروع کر دیا۔ مصری سپاہی بددل ہو چکے تھے۔ وہ تھوڑی دیر مقابلہ کرتے رہے پھر ہتھیار ڈال دیئے۔ شام تک قلعے پر سکندر اعظم کا قبضہ ہو چکا تھا۔ شاہی محل پر فرعون کا جھنڈا اتار کر یونان کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ اب پورے مصر پر سکندر اعظم کا قبضہ تھا۔ اس نے فتح کی کوشی میں ایک خاص دربار منعقد کیا اور عنبر کو انعام و کرام کے ساتھ خلعت پیش کی۔ سکندر اعظم نے بھرے دربار میں اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ اس کے خاص مشیر عنبر کا صلاح مشورہ شریک حال نہ ہوتا تو اس کے لئے مصر ایسی طاقتور سلطنت کو زیر کرنا بہت مشکل تھا۔

سکندر نے مصر پر قبضہ کرتے ہی سب سے پہلی توجہ وہاں کے عوام

کی خوشحالی کی طرف دی۔ اس نے کسانوں پر سے پہلے کے تمام ٹیکس معاف کر دیے۔ ان کی طرف جو حکومت کے ناجائز قرضے تھے معاف بھی معاف کر دیئے۔ سڑکیں اور ہل دوبارہ تعمیر کروائے گئے۔ کھانے پینے کی چیزوں کو سستا کر دیا گیا۔ لوگ سکندر سے محبت کرنے لگے اور اسے سمجھنے لگے۔ اس کا اثر سکندر پر بھی ہوا اور وہ بھی اپنے آپ کو دیوتا سمجھنے لگا؛ حالاں کہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر ناگ پھنی پوٹلمی کو ہلاک نہ کرتا تو وہ شاید ہی تھیبس شہر کو فتح کر سکتا۔ لیکن خوش آمدی درباریوں اور سکندر کی اپنی خوش آمد پسند طبیعت نے اپنا کام دکھایا اور سکندر کو یقین سا ہو گیا کہ وہ واقعی دیوتا ہے۔

اب مصر کی فتح کے بعد سکندر کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے مصر میں اپنا ایک گورنر مقرر کیا اور ایران کی طرف کوچ بول دیا۔ ایران پر شہنشاہ دارا کی حکومت تھی تمام علاقے میں دارا کا دبدبہ تھا۔ رعایا بھی دارا

سے بہت خوش تھی سکندر کو بھی احساس تھا کہ دارا کے ملک ایران کو فتح کرنا ایک مشکل کام ہوگا۔ مگر وہ بڑھتے بڑھتے ایران کی حد کے اندر داخل ہوگیا۔۔ اس لئے کہ اسنے ایران کو فتح کرنے کا دل میں فیصلہ کر رکھا تھا۔ دارا کو بھی یونانی حکمران سکندر کی پیش قدمی کی ایک ایک پل کی خبر مل رہی تھی۔ جب یونانی فوج ماژندان کے قریب پہنچی تو دارا ایک بے پناہ طاقت ور لشکر لے کر سکندر کے مقابلے کے لئے قلعے کے باہر نکل کر اس کی طرف روانہ ہوگیا۔

ایک میدان میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ دونوں طرف فوجیں بے جگری سے لڑیں۔ سکندر کے ہاتھیوں نے دارا کی فوجوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ شام کو لڑائی بند ہوگئی اور دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے خیموں میں چلیں گئیں۔ اس پہلی جھڑپ میں ہی سکندر کو دارا کی بے پناہ طاقت کا احساس ہوگیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ دو چار دن لڑائی اور

جاری رہی تو وہ لڑائی ہار جائے گا۔ اس صورت حال سے سکندر پریشان ہو گیا۔ اس نے ارسطو اور عنبر سے مشورہ کیا۔ ارسطو نے کہا:

''دارا ایک انصاف پسند اور رحم دل بادشاہ ہے۔ رعایا اس سے پیار کرتی ہے۔ ایران کا بچہ بچہ اس کے ساتھ ہے۔ ایسے بادشاہ کو شکست دینا بہت مشکل ہے۔ جس کے ساتھ عوام کی بے پناہ طاقت بھی ہو۔''

سکندر نے کہا:

''پھر کیا کیا جائے؟ میں یونانی فوج کی شکست بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

ارسطو نے کہا:

''بس ایک ہی صورت باقی ہے کہ اس دفعہ بھی ناگ پھنی یوحا کی امداد حاصل کی جائے۔''

سکندر نے عنبر سے مشورہ لیا تو اس نے صاف صاف کہہ دیا:

''سکندر اعظم! میں نے اور یوحا نے آپ کے سامنے شرط رکھی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص کو ہلاک نہیں کرے گا جو بال بچوں والا ہو اور نیک ہو۔ دارا بال بچوں والا ہے اور بے حد نیک دل حکمران ہے۔ اس لئے اسے ہلاک کر کے میں اور یوحا گناہگار نہیں بننا چاہتے۔ بہتر یہی ہے کہ اس دفعہ ہمیں معاف کیا جائے اور یونانی سپاہیوں کی مدد سے ہی ایران کو فتح کرنے کی کوشش کی جائے۔''

اس صاف انکار نے سکندر اعظم کو بھڑ کا دیا۔ اس نے غصے سے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

''عنبر کیا تم بھول گئے ہو کہ کس کے سامنے کھڑے ہو؟ اور کس کو اپنی مدد دینے سے انکار کر رہے ہو؟''

عنبر نے بڑی دلیری اور سکون کے ساتھ کہا:

میں سانپ ہوں

''اے بادشاہ، میں اچھی طرح سوچ سمجھ کر آپ سے بات کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس وقت یونان کے بادشاہ سکندر اعظم کے سامنے کھڑا ہوں۔ لیکن میں اپنے ضمیر کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اس کی طاقت دنیا کی سب طاقتوں سے زیادہ ہے۔ میں اپنے ضمیر کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔''

سکندر زندگی میں پہلی بار کسی سے انکار سن رہا تھا۔ اس نے طیش میں آ کر کہا:

''اگر تم نے میرا حکم ماننے سے انکار کیا تو تمہیں اور تمہارے سانپ دونوں کو بھڑکتی آگ میں زندہ جلا دوں گا۔''

ارسطو کانپ گیا۔ مگر عنبر اسی طرح سکون کے ساتھ کھڑا رہا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا۔ سکندر اسے ہلاک نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا:

''اے بادشاہ، آپ اسے مجھے زندہ آگ میں پھینک دیں۔ مگر

میں ایک ایسے انسان کو مار کر گناہ مول نہیں لے سکتا جو نیک دل ار بے گناہ ہے۔''

ارسطو نے عنبر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر عنبر اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔ بلکہ الٹا اس نے ارسطو سے کہا کہ وہ ایک انصاف پسند عالم ہو کر برائی کی طرف داری کیوں کر رہا ہے؟ برائی کے خلاف اس کیساتھ مل کر آواز کیوں نہیں اٹھاتا۔ لیکن وہ خاموش رہا اور سکندر نے اسی وقت عنبر کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ سپاہی اسے زنجیریں ڈال کر اسے خیمے میں لے گئے اور وہاں جا کر اسے بند کر دیا۔ عنبر نے وہاں جاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ سانپ کو اپنی جیب سے نکال کر کہا کہ اس کی جان خطرے میں ہے اس لئے جہاں جان بچا کر بھاگ سکتا ہے بھاگ جائے۔ سانپ نے کہا:

''مگر میرے آقا آپ کا کیا بنے گا؟ آپ کی جان بھی تو سخت

خطرے میں ہے۔ میں آپ کو اکیلا کیسے چھوڑ دوں؟''

عنبر کہنے لگا:

''ناگ پھنی تم میری فکر مت کرو۔ اس لئے کہ میں نہیں مر سکتا۔ سکندر کی ساری فوج بھی اگر مل کر چاہے تو مجھے ہلاک نہیں کر سکتی۔''

''وہ کیسے جناب؟''

''تم اس بات کو چھوڑو، تمہیں کہہ جو دیا کہ سکندر میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ وہ تم سے دارا کو قتل کروانا چاہتا ہے۔ جسے ہم کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔''

''میں نے آپ کی اور سکندر کی ساری باتیں سن لی ہیں جناب۔''

''یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ سکندر کو تمہارا خیال نہیں آیا، ورنہ وہ اسی وقت مجھ سے تمہیں چھین لیتا اور تمہارے دو ٹکڑے کر دیتا۔ شاید اسے ابھی تک توقع ہے کہ شاید میں مان جاؤں۔''

''نہیں جناب ہم ایک بے گناہ انسان کو ہلاک نہیں کر سکتے۔''

''اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ اپنی جان بچا کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔''

سانپ نے کہا:

''اگر میں یہاں سے چلا بھی جاؤں تو آپ سے دوبارہ ملاقات کیسے ہوگی؟''

''ہم کسی نہ کسی طرح مل لیں گے۔تم ایران کی بجائے روم کی طرف نکل جاؤ۔میں یہاں سے فرار ہو کر روم کی کسی نہ کسی سرائے میں ڈھونڈ لوں گا۔روم پہنچ کر تم دوسرے تیسرے دہاں کی تمام سرؤں میں چکر لگایا کرنا میں تمہیں وہیں ملوں گا۔''

سانپ نے کہا:

''مگر میرے محسن' میں آپ کی طرف سے وہاں بھی پریشان رہوں گا۔

مجھے آپ حکم کریں کہ میں سکندر کو ڈس کر ہلاک کر دیتا ہوں تا کہ نہ
رہے بانس نہ رہے بانسری۔"
عنبر نے کہا:
"نہیں، ہمیں محض اپنی جان بچانے کے لئے ایک ایسے بادشاہ کو
بھی ہلاک نہیں کرنا چاہئے جس سے اس کی رعایا بے حد پیار کرتی ہو۔
جب ہم آسانی سے اپنی جان بچا سکتے ہیں تو ہمیں اتنا بڑا اقدم اٹھانے
کی کیا ضرورت ہے۔ تم میرا کہا مانو اور یہاں سے کسی بھی روپ میں
روم کی طرف چلے جاؤ۔"
"جو حکم میرے آقا۔"
یہ کہہ کر ناگ پھنی خیمے سے باہر نکل کر ایک درخت کی طرف بڑھا
اتفاق سے اسے سپاہیوں نے دیکھ لیا اور سانپ سانپ کا شور مچاتے
تلواریں لے کر اس کی طرف دوڑے۔ مگر سانپ نے ان سے زیادہ

ہوشیار اور تیز رفتار تھا وہ ان کے دیکھتے دیکھتے ایک کھجور کے درخت پر
چڑھ گیا۔ سپاہی اس پر تیر برسانے لگے۔ یہ مرحلہ بڑا نازک تھا اگر
اسے ایک بھی تیر لگ جاتا تو وہ اسی وقت مر سکتا تھا۔ ناگ پھنی درخت
کے اوپر پہنچ گیا تھا اوپر پہنچ کر اس نے سپاہیوں سے مذاق کرنے کے
لئے پھنکار ماری اور ایک کھلے بالوں والی چڑیل کی شکل اختیار کر کے
ڈراؤنا قہقہہ لگایا۔ سپاہی خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹے۔ اب سانپ نے ایک
بار پھر پھنکار ماری اور ایک جنگلی عقاب کی شکل میں ظاہر ہو کر آسمان
کی طرف اڑ گیا۔ سپاہی دم بخود ہو کر اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ کسی کو بھی
اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ہر سپاہی آنکھیں ملتے ہوئے ایک
دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ وہ سانپ نہیں تھا بلکہ ان کا وہم تھا۔ عقاب
آسمانی بلندیوں میں پہنچ کر روم کی طرف اڑنے لگا۔ اس نے
بلندیوں پر ماژندران قلعے کے اندر لشکر کو لڑائی کے لئے تیار ہوتے

دیکھا اور دل ہی دل میں دارا کی فتح کی دعا مانگی۔ مگر تقدیر دارا کے خلاف تھی قدرت نے تاریخ میں دارا کی شکست لکھ دی تھی؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سکندر نے اسی روز قلعے پر پوری طاقت کے ساتھ حملہ کر دیا اور خون ریز جنگ کے بعد یونانی فوجیں قلعے کا دروازہ توڑ کر شہر کے اندر داخل ہو گئیں۔ دارا کے شاہی محل پر سکندر نے قبضہ کر لیا دارا کی والدہ اور بیویوں کے ساتھ البتہ اس نے فراخ دلی کا سلوک کیا اور انہیں شاہی عزت کے ساتھ رہنے دیا۔ لیکن دارا کے جرنیلوں کو چن چن کر قتل کروا دیا۔ ایران کے تخت پر وہ بادشاہ بن کر بیٹھ گیا۔ یہاں آ کر اس نے پہلی مرتبہ مشرق کی شان وشوکت دیکھی۔ اس نے دیکھا لیا ایران میں لوگ بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں اور اسے اپنا دیوتا سمجھتے ہیں۔

چنانچہ سکندر نے بھی اعلان کر دیا کہ وہ آسمانی دیوتا اپالو کا بیٹا ہے اور اپالو اس کا آسمانی باپ ہے۔ وہ بادشاہ تھا بھلا اس کا حکم کون ٹال سکتا تھا درباریوں نے اسے دیوتا تسلیم کر لیا۔ لوگوں نے اس کے آگے سجدہ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنی فوج کا ایک خاص دستہ دارا کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ دارا محل چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ یہ کام اس نے بادشاہوں ایسا نہیں کیا تھا۔ اسے بادشاہوں کی طرح سکندر کے سامنے آنا چاہئے تھا۔ جس طرح کہ بعد میں پنجاب کا بہادر راجہ پورس ایک بادشاہ بن کر سکندر کے سامنے آ گیا تھا۔ اور جب سکندر نے اس سے پوچھا کہ اب جب کہ اسے شکست ہو چکی ہے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ تو پنجابی راجہ نے کہا تھا:

''وہی جو ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے۔''

مگر دارا نے بزدلی کا ثبوت دیا تھا۔ وہ شاہی محل میں اپنی ماں

بیوی اور بیٹی کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود اپنے غلاموں کے ساتھ رتھ میں بیٹھ کر فرار ہو گیا تھا۔ سکندر کے سپاہی بھی اس کے تعاقب میں تھے۔ مگر دارا بہت دور نکل چکا تھا۔

لیکن دارا کا وہی حشر ہوا جو آگے ایک بھاگے ہوئے بادشاہ کا ہوا کرتا ہے۔ دارا نے اپنے ساتھ بے حد قیمتی ہیروں جواہرات کا صندوق بھی رکھ لیا تھا۔ جو غلام اس کی حفاظت کر رہے تھے ان کی نیت خراب ہو گئی۔ انہوں نے آپس میں فیصلہ کر لیا کہ دارا کو ہلاک کر کے دولت آپس میں بانٹ لی جائے؛ چنانچہ ایک مقام پر جہاں دارا کچھ دیر آرام کرنے کے لئے رکا تھا، غلاموں نے خنجروں اور تلواروں سے اس پر حملہ کر دیا۔ دارا اکیلا دشمنوں میں گھر چکا تھا۔ اس نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ مگر ایک تنہا آدمی دس بارہ غلاموں کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا۔

دارا شدید زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ غلام خنجروں سے اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ایران کا ایک عظیم الشان بادشاہ دوسرے ملک کی سرزمین پر خاک و خون میں لتھڑا ہوا پڑا تھا اور اس کے غلام، اس کے دشمن اس کی لاش کے پاس آپس میں ہیرے جواہرات تقسیم کر رہے تھے۔ مگر وہ مر چکا تھا۔ وہ ان کے ہاتھ نہیں روک سکتا تھا۔ غلاموں نے سارے ہیرے جواہرات آپس میں تقسیم کر لئے اور رتھوں پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ گئے۔

سکندر اعظم کو دارا کی عبرت انگیز موت کی خبر ملی تو اسے بڑا صدمہ ہوا اس نے حکم دیا کہ دارا کے قاتلوں کو وہ جہاں کہیں بھی ہیں انہیں گرفتار کر کے اس کے سامنے لایا پیش کیا جائے۔ یونانی سپاہی قاتل غلاموں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے آخر انہیں مصر کی سرحد پر گرفتار کر لیا گیا۔ جب سکندر کو خبر ملی کہ دارا کے قاتل گرفتار ہو آ گئے

ہیں تو وہ خود ان کے پاس آیا اور ایک ایک سے پوچھنے لگا کہ انہوں نے ایک عظیم الشان بادشاہ کو قتل کیوں کیا؟ اگر انہیں ہیرے جواہرات ہی لوٹنے تھے تو اسے کسی درخت کے ساتھ باندھ کر بھی لوٹ سکتے تھے۔ قاتلوں نے زمین پر سجدہ کر کے معافی کی درخواست کی۔

''اے عظیم بادشاہ ہم سے غلطی ہوگئی۔ ہم پر رحم کرو۔''

''تم نے ایک ایسے بادشاہ کو قتل کیا ہے جس کی ہم عزت کرتے تھے۔ ہم اس کا ملک ضرور فتح کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہمیں دارا سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ایک انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اس کو قتل کر کے تم نے سکندر اعظم کے ایک دوست کو قتل کیا ہے۔ تم لوگوں نے ایک ایسا گھناؤنا جرم کیا ہے جس کی سزا تمہیں میں خود اپنے ہاتھوں سے دوں گا۔ میری شاہی تلوار دی جائے۔''

فوراً سکندر کو اس کی شاہی اور بے حد تیز تلوار پیش کر دی گئی۔

سکندر نے تلوار لہرائی اور ایک ایک کر کے اپنے ہاتھوں سے سارے قاتلوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دیں۔ بعد میں تاریخ نے بھی اس واقعے کو لکھ لیا کہ سکندر نے دارا کے قاتلوں کو ڈھونڈ کر اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیا تھا۔

ایران کی فتح سے فارغ ہو کر سکندر نے ہندوستان کی طرف چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اب اسے خیال آیا کہ اس نے عنبر کو قید خانے میں ڈال رکھا ہے اس نے اسے بلا کر کہا کہ وہ سانپ کو پیش کرے۔ عنبر نے کہا کہ سانپ اسے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ سکندر کو اس پر بے حد غصہ آیا کہ اس نے اس کے دشمن کو بھگا دیا۔

''تم نے ایسا کیوں کیا؟''

''اس لئے کہ مجھے اس کی جان عزیز تھی میں اس کو آپ کے ہاتھوں مروانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ یقیناً آپ اسے قتل کروا دیتے۔''

سکندر نے ہاتھ اٹھا کر چیخ کر کہا۔

''اس شخص کو میری آنکھوں کے سامنے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے۔''

اسی وقت میدان میں گڑھا کھود کر اس میں لکڑیوں کے ڈھیر پھینکنا شروع کر دیے گئے۔ جب گڑھا منہ در منہ بھر گیا تو لکڑیوں میں آگ لگا دی گئی۔ سارا دن اور ساری رات آگ بھڑکتی رہی۔ دوسرے روز گڑھے کے اندر انگارے سرخ ہو کر دہک رہے تھے۔ وہاں تپش اتنی تھی کہ کوئی شخص گڑھے کے قریب بھی نہیں کھڑا ہو سکتا تھا۔ سکندر اور ارسطو وہاں آ گئے۔ سکندر نے حکم دیا کہ عنبر کو اٹھا کر آگ میں ڈال دیا جائے۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو ہاتھوں پر اٹھایا اور دو تین بار جھولا سا جھلا کر آگ میں پھینک دیا۔

عورت کی چیخ

موت عنبر کو ہمیشہ کے لئے فراموش کر چکی تھی۔

چنانچہ آگ نے اس پر کوئی اثر نہ کیا۔ سکندر اعظم کے سپاہیوں نے اسے آگ کے جلتے ہوئے جہنم میں پھینکا تو وہ انگاروں پر یوں جا کر بیٹھ گیا جیسے کوئی ٹھنڈے ٹھنڈے سرخ پھولوں پر جا کر بیٹھ جائے...... سکندر اور ارسطو کا خیال تھا کہ وہ آگ کے گڑھے میں

گرتے ہی جل کر بھسم ہو گیا ہوگا۔اس لئے وہ وہاں سے اٹھ کر واپس محل میں چلے گئے سپاہی بھی وہاں سے رخصت ہو گئے۔صرف ایک پہریدار وہاں پر موجود پہرا دیتا رہا۔ساری رات گڑھے میں آگ دہکتی رہی اور عنبر بڑے سکون سے انگاروں پر لیٹا رہا۔اس کو ذرا سی دیر کے لئے نیند بھی آ گئی۔وہ انتظار کر رہا تھا کہ جلتی ہوئی لکڑیاں ذرا نیچے ہوں تو وہ ان پر پاؤں رکھ کر باہر نکلے۔صبح کے وقت آگ ذرہ سی ہلکی ہوئی۔گڑھا ابھی تک تنور کی طرح دہکتے انگاروں سے سرخ ہو رہا تھا مگر شعلے ختم ہو چکے تھے اور لکڑیاں جل جل کر کوئلہ بن چکی تھیں۔عنبر اٹھا اور بڑے بڑے کوئلوں پر پاؤں رکھتا ہوا گڑھے کے اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔

باہر پہریدار سپاہی ادھر ادھر ٹہل کر دہکتے گڑھے کے باہر پہرا دے رہا تھا۔اتنے میں عنبر نے گڑھے میں سے سر نکالا۔پہریدار نے

ایک انسان کو زندہ حالت میں دہکتی آگ کے گڑھے میں سے باہر نکلتے دیکھا تو وہ حیرانی سے پتھر بن گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ذرا آگے جا کر پوچھا:

''تم کون ہو؟'' آگ کا سینک اور تپش بے پناہ تھی۔ سپاہی پیچھے ہٹ گیا۔ عنبر آدھا گڑھا کے اندر اور آدھا باہر تھا۔ اس نے کہا:

''میں وہی ہوں جسے کل آگ میں ڈالا گیا تھا۔''

سپاہی نے بھی اسے پہچان لیا۔ وہ وہی عنبر تھا جسے ایک رات پہلے خوف ناک بھڑکتی ہوئی آگ میں سکندر اعظم کے حکم سے اس کی آنکھوں کے سامنے ڈالا گیا تھا۔ مگر وہ رات بھر آگ میں رہنے کے باوجود زندہ کیسے رہا؟ عنبر گڑھے میں سے نکل کر سرخ لوہے کی طرح تپتی ہوئی گڑھے کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ سپاہی نے پوچھا:

''مگر........ مگر تم زندہ کیسے رہے؟''

عنبر نے مسکرا کر کہا:

''میں دو ہزار برس سے زندہ ہوں اور ہزاروں برس تک زندہ رہوں گا۔''

سپاہی نے اتنا سنا اس کا سر چکرایا اور وہ دھڑام سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔''

وہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ گڑھے کے اندر نہیں گرا؛ وگرنہ اس قدر آگ میں اس کی ہڈی پسلی بھاپ بن کر اڑ جاتی۔ عنبر گڑھے میں سے نکل کر ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اسے سپاہیوں نے پکڑ لیا اور پوچھا:

''تمہیں تو ہم نے آگ میں پھینکا تھا' تم زندہ کیسے رہے؟''

''میں اس آدمی کا بھوت ہوں۔''

سپاہی ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ سارے شہر میں شور مچ گیا کہ جس

ملزم کو رات کو آگ میں ڈالا گیا تھا وہ زندہ ہو گیا ہے جلا نہیں۔ آگ نے اس کا بال تک نہیں جلایا۔ یہ خبر سکندر اور ارسطو تک پہنچی۔ تو وہ دم بخود ہو کر رہ گئے۔ سکندر نے ارسطو کیطرف دیکھا دونوں اٹھ کر شاہی محل سے نکل کر باغ میں آ گئے۔ سپاہی عنبر کو لیے چلے آ رہے تھے۔ سکندر اور ارسطو نے اسے فوراً پہچان لیا۔ انہوں نے سپاہیوں کو وہاں سے چلے جانے کو کہا اور عنبر کو ساتھ لے کر محل میں آ گئے۔

سکندر بے حد حیران تھا کہ یہ شخص اتنی بھیانک آگ سے کیسے بچ نکلا؟ کیا یہ کوئی دیوتا ہے؟ ارسطو خود بہت تعجب میں تھا۔ اس کی ساری عقل اور حساب کتاب یہاں آ کر فیل ہو گیا تھا۔ دنیا کا کوئی بھی اصول یہ ثابت نہیں کرتا تھا کہ ایک آدمی آگ میں گر کر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

سکندر نے عنبر سے پوچھا:

''سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ تم آگ میں رات بھر رہ کر زندہ کیسے رہ گئے؟''

ارسطو نے پوچھا:

''پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم آگ میں گرے تھے یا نہیں؟''

عنبر نے کہا:

میں آگ میں گرا تھا اس کے گواہ آپ کے سپاہی ہیں جنہوں نے مجھے آگ میں اپنے ہاتھوں دھکا دیا تھا۔''

''پھر آگ نے تم کو زندہ کیوں نہیں جلایا؟'' ارسطو نے پوچھا۔

عنبر نے کہا:

اس لئے کہ آگ مجھ پر کوئی اثر نہیں کر سکتی۔''

سکندر نے کہا:

''وہ کیوں؟''

عنبر بولا:

''اس لئے کہ آگ مجھ پر حرام ہے۔''

''وہ کس لئے؟'' سکندر بولا۔

عنبر نے کہا:

''وہ اس لئے کہ میں مر نہیں سکتا۔ مجھے آج سے دو ہزار برس پہلے ایک بزرگ نے دعا یا بددعا دی تھی کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں گا۔ بادشاہ آئیں گے اور مر جائیں گے۔ تہذیبیں آئیں گی اور مٹ جائیں گی۔ مگر میں زندہ رہوں گا موت مجھے فنا نہیں کر سکے گی۔''

یہ سن کر ارسطو اور سکندر اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ ارسطو نے پوچھا:

''تو کیا تم ہزاروں برس سے زندہ ہو؟''

عنبر نے کہا:

''ہاں میں دو ہزار برس سے زندہ ہوں۔ میں فرعون مصر کا بیٹا ہوں۔ میں آج سے دو ہزار برس پہلے مصر کے شاہی محل میں پیدا ہوا اور شاہی محل میں ہی شہزادوں کی طرح پرورش ہوئی۔''

سکندر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا.......کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

عنبر نے کہا:

''مجھے آپ کو یقین دلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اتفاق سے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ موت مجھ پر حرام کر دی گئی ہے۔ آپ نے مجھے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جہاں میں رات بھر آرام سے سویا رہا اور صبح آگ کے جہنم سے باہر نکل آیا' مگر آپ کو اب بھی میری بات کا اعتبار نہیں تو مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ آپ کو یقین دلاتا پھروں۔ میں جا رہا ہوں۔''

سکندر اعظم نے آگے بڑھ کر عنبر کے کندھے پر ہاتھ محبت سے ہاتھ رکھ دیا اور کہا:

''آج سے میں تمہیں اپنا بھائی کہوں گا۔ میرے بھائی' میں اپنے آپ کو خوش قسمت ترین انسان سمجھوں گا' اگر تم میرے پاس رہ جاؤ۔''

عنبر نے مسکرا کر کہا:

''سکندر اعظم تم نے اپنے حکم سے مجھے آگ میں پھینکوا دیا۔ میں نے تمہیں ایک خطرناک بیماری سے نجات دلائی۔ تم نے احسان فراموشی کا ثبوت دے کر مجھے ہمیشہ کے لئے اپنے سے دور کر لیا ہے۔ میں ایک غریب فقیر کے جھونپڑے میں رہ سکتا ہوں۔ مگر تم جیسے احسان فراموش بادشاہ کے محل میں نہیں رہ سکتا۔ تم نے مجھے آگ میں ڈالا اور میں زندہ رہا۔ تم اگر مجھے قلعے کی آخری منزل سے بھی گرا دیتے تو میں پھر بھی زندہ رہتا۔''

سکندر شرمسار ہو گیا۔ ارسطو نے بھی عنبر کی منت سماجت کی مگر اس نے کسی کی نہ مانی اور چپکے سے محل سے نکل آیا۔ ایران کی تباہی کا اسے بیحد دکھ تھا۔ اسے بہت افسوس تھا کہ وہ سکندر کے خلاف دارا شہنشاہ کی وقت پر مدد نہ کر سکا۔ اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ شہنشاہ دارا کو اس کے اپنے ہی غلاموں نے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ شروع سے ہی عنبر دیکھتا آیا تھا کہ ہمیشہ اپنوں نے ہی دغا دیا تھا۔ بڑے بڑے بادشاہ ہمیشہ اپنے عزیزوں اور جرنیلوں کے ہاتھوں ہی قتل ہوئے تھے۔ اس وقت اگر دارا زندہ ہوتا اور کہیں فرار ہو چکا ہوتا تو عنبر ضرور اس کی مدد کرتا اور سکندر کو شکست دے کر ایران کا تخت دوبارہ دارا کے حوالے کر دیتا۔

انہی حالات میں گم وہ شاہی محل سے باہر وہ ایک باغ میں آ گیا۔ وہاں ایک پتھر کا تختہ سا بچھا ہوا تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہاں سے ملک روم کی طرف کس طرح جائے۔ تبت کے راجہ کا ہیرا

اس کے پاس موجود تھا۔ مگر وہ اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ ہیرا ایک نیک دل راجہ کی نشانی تھا وہ اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ اسے مرجانہ کے باپ یوریڈیوس کا خیال آیا کہ وہ کریٹ کے صوبے میں جا کر مرجانہ کے باپ سے کچھ سونے کے سکے حاصل کرے تا کہ بحری جہاز میں سوار ہو کر روم تک کا سفر کر سکے۔ مگر پھر اس کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ مرجانہ ہی کے باپ کے سامنے جا کر ہاتھ پھیلائے۔ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک گھنے بالوں اور گھنی ڈاڑھی والا درویش قسم کا آدمی پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ عنبر نے کہا:

''تم........تم کون ہو بابا؟''

درویش نے مسکرا کر کہا:

''تم مجھے نہیں پہچان سکو گے۔ بہر حال میں تمہارا ہمدرد ہوں۔''

عنبر نے کہا:

''اگر تم میرے ہمدرد ہو تو اس وقت میری مدد کرو۔''

درویش نے پوچھا:

''تمہیں کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے؟''

''مجھے ایک تیز رفتار گھوڑا چاہئے جو مجھے بحیرہ روم کی بندرگاہ تک پہنچا سکے اور پھر کچھ کرایہ چاہئے جس کی مدد سے میں بادبانی جہاز میں سوار ہو کر روم تک پہنچ سکوں۔''

درویش نے کہا:

''یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ اگر میں تمہیں گھوڑے اور جہاز کے بغیر ہی ملک روم پہنچا دوں تو کیا خیال ہے؟''

عنبر نے حیرانی سے کہا:

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

درویش نے کہا:

''اگر تم دو ہزار برس تک زندہ رہ سکتے ہو تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہاں سے اڑا کر روم پہنچا دیا جائے۔ بولو کیا تم تیار ہو؟''

''کیوں نہیں میں سر سے لے کر پاؤں تک تیار ہوں۔''

درویش بولا:

''تو پھر آنکھیں بند کرو۔''

عنبر نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک بجلی سی اس کی آنکھوں کے سامنے چمکی۔ جب اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو وہ ایران میں نہیں تھا........وہ ایک ایسے گاؤں کے باہر کھڑا تھا جو ہری بھری سرسبز پہاڑیوں میں گھرا ہوا تھا۔ اونچے اونچے درخت ٹھنڈی ہوا میں جھوم رہے تھے عنبر سمجھ گیا کہ وہ روم پہنچ چکا ہے۔ اب اسے اس کی تصدیق چاہیے تھی۔ یعنی وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا وہ واقعی روم میں ہے؟

اس خیال کے ساتھ ہی وہ گاؤں کی طرف بڑھا سامنے ایک چشمہ تھا۔ جہاں دو عورتیں صراحیوں میں پانی بھر رہی تھیں عنبر نے ان کے پاس جا کر پانی مانگا۔ عورتوں نے اسے پانی پلایا۔ عنبر نے پوچھا:

''یہ کون سے ملک کا گاؤں ہے؟''

پہلے تو عورتوں نے بڑے تعجب سے عنبر کو دیکھا کہ یہ کیسا مسافر ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس ملک میں سفر کر رہا ہے۔ پھر ان میں سے ایک بولی:

''تم ملک روم کے ایک گاؤں کے باہر کھڑے ہو۔''

دوسری عورت نے پوچھا:

''بھائی تم کہاں سے آئے ہو اور تمہیں کہاں جانا ہے؟''

عنبر نے انہیں بتایا کہ وہ مصر سے آ رہا ہے اور روم شہر جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ عورتوں نے کہا کہ روم شہر وہاں سے چھ روز کے سفر

پر ہے۔ وہ اکیلا بغیر گھوڑے یا خچر کے وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ عنبر نے کہا:

''کیا اس گاؤں میں رات بسر کرنے کی کوئی جگہ مل جائے گی؟''

ایک عورت بولی:

''گاؤں میں ایک معمولی سی سرائے ہے۔ تم وہاں ٹھہر سکتے ہو۔''

عورتیں عنبر کو ساتھ لے کر گاؤں کی سرائے میں چھوڑ گئیں اس سرائے میں سرائے کے موٹے، گنجے ٹھگنے قد کے مالک اور عنبر کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔ گنجے مالک نے اسے جس کوٹھڑی میں جگہ دی اس کی دیواروں کی اینٹیں اکھڑ چکی تھیں اور چھت بیٹھی ہوئی تھی۔ گنجے مالک نے اس سے پوچھ لیا تھا کہ اس کے پاس سونے کے سکے ہیں؟ عنبر نے یوں ہی کہہ دیا تھا کہ ہاں بہت سکے ہیں......رات اس نے کسی نہ کسی طرح سرائے میں بسر کر دی۔ دن چڑھا تو عنبر کو فکر ہوئی کہ کچھ پیسے اور خچر یا گھوڑا کہاں سے حاصل کیا جائے۔ ادھر سرائے کے

مالک نے تقاضہ شروع کر دیا کہ کرایہ روز کے روز ادا کرنا ہوگا وہ رات بھر کا کرایہ مانگنے لگا۔ عنبر نے کہا:

''میں ابھی آ کر تمہیں پیسے دیتا ہوں۔ میری چادر تم اپنے پاس رکھو۔''

عنبر نے اپنی ریشمی چادر سرائے کے مالک کے پاس ہی چھوڑی اور خود گاؤں کی گلیوں سے ہوتا ہوا باہر چشمے کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے چشمے کے ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھویا اور تازہ دم ہو کر سوچنے لگا کہ پیسے کہاں سے حاصل کیے جائیں۔ وہ اگر چاہتا تو اپنی کرامت کے زور سے دولت پیدا کر سکتا تھا۔ مگر اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اتنی چھوٹی سی بات کے لئے بڑی طاقت استعمال کرے۔ وہ واپس اپنی سرائے میں آ گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ سرائے کے مالک سے کہے گا کہ اس سے اپنے برتن صاف کروا کر سرائے میں رات بسر کرنے کا

کرایہ وصول کر لے اور آگے وہ خود پیدل ہی سفر کرے گا۔

سرائے میں آ کر جب اس نے گنجے مالک سے برتن مانجھنے کے لئے کہا تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور عنبر پر برس پڑا۔

''میں تو تمہیں یہاں قید کر کے رکھوں گا۔ تم نے اگر میرا کرایہ نہ دیا تو میں تمہارے سارے کپڑے اتروا کر تمہیں ننگا کر کے ذلیل کر کے یہاں سے بھیجوں گا۔ تم تو مجھے کوئی چور معلوم ہوتے ہو۔ میں تم لوگوں سے نپٹنا خوب جانتا ہوں۔ ابھی تمہاری خبر لیتا ہوں۔ ابھی میں پولیس کو اطلاع کرتا ہوں۔''

عنبر کو بڑا غصہ آیا کہ یہ کس قسم کا احمق آدمی ہے۔ اس نے گنجے مالک کو سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ سرائے کا مالک غصے میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا اور عنبر کو گالیاں دے رہا تھا۔ عنبر نے زمین پر سے مٹی اٹھا کر مٹھی میں بند کی اور کہا:

''دیکھو یہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟''

سرائے کے مالک نے کہا:

''یہ چالاکی مجھے نہ دکھاؤ۔ میں تم جیسے جھوٹے مداری بہت دیکھے ہیں بیٹا' اب تو تمہیں میرے چنگل سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تمہیں تو ساری زندگی میرا غلام بن کر رہنا ہوگا........ ہاں' غلام بن کر رہنا ہو گا۔''

عنبر نے مٹھی میں پکڑی ہوئی مٹی گنجے مالک کے پاؤں میں پھینک دی۔ مٹی کا زمین پر گرنا ہی تھا کہ وہاں سے بے شمار چھوٹے چھوٹے سانپ پھنکارنے اور رینگنے لگے۔ سرائے کے مالک کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

''دیوتاؤں کے لئے یہ کیا کر رہے ہو۔ انہیں یہاں سے ہٹاؤ' ارے میں مر گیا' ارے میں مر گیا۔''

''بولو کیا کرایہ وصول کرو گے؟''

سرائے کا مالک ہاتھ جوڑ کر بولا:

''ہرگز نہیں کرایہ معاف......معاف۔''

عنبر پھر بولا:

''ایک تازہ دم گھوڑا ابھی دو گے یا نہیں؟''

''ضرور دوں گا۔ابھی لے لو۔ابھی جا کر لے لو۔''

عنبر نے سانپوں کی طرف ہاتھ پھیلایا۔سارے سانپ عنبر کے بازو پر آ کر لٹکنے لگے۔عنبر نے سرائے کے مالک سے کہا:

''چلو اپنے ہاتھ سے گھوڑا کھول کر دو مجھے۔''

''ضرور ضرور ضرور چلو۔''

گنجا مالک نوکروں کی طرح عنبر کے آگے آگے چل پڑا۔اصطبل میں کئی گھوڑے بندھے ہوئے تھے عنبر نے سب سے موٹا تازہ گھوڑا

پسند کیا۔ گنجے نے اسی وقت گھوڑا کھول کر عنبر کے حوالے کر دیا۔ عنبر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سانپوں والا ہاتھ زمین کی طرف جھٹک دیا۔ سانپ زمین پر گرتے ہی غائب ہو گئے۔ سرائے کا گنجا مالک ڈر کر دوسرے کمرے کی طرف بھاگ گیا۔

عنبر گھوڑے پر سوار سرائے سے نکل کر گاؤں کی اونچی نیچی گلیوں میں سے گزرتا گاؤں سے باہر نکل آیا۔ ایک پتھریلی سڑک گاؤں سے باہر دور تک چلی گئی۔ عنبر نے معلوم کر لیا تھا کہ یہی وہ سڑک ہے جو ملک روم کی طرف جاتی ہے۔ وہ دن چڑھے گاؤں سے چلا تھا۔ سارا دن وہ سفر کرتا رہا۔ دوپہر کے بعد پکی سڑک ختم ہو گئی۔ اور اس کی جگہ ایک کچی سڑک نے لے لی تھی۔ اس سڑک کے دونوں جانب سائپریس کے اونچے اونچے درخت تھے۔ سڑک پہاڑہ ڈھلوانوں اور ٹیلوں اور وادیوں میں سے ہو کر گزر رہی تھی۔ موسم اس علاقے میں

سرد تھا۔ مصر اور افریقہ کی گرمی بالکل نہیں تھی۔ رات ک عنبر نے ایک جنگل کے کنارے قیام کیا اور جنگلی پھل کھا کر لیٹ گیا۔ رات بھر سردی کی وجہ سے اسے پوری نیند نہ آسکی۔ صبح دھوپ میں اسے کچھ سکون ملا۔

چشمے پر منہ ہاتھ دھو کر اس نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔ اسی طرح عنبر پانچ دن اور پانچ راتیں روم کی طرف سفر کرتا رہا۔ چھٹے روز شام کے قریب وہ ایک اجنبی اور ویران سے محل کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ یہ کسی پرانے شاہی محل کے کھنڈر معلوم ہوتے تھے۔ ستون ٹوٹ کر گرے ہوئے تھے اور بارہ دریوں میں لمبی لمبی گھاس اگ رہی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ یہاں رات بسر کی جائے۔ اس خیال سے وہ گھوڑے سے اترا ہی تھا کہ اسے کسی عورت کی چیخ سنائی دی۔ وہ وہیں رک گیا اور جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی ادھر کو دیکھنے لگا۔ چیخ ایک بار پھر فزا

میں گونج اٹھی۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی شخص کسی عورت کو قتل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

عنبر نے گھوڑا وہیں کھڑا کیا اور چیخ کے تعاقب میں چل پڑا۔

جاری ہے

عنبر ۔ ناگ ۔ ماریا

سفید عقاب

(قسط نمبر ۱۱)

اے حمید

سنو پیارے بچو!

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا ہیرو روم شہر سے آدھی رات کو ایک قافلے کے ساتھ سفر کرتا ہوا ایک ویران محل کے کھنڈروں میں داخل ہوتا ہے یہاں اسے ایک عورت کی بھیانک چیخ کی آواز سنائی دیتی ہے ہمارا ہیرو اس چیخ کی آواز پر پسکتا ہے اس ناول میں ہیلن آف ٹرائے کا مشہور تاریخی واقعہ بھی پیش کیا گیا ہے جب کہ سپاہی بہت بڑے لکڑی کے گھوڑے میں چھپ کر قلعے کے باہر رہ جاتے ہیں دشمن گھوڑے کو کھلونا سمجھ کر قلعے کے اندر لے جاتے ہیں آدھی رات کو سپاہی گھوڑے میں سے نکل کر حملہ کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں یہاں ہمارا ہیرو سکندر اعظم کی موت کی خبر سنتا ہے۔

اے حمید

فہرست

روم کے ڈاکو

ویران محل کے کھنڈر میں سے عورت کی چیخ کی آواز پھر سنائی دی یہ آواز جس طرف سے آرہی تھی ادھر ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے پاس زیتون کے گھنے درختوں کا جھنڈ تھا عنبر بڑی احتیاط سے قدم بڑھاتا اس جھنڈ کی طرف بڑھ رہا تھا اس دفعہ چیخ کی آواز بڑی قریب سے آئی تھی شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے ارد گرد پہاڑی ڈھلانوں پر اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا وہ ٹوٹی ہوئی دیوار کے پیچھے گیا تو اسے دو آدمیوں کے آپس میں باتیں کرنے کی آواز سنائی دی عنبر دیوار کی اوٹ میں ہو کر ان کی باتیں سننے لگا ان کی باتوں سے عنبر نے اندازہ لگایا کہ وہ دونوں ڈاکو ہیں اور کسی امیر سوداگر کی بیٹی کو اٹھا کر لائے ہیں اور اب اس کے بدلے میں اس سوداگر سے بہت سا مال و دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

انہوں نے لڑکی کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے کہیں قریب ہی چھپا دیا تھا ایک ڈاکو دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اس لڑکی کو ہلاک کر دیا جائے کیوں کہ ہو سکتا ہے اس کا باپ مال و دولت دینے کی بجائے رومن سپاہیوں کو اطلاع کر دے اور وہ انہیں گرفتار کر کے شیروں کے آگے ڈال دیں کیونکہ اس زمانے میں یہی دستور تھا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا دوسرے ڈاکو کا خیال تھا کہ لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کی بدنامی کے ڈر سے ایسا نہیں کرے گا۔وہ ضرور مال و دولت لے کر وہاں آئے گا اور اپنی بیٹی کو چھڑا کر لے جائے گا۔

تو پھر ہمیں آج ہی اس لڑکی کے باپ کے پاس جانا چاہیے۔

ہاں لڑکی کو اسی جگہ غار کے اندر چھپا دیتے ہیں اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے پتھر کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے۔

کمبخت شور بہت مچا رہی تھی۔

لیکن اب اس کی آواز بالکل نہیں نکلے گی۔

تو پھر چلو۔ غار کے منہ پر پتھر رکھ دو۔

عنبر نے دیوار کی اوٹ میں چھپے ہوئے سنا کہ ڈاکو غار کے منہ پر پتھر چن رہے ہیں لڑکی کی چیخ کی آواز اب بالکل نہیں آ رہی تھی انہوں نے واقعی اسے غار کے اندر چھپا کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا پھر اس نے ڈاکوؤں کی دیوار کی طرف بڑھنے کی آواز سنی وہ فوراً ایک درخت کے سایے میں چھپ گیا دونوں ڈاکو اس کے قریب سے ہو کر گزر گئے ان کی شکلیں بڑی ڈراؤنی تھیں اور حلیہ بالکل ڈاکوؤں جیسا تھا۔

جب وہ کھنڈروں میں سے باہر نکل گئے تو عنبر غار کی طرف بڑھا غار کے منہ پر بڑے بڑے پتھر رکھے ہوئے تھے دور سے دیکھنے پر کسی کو

شک ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہاں کوئی غار بھی ہے عنبر نے پتھروں کو ہٹانا شروع کر دیا جب پتھر کافی ہٹ گئے تو وہاں ایک سرنگ سی نمودار ہوئی عنبر خاموشی کے ساتھ سرنگ کے اندر داخل ہو گیا اندر اندھیرا تھا عنبر نے آواز دی۔

اے لڑکی کیا تو اندر ہے؟ جواب دو میں ڈاکو نہیں ہوں۔ میں تمہیں یہاں سے بچانے آیا ہوں۔

اس آواز کے جواب میں عنبر کو لڑکی کی ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی کا منہ بند ہوتا ہے اور وہ بولنے کی کوشش کرتا ہے عنبر اس آواز کی طرف آگے بڑھا تھوڑے فاصلے پر اس نے اندھیرے میں ایک رومی لڑکی کو پتھروں کے ساتھ رسی سے بندھے ہوئے دیکھا اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں بڑی مضبوطی سے پتھروں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے عنبر نے اس وقت بات کرنے کی ضرورت

ہی محسوس نہ کی وہ جلدی سے آگے بڑھا اور سب سے پہلے ہاتھ پاؤں کھول دیے لڑکی اسے حیرانگی سے دیکھ رہی تھی کہ اس ناامیدی میں یہ نیکی کا فرشتہ کہاں سے آگیا۔

جلدی سے میرے ساتھ باہر نکل چلو۔

عنبر اس لڑکی کو لے کر غار سے باہر نکل آیا وہ اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس نے درختوں کے نیچے اپنا گھوڑا باندھا ہوا تھا اس دوران میں لڑکی سے اس نے کوئی بات نہ کی اس نے لڑکی کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھایا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا اس جنگل میں چل پڑا جس کو عبور کرنے کے بعد اس نے روم پہنچنا تھا جنگل میں پہنچ کر وہ راستے میں بھٹک گیا اس نے لڑکی سے پوچھا۔

کیا تمہیں روم کی طرف جاتے ہوئے راستے کا علم ہے۔؟

لڑکی نے کہا۔

میں زندگی میں پہلی بار روم شہر سے باہر نکلی ہوں۔

میرا خیال ہے پھر ہمیں صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے میں ہم راستہ بھول کر کسی غلط جگہ جا نکلیں آدھی رات سے زیادہ گزر چکی تھی عنبر نے قالین کا ٹکڑا اچھا کر لڑکی کے سونے کے لئے جگہ بنا دی اور خود گھاس پر لیٹ گیا اس نے لڑکی سے پوچھا۔

کیا تمہیں اپنے مکان کا راستہ معلوم ہے؟

ہاں۔ روم شہر میں پہنچ کر میں اپنے گھر جا سکتی ہوں۔

عنبر نے اس سے پوچھا کہ وہ ڈاکوؤں کے چنگل میں کیسے پھنس گئی؟

لڑکی نے جواب دیا۔

میرا نام سائیکی ہے میرا باپ روم شہر میں اناج کا بہت بڑا سوداگر ہے ایک رات یہ ڈاکو ہمارے گھر گھس آئے اور میرے منہ میں کپڑا ٹھونس کر مجھے زبردستی اٹھا کر لے آئے اگر تم نیکی کا فرشتہ بن کر نہ میری مدد

کرتے تو خدا جانے یہ لوگ میرا کیا حشر کرتے۔

عنبر نے اسے بتایا کہ دونوں ڈاکو اس کے باپ کے گھر گئے ہیں تا کہ اس سے مال و دولت لے کر تمہیں اس کے حوالے کیا جائے۔مگر ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں کہ یہ دولت بھی حاصل کر کے تمہیں آزاد نہ کریں اور کسی دوسرے شہر لے جا کر غلام بنا کر بیچ ڈالیں۔

لڑکی نے کہا۔

مگر تم یہاں کس طرح پہنچ گئے۔؟

میں روم کی طرف جا رہا تھا کہ یہاں تھک کر آرام کرنے کے لئے رک گیا پھر مجھے تمہاری چیخ کی آوازیں سنائی دیں اور تمہارے پاس پہنچ گیا میں نے دونوں ڈاکوؤں کو آپس میں باتیں کرتے سنا اور اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ تمہیں ان ظالموں سے ضرور نجات دلاؤں گا۔

میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہ بھلا سکوں گی تمہارا نام کیا ہے؟

میرا نام عنبر ہے۔ اور میں ملک یونان سے روم جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سائیکی سو گئی عنبر بھی سو گیا صبح اس کی آنکھ کھلی تو سائیکی ابھی تک سو رہی تھی دن کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی اس نے سائیکی کو جگایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے ساتھ آگے چل پڑا۔

اس نے پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر دور روم شہر کے مکان دیکھ لئے تھے اب وہ سیدھے راستے پر جا رہا تھا۔

دھوپ پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھی کہ وہ دونوں روم شہر میں داخل ہو گئے عنبر روم شہر کی خوبصورتی شاہی محلات باغات اور پرانے قدیم محلے اور دیوی سائیکی اور دیوتا اپالو کے مندر دیکھ کر حیران ہو گیا۔ بازاروں میں بڑی رونق تھی امیر آدمیوں کے نوجوان لڑکے سنہرے بالوں پر سونے کے تاج رکھے ریشمی کپڑوں میں ملبوس اپنے

اپنے غلاموں کے ساتھ بڑے غرور کے ساتھ گردن اٹھائے سیر
کرتے پھر رہے تھے کئی ایک نے تو اپنے ساتھ خونخوار چیتے کو چاندی
کی سنگلی ڈال کر ساتھ رکھا تھا۔ داغدار زرد چیتا اپنی آنکھیں چوکس
کیے ارد گرد جمع ہونے والی بھیڑ کو دیکھ رہا تھا اور کچھ گھبرا بھی رہا تھا۔
کھانے پینے کی دکانوں کے باہر سنگِ مرمر کے تخت بچھے ہوئے تھے
جن پر بڑے بوڑھے رومن بیٹھے ان نوجوانوں کو حیرت سے دیکھ دیکھ
کر ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ دیکھو کیسا زمانہ آگیا ہے کہ اب
نئی عمر کے لونڈے بھی ریشمی لباس پہننے لگے ہیں اونچے اونچے مکانوں
پر بیلیں چڑھی ہیں ہر چوک میں بہادر سپاہیوں، مشہور کھلاڑیوں، اور
جرنیلوں کے سنگ مرمر کے سفید مجسمے لگے ہوئے ہیں۔
عنبر نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ روم میں ہر دوسرا شخص خوش
حال اور امیر ہے اسے صرف کسانوں کی حالت خراب نظر آئی کیونکہ

وہ غلام تھے اور سارا سارا دن محض روکھی سوکھی روٹی پر اپنے مالکوں کے لئے کھیتوں میں جانور بن کر کام کرتے تھے ابھی تک کسی نے ہل سے کام لینا نہیں سیکھا تھا غلام صبح سے شام تک پھاوڑوں سے کھیتوں میں کیاریاں بناتے اور فصل بو کر پانی دیتے اور پھر اسے کاٹ کر مالک کے تہہ خانے میں ڈھیر لگا دیتے۔

سائیکی نے اسے بتایا کہ اس کے والد کی حویلی شہر کے مغربی کنارے دریا کے کنارے واقع ہے۔ عنبر نے دریا کے کنارے پہنچ کر دیکھا کہ سائیکی کے والد کی حویلی ایک حسین مقام پر واقع تھی سائیکی عنبر کو ساتھ لے کر اپنے باپ کے پاس گئی اس کا باپ اپنی بیٹی کو دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

بیٹی سائیکی۔ یہ نوجوان کون ہے؟

سائیکی نے جواب میں باپ کو بتایا کہ اس نوجوان نے اسے ڈاکوؤں

کے پنجے سے آزاد کرایا ہے اس کا باپ ان دونوں کو دوسرے کمرے میں لے گیا اور اس نے نوکروں کو وہاں سے باہر نکال دیا اور عنبر سے کہا۔

عجیب بات ہوئی ہے کہ ابھی ابھی ان ڈاکوؤں میں سے ایک مجھے مل کر گیا ہے اس نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ اگر میں اسے ایک لاکھ روپے کے جواہرات دے دوں تو وہ میری بیٹی کو چھوڑ دے گا میں نے اس سے کل پھر آنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔

عنبر نے کہا۔!

مجھے ان کی ساری سازش کا علم ہے وہ روپے کا مطالبہ کرنے آپ کی طرف آئے تھے کہ میں نے سائیکی کو آزاد کر کے اپنے ساتھ لیا اور یہاں پہنچ گیا۔

تو اب کیا خیال ہے ڈاکو کیا کریں گے؟ وہ ضرور سائیکی کی تلاش میں

میرے گھر دوبارہ آئیں گے۔

دراصل سائیکی کا باپ ایک شریف سوداگر تھا اور وہ ڈاکوؤں سے بہت ڈرتا تھا اس کا خیال تھا کہ ڈاکوؤں کو جب معلوم ہوگا کہ سائیکی فرار ہو کر واپس اپنے گھر پہنچ گئی ہے تو وہ ضرور اس کی تلاش میں اس کے گھر آئیں گے اور اسے دوبارہ اغوا کر کے لے جائیں گے عنبر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

آپ فکر نہ کریں۔ اگر آپ نے ڈاکوؤں سے اس طرح ڈرنا شروع کر دیا تو پھر وہ آپ کو ساری عمر چین سے نہ بیٹھے دیں گے وہ آئے دن آپ سے روپے پیسے کا مطالبہ کرتے رہیں گے۔

سوداگر نے سہم کر پوچھا۔

مگر وہ تو سنگ دل ڈاکو ہیں وہ تو مجھے اور میری بیٹی کو قتل کر دیں گے ان سے پیچھا چھڑانا بڑا مشکل ہو جائے گا۔

عنبر نے کہا۔

دنیا میں شریف آدمی کا کوئی بال تک بیکا نہیں کرسکتا شریف آدمیوں کے دم قدم سے ہی دنیا میں شرافت کا نام زندہ ہوتا ہے اگر آپ بھی ڈرنے لگے تو پھر شریف لوگوں کو کوئی نہیں پوچھے گا۔

لیکن............لیکن میں کیا کروں؟ وہ لوگ تو آج رات نہیں کل ضرور آئیں گے۔

عنبر نے کہا۔

انہیں آنے دیں میں اتنی دیر یہاں آپ کے پاس رہوں گا۔

سائیکی نے بھی کہا۔

ہاں عنبر بھائی! آپ ضرور یہاں رہیں میرا باپ کمزور دل انسان ہے اگر ڈاکو آ گئے تو یہ ان کا مقابلہ نہ کرسکے گا۔

عنبر نے وہاں اس وقت تک ٹھہرنے کا فیصلہ کرلیا جب تک ڈاکو واپس

نہیں آتے وہ رات گزر گئی کوئی ڈاکو نہ آیا دوسرے روز عنبر تھوڑی دیر کے لئے باہر گیا اور دو چار سراؤں میں گھوم پھر کر اس نے اپنے دوست ناگ پھنی کو تلاش کیا مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آیا دوپہر کے وقت عنبر سوداگر کی حویلی میں آگیا اسے یقین تھا کہ اس رات ڈاکو ضرور وہاں پہنچ جائیں گے چنانچہ وہ رات اس نے جاگ کر گزارنے کا فیصلہ کرلیا اس نے سائیکی اور اس کے باپ کو پچھلے کمرے میں چھپا دیا اور خود باہر برآمدے میں تخت بچھا کر لیٹ گیا۔

آدھی رات گزر گئی، کوئی ڈاکو نہ آیا۔ عنبر نے اٹھ کر چاروں طرف گھوم پھر کر اطمینان کیا اور پھر تخت پر لیٹ گیا رات کے پچھلے پہر اس کی آنکھ لگ گئی اچانک اس کی آنکھ کھلی تو اس کو نوکر جگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مالک اور اس کی بیٹی غائب ہیں عنبر نے حیرانی سے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

کہاں.............کیسے غائب ہو گئے؟

نوکر نے اسے بتایا کہ ڈاکوؤں نے عقبی دیوار کو توڑ کر انہیں کمرے کے اندر سے اغوا کر لیا ہے عنبر جلدی سے پچھلے کمرے میں گیا۔ دیوار آدھی ٹوٹی ہوئی تھی اور دونوں باپ بیٹی غائب تھے اس کے ساتھ ہی لاکھوں روپے کے ہیرے جواہرات بھی چوری کر لیے گئے تھے۔

عنبر بڑا حیران ہوا کہ ڈاکوؤں کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ دونوں باپ بیٹی پچھلے کمرے میں چھپے ہوئے ہیں ضرور کسی نے یہاں سے انہیں اطلاع دی ہو گی ورنہ وہ کبھی معلوم نہیں کر سکتے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ خود سوداگر کے گھر میں کوئی نوکر ڈاکوؤں سے ملا ہوا تھا عنبر نے ایک ایک نوکر کو بلا کر پوری طرح سے پوچھ گچھ کی مگر ہر کسی نے دیوتاؤں کی قسمیں کھا کھا کر کہا کہ وہ بے قصور ہے اور اس کا ڈاکوؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے عنبر بے بس ہو کر رہ گیا وہ بلاوجہ کسی نوکر کو پکڑ کر

رومی پولیس کے حوالے نہیں کرسکتا تھا۔

آخرایک کنیز نے آکر عنبر کو بتایا کہ اسے ایک نوکر پر شک ہے عنبر نے پوچھا۔۔

وہ کون سا نوکر ہے۔؟

کنیز نے کہا۔

وہ اس وقت گھر پرنہیں ہے بازار سے سوداسلف خریدنے گیا ہوا ہے۔ مجھے شک ہے کہ مالک اوراس کی بیٹی کواغوا کرانے میں اس نے ڈاکوؤں کا ساتھ دیا ہے۔

جس وقت وہ نوکر بازار سے واپس آیا تو عنبر نے اسے الگ لے جا کر اچھی طرح سے پوچھ گچھ کی مگراس نے پلو نہ پکڑایا عنبر نے اس کے ساتھ سختی بھی کی مگرنوکرایک ہی رٹ لگاتا تھا کہ اسے کچھ معلوم نہیں کہ مالک اوراس کی بیٹی کہاں ہے؟ اب عنبر عاجز آگیا وہ اس نوکر کو ہلاک

تو کر نہیں سکتا تھا لاچار ہو کر اسے چھوڑ دیا اور خود ہی ڈاکوؤں کا سراغ لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ دوسری طرف اسے اپنے دوست ناگ پھنی کی بھی تلاش تھی؟ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ ایک بار پھر حویلی سے نکلا اور شہر کی باقی ماندہ سراؤں کے چکر لگانے لگا وہ ایک سرائے سے نکل کر دوسری سرائے میں جاتا اور لوگوں کو باتیں کرتے کھانا کھاتے بڑے غور سے گھور گھور کر دیکھتا۔ وہ ایک موٹے سے آدمی کو گھور رہا تھا کہ اس نے غصے میں کہا۔

کیوں میاں صاحبزادے میری طرف یوں گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہو؟

معاف کرنا بڑے میاں۔ آپ کی شکل میرے مرے ہوئے چچا سے بڑی ملتی جلتی ہے۔

جہنم میں جائے تمہارا چچا اور تم............... بھاگو یہاں سے نہیں تو

مکہ مار کر سر توڑ دوں گا۔

عنبر کھسیانی سی ہنسی ہنسا، وہاں سے نکل کر دوسری سرائے میں آ گیا۔

یہاں اس نے میز پر بیٹھے کھانا کھاتے ایک نوجوان کو دیکھا معلوم ہوا کہ وہ نوجوان کھانا کھاتے ہوئے اپنی پلکیں بالکل نہیں جھپک رہا تھا۔

عنبر بڑا خوش ہوا کہ آخر اس نے اپنے دوست ناگ پھنی کا سراغ لگا ہی لیا اسے سو فی صد یقین تھا کہ وہی نوجوان اس کا دوست سانپ ہے وہ اس کے قریب جا کر میز پر بیٹھ گیا اور ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

ناگ پھنی۔ میں نے تمہاری تلاش میں سارا روم چھان مارا ہے۔

دیوتا کا شکر ہے کہ آخر تم مجھے مل گئے۔

پہلے تو اس نوجوان نے کچھ نہ کہا۔ لیکن جب عنبر نے دوسری بار اس کی کہنی پکڑ کر کہا۔

ناگ پھنی۔ تم سانپ ہی ہو ناں؟

اس پر وہ نوجوان کہنی جھٹک کر بولا۔

کون ہو تم؟

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

یار مجھے نہیں پہچانا؟ میں عنبر ہوں تمہارا دوست تمہارا محسن اور تم ناگ پھنی ہو سانپ ہو۔

بکواس بند کرو جی۔ اگر پھر مجھے سانپ کہا تو میں حلق سے زبان کھینچ کر باہر پھینک دوں گا چلو بھاگو یہاں سے۔

اب عنبر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کیونکہ اس دوران میں اس نوجوان نے کئی بار آنکھیں جھپکیں تھیں ظاہر ہے کہ وہ سانپ نہیں تھا اور عنبر کو غلط فہمی ہوئی تھی عنبر نے معذرت کی اور وہاں سے اٹھ کر نو دو گیارہ ہو گیا وہ بڑا حیران تھا کہ آخر ناگ پھنی کہاں چلا گیا اس نے تو کہا تھا کہ وہ روم کی کسی نہ کسی سرائے میں ضرور مل جائے گا عنبر نے روم کی ایک

ایک سرائے چھان ماری تھی مگر ناک چھنی کا کہیں نام و نشان تک نہیں مل رہا تھا اب صرف ایک سرائے رہ گئی تھی جو دریا کے پار تھی اور جہاں بڑے بڑے امیر کبیر سوداگر آ کر اترا کرتے تھے۔

عنبر اس سرائے کی طرف چل پڑا۔

سانپ سے ملاقات

یہ ایک عالی شان سرائے تھی۔

ایک خوب صورت تالاب کے کنارے سرائے کے دروازے پر اپالو دیوتا کے سنگ مرمر کے بت بنے ہوئے تھے ایک بڑے کمرے میں زمین پر قالین بچھے ہوئے تھے اور سوداگر آرام کر رہے تھے یہ تمام

لوگ امیر تھے اور رنگ برنگ کے ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے عنبر کا لباس پرانا اور غریب آدمیوں جیسا تھا سرائے کے مالک نے اسے اندر آتا دیکھا تو اٹھ کر اس کے پاس آیا اور جھڑک کر بولا۔

کیوں میاں! یہاں کیا لینے آئے ہو۔ جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے یہاں بھکاریوں کا کوئی کام نہیں۔

عنبر نے اسے بہتیرا کہا کہ وہ خود ایک تاجر ہے اور اپنے ایک سوداگر دوست کے بارے میں پتہ کرنے آیا ہے مگر سرائے کے مالک نے اسے دھکے دے کر سرائے سے باہر نکال دیا اور کہا۔

ارے بہت دیکھے ہیں تیرے ایسے بھیک مانگتے تاجر کیا یہاں چوری کرنے کا ارادہ ہے یاد رکھ اگر پھر ادھر کا رخ کیا تو سپاہیوں کے حوالے کر کے بھوکے شیروں کے سامنے ڈلوا دوں گا۔

عنبر نے سرائے والے سے جھگڑا مول لینا مناسب نہ سمجھا اور چپکے

سے سرائے سے باہر نکل گیا یہی شہر میں ایک سرائے باقی رہ گئی تھی۔
چنانچہ یہاں جانچ پڑتال کرنا بہت ضروری تھا عنبر نے فیصلہ کیا وہ
سرائے کے باہر تالاب کنارے بیٹھ کر اندر آتے جاتے لوگوں کو غور
سے دیکھے گا اور اپنے سانپ دوست کو پہچاننے کی کوشش کرے گا وہ
تالاب کنارے ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور سرائے سے نکلتے اور داخل
ہوتے لوگوں کو دیکھنے لگا وہ شام تک وہاں بیٹھا رہا مگر اسے سانپ نہ
مل سکا مجبوراً شام کو وہ واپس سوداگر کی حویلی میں آ گیا یہاں حویلی
میں آ کر اسے سوداگر اور اس کی بے گناہ بیٹی سائیکی کی فکر کھانے لگی
ان بے چاروں کو تلاش کرنا بھی بہت ضروری تھا کہ آخر وہ کس حال
میں ہیں کہاں ہیں اور ڈاکو ان کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے
عنبر سوداگر کی حویلی میں رہتا تھا اور اس پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد
ہوتی تھی کہ وہ اسے اور اس کی بیٹی کو ڈاکوؤں کے پنجے سے نجات

دلائے چناچہ اس نے فیصلہ کیا کہ صبح سویرے اٹھ کر وہ اس غار میں جائے گا جہاں وہ سائیکی کو پہلی بار ملا تھا۔

اگلے روز منہ اندھیرے اٹھ کر عنبر شہر سے کافی دور پرانے کھنڈروں کی طرف روانہ ہو گیا دو پہر کے بعد وہ ویران محل کے کھنڈر میں پہنچ گیا اسے معلوم تھا کہ ڈاکو اب وہاں نہیں ہوں گے پھر بھی وہ غار کے پاس آ گیا غار کا منہ کھلا تھا وہ دبے پاؤں اندر داخل ہو گیا اندر سوائے گرے پڑے پتھروں کے اور کچھ نہ تھا ڈاکو وہاں سے فرار ہو چکے تھے عنبر غار سے باہر نکل کر پتھروں پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ ڈاکو کہاں ہو گے۔

وہ اس شہر میں اجنبی تھا روم ایک بہت بڑا شہر تھا اور عنبر کو اس شہر کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا اسے اتنی ضرور خبر تھی کہ اس شہر پر ایک ایسا رومی شہنشاہ حکومت کرتا ہے جو بڑا ظالم اور بے رحم ہے جو قیدیوں

کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیتا اور بہت خوش ہوتا ہے اور شور مچاتا ہے۔جس نے اپنی دو بیویوں کو محض اس جرم کی بنا پر شیروں کے آگے ڈال دیا تھا کہ انہوں نے ایک بار اس کی طرف مسکرا کر نہیں دیکھا تھا اس کا اس بڑے شہر میں جاننے والا بھی کوئی نہیں تھا وہ کسی سے سائیکی اور اس کے سوداگر باپ کے بارے میں پوچھ بھی نہیں سکتا تھا۔

مجبوراً عنبر واپس سوداگر کی حویلی میں آ گیا اور رات کو بستر پر لیٹ کر یہی سوچتا رہا کہ وہ پہلے سوداگر اور اس کی بیٹی کو تلاش کرے یا اپنے دوست سانپ کی تلاش میں گھر سے نکلے؟ اس کا خیال تھا کہ اگر سانپ پہلے مل جائے تو پھر ڈاکوؤں کو تلاش کرنے میں آسانی ہو سکتی تھی سانپ ان کی بو سونگھ کر ان کا پیچھا کر سکتا تھا۔آخر اس نے اپنے دوست سانپ کو پہلے تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا اور سو گیا جانے رات

کتنی گزر چکی تھی کہ عنبر کی ایک دم آنکھ کھل گئی اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سینے میں پوری طاقت سے خنجر گھونپ دیا ہے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

واقعی ایک لمبا چوڑا خنجر پورے کا پورا اس کے سینے میں دل کے اندر تک گھسا ہوا تھا اور ایک نقاب پوش دور کھڑا اس کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا عنبر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اجنبی قاتل کچھ حیران سا ہوا کہ عنبر کے سینے میں پورا خنجر گھسا ہوا ہے اور وہ درد سے تڑپنے کی بجائے مسکرا رہا ہے پھر اس کے سینے سے خون بھی نہیں بہہ رہا عنبر نے اس کی حیرانی کو اور زیادہ کرنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھا کر اپنے سینے سے خنجر نکال کر اس آدمی کی طرف پھینک دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

قاتل نے زمین پر سے خنجر اٹھا کر اسے غور سے دیکھا خنجر پر خون کا

ایک قطرہ تک نہیں لگا ہوا تھا اس کی آنکھیں تو پھٹی کی پھٹی رہ گئیں
کیونکہ عنبر بھی بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا
تھا قاتل نے جھٹ پیچھے ہٹ کر کمان میں تیر اجوڑا اور کھٹاک سے
پوری طاقت کے ساتھ عنبر کے سینے پر چلا دیا تیر بھی آدھے سے زیادہ
عنبر کے سینے میں داخل ہو گیا عنبر نے اسے بھی یوں پکڑ کر باہر کھینچ دیا
جیسے وہ ربڑ کے اندر لگا ہو، نہ زخم ہوا نہ خون بہا قاتل نے دوسرا تیر جوڑ
کر مارا۔ اس کو بھی عنبر نے پکڑ کر باہر نکال دیا اور بستر پر سے اٹھ کر
نیچے اتر آیا اور قاتل کی طرف بڑھا قاتل کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور
وہ کھڑکی میں سے دوسری طرف کود گیا گھبراہٹ میں اسے معلوم نہ ہو
سکا کہ وہ جس کھڑکی میں سے کود رہا ہے وہ تالاب پر نہیں بلکہ نوکیلی
چٹانوں کے اوپر کھلتی ہے۔ چنانچہ نیچے جاتے ہی قاتل کا جسم نوکیلی
چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اس کی لاش کو گھر کے نوکروں اور

کنیزوں میں سے کوئی بھی نہ پہچان سکا کہ وہ کون تھا عنبر نے یہی
اندازہ لگایا کہ وہ یقیناً ان دو ڈاکوؤں میں سے ایک ہو گا جو عنبر سے
سائیکی کے اغوا کا بدلہ لینے آیا ہو گا۔

اپنے رات والے فیصلے کے مطابق عنبر امیر سوداگروں کی سرائے میں
اپنے دوست ناگ پھنی کو تلاش کرنے آ گیا پہلے روز کی طرح سرائے
کے مالک نے اس دن بھی اسے اندر نہ گھسنے دیا اور عنبر باہر ہی بیٹھ کر
آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا سارا دن وہ سرائے کے باہر بیٹھا رہا مگر
اپنے دوست سانپ عرف ناگ پھنی کی اسے ایک جھلک بھی دکھائی نہ
دی شام کو نا امید ہو کر عنبر گھر واپس آ گیا رات کے کھانے پر عنبر نے
کنیز سے باتوں ہی باتوں میں پوچھا۔

بی بی، تمہارا کیا خیال ہے وہ آدمی کون تھا جو مجھے جان سے مارنے آیا
تھا مگر کھڑکی سے گر کر خود ہلاک ہو گیا؟

کنیز نے کہا۔

مالک میرا تو خیال ہے کہ یہ وہی ڈاکوؤں میں سے تھا وہ آپ سے بدلہ لینے آیا تھا۔

میرا بھی یہی خیال ہے مگر سوال یہ ہے کہ سوداگر اور اس کی بیٹی سائیکی کو ان لوگوں نے کہاں چھپا رکھا ہوگا۔؟

کنیز نے سرگوشی میں کہا۔

بڈھے غلام کو سب کچھ معلوم ہے وہ ضرور ڈاکوؤں سے ملا ہوا ہے۔

عنبر نے کہا۔

مگر وہ تو ایک بات بھی زبان سے نہیں نکالتا چاہے جتنا پوچھو جتنا مارو خاموش رہتا ہے۔یہی کہتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔

مالک اسے مار کھانے کی عادت ہوگئی ہے وہ اس طرح کبھی بھی نہیں بکے گا۔

عنبر نے پوچھا۔

پھر اس سے ڈاکوؤں کو کس طرح سراغ لگایا جائے؟

کنیز بولی۔

ایک ہی طریقہ ہے کہ چھٹی کے دن جب یہ شہر کی سیر کو جائے تو اس کا پیچھا کیا جائے وہ ضرور ڈاکوؤں سے جا کر ملتا ہوگا اس نے ڈاکوؤں کے ساتھ بنا کر رکھی ہوئی ہے جب ہی تو بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتا ہے۔

ٹھیک ہے میں اس کا تعاقب کروں گا تم کسی سے ذکر مت کرنا۔

میں کیوں ذکر کروں گی بھلا میں اپنے مالک کی نمک حرام نہیں ہوں میں تو اس کی وفادار ہوں دیوتا میرے مالک اور اس کی بیٹی کو اپنی حفاظت میں رکھیں۔ جانے بے چارے کہاں ہوں گے؟ کس حال میں ہوں گے؟

عنبر نے کنیز کو تسلی دی کہ وہ بالکل فکر نہ کرے اس کے مالک اور بیٹی سائیکی کو ہر حال میں تلاش کیا جائے گا۔

میں اس وقت تک کوئی اور کام نہیں کروں گا اور نہ اس شہر سے آگے سفر کروں گا جب تک تمہارے سوداگر مالک اور اس کی بیٹی سائیکی کا سراغ نہیں لگا لیتا۔

اب ذرا یہ دیکھتے ہیں کہ سانپ ناگ پھنی کس حال میں ہے اور کہاں ہے۔؟

ایران سے عنبر سے جدا ہو کر ناگ پھنی سیدھا روم کی طرف روانہ ہوا تھا راستے میں جگہ جگہ پڑاؤ ڈالتا، آرام کرتا ناگ پھنی ایک انسان کی شکل میں روم کی طرف مسلسل سفر کر رہا تھا جب روم ایک دن کے سفر پر رہ گیا تو ناگ پھنی نے ایک چشمے کے کنارے رات گزارنے کا فیصلہ کیا اور زمین پر قالین بچھا کر لیٹ گیا اس کا گھوڑا اس کے پاس ہی بندھا

ہوا تھا اسے وہاں لیٹے ابھی ایک آدھ پل ہی ہوا تھا کہ گھوڑوں کے سموں کی ٹاپ نے اسے خبر دار کر دیا وہ لیٹا رہا اس کا خیال تھا کہ مسافر ہوں گے اور اس کے قریب سے ہو کر گزر جائیں گے۔

لیکن ایسا نہ ہوا۔

یہ وہی دو ڈاکو تھے جنہوں نے سائیکی اور اس کے باپ کو قید کر رکھا تھا اور اب عنبر کو قتل کرنے کی فکر میں تھے ناگ پھنی اس صورت حال سے بے خبر تھا ڈاکو اس کے ارد گرد آ کر کھڑے ہو گئے ایک نے ناگ پھنی کو غور سے دیکھا اور کہا۔

کون ہو تم؟ اور تمہاری جیب میں سونا چاندی کتنا ہے۔؟

ناگ پھنی دل ہی دل میں مسکرایا، اس نے سوچا ذرا دل لگی ہی کر کے دیکھ لیں اس نے کہا۔

حضور! میں غریب ہوں اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے صرف

یہ گھوڑا ہی ہے ہاں اگر میرے ساتھ میرے گھر چلیں تو وہاں میرے پاس ہیرے جواہرات سب کچھ ہیں۔

ڈاکوؤں کی تو آنکھیں کھل گئیں دوسرے ڈاکو نے حکم دے کر کہا۔

چلو اٹھو اور ہمارے ساتھ چلو۔ اور سنو۔ اگر تم نے راستے میں شور مچانے کی کوشش کی تو ہم تمہیں اسی وقت خنجر مار کر ہلاک کر دیں گے۔

ناگ پھنی نے جھوٹ موٹ گڑ گڑا کر اور ہاتھ جوڑ کر کہا۔

حضور! میری بھلا اتنی جرات کہاں کہ آپ جیسے بہادر لوگوں کا مقابلہ کر سکوں میں آپ کو سیدھا اپنے گھر لے چلوں گا وہاں چل کر آپ جس قدر چاہے سونا چاندی لوٹ لیں۔

ناگ پھنی اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر دونوں ڈاکوؤں کے آگے آگے چل پڑا۔ اب وہ راستے میں سوچنے لگا کہ ان لوگوں کو کس کے گھر لے کر چلے اس کا اپنا گھر تو کوئی بھی نہیں تھا پھر اس نے سوچا کہ کسی بھی

امیر آدمی کے گھر کے باہر انہیں کھڑا کر کے خود اندر جائے گا اور دوسری طرف سے باہر نکل جائے گا۔

وہ اپنی طرف سے دل لگی کر رہا تھا کیونکہ پہنچنا تو اسے ہر حال میں اسی شہر میں تھا جس شہر یعنی روم کی طرف وہ ڈاکو سفر کر رہے تھے سفر شروع ہو رہا تھا اگلی صبح کو وہ تینوں روم شہر کے اندر داخل ہو گئے۔

ڈاکوؤں کو اس اجنبی نوجوان سے بڑا لالچ تھا انہوں نے اس وقت تک سائیکی اور اس کے باپ کو اغوا کر لیا ہوا تھا اور وہاں سے پیسے نہ ملنے کی وجہ سے انہیں سخت پریشانی تھی اور پیسوں کی اشد ضرورت بھی تھی؟ چنانچہ انہوں نے ناگ پھنی جیسی موٹی مرغی کو اپنی آنکھوں سے ادھر اُدھر نہ ہونے دیا روم شہر کے اندر داخل ہو کر انہوں نے ناگ پھنی سے کہا۔

کہاں ہے تمہارا گھر؟

حضور! بس تھوڑے ہی فاصلے پر ہے۔

چلتے چلتے ناگ پھنی کو سامنے ایک مکان نظر آیا اس نے اسی مکان کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہی میرا گھر ہے۔

حضور! آپ میرا گھوڑا لے کر یہاں ٹھہریں میں اندر جا کر ابھی سارا زیور اور ہیرے جواہرات لا کر دیے دیتا ہوں۔

ڈاکو نے کہا۔

اگر تم نے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو ہم رات کو آ کر تمہارے مکان کو آگ لگا کر تمہیں قتل کر دیں گے۔

ایسا ہر گز نہیں ہوگا حضور! ہر گز نہیں ہوگا۔ آپ ایک پل کے لئے یہاں ٹھہریں میں ابھی سارا مال لے کر آتا ہوں۔

ناگ پھنی نے گھوڑا ان ڈاکوؤں کے پاس ہی چھوڑا اور خود اس مکان کی ڈیوڑی میں داخل ہو گیا اس کا خیال تھا کہ وہ ڈیوڑی میں ہی

سانپ بن کر غائب ہو جائے گا لیکن اس نے اندر مکان میں سے کسی عورت کے سسکیاں بھرنے اور رونے کی آواز سنی وہ ڈیوڑی میں سے گزر کر اندر مکان کے صحن میں آ گیا اس نے کان لگا کر سنا ایک عورت کمرے میں دیوتاؤں سے رو رو کر دعا مانگ رہی تھی۔

اے مقدس دیوتاؤ۔ میری مالکن اور مالک کو ڈاکوؤں کے پنجے سے چھڑا دو میں تمہارے مندر میں گھی کے چراغ جلاؤں گی میری مالکن تو بھولی بھالی معصوم لڑکی ہے۔

ناگ پھنی کو اس عورت پر ترس آ گیا کہ بے چاری کس مصیبت میں گرفتار ہو کر دیوتاؤں کے آگے رو رو کر دعائیں مانگ رہی ہے اس نے اس دکھی عورت کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا ناگ پھنی نے دروازے پر دستک دی عورت نے دروازہ کھول کر پوچھا۔

کون ہو تم؟ اور یہاں کیا لینے آئے ہو؟

یہ باتیں بعد میں کریں گے میں تمہاری مدد کرنے یہاں آ گیا ہوں یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہاری مالکن اور مالک کو کون لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں۔

یہ سائیکی کی کنیز کا گھر تھا جو دیوتاؤں کے آگے دعا مانگنے اپنے گھر آ گئی تھی اس نے ناگ پھنی کو سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ ڈاکوئی روز سے اس کی مالکن سائیکی اور اس کے باپ کو اغوا کر کے جانے کہاں لے گئے ہیں۔ ناگ پھنی نے کہا۔

اس وقت میں خود دو عدد ڈاکوؤں کے پنجے میں پھنسا ہوا ہوں ذرا باہر گلی میں جھانک کر دیکھو یہ ڈاکو ہی تو نہیں ہیں؟

کنیز نے اس رات ڈاکوؤں کی ایک جھلک دیکھ لی تھی اس نے کھڑکی میں سے باہر جھانک کر دیکھا اور فوراً پہچان لیا۔

یہی وہ ڈاکو ہیں جنہوں نے میری مالکن اور مالک کو اغواء کیا ہے۔

ناگ پھنی نے کنیز کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
بس اب فکر نہ کرو، مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہاری مالکن کا مکان کہاں ہے۔؟
کنیز نے دریا کنارے والی حویلی کا پورا پتہ بتا دیا ناگ پھنی کو ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ اس حویلی میں عنبر اس کا انتظار کر رہا ہو گا اس نے کنیز کو وہیں چھوڑا اور خود باہر آ کر ڈاکوؤں سے کہنے لگا۔
حضور! میری ماں سارا سونا اور جواہرات لے کر دوسرے مکان میں چلی گئی ہے آپ میرے ساتھ دوسرے مکان میں چلئے میں آپ کو وہاں سے سارا مال لا کر دوں گا۔
ڈاکو نے طیش میں آ کر کہا۔
کمینے بکواس کرتا ہے۔ چل ہمارے ساتھ جنگل میں ہم ابھی تجھ سے سارا مال برآمد کر لیتے ہیں۔

دونوں ڈاکو ناگ پھنی کو پکڑ کر شہر سے باہر ویران جگہ پر لے گئے اور
اسے کوڑوں سے مارنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک تو ناگ پھنی
خاموش رہا پھر اس نے سوچا کہ بھاڑ میں جائے ایسا مذاق اور دل لگی،
یہ کمبخت تو مجھے مار کر ہی دم لیں گے فوراً پھنکار مار کر سیدھا ہو گیا اور
ایک خونخوار شیر بن کر اس زور سے دھاڑا کہ دونوں ڈاکو ششدر ہو کر
رہ گئے ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں۔
ابھی ایک آدمی ان کے سامنے کھڑا ہاتھ جوڑ رہا تھا اور ابھی وہ شیر بن
گیا وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دیوانوں کی طرح ایک طرف کو بھاگے کچھ
دور تک ناگ پھنی نے شیر بن کر ان کا تعاقب کیا پھر سانپ کے روپ
میں ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ وہ اصل میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا
کہ ڈاکوؤں کا ٹھکانہ کس جگہ ہے اور انہوں نے کنیز کی مالکہ سائیکی اور
اس کے باپ کو کہاں پر چھپا رکھا ہے ڈاکو ناگ پھنی کی نظروں سے

اوجھل ہو گئے تھے وہ صرف ان کی بو سونگھ کر آگے بڑھ رہا تھا شہر سے کافی دور ویران چٹیل پہاڑوں میں ایک کھنڈر کے پاس جا کر سانپ رک گیا یہاں ان دونوں کی بڑی تیز بو آ رہی تھی۔ آخر اس نے ایک طرف پہاڑ میں سوراخ دیکھا اور اس سوراخ کے اندر داخل ہو گیا یہ سوراخ ایک بہت بڑے غار کا منہ تھا جسے ڈاکوؤں نے پتھروں سے بند کر دیا تھا اندر ایک سرنگ چلی گئی تھی ناگ پھنی دیوار پر رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا پھر اس نے دیکھا کہ دونوں ڈاکو ایک جگہ پتھروں پر بیٹھے اس واقعہ پر حیرت کا اظہار کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

ایسے لگتا ہے جیسے خواب دیکھا ہو............

ڈراؤنا خواب..........

بھید کھل گیا

وہ ایک ڈراؤنا خواب ہی تھا، جو ڈاکوؤں نے دیکھا تھا۔

اور اب وہ ایک اور ڈراؤنا خواب دیکھنے والے تھے سانپ دیوار کے ساتھ لگا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ڈاکوؤں نے سائیکی اور اس کے والد کو کس جگہ پر چھپا رکھا ہے۔ اتنے میں ایک ڈاکو نے کہا۔

میں تو کہتا ہوں اس بڈھے کا کام تمام کر کے سائیکی کو دوسرے شہر میں لے جا کر فروخت کر دیتے ہیں خواہ مخواہ انکا ایک بوجھ ہم نے اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔

جیسے تمہاری مرضی لیکن آج کا دن انتظار کر لو شاید وہ ہمیں بتا دے کہ

اس نے اپنا خزانہ کس جگہ چھپا رکھا ہے۔

ٹھیک ہے لیکن آج اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا کل تک وہ خزانے کا پتہ بتائے یا نہ بتائے ہم اسے ضرور ٹھکانے لگا دیں گے۔

ٹھیک ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اٹھ کر دیوار کے عقب میں جا کر سلاخدار دروازے کو کھولا اور اندر داخل ہو گئے تھوڑی دیر بعد وہاں سے سائیکی کی چیخوں کی آوازیں آنے لگیں صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ڈاکو اس معصوم لڑکی پر ظلم کر رہے ہیں تاکہ اس کا باپ بیٹی کو مار پڑتے دیکھ کر خزانے کا پتہ بتا دے سانپ سے سائیکی کی چیخیں برداشت نہ ہو سکیں وہ دیوار پر سے رینگتا ہوا سلاخ دار دروازے کی اوٹ میں آ گیا اس نے دیکھا کہ ڈاکوؤں نے دونوں باپ بیٹی کو زنجیروں کے ساتھ دیوار کے ساتھ باندھ رکھا تھا ایک ڈاکو ہنٹر سے بے چاری سائیکی کو بری

طرح پیٹ رہا تھا اور وہ رو رو کر رحم کی بھیک مانگ رہی تھی سائیکی کے
جسم سے خون بہہ رہا تھا مگر ڈاکوؤں کو بالکل رحم نہیں آرہا تھا سانپ کو
بے حد غصہ آگیا اس نے اسی وقت ان دونوں سنگ دل انسانوں کا
کام تمام کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ پہلے کس کو ڈس کر ہلاک کرے سانپ نے دیکھا
کہ ایک ڈاکو تو سائیکی کو مار رہا تھا اور دوسرا پتھر پر آرام سے بیٹھا بطخ
کی بھنی ہوئی ٹانگ چبا رہا تھا سانپ نے دوسرے ڈاکو کو پہلے ڈسنے
کے لئے چن لیا اور بہت سوچ سمجھ کر دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا
اس کی طرف بڑھنے لگا جب وہ دوسرے ڈاکو کے پیچھے آکر آہستہ
آہستہ پھن پھیلا کر کھڑا ہونے لگا تو سائیکی کے باپ نے اسے دیکھ لیا
اور خوف کے مارے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

سانپ سانپ۔

اتنا سن کر ہنٹر مارنے والے ڈاکو نے پلٹ کر پیچھے دیکھا مگر اس دوران میں سانپ اپنا کام کر چکا تھا اس نے لپک کر دوسرے ڈاکو کو ڈس دیا اور اب غار کے اندر کہیں غائب ہو چکا تھا دوسرا ڈاکو ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گیا پہلے ڈاکو نے خنجر نکال کر سانپ کے کاٹے ہوئے زخم کو کریدنا شروع کر دیا لیکن ناگ پھنی کا زہر کوئی معمولی زہر نہیں تھا یہ ایک ایسے سانپ کا زہر تھا جو دو سو برس سے اس زمین پر زندہ تھا اس کا زہر تو پلک جھپکتے میں دوسرے ڈاکو کے خون میں شامل ہو کر اسکے سارے بدن میں پھر گیا تھا پہلا ڈاکو خنجر سے زخم کرید ہی رہا تھا کہ دوسرا ڈاکو بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا اور طیش میں آ کر سائیکی اور اس کے باپ کی طرف مڑا اور ہنٹر سے ان دونوں کو بے تحاشا مارنے لگا۔

ذلیل انسانوں، صرف تمہاری وجہ سے میرا دوست مر گیا ہے۔

اب میں تم دونوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔اپنی موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اوراس کے ساتھ ہی ڈاکو نے ہنٹر پھینک کرمیان میں سے تلوار نکالی اور ہوا میں لہرا کران کی طرف بڑھا دی دوسری طرف سانپ بھی دوبارا حملہ کرنے کے لئے وہاں موجود تھا وہ تلوار کے پیچھے آ کر اپنا پھن پھیلا چکا تھا جوں ہی ڈاکو نے تلوار فضا میں بلند کی سائیکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔اور سانپ نے فوراً منہ آ گے کر کے پہلے ڈاکو کو بھی پنڈلی پر ڈس لیا اور پھر پتھروں کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔

ڈاکو تو خوف زدہ ہو کر وہیں بیٹھ گیا تلوار اس کے ہاتھوں سے گر پڑی اور اس کا سارا بدن زہر کے اثر سے کانپنے لگا۔سانپ دیوار کی اوٹ میں ہو گیا یہاں اس نے پھنکار ماری اور پھر سے انسان کے روپ میں آ گیا اور سامنے آ کر دم توڑتے ہوئے ڈاکو سے کہنے لگا۔

تم جیسے ظالم اور قاتل لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔

ڈاکو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

دیوتا کے لئے میری جان بچالو میں زندہ رہنا چاہتا ہوں مجھ پر رحم کرو۔

ناگ پھنی نے کہا۔

تم نے کسی انسان پر رحم کھایا ہوتا تو آج تم پر بھی کوئی رحم کھاتا تم نے ہمیشہ بے گناہ لوگوں پر ظلم کیا اب اپنے کیے کی سزا بھگتو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

ناگ پھنی کی آنکھوں کے سامنے پہلے ڈاکو نے بھی دم توڑ دیا زمین پر دونوں ڈاکوؤں کی لاشیں پڑیں تھیں ناگ پھنی نے آگے بڑھ کر دونوں باپ بیٹی سائیکی اور اس کے باپ کی زنجیریں کھول دیں سائیکی کے باپ نے کہا۔

نیک دل نوجوان ۔تو کون ہے اور تجھے کیسے پتہ چلا کہ ہم باپ بیٹی یہاں زندگی اور موت کے درمیان لٹکے ہوئے ہیں۔

بس پتہ چل ہی گیا، میرے ساتھ چلیے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آتا ہوں۔

تمہارا شکریہ ہم کس زبان سے ادا کریں؟ لیکن میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آرہی کہ تم ڈاکوؤں کی خفیہ جگہ پر اکیلے پہنچ کیسے گئے؟ اور وہ سانپ کہاں سے آگیا؟

ناگ پھنی نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

بڑے میاں ۔تم کو اتنی زیادہ فکر کیوں ہے کہ میں یہاں کیسے آیا بہر حال تمہیں ڈاکوؤں کے پنجے سے چھڑانے ہی آیا ہوں اور پھر اس قسم کے غاروں میں تو سانپ ہوا ہی کرتے ہیں۔

سائیکی نے کہا۔

مجھے حیرت ہے اس بات پر کہ سانپ نے ہمیں کچھ نہیں کہا دونوں مرتبہ اس نے ڈاکوؤں کو ہی آ کر ڈسا۔

تو کیا تم یہ چاہتی تھیں کہ سانپ ڈاکوؤں کی بجائے تم دونوں کو ہلاک کر دیتا اگر ایسا ہے تو سانپ شاید پھر آ جائے۔

سائیکی کے باپ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

دیوتا تمہیں سلامت رکھیں ایسا ہرگز نہ کرنا ہماری زندگی بچ گئی ہم تو تمہارا احسان ساری زندگی نہیں بھلا سکتے۔

سائیکی اور اس کا باپ ناگ پھنی کے ساتھ غار سے باہر آ گئے یہاں ڈاکوؤں کے دونوں گھوڑے درختوں کے نیچے بندھے ہوئے تھے وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور شہر میں اپنی حویلی کی طرف بڑھنے لگے حویلی میں کنیز نے ناگ پھنی کے ساتھ اپنے مالک اور اس کی بیٹی کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گئی اب اس نے بتایا کہ کس طرح نوجوان

اس کی آہ وزاری سن کر ان کی مدد کو روانہ ہوا تھا سائیکی نے اس کے باپ نے ناگ پھنی کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔ اسے طلائی تخت پر بٹھایا غلاموں نے اس کے آگے کھانا چن دیا سائیکی کے والد نے عنبر کے بارے میں پوچھا۔

کنیز نے کہا۔

وہ اپنے کسی دوست کی تلاش میں نکلے ہیں آتے ہی ہوں گے ناگ پھنی کا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں وہ شخص جس کے بارے میں سائیکی کا باپ پوچھ رہا ہے۔ عنبر ....اس کا محسن ہی نہ ہو اس نے پوچھا۔

آپ کس نوجوان کی بات کر رہے ہیں؟

سائیکی نے کہا۔

اس کے اندر بھی تمہاری طرح انسانی ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ابھی آجائے گا تو تمہیں ملوائیں گے۔

ناگ پھنی خاموشی سے کھانا کھاتا رہا پھر وہ سائیکی کے باپ کے ساتھ مل کر قہوہ پینے لگا اتنے میں دروازے کا پردہ ایک طرف اٹھا اور عنبر اندر داخل ہوا اس نے ناگ پھنی کو بالکل نہ پہچانا کیونکہ وہ کسی اجنبی نوجوان کے روپ میں تھا مگر ناگ پھنی نے اسے اسی وقت پہچان لیا اور اٹھ کر آگے بڑھا۔

میرے محسن میرے وفادار دوست۔

عنبر سمجھ گیا کہ اس کے سامنے ناگ پھنی انسان کی شکل میں کھڑا ہے وہ بھی ناگ پھنی سے بغلگیر ہو گیا اب گھر کے باقی لوگ بھی سمجھ گئے کہ دونوں بچھڑے ہوئے دوست تھے جنہیں تقدیر نے ان کے گھر میں ملا دیا عنبر نے سائیکی اور اس کے باپ کو مبارک باد دی کہ اس کے دوست کی وجہ سے وہ پھر اپنے گھر آ گئے ناگ پھنی نے سارا واقعہ عنبر کو سنا دیا لیکن اس نے سب کے سامنے یہ ظاہر نہ کیا کہ اس نے سانپ

بن کرڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا تھا بس یہی کہا۔

خوش قسمتی سے وہاں ایک سانپ آ گیا جس نے ڈاکوؤں کو ڈس لیا ورگرنہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنا بڑا مشکل تھا۔

سائیکی کے باپ نے کہا۔

اگر عین وقت پر سانپ نہ آتا تو ڈاکو ہم دونوں باپ بیٹی کو قتل کر چکے ہوتے۔

عنبر مسکرانے لگا کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ سانپ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا اس نے ناگ پھنی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

شاباش میرے دوست تم نے ایک غم نصیب بوڑھے باپ اور اس کی بے گناہ بیٹی کی مدد کر کے انسانیت کا نام اونچا کر دیا ہے۔

میں تمہارے اس نیک کام سے بے حد خوش ہوا ہوں۔

ناگ پھنی نے مسکرا کر کہا۔

میرے دوست میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے میری جگہ آپ ہوتے تو یہی فرض ادا کرتے۔

یہ ساری گفتگو وہ مکار غلام بھی سن رہا تھا جوڈاکوؤں سے ملا تھا اسے اپنے دوستوں کے ہلاک ہونے اور سائیکی اور اس کے باپ کے بچ نکلنے کا از حد صدمہ ہوا تھا اس نے اسی وقت دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اس نوجوان سے ضرور انتقام لے گا اب رات کا انتظار کرنے لگا اس کا ارادہ رات کو سوتے میں ناگ پھنی کو قتل کر دینے کا تھا کم بخت کی موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔

رات گئے تک عنبر اور ناگ پھنی آپس میں باتیں کرتے رہے ناگ پھنی نے اسے بتایا کہ اس کو مصر میں ہی دیر ہو گئی و گرنہ روم میں کب کا پہنچ گیا ہوتا عنبر نے اسے کہا کہ اس نے روم کی ایک ایک سرائے کی خاک چھان ماری پھر اس نے امیر سوداگروں کی سرائے کی گنجے اور

بدتمیز مالک کا قصہ بھی سنایا کہ اس نے اس کے ساتھ انتہائی بدتمیزی کا سلوک کیا پھر ناگ پھنی نے کہا کہ کل اس کے پاس چل کر ذرا اس کی خبر لیں گے۔

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے وہ اپنے اپنے کمرے میں جا کر سو گئے ناگ پھنی رات کو جب بھی انسان کی شکل میں سوتا تھا تو اس کی آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی تھیں چنانچہ اس رات بھی وہ گہری نیند سو گیا مگر اس کی دونوں آنکھیں کھلی تھیں ادھر مکار غلام اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا اس نے جب تسلی کر لی کہ ناگ پھنی سو گیا ہے تو وہ دبے پاؤں اس کے کمرے میں داخل ہو گیا قالین پر قدم قدم چلتا ہاتھ میں خنجر چھپائے وہ ناگ پھنی کے پلنگ کی طرف عقب سے بڑھنے لگا ناگ پھنی اگرچہ انسان کی شکل میں سو رہا تھا مگر آخر وہ سانپ تھا اس کی حس بڑی تیز تھی سوتے ہی اس کے نتھنوں میں کسی اجنبی انسان کے بدن کی

بو تیز داخل ہوئی اور اس کی نیند ٹوٹ گئی اس نے اندھیرے میں دیکھا
کہ سائیکی کا غلام خنجر ہاتھ میں لئے بڑی احتیاط کے ساتھ ایک ایک
قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھ رہا ہے وہ سمجھ گیا کہ یہ غلام ضرور ڈاکوؤں
سے ملا ہوا ہوگا اور اب اس سے ڈاکوؤں کی موت کو بدلہ لینا چاہتا ہے
وہ چوکنا ہو گیا وہ یہ دیکھنے لگا کہ غلام کب اس کے قریب آتا ہے جب
مکار حملہ آور ناگ پھنی کی اپنی زد میں آگیا اور اس نے بستر پر لیٹے
لیٹے زور سے پھنکار ماری اور سانپ کی شکل اختیار کر کے اپنا پھن اٹھا
کر اس کے سامنے لہرانے لگا۔ غلام کے تو خوف کے مارے پسینے
چھوٹ گئے اپنے سامنے ایک اچھے بھلے سوئے ہوئے انسان کو یک
لخت سانپ بنتا دیکھ کر اس کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ کر زمین پر گر پڑا
اور وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

ناگ پھنی نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ چونکہ غلام نے ہاتھ جوڑ کر

معافی مانگ لی ہے اس لئے وہ اسے کچھ نہیں کہے گا مگر وہ اپنا پھن اسی طرح لہراتا رہا لیکن بدقسمت غلام نے یہ ایک چال چلی تھی وہ آہستہ سے کھسکتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا سانپ وہیں کھڑا اس کی ایک ایک حرکت کو غور سے دیکھتا رہا غلام نے پیچھے ہٹ کر لپک کر دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی تلوار کھینچ لی اور ناگ پھنی پر حملہ کر دیا گر سانپ پہلو بدل کر دوسری طرف نہ ہٹ جاتا تو غلام کی تلوار نے اس کے دو ٹکڑے کر دینے تھے۔

اب غلام تلوار سے وار پر وار کر رہا تھا اور سانپ اپنی جان بچانے کے لئے ادھر اُدھر پہلو بدل رہا تھا اب تو ناگ پھنی کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی اس نے سوچا اگر وہ سانپ کی جون میں ہی رہا تو غلام ضرور تلوار مار کر اسے شدید زخمی کر دے گا بہتر یہی ہے کہ کسی دوسرے جانور کی شکل اختیار کی جائے۔

کوئی ایسا جانور جسے اگر تلوار کا ایک آدھ ہاتھ لگ بھی جائے تو وہ زخمی
نہ ہو اس کے لئے ناگ پھنی کے ذہن میں صرف ہاتھی کا خیال ہی آیا
چنانچہ اس نے پیچھے ہٹ کر زور سے پھنکار ماری اور دوسرے لمحے
غلام نے دیکھا کہ کمرے میں فرش سے لے کر چھت تک ایک بہت
بڑا ہاتھی کھڑا جھول رہا ہے اور بار بار اس کی طرف اپنی سونڈ لہرا رہا تھا
اب تو غلام بے حد گھبرا گیا اس کا خیال تھا کہ ناگ پھنی کوئی جادوگر ہے
اور یہ سب کچھ جادو کے زور سے کر رہا ہے اس نے پھر بھی ہمت نہ
ہاری اور ہاتھی کی سونڈ کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کرنے کی کوشش شروع کر
دی۔ مگر اتنے بڑے ہاتھی کے آگے اس کی کچھ بھی پیش نہ گئی۔
ہاتھی نے آگے بڑھ کر اپنی سونڈ کا دو من وزنی مکہ غلام کی پسلیوں میں
دے مارا اور اس کی کمر کے دو ٹکڑے ہو گئے مکار غلام مردہ ہو کر زمین
پر گر پڑا ناگ پھنی اسی وقت دوبارہ انسانی شکل میں آ گیا اور اس نے

حویلی میں شور مچا کر سب کو بلا لیا گھر کے سارے لوگ وہاں جمع ہو گئے سائیکی کو معلوم ہوا کہ غلام اسے قتل کرنے آیا تھا تو بے حد حیران ہوئی کنیز نے کہا۔

مالکہ مجھے تو اس کمینے پر پہلے روز ہی سے شک تھا اسی نے ڈاکوؤں کو اس رات بتایا تھا کہ آپ کس کمرے میں سو رہی ہیں۔

عنبر نے کہا۔

مجھے خود اس پر شک تھا آخر ہمارا شک درست ثابت ہوا بہر حال دیوتاؤں کا شکر ہے کہ ہمارے دوست کی جان بچ گئی اور قتل کرنے کی نیت سے آنے والا خود ہی اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ گیا۔

صبح کو سائیکی کے باپ نے اس خوشی میں اپنی حویلی یا چھوٹے سے محل میں دوستوں کی ایک شاندار دعوت کی جس میں ہر قسم کے پرندوں کا گوشت بھونا گیا دعوت میں عنبر نے ناگ پھنی کو ایک طرف لے جا کر

پوچھا۔

کم از کم مجھے تو بتا دو کہ تم نے حملہ آور کی کمر کے دو ٹکڑے کس ہتھیار سے کیے تھے۔؟

ناگ پھنی نے مسکرا کر کہا۔

کیا تم یقین کر لو گے میں ہاتھی بن کر اس کے سامنے آ گیا تھا مگر کم بخت ذرا نہیں ڈرا اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے مجھے انسان سے سانپ کی شکل میں آتے دیکھا ذرا گھبرایا مگر پھر ہوشیار ہو کر تلوار چلانے لگا۔ اگر میں ہاتھی نہ بنتا تو وہ مجھے تلوار سے شدید زخمی کر دیتا۔

عنبر نے کہا۔

ہاتھی بن کر تمہیں کچھ عجیب سا نہیں لگا تھا؟

ناگ پھنی نے ہنس کر کہا۔

بس یوں لگا تھا جیسے میں سارے کمرے میں بھر گیا ہوں ابھی تک مجھے

اپنے کندھوں پر بوجھ سا محسوس ہو رہا ہے غور سے دیکھو یار عنبر کہیں میں ابھی تک ہاتھی تو نہیں ہوں؟ کہیں میری ناک پر سونڈ تو نہیں نکل رہی؟ اور دونوں دوست دیر تک ہنستے مسکراتے رہے۔

ہیلن آف ٹرائے

روم میں ایک ظالم اور جابر بادشاہ کی حکومت تھی۔

عنبر نے فیصلہ کیا کہ اس شہر سے نکل کر کسی دوسرے شہر میں چلنا چاہیے اس نے روم میں رہ کر ٹرائے کے شہر کی اور وہاں کی ملکہ ہیلن کی بڑی تعریف سنی تھی کہ وہ بڑی پڑھی لکھی اور عالم فاضل ملکہ ہے اور پڑھے لکھے تہذیب والے لوگوں کی بڑی قدر کرتی ہے اس کے شہر میں

قیدیوں کو بھوکے شیروں کے آگے بھی نہیں ڈالا جاتا تھا عنبر نے اپنے فیصلے سے ناگ پھنی کو آگاہ کیا تو اس نے کہا۔

میرے دوست میں تمہارے ساتھ ہوں تم جس شہر میں جانا چاہو گے میں بھی اسی کی طرف رخ کروں گا۔

اسی روز انہوں نے سائیکی اور اس کے والد سے اجازت لی اور روم شہر سے رخصت ہونے کے لئے اس کے بازاروں میں نکل آئے۔

اچانک عنبر کو اس سرائے کے گنجے مالک کا خیال آگیا جس نے عنبر کے ساتھ بدتمیزی کی تھی اور اسے محض اس لئے سرائے کے اندر داخل نہیں ہونے دیا تھا کہ عنبر کے پاس دولت نہیں تھی ناگ پھنی نے مسکرا کر کہا۔

چلو ذرا اس گنجے سرائے والے سے دو دو ہاتھ کرتے چلیں۔ اسے ایسا سبق سکھا دیں کہ پھر کسی غریب آدمی کا مذاق نہ اڑا سکے اور اس کے

ساتھ بدتمیزی سے پیش نہ آئے۔

دونوں دوست گنجے سرائے والے کے محلے میں آ گئے عنبر نے کہا کہ وہ غریب بن کر تو وہاں نہیں جا سکتے کیونکہ سرائے کے مالک کا حکم ہے کہ اس کی سرائے میں غریبوں کی کوئی جگہ نہیں صرف امیر سوداگر ہی اس کی سرائے میں ٹھہر سکتے ہیں ناگ پھنی نے کہا۔

یہ کون سی مشکل بات ہے۔ہم ابھی امیر سوداگر بن جاتے ہیں میں سانپ ہوں اور سانپوں کے پاس تو بڑے خزانے ہوتے ہیں بلکہ ہم تو خزانوں کی خبر گیری کرتے ہیں تم آنکھیں بند کرو۔

عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اسے ایک پھنکار کی آواز سنائی دی۔

اب آنکھیں کھول کر دیکھو۔

عنبر نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔دونوں دوست انتہائی قیمتی ریشمی کپڑوں میں ملبوس تھے ان کے ساتھ دو فالتو خچر تھے جن پر

ریشم اور کم خواب کے اعلیٰ ترین کپڑوں کے تھان لدے ہوئے تھے
گویا وہ اس وقت امیر ترین سوداگروں کے بھیس میں تھے ناگ پھنی
نے مسکرا کر کہا۔
کیوں دوست! یہ حلیہ ٹھیک رہے گا ناں؟ اب تو سرائے گا گنجا مالک
ہمیں سرائے میں داخل ہونے سے نہیں روکے گا ناں؟
اب تو وہ جھک جھک کر ہمیں سلام کرتا نہیں تھکے گا۔
تو پھر آؤ.........چل کر تماشہ دیکھتے ہیں۔.............
دونوں دوست بڑے امیر اسوداگروں کے بھیس میں سرائے کے باہر
پہنچ گئے سرائے کے گنجے مالک نے جب دیکھا کہ دو زرق برق قیمتی
لباس والے سوداگر تجارت کے سامان کے ساتھ اس کی سرائے میں
آئے ہیں تو وہ خوشی سے اچھل پڑا اور لپک کران کی طرف آیا اور جھک
جھک کر سلام کرنے لگا۔

حضور تشریف لائیے! زہے قسمت! کہ آپ تشریف لائے۔

گنجے نے سہارا دے کر عنبر اور ناگ پھنی کو گھوڑے پر سے اتارا اس نے ایک لمحے کے لئے گھور کر عنبر کو دیکھا اور سوچنے لگا کہ شاید اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے پھر اس نے سر کو جھٹک دیا وہ امیر سودا گروں کی خدمت کے نشے میں سرشار تھا اسے خوب معلوم تھا کہ وہ ان سے من مانی وصول کرے گا اور خوب دولت کمائے گا۔

حضور کے غسل کے لئے گرم پانی موجود ہے حضور کے کھانے کے لئے میرے پاس خرطوم کے کبوتر بھی ہیں اور یمن کے ہرن بھی حضور جو پسند کریں میں وہی پکواؤں۔

عنبر نے گردن اکڑا کر کہا۔

ہم یہاں دیوتاؤں کی ایک رسم ادا کرنے آئے ہیں ہم شہر کے ایک ہزار غریبوں کو اعلیٰ ترین کھانا پکوا کر کھلانا چاہتے ہیں۔ کیا اس کا

بندوبست ہو سکے گا؟

گنجے سرائے والے کی تو باچھیں کھل گئیں ہزار آدمیوں کے کھانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس میں سے کئی ہزار سونے کے سکے حاصل کر سکتا تھا اس نے جھک کر کہا۔

حضور میری سرائے میں اگر آپ جائیں تو سارے روم شہر کی دعوت کا بندوبست کیا جا سکتا ہے آپ کی دعا سے میں تو خدمت ہی امیر لوگوں کی کرتا ہوں غریب آدمی کو تو میں سرائے کے اندر داخل ہی نہیں ہونے دیتا۔

ناگ پھنی نے کہا۔

تو پھر ٹھیک ہے کل شام اسی سرائے کے باہر شامیانے لگ جانے چاہیں۔شہر میں اعلان کرا دو کہ جو کوئی بھی بھوکا ہو وہ یہاں پہنچ کر پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتا ہے۔............اور سنو۔کھانے میں ہر قسم کے

پرندوں کا گوشت ہونا چاہیے یمن کے جتنے ہرن تمہارے پاس ہیں سب کو بھون ڈالو۔ دریائے فرات کے کنارے پر اگے ہوئے اعلیٰ ترین چاول کا پلاؤ پکانا۔ اگر کھانا خراب ہوا تو ہم ایک پائی بھی ادا نہیں کریں گے۔

گنجے نے گردن جھکا کر کہا۔

حضور کبھی ہو سکتا ہے کہ کھانا خراب پکے جس طرح آپ کا حکم ہوگا ویسے ہی ہوگا جناب عالی اگر آپ معزز اور امیر ترین سوداگر ہیں تو میں بھی خاندانی آدمی ہوں میری سرائے میں سے تو کبھی کبھی بادشاہ روم کے دربار میں بھی کھانا لگ کر جاتا ہے۔

بس ٹھیک ہے کھانے اور دعوت کا ابھی سے انتظام شروع کر دو اگر سونے کے کچھ سکوں کی ضرورت ہو تو ہم سے پیشگی لے سکتے ہو۔

کم بخت اگر اسی وقت کچھ سکے پیشگی لے لیتا تو اس کا نقصان اتنا

زیادہ نہ ہوتا مگر بدنصیب نے شیخی سے کام لے کر کہا۔

حضور انور اس کی کیا ضرورت ہے غلام کے پاس آپ کا دیا بہت کچھ ہے دیوتا اپالو کی قسم اگر آپ حکم کریں تو سارے روم کے لئے دعوت پکوا دوں۔

شاباش۔ ہمیں تم سے یہی امید تھی ہم بھی اسی لئے تمہاری سرائے میں آئے ہیں۔

آپ کی ذرہ نوازی ہے۔

سرائے کا گنجا مالک تو خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس کے پاس جتنی دولت جتنا سونا تھا سب کا سب دے کر اس نے اعلیٰ ترین دعوت کا انتظام شروع کر دیا سینکڑوں ہرن، مرغ، بطخیں، کبوتر، تیتر، سیمرغ، خرگوش، اور خدا جانے کیا کیا خوشبوئیں اور مصالحے خرید لئے عنبر اور ناگ پھنی اسے پاگلوں کی طرح گھوم پھر کر دعوت کا انتظام

کرتے دیکھ دیکھ کر بے حد خوش ہو رہے تھے۔

دوسرے روز شام کو سرائے کے باہر شامیانے لگ گئے شہر کے جتنے غریب اور مسکین لوگ سارے کے سارے وہاں جمع ہو گئے۔

ہزاروں کے لئے کھانا پکایا گیا تھا عنبر اور ناگ پھنی نے خود اپنی نگرانی میں غریبوں میں کھانا تقسیم کرنا شروع کر دیا غریب لوگ کھانا کھا رہے تھے۔اور دعائیں دے رہے تھے گنجے مالک کو یہ بات اگرچہ پسند نہیں تھی کہ اس کی سرائے کے باہر غریب لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو مگر عنبر اور ناگ پھنی سے اسے بے پناہ دولت ملنے والی تھی اس لئے وہ خاموش رہا۔

کھانا ختم ہو گیا غریب لوگ پیٹ بھر کر دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے عنبر اور ناگ پھنی اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سرائے کا مالک ہاتھ میں فہرست لے کر اندر داخل ہوا۔اس نے جھک کر تین بار سلام

کیا اور بولا۔

حضور انور! اخراجات کی فہرست حاضر خدمت ہے۔

ناگ پھنی نے کہا۔

ہاں۔ ہاں ضرور پیش کرو۔

ناگ پھنی نے اخراجات کی فہرست پڑھی تو حیران ہو گیا، گنجے نے ایک ایک چیز کے چھ چھ گنا زیادہ دام لگائے تھے یوں اس نے تیرہ لاکھ سونے کے سکوں کا بل بنا دیا تھا لیکن اس نے چہرے پر ایک شکن بھی نہ ڈالی کیونکہ اس نے کون سا وہ بل ادا کرنا تھا اس نے بل دیکھ کر کہا۔

کیا یہ مناسب ہے نا؟

گنجے مالک نے ادب سے موٹی گردن میں بل ڈال کر کہا۔

حضور۔ بالکل مناسب ہے میں نے ہر شے کی بڑی ہی جائز قیمت

لگائی ہے۔

ناگ پھنی نے عنبر کو بل دکھایا عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پھر گنجے کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

اس وقت ہم تھکے ہوئے ہیں صبح اٹھ کر ساری رقم ادا کر دی جائے گی

...............اور ہاں تمہیں انعام بھی دیا جائے گا تمہارا کھانا بڑا

مزے دار تھا اور دعوت کا انتظام بھی بڑا اچھا تھا۔

سرائے کے مالک نے خوش ہو کر کہا۔

حضور کی عنایت ہے حضور کی عنایت ہے یہ آپ کا غلام صبح کو حاضر ہو گا

،شب بخیر۔

شب بخیر۔

جب سرائے کا مالک چلا گیا تو دونوں دوست خوب ہنسے کیونکہ انہیں

معلوم تھا کہ صبح کو وہ اس سرائے میں نہیں ہوں گے عنبر نے کہا کہ خچروں پر لدے ہوئے ریشم اور کم خواب کے تھانوں کو بھی اپنے ساتھ ہی غائب کرنا ہوگا ناگ پھنی نے کہا کہ ہر ایک شے اس طرح غائب کر دی جائے گی کہ سرائے کا مالک ساری زندگی بھی ڈھونڈتا رہے گا تو اسے ہمارا نشان تک نہ مل سکے گا۔ اس کے بعد دونوں سو گئے صبح اٹھ کر ناگ پھنی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خچر کو ریشمی کپڑوں کے تھان سمیت غائب کر دیا اس کے بعد اس نے نوکر بھیج کر سرائے کے مالک کو بلایا اور اسے کہا کہ وہ ان کے لئے گھوڑوں کا بندوبست کرے۔

سرائے کے گنجے مالک کو تو رقم کے ساتھ ساتھ انعام ملنے کی بھی پوری امید تھی چنانچہ وہ خوشی خوشی باہر گیا اور اس نے گھوڑوں کا بندوبست کر دیا۔

حضور! خالص عربی گھوڑے آپ کے لئے لایا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

ہمیں تم سے یہی امید تھی اب ایسا کرو کہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھی گھوڑوں کے ساتھ کردو۔

سرکار! اس کا انتظام میں نے پہلے ہی کردیا ہے ہرن کی نہایت لذیذ بھنی ہوئی دو ٹانگیں تھیلوں میں بند کر کے گھوڑوں کے ساتھ لٹکا دی ہیں تاکہ حضور کو راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

ناگ پھنی نے کہا۔

یہ بتاؤ کہ یہاں سے ٹرائے کتنی دور ہے؟

سرائے کے مالک نے کہا۔

سرکار! ایک دن اور ایک رات کا سفر ہے؟

عنبر نے کہا۔

ٹھیک ہے............. اچھا اب ہم جا رہے ہیں۔

گنجا مالک ذرا پریشان ہو کر بولا۔
لیکن حضور! میری دعوت کی رقم کہاں ہے؟
ارے ہاں! ناگ پھنی نے کہا وہ تو ہم بھول ہی گئے تھے گنجے مالک نے کھسیانی سی ہنسی ہنس کر کہا۔
کوئی بات نہیں حضور ایسا ہو جایا کرتا ہے آپ امیر لوگ امیر لوگ اکثر پیسوں کے بارے میں بے نیاز ہوتے ہیں۔
ناگ پھنی نے کہا۔
یہ لو اپنی رقم۔
ناگ پھنی نے اتنا کہہ کر ایک پھنکار ماری اور سیاہ کالا سانپ بن گیا اور پھن پھیلا کر سرائے کے مالک کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنی زبان بار بار نکالنے اور جھولنے لگا۔ گنجے کا تو خون خشک ہو گیا وہ خوف کے مارے سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہو گیا عنبر نے کہا۔

لالچی انسان اب لیتا کیوں نہیں اپنی رقم؟ تو غریب آدمی کو اپنی سرائے میں داخل نہیں ہونے دیتا تھا اب ایک امیر سوداگر سے اپنی رقم وصول کیوں نہیں کرتا؟

سانپ نے ایک پھنکار ماری اور سرائے کے گنجے مالک کی گردن کے گرد لپٹ گیا یہ صدمہ اس قدر خوفناک تھا کہ سرائے کا گنجا مالک اسے برداشت نہ کر سکا اور وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر گیا ناگ پھنی فوراً انسان کے روپ میں آ گیا اور اس نے عنبر سے کہا کیا خیال ہے اب چلنا چاہیے اس لالچی شخص کو اپنے لالچ کی سزا کافی مل چکی ہے۔

ٹھیک ہے اس کے لئے اتنی سزا ہی کافی ہے۔

ناگ پھنی نے کہا

تم کہو تو میں اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر سکتا ہوں۔

نہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اب یہاں سے نکل

چلنا چاہیے۔

دونوں دوست سرائے کے باہر نکل آئے یہاں دیوار کے ساتھ ایک نوکر گھوڑے لئے کھڑا تھا اس نے جھک کر دونوں دوستوں کو سلام کیا اور سرائے کے مالک کے حکم کے مطابق دونوں گھوڑے ان کے حوالے کر دیے عنبر اور ناگ پھنی گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر ٹرائے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ملکہ ہیلن رہتی تھی۔

پورا ایک دن اور ایک رات سفر کرنے کے بعد دونوں دوست ٹرائے کے شہر میں داخل ہو گئے یہ چھوٹا سا خوبصورت شہر ایک مضبوط قلعے کے اندر بنا ہوا تھا قلعے کے دروازے پر رومن سپاہی پہرہ دے رہے تھے عنبر اور ناگ پھنی جب دروازے پر پہنچے تو سپاہیوں نے انہیں اندر جانے سے روک دیا۔

تم کون ہو، اور ٹرائے میں کیا کرنے جا رہے ہو؟

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

ہم بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور اس شہر کی سیر کرنے اور یہاں سے جڑی بوٹیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئے ہیں۔

اس وقت ٹرائے اور دوسرے شہر سپارٹا کی آپس میں بڑی دشمنی چل رہی تھی یہی وجہ تھی کہ سپاہی سختی کرتے تھے انہیں بادشاہ ٹرائے کی طرف سے حکم تھا کہ کسی بھی ایسے آدمی کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے جس کے بارے میں کوئی ذرا سا بھی شک ہو مگر عنبر نے سپاہیوں کے ساتھ کچھ ایسے دوستانہ طریقے سے باتیں کیں کہ انہوں نے خوش ہو کر قلعے کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

تم لوگ شہر میں داخل ہو سکتے ہو۔

عنبر ناگ پھنی کو لے کر خوشی خوشی شہر کے اندر داخل ہو گیا اس شہر کی آبادی اگرچہ کم تھی لیکن وہاں انہیں ہر دوسرا شہری فوجی لباس میں نظر

آیا سپارٹا والوں کے خلاف اس شہر کی ریاست بڑی زبردست جنگی تیاریاں کر رہی تھی حالاں کہ یہ بات سپارٹا والوں کے بارے میں مشہور تھی کہ وہ سب کے سب سپاہی ہیں اور بڑے بہادر لڑاکا سپاہی ہیں تاریخ بھی اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ سپارٹا شہر کے لوگ بڑے جنگجو تھے اور میدان جنگ میں بے جگری کے ساتھ لڑتے تھے اس وقت کی تمام شہری ریاستیں سپارٹا سے خوف کھاتی تھی۔

شاید اسی لئے ٹرائے کے لوگ بڑی زبردست جنگی تیاریاں کر رہے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کا ایک بڑے بہادر دشمن سے مقابلہ ہے عنبر اپنے دوست کے ساتھ گھوڑے پر سوار شہر کی سیر کرتا کرتا ایک جگہ درختوں کے پاس بہنے والے چشمے کے کنارے آ کر رک گیا ان کا خیال تھا کہ یہاں کچھ دیر آرام کیا جائے اور سوچا جائے کہ رات کہاں بسر کرنی ہے اور بادشاہ کے دربار تک رسائی کیسے حاصل ہو؟

شاہی دربار

چشمے پر تازہ دم ہونے کے بعد عنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

اب سوچنا یہ ہے کہ اس اجنبی شہر میں رات کہاں بسر کی جائے؟

ناگ پھنی نے کہا۔

سوائے کسی سرائے کہ ہم کہیں بھی رات بسر نہیں کر سکتے؟

چنانچہ وہ سرائے کی تلاش میں چل پڑے اس زمانے میں سرائیں بہت ہوا کرتی تھیں انہیں بھی ایک غریبانہ سرائے میں جگہ مل گئی اس سرائے کی مالکن بڑی نیک دل رومن عورت تھی اس نے دونوں

دوستوں سے کہا کہ جب تک ان کو شہر میں کوئی ٹھکانہ نہ ملے وہ بے
شک اس کی سرائے میں رہیں عنبر نے ناگ پھنی سے مشورہ کیا کہ
ٹرائے کے دربار تک کیوں کر پہنچا جائے کیونکہ عنبر کا اصل مقصد یہی تھا
کہ ٹرائے کے شاہی دربار میں پہنچ کر شہزادی ہیلن سے ملا جائے
کیونکہ کہ اس نے ہیلن کی خوب صورتی اور اس کی عقلمندی کے بڑے
چرچے سنے تھے ٹرائے کے لوگ بھی اپنی شہزادی سے بہت پیار کرتے
تھے اور کہتے تھے کہ اس جیسی عقلمند عورت کہیں بھی نہیں ہے۔
ناگ پھنی نے کہا۔
میرے دوست ٹرائے کے بادشاہ کے دربار میں پہنچنے اور وہاں ایک
باعزت مقام حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ میں کسی نہ کسی
طرح بادشاہ کے محل میں پہنچ کر اسے ڈستا ہوں میں بادشاہ کے خون
میں صرف اتنا زہر داخل کروں گا جس سے وہ بیمار ہو جائے گا مرے گا

نہیں اس زہر کا کوئی علاج نہ کر سکے گا۔ پھر تم وہاں پہنچ کر علاج کرنا تمہارے علاج سے بادشاہ تندرست ہو جائے گا اور تمہیں بادشاہ کی ہمدردی حاصل ہو جائے گی۔

تجویز تو بڑی اچھی ہے دوست۔ مگر تم شاہی محل تک پہنچو گے کیسے؟ کیا راستے میں تمہیں کوئی ہلاک نہیں کر دے گا؟

اسی روز ناگ پھنی گھوڑے پر سوار ہو کر سرائے سے نکل گیا۔

ٹرائے کے شاہی محل کا راستہ معلوم کرتا ہوا وہ محل کی عقبی دیوار کے پاس پہنچ گیا محل کی دیوار کافی اونچی تھی اور کسی قلعے کی مانند تھی زیتون اور انجیر کے درختوں کے نیچے گھوڑا باندھ کر اس نے غور سے دیوار کو دیکھا اوپر پہرہ دینے کے لئے برج بنے ہوئے تھے جہاں رومن سپاہی پہرہ دے رہے تھے ناگ پھنی سوچنے لگا کہ اگر اس نے وہیں سے سانپ بن کر دیوار رینگ کو پار کرنے کی کوشش کی تو راستے میں اس کے

مارے جانے کا بہت خطرہ تھا کیونکہ جنگی حالات کی وجہ سے شاہی محل
کی فصیل پر جگہ جگہ پہرہ لگا تھا اور فوجی پھر رہے تھے۔
پھر کیا کیا جائے؟
وہ انجیر کے درختوں کے پاس بیٹھ کر سوچنے لگا اچانک ایک ترکیب
اس کے دماغ میں آئی کیوں نہ وہ شاہی عقاب کی شکل میں محل میں
اڑتا ہوا جائے سپاہی اسے ضرور پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کر دیں گے
کیونکہ اس علاقے میں سفید عقاب بہت ہی کم پایا جاتا ہے اپنی یہ تجویز
اسے بہت پسند آئی چنانچہ ایک بار زور سے پھنکار مارنے کے بعد
ناگ پھنی جیتے جاگتے انسان سے ایک دم سفید عقاب میں تبدیل ہو
گیا گھوڑا اسے دیکھ کر زور زور سے ہنہنانے لگا ناگ پھنی نے ایک
اڑان لگائی اور درختوں کے اوپر ایک چکر کاٹ کر شاہی محل کی فصیل
سے ہوتا ہوا محل کے خاص برج پر آ کر بیٹھ گیا سپاہیوں نے سفید عقاب

کو برج پر بیٹھے دیکھا تو اسے پکڑنے کے لئے بھاگے۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر سفید عقاب کو کمبل ڈال کر پکڑ لیا وہ تو خود پکڑا جانا چاہتا تھا سپاہی عقاب کو لے کر برج کے کپتان کے پاس لے آئے کپتان سفید عقاب کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا کیونکہ اس قسم کا عقاب خوش نصیبی کی نشانی تھا اور ادھر کبھی کبھی ہی دیکھنے میں آتا تھا۔ اس نے کہا۔

شاباش۔ میرے بہادر سپاہیوں تم نے ایک بڑا قیمتی عقاب پکڑا ہے۔ میں آج ہی اسے بادشاہ کے حضور میں پیش کر کے انعام حاصل کروں گا بادشاہ سفید عقاب کو پا کر بہت خوش ہو گا۔

کپتان نے عقاب کو ایک سنہری پنجرے میں بند کیا اور سیدھا بادشاہ کے خاص محل کی طرف آ گیا ٹرائے کا سفید بالوں والا ادھیڑ عمر بادشاہ اس وقت اپنے وزیر سے باتیں کر رہا تھا وزیر کا خیال تھا کہ انہیں سپارٹا

سفید عقاب

شہر پر ایک دم اور چپ چاپ سے حملہ کر دینا چاہیے جب کہ بادشاہ کا خیال تھا کہ ایسا کرنے میں شکست کا خطرہ ہے ابھی ان کو شہر کی دیوار کے اندر رہ کر خوب جنگی تیاری کرنی چاہیے۔

وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ محل کے حفاظتی دستے کا کپتان سنہری پنجرے میں بند کیے ہوئے سفید عقاب کو لے کر اندر داخل ہوا اس نے گردن جھکا کر اور دایاں بازو بائیں بازو پر رکھ کر سلام کیا اور کہا۔

سرکار عالی! یہ غلام آپ کے لئے ایک سفید عقاب پکڑ کر لا رہا ہے جو خوش بختی اور فتح و نصرت کی نشانی ہے۔

اور کپتان نے سنہری پنجرہ چاندی کی تپائی پر رکھ دیا بادشاہ بڑا خوش ہوا اور بڑے غور سے سفید عقاب کو دیکھنے لگا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ایک بڑا قیمتی اور شان دار سفید عقاب تھا اس قسم کا عقاب بادشاہ نے ایرانی سفیر کے باغ میں دیکھا تھا بادشاہ نے کہا۔

شاباش! سلیوکس! ہم تم سے بہت خوش ہیں تم نے ہمیں واقعی ایک قیمتی تحفہ لا کر دیا ہے ہمیں خود ایسے عقاب کی ضرورتھی۔

کپتان نے کہا۔

حضور عالی! سفید عقاب کا آنا ویسے بھی ایک نیک شگون ہے۔

کیوں نہیں! اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دیوتاؤں کی ساری طاقتیں میرے ساتھ ہیں اور وہ دن دور نہیں جب سپارٹا کا شہر ہمارے قدموں پر گرا ہوا ہو گا۔

بادشاہ نے کپتان کو انعام واکرام دے کر رخصت کیا اور وزیر سے کہنے لگا۔

تمہارا کیا خیال ہے اس عقاب کے بارے میں کیا اس کا اچانک ہمارے محل میں آ جانا ہماری خوش بختی اور خوش نصیبی کی دلیل نہیں؟

وزیر نے جیسے کڑوا گھونٹ نگل کر کہا۔

جی ہاں۔ جی ہاں۔ ضرور، ضرور۔

اصل حقیقت یہ تھی کہ وزیر ایک منافق اور سازشی آدمی تھا اوپر سے وہ ٹرائے کے بادشاہ کا ہمدرد تھا لیکن اندر سے وہ سپارٹا والوں یعنی بادشاہ کے دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا تھا وہ چاہتا تھا کہ ٹرائے پر حملہ ہو اور یہ ریاست سپارٹا والوں کے قبضے میں چلی جائے کیونکہ ٹرائے میں اس کے پاس بہت تھوڑی زمین اور جائیداد تھی اس کے خلاف سپارٹا میں وہاں کے بادشاہ نے اسے بے شمار زمینیں اور ایک شاہی محل دینے کا وعدہ کر رکھا تھا شرط صرف اتنی تھی کہ وہ ٹرائے کی فوج کے سارے راز اس کے حوالے کر دے اور فتح دلانے میں سپارٹا والوں کی ہر طرح سے مدد کرے سپارٹا کے بادشاہ پیرس نے اسے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر وہ کسی طرح ٹرائے کے بادشاہ کو زہر دے کر ہلاک کر دینے میں کامیاب ہو گیا تو اسے سپارٹا کی آدھی سلطنت دے دی جائے گی

وزیر انہی چکروں میں تھا۔

لیکن ٹرائے کے بادشاہ کو کسی قسم کی کوئی خبر نہیں تھی اسے اپنے وزیر پر بڑا بھروسہ تھا اور وہ کوئی بھی قدم اس کی مرضی اور مشورے کے بغیر نہیں اٹھاتا تھا اس نے سفید عقاب کے بارے میں وزیر سے مشورہ کیا تو وہ بولا۔

بادشاہ سلامت سفید عقاب آپ کی خوش بختی کی علامت ہے دیوتا آپ پر مہربان ہیں اگر اس وقت ہم سپارٹا والوں پر حملہ کر دیں تو فتح ہمارے قدم چومے گی۔

بادشاہ نے کہا۔

یہ میں سوچ کر فیصلہ کرنا چاہتا ہوں وزیر صاحب اس سلسلے میں میری خواہش ہے کہ میں اپنی عقل مند بیٹی ہیلن کی رائے بھی لے لوں۔

وزیر کو معلوم تھا کہ ہیلن ایک انتہائی دانش منداور دور اندیش عورت

ہے اگر بادشاہ نے اس سے مشورہ لیا تو وہ اسے کسی اپنے شہر کی فصیل سے نکل کر دوسرے شہر والوں پر حملہ کرنے کا مشورہ نہیں دے گی اس نے کہا۔

بادشاہ سلامت آپ خود انتہائی سمجھ دار اور عقلمند ہیں آپ کا فیصلہ دانش مندی اور عقل کا فیصلہ ہوگا۔

وزیر کسی نہ کسی طرح بادشاہ کا پھنسا دینا چاہتا تھا لیکن بادشاہ نے کہا۔

آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں کوئی بھی کام اپنی بیٹی ہیلن کی رائے لئے بغیر نہیں کرتا اور سپارٹا پر حملہ تو ایک بہت بڑا فیصلہ ہے اس پر عمل کرنے کے لئے مجھے کئی بار ہیلن سے مشورہ لینا ہوگا اور خود بھی سوچنا ہوگا۔

وزیر خاموش ہو گیا بادشاہ سفید عقاب کو بڑی محبت سے دیکھنے لگا اور وزیر نے فیصلہ کیا کہ وہ بادشاہ کو جنگ میں الجھانے کے لئے کوئی دوسری ترکیب سوچے گا سپارٹا کے بادشاہ پیرس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ

وزیر کی سازش سے ٹرائے کے بادشاہ کو مجبور کر دے کہ وہ اپنے شہر سے نکل کر سپارٹا کے قلعے پر حملہ کرے اور جوں ہی اسے اطلاع ملے وہ دوسری طرف سے ٹرائے پر حملہ کر کے اس کے اندر داخل ہو کر اسے فتح کر لے اسے وزیر کے خاص جاسوس کا انتظار تھا کیونکہ وزیر کا خیال تھا کہ وہ اسی خوشگوار موسم میں ٹرائے کے بادشاہ کی فوج کو قلعے میں باہر لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

بادشاہ نے عقاب کو اپنے خاص محل میں لا کر رکھ دیا ہیلن نے سفید عقاب کو دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئی اس نے باپ سے کہا۔

ابا جان اس قدر خوبصورت عقاب آپ کو کہاں سے مل گیا۔

بادشاہ نے اسے بتایا کہ محل کا شاہی کپتان اسے پکڑ کر لایا ہے اور یہ عقاب ہمارے محل کے اوپر چکر لگا رہا تھا جس کا مطلب صاف یہ ہے کہ دیوتا ہمارے ساتھ بے حد خوش ہیں اور اگر ہماری سپارٹا والوں

سے جنگ ہوئی تو ہماری فتح یقینی ہوگی ہیلن جو کہ انتہائی خوبصورت شہزادی ہونے کے علاوہ ایک ذہین اور عقل مند بھی تھی کہنے لگی۔

فتح تو ہمیں اپنے سپاہیوں کی بہادری سے ہی ملے گی بہر حال یہ سفید عقاب مجھے بہت پسند آیا ہے۔

بیٹی یہ تم لے سکتی ہو۔

شکریہ ابا جان! آپ کے پاس رہے یا میرے پاس رہے ایک ہی بات ہے۔

اس کے بعد وزیر کے بارے میں بادشاہ نے اپنی بیٹی ہیلن سے بات کی تو وہ پریشان ہوگئی اس نے کہا۔

وزیر صاحب اتنے کیوں بے تاب ہیں کہ ہم خود سپارٹا کے شہر پر حملہ کریں ہمیں تو چاہیے کہ ہم اپنے قلعے کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں۔

بادشاہ نے کہا۔

بہر حال وہ ہمارا وزیر ہے یہ اس کی رائے ہے رائے غلط بھی ہو سکتی ہے ہمیں اس کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

ہیلن نے کہا:

مجھے تو کبھی کبھی اس کی نیت پر شک ہونے لگتا ہے۔

نہیں، نہیں بیٹی! ایسی بات نہیں ہے وزیر خاص ہمارا وفادار ہے وہ کبھی کوئی ایسی رائے ہمیں نہیں دے سکتا جو ہمارے حق میں نہ جاتی ہو۔

ہیلن نے اس کا کوئی جواب نہ دیا وہ سنہری پنجرے میں سفید عقاب کو دیکھنے لگی جو اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے مسلسل ہیلن کو گھور رہا تھا۔

ہیلن کو سفید عقاب کی آنکھوں میں ایک ایسی کشش نظر آئی جو اس سے پہلے اس نے کبھی کسی عقاب کی آنکھوں میں نہیں دیکھی تھی اس نے کہا۔

ابا جان! یہ عقاب مجھے کوئی عجیب سا عقاب لگتا ہے اس کی آنکھوں میں جیسی چمک اور سرخی ہے وہ میں نے اس سے پہلے کسی پرندے میں نہیں دیکھی۔

بادشاہ نے بھول پن سے کہا۔

ہیلن بیٹی یہ ایک خاص قسم کا عقاب ہے یہ تو آج کل کسی جنگل میں بھی نہیں ملتا کوہ قاف کے اونچے اونچے پہاڑوں میں اپنا ٹھکانہ بناتا ہے اور کبھی پہاڑ کی چوٹیوں سے نیچے نہیں اترتا۔

شاید آپ ٹھیک کہتے ہوں۔

ہیلن نے آخری نگاہ عقاب پر ڈالی اور واپس اپنے کمرے میں چلی گئی جہاں سوڈان اور مصر کی کنیزیں اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں کہ شہزادی تشریف لائے اور وہ اس کے سونے ایسے سنہری بالوں میں پھول اور کلیاں گوندھیں۔

اسی رات وزیر خاص نے ایک سوداگر کا بھیس بدلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر رات کے پچھلے پہر ٹرائے کے شہر سے نکل کر سپارٹا ریاست کی طرف روانہ ہو گیا وہ خود جا کر سپارٹا کے بادشاہ پیرس کو تمام حالات سے باخبر کرنا چاہتا تھا ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد وزیر سپارٹا شہر کی فصیل کے نیچے پہنچ گیا۔

قلعے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے سپاہیوں کو خاص مہر کی نشانی دکھائی جس کو دیکھتے ہی اس پر فوراً قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا وزیر گھوڑے پر سوار وہاں سے سیدھا پیرس کے محل میں پہنچا اس نے غلام کے ہاتھ اندر اطلاع پہنچائی کہ وزیر ٹرائے اس سے ملنے آیا ہے پیرس خود چل کر باہر آیا اور اس سے بغل گیر ہو کر اندر لے گیا پیرس نے محل کے سارے پردے گرا دیے اور خاص راز داری کے انداز میں وزیر سے تازہ ترین حالات پر گفت گو شروع کر دی وزیر نے اسے بتایا کہ

ٹرائے کا بادشاہ کسی صورت میں بھی اپنی فوج کے ساتھ قلعے سے باہر نکلنے پر آمادہ نہیں ہے پیرس نے کہا۔

پھر کیا کیا جائے؟ ہماری فتح اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ ہمارے قلعے پر حملہ کرنے کے لئے نکلے اور ہم عقب سے ہو کر اس کے خالی قلعے پر قبضہ کرلیں اور پھر راستے میں دونوں طرف سے حملہ کر کے اس کی فوج کو تتر بتر کر دیں۔

میرا منصوبہ بھی یہی تھا مگر بادشاہ راضی نہیں ہو رہا اس کے علاوہ وہ ہر بات میں اپنی بیٹی ہیلن سے مشورہ ضرور کرتا ہے ہیلن نے بھی اسے یہی مشورہ دیا ہے کہ اپنے قلعے کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑا جائے بلکہ قلعے میں بند ہو کر سپارٹا کی فوج کو مجبور کیا جائے کہ وہ محاصرہ کرے اور پھر قلعے کے اوپر سے اس پر سنگ باری اور تیروں کی بارش کر کے اسے ختم کر دیا جائے۔

پیرس نے غصے میں کہا۔

وہ بد بخت عورت اپنے ذلیل مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔

اچانک وزیر کے مکار ذہن نے ایک ترکیب سوچی اور چمکیلی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

کیوں نہ ہم کسی طرح سے شہزادی ہیلن کو اغوا کر کے اپنے قلعے میں لے آئیں پھر بادشاہ مجبور ہو جائے گا ہمارے شہر پر حملہ کرے۔

سپارٹا کے بادشاہ نے یہ تجویز سنی تو وزیر کی دانش مندی اور مکاری پر دنگ رہ گیا۔

تم نے تو ہمارے ہاتھ میں ٹرائے شہر کی کنجی دے دی ہے۔

سفید عقاب

وزیر کی سازش بڑی خطرناک تھی۔
اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس نے واقعی سپارٹا کے بادشاہ کے ہاتھ
میں ٹرائے شہر کی چابی دے دی تھی ہیلن شہزادی کا اغوا ایک ایسا
خطرناک منصوبہ تھا کہ وہ ٹرائے کے ضدی بادشاہ کو اپنی ساری فوج
سمیت قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور کر سکتا تھا وزیر نے سپارٹا کے بادشاہ
کے ساتھ منصوبے کی ساری تفصیل طے کر لی کہ ہیلن کو کس طرح اغوا
کیا جائے گا اس غدار کے خطرناک کام سے فارغ ہو کر وزیر سوداگر
کے بھیس میں واپس اپنے شہر ٹرائے آ گیا سفید عقاب کو اس بارے
میں کچھ علم نہ تھا ادھر کارواں سرائے میں بیٹھا عنبر اس خبر کا انتظار کر رہا

تھا کہ بادشاہ سخت بیمار ہے اور کسی بھی حکیم کی دوائی سے اسے فائدہ نہیں ہو رہا۔

سفید عقاب کے کام دکھانے کا وقت آ گیا تھا بادشاہ نے شروع ہی سے عقاب کے پنجرے کو اپنے خاص سونے کے کمرے میں رکھا تھا ایک رات جب کہ محل میں چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بادشاہ گہری نیند سو رہا تھا سفید عقاب نے سانپ کا روپ دھارا اور چپکے سے پنجرے میں سے رینگ کر سنگ مرمر کے ستون پر سے ہوتا ہوا فرش پر آ گیا فرش پر بیش قیمت ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے۔

سانپ رینگتا ہوا بادشاہ کی مسہری کی طرف آ گیا پاؤں کی جانب آ کر اس نے پھن پھیلا کر گردن اونچی کرنی شروع کر دی اس نے دیکھا بادشاہ سو رہا تھا اس کا ایک پاؤں ریشمی چادر سے باہر جھانک رہا تھا سانپ کے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا اس نے گردن جھکا کر اپنا پھیلا

ہوا پھن آگے کیا اور بادشاہ کے پیر پر تھوڑا سا ڈس دیا سانپ نے اپنا پورا زہر بادشاہ کے بدن میں داخل نہ کیا۔

بادشاہ کو سوتے میں یوں لگا جیسے کسی مچھر نے پاؤں پر کاٹ لیا ہو اس نے نیند میں ہی ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں کو کھجایا اور پہلو بدل کر سو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد مارے گھبراہٹ کے اٹھ کر بیٹھ گیا اس کا حلق خشک ہو رہا تھا اس نے پانی پیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن دیکھتے دیکھتے سارا بدن تیز بخار میں پھنکنے لگا فوراً اس نے آواز دی اور سارے غلام، خدائم، کنیزیں، اور بیگمیں جمع ہو گئیں شہزادی ہیلن بھی اپنے باپ کے سرہانے آ کر بیٹھ گئی اور اس کا سر دبانے لگی۔

سارا دن شاہی محل کے حکیم بادشاہ کا علاج کرتے رہے مگر نہ تو بخار کا زور کم ہوا اور نہ ہی بادشاہ کی گھبراہٹ اور پیاس کی شدت میں کمی آئی وقت کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی بیماری زور پکڑتی چلی گئی۔

سارے شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ بادشاہ دیوتاؤں کی پراسرار بیماری میں مبتلا ہوگیا ہے جس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے بادشاہ نے خیرات دینی شروع کردی اپالو کے مندر میں بکروں اور مینڈھوں کی قربانی بھی دی گئی مگر بیماری کم نہ ہوئی کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بادشاہ کو بیماری کیا ہے وہ روز بروز کمزور ہورہا تھا اور ہر وقت تیز بخار چڑھا رہتا تھا۔

جب یہ اطلاع عنبر تک پہنچی تو وہ بہت خوش ہوا اس کے دوست ناگ پھنی نے اپنا کام دکھا دیا تھا اور عنبر کے لئے دربار تک جانے کا راستہ ہموار کردیا تھا اس نے صبح کو اٹھ کر نئے کپڑے پہنے اور شاہی محل کی طرف روانہ ہوگیا محل کے دروازے پر اسے روک دیا گیا اس نے بتایا کہ وہ تبت کا مشہور سنیاسی حکیم ہے اور بادشاہ کا علاج کرنے آیا ہے۔ اپنے بادشاہ کی بیماری سے شاہی محل کے سبھی لوگ بہت پریشان تھے۔

اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح اچھا ہو جائے کیونکہ اس کی بیماری سے سب لوگوں کی زندگی الٹ پلٹ ہو کر رہ گئی تھی پہریداروں نے عنبر کو چوکی پر ہی بٹھایا اور اندر بادشاہ کی بیٹی ہیلن کو خبر کر دی ہیلن کو جب معلوم ہوا کہ کوئی تبت کا سنیاسی اس کے بیمار باپ کا علاج کرنا چاہتا ہے تو اس نے عنبر کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ عنبر نے ہیلن کے کمرے میں آکر پہلی بار شہزادی کو دیکھا۔

شہزادی نے پوچھا۔

اے نوجوان تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟

عنبر نے کہا۔

شہزادی صاحبہ، میں ملک مصر میں پیدا ہوا چھوٹا سا تھا کہ باپ وفات پا گیا چچا کے ساتھ ملک تبت چلا گیا میرا چچا حکیم تھا اور جڑی بوٹیوں سے بیماریوں کا علاج کرتا تھا میں نے بھی بڑے ہو کر یہی کام شروع

کر دیا کچھ روز ہوئے اس شہر میں سیر کی غرض سے آیا ہوں خیال تھا کہ یہاں کے میدانوں میں جڑی بوٹیوں کی تلاش بھی کروں گا۔
کارواں سرائے میں بادشاہ سلامت کی انوکھی بیماری کا حال سنا تو دل میں افسوس ہوا اور خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی علاج کر کے دیکھ لوں۔
شہزادی ہیلن نے پوچھا۔
کیا تم میرے والد پر اپنی دوائی آزمانا چاہتے ہو۔ تمہارے پاس اس بیماری کا کوئی آخری علاج بھی ہے؟
عنبر نے محسوس کیا کہ شہزادی واقعی بڑی عقل مند اور ذہین عورت ہے۔ اب اس کے لئے لازم ہو گیا ہے کہ بات صاف صاف بیان کر دے چنانچہ اس نے کہا۔
شہزادی صاحبہ! میرے پاس بادشاہ سلامت کی بیماری کا علاج موجود ہے

شہزادی ہیلن نے ذرا تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا کیونکہ وہ اسے کم عمر نظر آ رہا تھا اس نے آج تک حکیم بوڑھے بوڑھے لوگ دیکھے تھے اس کے سامنے یہ ایک پہلا حکیم کھڑا تھا جو نوجوان تھا اس نے کہا۔

تمہارا نام کیا ہے؟

عنبر آخانون۔

کیا تمہارا تعلق مصر کے کسی پرانے خاندان سے ہے؟

عنبر چونک پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ آخانون کے لفظ سے شہزادی کو شک ہوا ہے کیونکہ یہ نام اس کے نگڑ دادا کے بھی نگڑ دادا فرعون کا نام تھا عنبر اس راز کو راز ہی رکھنا چاہتا تھا جانے کیوں اس کے منہ سے یہ نام نکل گیا تھا اس نے جلدی سے کہا۔

نہیں نہیں ایسا تو نہیں ہے میرا خاندان تو غریب مزدور لوگوں کا خاندان ہے۔

شہزادی ہیلن عنبر کو تیز نظروں سے دیکھ رہی تھی عنبر کے چہرے پر اور اس کی باتوں سے اسے کسی شاہی خاندان کے خون کی بو آ رہی تھی لیکن اس نے یہ خیال اپنے دل میں ہی رہنے دیا اور اس سے پوچھا۔

تم کس دوا سے میرے بابا کا علاج کرو گے۔

وہ ایک نئے حکیم کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل کر لینا چاہتی تھی کیونکہ یہ بادشاہ کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا عنبر نے کہا۔

میں آپ کو کیسے بتا سکتا ہوں؟

کیوں نہیں بتا سکتے ؟ ایسی کون سی وہ انوکھی دوا ہے جس کا کوئی نام ہی نہیں یا جس کے بارے میں تم زبان سے ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے عنبر نے کہا۔

اے شہزادی اس دوائی کا کوئی ایک نام نہیں ہے وہ میں نے کئی ایک جڑی بوٹیوں کو ملا کر پیس کر جوش دے کر اس کا عرق نکال کر تیار کی

ہے۔

کیا تم مجھے وہ دوائی دکھا سکتے ہو؟

ضرور دکھا سکتا ہوں۔

اور عنبر نے تھیلے میں سے سبز رنگ کی ایک بوتل نکال کر ہیلن کو پکڑا دی جس میں سرخ رنگ کا عرق تھا شہزادی بڑے غور سے عرق کو دیکھتی رہی پھر اس نے ڈھکن اٹھا کر عرق کو سونگھا۔

اس میں سے تو کستوری کی مہک آ رہی ہے؟

ہاں شہزادی صاحبہ، اس عرق میں ہم تھوڑی مقدار میں کستوری بھی ڈال کر ملاتے ہیں۔

ٹھیک ہے تم میرے ساتھ بادشاہ سلامت کے کمرے میں آؤ۔

شہزادی ہیلن عنبر کو لے کر بادشاہ ٹرائے کی خواب گاہ میں آ گئی بادشاہ نیم بے ہوشی کے عالم میں لمبے لمبے سانس لے رہا تھا تیز بخار میں اس

کا بدن تپ رہا تھا بیگمات اور کنیزیں ہاتھ باندھے اداس کھڑی تھیں انہوں نے ہیلن کو اندر آتے دیکھا تو ادب سے ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئیں عنبر نے بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی جس چیز کو سب سے پہلے دیکھا وہ سفید عقاب تھا جو سنہری پنجرے میں ستون کے ساتھ لٹک رہا تھا عنبر کو اس میں اپنے دوست کی بو آئی سفید عقاب بھی عنبر کو دیکھ کر اپنے پنجرے میں سیٹی بجانے لگا اس بات کو شہزادی ہیلن نے بھی محسوس کیا کہ اس سے پہلے عقاب نے کبھی اس طرح چہک کر سیٹی نہیں بجائی تھی۔

عنبر سمجھ گیا کہ اس کا دوست ناگ پھنی عقاب کے روپ میں اس کمرے میں موجود ہے وہ بادشاہ کے پاس بیٹھ کر اس کی نبض دیکھنے لگا بادشاہ کی نبض تیز تیز چل رہی تھی عنبر نے سونے کا کٹورا منگوا کر اسے بارہ مرتبہ پاک پانی میں صاف کرایا اور پھر اس میں بوتل میں سے

سرخ عرق کے چند قطرے نکال کر ٹپکائے اس میں پھر دو گھونٹ بھر پانی ملایا اور شہزادی سے کہا۔

بادشاہ سلامت کی بڑی خوش بختی ہے کہ اس کمرے میں تبت کا خاص سفید عقاب موجود ہے میری دوائی کا ایک خاص جزو یہ سفید عقاب بھی تھا اگر یہ عقاب نہ ہوتا تو بادشاہ سلامت کی بیماری ایک ہفتے میں دور ہوتی لیکن چونکہ خوش قسمتی سے عقاب یہاں موجود ہے اس لئے اب بادشاہ سلامت ابھی دوائی حلق کے اندر جاتے ہی اچھے ہو جائیں گے۔

شہزادی نے پوچھا۔

سفید عقاب اس میں کیا کرے گا؟

عنبر نے کہا۔

آپ دیکھتی رہیں کہ وہ کیا کرتا ہے۔؟

یہ کہہ کر عنبر نے دوائی کا کٹورا ہاتھوں میں اٹھایا اور سفید عقاب کے پنجرے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اس نے عقاب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اسے یقین ہو گیا کہ............عقاب اپنی آنکھیں بالکل نہیں جھپک رہا تھا وہ عنبر کو دیکھ کر پنجرے میں خوشی سے ادھر اُدھر پھرنے لگا عنبر کو یقین ہو گیا کہ عقاب اصل میں اس کا دوست ناگ پھنی ہی ہے اب اس نے دوائی کا پیالہ اس کے پنجرے کے ساتھ لگا دیا خواب گاہ میں سب لوگ حیرانی سے تک رہے تھے کہ یہ شخص کیا جادو کرنے والا ہے۔

دوائی کے کٹورے کا پنجرے کے ساتھ لگنا تھا کہ عقاب نے جالیوں میں سے اپنی چونچ باہر نکال کر کٹورے کی دوائی میں ڈبو دی اور پھر اوپر اٹھالی عنبر نے شہزادی ہیلن کی طرف دیکھا اور کہا۔

بس سفید عقاب سے یہی کام لینا تھا اب سمجھ لیجئے کہ بادشاہ سلامت کی

بیماری دور ہوگئی۔

عنبر نے بادشاہ کے حلق میں دوائی ٹپکانی شروع کردی دوائی ٹپکانے کے تھوڑی ہی دیر کے بعد بادشاہ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی بیٹی شہزادی ہیلن کی طرف دیکھا شہزادی ہیلن نے باپ کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

طبیعت کیسی ہے ابا جان۔؟

بادشاہ کے چہرے پر اتنے دنوں بعد پہلی بار مسکراہٹ آئی اس نے کہا۔

اب ٹھیک ہوں۔

اور پھر بڑے سکون سے آنکھیں بند کرلیں دوسرے روز بادشاہ کا بخار ختم ہو چکا تھا اور وہ بستر پر ٹیک لگائے بیٹھا مسکرا رہا تھا اس نے عنبر کا شکریہ ادا کیا کہ دوا نے اسے آرام پہنچایا اور انوکھی بیماری دور کردی

شہزادی ہیلن نے کہا۔

بابا جان! یہ نوجوان حکیم تبت میں رہا ہے مگر اس کی پیدائش مصر میں ہوئی تھی اس کی دوائی میں آپ کے سفید عقاب کا بھی ہاتھ ہے اس نے اس دوا میں اپنی چونچ ڈبوئی تھی۔

کیا سچ مچ ایسا ہوا تھا؟ بادشاہ نے تعجب سے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت! اس دوائی کے لئے سفید عقاب کی چونچ کا ڈبویا جانا بہت ضروری تھا۔

پھر تو ہم اپنے پیارے سفید عقاب کے بھی شکرگزار ہیں۔

عنبر نے دل میں سوچا کہ اس غریب بادشاہ کو کیا خبر کہ سفید عقاب کہ وجہ سے تو وہ بیمار ہوا تھا سفید عقاب بھی پنجرے میں بڑا خوش تھا اور بار بار سیٹی بجا رہا تھا شہزادی ہیلن نے کہا۔

عقاب بھی بہت خوش ہے۔

عنبر نے کہا۔

وہ بادشاہ سلامت کی صحت پر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

ہیلن نے کہا۔

لیکن وہ تو اس وقت سے سیٹی بجا رہا ہے جب سے تم اس کمرے میں داخل ہوئے ہو۔

عنبر ٹھٹھک سا گیا ہیلن بڑی ذہین شہزادی تھی وہ کس خاص بات کو سمجھنے کی بار بار کوشش کر رہی تھی وہ بار بار اسی ایک بات کو کرید رہی تھی لیکن وہ اپنی ذہانت اور عقل مندی کے باوجود عنبر کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی اس لئے کہ عنبر نے صرف دنیا ہی نہیں دیکھی تھی بلکہ تاریخ کے کئی دور دیکھے تھے ہیلن کا ابھی اس دنیا میں کہیں وجود بھی نہیں تھا جب وہ نمرود کی چھوٹی خدائی بینی بال کے ظلم وستم اور مصر کے سنگ دل فرعونوں کی

سازشوں کا مقابلہ کر رہا تھا ٹرائے کے شہر کی شہزادی ہیلن اسے شکست نہیں دے سکتی تھی وہ اسے نہیں پہچان سکتی تھی۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

پرندے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔

ایک ہفتے کے اندر اندر بادشاہ بھلا چنگا ہو گیا عنبر کو بادشاہ نے اپنا خاص طبی مشیر مقرر کر لیا اب بادشاہ کی تندرستی کی دیکھ بھال عنبر کے سپرد تھی اس دوران میں عنبر نے سرائے میں اپنی کوٹھڑی نہ چھوڑی سرائے کی نیک دل مالکہ کے سلوک سے بہت خوش ہوا تھا اس نے مالکہ کو بہت سی اشرفیاں لا کر دیں اور اسے بتایا کہ اس کو کاروبار میں بڑا فائدہ ہوا ہے بادشاہ سلامت نے عنبر کو مجبور کیا کہ وہ سرائے سے اٹھ کر شاہی محل کی کونے والی بارہ دری میں آجائے عنبر نے دو روز بعد آنے کا وعدہ کر لیا۔

اس دوران میں سفید عقاب سے عنبر کی کوئی بات چیت نہ ہوئی تھی شاید
اس لئے بھی کہ عنبر رات کو شاہی محل کی بجائے سرائے میں آ جاتا تھا۔
وگرنہ ہو سکتا تھا کہ عقاب آدھی رات کو پنجرے میں سے نکل کر سانپ
کے روپ میں اس سے ملاقات کرنے آتا عنبر نے سرائے کی مالکہ کو آ
کر بتایا کہ کل وہ وہاں سے جا رہا ہے نیک دل مالکہ نے کہا۔
کیا تمہیں اس سے کوئی اچھی جگہ مل گئی ہے۔؟
عنبر نے کہا۔
نہیں بلکہ میں اس شہر سے باہر جا رہا ہوں پھر جب کبھی آیا تو تمہاری
سرائے میں ہی آ کر اتروں گا۔
سرائے کی مالکہ نے کہا۔
یہ سرائے تمہاری ہے اسے ہمیشہ اپنا گھر ہی سمجھنا مجھے تم اپنے بچوں کی
طرح عزیز تھے تم مجھے بہت یاد آؤ گے۔

سرائے میں عنبر کا وہ آخری دن تھا کہ شام کے وقت ایک اجنبی سوداگر سرائے میں اترا وہ ایک اونچا لمبا اور چوڑا بدن کا آدمی تھا اور اس نے سر پر عربوں کی طرح کپڑا لپیٹ رکھا تھا اس کے چہرے کی خاص چیز ایک زخم کا نشان تھا جو اس کی گال پر آنکھوں سے لے کر تھوڑی تک چلا گیا تھا شاید اسے کسی لڑائی میں تلوار لگی تھی اجنبی سوداگر نے اپنا نام یورنیس بتایا اور ظاہر کیا کہ وہ گھوڑوں کی تجارت کے سلسلے میں سرائے میں آیا ہے وہ عنبر کے پاس بیٹھ کر اس سے گھوڑوں وغیرہ کی باتیں کرنے لگا عنبر نے محسوس کیا کہ اسے گھوڑوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ آدھی رات کو عنبر کی اچانک آنکھ کھل گئی اس نے گلی میں گھوڑے کے دوڑنے کی آواز سنی وہ اٹھ کر نیچے آیا تو سرائے کی مالکہ بھی وہیں کھڑی تھی اس نے عنبر کو بتایا کہ یورنیس نام کا سوداگر گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں چلا گیا ہے۔

ہیلن کا اغوا

یورنیس کو سپارٹا کے بادشاہ نے ہیلن آف ٹرائے کو اغوا کرنے کے لئے بھیجا تھا۔
آدھی رات کو وہ سوداگر کے بھیس میں سرائے سے نکلا اور شہر سے باہر پہاڑی کے پاس ان کھنڈروں میں پہنچا جہاں اس کے چاروں ساتھی چھپے ہوئے تھے یورنیس نے انہیں ہر طرح سے تیار رہنے کے لیے کہا اور خود شاہی محل میں وزیر خاص نے اس کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔
ہیلن کو اغوا کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی مگر وزیر نے بھی بڑی

زبردست تیاری کرر کھی تھی وہ شاہی محل کے چور دروازے سے نکل کر فصیل کے نیچے یورنیس کا انتظار کرر ہا تھا رات آدھی گزر چکی تھی اور آسمان پر ستارے ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کرر ہے تھے اچانک اسے دور سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔
وزیر نے چوکنا ہو کر ادھر اُدھر دیکھا ایک گھوڑ سوار ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا وہ قریب آ کر وزیر کے پاس گھوڑے سے اتر گیا دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا یورنیس نے گھوڑے کو فصیل کے باہر ہی ایک پرانے درخت کے ساتھ باندھ دیا اور وزیر کے ساتھ چور دروازے سے شاہی محل میں داخل ہو گیا وزیر اسے مختلف اندھیری غلام گردشوں اور تاریک برآمدوں میں سے گزارتا ہوا اپنے خاص کمرے میں لے گیا اس نے تمام دروازے بند کر دیے اور چھوٹی سی شمع روشن کر دی یورنیس نے وزیر سے پوچھا کہ

کیا سارے معاملات ٹھیک ہیں؟ وزیر نے اسے بتایا کہ شہزادی ہیلن کو بڑی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ اغوا کرنا ہوگا یورنیس نے کہا کہ اس کے چاروں سپاہی اور ساتھی تھوڑی دور پہاڑی کے دامن میں تیار بیٹھے ہیں وزیر نے یورنیس کو بتایا کہ وہ اسے شہزادی ہیلن کے خاص کمرے یعنی خواب گاہ میں لے جائے گا جہاں اس نے ایک خفیہ دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے اس دروازے سے اندر داخل ہو کر یورنیس شہزادی کے پلنگ کے بالکل پاس پہنچ جائے گا۔ یہاں اس کا کام صرف اتنا ہوگا کہ شہزادی کے منہ پر بے ہوش کرنے والے عرق میں بھگویا ہوا رومال رکھ دے پھر جب شہزادی بے ہوش ہو جائے گی تو وہ دونوں مل کر اسے خواب گاہ سے اٹھا کر محل کے چور دروازے سے باہر لے جائیں گے جہاں سے یورنیس شہزادی کو اپنے گھوڑے پر لٹا کر اپنے چھپے ہوئے ساتھیوں کے پاس پہنچ جائے گا۔

یورنیس نے وزیر سے بے ہوشی کی دوائی میں بھیگا ہو رومال لے کر اپنے پاس رکھ لیا وزیر نے اسے ساتھ لیا اور شہزادی کی خواب گاہ کی طرف چل پڑا مختلف برآمدوں اور اندھیرے راستوں میں سے ہوتا ہوا وزیر ایک پراسرار سے دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اس نے سر گوشی میں یورنیس سے کہا۔

یہ وہ دروازہ ہے جس کے دوسری جانب شہزادی سو رہی ہے۔

یورنیس نے پوچھا۔

کیا دروازہ کھلا ہے؟

ہاں میں نے اسے کھلا رکھا ہوا ہے۔

وزیر ایک طرف ہٹ کر اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا یورنیس نے چہرے کو سیاہ چادر میں اچھی طرح چھپایا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اندر داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ شہزادی

ہیلن ایک عالی شان پلنگ پر بڑے سکون کے ساتھ سو رہی تھی اس
کے سرہانے ایک شمع جل رہی تھی جس کی ہلکی ہلکی روشنی سارے
کمرے میں پھیلی ہوئی تھی وہ شہزادی کے سرہانے کی طرف کھڑا تھا یہ
موقع وقت ضائع کرنے کا نہیں تھا ایک ایک پل بڑا قیمتی تھا ہو سکتا تھا
کہ شہزادی کی آنکھ کھل جائے ایسی صورت میں وہ پکڑا جاتا اور صبح
ہونے سے پہلے پہلے اس کا سر قلم کر دیا جاتا یورنیس نے بڑی احتیاط
کے ساتھ اپنی جیب سے بے ہوشی کی دوا میں بھیگا ہوا رومال نکالا اور
ایک پل ضائع کیے بغیر شہزادی ہیلن کی ناک پر رکھ کر اوپر سے ہاتھ کا
دباؤ بڑھا دیا بے ہوشی کی دوائی بے حد تیز تھی شہزادی نے ایک جھٹکا
سا کھایا اور بے ہوش ہوگئی۔

یورنیس نے فوراً اسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور خواب گاہ سے باہر
اندھیری راہ داری میں آ گیا جہاں وزیر سایے میں چھپا ہوا اس کا

انتظار کر رہا تھا وہ یورنیس کو لے کر شاہی محل کے چور دروازے پر آ گیا جہاں گھوڑا بندھا ہوا تھا یورنیس نے شہزادی کو گھوڑے پر ڈالا پھر خود اس پر سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر پہاڑی کی طرف چل دیا جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو غدار وزیر سے واپس محل میں آ کر اپنی خواب گاہ میں لیٹ گیا اس نے ایک ایسا کارنامہ بڑے آرام کے ساتھ کر دیا تھا۔

صبح سارے محل میں شور مچ گیا کہ شہزادی ہیلن غائب ہے سارے محل اور شہر ٹرائے کا چپہ چپہ چھان مارا مگر شہزادی کا کہیں نشان تک نہ ملا بادشاہ اپنی بیٹی کی جدائی میں گم سم ہو کر رہ گیا وزیر خاص بڑی مکاری کے ساتھ بادشاہ کو تسلیاں دیتا رہا کہ شاید شہزادی سیر کے لئے باہر گئی ہو گی مگر اسے نہ آنا تھا اور نہ آئی وہ تو اس وقت سپارٹا شہر کے مضبوط قلعے میں بادشاہ کی قید میں پڑی ایک بستر پر لیٹی تھی اور ایک نوکرانی

دودھ کا پیالہ لئے اس کے سرہانے کھڑی تھی اس نے اٹھ کر پوچھا۔

میں کہاں ہوں۔ یہاں مجھے کون لایا؟

اتنے میں سپارٹا کا بادشاہ اندر داخل ہوا اور اس نے صاف لفظوں میں ہیلن کو بتا دیا کہ اس نے اسے محض اس لئے اغوا کیا ہے کہ اس کا باپ اس کا بدلہ لینے کے لئے اپنے شہر سے باہر نکل کر اس کے شہر پر حملہ کرے اور وہ اپنی فوج کے ساتھ اس کے خالی شہر پر قبضہ جما لے۔ شہزادی نے کہا کہ اس کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا بادشاہ کہا کہ اس کا باپ اپنی بیٹی کا انتقام لینے اور اسے واپس حاصل کرنے کے لئے سپارٹا پر ضرور حملہ کرے گا اور ہم یہی چاہتے ہیں۔

بادشاہ تو باہر نکل گیا اور شہزادی ہیلن گہری سوچ میں ڈوب گئی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ باپ اس سے بڑی محبت کرتا تھا اور اس کا بدلہ لینے کے لئے وہ ضرور سپارٹا پر حملہ کر دے گا ایسی صورت میں سپارٹا والوں

کوموقع مل جائے گا کہ وہ بیک وقت ٹرائے کے خالی شہر پر قبضہ کرلیں اور کھلے میدان میں پڑی ہوئی فوج کو چاروں طرف سے گھیر کر شکست بھی دے دیں وہ دیر تک وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچتی رہی مگر وہ اکیلی اتنے بڑے قلعے میں سے کیسے فرار ہوسکتی تھی اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ عورت چاہے کتنی عقلمند ہو وہ کمزور بھی ہوتی ہے۔

عنبر نے جس رات یورنیس نام کے سوداگر کو سرائے میں سے پراسرار طریقے سے بھاگتے دیکھا وہ اس کی سرائے میں آخری رات تھی اسے اگر معلوم ہوتا کہ وہ سوداگر شہزادی ہیلن کو اغوا کرنے جارہا ہے تو اس کا ہر حالت میں پیچھا کرتا لیکن وہ تو بے خبر تھا صبح وہ سرائے کی مالکہ سے رخصت ہوکر شاہی محل میں آیا تو وہاں شہزادی ہیلن کے گم ہونے کا سوگ پڑا ہوا تھا بادشاہ کو پریشان دیکھ کر وہ بھی پریشان ہوگیا..........

ایک ہفتہ اسی پریشانی میں گزر گیا بادشاہ بے حد طیش اور غصے کے عالم

میں تھا اب وزیر نے سوچا کہ لوہا گرم ہے چوٹ لگا دینی چاہیے اس نے ایک روز سپارٹا والوں کو پیغام بھجوایا کہ اپنا جاسوس بھجوا دیا جائے۔

چنانچہ اگلے روز بادشاہ یعنی ہیلن کے باپ کو سپارٹا کے بادشاہ کی طرف سے پیغام ملا کہ اس کی بیٹی شہزادی ہیلن اس کی قید میں ہے اگر وہ اپنی بیٹی کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو شکست تسلیم کر کے ٹرائے شہر سپارٹا والوں کے حوالے کر دیا جائے یہ پیغام سنتا تھا کہ شہزادی کے باپ کا پارہ چڑھ گیا غصے کے مارے وہ دیواروں پر تلواریں مارنے لگا۔

اس کی یہ جرات کہ میری بیٹی کو میرے قلعے کے اندر سے اغوا کر کے لے جائے میں اس کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا میں اس کے قلعے کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دوں گا۔

بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ جو لوگ رات کو شاہی محل کے اندر پہرہ دے رہے تھے ان کو حاضر کیا جائے سارے سپاہی تھر تھر کانپتے وہاں آن

حاضر ہوئے انہوں نے گڑگڑا کر عرض کی کہ وہ تو اپنے پہرے پر موجود تھے ان کے ہوتے ہوئے کوئی شخص بھی محل کے اندر داخل نہیں ہوا اور نہ ہی داخل ہونے کی جرات کر سکتا ہے عنبر نے بھی بادشاہ کو سمجھایا کہ یہ کسی گہری سازش کا نتیجہ ہے جو ضرور پکڑی جائے گی لہٰذا پہریداروں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو آزاد کر دیا اور پھر عنبر کو لے کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔

تمہارا کیا خیال ہے میری بیٹی کو کس نے اغوا کیا ہے؟

عنبر کو یورنیس سوداگر کا خیال آ گیا جو آدھی رات کو سرائے سے نکل کر بھاگا تھا اس نے کہا۔

بادشاہ سلامت محل کا کوئی شخص آپ کے خلاف ہے اس نے اغوا کرنے والے کی مدد کی ہے اور شاہی محل کے چور دروازے سے اسے اندر داخل کیا ہے اور شہزادی کو بے ہوش کر کے اٹھایا گیا ہے کیونکہ

شہزادی کے بستر پر اس دوائی کی بو تھی۔

بادشاہ نے غصے میں کہا۔

وہ کون ہوسکتا ہے جس نے شاہی محل میں میرے دشمن کو آنے دیا؟ میں ابھی اس کی کھال کھنچوا دینا چاہتا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

اس کے بارے میں وقت آنے پر معلوم ہو جائے گا لیکن ابھی تو ہمیں یہ سوچنا ہے کہ شہزادی صاحبہ کو دشمن کے چنگل سے کیسے رہا کرایا جائے؟

بادشاہ بولا۔

ظاہر ہے مجھے جنگ کرنی ہوگئی میں آج ہی سپارٹا کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں کل میرا لشکر سپارٹا کی طرف کوچ کر رہا ہوگا

عنبر نے بادشاہ سے کہا۔

آپ کو جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بہتر ہے کہ آپ دوبارا اپنے فیصلے پر غور کرلیں کیوں کہ ایک بار لشکر دشمن کی طرف چل پڑا تو پھر اس کا رکنا بہت مشکل ہے۔

بادشاہ نے بھڑک کر کہا۔

تو تم کیا سمجھتے ہو؟ ہم لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دے کر پیچھے ہٹا لیا کرتے ہیں فوج کا ہر جوان دلیر ہے لڑا کا ہے اور کئی کئی جنگیں لڑ چکا ہے میں سپارٹا والوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔

عنبر کہنے لگا۔

لیکن بادشاہ ہمیں سپارٹا کا محاصرہ کرنا ہوگا۔ سپارٹا کی فوج شاید باہر آ کر ہمارے سپاہیوں سے نہ لڑے کیوں کہ سنا ہے کہ ان کے پاس کھانے پینے کا اتنا ذخیرہ ہے کہ وہ کئی سال تک قلعے کے اندر بند پڑے رہ سکتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔

میں انہیں قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور کردوں گا۔

اسی روز سپارٹا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا اور دوسرے روز ٹرائے کا بے پناہ لشکر سپارٹا کے قلعے کی طرف آگے بڑھ رہا تھا عنبر کو اس دوران میں موقع ہی نہ ملا کہ وہ سفید عقاب سے کوئی بات کرسکتا ناگ پھنی بھی عقاب کا روپ بدل کر بڑے آرام سے پنجرے میں بیٹھا مرغابیوں اور کبوتروں کا گوشت کھا رہا تھا اس نے بھی عنبر سے ملنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی اور کچھ نہیں تو وہ ناگ پھنی سے مل کر کچھ مشورہ ہی کرسکتا تھا مگر اب تو کسی سے بھی مشورہ لینا فضول تھا۔ کیونکہ ٹرائے کی فوجیں سپارٹا کے قلعے کے باہر جا کر خیمے لگا کر بیٹھ گئی تھیں۔

سپارٹا کے بادشاہ نے جب ٹرائے کی فوج کو باہر میدان میں جمع ہوتے

دیکھا تو وہ بہت خوش ہوا اس کی سکیم کامیاب ہوگئی تھی اس نے اسی وقت اپنی فوج کے ایک زبردست لشکر کو حکم دیا کہ خفیہ سرنگ میں سے نکل کر ٹرائے کے خالی شہر پر جا کر قبضہ کرلیا جائے دس بارہ ہزار فوج کا لشکر قلعے کی خفیہ سرنگ میں سے نکل کر جنگلوں اور پہاڑیوں میں سے ہوتا ہوا ٹرائے کے شہر کی طرف روانہ ہوگیا ان کا خیال تھا کہ ٹرائے شہر بالکل ہی خالی ہوگا۔ مگر ایسا نہیں تھا وہاں بادشاہ نے عنبر کے مشورے سے فوج کی ایک اچھی خاصی تعداد چھوڑ رکھی تھی حالاں کہ غدار وزیر نے خالی شہر میں فوج رکھنے کی سخت مخالفت کی تھی لیکن عنبر نے بادشاہ کو سمجھا دیا تھا کہ اگر وہ اپنے شہر کو بچا کر رکھنا چاہتا ہے تو اسے خالی ہرگز ہرگز نہ رکھے چنانچہ عنبر کے کہنے کے مطابق کچھ فوج بند قلعے کے اندر تھی۔

اور کچھ قلعے کے باہر پہاڑیوں میں چھپا دی گئی تھی تا کہ حملہ آور دشمن کو

راستے میں ہی ختم کر دیا جائے۔

اور یہی ہوا سپارٹا والوں کا لشکر جب ٹرائے کے بند قلعے کے باہر پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ قلعے کا بڑا دروازہ بند ہے۔ اور اوپر ہزاروں کی تعداد میں لشکر تیر کمان اور نیزے لیے مقابلے کے لئے تیار کھڑے ہے وہ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ حملہ کریں یا واپس چلے جائیں کہ پہاڑیوں میں چھپی ہوئی ٹرائے کی فوجوں نے دشمن پر زہر میں بجھے ہوئے تیروں کی بارش شروع کر دی فوج اس اچانک حملے کے لئے تیار نہ تھی ہر طرف افراتفری مچ گئی تیر چلانے والے کہیں بھی نظر نہیں آ رہے تھے مگر تیروں کی بارش برابر ان کے اوپر ہو رہی تھی۔ دوسری جانب قلعے کے اوپر سے بھی دشمن پر نیزے برسنے لگے اب تو ہر طرف بھگدڑ مچ گئی گھوڑے زخمی ہو کر گرنے لگے اور اپنے ہی سپاہیوں کو روندنے لگے نتیجہ یہ نکلا کہ سپارٹا والوں کا لشکر ٹرائے کے شہر

میں قبضہ کرنے آیا تھا بری طرح شکست کھا کر واپس بھاگ اٹھا۔
ہزاروں سپاہی اور گھوڑے مارے گئے ٹرائے کی فوج نے بھاگتے لشکر کا پیچھا کیا اور ہزاروں کو راستے میں ہی مار ڈالا۔
جب یہ فوج زخمی حالت میں گرتی پڑتی سرنگ کے راستے قلعے کے اندر داخل ہوئی تو سپارٹا کے بادشاہ کو بے حد مایوسی ہوئی اس کا تو خیال تھا کہ جاسوس اسے آ کر خوش خبری سنا دیں گے کہ ٹرائے کے شہر پر قبضہ ہو گیا ہے لیکن یہاں سپاہی ہار کر زخمی حالت میں آئے تھے اس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ ٹرائے کی فوج کا مقابلہ قلعے سے باہر نکل کر نہیں کیا جائے گا۔ وگرنہ وہ ٹرائے شہر کی فتح کی خوشخبری سننے کے بعد قلعے سے باہر آ کر دشمن سے مقابلہ کرنے والا تھا۔
یہ خبر ٹرائے کے لشکر میں غدار وزیر کو بھی مل گئی اسے بھی بڑی مایوسی ہوئی اسے عنبر پر سخت غصہ آیا کیوں کہ اسی کے مشورے سے بادشاہ نے

ٹرائے کے خالی شہر میں فوج جمع رکھی تھی اس نے سوچا کہ موقع ملتے ہی وہ عنبر کو ضرور قتل کردے گا کیوں کہ بادشاہ پر اس کا اثر ورسوخ بڑھتا جا رہا تھا سفید عقاب کو اپنی خوش بختی کی نشانی سمجھ کر بادشاہ اپنے ساتھ ہی لایا تھا عنبر نے ایک بار تنہائی میں سفید عقاب سے کہا۔

بھائی اب تو اپنی اصلی صورت میں آجاؤ آخر کب تک ہمیں انتظار کرواؤ گے۔؟

عقاب نے زور سے سیٹی بجائی عنبر نے پلٹ کر دیکھا وزیر اس کی طرف بڑھ رہا تھا شاید اس کی آستین میں خنجر تھا لیکن عنبر کو پیچھے مڑتے دیکھ کر وہ ہنس پڑا اور بولا۔

عقاب سے باتیں ہو رہی ہیں کیا؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

میں نے سنا ہے کہ عقاب بھی بولنا سیکھ لیتے ہیں۔

وزیر مسکراتا ہوا خیمے سے باہر نکل گیا اب خیمے میں عنبر اور عقاب بالکل تنہا تھے اچانک عقاب نے زور سے پھنکار ماری اور وہ ایک انسان کے روپ میں عنبر کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ ناگ پھنی نے عنبر کو بتایا۔
یہی وہ وزیر ہے جس کی سازش سے شہزادی ہیلن اغوا ہوئی اور اس وقت بھی وہ تم کو قتل کرنے اندر آیا تھا کیونکہ وہ تمہیں اس لئے اپنا دشمن سمجھتا ہے کہ بادشاہ تمہارے مشورے پر چلتا ہے۔
وزیر کے بارے میں سن کر عنبر حیران رہ گیا۔
اس کا مطلب یہ ہوا کہ وزیر خاص ٹرائے کا غدار ہے۔
ناگ پھنی بولا۔
بے حد خطرناک غدار وہ شہزادی ہیلن کے باپ کو برباد کر کے اس کے شہر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے کیونکہ سپارٹا کے بادشاہ نے اسے یقین دلایا ہے کہ وہ اسے فتح کی صورت میں ٹرائے کا گورنر لگا دے گا تمہیں اس

سے خبر دار رہنا ہوگا۔

عنبر نے کہا۔

مگر تم ابھی کتنی دیر سفید عقاب بنے رہو گے؟

ناگ پھنی نے کہا۔

جس وقت تمہیں میری ضرورت ہوئی میں فوراً اپنے انسانی روپ میں آجاؤں گا ابھی مجھے عقاب بن کر عیش اڑانے دو۔

خیمے میں کسی کے داخل ہونے کی چاپ سنائی دی ناگ پھنی جلدی سے عقاب بن کر پنجرے کے اندر چلا گیا ایک غلام نے آکر عنبر سے کہا کہ بادشاہ سلامت اسے یاد کر رہے ہیں عنبر اس کے ساتھ بادشاہ کے خیمے میں چلا گیا بادشاہ سلامت وزیر جنگ کے ساتھ بے چینی سے اپنے خیمے میں ٹہل رہا تھا اس نے عنبر سے کہا۔

میں قلعے کا گھراؤ کرتے کرتے تنگ آگیا ہوں میں چاہتا ہوں کہ آج

رات قلعے پر حملہ کر دیا جائے۔

عنبر نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ ابھی کچھ دیر انتظار کر لینا چاہیے مگر بادشاہ نے اس تجویز کو قبول نہ کیا کیونکہ اس کے جاسوسوں نے اسے بتایا تھا کہ سپارٹا والوں کے پاس قلعے کے اندر خوراک اور پانی کا اتنا ذخیرہ ہے کہ وہ ایک سال تک قلعے کے اندر بند رہ کر بڑی آسانی سے گزارا کر سکتے ہیں۔

اس اعتبار سے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہ تھا کہ آگے بڑھ کر قلعے پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ وزیر جنگ نے بھی اسی فیصلے کا ساتھ دیا سارا دن قلعے پر حملہ کرنے کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ لکڑی کی بڑی بڑی سیڑھیوں کو اگلی صفوں میں لا کر رکھ دیا گیا لوہے کی بڑی بڑی قد آدم ڈھالوں کی دیواریں بنائی گئی جو اس لئے تھیں کہ قلعے کی فصیل کے اوپر سے برسنے والے تیروں اور نیزوں کو روک سکیں پتھر پھینکنے والی

توپوں کو بھی آگے لا کر ایسی جگہوں پر نصب کر دیا گیا جہاں سے قلعے کی دیوار پر گولے پھینکے جا سکتے تھے حملے کی ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اب صرف بادشاہ کے حکم کا انتظار تھا۔

سپارٹا پر حملہ

تیسرے پہر فوجوں نے سپارٹا پر حملہ کر دیا۔

قلعے پر سپارٹا کی فوج تیار کھڑی تھی وہ صبح سے حملے کی تیاریاں دیکھ رہے تھے۔ جونہی ٹرائے کی توپوں نے گولہ باری شروع کی انہوں نے بھی دشمن کی فوجوں پر تیر برسانے شروع کر دیے ٹرائے کی فوج کا ایک دستہ سیڑھیاں لئے قدِ آدم ڈھالوں کی اوٹ میں قلعے کی دیوار کی طرف بڑھنے لگا جب وہ فصیل کے نیچے پہنچا تو اوپر سے سپاہیوں نے

ان پر نیزوں کی بارش کر دی مگر ٹرائے کے سپاہی ایک جگہ دیوار پر سیڑھی لگا کر اوپر چڑھنے لگے جوں ہی وہ دیوار کے درمیان میں پہنچے اوپر سے ان پر کھولتا ہوا گرم تیل انڈیل دیا گیا سپاہی بے چارے جل بھن کر پکوڑا ہو کر نیچے گرنا شروع ہو گئے۔

ٹرائے کے بادشاہ کا خیال تھا کہ سپارٹا کی فوج قلعے کے باہر آ کر ان کا مقابلہ کرے گی لیکن ایسا نہ ہوا سپارٹا والے بڑے مزے سے قلعے کے اندر ہی رہے اور دیوار پر کھڑے ہو کر حملہ کرنے والوں پر تیر نیزے بھالے برساتے رہے اور گرم گرم تیل انڈیلتے رہے رات ہو گئی۔ حملہ روک دیا گیا رات بھر کے لئے لڑائی بند کر دی گئی جب نقصان کا اندازہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ٹرائے کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے ہیں جب کہ سپارٹا والوں کا بہت ہی کم نقصان ہوا ہے بادشاہ بڑا ٹپٹایا سپہ سالار اور عنبر کو بلا کر اس نے کہا۔

اس طرح تو میں ساری زندگی سپارٹا کے قلعے پر قبضہ نہیں کر سکتا کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہیے کہ قلعے کا دروازہ کھل جائے یا پھر دشمن باہر آ کر لڑائی کرنے پر مجبور ہو جائے۔

عنبر کے پاس ایسا طریقہ موجود تھا وہ دیوی بلطیس کی مدد لے کر سپارٹا کی فوج کو ان کے قلعے سمیت تباہ کر سکتا تھا لیکن وہ محض ایک بادشاہ کی ذاتی خوشی کے لئے ہزاروں سپاہیوں اور شہریوں کا قتل عام اپنے ذمے نہیں لینا چاہتا تھا اس نے کہا۔

اے بادشاہ سلامت! اس کے سوا اور کیا ترکیب ہو سکتی ہے کہ اپنے جاسوس قلعے کے اندر بھیج کر سازش کروائی جائے اور قلعے کے دروازے کو کھلوایا جائے۔

بادشاہ بولا۔

سوال تو یہی ہے کہ قلعے کے اندر جاسوس کیسے بھیجے جائیں اندر جانے

کا ایک ہی راستہ ہے جو بند ہے خفیہ راستوں کا ہمیں کسی کو بھی علم نہیں

ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

اگر آپ اجازت دیں تو میں بھیس بدل کر اندر جانے کی کوشش کرتا

ہوں۔

ہرگز نہیں میں اپنے سپہ سالار کی قیمتی جان کو خطرے میں نہیں ڈال

سکتا۔ عنبر نے سوچا کہ صرف ایک عقل مند، پارسا اور نیک عورت

شہزادی ہیلن کے لئے اسے بادشاہ کی تھوڑی بہت مدد ضرور کرنی

چاہیے اس نے کہا۔

جہاں تک قلعے کے اندر جانے کا تعلق ہے وہ میں چلا جاؤں گا مگر اندر

جا کر میں کیا کروں گا۔؟ اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔

بادشاہ نے کہا۔

لیکن تم قلعے کے اندر کہاں سے جاؤ گے۔؟

عنبر نے کہا۔

یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں مجھے آپ صرف یہ بتائیں کہ میں قلعے کا دروازہ کیسے کھلواؤں۔؟

یہ تو اندر پہنچنے کے بعد ہی تم کو معلوم ہو سکتا ہے۔

بادشاہ بولا۔

کیا تم قلعے کے اندر جا کر کسی طرح میری بیٹی شہزادی ہیلن سے مل سکتے ہو؟

اگر میں کوشش کروں تو مل سکتا ہوں۔

پھر تم ضرور جاؤ ہیلن سے ملو وہ تمہیں کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور بتائے گی اتنے دنوں سے وہاں موجود ہے ضرور وہ قلعے کے بارے میں بہت کچھ جان چکی ہو گی۔

پھر میں آج رات ہی قلعے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا ہوں

ضرور کوشش کرو مگر اپنی جان کا خیال رکھنا۔

میری جان کی آپ فکر نہ کریں۔

عنبر نے مسکرا کر کہا اور وہاں سے سیدھا اس خیمے میں آگیا جہاں

پنجرے میں سفید عقاب بیٹھا تھا عنبر نے عقاب کو ساری بات سنادی

عقاب نے کہا۔

میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا میرے دوست اس لئے کہ تمہارے

اکیلے جانے میں خطرہ ہے۔

تو پھر ضرور چلو۔

عقاب نے پھنکار مار کر انسانی روپ اختیار کرلیا وہ دونوں دوست

ایک سپارٹا کے سوداگر جیسا لباس پہن کر قلعے کی پچھلی دیوار کی طرف

پیدل ہی روانہ ہوگئے دیوار کے نیچے پہنچ کر عنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

یار یہ بتاؤ کہ تم تو عقاب بن کر اڑ کر اندر چلے جاؤ گے لیکن میں قلعے کے اندر کیسے جاؤں گا۔؟

ناگ پھنی نے ہنس کر کہا۔

فکر نہ کرو دوست میں تمہیں بھی عقاب بنا کر اپنے ساتھ قلعے کے اندر اڑا لے جاؤں گا۔

اور ہوا بھی ایسا ہی۔ ناگ پھنی نے عنبر کو اپنے ساتھ دیوار کے سایے میں کھڑا کیا پھنکار مار کر عنبر کے چہرے پر ہوا دی اور ایک پل کے بعد دونوں سفید عقاب بن گئے پھر وہ فوراً قلعے کی فصیل کے اوپر سے اڑتے ہوئے قلعے کے اندر چلے گئے وہ سپارٹا کے ایک ویران سے بازار میں آ گئے رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی شہر کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے جب کہ سپاہی گشت کر رہے تھے۔ سپاہیوں کے ایک دستے نے آ کر عنبر اور ناگ پھنی سے پوچھا کہ وہ

کون ہیں اور آدھی رات کو بازار میں آوارہ گردی کس لئے کر رہے ہیں عنبر اور ناگ پھنی نے جان بوجھ کر بھاگنے کی کوشش کی سپاہیوں نے لپک کر فوراً ان دونوں کو گرفتار کر لیا اور قید خانے میں جا کر ڈال دیا وہ یہی تو چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح قید خانے میں پہنچ جائیں سارا ڈھونگ انہوں نے اسی لئے تو رچایا تھا انہیں قلعے کے بڑے جیل کی ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

یہ بھی اچھی بات ہوئی کہ انہیں الگ الگ نہیں رکھا گیا تھا ناگ پھنی نے عنبر سے کہا۔

یہاں سے معلوم کرنا چاہیے کہ شہزادی ہیلن کس جگہ قید ہے؟ یہ معلوم کرنا تو بڑا مشکل ہے اس لئے کہ یہاں کوئی دوسرا قیدی نظر نہیں آ رہا ہمیں صبح کا انتظار کرنا ہوگا۔

دن چڑھا تو ایک پہریدار ان کے لئے پتلا شوربہ لے کر آیا انہوں نے

شور بہ لے کر کہا۔

کیوں بھائی یہاں کوئی اور بھی قیدی ہیں یا ہم قسمت کے مارے اکیلے ہی ہیں۔

بکواس بند کرو چپکے بیٹھے رہو۔ ورنہ ابھی نیزہ مار کر سینہ چھلنی کر دوں گا۔

بھئی یہ تو بڑا گرم ہے معلوم ہوتا ہے سپارٹا والوں کو شکست ہو رہی ہے اس وقت پہریدار جا چکا تھا ورنہ یہ بات سن کر وہ ضرور ان میں سے کسی نہ کسی کو نیزے میں پرو دیتا عنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

یہ کوئی بہت بڑا قید خانہ معلوم ہوتا ہے ضرور شہزادی ہیلن بھی اسی جگہ کہیں قید ہوگئی۔

پھر تو مجھے ہی جا کر سراغ لگانا ہوگا کیونکہ تم باہر نہیں نکل سکتے۔

یہی میں تم سے کہنے والا تھا تم یہاں سے نکل کر کسی نہ کسی طرح شہزادی

ہیلن کے پاس پہنچو اور اسے کہو کہ وہ فکر نہ کرے ہم اسے یہاں سے نکال کرلے جائیں گے اس کے علاوہ اس سے یہ بھی پوچھنا کہ اس قلعے کے دروازے کو کھلوانے کا کیا بندوبست ہو سکتا ہے۔

بہت بہتر .... میں ابھی جاتا ہوں۔

ناگ پھنی نے انسانی شکل کو چھوڑ کر سانپ کی شکل اختیار کی اور جیل کی سلاخوں میں سے نکل کر دیوار کے ساتھ ساتھ اندھیرے میں آگے کی طرف سرکنے لگا۔ عنبر کو یہ بڑا فکر تھا کہ دن کا وقت ہے ناگ پھنی پر بڑی آسانی سے کسی کی بھی نظر پڑ سکتی ہے اگر ایسا ہو گیا تو اسے ضرور قتل کر دیا جائے گا۔ مگر ناگ پھنی بڑی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا شہزادی ہیلن کے کپڑوں کو بو سے وہ تھوڑا تھوڑا واقف تھا چنانچہ وہ اسی بو کی تلاش میں رینگتا چلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ اسے شہزادی کی ہلکی سی بو محسوس ہوئی۔

ناگ پھنی نے اس طرف رینگنا شروع کر دیا جس طرف سے وہ بو آ
رہی تھی یہ بو سیڑھیوں کے اوپر والی بارہ دری کی طرف سے آ رہی تھی
ناگ پھنی سانپ کی شکل میں سیڑھیاں چڑھ کر اور بارہ دری میں پہنچ
گیا یہ قید خانے کی دوسری منزل تھی یہاں ایک بہت بڑا صحن تھا صحن
کے اس طرف ایک پرانا برآمدہ تھا اور برآمدے میں بہت سی کوٹھڑیاں
بنی ہوئی تھیں جن کے اوپر لکڑی کے دروازے چڑھے تھے۔
سانپ نے بارہ دری میں ایک جگہ رک کر شہزادی کی بو سونگھی یہ بو ایک
کوٹھڑی کی طرف سے آ رہی تھی سانپ نے اُدھر کو آہستہ آہستہ رینگنا
شروع کر دیا وہ صحن کو بہت جلد عبور کر جانا چاہتا تھا کیوں کہ صحن میں
دھوپ کھلی ہوئی تھی اور وہاں اس پر کسی سپاہی یا پہریدار کی نظر پڑ
جانے کا خطرہ تھا سانپ نے بڑی تیزی سے صحن عبور کر لیا اور وہ بر
آمدے میں پہنچ گیا برآمدے میں وہ بو کے تعاقب میں جا رہا تھا کہ

ایک ستون کے پاس بیٹھے ہوئے سپاہی نے اسے دیکھ لیا سپاہی
سانپ کے عقب میں تھا اس نے شور مچانے کی بجائے نیام سے تلوار
نکالی اور دبے پاؤں سانپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ سانپ جب
برآمدے کا موڑ گھومنے لگا تو سپاہی نے پوری طاقت سے اس پر تلوار
ماری۔

اگر سانپ ذرا سا پرے نہ ہو جاتا تو وہ کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ہوتا۔
تلوار سانپ کے بالکل قریب فرش پر پڑ کر جھنجھنا اٹھی وہ بجلی جیسی تیزی
کے ساتھ پلٹ کر دیوار کے اوپر چڑھ گیا اب سانپ دیوار کے اوپر
چھت کے پاس تھا اور نیچے سپاہی تلوار ہاتھ میں لئے اس کے نیچے
اترنے کا انتظار کر رہا تھا سانپ نے سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ سپاہی شور مچا
کر دوسرے سپاہیوں کو بھی بلا لے اس لے اس کے ساتھ نپٹ لینا
بہت ضروری ہے سانپ بڑی تیزی سے رینگتا ہوا دوسری طرف نکل

گیا سپاہی بھی اس کے پیچھے پیچھے گیا مگر وہاں برآمدے میں اندھیرا تھا سپاہی سانپ کو نہ دیکھ سکا مگر سانپ اسے دیکھ رہا تھا سانپ بڑی خاموشی کے ساتھ دیوار پر سے اترا اور ایک پہلو سے سپاہی کی طرف بڑھنے لگا سپاہی جھکا جھکا آگے کو چل رہا تھا۔

سانپ نے لپک کر اس کی پنڈلی پر ڈس لیا اور پیچھے مڑ کر دیوار کے اوپر چڑھ گیا سپاہی پنڈلی کو پکڑ کر فرش پر بیٹھ گیا پورے کا پورا داخل کیا گیا زہر جس کی وجہ سے سپاہی کے گلے میں آواز بند ہوگئی تھی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے گلے کو پکڑا اور بے ہوش ہو کر فرش پر لڑھک گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر سانپ اس کوٹھڑی کی طرف آگیا جہاں سے شہزادی ہیلن کے کپڑوں کی بڑی تیز بو آرہی تھی کوٹھڑی کے باہر ادھر اُدھر رینگ کر سانپ نے آخر ایک سوراخ تلاش کر لیا چپکے سے اس

نے گردن اندر ڈال کر دیکھا شہزادی ہیلن ایک تختے پر سو رہی تھی سانپ جلدی سے اندر داخل ہو گیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ شہزادی اسے آدمی کا روپ بدلتے ہوئے دیکھے یہ موقع غنیمت تھا اس نے فوراً انسانی شکل اختیار کی اور کوٹھڑی کی کنڈی اندر سے کھول دی تا کہ شہزادی کو یہ شک نہ ہو کہ وہ اندر کہاں سے کیسے آ گیا۔؟

انسان کی شکل میں آتے ہی ناگ پھنی نے شہزادی کے پاؤں کو ذرا سا ہلا کر اسے جگایا۔ شہزادی ہیلن نے آنکھیں کھول کر ایک اجنبی کو اپنے بستر کے قریب دیکھا تو ذرا حیران ہوئی اس لئے کہ اس اجنبی کی شکل جیل کے پہریداروں جیسی نہیں تھی اس نے ناگ پھنی سے پوچھا۔

تم کون ہو؟ یہاں کیا لینے آئے ہو؟

ناگ پھنی نے کہا۔

شہزادی۔ میں تمہارے باپ کے خیموں کی طرف سے بڑی مشکل

سے یہاں آیا ہوں میرا پہلا مقصد تو تمہیں یہاں سے آزاد کرانا ہے دوسرا پیغام تمہارے باپ کی طرف سے یہ ہے کہ تم قلعے کا دروازہ کھلوانے میں میری کچھ مدد کر سکتی ہو؟

شہزادی نے پوچھا۔

تمہارے ساتھ اور کون ہے۔؟

بادشاہ کا شاہی طبیب عنبر بھی میرے ساتھ ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں سے میرا نکلنا بہت مشکل ہے ان لوگوں نے چپے چپے پر سخت پہرہ لگا رکھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس شہر کے قلعے کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی جب سے یہاں آئی ہوں اس کال کوٹھڑی میں پڑی ہوئی ہوں۔

آپ کو نا امید نہیں ہونا چاہیے شہزادی، اگر ہم کوشش کریں تو آپ کو یہاں سے نکال کر لے جا سکتے ہیں۔

اگر ایسا ہو جائے تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گی خدا جانے میرا باپ میری جدائی میں کس حال میں ہے؟ اور پھر جنگ میں بھی تو اسے کوئی کامیابی نہیں ہو رہی۔

ہم یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح قلعے کا دروازہ کھلوانے میں کامیاب ہو جائیں تا کہ ہماری فوجیں قلعے کے اندر داخل ہو سکیں۔

شہزادی نے کہا۔

اس کا خیال ذہن میں نہ لانا خواہ مخواہ ہماری فوج کے لوگ مارے جائیں گے کیونکہ جہاں تک میں نے معلوم کیا ہے قلعے پر بے حد سخت پہرہ ہے اور سوائے بادشاہ کے حکم کے کسی کے کہنے پر بھی نہیں کھل سکتا۔

پھر آپ ہمارے ساتھ چلیں۔

مگر کیسے؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ میں بھی قتل کر دی جاؤں

اور اپنے بوڑھے باپ کو کبھی اپنی شکل نہ دکھا سکوں؟ میں ایسا خطرناک قدم کبھی نہیں اٹھاؤں گی میں ایک بہادر باپ کی بیٹی ہوں اور بہادری سے اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتی ہوں میں یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتی کہ تاریخ میں یہ لکھا جائے کہ شہزادی ہیلن سپارٹا والوں کی قید سے چوروں کی طرح جان بچا کر بھاگ گئی تھی۔

ناگ پھنی نے کہا۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے فیصلے پر ایک بار پھر غور کر لیں۔

شہزادی ہیلن نے بڑی سختی سے کہا۔

میں ہمیشہ اپنا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرتی ہوں آپ میرے والد سے جا کر کہہ دیں کہ میں چاہتی ہوں سپارٹا والوں کو شکست دے کر میری ذلت کا بدلہ لیا جائے۔

بہت بہتر۔ شہزادی صاحبہ۔

ناگ پھنی ناامید ہو کر وہاں سے باہر نکل آیا برآمدے میں ایک سپاہی نے اسے دیکھا اور اس کے پیچھے بھاگا۔ ناگ پھنی لپک کر ایک طرف ہو گیا اور فوراً اس نے سانپ کی شکل اختیار کر لی اور بڑی تیزی سے رینگتا ہوا صحن عبور کر کے بارہ دری میں آگیا یہاں سے سیڑھیاں اتر کر وہ اس کوٹھڑی میں داخل ہو گیا جہاں عنبر اس کا انتظار کر رہا تھا اس نے شہزادی کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی وہ ساری کی ساری عنبر کو بیان کر دی۔

عنبر کو بڑا افسوس ہوا شہزادی محض ضد سے کام لے رہی ہے اس نے اسے دوبارہ قائل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ناگ پھنی نے کہا۔
شہزادی اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹے گی اس کے ساتھ اس بارے میں گفتگو کرنا بے کار ہے۔
پھر ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

اس کے سوا اور چارہ بھی کوئی نہیں۔

دوپہر کو جب سپاہی ان کے لئے کھانا لے کر آیا تو وہ دونوں اس پر ٹوٹ پڑے سپاہی دونوں کی مار کھا کر بے ہوش ہو گیا اس کے بے ہوش ہوتے ہی دونوں دوست کوٹھڑی سے باہر نکل کر چھپتے چھپاتے قلعے کی دیوار کے اوپر پہنچ گئے یہاں سے وہ جس طرح آئے تھے۔ ویسے ہی واپس ٹرائے کی فوجوں کے کیمپ میں چلے گئے۔

لکڑی کا گھوڑا

شہزادی ہیلن کے دلیرانی جواب کے بعد اس کے باپ نے دوبارا جنگ شروع کر دی۔

یہ حملہ سپارٹا کے قلعے پر پوری طاقت کے ساتھ کیا گیا تھا اس میں پانچ سو ہاتھیوں نے بھی شرکت کی ہاتھیوں کو ایک گروہ کی شکل میں قلعے کے دروازے سے ٹکرانے کے لئے آگے بڑھایا گیا جب وہ دروازے کے پاس پہنچے تو اوپر سے ان پر کھولتا ہوا بے شمار تیل انڈیل دیا گیا کھولتے ہوئے تیل نے ہاتھیوں میں بھگدڑ مچا دی وہ جلتے ہوئے تکلیف کے ساتھ ایک دوسرے کو کچلتے ہوئے ایک دوسرے پر

گرنے لگے۔ انہوں نے بدحواس ہو کر واپس بھاگتے ہوئے اپنی ہی فوج کے سپاہیوں کو روندنا شروع کر دیا قلعے کے دروازے کو توڑنے کی یہ ترکیب بھی ناکام ہو گئی۔

چار روز تک ٹرائے کی فوجیں سپارٹا کے قلعے سے سر پٹختی رہی ان کے ہزاروں سپاہی میدان جنگ میں مارے گئے سینکڑوں ہاتھی جل بھن کر راکھ ہو گئے آخر بادشاہ کو جنگ روکنا پڑی پانچویں روز جنگی کونسل کا ایک اجلاس ہوا جس میں سوچا گیا کہ سپارٹا کس طرح فتح کیا جائے طاقت کے زور پر جنگ جیتی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ سپارٹا والے قلعے کے اندر بڑے سکون سے لڑ رہے تھے آخر فیصلہ ہوا کہ محاصرہ لمبا کر دیا جائے یعنی قلعے کو چاروں طرف سے گھیر کر بیٹھے رہو ان کی ناکہ بندی کر دو۔ جب وہ بھوک اور پیاس سے مرنے لگیں گے تو اپنے آپ قلعے کا دروازہ کھول کر شہر ان کے حوالے کر دیں گے۔

مگرانہیں یہ خبر نہیں تھی کہ سپارٹا والوں نے سارا انتظام کر رکھا ہے اگر وہ دو برس بھی اپنے قلعے کے اندر بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکتے تھے ان کے پاس خوراک اور پانی کا بے پناہ ذخیرہ تھا انہوں نے شہر کے اندر ہی پانی کے کنوئیں کھودے ہوئے تھے اور کھیتی باڑی بھی وہیں کرتے تھے بہر حال سپارٹا کا محاصرہ شروع ہو گیا محاصرہ طول پکڑتا گیا ایک ماہ، دو ماہ، چار ماہ، چھ ماہ،............ایک برس گزر گیا مگر سپارٹا والوں نے کسی قسم کی پریشانی کا کوئی اظہار نہ کیا............پہلے روز کی طرح اب بھی قلعے کی فصیل کے اوپر چاق و چوبند سپاہی پہرہ دیتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں خوب پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا ہے۔

ٹرائے کا بادشاہ اپنی بیٹی ہیلن کی یاد میں اشکبار ہو گیا اس نے اپنے شاہی جاسوسوں کو بلا کر کہا کہ فوراً قلعے کے اندر جا کر اسے اس کی بیٹی کی خیریت کی خبر لا کر دی جائے دو جاسوس قلعے کے اندر جانے کے

لئے چل پڑے چار روز بعد ان کی لاشیں ایک ایک کر کے قلعے کے اوپر سے نیچے پھینک دی گئیں یہی حال اس کے بعد چار اور جاسوسوں کا بھی ہوا بادشاہ غصے میں کانپ اٹھا۔

کیا اب میری اس طرح توہین ہوتی رہے گی..........دیوتاؤں میں نے کیا گناہ کیا ہے جس کی مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔؟

عنبر کو بادشاہ کی حالت پر ترس آ گیا اس نے ناگ پھنی سے کہا کہ وہ جا کر شہزادی کی خیریت کی خبر لا دے عنبر نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ فکر نہ کریں اس نے اپنے ایک خاص جاسوس کو قلعے کے اندر بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے ناگ پھنی ایک عام سپاہی کی شکل میں آ کر بادشاہ سے ملا اور پھر اس کی اور عنبر کی اجازت لے کر قلعے کی طرف چل پڑا۔

غدار وزیر اس دوران میں خاموش بیٹھا تھا وہ خوش بھی تھا کہ ٹرائے کی فوجیں قلعے کے باہر پڑے پڑے خود بخود تباہ ہو رہی ہیں اس کے

علاوہ ٹرائے کے قیمتی جاسوس بھی سپارٹا والوں نے ہلاک کر دیے ہیں ایک رات چھپ کر غدار وزیر نے بھی سوداگر کا بھیس بدلا اور قلعے کے اندر سپارٹا کے بادشاہ سے ملنے چل پڑا قلعے کے دروازے پر جا کر اس نے خاص خفیہ لفظ دہرائے فوراً پوشیدہ راستہ کھول دیا گیا غدار وزیر سپارٹا کے شاہی محل میں آ گیا یہاں پہنچ کر اس نے ٹرائے کی فوجوں کے بارے میں پوری پوری خبر کر دی اس نے بتایا کہ فوجوں کا دل طویل محاصرہ سے اکتا گیا ہے اور وہ واپس اپنے شہر جانا چاہتی ہیں خود بادشاہ بھی ناامید ہو گیا ہے سپارٹا کے بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔

ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جب دشمن کی فوجیں محاصرے سے تنگ آ کر تھکی ہاری واپس جا رہی ہوں تو انہیں راستے میں پکڑ لیا جائے اور اچانک حملہ کر کے ختم کر دیا جائے۔

غدار وزیر نے یہ بھی بتایا کہ ٹرائے کا بادشاہ اپنی بیٹی ہیلن کے بارے

میں بھی بے حد پریشان ہے اس غم نے اس کی کمر توڑ کر رکھ دی اس کے جاسوسوں کے ساتھ جو حشر ہوا اس کی وجہ سے بھی وہ سخت بد دل ہو گیا ہے اور اب اسے یقین ہونے لگا ہے کہ سپارٹا پر فتح حاصل کرنا ایک ناممکن بات ہے۔

سپارٹا کے بادشاہ نے فخر کے ساتھ کہا۔

ہمارے دوست وزیر، ہیلن کو ہم کبھی رہا نہیں کریں گے ہم ٹرائے کی تاریخ پر یہ مہر لگا دیں گے کہ اس کی ایک شہزادی کو ساری عمر سپارٹا والوں کی قید میں کاٹنا پڑی۔

غدار وزیر واپس آ گیا۔

اس اثناء میں ناگ پھنی عقاب کے روپ میں قلعے کی فصیل پر پہنچ گیا تھا وہاں سے وہ سانپ کا روپ بدل کر قید خانے میں ہیلن کی کوٹھڑی کے باہر آ گیا اور یہاں انسانی شکل اختیار کر کے اندر ہیلن کے پاس

چلا گیا اس نے ہیلن کو بتایا کہ اس کا باپ اس کے بغیر بے حد اداس اور دل گیر ہے ہیلن کی آنکھوں میں بھی باپ کو یاد کر کے آنسو آ گئے اس نے باپ کو پیغام بھجوایا کہ جس طرح بھی ہو سکے سپارٹا کو فتح کر کے اسے رہائی دلائی جائے تا کہ لوگ اس کا نام بھی عزت و آبرو سے لے سکیں۔

جب ناگ پھنی نے واپس آ کر بادشاہ کو ہیلن کی خیریت اور اس کا خاص پیام بادشاہ تک پہنچایا تو اس نے ایک بار پھر حملے کا حکم دے دیا چوتھی بار حملہ کیا گیا مگر فوج کی کمی ہو چکی تھی ہاتھیوں کی تعداد بھی تھوڑی رہ گئی تھی چنانچہ اس بار بھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی بادشاہ اپنے خیمے کے اندر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اب عنبر آگے بڑھا اس نے خیمے کے اندر داخل ہو کر کہا۔

بادشاہ سلامت اگر آپ قبول کریں تو سپارٹا پر قبضہ کرنے کے لئے

میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔

بادشاہ نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔

وہ کیا ہے؟ جلدی بتاؤ۔ ہم ضرور اس پر عمل کریں گے۔

عنبر نے جب اپنی ترکیب اور منصوبہ بادشاہ کو بتایا تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل گیا اس نے عنبر کو سینے سے لگالیا اور کہا کہ یہ ترکیب اس نے پہلے کیوں نہیں بتائی؟

اگلے روز اس منصوبے پر عمل شروع ہو گیا۔

ٹرائے شہر کے تمام ترکھان میدان جنگ میں بلا لیے گئے انہوں نے مل کر جنگل میں سے بڑے بڑے درخت کاٹے اور انہیں چھیلنا اور کاٹنا شروع کر دیا۔

پندرہ دنوں کے بعد قلعے کے اوپر کھڑے سپارٹا کے سپاہیوں نے دیکھا کہ ٹرائے کی فوج کے سپاہی لکڑیوں کے بڑے بڑے لٹھ میدان

میں رکھے کوئی چیز تیار کرر ہے ہیں وہ یہ سمجھے کہ شاید دشمن کوئی نئی توپ تیار کرر ہا ہے جس سے وہ قلعے پر آخری اور بھر پور حملہ کرنا چاہتا ہے وہ سپاہیوں کواور تر کھانوں کوتوپ بناتے دیکھتے رہے پندرہ دن اور گزر گئے اب انہیں محسوس ہوا کہ ٹرائے کے سپاہی توپ نہیں بلکہ ایک بہت بڑا لکڑی کا گھوڑا تیار کرر ہے ہیں۔

انہوں نے سپارٹا کے بادشاہ کو بھی خبر کر دی کہ ٹرائے کے فوجی جنگی مشق چھوڑ کر تر کھانوں کے ساتھ مل کر لکڑی کا ایک بہت اونچا لمبا گھوڑا تیار کرر ہے ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت ہنسا اور بولا میں نے ٹرائے کے بزدل سپاہیوں کو تر کھان بنا دیا ہے وہ اپنے دل بہلانے کے لئے لکڑی کے گھوڑے بنانے لگے ہیں۔

ایک ماہ کے بعد ٹرائے کے سپاہیوں نے ایک بہت اونچا لمبا کوئی چار منزلہ لکڑی کا گھوڑا بنا کر میدان جنگ میں قلعے کی فصیل کے

سامنے کھڑا کر دیا جس کے پاؤں میں لکڑی کے پہیے لگے تھے اس کے بعد فوجوں نے کوچ کی تیاری کرنی شروع کر دی خیمے اکھاڑے جانے لگے۔ گھوڑوں، خچرں اور ہاتھیوں پر جنگ کا سامان لادا جانے لگا دیکھتے ہی دیکھتے میدان جنگ سے ٹرائے کی ساری فوج واپس جانا شروع ہو گئی بادشاہ کو خبر ملی کہ دشمن محاصرہ اٹھا کر واپس جا رہا ہے وہ خوشی سے نعرہ لگا کر بولا۔

دشمن کو اس کے شہر کے دروازے پر جا کر ملیں گے۔

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے سنا کہ ٹرائے کے سپاہی میدان میں ایک بہت عظیم الشان لکڑی کا گھوڑا بنا کر چھوڑ گئے ہیں بادشاہ اپنے وزیروں اور سپہ سالار کے ساتھ خود یہ گھوڑا دیکھنے آیا۔ وہ قلعے کی فصیل کے اوپر چڑھ کر کھڑا ہو گیا اس نے دیکھا کہ میدان جنگ میں سوائے مٹی کی گرد کے اور کچھ بھی نہیں تھا ٹرائے کی فوجیں واپس جا چکی تھیں

اور قلعے کی فصیل کے بالکل نیچے ایک لکڑی کا بہت بڑا گھوڑا کھڑا تھا۔

وہ ہنس پڑا۔

ٹرائے کے فوجی ترکھان بن گئے ہیں میں نے انہیں ترکھان بنا کر واپس کیا ہے وہ ہمارے پاس اپنی شکست کی نشانی یہ گھوڑا چھوڑ گئے ہیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ ٹرائے کی شکست اور پسپائی کی اس نشانی کو قلعے کے اندر لا کر شہر کے سب سے بڑے چوک میں کھڑا کر دیا جائے تا کہ آنے والی نسلیں اسے دیکھ کر یاد کریں کہ ٹرائے والوں کا سپارٹا پر حملہ کرنے کا کیسا عبرت ناک انجام ہوا تھا دو ایک بوڑھے وزیروں نے بادشاہ کے اس فیصلے کی مخالفت کی اور کہا کہ اس میں دشمن کی چھوڑی ہوئی کسی چیز کو بھی قلعے کے اندر نہیں لانا چاہیے مگر بادشاہ نے ان کی ایک نہ سنی اور حکم دیا کہ ٹرائے کی ذلت کی یادگار کو قلعے کے اندر لایا

جائے۔

اسی وقت قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا اور سپارٹا کے تنومند سپاہیوں نے باہر نکل کر لکڑی کے گھوڑے کی ٹانگوں میں بڑے بڑے رسے باندھے اور کوئی دو سو سپاہیوں نے اسے قلعے کے اندر کھینچنا شروع کر دیا کافی دیر کی محنت کے بعد وہ گھوڑے کو قلعے کے اندر لانے میں کامیاب ہو گئے قلعے کا بڑا دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا گیا اور گھوڑے کو بادشاہ کے حکم سے سپارٹا شہر کے سب سے بڑے چوک میں لا کر کھڑا کر دیا گیا اس کے بعد سپاہیوں نے اپنی فتح کا جشن منانا شروع کر دیا شہر کی عمارتوں اور شاہی محل پر چراغاں کیا گیا۔

آدھی رات تک فتح کا جشن جاری رہا رات کے پچھلے پہر سپاہی تھک ہار کر جہاں جہاں بیٹھے تھے وہیں پر گرے گہری نیند میں کھو گئے شاہی محل میں بھی سب لوگ سو گئے شہر کے مکانوں میں بھی دیے بجھا کر

لوگ میٹھی نیند میں کھو گئے آج سب کو بڑی گہری نیند آئی تھی کیونکہ دشمن ان کے دروازے سے خیمے اکھاڑ کر واپس جا چکا تھا۔

لیکن انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ دشمن اصل میں ان کے گھر کے اندر آ گیا ہے۔ جس لکڑی کے گھوڑے کو وہ بڑی مشکل سے کھینچ کر قلعے کے اندر لے آئے تھے اس کے پیٹ میں ٹرائے کی فوج کے چنے ہوئے دو سو بہادر سپاہی اپنے سردار کے ساتھ چھپے بیٹھے اشارے کے منتظر تھے یہ منصوبہ عنبر نے ٹرائے کے بادشاہ کو بتایا تھا کہ ایک ایسا عظیم اور اونچا لمبا لکڑی کا گھوڑا تیار کیا جائے جس کے اندر کم از کم دو سو سپاہیوں کے چھپ کر بیٹھنے کی جگہ ہو، پھر اس گھوڑے کو میدان جنگ میں چھوڑ کر فوجوں کو پیچھے ہٹا لیا جائے سپارٹا والے جب گھوڑے کو خود بخود کوئی چیز یا کھلونا سمجھ کر اندر لے جائیں تو آدھی رات کو سپاہی گھوڑے کے اندر سے نکل کر بڑی خاموشی سے چاروں

طرف پھیل جائیں اور قلعے کے دروازے کے پہریداروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیں، اس دوران میں فوج قریب کی پہاڑیوں میں چھپی رہے گی اشارہ ملتے ہی وہ دروازے میں داخل ہو کر حملہ کر دے گی۔

یہ منصوبہ بے حد خطرناک تھا اور سپارٹا والے اس جال میں پھنس گئے تھے۔

آدھی رات گزر جانے پر جب باہر مکمل خاموشی چھا گئی تو گھوڑے کے اندر بیٹھے ہوئے سپاہیوں کو سردار نے اشارہ کیا کہ باہر نکلا جائے ایک سپاہی نے رسی کھینچی گھوڑے کے پیٹ کے نچلے حصے میں سے ایک تختہ ہٹ گیا اور رسیوں کی سیڑھی باہر کو لٹکنے لگی سپاہی ایک ایک کر کے گھوڑے میں سے نکل کر باہر آ گئے وہ بڑی خاموشی سے باہر آئے تھے سردار کے اشارے پر آدھے سپاہی قلعے کی فصیل کی طرف اور آدھے

سپاہی چھپتے چھپاتے قلعے کے دروازے کی طرف کھسکنا شروع ہو گئے سارا شہر بڑے سکون سے سو رہا تھا قلعے کے بند دروازے کے اندر پہریداروں نے بھی آج پہلی دفعہ آنکھ جھپکی تھی فصیل کے اوپر بھی سپاہی باہر میدان دشمن سے خالی دیکھ کر بے فکر ہو کر سو گئے تھے صرف چند ایک پہریدار ادھر اُدھر چہل قدمی کر رہے تھے ٹرائے کے سپاہی فصیل کے اوپر آ گئے راستے میں انہیں جو سپاہی ملا اس کو انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے قتل کر دیا وہ قلعے کے اوپر آ گئے۔

اوپر فصیل پر آ کر انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ سوئے ہوئے دشمنوں کو ہلاک کر کے فصیل کے دوسری طرف پھینکنا شروع کر دیا انہوں نے سارے کا سارا کھولتا ہوا تیل بھی دیوار کے دوسری طرف انڈیل دیا چند ہی لمحوں بعد ٹرائے کے سپاہیوں نے فصیل کے اوپر قبضہ کر کے ایک برج میں کھڑے ہو کر جلتی ہوئی مشال ہاتھ میں لے

کر دائیں بائیں لہرائی۔

دور پہاڑیوں کے دامن میں چھپی ہوئی ٹرائے کی فوجوں نے بادشاہ اور عنبر نے فصیل کے اوپر روشنی کا اشارہ دیکھ کر سمجھ لیا کہ اپنی فوج نے فصیل پر قبضہ کرلیا ہے انہوں نے پہاڑیوں میں سے نکل کر ایک خونخوار لشکر کی صورت میں رات کے اندھیرے میں قلعے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا یہ ایک عظیم الشان فوجوں کا سیلاب تھا جو قلعے کی دیواروں کی جانب بڑھتا چلا آ رہا تھا اب انہیں صرف ایک آخری اشارے کی ضرورت تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

ٹرائے کے جو سپاہی قلعے کی دیوار کی طرف بڑھے تھے انہوں نے بھی راستے میں کئی ایک پہریداروں کو قتل کیا اور آ کر قلعے کے دروازے کی چوکی پر پہنچ گئے کچھ سپاہی چوکی کے باہر پہرہ دے رہے تھے ٹرائے

کے فوجیوں نے اچانک پہلو میں سے نکل کر انہیں ایک ایک کر کے دبوچ لیا اور قتل کر کے زمین پر پھینک دیا اس کے ساتھ ہی قلعے کا بڑا دروازہ کھول دیا گیا۔

جب ٹرائے کی فوج کو قلعے کے دروازے کھلنے کا اشارہ ملا تو فوج نے آندھی بن کر حملہ کر دیا اور ایک ہی ہلے میں ساری کی ساری فوج قلعے کے اندر داخل ہو گئی اوپر سے فصیل پر گئے ہوئے سپاہیوں نے اندر کی طرف سپارٹا کے سپاہیوں پر تیر برسانے شروع کر دیے سارے شہر میں شور مچ گیا کہ دشمن قلعے میں داخل ہو گیا مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی جس وقت سپارٹا کے سپاہی نیند سے جاگے اس وقت دشمن کے سپاہی شاہی محل میں داخل ہو کر قتل عام کر رہے تھے دوپہر تک سپارٹا کے سپاہیوں نے لڑائی کی مگر دشمن چونکہ ان کے گھر کے اندر داخل ہو چکا تھا اس لئے وہ بے بس ہو گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

ٹرائے کے بادشاہ نے سپارٹا کے قلعے پر قبضہ کرلیا۔
اس نے سپارٹا کے بادشاہ کو فوراً قتل کر کے اس کا سر محل کے باہر دروازے پر لٹکا دیا اور سارے درباریوں کے ساتھ شاہی قید خانے میں اپنی بیٹی شہزادی ہیلن کو رہا کرنے پہنچا بیٹی باپ کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئی باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
ہیلن نے کہا۔
میرے بہادر ابا! میں یہی چاہتی تھی کہ آپ ایک بہادر باپ بن کر اپنی بیٹی کو رہا کرائیں آپ نے سپارٹا کو فتح کر کے ٹرائے کی تاریخ سے ذلت کا نشان دھوڑ الا ہے۔ اب ہمارا سر فخر سے بلند ہے۔
بادشاہ نے اسے بتایا کہ یہ سارا منصوبہ عنبر نے اسے بتایا تھا ہیلن عنبر کی دانش مندی پر بے حد خوش ہوئی چونکہ وہ خود ایک دانا عقل مند عورت تھی اس لئے دانا اور عقل مند لوگوں کی قدر کرتی تھی۔

سپارٹا کی فتح کی خبر ٹرائے پہنچی تو وہاں سارے شہر میں چراغاں کیا گیا۔

لوگوں نے دیوتاؤں کے آگے نذرانے دیے قربانیاں پیش کیں اور اپنے مکانوں پر گھی کے چراغ جلائے بادشاہ نے سپارٹا کے شاہی محل میں ایک عظیم الشان دربار لگایا اور اپنے فوجیوں اور سپہ سالار اور درباریوں اور وزیروں کو انعام و اکرام تقسیم کیا عنبر کو شاہی وزیر کا مرتبہ دیا گیا۔ غدار وزیر بھی جھوٹ موٹ اس خوشی میں بادشاہ کے ساتھ تھا مگر اندر سے اس کا دل جل کر کباب ہو گیا تھا کیونکہ سپارٹا کی شکست کے بعد اس کے سارے خواب ختم ہو کر رہ گئے تھے۔

ناگ پھنی نے عنبر سے کہا۔

اس غدار وزیر کو بھی ٹھکانے لگا دو نہیں تو یہ ایک بار پھر عذاب جان بن جائے گا۔

غدار کا انجام

ناگ پھنی کا یہ مشورہ عنبر کے دل کو لگا۔

سپارٹا میں اپنا ایک فوجی سپہ سالار مقرر کرنے کے بعد بادشاہ اپنی بیٹی شہزادی ہیلن کو لے کر واپس اپنے شہر ٹرائے میں آ گیا ایک بہت بڑی فتح کے بعد شہر بھر میں چھ روز تک خوشیوں کا جشن منایا گیا۔

ساتویں دن عنبر نے بادشاہ کے خاص محل میں جا کر کہا کہ وہ اس سے ایک راز داری کی بات کرنا چاہتا ہے اس وقت بادشاہ کے پاس اس کی بیٹی ہیلن بھی موجود تھی بادشاہ نے کہا۔

کیا اس راز داری میں میری بیٹی بھی شریک ہو سکتی ہے۔؟

یعنی بادشاہ کا مطلب تھا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی بیٹی کو وہاں سے بھجوا دے مگر عنبر نے کہا کہ یہ بات شہزادی کے سامنے ہونی چاہیے کیونکہ شہزادی کا بھی اس میں ذکر ہے اس کے بعد عنبر نے بادشاہ کو بتایا کہ شہزادی کا اغوا ان کے خاص وزیر نے کروایا تھا اور وہ غدار وزیر ہے جو سپارٹا کے بادشاہ کی کٹھ پتلی تھا اور اس کے اشاروں پر ناچ رہا تھا بادشاہ یہ سن کر حیران رہ گیا شہزادی ہیلن کو بھی بڑی حیرانی ہوئی کیونکہ انہیں اپنے وزیر پر بڑا بھروسہ تھا اور وزیر نے بھی ہمیشہ ان پر یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ ان کا انتہائی وفادار وزیر ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

عنبر تم نے جو بات کہی ہے اس پر یقین کرنے کو دل نہیں مانتا۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ سلامت! میں آپ سے بالکل سچی بات عرض کر رہا ہوں اگر

آپ کو یقین نہ آئے تو میرے پاس اس کا ثبوت موجود ہے۔

شہزادی ہیلن نے پوچھا۔

تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ ہمارے وزیر نے مجھے اغوا کرایا تھا؟

عنبر بولا۔

اس کا ثبوت سپارٹا کی فوج کا ایک کپتان ہے، جس کا نام یورنیس ہے یہی وہ شخص ہے جو آدھی رات کو وزیر کے کہنے پر ہمارے محل میں داخل ہوا اور وزیر اسے اپنے ساتھ لے کر آپ کی خواب گاہ تک خفیہ راستے سے لایا اور پھر اسی نے آپ کو بے ہوشی کی دوا سونگھا کر اغوا کیا اور سپارٹا لے گیا۔

بادشاہ نے کہا۔

وہ کپتان یورنیس کہاں ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور سپارٹا کے جنگی قیدیوں میں موجود ہوگا میں نے اسے قیدیوں کی قطار میں دیکھا تھا۔

بادشاہ نے اسی وقت عنبر کو ساتھ لیا اور جنگی قیدیوں کے معائنے کے بہانے شاہی قید خانے میں آ گیا یہاں سپارٹا کے جنگی قیدی قطار میں کھڑے کر دیے گئے اور عنبر بادشاہ کے ساتھ ساتھ چل کر ایک ایک قیدی کو غور سے دیکھنے لگا۔ یورنیس تو ہزاروں میں پہنچانا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر تلوار کے زخم کا لمبا نشان تھا جس کو وہ چھپا نہیں سکتا تھا آخر ایک مقام پر عنبر نے یورنیس کو دیکھ لیا اس نے بادشاہ کو خفیہ طور پر اشارہ کیا کہ وہ سامنے یورنیس کھڑا ہے جس کے چہرے پر زخم کا لمبا نشان ہے بادشاہ نے شاہی داروغے سے کہا۔

اس قیدی کو خفیہ طور پر ہمارے محل میں پہنچا دیا جائے۔

یہ راز داری محض اس لئے کی جا رہی تھی کہ غدار وزیر کو وقت سے پہلے معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا بھانڈا پھوٹ رہا ہے۔ ایسی صورت میں وہ وہاں سے فرار ہو سکتا تھا اور کسی دوسرے شہر کی ریاست میں جا کر بادشاہ کے خلاف سازش میں مصروف ہو سکتا تھا تھوڑی ہی دیر بعد قیدی یورنیس بادشاہ کے خاص کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

اس وقت بادشاہ کے علاوہ عنبر اور شہزادی ہیلن بھی موجود تھی قیدی یورنیس نے عنبر کو ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کو وہ اغوا کی رات سرائے میں ملا تھا۔

مگر اس نے عنبر سے آنکھ نہ ملائی اور انجان بن کر کھڑا رہا بادشاہ نے یورنیس سے کہا۔

تمہارا نام کیا ہے۔

قیدی نے جھک کر عرض کی۔

یورنیس۔

کیا تم عنبر کو جانتے ہو؟

قیدی نے عنبر کی طرف غور سے دیکھا اور سر ہلا کر بولا۔

نہیں بادشاہ سلامت۔

وہ صاف مکر گیا اور محض اس لئے کہ وہ وزیر کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا

بادشاہ نے اپنی بیٹی شہزادی ہیلن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

کیا اس عورت کو پہچانتے ہو؟

قیدی نے سر جھکا کر کہا۔

کیوں نہیں بادشاہ سلامت یہ شہزادی ہیلن ہیں۔

عنبر نے پوچھا۔

تم شہزادی کو کیسے پہچانتے ہو؟ پہلے تم نے اسے کہاں دیکھا تھا؟

اس سوال پر قیدی یورنیس ذرا گھبرا گیا پھر فوراً ہی بولا۔

جناب شہزادی صاحبہ کو میں نے سب سے پہلے سپارٹا کے قید خانے میں دیکھا تھا جہاں یہ قید تھیں اور میں وہاں معائنے کے لئے گیا تھا۔

اب عنبر نے ایک دم حملہ کیا اور پوچھا۔

جس دوائی سے تم نے شہزادی ہیلن کو بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا وہ دوائی تم نے کہاں سے حاصل کی تھی؟

وہ میں نے .... پھر وہ فوراً ہی سنبھل گیا میں نے

............میں نے شہزادی صاحبہ کو کبھی اغوا نہیں کیا حضور! میں بے گناہ ہوں میں نے کبھی شہزادی کو اغوا نہیں کیا بھلا مجھے انہیں اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔؟

عنبر نے کہا۔

ضرورت تمہیں نہیں تھی ضرور ہمارے وزیر کو تھی۔ جس کے اشاروں پر تم کھیل رہے تھے اور جس نے شہزادی کی خواب گاہ کا خفیہ دروازہ

کھول کر اور بے ہوشی کی دوائی دے کر تمہیں اندر بھیجا تھا۔

قیدی نے گڑ گڑا کر کہا۔

یہ مجھ پر الزم ہے بادشاہ سلامت یہ مجھ پر الزام ہے۔

بادشاہ نے صاف صاف لفظوں میں کہا۔

میری بات کو غور سے سنو قیدی۔ اگر تم نے ہمارے سامنے سچی بات کھول کر بیان کر دی تو ہم تمہیں اسی وقت آزاد کر دیں گے تم جس شہر میں چاہو جا کر آباد ہو سکتے ہو لیکن اگر تم نے ہمارے سامنے جھوٹ بولا تو ہم اسی وقت جلاد بلا کر تمہاری کھال کھینچوا کر اس میں بھس بھرا کر قلعے کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیں گے۔ بولو تمہیں کون سی بات منظور ہے؟ سچ بولتے ہو یا بلاؤں جلاد کو؟

قیدی یورنیس تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ بادشاہوں کے فیصلوں کو اچھی طرح جانتا تھا اس نے سچی بات بیان کر دینے کا فیصلہ کر لیا وہ ہاتھ جوڑ کر

گھٹنوں کے بل گر پڑا اور بولا۔

بادشاہ سلامت! انہوں نے جو کچھ کہا بالکل درست ہے آپ کے وزیر نے مجھے بے ہوش کرنے والی دوائی دی تھی اور میرے لئے شہزادی کی خواب گاہ کا خفیہ دروازہ کھولا تھا میں نے ہی سپارٹا کے بادشاہ کے حکم پر اور آپ کے وزیر کی مدد سے شہزادی صاحبہ کو بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا اور انہیں سپارٹا لے گیا تھا کیا اب میری جان بخشی ہو جائے گی؟

بادشاہ نے کہا۔

ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے۔

شہزادی ہیلن اور بادشاہ نے عنبر کی طرف تعجب سے دیکھا۔.........

اس کی ساری باتیں درست ثابت ہوئی تھیں عنبر نے بادشاہ سے کہا کہ وزیر کو اسی وقت بلایا جائے تا کہ یہ بات اس کے منہ پر بیان ہو، بادشاہ نے غلام کو حکم دیا کہ وزیر کو فوراً حاضر کیا جائے غدار وزیر بڑی

بے فکری سے خوش خوش بادشاہ کے کمرے میں داخل ہوا یوں ہی اس کی نظر قیدی یورنیس پر پڑی تو اس کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً ہی سنبھل گیا اور آداب بجالاتے ہوئے بولا۔

خاکسار حاضر ہے بادشاہ سلامت!

بادشاہ نے یورنیس سے کہا۔

اے قیدی۔ تو نے ابھی ابھی جو بیان دیا ہے وہ ہمارے وزیر کے سامنے بھی دہرا دے۔

پہلے تو یورنیس ذرا ہچکچایا مگر جب بادشاہ نے کہا کہ اگر اس نے غلط بیانی سے کام لیا اور وہ جھوٹ بولنے لگا اور سچ سے مکر گیا تو پھر بادشاہ بھی اپنا وعدہ پورا نہ کرے گا۔ تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ میں سچ سچ عرض کروں گا حضور!

عنبر نے کہا۔

تو پھر اپنا بیان دہراؤ۔

یورنیس قیدی نے کھلے اور صاف لفظوں میں بتا دیا کہ وزیر سپارٹا کے بادشاہ سے مل کر ٹرائے کی سلطنت کو تباہ کرنا چاہتا تھا اس نے ہی سپارٹا کے بادشاہ کو مشورہ دیا تھا کہ شہزادی ہیلن کو اغوا کیا جائے پھر اس وزیر نے ہی بے ہوشی کی دوائی دے کر شہزادی کی خواب گاہ کا خفیہ راستہ دکھایا تھا اور انہیں اغوا کرانے میں پوری پوری مدد دی تھی۔

یہ بیان سن کر وزیر کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔

بادشاہ عنبر اور شہزادی ہیلن وزیر کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے قیدی نے اپنا بیان ختم کیا تو وزیر نے چیخ کر کہا۔

بادشاہ سلامت! یہ مجھ پر ایک بھیانک الزام ہے یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے یہ میرا دشمن ہے یہ مجھ سے اپنی دشمنی کا بدلہ لینا چاہتا ہے یہ جھوٹ بول رہا ہے شہزادی کے اغوا میں میرا ہرگز ہاتھ نہیں تھا ہرگز

ہاتھ نہیں تھا۔

شہزادی ہیلن نے کہا۔

اس کو تمہارے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ اور پھر عنبر اس بات کا گواہ ہے کہ شہر کی ایک سرائے میں اس نے خود اپنی آنکھوں سے یورنیس کو آدھی رات کو نکلتے دیکھا ہے اور یہ وہی رات تھی جس رات مجھے اغوا کیا گیا۔

عنبر کہنے لگا۔

وزیر صاحب آپ مان لیجئے کہ آپ نے ٹرائے شہر کے خلاف ایک زبردست سازش کی تھی غداری کی تھی مگر آپ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

بادشاہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

لیکن تم نے ہماری پیاری بیٹی کو اغوا کر کے جو ہمیں صدمہ پہنچایا ہے، ہم

تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے ہم تو اس کا انتقام لیں گے ہمارے ملک کے ساتھ غداری کرنے کا انتقام لیں گے............جلاد کو بلایا جائے۔

وزیر گڑ گڑاتا ہوا بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا مگر بادشاہ نے اس کی ایک نہ سنی اتنے میں جلاد آ گیا بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ وزیر کی کھال اتار کر اس میں ریت بھر کر قلعے کی دیوار کے ساتھ لٹکا دی جائے۔

ہم ایک گھنٹے بعد وزیر کی لٹکی ہوئی لاش کا معائنہ کریں گے۔

جلاد نے سر جھکا کر کہا۔

جو حکم بادشاہ سلامت!

سپاہی وزیر کو پکڑ کر جلاد کے ساتھ شاہی قید خانے کی طرف چل پڑے۔ شہزادی ہیلن اور بادشاہ نے عنبر سے کہا۔

یہ ہمارے سفید عقاب کی برکت بھی ہے کہ ہمیں فتح ہوئی۔

عنبر نے کہا۔

کیوں نہیں، کیوں نہیں۔

شہزادی ہیلن بولی۔

سفید عقاب کہاں ہے؟ اسے لایا جائے۔؟

فوراً سپاہی سفید عقاب کا پنجرہ لے کر وہاں آ گئے سفید عقاب نے عنبر کی طرف دیکھ کر خوشی سے سیٹی بجائی شہزادی ہیلن نے مسکرا کر کہا کہ کیا وجہ ہے سفید عقاب ہمیشہ عنبر ہی کو دیکھ کر سیٹی بجاتا ہے اس نے کبھی بادشاہ یا کسی اور دوسرے شخص کو دیکھ کر سیٹی نہیں بجائی بادشاہ نے بھی اس پر تعجب کا اظہار کیا عنبر نے کہا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں آپس میں دوست ہیں۔

عقل مند ہیلن نے کہا۔

کیا مجھے قید میں ملنے بھی آپ کا یہی دوست آیا تھا۔؟

بادشاہ نے کہا۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے بیٹی؟ ایک عقاب تجھے جا کر جیل میں کیسے مل سکتا ہے۔؟

شہزادی ہیلن نے کہا۔

بابا جان بعض عقاب ایسا کر لیتے ہیں۔

بادشاہ نے پہلے عقاب اور پھر عنبر کی طرف دیکھا عقاب نے زور زور سے سیٹی بجائی عنبر نے مسکرا کر ہیلن کی طرف دیکھا اور کہا۔

میں آپ کی عقل کی داد دیتا ہوں شہزادی صاحبہ جس چیز کو میں اب بھی چھپا سکتا ہوں اسے آپ نے اپنی تیز عقل سے پہچان لیا بہر حال اب آپ کا حق بن گیا ہے کہ میں آپ کو یہ راز بتا دوں۔

بادشاہ نے کہا۔

ارے بھئی کون سا راز کچھ ہمیں بھی تو معلوم ہو؟

عنبر بولا۔

بادشاہ سلامت یہ سفید عقاب حقیقت میں سفید عقاب نہیں ہے۔

کیا مطلب؟ بادشاہ نے تعجب سے سفید عقاب کے پنجرے کو دیکھ کر کہا۔

عنبر نے کہا۔

ہاں بادشاہ سلامت یہ سفید عقاب دراصل ایک ایسا سانپ ہے۔ جس کو اس زمین پر زندہ رہتے ہوئے دو سو برس ہو گئے ہیں اور اب یہ اس قابل ہو گیا ہے کہ جس شکل میں چاہیے سامنے آ سکتا ہے یہ میرا گہرا دوست ہے یہی اڑ کر شہزادی سے ملنے جیل میں گیا تھا اور اسی نے مجھے آ کر اطلاع دی تھی کہ شہزادی خیریت سے ہے پھر یہی سفید عقاب انسانی شکل میں سامنے آ کر مجھے اپنے ساتھ سپارٹا والوں کے قلعے میں لے گیا تھا۔

بادشاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سفید عقاب کو دیکھ رہا تھا۔

نہیں نہیں مجھے یقین نہیں آتا یہ کبھی نہیں ہوسکتا میں نے سنا ضرور ہے۔

کہ سانپ دوسو برس زندہ رہے تو انسانی شکل میں سامنے آجاتا ہے مگر

ایسا سانپ دیکھا کبھی نہیں۔

ہیلن بھی کہنے لگی۔

مجھے شک ضرور تھا کہ یہ کوئی جادو کا سفید عقاب ہے مگر یہ تو میرے بھی

وہم وگمان میں نہیں تھا کہ یہ کوئی مقدس سانپ ہے۔

عنبر نے کہا۔

اس کا ثبوت ابھی آپ کو مل جاتا ہے۔

عنبر نے سفید عقاب سے کہا کہ اے دوست تمہاری اجازت سے میں

نے یہ راز بادشاہ اور اس کی بیٹی پر کھول دیا ہے اب کسی انسانی شکل

میں سامنے آجاؤ تا کہ بادشاہ سے اجازت لے کر یہاں سے نکل

چلیں سفید عقاب نے زور سے پھنکار ماری اور ایک انسان کی شکل میں بادشاہ اور شہزادی ہیلن کے سامنے آ کھڑا ہوا دونوں ششدرہ ہو کر رہ گئے اور اسے حیرانی سے تکنے لگے انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ناگ پھنی نے جھک کر بادشاہ اور شہزادی ہیلن کو سلام کیا اور کہا کہ عنبر نے بالکل سچ کہا ہے میں ایک سانپ ہوں اور دو سو برس سے زندہ ہوں۔

عنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

ہمیں اب بادشاہ اور شہزادی سے اجازت لینی چاہیے تا کہ ہم اپنا کبھی نہ ختم ہونے والا سفر جاری رکھ سکیں۔

چنانچہ اسی روز شام کو بادشاہ نے ان دونوں کو بڑا انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔

دونوں دوست گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کی تاریکی میں شہر سے باہر نکل گئے۔

ان کی اگلی پراسرار منزل کون سی تھی۔؟

ہمیشہ زندہ رہنے والا عنبر اور اس کا دوست ناگ پھنی
ڑائے کے شہر سے نکل کر روم کے اس علاقے میں
جاتے ہیں جہاں کا بادشاہ نیرو ایک ظالم حکمران ہے
..............انطنی اور قلوپطرہ کا مصر..............
دریائے نیل کے کنارے پر اسرار ہرام میں بھٹکی
ہوئی روح یہ سب کچھ اس ناول کی بارھویں یعنی اگلی
قسط ''قبر کی آواز'' میں پڑھیے۔

عنبر ۔ ناگ ۔ ماریا

قبر کی آواز

(قسط نمبر ۱۲)

اے حمید

سنو پیارے بچو!

ہمارا ہیرو عنبر............جو ابھی تک کسی سے مر نہیں سکا اپنے سانپ دوست ناگ پھنی کے ساتھ روم میں سے نکل کر شہر میں داخل ہوتا ہے اصل میں یہی عنبر کا وطن بھی ہے اسی شہر میں وہ دو ہزار سال پہلے فرعون مصر کے محل میں پیدا ہوا تھا اور پھر اسے بادشاہ کے ڈر کے مارے دریائے نیل میں بہا دیا گیا تھا ہمارے ہیرو کی یہاں روم کے بادشاہ سیزر سے ملاقات ہوتی ہے سیزر کے قتل کے بعد مصر پر حملہ ہوتا ہے قلو پطرہ سانپ ڈسوا کر مر جاتی ہے انطنی خودکشی کر لیتا ہے ہمارا ہیرو یہاں سے دریائے اُردن کی وادی کی طرف سفر کرتا ہے جہاں حضرت یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی آمد کی خوش خبری سنا رہے ہیں

اے حمید

فہرست

ڈاکو کپتان

روم کے شہر ٹرائے سے دونوں دوستوں کا سفر شروع ہوا۔

وہ بحیرہ روم کے نیلے سمندر میں سے گزر کر شمالی افریقہ کی بندرگاہ سکندریہ پہنچنا چاہتے تھے سکندریہ کی بندرگاہ اور شہر سکندر اعظم کے نام پر آباد ہوا تھا سکندر کو فوت ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے دو سو برس پہلے کا زمانہ تھا اور روم کی سلطنت سارے مصر تک پھیلی ہوئی مصر کا ایک شہر تھیبس صرف ایک ایسا شہر تھا جس کی اپنی حکومت تھی مصر کے اس شہر کا بادشاہ جسے فرعون ہی کہتے تھے ایک کمزور اور نوعمر لڑکا تھا جس کو ملک کا انتظام سنبھالنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا وہاں کے دربار اور عوام کو ہر گھڑی یہ خطرہ لگا رہتا کہ روم کی فوج حملہ کر کے تھیبس کو بھی فتح کر لے گی۔

قلوپطرہ اس نوعمر فرعون کی بڑی بہن تھی جو کہ ایک ہوشیار دور اندیش اور بڑی سمجھ دار عورت تھی۔ اس نے رومن طاقت کے بڑھتے ہوئے خطرے کو پہلے ہی سے محسوس کرلیا تھا اور وہ اس فکر میں تھی کہ کسی طرح رومیوں کے ساتھ مل کر مصر کا تخت خود حاصل کرے اور رومیوں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کی ذلت سے بچ جائے اس نے اپنے ایک خاص غلام کلاڈس سے مل کر روم کے اس وقت کے شہنشاہ سیزر سے ملاقات کرنے کا منصوبہ بنایا وہ کسی طرح مصر سے فرار ہو کر شہنشاہ سیزر کے دربار تک پہنچنا چاہتی تھی اسے اپنی عقل مندی اور ہوشیاری پر بہت بھروسہ تھا اور اس کو یقین تھا کہ وہ شہنشاہ سیزر کی ہمدردیاں حاصل کرلے گی۔

قلوپطرہ نے کلاڈس کو ساتھ لیا اور ایک روز آدھی رات کو تھیبس شہر کی چار دیواری سے نکل کر بڑی راز داری کے ساتھ سکندریہ کی جانب

روانہ ہو گئی ان دنوں شہنشاہ سیزر سکندریہ میں دربار لگا تا تھا اور وہ مصر
کے شہر تھیبس کو فتح کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا قلوپطرہ اپنے غلام کے
ساتھ راتوں رات مصر کی سرحد سے نکل گئی اس نے اپنے غلام کے
ساتھ راستے میں آنے والا سمندر پار کیا اور سکندریہ پہنچ گئی سکندریہ ان
دنوں بڑی شان دار بندرگاہ ہوا کرتی تھی اور یہاں دور دور ملکوں کے
تجارتی جہاز آ کر لگا کرتے تھے بندرگاہ پر اس قدر رونق تھی کہ وہاں دنیا
جہان کے ملکوں کے لوگ موجود تھے اور ہر زبان میں باتیں کر رہے
تھے بادبانی جہازوں پر سے سامان اتارا بھی جا رہا تھا اور لادا بھی جا
رہا تھا۔

قلوپطرہ اپنے غلام کے ساتھ سکندریہ کے ایک تنگ و تاریک کوچے
میں آ گئی یہاں اس کے غلام کی بڑی بہن کا مکان تھا وہ اس مکان میں
آ کر ٹھہر گئی اور شہنشاہ سیزر سے ملنے کی تیاریاں کرنے لگی اس نے

سیزر سے ملاقات کرنے کا ایک انوکھا طریقہ سوچا تھا اس کے غلام کلاڈس نے شہنشاہ کے حضور پیام بھجوایا تھا کہ ملک مصر کے شہر تھیبس کے فرعون کی بہن قلوپطرہ نے اس کی خدمت میں ایک بیش قیمت قالین کا تحفہ بھیجا ہے سیزر نے حامی بھر لی تھی کہ قلوپطرہ کا بھجوایا ہوا قالین کا تحفہ اس کی خدمت میں پیش کیا جائے منصوبہ یہ تھا کہ قلوپطرہ کو اس شان دار قالین کے اندر لپیٹ دیا جائے گا اور یہ تحفہ شہنشاہ سیزر کے دربار میں کھول کر پیش کرے گا تو اس میں سے قلوپطرہ باہر نکل آئے گی۔

ادھر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف ہمیشہ زندہ رہنے والا عنبر اور کسی بھی شکل میں بدل جانے والا سانپ دوست ناگ پھنی ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو کر سکندریہ کی طرف آ رہے تھے یہ جہاز ایک کافی بڑا تجارتی جہاز تھا جس کا کپتان فلورنس شہر کا رہنے والا تھا کسی

زمانے میں وہ بحری ڈاکوؤں کا سردار بھی رہ چکا تھا لیکن اب اس نے بحری ڈاکے چھوڑ دیے تھے اور تجارتی جہاز رانی شروع کر دی تھی۔ راستے میں عنبر اور ناگ پھنی سے اس کی بڑی دوستی ہو گئی وہ انہیں اپنے بحری ڈاکو ہونے کے زمانے کی دل چسپ کہانیاں سناتا دونوں دوست اس کی کہانیاں سن کر بہت خوش ہوتے تھے تبت کے راجہ کا دیا ہوا قیمتی ہیرا ابھی تک عنبر کے پاس موجود تھا اس ہیرے کی قیمت اس زمانے میں لاکھوں اشرفیاں تھیں۔ مگر عنبر نے کبھی اسے فروخت کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

جہاز نیلے گہرے سمندر میں چلا جا رہا تھا شام کا وقت تھا ایک رات کے سمندری سفر کے بعد جہاز کو صبح سویرے سکندریہ کی بندرگاہ پر پہنچ جانا تھا عنبر ناگ پھنی اور جہاز کا کپتان عرشے پر بیٹھے سمندر کا نظارہ بھی کر رہے تھے اور آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے ذکر ہیرے

جواہرات کا ہو رہا تھا جہاز کے کپتان نے انہیں بتایا کہ اس نے بحری ڈاکوزنی کے زمانے میں ایسے ایسے جواہرات حاصل کیے ہیں کہ آج وہ بڑے سے بڑے شہنشاہ کے پاس بھی نہ ہوں گے۔

ناگ پھنی نے پوچھا۔

وہ سب جواہرات کہاں ہیں کپتان صاحب۔؟

کپتان نے ناک سکیڑ کر اور کندھے چڑھا کر کہا۔

جہاں سے آئے تھے وہاں چلے گے۔سمندر میں سفر کرنے والے جہازوں سے لوٹے تھے اور سمندر میں ہی غرق ہو گئے۔

عنبر نے کہا۔

ایسے ہیرے جواہرات کا کیا فائدہ جو سمندر میں ڈوب جائیں دولت تو وہ ہے جو اپنی جیب میں ہو۔

کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

ایسی دولت تو پھر آج کل سوائے شہنشاہ سیزر کے اور کسی کے پاس نہیں ہے۔

عنبر کہنے لگا۔

ایسا نہیں ہے۔

کپتان نے تعجب سے پوچھا۔

وہ کیسے؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

وہ ایسے کہ ایک ہیرا میرے پاس بھی ہے جو کسی بادشاہ کے خزانے میں بھی نہ ہوگا۔

کپتان نے تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

کیا تم وہ ہیرا مجھے دکھا سکتے ہو؟

ضرور، ضرور، کیوں نہیں...............یہ لو۔

عنبر نے اپنے لبادے کی اندرونی جیب سے ایک شان دار اور چمکیلا ہیرا نکال کر کپتان کو دکھایا یہ ہیرا کبوتر کے انڈے کے برابر تھا اور اس کی چمک دمک سے آنکھیں چندھیا رہی تھی کپتان کی آنکھیں تو ہیرے کو دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں واقعی اس نے اس سے پہلے اتنا قیمتی اور شاندار ہیرا نہیں دیکھا تھا کپتان نے کہا۔

میرے بھائی یہ ہیرا تو بہت اعلیٰ قسم کا ہے یہ تم نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟

عنبر نے کہا۔

تبت کے راجہ نے یہ مجھے تحفے میں دیا ہے۔

کپتان نے کہا۔

اگر یہ ہیرا میرے پاس ہوتا تو میں اسے فلورنس شہر کے جواہری کے پاس فروخت کر کے اپنا ایک بہت بڑا تجارتی جہاز بنا تا لیکن میرے

پاس تو ایک بھی ہیرا نہ رہا۔ اتنے جہازوں پر ڈاکے مارے اور اتنا خزانہ جمع کیا لیکن ایک رات طوفان آیا اور سارا خزانہ سارے ہیرے جواہرات جہاز کے ساتھ ہی سمندر میں غرق ہو گئے۔

ناگ پھنی کہنے لگا۔

کپتان صاحب! نیک کمائی کبھی ضائع نہیں ہوتی آپ نے لوگوں کی دولت پر ڈاکہ مارا تھا قدرت نے وہ دولت آپ کے پاس بھی نہیں رہنے دی کیونکہ آپ نے گناہ کیا تھا جس کا بدلہ آپ کو مل گیا۔

کپتان کو ناگ پھنی کی بات بڑی بری لگی مگر وہ خاموش رہا اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر سے ہیرا لے کر رہے گا خواہ اس کے لئے اسے عنبر اور اس کے دوست ناگ پھنی کو قتل کر کے سمندر میں کیوں نہ غرق کرنا پڑے اس نے سوچا کہ ہیرا بیچ کر اسے اتنی دولت مل جائے گی کہ وہ اپنا ایک نیا بادبانی جہاز خرید لے گا اور دوسرے جہازوں کی

نوکری کرنے سے بچ جائے گا آج وہ دوسرے مالکوں کا نوکر ہے۔ اور کل وہ خود جہاز کا مالک کہلائے گا عنبر اور ناگ پھنی کو تو کوئی جانتا بھی نہیں ان کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دینے سے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی اور وہ ہیرا بھی حاصل کرلے گا۔

کپتان نے رات کے اندھیرے میں ڈاکہ ڈالنے کی بات پکی کرلی اب وہ اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ عنبر اور ناگ پھنی کب سوتے ہیں اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ دونوں نیچے ایک چھوٹے سے کیبن میں سوتے ہیں جس کا دروازہ کھلا ہوتا ہے اور وہاں تالا نہیں لگایا جاسکتا وہ دونوں دوستوں کے پاس بیٹھا ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر جمائی لے کر بولا۔

اچھا دوستو! مجھے تو نیند آرہی ہے میں تو سونے چلا میرا خیال ہے تم بھی کیبن میں جا کر تھوڑی دیر آرام کرلو۔ صبح سکندریہ پہنچ کر تم لوگوں کو بھی

بہت سے کام کرنے ہوں گے۔

عنبر نے کہا۔

ہاں میرا خیال ہے ہمیں بھی چل کر آرام کرنا چاہیے۔

اور وہ دونوں دوست اٹھ کر اپنے کیبن میں آ گئے یہاں پہنچ کر عنبر نے ہیرا اپنی قمیض کی جیب میں سے نکال کر ناگ پھنی کے پاؤں کی جانب رکھے ہوئے نیلے مرتبان کے اندر ڈال کر اس کا منہ بند کر دیا ناگ پھنی نے کہا۔

دوست! اتنی احتیاط کی کیا ضرورت ہے بھلا۔ صبح تو ہمارا سفر ختم ہو رہا ہے۔؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

تمہیں معلوم نہیں کہ اس جہاز کا کپتان ڈاکو رہ چکا ہے۔

ناگ پھنی ہنسنے لگا۔

ہاں یار یہ تو تم نے ٹھیک کہا وہ اس قسم کے کتنے ہی ہیرے چرا چکا ہے۔
مگر دوست! اسے ہمارے ہیرے پر ڈاکہ ڈالنے کی جرات نہیں ہو سکتی۔
وہ کیسے بھلا؟ اسے کیا معلوم کہ ہم کون ہیں؟ یا یہ کہ ہمارا ہیرا چرانا شہر کے منہ سے نوالہ نکالنے کے برابر ہے۔
ناگ پھنی بولا۔
بہر حال اگر اس نے ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی تو اسے آٹے دال کا بھاؤ اپنے آپ معلوم ہو جائے گا۔
پھر ناگ پھنی نے عنبر سے پوچھا۔
اگر کپتان کی نیت میں فتور آ جائے اور اس نے ڈاکہ مارنے کی کوشش کی تو کیا خیال ہے اسے ہلاک کر دیا جائے یا معاف کر دیا جائے۔
عنبر نے سوچ کر جواب دیا۔

میرا خیال ہے صرف اتنی سزا دی جائے کہ جسے وہ ساری عمر یاد رکھے اور آئندہ کبھی چوری کرنے کی جرات نہ کرے۔

بہت بہتر دوست اگر ڈاکو یہاں آیا تو میں اس کے جسم میں صرف اتنا زہر داخل کروں گا کہ وہ مرے گا تو نہیں لیکن اس کی آواز بند ہو جائے گی وہ صرف اشاروں سے ہی بات کر سکے گا اور ساری زندگی اپنی آواز دوبارہ حاصل نہ کر سکے گا۔

ہاں اس کے لئے اتنی سزا ہی کافی ہو گی مگر میرا خیال ہے کہ وہ آئے گا نہیں۔؟

ڈاکو کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

دونوں دوست اسی طرح باتیں کرتے اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے تھوڑی دیر بعد عنبر خراٹے لینے لگا۔ وہ تو بڑے مزے سے سو گیا لیکن اب ناگ پھنی کی ذمہ داری ہو گئی تھی کہ وہ ہیرے کی حفاظت

کرے اور اگر کپتان چوری کرنے آئے تو اسے اس کا مزا چکھائے چنانچہ وہ آنکھیں کھولے جاگتا رہا اس نے وہی کیا جو سانپ کیا کرتا ہے یعنی آنکھیں کھلی بھی رکھیں اور سو بھی گیا مگر اس کی نیند بالکل ایک سانپ کی نیند تھی یعنی کسی غیر آدمی کو بو اسے ایک پل کے اندر اندر جگا دیتی تھی۔

وگرنہ ایک انسان کے روپ میں وہ بڑے مزے سے خراٹے لے کر سوتا۔

بادبانی جہاز ستاروں کی روشنی میں بڑے سکون کے ساتھ سکندریہ کی بندرگاہ کی طرف بڑھ رہا تھا سمندر میں کوئی طوفان نہیں تھا جہاز کی تمام روشنیاں بجھا دی گئی صرف کپتان کے کیبن میں ایک شمع جل رہی تھی تھوڑی دیر بعد کپتان بھی روشنی بجھا کر اٹھا وہ کیبن سے باہر نکل آیا اور عرشے پر جا کر اس نے بڑے غور سے چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی

آدمی تو نہیں ہے؟ صرف دو تین مسافر لکڑی کے جنگلے کے ساتھ لگ کر سو رہے تھے کپتان نے سوچا کہ ہیرے کے مالک کو یا دونوں دوستوں کو قتل کرنے کے بعد وہ بڑے آرام سے ان کی لاش سمندر میں پھینک سکتا ہے سب مسافر سو رہے ہیں انہیں کیا معلوم کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔؟

جہاز پر گہری خاموشی تھی صرف لہریں جب جہاز کے پیندے سے ٹکراتیں تو آواز پیدا ہوتی تھی بادبان ہوا میں پھولے ہوئے تھے اور جہاز ایک خاص رفتار کے ساتھ بندرگاہ کی طرف چلا جا رہا تھا کپتان صبح ہونے سے پہلے پہلے عنبر اور ناگ پھی کو قتل کر کے ہیرا اپنے قبضے میں کر لینا چاہتا تھا کیونکہ سکندریہ پہنچ جانے کے بعد وہ پھر کبھی ہیرا حاصل نہیں کر سکتا تھا کپتان اس کام کے لئے یہ ایک سنہری موقع سمجھ رہا تھا اور وہ اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اس بے

چارے کو کیا معلوم تھا کہ جس موقع کو وہ اپنی طرف سے ایک سنہری موقع سمجھ رہا ہے وہ اس کی زندگی کی سب سے منحوس گھڑی ہوگی جب کہ وہ ہمیشہ کے لئے اتنی تیز اور پاٹ دار آواز سے محروم ہو جائے گا۔

کپتان بڑی احتیاط اور رازداری کے ساتھ عرشے کا چھوٹا سا زینہ اتر کر نیچے اس اندھیری راہ داری میں آ گیا جس کے کونے پر عنبر اور اس کے دوست ناگ پھنی کا کیبن تھا کپتان کو جہاز کے تمام راستوں اور برآمدوں کا علم تھا چنانچہ وہ بلا کھٹکے آگے بڑھتا گیا اور پھر عنبر کے کیبن کے پاس آ کر رک گیا وہ دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے لگا کہ اندر کوئی جاگ تو نہیں رہا اسے خراٹوں کی آواز سنائی دی گویا سب سو رہے تھے کپتان نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

کیبن میں داخل ہوتے ہی اس نے ادھر اُدھر چیزوں کو بڑی ہوشیاری

سے الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا آخر وہ اس نیلے مرتبان کے پاس پہنچ گیا جس کے اندر قیمتی ہیرا رکھا تھا کپتان نے مرتبان کے منہ پر بندھا ہوا کپڑا ہٹا دیا پھر اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو قیمتی ہیرا اس کے ہاتھ میں آ گیا کپتان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

اندھیرے میں ہیرا بڑا چمک رہا تھا اس کی مراد اسے مل گئی تھی یہ ساری کاروائی عنبر کا دوست ناگ پھنی اندھیرے میں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جس قیمتی ہیرے کی تلاش میں وہ وہاں آیا تھا وہ اسے مل گیا تھا۔ اس نے ہیرا جیب میں رکھ لیا اور خنجر نکال کر عنبر کی طرف اسے قتل کرنے کی نیت سے بڑھا اب عنبر کی بھی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ ناگ پھنی کی کارستانی کا انتظار کر رہا تھا کپتان کے خنجر سے وہ خوف زدہ نہیں تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ نہ وہ زخمی ہوگا اور نہ مرے گا۔ کپتان نے آگے بڑھ کر خنجر پوری طاقت سے عنبر کے دل میں گھونپ دیا مگر یہ

دیکھ کر اس کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ نہ تو عنبر نے کوئی چیخ ماری اور نہ خون کا ایک قطرہ بہا عنبر پہلے لیٹا تھا اور ویسے ہی لیٹا رہا کپتان نے خنجر اس کے سینے سے باہر کھینچا تو وہ اسی طرح بے داغ تھا جس طرح کہ پہلے تھا کپتان کچھ گھبرا سا گیا اس عرصے میں ناگ پھنی نے سانپ کی شکل اختیار کر لی تھی اور وہ اس کے پیچھے پھن پھیلائے کھڑا جھوم رہا تھا۔

اچانک کپتان کو اپنے پیچھے جیسے سانپ کی پھنکار سنائی دی۔

اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا ایک بھیانک سیاہ کالا سانپ پھن پھیلائے اس کی طرف خون آلود آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور بار بار اپنی زہریلی زبان ہلا رہا تھا۔

کپتان ایک دم بھاگ اٹھا وہ کیبن سے باہر راہداری میں آ گیا سانپ بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ سانپ نے کپتان کو سیڑھیوں کے پاس جا

لیا وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا کہ سانپ نے لپک کر اس کے پاؤں پر ڈس لیا۔ سانپ کے ڈستے ہی کپتان کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا گلا دبانا شروع کر دیا ہو اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا ملنا شروع کر دیا۔

سانپ اس اثناء میں واپس کیبن میں آ چکا تھا اس نے عنبر کو بتایا کہ وہ کپتان کو ڈس آیا ہے عنبر اٹھ کر کیبن سے باہر آ گیا کپتان سیڑھیوں کے پاس بے ہوش پڑا تھا عنبر نے اس کی جیب سے ہیرا نکالا اور واپس اپنے کیبن میں آ کر سو گیا ناگ پھنی بھی دوبارہ انسانی شکل میں آ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

کپتان کو ہوش آیا تو دن نکل آیا تھا اور وہ اپنے کیبن میں بستر پر پڑا تھا اور جہاز کے لوگ اس کے ارد گرد جمع تھے ایک حکیم اس کے سر پر کوئی روغن مل رہا تھا۔

حکیم نے پوچھا۔

آپ کی طبیعت کیسی ہے۔؟

کپتان نے کہنا چاہا کہ اچھا نہیں ہوں لیکن اس کی آواز اس کے حلق سے باہر نہ نکل سکی لوگ کپتان کے ہونٹوں کو ہلتا دیکھ رہے تھے مگر اس کی آواز کسی کو بھی سنائی نہ دے رہی تھی کپتان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا تھام کر آنکھیں بند کر دیں اس کی آواز ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی تھی عنبر اور ناگ پھنی بھی اس کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

کپتان نے ان کو دیکھا تو ان کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہا۔ مگر کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس کی آواز ہی غائب تھی پھر کسی کو کیا پتہ چلتا کہ وہ عنبر اور ناگ پھنی کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے ناگ پھنی اور عنبر کپتان کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور اوپر عرشے پر آ گئے۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی اور دور سکندر یہ بندرگاہ پر کھجور کے درختوں کی لیکر

نظر آنا شروع ہو گئی تھی۔

جہاز بندرگاہ پر پہنچنے والا تھا۔

پراسرار سپیرا

سکندریہ کی بندرگاہ پر اتر کر دونوں دوست ایک بنچ پر بیٹھ گئے ذرا آج سے سوا دو ہزار سال پہلے کی سکندریہ بندرگاہ کا تصور دماغ میں لائیں وہاں نہ کوئی بس سٹاپ ہے نہ ریل گاڑی، نہ موٹر کار اور ٹیکسی نہ ہوٹل نہ پارک نہ کوئی سینما ہاؤس نہ ریڈیو اسٹیشن اور ٹیلی ویژن اسٹیشن اور نہ کوئی ہوائی اڈہ کہ جہاں جہاز اتر رہے ہوں اور اڑ رہے ہوں پھر بھی یہ اس زمانے کی ایک بارونق بندرگاہ تھی اور چونکہ روم کا شہنشاہ سیزر سکندریہ ہی میں دربار لگاتا تھا اس لئے اس شہر میں اور زیادہ رونق ہو

گئی تھی ملک ملک کے لوگ وہاں اپنے اپنے خاص رنگین لباس پہنچے چل پھر رہے تھے۔ بندرگاہ پر کتنے ہی جہاز کھڑے تھے مزدور کام کر رہے تھے۔ بڑے بڑے رتھوں پر سامان لا داجار ہا تھا نانبائی چل پھر کر نان بیچ رہے تھے۔

دریائے نیل کی مچھلیوں کے کباب بک رہے تھے سکندریہ کے میٹھے تربوز بک رہے تھے دونوں دوست بندرگاہ پر کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد شہر کی سیر کو نکل گئے وہ سیر تماشے دیکھتے ایک جگہ چھوٹے سے باغ میں گھاس پر بیٹھ گئے۔ ناگ پھنی نے کہا

دوست یہاں رات کہاں بسر کریں گے؟ اس بارے میں بھی کچھ سوچا ہے یا نہیں؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

رب عظیم اس بارے میں خود ہی ہماری مدد کرے گا ابھی تو شام بھی

نہیں ہوئی ہمیں شہر کی سیر کرنی چاہیے۔

ناگ پھنی بولا

مجھے تمہاری فکر ہے میرا کیا ہے میں تو گھاس پر بھی سو جاؤں گا۔

عنبر نے کہا۔

دوست! میری فکر نہ کرو میں ننگی زمین پر بھی لیٹ کر رات گزار لوں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ کسی آرام دہ جگہ پر سوؤں اور پھر سیزر کے دربار کی شان دیکھوں میں نے شہنشاہ سیزر کی بڑی تعریف سنی ہے کہ اس کا دربار بہت عظیم الشان ہے اور فرعون کے درباروں کی شان بھی اس کے سامنے کچھ نہیں۔

ناگ پھنی بولا۔

یہ تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہو کیونکہ میں صرف دو سو برس سے زندہ ہوں اور تم دو ہزار برس سے اس دنیا میں رہ رہے ہو تم نے فرعون کے دربار

دیکھے ہیں تم صحیح اندازہ لگا سکتے ہو کہ سیزر کے دربار کی شان وشوکت فرعون کے دربار سے کم ہے یا زیادہ..............لیکن سوال یہ ہے کہ ہم رہیں گے کہاں؟

عنبر بولا۔

اس کا بھی انتظام اپنے آپ ہو جائے گا آؤ شہر کی سیر کریں۔

دونوں دوست باغ میں سے اٹھ کر شہر کی سیر کرنے لگے بازاروں میں بڑی چہل پہل تھی لوگ آ جا رہے تھے دکانوں کے اندر لوہار کام کر رہے تھے پھل کی دکانوں پر پھل اور کپڑوں کی دکانوں پر کپڑا بک رہا تھا چوک چوک میں پہاڑوں کی برف کا ٹھنڈا یخ پانی فروخت ہو رہا تھا ایک چوک میں کوئی سپیرا سانپ کا تماشا دکھا رہا تھا اس کے اردگرد لوگوں کی بھیڑ لگی تھی عنبر اور ناگ پھنی بھی وہاں آ کر کھڑے ہو گئے اور سانپوں کا تماشہ دیکھنے لگے سپیرا ایک بوڑھا سا سوکھا سوکھا کالا آدمی تھا

جس کی آنکھیں کبوتر کی آنکھوں کی طرح لال ہورہی تھیں اس کے ارد گرد سانپوں کی کتنی ہی پٹاریاں رکھی تھیں ایک سیاہ ناگ درمیان میں پھن پھیلائے کھڑا جھوم رہا تھا اور سپیرا بین بجار ہا تھا۔
اچانک سانپ نے اپنا پھن سکیڑ لیا اور زمین کے ساتھ سمٹ کر بیٹھ گیا۔
سرخ آنکھوں والے سپیرے نے بین بجانا بند کر دی اور بڑے غور سے اپنے سانپ کو دیکھا اور پھر تعجب سے تھوڑا سا سر ہلا کر اسے پٹاری میں بند کر دیا اور کہا۔
بھائیو اس سانپ کا کرتب ختم ہوتا ہے یہ تھک گیا ہے اسی لئے بے چارہ کھڑے کھڑے خود ہی بیٹھ گیا۔اب میں اسے بند کرتا ہوں اور آپ لوگوں کے سامنے دریائے نیل کے سب سے خطرناک سب سے مہلک اور سب سے بڑے کوبرا سانپ کا کرتب دکھاتا ہوں بھائیو

یہ سانپ دریائے نیل کے سانپوں کا سردار ہے اور اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ یہ اگر کسی کو کاٹ لے تو وہ شخص ایک پل کے اندر اندر مر جاتا ہے وہیں کھڑے کھڑے گر کر ہلاک ہو جاتا ہے یہ سانپ اسے اتنی مہلت بھی نہیں دیتا کہ وہ چل کر چارپائی پر ہی لیٹ جائے۔

اور سپیرے نے ایک سرخ رنگ کی پٹاری بیچ میں رکھ کر اس کے اوپر سے کپڑا اٹھا دیا اور بین بجانے لگا تھوڑی دیر تک وہ بین بجاتا رہا اور ایک ہاتھ پٹاری کے اندر ڈال کر سانپ کو چھیڑنے لگا۔ کہ وہ باہر آئے وہ بہت دیر تک کوشش کرتا رہا مگر سانپ باہر آنے کا نام نہیں لے رہا تھا سپیرا بین بجا بجا کر تنگ آ گیا حقیقت یہ تھی کہ سانپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس مجمع میں کوئی اور سانپ بھی انسانی شکل میں موجود ہے اور چونکہ انسانی شکل میں آنے والا سانپ طاقتور اور سب سے افضل اور اعلیٰ سانپ ہوتا ہے اس لئے اس کی موجودگی میں دوسرے سانپ

اس کا احترام کرتے ہیں اور اپنا پھن نہیں پھیلاتے مگر سپیرا یہ راز نہیں جانتا تھا وہ بار بار بین بجا رہا تھا اور پٹاری میں بند سانپ کو چھیڑے جا رہا تھا پٹاری والا سانپ دریائے نیل کا سردار سانپ تھا مگر وہ ناگ پھنی کے مقابلے میں چھوٹا سانپ تھا اس لئے وہ باہر نکلتے ہوئے گھبرا رہا تھا وہ ناگ پھنی سانپ کی بو برابر سونگھ رہا تھا۔

عنبر کا دوست ناگ پھنی سارا معاملہ سمجھ گیا اور لوگوں کے ساتھ مجمع میں کھڑا چپکے چپکے مسکرا رہا تھا اس نے عنبر کے کان میں سرگوشی کر کے سب کچھ بتا دیا کہ اصل معاملہ کیا ہے اور سانپ پٹاری سے باہر کیوں نہیں آ رہا؟ عنبر بھی اس نئے کھیل سے بہت خوش ہوا کہ سپیرا بین بجا بجا کر ہلکان ہوا جا رہا ہے سانپ باہر نکلنے کا نام تک نہیں لے رہا سپیرا جب تنگ آ گیا تو اس نے پٹاری الٹ دی پٹاری کا الٹنا تھا کہ سانپ زور سے پھنکارا اور پھن پھیلا کر سپیرے کے سامنے کھڑا ہو گیا

جس طرح کوئی دشمن دشمن کے سامنے کھڑا ہوتا ہے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سانپ سپیرے سے ناراض ہو گیا ہے سپیرا بھی ایک ماہر جوگی تھا اس نے بھی ہار نہیں مانی اور سانپ کی طرف منہ کر کے بین بجانے لگا۔

لوگ اس مقابلے سے بہت خوش ہو رہے تھے عنبر اور ناگ پھنی بھی اس تماشے کو بڑی دل چسپی سے دیکھنے لگے سانپ نے اپنا پورا پھن پھیلا دیا تھا اور بڑے جوش کے عالم میں جھوم رہا تھا.............جھومتے جھومتے اس نے گول دائرے کی شکل میں چکر لگانا شروع کر دیا اب سانپ آگے آگے تھا اور سپیرا اس کے پیچھے پیچھے بین بجاتے ہوئے چکر لگا رہا تھا۔

لوگ ڈر کر اپنی اپنی جگہوں سے پیچھے ہٹ گئے تھے سانپ برابر چکر کاٹ رہا تھا عنبر نے محسوس کیا کہ جب بھی سانپ ان کے سامنے سے

گزرتا ہے تو تھوڑا سا جھک جاتا ہے اس کا پھن اپنے آپ سمٹ جاتا ہے پھر جب وہ آگے جاتا ہے تو پھن کو دوبارہ کھڑا کر لیتا ہے اس بات کو ناگ پھنی بھی دیکھ رہا تھا وہ خوب سمجھ رہا تھا کہ سانپ اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے ادب سے جھک جاتا ہے اس نئی تبدیلی کو سپیرے نے بھی محسوس کیا اور دل ہی دل میں حیران سا ہوا کہ اس کا سانپ ایسا کیوں کرتا ہے کہ لوگوں کے جمگھٹے میں ایک خاص جگہ پہنچ کر وہ جھک جاتا ہے۔

اب سپیرا سانپ کے پیچھے چکر لگاتے لگاتے تنگ آ گیا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ سانپ کہیں رک جائے مگر سانپ رکنے کا نام نہیں لیتا تھا وہ برابر چکر کاٹ رہا تھا سپیرے نے ایک جگہ پہنچ کر سانپ کو پیچھے سے ہاتھ ڈال کر پکڑ لیا جوں ہی اس نے سانپ کو پکڑا سانپ نے جھپٹ کر سپیرے کے انگوٹھے پر ڈس دیا سپیرے نے تڑپ کر سانپ

کو چھوڑ دیا اور انگوٹھا پکڑ کر بیٹھ گیا سانپ پٹاری کے پاس بیٹھ گیا اور
پھن پھیلائے جھومنے لگا سپیرے کا رنگ سیاہی مائل تو پہلے ہی تھا اب
نیلا پڑنے لگا۔
اس نے جلدی سے اپنی پٹاری میں سے کچھ دوائیاں نکال کر جہاں
سانپ نے کاٹا تھا وہاں لگائیں مگر کوئی اثر نہ ہوا لوگ اس کے قریب آ
گئے کسی نے کہا اسے حکیم کے پاس لے چلو کسی نے کہا اس کا انگوٹھا
کاٹ دیا جائے مگر سانپ نے پھنکار مار کر سب کو وہاں سے بھگا دیا
آخر ناگ پھنی نے جب دیکھا کہ سپیرے کے بچنے کی کوئی امید نہیں تو
وہ آگے بڑھ کر سپیرے کے قریب آ گیا۔
اس کا قریب آنا تھا کہ سانپ نے فوراً اپنا پھن سکیڑ لیا اور چپکے سے
کھسک کر پٹاری کے اندر چلا گیا۔
سپیرا زمین پر لیٹ گیا تھا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا تھا اس کے

سانس اکھڑنا شروع ہو گئے تھے ناگ پھنی نے سپیرے کا انگوٹھا پکڑ کر
اسے غور سے دیکھا اور جہاں سانپ نے کاٹا تھا اس زخم کو منہ کے
ساتھ لگا کر سارا زہر چوس کر باہر تھوک دیا زہر کے تھوکتے ہی سپیرے
کی حالت سنبھلنے لگی اور تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور
ناگ پھنی کی طرف دیکھ کر بولا۔

تم نے میری جان بچائی بیٹا! میں تمہارا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔

عنبر نے جیب سے کوئی دوائی نکال کر سپیرے کو پلائی سپیرا بھلا چنگا ہو
کر اٹھ بیٹھا اس نے سانپ کو پکڑ کر پٹاری میں بند کرنا چاہا تو ڈر گیا
حالاں کہ سانپ الٹی پلٹی پڑی پٹاری کے نیچے تھا مگر اس کی جرائت نہ
پڑ رہی تھی کہ وہ دریائے نیل کے زہریلے سانپ کی پٹاری کو سیدھا کر
دے ناگ پھنی نے کہا۔

ٹھہرو اسے میں پٹاری میں بند کر دیتا ہوں۔

اور ناگ پھنی نے بڑے آرام سے پٹاری کو سیدھا کیا زمین پر پڑے ہوئے سانپ کو اٹھایا اور پٹاری میں ڈال کر بند کر دیا سانپ نے اس کے ہاتھ میں ذرا سی بھی حرکت نہ کی یوں لگا جیسے سانپ میں جان ہی باقی نہ رہی ہو سپیرے نے پوچھا۔

بیٹا! تم کون ہو اور سکندریہ میں کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟

ناگ پھنی نے کہا۔

میرا نام یورکا ہے بابا۔ یہ میرا دوست حکیم عنبر ہے ہم دونوں ٹرائے سے ایک بحری جہاز میں ملازم ہو گئے مگر راستے میں جہاز کے کپتان سے ہماری لڑائی ہو گئی اس نے ہمیں نوکری سے جواب دے دیا اب ہم سکندریہ میں بے کار پھر رہے ہیں ہمارے پاس تو سر چھپانے کے لئے بھی جگہ نہیں ہے۔

سپیرے نے کہا۔

میرے بچو۔!اگر چہ میں غریب ہوں لیکن جب تک ٹھکانے کی تمہیں کوئی جگہ نہیں ملتی تم میرے جھونپڑے میں رہ سکتے ہو وہاں سوائے میرے اور میری بیٹی کے اور کوئی نہیں ہے میری بچی ہم تینوں کے لئے کھانا پکایا کرے گی جو روکھی سوکھی ہم کھاتے ہیں وہ تم بھی کھالیا کرنا۔
ناگ پھنی نے کہا۔
تم کہاں اتنی تکلیف اٹھاؤ گے بابا! ہم کسی اور جگہ پڑ جائیں گے۔
سپیرا بولا۔
نہیں بیٹا! مجھے کیا تکلیف ہو گی بھلا، اور پھر اتنے بڑے شہر میں تم کہاں مارے مارے پھرو گے مجھے خوشی ہو گی کہ تم میرے ہاں ٹھہرو۔
تم نے میری جان بچائی ہے میرا فرض ہے کہ میں تمہاری ہر خدمت کروں۔
آخر عنبر نے ناگ پھنی سے کہا۔

اگر بابا جی کا بہت اصرار ہے تو جب تک ہمیں کوئی اور جگہ نہیں ملتی ہم ان ہی کے پاس ٹھہر جاتے ہیں۔

چنانچہ عنبر اور ناگ پھنی سپیرے کے ساتھ اس کے جھونپڑے میں آ گئے۔

سپیرے کا جھونپڑا شہر سے ایک جھیل کے کنارے درختوں میں بنا ہوا تھا اس کی اکلوتی بیٹی سانپوں کے مرتبانوں میں دودھ اور شہد ڈال رہی تھی جب عنبر اور ناگ پھنی وہاں پہنچے بابا نے اپنی بیٹی سے مہمانوں کو ملایا اور کہا۔

یہ میری بڑی بیٹی رانی ہے میں اسے پیار سے ناگ رانی کہا کرتا ہوں سارے سانپ اس کے دوست ہیں اسے کچھ نہیں کہتے یہی ان سب کو دودھ اور شہد ڈالتی ہے۔

پھر سپیرے نے اپنی بیٹی کو سارا قصہ بیان کیا کہ کس طرح اس لڑکے

یورکا ''ناگ پھنی'' نے اس کی جان بچائی دریائے نیل کے سانپ نے اسے کاٹ لیا تھا اگر یورکا زہر نہ چوستا تو وہ مر چکا ہوتا۔

سپیرے کی بیٹی نے ناگ پھنی کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

آپ لوگوں کو میں آج سے اپنا بھائی سمجھوں گی میرے بابا کی جان بچا کر آپ نے ہمیشہ کے لئے ہماری دعائیں حاصل کر لی ہیں ہم غریب ضرور ہیں مگر ہمارے دل بڑے کھلے ہیں آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی اس جھونپڑی میں آپ کے گھر کا آرام تو نہ ملے گا لیکن میں کوشش کروں گی کہ میرے بھائیوں کو یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

عنبر نے کہا۔

میری بہن تمہارا بہت بہت شکریہ۔ ہم اس شہر میں روزگار کی تلاش کر رہے ہیں، جوں ہی ہمیں کوئی اور جگہ مل گئی ہم تمہارا شکریہ ادا کر کے

یہاں سے چلے جائیں گے۔

دوپہر ہو گئی تھی۔

سپیرے کی بیٹی رانی نے زمین پر ناریل کے پتوں کی چٹائی بچھا کر مٹی کی رکابیوں میں شہد، مکی، کی روٹیاں اور ابلی ہوئی شکر قندی رکھ دی اور کہا۔

غریبوں کا کھانا حاضر ہے بھائیو۔ کاش میں آپ کے لئے اس سے بہتر کھانا پکا سکتی۔

عنبر نے کہا۔

ایسا نہ کہو بہن۔ ہمارے لئے یہی سب کچھ ہے۔

عنبر اور ناگ پھنی نے سپیرے اور اس کی بیٹی کے ساتھ مل کر کھانا کھایا اور پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے درختوں کے نیچے لیٹ گئے

دوسری طرف سپیرے نے اپنی بیٹی سے کہا۔

میں ایک بات پر بڑا حیران ہوں کہ سانپ جب بھی ان دونوں لڑکوں
کے پاس چکر لگاتے ہوئے جاتا تھا تو اپنا پھن کیوں سمیٹ لیتا تھا اور
پھر وہ ان کو دیکھ کر پٹاری میں سے باہر کیوں نہیں نکلتا تھا مجھے تو شک
ہے کہ ان دونوں سے ایک لڑکا ضرور سانپوں کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے
رانی بولی۔

مگر بابا میں نے ان دونوں کو غور سے دیکھا ہے وہ تو ہم انسانوں کی
طرح آنکھیں جھپک رہے تھے یہ تمہارا وہم ہے بابا۔ یہ دونوں عام
انسان ہے بھلا تم سے زیادہ کوئی اور کون سانپوں کی دنیا کا بادشاہ ہو سکتا
ہے بابا۔

ایسا نہ کہو بیٹی اس دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر رہتا ہے۔

ادھر عنبر ناگ پھنی سے کہہ رہا تھا۔

ہم زیادہ دیر اس جھونپڑے میں نہیں رہ سکتے دوست! میں ان

جھونپڑوں میں رہنے کے لئے پیدا نہیں ہوا مجھے دنیا میں بڑے بڑے
کام کرنے ہیں اور میں دنیا میں ہمیشہ بڑے بڑے کام کرتا آیا ہوں
میرا تعلق راجوں، مہاراجوں، اور بادشاہوں سے رہا ہے اور میں نے
ہمیشہ اونچی فضاؤں میں پرواز کی ہے جس طرح عقاب ایک ایسا پرندہ
ہے کہ صرف اونچی چٹانوں پر ہی بسیرا کرتا ہے اس طرح میں نے بھی
ہمیشہ بلندیوں کے خواب دیکھے ہیں اور بلندیوں پر رہا ہوں اس لئے
ہمیں جلدی یہاں سے کوچ کرنے کے بارے میں غور کرنا ہے۔
ناگ پھنی بولا۔
دوست میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں بلکہ پیچھے پیچھے ہوں جب اور
جس وقت کہو گے میں یہاں سے تمہارے ساتھ اٹھ چلوں گا
عنبر نے فیصلہ کرلیا کہ وہ بہت جلد اس جھونپڑے سے نکل چلیں گے۔
رات کو عنبر اور اس کا دوست ناگ پھنی جھونپڑے کے پچھواڑے کھجور

کی چٹائیوں پر سو گئے سپیرا اور اس کی بیٹی جھونپڑے کے سامنے سوئے
آدھی رات کو ناگ پھنی نے دیکھا کہ سپیرا اس کی چٹائی کے ارد گرد پھر
رہا تھا وہ چپکے چپکے اسے تکتا رہا چھ سات چکر لگانے کے بعد اس نے
راکھ کی ایک چٹکی لے کر ناگ پھنی کے سرہانے ڈال دی اور وہاں
سے چلا گیا صبح اٹھ کر ناگ پھنی نے دیکھا کہ راکھ کی ایک چٹکی اس
کے سرہانے پڑی تھی اس نے عنبر کو سارا واقعہ سنایا اور کہا۔
سپیرے کو مجھ پر شک ہو گیا ہے اگر اس نے میرے خلاف کوئی عمل کرنا
چاہا تو مارا جائے گا اسے ابھی میری طاقت کا اندازہ نہیں۔

قلوپطرہ

اگلے روز دونوں دوست سکندریہ شہر کو نکل گئے۔

عنبر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شہنشاہ سیزر ان دنوں کس شہر میں ہے عنبر نے یہی سوچا تھا کہ اگر سیزر سکندریہ میں ہی ہو تو وہ دربار میں اس تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا شہر میں پہنچ کر وہ ایک قہوہ خانے میں پہلے گئے یہاں رومی فوج کے کچھ سپاہی بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ یہ قہوہ خانہ ایک مصری بوڑھے کا تھا کچھ مصری گاہک بھی وہاں پر تھے اتفاق سے مصری گاہکوں میں سے کسی ایک نے یہ کہہ دیا کہ سیزر ایک نا اہل بادشاہ ہے اور وہ مصر کو ہڑپ کرنے والا ہے بس پھر کیا تھا۔ رومی فوج کے سپاہی بپھر گئے اور انہوں نے دیکھتے دیکھتے دو مصریوں کو

قتل کر دیا اور وہاں سے فرار ہو گئے لوگ وہاں کھڑے ہو کر آپس میں باتیں کرنے اور رومی فوج کے ظلم کا ذکر کرنے لگے۔ عنبر کو مصریوں کے قتل ہونے کا بہت غم تھا شاید اسی لئے کہ وہ خود مصری تھا اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ مطمئن رہیں۔

میں سیزر کے دربار میں مصریوں کے قتل کا مقدمہ لڑوں گا اس بھیانک قتل کے خلاف دہائی دوں گا اور قاتلوں کو سزا دلواؤں گا۔

مصری عوام نے عنبر کے حق میں نعرے لگائے اور عنبر نے اگلے روز شہنشاہ سیزر کو ملنے کا طے کر لیا ناگ پھنی نے اسے کہا۔

دوست! ہمیں دوسروں کی مصیبت میں ٹانگ اڑانے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔؟ ہو سکتا ہے شہنشاہ سیزر کو یہ بات بری لگے کہ ہم اس کے فوجیوں کے خلاف شکایت لے کر آئے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

دیکھا جائے گا میں سچ کی آواز ضرور بلند کروں گا۔
ناگ پھنی کو عنبر کی آواز کی یہ بات کچھ زیادہ پسند نہ آئی کیونکہ اس کے خیال میں عنبر سچ کی آواز کم اور مصریوں کی آواز زیادہ بلند کر رہا تھا۔
سیاسی اعتبار سے عنبر کو مصریوں کے بارے میں یہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ سیزر ایک بہت بڑا شہنشاہ تھا بلکہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا ساری دنیا اس کے نام سے کانپتی تھی اور مصر کا سارا علاقہ سوائے ایک شہر تھیبس کے اس کے قبضے میں تھا تھیبس پر ایک کمزور فرعون حکمران تھا جو قلوپطرہ کا بھائی تھا۔
سیزر کے لئے تھیبس کو فتح کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔
ان حالات میں عنبر کو خواہ مخواہ شہنشاہ سے دشمنی مول نہیں لینی چاہیے تھی اس نے عنبر کو سمجھانے کی کوشش بھی کی مگر اس کے ذہن میں ناگ پھنی کی یہ بات نہ آئی اور وہ بدستور اپنی ضد پر اڑا رہا کہ وہ سیزر کے پاس

رومی فوجوں کی شکایت لے کر ضرور جائے گا شاید عنبر کو کوئی بہانہ ملنا چاہیے تھا کہ وہ سیزر کے دربار میں پہنچے مگر ناگ پھنی کے خیال میں شہنشاہ روم کے دربار میں پہنچنے کا یہ ایک بڑا خطرناک بہانہ تھا۔

ادھر یہ پروگرام بن رہا تھا اور ادھر نیل کی جادوگرنی مصر کے فرعون کی بہن قلوپطرہ اپنے وفادار غلام کے ساتھ سیزر کو ملنے گھر سے چل پڑی تھی اس نے اپنے آپ کو ایک ریشمی قالین میں لپیٹ کر رکھا تھا یہ قالین غلام کلاڈس نے مزدوروں کے سروں پر اٹھوا رکھا تھا شہنشاہ روم کے محل کے باہر پہنچ کر اس نے بادشاہ کو پیام بھجوایا کہ فرعون مصر کی بہن قلوپطرہ نے بادشاہ کی خدمت میں ایک تحفہ بھیجا ہے۔

سیزر نے غلام کو اندر بلا لیا۔

شہنشاہ روم سیزر کا دربار بیک وقت سادگی اور شان و شوکت کا مجموعہ تھا دربار پر ایک ہیبت اور جلال طاری تھا رومن سینٹ کے ممبران دونوں

جانب قطار اندر قطار بیٹھے تھے ملک ملک کے سفیر بھی رنگ برنگ لباس میں وہاں موجود تھے سیزر سرخ اور سفید ریشمی لبادے میں ملبوس تخت پر بیٹھا تھا اس کے سر پر سونے کا تاج تھا اور ہاتھوں میں بیش قیمت جواہرات جڑی انگوٹھیاں تھیں۔

غلام کلاڈیس نے جا کر ادب سے کورنش بجالائی۔

سیزر نے کہا۔

کیا تم قلوپطرہ کے غلام ہو؟

غلام نے سر جھکا کر کہا۔

جی ہاں بادشاہِ روم

سیزر نے اپنے پاس ہی بیٹھے اپنے وزیر بروٹس سے کچھ مشورہ کیا اور پھر غلام سے کہا۔

کیا تم قلوپطرہ کی طرف سے ہمارے لئے تحفہ لائے ہو؟

جی ہاں بادشاہ زماں۔

بروٹس وزیر نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

تحفہ پیش کیا جائے۔

غلام نے تالی بجائی پردہ ایک طرف ہٹا اور بیس پچیس غلام کندھوں پر تہہ کیا ہوا ایک بہت بڑا قالین لے کر اندر داخل ہوئے سیزر اور بروٹس بڑا حیران ہوا کہ مصر کی قلوپطرہ نے اگر سیزر کے لئے صرف ایک قالین کا تحفہ بھیجا ہے تو اس نے روم کے شہنشاہ کے ساتھ مذاق کرنے کی جرات کی ہے غلاموں نے قالین کو زمین پر رکھ کر اسے کھولنا شروع کر دیا جب قالین سارے کا سارا کھل گیا تو اس میں سے قلوپطرہ نکل کر انتہائی خوب صورت لباس میں ملبوس سامنے آن کھڑی ہو گئی۔

اس نے بڑی شان سے جھک کر سیزر کو سلام کیا۔

مصر کی قلوپطرہ شہنشاہ روم کی خدمت میں حاضر ہے۔

سیزر بروٹس اور سارے درباری یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔

سیزر نے قلوپطرہ کا یہ انداز بہت پسند کیا۔اس نے تخت پر سے اٹھ کر قلوپطرہ کے ساتھ ہاتھ ملایا اور کہا۔

اسے نیل کی ساحرہ ہم نے تمہارے بارے میں جو سنا تھا وہ ٹھیک ہی سنا تھا تم واقعی ایک عجیب و غریب عورت ہو ہم سکندریہ کی زمین پر تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔

قلوپطرہ نے اپنی ہوشیار نظروں سے دربار میں بروٹس کو دیکھا اور کہا۔

اے شہنشاہ روم یہ کنیز آپ کے پرتپاک خیر مقدم کا شکریہ ادا کرتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے شاہی دربار میں بھی مجھے کچھ عجیب و غریب لوگ نظر آ رہے ہیں۔

قلوپطرہ کا اشارہ سیزر کے وزیر بروٹس کی طرف تھا جو خاموش نگاہوں

سے قلوپطرہ کی طرف دیکھ رہا تھا سیزر ہنس پڑا اور بولا۔
عجیب و غریب لوگ دنیا کے ہر خطے میں موجود ہوتے ہیں۔ قلوپطرہ آؤ ہم تمہیں اپنی بیگم سے ملاتے ہیں۔
قلوپطرہ بروٹس کو گہری نظروں سے تکتی ہوئی سیزر کے ساتھ اس کی ملکہ سے ملنے محل کے اندر چلی گئی۔
حقیقت یہ ہے کہ بروٹس نے قلوپطرہ کا دربار میں آنا پسند نہیں کیا تھا وہ پہلی ہی نظروں میں بھانپ گیا تھا کہ قلوپطرہ کا دربار میں آنا بدشگونی کی علامت ہے یعنی قلوپطرہ کے آنے سے شہنشاہ روم سیزر کے برے دن شروع ہو گئے ہیں مگر وہ خاموش رہا وہ سیزر کی عادت سے واقف تھا کہ وہ ایک ضدی اور اپنی مرضی کا مالک بادشاہ تھا اسے اگر کوئی شے پسند آ جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کے خلاف نہیں کر سکتی اس نے قلوپطرہ کو پسند کر لیا تھا اور اب قلوپطرہ کے خلاف وہ کوئی بات

نہیں سن سکتا تھا۔

بروٹس نے اپنے ساتھیوں اوکتے دین وغیرہ سے مشورہ کیا کہ سیزر کو مصر کی جادوگرنی سے کس طرح بچایا جائے کیونکہ اگر قلوپطرہ کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تو روم کی سلطنت کو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔..............

اوکتے دین بھی ایک محب وطن رومی سردار تھا وہ بھی بروٹس کی طرح یہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ رومی حکومت کو کوئی آنچ آئے اسے بھی معلوم تھا کہ سیزر ایک محب وطن مگر جذباتی بادشاہ ہے ہو سکتا ہے وہ جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جو رومی سلطنت کے لئے نقصان کا باعث بن جائے اس نے بروٹس سے کہا۔

سیزر کو ابھی کچھ نہیں کہنا چاہیے ہمیں ابھی کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

بروٹس نے مسکرا کر کہا۔

تم نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے مگر یاد رکھو اوکتے دین قلوپطرہ ایک انتہائی ہوشیار عورت ہے وہ مصر کا لمبا سفر طے کر کے یونہی سکندریہ میں داخل نہیں ہوئی وہ اپنے ساتھ ایک عظیم مقصد لے کر آئی ہے ہمیں اس مقصد میں اسے کامیاب نہیں ہونے دینا چاہیے۔

ایسا ہی ہوگا بروٹس۔

رومی دربار کے دوسرے سرداروں نے بھی اوکتے دین کی ہاں میں ہاں ملائی اور انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ روم کے وقار اور عزت پر حرف نہیں آنے دیں گے اور سیزر کو کوئی ایسی حرکت نہیں کرنے دیں گے جس سے روم کی عظیم الشان سلطنت کو ٹھیس پہنچے۔

سیزر نے قلوپطرہ کو بڑی شان کے ساتھ اپنی بیگم ملکہ روم کے پاس حرم میں لے گیا ملکہ نے قلوپطرہ کو سیزر کے ساتھ اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہرگز پسند نہ کیا مگر سیزر کے سامنے وہ بھی ایک لفظ زبان سے نہ نکال سکتی تھی اس نے مسکرا کر قلوپطرہ کا استقبال کیا اور کہا۔

فرعون کی بہن قلوپطرہ کو ملکہ روم خوش آمدید کہتی ہے۔

سیزر نے اعلان کیا۔

آج کی رات قلوپطرہ کے لئے ایک شاندار دعوت دی جائے۔

چنانچہ اس رات سارے محل میں قلوپطرہ کے آنے کی خوشی میں ایک شاندار جشن منایا گیا دعوت میں روم کے سارے معزز لوگوں نے شرکت کی او کتے دین اور بروٹس بھی وہاں موجود تھے انہوں نے اس دعوت کو پسند نہ کیا مگر وہ خاموش رہے صرف بروٹس نے سیزر سے کہا۔

بادشاہ سلامت! سیزر کو یہ عورت مبارک ہو مگر مصر کی ایک عورت کے

لئے اتنے بڑے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟

سیزر کو بروٹس کا یہ فقرہ برا لگا۔اس نے ماتھے پر سلوٹیں ڈالتے ہوئے کہا۔

بروٹس۔کیا تم سمجھتے ہو کہ قلوپطرہ ایک عام عورت ہے؟نہیں وہ مصر کی دیوی ہے وہ ایک عظیم الشان عورت ہے۔

بروٹس نے زیادہ بات کرنی مناسب نہ سمجھی وہ خاموش ہو گیا سیزر دوسرے درباریوں سے باتیں کرنے لگا۔قلوپطرہ نے دور سے بروٹس کو سیزر کے ساتھ باتیں کرتے اور پھر سیزر کو نفرت کے ساتھ جواب دیتے دیکھ لیا تھا ہوشیار قلوپطرہ فوراً سمجھ گئی تھی کہ بروٹس نے اس کی مخالفت کی ہے جسے سیزر نے پسند نہیں کیا۔

اسے پہلے روہی سے معلوم ہو گیا تھا کہ بروٹس قلوپطرہ کو پسند نہیں کرتا مگر قلوپطرہ ایک زیرک اور جہاں دیدہ عورت تھی قدرت نے اس کے

اندر بعض ایسی خوبیاں بھر دی تھیں جو عام عورتوں میں نہیں ہوتیں وہ ایک آدمی کو دیکھ کر ہی اس کے دل کا حال معلوم کر لیتی تھی اس میں اتنی قابلیت تھی کہ وہ کسی آدمی کو اپنے سانچے میں ڈھال سکے چنانچہ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ بروٹس اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے دے گی۔

سیزر اس وقت یونان کے تاجروں کے ساتھ اور قلوپطرہ چین کی شہزادیوں کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں بروٹس نے او کتے دین اور اپنے ساتھیوں کو ایک طرف بلا کر کہا۔

سیزر پر قلوپطرہ کا جادو چڑھ گیا ہے وہ کسی کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتا ہمیں اب ہوشیار رہنا ہوگا اور روم کے وقار کے خلاف قلوپطرہ کے ہر حملے کو ناکام بنا دینا ہوگا۔

کیا سیزر خود اس بات کو محسوس نہیں کرتا کہ وہ قلوپطرہ کے پنجے میں

پھنستا جا رہا ہے؟

نہیں۔ اس وقت وہ اسے محسوس نہیں کر سکتا لیکن بہت جلد ہم اسے سوچنے پر مجبور کر دیں گے کہ وہ شاہی رومی سلطنت اور رومی قوم کے حق میں ٹھیک رویہ اختیار کرے۔

ادھر شاہی محل میں قلوپطرہ کی شان میں دعوت ہو رہی تھی اور اُدھر پر اسرار سپیرا اپنی بیٹی رانی سے کہہ رہا تھا۔

رات میں نے یورکا ''ناگ پھنی'' پر اپنا عمل کیا تھا مگر اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا معلوم ہوتا ہے وہ کوئی جادوگر ہے میں اس سے اس کا سارا جادو چھین کر خود حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ میرا بڑا اسردار سانپ اسے ڈسے اور جب وہ مر جائے تو اس کا سر کاٹ کر اپنی پٹاری میں چالیس روز تک بند رکھوں یہ سر جب خشک ہو کر چھوٹا ہو جائے گا تو اس نوجوان لڑکے کا سارا جادو خود بخود میری

پٹاری میں آجائے گا۔

اس کی بیٹی نے کہا۔

تو پھر کون سا وقت دیکھ رہے ہو بابا۔ یہ گھڑی دوبارا نہیں آئے گی اس وقت جادو کی چھڑی ہماری جھونپڑی میں اپنے آپ آگئی ہے۔

سپیرے نے کہا۔

میں آج رات یور کا پر سانپ چھوڑ دوں گا۔

ناگ پھنی اور عنبر کو پراسرار سپیرے کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ انہیں ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا چکا ہے وہ شام کو جھونپڑے میں واپس آگئے تو سپیرے نے بڑی خوشی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور کہا۔

آج میری بیٹی رانی نے تمہارے لئے دریائے نیل کے کنولوں کے بیج پکائے ہیں امید ہے تمہیں پسند آئیں گے۔

عنبر نے کہا۔

ضرور، ضرور۔

کھانے پر انہوں نے کنول کے بیج کا سالن بہت خوش ہو کر کھایا یہ سالن واقعی بہت مزے دار تھا لیکن انھیں بالکل خبر نہ تھی کہ سپیرے نے اس سالن کے اندر ایک ایسی دوا ڈالی ہے جو بہت زیادہ نیند لاتی تھی اور آدمی کو سوتے میں بالکل ہوش نہیں رہتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

اب بھلا اس سپیرے کو کیا خبر تھی کہ وہ دونوں کسی دوسری دنیا کے آدمی ہیں ایک تو سانپ ہے اور دوسرا دو ہزار برس سے زندہ چلا آ رہا تھا۔
چنانچہ رات کو وہ بڑے آرام سے سو گئے سپیرے کا خیال تھا کہ وہ بے ہوش ہو چکے ہیں اس نے پٹاری میں سے سانپ نکال کر چھوڑ دیا اور خود ایک طرف اندھیرے میں کھڑا ہو کر تماشہ دیکھنے لگا۔

سانپ سیاہ ناگ تھا وہ پھن پھیلائے عنبر کی طرف بڑھنے لگا عنبر گہری نیند سورہا تھا اس نے لپک کر عنبر کو ڈس لیا۔............ناگ پھنی کی آنکھ کھل گئی ظاہر ہے عنبر کو کچھ بھی محسوس نہ ہوا تھا وہ اسی طرح سورہا تھا ناگ پھنی کو سپیرے کی کمینگی پر بے حد غصہ آیا اب سانپ ناگ پھنی کو ڈسنے کے لئے آگے بڑھا ناگ پھنی نے ایک زوردار پھنکار ماری اور بہت بڑے اژدہا کی شکل میں سامنے آکر سانپ کو نگل گیا اور سپیرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زمین سے پانچ فٹ اوپر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

سپیرے نے جب ناگ پھنی کو اپنی آنکھوں سے انسان سے سانپ میں بدلتے اور اس کے زہریلے سانپ کو نگلتے دیکھا تو اس کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں اس کا سارا بدن پسینے میں تر بتر ہو گیا اس نے ہاتھ جوڑے اور دوزانو ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اے سانپوں کے بادشاہ مجھے معاف کردے۔

عنبر بھی ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اور رانی بھی بھاگ کر وہاں آ گئی اس نے اپنے باپ کے سامنے ایک خوف ناگ اژدھے کو دیکھا تو وہ بھی کانپنے لگی سپیرے نے کہا۔

اے سانپوں کے بادشاہ میرے سانپ نے تمہارے ساتھی کو بھی ڈس دیا ہے میں ابھی اس کا زہر چوس کر پھینک دیتا ہوں۔

اس پر عنبر نے کہا۔

فکر نہ کرو، تمہارا زہر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ناگ پھنی ایک دم پھنکار کر ایک بار پھر انسانی روپ میں آ گیا اب تو سپیرے اور اس کی بیٹی نے سجدہ کر دیا وہ تو حیران و ششدر رہ گئے تھے کہ انہوں نے دو سو برس تک زندہ رہنے والے سانپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ

رہے تھے۔

ناگ پھنی نے کہا۔

میں تمہیں معاف کرتا ہوں لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ تم کسی انسان کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی ہمت نہ کرو گے۔؟

میں وعدہ کرتا ہوں۔

میں بھی وعدہ کرتی ہوں۔

اور دونوں باپ بیٹی سجدے میں گر گئے۔

نیل کی جادوگرنی

عنبر کے سانپ دوست ناگ پھنی نے صبح اٹھتے ہی عنبر سے کہا۔

ہمیں اب اس جھونپڑے کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ اس سپیرے پر میرے سانپ ہونے کا راز کھل گیا ہے میں اسے ہلاک کر دینا چاہتا تھا مگر اس کی جوان بیٹی کی خاطر اسے ہلاک نہیں کر رہا بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے چلے جائیں۔

جیسے تمہاری مرضی۔

چنانچہ اسی روز عنبر اور ناگ پھنی وہاں سے نکل گئے بوڑھا سپیرا انہیں دیکھتا ہی رہ گیا جب وہ چلے گئے تو اس نے اپنی بیٹی سے کہا۔

بیٹی ہم نے ایک بہت بڑا سنہری موقع کھو دیا ہے سانپوں کا شہنشاہ ہمارے گھر آیا اور چلا گیا کاش میں اس سے زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانے کا راز پوچھ سکتا جو اس کو معلوم ہے۔

سپیرے کی بیٹی نے بھی بہت افسوس کیا مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے ناگ پھنی ان کے جھونپڑے سے نکل کر بہت دور جا چکا تھا پھر بھی سپیرے نے فیصلہ کر لیا کہ وہ سکندریہ شہر میں ناگ پھنی کا پیچھا کرتا رہے گا۔

اگر اس نے اسے خزانے کا راز بتا دیا تو وہ اس پر آگ پھینک کر اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گا یہ صرف پر اسرار مکار سپیرے کو ہی معلوم تھا کہ ایسا سانپ جو ہر قسم کی شکل بدل لے صرف آگ ہی سے ہلاک ہو سکتا ہے اس نے پٹاری بغل میں دبائی اور ناگ پھنی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

ناگ پھنی کو بھی خطرے کا احساس ہو چکا تھا وہ جانتا تھا کہ سپیرا اسے آگ میں جلا ڈالنے کے راز سے واقف ہے اور وہ ضرور کوشش کرے گا کہ ناگ پھنی کو نقصان پہنچائے وہ سپیرے کو ضرور مار ڈالتا اگر اسے اس کی اکلوتی بیٹی کا خیال نہ آتا زندگی میں پہلی بار اس نے انسانوں کی طرح سوچ کر کوئی فیصلہ کیا تھا بہر حال اس وقت وہ اپنے دوست عنبر کے ساتھ سکندریہ شہر کی ایک کارواں سرائے کے باہر کھڑا تھا۔

اگر پیسوں کا کوئی مناسب انتظام نہ ہو سکا تو میں اپنا ہیرا بیچ دوں گا۔

عنبر کی اس بات پر ناگ پھنی نے مسکرا کر کہا۔

میرے محسن دوست! یہ وقت کبھی نہیں آئے گا آخر زمین کے اندر وہ خزانے جن کا مجھے علم ہے کس روز کے لئے پڑے ہیں میں ان میں سے جس قدر دولت چاہے حاصل کر سکتا ہوں۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر ہم خزانوں کی کھدائی میں وقت ضائع نہیں کر سکتے۔

فکر نہ کرو کچھ خزانے میں زمین کے اوپر بھی دیکھ رہا ہوں میں ان میں سے ضرورت کے مطابق اشرفیاں حاصل کرلوں گا۔

تمہاری مرضی ہے ویسے مجھے اس کی ضرورت نہیں میں بیماروں کا علاج کر کے بھی تمہاری اور اپنی روزی کما سکتا ہوں۔

دونوں دوست سرائے کے مالک کے پاس گئے ان کا لباس معمولی قسم کا تھا اس لئے مالک نے ان کی طرف زیادہ توجہ نہ دی ناگ پھنی نے آگے بڑھ کر کہا۔

ہم روم سے آئے ہیں اور یہاں کچھ روز قیام کرنا چاہتے ہیں۔

سرائے کے مالک نے کہا۔

تم روم سے آئے ہو یا یمن سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا سوال یہ ہے کہ کیا تمہارے پاس سرائے میں ٹھہرنے کے لئے اشرفیاں ہیں۔؟

عنبر نے کہا۔
ہمارا نوکر سامان وغیرہ لے کر کل پہنچ رہا ہے ہم کل آپ کو کرایہ ادا کر دیں گے۔
میاں اپنا راستہ ناپو تم جیسے سوداگر میں نے بہت دیکھے ہیں سرائے کے مالک نے اتنا کہہ کر ناگ پھنی کو آگے بڑھنے کے لئے کہا آخر ناگ پھنی سے نہ رہا گیا اس نے کہا۔
جناب عالی! ہم پر اعتبار کیجئے ہم کل آپ کو کرایہ کی ایک ایک پائی ادا کر دیں گے۔
مگر سرائے کا مالک تو ایک ہی ضدی اور لالچی شخص تھا وہ یہی رٹ لگائے جا رہا تھا کہ کرایہ پیشگی دو گے تو سرائے میں ٹھہرنے کی اجازت دوں گا ورنہ یہاں سے چلتے بنو۔ ناگ پھنی کو غصہ آ گیا اس نے کہا۔
اچھا جناب دیکھتا ہوں۔ آپ کے باقی مسافر یہاں کس طرح رہتے

ہیں ابھی سارے کے سارے آپ کی سرائے چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور آپ کی سرائے خالی ہو جائے گی۔

سرائے کے مالک نے گرج کر کہا۔

چلو چلو اپنا کام کرو۔ آ جاتے ہیں لفنگے اٹھائی گیرے کہیں کے۔ ناگ پھنی اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اسے روک دیا اور پرے لے گیا اس نے ناگ پھنی کو سمجھایا کہ خواہ مخواہ سرائے کے مالک سے جھگڑنے سے کیا فائدہ جب کہ ان کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے ناگ پھنی بڑے غصے میں تھا اور عنبر سے بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ میں سرائے کے مالک کو اس کی گستاخی کی ضرور سزا دوں گا۔ اور اسے بتاؤں گا کہ شریف لوگوں سے بدتمیزی کے ساتھ گفتگو نہیں کی جاتی۔

مگر بھائی تم کیا کرو گے؟ کیا اسے ہلاک کر دو گے۔؟

نہیں۔ ایسا نہیں کروں گا میں نے جو کہا ہے وہی کروں گا۔ میں اس کی سرائے ساری کی ساری خالی کرادوں گا ابھی اس کے سارے مسافر سرائے سے بھاگتے نظر آئیں گے تم ذرا اس مکان کی دیوار کے پاس آ جاؤ۔

عنبر سمجھ گیا کہ ناگ پھنی کوئی بہت بڑی شرارت کرنے والا ہے۔

وہ دیوار کے نیچے ایک پتھر پر بیٹھ گیا ناگ پھنی نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر دیوار کی طرف منہ کر کے بولا۔

تم میرے آنے تک اسی جگہ میرا انتظار کرنا کہیں ادھر اُدھر مت ہونا عنبر میں بہت جلد واپس آ رہا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

مگر تم کیا کرنے لگے ہو؟

تم دیکھتے جاؤ بس۔

ناگ پھنی نے زور سے سانس باہر پھینکا ایک پھنکار کی سی آواز
بلند ہوئی اور ناگ پھنی انسان سے ایک سیاہ کالا سانپ بن گیا اور
سرائے کی جانب رینگنے لگا۔ سانپ رینگتا ہوا پچھلی جانب سے
سرائے کے اندر داخل ہو گیا سرائے میں اس وقت لوگ ناشتہ کر رہے
تھے سانپ رینگ کر ایک کوٹھڑی میں داخل ہو گیا اندر دو چار مسافر
قالین پر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے سانپ بوریوں کے پیچھے چھپ گیا اور
وہیں سے ایک دم شیر کا روپ بدل کر زور سے دھاڑا اس کی بھیانک
گرج سن کر مسافروں کے ہاتھوں سے پیالیاں گر پڑیں جب انہوں
نے ایک سرخ آنکھوں اور تیز نوکیلے دانتوں والے شیر کو اپنے کمرے
میں دہاڑتے دیکھا تو پاگلوں کی طرح کوٹھڑی میں سے باہر بھاگ
گئے۔

ناگ پھنی وہاں سے دوسری کوٹھڑی میں آ گیا یہاں بھی کچھ مسافر

بڑے سکون سے بیٹھے کچھ کھا پی رہے تھے ناگ پھنی یہاں ہاتھی بن کر کوٹھڑی میں نمودار ہوا اور اس نے زور سے چنگھاڑ کر سونڈ کے ایک ہی گھونسے سے کوٹھڑی کا دروازہ مع چوکھٹ کے اکھاڑ کر رکھ دیا کچھ مسافر بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کچھ اپنی جان بچا کر چیختے چلاتے وہاں سے نکل گئے۔

تیسری کوٹھڑی ذرا بڑی تھی۔ اور وہاں زیادہ مسافر بیٹھے کھانا وغیرہ کھا رہے تھے اس کوٹھڑی میں ناگ پھنی دریائے نیل کے ایک خونخوار شکل والے مگر مچھ کی شکل میں داخل ہوا اور اپنی ہیبت ناک پھنکاروں کے ساتھ وہاں بیٹھے تمام مسافروں کو اس قدر پاگل کر دیا کہ وہ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے وہاں سے اٹھ دوڑے۔

اب سرائے کے باہر کا منظر دیکھنے کے قابل تھا۔

سارے مسافر اپنی اپنی کوٹھریوں سے نکل کر شیر آیا۔ ہاتھی آیا۔ مگر مچھ

آیا کے نعرے لگاتے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اور سرائے کا مالک اپنی گدی پر کھڑا پریشان حال انہیں آوازیں دے دے کر واپس بلا رہا تھا مگر ہر کسی کو جان پیاری ہوتی ہے مسافروں نے اپنی آنکھوں سے ہاتھی شیر اور مگر مچھ دیکھا تھا پھر وہ بھلا کیسے اس سرائے میں ٹھہر سکتے تھے دیکھتے دیکھتے ساری سرائے مسافروں سے خالی ہو گئی۔

اب ناگ پھنی دوبارا انسان کے روپ میں عنبر کے پاس آ گیا اور بولا۔

سرائے میں نے خالی کرا دی ہے آؤ اب چلتے ہیں وہاں۔

شیر اور ہاتھی کی آوازیں عنبر نے بھی سنی تھیں وہ سمجھ گیا کہ ناگ پھنی نے کیا ہو گا وہ اس کے ساتھ سرائے کے باہر آ گیا ساری سرائے میں گہری خاموشی اور ویرانی چھائی ہوئی تھی مالک گدی پر سر پکڑ کر بیٹھا تھا

ناگ پھنی نے آگے بڑھ کر کہا۔

کیا خیال ہے کوٹھڑی ملے گی یا نہیں؟

سرائے کا مالک اپنی سرائے میں جنگلی درندوں کی دھاڑیں سن کر ڈر گیا تھا اس نے جھٹ ہاتھ جوڑ کر کہا۔

ضرور ملے گی۔ ضرور ملے گی۔ یہ سرائے آپ کی اپنی ہے حضور دونوں دوستوں نے سرائے میں ٹھکانہ کر لیا۔

سیزر کے دربار میں قلوپطرہ نے ایک روز کہا۔

عظیم سیزر تھیبس کا شہر میں آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں لیکن میرے بھائی کے شہر کو فتح کرنے اور جشن تاج پوشی منانے آپ کو وہاں آنا ہوگا۔

سیزر جو قلوپطرہ کا غلام بن کر رہ گیا تھا مسکرا کر بولا۔

میں تمہارے شہر کو سکندریہ میں بیٹھ کر بھی فتح کر سکتا ہوں قلوپطرہ نے

سیاہ انگوروں کا گچھا اٹھا کر اسے اپنی آنکھوں کے آگے لہراتے ہوئے کہا۔

مگر نہیں سیزر، یہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے شہر میں آ کر دربار لگائیں اور مجھے اپنے ساتھ عزت کے ساتھ لے کر جائیں۔

سیزر بولا۔

ہم تیار ہیں قلوپطرہ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ہمیں اس میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

قلوپطرہ کا تیر نشانے پر لگا تھا وہ چاہتی تھی کہ سیزر کو وہاں سے تھیبس کے شہر میں لائے وہاں ایک شاندار جلوس کی شکل میں اسے اپنے دربار میں لے جائے اور پھر سارے مصر کی حکمران بن کر رہ جائے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سیزر اس کے اشاروں پر ناچنے لگا ہے۔

اس کی خبر اوکتے دین اور بروٹس کو پہنچی تو انہیں بے حد غصہ آیا وہ سمجھ

گئے کہ آخر قلوپطرہ ایک ایک کر کے اپنے مقصدوں میں کامیاب ہو رہی ہے اور اس نے سیزر کو اپنے دام میں الجھالیا ہے۔ وہ دونوں محبّ وطن رومن تھے وہ سیدھا سیزر کے کمرے میں پہنچے سیزر اس وقت اپنی بیوی کلاڈیا کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

بروٹس نے کہا۔

عظیم سیزر ہم آپ سے بڑی ضروری بات کرنے آئے ہیں۔

سیزر نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

اجازت ہے۔

بروٹس نے ساری بات کھول کر بیان کر دی اور سینٹ کے سارے درباریوں کی طرف سے اس بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ وہ تھیبس جیسے چھوٹے شہر میں اتنا بڑا لشکر لے کر خود جائے او کتے دین نے بھی بروٹس کے خیال کی تائید کی اور کہا۔

عظیم سیزر، یہ معزز اراکین سینٹ اور سلطنت روما کی توہین ہے کہ آپ ایک عورت کے کہنے پر ایسا کر رہے ہیں۔

خاموش۔

سیزر گرج کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور ان دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر کلاڈیا کے ہاتھ کاندھے پر رکھنے سے سنبھل گیا اور بولا۔

میں سلطنت کی عزت اور روم کے وقار کو تم لوگوں سے زیادہ سمجھتا ہوں میں روم کا بادشاہ ہوں۔

بروٹس نے جرائت کر کے کہا۔

عظیم سیزر تمہیں بادشاہ ہم نے چنا ہے۔

سیزر بروٹس کا دوست بھی تھا اس نے مسکرا کر بروٹس کی طرف دیکھا اور کہا۔

میرے دوست تمہاری اس عنایت کا شکریہ لیکن اب میں بادشاہ بن چکا ہوں اور اس عظیم سلطنت میں میرا ہی حکم چلتا ہے میں قلوپطرہ کے ساتھ تھیبس ضرور جاؤں گا اور دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس شہر میں جا کر جشن منانے سے نہیں روک سکتی۔

بروٹس نے کہا۔

یہ ایک خطرناک قدم ہو گا۔

سیزر نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا تم لوگ جا سکتے ہو۔

بروٹس اور اوکتے دین خاموشی سے بڑبڑاتے ہوئے باہر آ گئے سیزر ایک جذباتی بادشاہ تھا اسے اپنی طاقت ہی کا احساس تھا وہ بروٹس اور اوکتے دین کی طاقت سے بے خبر تھا اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ بروٹس کو سارے درباریوں کی ہمدردیاں حاصل ہیں اور اس نے ان

سب کو قلوپطرہ کے خلاف کر دیا ہے بروٹس نے باہر نکل کر او کتے دین سے کہا۔

او کتے دین سیزر کو ایک روز اپنے طرز عمل پر پچھتانا پڑے گا قلوپطرہ نے سیزر کے ساتھ تھیبس پر حملے کا ایک دن مقرر کر دیا اس روز سیزر نے ایک لشکر اکٹھا کیا اور اسے ساتھ لے کر تھیبس کے شہر کی طرف روانہ ہو گیا تھیبس کے شہر میں جب یہ خبر پہنچی کہ سیزر روم کا بادشاہ خود ایک زبردست فوج لے کران کے شہر پر حملہ کرنے چلا آ رہا ہے تو وہاں ہڑ بونگ مچ گئی کمزور فرعون تو تھر تھر کانپنے لگا۔ چنانچہ جب سیزر کا لشکر شہر کے باہر پہنچا تو قلعے کے سارے دروازے کھول دیے گئے اور رومی فوج بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئی۔

تھیبس کا شہر خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح کر لیا گیا۔

سیزر نے فرعون کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا اور خود تخت پر

بیٹھ گیا اسی روز قلوپطرہ ایک عالی شان جلوس کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہوئی روم کی تاریخ میں لوگوں نے اس سے بڑھ کر شان وشوکت والا جلوس آج تک نہیں دیکھا تھا ہزاروں، غلاموں اور کنیزوں کے جھرمٹ میں ایک بہت بڑی پالکی میں سوار قلوپطرہ ایسی شان کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہوئی سیزر مجبور ہو گیا کہ محل کے باہر آ کر اس کا استقبال کرے یہ بات بھی درباریوں کو اچھی نہ لگی کہ ایک عظیم سلطنت کا بادشاہ قلوپطرہ کے لئے چل کر شاہی محل سے باہر آئے۔

مگر سیزر تو قلوپطرہ کے جال میں ایک پرندے کی طرح پھنس چکا تھا۔

سیزر نے آگے بڑھ کر قلوپطرہ کو پالکی سے اتارا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا پھر سیزر نے اٹھ کر اعلان کیا۔

آج سے قلوپطرہ میری بیگم ہے اور سارے مصر کی ملکہ ہے، ہم مصر کا علاقہ قلوپطرہ کے حوالے کرتے ہیں۔

اس اعلان پر مصریوں نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا مگر رومن خاموش رہے وہ سیزر کے اس اعلان سے خوش نہیں ہوئے تھے انہیں یوں محسوس ہوا تھا جیسے ان کا علاقہ دشمن کے حوالے کیا جا رہا ہو۔
بروٹس نے اوکتے دین کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو وقت آ گیا ہے کہ سیزر کو اس غداری کا بدلہ دیا جائے۔

سپیرے کی موت

پراسرار سپیرا ناگ پھنی کے پیچھے لگا ہوا تھا۔
اس پر یہ راز کھل چکا تھا کہ ناگ پھنی ایک سانپ ہے جو دو سو برس تک زندہ رہنے کے بعد انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہے وہ اسے ہلاک کر کے اس کا سر اپنی پٹاری میں رکھنا چاہتا تھا جس کا فائدہ یہ تھا کہ

سپیرے کو زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کا پتہ چل سکتا تھا ناگ پھنی کو ہلاک کرنے کا فیصلہ ایک خطرناک فیصلہ تھا مگر سپیرا اس پر تل گیا تھا چنانچہ وہ سکندریہ میں ان دونوں کا تعاقب کرتا ہوا سرائے تک پہنچ گیا تھا اس نے وہ کوٹھڑی بھی دیکھ لی تھی جس میں ناگ پھنی اپنے دوست عنبر کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔

سپیرے کو یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ ناگ پھنی کو صرف ایک ہی صورت میں ہلاک کر سکتا ہے کہ کسی طرح اس کو کوٹھڑی میں بند کر کے آگ لگا دے اور پھر جب وہ جل کر راکھ ہو جائے تو اس کی کھوپڑی اٹھا کر لے جائے اس نے سرائے کے اندر باہر گھوم پھر کر اچھی طرح دیکھ لیا وہ بھیس بدل کر وہاں آیا تھا اس نے ناگ پھنی کے ساتھ والی کوٹھڑی کرایے پر لی اور رہنا شروع کر دیا اس نے اپنا حلیہ بالکل ہی بدل رکھا تھا دوسرے وہ اس وقت کوٹھڑی میں آتا۔

جب عنبر اور ناگ پھنی باہر جا چکے ہوتے تھے۔

ایک روز سپیرا سارا دن کوٹھڑی کے اندر رہا اس نے دیکھا کہ عنبر تو وہاں سے چلا گیا مگر ناگ پھنی وہیں کمرے میں سویا رہا سپیرے نے موقع غنیمت جانا اور چپکے سے کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اس کے بعد اس نے کوٹھڑی سے باہر نکلنے والی نالی کو بھی پتھروں سے بند کر دیا اب ناگ پھنی کو باہر نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہیں مل سکتا تھا پھر اس نے رال کا تیل کپی میں سے نکالا۔ اسے پرانے چیتھڑوں میں بھگویا اور دروازے پر رکھ کر آگ لگا دی۔

آگ لگانے کے بعد وہ خود وہاں سے باہر نکل گیا رال کے تیل نے جلد ہی دروازے کو دھڑ ادھڑ جلانا شروع کر دیا وہاں آگ آگ کا شور مچ گیا جس وقت لوگ پانی کے کٹورے لے کر آئے اس وقت تک آگ کافی پھیل چکی تھی ناگ پھنی کوٹھڑی کے اندر سویا ہوا تھا کہ اس

نے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس کیا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا سارا کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا یہ دھواں بے حد کڑوا تھا ناگ پھنی سمجھ گیا کہ سپیرے نے اسے جلا کر بھسم کرنے کی سازش کی ہے۔ مگر اس وقت وہ جان بچا کر وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا۔

وہ فوراً سانپ کی شکل میں آ گیا اور نالی میں گھس گیا نالی کے آگے جا کر اس نے دیکھا کہ راستہ پتھروں سے بند کر دیا گیا ہے وہ فوراً واپس کوٹھڑی میں آ گیا اور دیوار پر رینگ کر روشن دان کی طرف بڑھنے لگا۔ مگر افسوس کہ روشن دان بھی آگ پکڑ چکا تھا اور دھڑ ادھڑ جل رہا تھا وہ تیزی سے نیچے آ گیا اور اب بے چینی کے عالم میں ادھر اُدھر رینگنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کس طرح اپنی جان بچائے۔

کوٹھڑی کا دروازہ جل کر سرخ ہو رہا تھا اگر وہ اس میں سے انسان بن

کر بھی گزرنے کی کوشش کرتا تو باہر نکلتے نکلتے شعلے اس کی کھال ادھیڑ ڈالتے باہر لوگوں کا شور اسے صاف سنائی دے رہا تھا وہ آگ بجھانے کی پوری کوشش کر رہے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ آگ ساری سرائے میں پھیل چکی ہے اور ان کے قابو سے باہر نکل چکی ہے ناگ پھنی دوبارا انسان کی شکل میں آ گیا کیونکہ سانپ بن کر اسے زیادہ گرمی محسوس ہو رہی تھی۔

اچانک اسے خیال آیا کہ ایک ہی صورت میں اس کی جان بچ سکتی ہے کہ وہ ہاتھی کی شکل اختیار کر کے دروازے کے شعلوں میں سے باہر نکل جائے کیونکہ ہاتھی کی کھال سخت ہوتی ہے۔ اور شعلے اس پر اتنی جلدی اثر نہیں کرتے اب زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا ناگ پھنی نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے زور سے سانس باہر پھینکا اور وہ ایک دم ہاتھی بن گیا۔ یہ ایک بہت بڑا ہاتھی تھا جس کے بڑے بڑے دانت

باہر نکلے ہوئے تھے ہاتھی زور سے چنگھاڑا اور اس نے پوری طاقت کے ساتھ دیوار کو ٹکر ماری دیوار ٹوٹ کر دور جا گری اور ہاتھی پاگلوں کی طرح سونڈ ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

دیوار کا ملبہ گرنے سے اس طرف کی آگ بجھ گئی ہاتھی نے باہر آ کر چاروں طرف دیکھا لوگ خوف زدہ نظروں سے ہاتھی کو دور کھڑے دیکھ رہے تھے وہ حیران تھے کہ اس خوف ناک آگ کے اندر ہاتھی کیسے پیدا ہو گیا؟ مگر سپیرے کو معلوم تھا کہ یہ ناگ پھنی ہے اور اس کی سازش ناکام ہو گئی ہے وہ بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگا ہاتھی سونڈ اٹھا کر زور سے چنگھاڑا اور اس نے سپیرے کو ہجوم میں سے نکل کر ایک طرف بھاگتے دیکھ لیا۔

ہاتھی اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ سپیرا ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ خوف ناک ہاتھی اس کے سر پر پہنچ گیا اس نے ایک خوف ناک چیخ ماری اور

زمین پر گر پڑا۔ ہاتھی اس کے ارد گرد رقص کرنے لگا جیسے اس نے دشمن کو اپنی قید میں کر لیا ہو لوگ دور دور کھڑے یہ عجیب وغریب تماشا حیرت سے دیکھ رہے تھے سپیرا ہاتھ جوڑے ہاتھی کے سامنے کھڑا تھا۔ اور ہاتھی خوشی اور جوش کے ساتھ اس کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا اچانک سپیرے نے ایک طرف اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی اس کے ساتھ ہی ہاتھی نے اسے اپنی سونڈ میں جکڑ کر اوپر اٹھا لیا اور جنگل کی طرف دوڑنے لگا۔

لوگ اس قدر ڈر گئے تھے کہ کسی کو اس کے پیچھے جا کر سپیرے کی جان بچانے کا حوصلہ نہ ہوا ہاتھی سپیرے کو سونڈ میں اٹھائے دوڑتا رہا پھر وہ اسے جنگل کے بیچ میں ایک تالاب کے کنارے لے آیا اور اسے ایک درخت کی اونچی شاخ پر بٹھا کر درخت کے ارد گرد خوشی سے چکر لگانے لگا۔

سپیرے نے وہیں سے گڑگڑا کر کہا۔

مجھ پر رحم کرو اے سانپوں کے سردار میں اپنے کیے پر نادم ہوں اور تم سے معافی مانگتا ہوں۔

مگر ہاتھی نے کوئی جواب نہ دیا اور اسی طرح خوشی اور جوش کے عالم میں درخت کے گرد چکر لگا تا رہا سپیرے نے ایک بار پھر التجا کی۔

اے سانپوں کے سردار، اگر مجھ پر نہیں تو میری اکلوتی بیٹی پر ہی ترس کھاؤ۔ اگر تم نے مجھے ہلاک کر دیا تو دنیا میں وہ اکیلی رہ جائے گی۔

مگر ہاتھی پر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ مستی کے عالم میں رقص کرتا ہوا درخت کے ارد گرد گھومتا رہا۔ اب سپیرے نے سوچا کہ یہ ہاتھی تو اسے ہلاک کرنے کی قسم کھائے بیٹھا تھا کسی طرح اس سے جان بچانی چاہیے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ درخت کا تنا کافی موٹا ہے اور اگر ہاتھی اسے اکھاڑنا چاہے تو نہیں اکھاڑ سکتا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس

نے درخت کے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ
درخت کی سب سے اوپر والی شاخ پر بڑے اطمینان سے جا کر بیٹھ
گیا۔
اس نے کہا۔
میاں ہاتھی میں تو مزے سے یہاں بیٹھا ہوں تمہیں جو کرنا ہے کر لو تم
سانپ بن کر بھی مجھے ہلاک نہیں کر سکتے کیوں کہ تمہارے زہر کا علاج
میں کر چکا ہوں میں نے ایک ایسی دوائی پی لی ہے جس کی وجہ سے
تمہارے زہر کا اثر مجھ پر ہرگز نہیں ہوگا۔
ہاتھی ایک پل کے لے رک گیا اس نے سونڈ اٹھا کر اوپر دیکھا سپیرا
اس سے کافی بلندی پر جا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی سونڈ وہاں تک کبھی
نہیں پہنچ سکتی تھی اب ایک ہی صورت باقی تھی کہ وہ ٹکریں مار کر
درخت کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کرے تا کہ جب درخت گر

پڑے تو وہ سپیرے کو ہلاک کر دے کیونکہ اب سپیرا ایک دشمن کی شکل
میں کھل کر سامنے آ گیا تھا اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے سپیرے کو نہ
مارا تو وہ اسے مار ڈالے گا۔ بلکہ سپیرے نے تو اسے مارنے کی پوری
کوشش کی تھی آگ ایک ایسی خوفناک شے تھی جس کے شعلوں سے
ناگ پھنی کبھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

ہاتھی نے درخت کو ٹکریں مارنی شروع کر دی۔

درخت کے اوپر جیسے بھونچال سا آ گیا سارا درخت لرزنے لگا۔

سپیرے نے بڑی مضبوطی کے ساتھ شاخوں کو پکڑ لیا اور جم کر بیٹھ گیا
درخت بے حد موٹا تھا اصل میں درخت کو چنتے وقت ہاتھی سے غلطی ہو
گئی تھی اسے چاہیے تھا کہ وہ سپیرے کو کسی ایسے درخت پر بٹھاتا جو
کمزور ہوتا تا کہ ضرورت پڑنے پر وہ اسے گرا بھی سکتا مگر وہ ایک بار
غلطی کر بیٹھا تھا۔ اس سے بڑھ کر غلطی تو اس نے یہ کی کہ جوش میں آ

کر سپیرے کو درخت کی ٹہنی پر بٹھا دیا۔

بہر حال اب اسے اپنی غلطی کا نتیجہ بھگتنا پڑ رہا تھا۔

ہاتھی بار بار درخت کو ٹکریں مار رہا تھا۔ درخت لرز رہا تھا مگر اکھڑنے کا نام نہ لیتا تھا ادھر ہاتھی کا ماتھا بھی درد کرنے لگا تھا ہاتھی خاموش کھڑا ہو گیا اور سونڈ اوپر اٹھا کر شاخوں میں بیٹھے سپیرے کو بڑے غور کے ساتھ دیکھنے لگا۔ ایک دم ہاتھی کے دماغ میں ایک خیال آیا اور اس نے سونڈ اوپر اٹھائے اٹھائے زور سے پھنکار ماری۔

پھنکار کی آواز نے سپیرے کو ڈرا دیا۔ اس نے نیچے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں تھا کہ اسے ایک چیتے کی بھیانک دھاڑ سنائی دی سپیرے نے سہم کر نیچے دیکھا زرد رنگ کا سرخ آنکھوں اور نوکیلے دانتوں والا بہت بڑا چیتا اس پر پنجے سے اُچھل کر چھلانگ لگا چکا تھا۔

سپیرا کانپ گیا وہ یہ بھول گیا تھا کہ ناگ پھنی جس درندے کا چاہے

روپ بھر سکتا ہے سپیرا ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ چیتا درخت کی موٹی
ٹہنیوں کو پھلانگتا اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور ڈکراتے ہوئے
اسے اپنی خونی آنکھوں سے تکنے لگا۔

اب سپیرے کے پاس سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔
کہ وہ درخت سے چھلانگ لگا دے چنانچہ اس نے ایک ٹہنی سے
دوسری دوسری سے تیسری اور تیسری سے چوتھی ٹہنی پر اترتے ہوئے
زمین پر چھلانگ لگا دی اور ایک طرف دیوانہ وار بھاگنا شروع کر دیا
چیتا بھی اس کے ساتھ ہی زمین پر چھلانگ لگا چکا تھا سپیرا ابھی تھوڑی
دور ہی گیا ہو گا کہ چیتے نے زور سے ڈکراتے ہوئے ایک لمبی
چھلانگ لگائی اور سپیرے کے اوپر دھم سے آن گرا سپیرا زمین پر
اوندھے منہ گر پڑا اور چیتے نے اپنے نوکیلے پنجے سپیرے کی پسلیوں
میں اور دانت اس کی گردن میں گاڑ دیے سپیرے کی ایک چیخ جنگل

میں بلند ہوئی اور اس کے بعد وہاں گہری خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد چیتے نے سپیرے کی لاش کے روئی کی طرح پرزے اڑا دیے اور تالاب میں چھلانگ لگا کر دوسری طرف نکل گیا شہر کے لوگ سپیرے کی تلاش میں وہاں پہنچے تو انہیں وہاں سوائے سپیرے کی لاش کے اور کچھ دکھائی نہ دیا لاش بھی ٹکڑوں کی صورت میں ادھر اُدھر بکھری ہوئی تھی لوگ چیتے کی تلاش میں آگے روانہ ہو گئے مگر وہاں کوئی چیتا ہوتا تو ملتا۔ چیتا تو تالاب کے دوسرے کنارے ایک انسان کی شکل میں بیٹھا اپنے کپڑے نچوڑ رہا تھا۔

ادھر عنبر جب سرائے میں واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ سرائے آدھی سے زیادہ جل کر راکھ ہو چکی ہے اب اسے اپنے دوست کی تلاش تھی اس کو لوگوں نے بتایا کہ اس آگ میں سے ایک ہاتھی نکل کر جنگل کی طرف بھاگا تھا عنبر سمجھ گیا کہ ناگ پھنی ہاتھی کی شکل میں آگ سے بچ

کر جنگل میں چلا گیا ہے مگر سوال یہ تھا کہ اسے ہاتھی کی شکل بدلنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا کسی نے سازش کر کے اسے کوٹھڑی میں بند کر کے سوراخ بند تو نہیں کر دیے تھے؟ کیا کہیں لالچی سپیرے نے تو ایسا نہیں کیا تھا؟ ناگ پھنی نے کہا تھا کہ سپیرا اسے آگ میں جلا کر مارنا چاہتا ہے اور وہ اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

عنبر ساری بات سمجھ گیا اور جنگل کی سمت چل پڑا کافی دور تالاب کے کنارے پہنچ کر سارا معمہ حل ہو گیا یہاں اس نے پراسرار سپیرے کی لاش کے ٹکڑوں کو دیکھا ارد گرد ہاتھی اور چیتے کے پاؤں کے نشان جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔

عنبر پر صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ ناگ پھنی نے پہلے ہاتھی اور پھر چیتا بن کر سپیرے کو جان سے مار دیا ہے کیونکہ سپیرے نے بھی اسے جان سے مارنے کی بھرپور کوشش کی تھی اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو ناگ پھنی

کی دوسو برس کی محنت ایک پل میں ضائع ہو جاتی۔

لیکن اب اس کا دوست ناگ پھنی کہاں تھا؟

عنبر نے جنگل میں اپنے دوست کو ڈھونڈنا شروع کر دیا اس موئی جنگل کا چپہ چپہ چھامارا لیکن ناگ پھنی کا کہیں بھی سراغ نہ ملا۔

ناامید ہو کر وہ واپس اسی سرائے کے باہر آ کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا کہ شاید اس کا دوست وہاں پہنچ جائے۔

لیکن ناگ پھنی اس سے پہلے عنبر کو جلتی ہوئی سرائے میں دیکھ کر واپس جا چکا تھا عنبر اسے نہیں مل سکا تھا ناگ پھنی نے وہاں سے سیدھا پر اسرار پیرے کے جھونپڑے کا رخ کیا وہ اس کی بیٹی رانی کو بتا دینا چاہتا تھا کہ اس نے اس کے باپ کو ہلاک کر دیا ہے اور محض اس لئے ہلاک کر دیا ہے کہ اس نے اسے جان سے مارنے کی پوری کوشش کی تھی۔

اس وقت شام ہو گئی تھی اور شہر کے مکانوں میں چراغ جلنے لگے تھے۔ دور سے ناگ پھنی نے سپیرے کی جھونپڑی میں بھی چراغ کی روشنی دیکھی اس کی بیٹی سانپوں کو شہد ڈال رہی تھی اور اپنے باپ کے انتظار میں پریشان ہو رہی تھی ناگ پھنی کو آتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔

بھائی۔ کیا تم نے میرے باپ کو دیکھا ہے۔؟

ناگ پھنی نے کہا۔

میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے اس کی لاش کے ٹکڑے تالاب کے کنارے بکھرے ہوئے ہیں اور چیل کوئے کھا رہے ہیں۔

رانی نے چیخ مار کر ناگ پھنی کا منہ نوچنا شروع کر دیا ناگ پھنی نے اسے پکڑ کر ایک طرف بٹھا دیا اور اسے بتایا کہ کس طرح اس کے باپ نے سرائے میں آگ لگا کر اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور پھر کس طرح وہ جان بچا کر واپس وہاں سے بھاگا۔

میں تمہیں صرف یہی نہیں کہنے آیا کہ تمہارے باپ کو میں نے مار ڈالا ہے بلکہ یہ بھی بتانے آیا ہوں کہ میرے قتل کی سازش میں تم بھی اپنے باپ کی برابر کی شریک تھیں اور اگر اپنے باپ کے ساتھ تم ہوتیں تو میں تمہیں بھی قتل کر دیتا اب بھی اگر تم نے مجھ سے اپنے باپ کا بدلہ لینے کی کوشش کی تو میں تمہیں بھی جنگل میں لے جا کر تمہاری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

مکار عورت سپیرن تھی اسے احساس ہوا کہ وہ ایک بڑے ہی خطرناک سانپوں کے سردار کے سامنے بات کر رہی ہے فوراً نرم ہوگئی اور لجاجت سے بولی۔

مجھے معاف کر دے اے عظیم سانپوں کے سردار میرے باپ نے سخت غلطی کی جو تمہاری جان لینے کی کوشش کی میرا باپ لالچی تھا اسے اپنے لالچ کی سزا مل گئی۔

مگر تم بھی تو اس کی سازش میں شامل تھیں۔

یہ میری مجبوری تھی میرے باپ نے مجھے مجبوراً اپنے ساتھ شامل کرالیا تھا! وگرنہ میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔

چلو جو کچھ بھی ہوا اب میں تمہیں صرف یہ کہتا ہوں کہ آئندہ سے اگر تم نے کوئی خطرناک سازش کی تو تمہارا انجام بھی تمہارے باپ جیسا ہو گا؟

ہرگز نہیں میرے بھائی ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

ناگ پھنی جانے لگا تو مکار عورت نے ہاتھ جوڑ کر اسے روک لیا اور کہا اچھے بھائی میں اکیلی جھونپڑے میں نہیں رہ سکتی مجھے ڈر آئے گا میرا باپ اب مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے صرف آج کی رات میری جھونپڑی میں رہ جاؤ کل میں یہاں سے اپنی خالہ کے ہاں چلی جاؤں گی۔

پھر تم بھی چلے جانا تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔

ناگ پھنی کا دل پسیج گیا۔

صرف ایک رات کے لئے میں ٹھہر جاتا ہوں۔

تمہاری مہربانی میرے بھائی۔

مکار عورت بڑی خوش ہوئی کہ اس کے باپ کا قاتل ایک رات کے لئے اس کے جھونپڑے میں رک گیا ہے وہ اس سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی اس کے چالاک دماغ میں ایک خطرناک منصوبہ تھا۔

قبر کی آواز

وہ رات بڑی ڈراؤنی اور طوفانی رات تھی۔

سکندریہ کے آسمان پر کالے کالے بادل چھا گئے اور تیز ہواؤں کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی عنبر کو جب سرائے کے باہر بیٹھے شام ہوگئی اور اس کا دوست ناگ پھنی نہ آیا تو وہ جلتی ہوئی سرائے سے نکل کر شہر سے باہر ویران اور اُجڑے ہوئے اہرام میں آگیا یہاں ہزاروں سالہ پرانی قبریں تھیں وہ اونچے پہاڑوں اور اہراموں کے اندر غاروں میں بنی ہوئی تھیں وہ ایک ٹیلے کے پاس بھٹک رہا تھا کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور تیز ہواؤں کے ساتھ بارش شروع ہوگئی

قبر کی آواز

اس طوفان سے بچنے کے لئے عنبر ایک اہرام کے اندر پتھروں کے بیچ
میں ایک پرانی قبر کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ ہوسکتا ہے کہ
اسے رات اسی جگہ گزارنی پڑے کیونکہ طوفان بڑا زبردست تھا۔
بارش کا پانی اہرام کے اندر آنا شروع ہو گیا تھا اور ہواؤں کی چیخیں
صاف سنائی دے رہی تھیں عنبر غار کے اندر قبر کے چبوترے پر پتھروں
سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اسے قدیم مصر میں گزرا ہوا اپنا بچپن یاد آنے لگا
کہ یہی وہ علاقہ تھا جہاں کھیل کود کر وہ بڑا ہوا تھا اسی جگہ اس نے شاہی
محلوں میں پرورش پائی تھی اور اب پرانے بادشاہوں کی قبروں کے
پاس بے یارو مددگار پڑا تھا باہر بادل زور سے گرج رہے تھے اور
ہوائیں اہرام کے پتھروں سے ٹکراتے ہوئے شور پیدا کر رہی تھیں۔
ایکا ایکی عنبر کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کا نام لے کر اسے آواز دی ہو وہ
چوکنا ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ غار کے اندر اندھیرا ہی اندھیرا تھا اس

نے سوچا شاید اس کا وہم ہو۔لیکن وہی آواز ایک بار پھر سنائی دی اب کے بار اس نے صاف طور پر سنا کہ کسی نے اسے پکارا تھا آواز غار کے اندر سے یا شاید جس قبر پر بیٹھا تھا اس کے اندر سے آرہی تھی اب اس نے کان آواز پر لگا دیے تیسری بار آواز اسے پھر سنائی دی۔

عنبر..............عنبر...............طوفان کی ہوائیں تمہیں مبارک ہوں...........مجھے یہاں سے نکالو.............مجھے یہاں سے نکالو.............

کوئی اور ہوتا تو وہ ڈر کر بھاگ جاتا لیکن عنبر کو کبھی خوف یا ڈر نہیں لگا تھا اس نے محسوس کیا کہ آواز قبر کے اندر سے ہی آرہی تھی مگر قبر کے اندر سے آواز کیسے آسکتی ہے اس نے قبر کے پتھر پر کان رکھ دیے اور غور سے سننے لگا۔آواز ایک بار پھر سنائی دی اور قبر کے اندر ہی سے آرہی تھی اب عنبر کے لئے شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی قبر کے اندر

کون ہوسکتا ہے؟ کیا کسی بھٹکی ہوئی ملکہ کی روح ہے؟ کیوں کہ آواز عورت کی تھی۔

عنبر............جس پتھر پر تم بیٹھے ہو اسے اپنی جگہ سے ہٹا دو............مجھے یہاں سے ہٹا دو.............

عنبر سمجھ گیا کہ یہ کوئی ایسی روح ہے جس کو زبردستی زندہ دفن کر دیا گیا ہے اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ بادشاہوں اور ملکہ کے ساتھ ان کے غلام اور کنیزوں کو بھی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اس خیال کے ساتھ کہ بادشاہ یا ملکہ کو اگلی دنیا میں جا کر نوکروں کی ضرورت ہوگی ،مرے ہوئے بادشاہ کے ساتھ ہی زندہ غلام یا کنیز کو زنجیروں سے باندھ کر باہر سے قبر کو بند کر دیا جاتا تھا وہ بے چارا یا بے چاری اندر ہی دم گھٹنے سے ہلاک ہو جاتی تھی یہ کوئی ایسی ہی روح تھی جو آزاد ہونا چاہتی تھی۔

عنبر نے اٹھ کر قبر کے پتھروں کو چاروں طرف سے غور سے دیکھا۔ یہ چوکور پتھروں کے ٹکڑے تھے جن کی دراڑوں میں جگہ جگہ خشک گھاس اگا ہوا تھا اس نے دو ایک جگہوں سے پتھر ہلائے تو ایک پتھر اپنی جگہ سے ذرا سا کھسک گیا عنبر نے اس پتھر کو باہر نکالنے کی کوشش شروع کر دی تھوڑی سی جدوجہد کے بعد پتھر باہر نکل آیا اندر سے ٹھنڈی اور نمدار ہوا کا جھونکا باہر نکل گیا اس ہوا میں موم اور کافور کی بو تھی عنبر سمجھ گیا کہ یہ کسی امیر عورت کی قبر ہے جس کے اندر اس کی کسی چہیتی خدمت گار کنیز کو بھی زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔

اس نے کوشش کر کے کچھ پتھر اور ہٹا دیے اب وہاں ایک سوراخ بن گیا عنبر نے نیچے جھانک کر دیکھا قبر کے اندر پتھر کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اندر جائے یا نہ جائے باہر طوفان بڑے زوروں پر تھا طوفانی ہوائیں چیخ چیخ کر شور مچا رہی تھیں اور بارش ہو

رہی تھی عنبر کو ایک بار پھر وہی آواز سنائی دی۔

عنبر .... مجھے یہاں سے لے جاؤ................. مجھے یہاں سے لے جاؤ.............. میرا دم گھٹ رہا ہے...............

عنبر نے رب واحد کا نام لیا اور قبر کے اندر اترنے لگا۔

پتھروں کے ہٹ جانے سے اندر ہلکی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی عنبر سیڑھیاں اتر کر ایک چھوٹے سے صحن میں آ گیا پتھروں کی نیچی چھت کے ساتھ لگے ہوئے چھوٹے چھوٹے کتنے ہی ستون کھڑے تھے زمین پر ریت ہی ریت تھی درمیان میں کسی ممی کا ایک تابوت پڑا تھا جس کے سرہانے مرتبانوں میں گندم اور بادام پڑے تھے تابوت کے اوپر ایک شمع دان رکھا تھا جو جانے کب کا بجھ چکا تھا اندر اندھیرا چھا رہا تھا عنبر نے دیوار کے ساتھ ایک مشعل دیکھی اس نے جیب سے پتھر نکال کر انہیں رگڑا اور مشعل جلا دی اس کی روشنی میں عنبر کو چاروں طرف

مردے کی چیزیں پڑی ہوئی نظر آئیں اس کا سنگھار دان اس کے کپڑے اس کی مسہری صندوق جوتے اور تیر کمان اور رات کو پہن کر سونے کا لباس..............اس کا اندازہ درست نکلا.........یہ پرانے مصر کی کسی امیرزادی کا تابوت تھا جس کے ساتھ اس کی کسی چہیتی کنیز کو دفن کر دیا گیا تھا مگر سوال یہ تھا کہ کنیز کا ڈھانچہ کہاں تھا۔؟ مشعل کی روشنی میں وہ تابوت پر جھک کر کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے کنیز کی آواز پھر سنائی دی۔

عنبر..........عنبر..........میں یہاں ہوں..........

یہ آواز صحن کے دوسری جانب سے آرہی تھی عنبر اس طرف آ گیا اس نے دیکھا کہ ایک ستون کے ساتھ ہڈیوں کا ڈھانچہ زنجیروں سے بندھا ہوا تھا وہ آگے کو جھکا ہوا تھا اور لوہے کی زنجیروں نے اسے چاروں طرف سے لپیٹ رکھا تھا عنبر اس ڈھانچے کے پاس جا کر کھڑا

ہو گیا۔ ایک تکلیف دہ آواز پھر سنائی دی۔

مجھے آزاد کردو..............میری ہڈیوں کو یہ لوہا کاٹ رہا ہے۔ مجھے

اس عذاب سے نجات دلاؤ.............

عنبر نے آگے بڑھ کر لوہے کی زنجیروں کو اپنی طرف کھینچا مگر وہ بڑی

مضبوط تھیں اس نے زمین پر سے پتھر اٹھایا اور زنجیروں کو توڑنے لگا۔

کافی دیر کی کوشش کے بعد اس نے ساری زنجیروں کو توڑ دیا اور ہڈیوں

کے ڈھانچے کو بڑے آرام سے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا۔

تمہارا احسان میں کس طرح بھلا سکوں گی عنبر تم نے مجھے ایک ایسے

عذاب سے بچالیا جس میں میں ہزاروں سال سے مبتلا تھی۔

یہ اسی بھٹکی ہوئی روح کی آواز تھی عنبر نے غور سے ڈھانچے کو دیکھا اور

کہا۔

تم کس کی روح ہو اور یہاں ایک ہزار برس سے تمہیں کس نے قید کر

رکھا تھا؟

روح نے کہا۔

عنبر میرا نام کارمیلا ہے میں آج سے ایک ہزار برس پہلے کے مصر میں ایک امیر کبیر خاتون یوحنا کی چہیتی کنیز تھی آج سے ایک ہزار برس پہلے تم ایک بار ہماری حویلی میں دعوت پر بھی آئے تھے شاید اب تمہیں یاد نہ ہو مگر مجھے یاد ہے اور میں تمہیں اہرام کے اندر داخل ہوتے ہی پہچان لیا تھا میں نے اپنی مالکن سے وعدہ لے رکھا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد میں اس کے ساتھ دفن نہیں ہوں گی لیکن اس کے خاوند نے مجھ سے دھوکہ کیا جب وہ خاتون یوحنا مر گئی تو مجھے کسی بہانے اس اہرام میں بلا کر اوپر سے قبر کا منہ بند کر دیا گیا میں اس اہرام کے اندر بھٹکتی اور چیختی رہی مگر میری آواز باہر نہیں جا سکتی تھی پھر میں مر گئی اس سے اگلے روز قبر کا منہ کھول کر کچھ لوگ آئے اور مجھے اس ستون کے

ساتھ جکڑ کر چلے گئے جب سے لے کر آج تک ایک ہزار برس گزر چکا ہے اس وقت سے میری روح اس قبر کے اندر بھٹک رہی ہے۔
دیوتاؤں کا کرم ہوا کہ تم ادھر آ نکلے اور تم نے میری روح کو ایک خوفناک عذاب سے نجات دلائی۔

عنبر نے کہا۔

کارمیلا مجھے بالکل یاد نہیں کہ آج سے ایک ہزار برس پہلے میں تمہاری مالکن کی حویلی میں آیا تھا خیر تم ٹھیک کہہ رہی ہو گی۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم ایک روح ہو کر اتنی کمزور کیوں ہو کر رہ گئی تھیں کہ اس قبر کے سوراخ سے باہر نہ نکل سکیں۔؟

روح نے آہ بھر کر کہا۔

عنبر کاش میں تمہیں روحوں کی دنیا کے بارے میں کچھ زیادہ بتا سکتی میں اس سے زیادہ تمہیں کیا کہہ سکتی ہوں کہ روحوں کی دنیا ایک

پراسرار دنیا ہے یہاں اگر میں اتنی آزاد ہو سکتی ہوں کہ مصر سے لے کر چین تک آزادی سے اڑتی پھروں تو اتنی پابندی بھی ہو سکتی ہوں کہ اس قبر کے تنگ سوراخ سے ایک انچ اوپر اٹھنا بھی میرے لئے محال ہو جائے۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا اس عذاب کی ذمے دار تمہاری مالکن تھی۔؟

نہیں عنبر۔ اس کی ذمے داری مالکن کے خاوند پر آتی ہے جس نے اپنی بیوی کے اگلے جہاں کے آرام کا خیال کرتے ہوئے ایک بے گناہ کنیز کو زندہ دفن کر دیا...............کاش میں اس کی روح سے انتقام لے سکتی۔

کیا تمہارے مالک کی قبر بھی اس غار کے اندر ہے۔؟

نہیں اس کی قبر یہاں سے دو رات کے سفر پر ایک ٹیلے میں ہے لیکن

اتنی مدت گزر جانے پر اس کی قبر کا نام ونشان بھی مٹ گیا ہوگا۔ اور خود اس کی روح بھٹکتی ہوئی اتنی دور نکل گئی ہے کہ اگر میں اس کی تلاش شروع کروں تو قیامت تک اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔

کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ میری موت کب لکھی ہے۔؟

عنبر کے اس سوال کے ساتھ ہی جیسے غار میں ایک گڑ گڑاہٹ کے ساتھ زلزلہ سا آ گیا روح نے سر گوشی کی آواز میں کہا۔

ایسا پھر کبھی نہ پوچھنا۔ یہ ایک راز ہے ایک دعا کا راز.................

شاید ایک بد دعا کا راز۔...............میری جرائت نہیں کہ میں اس راز پر سے پردہ اٹھا سکوں۔

عنبر نے سر جھکا لیا اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر آخری نظر ڈال کر قبر کے دہانے کی طرف آ گیا جب وہ باہر نکلنے لگا تو اسے پیچھے سے روح کی آواز سنائی دی۔

تم نے میری مدد کی ہے تم نے میری روح کو ہزار برس کے عذاب سے نجات دلائی ہے میں تمہاری کنیز بن گئی ہوں اگر کبھی تمہیں میری ضرورت محسوس ہوئی تو یہ لو میری انگوٹھی اسے مصیبت کے وقت چوم لینا میں وہاں پہنچ جاؤں گی اور تمہاری مدد کروں گی پھر تمہیں میری طاقت اور آزادی کا احساس ہو جائے گا۔

اس آواز کے ساتھ ہی کھٹاک سے چاندی کی ایک انگوٹھی عنبر کے قدموں کے پاس آن گری عنبر نے انگوٹھی اٹھالی۔ اس کے اندر سیاہ رنگ کا نگ جڑا ہوا تھا جس پر پرانے مصری انداز میں کوئی نقش بنا ہوا تھا۔ عنبر نے انگوٹھی اٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی اور کہا۔

کارمیلا کی روح تمہارا شکریہ لیکن دیوی بلطیس کی روح میری ہر مشکل میں کام آتی ہے۔

کارمیلا کی روح نے کہا۔

عنبر! تم بڑے ٹھیک وقت پر میرے پاس آئے ہو کیونکہ اب دیوی بلطیس کی روح تمہارے کسی کام نہیں آئے گی وہ ان آسمانوں سے نکل کر ایک ایسی جگہ پہنچ چکی ہے جہاں اسے تمہاری آواز کبھی سنائی نہیں دے سکتی تم کوشش کر کے دیکھ سکتے ہو..............میں جا رہی ہوں۔

اب جب تم مجھے بلاؤ گے تو تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں جاؤں گی عنبر کو فضا میں ہوا کے تیز جھونکے کی آواز سنائی دی اور پھر قبر کے اندر گہری خاموشی طاری ہو گئی وہ قبر کے اندر سے باہر نکل آیا اور اس نے قبر کے منہ کو پتھروں سے اچھی طرح بند کر دیا باہر رات ڈھلنے لگی تھی اور آسمان پر صبح کا نیلا شفاف نور نمودار ہو چکا تھا عنبر کو وقت کا احساس بالکل نہ رہا تھا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے روح کے ساتھ ایک پل کے لئے گفتگو کی ہو لیکن باہر پوری رات گزر گئی تھی وہ اہرام کے

غار میں سے نکل آیا اور اس نے شہر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔
اب ذرا یہ کہانی بھی سنیے کہ عنبر کے دوست ناگ پھنی کے ساتھ رات کو کیا گزری؟ سپیرے کی بیٹی رانی نے ناگ پھنی سے اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کی ٹھان رکھی تھی اسی لیے اس نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ رات وہیں جھونپڑے میں گزارے ناگ پھنی اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا اور اس نے جھونپڑے میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ رات بڑی طوفانی رات تھی آسمان پر گہرے گہرے بادل چھا گئے اور زبردست بارش ہونے لگی بجلی کڑکنے لگی اور بادل گرجنے لگے پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں دبک گئے سپیرے کی بیٹی رانی نے ناگ پھنی کو جھونپڑے کے اندر بستر بچھا دیا اور خود دوسرے جھونپڑے میں لیٹ

گئی آدھی رات کو جب کہ طوفان پورے زوروں پر تھا اس نے اٹھ کر دبے پاؤں ان پٹاریوں کی طرف چلنا شروع کر دیا جہاں زہریلے سانپ رکھے تھے ان سانپوں میں ایک سانپ ایسا تھا جس کے منہ سے سانس کے ساتھ ساتھ آگ کے شعلے بلند ہوتے تھے۔ رانی نے سانپ پٹاری سے نکال کر اپنے بازو کے اردگرد لپیٹا اور ناگ پھنی کی جھونپڑی کی طرف آ گئی۔

بارش بڑے زور سے برس رہی تھی وہ جھونپڑے کے اندر داخل ہو کر ناگ پھنی کے سرہانے کی طرف آ گئی اس کے باپ کا قاتل اس کے سامنے لیٹا ہوا تھا اسے ناگ پھنی کے خراٹوں کی آواز سنائی دی آگ والے سانپ کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ اسے ناگ پھنی کے بارے میں علم نہیں تھا کہ وہ بھی سانپوں کا سردار ہے اور دو سو برس تک زندہ رہنے کے بعد انسانی شکل میں آیا

ہے۔
اس نے کلائی سے سانپ اتار کر اسے ناگ پھنی کی گردن پر چھوڑ دیا
سانپ نے پھنکار مار کر تین مرتبہ ناگ پھنی کی گردن پر ڈس دیا ناگ
پھنی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ صرف رانی کو بھی کچھ دکھانا چاہتا تھا۔
سانپ نے ڈستے ہی جیسے قلابازی کھائی اور مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔
رانی نے پریشان ہو کر زمین پر سے مردہ سانپ کو اٹھا کر دیکھا۔ ناگ
پھنی نے اٹھ کر پھنکار ماری اور ایک دم سے سانپ کے روپ میں
رانی کے سامنے آ گیا۔
رانی دہشت سے پتھر بن کر اسے تکتی رہ گئی۔

ناگ پھنی کا کارنامہ

سانپ نے پھنکار مار کر کہا۔

بولو کیا اب تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کروں جو میں نے تمہارے باپ کے ساتھ کیا تھا؟

سپیرے کی بیٹی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اے سانپوں کے بادشاہ، میری خطا معاف کردو مجھ سے بھول ہوگئی میں اپنے باپ کی محبت میں تجھے مارنے پر تیار ہوگئی اگر مجھے علم ہوتا کہ تم سانپوں کے بادشاہ ہو تو میں کبھی ایسا ارادہ نہ کرتی مجھ سے جو کچھ ہوا ناسمجھی میں ہوا۔ مجھے معاف کردو۔

ناگ پھنی نے پھنکار ماری اور ایک بار پھر انسانی شکل میں آ گیا اس نے رانی کی کلائی پکڑ کر کہا۔

اے بد بخت عورت تو نے اپنے باپ کی محبت کا ذکر کیا ہے اس لئے میں تمہیں معاف کرتا ہوں ورنہ تمہارا جرم اتنا گھناؤنا ہے کہ میں ابھی تمہیں جلا کر راکھ کر دیتا۔

ناگ پھنی نے رانی کا ہاتھ زور سے جھٹک کر اسے پرے پھینک دیا آسمان پر طوفان کا زور تھم گیا تھا۔ بارش رک گئی تھی اور صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا ناگ پھنی نے کہا۔

میرے جھونپڑے سے نکل جا اور اپنی منحوس شکل لے کر دور ہو جا۔ پھر کبھی مجھ کو اپنی شکل نہ دکھانا میں صبح ہوتے ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔

رانی اٹھ کر وہاں سے نکل گئی۔

وہ دیوتاؤں کا شکر بجالا رہی تھی کہ اس کی جان بچ گئی وہ تھر تھر کانپ رہی تھی ناگ پھنی کی طاقت کا اندازہ اسے ہرگز نہیں تھا وہ اپنے بستر پر

لیٹ گئی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس شہر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے
گی جہاں اس کے باپ کا قاتل رہتا ہے اور جس سے وہ اپنے باپ کا
بدلہ نہیں لے سکتی۔
دن چڑھتے ہی ناگ پھنی جھونپڑے سے نکل کر شہر میں آ گیا وہ عنبر کو
تلاش کرنے لگا۔اس نے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا مگر اسے اپنے
دوست عنبر کا کہیں بھی پتہ نہ چل سکا،وہ بڑا حیران تھا کہ آخر عنبر کہاں گم
ہو گیا چلتے چلتے وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں شاہی محل کے پچھواڑے ایک
شاہی اکھاڑہ تھا اس اکھاڑے میں کھیل تماشے ہوتے تھے اور ان
مجرموں کو بھوکے شیروں کے آگے بھی ڈالا جاتا تھا جنہوں نے بادشاہ
کے خلاف کوئی بھیانک جرم کیا ہو۔
ناگ پھنی نے دیکھا کہ لوگ بہت بڑی تعداد میں شاہی اکھاڑے کی
طرف چلے جا رہے ہیں اس نے سوچا کہ کوئی خاص کھیل تماشہ ہو رہا

ہو گا اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔

کیوں بھائی میاں کیا ہونے والا ہے۔؟

اس آدمی نے کہا۔

کیا تمہیں نہیں معلوم؟ تم کہاں سے آئے ہو؟ کیا تم پردیسی ہو؟

ناگ پھنی نے کہا۔

ہاں بھائی میں اس شہر میں پردیسی ہوں۔

آدمی نے کہا۔

آج اس اکھاڑے میں ایک ایسی عورت کو بھوکے شیروں کے آگے ڈالا جارہا ہے جس نے بادشاہ کے شاہی باورچی خانے سے روٹی چرائی تھی۔

اس نے ایسا کیوں کیا تھا بھائی؟

ہاہاہا۔ آدمی نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا کہتے ہیں کہ وہ عورت اور اس

کے بچے بھوکے تھے وہ اپنے بچوں کے لئے روٹی چرانے آئی تھی۔

ناگ پھنی نے کہا۔

تو یہ اتنا خوفناک جرم نہیں ہے کہ اس بے چاری کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جائے۔

اس آدمی نے چیخ کر کہا۔

لوگو سنو! دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے یہ بھی باغی ہے اسے بھی بھوکے شیروں کے آگے ڈال دو۔

ناگ پھنی نے معاملہ بگڑتے ہوئے دیکھا تو چپکے سے وہاں سے کھسک گیا وہ بھی لوگوں کے ساتھ چلتا ہوا اکھاڑے کے بڑے دروازے میں سے داخل ہو کر اندر آ گیا یہاں ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے جمع تھے اس نے سنا لوگ کہہ رہے تھے کہ اس عورت کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اس نے کسی عام گھر سے روٹی

چرانے کی بجائے بادشاہ کے باورچی خانے سے روٹی چرانے کی کیوں کوشش کی۔؟

ناگ پھنی کو اس عورت پر بڑا ترس آیا جو بے چاری محض اس لئے ہلاک کی جا رہی تھی کہ اس نے بھوک سے تنگ آ کر اپنے بھوکے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا چرا لیا تھا اس نے اس مظلوم عورت کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا اب اس نے لوگوں سے باتوں ہی باتوں میں یہ معلوم کیا کہ وہ عورت اس وقت کہاں ہوگی، معلوم ہوا کہ وہ عورت اس وقت اکھاڑے کے ایک حصے میں کوٹھڑی میں بند ہے ناگ پھنی پوچھتے پوچھتے اس کوٹھڑی کی طرف چل پڑا۔ کوٹھڑی کے باہر رومن سپاہیوں کا بڑا زبردست پہرہ تھا۔

ایک جانب وہ عورت قید تھی اور دوسری جانب لوہے کے پنجروں کے اندر دو بڑے بڑے بھوکے شیر بے چینی سے ٹہل رہے تھے بھوک نے

ان کو بد حال کر رکھا تھا اور وہ اس وقت کے منتظر تھے جب ان کے آگے کسی انسان کو ڈالا جائے اور وہ اسے چیر پھاڑ کر کھا جائیں۔

ناگ پھنی کھسکتے کھسکتے کوٹھڑی کی دیوار کی اس جانب آ گیا جہاں ایک سوراخ میں سے روشنی اور ہوا کوٹھڑی کے اندر جا رہی تھی ناگ پھنی نے جب دیکھا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تو وہ سانپ کا روپ بدل کر دیوار پر چڑھ کر سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا اندر پتھر کے چبوترے پر ایک پریشان حال عورت بیٹھی گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔

ناگ پھنی دیوار پر سے اتر کر اس کے پیچھے آ گیا اور ہلکی سی پھنکار مار کر ایک انسان کی شکل اختیار کر لی اس نے کہا۔

بہن مجھے دیکھ کر گھبرا نا مت میں تمہاری مدد کرنے کے لئے دیوتاؤں کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔

بدنصیب عورت نے سر اٹھا کر ناگ پھنی کی طرف دیکھا تو حیران ہو کر
رہ گئی کہ اتنے کڑے پہرے میں سے وہ اندر کیسے آ گیا؟ جب ناگ
پھنی نے اسے یقین دلایا کہ وہ دیوتاؤں کی طرف سے آیا ہیں تو
عورت نے روتے ہوئے ہاتھ باندھ کر کہا۔
اے مقدس دیوتا۔ مجھے ان ظالموں کے چنگل سے بچا لے میرے
بھوکے بچے میرے بغیر بلک بلک کر مر جائیں گے میرے بعد انہیں
کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔
ناگ پھنی نے کہا۔
میں اسی لئے تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم بے فکر ہو کر میدان میں آنا
بھوکے شیر تمہارا بال تک بیکا نہ کر سکیں گے۔
لیکن وہ تو مجھے پھاڑ کر کھا جائیں گے۔
وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے میں جاتا ہوں۔ اب تمہاری ملاقات میدان

میں ہو گی۔

ناگ پھنی سانپ بن کر دوبارا کوٹھڑی کے راستے سے باہر نکل گیا۔ اکھاڑے کا میدان تماشائیوں سے کھچا کھچ بھر چکا تھا کہیں بھی تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی لوگ شہر کے گورنر ڈیوس کا انتظار کر رہے تھے۔ جب گورنر آ گیا تو لوگوں نے تالیاں بجا کر اور شور مچا کر تماشا شروع کرنے کو کہا۔ گورنر نے ہاتھ اٹھا کر تماشہ شروع کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے حکم کے ساتھ ہی خونی تماشہ شروع ہو گیا۔

سب سے پہلے عورت کی کوٹھڑی کھول کر اسے ایک لکڑی کی چوکی پر بٹھلا کر میدان میں لایا گیا ریت کے میدان میں بے چاری عورت کو بٹھا کر سپاہی واپس بھاگ گئے۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا اب شیروں کے پنجرے کے کھلنے کا انتظار تھا عورت تھر تھر کانپ رہی تھی اسے دیوتاؤں کی امداد کا یقین بھی تھا اور نہیں بھی یقین تھا۔ اتنے میں گورنر

ڈیوس نے دوسری بار ہاتھ سے اشارہ کیا مطلب یہ تھا کہ بدقسمت عورت پر بھوکے شیروں کے پنجرے کھول دیے جائیں.............

سپاہیوں نے اشارہ پاتے ہی دونوں بھوکے شیروں کا پنجرہ کھول دیا۔ شیر دھاڑتے ہوئے میدان میں آ گئے اور انسان کی بو سونگھ کر عورت کی طرف لپکے۔

سب لوگ دم بخود ہو گئے اب وہ عورت کو شیروں کے جبڑوں میں چیرے پھاڑے جانے کا تماشہ دیکھنے کو بے تاب تھے کہ اتنے میں ایک دھما کہ ہوا اور ایک بہت ہی بڑا ٹیلے جتنا جنگلی وحشی ہاتھی جھومتا ہوا وہاں نمودار ہوا۔ اور شیروں کی طرف لپکا شیر ٹھٹک گئے۔ ایک شیر نے ہاتھی پر حملہ کر دیا ہاتھی نے ایک طرف گھوم کر اپنی سونڈ کا لٹھ گھمایا اور پوری قوت سے شیر کے سر پر دے مارا۔ شیر کی کھوپڑی پاش پاش ہو کر اس کی گردن میں دھنس گئی اور وہ وہیں گر کر مر گیا۔ لوگوں میں شور مچ

گیا کہ یہ ہاتھی کہاں سے آ گیا۔

گورنر ڈیوس اور سارے درباری اور ان کی بیگمیں تعجب سے ہاتھی کو دیکھ رہی تھیں کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے یہ ہاتھی ایک دم کہاں سے آ گیا اور کیسے آ گیا ہے۔؟ صرف اس بھوکی ماں کو علم تھا کہ یہ دیوتاؤں نے اس کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔...............

دوسرے شیر نے بھپر کر ہاتھی کی گردن پر چھلانگ لگا دی اور اپنے نوکیلے پنجوں سے اس کی گردن کو نوچنے لگا۔............ ہاتھی نے زور سے جھٹکا دیا شیر دور جا گرا۔

اب کے ہاتھی آگے بڑھا۔ وہ شیر کو اپنے پاؤں تلے لے کر کچل دینا چاہتا تھا مگر شیر ایک طرف ہٹ گیا ہاتھی نے سونڈ گھما کر شیر کو اس میں جکڑنا چاہا شیر لپک کر ہاتھی کے پیٹ کی طرف بڑھا ہاتھی نے پلک جھپکتے ہی شیر کو اپنی سونڈ میں جکڑ لیا اور اسے زمین پر رکھ کر ایک پیر اس

کی ٹانگ پر رکھ کر چیر کر دو ٹکڑے کر دیا۔

ہر طرف میدان میں شور مچ گیا ہاتھی نے عورت کو سونڈ پر اٹھا کر اپنی گردن پر بٹھالیا اور میدان میں چکر لگانے شروع کر دیے گورنر ڈیوس کو بڑا غصہ آیا کہ ہاتھی کیسا ہے۔ جس نے اس کے حکم کے خلاف ایک ایسی عورت کو بچالیا ہے۔ جس کو اس نے ہلاک کر دینے کی سوچی تھی اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہاتھی کو مار دیا جائے۔

گورنر ڈیوس کا حکم پاتے ہی سپاہی نیزے اور تیر کمان لے کر میدان میں نکل آئے ناگ پھنی نے بھی انہیں نیزے اور تیر برساتے دیکھ لیا تھا تیر اس کے کانوں کے قریب سے ہو کر گزرنے لگے تھے اس کی گردن پر بیٹھی عورت اس کے ساتھ لپٹ گئی تھی ناگ پھنی کے لئے یہ برا نازک وقت تھا۔ اس نے سونڈ اٹھا کر عورت کو اوپر اٹھایا زور سے پھنکار ماری اور وہ دونوں عقاب بن کر فضاؤں میں پرواز کرنے

لگے۔ سارے کے سارے لوگ دنگ رہ گئے۔

کئی تو سجدوں میں گر پڑے ان کے خیالوں میں یہ کوئی دیوتا تھا۔ جو ہاتھی بن کر بے گناہ عورت کو بچانے آیا تھا عقاب گراؤنڈ کے اوپر چکر لگا رہے تھے ناگ پھنی سفید عقاب کے روپ میں تھا اور اس نے گورنر کے اوپر آ کر زور سے جھپٹا مارا اور اس کی دونوں آنکھوں پر اس زور سے پنجہ مارا کہ اس کی آنکھیں لہولہان ہو گئی وہ چیخ مار کر نیچے گر گیا۔ سفید عقاب نے دوسرا جھپٹا گورنر کی بیوی پر مارا اور اس کی گردن پر اس قدر طاقت کے ساتھ پنجہ مارا کہ اس کی آدھی گردن کٹ گئی اور اس نے وہیں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

اب وہاں بھگدڑ مچ گئی جس نے جدھر کو منہ اٹھا بھاگ گیا ہر طرف ایک شور مچ گیا کہ گورنر نے دیوتاؤں کو ناراض کیا تھا اس کی اسے سزا مل گئی۔ گورنر کی آنکھیں زخمی ہو گئیں اور اس کی بیوی کو دیوتاؤں نے مار

ڈالا۔ سفید عقاب اپنے ساتھی عقاب کو لے کر شہر سے باہر ایک ویران جگہ پر آ گیا یہاں اس نے دوبارا عورت کو وہی شکل دے دی اور خود بھی انسانی شکل میں آ گیا عورت نے ناگ پھنی کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا۔

اے مقدس دیوتا، تم نے میری جان بچائی تم نے مجھ پر اپنا رحم کیا، اب مجھ کو میرے بچوں سے ملا دے کہ میں اس شہر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر یہاں سے نکل جاؤں۔

تم یہاں ٹھہرو میں تمہارے بچوں کو بھی اسی جگہ لے آتا ہوں، ناگ پھنی سفید عقاب کے روپ میں اس جگہ پہنچا جہاں عورت کے بچے رہتے تھے اس نے ان بچوں کو ساتھ لیا اور ان کی ماں کے پاس لے آیا ماں نے اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ ناگ پھنی نے قریب کے باغ میں سے تازہ پھل توڑا اور ماں بیٹوں کو کھلایا اس کے بعد وہ دوسرے

شہر کی طرف چل دی اور ناگ پھنی واپس آ گیا۔

جس وقت گورنر ڈیوس کی بیوی کی لاش کو سپاہی لے جا رہے تھے اس وقت عنبر بھی لوگوں کے ساتھ جنازے کو دیکھ رہا تھا ذرا فاصلے پر ناگ پھنی بھی کھڑا یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ عنبر کو جب لوگوں کی زبانی سارا قصہ معلوم ہوا تو وہ سمجھ گیا کہ کام سوائے اس کے دوست کے اور کسی کا نہیں ہو سکتا اسے یہ خوشی ہوئی کہ اس کا دوست ناگ پھنی بھی اسی شہر میں ہے۔

دوسری طرف ہجوم میں ناگ پھنی نے بھی عنبر کو دیکھ لیا دونوں دوست ایک دوسرے سے مل گئے وہ ہجوم سے باہر نکل آئے دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی اپنی واردات سنائی عنبر کو جب معلوم ہوا کہ گورنر سخت زخمی ہے اور اس کا زخم کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ناگ پھنی دوبارا سفید عقاب بن کر اپنا پنجہ پانی میں بھگو کر اس کا چھینٹا نہ دے تو

اس نے کہا۔

میں گورنر کا علاج کروں گا۔

ناگ پھنی نے کہا۔

اتنی جلدی نہ کرو دوست ابھی روم کے حکیموں کو گورنر کا علاج کر لینے دو۔ جب وہ چاروں طرف سے مایوس ہو جائے گا تو پھر تم اس کے پاس پہنچ جانا۔

عنبر کو ناگ پھنی کا خیال پسند آیا چنانچہ وہ دونوں ایک سرائے میں آ کر ٹھہر گئے شہر بھر میں یہ بات عام ہو گئی کہ گورنر کی آنکھوں کا زخم ٹھیک نہیں ہو رہا روم کے سارے حکیموں نے اپنا زور لگا دیا مگر زخم خراب سے خراب ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اب وہ پھیل کر گلے کی طرف آنا شروع ہو گیا تھا گورنر نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی اس کے زخم کو اچھا کرے گا وہ اس کو منہ مانگا انعام دے گا۔

اب عنبر کے لئے سنہری موقع تھا اس نے ناگ پھنی سے کہا۔

گورنر کے علاج کو وقت آ گیا ہے۔ تم فوراً عقاب بن کر پانی میں پنجہ ڈال کر مجھے دے دو۔

ناگ پھنی اسی وقت سفید عقاب بن گیا عنبر نے کٹورے میں پانی لے کر اس کے آگے رکھا اس نے اس میں اپنا پنجہ ڈال کر نکال لیا عنبر نے وہ پانی ایک کپی میں ڈالا اور گورنر کے محل کی طرف چل پڑا محل کے دروازے پر جب اس نے اعلان کیا کہ وہ گورنر کا علاج کرنے آیا ہے تو اسے فوراً اندر گورنر کے پاس پہنچا دیا گیا گورنر بڑی تکلیف میں تھا۔ درد کے مارے اس کا برا حال ہو رہا تھا وہ بستر پر ہائے ہائے کرتا ہوا تڑپ رہا تھا عنبر نے مسہری کے پاس بیٹھ کر گورنر کے زخم کو غور سے دیکھا زخم پھیل رہا تھا اس نے فوراً کپی نکال کر اس میں سے دوائی نکال کر اس میں کپڑے کا ایک ٹکڑا بھگویا اور زخم کے اوپر رکھ دیا اس

دوائی نے جادو ایسا کام کیا کہاں تو گورنر بہت بری طرح تڑپ رہا تھا اور کہاں اس کو یک لخت چین سا آ گیا اس نے ہائے ہائے کرنا بند کر دیا اس کو ٹھنڈک سی پڑ گئی زخم کی جلن ایک دم دور ہو گئی گورنر نے تعجب سے شکریے کے ساتھ عنبر کی طرف دیکھا۔

تم ایک بڑے ہی مہان حکیم ہو۔ تمہاری دوائی نے میرے درد کو جڑ سے اکھاڑ دیا کر پھینک دیا ہے میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔

عنبر دو تین روز تک گورنر کا علاج کرتا رہا ایک ہفتے کے بعد گورنر بھلا چنگا ہو گیا اس نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کیا انعام لینا چاہتا ہے عنبر نے کہا کہ اسے سیزر سے ملا دیا جائے گورنر بڑا حیران ہوا کہ یہ بھلا کون سا انعام ہے جو اس نے مانگا ہے۔ مگر عنبر کو اسی انعام کی ضرورت تھی۔

چنانچہ گورنر نے کہا۔

اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں تمہیں سیزر سے خود جا کر ملواؤں گا۔

سیزر کا قتل

عنبر شام کو سرائے میں پہنچ کر اپنے دوست ناگ پھنی سے ملا۔

اس نے اسے بتایا کہ گورنر نے سیزر سے ملوانے کا وعدہ کرلیا ہے۔

پورے چاند کی رات کو سیزر قلوپطرہ کی تاج پوشی کی خوشی میں اپنے شاہی محل میں ایک شان دار دعوت دے رہا تھا گورنر اسی روز عنبر کو سیزر کے پاس لے جانے والا تھا۔عنبر اور ناگ پھنی نے بڑے اچھے اچھے کپڑے سلوائے اور دعوت کا انتظار کرنے لگے۔

سیزر نے جب سے قلوپطرہ کے ملکہ مصر ہونے کا اعلان کیا تھا اس کے درباری اس سے ناراض تھے کچھ کہتے کہ سیزر نے اس طرح مصر کو

پوری طرح قابو میں کر لیا ہے اور کچھ درباریوں کا خیال تھا کہ سیزر نے مصر کا علاقہ سلطنت روم سے توڑ کر ملکہ مصر کے حوالے کر دیا ہے۔

دوسرے گروہ کا سردار بروٹس اور اوکتے دین تھا بروٹس نے باقاعدہ سیزر کے خلاف ایک نفرت کی زبردست مہم چلا رکھی تھی اب جب سیزر نے قلوپطرہ کے ملکہ بننے کی خوشی میں شاہی محل میں شاندار دعوت کا بندوبست کیا تو بروٹس جل بھن کر راکھ ہو گیا اس نے فوراً اپنے ساتھیوں کو اپنے گھر بلایا اور کہا۔

سیزر اس مصر کی جادوگرنی کے پیچھے پاگل ہو گیا ہے اس نے روم کے وقار اور عزت کو خاک میں ملا دیا ہے۔

اوکتے دین بولا ہم نے سیزر کو روم کا بادشاہ بنایا ہے ہم اسے تخت سے اتار بھی سکتے ہیں۔

ایک رکن نے کہا۔

مگر ہم چناؤ سے پہلے ایسا نہیں کر سکتے سیزر کو پارلیمنٹ کے بہت زیادہ رکنوں کی حمایت حاصل ہے۔

لیکن روم کے ملک کی وفاداری اور عزت کا ہمیں سب سے پہلے خیال رکھنا ہے ہم ملک کے وقار کے لئے سب کچھ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

کیا ہم اپنے ساتھیوں کی حمایت حاصل کر سکیں گے۔

بروٹس نے کہا۔

کیوں نہیں وہ سب کے سب میرے ساتھ ہیں میں نے ان سے بات کر لی ہے وہ قلوپطرہ سے نفرت کرتے ہیں اور اسے روم کے تخت پر سیزر کے ساتھ بیٹھی دیکھنا ہرگز پسند نہیں کرتے۔

او کتے دین نے کہا۔

پھر تمہارا کیا خیال ہے بروٹس؟ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔؟

بروٹس نے خنجر نکال کر اس کی نوک میز پر گاڑتے ہوئے کہا۔

ہمیں روم کے وقار کی خاطر سیزر کو قتل کر دینا چاہیے۔

قتل؟

سیزر کا قتل؟

ہاں قتل، اور سیزر کا نہیں بلکہ روم کے دشمن اور وطن کے غدار کا قتل جس نے ہماری زمین کا آدھا حصہ ایک دشمن عورت قلوپطرہ کو دے دیا ہے۔

ہمیں کچھ دیر اور غور کر لینا چاہیے۔

ہم غور کر چکے ہیں بروٹس نے کہا بولو سیزر کے قتل میں وطن کے غدار کے قتل میں کون کون میرے ساتھ ہے۔؟

شروع میں کچھ لوگ ہچکچائے پھر سب نے ہی بروٹس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ سیزر کو قتل کرنے میں بروٹس کے ساتھ ہیں اس فیصلے کے بعد وہاں سے ادھر اُدھر بکھر گئے ....

بروٹس کو بے حد اطمینان ہو گیا کہ اس کی سازش کامیاب ہو گئی ہے اور سیزر کے قتل کے بعد اس کی جماعت مصر پر حکومت کرے گی اب یہ لوگ سیزر کی دعوت کے دن کا انتظار کرنے لگے۔

ان ہی دنوں قرطاجنہ سے پیغام آیا کہ سیزر کا خاص جگری دوست انطنی روم پہنچ رہا ہے۔ انطنی سیزر کا دوست بھی تھا اور روم کی فوج میں ایک کپتان کا درجہ بھی رکھتا تھا یہ ایک بہادر اور دلیر نوجوان تھا، جو دوست کے لئے ہر قسم کی قربانی دے سکتا تھا سیزر سے اس کی دوستی بڑی پرانی تھی قرطاجنہ وہ ایک مہم پر گیا ہوا تھا اس نے وہیں سن لیا تھا کہ سیزر نے مصر کا تخت قلوپطرہ کے حوالے کر دیا ہے اور روم کے سارے درباری اس کے خلاف ہو گئے ہیں یہ بات انطنی کو بھی پسند نہیں تھی کہ مصر کا تخت ایک مصری عورت کے حوالے کر دیا جائے۔

لیکن وہ سیزر کا دوست تھا اور سیزر کی خوشی اسے عزیز تھی۔

لیکن بروٹس اور انطنی میں بڑا فرق تھا بروٹس صرف سیزر کا دوست ہی نہیں تھا وہ ایک سیاست دان دنیا دار اور خود غرض بھی تھا طاقت یا تخت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے وہ ہر قسم کی چال چل سکتا تھا یہ ایک چال ہی تھی جو اس نے روم کی وفاداری کی آڑ میں چلی تھی وگرنہ سیزر کو بھی معلوم تھا کہ سیزر کی مقبولیت پسند نہیں تھی وہ سیزر کی شہرت سے جلتا تھا اس کے علاوہ روم کی سلطنت پر اپنی جماعت کی حکومت چاہتا تھا۔
قلوپطرہ کا تو اسے ایک بہانہ مل گیا تھا جس کا اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اب سیزر کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔
بروٹس اتنا چالاک تھا کہ سیزر کے قتل کا فیصلہ بھی خود اس نے نہیں کیا تھا بلکہ او کتے دین اور دوسرے سینٹ کے لوگوں سے کرایا تھا جب تک تاریخ زندہ رہے گی بروٹس کا نام ایک چالاک مکار اور خود غرض سیاست دان کی حیثیت سے لیا جائے گا اس نے سیزر جیسے مخلص

دوست کو ہلاک کر کے ایک ایسی بدنامی مول لی جس کا دھبہ کبھی نہیں مٹایا جائے گا اگر چہ بعد میں اس نے بھی خودکشی کر لی مگر پھر پچھتانے سے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

جون جوں دعوت کا دن قریب آ رہا تھا بروٹس کی پارٹی ہوشیار ہوگئی تھی اور اپنے اپنے خنجر تیز کر رہی تھی دوسری طرف شہر میں سجاوٹ ہو رہی تھی شاہی محل کو بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا دربار ہال میں ایرانی قالینوں کے اوپر اطلس اور کم خواب کے تکیے سجا دیے گئے تھے ملک ملک کے سفیر سکندریہ کی دعوت میں شامل ہونے کے لئے پہنچ رہے تھے دعوت سے ایک روز پہلے مصر سے ملکہ مصر یعنی قلوپطرہ کی سواری بھی سکندریہ پہنچ گئی اس کا شہر میں شاندار استقبال کیا گیا قلوپطرہ ایک عظیم الشان پالکی میں بیٹھی شاہی محل میں داخل ہوئی جہاں سیزر نے خود باہر آ کر اسے پالکی میں سے اتارا اور اسے اپنے ساتھ محل میں لے

گیا۔

سیزر کے ساتھ اس کی بیوی کلاڈیا بھی موجود تھی وہ اپنے خاوند سے پیار کرتی تھی اسے قلوپطرہ پسند نہیں تھی لیکن وہ سیزر کی خوشی ہی میں خوش تھی وہ ایک سیدھی سادھی رومن گھریلو خاتون تھی جو اپنے خاوند پر جان بھی قربان کر سکتی تھی اس کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی یہی وجہ تھی کہ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ بروٹس سیزر کو قتل کرنے کی سازش کر رہا ہے۔

دعوت سے ایک روز پہلے گورنر بھی شاہی محل میں آ گیا۔

وہ عنبر اور ناگ پھنی کو بھی اپنے ساتھ لیتا آیا تھا عنبر نے اپنے سانپ دوست کا یہ کہہ کر گورنر ڈیوس سے تعارف کروایا کہ یہ اس کا چھوٹا بھائی ہے اور اس کے ساتھ ہی جڑی بوٹیوں کا کاروبار کرتا ہے گورنر نے عنبر کو ساتھ لیا اور شام کے کھانے پر سیزر کے پاس آ گیا اس نے سیزر

سے عنبر کو ملوایا۔

عظیم بادشاہ! آپ کا اقبال بلند ہو یہ نوجوان جس کا نام عنبر ہے تبت سے سکندریہ میں آیا ہے اور بڑا لائق حکیم ہے اس نے میری بیماری کا علاج کیا اور میں تندرست ہو گیا۔

سیزر نے عنبر سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

تبت میں کس راجہ کی حکومت ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

عظیم بادشاہ سیزر تبت میں ایک ایسے راجہ کی حکومت ہے جو ایک مذہبی آدمی ہے وہاں کے لوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں اور مذہب کے نام پر ہی زندہ رہتے اور مرتے ہیں۔

سیزر نے مسکرا کر کہا۔

ہم ایک دن عظیم روم کی سلطنت کو تبت تک بڑھا دیں گے۔

عنبر نے کہا۔

عظیم بادشاہ تبت کے لوگ امن پسند ہیں اور اپنے راجہ سے بڑے خوش ہیں وہ آپ کو بھی پسند کریں گے اس لئے کہ آپ بھی انصاف پسند اور نیک بادشاہ ہیں۔

سیزر عنبر کے اس جواب پر خوش ہوا۔

تم نے جڑی بوٹیوں سے علاج کرنا کہاں سے سیکھا۔

عنبر نے کہا۔

یہ کام میں نے اپنے باپ سے سیکھا تھا عظیم بادشاہ میرا باپ ایک ماہر حکیم تھا اور وہ کھوپڑی کھول کر بھی علاج کر سکتا تھا۔

سیزر نے حیرانی سے پوچھا۔

کیا اس نے کھوپڑی کھولنے کا فن پرانے مصریوں سے سیکھا تھا؟

عنبر کے منہ سے نکل گیا۔

وہ خود قدیم مصر سے تعلق رکھتا تھا..................

کیا مطلب۔؟ سیزر نے حیرانی سے پوچھا۔

عنبر کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ اس کے منہ سے بے خیالی میں سچی بات نکل گئی ہے اس نے جھٹ سے کہا۔

میرا مطلب یہ تھا عظیم بادشاہ کہ میرے باپ نے انسان کی کھوپڑی کھول کر پھر بند کر دینے کا فن ایک ایسے خاندان سے سیکھا تھا جس کا تعلق پرانے مصریوں کے حکیم خاندان سے تھا۔

سیزر مسکرایا اور کہنے لگا۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے دربار میں ایک قابل حکیم کا اضافہ ہوا ہے ہم گورنر کے بھی شکر گزار ہیں جس نے ہمیں تم سے ملایا ہم آج سے تمہیں اپنے دربار میں جگہ دیتے ہیں تم شاہی خاندان کا علاج کیا کرو گے۔

عظیم بادشاہ سیزر میں اس عزت افزائی کے لئے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔

رات کا کھانا عنبر نے سیزر اور دوسرے درباریوں کے ساتھ مل کر کھایا جب وہ واپس سرائے میں آیا تو اس نے ساری کہانی اپنے سانپ دوست ناگ پھنی کو سنائی وہ بہت خوش ہوا ناگ پھنی اگر چہ اس کے ساتھ تھا مگر دربار میں کھانے کے وقت اس نے اسے سرائے میں بھجوا دیا تھا کیونکہ سیزر کے دربار میں کھانے پر گورنر نے صرف عنبر ہی کی اجازت حاصل کی تھی اور بغیر اجازت کے سیزر کی دعوت میں کوئی غیر شخص شامل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس دوران میں ناگ پھنی نے بروٹس وغیرہ کو وہاں دیکھ لیا تھا اس نے عنبر سے کہا۔

یہ شخص بروٹس مجھے خطرناک لگتا ہے۔

مگر وہ سیزر کا دوست ہے۔

کچھ بھی ہو مجھے اس آدمی کی وفاداری پر شبہ ہے۔

میرا خیال ہے یہ تمہارا وہم ہے۔

ناگ پھنی نے کہا

نہیں عنبر مجھے کبھی کسی بات کا وہم نہیں ہوا میں ہمیشہ حقیقت کو دور ہی سے دیکھ لیا کرتا ہوں کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم سیزر کو ان لوگوں کے بارے میں خبردار کر دو؟

کوشش کروں گا۔

کیا قلو پطرہ سے تمہاری ملاقات ہوئی۔؟

نہیں وہ شاہی حرم میں ملکہ روم کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی مجھے شاہی محل میں ناگن کی بو آئی تھی مجھے قلو پطرہ ایک ناگن محسوس ہوتی ہے۔

عنبر اس پر بہت ہنسا۔

اگلے روز شاہی محل میں زبردست دعوت دی سارا محل روشنی کا پہاڑ بنا ہوا تھا شمعیں جگہ جگہ روشنی پھیلا رہی تھی۔محل دلہن کی طرح سجایا گیا تھا قرطاجنہ سے سیزر کا دوست انطنی بھی نہیں پہنچ سکا تھا وہ راستے میں ہی تھا سیزر کا خیال تھا کہ دعوت کے وقت پہنچ جائے گا۔مگر وہ نہ آسکا تھا سیزر بعض مجبوریوں کی وجہ سے دعوت ملتوی نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ قلو پطرہ کی دعوت زوروں پر تھی۔

قلو پطرہ بے حد قیمتی اور خوب صورت لباس پہن کر تخت پر بیٹھی تھی سیزر بھی اپنے شاندار شاہی لباس میں سر پر سونے کا تاج رکھے دربار میں داخل ہوا اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی اس کی بیوی کا آج دل بری طرح دھڑک رہا تھا اس نے سیزر کو کہا تھا۔

پیارے سیزر کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم یہ دعوت ملتوی کر دو؟

وہ کیوں؟ وہ کس لئے۔؟

جانے کیوں میرا دل بری طرح دھڑک رہا ہے۔
سیزر نے قہقہہ لگا کر کہا۔
تمہیں تو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے بھلا میں صرف اس لئے یہ اتنی بڑی دعوت کیسے ملتوی کر سکتا ہوں کہ تمہارا دل بری طرح دھڑک رہا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے؟ باہر کے ملکوں کے سفیر کیا کہیں گے۔
سیزر ہنسی خوشی دربار میں آ گیا سفیروں نے آگے بڑھ کر سیزر سے ہاتھ ملائے درباری اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے دعوت شروع ہو گئی ہر طرف ہنسی خوشی اور قہقہوں کے فوارے چھوٹنے لگے عنبر اور نا گ پھنی بھی دور ایک طرف فوارے کے پاس بیٹھے ہوئے مور کے کباب کھا رہے تھے قلو پطرہ سیزر کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور مسکرا مسکرا کر مہمانوں سے باتیں کر رہی تھی۔
بروٹس اپنے آدمیوں کے ساتھ ایک طرف کھڑا بڑی مکار نظروں سے

چاروں طرف دیکھ رہا تھا اس کے سارے ساتھیوں نے اپنے سفید لبادوں کے اندر لمبے لمبے خنجر چھپائے ہوئے تھے بروٹس آہستہ آہستہ چلتا ہوا سیزر کے پاس آیا اور اس کے کان میں کہنے لگا۔

سیزر یسمریا کا سفیر آپ سے کچھ خاص بات علیحدگی میں کرنا چاہتا ہے۔

سیزر نے پوچھا۔

کہاں ہے وہ؟

ساتھ والے ایوان میں۔

بروٹس سیزر کو لے کر ساتھ والے ایوان میں ستونوں کے پیچھے لے آیا یہ سب کچھ سوچی سمجھی سازش کے مطابق ہو رہا تھا بروٹس کے پیچھے پیچھے اس کے ساتھی بھی خنجر لبادوں کے اندر چھپائے چلے آرہے تھے جب سیزر ساتھ والے ایوان میں پہنچا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا سیزر

نے پلٹ کر بروٹس سے پوچھنا چاہا کہ یمیریا کا سفیر کہاں ہے کہ اچانک بروٹس نے لباس کے اندر سے خنجر نکالا اور بے دھڑک ہو کر سیزر کے سینے میں گھونپ دیا سیزر ذرا سالڑ کھڑایا اس کے منہ سے اتنا نکلا۔

بروٹس تم بھی ....؟

اس کے ساتھ ہی بروٹس کے دوسرے ساتھی بھی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے خنجر نکال کر دھڑ ادھڑ سیزر پر حملے شروع کر دیے سیزر خون میں لت پت ہو کر زمین پر گر پڑا بروٹس کے ساتھی اسے پھر بھی خنجر مارتے رہے یہاں تک کہ سیزر نے دم توڑ دیا پھر بروٹس نے دوسرے ایوان میں جا کر سارے درباریوں کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ اس نے روم کے غدار کو قتل کر دیا ہے چونکہ زیادہ لوگ اس کے ساتھ تھے۔ اس لئے سیزر کے ہمدرد خاموش رہے اور محل سے باہر نکل گئے قلو پطرہ

اپنے غلام کے ساتھ وہاں سے بھاگ گئی۔
عنبر اور ناگ پھنی لپک کر سیزر کی لاش پر پہنچے۔
مگر وہ تو مر چکا تھا۔

زہری سانپ

انطنی جب روم پہنچا تو سیزر کی لاش چبوترے پر پڑی تھی۔
اس نے سیزر کی لاش پر ایک زبردست تقریر کی اور روم کے لوگوں کو
اپنے ساتھ ملانے اور سیزر کے قاتلوں کو سزا دلانے کی بھرپور کوشش کی
مگر وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا کچھ لوگ بروٹس کے حق
میں ہو گئے اور کچھ انطنی کے حق میں اصل معاملہ خراب قلوپطرہ نے کیا

تھا لوگ یہ گوارا نہیں کرتے تھے کہ مصر کا علاقہ ایک مصری ملکہ کو دے دیا جائے انطنی کو قتل کرنے کے لئے بھی لوگ بڑھے اس نے بڑی مشکل کے ساتھ اپنی جان بچائی۔

انطنی رات کے پچھلے پہر سکندریہ سے مصر کی طرف نکل گیا قلوپطرہ اس سے پہلے وہاں سے بھاگ کر مصر کے شہر تھیبس پہنچ چکی تھی انطنی بھی اس کے پیچھے تھیبس پہنچ گیا اس نے سیزر کی موت پر قلوپطرہ سے غم کا اظہار کیا قلوپطرہ بڑی ڈری ہوئی تھی اسے سب سے زیادہ خوف بروٹس کے سامی جرنیل اوکتے دین کا تھا جس نے سیزر کے مرنے کے بعد اقتدار سنبھال لیا تھا وہ شہر تھیبس پر حملہ کر کے قلوپطرہ کو زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا اسے قلوپطرہ سے نفرت تھی اس نے اگرچہ سیزر کو قتل کیا تھا لیکن وہ ایک محبّ وطن رومن تھا وہ اپنے ہاتھوں قلوپطرہ کو ذلیل کرنے کے بعد قتل کرنا چاہتا تھا، قلوپطرہ نے اس خطرے کا اظہار

انطنی سے کہا۔

انطنی نے کہا۔

جب تک میں زندہ ہوں قلوپطرہ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تم میرے دوست کی امانت ہو اور میں تمہاری ہر قیمت پر حفاظت کروں گا۔

لیکن انطنی اوکتے دین کی طاقت بہت ہے سارا روم اس کے ساتھ ہے ہم اکیلے اس کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ٹھیک ہے مگر ہم لڑیں گے میری وفادار فوجیں بھی اس کے خلاف لڑیں گی۔

انطنی نے اسی روز تھیپس شہر کے دروازے بند کرا دیے اور قلعے کی فصیل پر سپاہیوں کو ہتھیار دے کر چڑھا دیا اس نے روم کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کا پورا پورا انتظام کر لیا تھا انطنی کو معلوم تھا کہ وہ روم کے

لشکر کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ مگر وہ ایک بہادر جرنیل تھا وہ
ذلت کی زندگی کو عزت کی موت پر ترجیح دیتا تھا اس نے او کتے دین
سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

قلو پطرہ پریشان تھی لیکن انطنی کو اپنے ساتھ دیکھ کر اور اسے با حوصلہ
دیکھ کر وہ بھی اپنے اندر ایک نئی طاقت محسوس کرنے لگی تھی جاسوسوں
نے آ کر انہیں اطلاع دی کہ روم کی فوجیں تھیبس شہر کے باہر پہنچنے ہی
والی ہے اس اطلاع کے چوتھے روز روم کا لشکر وہاں پہنچ گیا اس کے
سامنے قلعے کا دروازہ بند تھا او کتے دین نے فوج کو قلعے کے باہر
ڈیرے ڈالنے کا حکم دیا۔

قلعے کا پوری طرح محاصرہ کر لیا گیا تھا اگر اس قلعے کے ایک طرف
سمندر ہوتا تو شاید انطنی ادھر سے خوراک وغیرہ منگوانے کا بندوبست
کر لیتا مگر اس شہر کے چاروں طرف صحرا تھا اور روم کی فوجوں نے

اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا شہر کے اندر صرف چھ سات ماہ کی خوراک کا ذخیرہ تھا قلوپطرہ کو موقع نہیں ملا تھا................ اوکتے دین کی رومی فوج ایک دم وہاں پہنچ گئی تھی انطنی کا خیال تھا کہ روم کی فوج دو چار ماہ کے محاصرے کے بعد خود بخود ہی تنگ آ کر چلی جائے گی مگر یہ ان کا خیال غلط تھا رومی جرنیل عہد کر کے آیا تھا کہ وہ سیزر کے دوست انطنی اور غدار قلوپطرہ کے سر اپنے ہاتھ سے کاٹے گا اور تھیبس شہر کو آگ لگا دے گا۔

رومی جرنیل نے دو تین بار قلعے پر حملہ کر کے اسے توڑنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ مصری فوجوں نے اوپر سے تیروں کی بارش شروع کر دی رومی فوجوں پر کھولتا ہوا تیل پھینکا سکندریہ سے ابھی دو بڑی توپیں وہاں نہیں پہنچی تھی جن سے نکلے ہوئے بڑے بڑے پتھر قلعے کی دیوار کو توڑ سکتے تھے محاصرہ طول پکڑ گیا قلوپطرہ نے انطنی سے

کہا۔
انطنی معلوم ہوتا ہے کہ تباہی ہماری قسمت میں لکھی جا چکی ہے شہر میں کھانے پینے کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے لوگ جانوروں کو کھانے لگے ہیں امیر آدمیوں کے گھر لوٹے جا رہے ہیں شہر میں گندم کا ایک بھی گودام باقی نہیں بچا۔
انطنی نے کہا۔
ایسا ہونا ہی تھا قلوپطرہ یا ہم اپنی عزت بچاتے یا گندم کے ذخیرے کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ ہم قلعے کا دروازہ کھول دیں تا کہ دشمن اندر آ کر ہمیں زنجیروں میں جکڑ کر سکندریہ کے بازاروں میں کتوں کی طرح گھمائے۔
قلوپطرہ نے کہا۔
ہر گز نہیں۔ میں جان دے دوں گی مگر دشمن کے سامنے ہتھیار نہیں

ڈالوں گی۔

پھر شہر میں جو ہو رہا ہے ہونے دو ہماری موت ہر حالت میں لکھی جا چکی ہے بہتر یہی ہے کہ ہم مردوں کی طرح بہادری اور عزت کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مریں۔

ادھر یہ مشورے ہو رہے تھے اور اُدھر سکندریہ سے رومی لشکر کو مزید کمک پہنچ گئی وہ بڑی بڑی توپیں بھی پہنچ گئیں جن سے پتھر نکل کر گولوں کی طرح قلعے کی دیوار پر پڑتے تھے اور اسے توڑ کر رکھ دیتے تھے ان توپوں نے شام اور ایران کے بڑے بڑے طاقت ور قلعوں کی دیواروں کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا۔

چنانچہ ان توپوں کے آتے ہی رومی لشکر نے قلعے پر پتھر برسانے شروع کر دیے بڑے بڑے پتھر ایک زوردار دھماکے کے ساتھ قلعے کی دیوار پر پڑنے لگے ایسے دھماکے شہر والوں نے پہلے کبھی نہیں سنے

تھے تھوڑی دیر کی سنگ باری کے بعد ہی قلعے کی دیوار ٹوٹنا شروع ہوئی اور پھر اس میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے قلعے کے اوپر سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی رومی لشکر نے لوہے کی بڑی بڑی قد آدم ڈھالوں کی اوٹ میں قلعے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

قلعے کے شگافوں پر بڑے گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی دونوں طرف سے سپاہی جی کھول کر لڑے دونوں طرف کے سپاہیوں نے بڑا ڈٹ کر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا مگر پلہ رومی لشکر کا بھاری رہا اس کی وجہ یہ تھی کہ قلعے کے اندر بھی رومی فوج داخل ہو چکی تھی مصری فوج اطنی کی قیادت میں مردانگی کے جوہر دکھا رہی تھی اطنی خود رومی لشکر کے سپاہیوں سے لڑ رہا تھا لیکن اتنے بڑے رومی لشکر کا آخر کب تک مقابلہ کیا جاتا مصری فوج کے پاؤں اکھڑنا شروع ہو گئے پہلے ایک سپاہی پیچھے ہٹا پھر دوسرا پیچھے ہٹا اور اس کے بعد ہر جگہ سے مصری سپاہیوں

نے بھاگنا شروع کر دیا رومی سپاہی بھاگتے ہوئے مصری سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے رومی فوج کا ایک دستہ انطنی کی طرف بڑھنے لگا انطنی لکڑی کے ایک پل کے اوپر اکیلا رومی فوج کا مقابلہ کر رہا تھا وہ بڑی بہادری کے ساتھ لڑ رہا تھا اس کا ماتھا اور بازو زخمی ہو گئے تھے زخموں سے خون بہہ رہا تھا مگر وہ برابر مقابلہ کر رہا تھا۔

او کتے دین نے آگے بڑھ کر انطنی کے بازو پر تلوار ماری انطنی نے وار بچا لیا اور او کتے دین پر حملہ کر دیا اب دونوں جرنیل ایک دوسرے کے سامنے آ گئے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ایک شیر اور دوسرے شیر سے لڑ رہا ہے تلواریں ایک دوسری سے ٹکرا کر شرارے پیدا کر رہی تھیں مگر انطنی بہت زخمی ہو چکا تھا اس کے جسم سے کافی خون بہہ گیا تھا وہ رومی جرنیل کا مقابلہ کر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے پیچھے سے آ کر اس کی پشت میں تلوار گھونپ دی۔

انطنی لڑکھڑا کر گرا۔ رومی جرنیل نے تلوار کا بھرپور ہاتھ مار کر انطنی کو شدید زخمی کر کے زمین پر پھینک دیا انطنی نے رومی جرنیل کی طرف دیکھا اور کہا۔

کاش مجھ پر پیچھے سے حملہ نہ کیا جاتا۔

لیکن تلوار اپنا کام کر چکی تھی انطنی دم توڑ رہا تھا رومی جرنیل نے خنجر نکال کر ہاتھ میں لے کر زمین پر پڑے ہوئے انطنی کے دل میں اتار دیا یہ زخم کاری ثابت ہوا اور انطنی مر گیا انطنی کی موت کے ساتھ ہی مصری فوجوں نے بھاگنا شروع کر دیا رومی فوج نے قلعے پر قبضہ کر کے رومی جھنڈا لہرا دیا مصری فوجوں کو گرفتار کر لیا گیا بھاگے سپاہیوں کو کاٹ کر رکھ دیا گیا۔

او کتے دین نے حکم دیا کہ شاہی محل میں پہنچ کر قلوپطرہ کو زندہ گرفتار کیا جائے رومی جرنیل ملکہ مصر کو زندہ گرفتار کر کے اسے سکندریہ اور مصر

کے بازاروں میں گھما کر ذلیل کرنا چاہتا تھا وہ خود ایک فوجی دستے کے ساتھ اس محل کی طرف بڑھا جہاں قلوپطرہ موجود تھی۔

قلوپطرہ کو انطنی کی موت کی خبر ملی تو اس کی اپنی موت اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی وہ سمجھ گئی کہ اب اس کا وقت قریب ہے مگر وہ رومی جرنیل کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ذلیل و رسوا نہیں ہونا چاہتی تھی اس نے خودکشی کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ عزت کی موت مر جانا چاہتی تھی وہ چاہتی تھی کہ جب رومی جرنیل فتح کے نشے میں محل کے اندر داخل ہو تو اسے وہاں قلوپطرہ کی لاش ملے۔

اس نے اپنی خاص کنیز شارمیان سے کہا۔

شارمیان میرا آخری ہمدرد انطنی بھی مر گیا ہے اب اس دنیا میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو مجھے رومی جرنیلوں سے ذلیل ہونے سے بچا سکے میں مر جانا چاہتی ہوں۔

شار میاں نے روتے ہوئے کہا۔

عظیم ملکہ۔ کیا آپ کا یہ آخری فیصلہ ہے۔؟

ہاں شار میاں یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے میں ذلت کی زندگی سے عزت کی موت کو زیادہ پسند کرتی ہوں انسان اگر عزت و آبرو کے ساتھ کے زندہ نہیں رہ سکتا تو اسے مر جانا چاہیے۔

شار میاں نے کہا۔

عظیم ملکہ پھر میں بھی آپ کے ساتھ ہی مر جاؤں گی۔

نہیں نہیں میری اچھی سہیلی ایسا نہ سوچنا تم ابھی نوجوان ہو ابھی تم نے زندگی کا دیکھا ہی کیا ہے ابھی تمہیں دنیا میں بہت کچھ کرنا ہے تم میرے ساتھ اپنی زندگی سے ہاتھ کیوں دھوتی ہو؟

عظیم ملکہ میں نے ساری زندگی آپ کی خدمت کی ہے میں ساری زندگی آپ کے ساتھ رہی ہوں میرا جینا مرنا آپ کے ہی ساتھ ہے

اگر آپ زندہ ہیں تو میں زندہ ہوں اگر آپ زندہ نہیں ہیں تو میں پھر میں بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

قلوپطرہ نے کہا۔

شار میاں ایک بار پھر اپنے فیصلے پر غور کر لو۔

عظیم ملکہ۔ میرا فیصلہ آپ کے فیصلے کی طرح اٹل ہے۔

قلوپطرہ بولی۔

تمہاری مرضی یہ بتاؤ کہ کیا تم شاہی باغ میں رکھے ہوئے سانپوں میں سے سب سے زہریلا سانپ میرے پاس لا سکتی ہو؟

شار میاں نے کہا۔

عظیم ملکہ کیا آپ سانپ سے ڈسوا کر مرنا پسند کریں گی؟

ملکہ مصر نے کہا۔

ہاں شار میاں میں دریائے نیل کی ملکہ ہوں میں دریائے نیل کے

سب سے زہریلے سانپ سے ڈسوا کر ہی مرنا پسند کروں گی۔

شارمیان بولی۔

میں کوشش کرتی ہوں ملکہ صاحبہ۔

قلوپطرہ بولی۔

کوشش نہیں میری عزیز سہیلی کچھ بھی ہو سانپ کو ٹوکری میں چھپا کر

یہاں لے آؤ۔

ملکہ قلوپطرہ مسہری پر نا امید ہو کر پڑ گئی اور اس کی کنیز شارمیان دریائے نیل کا سب سے زہریلا سانپ لانے کے لئے محل کے شاہی باغ میں چلی گئی محل کے باہر ایک افراتفری مچی ہوئی تھی مصری فوج کے بچے کھچے پہریدار بھاگ رہے تھے رومی جرنیل شاہی محل کی طرف بڑھ رہا تھا شارمیان شاہی باغ میں اس مقام پر آ گئی جہاں بڑے بڑے مرتبانوں میں زہریلے سانپ رکھے ہوئے تھے۔

اس نے زمین پر سے ٹوکری اٹھائی اس میں انجیر کے چوڑے چوڑے پتے توڑ کر بچھائے اور ایک مرتبان میں سے چھڑی سے سانپ نکال کر ٹوکری میں چھپایا اور اسے لے کر شاہی محل کی طرف آئی یہ سانپ سیاہ رنگ کا تھا اگرچہ یہ چھوٹا تھا مگر اس کا زہر بڑا ہی خطرناک تھا اس کے کاٹے جانے سے آدمی اسی وقت ہلاک ہو جاتا تھا شارمیان کو سب سے زیادہ خطرہ رومی فوج کا تھا کیونکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ قلو پطرہ کو زندہ گرفتار کیا جائے۔

شارمیان ٹوکری چھپائے محل کے چور دروازے سے ہوتی ہوئی قلو پطرہ کی خواب گاہ میں پہنچ گئی قلو پطرہ اس کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھی جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ٹوکری پکڑ لی اور اسے لے کر اپنے ریشمی بستر پر لیٹ گئی

۔

پیاری شارمیان تم نے میری ساری زندگی خدمت کی ہے میں اس کے عوض تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکی اگر مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہوگئی ہو یا میں نے تمہارا کبھی دل دکھایا ہوتو مجھے معاف کر دینا یہ میرا آخری وقت ہے میں دیوتاؤں کے پاس جارہی ہوں جہاں میرے ایک ایک اچھے برے کام کا حساب ہوگا میں چاہتی ہوں کہ صاف دل لے کر جاؤں کیا تم مجھے معاف کر دوگی ناں شارمیان؟

شارمیان کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی اس نے کہا۔

عظیم ملکہ آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ چھوٹی بہنوں جیسا سلوک کیا ہے اگر مجھ سے کبھی کوئی گستاخی ہوگئی ہوتو مجھے معاف کر دیں کیونکہ میں بھی آپ کے ساتھ ہی دیوتاؤں کے پاس جارہی ہوں۔

قلوپطرہ نے شارمیان کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔

شارمیان! پیاری بہن میرے پیچھے اپنی زندگی ضائع نہ کرو دیوتاؤں کے لئے زندہ رہو تمہیں تو رومی جرنیل کچھ نہیں کہے گا۔

شارمیان نے قلوپطرہ کا ہاتھ چوم کر کہا۔

عظیم ملکہ قلوپطرہ آپ کے بعد میں زندہ رہ کر کیا کروں گی؟ میری زندگی تو آپ کے ساتھ تھی اگر آپ ہی اس دنیا میں نہیں ہوں گی تو میرا زندہ رہنا کس کام کا ہے۔؟

قلوپطرہ نے چپکے سے ٹوکری میں پڑے ہوئے سانپ کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا سانپ نے قلوپطرہ کو سینے پر ڈس لیا قلوپطرہ کا ہاتھ نیچے گر پڑا سانپ کا زہر اس قدر خطرناک تھا کہ قلوپطرہ کے جسم میں سے ایک دم طاقت ختم ہوگئی اور وہ بے حس پتھر بن کر رہ گئی قلوپطرہ کی آنکھیں پتھرا گئیں اور منہ سے خون جاری ہوگیا۔

شارمیان نے اٹھ کر قلوپطرہ کی پیشانی چومی اور کہا۔

میں بھی آپ کے ساتھ آ رہی ہوں ملکہ عظیما اور اس کے ساتھ ہی شارمیان نے بھی قلوپطرہ کی مسہری پر رینگتے ہوئے سیاہ سانپ کو اٹھایا اور اسے اپنی گردن میں ڈال لیا سانپ نے شارمیان کی گردن پر بھی ڈس دیا سانپ کے ڈسنے کے بعد شارمیان کے جسم میں بھی زہر بڑی تیزی سے داخل ہو گیا اور وہ بے چاری لڑکھڑا کر قلوپطرہ کے پلنگ کی پٹی پر گری اور آہستہ آہستہ اس کی گردن ڈھلک گئی اور وہ بھی قلوپطرہ کے ساتھ ہی مر گئی۔ ٹھیک اس وقت رومی جرنیل اوکتے دین اپنے شاہی دستے کے ساتھ اندر داخل ہوا اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ قلوپطرہ کو گرفتار کر لیا جائے۔ سپاہی آگے بڑھے مگر وہاں سوائے قلوپطرہ کی لاش کے اور کچھ نہ تھا اوکتے دین اپنا سر پیٹ کر رہ گیا قلوپطرہ مرتے مرتے اسے شکست دے گئی تھی وہ اس کے ہاتھ آ کر اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

دریائے اُردن کی طرف

قلو پطرہ کی موت کے بعد مصر پر روم کا قبضہ ہو گیا۔
بروٹس کی جماعت نے حکومت پر قبضہ کرلیا اس سنگ دل جماعت نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے سیزر کا قتل کیا انطنی کو ہلاک کیا اور قلوپطرہ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو سانپ سے ڈسوا کر خودکشی کرے بروٹس کے دل میں پھر بھی ایک انسان کا دل چھپا ہوا تھا۔
سیزر کو قتل کرنے کے بعد وہ بے چین رہنے لگا انسان کا ضمیر ایک نہ ایک روز ضرور انصاف کرتا ہے انسان اگر کوئی برا کام کرلے تو اس کا ضمیر اسے چین نہیں لینے دیتا یہی بروٹس کے ساتھ ہوا تھا اس کی

جماعت نے حکومت بنائی تھی بروٹس حکومت میں اونچے سے اونچا عہدہ حاصل کر چکا تھا مگر اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا کہ تم نے اپنے دوست کے سینے میں خنجر گھونپ کر گناہ کیا ہے تم نے ایک بے گناہ انسان کو اپنے ہاتھوں قتل کیا ہے۔

بروٹس ایک رات پریشان ہو کر اپنے گھر سے باہر نکل آیا سارا روم سو رہا تھا آسمان پر چودھویں کا چاند نکلا ہوا تھا اسی قسم کی وہ چاندنی رات تھی جب بروٹس نے سیزر کو دھوکے سے بلا کر اس کے دل میں اپنا خنجر گھونپ دیا تھا بروٹس کا دل اسے لعن طعن کر رہا تھا وہ شہر سے باہر ایک چبوترے پر بیٹھ گیا اس نے سوچا کہ سیزر اس کا دوست تھا سیزر کو کبھی یہ وہم نہیں آ سکتا تھا کہ ایک دن بروٹس اس کا جگری دوست بھی اسے ہلاک کر سکتا ہے چنانچہ جب وہ اپنے دوست کے خنجر کا زخم کھا کر گرا تھا تو اس نے بے بسی اور حیرت سے کہا تھا۔

بروٹس تم بھی ....؟

یعنی یہ کہ تم بھی میرے قاتلوں کے ساتھ مل گئے کم از کم تم سے تو مجھے یہ امید نہ تھی تمہارا حق تو یہ تھا کہ مجھے میرے دشمنوں سے بچاتے لیکن اس کی بجائے تم بھی میرے دشمنوں کے ساتھ مل گئے؟ بروٹس کی آنکھوں کے سامنے سیزر کا چہرہ گھومنے لگا اور اسے اس کے آخری الفاظ یاد آنے لگے۔

بروٹس تم بھی؟ بروٹس تم بھی ....؟

بروٹس بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا اس نے اپنا خنجر نکال کر آسمان کی طرف دیکھا۔

دیوتاؤ میرے گواہ رہنا میں اپنے گناہ کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔

اور اتنا کہہ کر بروٹس نے خنجر اپنے سینے میں گھونپ لیا جس طرح اس

نے سیزر کے سینے میں گھونپا تھا خنجر سیدھا دل پر جا کر لگا بروٹس لڑکھڑا کر گر گیا، اور زمین پر تڑپنے لگا۔

صبح روم کے شاہی دستے نے چبوترے کے پاس آ کر دیکھا تو بروٹس کی لاش پڑی تھی اوکتے دین بروٹس کا دوست تھا مگر جو آدمی خود کسی کا دوست نہ ہو اس کا کوئی دوست نہیں ہوتا جو دوسروں کے ساتھ زیادتی کرے لوگ اس کے ساتھ بھی زیادتی ضرور کرتے ہیں اوکتے دین نے بروٹس کی موت کی ذرا بھی پروانہ کی صرف اس نے اتنا حکم دیا کہ بروٹس کی لاش کو دفن کر دیا جائے۔

ایک ہی ماہ کے اندر اندر روم کے مشہور معروف لوگ مر گئے وہ لوگ مر گئے جن کا نام آج تاریخ میں زندہ ہے لوگ روم کے بادشاہوں کے نام بھول گئے ہیں لیکن انطنی، قلوپطرہ، سیزر اور بروٹس آج بھی سب کو یاد ہے ان لوگوں کی موت کے بعد روم کا زوال شروع ہو گیا۔

انطنی اور سیزر کے قتل کے بعد مخالف جماعت کی حکومت نے چن چن کر ان لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جو سیزر کے حمائتی تھے ان میں عنبر اور اس کے سانپ دوست کا بھی نام آتا تھا کیونکہ ان دونوں کو سیزر نے ہی اپنے دربار میں جگہ دی تھی چنانچہ سیزر کے قتل اور قلوپطرہ کی موت کے بعد رومی سپاہیوں نے ناگ پھنی اور عنبر کو بھی گرفتار کر لیا سکندریہ کا گورنر ڈیوس کئی روز پہلے ہلاک کر دیا گیا تھا اور اس کی بیوی دو بچوں کو جنوبی افریقہ میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

اوکتے دین نے عنبر اور ناگ پھنی کو بھی دوسرے عام لوگوں کی طرح موت کی سزا سنا دی اس کے نزدیک عنبر اور ناگ پھنی کی اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہ تھی کہ وہ سیزر کے حمائت کرنے والوں میں سے تھے انہیں جیل میں ڈال دیا گیا اوکتے دین ان دونوں کی خفیہ طاقتوں سے بے خبر تھا جیل میں رومی سپاہی ان پر بڑی سختی کرتے انہیں دن

میں صرف ایک بار کھانا دیا جاتا کھانے کی تو خیران دونوں کو پروانہ تھی وہ کھائے بغیر کئی روز تک زندہ رہ سکتے تھے لیکن رومی سپاہی انہیں کوڑے مارتے ناگ پھنی زخمی ہوگیا۔

اس نے غضب میں آ کر عنبر سے کہا۔

اگر اب مجھے کوڑے لگائے گئے تو میں انہیں باری باری سب کو ہلاک کر دوں گا۔

اور یہی ہوا۔ رومی سپاہیوں کو کیا معلوم تھا کہ یہ کون لوگ ہیں جنہیں وہ کوڑے لگا رہے ہیں سپاہی نے روز کی طرح جیل خانے میں آ کر ان دونوں کو گالیاں دیں اور ناگ پھنی پر کوڑے برسانے لگا۔ ناگ پھنی جلال میں آ گیا اس نے زور سے پھنکار ماری اور ایک دم کایا پلٹ کر سیاہ ناگ بن گیا۔

رومی سپاہی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کے ہاتھ سے کوڑا

چھوٹ کر دور جا گرا اس نے آج تک کسی انسان کو سانپ بنتے نہیں
دیکھا تھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ بار بار آنکھیں ملنے
لگا۔ مگر اس دوران میں سانپ نے آگے جھک کر سپاہی کی گردن پر
کاٹ لیا تھا۔

گردن پر اگر سانپ کاٹ لے تو اس کا زہر خون کے ذریعے بڑی
جلدی سے دماغ میں پہنچ کر انسان کو ہلاک کر دیتا ہے رومی سپاہی کے
ساتھ بھی یہی ہوا۔ ادھر سانپ نے اسے کاٹا ادھر ایک چیخ مار کر وہ گرا
اور گرتے ہی اکڑ کر پتھر بن گیا اور مر گیا اس کی چیخ کی آواز سن کر کچھ
سپاہی ادھر دوڑے ناگ پھنی نے پھنکار ماری اور کایا پلٹ کر سیاہ
ناگ سے سیاہ ہاتھی بن گیا ہاتھی بن کر وہ زور سے چنگاڑا اور ٹکر مار کر
اس نے جیل کی سلاخیں توڑ ڈالیں رومی سپاہی ڈر کر ادھر اُدھر دوڑے
ہاتھی نے آگے بڑھ کر دو تین سپاہیوں کو پاؤں تلے روند ڈالا ایک

سپاہی کی ٹانگ پکڑ کر اسے ہوا میں اس زور سے اُچھال کر زمین پر پھینکا کہ اس کے ٹکڑے اڑ گئے۔

ہاتھی نے عنبر کو اپنے اوپر بٹھا لیا تھا اور اب وہ اسے ساتھ لے کر جیل سے فرار ہو رہا تھا جیل کی ڈیوڑھی سے باہر نکلتے ہی سپاہیوں نے ان پر نیزوں اور تیروں کی بارش کر دی مگر وہ انہیں زخمی تک نہ کر سکے ہاتھی عنبر کو لے کر شہر سے باہر ایک باغ میں لے آیا یہاں اس نے دوبارہ انسان کی شکل اختیار کر لی اور ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا جب وہ تھک گیا تو ایک کھنڈر کے سائے میں آ کر بیٹھ گئے۔

یہاں بیٹھے ابھی انہیں تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ او کتے دین خود ایک خونخوار دستے کی قیادت کرتا وہاں پہنچ گیا اور اس نے ان دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر گرفتار کر لیا۔ ناگ پھنی پھنکار مار کر ہاتھی بننے ہی والا تھا کہ عنبر نے اشارے سے منع کر دیا اس لئے کہ عنبر کو یقین تھا کہ

خواہ وہ کسی بھی جانور کا روپ دھارلے فوج کے سپاہی اسے شدید زخمی ضرور کردیں گے اس سے بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے گرفتار ہو کر قید خانے میں پہنچ جایا جائے۔

عنبر کا خیال تھا کہ انہیں دوبارا قید خانے میں پہنچا دیا جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا شاہی دستہ انہیں لے کر محل کے باہر میدان میں لے آیا اور انہیں ستون کے ساتھ زنجیروں سے باندھ دیا گیا تھوڑی دیر کے بعد تیر برسانے والوں کا دستہ ان کے سامنے قطار بنا کر کھڑا ہو گیا گویا رومی جرنیل کے حکم سے انہیں تیروں سے چھلنی کیا جا رہا تھا اب تو ناگ پھنی گھبرایا اس نے عنبر سے کہا۔

عزیز دوست عنبر اب تو پانی سر سے گزرنے لگا ہے۔ تم تو ان تیروں کی بارش میں بھی زندہ رہو گے کیوں کہ تم تو مر ہی نہیں سکتے لیکن یہ بوچھاڑ تیروں کی میرے سینے پر لگی تو میں یقیناً ہلاک ہو جاؤں گا۔ اس

لئے میں جارہا ہوں۔

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

تم کہاں جاؤ گے۔؟

ناگ پھنی نے سوچ کر کہا۔

میں سکندریہ کے باہر پرانے اہرام کی کھوہ میں تمہاراا انتظار کروں گا۔

اتنا کہہ کرناگ پھنی نے آنکھیں بند کرلیں اور زور سے پھنکار ماری دوسرے ہی لمحے وہ سفید عقاب بن کراوپر اڑ گیا۔

سپاہی اسے دیکھتے ہی رہ گئے اوکتے دین تو حیران ہوکر رہ گیا اس نے کہا۔

یہ جادوگر ہیں انہیں فوراً ہلاک کردو۔

اس حکم کے ساتھ ہی پچاس تیر عنبر کے سینے میں ایک ساتھ آ کر کھب گئے عنبر پران تیروں کا کوئی بھی اثر نہ ہوا۔رومی جرنیل اوکتے دین کو

یقین تھا کہ عنبر مر چکا ہوگا وہ بڑے آرام سے آگے بڑھا اور اس نے

کہا۔

اس غدار کی لاش کو گدھوں کے آگے ڈال دیا جائے۔

کسی سپاہی نے چیخ کر کہا۔

یہ ابھی زندہ ہے۔

زندہ ہے۔؟

رومی جرنیل نے حیرت سے مڑ کر دیکھا...............عنبر زندہ تھا اور

اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا یعنی وہ معمولی سا زخمی بھی نہیں

تھا.............اس کے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہا تھا

او کتے دین رومی جرنیل نے چیخ کر حکم دیا۔

اسے ہلاک کر دیا جائے.............فوراً............

اب عنبر پر تیر پر تیر برسائے جانے لگے جب کوئی پانچ سو تیر اس کے

بدن میں پرو دیا گیا تو اوکتے دین رومی جرنیل نے قریب آ کر دیکھا کہ عنبر اسی طرح مسکرا رہا تھا اور اس کے جسم سے خون کا قطرہ بھی نہیں بہہ رہا تھا حالاں کہ تیروں نے اس کے جسم میں پانچ سو سوراخ آر پار کر دیے تھے۔

رومی جرنیل تو سر پکڑ کر رہ گیا۔

اس نے قریب جا کر غور سے دیکھا بالکل وہی پہلے جیسا نظارہ تھا گویا عنبر پر ایک تیر بھی نہیں چلایا گیا تھا عنبر نے بڑے سکون سے ہاتھ اوپر اٹھا کر اپنے جسم میں سے ایک ایک کر کے تیر نکالنے شروع کر دیے

رومی جرنیل نے عنبر سے پوچھا۔

تم جادوگر ہو۔ میں تمہیں آگ میں زندہ جلاؤں گا۔

جیسا کہ اس زمانے میں رومی جرنیل اور گورنر رعایا پر بے حد اذیت ناک سلوک کیا کرتے تھے رومی جرنیل اوکتے دین نے حکم دیا۔

آگ کا جہنم دہکا دیا جائے۔

ایسا ہی ہوا۔ زبردست آگ روشن کردی گئی اس میں عنبر کو پھینک دیا گیا مگر ظاہر ہے عنبر کا کچھ نہ بگڑا وہ بالکل محفوظ رہا۔ رومی جرنیل اب تو بے حد گھبرا گیا اسے کچھ یقین ہونے لگا کہ یہ شخص جادوگر نہیں بلکہ کوئی آسمانی دیوتا ہے اس نے عنبر کو آگ میں سے باہر نکال کر پوچھا۔

سچ سچ بتاؤ تم کون ہو۔؟

عنبر نے کہا۔

اس کا جواب میں شہر سے باہر اہرام کے پاس چل کر دوں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ تمہیں میرے ساتھ تنہا جانا ہوگا۔ ہاں ایک دو سپاہی ساتھ لے جا سکتے ہو۔؟

رومی جرنیل اوکتے دین عنبر کے ساتھ شہر سے باہر اس اہرام کے باہر آ گیا جہاں ناگ پھنی اس کا انتظار کررہا تھا عنبر نے ناگ پھنی کو اشارہ

کیا کہ وہ غار کے اندر ہی سانپ کا روپ دھار کر بیٹھا رہا عنبر رومی جرنیل او کتے دین کو غار کے قریب لے آیا چاروں رومی سپاہی ارد گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

عنبر نے کہا۔

او کتے دین میں تمہیں یہاں قتل کرنے کے لئے لایا ہوں............

کیونکہ تم نے ہزاروں بے گناہ مصریوں کو قتل کیا ہے اگر تم زندہ رہے تو ابھی ہزاروں بے گناہوں کو اور قتل کرو گے۔

رومی جرنیل مسکرایا اور بولا۔

تم کیا اور تمہاری اوقات کیا تم مجھے قتل نہیں کر سکتے۔

عنبر نے کہا۔

اچھا میرا وار سہنے کے لئے تیار ہو جاؤ

عنبر نے کنیز کارمیلا کی دی ہوئی انگوٹھی چوم کر اس کا رخ رومی جرنیل

کی طرف کر دیا رومی جرنیل کے ارد گرد کھڑے چاروں سپاہی اس کے آگے آگے اور انہوں نے تلواریں نکال کر عنبر پر حملہ کر دیا مگر ٹھیک اسی وقت انگوٹھی کے اندر سے سفید سفید شعاعیں نکل کر چاروں سپاہیوں پر پڑیں اور وہ موم کی طرح پگھل کر زمین پر بہہ گئے رومی جرنیل کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں اس نے ایسا بھیانک منظر ایسی بھیانک موت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

اب ناگ پھنی بھی سانپ کی شکل میں غار سے باہر آ گیا۔

عنبر نے رومی جرنیل سے پوچھا۔

بولو اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔؟

رومی جرنیل ایک بہادر جرنیل تھا اس نے تلوار کھینچ کر کہا۔

خواہ تم مجھے بھی ہلاک کر دو مگر میں اپنی شکست تسلیم نہیں کروں گا۔

ناگ پھنی لپک کر اسے ڈسنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اسے روک دیا اور

رومی جرنیل سے کہا۔

او کتے دین تمہارا یہ دلیرانہ جواب سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے مگر بہادر انسان بڑے فیاض اور انصاف پسند ہوتے ہیں اگر تم وعدہ کرو کہ ایک بہادر آدمی کی طرح تم بھی اپنی رعایا کے ساتھ محبت اور فیاضی کے ساتھ سلوک کرو گے اور آئندہ بے گناہ لوگوں کا خون نہیں بہاؤ گے تو میں ابھی یہاں سے چلا جاؤں گا کیا تم وعدہ کرتے ہو؟

رومی جرنیل نے کہا۔

موت کے خوف سے نہیں بلکہ اپنے دل کی رضامندی کے ساتھ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ سے میں رعایا کے ساتھ انصاف کروں گا اور بے گناہ لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگوں گا۔

عنبر نے کہا۔

شکریہ او کتے دین مجھے تم جیسے بہادر آدمی سے یہی امید تھی۔

اس کے بعد عنبر اور ناگ پھنی نے او کتے دین سے اجازت لی اور سکندر یہ شہر کی طرف آ گئے رومی جرنیل نے انہیں اپنے دربار میں کرسی پیش کی مگر عنبر نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اس لئے کہ دربار میں اب اس کا کوئی بھی ہمدرد اور دوست نہیں تھا انہوں نے اس کی صرف یہ پیش کش قبول کی کہ وہ انہیں دو گھوڑے اور کچھ اشرفیاں سفر کے لئے مہیا کر دے۔ رومی جرنیل نے گھوڑے اور اشرفیاں مہیا کر دیں او ردونوں دوست سکندر یہ کے شہر سے رخصت ہو کر سرحد کی طرف روانہ ہو گئے اب ان کی منزل دریائے دجلہ اور فرات کی وادی تھی اس لئے کہ یہ نیک پیغمبروں کی سرزمین بنتی جارہی تھی انہوں نے سن رکھا تھا کہ دریائے عمان کے کنارے یوحنا نام کا ایک بزرگ جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے لوگوں کو پاکیزگی اور اچھے کاموں کی ہدایت کرتا ہے عنبر اس عظیم بزرگ کو دیکھنے کی تمنا لے کر عمان کی طرف چل پڑا۔

دریائے اُردن کے کنارے یوحنا نبی سے عنبر کی ملاقات

................سلومی کا سات پردوں میں چھپا ہوا پر

اسرار رقص اور بادشاہ سے یوحنا نبی کا سر کاٹ لانے کی

فرمائش................جب یوحنا کا سر کاٹ کر طشت

میں پیش کیا گیا تو سلومی پر کیا گزری..............

یہ سب کچھ آپ اس کتاب کے اگلے یعنی تیرھویں حصے

''نیلی آنکھیں''میں پڑھیے۔

عنبر۔ ناگ۔ ماریا

نیلی آنکھیں

(قسط نمبر ۱۳)

اے حمید

UrduRasala.com کا پیغام

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف اور پبلشرز محفوظ ہیں۔ ہم اسے صرف اردو زبان کی ترویج کے لیے Online کر رہے ہیں تاکہ دنیا جان سکے کہ اردو زبان میں کتنا عظیم کام ہوا ہے۔ ہمارا مقصد اس ویب سائٹ کے ذریعے اردو کے گم شدہ خزانے کو ان لوگوں تک پہنچانا ہے جو کسی وجہ سے اس سے محروم رہ گئے۔ خاص طور پر ان بیرون ملک پاکستانیوں کو جو باوجود پوری کوشش کے ان ناولوں کو حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر آپ کو یہ کتاب پسند آئی ہے اور آپ استطاعت رکھتے ہیں تو مہربانی فرما کر اس کو خرید کر پڑھئے تاکہ مصنف اور پبلشرز کو مالی فائدہ پہنچ سکے۔

سنو پیارے بچو!

ہمارا ہیرو اپنے دوست سانپ گے ساتھ اردن کے دریا کی وادی میں آ گیا ہے سانپ ایک حادثے میں ہمارے ہیرا عنبر سے جدا ہو جاتا ہے عنبر کی ملاقات یوحنا نبی سے ہوتی ہے بادشاہ کے دربار میں مشہور ظالم عورت سلومی رقص کرتی ہے اور بادشاہ سے یوحنا کا سر طلب کرتی ہے بدقسمت بادشاہ یہ ظلم کر بیٹھتا ہے اور اس ملک میں تباہی آ جاتی ہے عنبر اپنے دوست کی تلاش میں ایک پراسرار تہہ خانے میں پہنچ جاتا ہے اور تہہ خانے میں وہ ایک عجیب وغریب قبیلے کے لوگوں کو دیکھتا ہے بادشاہ ہیروڈ کو اس کی رعایا ظالم بادشاہ کہہ کہہ کر پکارتی ہے سلومی کے خلاف نفرت پیدا ہو رہی ہے کیونکہ اس کے اشارے سے یوحنا نبی کا سر کاٹا جا رہا ہے۔

اے حمید

دوست کی جدائی

دونوں دوست دریائے اردن کی طرف سفر کر رہے تھے۔
اردن اس زمانے میں یعنی آج سے اڑھائی ہزار برس پہلے ایک چھوٹا سا دریا تھا جو یروشلم کی وادی میں بہتا ہوا آگے جا کر سمندر میں گر جاتا تھا اس دریا کے کنارے بڑے بڑے تاریخی شہر آباد ہوئے ایسی ایسی قومیں آباد ہوئیں جن کے کارنامے تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے ہوئے ملتے ہیں لوگ اس وادی کو پیغمبروں کی وادی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس وادی میں اللہ کے بہت سے پیغمبر تشریف لائے اور انہوں نے گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو نیکی کی تعلیم دی۔
سدوم بھی اس زمانے کا ایک بہت بڑا شہر تھا جو دریائے اردن کے

کنارے پر واقع تھا یہ شہر رومیوں کے قبضے میں تھا اور اس کا بادشاہ شاہ ہیروڈ تھا جو شاہ روم کے ماتحت تھا۔
شاہ ہیروڈ کی ملکہ کا نام ہیروڈیس تھا شاہ ہیروڈ ایک عیش پرست کاہل اور ظالم بادشاہ تھا جو اپنے آرام و آسائش کے لئے ہر شے قربان کر سکتا تھا ملکہ ہیروڈیس ایک سمجھدار، ہوشیار اور دنیا دار عورت تھی جو بڑی دور اندیشی کے ساتھ حکومت چلا رہی تھی مگر کبھی کبھی اپنے ظالم اور عیش پرست خاوند کے آگے وہ بھی مجبور ہو جاتی تھی۔
دریائے اردن کی وادی سدوم کا شہر ابھی دو دن اور دو راتوں کے سفر پر تھا اور دونوں دوست عنبر اور ناگ پھنی گھوڑوں پر سفر کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہے تھے کیونکہ جیسا کہ ہم اس پہلے ناول میں بیان کر چکے ہیں انہوں نے سنا تھا کہ اردن کے کنارے ایک ایسا بزرگ موجود ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے اور لوگوں کو نیکی اور سچائی کی

تعلیم دیتا ہے۔

سفر کرتے ہوئے ایک دوپہر کو عنبر اور ناگ پھنی ایک ایسے معبد یعنی مندر کے پاس پہنچ گئے یہاں سانپ کی پوجا ہوتی تھی۔ مندر کے باہر ایک بہت بڑے سانپ کا بت رکھا تھا جس کے سر پر تاج تھا اور جس کی زبان فٹ بھر باہر نکلی ہوئی تھی عنبر نے اپنے دوست ناگ پھنی سے کہا۔

دوست! سفر کرتے کرتے بہت تھک گئے ہیں کیوں نہ ہم یہاں ایک رات ٹھہر کر آرام کریں اور صبح پھر سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔

ناگ پھنی جب سے اس مندر کے قریب آیا تھا کچھ گھبرایا گھبرایا سا تھا ایسے لگتا تھا جیسے اس نے کسی ایسی شے کی بو سونگھ لی ہو جس سے وہ ڈرتا ہو۔ جب عنبر نے اسے مندر میں رات بسر کرنے کو کہا تو وہ بولا۔

میرا خیال ہے ہمیں سفر جاری رکھنا چاہیے اگر ہم اسی طرح راستے میں

رکتے ٹھہرتے رہے تو منزل سے بہت دور ہو جائیں گے۔

مگر عنبر نہ مانا، اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

کیا بات ہے ناگ پھنی تم بڑے آرام طلب ہوتے جا رہے ہو منزل دور ہو چاہے قریب ہمیں سفر میں رات کو آرام کرنا ضرور چاہیے اور پھر میں تمہارے ساتھ کل صبح سے چل رہا ہوں ہمارے گھوڑے کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔

ناگ پھنی مجبور ہو گیا کہ اس جگہ رات ہی رات کے لئے رک جائے حالانکہ اس کا دل ہرگز وہاں ٹھہرنے کو نہیں چاہ رہا تھا انہوں نے مندر کے ایک پجاری سے ملاقات کی جو مندر کی ڈیوڑھی میں بیٹھا مٹی کے چراغوں میں تیل ڈال رہا تھا عنبر نے جھک کر سلام کیا اور کہا۔

جناب۔ ہم پردیسی مسافر ہیں شہر سکندریہ سے آرہے ہیں ہمیں اردن کے شہر سدوم جانا ہے کیا ہمیں ایک رات یہاں رکنے کی اجازت مل

جائے گی ہم بڑے بھوکے ہیں۔

پجاری نے ان دونوں دوستوں کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور کہا۔

اگرچہ مندر کی کوئی اپنی سرائے نہیں ہے لیکن تم لوگ چونکہ بہت دور سے آئے ہو اس لئے میں تمہیں صرف ایک رات ٹھہرنے کے لئے جگہ دے سکتا ہوں مگر شرط یہ ہوگی کہ صبح دن نکلنے سے پہلے تمہیں یہاں سے کوچ کر جانا ہوگا۔

فکر نہ کریں ہم صبح ہونے سے پہلے ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔

اب وہاں ایک عجیب وغریب بات ہوئی مندر کا سب سے بڑا پجاری بڑے ہال کمرے میں ناگن دیوی کے سامنے پوجا کر رہا تھا کہ ناگن کا بت اچانک اپنی جگہ سے ہلنے لگا بڑا پجاری ڈر کر پیچھے ہٹ گیا اس کی زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ سانپوں کی ملکہ کے بت میں حرکت

پیدا ہوئی ہو اگرچہ وہ ان کی دیوی تھی اور وہ اس کی ہمیشہ سے پوجا کرتے آئے تھے لیکن وہ آخر ایک پتھر کا بت تھی بڑا پجاری ابھی ڈرا ڈرا سا ناگن کے بڑے بت کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگن کی زبان جو کہ پتھر کی تھی اپنی جگہ سے ہلنے لگی اور پھر اسے ایک آواز سنائی دی۔

سن۔اے پجاری۔اس مندر میں ایک سانپوں کا شہزادہ داخل ہوا ہے ہم سب ناگ ناگن دیوتا اس کا بڑا احترام کرتے ہیں اس لئے کہ وہ انسانوں میں پہلا انسان ہے جو ایک سانپ بن کر دو سو برس تک زندہ رہا ہے مجھے دیوتاؤں نے خبر دی ہے کہ اس مندر میں وہ شہزادہ سانپ انسان کے روپ میں آ چکا ہے اس کو جا کر تلاش کرو۔

پجاری نے ڈرتے ہوئے کہا۔

جو حکم ناگن دیوی! تمہارا خادم ابھی جا کر معلوم کرتا ہے کہ سانپوں کا شہزادہ انسان کی شکل میں مندر کے کون سے حصے میں ہے۔

ناگن دیوی نے کہا۔

اور یہ بھی سن لو کہ آج سے یہ سانپوں کا شہزادہ اس مندر کا بڑا پجاری ہو
گا۔تم اس کے نوکر بن کر اس کی خدمت کرو گے اور اس کا ہر حکم پورا
کرو گے۔

جو حکم ناگن دیوی!

بس ابھی جاؤ اور جا کر اس سانپ شہزادے کو تلاش کر کے یہاں لاؤ
ہم خود اس کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔

تمہارا حکم سر آنکھوں پر ناگن دیوی۔

بڑا پجاری ہاتھ جوڑ کر سجدہ کرنے کے بعد الٹے پاؤں ہال کمرے سے
نکل کر باہر برآمدے میں آ گیا یہ سن کر اس کا دل جل بھن کر رہ گیا تھا۔
کہ سانپ وہ اب مندر کا بڑا پجاری ہو گا اور وہ اس کا غلام بن کر رہے
گا۔

مکار پجاری نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اگر سانپ شہزادہ اسے مل گیا
تو وہ اس کو وہیں جان سے مار دے گا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے
بانسری وہ ناگن دیوی سے آ کر کہہ دے گا کہ اس نے سارا مندر
چھان مارا ہے مگر سانپ شہزادہ اسے نہ مل سکا۔

بڑا پجاری برآمدے میں سے گزر رہا تھا کہ سامنے سے چھوٹا پجاری آتا
دکھائی دیا اس نے سامنے سے آتے ہوئے پجاری سے پوچھا کہ کیا
مندر میں کوئی مسافر آیا ہے؟ اس نے بتایا کہ ابھی ابھی دو مسافر
مندر کی ایک کوٹھڑی میں اترے ہیں جو اپنے آپ کو ملک سکندریہ کے
تاجر بتاتے ہیں اور صرف ایک رات مندر میں ٹھہر کر یہاں سے صبح
روانہ ہو جائیں گے۔

بڑا پجاری اس کوٹھڑی کی طرف چل پڑا جہاں عنبر اور ناگ پھنی ٹھہرے
ہوئے تھے بڑے پجاری نے سوچا کہ اگر یہ لوگ کل چلے بھی گئے تو

بھی ناگن دیوی کو دیوتا بتادیں گے کہ سانپ دیوتا فلاں صحرا میں سے گزر رہا ہے اور اگر میں نے اسے ہلاک کر دیا جب بھی دیوتاؤں کو اس کا علم ہو جائے گا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے سانپ شہزادہ زندہ بھی رہے اور گم بھی ہو جائے ایسی صورت میں دیوتاؤں کو بالکل علم نہ ہو سکے گا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے بڑے پجاری کو اچھی طرح معلوم تھا کہ دیوتا صرف زندگی اور موت کے بارے میں ہی بیان کر سکتے ہیں اگر کوئی شخص زندگی اور موت کے بیچ میں لٹک رہا ہو تو انہیں علم نہیں ہو سکتا۔

اب یہ معلوم کرنا تھا کہ ان دونوں مسافروں میں سے سانپ شہزادہ کون ہے۔

اور یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی سالہا سال سے ناگن مندر میں ناگن دیوی کی پوجا کرتے رہنے سے بڑے پجاری میں اتنی طاقت پیدا ہو

گئی تھی کہ وہ یہ معلوم کر لیتا تھا کہ سانپ کون ہے اور انسان کون ہے؟

جب وہ اس کوٹھڑی کے پاس آیا جہاں دونوں دوست ٹھہرے ہوئے تھے تو اس نے دیکھا کہ کوٹھڑی کا دروازہ بند ہے بڑے پجاری نے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے عنبر نے دروازہ کھولا۔

فرمایئے آپ کو ہم سے کیا کام ہے؟

بڑے پجاری نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں کو سیکڑ کر غور سے عنبر کی طرف دیکھا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سانپ نہیں ہے۔ اس نے پوچھا۔

میں اس مندر کا بڑا پجاری ہوں میں صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ کیونکہ ہماری مہمان نوازی سارے علاقے میں مشہور ہے ہم یہ ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ ہمارے

کسی مہمان کو کوئی تکلیف ہو۔

عنبر نے کہا۔

آپ کا بہت شکریہ! ہم یہاں بے حد خوش ہیں ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہے آپ کی مہمان نوازی ہمیں ہمیشہ یاد رہے گی۔

بڑے پجاری کی مکار نگاہیں عنبر کے دوسرے ساتھی یعنی سانپ شہزادے کو تلاش کر رہی تھی جس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہی وہ شہزادہ ہے جس کے بارے میں ناگن دیوی نے اسے حکم دیا ہے اس نے عنبر سے پوچھا۔

معاف کرنا بیٹا! تمہارا ساتھی کہاں ہے۔؟

جی وہ حوض سے پانی لینے گیا ہے۔

اتنے میں ناگ پھنی سامنے سے کوٹھڑی کی طرف آتا دکھائی دیا اس نے کندھے پر پانی سے بھری ہوئی صراحی اٹھا رکھی تھی جب وہ اس

کے پاس آیا تو بڑے پجاری کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور اس نے دیکھا کہ ناگ پھنی کی آنکھیں بالکل گول گول اور سرخ تھیں اسے یقین ہو گیا کہ یہی وہ سانپ شہزادہ ہے جس کے متعلق ناگن دیوی نے ذکر کیا ہے بڑے پجاری نے ناگ پھنی سے کہا۔

بیٹا! تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی تم ہمارے معزز مہمان ہو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا کر طلب کر لینا۔ میں اس مندر کا سب سے بڑا پجاری ہوں۔

ناگ پھنی کے دل پر بھی بڑے پجاری کو دیکھ کر ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اس نے غور سے پجاری کی طرف دیکھا پجاری اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکا اور اس نے آنکھیں نیچی کر لیں ناگ پھنی نے کہا۔

ہم آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ آپ کی خدمت ہمارا فرض ہے۔

یہ کہہ کر بڑا پجاری ادب سے سر جھکا کر اور سلام کر کے واپس چلا گیا
اس کے جانے کے بعد عنبر نے پجاری کے اخلاق اور محبت کی تعریف
کی اور کہا کہ بڑا پجاری بڑا نیک انسان ہے ناگ پھنی نے صراحی میں
سے پانی نکال کر عنبر کو دیتے ہوئے کہا۔

دوست! مجھے اس پجاری کی نیت میں فتور نظر آتا ہے۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ بڑا پجاری مجھے ایک دھوکے باز اور مکار انسان دکھائی دیتا
ہے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

یہ تمہارا وہم ہے ناگ پھنی۔ وہ تو ہمارے آگے بچھا جا رہا تھا مجھے تو اس
کی طبیعت بہت پسند آئی ہے اور پھر بھلا اس کو ہمارے ساتھ کیا دشمنی
ہو سکتی ہے۔

ناگ پھنی نے کہا۔

اس کو تمہارے ساتھ تو کوئی دشمنی نہیں لیکن مجھے یوں لگتا ہے کہ وہ مجھ
سے کوئی دشمنی رکھتا ہے۔

میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے تمہیں وہم ہو گیا ہے بس ناگ پھنی نے
کوئی جواب نہ دیا اور وہ زمین پر بستر بچھانے لگا گیا کیونکہ اس وقت
رات ہو گئی تھی اور وہ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

بڑا پجاری اپنی کوٹھڑی میں جا کر سوچنے لگا کہ سانپ شہزادے کو کس
طرح وہ اپنے قابو میں لا کر اس پر ایسی بے ہوشی طاری کرے وہ زندہ
بھی نہ رہے اور مردہ بھی نہ ہو۔ آخر اسے ایک ترکیب سوجھی اسکے
پاس ایک ایسا عرق تھا جو ہر سال ناگن دیوی کو غسل کرانے کے بعد
کٹورے میں جمع کیا ہوتا تھا اس عرق کی یہ تاثیر تھی کہ اگر وہ کسی پر
چھڑک دیا جائے تو وہ شخص مرتا نہیں ہے لیکن وہ زندہ بھی نہیں رہتا

تھا۔بس بے ہوش ہو جاتا تھا اور جب تک اس پر منتر نہ پھونکا جائے وہ دوبارا ہوش میں نہیں آ سکتا تھا اس منتر کا علم بھی بڑے پجاری ہی کو تھا۔

اپ پجاری رات ہونے کا انتظار کر رہا تھا جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو پجاری عرق کی بوتل گلے میں لٹکا کر اس کوٹھڑی کی طرف چل پڑا جہاں سانپ شہزادہ اپنے دوست کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا مندر میں اندھیرا تھا صرف کہیں کہیں دھیمی دھیمی موم بتیاں جل رہی تھیں پجاری دبے پاؤں چلتا ہوا کوٹھڑی کے پاس آ کر رک گیا اس نے دروازے کو آہستہ سے اندر کی طرف دبایا۔دروازہ کھل گیا پجاری دروازے کا ایک کواڑ کھول کر کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گیا اس نے موم بتی کی دھیمی روشنی میں دیکھا کہ دونوں دوست اپنے اپنے بستروں پر گہری نیند سو رہے ہیں۔

پجاری وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ سانپ شہزادے کے جاگ پڑنے سے سارے کئے کرائے پر پانی پھر سکتا تھا پجاری نے گلے میں سے بوتل نکال کر اس کا منہ کھولا اور ایکدم سے سارا عرق سوئے ہوئے ناگ پھنی پر چھڑک دیا عرق کے چھڑکتے ہی ناگ پھنی نے آنکھیں کھول کر پجاری کو غصے سے دیکھا اور پھنکار مار کر ایک دم سانپ بن گیا مگر اتنے میں عرق اپنا اثر کر چکا تھا سانپ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی تھی ناگ پھنی نے اپنا پھن لہرایا مگر عرق کے اثر سے وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

پجاری نے آگے بڑھ کر سانپ کو جھولے میں ڈالا اور چپکے سے کوٹھڑی کا دروازہ دوبارہ بند کر کے وہ تیز تیز قدموں سے اپنی کوٹھڑی کی طرف بھاگ گیا وہاں پہنچ کر پجاری نے بے ہوش سانپ کو ایک بڑے سے مرتبان میں رکھ کر اوپر سے اس کا منہ بند کر دیا مرتبان کو اٹھا کر ایک جگہ سے پتھر کی سل اٹھا کر فرش کے نیچے گڑھے میں دفن کیا اور اوپر سے

پتھر کی سل دوبارہ برابر کر دی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے سکھ کا سانس لیا اس نے اپنے دشمن کو ہمیشہ کے لئے قابو میں کر لیا تھا اب وہ ساری زندگی کے لئے مندر کا اکیلا پجاری تھا اسے کوئی اس عہدے سے نہیں ہٹا سکتا تھا وہ بڑے آرام کے ساتھ بستر پر سو گیا۔ دوسری طرف عنبر بھی بڑے سکون سے سو رہا تھا اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ اس کا جگری دوست ناگ پھنی ایک بے ہوش سانپ کے روپ میں مرتبان میں بند پڑے پجاری کی کوٹھڑی میں دفن ہے۔

صحرا میں اکیلا سفر

صبح اٹھ کر عنبر نے دیکھا کہ اسکے دوست کا بستر خالی ہے۔

اس نے سوچا کہ شاید وہ صبح کی سیر کرنے کے لئے باہر نکل گیا ہو لیکن کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی جب ناگ پھنی واپس نہ آیا تو وہ پریشان ہو کر مندر کی کوٹھڑی سے باہر آ گیا اور اپنے دوست کو مندر کے اندر باہر تلاش کرنے لگا دوسری طرف بڑا پجاری فوراً صبح صبح ناگن دیوی کے بت کے سامنے حاضر ہوا اور اسکی پوجا کرنے کے بعد ہاتھ جوڑ کر بولا۔

اے ناگن دیوی! تیرے اس غلام نے مندر کا چپہ چپہ چھان مارا ہے لیکن سانپ شہزادہ کہیں نہیں مل سکا۔

ناگن دیوی کی زبان حرکت میں نہ آئی پجاری نے دوبارا یہی بات دہرائی ناگن دیوی کا بت بے حس وحرکت رہا پجاری کو شک ہوا کہ کہیں اس کا راز فاش نہ ہو گیا ہو اس نے ایک بار پھر پوجا کرنے کے بعد بت کو سجدہ کیا اور اسکے قدموں میں پڑے ہوئے پتھر کو چوما اور کہا۔

اے مہادیوی تمہارے حکم پر میں نے سانپ شہزادے کو جگہ جگہ تلاش کیا مگر وہ مجھے کہیں نہیں ملا اب کیا حکم ہے۔؟

دیوی نے کہا۔

سن اے پجاری ایسا لگتا ہے کہ سانپ دیوتا کو دھرتی ماتا نے اپنے اندر کر لیا ہے دھرتی ماتا سب کی ماتا ہے میں اس کے خلاف جنگ نہیں کر سکتی اب ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔

پجاری نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کہیں ناگن دیوی کو اصل بات کا

پتہ تو نہیں چل گیا پوچھا۔

دیوی! کیا دیوتاؤں کو معلوم ہے کہ سانپ شہزادہ کس جگہ زمین کے اندر دفن ہے۔

دیوی نے کہا۔

میں دیوتاؤں سے یہ پوچھ کر دھرتی ماتا کو ناراض نہیں کرنا چاہتی اگر دھرتی ماتا کی یہی مرضی ہے تو پھر ہم اس کے آگے مجبور ہیں ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔ جب سانپ شہزادہ دھرتی سے باہر آ کر اس مندر کا کام خود سنبھالے گا۔

پجاری نے سر جھکا کر کہا۔

جو آپ کی مرضی وہی ہماری مرضی اے دیوی ماتا مگر کیا سانپ شہزادہ زندہ ہے۔؟

ناگن دیوی نے کہا۔

وہ نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں۔ لیکن وہ دھرتی کے اندر کسی جگہ سو رہا ہے............ تم بھی خاموش ہو جاؤ۔

جو حکم مہا دیوی۔

بڑے پجاری ناگن دیوی کو سجدہ کرنے کے بعد وہاں سے باہر آ گیا اسے اس بات کی بڑی تسلی ہوئی تھی کہ ناگن دیوی پر اس کی مکاری کا راز نہیں کھل سکا۔ دھرتی ماتا نے اس کی مکاری کو چھپا لیا تھا اب اس کے سنگھاسن کو کوئی خطرہ نہیں تھا وہ ساری زندگی اکیلا پجاری بن کر مندر کی دنیا پر راج کرنے کے لئے آزاد تھا۔

عنبر نے اپنے دوست کو ہر جگہ تلاش کیا مگر کہیں اسکا نشان نہ ملا وہ سوچنے لگا کہ ناگ پھنی آخر کہاں چلا گیا۔؟ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نے اوپر اٹھا لیا۔ اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے کہیں نہیں گیا کیونکہ اگر وہ اپنی مرضی سے جاتا تو عنبر کو ضرور اطلاع کرتا۔ اس کا

صاف مطلب یہ تھا کہ اسے زبردستی کسی نے اغوا کر لیا ہے لیکن ناگ پھنی کو اغوا کرنا تو بڑا مشکل کام تھا بلکہ اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا وہ تو ایک پل میں سانپ بن کر اغوا کرنے والے کو ہلاک کر سکتا تھا اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسے بے خبری کے عالم میں بے ہوش کر کے اغوا کیا گیا ہو لیکن سوال یہ ہے کہ کسی کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ ناگ پھنی کو اغوا کرے۔

وہاں تو وہ دونوں اجنبی تھے۔ وہاں تو ان کی کسی کے ساتھ دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پھر یہ معمہ کیا ہے؟ عنبر سوچ سوچ کر تھک گیا آخر اسکے ذہن میں یہی خیال آیا کہ ہو سکتا ہے اس مندر کے کسی دیوی دیوتا نے اسے گم کر دیا ہو کیونکہ وہ بھی ایک سانپ تھا اور یہ مندر بھی سانپوں کے دیوی دیوتاؤں کا ہے تو پھر اس سلسلے میں کس سے بات چیت کی جائے کس سے پوچھ گچھ کی جائے؟

عنبر کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا دن چڑھ گیا تھا اسے دریائے اردن
کے کنارے اس بزرگ کی زیارت کرنے بھی جانا تھا جو یوحنا نبی کے
نام سے مشہور تھا لیکن وہ اپنے دوست سے بے خبر ہو کر بھی نہیں جاسکتا
تھا وہ مندر کے باہر ایک سانپ کے بت کے پاس کھڑا تھا کہ وہاں
سے مکار پجاری گزرا۔ اس نے اسے پہچان لیا کہ سانپ شہزادے
یعنی ناگ پھنی کا دوست اپنے ساتھی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔

مکار پجاری چپکے سے اس کے پاس آگیا اور بڑے نرم لہجے میں بولا۔

کیا آپ آج کا دن بھی مندر میں ٹھہریں گے جانے کی تیاری کر رہے
ہیں۔

عنبر کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے اس کے دوست
کو اغوا کیا ہے۔

عنبر نے پجاری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

آپ کی مہمان نوازی کو دیکھ کر تو جی چاہتا ہے کہ ابھی کچھ دن اور
یہاں ٹھہروں مگر کیا کروں آگے بھی کچھ کام کرنے ہیں۔؟

تو گویا آپ جا رہے ہیں۔

جی ہاں۔

پجاری نے عنبر کی دکھتی رگ چھیڑتے ہوئے کہا۔

آپ کا دوست کہیں نظر نہیں آرہا کیا وہ آپ سے پہلے چلا گیا ہے۔

عنبر گھبرا سا گیا وہ پجاری پر اپنے دوست کی گمشدگی ظاہر نہیں کرنا چاہتا
تھا اس بے چارے کو کیا معلوم کہ اسی کم بخت نے اسکے دوست کو گم کیا
ہے عنبر نے یوں ہی کہہ دیا۔

جی ہاں! میرا دوست پہلے چلا گیا ہے دراصل اسے آگے پہنچ کر کچھ
ضروری بندوبست کرنے تھے اچھا اب سمجھا۔ خیر سفر مبارک ہو۔

شکریہ آپ کا بہت بہت شکریہ۔

مکار پجاری چلا گیا۔عنبر پھر اکیلا رہ گیا اور سوچنے لگا کہ اب وہ کیا کرے۔

مندر میں ٹھہر کر ناگ پھنی کا انتظار کرے یا وہاں سے اکیلا ہی سفر پر روانہ ہو جائے۔

شام تک وہ مندر کے اندر باہر گھوم پھر کر اپنے دوست کا انتظار کرتا رہا اس کا خیال تھا کہ شاید ناگ پھنی واپس آجائے لیکن اس کا انتظار کرنا فضول تھا کیونکہ ناگ پھنی اس کی پہنچ سے باہر ہو چکا تھا۔

اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے دوست کے بغیر سفر کرے۔مگر مجبوراً مندر سے کوچ کرنا پڑا۔مکار بڑا پجاری اسے مندر کے دروازے تک چھوڑنے آیا وہ بڑا جھک جھک کر عنبر کا شکریہ ادا کر رہا تھا کہ اس نے مندر کو عزت بخشی حالانکہ شکریہ عنبر کو ادا کرنا چاہیے تھا لیکن عنبر اپنے جگری دوست کے گم ہو جانے سے اداس تھا اس نے بڑی

خاموشی سے پجاری سے ہاتھ ملایا۔اس کا آخری بار شکریہ ادا کیا اور سر جھکائے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔

یہ علاقہ بڑا گرم صحرا کا علاقہ تھا دن بھر یہاں بے حد دھوپ چمکتی اور بڑی سخت گرمی پڑتی تھی۔

دن کے وقت قافلے آرام کرتے اور رات کو سفر کرتے تھے عنبر بھی اکیلا رات کو سفر کرتا رہا صحرا کی یہ ریت ٹھنڈی تھی اور ہوا بھی ٹھنڈی چل رہی تھی وہ قدم قدم گھوڑے کو چلا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اسکا دوست آخر کہاں گم ہو گیا؟ ایک اچھے ساتھی کے بچھڑ جانے کا اسے بڑا دکھ تھا

عنبر ساری رات صحرا میں اکیلا ہی سفر کرتا رہا صبح دم سورج کی پہلی کرن پھوٹی تو اسے پیاس محسوس ہوئی اس نے ارد گرد نظر دوڑائی دور ریت کے اونچے نیچے ٹیلوں کے اوپر صبح کی روشنی میں کھجوروں کے جھنڈ دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے گھوڑا نخلستان کی طرف بڑھا دیا قریب پہنچ کر اس نے دیکھا
کہ کھجوروں کی ہری بھری چھاؤں میں ایک چشمہ چھوٹی سی ندی کی
شکل میں بہہ رہا ہے کھجور کے درختوں پر سرخ سرخ زرد زرد رس بھری
میٹھی کھجوروں کے گچھے لٹک رہے تھے یہ ایک بڑی ہی خوب صورت
اور آرام دہ جگہ تھی عنبر گھوڑے سے نیچے اترا اور اس نے گھوڑے کو پانی
پینے اور گھاس چرنے کے لئے چھوڑ دیا خود چشمے کے پانی سے منہ
ہاتھ دھویا ٹھنڈا پانی پیا اور آرام کرنے لیٹ گیا۔

وہ ایک بار پھر اپنے دوست ناگ پھنی کے بارے میں سوچنے لگا اس
کی گمشدگی کا معمہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کتنی ہی دیر وہ سوچتا رہا
اس کا دماغ جھک گیا مگر وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا کہ آخر اس کا دوست
کہاں گم ہو گیا اتنے میں اسے دور سے گھوڑوں کے قدموں کی
آوازیں سنائی دیں اس نے سوچا کہ شاید کوئی قافلہ چشمے کی طرف آ رہا

ہے وہ خاموشی سے لیٹا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کیا دیکھتا ہے کہ چھ سات
گھوڑسواروں نے اس کے اردگرد گھیرا ڈال لیا ہے وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا
ان گھوڑسواروں کی شکلیں بڑی ڈراؤنی تھیں انہوں نے سروں پر سیاہ
رومال باندھ رکھے تھے۔

کون ہو تم؟ ایک داڑھی والے گھوڑسوار نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

میں ایک مسافر ہوں اور ملک روم سے سدوم کی طرف سفر کر رہا ہوں۔

اس پر سارے کے سارے گھوڑسوار کھلکھلا کر ہنس پڑے داڑھی والے
نے کہا۔

اب تم ہمارے ساتھ سفر کرو گے ہم بھی سدوم کی طرف ہی جا رہے ہیں
مگر تم مسافر بن کر نہیں بلکہ ہمارے غلام بن کر سفر کرو گے۔

انہوں نے ایک اور قہقہہ لگایا اور گھوڑوں سے اتر کر عنبر کے جسم کو ہاتھ

لگا گا کر ٹٹو لنے لگے ٹھیک ہے مضبوط نو جوان ہے ایک ہزار اشرفیاں تو
ضرور مل جائیں گی اس کی۔

اب عنبر کو محسوس ہوا کہ یہ لوگ غلاموں کی تجارت کرتے ہیں اور اسے
غلام بنا کر سدوم شہر میں جا کر فروخت کرنے کی سازش کر رہے ہیں وہ
بالکل نہ گھبرایا عنبر کبھی نہیں گھبرایا کرتا تھا اس نے سوچا کہ چلو یہ تجربہ بھی
حاصل کر لیتے ہیں دیکھتے ہیں یہ ڈاکو اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے
ہیں اور کس کے پاس لے جا کر فروخت کرتے ہیں؟ ظاہر ہے وہ
جب اور جہاں چاہے آزاد ہو سکتا تھا۔

اس نے جھوٹ موٹ گھوڑسواروں سے کہا دیوتاؤں کی خاطر مجھے چھوڑ
دو میں ایک غریب مسافر ہوں اور میرا بھائی مجھ سے جدا ہو گیا ہے میں
پہلے ہی اس کے لئے بڑا غم زدہ ہوں۔

ایک ڈاکو نے آگے بڑھ کر زور سے عنبر کی گردن پر مکا مارا۔ عنبر اپنی جگہ

سے گر پڑا۔ وہ اٹھ کر کپڑے جھاڑ رہا تھا کہ سارے ڈاکو اس کو مارنے
لگے۔ کوئی لات اور کوئی گھونسہ مار رہا تھا عنبر صبر سے ان کی مار کھاتا رہا
وہ کچھ نہ بولا جب اس کی خوب ٹھکائی ہو چکی تو ڈاکوؤں نے اس کے
ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے گھوڑے پر ڈالا اور سدوم شہر کی طرف روانہ
ہو گئے۔

سارا راستہ وہ عنبر کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے رہے اسے بہت کم
کھانے پینے کو دیتے وہ اگر پانی مانگتا تو صرف چند گھونٹ اسے پینے کو
دیتے عنبر نے عقل مندی کا کام یہ کیا تھا کہ اپنی انگوٹھی اتار کر لباس
کے اندر چھپالی تھی اگر یہ انگوٹھی بھی ڈاکو لوٹ لیتے تو عنبر بالکل ہی بے
یارومددگار ہو جاتا۔

ڈاکوؤں کی باتوں سے اسے معلوم ہوا کہ وہ یہودی ڈاکوؤں کا ایک
گروہ ہے جس کا کام ہی ارون کی وادی سے یروشلم اور سدوم کی وادی

تک ڈاکے ڈالنا اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اغوا کر کے انہیں غلام بنا کر بازاروں میں فروخت کرتا ہے وہ ہزاروں جوانوں اور بے گناہ معصوم عورتوں اور بچوں کو اغوا کر کے یروشلم اور سدوم کے شہروں میں فروخت کر چکے تھے عنبر کو ان پر بے حد غصہ آیا اور اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وقت آنے پر وہ ان سے بدلہ ضرور لے گا۔

دن بھر یہ لوگ صحرا میں کسی درختوں کے جھنڈ تلے آرام کرتے اور رات کو سفر کرتے راستے میں انہوں نے ایک گاؤں میں ڈاکہ ڈالا اور ایک بھولی بھالی معصوم لڑکی کو اغوا کر کے اپنے ساتھ لے گئے اس لڑکی کا رنگ سانولا اور آنکھیں نیلی تھیں رو رو کر اس نے اپنے آپ کو ہلکان کر دیا وہ ایک ایک ڈاکو کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہتی۔

دیوتا کے لئے مجھے چھوڑ دو میرے باپ کے پاس چھوڑ دو۔ میرا باپ بوڑھا ہے اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں اگر میں وہاں نہ ہوئی

تو میرا باپ مر جائے گا۔

مگر ان ڈاکوؤں کے کانوں پر اس بھولی بھالی دکھی لڑکی کی فریادوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا وہ الٹا اس پر قہقہے لگا رہے تھے بلکہ ایک ڈاکو نے تو آگے بڑھ کر بے چاری لڑکی کے منہ پر بڑے زور سے طمانچہ مار دیا لڑکی تڑپ کر رہ گئی عنبر سے یہ ظلم دیکھا نہ گیا اس نے آگے بڑھ کر ڈاکو کے منہ پر اتنے ہی زور سے ایک گھونسہ جڑ دیا۔ بس پھر کیا تھا سارے ڈاکو عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ اسے اتنا مارا اتنا مارا کہ ان کے خیال میں عنبر کو مر جانا چاہیے تھا لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ عنبر کے جسم پر کوئی خراش تک نہیں آئی تھی جب کہ ان کے بازو اور ہاتھ مار مار کر درد کرنے لگے تھے اس کے برعکس عنبر خاموشی سے زمین پر سے اٹھا اور کپڑے جھاڑ کر بڑے اطمینان سے کھڑا ہو گیا۔

ڈاکو اسے قہر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے چل پڑے۔

نیلی آنکھوں والی معصوم لڑکی کے ہاتھ بھی رسی سے بندھے ہوئے تھے اور اس کا گھوڑا عنبر کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا عنبر کے ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے عنبر اگر چاہتا تو ایک پل کے اندر اندر اپنے ہاتھ کھول سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہ کیا وہ ڈاکوؤں کا اصل ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟ اور ان کے پاس اور کتنے غلام اور بے گناہ کنیزیں ہیں عنبر ان سب کو جڑ سے کاٹ کر ختم کرنا چاہتا تھا چنانچہ وہ بڑی خاموشی سے سفر کرتا رہا۔

دوپہر کے وقت جب کہ بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں ڈیرا ڈالا عنبر اور نیلی آنکھوں والی لڑکی کو ایک طرف رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا اور خود چشمے کے کنارے مزے سے ہرن کو بھون کر اس کی دعوت اڑانے لگے انہوں نے تھوڑا سا پانی اور بھنا ہوا گوشت ان دونوں کی طرف بھی پھینک دیئے جیسے یہ کوئی پالتو کتے

ہوں عنبر کو ان کی یہ حرکت سخت بری لگی لیکن اس نے صبر کے ساتھ اسے برداشت کر لیا۔

اس نے نیلی آنکھوں والی لڑکی کو پانی پلایا اور گوشت کھانے کو دیا لڑکی نے کہا۔

کیا تم نہیں کھاؤ گے۔

تھوڑا سا میں بھی چکھ لوں گا۔

کیا تمہیں بھوک نہیں لگتی۔

لگتی ہے۔ مگر تھوڑی تھوڑی سی۔...........

اس کے بعد عنبر نے اس کا نام پوچھا لڑکی نے کہا میرا نام اینگنیس میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہوں میرا بوڑھا باپ میری جدائی میں ضرور مر گیا ہوگا کیا ہم یہاں سے بھاگ نہیں سکتے؟

بہت مشکل ہے اینگنیس اگر ہم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو یہ لوگ

ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے لیکن میں ان کی غلامی میں زندہ رہنا نہیں
چاہتی میں بھاگ جاؤں گی کیا تم میری مدد نہیں کرو گے۔

ضرور کروں گا۔ضرور کروں گا۔لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم ناداتی یا جوش
میں آکر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھو جس کا انجام نہایت بھیانک ہو۔

تو پھر میں کیا کروں؟

وہ بے چاری بچی تھی اس کا گھر بار لوٹ کر اس کے بھائیوں کو قتل کر کے
وہ لوگ اسے اغوا کر کے لونڈی بنا کر ساتھ لے آئے تھے اور اب خدا
جانے اسے بیچنے کہاں لے جا رہے تھے عنبر نے اسے تسلی دی اور کہا
کہ وقت آنے پر ان کے خلاف زبردست مہم شروع کروں گا اور ان
سب کو ظلم کا بدلہ چکھاؤں گا۔

نیلی آنکھیں

آدھی رات کے بعد ڈاکوؤں کا یہ قافلہ شہر سدوم کی طرف چل پڑا۔
جو حساب روم سے عنبر کو بتایا گیا تھا اس کی رو سے اس قافلے کو صبح
سورج نکلنے کے بعد اپنی منزل پر پہنچ جانا چاہیے تھا ساری رات قافلہ
سفر کرتا رہا شہر قریب آنے کی وجہ سے ڈاکوؤں نے عنبر اور نیلی آنکھوں
والی لڑکی ایگنیس کی زیادہ خبر گیری شروع کر دی تھی سورج کی پہلی کرن
کے ساتھ ہی عنبر نے دور صحرا میں شہر کی فصیل ابھرتی ہوئی دیکھی یہ
وادی اردن کا سب سے بارونق شہر اور شاہ ہیروڈ کا پایۂ تخت سدوم تھا
گہرے نیلے آسمان پر ستاروں کی روشنی ماند پڑ گئی اور سورج نے اپنی
چمک سے صحرا کے ذروں کو گرم کرنا شروع کر دیا۔

صحرا کی زندگی بھی عجیب ہوتی ہے۔ دن بھر غضب کی گرمی پڑتی ہے
اور جوں جوں سورج ڈھلتا ہے سردی شروع ہو جاتی ہے ریت جو دن
بھر گرم رہتی ہے سورج کے غروب ہوتے ہی ٹھنڈی ہونا شروع ہو
جاتی ہے اور پھر رات کو صحرا میں لوگ کمبل اوڑھ کر سوتے ہیں۔

ڈاکوؤں نے عنبر اور نیلی آنکھوں والی لڑکی ایگنیس کو دوبارہ رسیوں کے
ساتھ جکڑ دیا عنبر نے محسوس کیا کہ وہ شہر کے صدر دروازے سے اندر
داخل نہیں ہو رہے تھے بلکہ وہ شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ شمال سے
جنوب مشرق کی جانب ذرا ہٹ کر سفر کر رہے تھے جب وہ شہر کی
جنوب مشرقی دیوار کے نیچے ایک ویران سے اور پرانے سے
دروازے کے باہر پہنچے تو ایک جگہ رک گئے۔

ایک ڈاکو نے منہ سے کسی جانور کی آواز نکالی اس آواز کے ساتھ ہی
دروازے کی طرف سے بھی اسی قسم کی جانور کی آواز سنائی دی تیسری

بار جانور کی آواز سنائی دینے کے بعد کسی نے پرانے دروازے کی
کھڑکی کو کھول دیا سارے ڈاکو گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس کھڑکی
کے پاس اور جھک کر شہر کے اندر داخل ہو گئے عنبر نے دیکھا کہ
دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی ایک اونچی چھت والی بہت بڑی
ڈیوڑھی آ گئی جہاں بے حد ٹھنڈا اندھیرا پھیلا ہوا تھا ڈیوڑھی کی چھت
محراب دار تھی اور بہت اونچی تھی ڈیوڑھی کی محراب سے نکلے تو شہر
سدوم کی عمارتیں، بازار گلیاں شروع ہو گئیں ڈاکو بارونق بازاروں
سے بچ کر گزر رہے تھے۔

اگر وہ بارونق بازاروں میں سے بھی گزرتے تو کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ
عنبر اور نیلی آنکھوں والی لڑکی ایگنیس اگر شور بھی مچاتی کہ پکڑو ہمیں
بچاؤ، یہ لوگ ہمیں اغوا کر کے لے جا رہے ہیں تو کوئی بھی ان کی آواز
پر کان نہ دھرتا بلکہ الٹا ان پر لوگ قہقہے لگاتے اور ان پر پتھر مارتے اس

لئے کہ اس زمانے میں لوگوں کو معلوم تھا کہ جن غلاموں یا کنیزوں کو خرید کر شہر لایا جاتا ہے وہ اسی قسم کا شور مچایا کرتے ہیں غلاموں اور کنیزوں سے اس زمانے میں نفرت کی جاتی تھی ان پر ظلم کیا جاتا تھا۔
انہیں انسان نہیں بلکہ جانور سمجھا جاتا تھا انہیں بات بات پر مارا پیٹا جاتا تھا اور اگر مالک انہیں کسی بات پر غصہ کھا کر قتل بھی کر دیں تو کوئی انہیں پوچھنے والا نہ تھا۔
یہی وجہ تھی کہ شہر کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے ایگنیس اور عنبر بالکل خاموش تھے حالانکہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ ان کے ہاتھوں رسیوں سے جکڑے ہوئے ہیں وہ سمجھ گئے تھے یہ غلام اور کنیز ہیں اور انہیں منڈی میں فروخت کرنے کے لئے لایا جا رہا ہے کچھ لوگوں نے تو عنبر اور ایگنیس پر نفرت سے آوازیں بھی کسی۔ ان سے ہمدردی کرنے کی بجائے ان پر دو ایک پتھر بھی پھینکے۔ عنبر نے سوچا کہ یہ کس قدر ظلم کا

زمانہ ہے اور انسان بھی کتنا ظالم ہے کہ وہ انسان کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کر رہا ہے منڈی میں ایک طرف آلو گوبھی بک رہی ہے اور دوسری طرف انسانوں کا سودا ہو رہا ہے۔
جو لوگ غلام یا کنیز کو خرید لیتے تھے وہ انہیں بالکل جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے اپنے گھر لے جاتے تھے جس طرح آج کے زمانے میں عید قربان سے پہلے گھروں میں کوئی بکرا خرید کر لایا جاتا ہے اور گھر کے سارے بچے بالے اس کے گرد جمع ہو کر اسے دیکھتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں بالکل اسی طرح آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے جب کوئی غلام یا کنیز خرید کر گھر لائی جاتی تھی تو گھر کے بچے بالے اسکے گرد جمع ہو کر خوشی مناتے تھے ہمارے ہاں قربانی کے بکرے کو تو چھڑی سے مارنا منع ہے اور بچے اس سے محبت کرتے ہیں لیکن اس زمانے میں بچے بھی غلاموں کو چھڑیوں سے مارا کرتے تھے ان غلاموں کی قدر

قربانی کے بکروں سے بھی کم تر تھی۔

اس سے پہلے بھی عنبر ایک بار غلام بن کر بک چکا تھا۔

جب یونانیوں پر زوال آیا اور رومیوں نے ان کے شہر تباہ و برباد کر دیئے تو ان کے بچوں اور جوانوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا عورتوں کو کنیزیں بنا لیا اسی زمانے میں یونان کے بڑے بڑے نامور اور مشہور فلسفی اور استاد بھی رومیوں نے غلام بنا کر بیچ دیئے تھے یہ غلام فلسفی رومی اور اشوریوں کے گھروں میں ان کے بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے

عنبر نے سوچا کہ اگر وہ اس بار کسی پڑھے لکھے گھرانے میں غلام بن کر گیا تو کچھ دیر سکون سے زندگی بسر کر کے یہاں کے رہن سہن کے بارے میں اور ان لوگوں کے مذہب کے بارے میں تجربات حاصل کرلے گا رہنا تو اسے پھر بھی اسی شہر میں ہے اگر کسی امیر آدمی کے گھر میں غلام بن کر رہے گا تو زیادہ تعداد میں لوگوں کو دیکھ سکے گا ان کا

جائزہ لے سکے گا۔

لیکن اسے سب سے زیادہ فکر نیلی آنکھوں والی لڑکی کی تھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ یہ معصوم لڑکی بھی کسی ظالم آدمی کی کنیز بن کر اپنی ساری زندگی برباد کر دے وہ غلام بننے سے پہلے وہ کام کرنا چاہتا تھا پہلا کام یہ کہ وہ ایگنیس کو آزاد کر کے اسے اس کے گھر بھیج دینا چاہتا تھا اور دوسرا کام یہ کہ وہ ڈاکوؤں کے اس گروہ کو تباہ کر دینا چاہتا تھا تا کہ وہ آئندہ کسی کو غلام یا کنیز بنا کر ان کی زندگیوں کو برباد نہ کر سکیں۔

ڈاکوؤں نے شہر کے کنارے ایک پرانی حویلی میں بسیرا کر لیا۔

انہوں نے یہاں آ کر پہلا کام یہ کیا کہ عنبر اور نیلی آنکھوں والی ایگنیس کو الگ الگ کوٹھڑیوں میں بند کر دیا عنبر اکیلا کوٹھڑی میں بند رہا اس کوٹھڑی میں اوپر چھت کے ساتھ سلاخ دار ایک چھوٹا سا روشن دان تھا۔ جس میں سے معمولی سی روشنی اندر آ رہی تھی شام کو جب یہ روشنی

دھیمی ہونے لگی تو ایک ڈاکو نے اندر آ کر اسے کھانے کو تھوڑی سی روٹی اور گوشت دیا اور باہر چلا گیا رات بھر عنبر اکیلا کوٹھڑی میں پڑا رہا وہ اگر چاہتا تو وہاں سے نکل سکتا تھا مگر وہ اس زندگی میں کچھ تلخ تجربات حاصل کرنا چاہتا تھا وہ تکلیفیں اٹھا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ جو غلام بے چارے تکلیفیں اٹھاتے ہیں ان پر کیا گزرتی ہے۔ ہاں اسے نیلی آنکھوں والی معصوم لڑکی انگینیں کا ضرور فکر تھا کہ جانے وہ بے چاری کس حال میں ہوگی۔

دن چڑھا تو اسے باہر نکال کر شہر کی ایک بہت بڑی منڈی میں لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہاں غلاموں اور کنیزوں کا بازار لگا تھا غلام فروخت ہو رہے تھے کنیزیں اور بچے بھی فروخت ہو رہے تھے امیر لوگ چل پھر کر اپنی پسند کی کنیزیں غلام اور بچے خرید رہے تھے اچھے صحت مند غلام کی بڑھ بڑھ کر بولی دی جا رہی تھی۔ کمزور بیمار غلام

کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا۔

عنبر ایک صحت مند اور خوبصورت نوجوان تھا جب اسے چوکی پر کھڑا کیا گیا تو اس کے گرد امیر لوگ اکٹھے ہو کر بڑھ بڑھ کر بولی دینے لگے ایک بوڑھا یہودی بڑھ کر عنبر کی بولی دے رہا تھا آخر اس نے پانچ ہزار اشرفیوں میں عنبر کو خرید لیا عنبر نے دیکھا کہ جو لوگ غلام خرید لیتے تھے وہ ان کے گلوں میں رسی ڈال کر انہیں جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے لے جاتے تھے مگر اس بوڑھے یہودی نے عنبر کے ساتھ جانوروں ایسا سلوک نہ کیا بلکہ اس نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

نوجوان! اگر تم نے میرے گھر میں نیک سلوک کیا تو تمہیں وہاں اپنے گھر کا آرام ملے گا۔ میں اپنے غلاموں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتا ہوں میرے انجیر کے باغ ہیں اگر تم نے وہاں محنت سے کام کیا تو تمہیں میرے ہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی اگر تم نے ہڈ حرامی کی تو تمہیں

کسی ظالم مالک کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے گا۔

عنبر کو اس بوڑھے مالک کی یہ صاف گوئی بڑی اچھی لگی۔ اس نے بوڑھے یہودی کو یقین دلایا کہ وہ اس کے ہاں محنت اور دیانت داری سے کام کرے گا۔ بوڑھا اسے لے کر اپنی حویلی میں آ گیا وہاں سے چلتے وقت عنبر نے ڈاکوؤں سے نیلی آنکھوں والی لڑکی اینگنیس کے بارے میں پوچھا تو اسے جھڑک کر بتایا گیا کہ اینگنیس کو ان لوگوں نے حویلی میں ہی راتوں رات کسی امیر آدمی کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا عنبر کو اس کا بے حد دکھ ہوا خدا معلوم اب وہ کہاں اور کس حال میں ہو گی چھ سات دنوں میں عنبر کو یہ دوسرا صدمہ ہوا تھا پہلا صدمہ اسکے جگری دوست ناگ پھنی کے بچھڑ جانے کا اور دوسرا صدمہ اس معصوم لڑکی کے جدا ہونے کا۔

بوڑھے یہودی کی حویلی بہت بڑی تھی ڈیوڑھی سے آگے نکل کر ایک

نیلی آنکھیں

بہت کشادہ صحن تھا جسمیں باغ تھا جس کے بیچ میں فوارہ چل رہا تھا ارد گرد برآمدے تھے جس کے ستون اونچے اور محراب دار تھے برآمدوں کے اندر کمرے تھے یہاں بوڑھے یہودی نے انجیر اور انگور وغیرہ کو جمع کر رکھا تھا اوپر کی منزل میں بڑے خوبصورت اور کھلے کمرے تھے جن کی کھڑکیوں اور دروازوں پر رنگ دار ریشمی پردے پڑے تھے۔ اس جگہ بوڑھے یہودی کی بیٹی اور اس کے بچے بھی رہتے تھے اس بوڑھے کی صرف ایک ہی بچی تھی جس کا نام ماریا تھا ماریا کا خاوند مر چکا تھا اور وہ اپنے باپ کی حویلی میں اپنے چار بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ ان کے علاوہ وہاں نوکر اور کنیزیں تھیں۔

بڈھے یہودی نے عنبر کو اپنی بیٹی ماریا سے ملایا اور کہا۔

ماریا! یہ تمہارا نیا غلام ہے اس نے وعدہ کیا ہے کہ یہ دیانت داری اور محنت سے کام کرے گا کیوں بھئی ٹھیک ہے ناں۔؟

www.urdurasala.com

عنبر نے کہا۔

جی ہاں حضور! بالکل ٹھیک ہے۔

ماریا تیس پینتیس سال کی ایک نیک دل عورت تھی اس نے عنبر سے پوچھا۔

تمہارا نام کیا ہے۔

بڈھے یہودی نے چونک کر کہا۔

ارے ہاں! میں نے تم سے تمہارا نام تو پوچھا ہی نہیں کیا نام ہے تمہارا۔

عنبر۔

ایں۔ یہ کیا نام ہوا۔

حضور! یہ قدیم مصری نام ہے۔

ماریا نے پوچھا۔

کیا تمہارے خاندان کا تعلق قدیم مصر خاندان سے ہے۔

عنبر نے کہا۔

جی ہاں بیگم صاحبہ! میرے پڑداداؤں کے نگڑدادا مصری شاہی خاندان کے غلام تھے۔

بوڑھا خوشی سے اچھل پڑا۔اور بولا۔

بھئی واہ تم تو خاندانی غلام ہوئے بھئی ہم تو بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہمیں مصر کے شاہی غلام خاندان کا نوجوان مل گیا مگر میری شرط وہی ہے کہ اگر تم نے محنت سے کام نہ کیا تو میں تمہیں کسی سنگدل ظالم مالک کے ہاتھوں فروخت کردوں گا۔

عنبر نے جھک کر کہا۔

جناب آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا بڈھا یہودی بولا۔

شاباش! اب چلو میرے ساتھ انجیر کے باغوں میں چل کر کام شروع

کر دو، وقت کی بہت قدر کرتا ہوں میں کبھی وقت ضائع نہیں کیا کرتا

اسی روز عنبر کو انجیر کے باغوں میں کام پر لگا دیا گیا۔

کام بے حد تھکا دینے والا تھا مگر عنبر نے ذرا سی بھی شکایت نہ کی وہ صبح سے لے کر سورج غروب ہونے تک باغ میں انجیروں کو توڑ توڑ کر لکڑی کے ڈرموں میں جمع کرتا گلے سڑے پتوں کو درختوں پر سے جھاڑتا زمین پر پھاوڑا چلا کر اسے ہموار اور نرم کرتا جہاں پانی دینا ہوتا وہاں پانی لا کر دیتا رات کو وہ تھک کر چور ہو جاتا اور زمین پر لیٹتے ہی سو جاتا اسے باغ میں سونے کو جگہ مل گئی تھی زمین پر گھاس بچھا دی گئی تھی جہاں وہ دوسرے غلاموں کے ساتھ سو جاتا۔

اب ذرا اس نیلی آنکھوں والی لڑکی ایگنیس کا حال بھی سنیئے۔

اس معصوم لڑکی کے ساتھ یہ ہوا کہ جس رات ڈاکو حویلی میں ٹھہرے ایک امیر آدمی آ گیا اور ڈاکوؤں نے ایگنیس کو اس کے ہاتھوں پندرہ

ہزار اشرفیوں میں فروخت کر دیا یہ شخص شہر سدوم کا ایک بہت بڑا ٹھیکے دار تھا، اس کا کام یہ تھا کہ پھلوں کے باغوں کے سارے کے سارے موسمی پھل ٹھیکے پر خرید لیتا اور پھر ان کا شربت بنا کر شاہی محل میں سپلائی کرتا یہ ایک ظالم اور پتھر دل شخص تھا جو اپنے غلاموں اور کنیزوں پر بڑا ظلم کرتا تھا وہ غلاموں کو دھوپ میں الٹا الٹا کر ان کے اوپر گرم گرم پتھر کی سلیں رکھ دیتا اور کنیزوں کو کسی خطا پر اس طرح سزا دیتا کہ ان پر بھوکے کتے چھوڑ دیتا اس آدمی کے کوئی بیوی بچے نہ تھے اس کی حویلی میں سوائے غلاموں اور کنیزوں کے اور کوئی نہ تھا وہ ان کے ساتھ جانوروں سے بھی برا سلوک کرتا تھا اس نے ایگنیس کو بھی اپنے سب سے بری کنیز دلائیلہ کے حوالے کر دیا دلائیلہ ایک سنگدل عورت تھی جو اس سے پہلے دس کنیزوں کو اپنے ہاتھوں کوڑے مار مار کر ہلاک کر چکی تھی اس نے ایگنیس کو غور سے دیکھا اور کڑک کر پوچھا۔

کیانام ہے تمہارا۔

ایگنیس۔بیگم صاحب۔

بکواس بند کرو۔یہ کوئی نام ہے۔

میرے ماں باپ نے میرا یہی نام رکھا ہے۔بکواس بند کرو، آگے سے بولتی ہے۔

اور سنگدل عورت نے ایگنیس کو مارنا شروع کر دیا وہ پہلے ہی روز اس پر اپنا رعب جمانا چاہتی تھی ایگنیس بے چاری معصوم لڑکی تھی اور بڑے لاڈ پیار سے پلی تھی وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی دلائلہ نے اسے اٹھوا کر صحن کے ایک طرف انگور کی جھاڑیوں میں پھینکوا دیا جب ایگنیس کو ہوش آیا تو بے چاری کا سارا بدن دکھ رہا تھا اتنے میں ایک دو غلام آئے اور اسے لکڑی کے لٹھ کی طرح اٹھ کر کندھے پر ڈال کر دلائیلہ کے پاس لے گئے۔

دلائیلہ ایک شاندار کرسی پر بیٹھی انجیر کا مربہ کھا رہی تھی اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ ایگنیس کے سر کے بال مونڈ ڈالیں ایگنیس کے بال بڑے ہی پیارے پیارے تھے اس بے چاری نے بہت شور مچایا کہ مگر غلاموں نے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا اور اس کے سنہری بال سارے کے سارے مونڈ ڈالے ایگنیس رونے لگی اس پر دلائیلہ نے اٹھ کر اس قدر زور سے اسے طمانچہ مارا کہ اس کے ہونٹ پھٹ گئے اور خون بہنے لگا۔

اس بدبخت کو لے جا کر تہہ خانے میں بند کر دو، غلاموں نے اسے بوری کی طرح اٹھا کر کندھے پر رکھا اور حویلی کے ایک زمین دوز تہہ خانے میں لے جا کر پھینک دیا ایگنیس کو ہوش آیا تو وہ ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند تھی جہاں کسی طرف سے بھی روشنی کی ہلکی سی کرن بھی نہیں آ رہی تھی اور زمین پر گیلی گھاس بچھی ہوئی تھی اور جھینگر بول رہے

تھے وہ ڈر گئی اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا منہ چھپالیا اور سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی اسے اپنا پیارا پیارا گھر یاد آ رہا تھا جہاں وہ کچھ روز پہلے بڑی خوشی خوشی زندگی بسر کر رہی تھی کہ ظالم ڈاکوؤں نے اس کے گھر ڈاکہ ڈالا اسکے بھائیوں کو ہلاک کر دیا باپ کو زخمی کر دیا اور اسے اغوا کر کے لے گئے ایگنیں روئے جا رہی تھی مگر اس پتھر دل چار دیواری میں اس بھولی بھالی مصیبت زدہ لڑکی کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا اسے اپنے ایک ہی ہمدرد عنبر پر امید تھی مگر وہ بھی اس سے جدا کر دیا گیا تھا۔

اسے کوئی خبر نہ تھی کہ بے چارہ عنبر کس حال میں ہے۔

سلیمانی انگوٹھی

غلام ایک دوسرے کے ساتھ بڑی سنگدلی کا سلوک کرتے۔

انہیں جانوروں کی طرح رکھا گیا تھا اور وہ ایک دوسرے سے بھی جانوروں کی طرح سلوک کرتے تھے عنبر چونکہ ان میں ایک نیا غلام تھا اس لئے سارے غلام نہ صرف یہ کہ اسکا مذاق اڑاتے بلکہ اس سے ہاتھا پائی بھی شروع کر دیتے عنبر کے پاس دو انتہائی قیمتی چیزیں اب بھی موجود تھیں ان میں سے ایک تو تبت کے راجہ کا دیا ہوا قیمتی ہیرا تھا اور دوسری وہ انگوٹھی تھی جو اسے کنیز کارمیلا کی روح نے تحفے کے طور پر دی تھی یہ دونوں چیزیں عنبر بڑی سنبھال سنبھال کر رکھتا تھا اس نے ان کی ہوا بھی کسی کو نہیں دی تھی کپڑے کے ایک رومال میں لپیٹ کر اس

نے ان چیزوں کو اپنی کمر کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔

قمیض کے اندر ہونے کی وجہ سے کسی کو خبر نہ تھی کہ عنبر اپنے ساتھ لاکھوں اشرفیوں کی قیمت کا ایک ہیرا اور انگوٹھی لئے ہوئے ہے ایک روز عنبر دوسرے غلاموں کے ساتھ باغ میں چشمے پر نہا رہا تھا کہ ایک غلام کی نظر اس کی کمر کے گرد لپٹے ہوئے کپڑے پر پڑ گئی اس نے عنبر کی گردن دبوچ کر پوچھا۔

بول یہ کیا ہے؟ اسے ابھی اتار دے ورنہ تیری گردن توڑ دوں گا۔

دوسرے غلام بھی اس کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے عنبر کو مجبور کر دیا کہ وہ کپڑا کھول کر دکھائے اس کے اندر کیا ہے پہلے تو عنبر انکار کرتا رہا مگر جب غلاموں نے اسے مارنا شروع کر دیا تو عنبر نے رومال کھول کر ہیرا اور انگوٹھی انہیں دکھا دی دونوں چیزوں کو دیکھ کر غلاموں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

یہ تو بڑی قیمتی چیزیں ہیں ایک غلام نے حیرت سے کہا۔

دوسرے غلام نے جھپٹا مار کر دونوں چیزیں عنبر سے چھین لیں عنبر کے ساتھ لڑائی کرنے لگا۔ مگر وہ غلام تعداد میں زیادہ تھے انہوں نے عنبر کو رسیوں میں جکڑ کر قریب کے اندھے کنوئیں میں پھینک دیا اس کنوئیں میں پانی تو نہیں تھا مگر یہ کانٹے دار جھاڑیوں سے بھرا ہوا تھا عنبر پریشان ہو گیا اب وہ سوچنے لگا کہ اس نے خواہ مخواہ یہ مصیبت کی زندگی............. مول لے لی اسے کیا پڑی تھی تجربے کرنے کی۔

مگر اب وہ پھنس گیا تھا اور انگوٹھی بھی اس کے پاس نہیں تھی جس کی مدد سے وہ اس اندھے کنوئیں سے باہر نکل سکتا تھا لاچار ہو کر وہ کنوئیں میں پڑا رہا شام ہو گئی اور کسی نے اس کی خبر نہ لی غلاموں نے یہودی مالک سے کہہ دیا کہ عنبر بھاگ گیا ہے یہودی مالک کو یقین نہ آیا کہ کیونکہ اس نے عنبر کو کبھی کوئی تکلیف نہ دی تھی اور عنبر نے بھی کبھی کسی

قسم کی شکایت نہ کی تھی ماریا بھی سوچ میں پڑ گئی کہ یہ غلام کہاں چلا
گیا۔

عنبر ساری رات اندھیرے کنوئیں میں پڑا رہا دوسرے دن اس نے
شور مچانا شروع کر دیا کہ شاید اس کی چیخ و پکار سن کر ہی مالک اسے
کنوئیں سے باہر نکال لے لیکن اسکا نتیجہ الٹ ہوا غلاموں نے ہیرا اور
انگوٹھی آپس میں تقسیم کر لی تھی انہوں نے سوچا کہ اس طرح اگر عنبر
کنوئیں میں شور مچاتا رہا تو مالک کو خبر ہو جائے گی وہ اسے باہر نکال
لے گا اور عنبر سارا قصہ اسے سنا دے گا جس کے جواب میں مالک
غلاموں سے ہیرا اور انگوٹھی بھی چھین لے گا اور سزا الگ دے گا۔

انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ عنبر کو اندھیرے کنوئیں میں سے نکال
کر قتل کر دیا جائے چنانچہ وہ رات کا انتظار کرنے لگے شام تک عنبر
کنوئیں کے اندر شور مچاتا رہا جب کسی نے اسکی آواز نہ سنی تو کوئی اس

اس کی مدد کو نہ آیا تو وہ خاموش ہو گیا ہر طرف خاموشی چھا جانے کے
بعد ساتوں غلام عنبر کو ہلاک کرنے کی نیت سے کنوئیں کے قریب آئے
اور انہوں نے عنبر کو آواز دی۔

عنبر! ہماری بات غور سے سنو۔! کیا تم سن رہے ہو۔؟ عنبر نے کنوئیں
میں سے جواب دیا۔

ہاں سن رہا ہوں۔

غلام بولا۔

ہم ایک صورت میں تمہاری جان بخشی کر سکتے ہیں کہ تم یہاں سے نکل
کر کسی دوسرے ملک میں چلے جاؤ کیا تم اس پر تیار ہو؟ اگر تم تیار ہو تو
ہم ابھی تمہیں اندھے کنوئیں سے نکال باہر کریں گے عنبر نے پوچھا۔

کیا میری انگوٹھی تم مجھے واپس کر دو گے؟ ہیرا بے شک اپنے پاس رکھو
کیونکہ انگوٹھی میری مرحوم ماں کی نشانی ہے۔

غلام نے کہا۔

ہم تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دیں گے۔

عنبر نے کہا۔

پھر مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے میں اس شہر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

غلام بڑے خوش ہوئے کہ عنبر بغیر لڑائی جھگڑا کئے اور شور مچائے کوئیں سے باہر نکل کر انکے ساتھ چل پڑے گا۔ ان کی سازش یہ تھی کہ باغ والی کوٹھڑی میں عنبر کو لے جا کر اسے کلہاڑے مار کر قتل کر دیا جائے اور اس کی لاش کے ٹکڑے باغ میں دفن کر دیئے جائیں۔

انہوں نے عنبر کو رسی ڈال کر کنوئیں سے باہر نکالا اور یہ کہہ کر کوٹھڑی کی طرف لے گئے کہ اس کی انگوٹھی اندر دفن کی ہوئی ہے کوٹھڑی کے اندر آتے ہی غلاموں نے عنبر کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے پتھر کے

ستون کے ساتھ باندھ دیا عنبر اب اس قابل بھی نہیں تھا کہ وہ آواز ہی نکال سکے۔

غلاموں نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے اندر موم بتی کی دھیمی سی روشنی کر دی، دو غلام کلہاڑے لے کر عنبر کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے وہ اپنے سردار غلام کے حکم کا انتظار کر رہے تھے عنبر نے محسوس کیا کہ غلام خود اپنے جال میں پھنس رہے ہیں وہ خاموش ہو کر سب کچھ دیکھ رہا تھا سردار غلام نے کہا۔

عنبر تمہارا ہیرا اور انگوٹھی اس قدر قیمتی ہیں کہ ہم تمہیں مجبوراً قتل کر رہے ہیں بس اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ تا کہ تمہیں موت کی زیادہ تکلیف نہ ہو۔

اس کے ساتھ ہی سردار غلام نے دونوں غلاموں کو اشارہ کر دیا سردار کا اشارہ پاتے ہی دونوں غلاموں نے بیک وقت عنبر کی گردن پر

کلہاڑوں کا وار کیا کلہاڑیاں جب عنبر کی گردن پر پڑیں تو ایسی آوازیں
آئیں جیسے وہ پتھروں پر لگی ہوں اور ان کے ساتھ ہی کلہاڑیوں کے
پھل دو ٹکڑے ہو کر پرے جا پڑے۔ غلام اور سردار نے حیراتی سے عنبر
کی گردن کو دیکھا وہاں ایک خراش تک نہ آئی تھی اس نے زمین پر سے
کلہاڑیوں کے پھل کے ٹکڑے اٹھا کر بھی غور سے دیکھے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو گیا۔

سردار تے غلاموں کو حکم دیا کہ عنبر کو کلہاڑوں کی جگہ خنجروں سے ہلاک
کیا جائے غلاموں نے خنجر نکال لئے اور عنبر کی طرف دوڑے دونوں
غلاموں نے ایک ہی وقت میں عنبر کے سینے میں خنجر اتار دیئے اس
دفعہ بھی وہی ہوا جو ہونا تھا۔

خنجر عنبر کے سینے میں اترے ہوئے ہیں اور وہ بڑے سکون کے ساتھ
مسکرا رہا تھا اور غلاموں کی طرف دیکھ رہا ہے۔

اس نے کہا۔

تم اگر ساری عمر بھی میرے سینے پر خنجروں سے وار کرتے رہو تو تم بوڑھے ہو کر مر جاؤ گے میں نہیں مرسکوں گا یہ ایک ایسی طاقت میرے پاس ہے کہ میں تمھیں بتانا نہیں چاہتا تھا مگر تم نے خود ہی راز پر سے پردہ ہٹا دیا۔

غلاموں نے دیکھا کہ عنبر کا کہنا بالکل سچ تھا خنجر جہاں جہاں لگے تھے وہاں سے ایک قطرہ خون کا بھی نہیں بہا تھا اور زخم خود بخود آپس میں مل رہے تھے جیسے عنبر کا جسم ربڑ کا ہو سردار نے آگے بڑھ کر عنبر کے آگے ہاتھ جوڑے اور دوزانو بیٹھ کر بولا۔

مجھے معاف کر دو عنبر۔ تم دیوتاؤں کے دیوتا ہو عنبر۔ مجھ سے بھول ہو گئی

سردار اور غلاموں نے فوراً عنبر کی رسیاں کھول دیں اور قیمتی ہیرا اور انگوٹھی دونوں چیزیں واپس کر دیں عنبر نے فوراً انہیں کپڑے میں

لپیٹ کر اپنے جسم کے گرد باندھ لیا اور کہا۔

ایک بات کا مجھ سے وعدہ کرو کہ تم لوگ اس کے بارے میں مالک یا اس کی بیٹی سے کوئی بات نہیں کرو گے۔

سب غلاموں نے کہا۔

ہم کسی سے کوئی یات نہیں کریں گے۔

عنبر نے کہا۔

یاد رکھو! اگر کسی نے اس واقعے کے بارے میں مالک یا اس کی بیٹی کو کچھ بتایا تو میں اسے اپنی طاقت سے اسی وقت سزا دوں گا۔

غلام ڈر گئے اور انہوں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

اب تم ہی ہمارے مالک ہو، ہم کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے۔

عنبر غلاموں کی طرف سے مطمئن ہو گیا اب اس کی سب سے بڑی پریشانی تھی کہ کسی طرح اپنے پرانے دوست ناگ پھنی اور نیلی

آنکھوں والی لڑکی کا سراغ لگایا جائے پہلے وہ روزانہ صبح سے شام تک کام کرتا تھا لیکن اب سارے غلام اس سے ڈرنے لگے تھے چنانچہ وہ اپنا کام بھی ان سے لیتا خود بڑے مزے سے انجیر کے درخت تلے لکڑی کے تخت پوش پر لیٹا غور کرتا رہتا کہ شام کو اپنے حصے کا کیا ہوا کام لے جا کر مالک کو دکھا دیتا مالک اس پر بڑا خوش تھا عنبر کی نیکی اور اچھی گفتگو سے ماریا بھی بڑی متاثر ہوئی تھی انہوں نے عنبر کو باغ سے ہٹا کر اپنی حویلی میں بلا لیا۔

اب اس کا کام حویلی میں کام کی نگرانی کرنا تھا اس کو اب اتنی فرصت بھی مل جاتی کہ وہ شہر میں چل پھر کر سیر کر لیتا وہ ہر روز شہر کی کارواں سراؤں میں جاتا اور جا کر لوگوں کو غور سے دیکھتا کہ کہیں اس کا دوست تو شہر میں نہیں آ گیا اسی طرح وہ ایگنیں کے بارے میں بھی عورتوں سے پوچھ گچھ کرتا رہا مگر اسے کامیابی نصیب نہ ہوئی کرنا خدا کا کیا ہوا

کہ ایک روز وہ سدوم شہر کی بڑی منڈی میں ماریا کے لئے گرم مصالحے خریدنے آیا ہوا تھا کہ اس کی نظر ایک پالکی پر پڑی جس پر ریشمی پردے گرے تھے اور جسے چار عورتوں نے اٹھا رکھا تھا عنبر نے غور سے دیکھا تو خوشی سے پاگل ہو گیا، ان چار عورتوں میں سے ایک عورت نیلی آنکھوں والی ایگنیں تھی وہ لپک کر ایگنیں کے پاس آیا اور بولا۔

ایگنیں تم کہاں؟

ایگنیں نے بھی عنبر کو پہچان لیا۔ وہ بھی اس سے باتیں کرنے لگی اتنے میں غلاموں نے دیکھ لیا انہوں نے ہنٹر مار کر عنبر کو وہاں سے بھگا دیا، عنبر پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا پالکی ایک طرف رکھ دی گئی اس میں وہی سنگدل عورت دلائیلہ سوار تھی ریشمی کپڑے خریدنے کے بعد دلائیلہ پالکی میں سوار واپس چل پڑی۔

عنبر نے اس کا تعاقب شروع کر دیا پالکی ٹھیکیدار کی حویلی میں داخل ہو
گئی عنبر بھی اس کے پیچھے پیچھے داخل ہو گیا اب اس نے اپنی طاقت
آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا اپنے لئے نہیں لیکن ایک معصوم اور بے گناہ
لڑکی کے لئے وہ اپنی طاقت ضرور آزمانا چاہتا تھا حویلی میں داخل
ہوتے ہی غلاموں نے اسے گرفتار کر لیا اور مارتے مارتے دلائیلہ کے
پاس لے گئے دلائیلہ نے کڑک کر کہا۔

او کمینے غلام تیری اتنی جرات ہو گئی کہ تو ہماری حویلی کے اندر اجازت
کے بغیر داخل ہو جائے؟ بتا تو ادھر کیا کرنے آیا تھا؟

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ اپنی بہن اگنیس کے لئے آیا ہے اور اسے رہا
کرا کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے یہ سن کر تو دلائیلہ کا پارہ ایک دم
بڑھ گیا اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس بدزبان اور گستاخ غلام کی
گردن اتار دی جائے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

کمینی عورت تو میری گردن کیا اتارے گی اپنے انجام کے لئے تیار ہو
جاؤ۔

یہ جملہ ایک بم کی طرح پھٹا اگنیس نے بھی سر پکڑ لیا وہ سمجھ گئی کہ اب
ان دونوں کی خیر نہیں ہے دلائیلہ نے گالی سنی تو اس کا رنگ پہلے سرخ
اور پھر سیاہ ہو گیا وہ غصے میں کانپنے لگی اس نے تلوار غلام کے ہاتھ سے
چھین کر عنبر پر حملہ کر دیا تلوار کا وار عنبر کے بازو پر پڑا اور تلوار جیسے پتھر
سے ٹکرا کر ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی دلائیلہ کبھی تلوار کے ٹکڑوں کو اور کبھی
عنبر کے بازو کی طرف دیکھتی اس نے دوسری تلوار لے کر دوسری بار عنبر
کی گردن پر زور سے وار کیا اس دفعہ بھی وہی ہوا تلوار جیسے پتھر سے
ٹکرائی چھن کی آواز پیدا ہوئی اور تلوار کے دو ٹکڑے ہو گئے اب تو
دلائیلہ پریشان ہو گئی عنبر نے ہنس کر کہا۔

مکار ظالم عورت! اب میرا وار سہنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

غلاموں نے عنبر کو چاروں طرف سے پکڑ کر رسیوں میں جکڑ دیا اب طاقت آزمانے کا وقت آگیا تھا عنبر نے کپڑوں کے اندر ہی اندر اپنی انگوٹھی کو ہاتھ لگایا اور پھر رسیوں کو چھوا اور وہ اپنے آپ کھل کر فرش پر گر پڑیں عنبر نے تلوار اٹھا کر دلائیلہ کی گردن پر رکھ دی اور کہا۔

بول ان غلاموں کو آزاد کرتی ہے یا تلوار سے اپنی گردان کٹوانا چاہتی ہے۔

دلائیلہ نے کانپتے ہوئے کہا۔

یہ میرے آقا کے غلام ہیں۔ میں خود غلام کنیز ہوں۔

مگر تو ان پر ظلم کرتی رہی ہے مجھے معاف کر دو۔

اس دوران میں دو غلاموں نے تلواریں کھینچ لیں اور عنبر پر ٹوٹ پڑے بے وقوفوں کو یہ خیال بھی نہ رہا کہ عنبر ان کو آزاد کرانے کے لئے وہاں

آیا ہے لیکن اپنے ظالم مالک کے ساتھ ان کو ایسی محبت تھی کہ عنبر پر ہی حملہ کر دیا مگر عنبر اس وقت اپنی پوری طاقت میں تھا غلاموں نے تلواروں سے وار کیے تو عنبر نے انہیں اپنی تلوار پر روک لیا اور دوسرا وار کیا تو دونوں غلام زمین پر تڑپ رہے تھے باقی غلام ہاتھ باندھ کر عنبر کے سامنے کھڑے تھے۔

ہمیں معاف کر دو مقدس انسان ہمیں معاف کر دو۔

عنبر نے انہیں تو کچھ نہ کہا اس نے دلائیلہ کے سر کے سارے بال مونڈ کر رکھ دیئے اور گال پر تلوار کا ایک لمبا زخم کر دیا۔

یہ اس لئے لگا رہا ہوں کہ تمہیں احساس ہو کہ جب تم غریبوں کو مارتی تھیں تو ان پر کیا گزرتی تھی آؤ اگینیں بہن میرے ساتھ آؤ۔

عنبر نے اگینیں کو ساتھ لیا اور ٹھیکے دار کی حویلی سے باہر کی طرف چل پڑا۔ سامنے سے ٹھیکے دار مالک چلا آرہا تھا اس نے دیکھا کہ ایک

غلام قسم کا نوجوان اس کی سب سے مہنگی کنیز کو لئے جا رہا ہے اس نے
عنبر کو وہیں روک لیا اور پوچھا۔
تم کون ہو اور میری کنیز کو کہاں لے جا رہے ہو؟ عنبر نے کہا وہ اسے
آزاد کروا کر اپنے ساتھ لئے جا رہا ہے۔
ٹھیکے دار مالک نے تلوار کھینچ لی۔
تم میری لاش پر سے گزر کر اسے لے جاؤ گے۔ عنبر نے بھی تلوار نکال
لی اور کہا۔
پھر ٹھیک ہے تمہاری لاش پر سے گزر کر ہی اسے لے جاؤں گا۔
دونوں کی باقاعدہ حویلی کے اندر لڑائی شروع ہو گئی تھوڑی دیر کی لڑائی
کے بعد ہی عنبر نے ٹھیکے دار کو ایک بھرپور تلوار کا ہاتھ مارا اور وہ شدید
زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ عنبر نے کہا۔
کیا اب بھی تم میرے راستے میں رکاوٹ بنو گے۔

مالک بے ہوش ہو چکا تھا عنبر نے ایگنیس کو ساتھ لیا اور حویلی سے نکل کر
شہر کی مختلف گلیوں میں سے ہوتا ہوا اپنے یہودی مالک کی حویلی میں آ
گیا۔ ماریا کو اس نے بتایا کہ ایگنیس اس کی بہن ہے اور اسے وہ آزاد
کروا کر لا رہا ہے۔ ماریا نے حیرانی سے پوچھا۔
کیا تمہارے پاس اتنی رقم تھی کہ تم اپنی بہن کو آزاد کروا سکو۔
عنبر نے کہا۔
میرے پاس رقم نہیں تھی لیکن طاقت بہت تھی میری طاقت کے آگے
وہ نہ ٹھہر سکے اور میں اپنی بہن کو وہاں سے نکال لایا۔
ماریا نے ایگنیس کو بھی اپنے ہاں رکھ لیا وہ اس سے صرف اتنا کام لیتی
کہ صبح کو اس کے بچوں کو باغ میں سیر کرانے جاتی۔
عنبر نے بے فکر ہو کر اب اپنی توجہ اپنے جگری دوست ناگ پھنی کی
تلاش کی طرف کر دی۔

ناگ کا انتقام

ناگ پھنی سانپ کے روپ میں مرتبان میں بند پڑا تھا۔
اس پر پجاری کی چھڑکی ہوئی دوائی نے بے ہوشی طاری کر رکھی تھی اور مرتبان زمین کے اندر دفن تھا مندر کا پجاری ناگ پھنی کی طرف سے مطمئن ہو کر مندر میں اپنا حکم چلا رہا تھا وہ اپنی طرف سے ناگ پھنی کو اپنی کوٹھڑی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر بیٹھا تھا اور اگر اتفاق سے ایک رات مندر کے اندر ڈاکو داخل نہ ہوتے تو ناگ پھنی واقعی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زمین کے اندر دفن ہو چکا تھا وہی ڈاکو جنہوں نے عنبر اور اگینیں کو اغوا کرنے کے بعد سدوم کی منڈی میں لے جا کر فروخت

کر دیا تھا مندر میں ڈاکہ ڈالنے کے لئے ایک رات داخل ہوئے۔
انہیں خبر ملی تھی کہ ناگن دیوی کے مندر کے اندر لاکھوں اشرفیوں کا سونا چاندی اور ہیرے جواہرات ہیں جو اس کے بڑے پجاری نے خفیہ جگہ پر چھپا رکھے ہیں چنانچہ انہوں نے مندر پر ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنایا اور ایک رات جب کہ سارے پجاری مندر میں ناگن دیوی کی پوجا میں لگے ہوئے تھے ڈاکو مندر کی پچھلی دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے وہ بڑی خاموشی سے مندر کے ایک پچھلے کمرے میں آ گئے یہاں ایک جگہ زمین کھود کر انہیں کچھ ہیرے اور جواہرات ملے مگر انہیں شک ہوا کہ اصل خزانہ بڑے پجاری نے ضرور اپنی کوٹھڑی میں چھپا رکھا ہو گا چنانچہ سردار اپنے ساتھیوں کو لے کر بڑے پجاری کی کوٹھڑی کا دروازہ توڑ کر اندر آ گیا کوٹھڑی خالی پڑی تھی پجاری دیوی کی پوجا پاٹھ میں لگا ہوا تھا ڈاکوؤں نے ساری چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا مگر

انہیں کسی جگہ بھی کوئی دولت ہاتھ نہ لگی۔ اچانک انہیں ایک جگہ سے
زمین ابھری ہوئی نظر آئی سردار نے حکم دیا کہ یہاں سے زمین کھودی
جائے ڈاکوؤں نے زمین کھودنی شروع کردی کافی زمین کھودنے
کے بعد انہیں ایک مرتبان دکھائی دیا جس کا منہ بند تھا ٹھیک اس وقت
جب ڈاکو مرتبان نکال رہے تھے باہر لوگوں کے چلنے پھرنے کی آواز
سنائی دی سردار نے اشارہ کیا اور جلدی میں مرتبان کو اٹھا کر باہر نکل
آئے۔

مندر سے باہر آکر انہوں نے رات کے اندھیرے میں مرتبان کو
کھولنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور گھوڑوں پر سوار ہو کر پہاڑیوں میں
اس جگہ پہنچ گئے جہاں ان کا غار تھا، ان کا خیال تھا کہ اس مرتبان میں
سونا اور جواہرات ہوں گے ڈاکوؤں کے سردار نے غار میں آتے ہی
حکم دیا کہ مرتبان اس کے سامنے کھولا جائے فوراً مرتبان لاکر سردار

کے سامنے رکھ دیا گیا ایک ڈاکو نے خنجر سے اس کے منہ سے کپڑا اکھاڑا
اور اس کے اندر جھانک کر دیکھا اسے اندر کچھ بھی نظر نہ آیا۔ سردار نے
کہا۔

اسے الٹ دو جو کچھ ہوگا باہر آجائے گا۔ ڈاکو نے مرتبان الٹ دیا
مرتبان کا الٹا جانا تھا کہ بے ہوش ناگ پھنی سانپ مرتبان سے نکل کر
زمین پر گر پڑا۔ سردار کو بے حد غصہ آیا کہ اتنی محنت سے اس نے زمین
کھودی اور اس میں سے مرا ہوا سانپ نکلا۔ اس نے غصے میں سانپ
کو اٹھا کر غار میں دور پھینک دیا اور گرج کر بولا۔

ابھی جا کر پجاری کو پکڑ کر یہاں لاؤ میں اپنے ہاتھ سے اس کی کھال
کھینچنا چاہتا ہوں۔

چار خونخوار ڈاکو اسی وقت اٹھ کر مندر کی طرف دوڑ پڑے کسی کو اغوا کرنا
یا قتل کر دینا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا مندر میں ناگن دیوی

کی پوجا کے بعد مکار پجاری ابھی ابھی اپنی کوٹھڑی میں آیا تھا۔

اور کپڑے بدل کر سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک چاروں ڈاکو
دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے اور پجاری کی چیخ نکلنے سے پہلے ہی
انہوں نے اس کے سر پر اس قدر زور سے ہنٹر مارا کہ بے ہوش ہو کر گر
پڑا۔ انہوں نے اسے اٹھا کر گھوڑے پر ڈالا اور لے کر سردار کے پاس
غار میں آ گئے صبح تک مکار پجاری بے ہوش پڑا رہا۔

دوپہر کے وقت اسے ہوش آیا تو ڈاکوؤں کے سردار نے خنجر کی نوک
اس کے سینے پر رکھ کر کہا۔

کمینے! بتا مندر کا سونا چاندی اور جواہرات کہاں ہیں۔؟

پجاری نے کانپتے ہوئے کہا۔

حضور سارے جواہرات اور سونا ناگن دیوی کے اندر ہے۔

پجاری کو معلوم تھا کہ کوئی بھی ڈاکو خواہ وہ کس قدر پر

سخت دل کیوں نہ ہو ناگن دیوی کا بت توڑ کر خزانہ چرانے کی جرائت
کبھی نہیں کر سکتا سردار نے اس کے سر پر گھونسہ مار کر کہا۔

بد بخت اگر یہ بات تھی تو تو نے اپنی کوٹھڑی میں مرتبان کس لئے دفن کیا
تھا۔

بڑے پجاری نے چونک کر پوچھا۔

کیا تم لوگ وہ مرتبان نکال لائے ہو۔؟

ہاں ہم نے وہ مرتبان کھود کر نکالا اور جب کھولا تو اس میں سوائے
مرے ہوئے سانپ کے اور کچھ بھی نہیں تھا کمینے تو نے مرا ہوا سانپ
اس میں کیوں ڈال رکھا تھا۔؟

مکار پجاری کو تو پسینہ آ گیا، اب اسے اپنی پڑ گئی تھی اس نے پوچھا۔

خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ وہ مرا ہوا سانپ کہاں ہے۔

سردار نے مکار پجاری کے سر پر جوتا مار کر کہا بکواس بند کرو سانپ کے

بچے! یہ بتاؤ کہ دولت مندر میں کہاں چھپا رکھی ہے۔؟

پجاری نے گڑگڑا کر کہا۔

ناگن دیوی کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ ساری دولت ناگن دیوی کے
بت کے اندر چھپی ہوئی ہے۔

سردار نے پوچھا۔

کیا تمہاری کوٹھڑی میں سوائے اس ذلیل مرتبان کے اور کچھ نہیں تھا۔

حضور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری کوٹھڑی میں کچھ بھی نہیں چھپا ہوا
بس یہی ایک مرتبان تھا جس میں سانپ رکھا تھا۔

سردار نے غضب ناک ہو کر کہا۔

اس موٹے پجاری کو پہاڑ کے اوپر سے دریا میں گرا دو

پجاری رونے لگا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

میرے حال پر رحم کرو میری جان بخشی کر دو۔ میں بے قصور ہوں۔

میرے پاس جو کچھ ہے لے لو میری جان بخش دو۔

پھر تم ناگن دیوی کا سارا خزانہ لا کر ہمیں دے دو ہم تمہیں نہیں ماریں
گے۔

پجاری نے گڑگڑا کر کہا۔

حضور۔ ناگن دیوی مجھے ہلاک کر دے گی۔

تو ہلاک تو ہم بھی تمہیں کر دیں گے اب تم پسند کر لو کہ ہمارے ہاتھوں
مرو گے یا ناگن دیوی کے ہاتھوں۔

مجھ پر رحم کرو مجھ پر رحم کرو۔

سردار نے حکم دیا کہ پجاری کی جب تک ہوش ٹھکانے نہیں آ جاتے
اسے غار کے ایک اندھیرے تہہ خانے میں قید کر دیا جائے ڈاکو
پجاری کو اٹھا کر تہہ خانے میں لے کر چلے گئے۔

سانپ کو ڈاکوؤں کے سردار نے ہاتھ سے جھٹک کر غار کے جس

علاقے میں پھینک دیا تھا وہاں زمین میں گندھک بہت تھی اس نے
سانپ کو مردہ سمجھا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ناگ بے ہوش تھا پجاری
نے جس دوائی کو سانپ پر چھڑک کر بے ہوش کیا تھا اس کا توڑ ہی
گندھک تھی یعنی اگر سانپ کو کسی طرح گندھک سونگھا دی جاتی تو وہ
ہوش میں آجاتا۔ اب وہ اتفاق سے گراہی گندھک کے ڈھیلوں پر تھا
اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سانپ کے نتھنوں میں گندھک کی گیس گھسنے لگی اس
کی وجہ سے اسے ہوش آنا شروع ہو گیا مگر اسے ہوش بڑی آہستہ آہستہ
آرہا تھا جس وقت ڈاکوؤں نے مکار پجاری کو تہہ خانے میں لے جا
کر پھینکا اس وقت سانپ کو پوری طرح ہوش آچکا تھا اب اس نے
اپنے دماغ پر زور دے کر سوچنا شروع کر دیا کہ اسکے ساتھ کیا واقعہ ہوا
تھا اسے سب کچھ یاد آ گیا کہ وہ کس طرح مندر کی کوٹھڑی میں اپنے
دوست کے پاس سو رہا تھا کہ مندر کا بڑا پجاری اندر داخل ہوا اور اس

نے اس پر سانپ کی جون میں آتے ہی بے ہوشی کی دوا چھڑک دی۔
سانپ یعنی ناگ پھنی کو حیرانی اس بات پر ہوئی کہ اس غار میں اسے
اسی پجاری کی بو آرہی تھی اس کا دل انتقام سے پھڑکنے لگا وہ مکار
پجاری کی بو پر رینگنے لگا اس وقت ڈاکو غار کے ایک کونے میں بیٹھے
دولت آپس میں تقسیم کر رہے تھے سانپ ہولے ہولے رینگتا پجاری
کی بو پر آگے بڑھتا چلا گیا وہ غار کے ایک تنگ سے راستے پر آ گیا یہ
راستہ ایک ڈھلان کی شکل میں نیچے چلا گیا تھا پجاری کی بو برابر آرہی
تھی سانپ اور آگے نکل گیا اب بو تیز ہو گئی تھی سانپ نے رک کر بو کو
سونگھا شرقی سمت سے بو بڑی تیز آرہی تھی اسی بو کے پیچھے پیچھے چلتا
ہوا سانپ اس تہہ خانے کے باہر آ گیا جہاں پجاری قید تھا۔
سانپ نے دیکھا کہ تہہ خانے کا دروازہ بند تھا وہ دروازے پر اوپر
چڑھ گیا کافی اوپر جا کر ایک چھوٹا سوراخ تھا جو اندر ہوا پہنچانے کے

لئے رکھا گیا تھا سانپ اس سوراخ میں سے گزر کر تہہ خانے کی دیوار
پر پہنچ گیا اندھیرے میں اس کی سرخ آنکھوں نے مکار پجاری کو
پہچان لیا وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سر کو پکڑے ہوئے بیٹھا تھا۔
سانپ دیوار پر سے اتر کر نیچے آ گیا فرش گیلا تھا سانپ اس پر سے ہوتا
ہوا پجاری کے بالکل سامنے آ کر ایک دم پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا پجاری
نے اپنے سامنے ایک فٹ کے فاصلے پر سیاہ کالے ناگ کو پھن پھیلا
کر کھڑا دیکھ لیا۔

پجاری نے اپنے سامنے ایک فٹ کے فاصلے پر سیاہ کالے ناگن کو
پھن پھیلائے جھومتے ہوئے دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔

اس نے چیخ مارنی چاہی مگر آواز اس کے حلق میں بند ہو کر رہ گئی ناگ
پھنی نے انسانی آواز میں کہا۔

سن رے بد دیانت پجاری تو نے مجھے اپنی طرف سے ہلاک کر دیا تھا

مگر میری قسمت اچھی تھی کہ میں بچ گیا اب تو اپنے کیے کی سزا
بھگت۔

اتنا کہہ کر سانپ نے پجاری کی گردن پر ڈس دیا پجاری نے سانپ کی
گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی۔ مگر اس کے ہاتھوں میں اب جان
باقی نہیں رہی تھی اس کے ہاتھ سن ہو کر ٹھنڈے ہو گئے تھے زہر نے اپنا
کام بڑی تیزی سے کرنا شروع کر دیا تھا پجاری کی آنکھوں میں موت
کی تاریکی چھا گئی اور وہ مردہ ہو کر تہہ خانے کی گیلی زمین پر گر پڑا
سانپ اپنا کام کرنے کے بعد وہاں سے رینگتا ہوا باہر نکل آیا اب وہ
تہہ خانے سے باہر غار کی ڈھلان پر سے گزر رہا تھا۔

جب وہ اوپر آیا تو اس نے دیکھا کہ ڈاکوؤں کا سردار اپنے دو ساتھیوں
کے ہمراہ بیٹھا سونے کی اشرفیوں کو تھیلے میں بھر رہا تھا سانپ خاموشی
سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگا تا کہ وہ دوبارہ انسانی شکل میں آ

کر اپنے دوست عنبر کو جا کر مل سکے ڈاکوؤں کے سردار کو کچھ کہنے کا اس
کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ بڑی خاموشی سے دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا
ہوا غار سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا کہ اچانک ایک ڈاکو کی اس
پر نظر پڑ گئی اس نے شور مچا دیا۔ سانپ۔ سانپ۔

دونوں ڈاکو اچھل کر پرے ہٹ گئے اب ہر کوئی سانپ کا خواہ مخواہ
دشمن بن بیٹھا تھا حالانکہ سانپ نے انہیں کچھ بھی نہیں کہا تھا ہر ایک کی
یہی کوشش تھی کہ وہ سانپ کو پہلے ہلاک کر دے یہ سانپ کی زندگی اور
موت کا سوال تھا اگر وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہیں کرتا ہے تو مارا جاتا
ہے سانپ بھی ایک دم چوکس ہو گیا ایک ڈاکو اندھیرے میں اسے
تلاش کر رہا تھا کہ سانپ نے پیچھے سے آ کر چپکے سے اس کے پاؤں
پر ڈس دیا ڈاکو چیخ مار کر گر پڑا زہر اس کے جسم میں ضرورت سے زیادہ
داخل کر دیا گیا تھا دوسرا ڈاکو آگے بڑھا تو سانپ نے اسے بھی ڈسا

اور وہ بھی چیخ مار کر گر پڑا دونوں نے دیکھتے دیکھتے دم توڑ دیا اب وہاں
صرف ایک ڈاکوؤں کا سردار رہ گیا تھا وہ بجائے اس کے کہ غار سے
باہر نکل کر بھاگ جائے وہیں اندھیرے میں تلواریں چلاتے لگا
سانپ ایک طرف پتھروں کے نیچے چھپ گیا تھا اور ڈاکوؤں کے
سردار کی ساری افراتفری اور پریشانی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

ڈاکو سردار قدم قدم پھونک پھونک کر اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا سانپ
اپنی جگہ پر چھپا رہا تھا وہ اس انتظار میں تھا کہ کب ڈاکو اس کے قریب
سے گزرتا ہے اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار بھی جس کا ایک ہی وار سانپ
کو دو ٹکڑے کر سکتا تھا اب ڈاکو سانپ سے دس بارہ قدم کے فاصلے پر
تھا وہ اسی کی طرف آ رہا تھا مگر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اس کی موت
پتھروں کے پیچھے بیٹھی ہے جب وہ قریب سے گزرنے لگا تو سانپ
نے بجلی ایسی پھرتی کے ساتھ ڈاکو کی ٹانگ پر ڈس دیا۔

ڈاکوؤں کے سردار نے پوری طاقت سے پتھر پر تلوار ماری پتھر دو
ٹکڑے ہو گیا مگر سانپ عقل مندی سے کام لیتے ہوئے وہاں سے
کھسک گیا تھا اگر وہ اس جگہ موجود رہتا تو تلوار پتھر کو توڑ کر اس کے جسم
کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ڈاکو سردار نے دوسری بار تلوار اٹھائی تو اس
کے ہاتھ لرزنے لگے تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی
سانپ نے سامنے آ کر پھونک ماری اور انسانی شکل میں آ گیا اسے
انسان کا روپ بدلتے دیکھ کر ڈاکو کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اس
کے حلق سے چیخ نکلنے والی تھی مگر زہر نے اس کا گلا بند کر دیا تھا وہ لڑکھڑا
کر گرا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔

ناگ پھنی غار سے باہر نکل آیا۔

باہر ڈاکوؤں کے گھوڑے ٹیلے کے دامن میں بندھے ہوئے تھے اس
نے ایک گھوڑا کھولا اور اس پر سوار ہوا اسے ایڑ لگا کر شہر سدوم کی طرف

روانہ ہو گیا یہ وہی صحرا تھا جہاں سے کچھ روز پہلے وہ اپنے دوست کے
ساتھ گزرا تھا صحرا میں سورج نکل آیا تھا اور ہر طرف سنہری دھوپ
پھیل رہی تھی ناگ پھنی دھوپ تیز ہونے سے پہلے پہلے صحرا میں
زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کرنا چاہتا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ ابھی ایک رات کے بعد اگلے دن صبح کو وہ دریائے
اردن کے کنارے آباد شہر سدوم میں پہنچے گا اس نے اپنا سفر جاری رکھا
دوپہر کے وقت جب دھوپ تیز ہو گئی تو وہ ایک جگہ درختوں کے
سائے میں آرام کرنے کے لئے رک گیا شام تک وہ اس جگہ دھوپ
سے بچ کر بیٹھا آرام کرتا رہا شام سے پہلے جب دھوپ نے ڈھلنا
شروع کر دیا اور صحرا میں ریت کے ٹیلوں کے سائے لمبے ہو گئے تو وہ
اٹھا گھوڑے پر سوار ہوا اور سدوم کے شہر کو چل نکلا۔

آدھی رات تک وہ ستاروں کی روشنی میں سفر کرتا رہا آدھی رات کے

بعد اسے قطبی ستارہ دکھائی دیا جو بادلوں کے ایک ٹکڑے میں چھپا ہوا تھا اس ستارے کی نشانی پا کر ناگ پھنی کا سفر آسان ہو گیا اور وہ بغیر رکے ساری رات چلتا رہا صبح کی نیلی نیلی روشنی مشرق میں آسمان پر پھیلنے لگی ناگ پھنی سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ سورج کے طلوع ہوتے ہی اسے سدوم شہر کے آثار نظر آ جانے چاہئیں تھے تھوڑی دیر بعد دور آسمان پر سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی شہر کی دیوار کی سیاہ لکیر نظر آنا شروع ہو گئی۔

ناگ پھنی بے حد خوش ہوا وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا اور صحرا میں بھٹکنے سے محفوظ رہا تھا ورنہ اگر وہ صحرا میں بھٹک کر راستہ بھول جاتا تو پھر اسے کوئی دنیاوی طاقت سیدھا راستہ نہیں دکھا سکتی تھی اب وہ شہر کے جنوبی دروازے کی طرف سفر کرنے لگا کیونکہ اسی دروازے سے دونوں دوست شہر کے اندر داخل ہو کر ایک مندر میں ٹھہرے تھے عنبر کو

وہ مندر ابھی اچھی طرح یاد تھا سورج پوری طرح نکل آیا تھا اور اس کی دھوپ پھیل چکی تھی کہ ناگ پھنی شہر میں داخل ہو گیا۔

شہر میں اس روز کی طرح بڑی رونق اور چہل پہل تھی ملک ملک کے لوگ چل پھر رہے تھے دکانوں پر خرید و فروخت ہو رہی تھی چوک میں لوگ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور پھل وغیرہ خرید رہے تھے مزدور کندھوں پر سامان اٹھائے لئے جا رہے تھے امیر لوگ پالکیوں میں سوار وہاں سے گزر رہے تھے ناگ پھنی بڑی خاموشی سے گھوڑے پر سوار اس مندر کی طرف آ گیا جہاں کچھ عرصہ پہلے وہ اپنے دوست عنبر کے ساتھ ایک کوٹھڑی میں مسافر بن کر اترا تھا۔

خونی کلہاڑا

یہودی کی لڑکی ماریا کو عنبر پر شک ہو گیا تھا۔

اس کو پہلے روز ہی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب و غریب چمک نظر آ
گئی تھی وہ محسوس کرنے لگی تھی کہ اس غلام میں کوئی خاص بات ضرور
ہے یہ خاص بات کیا تھی؟ یہی ماریا کو معلوم نہ تھی اب جب اس نے
بتایا کہ ایگنیس کو اس نے دشمنوں سے رہا کرالیا ہے حالانکہ اس کے
پاس ایسا کوئی وسیلہ نہیں تھا تو پھر اس کے پاس ایسی کون سی طاقت تھی؟
وہ کس طاقت کا ذکر کر رہا تھا ماریا ایک روز اپنے باغ کے غلاموں کو
دیکھنے کے لئے باغ میں آ گئی۔

اس نے بہانہ بنایا کہ وہ غلاموں کے کام کا جائزہ لینے آئی ہے مگر اصل
میں وہ عنبر کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی ماریا
اچانک ہی باغ میں آ گئی اس نے دیکھا کہ عنبر تو بڑے آرام سے انگور
کی بیلوں کی چھاؤں میں لیٹا ہوا ہے اور دوسرے غلام اس کا کام کر
رہے ہیں ماریا نے عنبر کو تو کچھ نہ کہا وہ سیدھی ایک غلام کے پاس آ گئی
اس نے غلام سے پوچھا۔

کیا عنبر کام نہیں کرتا؟ کیا وہ بیمار ہے۔؟

غلام نے سر جھکا کر ادب سے کہا۔

مالکن۔ یہ شخص دیوتاؤں کی طاقت لے کر پیدا ہوا ہے اس کو کام کرنے
کی ضرورت نہیں دیوتا ہی جانتے ہیں کہ وہ یہاں کیوں بیٹھا ہے وہ
جب چاہے نہ صرف خود آزاد ہو سکتا ہے بلکہ ہم کو بھی آزاد کرا سکتا ہے
کیا تم اس کا کام بھی کر رہے ہو۔؟

ہاں مالکن! ہم عنبر کا کام بھی کر رہے ہیں۔

ماریا نے پوچھا۔

تم کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ شخص دیوتاؤں کی طاقت رکھتا ہے۔؟

غلام نے کہا۔

ہماری اس سے کسی بات پر لڑائی ہو گئی ہم نے اسے ہلاک کر دینا چاہا ہم نے اس کے سینے میں کتنے ہی خنجر گھونپے مگر اس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا وہ اسی طرح مسکراتا رہا اور زندہ رہا کیا یہ بات کسی عام انسان میں پیدا ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں؟

ماریا وہاں سے چلی گئی وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی اس کی بات اور وہم سچ ثابت ہو گیا تھا عنبر غلام ایک غیر معمولی طاقت کا انسان تھا ضرور اسے دیوتاؤں کی مدد حاصل تھی ماریا نے عنبر غلام کی طاقت کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا مگر گھر جا کر اس نے سوچا کہ وہ کیا کرے کہ عنبر کی خفیہ

طاقت اس کے سامنے آجائے؟

وہ ان ہی خیالات میں تھی کہ شام ہو گئی اور باہر گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دینے لگی ماریا کا باپ کمرے سے نکل کر صحن میں آ گیا ماریا بھی کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگی باہر سدوم کے رومن بادشاہ ہیروڈ کے سپاہی زرہ بکتر پہنے کھڑے تھے انہوں نے ماریا کے باپ کو پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ دیا اور کہا۔

تمہیں بغاوت کے جرم میں بادشاہ ہیروڈ کے حکم پر گرفتار کیا جاتا ہے تمہاری بیٹی کہاں ہے؟ ہم اس کو بھی گرفتار کرنے آئے ہیں۔

ماریا کی تو جان ہی نکل گئی وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی بھاگ کر کہاں جائے کہ دروازہ دھڑاک سے کھول کر سپاہی اندر آ گئے اور ماریا کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے اس وقت سوائے ایک بوڑھی کنیز کے وہاں کوئی بھی نہیں تھا سپاہیوں نے ماریا اور اس کے باپ کو گھوڑوں پر

ڈال دیا اور لے کر وہاں سے چلے گئے کنیز روتی رہ گئی تھوڑی دیر بعد
عنبر اور دوسرے غلام وہاں آئے تو انہیں صورت حال کی خبر ہوئی عنبر
بڑا حیران ہوا کہ ہیروڈ کے سپاہیوں نے اس نیک دل بوڑھے اور ماریا
کو کس لئے گرفتار کیا بوڑھی کنیز نے بتایا کہ دریائے اردن کے
کنارے ایک بزرگ یوحنا ظلم اور بادشاہ کی بے انصافیوں کے خلاف
لوگوں میں وعظ کرتا ہے ماریا کا باپ پرسوں وعظ سننے گیا تھا بس یہی
اس کا جرم تھا۔ عنبر نے پوچھا۔

کیا یہی وہ بزرگ ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر کہتا۔

ہاں لوگ اس کا وعظ سنتے ہیں اور اس کا مذہب قبول کر رہے ہیں۔

کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔؟

ہاں میں نے اسے دیکھا ہے اس کی صورت بڑی معصوم ہے اس کے
بال سنہری اور آنکھیں نیلی ہیں اس کے چہرے پر جلال ہے اس کی

آواز میں طاقت ہے اس کی باتوں میں سچائی ہے وہ لوگوں کو بادشاہ
ہیروڈ کے ظلم اور بے انصافیوں کے بارے میں بتاتا ہے اور رعایا کے
ساتھ بادشاہ کو بھی نیکی اور عدل کی تعلیم دیتا ہے۔

عنبر سمجھ گیا کہ جس بزرگ سے ملنے کی آرزو لے کر وہ اس شہر میں آیا تھا
یوحنا ہی بزرگ ہے لیکن اس وقت ضرورت ماریا اور اس کے بوڑھے
باپ کو بچانے کی تھی کیونکہ بادشاہ ہیروڈ کے حکم سے ان دونوں کو ضرور
قتل کر دیا جانا تھا ماریا کے بچے اپنی ماں کے بغیر رو رہے تھے اور کنیز
انہیں چپ کرا رہی تھی ماریا اور اسکا باپ بے گناہ تھے ان کا قصور صرف
اتنا تھا کہ انہوں نے ایک نیک بزرگ کا واعظ سنا تھا بادشاہ ظالم تھا۔
اور اس نے شہر میں رعایا پر بڑے ظلم توڑے تھے عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ
وہ ماریا اور اس کے باپ کو ظالم بادشاہ ہیروڈ کے پنجے سے ضرور نجات
دلائے گا اور وہ انہیں مرنے نہیں دے گا وہ رات عنبر غور کرتا رہا کہ

دونوں باپ بیٹی کو کیسے بچائے آدھی رات کے بعد اس نے روح کی
دی ہوئی انگوٹھی نکال کر اسے چوما اور آنکھیں بند کر کے کنیز کارمیلا کی
روح کو آواز دی تھوڑی دیر کے بعد اسے روح کی آواز سنائی دی۔
میرے محسن۔! تم نے مجھے کس لئے یاد کیا؟ میں ہر خدمت کے لئے
حاضر ہوں کوئی تکلیف ہو مجھے بیان کرو اگر مجھ سے ہو سکا تو میں ضرور
تمہاری مدد کروں گی۔
عنبر نے ساری بات کھول کر روح کو بیان کر دی روح خاموشی سے عنبر
کی باتیں سنتی رہی جب عنبر اپنی بات ختم کر چکا تو اس نے کہا۔
میرے محسن! میں تمہاری ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہوں کیونکہ میں جانتی
ہوں کہ ماریا اور اس کو بوڑھا باپ بے گناہ ہیں یوحنا بزرگ خدا کا نبی
ہے وہ سچا ہے اس کی باتیں سچی ہیں بادشاہ ظالم ہے اور اس کا انجام
برا ہوگا ماریا اور اس کے باپ نے یوحنا بزرگ کا وعظ سن کر گناہ نہیں کیا

بلکہ ثواب کمایا ہے۔
عنبر نے کہا۔
مجھے یہ بتاؤ کہ دونوں باپ بیٹی کس حال میں ہیں؟
روح نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا سنو۔
عنبر اس وقت ان دونوں باپ بیٹی کو قتل گاہ میں قتل کرنے کی تیاریاں
ہو رہی ہیں۔
عنبر نے کہا۔
خدا کے لئے مجھے ان کے پاس لے چلو میں انہیں ہر قیمت پر بچانا
چاہتا ہوں۔
مگر تم وہاں جا کر کیا کرو گے۔
ان کی مدد کروں گا۔
جیسے تمہاری مرضی مگر تمہیں میرے مشورے پر عمل کرنا ہوگا تم اکیلے

نہیں قتل ہونے سے انہیں بچا سکتے۔

مجھے منظور ہے تم جیسا کہو گی اسی طرح ہوگا۔

پھر آؤ میرے ساتھ.............. اپنی آنکھیں بند کرلو۔

عنبر نے آنکھیں بند کرلیں اسے ایسے لگا جیسے وہ سمندر کی لہروں پر سفر کر رہا ہو تھوڑی دیر بعد اسے روح کی آواز سنائی دی۔

آنکھیں کھول دو عنبر۔

عنبر نے آنکھیں کھولیں تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ بادشاہ ہیروڈ کے شاہی محل کی قتل گاہ میں کھڑا ہے قتل گاہ کا کپتان اپنے دوسرے جلادوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہے سامنے ایک ستون کے ساتھ ماریا اور اسکا بوڑھا باپ زنجیروں سے بندھے ہوئے ہیں ایک جلاد نے زمین پر ایک لکڑی کا بڑا سا ٹکڑا لاکر رکھ دیا کپتان نے حکم دیا کہ سب سے پہلے ماریا کو لایا جائے ایک سپاہی آگے بڑھا اور ماریا کی زنجیر

کھول کر اسے لکڑی کے کنڈے کے پاس لے آیا۔ اور بولا۔

اپنی گردن لکڑی کے اوپر رکھ دو۔

ماریا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے مگر وہ بڑے صبر سے کام لے رہی تھی اسکا بوڑھا باپ بھی اپنی بیٹی کی حالت زار پر خون کے آنسو بہا رہا تھا مگر وہ مجبور تھا وہ جابر بادشاہ کے سپاہیوں کے آگے انگلی بھی نہ ہلا سکتے تھے عنبر اگرچہ کپتان کی کرسی کے پاس کھڑا تھا مگر وہ کسی کو بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا پہلے تو وہ گھبرایا کہ کہیں دکھائی تو نہیں دے رہا تھا پہلے تو وہ گھبرایا کہ کہیں لوگ اسے دیکھ کر پکڑ نہ لیں مگر روح نے اسے کہا۔

گھبراؤ نہیں عنبر میں نے تم پر ایسا جادو کردیا ہے کہ تم سب کو دیکھ سکو گے مگر تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا اس قتل گاہ میں کسی کو معلوم نہیں کہ تم یہاں موجود ہو۔

اتنے میں ماریا کو لکڑی کے اوپر سر رکھنے کے بعد جکڑ دیا گیا جلاد اس
کے پیچھے کھڑا ہو گیا اب وہ کپتان کے اشارے کا انتظار تھا کہ اشارہ
ملے اور وہ کلہاڑا مار کر ماریا کا تن سر سے جدا کر دے عنبر وہاں سے ہٹا
اور چپکے سے جلاد کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا جلاد کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ
کوئی اس کے پیچھے بھی کھڑا ہے کسی کو بھی عنبر کے بارے میں پتہ نہ چل
سکا اس لئے کہ لوگوں کے لئے تو وہ غائب ہو چکا تھا۔

ایک سپاہی نے آ کر بادشاہ ہیروڈ کا حکم پڑھ کر سنایا جس میں لکھا تھا کہ
ماریا اور اس کے باپ کو اس لئے قتل کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے باغی
نبی یوحنا کا وعظ سنا ہے جو بادشاہ کے خلاف ہے لہذا بادشاہ کے حکم سے
بغاوت کے جرم میں انہیں قتل کیا جاتا ہے۔

حکم سنانے کے بعد کپتان نے اشارہ کیا جلاد نے کلہاڑا اوپر اٹھایا ماریا
کے بوڑھے باپ کی چیخ نکل گئی لیکن وہاں ایک عجیب بات ہو گئی

جونہی جلاد نے سر قلم کرنے کے لئے کلہاڑا اوپر اٹھایا عنبر نے پیچھے سے
کلہاڑا پکڑ کر زور سے کھینچ لیا جلاد لڑکھڑا کر دور جا گرا عنبر نے وہی
کلہاڑا جلاد کے بازو پر دے مارا جلاد کا بازو کٹ کر دور جا گرا، کپتان
اور سپاہی حیرت سے اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ انہوں نے صرف ایک
کلہاڑے کو فضا میں اپنے آپ بلند ہو کر جلاد کا بازو کاٹتے اور پھر ایک
طرف گرتے دیکھا تھا ماریا اور اس کا باپ بھی حیران ہو کر رہ گئے تھے
انہوں نے سمجھا کہ یوحنا بزرگ ان کی مدد کو آ گیا ہے کپتان نے آگے
بڑھ کر کلہاڑی اپنے ہاتھوں میں پکڑ لی اور گرج کر کہا۔

دیکھتا ہوں کون سی آسمانی طاقت ان کو بچاتی ہے اس کے ساتھ ہی
کپتان نے کلہاڑی اٹھا کر ماریا کی گردن پر مارنی چاہی عنبر نے پیچھے
سے کپتان کی کمر میں اس زور سے لات ماری کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا
گر گیا کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس کے منہ سے خون

بہنے لگا عنبر نے کلہاڑی اٹھا کر کپتان کے سر پر اس زور سے ماری کہ اسکا سر دو ٹکڑے ہو گیا اور وہ مر گیا یہ دیکھ کر سپاہیوں نے ماریا اور اس کے باپ کو پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے قید خانے میں ڈال دیا۔

سپاہی بھاگے بھاگے بادشاہ ہیروڈ کے دربار میں پہنچے اور انہوں نے اسے یہ ساری خبر سنائی بادشاہ اس وقت بڑے مزے سے دیوان پر بیٹھا شطرنج کھیل رہا تھا جب اسے کپتان کے قتل کا سارا واقعہ سنایا گیا تو وہ غصے میں آ کر کھڑا ہو گیا وہ اس سے پہلے بھی یوحنا بزرگ کے سخت خلاف تھا کیونکہ یوحنا شہر میں اس کے خلاف وعظ کر کے نفرت پھیلا رہا تھا اس نے کہا

ماریا اور اس کے باپ کو قید میں ڈال دو اور یوحنا نبی کو فوراً گرفتار کر کے میرے دربار میں پیش کرو۔

سپاہی اسی وقت دریائے اردن کے کنارے نکل گئے جہاں یوحنا نبی

وعظ کرتا تھا۔

دوسرے سپاہیوں نے ماریا اور اس کے باپ کو ایک زبردست قید خانے میں ڈال کر باہر کڑا پہرہ لگا دیا عنبر اس وقت بھی وہاں موجود تھا مگر اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ وہ غائب تھا سپاہی جب دونوں باپ بیٹی کو قید میں ڈال کر چلے گئے تو عنبر ان کے سامنے ظاہر ہو گیا ماریا اور بوڑھا اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

عنبر تم کہاں۔؟

ماریا کو چونکہ عنبر کی چھپی ہوئی طاقت کا علم تھا اس لئے اسے حیرانی تو نہ ہوئی لیکن اس نے عنبر کا بے حد شکر ادا کیا کہ اس کی وجہ سے ان کی جان بچ گئی عنبر نے کہا۔

یہ میری طاقت کی وجہ سے نہیں ہوا ماریا! بلکہ یوحنا نبی بزرگ کی دعاؤں کا اثر ہے مجھے یہ طاقت اسی بزرگ نے عطا کی ہے تاکہ میں

اس سے محبت کرنے والوں کو بادشاہ کے ظلم کا شکار ہونے بچا سکوں۔

ماریا کے باپ نے پوچھا۔

لیکن بیٹا عنبر! اب تم ہمیں کس طرح بچا سکو گے بادشاہ نے ہمیں قید میں ڈال دیا ہے ہم یہاں ساری عمر قید میں رہ کر آہستہ آہستہ مر جائیں گے۔

آپ فکر نہ کریں اسکا بھی بندوبست ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر عنبر دوبارہ غائب ہو گیا۔

غائب ہو کر وہ قید خانے سے باہر آ گیا اور برآمدے میں ادھر اُدھر پہرہ دیتے سپاہیوں کو غور سے دیکھنے لگا اس نے یہ ترکیب کی کہ باہر جا کر جیل خانے کے ایک حصے کو آگ لگا دی آگ کا لگنا تھا کہ اس طرف کے سارے سپاہی اور پہرے دار آگ بجھانے کے لئے دوسری جانب بھاگے قید خانے کا دروازہ لوہے کے مضبوط تالے سے

بند تھا عنبر فوراً ایک رومی سپاہی کا بھیس بدل کر سامنے آ گیا اس نے قید خانے کے دروازے کا تالہ توڑ دیا۔

جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل چلیں۔

ماریا اور اس کا باپ وہاں سے نکل کر عنبر کے پیچھے پیچھے چل پڑے عنبر ان دونوں کو لے محل کے بڑے کمرے سے گزر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے اسے روک کر پوچھا۔

ان قیدیوں کو کہاں لئے جا رہے ہو۔؟

عنبر نے کہا۔

ادھر آگ لگ گئی ہے کپتان کے حکم سے ان قیدیوں کو دوسری جیل میں لے جا رہا ہوں وہ سپاہی مطمئن ہو گیا عنبر ان دونوں باپ بیٹی کو لے کر شاہی محل سے باہر آ گیا وہاں انہیں ایک رتھ کھڑا مل گیا عنبر نے ان کو تو رتھ میں بٹھایا اور خود اسے چلاتا ہوا محل کے باغ سے باہر نکل کر

ماریا کے گھر کی طرف گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے شہر کے مختلف
بازاروں کے چکر کاٹ کر ان کا رتھ ماریا کی حویلی کے باغ میں آ کر
رک گیا انہیں اندر لے جا کر عنبر نے کہا۔

حویلی کے تہہ خانے میں چھپ جائیں جب تک میں واپس نہ آؤں
وہاں سے ہرگز باہر نہ نکلیں۔

ماریا اپنے بچوں کو گلے لگا کر باپ کے ساتھ حویلی کے تہہ خانے میں آ
گئی یہ تہہ خانہ ایک خفیہ جگہ پر تھا اور اگر اس کا دروازہ بند کر دیا جائے تو
کسی کو پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ وہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے یہاں زندگی
کی ضروریات کی ساری چیزیں موجود تھیں انسان اگر سال بھر بھی
وہاں رہنا چاہے تو باہر نکلے بغیر رہ سکتا تھا۔

عنبر رتھ پر سوار ہو کر واپس محل کے جانب چلا گیا۔

نبی کی کرامت

شاہی محل میں جا کر عنبر نے رتھ چھوڑ دیا۔

وہ باغ میں سے ہو کر ایک ویران کنوئیں کے پاس پہنچا اور اس نے
کارمیلا کی روح کو بلا کر کہا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے
اور اس نے بے گناہ باپ بیٹی کو ظالم بادشاہ ہیروڈ کے ظلم سے بچا لیا
ہے کارمیلا کی روح نے عنبر سے کہا۔

تم نے ایک اچھا کام کیا ہے آسمان پر خدا تم سے خوش ہوگا ظالم کو اس
کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔

عنبر نے روح سے پوچھا۔

اے نیک روح مجھے یہ بتاؤ کہ میرا جگری دوست ناگ اس وقت کہاں

ہے وہ مجھ سے بچھڑ گیا ہے اور میں اس کی تلاش میں ایک عرصے سے پریشان ہوں۔

روح نے کہا۔

تمہارا دوست ناگ پھنی اس وقت ناگن دیوی کے مندر میں ہے تم وہاں جا کر اس سے ملاقات کر سکتے ہو وہ بھی تمہاری تلاش میں پریشان ہے۔تمہارا شکریہ کارمیلا! خدا حافظ!

خدا حافظ!

کارمیلا کی روح چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی عنبر اپنی اصل شکل میں آ گیا شاہی محل سے نکل کر وہ سیدھا ناگن دیوی کے مندر کی طرف چل پڑا اب ذرا اس کے جگری دوست ناگ کا حال بھی سنیئے۔جس وقت وہ مندر کے دروازے پر پہنچا تو چھوڑے پجاری نے اسے دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور کہا کہ مندر میں بھکاریوں کے لئے کوئی جگہ نہیں اس

لئے وہ وہاں سے بھاگ جائے ناگ پھنی کو بڑا غصہ آیا کہ اس پجاری کو کسی نے اخلاق سے بات کرنا بھی نہیں سکھایا اس نے سوچا کہ پجاری کو تھوڑا سا سبق سکھانا چاہیے بڑے پجاری کی موت کی خبر ابھی مندر میں نہیں پہنچی تھی ان لوگوں کو صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ ڈاکو بڑے پجاری کو لوٹ کر اپنے ساتھ اغوا کر کے لے گئے ہیں۔

ناگ نے چھوٹے پجاری سے کہا۔

مندر کے پجاری میں بھکاری نہیں ہوں میں ایک امیر سوداگر کا بیٹا ہوں اور مندر میں قربانی دینے کے خیال سے آیا ہوں۔

اس پر تو پجاری بہت خوش ہوا اور لگا اس کی خوشامدیں کرنے کیوں کہ جب امیر لوگ مندر میں قربانی دینے آتے تھے تو پجاریوں میں سونے کی اشرفیاں بھی تقسیم کرتے تھے۔

لیکن میں دو روز اس مندر میں ٹھہر کر اپنے والد کا انتظار کروں گا جو

قربانی کے دنبے اور بیل لے کر یہاں پرسوں پہنچے گے۔

پجاری نے خوش ہو کر کہا۔

ضرور ٹھہریں۔ جناب۔ یہ مندر سارے کا سارا آپ ہی کا ہے چاہے جتنی دیر ٹھہریں۔

ناگ نے مندر کی ایک کوٹھڑی میں بستہ لگالیا اسی روز وہ ناگن دیوی کے چبوترے کے آگے کھڑا اسے تعجب سے دیکھ رہا تھا کہ اچانک چھوٹا پجاری اندر داخل ہوا اس نے ذرا غصے اور ناراضگی سے کہا۔

تم ناگن دیوی کے بت کے آگے کیا کر رہے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں کوئی شخص بھی بغیر قربانی دیئے نہیں آ سکتا؟

ناگ نے کہا۔

میں دیوی کے درشن کرنے آیا ہوں۔

پجاری نے غصے سے کہا۔

ابھی تم درشن نہیں کر سکتے، پہلے قربانی کرو ہمیں سونے کی اشرفیاں لا کر دو پھر تمہیں دیوی کے درشن کی اجازت ملے گی۔

اتنے میں ناگن دیوی کے بت میں حرکت پیدا ہوئی اور آواز آئی۔

اے بدتمیز پجاری! میں ناگن دیوی بول رہی ہوں میری بات کو غور سے سن جس شخص کے ساتھ تو بدتمیزی کر رہا ہے وہ دیوتاؤں کا بیٹا ناگ شہزادہ ہے دیوتاؤں نے اسے خاص طور پر ہمارے پاس بھیجا ہے۔ ہمیں اس کی تلاش تھی اس کے پاؤں میں گر کر معافی مانگ کیونکہ آج سے یہ اس مندر کا بڑا پجاری ہے۔

یہ سن کر پجاری تو تھر تھر کانپنے لگا وہ ناگ پھنی کے قدموں میں گر پڑا۔

اے دیوتاؤں کے فرزند! مجھے معاف کر دو میرا قصور معاف کر دو تو آج سے اس مندر کا بڑا پجاری ہے اور میں تمہارا نوکر ہوں۔

ناگ پھنی نے بھی ناگن دیوی کی آواز سن لی تھی اسے بڑا پجاری بننے

میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اسے اپنے دوست عنبر کی تلاش تھی۔ لیکن یہاں
اسے زبردستی بڑا پجاری بنایا جا رہا تھا اس نے سوچا چلو پجاری بن
جانے میں کیا حرج ہے شاید اسی طرح اسے اپنے دوست کو تلاش
کرنے میں آسانی ہو، چنانچہ اسی روز سے وہ مندر کا بڑا پجاری بن
گیا۔

اسے مندر کا پروہت بنے دوسرا تیسرا روز جا رہا تھا کہ تیسرے پہر عنبر
اس کی تلاش میں مندر میں داخل ہوا عنبر سیدھا اس کوٹھڑی میں آیا
جہاں وہ دونوں ایک دفعہ آ کر ٹھہرے تھے یہاں اسے ایک نوکر ملا۔

اس نے اسے ناگ پھنی کا حلیہ بتا کر اس کے بارے میں پوچھا۔

نوکر نے کہا وہ پجاری سے بات کرے۔

عنبر چھوٹے پجاری کے پاس آ گیا، چھوٹے پجاری نے کہا۔

اس مندر میں صرف ایک مسافر آیا تھا جو اس وقت مندر کا سب سے

بڑا پجاری بن کر بیٹھ گیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

کیا میں بڑے پجاری سے مل سکتا ہوں۔

اس وقت وہ ناگن دیوی کی پوجا کر رہا ہے تم اسے کل مل سکو گے۔

عنبر بولا۔

کیا میں دور کھڑے ہو کر اس کی ایک جھلک دیکھ سکتا ہوں۔

میرے ساتھ آؤ۔

پجاری عنبر کو ساتھ لے کر ناگن دیوی کے بت کے پاس آ گیا یہاں
ناگ پھنی بڑے پجاری کے لباس میں آنکھیں بند کیے بیٹھا عبادت کر
رہا تھا۔

عنبر نے اسے صاف پہچان لیا تھا وہ اس کا جگری دوست ناگ پھنی تھا
عنبر ایک طرف کھڑا انتظار کرنے لگا ناگ کب عبادت ختم کرتا ہے کافی

دیر بعد ناگ نے عبادت ختم کر کے سر اوپر اٹھایا طشت میں سے سفید پھولوں کے ہار اٹھا کر ناگن دیوی کے آگے رکھے اور اٹھ کر واپس چل پڑا جب وہ عنبر کے قریب سے گزرا تو اس کی اس پر نظر پڑی بس پھر کیا تھا دونوں دوست بازو پھیلا کر ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے رہے پھر ناگ پھنی عنبر کو اپنے ساتھ کوٹھڑی میں لے آیا اور اس نے سارے واقعات اسے شروع سے اخیر تک سنائے جب اس نے عنبر کو ڈاکوؤں کے سردار کے ہلاک ہونے کے بارے میں بتایا تو عنبر بولا۔

پیارے دوست! تم نے اس سنگدل قاتل ڈاکو کو ہلاک کر کے میرے دل کی آرزو پوری کر دی۔

یہی وہ ڈاکو تھا جس نے سینکڑوں عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر فروخت کر ڈالا تھا۔

پیارے عنبر! اب یہ بتاؤ کہ جس کام کو دل میں لے کر ہم اس شہر میں

آئے تھے وہ کب کرنا ہے یعنی یوحنا بزرگ سے ملاقات۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ ہیروڈ نے اس کے وعظ سننے کی منادی کر دی ہے کیونکہ بزرگ یوحنا اس کے ظلم کی ناؤ ڈبونے کی فکر میں ہے۔

بہر حال ہم یوحنا نبی کے حضور میں ضرور چلیں گے۔

ضرور۔

انہوں نے اگلے روز یوحنا بزرگ سے ملنے کا عہد کیا اور سو گئے۔

دوسری طرف ایسا ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے سپاہی یوحنا نبی اور ماریا اور اس کے باپ کو گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے یہ چھاپے انہوں نے راتوں رات مارے ماریا کی حویلی میں پہنچ کر انہوں نے ہر شے کو توڑ پھوڑ دیا غلاموں کو کنیزوں کو مار مار کر گھر سے نکال دیا مگر ہر ایک نے یہی کہا کہ کسی کو کوئی خبر نہیں کہ باپ بیٹی کہاں ہیں۔ تہہ خانے میں

دیر بعد ناگ نے عبادت ختم کر کے سر اوپر اٹھایا طشت میں سے سفید
پھولوں کے ہار اٹھا کر ناگن دیوی کے آگے رکھے اور اٹھ کر واپس چل
پڑا جب وہ عنبر کے قریب سے گزرا تو اس کی اس پر نظر پڑی بس پھر کیا
تھا دونوں دوست بازو پھیلا کر ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے
رہے پھر ناگ پھنی عنبر کو اپنے ساتھ کوٹھڑی میں لے آیا اور اس نے
سارے واقعات اسے شروع سے اخیر تک سنائے جب اس نے عنبر کو
ڈاکوؤں کے سردار کے ہلاک ہونے کے بارے میں بتایا تو عنبر بولا۔

پیارے دوست! تم نے اس سنگدل قاتل ڈاکو کو ہلاک کر کے میرے
دل کی آرزو پوری کر دی۔

یہی وہ ڈاکو تھا جس نے سینکڑوں عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر فروخت
کر ڈالا تھا۔

پیارے عنبر! اب یہ بتاؤ کہ جس کام کو دل میں لے کر ہم اس شہر میں

آئے تھے وہ کب کرنا ہے یعنی یوحنا بزرگ سے ملاقات۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ ہیروڈ نے اس کے وعظ سننے کی منادی کر دی ہے کیونکہ بزرگ
یوحنا اس کے ظلم کی ناؤ ڈبونے کی فکر میں ہے۔

بہر حال ہم یوحنا نبی کے حضور میں ضرور چلیں گے۔

ضرور۔

انہوں نے اگلے روز یوحنا بزرگ سے ملنے کا عہد کیا اور سو گئے۔

دوسری طرف ایسا ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے سپاہی یوحنا نبی اور ماریا اور
اس کے باپ کو گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے یہ چھاپے انہوں
نے راتوں رات مارے ماریا کی حویلی میں پہنچ کر انہوں نے ہر شے کو
توڑ پھوڑ دیا غلاموں کو کنیزوں کو مار مار کر گھر سے نکال دیا مگر ہر ایک نے
یہی کہا کہ کسی کو کوئی خبر نہیں کہ باپ بیٹی کہاں ہیں۔ تہہ خانے میں

ایگنیں ان کی پوری پوری خبر گیری کررہی تھی سپاہی ہر شے کی تلاشی لینے کے بعد ناکام ہوکر دریائے اردن کی یوحنا نبی کو گرفتار کرنے کے لئے چل پڑے۔

دریا کے کنارے آدھی رات کے بعد ستارے چمک رہے تھے۔

دریا کا پانی خاموشی سے بہہ رہا تھا ایک جگہ دریا کنارے کچھ لوگ ریت پر لیٹے سو رہے تھے اور کچھ سر جھکائے بیٹھے تھے یوحنا بزرگ دریا کے پاس کھڑا کچھ لوگوں کے سر پر مقدس پانی کے چھینٹے مار کر انہیں وعظ سنا رہا تھا اتنے میں وہاں شور مچ گیا۔

ہیروڈ کے سپاہی آگئے.............

ریت پر لیٹے ہوئے آدمی ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھے اور بیٹھے ہوئے آدمیوں نے ڈر کے مارے ادھر اُدھر بھاگنا شروع کردیا سپاہیوں نے ہر طرف لوہے کے ہنٹر چلانے شروع کردیئے لوگ زخمی ہو ہو کر گرنے لگے

ایک افراتفری سی چاروں طرف مچ گئی اس طوفان میں اگر کوئی شخص خاموش اور پرسکون کھڑا تھا تو وہ یوحنا نبی تھا۔

اس کی نیلی آنکھوں میں ستاروں کی چمک تھی چہرے پر سورج کا جلال تھا اور وہ ایک چٹان کی طرح دریا کنارے کھڑا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا سردار نے کہا۔

گرفتار کرلو اسے۔

سپاہی یوحنا نبی کو گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے ذرا ہچکچائے نبی کا جلال ان کا راستہ روک رہا تھا یوحنا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اسکے مقدس چہرے پر مسکراہٹ تھی سپاہیوں کے سردار نے انہیں ڈانٹا تو انہوں نے آگے بڑھ کر یوحنا کو گرفتار کرلیا۔ یوحنا خاموشی سے مسکراتا رہا اور گرفتار ہو کر سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا۔

اسکے پیچھے لوگوں نے شور مچایا۔ ہیروڈ کے خلاف نعرے لگائے

سپاہیوں نے پیچھے مڑ کر ان پر تیروں کی ایک بوچھاڑ کر دی کچھ زخمی ہو
کر گرے اور باقی دریا کی طرف بھاگ گئے۔

سپاہیوں نے یوحنا کو لا کر قید خانے میں ڈال دیا یہ سب کچھ راتوں
رات ہو گیا دن چڑھنے میں ابھی ایک پہر تھا کہ عنبر اور ناگ دونوں
دوست نہا دھو کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور یوحنا نبی کی زیارت کرنے
دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ یوحنا نبی کو شاہ ہیروڈ کے سپاہی گرفتار
کر کے لے گئے ہیں انہیں سخت نا امیدی ہوئی انہوں نے سوچا کہ
اب کیا کرنا چاہیے۔

ناگ نے کہا کہ شاہ ہیروڈ یوحنا کو بغاوت کے الزام میں ضرور شیروں
کے آگے ڈال دے گا اس لئے ان کا فرض ہے کہ چل کر اسے قید سے
آزاد کرا لیا جائے عنبر نے اس تجویز کو پسند کیا اور وہاں سے دونوں

شاہی محل کی طرف چل پڑے شاہی محل کے باہر اس طرف بڑا سخت
پہرہ تھا جہاں یوحنا نبی کو قید کیا گیا تھا دونوں دوست ایک جگہ جھاڑیوں
میں چھپ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ کس طریقے سے قید خانے میں
جا کر یوحنا سے ملاقات کی جائے۔

سوائے اس کے کوئی ترکیب نہیں کہ میں تمہیں چڑیا بنا کر قید خانے کی
سلاخوں پر بٹھا دیتا ہوں وہاں سے تم انسان کے روپ میں یوحنا نبی
سے ملاقات کر لینا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ناگ پھنی نے عنبر کو ایک سرخ رنگ کی چڑیا میں تبدیل کر دیا چڑیا اڑ
کر قید خانے کے اندر جا پہنچی یوحنا بزرگ دیوار کی طرف منہ کئے
خدا کی عبادت کر رہا تھا اسکی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر نور ٹپک
رہا تھا کوٹھڑی کے اندر اور کوئی نہیں تھا۔ عنبر انسان کی شکل میں آ کر
قریب جا کر بولا۔

اے مقدس انسان ۔ میں آپ کو یہاں سے نکالنے کے لئے آیا ہوں میرے ساتھ یہاں سے نکل چلئے کیونکہ شاہ ہیروڈ کے حکم سے آپ کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

یوحنا بزرگ نے آنکھیں کھول کر پیچھے دیکھا اور پر جلال آواز میں کہا۔

اے نوجوان میں اگر تمہارے ساتھ باہر چلا جاؤں تو کیا تمہارا خیال ہے کہ میں ظلم کے خلاف آواز بلند کرنی بند کر دوں گا۔ ہرگز نہیں میں ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کرتا رہوں گا۔

شاہ ہیروڈ کے سپاہی مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے تم پھر مجھے یہاں سے نکال دو گے میں پھر ظلم کے خلاف بولوں گا اور سپاہی مجھے پھر گرفتار کر لیں گے تو اس کا تو کوئی انجام ہی نہ ہو گا پھر یہاں سے رہا ہونے کا کیا فائدہ ہے۔؟ تمہارا شکریہ مگر میں ظلم کی انتہا دیکھنا چاہتا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

مگر قاتل شہنشاہ کے سپاہی آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

میرا معاملہ میرے خدا کے ہاتھوں میں ہے کسی بادشاہ کے ہاتھوں میں نہیں ہے جو خدا کی مرضی ہو گی وہی ہو گا۔

عنبر وہاں سے واپس آ گیا اس نے ناگ پھنی کو بتایا کہ یوحنا بزرگ نے ساتھ آنے سے کس وجہ سے انکار کر دیا ہے ناگ پھنی بھی لاجواب ہو گیا کیونکہ یوحنا نبی کی باتیں بالکل ٹھیک تھیں۔ دوسرے روز شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ یوحنا بزرگ کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جائے گا جو لوگ یوحنا بزرگ کے خلاف تھے وہ بھاری تعداد میں اکھاڑے میں جمع ہو گئے عنبر نے ناگ سے کہا کہ اب یوحنا کو ہر حال میں بچانا چاہیے ناگ نے کہا میں وہاں موجود ہوں گا اگر شیروں نے نبی کو نقصان پہنچنے کی کوشش کی تو میں تمام شیروں کو ڈس کر ہلاک کر

دوں گا۔

ویسے میرا ایمان ہے کہ سچے نبی کو شیر کچھ نہیں کہا کرتے۔

عنبر نے کہا۔

بہر حال ہمیں یوحنا کی مدد کے لئے وہاں موجود ہونا چاہیے۔

اس روز اکھاڑا لوگوں کے ہجوم سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا بادشاہ خود اکھاڑے میں ملکہ کے ساتھ موجود تھا یوحنا کو زنجیروں میں جکڑ کر میدان میں لایا گیا وہاں یوحنا کے حامی بہت تھوڑے تھے اور وہ بے چارے سوائے چپکے چپکے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ بادشاہ کے اشارے پر یوحنا نبی کے میدان میں لاتے ہی بھوکے شیروں کو پنجروں سے نکال دیا گیا۔

ٹھیک اس وقت ناگ پھنی ایک زہریلے ناگ کے روپ میں یوحنا بزرگ کے پاس ریت کے اندر چھپا ہوا تھا۔ اور اس بات کا انتظار کر

رہا تھا کہ شیر یوحنا پر حملہ کریں تو وہ انہیں ڈس کر ہلاک کر دے عنبر نے انگوٹھی چوم کر کارمیلا کی روح سے مشورہ طلب کیا تھا جس نے سے کہا تھا کہ میں ایک معمولی روح ہوں یوحنا خدا کے برگزیدہ نبی ہیں میرا کیا مقام اور میری کیا جرائت کہ ان کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکوں، ہاں اتنا ضرور بتا دوں کہ خدا اپنے پیاروں کی خود ہی حفاظت کرتا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ بھوکے شیر دھاڑتے گرجتے پنجروں سے نکل کر میدان میں آئے اور یوحنا نبی کی طرف لپکے وہ کئی روز سے بھوکے تھے اور کسی انسان کو کھانے کے لئے بے تاب تھے ادھر یوحنا نبی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی آنکھوں میں جلال تھا پیشانی پر سورج کی چمک تھی وہ بڑے سکون اور وقار کے ساتھ میدان میں کھڑے تھے شیر دھاڑتے ہوئے آئے اور یوحنا نبی کو دیکھ کر یوں دبک کر ایک طرف بیٹھ گئے جیسے ڈر گئے ہوں وہ زمین پر اپنا سر رکھنے

لگے پھر چاروں شیر باری باری اٹھے یوحنا نبی کے پاس گئے سر جھکا کر ان کے پاؤں کو زبان سے چوما اور واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے یوحنا بزرگ نے شیروں کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ ایک شیر کے اوپر سوار ہو گئے اور انہوں نے میدان کا چکر لگایا اکھاڑے میں ایک شور مچ گیا لوگ یوحنا نبی کی کرامت سے متاثر ہو کر اس کے حق میں نعرے لگانے لگے بادشاہ نے حکمت اسی میں سمجھی کہ وہاں سے چلا جائے چنانچہ وہ چپکے سے کھسک گیا اور لوگ یوحنا نبی کے حق میں نعرے لگاتے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ روم کے لوگ ایسے ہی ہوا کرتے تھے۔

سلومی

عنبر اور ناگ مندر میں آ گئے۔

ناگ پھنی نے دوبارہ پجاری کا چولا پہن لیا اور عنبر ماریا اس کے باپ اور ایگنیس کا حال معلوم کرنے بوڑھے یہودی کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ وہاں ویرانی برس رہی تھی صحن میں ہر شے ٹوٹی پھوٹی پڑی تھی معلوم ہوا کہ ہیروڈ کے سپاہی ماریا اور اس کے باپ کو تلاش کرنے وہاں آئے تھے اور توڑ پھوڑ کر کے چلے گئے عنبر خفیہ راستے سے تہہ خانے میں آ گیا۔

ماریا اور اس کے باپ نے بے تابی سے پوچھا۔ کیا سپاہی چلے گئے۔
عنبر نے انہیں حوصلہ دیا مگر وہ دونوں بے حد پریشان تھے ایگنیس نے

مکڑے کا جال

شہزادی تھائیس کو عنبر نے کیسے ڈھونڈا اور مندر مندر کا پجاری نے لڑکیوں کی قربانی کی آڑ میں کیا کھیل کھیل رہا تھا۔ رقاصہ اس کی چنگل سے کیسے نکلی۔ اور عنبر نے لالچی پجاری کو سبق سکھانے کے لئے کیا کیا؟

عنبر کو بتایا کہ ماریا ساری رات روتی رہی ہے حقیقت بھی یہی تھی کہ دونوں باپ بیٹی بے حد ڈرے ہوئے تھے انہیں یقین تھا کہ وہ کسی وقت بھی پکڑے جائیں گے اور بادشاہ کے حکم سے ان کے سر تن سے جدا کر دیے جائیں گے غلام بھی موقع غنیمت جان کر جدھر منہ اٹھایا بھاگ گئے باغ اجاڑ ہو کر رہ گیا ایگنیس بھی اپنے باپ کے پاس جانے کو بے تاب تھی آخر عنبر نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں کو ایگنیس کے گاؤں میں پہنچا دیا جائے جب تک بادشاہ ہیرو ڈ کا تختہ الٹ نہیں جاتا یہ وہیں رہیں اس کے بعد واپس سدوم شہر آجائیں عنبر نے ماریا کے باپ سے مشورہ کیا تو اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

بیٹا! جس طرح بھی ہو سکے ہمیں یہاں سے نکال دو، میں اس ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا چاہتا ہوں اب میں یہاں نہیں رہوں گا

عنبر نے جب کہا کہ وہ ایگنیس کے ساتھ اس کے شہر چلے جائیں تو

بوڑھے نے کہا۔

ہرگز نہیں عنبر۔ میں اس سلطنت میں ہی نہیں رہوں گا وہاں بھی بادشاہ کے سپاہی مجھے گرفتار کر لیں گے۔

پھر آپ کہاں جانا چاہتے ہیں۔؟

اگر تم کسی طرح مجھے اور میری بیٹی کو ایران پہنچا دو تو میں تمہارا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ ایران کے ایک گاؤں میں میرا ایک بھانجا رہتا ہے اس کی وہاں زمین بھی ہے اور باغ بھی ہیں میں اپنی بیٹی کے ساتھ زندگی کے باقی دن ایران کے گاؤں میں بسر کرنا چاہتا ہوں جہاں مجھے شاہ ہیروڈ کے سپاہیوں کا خوف نہ ہو۔

بہت اچھا۔ میں آپ کو اور ماریا کو ایران پہنچانے کی پوری پوری کوشش کروں گا آپ کل سورج نکلنے سے پہلے تیار رہیں اور ہاں ایگنیس تم بھی تیار رہنا میں راستے میں تمہیں تمہارے باپ کے حوالے کرتا جاؤں

گا۔

بوڑھے باپ ماریا اور ایگنیس نے عنبر کے ہاتھوں کو چوم کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

عنبر وہاں سے نکل کر سیدھا مندر میں ناگ کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ وہ کل صبح ان لوگوں کو لے کر ایران کی طرف کوچ کرنا چاہتا ہے۔

ناگ نے اسے بتایا کہ وہ بھی اس کے ساتھ جائے گا اس کا اتنا لمبا سفر اکیلے کرنا مناسب نہیں ہے چنانچہ انہوں نے راتوں رات دو اونٹوں اور دو گھوڑوں کا بندوبست کر لیا طے یہ ہوا کہ صبح ہونے سے پہلے منہ اندھیرے ان لوگوں کو حویلی میں سے نکال کر مندر میں لایا جائے گا اور یہاں سے ان کا مختصر سا قافلہ ملک ایران کی طرف کوچ کر جائے گا رات تھوڑی دیر کے لئے عنبر اور ناگ سو گئے آدھی رات کو ان کی آنکھ کھل گئی۔

عنبر نے ناگ کو تیار کیا کہ اور خود ماریا اگینیں اور بوڑھے یہودی کو لینے
حویلی کی طرف چل پڑا۔ وہ لوگ پہلے ہی بیدار ہو کر بے چینی سے عنبر کا
انتظار کر رہے تھے عنبر نے ان سب کو معمولی سے لبادوں میں چھپایا اور
رات کے اندھیرے میں سدوم کی تاریک گلیوں میں سے گزرتے
ہوئے انہیں مندر کے باغ میں لے آیا یہاں وہ کھجوروں کے
اندھیرے جھنڈ میں رک گئے عنبر اندر گیا اور ناگ کو ساتھ لے آیا
انہوں نے راستے کی ضرورت کے لئے مختصر سا سامان جھولے میں بند
کر کے ایک اونٹ پر رکھ دیا تھا دونوں اونٹ اور دونوں گھوڑے باغ
کے کونے میں تیار کھڑے تھے ماریا اور اگینیں ایک اونٹ پر اور بوڑھا
یہودی دوسرے اونٹ پر سوار ہو گئے عنبر اور ناگ الگ الگ گھوڑوں پر
بیٹھ گئے ابھی صبح کی سپیدی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ یہ قافلہ چپ چاپ
شہر کے بازاروں میں سے گزرتا شہر سے باہر آ گیا۔

اب وہ کھیتوں میں سے گزر رہے تھے کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوا تو انجیر اور
انگوروں اور کھجوروں کے باغ شروع ہو گئے یہاں سے باہر نکلے تو
سامنے ریت کے اونچے نیچے ٹیلے ہی ٹیلے پھیلے ہوئے تھے کافی آگے
جا کر انہوں نے لکڑی کے ایک پل پر سے دریائے اردن کو عبور کیا اور
صحرا میں ملک ایران کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا جب صبح ہوئی تو وہ
شہر سدوم سے کافی دور نکل چکے تھے سورج کی روشنی میں سامنے ایک
صحرا پھیلا ہوا تھا عنبر اور اس کا دوست ان تمام راستوں کو جانتے تھے
جن پر قافلے سفر کیا کرتے تھے چنانچہ وہ دن کے وقت سورج کی روشنی
میں اور رات کے وقت قطبی ستارے کی مدد سے ایران کی طرف سفر
کرتے گئے۔

دن کے وقت دوپہر تک وہ سفر کرتے اور پھر اس کے بعد کوئی مناسب
اچھی سی جگہ دیکھ کر آرام کرتے جب دھوپ ڈھل جاتی تو دوبارہ

سفر شروع کر دیتے تیسرے روز وہ اس گاؤں میں پہنچ گئے جہاں ایگنیس کا باپ رہتا تھا ماریا ناگ اور بوڑھے یہودی کو گاؤں سے باہر ہی کھڑا کر کے عنبر ایگنیس کو لے کر اس کے گھر کی طرف چل دیا۔ باپ نے اپنی بچی کو زندہ سلامت دیکھ کر اسے سینے سے لگا لیا اور رو دیا ایگنیس نے عنبر کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور وعدہ لیا کہ وہ ایک اچھے بھائی کی طرح کبھی کبھی ان کے گھر آ کر ان سے ضرور ملتا رہے گا عنبر نے وعدہ کیا اور اجازت لی اور باہر نکل گیا۔

گاؤں سے باہر ناگ اس کا انتظار کر رہا تھا وہ بہت چوکس اور ہوشیار تھا کیونکہ شاہ ہیروڈ کی سلطنت کی حد ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کسی وقت بھی خطرہ تھا کہ رومن سپاہی آ کر انہیں گھیر لیتے اس لئے وہ بہت محتاط ہو کر سفر کر رہے تھے عنبر گھوڑے پر سوار ہوا اور یہ مختصر سا قافلہ ایک بار پھر سفر پر روانہ ہو گیا وہاں سے ایک رات اور دو دن کے سفر کے

بعد روم کی سلطنت کی حد ختم ہو گئی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی انہیں دو دن اور ایک رات خطرے میں رہ کر سفر کرنا تھا۔

ناگ نے عنبر کو کہہ دیا تھا کہ اگر رومن سپاہی آ گئے اور انہوں نے ان کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو وہ کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا اس خطرے سے بھرے ہوئے طویل سفر کے آخری دن شام ہو رہی تھی اور یہ لوگ رومیوں کی سرحد کو پار کرنے والے تھے کہ تین رومی سپاہیوں نے انہیں آ کر گھیر لیا۔ یہ سپاہی سرحد پر گشت کر رہے تھے انہیں شک ہوا کہ شاید یہ لوگ ڈاکو ہیں قریب آ کر ایک سپاہی نے ماریا کے باپ کو پہچان لیا وہ چلا اٹھا۔

ارے یہ تو وہی عورت اور بوڑھا ہے جس نے ہمارے کپتان کو ہلاک کیا ہے۔ جس کے لئے بادشاہ نے انہیں زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔

عنبر ماریا اور اس کا باپ گھبرا گئے ناگ چوکس کھڑا تھا اس کا کام
دکھانے کا وقت آ گیا تھا سپاہی ان کے قریب آئے اور انہوں نے
نیزے اٹھا لئے اس دوران ناگ چپکے سے دوسری طرف کی جھاڑیوں
میں کھسک گیا تھا جھاڑیوں میں اس نے پھنکار کر سانپ کا روپ بدلا
اور دوبارا اس جگہ آ گیا جہاں رومن سپاہی عنبر اور ماریا وغیرہ کو زنجیروں
میں جکڑ رہے تھے پہلے سپاہی نے کہا۔

وہ غلام کہاں چلا گیا جو ابھی یہاں کھڑا تھا؟ دوسرے سپاہی نے
کہا۔

وہ جہاں کہیں بھی جائے گا ہم اسے ضرور تلاش کر لیں گے۔

ناگ پھنی ٹھیک اس وقت ان کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا، سپاہی عنبر اور
اسکے ساتھیوں کو گھوڑے اور اونٹوں کی مہاریں تھام کر واپس لے
جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ناگ نے آن کی آن میں ان دونوں

سپاہیوں کو پنڈلیوں پر ڈس دیا سانپ خود بھاگ کر واپس جھاڑیوں
میں گھس گیا اور دونوں سپاہیوں کے تڑپنے کا تماشہ دیکھنے لگا۔ سانپ
کا زہر بڑا مہلک تھا ڈستے ہی سپاہیوں نے ارد گرد دیکھا انہیں سانپ
تو نظر نہ آیا ان کی پنڈلیوں سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے زہر
اپنا کام کر چکا تھا خون زہریلا ہو کر جم رہا تھا دیکھتے دیکھتے دونوں
سپاہی بے جان لاشیں بن کر زمین پر ڈھیر ہو گئے ماریا اور اس کا باپ
حیران تھا کہ یہ سانپ کدھر سے آ گیا ہے اور کدھر کو چلا گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ناگ پھنی مسکراتا ہوا جھاڑیوں سے نکل کر ان کے
سامنے آ گیا ماریا نے اس کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی سی سرخ
چمک دیکھی اس کے بعد یہ قافلہ اب رومیوں کی سرحد سے نکل کر
ایران کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا ساری رات سفر کرتے رہے اور
دن نکلنے سے ذرا پہلے ایران کے ملک میں داخل ہو گئے ماریا کا باپ

شاہ ہیروڈ کو پتہ چلا کہ سلومی اس کے محل میں آئی ہے تو وہ خود چل کر
اس سے ملنے گیا سلومی کو دیکھ کر بادشاہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ
اس کے ساتھ شادی کر لینی چاہیے تا کہ وہ اس کے محل سے کبھی واپس
نہ جا سکے مگر اس نے اپنے دل کا بھید کسی کو نہ دیا اس نے رات کو سلومی
کے لئے ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا اس دعوت میں شاہی محل
کے تمام شہزادے شہزادیاں فوج کے اعلیٰ افسر اور دوسرے درباری
شریک ہوئے دعوت آدھی رات تک جاری رہی۔

ایک موقع پر بادشاہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سلومی کو شاہی محل کے ایک
طرف مہندی کی جھاڑیوں کے قریب لے گیا پورا چاند آسمان پر نکلا ہوا
تھا بادشاہ سلومی سے باتیں کرنے لگا باتوں ہی باتوں میں اس نے
سلومی کو بتایا کہ وہ اپنی ملکہ سے تنگ آ چکا ہے کیونکہ وہ اس کے ساتھ
بہت لڑائی جھگڑا کرتی ہے اس کے حکم کو نہیں مانتی اور بچوں کے سامنے

اسے جھاڑتی اور ڈانٹ پلا دیتی ہے۔

سلومی ہنس پڑی اور بولی۔

آپ کیسے بادشاہ ہیں کہ ایک ملکہ کو بھی اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتے ؟
پھر آپ رعایا پر کیسے حکم چلاتے ہیں۔؟

بادشاہ نے کہا۔

سلومی یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے کہ میں لوگوں پر حکم چلاتا
ہوں مگر ملکہ پر حکم نہیں چلا سکتا سارے لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں
میرے حکم پر تھر تھر کانپتے ہے مگر ملکہ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا میں تو
اس سے تنگ آ کر یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں۔

سلومی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

سدوم کا بادشاہ ہیروڈ تو باقی دنیا میں ایک ظالم بادشاہ مشہور ہے لوگوں
کو اگر معلوم ہو جائے کہ وہ اپنی بیوی سے اس طرح ڈرتا ہے جس

طرح چوہا بلی سے ڈرتا ہے تو میرا خیال ہے وہ آپ کا حکم ماننے سے
انکار کردیں۔

بادشاہ نے سلومی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ایسا نہ کہو سلومی اگر کسی نے سن لیا تو میری بڑی بے عزتی ہوگی میں آج
تک صرف اپنی عزت کی وجہ سے خاموش ہوں وگرنہ اس ملکہ کی بچی کو
ایسا مزہ چکھاؤں کہ ساری عمر یاد کرتی رہے۔

آپ ملکہ کو اس کے ماں باپ کے گھر کیوں نہیں پہنچادیتے۔

بادشاہ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

سلومی اگر تم مجھ سے شادی کرنے کا وعدہ کرلو تو میں آج ہی ملکہ کو شاہی
محل سے نکال کر باہر پھینک دوں خدا کے لئے بولو کیا تمہیں یہ رشتہ
منظور ہے۔

سلومی قہقہے لگا کر ہنسنے لگی بادشاہ ہیروڈ اس کا منہ دیکھتا رہ گیا سلومی نے

کہا۔

اگر میں یہ بات ابھی جا کر ملکہ سے کہہ دوں تو آپ کیا کریں گے ملکہ تو
ساری بھری دعوت میں آپ کو مارنا شروع کردے گی کیا میں غلط کہہ
رہی ہوں۔

بادشاہ نے کہا۔

نہیں نہیں! خدا کے لئے ایسا نہ کرنا ایسا ظلم نہ کرنا، ملکہ بھری مجلس میں
میری بے عزتی کردے گی اور شریف آدمی کی ایک بار بے عزتی
ہوجائے تو پھر عزت واپس نہیں آتی خدا جانے طیش میں آکر پھر میں
بھی اسے قتل کر بیٹھوں ایسا ہرگز نہ کرنا تم مجھے یہ بتاؤ کیا تمہیں یہ بات
منظور ہے میں تمہیں اپنی ملکہ بنالوں گا تم سدوم شہر کی مالک ہوگی
سلطنت کا سارا کام تمہارے سپرد ہوگا تم چاہے سیاہ کرنا چاہے
سفیدی کرنا تم اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو بھی شاہی محل میں

لے آنا، میں ان کو بڑی بڑی زمینیں اور باغ انعام میں دوں گا وہ
ساری زندگی عیش و آرام کریں گے تم سونے کا تاج پہن کر میرے
ساتھ تخت پر بیٹھنا، بولا۔ کیا تمہیں منظور ہے۔

سلومی نے غور سے بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور
کہا۔

میں سوچ کر بتاؤں گی۔

اور یہ کہہ کر تتلی کی طرح اڑتی ہوئی ملکہ اور دوسرے شہزادیوں کے پاس
جا کر باتیں کرنے لگی اور قہقہے لگانے لگی ملکہ نے بادشاہ کو سلومی کے
ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ لیا تھا وہ جل بھن کر کباب ہو گئی تھی
اس نے فوراً ایک طرف کھسک کر بادشاہ کے قریب جا کر پوچھا کہ وہ
اس کی رشتے دار عورت سلومی سے کیا باتیں کر رہا تھا بادشاہ نے یوں
ہی جھوٹ بولا کہ وہ اس سے اپنی ملکہ کی تعریف کر رہا تھا ملکہ نے مکار

نگاہوں سے بادشاہ کی طرف دیکھا وہ سوچ رہی تھی کہ بادشاہ مر بھی
جائے تو کسی دوسری عورت کے سامنے اس کی تعریف کبھی نہیں کرے
گا۔

ملکہ نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ سلومی کے بارے میں آئندہ سے
احتیاط برتے گی اور اسے اتنا موقع نہیں دے گی کہ وہ بادشاہ کے
ساتھ کھلم کھلا باتیں کر سکے سلومی کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ملکہ اس سے
محتاط ہو گئی ہے مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی کیونکہ اس کو بادشاہ ہیروڈ
سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اس نے کبھی خواب میں بھی اس کے ساتھ
شادی کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

پراسرار تہہ خانہ

دونوں دوست دن چڑھے دریائے اردن کے کنارے پہنچ گئے وہ اس طرف محض اس خیال کے ساتھ آئے تھے کہ وہاں یوحنا نبی کی زیارت کر سکیں گے مگر دریا پر کوئی نہیں تھا صرف چند ایک لوگ زمین پر بیٹھے خدا کی عبادت کر رہے تھے انہوں نے ایک آدمی سے یوحنا نبی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ یوحنا نبی ابھی شہر کی طرف گئے ہیں دونوں دوست بھی شہر کی طرف چل پڑے شہر میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی عنبر اور ناگ مختلف بازاروں میں سے ہو کر ایک چوک میں پہنچے تو انہوں نے وہاں ایک جمگھٹا دیکھا وہ بھی وہاں آ

گئے کیا دیکھتے ہیں کہ یوحنا نبی ایک چبوترے پر کھڑے وعظ کر رہے ہیں۔

سنو اے سدوم کے لوگوں۔ گناہ کا بدلہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مل کر رہتا ہے سچائی اور نیکی ضائع نہیں جاتی نیک لوگ نیک جنت میں جائیں گے اور گناہ گار جہنم میں ظالم کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوگا بادشاہ ہیروڈ اپنے عوام کی غربت سے بے خبر ہو کر عیش و عشرت میں پڑ گیا ہے لوگ بھوکوں مر رہے ہیں اور وہ آرام سے شاہی محل میں سو رہا ہے وہ خدا کے حکم کے خلاف چل رہا ہے خدا اسے اس گناہ کی سزا دے گا.............

عنبر اور ناگ بھی ایک طرف کھڑے ہو کر یوحنا نبی کا وعظ سننے لگے۔

اس روز سلومی بھی شاہی محل سے باہر نکل آئی تھی اس نے اپنی کنیزوں اور شہزادیوں سے سن رکھا تھا کہ یوحنا نبی شہر میں گھوم پھر کر بادشاہ کے

ظلم اور ناانصافیوں کے بارے میں وعظ کرتا ہے اس نے یہ بھی سنا تھا کہ ایک بار بادشاہ کے حکم سے یوحنا نبی کو بھوکے شیروں کے آگے ڈالا گیا تو شیروں نے یوحنا کے آگے سجدہ کیا اور یوحنا ان پر سوار ہو کر میدان سے باہر آ گیا سلومی تے سوچا شہر میں چل کر یوحنا کو دیکھا جائے کہ وہ کون سا ایسا نڈر اور بہادر نبی ہے جس کو بادشاہ کی بھی پرواہ نہیں ہے۔

چنانچہ اسی روز سلومی تے ایک معمولی کسان عورت کا بھیس بدلا اپنی خاص کنیز ازابیلا کو ساتھ لیا اور شاہی محل کے چور دروازے سے نکل کر شہر میں آ گئی وہ لوگوں سے پوچھتے ہوئے اس چوک میں آ گئی جہاں یوحنا وعظ کر رہے تھے لوگوں کا ہجوم ان کے گرد جمع تھا اور وہ چبوترے پر کھڑے ایک ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے لوگوں کو بادشاہ کے ظلم کے خلاف بھڑکا رہے تھے ان کے چہرے پر آسمانی جلال تھا آنکھوں

میں سچائی کی چمک تھی پیشانی پر خدائی نور تھا سلومی لوگوں کے ہجوم میں گھس کر آگے آ کر یوحنا نبی کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔

یوحنا تقریر کر رہے تھے کہ انہوں نے اچانک سلومی کی طرف دیکھا اور ایک دم اسے پہچان لیا اور ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر کہا۔

لوگو! یہ ہے وہ عورت جو گناہ کا پتارا ہے اور بادشاہ ہیروڈ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے یہ بھی گناہ کی دلدل میں پھنسی ہوئی ایک ناگن ہے اس کو خدا کا خوف دلاؤ اس کو عبرت دلاؤ...........

لوگوں نے پلٹ کر سلومی کو دیکھا اور پہچان لیا کہ وہ کسان عورت کے معمولی سے لباس میں شاہی محل کی ایک شہزادی ہے وہ جوش میں آ گئے اور انہوں نے سلومی پر حملہ کر دیا عنبر اور ناگ نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً سلومی کی مدد کو لپکے۔

انہوں نے سلومی کو پکڑ کر کندھوں پر اٹھا لیا اور ہجوم میں سے نکال

کر باہر لے آئے اور گھوڑے پر بٹھا کر اسے شاہی محل کی طرف لے
گئے سلومی نے محل کی دیوار کے پاس گھوڑے پر سے اتر کر دونوں کا
شکریہ ادا کیا اور کہا۔

تم دونوں نے میری جان بچائی ہے اس لئے میں تمہاری شکر گزار
ہوں زندگی میں اگر کوئی ایسا وقت آیا تو میں تمہارے احسان کا بدلہ
ضرور چکاؤں گی۔

سلومی محل کے اندر چلی گئی اور عنبر اور ناگ وہاں سے واپس اس چوک
کی طرف آگئے جہاں یوحنا نبی وعظ کر رہے تھے وہاں پہنچ کر انہوں
نے دیکھا کہ ایک افراتفری مچی ہوئی تھی شاہ ہیروڈ کے سپاہی لوگوں پر
ہنٹر چلا رہے تھے اور لوگ ادھر اُدھر دکانوں میں بھاگ کر پناہ لے
رہے تھے یوحنا نبی وہاں نہیں تھے شاید وہ وہاں سے دریا کی طرف
اپنے جھونپڑے میں چلے گئے تھے۔

عنبر اور ناگ دریا کی طرف آگئے یوحنا نبی دریا کے کنارے کھڑے
تھے اور پانی کی پرسکون لہروں کو تک رہے تھے عنبر اور ناگ ان کے
پیچھے بڑے ادب سے جا کر کھڑے ہو گئے یوحنا نے ان کی طرف
دیکھے بغیر کہا۔

تم لوگوں نے ایک ظالم بادشاہ کا ساتھ دیا ہے تم لوگ خدا سے اپنے
گناہ کی معافی مانگو لیکن تم نے ایک عورت کی جان بچائی ہے شاید خدا
تمہیں معاف کر دے۔

پھر یوحنا نے پلٹ کر عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

تم اڑھائی ہزار برس سے زندہ چلے آ رہے ہو تمہارے نامہ اعمال میں
قتل بھی ہیں اور نیکیاں بھی ہیں۔

پھر ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

تم نے سانپ بن کر لوگوں کو ہلاک کیا ہے لیکن تم نے کچھ اچھے کام بھی

کئے ہیں جن کے عوض ہو سکتا ہے خداوند کریم تمہیں بخش دے۔

عنبر ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے یوحنا نبی نے ان کے بارے میں ایک ایک بات درست بتائی تھی اس کے نبی ہونے پر کوئی شک نہیں تھا دونوں دوستوں نے آگے جھک کر یوحنا نبی کا دامن چوم لیا یوحنا نے ان کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا۔

ظلم کا کبھی ساتھ نہ دینا، ظلم کو خدا پسند نہیں کرتا میری ساری زندگی ظلم کے خلاف جہاد میں گزرے گی اگر اس نیک کام کی راہ میں مجھے ہلاک بھی کر دیا جائے تو مجھے افسوس نہیں ہوگا.........

پھر انہوں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔

میری بات غور سے سن رکھو۔ میرے بعد اس دنیا میں ایک عظیم نبی آئے گا جو مجھ سے بھی ہزار گناہ عظیم ہوگا جو ساری دنیا کے لئے رحمت اور محبت کا پیام لائے گا تم لوگ گواہ رہنا اور عظیم پیغمبر پر ایمان لے آنا

اور میر عقیدت بھرا اسلام اس عظیم ہستی کے قدموں تک پہنچا دینا، کاش میں اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے زندہ رہتا مگر خدا کے کاموں میں کوئی دخل نہیں دے سکتا وہاں کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں ....اب تم جا سکتے ہو۔

عنبر اور ناگ نے جھک کر یوحنا کے قدموں کی خاک کو بوسہ دیا اور الٹے پاؤں انتہائی ادب اور احترام کے ساتھ واپس آ گئے۔

وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر مندر میں پہنچ گئے ناگ نے کہا۔

یوحنا خدا کا نبی ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس کے خدا پر بھی ایمان لاتا ہوں میں آج سے بتوں کی پوجا نہیں کروں گا۔

عنبر نے کہا۔

تم بھی میرے گواہ رہنا، میں یوحنا نبی کو خدا کا نبی تسلیم کرتا ہوں اور اس کے خدائے واحد پر ایمان لاتا ہوں میں نے کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی

ہے میں دیوتاؤں کی پوجا کرتا رہا ہوں آج سے میں دیوتاؤں کی پوجا
بھی بند کرتا ہوں اور خدا کی عبادت کرتا ہوں۔

مندر میں جا کر ناگ ناگن دیوی کے بت کے آگے کھڑا ہو گیا اس کی
آنکھوں میں ایک ایسی چمک اور رعب تھا کہ ناگن دیوی کا بت کانپنے
لگا ناگ اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا وہاں عنبر گہری نیند سو رہا تھا ناگ نے
دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ کبھی کسی بے گناہ کو موت کے گھاٹ نہیں
اتارے گا کبھی ظالم کا ساتھ نہیں دے گا ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرے گا
اور غریبوں کے ساتھ ان کے دکھ درد بانٹے گا۔

ادھر سلومی بڑے غصے کے عالم میں شاہی محل پہنچی وہ یوحنا نبی کو اپنا دشمن
سمجھنے لگی تھی اس کا دل یوحنا سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے
بے چین ہو رہا تھا وہ اپنے ریشمی بستر پر لیٹی بے قراری سے پہلو بدل
رہی تھی کہ اس کی کنیز ازابیلا اندر آ گئی اس نے کنیز کو بلا کر کہا۔

ازابیلا بادشاہ کہاں ہیں؟

کنیز نے کہا۔

وہ ابھی دربار سے فارغ ہو کر اپنے خاص کمرے میں گئے ہیں۔

سلومی نے تالی بجا کر کہا۔

فوراً بادشاہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ اگر ہو سکے تو ایک پل کے لئے
سلومی کے پاس آ کر اس کی بات سن جائیں اور سنو! یہ بات راز داری
سے بادشاہ کو کہنا ہرگز ہرگز کسی دوسرے کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

بہت بہتر حضور!

راز دار کنیز سلومی کا پیغام لے کر بادشاہ کے خاص کمرے کی طرف چلی
گئی بادشاہ ہیروڈ اس وقت ایک غیر ملکی سفیر سے کچھ ضروری باتیں کر
رہا تھا کنیز اندر داخل ہو کر ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی بادشاہ
نے سلومی کی کنیز کو پہچان لیا تھا اس نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

کیا بات ہے ازابیلا؟ تم کیسے آئی ہو؟

بادشاہ سلامت آپ سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں۔

شاہ ہیروڈ سمجھ گیا کہ سلومی نے کوئی خاص پیغام بھجوایا ہے ہوسکتا ہے وہ اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوگئی ہو۔اس نے غیر ملکی سفیر کو جلدی سے رخصت کر دیا اور ازابیلا کو قریب بلا کر پوچھا۔

ہاں ازابیلا اب بتاؤ سلومی نے کوئی پیام بھیجا ہے۔؟

ازابیلا نے ادھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی میں کہا ہاں بادشاہ سلامت وہ آپ کو اپنے کمرے میں یاد کر رہی ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔

اسے کہو میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔

کنیز نے جھک کر سلام کیا اور واپس سلومی کو جا کر بادشاہ کا پیغام سنا دیا اب سلومی بے چینی سے شاہ ہیروڈ کا انتظار کرنے لگی تھوڑی دیر بعد

ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا اور شاہ ہیروڈ انگلیوں میں ہیرے جواہرات کی انگوٹھیاں والے اندر داخل ہوا سلومی نے جھک کر آداب کہا بادشاہ نے سلومی کا ہاتھ تھام کر چوما اور پوچھا۔

کیا حسین ترین سلومی نے مجھ کو یاد فرمایا ہے۔؟ سلومی نے مسکرا کر کہا۔

ہاں بادشاہ سلامت میں نے آپ کو یاد کیا ہے اور اس لئے یاد کیا ہے کہ میں نے آپ سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

شاہ ہیروڈ یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑا اس کو کبھی یہ امید نہ تھی کہ سلومی جیسی شوخ اور خودسر لڑکی اس کے ساتھ شادی کرنے پر اتنی جلدی راضی ہو جائے گی اس نے سلومی کا ہاتھ تھام کر کہا۔

سلومی! اس وقت میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا ہوں میں اس سارے علاقے کا بادشاہ ہوں میرے پاس

کیابات ہے ازابیلا؟ تم کیسے آئی ہو؟

بادشاہ سلامت آپ سے ایک ضروری بات کرنے آئی ہوں۔

شاہ ہیروڈ سمجھ گیا کہ سلومی نے کوئی خاص پیغام بھجوایا ہے ہوسکتا ہے وہ اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوگئی ہو۔اس نے غیر ملکی سفیر کو جلدی سے رخصت کر دیا اور ازابیلا کو قریب بلا کر پوچھا۔

ہاں ازابیلا اب بتاؤ سلومی نے کوئی پیام بھیجا ہے۔؟

ازابیلا نے ادھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی میں کہا ہاں بادشاہ سلامت وہ آپ کو اپنے کمرے میں یاد کر رہی ہیں۔

بادشاہ نے کہا۔

اسے کہو میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔

کنیز نے جھک کر سلام کیا اور واپس سلومی کو جا کر بادشاہ کا پیغام سنا دیا اب سلومی بے چینی سے شاہ ہیروڈ کا انتظار کرنے لگی تھوڑی دیر بعد

ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا اور شاہ ہیروڈ انگلیوں میں ہیرے جواہرات کی انگوٹھیاں والے اندر داخل ہوا سلومی نے جھک کر آداب کہا بادشاہ نے سلومی کا ہاتھ تھام کر چوما اور پوچھا۔

کیا حسین ترین سلومی نے مجھ کو یاد فرمایا ہے۔؟ سلومی نے مسکرا کر کہا۔

ہاں بادشاہ سلامت میں نے آپ کو یاد کیا ہے اور اس لئے یاد کیا ہے کہ میں نے آپ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

شاہ ہیروڈ یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑا اس کو کبھی یہ امید نہ تھی کہ سلومی جیسی شوخ اور خودسر لڑکی اس کے ساتھ شادی کرنے پر اتنی جلدی راضی ہو جائے گی اس نے سلومی کا ہاتھ تھام کر کہا۔

سلومی! اس وقت میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا ہوں میں اس سارے علاقے کا بادشاہ ہوں میرے پاس

دولت کی کوئی کمی نہیں مگر جتنی خوشی مجھے اس وقت ہوئی ہے کبھی نہیں
ہوئی تھی مجھے اپنے آپ پر اور اپنی خوش قسمتی پر فخر محسوس ہو رہا ہے
چالاک سلومی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مگر میری ایک شرط ہے۔

شاہ ہیروڈ نے بڑے جوش کے ساتھ کہا۔

میں تمہاری ہر شرط کو مان لینے پر تیار ہوں تم اگر کہو کہ میں تمہیں آسمان
سے تارے توڑ کر لا دوں تو میں تمہارے قدموں میں آسمانی تاروں کا
ڈھیر لگا دوں اگر تم کہو کہ تمہیں ساری دنیا کے خزانے چاہئیں تو میں
تمہارے ارد گرد سونے چاندی اور جواہرات کے پہاڑ کھڑے
کر دوں گا تم اگر کہو کہ تمہیں چاند کی خواہش ہے تو میں آسمان کے سینے
سے چاند کو نوچ کر تمہارے دامن میں رکھ دوں گا تم اپنی زبان سے
شرط بیان کرو میں اسے ابھی پورا کیئے دیتا ہوں میں تمہارے حکم کا

انتظار کر رہا ہوں تم حکم کرو کہ تمہیں کیا چاہیے میں ایک طویل پل کے
اندر اندر تمہاری خواہش پوری کر دوں گا۔

احمق بادشاہ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ سلومی کیا چال چل رہی ہے وہ
جذبات میں آ کر بولے جا رہا تھا اس کی ہر شرط کو قبول کرنے کے
وعدے کیئے جا رہا تھا جب اس نے سلومی سے اس کی شرط کے بارے
میں پوچھا تو سلومی نے ایک دم سنجیدہ ہو کر کہا۔

کیا آپ میری شرط پوری کر دیں گے۔

میں تمہاری ہر شرط پوری کروں گا۔ تم کہو تو سہی۔

سلومی نے کہا۔

تو پھر مجھے یوحنا تبی کا سر کاٹ کر لا دو۔

شاہ ہیروڈ ایک دم سکتے میں آ گیا اسے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ سلومی اس
سے اس قسم کی خوفناک خواہش کا اظہار کرے گی اس میں کوئی شک

نہیں تھا کہ یوحنا نبی بادشاہ کا دشمن تھا لیکن شاہ ہیروڈ یوحنا نبی سے ڈرتا تھا وہ اکھاڑے میں اس کی کرامت دیکھ چکا تھا اسے دل سے یقین ہو گیا تھا کہ یوحنا خدا کا نبی ہے اس کے علاوہ لوگ بھی یوحنا سے محبت کرتے تھے اگر وہ یوحنا کو ہلاک کردے تو سارے سدوم کے لوگ اس کے خلاف بغاوت کر دیتے وہ ڈر گیا، اور سوچ میں پڑ گیا، اسے پریشان دیکھ کر سلومی نے کہا۔

تم ڈر گئے ہو اتنے بڑے بادشاہ ہو کر تم ایک عورت کی اتنی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے ؟ اور پھر یوحنا تو تمہارا دشمن ہے وہ تو تمہارے خلاف بازاروں میں وعظ کرتا ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

یہ ٹھیک ہے سلومی یوحنا میرے خلاف بازاروں میں جا کر لوگوں کو بغاوت پر اکساتا ہے مگر وہ............ میرا مطلب ہے مجھے یوں

محسوس ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا سچا نبی ہے۔

سلومی قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

تم ایک بزدل بادشاہ ہو تمہیں سلومی کے ساتھ شادی کرنے کا کوئی حق نہیں سلومی تم جیسے لوگوں سے نفرت کرتی ہے اسے بہادر بادشاہ پسند ہیں میں ایک بہادر غلام سے شادی کر لوں گی مگر ایک بزدل بادشاہ کی بیوی بننا ہرگز گوارا نہ کروں گی۔

یہ کہہ کر سلومی کمرے سے باہر نکلنے لگی تو بادشاہ نے اسے روک کر کہا۔

اتنی جلدی نہ کرو سلومی۔ مجھے سوچنے کا موقع دو سلومی نے کہا۔

میں جانتی ہوں تم کیا سوچو گے تم یہی سوچو گے کہ تمہیں سلومی کی شرط قبول نہیں ہے تم بزدل ہو، تم کمزور دل بادشاہ ہو میں تم سے کبھی بیاہ نہیں کروں گی کبھی نہیں کروں گی۔

سلومی غصے میں بڑی تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی بادشاہ

کمرے میں اکیلا رہ گیا وہ بے حد پریشانی کے عالم میں فرش پر ٹہلنے لگا پھر وہ کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا کھڑکی میں سے شہر کا سارا منظر دکھائی دے رہا تھا مکانوں کی چھتوں اور بازاروں میں خوب رونق تھی دور پہاڑی ٹیلوں پر زیتون اور انجیر کے درخت ہوا میں لہرا رہے تھے

یوحنا نبی کا سر کاٹ کر لانے کی شرط لگا کر سلومی نے اسے ایک سخت اور کٹھن آزمائش میں ڈال دیا تھا اگر وہ انکار کرتا ہے تو سلومی سے بیاہ نہیں کر سکتا اور اگر ہاں کرتا ہے تو اس میں اتنی ہمت نہیں کہ ایک خدا کے نیک نبی کا سر کاٹ کر لا سکے۔

بادشاہ پریشانی کے ساتھ سلومی کے کمرے سے نکل کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا وہ ساری رات یہی سوچتا رہا کہ سلومی کی شرط کیسے منظور کرے اسے یہ بھی ڈر تھا کہ اگر اس نے یوحنا کا سر کٹوایا تو اس کی سلطنت پر ضرور تباہی آ جائے گی کیونکہ یوحنا خدا کا سچا نبی ہے ساری

رات یہی سوچتے گزر گئی دن چڑھا تو سورج کی روشنی میں بادشاہ نے ایک دم فیصلہ کر لیا کہ وہ سلومی کی خواہش ضرور پوری کر دے گا خواہ اس کے عوض اس کی ساری سلطنت تباہ ہو جائے مگر سلومی سے بزدلی کا طعنہ کبھی نہیں سنے گا۔

وہ یوحنا کا سر کاٹ کر سلومی کو پیش کر دے گا۔

اس فیصلے کے ساتھ ہی اس نے خاص غلام کو بھیج کر سلومی کو اپنی خواب گاہ میں بلوایا۔

سلومی صرف تمہاری خوشنودی کی خاطر میں تمہاری شرط کو تسلیم کرتا ہوں اور تمہیں یوحنا نبی کا سر کاٹ کر پیش کر دوں گا کیا اب تم خوشی سے میرے ساتھ شادی کر لو گی۔

سلومی کو شاہ ہیروڈ جیسے بزدل بادشاہ سے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی ایک بہادری کا کام کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا جب بادشاہ

www.urdurasala.com

نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو خوشی سے اس کا چہرہ چمک اٹھا اسے شاہ ہیروڈ سے شادی کرنے کی کوئی خوشی نہیں تھی خوشی اسے صرف اس بات کی تھی کہ اس نے یوحنا سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے لیا ہے اس نے شاہ ہیروڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے بادشاہ! یہ فیصلہ کر کے تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک بہادر بادشاہ ہو اور اس قابل ہو کہ سدوم کے عظیم شہر پر حکمرانی کر سکو مجھے یہ بتاؤ کہ یوحنا کا سر مجھے کب پیش کیا جائے گا۔

بادشاہ نے اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

بہت جلد۔ بہت جلد۔

سلومی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

جس روز تم یوحنا کا سر کاٹ کر پیش کرو گے میں تمہارے ساتھ شادی کا اعلان کر دوں گی۔

بادشاہ نے سلومی کا ہاتھ چوم لیا اور منہ دوسری طرف کر لیا اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملا رہے تھے اسکا ضمیر اسے بار بار ملامت کر رہا تھا مگر اس نے ایک گھناؤنا فیصلہ کر لیا ایک ایسا گھناؤنا فیصلہ کہ جس پر تاریخ آج بھی اسے ایک ظالم حکمران کی حیثیت سے یاد کرتی ہے۔

سر کاٹ لاؤ

بادشاہ نے یوحنا نبی کا سر کٹوانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

لیکن وہ یہ کام بڑے خفیہ طریقے سے کرنا چاہتا تھا اس کی سب سے زیادہ کوشش یہی تھی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے اس نے اپنے خاص سپہ سالار سے اس کا ذکر کیا یہ سپہ سالار یوحنا نبی کا دشمن تھا کیونکہ اس کے ایک ماننے والے نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا

بادشاہ نے سپہ سالار کو ساری بات کھول کر بیان کر دی کہ وہ یہ کام کرتے ہوئے ڈرتا ہے لوگوں کی بغاوت سے بھی اور اپنے ضمیر سے بھی ،اس لئے یہ کام انتہائی خفیہ طریقے سے ہونا چاہیے۔

سپہ سالار نے کہا۔

بادشاہ سلامت آپ بالکل مطمئن رہیں میں ایسا انتظام کروں گا کہ شہر میں کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی کہ یوحنا نبی کہاں چلا گیا ہے اور اس کا سر بھی کاٹ کر سلومی کو پیش کر دیا جائے گا۔

بادشاہ نے تشویش سے کہا۔

مگر لوگ کس طرح مطمئن ہوں گے کہ ان کا بزرگ نبی کس جگہ ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

میں اپنے آدمی لوگوں میں ڈال کر مشہور کرا دوں گا کہ یوحنا نبی سدوم چھوڑ کر راتوں رات ایران چلے گئے ہیں وہ لوگ کہیں گے کہ وہ خود ایران کے ایک شہر میں یوحنا سے مل کر آ رہے ہیں۔

بادشاہ سپہ سالار کی اس عقل مندی پر بڑا خوش ہوا۔اس نے کہا۔

پھر یہ کام جتنی جلدی ہو سکے کر ڈالو میں اس سلسلے میں زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتا جتنی دیر لگے گی اس راز کے کھل جانے کا خطرہ ہے اور اگر

ایک بار کسی کو علم ہو گیا کہ ہم یوحنا نبی کا سر کاٹنا چاہتے ہیں تو ساری رعایا شاہی محل میں گھس کر ہر طرف آگ لگا دے گی۔

یہ کام بہت جلد ہو جائے گا بادشاہ سلامت!

سپہ سالار نے پہلا کام یہ کیا کہ دس بہترین جوان اور طاقت ور آدمیوں کو معمولی لباس پہنا کر دریا کے کنارے یوحنا نبی کی جھونپڑی پر حملہ کرنے کی سازش کی، ان دس آدمیوں کو ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس کر کے آدھی رات کو یوحنا کی جھونپڑی کی طرف روانہ کر دیا اس رات آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور بڑی تیز ہوا چل رہی تھی آدھی رات کے وقت بجلی چمکنے لگی اور بادل گرجنے لگے پھر بوندا باندی شروع ہو گئی۔

دس جاسوس یوحنا کو گرفتار کرنے دریا کے کنارے چھپ کر پہنچے تو موسلا دھار بارش شروع ہو گئی انہوں نے اپنے گھوڑوں کو انجیر کے

جھنڈ میں چھپایا اور دبے پاؤں چل کر جھونپڑی کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

بارش کے طوفان کی وجہ سے وہاں کوئی آدمی نہیں تھا جھونپڑی میں دیا جل رہا تھا جس کی روشنی میں یوحنا نبی خدا کی عبادت میں مصروف تھا جاسوس ایک دم جھونپڑی میں گھس گئے انہوں نے یوحنا کو رسیوں میں جکڑ لیا اور باہر لا کر گھوڑے پر لاد کر شاہی محل کی طرف ہوا ہو گئے۔

یہ سارا کام بڑی تیزی کے ساتھ ہو گیا یوحنا نبی اگر چاہتے تو ان آدمیوں کو وہیں پتھر کر سکتے تھے مگر انہوں نے محسوس کیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے خدا کی مرضی کے ساتھ ہو رہا ہے یعنی خدا کی مرضی یہی تھی کہ یوحنا گرفتار ہو کر شاہی قید خانے میں پہنچے اور اس پر بادشاہ کی طرف سے جو سختیاں ہوں ان کو برداشت کرے اس لئے کہ دنیا میں خدا کے نیک بندے اور نبی ہمیشہ خدا کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں سہتے چلے آئے ہیں۔

یوحنا کو سپہ سالار نے خود شاہی محل کے تہہ خانے میں ایک خفیہ کوٹھڑی
میں بند کر دیا وہ اسے اپنی کامیابی سمجھ رہا تھا اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اگر خدا
کی مرضی شامل نہ ہوتی تو دنیا کی کوئی طاقت خدا کے اس نیک بندے
کو ہاتھ نہیں لگا سکتی تھی۔

بادشاہ ہیروڈ کو جب یوحنا کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو خوش بھی ہوا اور
حیران بھی ہوا خوش اس بات پر ہوا کہ اس کا منصوبہ کامیاب رہا تھا اور
حیران اس بات پر ہوا کہ یوحنا کی طرف سے کوئی کرامت نہیں دکھائی
گئی تھی حالانکہ اس سے پہلے ساری دنیا نے دیکھا تھا کہ انہیں شیروں
کے آگے ڈالا گیا اور شیر ان کے قدموں میں آ کر لوٹنے لگے۔

مگر خدا کی مرضی کے خلاف خدا کے نبی بھی ایک لفظ زبان سے نہیں
نکالا کرتے وہ اپنے آپ پر چپ چاپ سختیاں سہہ جاتے ہیں مگر
شکایت کا ایک حرف زبان سے نہیں کہتے وہ اپنی مرضی کو خدا کی مرضی

میں شامل کر دیتے ہیں اس لئے کہ ان کا ہر کام خدا کو خوش کرنے کے
لئے ہوتا ہے اگر خدا کی مرضی یہ ہو کہ وہ سولی پر چڑھ جائیں تو وہ ہنستے
مسکراتے ہوئے سولی پر چڑھ جایا کرتے ہیں۔

سلومی کو بھی خبر مل گئی تھی کہ یوحنا نبی کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال
دیا گیا ہے۔

بادشاہ نے سلومی سے جا کر کہا کہ یوحنا گرفتار ہو گیا ہے۔

سلومی نے کہا۔

اسکا سر کاٹ کر مجھے کب پیش کیا جائے گا؟ بادشاہ نے ایک بار پھر
سلومی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اپنے بھیانک ارادے سے باز
آئے اور یوحنا نبی کا سر مانگنے کی بجائے کوئی اور شے طلب کر لے۔

سلومی! میں تمہیں اپنا تخت اور تاج دینے کو تیار ہوں تم اگر چاہو تو میں
تمہیں روم کی ساری دولت لا کر دے سکتا ہوں مگر خدا کے لئے

یوحنا نبی کا سر مجھ سے مت مانگو۔ مجھ سے یہ گناہ مت کراؤ۔

سلومی نے طنزیہ کہا۔

تم نے پھر بزدلوں والی باتیں شروع کر دیں۔ کاش مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ تم اتنے کمزور دل کے ہو تو میں کبھی تم سے اپنے دل کی خواہش کا اظہار نہ کرتی۔

شاہ ہیروڈ نے منت کرتے ہوئے کہا۔

ایک بار پھر اپنی خواہش پر غور کر لو سلومی تم آگ کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کر رہی ہو، تم ایک ایسے نیک بندے کا سر مانگ رہی ہو جس کی لوگ پوجا کرتے ہیں۔

سلومی نے نفرت سے بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

اگر تم اتنے ہی بزدل ہو تو پھر مجھ سے شادی کرنے کی خواہش کیوں کی تھی؟ اگر تم نے میری خواہش پوری نہ کی تو میں فوج کے سپہ سالار سے

شادی کر لوں گی کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ یوحنا کا سر بڑی آسانی سے کاٹ سکتا ہے اس نے یوحنا کو گرفتار کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بادشاہ سے بڑھ کر بہادر آدمی ہے اور میں بہادر آدمی کا احترام کرتی ہوں۔

بادشاہ سر جھکا کر باہر نکل گیا۔ اسے یقین وہ گیا تھا کہ سلومی پاگل ہو چکی ہے اور وہ کبھی اپنے ارادے سے باز نہیں آئے گی اگر بادشاہ نے انکار کر دیا تو وہ ضرور سپہ سالار سے یہ کام کروا کر اس سے شادی کر لے گی اور بادشاہ کے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہوگا کیونکہ سپہ سالار ایک طاقت ور شخص ہے اور بادشاہ اس کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہ کر سکے گا۔

بادشاہ نے سپہ سالار کو بلا کر کہا۔ کہ وہ پچھلے پہر منہ اندھیرے یوحنا کا سر کاٹ کر طشت میں رکھ کر اسے پیش کرے سپہ سالار ایک سپاہی آدمی

تھا اور یوحنا سے دشمنی بھی رکھتا تھا وہ خوشی سے بولا۔

جو حکم بادشاہ سلامت! صبح سویرے یوحنا کا کٹا ہوا سر طشت میں سج کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

بادشاہ نے بستر پر لیٹ کر بے چینی سے کروٹیں بدلنا شروع کر دی۔

ادھر سلومی نے سیاہ لبادہ اوڑھا اور سپہ سالار کو ساتھ لے کر خفیہ تہہ خانے میں یوحنا نبی سے ملاقات کرتے پہنچ گئی کوٹھڑی کے اندر ہلکا ہلکا نور سا پھیلا ہوا تھا حالانکہ اندر کسی طرف سے بھی روشنی کی ایک کرن تک نہیں آ رہی تھی یوحنا فرش پر کھڑے تھے ان کا چہرہ دیوار کی طرف تھا ان کے نورانی چہرے پر ایک ہلکی سی روشن مسکراہٹ تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ پتھر کی دیوار پر جنت کے باغ اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور ان کے درمیان بہتی ہوئی شفاف نہریں دیکھ رہے ہیں۔

سلومی نے سپہ سالار کو باہر کھڑے ہونے کا اشارہ کیا اور خود کوٹھڑی

کے اندر جا کر یوحنا سے یوں مخاطب ہوئی۔

کیا تمہیں موت سے ڈر نہیں لگتا۔

یوحنا نے دیوار کی طرف منہ کیئے ہوئے کہا۔

اے بدنصیب عورت سن۔ موت ہمارے لئے کچھ نہیں ہے موت ہمارے لئے ایک دروازے سے گزر کر دوسرے کمرے میں جانے کے برابر ہے موت ان کے لئے عذاب بن کر آتی ہے جن کی آنکھیں صرف دنیا کے عیش و آرام کو دیکھ سکتی ہیں اور انہیں آخرت نظر نہیں آتی
۔

سلومی نے سامنے آ کر کہا۔

اگر تم اب بھی اپنے کیئے پر معافی مانگ لو تو میں بادشاہ سے کہہ کر تمہاری جان بچا سکتی ہوں ورگرنہ دوسری صورت میں آج سورج نکلنے سے پہلے تمہارا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کیا جائے گا۔

یوحنا نے کہا۔

سن اے بدنصیب عورت! ہم جو کرتے ہیں اس پر کبھی نہیں پچھتایا کرتے ہم جو کرتے ہیں دنیا کی بھلائی کے لئے کرتے ہیں ہم جو کرتے ہیں وہ خدا کی مرضی کے مطابق اور خدا کی مرضی کی خاطر کرتے ہیں پھر ہمیں اپنے کیئے پر پچھتانے کی کیا ضرورت ہے تم ایک ظالم بادشاہ کی طرف دار ہو۔ تم ظالم کی حمایت کرتی ہو اس لئے تم بھی ظالم ہو تمہارا انجام بھی وہی ہو گا جو ایک ظالم کا ہوا کرتا ہے تم اگر میرا سر قلم نہ بھی کراؤ تو پھر بھی تم خدا کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتیں۔

سلومی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

میں اس شہر کی اس ملک کی ملکہ بنوں گی میں تمہارے کٹے ہوئے سر کو اپنے ہاتھوں آگ میں پھینکوں گی میں تم سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لوں

گی۔

اے بدنصیب عورت تو مجھ سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے انتقام لے رہی ہے ہمیں تو ایک نہ ایک دن مرنا ہی ہے ہم تو خدا کی راہ میں اپنا سر ہر وقت اپنی ہتھیلی پر رکھے رہتے ہیں مگر جب کلہاڑا تمہارے سر پر چلے گا تو تم وہ تکلیف برداشت نہ کر سکو گی تم ایک ایسے عذاب میں پھنس جاؤ گی جس میں سے تم کبھی نہیں نکل سکو گی تمہاری گردن ایک ہزار بار کٹے گی اور ایک ہزار بار جڑنے کے بعد پھر ایک ہزار بار کاٹی جائے گی اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

سلومی نے غصے میں کہا۔

آج صبح معلوم ہو جائے گا کہ گردن کس کی کٹتی ہے۔

وہ تیزی سے باہر نکل گئی اور یوحنا اسی طرح دیوار کی طرف دیکھتے رہے ان کے چہرے پر وہی آسمانی حسن اور جلال اور مسکراہٹ تھی سلومی

نے سپہ سالار کو ساتھ لیا اور تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اپنی خواب گاہ میں آ کر صبح ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

ٹھیک اس وقت جب کہ آسمان پر بادل گرج رہے تھے اور موسلا دھار مینہ برس رہا تھا اور قید خانے میں سپہ سالار کے حکم سے جلاد یوحنا نبی کا مقدس سر کاٹنے کے لئے کلہاڑا تیز کر رہا تھا عنبر کی آنکھ کھل گئی وہ ناگن دیوی کے مندر کی کوٹھڑی میں سو رہا تھا ناگ بھی اسکے قریب ہی بستر پر سو رہا تھا عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے آواز دی ہو اس نے کان آواز پر لگا دیئے باہر بادل گرج رہے تھے اور بارش ہو رہی تھی عنبر کو آواز ایک بار پھر سنائی دی یہ کنیز کارمیلا کی روح کی آواز تھی اس آواز میں غم اور سکون تھا۔

عنبر آج کی رات سونے کی رات نہیں ہے آج کی رات جاگ کر خدا کی عبادت کرنے کی رات ہے اس لئے کہ آج کی رات خدا کی راہ

میں بڑی عظیم قربانی پیش کی جا رہی ہے۔ عنبر نے آہستہ سے پوچھا۔

اے نیک روح مجھے بتا کہ وہ کون سی قربانی ہے۔؟ اور وہ کون خوش نصیب شخص ہے جو خدا کی راہ میں عظیم الشان قربانی پیش کر رہا ہے۔

روح نے گہرا ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

عنبر! یہ راز خداوندی ہے میری کیا مجال کہ میں اس کے بارے میں زبان کھول سکوں میں اس راز پر سے پردہ نہیں اٹھا سکتی میری اتنی طاقت نہیں میں تو خود اپنا سر خدا کے حضور جھکا کر عبادت کر رہی ہوں جس طرح اس شہر کے سارے درخت چرند، پرند اور زمین کا ذرہ ذرہ خدا کی عبادت کر رہا ہے۔

عنبر عجیب الجھن میں پھنس گیا آخر وہ کون سا بڑا واقعہ ہے جو اس شہر میں رونما ہونے والا ہے یوحنا نبی کی طرف تو اس کا کبھی خیال بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ شام کو وہ خود انہیں ان کی جھونپڑی میں چھوڑ کر آیا تھا

اس نے روح کی ایک بار پھر منت کی اور کہا۔

کیا واقعی تم مجھے اس خوش قسمت اور انتہائی صبر والی ہستی کے بارے میں نہیں بتا سکتی جو خدا کی راہ میں قربانی پیش کر رہی ہے۔؟

روح نے آہ بھر کر کہا۔

خاموش عنبر خاموش! دیکھ اس وقت اس شہر کے سارے درخت سر بہ سجدہ ہیں سارے ستارے خاموش ہیں وہ بادلوں کی چادر اوڑھ کر چپ چاپ ہیں کسی کو کیا مجال کہ پلک بھی جھپک سکے خدا کا منشا پورا ہو رہا ہے کون ہے جو اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالے؟ کون ہے جو اس کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے؟ دیکھ ساری کائنات اس وقت خدا کی عبادت کر رہی ہے تو بھی اٹھ اور اپنے رب کی عبادت کر اور اس کے حضور دعا کر کہ وہ عظیم الشان انسان کی عظیم الشان قربانی کے طفیل تمہیں بھی سیدھی راہ دکھائے.........میں جا

رہی ہوں............میں جا رہی ہوں...........

روح چلی گئی وہاں گہری خاموشی چھا گئی عنبر کی طبیعت گھبرانے لگی اس کا دوست بستر پر گہری نیند سو رہا تھا عنبر اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا آسمان پر گھنے بادل چھائے ہوئے تھے بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی بارش یوں ہو رہی تھی جیسے آسمان کسی کی شہادت پر آنسو بہا رہا ہو عنبر نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھایا اور خدا سے دعا کی کہ وہ اسے دنیا میں سیدھا راستہ دکھائے اور اتنی توفیق عطا فرمائے کہ وہ نیک کام کرے اور خدا کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی خوش ہو کر پیش کرے۔ وہ واپس کوٹھڑی میں آ کر قالین پر بیٹھ گیا اس نے دو زانو ہو کر سر جھکا لیا اور خدا کی یاد میں گم ہو گیا۔

آسمان پر ایک دھماکہ سا ہوا۔ بجلی زور سے کڑکی تھی بادل زور سے گرجا تھا ٹھیک اس وقت جلاد سپہ سالار کے ساتھ کلہاڑا لے کر یوحنا نبی کی

کوٹھڑی میں داخل ہوا تھا انہوں نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھا
کہ خدا کا نیک بندہ سر جھکائے خدا کی عبادت کر رہا تھا جلاد نے سپہ
سالار کا اشارہ پا کر کلہاڑا اوپر اٹھایا۔

آسمان پر ایک اور دھماکہ ہوا۔ عنبر عبادت کرتے کرتے چونک پڑا۔

کیا جلاد یوحنا نبی کا سر کاٹ سکا؟

کیا عنبر اور ناگ ان کی کوئی مدد نہ کر سکے؟

سلومی کا کیا انجام ہوا؟

یہ سب کچھ اسی سلسلہ وار ناول کی اگلی یعنی
چودھویں قسط میں پڑھیے۔

﴿ختم شد﴾

کوٹھڑی میں داخل ہوا تھا انہوں نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھا
کہ خدا کا نیک بندہ سر جھکائے خدا کی عبادت کر رہا تھا جلاد نے سپہ
سالار کا اشارہ پا کر کلہاڑا اوپر اٹھایا۔

آسمان پر ایک اور دھماکہ ہوا۔ عنبر عبادت کرتے کرتے چونک پڑا۔

کیا جلاد یوحنا نبی کا سر کاٹ سکا؟
کیا عنبر اور ناگ ان کی کوئی مدد نہ کر سکے؟
سلومی کا کیا انجام ہوا؟
یہ سب کچھ اسی سلسلہ وار ناول کی اگلی یعنی
چودھویں قسط میں پڑھیئے۔

(ختم شد)

کوٹھڑی میں داخل ہوا تھا انہوں نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھا
کہ خدا کا نیک بندہ سر جھکائے خدا کی عبادت کر رہا تھا جلاد نے سپہ
سالار کا اشارہ پا کر کلہاڑا اوپر اٹھایا۔

آسمان پر ایک اور دھماکہ ہوا۔ عتبر عبادت کرتے کرتے چونک پڑا۔

کیا جلاد یوحنا نبی کا سر کاٹ سکا؟

کیا عتبر اور ناگ ان کی کوئی مدد نہ کر سکے؟

سلومی کا کیا انجام ہوا؟

یہ سب کچھ اسی سلسلہ وار ناول کی اگلی یعنی
چودھویں قسط میں پڑھیے۔

ختم شد

کوٹھڑی میں داخل ہوا تھا انہوں نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر دیکھا
کہ خدا کا نیک بندہ سر جھکائے خدا کی عبادت کر رہا تھا جلاد نے سپہ
سالار کا اشارہ پا کر کلہاڑا اوپر اٹھایا۔

آسمان پر ایک اور دھماکہ ہوا۔ عنبر عبادت کرتے کرتے چونک پڑا۔

کیا جلاد یوحنا نبی کا سر کاٹ سکا؟

کیا عنبر اور ناگ ان کی کوئی مدد نہ کر سکے؟

سلومی کا کیا انجام ہوا؟

یہ سب کچھ اسی سلسلہ وار ناول کی اگلی یعنی
چودھویں قسط میں پڑھیے۔

ختم شد

عنبر۔ناگ۔ماریا

قید سے فرار

(قسط نمبر ۱۴)

اے حمید

فہرست۔

قید سے فرار

سنو پیارے بچو!

یوحنا نبی کا سر کاٹ دیا جاتا ہے اس بھیانک جرم کے بعد سلومی پر آفت آجاتی ہے بادشاہ کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ سلومی جب طشت میں یوحنا نبی کا سر دیکھتی ہے تو پاگل ہو جاتی ہے آخر میں وہ قلعے کی دیوار سے کود کر خودکشی کر لیتی ہے اور بری طرح پتھروں سے کچل کر مر جاتی ہے ادھر ہمارا ہیرو عنبر ناگن دیوی کے مندر میں بڑے پجاری کا روپ دھار کر بیٹھا عبادت کر رہا ہے۔ ناگ............ اسکا دوست سانپ اسے مل گیا ہے اور اسکے قریب ہی سو رہا ہے یہاں سے عنبر اور ناگ ....دونوں دوست حضرت یسوع مسیح کی ولادت کی خبر سن کر بیت اللحم کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

اے حمید

سر کٹ گیا

بجلی کی خوفناک کڑک کے ساتھ ہی عنبر اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گیا۔ دھماکہ اس قدر بھیانک تھا کہ ناگن دیوی کے مندر کی دیواریں ہل گئی تھیں اس نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا آسمان پر گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی پھر اچانک اسے مشرق کی طرف آسمان پر روشنی کا سفید گولا سا ابھرتا نظر آیا یہ گولا سفر کرتا ہوا آسمان کے وسط میں آ گیا اب وہ ایک ستارہ معلوم ہو رہا تھا یہ روشن اور چمکیلا ستارہ کچھ دیر آسمان کے درمیان میں رک کر جھلملاتا رہا پھر اس کا رنگ زرد پڑنے لگا اس کی کرنیں کانپنے لگیں دیکھتے دیکھتے یہ زرد ستارہ سیاہ ہونے لگا اور پھر پھٹ گیا اور اس کی کرنیں دھواں بن

قید سے فرار

کر بادلوں میں گم ہوگئیں پھٹتے وقت اس کی روشنی اتنی زیادہ بھڑکی کہ
مندر کا صحن چکا چوند ہوگیا عنبر خوف زدہ ہوگیا اسے روح کی بات یاد آ
گئی آج کی رات عبادت کی رات ہے آج آسمان پر خدا کے حکم سے
ایک روشن ستارہ ٹوٹ جائے گا اور اس ملک پر بربادی نازل ہوگی۔
ٹھیک اس وقت بادشاہ ہیروڈ کے قید خانے میں جلاد نے سپہ سالار کے
اشارے اور بادشاہ ہیروڈ کے حکم پر یوحنا نبی کا مقدس سر کاٹ دیا تھا۔
نبیوں کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے فرشتے نے عین اس وقت جب کہ
جلاد نے کلہاڑا اٹھایا تھا یوحنا سے آ کر کہا کہ اگر آپ حکم کریں تو ہم اس
شہر کو برباد کر دیں مگر خدا کے بزرگ بندے نے کہا کہ نہیں میں اس شہر
کو بد دعا نہیں دوں گا اگر میرے خدا کی رضا اسی میں ہے تو پھر اللہ کی
رضا پوری ہوگی میں اپنے رب کی مرضی کے لئے ایک ہزار ایک مرتبہ
اپنا سر کٹوا سکتا ہوں اور ایسا ہی ہوا جلاد کے کلہاڑے نے خدا کے نیک

بندے کا سر کاٹ کر الگ کر دیا اس وقت آسمان پر ایک تباہ کن گرج سنائی دی اور پھر ایک ستارہ ابھر کر آسمان کے درمیان آ کر سیاہ ہوا اور پھٹ گیا۔

سپہ سالار اور جلاد ڈر گئے دھماکے کی آواز پر سارا شہر بیدار ہو گیا لوگوں نے آسمان پر تاریک ستارے کو پھٹتے دیکھا تو آہ وزاری کرنے اور رونے لگے سلومی بھی اپنے بستر سے اٹھ کر محل کی کھڑکی کے پاس آ کر باہر پہاڑوں پر دیکھنے لگی مگر اب آسمان پر کچھ بھی نہیں تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا سپہ سالار نے یوحنا نبی کا سر چاندی کے طشت میں رکھا اور بادشاہ کے محل میں آ گیا بادشاہ ہیروڈ بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

سلومی کو اس کی خاص کنیز ازابیلہ نے بتایا کہ سپہ سالار یوحنا نبی کا سر لے کر بادشاہ کے محل میں آ گیا ہے سلومی خوش ہوئی کہ اس نے یوحنا نبی سے انتقام لے لیا ہے اس نے سونے کے تاروں والی چادر سر پر

اوڑھی اور بادشاہ کے محل میں آگئی بادشاہ ڈرا ہوا کھڑکی کے پاس کھڑا تھا اس نے سلومی کو دیکھا تو کہا۔

کیا تم نے آسمانی بجلی کی بھیانک کڑک نہیں سنی۔؟

سلومی نے ہنس کر کہا۔

سنی تھی............اور میں نے ایک تاریک ستارے کو آسمان پر روشن ہو کر پھٹتے بھی دیکھا ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

دیوتا میرے اوپر اپنا کرم کریں مجھ سے ضرور کوئی بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔

سلومی مکاری کے ساتھ مسکراتی رہی۔ اتنے میں سپہ سالار طشت میں رومال سے ڈھکی ہوئی کوئی شے لے کر اندر داخل ہوا بادشاہ نے کانپتی ہوئی انگلی سے طشت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

اس میں کیا ہے؟

سپہ سالار نے رومال اٹھا کر پرے پھینک دیا طشت میں یوحنا نبی کا کٹا ہوا سر رکھا تھا بادشاہ کی آنکھوں میں ایک زبردست چمک سی پڑی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں چھپا لیں۔

میرے خدا یہ میں نے کیا کر دیا؟

سلومی نے پاگلوں کی طرح قہقہہ لگایا اور کہا جو میں نے کہا تھا وہ کر کے دکھا دیا اے یوحنا کے سر اس نے مجھے بھرے بازار میں ظالم کی بیٹی کہا تھا میں نے تجھ سے بدلہ لے لیا میں نے تجھ سے بدلہ لے لیا........

بادشاہ نے آنکھوں پر سے ہاتھ اٹھایا تو وہ اندھا ہو چکا تھا اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا وہ دیوانوں کی طرح ادھر اُدھر ہاتھ مارنے لگا۔

میری آنکھیں..............میری آنکھوں کو کیا ہو گیا مجھے کچھ نظر نہیں آ

رہا میں اندھا ہو گیا ہوں میں اندھا ہو گیا ہوں ....

سپہ سالار نے بادشاہ کو تھام لیا سلومی نے پاگلوں کی طرح قہقہہ لگایا اور بولی۔

میں نے تم سے بھی بدلہ لے لیا ہے تم بڈھے کھوسٹ ہو کر مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے میں نے تجھ سے ایسا گناہ کروایا کہ قدرت نے تجھے اس کی سزا دی اور تم اندھے ہو گئے میں نے دونوں سے بدلہ لے لیا ہے میں نے دونوں سے بدلہ لے لیا ہے۔

بادشاہ بستر پر گر پڑا اس نے چیخ کر حکم دیا۔

اس زہریلی ناگن کو گرفتار کرلو۔

اسی وقت سپاہی آگے بڑھے اور انہوں نے سلومی کو گرفتار کر لیا سلومی نے چیخ کر کہا۔

اب کیا ہوگا میری گرفتاری سے؟ نہ تمہاری آنکھیں واپس آسکتی ہیں نہ

تمہارے نبی یوحنا کا سر زندہ ہو سکتا ہے تم ساری زندگی اپاہج بن کر بسر کرو گے۔

بادشاہ گرجا!

لے جاؤ اس چڑیل کو قید خانے میں۔

سپاہی سلومی کو لے کر جیل خانے کی طرف چلے گئے بادشاہ بستر پر نڈھال ہو کر گر پڑا اس کی ملکہ اور شہزادیاں پریشان ہو کر اس کی طرف دوڑیں سلومی کے زہر بھرے قہقہے دور تک سنائی دیتے رہے۔

عنبر کھڑکی سے ہٹ کر چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا اس وقت اس کا دوست ناگ پھنی بھی جاگ چکا تھا اس نے اٹھتے ہی پوچھا۔

مجھے ایسے لگتا ہے جیسے خواب میں کوئی زبردست دھماکے کی آواز سنی ہے عنبر کیا کوئی جوالا مکھی پہاڑ پھٹ گیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

پہاڑ تو نہیں پھٹا ناگ مگر ایسے لگتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ بھیانک

واقعہ ہوا ہے۔

ناگ پھنی نے پوچھا:

کیا مطلب ہے تمہارا؟

عنبر نے کہا:

ناگ۔ ایسے لگتا ہے کہ یوحنا نبی کو ظالم بادشاہ نے شہید کروا دیا ہے۔

کیا سچ؟

ہاں اس کی طرح روح نے بھی اشارہ کیا تھا اگر ایسا ہوا ہے تو یہ بڑی

خوف ناک بات ہوئی ہے اب اس شہر کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

ناگ نے کہا۔

چلو چل کر محل سے پتہ کرتے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

محل میں جا کر ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا وہاں یوحنا نبی کی شہادت کو راز میں چھپا کر رکھا گیا ہے بادشاہ نہیں چاہتا کہ رعایا کو نبی کی شہادت سے باخبر کیا جائے اور پھر جب کہ خود بادشاہ کے حکم سے اس نیک بزرگ کو شہید کیا گیا ہو۔

ناگ نے پوچھا۔

یہ ساری شرارت کس کی ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ بادشاہ تو نبی یوحنا کے اس قدر خلاف نہیں تھا شیروں کے آگے ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد اس نے یوحنا کو گرفتار کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا ورنہ اس سے بہت پہلے پکڑ لیا جاتا۔

عنبر نے کہا۔

مجھے تو اس سارے حادثے میں سلومی کی شرارت اور اس کی گہری سازش دکھائی دیتی ہے وہ ایک مکار عورت ہے تمہیں یاد ہے اس روز

چوک میں یوحنا نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ وہ ایک ظالم عورت ہے اور بادشاہ کے ظلم وستم میں برابر کی شریک ہے۔

ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے سلومی نے بھیس بدل رکھا تھا اور اپنی کنیز کے ساتھ ہجوم میں کھڑی یوحنا کا وعظ سن رہی تھی۔

مجھے یقین ہے کہ سلومی نے یوحنا سے بدلہ لیا ہے اس نے بادشاہ کو ورغلا کر یوحنا نبی کو شہید کراویا ہے۔

دوسرے روز سارے شہر میں خبر پھیل گئی کہ یوحنا نبی شہر چھوڑ کر چلا گیا ہے بادشاہ کے جاسوسوں نے خود یہ خبر سارے شہر میں مشہور کروادی تھی ایک جاسوس نے روتے ہوئے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

میں نے خود یوحنا کو آدھی رات کی بارش میں شہر کے دروازے سے باہر نکلتے دیکھا ہے انہوں نے مجھے کہا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس ظالم

شہر سے جا رہے ہیں۔

کچھ لوگوں نے یقین کیا کچھ نے یقین نہ کیا اور یوحنا بزرگ کو پہاڑیوں میں تلاش کرتے رہے لیکن کچھ دنوں بعد سب کو یقین ہو گیا کہ وہ خدا کا بزرگ بندہ سچ مچ سدوم کا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا ہے کچھ لوگ جو اس سے بہت محبت کرتے تھے اس کی تلاش میں سکندریہ اور جوڈیا کی سمت روانہ ہو گئے اور باقی صبر شکر کر کے بیٹھ گئے ابھی تک کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ ان کے پیارے بزرگ کو بادشاہ نے سلومی کی باتوں میں آ کر شہید کروا دیا ہے۔

محل پر بھی ایک پر اسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی بادشاہ کے اندھے ہونے کی خبر سوائے چند ایک شہزادیوں اور سپہ سالار کے اور کسی کو معلوم نہ تھی اس راز کو بھی یوحنا کی شہادت کے راز کی طرح ہر ایک نے چھپا رکھا تھا اندر شاہی حکیم بڑی محنت اور سرگرمی سے بادشاہ کی

آنکھوں کا علاج کر رہا تھا مگر اس کی اندھی آنکھوں میں ذرا سا بھی فرق نہیں پڑ رہا تھا بادشاہ کی آنکھوں میں سوائے اندھیروں کے اور کچھ نہیں تھا۔

اب ایک اور بیماری نے بادشاہ کو پکڑ لیا تھا اس کی آنکھوں سے پہلے تو مسلسل پانی بہتا رہا پھر آنکھیں سوج کر کپا بن گئیں مجبور ہو کر بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ جو حکیم بادشاہ کی آنکھوں کی سوجن دور کر دے گا بادشاہ ہیرے جواہرات سے اس کی جھولیاں بھر دے گا ملک کے سارے حکیم باری باری آ کر بادشاہ کا علاج کر چکے مگر کوئی فرق نہ پڑا بادشاہ عاجز آ گیا سوجن اس قدر تکلیف دیتی کہ بادشاہ کی چیخیں نکل جاتیں۔

بادشاہ کی اس اذیت ناک بیماری کی خبر عنبر اور ناگ پھنی کو بھی پہنچ گئی تھی تو انہوں نے کہا کہ یہ خدا کی طرف سے بادشاہ پر عذاب نازل ہوا

ہے مگر سوال یہ تھا کہ سلومی کہاں ہے اس کے بارے میں انہوں نے کبھی کوئی خبر نہیں سنی تھی۔

ناگ نے کہا۔

اگر یہ سب کچھ سلومی کے اشارے اور خواہش پر ہوا ہے تو بادشاہ نے ضرور اسے قید خانے میں ڈلوادیا ہوگا۔

عنبر سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ میں خود بادشاہ کے پاس جاکر اس کی آنکھوں کو دیکھوں کہ کیا واقعی وہ بیماری اس کے گناہ کا نتیجہ ہے یا واقعی کسی بد پرہیزی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے اگر تو وہ بیماری اس کے گناہ کے بدلے میں اسے سزا کے طور پر ملی ہوگی تو پھر مجھے صاف معلوم ہو جائے گا۔

ناگ بولا۔

میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

عنبر نے کہا۔

تو پھر ابھی چلو۔

عنبر اور ناگ اسی وقت محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

بادشاہ کی شدید بیماری کی وجہ سے محل کے دروازے حکیموں پر چوبیس گھنٹے کھلے تھے محل کے دروازے پر پہریداروں نے جب عنبر اور ناگ پھنی کے بارے میں تسلی کر لی کہ یہ واقعی حکیم ہیں تو انہوں نے اندر جانے کی اجازت دی عنبر نے اپنے دوست ناگ کو اپنا شاگرد بتایا تھا۔ ناگ نے گلے میں چمڑے کا ایک جھولا لٹکا رکھا تھا جس میں کچھ مرہم اور کچھ عرق تھے۔

شاہی غلام عنبر اور ناگ کو محل کے اندر خواب گاہ میں لے گیا بادشاہ بستر پر پڑا تھا اور درد کے مارے کراہ رہا تھا اس کے پاس اس کی ملکہ اور

شہزادیاں اداس بیٹھی اسے تسلیاں دے رہی تھیں عنبر نے ملکہ کو سلام کیا اور کہا۔

ملکہ میں ایک حکیم ہوں اور بادشاہ کی بیماری کا حال سن کر آیا ہوں میں کوشش کروں گا کہ بادشاہ کو تندرستی مل جائے۔

ملکہ نے آہ بھر کر کہا۔

نوجوان حکیم تم سے پہلے سینکڑوں حکیم آکر اپنی کوشش کر چکے ہیں مگر کسی کی دوائی نے بادشاہ سلامت کو صحت نہیں دی بلکہ بیماری پہلے سے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

عنبر نے کہا۔

ملکہ میں بھی کوشش کر کے دیکھنا چاہتا ہوں کیا مجھے آپ کی طرف سے اجازت ہے۔؟

بادشاہ نے کراہتے ہوئے کہا۔

باتوں میں وقت ضائع نہ کرو حکیم اگر علاج کر سکتے ہو تو کرو ورنہ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔

بیماراور درد کی وجہ سے بادشاہ کا مزاج چڑ چڑا ہو گیا تھا عنبر کو بادشاہ کا اس طرح بولنا بہت برا لگا اسے ناگ نے بھی بری طرح محسوس کیا، مگر وہ دونوں خاموش رہے عنبر نے اسی وقت محسوس کرلیا کہ خداوند کا منشاء ہی نہیں کہ بادشاہ اچھا ہو کیونکہ اگر خدا کا منشاء ہوتا تو بادشاہ اخلاق کے ساتھ پیش آتا وہ عنبر کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا تاکہ عنبر جان لڑا کر بادشاہ کی بیماری کا علاج کرتا لیکن یہاں تو آتے ہی بادشاہ نے ایسی بد تمیزی کی تھی کہ اس کا دل بادشاہ کی طرف سے بند ہو گیا تھا بہر حال چونکہ وہ وہاں پر معلوم ہی یہ کرنے آیا تھا کہ بادشاہ کی بیماری اس کے گناہوں کا نتیجہ ہے یا نہیں۔؟ اس لئے وہ خاموش رہا اور اس نے جھک کر بادشاہ کی آنکھوں کو دیکھا دونوں آنکھیں سوج کر سرخ گیند

بن گئی تھیں عنبر نے انگلی سے ایک آنکھ کو کھولنے کی کوشش کی تو بادشاہ نے چیخ ماری۔

ارے مار ڈالا ظالم۔ اتنی زور سے کیوں ہاتھ لگایا۔ ہائے...........

ہائے............ہائے...........

عنبر نے ہاتھ پیچھے کر لیا اس نے جھولے میں سے ایک خاص قسم کا مرہم نکال کر بادشاہ کی آنکھوں پر لگایا تو بادشاہ تڑپ اٹھا اس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا حالانکہ اس مرہم میں کوئی تیز اور جلن کرنے والی دوائی نہیں تھی لیکن بادشاہ کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کی آنکھوں پر تیزاب ڈال دیا ہے عنبر محل سے واپس آ گیا باہر آ کر اس نے ناگ سے کہا۔

بادشاہ کو اس کے گناہ کی سزا ملی ہے

سلومی قید میں

سلومی کو قید خانے کی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا۔
کوٹھڑی ایک تہہ خانے میں تھی جس کے باہر سخت پہرہ لگایا گیا تھا۔ مگر یہاں بھی اس نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے کام لے کر وہاں سے بھاگ نکلنے کی ایک سازش تیار کی چونکہ وہ بڑے خاندان کی عورت تھی اس لئے اس نے کسی معمولی پہریدار کو پھانسنے کے بجائے سپہ سالار پر اپنا جال پھینکا ایک روز اس نے پہریدار سے کہا کہ وہ سپہ سالار کو بلائے پہریدار نے انکار کر دیا تو سلومی نے بھوک ہڑتال شروع کر دی یہ خبر سن کر سپہ سالار خود اس معاملے کی چھان بین کے لئے وہاں پہنچ گیا سلومی نے مسکرا کر سپہ سالار کی طرف دیکھا اور کہا۔

تمہاری قسمت میں اس ملک کا بادشاہ ہونا لکھا ہے اور تم ایک معمولی سپہ سالار بن کر بادشاہ کے غلام بنے ہوئے ہو۔

سپہ سالار ہنس پڑا۔ اس نے پوچھا۔

مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم نے بھوک ہڑتال کیوں کر رکھی ہے۔

صرف اس لئے کہ میں تم سے ملنا چاہتی تھی۔

میں آ گیا ہوں بولو تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔

سلومی نے کہا۔

میں تم سے اور تمہارے ذلیل بڈھے کھوسٹ بادشاہ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ مجھے قید میں سڑنے کے لئے کیوں ڈال رکھا ہے مجھے ایک ہی بار قتل کیوں نہیں کر دیا جاتا۔

اس کی باری بھی آ جائے گی، بادشاہ بہت بیمار ہے وہ تم سے غافل نہیں ہے میرا خیال ہے کہ دو چار دنوں کے اندر اندر وہ تمہارے قتل کا حکم سنا

دے گے پھر تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔

سلومی بولی۔

بہت خوب تو گویا تم مجھے قتل کر دو گے خیر میں تو قتل ہونے پر راضی ہوں میں ایک بہادر عورت ہوں میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھور سکتی ہوں مگر تم کیا کرو گے؟ تم ایک بزدل مرد ہو کیا تم موت کا مقابلہ کر سکو گے۔

سپہ سالار نے کہا۔

میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس کی پاداش میں مجھے قتل کیا جائے۔

سلومی نے قہقہہ لگایا۔

اتنے بھولے مت بنو جس گناہ کو میں نے کیا ہے اس میں تمہارے بادشاہ کے علاوہ تم بھی برابر کے شریک تھے۔

کیا مطلب ہے تمہارا؟ سپہ سالار نے پوچھا۔

مطلب صرف اتنا ہے کہ یوحنا نبی کا سر تمہارے اشارے پر کاٹا گیا تھا تم نے بھی ایک بھیانک گناہ کیا ہے تم بھی اس گناہ کی سزا سے نہیں بچ سکتے بادشاہ کے بعد یہی بیماری تمہارا پیچھا کرے گی اور تمہیں اذیت ناک موت سے مارے گی۔

سپہ سالار نے غصے میں کہا۔

یہ بکواس ہے میں نے صرف بادشاہ کا حکم مانا ہے اور میرا فرض تھا کہ میں بادشاہ کا حکم بجالاؤں۔

اگر بادشاہ تمہیں حکم دے کر اپنے بچے کا سر کاٹ کر لے آؤ تو کیا تم اس پر فوراً عمل کرو گے؟ کیا تم اپنے بچے کا سر کاٹ سکو گے کیا تم بادشاہ کے خلاف بغاوت نہیں کردو گے پھر تم نے یوحنا نبی کا سر کیسے کٹوا دیا؟ اس لئے کہ تم بھی چاہتے تھے کہ ایسا ہو اور تم نے بھی جان بوجھ کر ایک زبردست گناہ کیا ہے اور تمہیں بھی سزا ملے گی تم بھی سزا سے نہیں بچ

سکتے۔

سپہ سالار گھبرا سا گیا اس لئے کہ سلومی کی باتوں نے اس پر اثر کرنا شروع کر دیا تھا وہ جیل کی کوٹھڑی میں بے چینی سے ٹہلنے لگا سلومی نے کہا۔

سنو اب تمہاری نجات کی ایک ہی صورت ہے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ جس پر چل کر تم بچ سکتے ہو؟

سپہ سالار نے پوچھا۔

وہ کیا؟

سلومی نے مسکرا کر کہا۔

وہ یہ کہ اس بادشاہ کو قتل کر دو جس نے تمہیں یہ حکم دیا کہ یوحنا کا سر کاٹ کر لاؤ۔ صرف اسی صورت میں تم اپنے گناہوں کے داغ کو دھو سکتے ہو۔

سالار نے کہا۔

مگر یہ............ یہ بغاوت ہو گی بادشاہ کے خلاف بغاوت ہو گی

سلومی نے کہا۔

تم اس بادشاہ کے بارے میں ہمدردی سے کیوں سوچتے ہو جس نے تمہارے بارے میں ہمدردی سے غور نہیں کیا؟ بادشاہ نے تو تم سے ایک گھناؤنا گناہ کروایا ہے اگر تم نے اسے سزا نہ دی تو قدرت تم سے اس کا بدلہ لے گی۔

سپہ سالار کے دل پر سلومی کی باتوں کا برابر اثر ہو رہا تھا اسے کچھ کچھ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ سلومی ٹھیک کہہ رہی تھی بادشاہ ہیروڈ نے اسی کو یوحنا کا سر کاٹنے کا حکم دیا تھا کہ اس کے ساتھ ایک خوف ناک ظلم کیا جائے۔ اسے یوحنا نبی کے ساتھ تو کوئی دشمنی نہیں تھی اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ ایک نیک بندے کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کرتا۔

سپہ سالار پر اپنی باتوں کا اثر ہوتے دیکھ کر سلومی نے ایک اور حملہ کیا اور کہا۔

اگر تم بادشاہ کو ہلاک کر کے تخت پر قبضہ کرلو تو میں تم سے شادی کرلوں گی۔

سپہ سالار نے تعجب سے سلومی کی طرف دیکھا۔

کیا بادشاہ کو قتل کرنے سے مجھے گناہوں کی سزا معاف کر دی جائے گی؟ کیا قدرت مجھ سے انتقام نہیں لے گی۔

ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ تم ظالم کو ختم کردو گے بادشاہ نے ظلم کیا ہے اسے ختم کردو گے تو پھر تم سے بدلہ نہیں لیا جائے گا تم معاف کر دیئے جاؤ گے............معاف کر دیئے جاؤ گے۔

سپہ سالار اگرچہ ایک بہادر آدمی تھا مگر وہ ایک بے وقوف آدمی بھی تھا وہ دوسروں کی باتوں میں بڑی آسانی سے آجاتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا

سلومی نے اسے اپنی باتوں کے جال میں پھنسالیا اور اسے راضی کرلیا کہ وہ بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ جمالے۔............ سپہ سالار نے جاتے ہوئے کہا۔

میں اس سازش کے بارے میں ایک بار پھر غور کرنا چاہتا ہوں تم اس سلسلے میں کسی سے بات نہ کرنا۔

سلومی کہنے لگی۔

تم محل میں جا کر اور بادشاہ کی قابل رحم حالت دیکھ کر جتنا غور کرو گے اسی نتیجے پر پہنچو گے کہ تمہارے لئے ایک ہی نجات کا راستہ ہے کہ تم بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرلو اس طرح سے تمہارے گناہ بھی دھل جائیں گے اور بادشاہ کو بھی عذاب سے چھٹکارا مل جائے گا۔

سپہ سالار نے سلومی کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ قید خانے کی کوٹھڑی سے باہر نکل گیا مگر سلومی نے اپنی سازش میں کامیاب ہونے

میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اس نے تیر ٹھیک نشانے پر لگا دیا تھا اس نے سپہ سالار کے دل پر یہ بات پتھر کی لکیر کی طرح نقش کر دی تھی کہ اس کی نجات کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ ظالم کو ختم کر کے بادشاہ کو قتل کر کے خود تخت پر قبضہ جمالے۔

سپہ سالار نے جاتے ہی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اس نے ان کے ساتھ سلومی کے بارے میں کوئی بات نہ کی ان کو یہی بتایا کہ چونکہ بادشاہ کی بیماری کی وجہ سے رعایا اور ملک کی حالت بگڑتی جارہی ہے اس لئے وہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ملک کو خوش بنانا چاہتا ہے سپہ سالار نے ان سب کو بڑے بڑے عہدے دینے کا لالچ بھی دیا وہ اس لالچ میں آگئے اور بادشاہ کا تختہ الٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بادشاہ کو اس سازش کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا ایک تو وہ بیماری کی وجہ سے پریشان تھا دوسرے جن لوگوں نے بادشاہ کو اس سازش کے

بارے میں خبر دار کرنا تھا وہ خود سازش میں شریک تھے۔
عنبر اور ناگ واپس ناگن دیوی کے مندر میں آ گئے۔
ناگ بڑا اپجاری بنا دیوی کی پوجا کر رہا تھا اور عنبر اپنے کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اگر بادشاہ نے یوحنا بزرگ کو شہید کروادیا ہے تو قدرت اس سے اس گناہ کا ضرور بدلہ لے گی اتنے میں ناگ پھنی اندر آیا وہ کچھ پریشان تھا عنبر نے پوچھا۔
خیریت تو ہے ناگ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟
ناگ نے کہا۔
ابھی ابھی ایک عجیب واقعہ ہوا میں ناگن دیوی کی پوجا سے فارغ ہو کر اس کے قدموں میں پھول رکھ رہا تھا کہ اچانک ناگ دیوی کی آواز سنائی دی وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ یوحنا نبی کو بادشاہ سلومی اور سپہ سالار نے مل کر شہید کیا ہے اور اب سپہ سالار اور سلومی مل کر بادشاہ کو قتل

کر کے تخت پر قبضہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔

عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔؟

میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں، ناگن دیوی نے خود اپنی آواز میں مجھے یہ پیغام دیا ہے۔

ناگن دیوی نے اس سے پہلے جتنے بھی پیغام دیئے تھے وہ سب کے سب سچے نکلے تھے چنانچہ انہیں اب بھی یقین تھا کہ ناگن دیوی کی آواز غلط نہیں ہے انہوں نے اس بات پر بڑی حیرت کا اظہار کیا کہ سپہ سالار جو بادشاہ کا وفادار تھا اس کے خلاف کس طرح ہو گیا عنبر نے کہا۔

یہ ساری سازش سلومی نے تیار کی ہو گی وہ ایک ہوشیار اور مکار عورت ہے اس نے سپہ سالار کو راضی کر لیا ہو گا کہ وہ بادشاہ کو قتل کر دے اور

تخت پر قبضہ جما لے۔

ناگ نے کہا۔

ٹھیک ہے بادشاہ کو بھی اس کے گناہ کی سزا ملنی چاہیے۔

عنبر نے کہا۔

مگر بادشاہ تو رات دن خدا سے اپنے گناہ کی معافی مانگتا رہتا ہے وہ تو اپنے کیے پر پچھتا رہا ہے اسے بے حد صدمہ ہے کہ ایک مکار عورت کے اشارے پر اس کے ہاتھوں سے بڑا گناہ ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

اس سے کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے اس کا کیا ہوا گناہ اب واپس نہیں آ سکتا نہ ہی اس گناہ کا داغ دھل سکتا ہے۔

یہ تو ٹھیک ہے لیکن سلومی اور سپہ سالار سے بادشاہ اچھا آدمی ہے کہ کم از کم وہ اپنے کیے پر شرمسار تو ہے وہ اپنے گناہ پر پچھتا تو رہا ہے سلومی

اور سپہ سالار تو ظالم ہیں وہ شرمسار بھی نہیں ہیں۔

اور بادشاہ کو قتل کر کے ایک اور ظلم کرنا چاہتے ہیں۔

ناگ نے پوچھا۔

تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ہمیں بادشاہ کو بچانا چاہیے؟

میرا تو خیال ہے کہ ہمیں بادشاہ کو خبردار کر دینا چاہیے

لیکن بادشاہ بیمار ہے اور اندھا ہے وہ کیا مقابلہ کر سکے گا؟

عنبر بولا۔

میرا خیال ہے ہمیں بادشاہ سے چل کر بات کرنی چاہیے اگر تو واقعی اپنے کیے پر شرمندہ ہے اور خدا سے اپنے گناہوں کی سچے دل سے معافی مانگ رہا ہے تو ہمیں اس کی ضرور مدد کرنی چاہیے۔

ناگ نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں اس سے یہ وعدہ بھی لینا ہوگا کہ وہ آئندہ

سے یوحنا نبی کے ماننے والوں کو تنگ نہیں کرے گا

.............دریائے اردن کے کنارے ان کو اپنی مرضی کے ساتھ

عبادت کرنے کی آزادی دے گا۔

ضرور ضرور۔..............

اسی روز شام سے کچھ وقت پہلے عنبر بادشاہ کے محل میں آ گیا بہانہ اس نے یہ بنایا کہ وہ ایک دوائی بدل کر لایا ہے اور اسے امید ہے کہ اس دوائی سے بادشاہ کی بیماری دور ہو جائے گی اور اس کی آنکھوں کی سوجن ختم ہو جائے گی عنبر کو اسی وقت بادشاہ کے پاس پہنچا دیا گیا عنبر کی خوش قسمتی تھی کہ بادشاہ کے پاس سوائے اس کی ملکہ کے اور کوئی نہیں تھا عنبر نے جاتے ہی بادشاہ سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ ایک انتہائی اہم مسئلے پر بات کرنے آیا ہے بادشاہ ذرا چونکا، اس روز اس کی آنکھوں کا درد کم ہو گیا تھا............ بادشاہ نے پوچھا۔

تم مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہو؟

عنبر نے کہا۔

کیا آپ کو اپنی ملکہ پر بھروسہ ہے؟ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کی موجودگی میں ایک ایسی سازش کے راز سے پردہ اٹھاؤں جس کا تعلق آپ کے تخت و تاج سے ہے۔؟

بادشاہ کے چہرے پر تھوڑی سی پریشانی ظاہر ہوئی اس نے کہا۔

ہمیں اپنی ملکہ پر پورا پورا بھروسہ ہے تم کھل کر بات کرو، اب عنبر نے ساری بات کھول کر بیان کر دی کہ سپہ سالار سلومی کے اشارے پر بغاوت کرنے کے بعد بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے بادشاہ یہ سن کر سناٹے میں آ گیا بلکہ اس کا رنگ بھی زرد ہو گیا بادشاہ نے پوچھا۔

تمہیں اس کی خبر کہاں سے ملی ہے۔؟

عنبر نے کہا۔

مجھے میرے ایک جاسوس نے یہ اطلاع دی ہے جو آپ کا خیر خواہ ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

تمہارے پاس اس کا ثبوت کیا ہے کہ سپہ سالار مجھے قتل کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔؟

عنبر بولا۔

میرے لئے ثبوت پیش کرنا بڑا مشکل ہے اسلئے کہ ابھی تک یہ سازش باغیوں کے ذہنوں میں پرورش کر رہی ہے وہ ثبوت حاصل کر سکنے کا وقت نہیں دیں گے ممکن ہے ثبوت اس وقت مہیا ہو جب آپ اس دنیا میں نہ ہوں۔

بادشاہ سوچ میں پڑ گیا ملکہ نے کہا۔

مجھے اس پر پہلے ہی شک تھا دو تین روز سے وہ یہاں آ کر آپ کو اور چاروں اطراف سے دیکھا کرتا ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

میں اندھا ہو کر بستر پر پڑا ہوں میں اس کی گھناؤنی سازش کا اکیلا کیوں کر مقابلہ کر سکتا ہوں میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے جو گناہ ہوئے ہیں یہ مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔

اب عنبر نے صاف پوچھ لیا۔

کیا آپ یوحنا نبی کو شہید کر کے پچھتا نہیں رہے۔؟

بادشاہ تڑپ اٹھا۔

تمہیں کس نے بتایا؟

اسی جاسوس نے جس نے یہ بتایا ہے کہ سپہ سالار آپ کو قتل کرنے کی سازش کر رہا ہے۔

کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی ملکہ سسکیاں بھرنے لگی بادشاہ کی اندھی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے ہاتھ سینے پر باندھ کر کہا کہ وہ خدا سے گڑ گڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اس نے یوحنا نبی کو شہید کر کے جو گناہ کیا ہے اس پر وہ اس قدر پچھتا رہا ہے کہ اسکا ضمیر اسے ہر وقت ملامت کرتا رہتا ہے عنبر نے کہا۔

اگر یہ بات ہے تو مجھ سے جو مدد ہو سکی کروں گا۔

بادشاہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

تم کیا مدد کر سکو گے بھلا؟

عنبر نے کہا۔

یہ وقت آنے پر معلوم ہو گا۔

تختہ الٹ دو

بادشاہ ہیروڈ اپنے گناہ پر بہت پچھتا رہا تھا۔
چنانچہ جب عنبر نے اسے کہا کہ وہ صرف اس صورت میں اس کی حکومت کو تباہی اور بغاوت سے بچا سکتا ہے کہ وہ یوحنا نبی کے ماننے والوں پر سے تمام پابندیاں اٹھالے اور انہیں آزادی کے ساتھ دریائے اردن کے کنارے پر عبادت کرنے کی اجازت دے دے تو اس نے فوراً یہ شرط مان لی اور عنبر سے کہا کہ اگر خدا اس کے اتنے بڑے گناہ کو اتنی سی بات پر بخش سکتا ہے تو وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھے گا بادشاہ نے ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف بلند کیے اور یوحنا نبی کی

روح سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگی عنبر نے بادشاہ سے کہا۔

شاید خدا نے اور یوحنا نبی کی مقدس روح نے آپ کو معاف کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے دل میں آپ کی مدد کا خیال پیدا ہو گیا ہے لیکن آپ کو اپنے وعدے پر قائم رہنا ہو گا اور دریائے اردن کے کنارے یوحنا نبی کے ماننے والوں کے لئے ایک عبادت گاہ بنانی ہو گی۔

میں اس وعدے پر صدق دل کے ساتھ قائم رہوں گا میں یوحنا نبی کے ماننے والوں کو عبادت کی آزادی ہی نہیں دوں گا بلکہ اپنے ذاتی اخراجات سے یوحنا نبی کے نام پر ایک شان دار عبادت گاہ بھی بنواؤں گا جہاں لوگ آزادی سے عبادت کر سکیں گے۔

ملکہ نے کہا۔

میں بھی اس بات کی ضمانت دیتی ہوں۔

عنبر بادشاہ اور ملکہ کو یقین دلا کر وہ اس کی ہر حالت میں مدد کرے گا شاہی محل سے واپس ناگن دیوی کے مندر میں آ گیا یہاں آ کر اس نے ناگ کو ساری بات سمجھا دی اور یہ بھی کہا کہ بادشاہ اپنے کیے پر پچھتا رہا ہے اور اس نے یوحنا نبی کے ماننے والوں پر سے تمام پابندی اٹھا لینے اور انہیں اپنی مرضی سے عبادت کرنے کی اجازت دینے کا فیصلہ کر دیا ہے ناگ نے کہا۔

بادشاہ ہیروڈ خوش نصیب ہے اس نے نہ صرف اپنا سر قتل ہونے سے بچا لیا بلکہ اپنی سلطنت کو بھی محفوظ کر لیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

مگر اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کس طرح سپہ سالار اور سلومی کی سازش سے خبر دار رہنا ہو گا، کیونکہ ہمیں کوئی خبر نہیں کہ انہوں نے اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کون سا وقت اور کون سا طریقہ مقرر کیا

ہے۔

ناگ نے کہا۔

کیا تم کنیز کارمیلا کی روح سے نہیں پوچھ سکتے کہ یہ لوگ کب اور کیوں بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ جمانے والے ہیں۔؟

عنبر بولا۔

میرے دوست کارمیلا کی روح مجھے یہ نہیں بتا سکتی کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے ہاں جو کچھ ہو رہا ہو اس بارے میں وہ اپنی طاقت کے مطابق میری مدد کر سکتی ہے بادشاہ کے خلاف بغاوت کی خبر اس نے مجھے اپنی مرضی سے دی ہے اور اسے بھی اس وجہ سے خبر ملی تھی کہ یہ ایک اللہ کے نیک بندے کی شہادت کا معاملہ تھا ہونے والے واقعات کے بارے میں میں نے جب کبھی کارمیلا سے پوچھا وہ خاموش ہو گئی ہے۔

ناگ نے کہا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اپنے طور پر اب حرکت میں آ جانا چاہیے کیونکہ سلومی قید خانے میں ہے وہ بہت جلد آزاد ہو کر اس ملک کی ملکہ بننا چاہتی ہو گی۔

عنبر کہنے لگا۔

ہاں............اور اس کے لئے وہ سپہ سالار کو شاہ ہیروڈ کے قتل پر اکسا رہی ہو گی تم اس سلسلے میں یہ کر سکتے ہو کہ کس طرح سلومی کوٹھڑی میں پہنچ جاؤ اور ان کی خفیہ گفتگو کو سنو اور مجھے آ کر خبر دو ان دونوں کے درمیان کیا کھچڑی پک رہی ہے۔

ناگ نے کہا۔

میرے دوست میں اس خدمت کے لئے تیار ہوں۔

پھر تم آج ہی اور اسی وقت وہاں پہنچ جاؤ لیکن کیا تمہارے اس طرح

جانے میں خطرہ تو نہیں ہے میرا خیال ہے کہ خطرہ قدم قدم پر ہے تمہارا کیا خیال ہے۔

ناگ نے کہا۔

میں تو تمہارے کہنے پر آگ میں کود پڑنے کو بھی تیار ہوں اس لئے کہ تم نے میری ہر جگہ مدد کی ہے میری جان بچائی ہے میں تمہارا احسان مند ہوں یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ مجھے کیسے اور کب وہاں پہنچنا ہوگا؟ میرا کام تو تمہارے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا۔

پھر تم ٹھہر جاؤ میں بادشاہ سے ذکر کر کے خاص طور پر تمہاری ڈیوٹی قید خانے کے باہر لگواتا ہوں اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تم سلومی کے آس پاس رہو گے اور ایک ایک پل کی خبر ہوگی............ تمہارا کیا خیال ہے۔؟

بڑا مناسب خیال ہے؟

دوسرے روز عنبر علاج کرنے بادشاہ کے محل میں آ گیا وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بادشاہ کی آنکھ کا درد کم ہو گیا تھا اور سوجن بھی اترنا شروع ہو گئی تھی اس کا صاف طور پر یہی مطلب تھا کہ خدا نے بادشاہ کی گڑگڑاہٹ سن لی ہے اور اسے معاف کر دیا ہے عنبر نے بادشاہ کو بتایا کہ اس کی آنکھیں اچھی ہو رہی ہیں اور خدا نے چاہا تو اس کی بینائی بھی واپس آ جائے گی شاہ ہیروڈ نے خدا کا شکر ادا کیا اور دل سے دعا کی کہ وہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے عنبر نے ناگ کو جیل خانے کے پہرے پر لگانے کی تجویز پیش کی۔

بادشاہ نے کہا۔

عنبر، تمہیں اجازت ہے کہ میری سلطنت کو باغیوں سے بچانے کے لئے جو کچھ کرنا چاہو تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں

ہے۔

عنبر کہنے لگا۔

پھر بھی یہ حکم آپ ہی دیں گے کہ ناگ کو سلومی کی کوٹھڑی کے باہر پہرے پر لگا دیا جائے۔

بادشاہ نے کہا۔

میں اس کے لئے ابھی حکم جاری کر دیتا ہوں ناگ سے کہو کہ وہ وردی خانے جا کر سپاہی کی وردی حاصل کر لے اور آج ہی سے سلومی کے قید خانے کے باہر پہرہ دینا شروع کر دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا ناگ نے سپاہی کی وردی پہن لی اور قید خانے میں سلومی کی کوٹھڑی کے باہر کھڑے ہو کر پہرہ دینا شروع کر دیا پہلے والے پہرہ دار کو وہاں سے ہٹا دیا گیا سلومی نے نئے سپاہی ناگ کو کوٹھڑی میں سے غور سے دیکھا اور سلاخوں کے قریب آ کر پوچھا۔

ایسے لگتا ہے کہ میں نے پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے۔

ناگ نے سر جھٹک کر کہا۔

میں کل ہی سکندریہ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا ہوں تم نے مجھے نہیں دیکھا۔

سلومی مسکرائی۔

چلو اگر پہلے نہیں دیکھا تو آج تو دیکھ لیا ہے تم شادی شدہ ہو؟ ناگ سمجھ گیا کہ سلومی اسے اپنی چار لبازیوں میں لانا چاہتی ہے اس نے کہا۔

میں شادی شدہ ہوں میرے دس بچے ہیں اور تمہیں اس سے کیا؟

سلومی بولی۔

میں تو اس لئے پوچھ رہی ہوں کہ مجھے تم سے ہمدردی ہے سوچتی ہوں کہ تم اتنی مشکل ڈیوٹی دیتے ہو اور تمہیں تنخواہ کیا ملتی ہے تمہارا گزارا کتنی مشکل سے ہوتا ہوگا۔

ناگ نے کہا۔

کیا تم مجھے بادشاہ کے خلاف کرنا چاہتی ہو۔؟تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں بادشاہ کا وفادار ہوں اور اس کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا۔

یہ کہہ کر ناگ وہاں سے ہٹ گیا اور چل پھر کر پہرہ دینے لگا اب وہ اس بات کے انتظار میں تھا کہ کب سپہ سالار اس کے پاس آتا ہے اگلے ہی روز سپہ سالار وہاں پہنچ گیا ناگ بڑا خوش ہوا لیکن یونہی جھوٹ موٹ اس نے سپہ سالار سے کہا۔

آپ بادشاہ کا اجازت نامہ دکھائے بغیر سلومی سے نہیں مل سکتے سپہ سالار نے کہا۔

میں سپہ سالار ہوں میں جس وقت چاہوں قیدی سے ملاقات کر سکتا ہوں تم مجھے روکنے والے کون ہو۔؟ میرے راستے سے ہٹ جاؤ

وگرنہ میں تمہیں کھڑے کھڑے قتل کردوں گا۔

ناگ یہی چاہتا تھاچنانچہ وہ پرے ہٹ گیااور اس نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا سپہ سالار اندر چلا گیا اب ناگ کا اصل کام شروع ہونے والا تھا اب اسے اندر پہنچ کر ان دونوں کی باتوں کو سننا تھا کہ وہ بادشاہ کو قتل کرنے کی کیا سازش کررہے ہیں ناگ کوٹھڑی سے دور چلا گیا ایک جگہ اندھیرا سا تھا اور ارد گرد کوئی نہیں تھا۔..........ناگ نے ہلکی سی پھنکار ماری اور سانپ کی شکل بدلی اور دیوار پر سے رینگتا ہوا اوپر چھوٹے سے روشن دان میں سے ہو کر کوٹھڑی کے اندر چلا گیا وہ دیوار پر سے اتر کر نیچے نہ آیا بلکہ اوپر چھت کے ساتھ ہی ایک طرف لگا رہا اور ان دونوں کی باتیں سننے لگا۔

یہ ناگ کی بدقسمتی تھی کہ سلومی اور سپہ سالار کے درمیان جو باتیں ہوئیں ان میں یہ ذکر کہیں بھی نہیں آیا کہ وہ کب اور کس طرح بادشاہ کو

قتل کریں گے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بات کا فیصلہ وہ پہلے سے ہی کر چکے ہیں ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی۔

سپہ سالار۔ میں وقت مقررہ پر تمہیں قید خانے سے آ کر لے جاؤں گا۔

سلومی۔ کیا فوجی افسروں سے تم نے ساری بات طے کر لی ہے؟

سپہ سالار۔ وہ سب میرے ساتھ مل چکے ہیں میں انہیں جس طرح کہوں گا وہ اسی طرح کریں گے وہ صرف میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں۔

سلومی۔ بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو شہر کے چوک میں لا کر رکھ دینا بہت ضروری ہو گا کہ عوام کو یقین ہو جائے کہ بادشاہ مر چکا ہے۔

سپہ سالار۔ اس کا بندوبست بھی کر لیا گیا ہے یہ کام کمازار نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔

سلومی۔ کیا یہ لوگ آخری دم تک وفادار رہیں گے۔

سپہ سالار۔ کیوں نہیں، میں نے انہیں اعلیٰ عہدوں کا لالچ دیا ہے۔

سلومی۔ کہیں وہ تمہیں بھی قتل کرنے کا منصوبہ تو نہیں بنا رہے۔؟

سپہ سالار۔ ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا اس سے پہلے میں ان سب کو قتل کر دوں گا۔

سلومی۔ پھر بھی تمہیں بے حد ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

سپہ سالار۔ تم فکر نہ کرو میں ہر طرح سے چوکس ہوں اچھا اب میں جاتا ہوں تم میرا انتظار کرنا اب میں تمہیں یہاں سے لینے ہی آؤں گا۔

سلومی۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔

اس کے بعد سپہ سالار اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔

ناگ بھی روشن دان سے ہو کر باہر برآمدے کی چھت پر آیا اور وہاں سے اتر کر نیچے آ گیا نیچے آتے ہی وہ پھر سے انسان کی شکل میں واپس

آ گیا سپہ سالار اسے دیکھ رہا تھا ناگ جلدی سے آگے بڑھا اور بولا۔

کیا آپ پھر بھی آ رہے ہیں یا میں دروازہ بند کر دوں۔

سپہ سالار نے کہا۔

ہاں ہاں دروازہ بند کر دو میں اب نہیں آؤں گا۔

ناگ نے سوچا کہ ذرا اس کے دماغ کو یہ بتا کر پریشانی تو لگا دو کہ مجھے اس کی سازش کا علم ہے خدا جانے اسے یہ خیال کیوں آیا اس نے یہ بھی غور نہ کیا کہ ایسا کرنا کہیں ان کے لئے نقصان دہ تو نہیں ہو گا ناگ نے کہا۔

مگر آپ تو سلومی سے کہہ رہے تھے کہ میرا انتظار کرنا۔

سپہ سالار آگے چلتے چلتے وہیں رک گیا یہ بات اس کے دماغ پر پتھر بن کر گری اس نے واپس پلٹ کر کھا جانے والی نظروں سے ناگ کو دیکھا اور اسے کندھے سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا۔

کم بخت تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں نے سلومی سے یہ بات کی ہے

بولو جواب دو کیسے پتہ چلا تمہیں۔؟

ناگ نے پہلے تو گڑگڑا کر بڑی عاجزی سے کہا۔

حضور میں نے دور سے آپ کی آواز سنی تھی۔

سپہ سالار نے کہا۔

بکواس کرتے ہو میں بڑی آہستہ آہستہ بات کررہا تھا تم میری آواز نہیں سن سکتے تھے پھر تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں نے یہ کہا ہے بتاؤ نہیں تو میں تمہارا سر قلم کردوں گا۔

ناگ نے کہا۔

مجھ سے غلطی ہوگئی حضور معاف کردیں۔

سپہ سالار نے اچانک تلوار کھینچ لی اسے تو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس کی سازش بے نقاب ہوگئی ہے سپہ سالار نے ناگ کی گردن پکڑ کر

کہا۔

بولو۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں سلومی سے دوبارہ مل رہا ہوں اگر تم نے جواب نہ دیا تو میں ابھی اس تلوار سے تمہاری گردن کاٹ کرر کھ دوں گا۔

اب ناگ انتظار نہیں کر سکتا تھا اب وہ احمقوں کی طرح سپہ سالار کا منہ نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے کہ یہ اس کی زندگی اور موت کا سوال تھا اس نے کھڑے کھڑے بڑے زور سے پھنکار ماری اس کے منہ سے اس قدر گرم بھاپ نکلی کہ سپہ سالار اس کی گردن چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا ناگ اس کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھنے لگا سپہ سالار کو ناگ کی آنکھوں سے خوف محسوس ہوا اور وہ چپکے سے وہاں سے کھسک گیا یہ سارا منظر سلومی کوٹھڑی کی سلاخوں کے ساتھ لگی دیکھ رہی تھی اس نے سپہ سالار کو جاتے دیکھا تو ناگ سے کہا۔

پہریدار تم سپہ سالار سے کیا باتیں کرر ہے تھے؟

ناگ نے پلٹ کر سلومی کو دیکھا اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں اور ان میں سے جادو کی کرنیں باہر نکل رہی تھی سلومی کو بھی ان آنکھوں سے دہشت محسوس ہوئی اور چپکے سے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

ناگ نے عنبر کو رات کو آ کر بتایا کہ سپہ سالار اور سلومی کی گفتگو سے وہ یہ معلوم نہیں کر سکا کہ بادشاہ کو کب اور کیسے قتل کیا جا رہا ہے اس کے بعد اس نے عنبر کو ساری تفصیل کھول کر بیان کر دی عنبر گہری سوچ میں ڈوب گیا اسکا مطلب یہ تھا کہ خطرہ بادشاہ کے سر پر منڈلا رہا تھا کوئی خبر نہیں پہنچی تھی کہ کون کس وقت بادشاہ کے سینے میں خنجر اتار دے یا اس کے کھانے میں زہر ملا کر دے دے عنبر کو یہ معلوم ہوا کہ جیل کا کماندار بھی بغاوت کی سازش میں شریک ہے اور اس کے علاوہ کئی

فوجی افسروں کو بھی سپہ سالار نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔
عنبر نے بادشاہ کی خبر گیری شروع کر دی مگر چوبیس گھنٹے وہاں نہیں بیٹھ سکتا تھا اور پھر بادشاہ کو کسی پانی یا کھانے میں زہر بھی دیا جا سکتا تھا آخر تنگ آ کر عنبر نے سپہ سالار کو ہی ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا لیا اس نے ناگ سے مشورہ کیا کہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا ہے،ہم کسی غلطی سے اندھے کنویں میں گر جائیں اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس سازش کے سرغنہ سپہ سالار کو ہی ختم کر دیا جائے اس لئے کہ اگر سپہ سالار کو ختم کر دیا تو باقی اپنے آپ بغاوت سے ہاتھ چھوڑ دیں گے ناگ نے کہا۔
اگر تم یہی مناسب خیال کرتے ہو تو میرے لئے سپہ سالار کو ہلاک کرنا خوشی کا باعث ہو گا کیونکہ اس نے میری بے عزتی کی تھی۔
عنبر نے کہا۔

پھر تم ایسا کرو کہ یہ معلوم کرو سپہ سالار کہاں ہے وہ جہاں بھی ہو اسے ہلاک کر دو نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

ناگ عنبر کا اشارہ پا کر سپہ سالار کی تلاش میں شاہی قلعے کی طرف روانہ ہو گیا کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ سپہ سالار وہیں کہیں اپنے فوجی افسروں کے ساتھ ہو گا۔

ہیروڈ کا قتل

ناگ دن بھر قلعے میں سپہ سالار کو تلاش کرتا رہا۔
مگر وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہ دیا اس نے ایک سپاہی سے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ شہر سے باہر سپاہیوں کو جنگی مشق کرانے گیا ہوا ہے ناگ عنبر کے پاس مندر میں آ گیا عنبر اپنے کمرے میں بیٹھا بادشاہ کی آنکھوں کے لئے ایک دوائی بنا رہا تھا۔ اس نے عنبر کو بتایا کہ سپہ سالار شہر سے باہر گیا ہوا ہے عنبر نے کہا۔
میرا خیال ہے کہ یہ لوگ بہت سوچ سمجھ کر بغاوت کا پہلا قدم اٹھانا چاہتے ہیں اسی لئے وہ دیر کر رہے ہیں بہر حال ہم آج رات اس کا انتظار کر لیتے ہیں کل اس کی خبر لیں گے۔

ناگ نے پوچھا۔

بادشاہ کا کیا حال ہے۔؟

آنکھوں کی سوجن دور ہو گئی ہے مگر بینائی واپس نہیں آ رہی۔

مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اندھا ہو چکا ہے۔

خیال تو میرا بھی ایسا ہی ہے مگر میں پوری کوشش کروں گا کہ وہ پھر سے دیکھ سکے۔

اچھا میں قید خانے کی طرف جا رہا ہوں ہو سکتا ہے سپہ سالار سلومی سے ملنے وہاں آئے۔

ہاں............اور اگر وہ وہاں آیا تو ایک پل ضائع کیے بغیر اسے ہلاک کر دینا۔

ایسا ہی ہو گا۔

ناگ وہاں سے سیدھا گھوڑے پر سوار ہو کر قید خانے پہنچ گیا جب وہ

سلومی کی کوٹھڑی کے باہر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کوٹھڑی میں سلومی نہیں تھی بلکہ اس کی جگہ ایک اور قیدی زمین پر بیٹھا تھا اس نے اس سپاہی کو بلا کر پوچھا۔

سلومی کہاں چلی گئی؟

سپاہی نے کہا۔

سپہ سالار کے حکم سے اسے شہر سے باہر والی چھاؤنی کے جیل خانے میں بھجوادیا گیا ہے۔

ناگ فوراً سمجھ گیا کہ سپہ سالار صبح سے کہاں غائب ہے وہ ضرور سلومی کے پاس چھاؤنی گیا ہوگا، اسکا مطلب یہ تھا کہ وہ بغاوت کے پہلے منصوبے میں کامیاب ہوگیا ہیں یعنی سپہ سالار نے سلومی کو بڑی آسانی سے اپنے ساتھ لے جا کر آزاد کروالیا ہے۔

دوسری چھاؤنی میں وہ قید کہاں ہوگی وہ تو سپہ سالار کے ساتھ بڑی

آزادی سے بغاوت کی سازش پر کام کر رہی ہو گی کیوں کہ چھاؤنی میں اکثریت ان افسروں کی تھی جو سازش میں برابر کے شریک تھے۔ ناگ نے سوچا کہ فوراً چل کر عنبر کو صورتحال سے آگاہ کرنا چاہیے چنانچہ وہ قید خانے سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ناگن دیوی کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب شام ہو گئی تھی اور سائے گہرے ہونے شروع ہو گئے تھے شہر میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل رہا تھا ناگ بڑی تیزی کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا مندر پہنچا وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ عنبر تو بادشاہ کا علاج کرنے شاہی محل جا چکا ہے ناگ نے وہیں سے گھوڑے کی باگ موڑی اور شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ابھی وہ شاہی محل کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اسے دور سے کچھ سپاہی بھاگتے ہوئے دکھائی دیے ایک سپاہی سخت زخمی تھا اس کے جسم سے

خون بہہ رہا تھا وہ اس کے قریب آ کر گر پڑا ناگ نے اسے سہارا دیا

اور پوچھا۔

تم کیسے زخمی ہوئے۔؟

سپاہی نے دم توڑتے ہوئے کہا۔

بادشاہ قتل کر دیا گیا ہے۔

اتنا کہہ کر وہ مر گیا ناگ کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی گویا سپہ سالار

کی سازش کامیاب ہو چکی تھی وہ چونکہ ایک سپاہی کی وردی میں تھا اس

لئے محل کی طرف بھاگا اسے سب سے زیادہ فکر عنبر کی تھی کیونکہ عنبر محل

میں گیا تھا وہ محل کے دروازے پر پہنچا تو اسے ہر طرف لاشیں اور خون

ہی خون نظر آیا وہ لپک کر اوپر بادشاہ کے محل کی طرف آ گیا وہاں بھی

لاشیں بکھری پڑی تھیں اور کچھ جگہوں پر سپہ سالار اور بادشاہ کے

سپاہیوں میں جنگ ہو رہی تھی ناگ تیز تیز قدم اٹھاتا بادشاہ کی خواب

گاہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں بھی سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں
بادشاہ کی لاش غائب تھی۔

بادشاہ کے بستر پر خون ہی خون تھا.............عنبر یہاں بھی نہیں تھا
اچانک اسے پردے کے پیچھے ایک کنیز کا سہما ہوا چہرہ دکھائی دیا ناگ
نے اسے پردے سے باہر نکال کر پوچھا کہ یہ سب کیا ہوا؟ ملکہ کہاں
ہے بادشاہ کی لاش کہاں ہے؟ شاہی حکیم عنبر کہاں ہے؟ کنیز ڈری
ہوئی تھی اس نے روتے ہوئے کہا۔

انہوں نے بادشاہ کو قتل کر دیا ملکہ کو گرفتار کر کے لے گئے بادشاہ کی لاش
بھی لے گئے۔

اور شاہی حکیم!؟

اسے بھی پکڑ کر ساتھ لے گئے۔

اسے کیوں گرفتار کیا۔؟

اس نے بادشاہ کو بچانے کی کوشش کی تھی۔
ناگ کو عنبر کی فکر پڑ گئی اگر چہ اسے معلوم تھا کہ اس کا کچھ بھی نہیں بگڑ سکتا کوئی بھی شخص اسے ہلاک نہیں کر سکتا پھر بھی اسے ساری زندگی کے لئے کسی اندھیرے تہہ خانے میں پھینکا جا سکتا تھا اور بادشاہ کی خواب گاہ سے باہر آ گیا سپہ سالار کے سپاہیوں کا ایک دستہ محل کے اندر داخل ہو رہا تھا ناگ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اسکے بعد فوج کے کچھ اور دستے اندر داخل ہوئے اس کے فوراً بعد سپہ سالار اور سلومی بڑی شان کے ساتھ گھوڑوں پر سوار شاہی محل میں آئے۔
سپہ سالار نے ایک چبوترے پر گھوڑے کو چڑھا کر تلوار بلند کی اور کہا۔
سنو۔ اے شاہ ہیروڈ کے بچے کچھے سپاہیوں! شاہ ہیروڈ قتل کیا جا چکا ہے اس کی لاش شہر کے سب سے بڑے چوک میں پڑی ہے اب میں اس شہر کا بادشاہ ہوں مجھے شہنشاہ روم اوکتے دین کی حمایت حاصل ہے

ہتھیار پھینک دو نہیں تو تمہیں ایک ایک کر کے بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جائے گا۔

سپہ سالار کی اس تقریر کے ساتھ ہی شاہ کے وفادار سپاہیوں نے اپنی شکست کو تسلیم کر لیا اور ہتھیار پھینک کر اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دیا یہ سارا کھیل ناگ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ وہاں سے سب کی آنکھ بچا کر محل سے باہر آ گیا وہاں سے وہ سیدھا شہر کے بڑے چوک میں پہنچا یہاں لوگوں کا ہجوم لگا تھا بادشاہ ہیروڈ کی لاش زمین پر پڑی تھی اور لوگ اس پر پتھر مار رہے تھے انہیں پتہ چل گیا تھا کہ بادشاہ شاہ ہیروڈ نے ہی یوحنا نبی کو شہید کروایا تھا انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ یوحنا نبی کا اصل قاتل سپہ سالار اور سلومی ہیں۔

بادشاہ کا گناہ یہ تھا کہ اس نے یوحنا کو شہید کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ محض سلومی کی مکار چالوں میں پھنس کر............... پھر بھی وہ قصوروار

ضرور تھا مرد وہی ہے جو اپنے ہر کام کو سوچ سمجھ کر کرے اور کوئی ایسا فیصلہ نہ کرے کہ جس کے لئے اسے بعد میں پچھتانا پڑے لوگ بڑے غصے میں تھے اور بادشاہ کی لاش پر پتھر پھینکتے ہوئے اسے برا بھلا کہہ رہے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ سپہ سالار نے لوگوں کی حمایت بھی حاصل کر لی تھی اس لئے کہ لوگوں کو اس نے اندھیرے میں رکھا تھا اس نے عوام میں یہی مشہور کروایا دیا تھا کہ یوحنا نبی کو بادشاہ نے شہید کروایا دیا ہے۔

ناگ وہاں سے سیدھا ناگن کے مندر میں آ گیا۔

یہاں پہنچ کر اس نے اپنی سپاہیوں کی وردی بدلی بڑے پجاری کا لباس پہنا اور اپنی کوٹھڑی میں جا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ عنبر کو کہاں اور کیوں کر تلاش کرے؟ ناگن دیوی کا معاملہ یہ تھا کہ وہ خود ہی اسے کبھی کبھی آواز دیا کرتی تھی ناگ کے کہنے پر وہ کبھی نہیں بولی

تھی ورنہ وہ اس سے پوچھ سکتا تھا کہ عنبر کو کس جگہ قید رکھا گیا ہے ناگ بہت پریشان تھا وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا رات ہو گئی تھی اور مندر میں ناگن دیوی کی عبادت کا وقت ہو رہا تھا ناگ بھی عنبر کے ساتھ مل کر یوحنا نبی کے خدا پر ایمان لا چکا تھا اور اب اس کا دل ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ پتھر کے سانپ کی پوجا کرے مگر چونکہ اسے وہاں رہنا تھا اسلئے وہ مجبور تھا کہ ایسا کرے۔

اب یہ حال سنیے کہ بادشاہ ہیروڈ قتل کیسے ہوا؟

جس وقت عنبر نے ناک کو سپہ سالار کی تلاش میں قید خانے کی طرف روانہ کیا تو وہ شاہ ہیروڈ کی آنکھوں پر دوائی کا لیپ کرنے شاہی محل کی طرف چل پڑا اس وقت شاہی محل پر ایک خاص قسم کی خاموشی چھائی ہوئی تھی اس قسم کی پراسرار خاموشی عنبر نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی محل کے درو دیوار کہہ رہے تھے کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے عنبر بادشاہ

کی خواب گاہ میں آ گیا بادشاہ اپنے شاہانہ بستر پر لیٹا ہوا تھا ملکہ اس کے پاس بیٹھی تھی کچھ غلام اور کنیزیں ذرا دور ستونوں کے پاس ہاتھ باندھے کھڑی تھیں عنبر نے بادشاہ کے قریب جا کر اس کی آنکھوں کا معائنہ کیا اور دوائی لگائی بادشاہ تندرست ہو رہا تھا مگر آنکھوں کی بینائی واپس نہیں آ رہی تھی عنبر بادشاہ سے باتیں کرنے لگا سازش کے بارے میں عنبر ایک ایک پل کی خبر بادشاہ کو دے چکا تھا بادشاہ خود بڑا پریشان تھا کہ سپہ سالار کب شاہی محل پر حملہ کرے گا ملکہ بے چاری تو سہمی بیٹھی تھی بادشاہ کو یہ معلوم تھا کہ سپاہی اس کے وفادار ہیں لیکن افسر سارے کے سارے سپہ سالار نے لالچ دے کر ساتھ کر لیے تھے جس کی وجہ سے بہت سے سپاہی بھی ان کے ساتھ مل گئے تھے۔

عنبر نے بادشاہ کو جھک کر سرگوشی میں بتا دیا کہ اس نے اپنے شاگرد ناگ کو سپہ سالار کو ہلاک کرنے کے لئے روانہ کر دیا ہے بادشاہ بہت

خوش ہوا مگر پھر کچھ اداس ہو گیا اور بولا۔

سپہ سالار ایک چالاک آدمی ہے اسے ہلاک کرنا تمہارے شاگرد کے بس کی بات نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔

آپ میرے شاگرد کو نہیں جانتے وہ اڑتی چڑیا کو ہلاک کر سکتا ہے۔

وہ ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک وہ ایک طرف ہٹا اور سپہ سالار سپاہیوں کے ایک دستے کے ساتھ اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اس سے پیشتر کہ عنبر سنبھل سکتا اور تلوار کھینچ کر سپہ سالار کا مقابلہ کر سکے سپہ سالار نے لپک کر تلوار بادشاہ کے سینے میں گھونپی بادشاہ کی چیخ بلند ہوئی اور وہ بستر پر تڑپنے لگا ملکہ کو گرفتار کر لو۔

عنبر نے آگے بڑھ کر سپاہیوں سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی سپہ سالار نے اسے بھی گرفتار کرنے کا حکم دے دیا دیکھتے ہی دیکھتے سپاہیوں

نے ملکہ اور عنبر کو بازوؤں میں جکڑ لیا سپہ سالار نے کہا۔

اس بادشاہ کی لاش شہر کے چوک میں پھینک دی جائے۔

بادشاہ اس عرصے میں مر چکا تھا سپاہوں نے اس کی لاش اٹھائی اور باہر لے گئے عنبر اور ملکہ کو بھی زنجیریں ڈال کر قید خانے کی طرف لے جایا گیا یہ سب اتنی جلدی ہو گیا تھا کہ عنبر کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا اسے بادشاہ کے قتل ہونے کا بہت افسوس تھا پہ سالار کی سازش کامیاب ہو گئی تھی ناگ یقیناً دیر سے پہنچا ہو گا ورنہ سپہ سالار اب تک مر چکا ہوتا مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا پانسہ پلٹ گیا تھا بادشاہ قتل ہو گیا تھا بغاوت کامیاب ہو چکی تھی محل میں ادھر اُدھر چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہو رہی تھیں مگر ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

ملکہ صدمے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔

سپاہی ملکہ کو قلعے کے اس قید خانے میں لے گئے جو ایک برج کے اوپر

بنا ہوا تھا عنبر کو قلعے کے تہہ خانے والی کوٹھڑی میں لا کر ڈال دیا گیا ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی تھی وہاں ایک انسانی ہڈیوں کا پنجر پڑا ہوا تھا یہ اس قیدی کا ڈھانچہ تھا جو قید میں پڑے پڑے مر گیا تھا اور کسی نے اسکی خبر نہ لی تھی اس تہہ خانے میں ایسے قیدیوں کو ڈالا جاتا تھا جن کی پوچھ گچھ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اور جو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اندر ہی مر جاتے تھے۔

عنبر کو بھی اسی تہہ خانے میں پھینک دیا گیا وہ ٹھنڈی زمین پر بیٹھ گیا اور اپنی قسمت پر غور کرنے لگا اس کی زندگی بھی کیسے کیسے انقلابوں اور حادثوں میں سے ہو کر گزر رہی ہے کبھی وہ بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوتا ہے اور کبھی قید خانے کی کال کوٹھڑی میں پڑا ہوتا ہے وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا اور سارے واقعات پر غور کرنے لگا ناگ کو کچھ خبر نہیں تھی کہ عنبر کے ساتھ کیسا سلوک ہو رہا ہے اس کے جاتے ہی کیسا تختہ الٹ گیا تھا

خدا جانے جب ناگ کو بغاوت کی خبر ہوگی تو وہ کیا کرے گا۔

سپہ سالار سلوی کو اس سے پہلے ہی قید خانے سے نکال کر چھاؤنی لے گیا تھا وہ ایک شاندار کمرے میں بڑی بے چینی سے ٹہل رہی تھی اتنے میں سپہ سالار گھوڑے پر سوار بڑی فاتحانہ شان سے چھاؤنی کے اندر داخل ہوا اس نے سلوی کو بتایا کہ بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد تخت پر قبضہ کر لیا گیا ہے سلوی خوشی سے جھوم اٹھی آج اس کے دل کی آرزو پوری ہو گئی تھی وہ سدوم شہر کی ملکہ بن گئی تھی اس نے سپہ سالار کو مبارک باد دی اور کہا۔

تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک بہادر سپاہی ہو میں آج سے تمہاری عزت کرتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ میں تمہاری ملکہ ہوں اور تم بادشاہ ہو۔

سپہ سالار نے آگے بڑھ کر پرانی ملکہ کے گلے سے نوچ کر اتارا ہوا

قیمتی ہیرے جواہرات کا ہار سلومی یعنی نئی ملکہ کے گلے میں ڈال دیا اور کہا۔

سدوم کی ملکہ بننے پر میری طرف سے بھی مبارک باد قبول کرو۔

سلومی نے مسکرا کر کہا۔

میری طرف سے بھی مبارک باد قبول ہو۔............لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے بادشاہ کی لاش کہاں رکھی ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

تمہارے کہنے کے مطابق اس شہر کے سب سے بڑے چوک میں پھینک دیا گیا ہے اور لوگوں کے سامنے اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہی وہ بادشاہ ہے جس کے حکم سے یوحنا نبی کو شہید کیا گیا تھا۔

سلومی کہنے لگی۔

اب ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا اگر تم لوگوں کی پوری پوری

ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے ہو تو یوحنا نبی کے ماننے والوں پر سے تمام پابندیاں اٹھا دو اور انہیں اجازت دے دو کہ وہ جب اور جس وقت چاہیں دریائے اردن کے کنارے جا کر عبادت کر سکتے ہیں۔

سپہ سالار نے کہا۔

میں کل ہی اس کا اعلان کردوں گا تم جو کہو گی میں وہی کروں گا تم میری ملکہ ہی نہیں میری وزیر بھی ہو گی تمہارے ہر مشورے کو میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

شکریہ۔

سلومی کو معلوم تھا کہ سپہ سالار اس کی عزت کرتا ہے اور اس کے ہر مشورے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر سلومی اس بیوقوف سپہ سالار کو پسند نہ کرتی تھی جو اس کے مشوروں کا محتاج تھا اس نے سپہ سالار کو کھلونا بنا کر بادشاہ کو قتل کروا کر تخت پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اسے سپہ

سالار کا بادشاہ بننا پسند نہیں تھا وہ چاہتی تھی کہ سپہ سالار بھی اس کے راستے سے ہٹ جائے تا کہ وہ آزاد اور خود مختار ہو کر ساری سلطنت کی مالک بن کر تخت پر بیٹھے۔

اُدھر رات بھر ناگ اپنے مندر میں پریشان رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے اسے رات کو نیند آئی مگر پھر آنکھ کھل گئی وہ جلدی سے جلدی یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کا جگری دوست عنبر کہاں ہے اور کس حال میں ہے مگر یہ کیوں کر معلوم ہو؟ کس کے ذریعے سے معلوم ہو ظاہر ہے سوائے شاہی قلعے اور شاہی محل کے سپاہیوں کے اور کسی کو علم نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ جب صبح ہوئی دن کی روشنی پھیلی تو ناگ مندر میں سے نکل کر شاہی قلعے کی طرف آ گیا۔

اس نے سپاہی کی وردی پہن لی تھی۔

آدھی رات کو آواز

ناگ قلعے کے اندر داخل ہوا تو اسے روک لیا گیا۔
اگر چہ بغاوت کامیاب ہو چکی تھی اور سپہ سالار نے تخت پر قبضہ کر لیا تھا پھر بھی قلعے کے اندر اور باہر سخت پہرہ تھا اور ہر ایک سپاہی کی سختی سے جانچ پڑتال ہوتی تھی ناگ بھی ایک عام سپاہی کی وردی میں تھا لیکن اسے یہ بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہ کس دستے کا سپاہی ہے اور اس دستے کا کماندار کون ہے؟ اس لئے کہ وہ تو اپنے جادو یا طاقت کے زور سے سپاہی کی وردی پہن بیٹھا تھا قلعے کے دروازے پر جن کوتوال نے اسے روکا وہ بڑی شکی طبیعت کا آدمی تھا اس نے ناگ سے پوچھا کہ وہ

کس دستے سے تعلق رکھتا ہے اور قلعے میں کس ڈیوٹی پر آ رہا ہے ظاہر ہے اس کا جواب ناگ تسلی بخش طور پر نہ دے سکا کوتوال نے حکم دیا کہ ناگ کو گرفتار کر کے سپہ سالار کے سامنے پیش کیا جائے ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق بادشاہ کے وفادار سپاہیوں سے ہو۔

اس وقت بادشاہ کے وفادار سپاہیوں کی سزا موت تھی ناگ پریشان ہو گیا وہ تو اپنے دوست عنبر کو بچانے آیا تھا اور الٹا خود مصیبت میں پھنس گیا لیکن اب ہو کچھ نہیں کر سکتا تھا اسے گرفتار کر لیا گیا اور ایک سپاہی اسے لے کر سپہ سالار کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا ناگ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر سپہ سالار کے سامنے لایا گیا تو سپہ سالار اسے فوراً پہچان لے گا کہ یہ تو بادشاہ کے وفادار لوگوں میں سے ہے اور اسی وقت اس کی گردن کاٹ کر رکھ دے گا ناگ کو اتنا موقع بھی نہ مل سکے گا کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کچھ کر سکے اس کا دماغ بڑی تیزی سے

سوچنے لگا کہ وہاں سے فرار کیسے حاصل کیا جائے اصل میں وہ وہاں سے فرار بھی نہیں ہونا چاہتا تھا وہ وہاں رہ کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کا دوست عنبر کس حال میں ہے اب وہ سپاہی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا وہ تنگ و تاریک برآمدے میں سے گزرے تو ناگ نے کہا۔

اگر تم پسند کرو تو میں یہاں ایک کوٹھڑی سے اپنا وہ قیمتی جواہرات کا ہار نکال لوں جو میں نے شاہی محل میں لوٹ مار کے وقت چھپا کر رکھا تھا۔

قیمتی جواہرات کے ہار کا سن کر سپاہی کے منہ میں پانی بھر آیا اسے معلوم تھا کہ بغاوت کے وقت جب شاہی محل میں لوٹ مار ہوئی تو بے شمار سپاہیوں نے دولت سے ہاتھ رنگے تھے اور ہیرے جواہرات لوٹ کر گھر لے گئے تھے لیکن اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا اب جو اس

نے ناگ کی زبانی ایک قیمتی ہار کا ذکر سنا تو اسکی نیت خراب ہو گئی اس نے سوچا وہ بڑی آسامی سے اس سے ہار چھین کر اپنے قبضے میں کر سکتا ہے وہ راضی ہو گیا۔

چلو مجھے چل کر دکھاؤ وہ ہار کہاں ہے۔؟

میرے سامنے والی کوٹھڑی میں آ جاؤ میں نے ہار اسی کوٹھڑی میں چھپا پا ہوا تھا ناگ نے کہا۔

تم یہاں دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ میں کونے میں سے ہار نکال کر لاتا ہوں۔

سپاہی نے ڈانٹ کر کہا۔

جلدی لے کر آؤ یہاں اندھیرا بہت ہے میں زیادہ دیر کھڑا نہیں ہو سکتا۔

فکر نہ کرو ابھی لے کر آتا ہوں۔

ناگ سپاہی سے الگ ہو کر کوٹھڑی کی ایک جانب اندھیرے میں ہو گیا تھوڑی دیر بعد سپاہی کو کوٹھڑی کے اندر پھنکار کی سی آواز سنائی دی وہ خوف زدہ ہو گیا کیونکہ یہ آواز ہو بہو سانپ کی پھنکار سے ملتی جلتی تھی ٹھیک اس وقت ناگ سپاہی سے بدل کر سانپ کی جون میں آ گیا تھا سپاہی ابھی سانپ کی پھنکار کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا ایک سرخ آنکھوں والا سانپ اپنا پھن پھیلائے زمین سے چار فٹ بلند ہو کر اس کے سامنے جھوم رہا تھا۔

سپاہی کا حلق خشک ہو گیا اس نے آواز دینی چاہی مگر آواز گلے سے نہ نکل سکی اس کا بدن ٹھنڈا ہو گیا سانپ نے لپک کر اس کی گردن پر ڈس دیا سپاہی چیخ مار کر گر پڑا برآمدہ دور تک ویران تھا وہاں اس کی چیخ سننے والا کوئی نہیں تھا سپاہی کو زمین پر گرتا دیکھ کر ناگ پھر سے سپاہی کے روپ میں آیا اور لپک کر کوٹھڑی سے باہر نکل آیا اب وہ تیز تیز قدم

اٹھا تا قلعے کی دوسری منزل میں آ گیا یہاں اور بھی بے شمار سپاہی ادھر اُدھر کام کر رہے تھے ناگ بھی وہاں چلنے پھرنے لگا اب اسے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو اسے عنبر یا ملکہ کے بارے میں یہ بتا سکے کہ وہ کہاں قید ہیں۔

سے ایک بوڑھا سپاہی نظر آیا جو ایک بارہ دری کے پاس پتھر پر بیٹھا ایک بلی کے بچے سے کھیل رہا تھا ناگ نے سوچا کہ یہ بوڑھا سپاہی شاید اس کی کچھ مدد کر سکے وہ ٹہلتا ٹہلتا اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور بلی کے بچے کو کھیلتے بڑے شوق سے دیکھنے لگا بوڑھے سپاہی نے ناگ کو دیکھا اور مسکرا کر کہا۔

یہ میری پالتو بلی کا بچہ ہے۔

بڑا خوب صورت ہے ناگ نے کہا اور سپاہی کے پاس بیٹھ گیا۔

بوڑھے سپاہی نے کہا۔

تم نے اس کی ماں کو نہیں دیکھا وہ اس سے بھی بڑھ کر خوبصورت تھی۔

ناگ نے پوچھا۔

اس کی ماں کہاں ہے۔؟

سپاہی نے آہ بھر کر کہا۔

بادشاہ کے ظالم سپاہیوں نے اسے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔

ناگ نے سپاہی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بادشاہ اور اس کے وفادار سپاہیوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا بوڑھا سپاہی بھی بلی کی ماں کو یاد کر کے بادشاہ کو کوسنے لگا ناگ نے کہا۔

میں تو کہتا ہوں جس طرح ہمارے بہادر سپہ سالار نے بادشاہ کو قتل کیا تھا اسی طرح ملکہ کو بھی قتل کر دینا چاہیے تھا ناگ کے ساتھ ناگن کو بھی کچل دینا چاہیے تھا کیا خبر کہ کب وہ بھی غداری کر دے۔

بوڑھے سپاہی نے کہا۔

بہادر سپہ سالار بہت جلد غدار ملکہ کو پھانسی پر لٹکا دے گا۔

اور اگر اس دوران میں وہ فرار ہو گئی تو اس کو کون ذمے دار ہو گا۔

سپاہی ہنس دیا اور بولا۔

وہ اس قلعے کے سب سے اونچے برج کی کوٹھڑی میں قید ہے وہاں سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتی۔

ناگ کو اسی اطلاع کی ضرورت تھی وہ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہاں سے اٹھ کر ایک طرف کو چل پڑا اب اس کی منزل قلعے کا سب سے اونچا برج تھا جو پہاڑی کی سب سے بلند ترین چوٹی پر تھا اسے یقین تھا کہ ملکہ سے ملنے کے بعد اسے اپنے دوست عنبر کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہو سکیں گی چونکہ وہ ایک سپاہی کی وردی میں تھا اس لئے اسے کسی نے نہ روکا اور وہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں سے برج کی سیڑھیاں شروع ہوتی تھیں اس جگہ بڑا سخت پہرہ

تھا اور ناگ بھی وہاں تک نہیں جا سکتا تھا اسی لئے کہ کسی سپاہی کو بھی سپہ سالار کی اجازت کے بغیر اوپر ملکہ کی کوٹھڑی تک جانے کی اجازت نہیں تھی۔

ناگ نے اپنا پرانا طریقہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ سب کی نظروں سے چھپتا ہوا ایک طرف آ گیا یہاں قلعے کی زنگ خوردہ دیوار کا سایہ تھا ناگ نے بڑی آسانی کے ساتھ یہاں انسان کی شکل سے ناگ کی شکل اختیار کر لی اور پتھروں پر سے رینگتا ہوا اوپر برج کی دیوار پر چڑھنے لگا وہ برج کے پچھلے حصے کی طرف سے ہو کر اوپر چڑھ رہا تھا تا کہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔

وہ بڑی تیزی سے رینگتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ اوپر والے برج کے روشن دان پر پہنچ گیا یہاں سے اس نے نیچے گردن اٹھا کر دیکھا نیچے گہری خندق میں کچھ مزدور کام کر رہے تھے

قید سے فرار

ناگ روشن دان کی سلاخوں میں سے ہو کر کوٹھڑی کی اندروالی دیوار پر آ گیا اس نے کوٹھڑی کے اندر دیکھا............ ملکہ جو کہ سپہ سالار کی قیدی تھی ایک ٹوٹے پھوٹے تخت پوش پر سر جھکائے بیٹھی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں اوراس نے اپنا سر دیوار کے ساتھ لگا رکھا تھا شاید وہ روتے روتے سو گئی تھی ناگ جلدی سے دیوار پر سے رینگ کر نیچے اتر آیا نیچے اتر کر ایک ہلکی سی پھنکار کے بعد وہ دوبارا سپاہی کی شکل میں ملکہ کے سامنے آ گیا ملکہ نے اسے دیکھا نہیں تھا کیونکہ اس کی آنکھیں بند تھیں ناگ ذرا سا کھنکارا کہ ملکہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا وہ سمجھ گئی کہ یہ سپاہی اسے پھانسی پر لٹکانے کے لئے لے جانے کے لئے آیا ہے ملکہ نے کہا۔

میں مرنے کے لئے تیار ہوں بادشاہ کے مرنے کے بعد میں زندہ رہ کر کیا کروں گی۔

ناگ نے آگے بڑھ کر کہا۔

ملکہ سلامت میں آپ کا ہمدرد بن کر آیا ہوں میں آپ کا وفادار ہوں میں شاہی حکیم عنبر کا جگری دوست ہوں اور آپ دونوں کو یہاں سے نکالنے کے لئے کوشش کر رہا ہوں۔

ملکہ نے چونک کر ناگ کی طرف دیکھا۔

تو کیا تم حکیم عنبر کے دوست ہو؟

ہاں ملکہ!

مگر سپاہیوں نے تو اسے بھی قید کر رکھا ہے وہ تو میرے ساتھ اسے بھی پھانسی پر چڑھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ عنبر کو کس جگہ رکھا گیا ہے۔؟

یہ مجھے نہیں معلوم:

بہت اچھا میں اس کا پتہ کرلوں گا لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ عنبر اور

آپ کو اکٹھے یہاں سے نکالوں گا اس کے لئے میرا عنبر سے ملنا بہت ضروری ہے میں اس کی تلاش میں ہی یہاں مارا مارا پھر رہا ہوں میرا خیال تھا کہ شاید آپ کو اس کے بارے میں کچھ علم ہو گا۔

ملکہ نے سوچ کر کہا۔

میرا خیال ہے کہ یہاں کسی نے ذکر کیا تھا کہ حکیم کو اس کوٹھڑی میں قید کیا گیا ہے جس کوٹھڑی میں یوحنا نبی کا سر کاٹا گیا تھا۔

ناگ نے کہا۔

اب میرے لئے اپنے دوست کو تلاش کرنا آسان ہو گیا ہے میں اس کوٹھڑی کو اتہ پتہ معلوم کرلوں گا۔

ناگ ملکہ سے اجازت لے کر کوٹھڑی کے دروازے سے باہر نکل گیا یہ دروازہ کھلا تھا اس لئے کہ نیچے برج کے دروازے پر بڑا سخت پہرہ لگا تھا یہ دروازہ اس لئے کھلا رکھا گیا تھا کہ ملکہ کبھی کبھی باہر نکل کر ٹہل لیا

کرے ناگ نے باہر آ کر پھر سانپ کی جون تبدیل کر لی اور نیچے اتر کر قلعے کی پہلی منزل پر آ گیا یہاں اسی پرانی دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اس نے دوبارا سپاہی کی شکل اختیار کی اور اس مقام پر واپس آ گیا جہاں بوڑھا سپاہی بلی کے بچے سے کھیل رہا تھا ناگ اس کے پاس بیٹھ کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

اس نے باتوں ہی باتوں میں اس سے معلوم کر لیا کہ وہ کوٹھڑی کہاں پر واقع ہے جس کے اندر یوحنا نبی کا سر کاٹا گیا تھا یہ کوٹھڑی قلعے کی نچلی منزل کے تہہ خانے میں مغربی تختے کی جانب تھی ناگ قلعے کی نچلی منزل میں آ گیا اور تہہ خانے کی طرف قدم بڑھانے لگا۔

ادھر عنبر کی بھی ذرا خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال می ہے عنبر تہہ خانے کی گیلی زمین پر دیوار سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا کہ ایکا دیکی سے یوں لگا جیسے اندھیری کوٹھڑی میں روشنی ہو گئی ہو جو اپنی آنکھیں جھپکنے لگا

کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا مگر یہ خواب نہیں تھا حقیقت تھی روشنی اس کی کوٹھڑی میں ہو چکی تھی اور اب اسے ایک پر اسرار آواز سنائی دی عنبر.............تم جس مقام پر بیٹھے ہو اس مقام پر خدا کے ایک نیک بندے کے ساتھ ظلم ہوا تھا ظالم بادشاہ اور سپہ سالار کے اشارے پر خدا کے ایک بزرگ نبی کے سر کو شہید کر دیا گیا تھا یہ لوگ ظالم ہیں ان سے ان کے ظلم کا گن گن کر بدلہ لیا جائے گا.............سلومی ایک بد عورت ہے مکار سازشی عورت ہے اس نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے خدا کے نبی کے خلاف بغاوت کی اور اسے شہید کروا دیا مگر اس کا عبرت ناک انجام بھی قریب ہے وہ بھی اپنے عبرت ناک انجام سے نہیں بچ سکے گی سن خدائی قہر بہت جلد اس شہر پر نازل ہونے والا ہے...............اور سن خدا اپنے نیک بندوں کو آزمائش میں ڈالا ہی کرتا ہے خدا کے نیک بندے اپنی تکلیفوں میں بھی اسی کو

یاد کرتے ہیں آواز بند ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی روشنی بھی غائب ہو گئی۔

عنبر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور حیرانی سے کوٹھڑی کی دیواروں کو تکنے لگا یقیناً یہ آواز فرشتے کی تھی یہی وہ کوٹھڑی تھی جہاں خدا کے نبی کے ساتھ ظلم ہوا تھا عنبر نے اس کوٹھڑی کی دیوار کو عقیدت کے ساتھ چوم لیا اور ہاتھ باندھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے بزرگ و برتر خدا میں تجھ سے اور تیرے نبی پر ایمان لا چکا ہوں اگر مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو مجھے معاف کر دے میں تجھ سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں مجھے اتنی طاقت دے کہ میں تیرے دشمنوں اور ظالموں سے جنگ کر سکوں اس سے ظلم کا بدلہ لے سکوں

........آمین۔

ابھی اس نے آمین کہہ کر منہ پر ہاتھ ہی پھیرا تھا کہ اسے باہر کسی کے

قدموں کی چاپ سنائی دی عنبر کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس آ گیا اس نے دیکھا کہ سامنے ناگ پھنی سپاہی کی وردی پہنے چلا آ رہا ہے عنبر نے اپنے دونوں ہاتھ سلاخوں سے باہر نکال کر ناگ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

میرے دوست مجھے یقین نہیں تھا کہ تم میری کوٹھڑی تک پہنچ سکو گے تم نے کہاں سے پتہ کیا؟

ناگ کہنے لگا۔

اگر انسان سچے دل سے خدا کی بھی تلاش میں نکلے تو وہ اسے بھی پا لیتا ہے میں نے عہد کیا تھا کہ تمہیں تلاش کر کے رہوں گا اور دیکھ لو میں تمہارے پاس پہنچ گیا خدا کا شکر ہے کہ اتنے بڑے طوفان کے بعد ہم ایک دوسرے کو مل گئے۔

عنبر نے کہا۔

بادشاہ تو مارا گیا سپہ سالار نے تخت پر قبضہ کرلیا یہ بتاؤ تمہیں معلوم ہے

ملکہ کس حال میں ہے۔؟

ناگ پھنی نے کہا۔

میں ملکہ سے مل کر آرہا ہوں

عنبر بولا۔

سچ؟

ناگ نے کہا۔

تو اور کیا جھوٹ۔؟

اور ناگ نے عنبر کو ملکہ سے ملاقات کی ساری تفصیل بیان کردی اتفاق کی بات تھی کہ اس وقت کوٹھڑی کے باہر جس سپاہی کا پہرہ تھا وہ گشت پر نکل گیا تھا ویسے کوٹھڑی کے باہر بڑا طاقتور تالہ پڑا تھا جسے دس آدمی مل کر بھی چاہیں تو توڑ نہیں سکتے تھے مگر ناگ کا وہاں زیادہ

دیر تک کھڑے رہنا مناسب نہیں تھا اس نے عنبر سے پوچھا کہ وہ اسے کیونکر وہاں سے نکال سکتا ہے؟ عنبر نے کہا کہ وہاں سے وہ عقاب بن کر بھی باہر نہیں نکل سکتے کیونکہ باہر جانے کے سارے راستوں پر باریک سلاخوں کے پنجرے لگے ہیں اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہرے داروں کو ہلاک کر کے وہاں سے فرار ہوا جائے اور پھر ملکہ کو وہاں سے نکلوانے کی تدبیر پر غور کیا جائے۔

ناگ نے کہا۔

اگر تمہاری یہی رائے ہے تو میں تیار ہوں ایک ایک کر کے سارے پہریداروں کو موت کی نیند سلا دوں گا۔

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے انہیں ہلاک کرنے کی بجائے اس طرح ڈسو کہ وہ صرف بے ہوش ہو جائیں اور ہوش اس وقت آئے جب ہم یہاں سے نکل

چکے ہوں۔

ایسا ہی ہوگا۔

اچانک پیچھے سے پہرے دار کے پاؤں کی بھاری آواز سنائی دی

ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

میں کھیل شروع کرنے لگا ہوں۔

قید سے فرار

عنبر کے سامنے ناگ نے زور سے پھنکار ماری۔
وہ پلک جھپکنے میں سانپ کی شکل اختیار کر گیا اور دیوار کے ساتھ لگ گیا
قدموں کی آواز پہرے دار کی تھی پہرے دار نے عنبر کو سلاخوں کے
پاس کھڑے ہوئے دیکھا تو غصے میں کہا۔
پیچھے ہٹ کر بیٹھا کرو، اگر دوبارا تمہیں سلاخوں کے پاس دیکھا تو ہنٹر
مار مار کر کھال ادھیڑ دوں گا۔
عنبر نے مسکرا کر کہا۔
ذرا اپنے پیچھے تو دیکھو کیا ہے؟
سپاہی نے پیچھے گردن گھما کر دیکھا تو وہاں ایک ناگ پھن پھیلائے

جھوم رہا تھا سپاہی کا رنگ زرد ہو گیا اور جسم ٹھنڈا پڑ گیا وہ چیخ مارنے ہی والا تھا کہ سانپ نے اس کی گردن پر کچھ اس طریقے سے ڈسا کہ سپاہی فوراً بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا عنبر نے ہاتھ سلاخوں میں سے باہر نکال کر سپاہی کی جیب سے چابیاں نکالیں ایک چابی لگا کر تالا کھولا اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا اس نے ناگ سے کہا۔

تم میرے آگے آگے چلو۔

سانپ عنبر کے آگے آگے چل پڑا عنبر اس کے پیچھے پیچھے چھپ چھپ کر چلا آ رہا تھا سامنے سے دو سپاہی چلے آ رہے تھے عنبر ایک دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا سانپ نے دیوار پر چڑھ کر پیچھے سے دونوں سپاہیوں کو باری باری گردن پر ڈس دیا دونوں سپاہی بے ہوش ہو کر دھڑام سے زمین پر گر پڑے اب وہ آگے بڑھتے چلے گئے جس وقت وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر بڑے دروازے میں سے باہر نکلنے

والے تھے تو اچانک سامنے سے ایک موٹا سپاہی تلوار ہاتھ میں لئے
نمودار ہوا اس نے سانپ کو دیکھا تو تلوار گھما کر اس پر حملہ کر دیا سانپ
لپک کر ایک طرف ہٹ گیا سپاہی پینترا بدل کر اس طرف آ گیا اب
دونوں کا مقابلہ شروع ہو گیا سانپ کی یہ کوشش تھی کہ وہ جلدی سے
جلدی سپاہی کو ڈس دے اور سپاہی کی یہ کوشش تھی کہ وہ سانپ کے
ڈسنے اسے پہلے ہلاک کر دے۔

عنبر بڑا پریشان ہو رہا تھا کیوں کہ اگر سپاہی کا وار خالی نہ گیا تو ناگ
کے دو ٹکڑے ہو جانا یقینی بات تھی اس نے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی
ایک تلوار کھینچی اور سپاہی کو للکارا موٹا سپاہی سانپ کے ساتھ ساتھ عنبر
سے بھی مقابلہ کرنے لگا اس کا خیال تھا کہ سانپ ڈر کر بھاگ جائے
گا اور وہ عنبر کو بڑی آسانی سے ہلاک کر دے گا مگر ایسا نہ ہوا بلکہ اس
کے الٹ ہوا عنبر نے سپاہی کو تلوار بازی کے مقابلے میں الجھا لیا اور

ناگ نے موقع پا کر پیچھے سے سپاہی کی پنڈلی پر کاٹ دیا خدا جانے ناگ اس روز کس طریقے سے ڈس رہا تھا کہ جسے بھی ڈستا وہ فوراً بے ہوش ہو جاتا۔

موٹا سپاہی بھی بے ہوش ہو کر دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔

ناگ اور عنبر تہہ خانے کے خطرناک اور سخت پہرے والے دروازے سے نکل کر قلعے کی پہلی منزل پر آ گئے یہاں سپاہیوں نے قیدی کے لباس میں عنبر کو دیکھا تو اس پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے عنبر بھی ان کے سامنے تلوار لے کر ڈٹ گیا بڑے گھمسان کی جنگ ہونے لگی سانپ اس دوران برابر اپنا کام کیے جا رہا تھا وہ لپک کر کسی ایک سپاہی کو کاٹ کر بے ہوش کرتا اور پھر بھاگ کر دیوار پر چڑھ جاتا عنبر بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہا تھا وہ ایک بہترین تلوار باز تھا تلوار چلانے کی مشق اسے دو اڑھائی ہزار برس سے تھی چنانچہ اس نے دیکھتے دیکھتے

کئی سپاہیوں کو زخمی کر کے پھینک دیا اسے جو سپاہی تلوار کا وار کر کے زخم لگاتا وہ زخم فوراً بھر جاتا اسے خون تک نہ بہہ رہا تھا کچھ سپاہی تو حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگے اور سانپ نے انہیں ڈس کر بے ہوش کر دیا اس ساری لڑائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی دیر بعد وہاں سارے کے سارے سپاہی زمین پر پڑے تھے ان میں سے کچھ شدید زخمی تھے اور باقی کے سارے سانپ کے کاٹنے سے بے ہوش ہو چکے تھے۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

انسان کی شکل میں آ کر یہاں سے بھاگ چلو۔

ناگ نے پھنکار ماری اور انسان کی شکل میں آیا دونوں دوست قلعے کے دروازے کی طرف دوڑنے لگے وہ فصیل یعنی قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ اس دروازے کی طرف بھاگ رہے تھے جدھر سے گھوڑوں خچروں اور اونٹوں پر لد کر کھانے پینے کا سامان قلعے میں آتا

تھا یہاں دروازے پر کچھ سوداگر لوگ کھڑے سپاہیوں سے باتیں کر رہے تھے عنبر اور ناگ ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے پھر انہوں نے قریب ہی دو گھوڑے بندھے ہوئے دیکھے چپکے سے گھوڑے کھول کر وہ اس پر سوار ہو گئے اور بڑے مزے کے ساتھ دروازے میں سے باہر نکل گئے پہرے دار یہ سمجھے کہ یہ بھی کوئی سوداگر لوگ ہیں۔
قلعے سے باہر آ کر انہوں نے سرپٹ گھوڑے دوڑا دیے اور ناگن دیوی کے مندر میں جا کر دم لیا اپنے کمرے میں آ کر انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کپڑے تبدیل کیے ناگ نے پجاری کا لباس پہن لیا اور عنبر نے سوداگروں کے کپڑے پہن لیے اب وہ سوچنے لگے کہ ملکہ کو قلعے کے برج سے کیسے رہا کرایا جائے ظاہر ہے یہ کام ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا تھا پھر بھی یہ کام بڑے جان جوکھوں کا تھا پہلی بات تو یہ تھی کہ جس برج میں ملکہ قید تھی وہ قلعے کی سب سے بلند

چوٹی پر تھا اس کے علاوہ وہاں بے حد سخت پہرہ تھا اور برج کی سیڑھیوں سے ہو کر اوپر جانا اور پھر ملکہ کو وہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لانا ایک مشکل مرحلہ تھا دونوں دوست سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور غور کرنا شروع کر دیا۔

کافی دیر کے غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس سلسلے میں کنیز کارمیلا کی روح سے مدد لی جائے کیونکہ اس کی مدد کے بغیر وہ ملکہ کو وہاں سے نکال کر نہیں لا سکتے تھے عنبر نے کارمیلا کی روح کو پکارنا شروع کر دیا کافی دیر کے بعد روح وہاں آ گئی۔

تمہاری آواز مجھے بہت دور سے کھینچ کر یہاں لے آئی ہے اگر تمہارا مجھ پر بہت بڑا احسان نہ ہوتا تو میں کبھی یہاں نہ آتی بولو تم نے مجھے کس لئے بلایا ہے۔

عنبر نے کہا۔

اس شہر کی ملکہ کو سپہ سالار نے قید کر رکھا ہے کیا تم کسی طرح اسے قید خانے سے نکال کر ہمارے پاس پہنچا سکتی ہو؟

کارمیلا کی روح نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

مجھے افسوس ہے عنبر میں ایسا نہیں کر سکتی یہ میری طاقت سے باہر نہیں ہے مگر اس کی مجھے اجازت نہیں ہے اس لئے کہ ملکہ اور بادشاہ نے مل کر خدا کے ایک بزرگ نبی کے خلاف گھناؤنا جرم کیا تھا اور یہ عورت بھی اس جرم میں شریک تھی یہ خدا کے مجرم ہیں میں اس میں دخل نہیں دے سکتی ہاں تم اگر چاہو تو اپنے طور پر اسے آزاد کروانے کی کوشش کر سکتے ہو۔

عنبر نے کہا۔

میں تمہاری مجبوری کو خوب سمجھتا ہوں کارمیلا مجھے معاف کر دینا میں نے تمہیں اتنی دور سے یہاں آنے کی تکلیف دی۔

کارمیلا بولی۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں ناامید کیا عنبر یقین کرو اگر یہ بات میرے اختیار میں ہوتی تو میں کبھی انکار نہ کرتی بلکہ ہمیشہ کی طرح اب بھی تمہارے کام آتی۔

کوئی بات نہیں کارمیلا۔ تم سچی ہو، خدا حافظ!

خدا حافظ!

کارمیلا کی روح چلی گئی عنبر اور ناگ ایک بار پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے اچانک ناگ نے کہا۔

کیوں نہ ناگن دیوی سے مدد طلب کروں میرا خیال ہے شاید وہ راضی ہو جائے۔

مگر تم تو کہتے ہو کہ تمہارے بلانے پر وہ کبھی نہیں بولی میں نے کبھی اسے بلایا ہی نہیں میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیشہ اس نے مجھے بلایا ہے۔

بہر حال کوشش کر کے دیکھ لو۔

ناگ اسی وقت عنبر کو لے کر ناگن دیوی کے استھان پر آ گیا اس وقت مندر میں اور کوئی نہیں تھا صرف دو ایک پجارنیں وہاں بیٹھی عبادت کر رہی تھی ناگ نے انھیں باہر بھیج دیا اور خود استھان پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے عبادت شروع کر دی کچھ دیر تک مذہبی منتر پڑھتے رہنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور ناگن دیوی کی طرف دیکھ کر کہا۔

اے ناگنوں اور ناگوں کی سب سے بڑی ناگن دیوی میں تمہاری ہی خواہش سے پجاری بنا ہوں میں کون ہوں تو مجھے جانتی ہے کیا تو میری مشکل میں میری مدد کرے گی۔

اچانک ناگن دیوی کا بت تھوڑا سا ہلا اور پھر آواز سنائی دی اے ناگ شہزادے تو کون ہے؟ میں جانتی ہوں مگر تو نے اب یوحنا نبی کا مذہب اختیار کر لیا ہے ہم تم کو اپنے سے الگ تو نہیں کر سکتے ؟ لیکن تیری مدد

بھی نہیں کر سکتے۔؟

ناگ نے کہا۔

میں چاہتا ہوں کہ...............

ناگن دیوی نے بات کاٹ کر کہا۔

تو جو چاہتا ہے وہ میں اچھی طرح جانتی ہوں لیکن میرے ناگ شہزادے میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں میری بھی ایک حد ہے میں اس حد سے آگے نہیں جا سکتی میں تیزی ملکہ سدوم کے سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد ناگن دیوی کی کوئی آواز نہ آئی ناگ استھان پر سے اٹھا اور عنبر کو ساتھ لے کر واپس اپنی کوٹھڑی میں آ گیا ملکہ سدوم کے سلسلے میں وہ دونوں طرف سے مجبوری ظاہر کر دی گئی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ دونوں کو اپنی کوشش سے ملکہ کو آزاد کروانا تھا ان کے پاس جتنی

طاقت تھی، اس طاقت کو استعمال میں لا کر انہیں ملکہ کو سپہ سالار کی قید سے رہا کروانا تھا۔

آخر انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اپنی طاقت استعمال کریں گے اور ملکہ کو ہر قیمت پر ظالم سپہ سالار کے پنجے سے رہائی دلا کر رہیں گے طے یہ پایا کہ ناگ سانپ کا روپ بدل کر برج کی سیڑھیوں کی پہلی چوکی پر پہنچے گا وہاں وہ سارے کے سارے پہرے داروں کو بے ہوش کر کے عنبر کے ساتھ اوپر جائے گا ملکہ کو ساتھ لے کر وہ نیچے آئیں گے باہر گھوڑے تیار کھڑے ہوں گے اور وہ راستے میں آنے والے تمام سپاہیوں سے لڑتے، مقابلہ کرتے، انہیں زخمی کرتے مارتے بے ہوش کرتے ملکہ کو لے کر وہاں سے فرار ہو جائیں گے۔

یہ کام ہمیں بڑی ہوشیاری سے اور بہادری سے کرنا ہوگا اس میں تمہارے ہلاک ہونے کا شدید خطرہ ہے ناگ کیوں کہ تم سانپ کے

روپ میں ہوگے اس لئے تمہیں زیادہ چوکس رہنے کی ضرورت ہوگی۔

ناگ نے کہا۔

فکر نہ کرو دوست میں پوری طرح خبردار ہوکر ہوشیاری کے ساتھ آگے بڑھوں گا۔

پھر بھی ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ جیسا کہ مجھے قید خانے میں پتہ چلا تھا سپہ سالار بہت جلد ملکہ کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دینا چاہتا ہے۔

میری طرف سے کوئی دیر نہیں عنبر، تم اگر چاہو تو ہم کل آدھی رات کو برج پر حملہ کر سکتے ہیں۔

بس یہ ٹھیک ہے۔

دونوں دوست اگلے روز آدھی رات کو برج پر دھاوا بولنے کا پروگرام بنا کر سو گئے رات گزر گئی صبح اٹھ کر ناگ پھنی تو مندر میں عبادت کے

لئے چلا گیا اور عنبر وہیں بیٹھا رات کے پروگرام پر غور کرتا رہا۔

ادھر جب سپہ سالار کو پتہ چلا کہ شاہی حکیم عنبر جیل میں سے بھاگ گیا ہے تو اس نے اس کی تلاش کے لئے سارے شہر میں سپاہی دوڑا دیے سپاہیوں کا ایک دستہ مندر میں بھی اسے تلاش کرتا ہوا آیا ناگ پھنی نے انہیں کہا کہ مندر میں کوئی مفرور ملزم نہیں ہے مگر سپاہیوں نے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا اور مندر کو کوٹھڑیوں کے گرد گھیرا ڈال کر تلاشی شروع کر دی۔

یہ چھ سپاہی تھے عنبر کو پکڑا جانا یقینی تھا کیونکہ مندر میں سوائے کوٹھڑیوں کے اور کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں عنبر کو چھپایا جا سکتا چنانچہ ناگ نے ان سپاہیوں کو وہاں سے بھگانے کی ترکیب سوچ لی اس نے اپنے استھان میں جا کر سانپ کا روپ بدلا اور باہر نکل کر بجلی کی ایسی تیزی کے ساتھ سپاہیوں پر حملہ کر دیا وہ انہیں ڈسنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس

طرح وہ بے ہوش ہو کر مندر میں گر پڑتے وہ انہیں ڈرا کر وہاں سے بھگانا چاہتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا سانپ کا حملہ اس قدر اچانک تھا کہ سپاہیوں کے قدم اکھڑ گئے وہ مندر سے باہر کی طرف دوڑے باہر جا کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر ایسے بھاگے کہ پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

اسی روز سلومی نے سپہ سالار سے کہا کہ ملکہ کو جس قدر جلد ہو سکے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے کیونکہ اس کے زندہ رہنے سے خطرہ ہے کہ بادشاہ کے حامی لوگ پھر سے شبہ پا کر بغاوت نہ کر دیں سپہ سالار نے بھی اس خطرے کو محسوس کیا اور اسی وقت حکم دیا کہ شام ہونے سے پہلے ملکہ کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ فوراً قلعے کے باہر ایک پھانسی تیار ہو گئی ملکہ کو سیاہ لباس پہنچا دیا گیا اور جلاد بھی کالے کپڑے پہن کر شام ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

قید سے فرار

ملکہ اپنی کوٹھڑی میں بیٹھی رو رہی تھی اسلئے نہیں کہ اسے موت کا خوف تھا بلکہ اسلئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ہنستے بستے گھر کو اجاڑ کر رکھ دیا گیا تھا۔

دوسری طرف عنبر اور ناگ آدھی رات کو حملہ کرنے کی تیاریاں کرر ہے تھے کہ کسی نے آ کر انہیں خبر دی کہ قلعے کے باہر پھانسی گھر تیار ہو گیا ہے اور سنا ہے کہ ملکہ کو پھانسی دی جارہی ہے عنبر اور ناگ تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے انہیں اپنے سارے منصوبے پر پانی پھرتا نظر آیا

عنبر نے کہا۔

اگر یہ خبر سچ ہے تو ہمیں ملکہ کو بچانے کی ابھی سے کوشش شروع کر دینی چاہیے ذرا سی دیر ہو گئی تو ہم ملکہ سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

میں تیار ہوں۔

آؤ میرے ساتھ آؤ۔

اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور دھوپ ڈھلنا شروع ہو گئی تھی عنبر
اور ناگ نے ایک عام سوداگروں کا حلیہ بنایا سروں پر بڑے بڑے
عمامے باندھے نقلی ڈاڑھیاں لگائیں اور قلعے کی طرف روانہ ہو گئے
ان کا پروگرام یہ تھا کہ قلعے کے مغربی سوداگروں والے دروازے سے
داخل ہو کر وہ برج تک پہنچنے کی کوشش کریں گے ابھی وہ اس
دروازے سے کافی فاصلے پر تھے کہ انہیں قلعے کی دیوار کے نیچے ایک
بہت بڑا ہجوم دکھائی دیا دونوں دوست جلدی سے وہاں پہنچے
انہوں نے جو سنا تھا وہ سچ ہوا قلعے کی دیوار کے نیچے پھانسی گڑی تھی اور
ملکہ کا انتظار ہو رہا تھا جلاد سیاہ کپڑے پہنے تیار کھڑا تھا سپاہیوں کا دستہ
اردگرد تلواریں اور نیزے لیے چوکس تھا عنبر نے ناگ سے کہا۔
ناگ اگر سپاہی ایک بار ملکہ کو اس ہجوم میں لے آئے ہمارے لئے ملکہ
کو بچا کر لے جانا ناممکن ہو جائے گا فوراً کسی صورت میں اپنے ساتھ

قید سے فرار

مجھے بھی لے کر قلعے کے اندر اس مقام پر پہنچو جہاں ملکہ موجود ہے۔

میرے ساتھ اس ٹیلے کی اوٹ میں آ جاؤ۔

ناگ عنبر کو ساتھ لے کر ٹیلے کے پتھروں کی اوٹ میں ہو گیا یہاں ان کے سوا اور کوئی آدمی نہ تھا ناگ نے عنبر کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے آنکھیں بند کرنے کے لئے کہا عنبر نے آنکھیں بند کر لیں ناگ نے کچھ منتر پڑھ کر زور سے پھنکاری ماری اور وہ دونوں آدمیوں سے سفید عقابوں کے روپ میں تبدیل ہو گئے دونوں عقاب تیر کی طرح قلعے کی طرف اڑ گئے

موت کی اڑان

ملکہ کو پھانسی دینے کے لئے کوٹھڑی سے نکال دیا گیا تھا۔
جس وقت دونوں سفید عقاب قلعے کے اوپر پہنچے ملکہ سدوم زنجیروں میں جکڑی ہوئی برج کے دروازے سے باہر لائی جارہی تھی اسکے آگے پیچھے سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں..............
دونوں عقاب فضا میں چکر لگاتے رہے وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے سپاہیوں پر جھپٹا مارا تو وہ تلواریں چلا کر انہیں ہلاک کردیں گے وہ ایک دوسرے کے ساتھ اڑتے رہے سپاہی ملکہ کو لے کر قلعے کی پہلی منزل کی سیڑھیاں اترنے لگے پہلی منزل کے باہر میدان میں جلاد ملکہ کو پھانسی دینے کے لئے تیار کھڑا تھا یہ وقت عنبر اور ناگ کے لئے

بڑا نازک وقت تھا انہیں ایک پل سوچنے کی بھی مہلت نہیں تھی جب سپاہی ملکہ کو لے کر قلعے کی پہلی منزل کے صحن میں آئے تو دونوں عقابوں نے بڑی زبردست رفتار کے ساتھ سپاہیوں پر جھپٹا مارا اور دونوں کی آنکھیں لہولہان کر کے اوپر اڑ گئے سپاہی چیخ مار کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زمین پر بیٹھ گئے۔

عقاب دوسرے سپاہیوں پر جھپٹا مارنے کے لئے آئے تو انہوں نے تلواریں چلانا شروع کر دی باقی سپاہیوں نے کمانوں میں تیر جوڑے اور آسمانوں کی طرف چھوڑ دیئے زہر میں بجھے ہوئے چھ سات تیر سن کر کے دونوں عقابوں کے پہلوؤں کے قریب سے گزر گئے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا سپاہیوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی ناگ نے ہوا میں اڑ کر چکر لگاتے ہوئے عنبر سے کہا۔

تم برج کی طرف اتر جاؤ اور تلوار لے کر ان کے ساتھ جنگ شروع کر

دو میں کسی درندے کی شکل میں ان پر حملہ کرتا ہوں...............نہیں تو یہ کم از کم مجھے ہلاک کر دیں گے اور ہم ملکہ کو نہ بچا سکیں گے۔

وہاں اب بحث کرنے کے لئے وقت ہی نہیں تھا عنبر نے غوطہ لگایا اور برج کے دروازے کے پاس اتر کر انسان کی شکل میں تبدیل ہو گیا اس نے تلوار کھینچی اور سپاہیوں پر ٹوٹ پڑا سارے سپاہیوں نے اکیلے عنبر کو گھیر لیا اور اس پر دھڑا دھڑ حملے کرنے شروع کر دیئے دوسرے عقاب نے غوطہ لگایا اور جب وہ زمین پر آیا تو سپاہیوں کو شیر کی دل ہلا دینے والی دھاڑ سنائی دی انہوں نے حیران ہوتی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک دس بارہ فٹ لمبا بہت بڑا خونخوار شیر برج کی جانب سے لپکتا ہوا ان پر حملہ آور ہوا ہے۔

ایک پل کے لئے وہ بت بن کر رہ گئے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں شیر کہاں سے آ گیا اس دوران میں شیر نے حملہ کر کے دو سپاہیوں

کی گردنوں پر زور سے پنجہ مارا اور ان کے منکے توڑ دیئے اب حالت یہ ہوگئی کہ ایک طرف سے عنبر تلوار کے ساتھ ایک بہادر سپاہی کی طرح ان کے ساتھ لڑ رہا تھا اور دوسری طرف خونخوار شیر انہیں پھاڑ رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے میدان جنگ کا پانسہ پلٹ گیا چھ سات سپاہیوں کی لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں اور باقی خوف سے چیخیں مارتے وہاں سے بھاگ اٹھے ملکہ ایک طرف سہمی بیٹھی تھی عنبر نے ملکہ کے پاس جا کر کہا۔

ملکہ جلدی سے شیر کے اوپر سوار ہو جائیں جلدی کریں وقت بہت کم ہے۔

ملکہ کا ڈر سے رنگ زرد ہو رہا تھا لیکن اسے دوسری طرف بھی موت نظر آ رہی تھی وہ فوراً شیر کی پشت پر سوار ہوگئی عنبر نے ناگ سے کہا کہ وہ قلعے کے مغربی دروازے سے نکل کر کسی طرح ناگن دیوی کے مندر

پہنچ جائے۔

شیر نے ملکہ کو اپنے اوپر بٹھایا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ لمبی لمبی چھلانگیں لگاتا سب کے سامنے لوگوں کو خوف سے ادھر اُدھر دوڑاتا مغربی دروازے سے قلعے سے باہر نکل گیا باہر لوگوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا کہ ملکہ ایک بہت بڑے شیر کے اوپر سوار تھی اور شیر پوری رفتار کے ساتھ بھاگتا چلا جارہا تھا عنبر برج کے پیچھے سے ہوکر پہاڑی کی ڈھلانوں پر سے اترتا پھسلتا ہوا قلعے کے نیچے جنوبی دیوار کے پاس آگیا اور پھر اس نے بھی جنگلی جھاڑیوں میں چھوٹے چھوٹے ویران ٹیلوں سے ہوکر مندر کی طرف بھاگنا شروع کردیا۔

جہاں پھانسی گڑھی تھی وہاں بھگڈر مچ گئی سپاہی سپہ سالار اور سلومی کو اس عجیب وغریب واقعے کی اطلاع دینے بھاگے............ کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ شیر کا پیچھا کرے سپاہیوں نے یہ سمجھا کہ دیوتا ملکہ کو

بچا کر لے گئے ہیں سپہ سالار کو خبر ہوئی تو وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں آیا اور بولا۔

نمک حرامو،تم نے ملکہ کو فرار ہو کر کیوں جانے دیا چلو میرے ساتھ ....ہم ملکہ کو ڈھونڈ کر دم لیں گے..

سپہ سالار نے دس گیارہ سپاہیوں کا ایک دستہ ساتھ لیا اور جدھر شیر ملکہ کو لے کر گیا تھا ادھر گھوروں کو دوڑانا شروع کر دیا۔

اس دوران میں ناگ شیر کے روپ میں ملکہ کو لے کر مندر میں داخل ہو چکا تھا مندر کی چار دیواری میں داخل ہوتے ہی ناگ شیر سے انسانی شکل میں آ گیا ملکہ خوف زدہ ہو گئی ناگ نے کہا:

ملکہ گھبرائیں نہیں آپ نے جو کچھ دیکھا یہ ایک حقیقت تھی اسے آپ بھول جائیں خدا کا شکر ہے کہ ہم نے آپ کو پھانسی کے پھندے سے بچا لیا میرے ساتھ آئیں:

ناگ ملکہ کو لے کر مندر کی سب سے آخری کوٹھڑی میں آ گیا۔

آپ یہاں آرام کریں اب آپ آزاد ہیں یہاں سے دنیا کی کوئی طاقت آپ کو گرفتار نہیں کر سکتی میں اپنے دوست عنبر کو دیکھنے جاتا ہوں

ناگ باہر جانے لگا تو ملکہ نے کہا:

شیر کون تھا؟ عقاب کون تھا؟ عنبر اور تم اصل میں کون ہو؟

ناگ نے کہا۔

آپ اس بارے میں غور نہ کریں آپ صرف یہ یاد رکھیں کہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہم نے آپ کو موت کے منہ سے بچا لیا ہے۔..........اور بس..............

یہ کہہ کر ناگ نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا اور مندر کے دروازے کے پاس آ کر عنبر کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر بعد عنبر بھی گرتا پڑتا بھاگتا وہاں پہنچ گیا اس نے آتے ہی پوچھا۔

ملکہ خیریت سے ہے کیا؟

ناگ نے کہا۔

ہاں میں نے اسے کوٹھڑی میں چھپا کرتالا لگا دیا ہے۔

بہت خوب! میرا خیال ہے سپہ سالار کے سپاہی ضرور تمہارا پیچھا کریں گے وہ شیر کے پنجوں کے نشان دیکھتے ضرور یہاں تک پہنچ جائیں گے اگر انہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو وہ یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جائیں گے۔

وہ ابھی باتیں ہی کرر ہے تھے کہ انہیں دور سے گھوڑ سواروں کی اڑتی ہوئی گرد دکھائی دی عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے وہ لوگ ادھر ہی آر ہے ہیں

ناگ نے گھوڑوں کی گرد کو دیکھا اور کہا۔

تم ملکہ کو لے کر ناگن دیوی کے عقبی حجرے میں چھپ جاؤ باقی سب

کچھ میں سنبھال لوں گا۔

عنبر بھاگتا ہوا ملکہ کی کوٹھڑی میں گیا تالا کھول کر ملکہ کو وہاں سے نکالا اسے ساتھ لیا اور مندر کے بڑے کمرے میں ناگن دیوی کے پیچھے بنے ہوئے ایک تنگ و تاریک حجرے میں دونوں بند ہو کر بیٹھ گئے ملکہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا،

کیا ہمارا دشمن یہاں بھی پہنچ گیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

ہاں ملکہ معلوم ایسے ہی ہوتا ہے مگر آپ فکر نہ کریں۔

یہاں وہ آپ کا بال تک بیکا نہیں کر سکیں گے۔

ملکہ بولی!

مگر تمہارا دوست وہاں اکیلا ہے وہ اکیلا اتنے بڑے دشمن کا کیسے مقابلہ کر سکے گا۔

عنبر نے کہا۔
جس طرح اس نے قلعے میں مقابلہ کیا تھا اسی طرح وہ یہاں بھی مقابلہ کرے گا آپ ہرگز نہ گھبرائیں
ملکہ نے کہا۔
میں تو حیران ہوں کہ وہ شیر کیسے بن گیا؟ اور..............اور تم بھی تو عقاب بن کر آسمان میں چکر لگا رہے تھے۔
عنبر بولا۔
یہ ہمارا ایک راز ہے آپ نہ تو اس بارے میں ہم سے پھر کبھی سوال کریں اور نہ کسی دوسرے کے ساتھ زندگی بھر کبھی کوئی بات کریں
میں وعدہ کرتی ہوں کہ زندگی میں کبھی کسی سے تم لوگوں کے اس راز کے بارے میں بات نہ کروں گی۔
مجھے آپ سے یہی امید تھی۔

ادھر اندھیرے حجرے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور ادھر ناگ مندر کے ایک تہہ خانے میں اتر کر گڑھے کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا یہاں کئی قسم کے مرتبان پڑے تھے جن کے اوپر پتھروں کے ڈھکن رکھے تھے ناگن نے ایک خاص قسم کا مرتبان کندھے پر رکھا اور اسے لے کر اوپر گیا اس مرتبان کو اس نے دروازے کے ساتھ والی پہلی کوٹھڑی کے اندر چھپا کر رکھ دیا اس نے مرتبان کے اوپر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اے میرے غلامو! تمہیں معلوم ہے کہ میں ناگ شہزادہ تم سے بات کر رہا ہوں تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارا مالک ہوں اور تم پر میرا حکم بجالانا فرض ہے میں میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جب میں تمہارا ڈھکن اٹھا کر تمہیں حملہ کرنے کا حکم دوں تو ان لوگوں پر ٹوٹ پڑنا جو میرے دشمن ہیں اور جو مجھے قتل کرنے کی نیت لے کر یہاں آ رہے ہیں۔

ناگ اس کے بعد کوٹھڑی کے باہر آ کر مندر کی ڈیوڑی میں کھڑا ہو گیا
گھوڑ سواروں کا ایک دستہ اسکے قریب ہی مندر کے باہر آ کر رک گیا
سپہ سالار گھوڑے پر سے اترا اور شیر کے پنجوں کے نشان دیکھتا ہوا اس
کے پاس آ کر غصے سے بولا۔

کون ہو تم؟

ناگ جو کہ بڑے پجاری کے لباس میں تھا ادب سے جھک کر بولا۔

جناب میں ناگن دیوی کے مندر کا پجاری ہوں فرمایئے میں آپ کی
کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

سپہ سالار نے کہا۔

یہاں ابھی ابھی ایک شیر ہماری شاہی قیدی ملکہ کو لے کر اندر آ گیا ہے
بتاؤ وہ کہاں ہے۔؟

ناگ پھنی نے کہا۔

سرکار! آپ کیسی بات کرر ہے ہیں اس علاقے میں آج تک کسی نے شیر کی شکل نہیں دیکھی پھر بھلا ایک شیر ملکہ کو لے کر یہاں کیسے آ سکتا ہے؟ کہاں سے آ سکتا ہے۔؟

سپہ سالار نے آگے بڑھ کر ناگ کو ایک تھپڑ مار دیا ناگ کی آنکھوں میں ایک دم خون اتر آیا وہ پھنکار مار کر سانپ کی شکل میں اسے ڈسنے ہی والا تھا کہ اچانک اسے خیال آ گیا کہ یہ موقع صبر کرنے کا ہے اس نے خون کا گھونٹ پی کر کہا۔

آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے حضور۔!

سپہ سالار نے گرج کر کہا۔

تو پھر یہ شیر کے پنجے تمہارے باپ نے یہاں بنائے ہیں؟ میں نے اپنی آنکھوں سے شیر کو ادھر جاتے دیکھا ہے ہم تمہارے مندر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں ہٹ جاؤ ہمارے راستے سے۔؟

ناگ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

سرکار! آپ مالک ہیں بڑی خوشی سے سارے مندر کی تلاشی لے لیں مگر ایک پل کے لئے مجھے اجازت دیں کہ میں کوٹھڑی میں سے مندر کے بڑے ہال کی چابی لے آؤں۔

سپہ سالار نے حکم دے کر کہا۔

جلدی سے چابی لاؤ اگر بھاگنے کی کوشش کی تو تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

ناگ نے کہا۔

نہیں نہیں حضور! ہم تو آپ کی رعایا ہیں ہم بھلا آپ سے بھاگ کر کہاں جائیں گے؟

ناگ نے بڑے ادب سے سر جھکایا اور کوٹھڑی میں داخل ہو گیا کوٹھڑی کے اندر آتے ہی اس نے بھاگ کر مرتبان کے منہ پر سے پتھر اٹھا دیا

اور کہا۔

میرے ظالم اور خونخوار زہریلے غلاموں اپنا کام شروع کردو وقت آگیا ہے دشمن ڈیوڑی میں کھڑا اپنی موت کا انتظار کررہا ہے۔

ناگ نے مرتبان کو الٹ دیا اس میں سے سیاہ اور نیلے رنگ کے بالشت بھر کے سینکڑوں سانپ نکل نکل کر دیواروں پر چڑھنے لگے

ناگ باہر آگیا سپہ سالار نے گرج کر کہا۔

کہاں ہے چابی؟

ناگ نے کہا۔

سرکار چابی گم ہوگئی ہے مگر میں آپ کی خاطر دروازہ توڑنے کا حکم دے دوں گا۔

سپہ سالار چیخ اٹھا۔

نمک حرام پجاری، تم ضرور شیر کو بھگا دو گے چلو ہمارے ساتھ۔

چلیے حضور ضرور چلیے ،

ناگ پھنی اتنا کہہ کرادب سے سر جھکا کر سپہ سالار کی تعظیم کر کے مندر کے بڑے دروازے کی طرف مڑا وہ مڑا ہی تھا کہ ڈیوڑی کی چھت میں سے سینکڑوں نیلے اور سیاہ رنگ کے سانپوں نے بڑے زور سے پھنکاریں مار کر سپاہیوں کے اوپر چھلانگیں لگا دیں اس سے پہلے کہ سپاہی سنبھل سکیں وہ ان کی گردنوں سے لپٹ گئے اور انہیں ڈس دیا خدا جانے وہ کس قسم کے سانپ تھے انہوں نے سارے سپاہیوں کی گردنوں پر کاٹا تھا ایک پل کے اندر سارے کے سارے سپاہی پتھر بن کر اپنے اپنے گھوڑوں سے گرے اور گرتے ہی مر گئے ان کے جسم نیلے پڑ گئے اور کھال پھٹ گئی سپہ سالار ذرا آگے کھڑا تھا اس نے یہ بھیانک منظر دیکھا تو کچھ کہے سنے بغیر ایک دم اپنا گھوڑا موڑا اور ڈیوڑی سے باہر نکل کر بگولے کی طرح وہاں سے فرار ہو گیا۔

ناگ وہاں سے بھاگ کر حجرے میں عنبر کے پاس آیا اور اسے سارا ماجرا کہہ سنایا عنبر نے کہا۔

سپہ سالار بچ کر چلا گیا، یہ بہت برا ہوا اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے سپاہیوں کو ہلاک ہوتے دیکھ لیا ہے اب وہ فوج کی بھاری تعداد لے کر یہاں آئے گا اور سارے مندر کو آگ لگا دے گا۔

ملکہ نے سہم کر کہا۔ پھر کیا کریں عنبر بھائی؟

عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ چھپ جانا چاہیے۔ ناگ نے کہا۔

اس سے بہتر جگہ ہمیں کہیں اور نہ مل سکے گی عنبر۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر سپہ سالار اس مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا ایک تو اسے یہ یقین ہو گیا ہے کہ ملکہ اسی جگہ موجود ہے دوسرے یہاں

اس کے سپاہیوں کی لاشیں پڑی ہیں وہ سپاہیوں کا انتقام بھی ضرور لے گا۔

سوچ بچار کے بعد طے یہ پایا کہ مندر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ عارضی طور پر پناہ لی جائے چنانچہ وہ اسی وقت مندر کے پچھلے دروازے میں سے نکل کر اس جنگل میں بھاگ گئے جو مندر کے پیچھے دور دور تک پھیلا ہوا تھا اس جنگل میں سرخ اور سیاہ پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے بھی تھے ناگ یہاں ایک ایسے کھوہ سے واقف تھا جو ایک ٹیلے کے اندر موجود تھا وہ ملکہ اور عنبر کو لے کر اس کھوہ میں آ گیا چنانچہ ان تینوں نے اس کھوہ میں عارضی طور پر پناہ لے لی یہ سوچ کر کہ جب ذرا معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ وہاں سے نکل کر کسی اور مقام پر چلے جائیں گے ملکہ کا خیال تھا کہ وہ اپنی ایک وفادار کنیز کے ہاں پناہ لے سکتی ہے جس کا مکان شہر سے باہر صحرا کی ایک بستی میں ہے۔

سلومی کی سازش

سلومی نے سپہ سالار کو ہلاک کرنے کی سازش پر عمل کرنا شروع کر دیا
وہ سدوم کی حکومت کا تختہ الٹنے میں کامیاب ضرور ہو گئی تھی، لیکن وہ
اس شہر کی اکیلی اور خود مختار ملکہ نہیں تھی بلکہ سپہ سالار کی بیوی بننے والی
تھی اس طرح اسے اپنے خاوند بادشاہ کے ماتحت ہونا تھا اور سلومی
ایک احمق اور اس کے اشاروں پر ناچنے والے بادشاہ کی ملکہ نہیں بن
سکتی تھی یہ سلومی کی فطرت میں ہی نہیں تھا کہ وہ کسی کی غلام بن کر
رہے چنانچہ اس نے سپہ سالار کو اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا
اس کام کے لئے اسے صرف ایک ایسے مرد کی ضرورت تھی جو اس کا

حکم بجالا کر سپہ سالار کو زہر دے دے یہ کام اس کا ایک وفادار غلام بہت اچھی طرح سے کر سکتا تھا۔

لیکن سلومی کو سب سے زیادہ خطرہ پرانی ملکہ کی طرف سے تھا جو ابھی تک زندہ تھی اور کسی وقت بھی رعایا کی ہمدردیاں حاصل کر کے تخت پر قبضہ کر سکتی تھی یہ خطرہ تلوار بن کر اس کے سر پر مسلسل منڈلا رہا تھا وہ سب سے پہلے ملکہ کو صفایا کروانا چاہتی تھی اور اس کے لئے سپہ سالار کی امداد بہت ضروری تھی اب اس نے بڑی ہوشیاری اور مکاری سے کام لینا شروع کیا اور سپہ سالار پر یہ ظاہر ہی نہیں ہونے دیا کہ وہ اس سے نفرت کرتی ہے کیوں کہ سپہ سالار ہی ایک ایسا شخص تھا جو ملکہ کو ہلاک کرنے میں اس کی پوری پوری مدد کر سکتا تھا اسے جب علم ہوا کہ سپہ سالار ملکہ کو گرفتار کرنے میں ناکام رہا ہے تو وہ اس کے پاس گئی اور اس سے ساری کہانی سنی۔

سپہ سالار بہت بے چینی اور غصے کے عالم میں تھا اس کے کتنے ہی بہترین سپاہی ناگن دیوی کے مندر کی ڈیوڑی میں ہلاک ہو گئے تھے خود اس نے بڑی مشکل سے بھاگ کر اپنی جان بچائی تھی وگرنہ سانپ اسے بھی ڈس دیتے اس نے زمین پر پاؤں مار کر کہا۔

میں اس مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا مجھے یقین ہے کہ ملکہ اسی مندر میں چھپی ہوئی ہے وہ پجاری ملکہ کے ساتھ ملا ہوا تھا۔

سلومی نے کہا۔

یاد رکھو، جب تک ملکہ زندہ ہے، ہم دونوں کی زندگی اور سلطنت محفوظ نہیں ہے۔

میں ابھی اس مندر کو آگ لگا کر راکھ کر دینے کا حکم دیتا ہوں اور ایسا ہی ہوا سپہ سالار نے اسی وقت اپنی فوج کو حکم دیا کہ ناگن دیوی کے مندر کی تمام کوٹھڑیوں کو آگ لگا دی جائے خاص فوج کا دستہ مندر کی طرف

روانہ ہو گیا سپاہیوں نے مندر کا گھیراڈال لیا تمام کنیزوں اور غلاموں کا باہر نکال کر گرفتار کر لیا اور تیل چھڑک کر مندر کو آگ لگا دی دیکھتے ہی دیکھتے آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے جب آگ جل بجھ گئی تو سپہ سالار نے حکم دیا کہ مندر کی جلی ہوئی کوٹھڑیوں میں ہل چلا دیا جائے۔

اسے یقین تھا کہ اس آگ میں ملکہ اور پجاری جل کر خاک ہو گئے ہوں گے لیکن ٹھیک اس وقت جب کہ مندر کی جلی ہوئی راکھ پر ہل پھیرا جارہا تھا عنبر ناگ اور ملکہ ٹیلے کی کھوہ میں پناہ لیے بیٹھے تھے انہوں نے دور سے مندر میں سے شعلے نکلتے دیکھے تو وہ سمجھ گئے کہ سپہ سالار نے مندر کو آگ لگا دی ہے ناگ نے کہا کہ مندر میں چھپے ہوئے سانپ فوج کو زندہ نہ چھوڑیں گے.............اور وہی ہوا سانپوں کے مرتبان تہہ خانے میں بند تھے۔

سپاہیوں نے ہل چلاتے ہوئے زمین کھودی تو مرتبان ٹوٹ گئے اور سانپ باہر نکل آئے سانپوں نے باہر نکلتے ہی وہاں تباہی مچا دی انہوں نے سب گھوڑوں کو ٹانگوں پر ڈس دیا گھوڑے کھڑے کھڑے دھڑام دھڑام زمین پر گرنے لگے اور ان کے ساتھ ہی سوار بھی زمین پر الٹ گئے سانپوں نے ان کو بھی ڈس دیا ایک سانپ سپہ سالار کے گھوڑے کی طرف بڑھا، سپہ سالار نے گھوڑے کی باگ موڑ کر ایڑ لگائی اور قلعے کی طرف بے تحاشا گھوڑا دوڑانا شروع کر دیا۔

سانپ اس کا تعاقب کر رہا تھا جب وہ قلعے کے دروازے میں داخل ہوا تو سانپ بھی اس کے ساتھ ہی قلعے میں داخل ہو گیا وہاں شور مچ گیا سپاہی تلواریں اور نیزے لے کر سانپ کی تلاش میں اٹھ دوڑے مگر چھوٹے سے نیلے سانپ کو خدا جانے آسمان کھا گیا کہ زمین نگل گئی قلعے کا چپہ چپہ چھان مارا مگر وہ کہیں نہ مل سکا سپہ سالار نے اسی

وقت جالی دار زرہ بکتر پہن لیا جس پر سانپ کاٹ نہیں سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سانپ اس کی بو پر اسے ہلاک کرنے ضرور آئے گا۔ سلومی یہ سن کر بہت خوش ہوئی کہ مندر کے ساتھ ساتھ ملکہ بھی جل کر ہلاک ہوگئی اس نے پھر بھی احتیاطاً سپہ سالار سے پوچھا۔

کیا تمہیں یقین ہے کہ ملکہ اسی مندر میں تھی۔؟

اگر وہاں ملکہ نہ ہوئی تو پجاری کو ہمارے سپاہیوں پر سانپ چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی ملکہ نے مندر کی ایک کوٹھڑی میں پناہ لے رکھی تھی اور میں نے تمام کوٹھڑیوں کو جلا کر زمین کے ساتھ ملا دیا ہے ملکہ بچ کر کہیں بھی نہیں جا سکتی، میرے سپاہیوں نے مندر کے چاروں طرف اپنا گھیرا ڈال رکھا تھا۔

سلومی نے دل میں سوچا کہ اب سپہ سالار کا بھی کانٹا نکال دینا چاہیے لیکن اوپر سے اس نے سپہ سالار کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

تم بڑے بہادر ہو نکولیس میں تمہاری بہادری سے بہت متاثر ہوئی ہوں تم واقعی اس لائق ہو کہ اس ملک کے بادشاہ بن سکو۔

سپہ سالار کا منہ اپنی تعریف سن کر سرخ ہو گیا کہنے لگا اور تم بھی اس لائق ہو کہ اس ملک کی ملکہ بن سکو کیوں کہ تمہاری ہی عقل مندی اور مشوروں سے میں یہ ملک حاصل کر سکا ہوں اگر میری بہادری کے ساتھ تمہاری دانش مندی نہ ہوتی تو ہم کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتے۔

سلومی نے دل میں سوچا کہ ابھی میری دانشمندی کا بھید تو تم پر اس وقت کھلے گا جب میں ملکہ کی طرح تجھے بھی ہلاک کر دوں گی مگر اوپر سے کہنے لگی۔

یقیناً ہم دونوں اپنی اپنی جگہوں پر نایاب ہیرے موتی ہیں ملک پر حکومت کرنے کا حق صرف ہم کو ہی پہنچتا ہے۔

سپہ سالار نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ اب ہمیں شادی کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے

سلومی بولی۔

میرا بھی یہی خیال ہے۔

سلومی نے نہایت مکاری سے کہا سپہ سالار نے اس پر کہا کہ پھر دوسرے ہی دن انہیں شادی کی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں اس پر سلومی نے ذرا سوچ کر کہا اگر ہم سات روز انتظار کر کے ملکہ کی موت کے بارے میں اطمینان حاصل کر لیں تو میرے خیال میں زیادہ بہتر ہو گا۔

سپہ سالار بولا۔

سلومی تمہیں تو یوں ہی وہم ہو گیا ہے یقین کرو ملکہ مر گئی ہے اور اب تو اس کی ہڈیاں بھی جل کر راکھ ہو چکی ہوں گی۔

سلومی لاجواب ہو گئی۔

اچھا تو پھر جیسے تمہاری مرضی۔

سلومی کے ساتھ سپہ سالار نکولیس کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں سلومی نے اپنی سازش کا باقاعدہ آغاز کر دیا اس نے اپنے خاص غلام کو بلا کر خفیہ طریقے سے مشورہ کیا کہ سپہ سالار کو زہر دے کر ہلاک کیا جائے یا کسی اور طریقے سے؟ غلام بڑا سیانا اور تجربہ کار شخص تھا اس نے کہا۔

ملکہ سلامت! اگر آپ نے سپہ سالار کو زہر دیا تو یہ بات کھل جائے گی دنیا میں کوئی ایسا زہر نہیں ہے جس کے پیتے ہی انسان ایک دم گر کر مر جائے وہ کم از کم یہ بتانے کے لئے تھوڑی دیر ضرور زندہ رہتا ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے اور اگر اسے کسی پر شک ہو تو وہ اس کا نام لے کر مرتا ہے اور اسے سلومی پر شک ہے تو فوج آپ کو زندہ نہ چھوڑے گی۔

سلومی کو غلام کی یہ بات پسند آئی۔ اس نے کہا۔

تو پھر اس کانٹے کو راستے سے کیونکر ہٹایا جائے؟

تجربہ کار غلام نے کہا۔

ملکہ سلامت! جو شخص میٹھا دینے سے ہلاک ہو سکتا ہے اس کو آپ زہر کیوں دے رہی ہیں۔؟

ملکہ نے کہا۔

میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی بات کھول کر بیان کرو۔

غلام کہنے لگا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ جس وقت سپہ سالار کے ساہی مندر کی کوٹھڑیوں پر ہل چلا رہے تھے تو سانپوں سے بھرا ہوا ایک مرتبان ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔

ہاں مجھے یاد ہے اور سانپوں نے ہمارے بہت سے سپاہیوں پر حملہ کر کے انہیں موت کی نیند سلا دیا تھا۔

غلام نے کہا۔

اور پھر ایک نیلے رنگ کا بہت ہی زہریلا چھوٹا سا سانپ سپہ سالار کی طرف لپکا تھا سپہ سالار وہاں سے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ آیا تھا لیکن وہ سانپ برابر اس کا پیچھا کرتا ہوا قلعے میں داخل ہو گیا تھا قلعے میں شور مچ گیا سانپ کو تلاش کیا گیا مگر وہ گم ہو گیا اصل میں وہ سانپ اسی قلعے میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے وہ سپہ سالار کی بو پر اس کی تلاش میں ہے وہ ناگن دیوی کے مندر کا مقدس سانپ ہے وہ سپہ سالار سے مندر کی تباہی کا بدلہ ضرور لے گا یہی وجہ ہے کہ سپہ سالار ہر وقت سر سے لے کر گردن تک لوہے کی باریک جالی کا لباس پہنے رکھتا ہے۔

سلومی کے چہرے پر خوشی کے اثرات پیدا ہو گئے اس نے کہا یہ تو تم نے مجھے بڑی خوشی کی بات بتا دی اگر مندر کا مقدس سانپ سپہ سالار کی تلاش میں ہے تو وہ اس کی بو پا کر اس کے پاس کیوں نہیں آتا؟

غلام نے کہا۔

ملکہ سلامت! لوہے کی باریک جالی اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس جالی نے سپہ سالار کے جسم کی خاص بو کو سانپ سے دور کر رکھا ہے اگر کسی طرح سے آپ اس کو جالی اتارنے پر مجبور کر دیں تو سانپ اسے ضرور مار دالے گا۔

ملکہ نے چٹکی بجا کر کہا۔

یہ کون سی مشکل بات ہے میں جالی اسکے جسم سے اتروادوں گی تم فکر نہ کرو میں اس سازش پر بھی عمل کر کے دیکھتی ہوں اگر سپہ سالار اسی طرح ہلاک ہو گیا تو ہمارے سر الزام بھی نہیں آئے گا اور ہمارے راستے کا کانٹا بھی صاف ہو جائے گا۔

اسی دن سلومی خاص طور پر سپہ سالار کے کمرے میں گئی اور اس نے شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں ادھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے

اسے بتایا کہ شادی میں مصر کا گورنر اور اس کی بیوی بھی شریک ہو گی سپہ سالار میز پر بیٹھا دریائے اردن پر بنائے جانے والے نئے پل کا نقشہ دیکھ رہا تھا اس نے لباس کے اندر لوہے کی ایک باریک جالی گردن سے لے کر پاؤں تک پہن رکھی تھی اس نے کہا۔

میرے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ مصر کا گورنر اور اس کی بیوی ہماری شادی میں شریک ہوں گی اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہمیں اوکتے دین کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی کیوں کہ مصر کا گورنر اوکتے دین کا چھوٹا بھائی ہے۔

سلومی بولی۔

کیوں نہیں۔ مجھے مصر کے گورنر کی بیوی کا پیغام ملا ہے کہ وہ ہماری شادی میں شامل ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

سپہ سالار نے خوش ہو کر کہا۔

تم کتنی عقل مند بیوی ہو سلومی۔ میں تم پر جتنا بھی فخر کرلوں کم ہے۔

سلومی نے ناراض ہو کر کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ تم ہر وقت لوہے کا لباس پہنے رہتے ہو بھلا یہاں کون سا تمہارا کوئی دشمن ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟ حالاں کہ میری ساری زندگی تمہاری خدمت کے لئے وقف ہے۔

سپہ سالار کے لئے بڑی مصیبت یہ تھی وہ ملکہ سلومی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس نے محض سانپ کے ڈر کے مارے یہ لوہے کی جالی کا لباس پہن رکھا ہے کیونکہ اس طرح ملکہ اسے بزدل ہونے کا طعنہ دے سکتی تھی جب کہ ملکہ اسے ایک بہادر سپاہی سمجھتی تھی ادھر سلومی اصرار کر رہی تھی کہ وہ لوہے کا لباس اتار کر پھینک دے۔

سپہ سالار نے کہا۔

مگر ملکہ تمھیں اس پر اعتراض کیوں ہے؟ سلومی نے ناک سکیڑ کر کہا۔
اس لئے کہ میں جب بھی تمہارے پاس آتی ہوں مجھے تم پرانے لوہے کے زنگار کی بدبو آتی ہے اور یہ میں برداشت نہیں کر سکتی تم بادشاہ بننے والے ہو بلکہ تم بادشاہ بن چکے ہو تمہارے ریشمی کپڑوں سے خرطوم اور لبنان کے قیمتی عطر کی خوشبو آنی چاہیے۔ سپہ سالار لا جواب ہو گیا۔
اب اس کے پاس سلومی کے اس اعتراض کے توڑ میں کوئی جواب نہیں تھا اس نے مجبور ہو کر کہا۔ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں یہ لوہے کی جالی کا لباس اتار دیتا ہوں۔ سلومی نے خوش ہو کر کہا۔
مجھے تم سے یہی امید تھی نکولیس تم ایک غیور اور نیک خاوند ہو تم پر جس قدر بھی فخر کروں کم ہے اب جلدی سے اندر جا کر یہ لباس اتار دو اور ریشمی جوڑا پہن کر میرے سامنے آؤ۔ سپہ سالار نکولیس مجبور ہو گا وہ میز پر سے اٹھا اندر خواب گاہ میں آ کر اس نے جالی دار لوہے کا باریک

لباس اتار کر پرے پھینک دیا اور کم خواب کا لمبا چغہ اور سونے کی تاروں کا بنا ہوا گلوبند پہن کر باہر آ گیا سلومی نے اسے دیکھ کر خوشی سے تالی بجائی اور کہا۔

میرے خدا! تم اس لباس میں کس قدر حسین لگتے ہو بس اب میری خوشی کی خاطر ہر وقت یہی لباس پہنا کرو ٹھہرو میں اپنے ہاتھ سے تمہارے بالوں میں کنگھی کرتی ہوں۔

اور ملکہ سلومی سپہ سالار کے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔

عین اسی وقت قلعے کی ایک چھت کے سوراخ میں چھپے ہوئے مقدس نیلے سانپ نے اپنے دشمن سپہ سالار کی فضا میں بو محسوس کی یہ بو شاہی محل میں سے ہوتی ہوئی ہوا کی لہروں کے ساتھ ساتھ سانپ تک پہنچ گئی تھی سانپ اسی بو کے انتظار میں کئی روز سے چھت کے سوراخ میں چھپا ہوا تھا بو کو محسوس کرتے ہی اس نے حرکت شروع کر دی۔

زہری سانپ

سلومی کو اب سانپ کا انتظار تھا۔

اس نے اپنے غلام کو جا کر خبر دی کہ سپہ سالار کا جالی دار لباس اتار دیا گیا ہے غلام نے سلومی کو بتایا کہ اب نیلا سانپ سپہ سالار کی بو پا کر اس کے پیچھے ضرور آئے گا سلومی نے اس خطرے کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے سانپ قلعہ چھوڑ کر جا چکا ہو تو اس صورت میں انہیں کیسے پتہ چلے گا؟ غلام نے کہا کہ اس قسم کے سانپ جب اپنے دشمن کے پیچھے لگتے ہیں تو پھر یا تو خود ہلاک ہو جاتے ہیں یا پھر اپنے دشمن کو ہلاک کر کے چھوڑتے ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے

ہوں سلومی نے پوچھا۔

آخر ہمیں کتنی دیر تک سانپ کا انتظار کرنا ہوگا۔؟

غلام نے کہا۔

اگر سانپ قلعے کے اندر موجود ہے تو اب تک اسے اپنے دشمن کی بو محسوس ہوگئی ہوگی اور وہ اس کی تلاش میں روانہ ہو چکا ہوگا۔

سلومی بولی۔

اس کا مطلب پھر یہ ہوا کہ آج رات تک سپہ سالار کا کام تمام ہو جانا چاہیے۔

میرا اندازہ یہی ہے۔

مگر سپہ سالار نے خواب گاہ کے باہر سخت پہرہ لگا رکھا ہوتا ہے۔

غلام نے کہا۔

سانپ کے لئے خواب گاہ میں داخل ہونا کوئی مشکل بات نہیں۔

قید سے فرار

غلام نے سلومی کو بڑی سچی بات کہی تھی سانپ کے سپہ سالار کی خواب گاہ میں کڑے پہرے کے باوجود داخل ہونا کوئی مشکل بات نہیں ہے مگر سلومی کو یقین نہ آیا کم از کم اگر اسے یقین آ بھی گیا تھا تو وہ خود موقع پر جا کر یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ سانپ خواب گاہ میں آیا ہے یا نہیں غلام کو رخصت کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگی کیوں کہ غلام نے کہا تھا آج رات سانپ ضرور سپہ سالار کی خواب گاہ میں داخل ہو جائے گا غلام ایک تجربہ کار آدمی تھا اسے معلوم تھا کہ سپہ سالار کی بو جالی دار لباس اتارنے کے بعد سارے محل میں پھیل چکی ہے اور سانپ چل پڑا ہو گا۔

سانپ چھت والے بل سے سپہ سالار کی بو کا پیچھا کرتا ہوا چل پڑا تھا وہ دیوار پر سے اتر کر جدھر سے بو آ رہی تھی ادھر کو روانہ ہو گیا دیوار سے وہ صحن میں آیا اور دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا رات کا وقت تھا

محل میں صرف شاہی خواب گاہ میں روشنی ہو رہی تھی باقی تقریباً ہر جگہ اندھیرا ہی تھا پہرے دار جگہ جگہ چکر لگا رہے تھے لیکن چھوٹے سے نیلے سانپ کے لئے ان کی نگاہوں سے بچ کر آگے نکلنا کوئی خاص مشکل بات نہیں تھی اب اسے بو زیادہ آنے لگی تھی سانپ سمجھ گیا کہ وہ اپنے دشمن کے قریب پہنچ رہا ہے۔

سپہ سالار کو احساس تھا کہ اس نے جالی دار لباس اتار کر ایک خطرہ مول لے لیا ہے چنانچہ وہ چوکس ہو گیا تھا اس نے اپنے شان دار پلنگ کے ارد گرد کانٹے دار تار کی ایک پٹی بچھا دی تھی اگر اس پر سے گزر کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تو اس کا جسم لوہے کے کانٹوں میں الجھ کر رہ جاتا اس اعتبار سے سپہ سالار بڑا مطمئن ہو کر پلنگ پر سو رہا تھا اس نے احتیاط کے طور پر تلوار اپنے سرہانے رکھ چھوڑی تھی اور شمع دان کی روشنیوں کو بھی گل نہیں کیا تھا۔

دوسری جانب سلومی اپنی آنکھوں کے سامنے سپہ سالار کی ہلاکت کا سمان دیکھنا چاہتی تھی اس لئے وہ اپنے کمرے سے نکل کر سپہ سالار کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہوگئی اس نے اپنے اردگرد سیاہ چادر لپیٹ رکھی تھی راستے میں پہریدار سپاہی اسے پہچان کر سر جھکا کر ادب سے سلام کرتے اور آگے گزر جاتے سلومی جوں جوں سپہ سالار کی خواب گاہ کے قریب پہنچ رہی تھی اس کا دل تیزی سے دھڑ کنے لگا تھا جانے اسے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ آج کچھ ہونے والا ہے اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ آج سپہ سالار کی موت کے سوا اور کچھ نہیں ہونے والا۔

سانپ خواب گاہ کے قریب پہنچ گیا تھا ایک پہرے دار برآمدے میں سے آکر خواب گاہ کے دروازے کے باہر رک گیا سانپ دیوار کی اوٹ میں اندھیرے میں چھپ گیا پہرے دار نے چاروں طرف

دیکھا اور پھر آگے نکل گیا پہرے دار کے جاتے ہی اندھیرے میں
سے نیلا سانپ باہر نکل آیا اور خواب گاہ کی باہر والی دیوار پر اوپر
چڑھنے لگا اوپر جا کر اس نے ایک روشن دان دیکھا جو بند تھا اندر
جانے کے لئے کوئی معمولی سا سوراخ بھی وہاں موجود نہیں تھا، سانپ
کے لئے دیوار توڑ کر اندر جانا بڑا مشکل تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا
کہ معمولی سا کوئی سوراخ ضرور ہو۔

سانپ کو دشمن کی بو بڑی تیزی سے آ رہی تھی اس بو نے اسے انتقام کی
آگ میں پاگل کر دیا تھا وہ بڑی بے چینی سے ادھر اُدھر دیوار پر رینگ
کر اندر جانے کے لئے کوئی راستہ تلاش کرنے لگا آخر سپہ سالار کی بد
نصیبی اور سانپ کی خوش نصیبی سے سانپ کو ایک سوراخ مل گیا یہاں
سے پتھر کی چند اینٹیں اپنی جگہ سے ہل گئی تھیں جس کی وجہ سے ایک
باریک سا سوراخ پیدا ہو گیا تھا نیلے سانپ نے اس سوراخ پر منہ رکھا

تو اسے اپنے دشمن کی بڑی تیز بو آئی سانپ جلدی سے اس سوراخ میں گھس گیا یہ سوراخ خواب گاہ کی دوسری جانب نکل گیا تھا سانپ بڑی آسانی کے ساتھ سوراخ میں سے گزر کر سپہ سالار کی خواب گاہ کے اندر والی دیوار پر آ گیا اندر اس کے دشمن کی بو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور خوب روشنی ہو رہی تھی سانپ نے چھت کے ساتھ ساتھ دیوار پر رینگنا شروع کر دیا وہ کسی مناسب جگہ پر سے نیچے اترنے کی تیاری کر رہا تھا۔

ادھر ملکہ سلومی بھی اپنے دشمن سپہ سالار کا آخری انجام دیکھنے اس کی خواب گاہ کے دروازے کے باہر پہنچ گئی پہریدار اس وقت دروازے سے باہر کھڑا تھا اس نے ملکہ کو سپہ سالار کی خواب گاہ کی طرف آتے دیکھا تو ادب سے سر جھکا کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا سلومی سیاہ لبادے میں ملبوس بڑی شان سے دروازے کی طرف بڑھی وہ نہیں

چاہتی تھی کہ خواب گاہ میں اس کے داخل ہونے کا علم سپہ سالار کو ہو وہ
بڑے آرام سے چوری چوری اندر جانا چاہتی تھی تا کہ اس کے مرنے کا
منظر خاموشی سے دیکھ سکے، دل میں اس کے یہ خیال بھی تھا کہ ہوسکتا
ہے سانپ ابھی اندر نہ پہنچا ہو اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر آج رات
سانپ نہیں آیا تو وہ سپہ سالار کو جگا کر کہے گی کہ ذرا ہوشیار ہو کر سویا
کرے کہ کہیں دشمن اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔

سلومی نے بڑی احتیاط سے دروازہ کھول کر ریشمی کم خواب کا پردہ
پرے ہٹا دیا سپہ سالار بڑی گہری نیند پلنگ پر سو رہا تھا سلومی نے دیوار
اور فرش پر چاروں طرف نظریں اٹھا کر دیکھا............اسے سانپ
کہیں بھی دکھائی نہ دیا اس نے آگے بڑھ کر یہ ضرور دیکھا کہ سپہ سالار
نے سانپ کے اچانک حملے سے بچنے کے لئے اپنے پلنگ کے
چاروں طرف لوہے کے کانٹوں والی جالی دار پٹی بچھا رکھی تھی سلومی

دل ہی دل میں ہنس دی کہ بز دل سپہ سالار کو جان کتنی عزیز ہے مگر اسے یہ خبر نہیں کہ اس کے باوجود وہ سانپ سے نہیں بچ سکتا اور اگر سانپ نے اسے ہلاک نہ بھی کیا تو وہ سلومی کے زہر سے بچ کر کہاں جائے گا۔

جس وقت سلومی سپہ سالار کے پلنگ کے پاس کھڑی اس کی موت کے بارے میں سوچ رہی تھی ٹھیک اس وقت زہریلا سانپ دیوار پر سے اتر کر دشمن کی بو پاتا اسکے پیچھے پہنچ گیا تھا سلومی نے سوچا کہ اسے وہاں سے واپس چلے جانا چاہے کیونکہ سانپ نہیں آیا اور کوئی ضروری بھی نہیں تھا کہ رات کو سانپ ضرور آ جائے یہ سوچ کر وہ واپس پلٹی ہی تھی کہ اسکے پاؤں پر پڑی ہوئی جوتی کا پچھلا حصہ سانپ کی دم پر پڑ گیا سانپ نے تڑپ کر پھنکار ماری اور سلومی کے پاؤں پر ڈس دیا سلومی نے نیلے سانپ کو کنڈلی مارے فرش کے قالین پر دیکھا تو وہ چیخ

مار کر گری پڑی۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر سپہ سالار جاگ پڑا اور باہر سے پہریدار سپاہی بھی تلوار کھینچ کر اندر آ گیا۔

سانپ.................سانپ...............

سلومی کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے نکلا اور اس سے پہلے کہ سانپ وہاں سے بھاگ سکے سپہ سالار نے اچھل کر تلوار ماری اور نیلے سانپ کے دو ٹکڑے کر دیئے سپہ سالار نے سلومی کے پاؤں کو دیکھا جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں ایک گہرا نیلا چھالا پڑ گیا تھا سپہ سالار نے وہاں تلوار سے زخم لگا کر خون باہر نکالا اور سلومی کی پنڈلی پر دو جگہوں پر پٹی باندھ دی مگر وہ سانپ کوئی معمولی سانپ نہیں تھا وہ ناگن دیوی کے مندر کا سب سے زہریلا اور خطرناک سانپ تھا اس کے ڈستے ہی زہر سلومی کی رگوں میں خون کے ساتھ مل کر دماغ تک پہنچ گیا تھا اور

اس پر بے ہوشی طاری ہونا شروع ہو گئی تھی سپہ سالار نے شاہی حکیم کو فوراً طلب کر لیا شاہی حکیم نے آ کر سلومی کا علاج شروع کر دیا مگر یہ کچھ بے فائدہ تھا۔

سلومی کا جسم نیلا پڑ گیا تھا اس کی آنکھیں اور گالوں کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا جیسے اس کا سارا خون ایک دم نیلے رنگ کا ہو گیا ہے اسکے ہاتھ پیر اور ناک کان نیلے ہو گئے تھے اس کا جسم جم کر نیلا پتھر بنتا جا رہا تھا وہ بے بس نگاہوں سے ہر ایک کو تک رہی تھی اس کی آواز بند ہو گئی تھی اس کے ہونٹ پتھر ہو گئے تھے مگر اس کی آنکھوں میں ابھی تھوڑی سی زندگی باقی تھی سپہ سالار نے سر پیٹ لیا۔

خدا کے لئے میری ملکہ کو بچا لو۔ اسے مرنے مت دو میں تم لوگوں کو اپنی ساری دولت دے دوں گا مگر میری ملکہ کو مرنے سے بچا لو۔

سلومی کے کانوں میں سپہ سالار کی آواز جیسے بہت دور سے آ رہی تھی وہ

سپہ سالار کے مرنے کا سماں دیکھنے آئی تھی لیکن وہاں اس کی موت کا
منظر سارے لوگ دیکھ رہے تھے اسے کیا خبر تھی کہ وہ جو کنواں وہ
دوسرے کے لئے کھود رہی ہے وہ بہت جلد خود اس میں گرنے والی
ہے یہ بات بھی اس کے لئے عذاب سے کم نہیں تھی کہ جس شخص کو وہ
مرتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی وہ اس کی موت پر آنسو بہا رہا ہے اور لوگوں
سے التجا کر رہا تھا کہ اس کی ملکہ سلومی کو موت کے پنجے سے بچایا جائے
لیکن موت اپنا کام کر چکی تھی زہر اپنا کام کر چکا تھا زندگی کی گرمی سلومی
کے جسم سے نکل گئی تھی اس کی جان صرف اس کی آنکھوں میں اٹکی
ہوئی تھی اس کا دل بہت دھیمے دھیمے حرکت کر رہا تھا حکیم نے دل کے
ساتھ کان لگایا تو اسے دل کی دھڑکن کی آواز سنائی دی اس نے سپہ
سالار کی طرف دیکھ کر کہا۔
جہاں پناہ دیوتاؤں کو جو منظور تھا وہ ہو کر رہا ہماری تمام کوششوں کے

باوجود ملکہ سلامت..............!

سپہ سالار نے چیخ کر کہا۔

خاموش، خبردار! اگر کسی نے سلومی کی موت کی خبر سنائی سلومی نہیں مر سکتی وہ زندہ ہے سلومی زندہ ہے میری ملکہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آسکتی یہ سانپ مجھے ڈسنے کے لئے آیا تھا اسے کہو کہ میری ملکہ کو کچھ نہ کہے اور مجھے ڈس کر ہلاک کردے اسے کہو میری زندگی حاضر ہے مگر میری ملکہ کو نہ ڈسے..............

سپہ سالار سلومی کے غم میں پاگل ہوا جارہا تھا وہ ہر قیمت پر سلومی کو زندگہ بچانا چاہتا تھا وہ سلومی کے غم کو برداشت نہ کرسکتا تھا اس سلومی کے غم کو جس نے اس کی موت کی سازش کی تھی اور جو اسکی موت کا سماں دیکھنے وہاں آئی تھی لیکن خود اس کے پنجے میں پھنس گئی سپہ سالار کی آہ وزاری سلومی کو نہ بچاسکی سانپ کے مہلک زہر نے کام تمام کر

دیا تھا، سلومی کے کانوں میں سپہ سالار کی آواز آنا بند ہو گئی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا چہرہ دھندلانے لگا اور پھر اندھیرے میں گم ہونا شروع ہو گیا سلومی سمجھ گئی کہ وہ مر رہی ہے اس نے آخری ہچکی لی اور مر گئی سپہ سالار چیخ مار کر اس کی لاش سے لپٹ گیا وہ اسے پاگلوں کی طرح آوازیں دینے لگا۔

مگر اب وہاں کیا رکھا تھا۔

سارے محل میں سلومی کی موت کا سوگ پھیل گیا۔

بوڑھے غلام کو سلومی کی موت کا بڑا صدمہ ہوا خدا جانے سلومی سے کیا غلطی ہو گئی تھی کہ سانپ نے سپہ سالار کو ڈسنے کی بجائے پہلے اسے ڈس دیا تھا سلومی کو پورے شاہی اعزاز کے ساتھ شاہی قبرستان میں دفن کر دیا گیا سلومی کی موت کی خبر ٹیلے کی کھو میں عنبر ملکہ اور ناگ کو بھی پہنچ گئی تھی ایک بہت بڑی رکاوٹ ان کے راستے سے خود بخود دور ہو

گئی تھی لیکن ابھی ایک طاقت ور رکاوٹ باقی تھی سپہ سالار زندہ تھا اسے بھی راستے سے ہٹانا تھا عنبر نے ناگ سے کہا۔

ہمیں شہر میں عوام کی رائے ہموار کرنی چاہیے ہمیں لوگوں کو بتا دینا چاہیے کہ یوحنا نبی کا اصل قاتل سلومی اور سپہ سالار ہے ملکہ نہیں یہی وجہ ہے کہ یوحنا کی روح نے بادشاہ اور سلومی سے بدلہ لے لیا۔

ناگ نے کہا۔

تمہارا خیال بہت اچھا ہے عنبر لیکن اس کے لئے ہمیں ان دینی بزرگوں سے ملنا ہوگا جو دریائے اردن کی عبادت گاہ میں لوگوں کے سامنے مذہبی وعظ کرتے ہیں۔

ملکہ نے کہا۔

ناگ کی رائے سے میں اتفاق کرتی ہوں لوگ اب بھی مجھ سے ایک ملکہ کی طرح پیار کرتے ہیں میرے جاسوس نے محل میں مجھے خبر دی تھی

کہ کچھ لوگوں کو یقین ہے کہ سلومی کے اشارے پر بادشاہ اور سپہ سالار نے یوحنا نبی کو شہید کیا ہے اور ملکہ بے گناہ ہے،ہم کو اس سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو سپہ سالار کے خلاف کر کے بغاوت پر اکسانا چاہیے۔

عنبر اسی روز بھیس بدل کر شہر نکل گیا وہ سیدھا دریائے اردن کے کنارے والی عبادت گاہ میں پہنچا وہاں کافی لوگ جمع تھے اور عبادت کر رہے تھے عنبر بڑے درویش سے ملا اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد اس نے کہا۔

خداوند نے یوحنا نبی کے قاتلوں کو ان کے گناہ کی سزا دے دی سلومی اور بادشاہ یوحنا کے قاتل تھے مگر ابھی ایک قاتل زندہ ہے ہمارا خداوند اس سے بھی ضرور بدلہ لے گا۔

درویش نے کہا۔

تم ٹھیک کہتے ہو اجنبی ،،ہم جانتے ہیں قاتل کون ہے۔

عنبر نے وہاں لوگوں کے سامنے ایک زبردست تقریر کی جس میں یہ ثابت کیا کہ یوحنا نبی کو بادشاہ نے سلومی اور سپہ سالار کے اشارے پر شہید کیا تھا لوگوں نے سپہ سالار کے خلاف نفرت بھرے نعرے لگائے اس طرح عنبر نے شہر کے لوگوں کو سپہ سالار کے خلاف کر دیا سپہ سالار کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ شہر میں لوگ اس کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں اور وہ عبادت گاہ میں جمع ہو کر بغاوت کی سازش کر رہے ہیں سپہ سالار کو اب اپنے تخت و تاج کی فکر پڑ گئی اس نے حکم دیا کہ عبادت گاہ پر حملہ کر کے لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور عبادت گاہ کو آگ لگا کر تباہ کر دیا جائے فوراً سپاہیوں کا ایک دستہ تلواریں لہراتا، گھوڑوں پر سوار عبادت گاہ پر ٹوٹ پڑا سپاہیوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ عبادت کرتے پر امن لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جو لوگ جان بچا کر بھاگے انہیں دریا کنارے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس کے بعد

سپاہیوں نے عبادت گاہ کو آگ لگا دی۔

سا حادثے کے بعد شہر میں سپہ سالار کے خلاف نفرت اور غصے کی لہر دوڑ گئی مگر طاقت کے سامنے لوگ بے بس تھے.............سپہ سالار کے سپاہی جگہ جگہ چھاپے مار کر لوگوں کو قتل کرر ہے تھے اس کی اطلاع عنبر اور ناگ پھنی کو پہنچی تو انہوں نے ملکہ سے کہا۔

اب وقت آرہا ہے کہ ہم آگے بڑھ کر باغی لوگوں کی رہنمائی کریں اور سپہ سالار کے خلاف جنگ کا اعلان کر کے محل پر کھلا حملہ کرادیں۔

ملکہ نے کہا۔

ابھی ہمیں تھوڑا سا اور انتظار کرنا چاہیے۔

روشن ستارہ

سپہ سالار نے تخت و تاج بچانے کے لئے شہر میں قتل عام شروع کرا دیا۔ شہر میں ہر طرف دہشت پھیل گئی اپنے بھائیوں کے قتل عام کے بعد لوگ سپہ سالار سے نفرت کرنے لگے اور اس کے خون کے پیاسے ہو گئے مگر وہ نہتے تھے وہ کچھ نہ کر سکتے تھے فوج کا ایک حصہ بھی سپہ سالار کے خلاف ہو گیا لیکن اکیلے وہ بھی کچھ نہ کر سکتا تھا دوسری طرف سپہ سالار کے جاسوسوں نے آ کر اسے خبر دی کہ اس ساری کارروائی کی ذمے دار ملکہ ہے سپہ سالار نے چونک کر کہا۔

کیا کہا ملکہ؟ کیا وہ ابھی زندہ ہے۔؟

جاسوس نے بتایا کہ ملکہ سدوم زندہ ہے اور شہر سے باہر ایک ٹیلے کی کھوہ

میں پناہ لیے ہوئے ہے سپہ سالار کا یہ سن کر خون کھول اٹھا اس نے اسی وقت سپاہیوں کو ساتھ لیا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا شہر سے باہر والے ٹیلے کی طرف چل دی فوج کا وہ دستہ جو سپہ سالار کے خلاف تھا اور ملکہ کا وفادار تھا جب اس کو معلوم ہوا کہ ملکہ زندہ ہے اور سپہ سالار اسے قتل کرنے ٹیلے کی طرف آرہا ہے تو وہ اس سے پہلے تیر کمان سے مسلح ہو کر ٹیلے پر جا پہنچے عنبر نے سپاہیوں کے ایک دستے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ملکہ اور ناگ کو خبردار کر دیا سپاہیوں کا دستہ ٹیلے کے سامنے آ کر رک گیا اور اپنے کپتان کے حکم سے انہوں نے ٹیکے کے اوپر چاروں طرف چھپ کر پتھروں کی اوٹ میں مورچے سنبھال لیے عنبر نے ملکہ اور ناگ سے کہا۔

دشمن سر پر پہنچ گیا ہے ہمیں ہر قیمت پر ملکہ کو بچانا اور سپہ سالار کو ہلاک کرنا ہے۔

ناگ نے کہا۔

ہم اکیلے اتنے سپاہیوں کا کیسے مقابلہ کر سکیں گے انہوں نے ٹیلے کے اوپر مورچے سنبھال لیے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

جو ہوگا دیکھا جائے گا ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے میرے پاس تلوار ہے میں باہر نکل کر سپاہیوں کا مقابلہ کروں گا وہ مجھے ہلاک نہیں کر سکیں گے تم بھی ملکہ کو حفاظت سے چھپا کر باہر آجانا اور زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنا۔

عنبر نے تلوار میان سے کھینچی اور کھوہ میں سے باہر نکل گیا اسے یقین تھا کہ ٹیلے کے اوپر دشمن کے مورچوں سے تیروں کی بوچھاڑ آئے گی اور اس کا جسم چھلنی ہو جائے گا مگر ظاہر ہے کہ اسے کچھ نہ ہو سکے گا لیکن وہ حیران رہ گیا جب کہ کسی نے بھی اس پر کوئی تیر نہ چلایا بلکہ اس کے

بجائے دستے کا کپتان ٹیلے سے اتر کر عنبر کو اپنی طرف آتا نظر آیا عنبر نے تلوار سونت لی اور کہا۔

تمہارے سپاہی مجھ پر تیر کیوں نہیں چلاتے؟ میں تیار ہوں مجھ پر حملہ کرو نہیں تو میں حملہ کر کے تمہیں ہلاک کر دوں گا کپتان عنبر کے پاس آ کر رک گیا اور بولا۔

اے ہماری ملکہ کے محافظ میں تمہارا دشمن نہیں بلکہ دوست بن کر یہاں آیا ہوں میں اور میرے ساتھی ملکہ کے وفادار سپاہیوں کا مقابلہ کرنے اور تمہاری اور ملکہ کی جان بچانے یہاں آئے ہیں سپہ سالار کوئی پل میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ یہاں پہنچنے والا ہے اس لئے فوراً ٹیلے کے اندر چھپ جاؤ اور ملکہ کو ہماری طرف سے کہو کہ وہ فکر نہ کریں ہم زندگی کے آخری سانس تک ان کی جان کی حفاظت کریں گے۔

عنبر کے لئے یہ ایک خوشگوار انقلاب تھا کہاں تو اس نے یہ سمجھ رکھا تھا

کہ زندگی کی آخری گھڑی آن پہنچی ہے اور کہاں اس کی خاطر جان قربان کرنے والے سپاہی وہاں آ گئے ہیں وہ فوراً کھوہ میں گیا اور اس نے ساری صورت حال کے بارے میں ملکہ اور ناگ کو باخبر کر دیا ناگ نے کہا کہ وہ سانپ بن کر سپاہیوں کو موت کی نیند سلائے گا عنبر نے کہا کہ اسکے لئے ایسا کرنا خطرناک ہوگا چونکہ ہجوم میں کسی بھی سپاہی کے گھوڑے تلے آ کر وہ کچلا جا سکتا تھا۔

تمہاری جگہ میں باہر نکل کر سپہ سالار کی فوجوں کا مقابلہ کروں گا چونکہ میرے مارے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ملکہ نے عنبر کو روکنا چاہا کیوں کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ عنبر مر نہیں سکتا ناگ نے کہا۔

نہیں ملکہ سلامت۔ اسے جانے دیں یہ ان سب پر بھاری پڑے گا۔

اتنے میں کھوہ کے باہر انہیں گھوڑوں کے ہنہناتے اور ٹاپوں کی آواز

سنائی دی عنبر نے کہا کہ دشمن آن پہنچا ہے مجھے وفادار سپاہیوں کی مدد کے لئے باہر جانا چاہیے وہ کھوہ کے کنارے پر آکر باہر دیکھنے لگا دشمن کے سپاہی بکھر کر ٹیلے کے سامنے نیم دائرے کی شکل میں کھڑے تھے ان کے آگے سپہ سالار گھوڑے پر سوار کھڑا تھا کھوہ کی طرف منہ کر کے للکارا۔

ملکہ سدوم اور اس کے ساتھیو میں تمہیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم پوری طرح میرے گھیرے میں آچکے ہو میرے سپاہی تمہیں اپنے جال میں پھنسا چکے ہیں تم چاہو بھی تو یہاں سے نکل کر فرار ہو سکتے اس لئے تمہارے واسطے یہی بہتر ہے کہ اپنا آپ میرے حوالے کردو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ملکہ کو پھانسی پر نہیں چڑھایا جائے گا۔

اس نے ابھی بات ختم ہی کی تھی کہ ٹیلے کے اوپر سے وفادار سپاہیوں نے اس پر تیر برسانے شروع کر دیئے وہ بوکھلا کر پیچھے کی طرف بھاگا

اسے یہ امید ہر گز نہیں تھی کہ ٹیلے کے اوپر بھی کوئی فوج چھپی ہوئی ہو
گی تیروں کی بارش شروع ہو گئی کئی سپاہی زخمی ہو کر زمین پر گرے اور
پھر نہ اٹھ سکے اب عنبر بھی کھوہ سے باہر نکل آیا اور وہ اکیلا دشمن پر ٹوٹ
پڑا سپہ سالار کے سپاہیوں نے اسے گھیر لیا اور اس پر تیر نیزے اور
تلواریں برسانے لگے مگر عنبر کو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا دوسری جانب وہ
جو وار کرتا اس سے کسی نہ کسی سپاہی کی ٹانگ کٹ جاتی۔

ٹیلے پر چھپے ہوئے مورچہ بند وفادار سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ملکہ کا
محافظ اکیلا دشمن کے سپاہیوں سے لڑ رہا ہے تو وہ بھی جنگی نعرے لگاتے
ہوئے ٹیلے سے نیچے اتر آئے اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی ہر لمحہ
بعد کسی نہ کسی کا سر کٹ کر گر جاتا تھا اور دھڑ تڑپنے لگتا تھا سپہ سالار ذرا
پرے لڑ رہا تھا وہ پیچھے ہٹتا ہٹتا کھوہ کے قریب آ گیا تھا اس نے سب کی
نظریں بچا کر تلوار سونت لی اور چپکے سے کھوہ کے اندر داخل ہو گیا

دراصل وہ یہ چاہتا تھا کہ اندر جا کر ملکہ کا سر کاٹ لے اور پھر اسے نیزے پر چڑھا کر لہرائے اور اپنی فتح کا اعلان کر دے کیونکہ ملکہ کا کٹا ہوا سر دیکھ کر وفادار سپاہیوں کے حوصلوں کا پست ہو جانا یقینی تھا۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ ملکہ اکیلی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ناگ پھنی بھی ہے جو سپہ سالار کی عبرتناک موت بن کر اس کا انتظار کر رہا ہے سپہ سالار غار کے اندھیرے میں پاؤں سیکڑ سیکڑ کر اٹھاتا بڑا چوکس ہو کر دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس کی آہٹ بھی سنائی دے وہ اچانک اوپر سے جا کر ملکہ کا سر کاٹ لانا چاہتا تھا لیکن اس کے قدموں کی چاپ ناگ نے سن لی تھی کیوں کہ سانپوں کا شہزادہ ہونے کی وجہ سے اس کے کان اتنے تیز تھے کہ وہ زمین کے اندر کی ہلکی دھمک بھی سن لیتا تھا ناگ قدموں کی چاپ سے چوکنا ہو گیا اس نے ملکہ کے کان میں سرگوشی کی۔

شاید دشمن کا کوئی سپاہی اندر آ گیا ہے آپ ایک طرف ہو کر چھپ جائیں میں اسے سنبھال لیتا ہوں۔

ملکہ پتھروں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئی ناگ ذرا پرے ہو کر پھنکارا اور سانپ کی شکل میں بدل گیا پھنکار کی ہلکی سی آواز سپہ سالار نے بھی سنی تھی جو غار میں دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اسے ایک دم نیلے سانپ کا خیال آ گیا اور اس کے بدن میں خوف سے سنسنی دوڑ گئی پھر اسے خیال آیا کہ نیلے سانپ کو تو وہ کچل کر مار چکا ہے اس سے اسے کچھ حوصلہ ہوا اور وہ تلوار ہاتھ میں لیے آگے بڑھتا چلا گیا اچانک اسے ایک جگہ ملکہ کا سایہ نظر آیا وہ سمجھ گیا کہ ملکہ اکیلی ہے اور پتھروں کے پیچھے چھپی ہوئی ہے اس نے زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔

ملکہ اپنی موت کے لئے تیار ہو جا تیرا آخری وقت آن پہنچا ہے۔

سپہ سالار نے تلوار ہوا میں بلند کی اور سہمی ہوئی ملکہ پر حملہ کرنے ہی

والا تھا کہ ایک سیاہ کالا ناگ اس کے پہلو سے اچھل کر اس کی گردن کی طرف لپکا اور اس نے سپہ سالار کے چہرے پر آنکھوں کے قریب ڈس دیا یہ ایک نازک جگہ تھی کہ سپہ سالار دوسرے ہی لمحے اندھا ہو گیا اس کے بدن میں کپکپی طاری ہو گئی اور تلوار اس کے ہاتھ سے پتھروں پر گر پڑی ناگ اوٹ میں ہو گیا اس نے پھنکار مار کر دوبارا انسانی شکل اختیار کی اور سامنے آ کر زمین پر سے تلوار اٹھائی اور سپہ سالار سے کہا۔

بول اے سنگدل قاتل اب ملکہ کا سر باہر لے کا جاؤں گا تمہارا!؟

سپہ سالار کا سارا بدن لرز رہا تھا اور اس پر جانکنی کی حالت طاری تھی ناگ نے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور اسے تلوار پر چڑھا کر کھوہ سے باہر لے جا کر فضا میں لہرا کر بولا۔

دشمن کے سپاہیوں ادھر دیکھو، یہ ہے تمہارے سپہ سالار کا سر اپنے ہتھیار پھینک دو، ہم تمہیں معاف کر دیں گے وگرنہ تمہارا ابھی وہی

انجام ہوگا جو تمہارے سپہ سالار کا ہوا ہے۔

دشمن کے سپاہیوں نے اپنے سپہ سالار کا سر تلوار کے اوپر چڑھا ہوا دیکھا تو ہتھیار پھینک کر اپنا آپ ملکہ کی وفادار فوجوں کے حوالے کر دیا عنبر نے ناگ کو شاباش دی کہ اس نے سپہ سالار کو قتل بھی کر دیا ملکہ کی جان بھی بچالی۔

اگر تم بھی میرے ساتھ باہر آ جاتے تو پانسہ پلٹ گیا تھا اور ملکہ کی جان خطرے میں تھی۔

اب وہ غار کے اندر آ گئے اور احترام کے ساتھ ملکہ کو لے کر باہر آئے اور وفادار فوجوں کے کپتان نے جھک کر سلام کیا اور کہا ملکہ سلامت ظالم اپنے انجام کو پہنچے دشمنوں کو شکست ہوگئی انہوں نے خدا کے نیک بندوں کے ساتھ زیادتی کی تھی انہیں ان کے گناہوں کی سزا مل گئی آپ ہمارے ساتھ شاہی محل تشریف لے چلیے ....شاہی تخت

اور آپ کی وفادار رعایا آپ کی آمد کا انتظار کر رہی ہے سپاہیوں نے
ملکہ زندہ باد کے نعرے لگا کر ملکہ کا خیر مقدم کیا اور انہیں اپنے ساتھ
لے کر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے عنبر اور ناگ ملکہ کے آس پاس
تھے راستے میں ہی رعایا کو معلوم ہو گیا کہ ان کی ملکہ وفادار فوجوں کے
ساتھ محل کی طرف آ رہی ہے اور سپہ سالار قتل کر دیا گیا ہے لوگ ملکہ
کے استقبال کے لئے محل کی طرف اٹھ دوڑے محل اور قلعے میں جب
سپہ سالار کی شکست کی خبر پہنچی تو وفادار فوجوں نے سپہ سالار کی بچی کھچی
فوج کو قتل کرنا شروع کر دیا اور پھر سارے قلعے پر قبضہ کر لیا دوسرے
دن ملکہ کو سدوم کے تخت پر شاہانہ انداز میں تاج پوشی کے لئے بٹھا دیا
گیا ملکہ نے عنبر اور ناگ کو اپنے خاص وزیروں کا درجہ دیا اور خواہش
ظاہر کی کہ وہ اپنی باقی زندگی ملکہ ہی کے شاہی محل میں رہ کر بسر کریں
.............عنبر نے کہا۔

ملکہ سلامت! میری ساری زندگی کہاں بسر ہوگی ہی مجھے بھی علم نہیں بہر حال میں اور میرا دوست جتنی دیر تک آپ کے پاس رہیں گے آپ کے وفادار اور ہمدرد بن کر رہیں گے اور جس روز یہاں سے جانا ہوگا، ہم چلے جائیں گے۔

عنبر نے ملکہ کی مدد سے دریائے اردن کے کنارے والی یوحنا نبی کی عبادت گاہ کو نئے سرے سے بنوادیا، وہاں وہ صبح شام خود بھی جا کر خدا وند کی عبادت کرتے ایک روز وہ اور ناگ خدا کی عبادت کر رہے تھے کہ ایک راہب سے ملاقات ہوگئی اس نے عنبر کو بتایا کہ وہ گلیلی کے قصبے سے آرہا ہے۔

وہاں بیت اللحم کے شہر میں خدا کے ایک نبی کا ظہور ہوا ہے یہ نبی وہ ہے جس کو یوحنا نبی نے بتیسمہ دیا تھا اور جس کے بارے میں یوحنا نبی نے بشارت دی تھی کہ وہ خدا کا نبی ہوگا اور لوگوں کے دکھوں کے لئے

دکھ اور لوگوں کی تکلیفوں کے لئے خود تکلیفیں اٹھائے گا۔

عنبر نے راہب سے پوچھا۔

کیا تم نے اس نبی کو دیکھا ہے۔

راہب نے کہا۔

ہاں میں اس کے پاؤں چوم کر آ رہا ہوں لوگ اسے یسوع مسیح کہتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو دکھیوں اور غم کے ماروں کا نجات دہندہ کہتا ہے۔

عنبر کا چہرہ مسرت سے سرخ ہو گیا اس نے عبادت گاہ سے باہر نکل کر ناگ سے کہا۔

دوست یہاں سے کوچ کرنے کا وقت آ گیا ہے اب یہاں سے ہمارا دانہ پانی ختم ہو گیا ہے ہمیں ایک اور روشنی ایک اور نیکی کی آواز اپنی طرف بلا رہی ہے۔

ناگ نے کہا۔

کیا ہم یسوع مسیح سے ملنے جا رہے ہیں۔

عنبر نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس سے ملنے نہیں دوست۔ اس عظیم ہستی کے قدموں کی خاک چومنے جا رہے ہیں۔

ضرور عنبر۔! ہمیں ضرور چلنا چاہیے شاید اس عظیم الشان ہستی کو دیکھ کر ہماری بھی نجات ہو جائے۔

آؤ میرے ساتھ۔

کیا ہم اسی طرح چل پڑیں گے؟

کیا مطلب؟

میرا مطلب ہے کہ بغیر کسی سامان کے یوں ہی ان دو کپڑوں میں کوچ کر جائیں؟

عنبر نے کہا۔

دوست ہمارا سامان اور ہماری زندگیوں کا سارا متاع اور اسی عظیم ہستی کے قدموں میں پڑا ہے آؤ میرے ساتھ۔

کیا ہم ملکہ سے ملے بغیر ہی چل دیں۔؟

ہم بادشاہوں کے بادشاہ سے ملنے جا رہے ہیں دوست وقت ضائع مت کرو۔

عبادت گاہ سے نکل کر دونوں دوست دریائے اردن کے کنارے کنارے قصبہ گلیلی کے شہر بیت اللحم کی طرف چل پڑے سدوم سے وہ صبح کے وقت چلے تھے انہیں دریا کے کنارے چلتے چلتے شام ہوگئی وہ تھک گئے تھے انہوں نے کچھ فاصلے پر آگ جلتی دیکھی اور اس طرف گئے وہاں ایک چھوٹا سا خیمہ تھا جس کے باہر آگ کے گرد کچھ لوگ بیٹھے قہوہ پی رہے تھے عنبر اور ناگ ان سے اجازت لے کر بیٹھ

گئے انہیں قہوہ پیش کیا گیا رات ہوتے ہی وہ لوگ خیمہ اکھاڑ کر
گدھوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے عنبر اور ناگ بہت تھکے ہوئے تھے
اور ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگے پیدل چل سکیں ناگ نے کہا میرا
خیال ہے ہمیں اسی جگہ دریا کنارے لیٹ کر رات گزارنی چاہیے
کیونکہ یہاں دور دور تک کوئی بستی وغیرہ دکھائی نہیں دے رہی۔

عنبر کہنے لگا۔

ہمارے لیے کسی بستی کا ہونا یا نہ ہونا ایک برابر ہے ناگ ہم اسی صحرا
میں رات بسر کریں گے۔

انہوں نے اپنے سروں پر سے چادریں اتار کر ریت پر بچھا لیں اور
لیٹ کر باتیں کرنے لگے ناگ کے ذہن میں بار بار یہی ایک خیال آ
رہا تھا کہ وہ جس ملک میں جا رہے ہیں وہاں کے لوگ اجنبی لوگ کیسے
ہوں گے ان کے ساتھ وہ کیسا سلوک کریں گے؟ جس عظیم ہستی کو

دیکھنے کی تمنا لے کر وہ جا رہے ہیں کیا وہ انہیں زندہ مل سکیں گے ناگ
ایک سانپ کے روپ میں دو سو برس تک زندہ رہنے کے بعد انسانی
شکل میں آیا تھا اس کی یہ شکل بھی عارضی تھی مگر وہ زندگی میں اب دوبارا
سانپ نہیں بننا چاہتا تھا اس کی خواہش تھی کہ اب وہ باقی ساری عمر
انسان کے روپ میں ہی بسر کردے مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ
ایک نیک اور پر امن زندگی بسر کرے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے جھوٹ
نہ بولے لیکن ہوتا یہ تھا کہ ہر بار وہ کسی نہ کسی ایسی جنگ میں الجھ جاتا تھا
اس سے کچھ لوگ ہلاک ہو جاتے تھے وہ اسی قسم کے خیالوں میں گم تھا
عنبر سو گیا تھا کہ اچانک ناگ کو کسی شیر کی خوفناک دھاڑ سنائی دی دھاڑ
اتنی خوف ناک تھی کہ عنبر کی بھی آنکھ کھل گئی دونوں نے چونک کر ایک
دوسرے کی طرف دیکھا عنبر نے کہا۔

تم نے آواز سنی ہے۔؟

ہاں شیر کی دھاڑ تھی کوئی صحرائی شیر ہے۔

دونوں دوست ریت پر لیٹے لیٹے صحرا میں غور سے دیکھنے لگے۔

رات اندھیری تھی ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں انہوں نے ذرا دور ایک بہت بڑے شیر کو کسی لاش پر جھکے ہوئے دیکھا ناگ نے عنبر کے کان میں کہا۔

مجھے کسی انسان کی لاش معلوم ہوتی ہے۔...........

آدھی رات کو صحرا میں لاش کس کی تھی؟

کیا شیر اس لاش کو کھا رہا تھا؟

عنبر اور ناگ کن حالات میں عظیم ہستی سے ملے؟

وہ عظیم ہستی کون تھی؟

یہ سب کچھ آپ اس ناول کی اگلی یعنی پندرھویں قسط میں پڑھیے گا۔

﴿ختم شد﴾

عنبر۔ناگ۔ماریا

بدروحوں کا مسکن

(قسط نمبر ۱۵)

(اے۔حمید)

بدروحوں کا مسکن

فہرست

بدروحوں کا مسکن

سنو پیارے بچو!

ہیرو عنبر اور اس کا سانپ دوست ناگ ....دریائے اردن کے شہر کی تباہی و بربادی کے بعد وہاں سے نکل کر مقدس شہر بیت اللحم کی طرف جا رہے ہیں اردن کا دریا ان کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے یہاں وہ آدھی رات کو اٹھ کر ایک شیر کو دیکھتے ہیں جو صحرا میں کسی آدمی پر لپکا ہوا ہے شیر حملہ کرتا ہے عنبر شیر کو ہلاک کر دیتا ہے یہاں صحرا میں انہیں ایک پر اسرار روشنی دکھائی دیتی ہے عنبر کی بہن ماریا گم ہو جاتی ہے عنبر سنسان جنگل میں ایک ایسی جگہ پہنچتا ہے جہاں بدروحیں آدھی رات کو چیختی چلاتی رہتی ہیں اور وہاں جا کر کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا ....عنبر اور ناگ کی ملاقات ایک عظیم ہستی سے ہوتی ہے

بدروحوں کا مسکن

اسکے بعد ایک گناہ گار شہر پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے زلزلے سے زبردست تباہی آتی ہے اور دونوں دوست گھوڑوں پر سوار ہو کر وادی سندھ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

اے حمید

شیر پر حملہ

رات بڑی پراسرار تھی چاروں طرف خاموشی تھی۔
صحرا میں دور دور تک کسی کی آواز سنائی نہ دیتی تھی آسمان پر چاند کہیں بھی نہیں تھا ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں ریت کے چھوٹے چھوٹے اونچے نیچے ٹیلے دور تک پھیلے ہوئے تھے جن پر تیز ہواؤں کے طوفان نے لہریں ڈال رکھی تھیں ناگ اور عنبر دونوں آنکھیں کھولے دور رات کی مہکی مہکی تاریکی میں یہ دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ شیر کے آگے لاش پڑی ہے یا وہ کیا شے ہے جس پر شیر جھکا ہوا ہے۔
ناگ عنبر سے کہہ چکا تھا کہ اسے کسی انسان کی لاش معلوم ہوتی ہے عنبر

نے غور سے دیکھا اور کہا۔

شاید کسی انسان ہی کی لاش ہے مگر شیر اسے کھا کیوں نہیں رہا؟

میرا خیال ہے ہمیں آگے بڑھ کر دیکھنا چاہیے کہ اصل ماجرا کیا ہے۔

دونوں دوست ریت پر لیٹے ہی لیٹے کہنیوں اور گھٹنوں کے سہارے آگے بڑھنے لگے جب وہ شیر کے قریب پہنچ گئے تو رک گئے وہ ریت کے ایک چھوٹے سے ڈھیر کے پیچھے چھپے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ ایک سفید داڑھی والا بزرگ قسم کا آدمی ریت پر لیٹا ہوا ہے اور شیر اس کے پاس کھڑا کبھی اسے سونگھتا ہے اور کبھی آسمان کی طرف دیکھتا ہے عنبر اور ناگ فوراً سمجھ گئے کہ وہ کوئی مسافر ہے جو بے سدھ سو رہا ہے اور شیر بے خبر ہے شیر اس آدمی کو ہڑپ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے عنبر نے ناگ سے کہا۔

اگر شیر نے اس بزرگ پر حملہ کر دیا تو میں اسکی مدد کروں گا۔

ناگ نے کہا۔

تم سے زیادہ اس کی میں مدد کرسکتا ہوں۔

ٹھیک ہے پھر ہم دونوں بزرگ آدمی کی مدد کریں گے لیکن اگر شیر چلا گیا تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ اب ہم نے نیکی اور سچائی کی زندگی پر چلنا ہے ہم اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے جب تک کہ کوئی ہمیں نقصان نہیں پہنچاتا۔

ابھی وہ باتیں ہی کرر ہے تھے کہ اچانک شیر خوفناک انداز میں دھاڑا اس کی دھاڑ سارے صحرا میں گونج اٹھی سفید داڑھی والا بزرگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور شیر کو اپنے اوپر دیکھ کر کانپنے لگا شیر نے زور سے پنجہ مارا جو اس آدمی کے پہلو میں ریت پر پڑا اب عنبر اور ناگ کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اس بے گناہ مسافر کی جان موذی شیر سے بچائیں چنانچہ عنبر نے زور سے ایک چیخ ماری اور لپک کر شیر کے

سامنے آ گیا۔

عنبر جانتا تھا کہ شیر اس کا بال تک بیکا نہ کر سکے گا شیر نے ایک اور انسان کو ریت کے ٹیلے میں سے نکل کر اپنی طرف آتے دیکھا تو بزرگس انسان کو چھوڑ کر عنبر پر حملہ کر دیا عنبر یہی تو چاہتا تھا اصل میں شیر کی موت اسے عنبر کی طرف لے آئی تھی شیر نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر پنجہ مارا شیر کے پنجے میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ اگر وہ بھینسے کی گردن پر مارے تو اس کے دو ٹکڑے کر کے رکھ دے مگر عنبر کی گردن پر شیر کا پنجہ پڑا تو شیر کو یوں لگا جیسے اس نے کسی لوہے کی دیوار پر پنجہ مار دیا ہو شیر کا پنجہ سن ہو کر رہ گیا اس نے دوسرا پنجہ عنبر کے سر پر مارا تو دوسرا پنجہ بھی زخمی ہو کر سن ہو گیا اب عنبر کے حملہ کرنے کی باری تھی اس نے شیر کی دم پکڑ کر اپنی طرف اس زور سے کھینچی کہ وہ شیر کے جسم سے الگ ہو گئی شیر زور سے دھاڑا اور اس نے

اپنا پورا منہ کھول کر عنبر کو ہڑپ کرنے کی کوشش کی عنبر فوراً ایک طرف ہٹ گیا۔

اتنے میں ناگ بھی وہاں پہنچ گیا اس کی کمر میں خنجر بندھا ہوا تھا اس نے پیچھے سے آ کر بڑی زور سے خنجر شیر کے پیٹ میں گھونپ دیا شیر نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہی تھا کہ عنبر نے دونوں ہاتھوں کا ایک مکا بنا کر پوری قوت کے ساتھ شیر کی کمر پر دے مارا شیر کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ ریت پر گر پڑا اس کا نچلا دھڑ پتھر ہو چکا تھا اگلے دھڑ سے جان نکل رہی تھی وہ زمین پر پڑے پڑے دھاڑنے اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

وہ بزرگ انسان اٹھ کر پرے ہٹ کر کھڑا تھا جب شیر ختم ہو گیا تو اس نے عنبر اور ناگ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

میرے نوجوان دوستو! میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں تم نے

ہمت کر کے مجھ بوڑھے کی جان بچائی اگر تم میری مدد کو نہ پہنچتے تو شیر مجھے کھا گیا ہوتا اور میری بیٹی ماریا رو رو کر اپنے بابا کے غم میں جان دے دیتی عنبر نے کہا۔

بابا یہ ہمارا فرض تھا کہ ہم آپ کی مدد کرتے مگر یہ بتائیں کہ آپ اتنے بے فکر ہو کر کیوں سو رہے تھے۔؟

بزرگ انسان نے بتایا۔

میرے نوجوان دوستو میرا نام جوزف مجوسی ہے میں آتش پرست تھا لیکن نجات دہندہ یسوع پر ایمان لا کر میں نے آگ کی پوجا چھوڑ دی میں بیت اللحم کی ایک بستی میں اپنی بیٹی ماریا کے ساتھ رہتا ہوں ہمارا انجیروں کا ایک باغ ہے جس پر ہماری گزر بسر ہوتی ہے۔

بابا تم سدوم کیسے آئے تھے۔؟

سدوم میں انجیروں کے ایک بیوپاری سے کچھ پیسے لینے آیا تھا اب

واپس اپنے گاؤں جا رہا تھا کہ راستے میں رات ہو گئی اور میں گھڑی دو گھڑی کے لئے سو گیا۔

ناگ نے کہا۔

خداوند کا شکر ہے کہ ہم پہنچ گئے اور تمہاری جان بچ گئی ہم لوگ بھی اسی نجات دہندہ سے ملنے کی آرزو لے کر بیت اللحم جا رہے ہیں۔

مجوسی خوش ہو کر بولا۔

یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے تم لوگ میرے مہمان بن کر میرے گھر میں رہنا تمہیں میرے کچے مکان میں زیادہ آرام تو نہ مل سکے گا لیکن میں اور میری بیٹی ماریا تمہاری خدمت کریں گے۔

عنبر نے کہا۔

شکریہ بابا.............ہم آپ کی مہمان نوازی کے شکر گزاری ہیں۔

عنبر نے اس کے بعد مجوسی سے اپنا اور ناگ کا یوں تعارف کرا دیا۔

بدروحوں کا مسکن

میرا نام عنبر ہے اور میرے دوست کا نام ناگ ہے ہم سدوم سے عظیم نجات دہندہ یسوع کا نام سن کر وہاں جا رہے ہیں کیا ہم اس عظیم ہستی سے مل سکیں گے۔

مجوسی نے کہا۔

کیوں نہیں ۔ اس عظیم ہستی کا در سب کے لئے کھلا ہے وہ غریبوں اور دکھیوں کا رکھوالا ہے وہ سب سے محبت کرتا ہے اس کے بعد عنبر اور ناگ بزرگ مجوسی کے ساتھ بیت اللحم کی جانب روانہ ہو گئے دریا کے کنارے کنارے سفر کرتے انہیں صبح ہو گئی ابھی ان کی منزل کافی دور تھی وہ چلتے گئے جوں جوں دن نکلتا گیا دھوپ اور گرمی تیز ہوتی گئی جب گرمی ان کی برداشت سے باہر ہو گئی تو انہوں نے ایک جگہ سایہ دیکھ کر پڑاؤ ڈال لیا بوڑھا مجوسی چلتے چلتے تھک گیا تھا وہ جلدی ہی سو گیا۔

عنبر اور ناگ باتیں کرنے لگے کہ بیت اللحم پہنچ کر وہ کام کیا کریں گے یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ بھوک دونوں کو بہت کم لگتی تھی سانپ جیسا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کئی کئی روز بھوکا رہ سکتا ہے سردیوں میں جب سانپ سردی سے بچنے کے لئے زمین کے اندر چلا جاتا ہے تو کئی مہینے کچھ نہیں کھاتا ناگ بھی سانپ ہی تھا اور انسان کی شکل میں آیا ہوا تھا چنانچہ اسے بہت کم بھوک لگتی تھی۔

عنبر بھی ایک انسان تھا جس پر قدرت نے نا معلوم مدت کے لئے موت حرام کر دی تھی یعنی وہ اگر چاہے بھی تو مر نہیں سکتا تھا اس طرح اسے بھی بھوک بہت کم محسوس ہوتی تھی پھر بھی لوگوں کو دکھانے کے لئے کسی نہ کسی کاروبار کا ہونا بہت ضروری تھا ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ میں سانپوں کو پکڑ کر بیچنے کا دھندا شروع کر دوں گا اس زمانے میں سانپ پکڑ کر بیچے جاتے تھے یہ سانپ عام طور پر وہ

لوگ خریدتے تھے جوان کی کھال اتار کر اسے سکھا کر خاص قسم کا چمڑا تیار کرتے تھے یہ چمڑا بڑے بڑے امیر لوگ اپنی چپل بنانے کے لئے خرید لیتے تھے عنبر نے کہا۔

یہ ٹھیک رہے گا اور میں اپنا وہی پرانا دواؤں کا دھندا شروع کر دوں گا میرے پاس تبت کے راجے کا دیا ہوا ہیرا ابھی تک موجود ہے اگر ہمارا دھندا نہ چلا تو یہ ہیرا فروخت کر دوں گا۔

اس کی کیا ضرورت ہے بھلا ہماری گزر بسر کسی نہ کسی طرح سے ہو ہی جائے گی۔

اس طرح باتیں کرتے دن غروب ہو گیا سورج کی تپش ختم ہو گئی اور صحرا میں شام کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی بزرگ مجوسی بھی اٹھ بیٹھا اس نے کہا۔

میرا خیال ہے ہمیں اب اپنا سفر شروع کرنا چاہیے اگر ہم بغیر کسی جگہ

رکے رات بھر سفر کرتے رہے تو صبح کے وقت بیت اللحم پہنچ جائیں گے عنبر نے کہا۔

ہمیں اب چل پڑنا چاہیے۔

رات بھر وہ بغیر رکیں چلتے رہے پچھلے پہر وہ ایک بستی کے قریب سے گزرے جس کے باہر بھیڑ بکریاں باڑے میں بندھی ہوئی انہیں دیکھ کر ممیانے لگیں بزرگ مجوسی نے تھیلے میں سے خشک انجیروں اور مکی کی روٹی نکال کر آپس میں بانٹ لی انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر روٹی کھائی اور چھاگل میں سے پانی پیا کھا پی کر وہ دوبارہ روانہ ہو گئے جس وقت صحرا میں دن کا اجالا پھیلا تو انہیں دور اونچے نیچے پہاڑی ٹیلے پر بیت اللحم کی بستی نظر آئی اس بستی کو دیکھتے ہی بزرگ مجوسی نے آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگا عنبر اور ناگ بھی اس کی دعا میں شامل ہو گئے۔

بدروحوں کا مسکن

اے خداوند ہمارے گناہ معاف کر دے ہم پر اپنا رحم نازل کر ہم بھیڑوں کی طرح سچے راستے سے بھٹک گئے تھے کہ تو نے ہمیں سیدھے راستے پر ڈال دیا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہی ہماری امیدوں کا سہارا ہے تو ہی ہم دکھیاروں کا ہاتھ پکڑنے والا ہے ہم تیری ہی حمد و ثنا کرتے ہیں اور تیری ہی عظمت کے گن گاتے ہیں ہماری مدد فرما............آمین۔

بیت اللحم کی بستی کے قریب ہی کوئی دو سو قدم کے فاصلے پر کھجوروں کے جھنڈ میں ایک کچا مکان تھا جس کے ارد گرد انجیروں کا باغ پھیلا ہوا تھا بزرگ مجوسی نے کہا۔

یہ میرا مکان ہے جہاں میری بیٹی ماریا رہتی ہے اور میرا انتظار کر رہی ہو گی تم لوگ بھی اسے اپنا ہی مکان سمجھو۔

جس وقت یہ لوگ مکان کے صحن میں داخل ہوئے تو ماریا نے اپنے

باپ کے ہاتھ چوم لیے اور سفر کی خیریت دریافت کی مجوسی بزرگ نے اسے عنبر اور ناگ سے ملایا اور کہا۔

بیٹی اگر تمہارے یہ دو بھائی میری جان نہ بچاتے تو آج میں اس دنیا میں نہ ہوتا۔

پھر مجوسی نے شروع سے لے کر اخیر تک ماریا کو شیر کا سارا قصہ سنایا ماریا نے عنبر اور ناگ سے کہا۔

میرے عظیم بھائیوں تم نے میرے باپ کی جان بچا کر اپنی ایک چھوٹی بہن پر اس کی زندگی کا سب سے بڑا احسان کیا ہے میں تمہارے احسان کا بدلہ تو نہیں دے سکتی لیکن اسے فراموش کبھی نہیں کروں گی۔

ماریا نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والی ایک بڑی ہی پیاری بچی تھی جس کے چہرے پر بے حد بھولپن تھا عنبر اور ناگ نے کہا کہ وہ بھی ماریا سے

اپنی چھوٹی بہن کی طرح پیار کرتے ہیں ناگ نے کہا۔

میری کوئی بہن نہیں تھی خداوند کا شکر ہے کہ مجھے ایک بھولی بھالی نیک بہن مل گئی۔

عنبر نے بھی کہا۔

ماریا آج سے تم بھی میری چھوٹی بہن ہو ہم دونوں تمہارے بڑے بھائی ہیں

ماریا بولی۔

اے خداوند میں تمہاری نعمتوں کا کیسے شکر ادا کروں تو نے مجھ غریب لڑکی کو گھر میں بیٹھے بیٹھے دو محبت کرنے والے بھائی عطا کر دیے۔

بزرگ مجوسی نے عنبر اور ناگ اور ماریا تینوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

آج سے تم تینوں میری اولاد ہو خدا تم بھائیوں اور بہن میں ایک

دوسرے سے محبت اور احترام ہمیشہ زندہ رکھے۔

ماریا نے کہا۔

پیارے بھائیو! اس تخت پوش پر بیٹھو میں تمہارے لئے انجیر یں مکی کی روٹی اور بکری کا دودھ لاتی ہوں۔

عنبر نے کہا۔

پیاری بہن ہم نے راستے میں کھانا کھالیا تھا............تمہارا شکریہ

مجوسی نے کہا۔

بیٹی تم اپنے بھائیوں کو انجیر کا باغ دکھاؤ میں ساہوکار کے ہاں سے ہو کر ابھی آتا ہوں۔

ماریا عنبر اور ناگ کو انجیر کے باغ میں لے گئی یہ باغ اتنا بڑا تو نہیں تھا لیکن اس کے درخت پھل سے لدے ہوئے تھے ایک تختے میں انگور کی بیلیں بھی لگی تھیں جن کی شاخیں انگور کے گچھوں سے لدی پھندی

تھیں مکان کے صحن میں آ کر ماریا نے مٹی کے بڑے قاب میں انگور رکھ کر عنبر اور ناگ کو پیش کیے۔

بیت اللحم میں اس سے میٹھے انگور اور کہیں نہیں ہیں۔ بابا نے یہ بیل خاص طور پر مقدونیہ سے منگوائی تھی۔

شکریہ بہن یہ انگور تو سچ مچ بڑے میٹھے ہیں۔

ماریا کا گھر اگر چہ کچی مٹی کا تھا مگر بڑا ہی صاف ستھرا تھا کوٹھڑی میں مٹی کے برتن بڑے سلیقے سے لگے تھے صحن میں روٹی پکانے کا تنور تھا دوسری طرف باڑے میں بکریاں بندھی ہوئی تھیں ماریا بکریوں کا دودھ دوہنے لگی اور عنبر اور ناگ اس سے اجازت لے کر بیت اللحم کی طرف چل پڑے۔

بیت اللحم کی بستی بہت ہی قریب تھی وہ بہت جلد بستی میں پہنچ گئے یہ بستی بہت چھوٹی تھی اونچی نیچی کچی سڑکیں ادھر اُدھر چل گئی تھیں

بدروحوں کا مسکن

جن کے کنارے کنارے مٹی اور پتھر کے ایک منزلہ مکان بنے ہوئے تھے اس بستی میں زیادہ تر کسان اور مزدور لوگ رہتے تھے بستی کے باہر اردگرد کی زمین پر جگہ جگہ کھیتیاں تھیں جہاں مکی اور جو کی کاشت ہوتی تھی عنبر اور ناگ بستی میں گھوم پھر کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ جس عظیم ہستی یسوع کی تلاش میں وہ وہاں آئے ہیں اس کی ایک جھلک کہاں اور کیسے دیکھی جائے۔

ماریا نے چلتے وقت انہیں کہا تھا کہ عظیم ہستی اس جگہ ملے گی جہاں غریب اور محنت کرنے والے لوگ کام کر رہے ہوں گے عنبر اور ناگ کھیتوں میں آ گئے جہاں کسان ہل چلا رہے تھے انہوں نے کسانوں سے یسوع کے بارے میں پوچھا ابھی زیادہ لوگ یسوعؑ پر ایمان نہ لائے تھے جو لوگ یسوع کے مذہب میں شامل ہو گئے تھے وہ ابھی بہت تھوڑے سے تھے اور پھیلے ہوئے تھے وہ کچھ چھپ کر بھی رہتے

تھے اور یسوعؑ کے مذہب کا آزادی سے اعلان نہیں کرتے تھے کیونکہ صوبے میں جس رومی گورنر کی حکومت تھی وہ پیگن تھا اور بتوں کی پوجا کرتا تھا جبکہ یسوعؑ لوگوں کو بتوں کی پوجا کرنے سے منع فرماتے تھے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔

ابھی یسوعؑ کے دین کے شروع کا زمانہ تھا۔

ایک کسان ہل چلاتے چلاتے رک گیا اس نے جھک کر عنبر اور ناگ سے کہا۔

تمہیں ہمارا نجات دہندہ اوپر ....بستی کے باغ میں ملے گا۔

وہ ہل چلانے لگا عنبر اور ناگ نے ایکدوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بستی کے اوپر والے ٹیلے کی طرف نظریں اٹھائیں ذرا بلندی پر کچے مکانوں کے درمیان کھجور اور زیتون کے درختوں کے جھنڈ دکھائی

دے رہے تھے یہی وہ مقدس باغ تھا جہاں وہ عظیم ہستی موجود تھی جس کی بشارت یوحنا نبی نے دی تھی دونوں دوست اس باغ کی چڑھائی چڑھنے لگے۔

پراسرار روشنی

دونوں دوست بستی کے اوپر مقدس باغ کے دروازے پر پہنچ گئے۔
وہ باغ میں داخل ہوئے تو انہوں نے درختوں کے پیچھے ایک سفید سی
روشنی ابھرتی دیکھی وہ بڑے حیران ہوئے کہ دھوپ کے علاوہ یہ سفید
روشنی کہاں سے آرہی ہے وہ آگے بڑھتے گئے روشنی اب زیادہ صاف
ہوگئی تھی یہ روشنی زیتون اور کھجور کے درختوں کے ایک جھنڈ میں سے
ابھر رہی تھی جب وہ اس جھنڈ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ
غریب کسان لوگ خاموشی سے بڑے ادب کے ساتھ زمین پر سر
جھکائے بیٹھے ہیں اور ان کے درمیان ایک بڑی ہی مقدس اور جلال
والی شکل کا حسین ترین انسان گھاس پر بیٹھا انہیں نیکی اور سچائی کی

باتیں بیان کررہا ہے۔

سفید روشنی اس عظیم ہستی کے جسم کے اردگرد پھیلی ہوئی تھی دونوں دوست بڑے ادب کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے اور انہوں نے بھی احترام میں سر جھکا لیے دیر تک وہ وہاں بیٹھے اس عظیم ہستی کا وعظ سنتے رہے انہیں یوں محسوس ہورہا تھا جیسے کوئی عظیم الشان فرشتہ سفید بادلوں میں بیٹھا انہیں خداوند کے احکام سنا رہا ہے پھر جب انہوں نے سر اٹھایا تو وہ روشنی بڑی آہستگی نرمی اور سکون کے ساتھ درختوں میں سے گزر رہی تھی جب یہ روشنی اس عظیم ہستی کے ساتھ باغ میں سے باہر نکل گئی تو عنبر اور ناگ نے چونک کر دیکھا۔

ناگ ہم کب سے یہاں بیٹھے ہیں۔

میرا خیال ہے ہم صبح سے یہاں بیٹھے تھے اور اب تو شام ہوگئی ہے لیکن ایسے لگتا ہے جیسے ابھی ابھی آ کر بیٹھے ہو۔

اب وہاں سے کسان اٹھ کر اپنے اپنے کھیتوں کو جانے لگے تھے ایک کسان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ عظیم ہستی یسوعؑ ہی تھے جو دکھی دلوں پر ہمدردی اور محبت کی مرہم رکھنے اس دنیا میں آئے تھے اور جن کے مقدس چہرے پر آسمانی نور تھا دونوں دوست دیر تک اسی روشنی کو دیکھتے رہے جو آہستہ آہستہ دور ہو کر باغ سے کھیتوں کی طرف جا رہی تھی جب وہ روشنی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر ماریا کے گھر واپس آ گئے۔

شام ہو رہی تھی مجوسی انجیر کے باغ میں پھلوں کو سکھانے کے بعد بوریوں میں بند کر رہا تھا اور ماریا تنور میں مکی کی روٹیاں لگا رہی تھی اس نے پوچھا۔

اچھے بھائی تم اتنی دیر کہاں رہے کیا عظیم یسوعؑ کی زیارت ہوئی ہاں میری بہن .... ہم مقدس باغ میں اس عظیم ہستی کا وعظ سن

رہے تھے کہ پتہ ہی نہ چلا کب دن گزرا کب سورج ڈھلا اور کب شام ہوگئی۔

تم خوش قسمت ہو میرے بھائیوں کہ تمہیں یسوعؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔

عنبر نے کہا۔

اس میں کوئی شک نہیں بہن ہم خوش قسمت ہیں اور ہم اپنی قسمت پر جتنا فخر کریں کم ہے۔

اتنے میں مجوسی ماریا کا باپ بھی وہاں آگیا جب اسے معلوم ہوا کہ عنبر اور ناگ مقدس باغ میں نجات دہندہ یسوع کا وعظ سن کر آرہے ہیں تو اس نے بھی دونوں کو مبارک باد دی اور کہا کہ مقدس یسوعؑ کا وعظ سننے والوں کے لئے جنت میں تخت بچھ جاتے ہیں ماریا نے اپنے باپ اور بھائیوں کے لئے روٹی ڈال کر تخت پوش پر رکھی سب نے مل کر کھانا

کھایا اور سفید روشنی والے مقدس یسوعؑ کی باتیں کرنے لگے۔

شام کے سائے گہرے ہونا شروع ہو گئے تھے دور بستی کے اوپر گورنر گلیلی کے شاہی محل کی فصیل پر مشعلیں روشن ہو گئی تھیں۔

عنبر نے مجوسی سے پوچھا۔

بابا کیا گورنر گلیلی اسی محل میں رہتا ہے۔

ہاں بیٹا گورنر ایک ظالم اور بے رحم رومن ہے وہ پیگن ہے اور بتوں کی پوجا کرتا ہے وہ مقدس یسوعؑ کے ماننے والوں کو پسند نہیں کرتا لیکن کبھی اس نے مقدس یسوعؑ اور اس کے ماننے والوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا شاید اس لئے کہ ابھی اسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا مگر سنا ہے کہ اس نے حکم دے رکھا ہے کہ کوئی مسیحی اگر کھلے بندوں چوک میں وعظ کرے تو اسے گرفتار کر لیا جائے۔

ناگ نے کہا۔

کیا گورنر اپنے طور پر سب کچھ کر رہا ہے۔؟

مجوسی نے کہا۔

اپنے طور پر بھی وہ کر رہا ہے بیٹا مگر اسے روم کے بادشاہ کی بھر پور حمایت بھی حاصل ہے کیونکہ روم کا بادشاہ پیگن ہے اور کسی ایسے مذہب کو پسند نہیں کرتا جو اس کے اپنے مذہب کی مخالفت کرے حکومت اس کی ہے اس لئے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا مقدس یسوعؑ کو اس کے بارے میں علم ہے کہ گورنر اور راجہ کی حکومت ان کے وعظ کو پسند نہیں کرتی۔

کیوں نہیں بیٹا وہ خدا کے نبی ہیں انہیں تو سب کچھ معلوم ہوتا ہے مگر وہ سچ پر ہیں اور لوگوں کو خدا کا پیغام سنانے اس دنیا میں تشریف لائے ہیں وہ سوائے خدا کے اور کسی سے اپنا معاملہ نہیں رکھتے انہیں کوئی

طاقت نہیں ڈرا سکتی اور اپنا وعظ جاری رکھیں گے۔

ناگ نے کہا۔

کس قدر عظیم ہستی ہے ہمارے مقدس یسوعؑ کی کاش ہم ان کے قدموں کو چھونے کی سعادت حاصل کر سکتے۔

ماریا نے کہا۔

عزیز بھائیو! مقدس یسوع تو ساری انسانیت کے لئے رحمت اور محبت بن کر آئے ہیں ان کی محبت غریب امیر سب کے لئے ایک جیسی ہے جو کوئی بھی ان کے پاس جاتا ہے وہ محبت سے اس کے سر پر اپنا مقدس ہاتھ رکھتے ہیں اور اسے سچائی اور نیکی کا درس دیتے ہیں۔

اسی طرح پاکیزہ اور نیک باتیں کرتے کرتے وہ لوگ سو گئے صبح مرغ کی بانگ کے ساتھ ان کی آنکھ کھل گئی ماریا نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا خدا کی عبادت کی اور تنور میں آگ جلا دی دودھ گرم کر کے اپنے باپ

اور بھائیوں کو پلایا۔

مجوسی نے رات ہی کو خشک انجیروں کے بورے بھر کر رکھ لیے تھے اور وہ انہیں آج دوسرے شہر میں فروخت کرنے کے لئے جانے والا تھا تا کہ اسے بیچ کر وہ اپنے اور اپنی بیٹی کے لئے کپڑا اور گھر کے لئے کھانے پینے کا سامان خرید سکے خشک انجیروں سے بھرے ہوئے بورے صحن میں ایک طرف رکھے تھے

ماریا اپنے باپ کا خچر صحن میں لے آئی اور اس پر روئی کا نمدا ڈال کر بولی۔

بابا میرے لئے پھولوں والا سرخ کپڑا لانا۔

اچھا بیٹی۔ وہی لے آؤں گا آؤ بیٹا عنبر اور ناگ بورے چھکڑے پر رکھ دیں کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔

عنبر نے ایک بورا چھکڑے پر رکھتے ہوئے کہا۔

نہیں بابا ہم آج پھر مقدس باغ میں جائیں گے شاید مقدس یسوع کی
پھر زیارت ہو جائے۔
ضرور جاؤ بیٹا ضرور جاؤ اور زیارت کر کے اپنے دل کو روشنی دو ناگ
اور عنبر مل کر دوسرا بورا چھکڑے پر رکھ رہے تھے کہ اچانک بہت سے
گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر چھ سات رومن
سپاہی زرہ بکتر پہنے تلواریں لٹکائے صحن میں آن پہنچے ماریا اور اس کا
باپ رومن سپاہیوں کو دیکھ کر گھبرا گئے ماریا اپنے باپ کے پیچھے ہو کر
چھپ گئی اور سہمی ہوئی نظروں سے تکنے لگی بوڑھے باپ کے ہاتھ
کانپنے لگے اس لئے کہ وہ ظالم رومن سپاہیوں کے ظلم اور سنگدلی و بے
رحمی سے خوب واقف تھے کسی کسان کے گھر کو لوٹ کر آگ لگا دینا اور
اسے تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دینا ان کے لئے معمولی بات تھی عنبر اور
ناگ بھی ایک طرف چپ چاپ سے ہو کر کھڑے ہو گئے۔

رومن سپاہیوں کے کپتان نے اشارہ کر کے کہا۔

اٹھالو انجیر کے ان بورں کو اور گھوڑوں پر لاد کر لے چلو شاہی محل ماریا کا باپ ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑایا۔

خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو یہ میری سال بھر کی کمائی ہے اسے تم لے گئے تو ہم بھوکوں مر جائیں گے۔

کپتان نے گرج کر کہا۔

بکواس بند کرو اے بڈھے کھوسٹ نہیں تو ہنٹر مار مار کر چمڑی ادھیڑ دوں گا۔

ماریا نے آگے بڑھ کر کہا۔

بھائیو! ہم غریب ہیں محنت مزدوری کر کے سال بھر کمائی کرتے ہیں اور وہی کھاتے ہیں ہم بھوکوں مر جائیں گے مجھ پر اور میرے بابا پر رحم کرو کپتان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

لڑکی ۔ تجھے معلوم نہیں کہ ہم گورنر گلیلی کے سپاہی ہیں ہم جس کے گھر میں چاہیں گھس کر جو ہاتھ لگے اٹھا کر لے جاتے ہیں ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔

پھر اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ خشک انجیروں کے سارے بورے اٹھا لیے جائیں سپاہیوں نے گھوڑوں سے اتر کر انجیروں کے بورے اٹھا کر گھوڑوں پر لادنے شروع کر دیے بوڑھا مجوسی ایک بار پھر گڑگڑایا اس نے جھک کر کپتان کے پاؤں پکڑ لیے۔

میری معصوم بچی کی خاطر مجھ پر رحم کرو۔

دور ہو جاؤ یہاں سے۔

کپتان نے زور سے لات مار کر بڈھے کو جھٹک دیا غریب بوڑھا زمین پر گر پڑا اس کے ماتھے پر خون بہنے لگا ماریا چیخ مار کر اپنے بابا سے لپٹ گئی اب تک عنبر اور ناگ بڑی خاموشی کے ساتھ ایک طرف

کھڑے یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے کپتان اور سپاہی ان دونوں کو غلام سمجھے ہوئے تھے اسی لئے انہوں نے ان دونوں سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

لیکن جب پانی سر سے گزرنے لگا اور سنگدل کپتان نے لات مار کر ماریا کے باپ کو زخمی کر کے زمین پر پھینک دیا تو انہیں سخت غصہ آ گیا عنبر نے ایک بار ناگ کی طرف دیکھا ناگ نے سر ہلا دیا عنبر نے کپتان سے کہا۔

معزز سپاہیو! میں حیران ہوں کہ تم لوگ بہادر سپاہی ہو کر ایک بوڑھے پر ہاتھ اٹھاتے ہو اور غریبوں کی سال بھر کی کمائی لوٹتے پھرتے ہو............ کپتان یہ بے عزتی کے جملے سن کر ایک دم چونک پڑا اس نے قہر بھری نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا۔

کون ہو تم کمینے نوجوان!

عنبر نے کہا۔

میں اس بوڑھے کا بیٹا ہوں۔

کپتان نے حکم دیا۔

اس گستاخ نوجوان کو بدتمیزی کا مزا چکھادو۔

ایک سپاہی گھوڑے سے اتر کر عنبر کی طرف بڑھا اس نے ہنٹر کھول کر ہوا میں لہرایا اور عنبر کی طرف ہنس کر دیکھتے ہوئے بولا۔

تیری موت کا وقت قریب آگیا ہے نوجوان۔

ناگ اس عرصے میں وہاں سے کھسک کر انجیر کے باغ میں آگیا تھا یہاں کھجوروں کے جھنڈ میں پہنچ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور افریقہ کے ہاتھی کا تصور دماغ میں لا کر زور سے پھنکار ماری دوسرے لمحے ناگ کی جگہ وہاں افریقہ کا ایک طاقتور پہاڑ ایسا ہاتھی کھڑا اپنی خوفناک سونڈ ہلا رہا تھا دوسری طرف سپاہی نے پوری طاقت سے ہنٹر

لہرایا اور عنبر پر مارا۔ عنبر نے ہنٹر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا سپاہی اس کے قدموں میں آ کر منہ کے بل گر پڑا عنبر نے زور سے اپنا پاؤں اس کے سر پر مارا اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا رومن کپتان غصے میں بھپر گیا اس نے تلوار میان سے کھینچ لی اور عنبر کو قتل کرنے کے لئے آگے ہی بڑھا تھا کہ پیچھے سے جنگلی ہاتھی کی بھیانک چنگھاڑ سنائی دی۔

گھوڑے بدک گئے کپتان نے ہڑ بڑا کر پیچھے دیکھا ایک پہاڑ ایسا ہاتھی اپنی خوفناک سونڈ اٹھائے ان کے سروں پر پہنچ گیا تھا سب کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس لئے کہ اس جگہ زندگی میں کبھی کسی نے ہاتھی نہیں دیکھا تھا وہ علاقہ ہاتھیوں کا نہیں تھا ہاتھی صرف فوج میں رکھے جاتے تھے ماریا اور اس کا باپ بھی ایک طرف سہم کر بیٹھ گئے ہاتھی اب سپاہیوں کے سروں پر پہنچ گیا تھا اس نے

سونڈ اٹھا کر زور سے ایک سپاہی پر ماری سپاہی اچھل کر ایک طرف گر پڑا سونڈ گھوڑے کی پیٹھ پر پڑی اور اس کی کمر ٹوٹ گئی کپتان نے چیخ کر کہا۔

شاہی محل کی طرف بھاگو..................جلدی............

سپاہی گھوڑوں کو ایڑ لگا کر اپنے کپتان کے ساتھ گھوڑے دوڑاتے وہاں سے بھاگ گئے ہاتھی نے فتح کی خوشی میں زور سے چنگھاڑ ماری اور کھجوروں کے جھنڈ میں جا کر غائب ہو گیا ماریا اور اس کا باپ عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

میرے بیٹے یہ ہاتھی خدا کی طرف سے ہماری مدد کو آیا تھا ضرور خدا نے ہماری فریاد سن لی تھی۔

عنبر نے کہا۔

ہاں بابا خدا نے تمہاری فریاد سن لی تھی۔

ماریا نے پوچھا۔

بھائی ناگ کہاں چلا گیا ہے۔؟

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

بات اصل یہ ہے کہ وہ بہت ڈرپوک ہے سپاہیوں کو دیکھ کر ہمیشہ ڈر کر بھاگ جاتا ہے اب بھی وہ ڈر کر باغ میں کھسک گیا تھا سپاہی چلے گئے ہے نا؟ اب وہ واپس آ جائے گا۔

عنبر نے باغ کی طرف منہ کر کے ناگ کو آواز دی ناگ اپنا سر جھاڑتا کھجوروں کے جھنڈ کی طرف سے نمودار ہوا اور قریب آ کر بولا۔

یہ ہاتھی یہاں کدھر سے آ گیا تھا۔؟

مجوسی نے کہا۔

تم نے ہاتھی کو دیکھا ہے ناں؟

ناگ نے کہا۔

ہاں بابا وہ تو کوئی مست ہاتھی تھا بالکل میرے قریب سے ہوکر گزرا اگر میں جھاڑیوں میں نہ چھپ جاتا تو وہ مجھے اپنے پاؤں تلے ضرور کچل دیتا۔

بیٹا خدا نے عین وقت پر ایک ہاتھی کو بھیج دیا جس نے ہماری مدد کی اور سپاہیوں کو مار بھگایا..................مگر بیٹا۔ یہ بڑے ظالم لوگ ہیں وہ مجھ سے ہاتھی کا بدلہ ضرور لینے آئیں گے۔

عنبر نے کہا۔

تم فکر نہ کرو بابا............اگر وہ دوبارہ آگئے تو خدا اس ہاتھی کو پھر ہماری مدد کے لئے بھیج دے گا۔

ہاں بابا تم فکر نہ کرو۔ آؤ یہاں بیٹھ جاؤ میں تمہارے سر کے زخم کے لئے مرہم لاتی ہوں۔

عنبر نے بوڑھے مجوسی کے سر کا زخم دھو کر اس پر مرہم لگائی اور پٹی باندھ

دی رات کو سونے سے پہلے ناگ نے اسی خطرے کا اظہار کیا جس کا ذکر ماریا نے کیا تھا کہ رومن سپاہی انتقام لینے ضرور آئیں گے۔

عنبر کی گرفتاری

جسٹینین صوبہ گلیلی کا گورنر تھا۔
یہ ایک ظالم اور خودسر گورنر تھا اور اپنے آپ کو صوبے کا بادشاہ سمجھتا تھا
ان دنوں یہودیوں کا مذہب ہی چاروں طرف پھیلا ہوا تھا گورنر
جسٹینین کے دربار کا لاٹ پادری بھی یہودیوں کا سرغنہ تھا اور وہ یسوع
کے خلاف تھا جس سے یہودیوں کا مذہب خطرے میں پڑ گیا تھا۔
لاٹ پادری نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ یسوعؑ کے
پرچار کی وجہ سے لوگ اس کے خلاف ہو گئے ہیں اور وہ بادشاہ کے
خلاف لوگوں کو بغاوت پر ابھارتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط بات تھی
بادشاہ کانوں کا بڑا کچا تھا اور خوش آمد کرنے والوں کو پسند کرتا تھا

چنانچہ اس پر لاٹ پادری کی سکھائی پڑھائی کا اثر ہونا شروع ہو گیا۔
اس وقت صوبے کی حالت ویسی ہی تھی جیسی ساری رومی سلطنت کی تھی رومیوں نے فوجی طاقت سے سارے ایشیا اور اس زمانے کے سارے یورپ پر قبضہ جما رکھا تھا ہر ملک سے بے شمار دولت آتی تھی درباری عیش وعشرت میں پڑے تھے روم کا شہنشاہ خود غریبوں کے دکھ درد بھلا کر دن رات عیش وعشرت میں مگن رہتا تھا امیر لوگ زیادہ تر امیر اور غریب لوگ زیادہ غریب ہو گئے تھے دولت صرف اوپر والے درباری لوگوں کے پاس تھی غریب لوگ بھوکوں مرتے تھے جب کبھی غریب لوگ بھوک سے تنگ آ کر کہیں کوئی ہنگامہ کرتے تو شہنشاہ کے حکم سے ان کے سر کاٹ کر چوک میں لٹکا دیے جاتے یا پھر شہنشاہ غریب بھوکوں کی توجہ ہٹانے کے لئے اکھاڑے میں بڑے میلے کا انتظام کر دیتا جس میں قیدیوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈالا جاتا

لوگ کھیل تماشہ پسند کرتے تھے وہ اس میں گم ہو کر اپنی بھوک کو بھول جاتے۔

گلیلی میں بھی یہی عالم تھا گورنر جسٹینین کے حکم سے سپاہی بھوکے لوگوں کا قتل عام شروع دیتے جس گھر میں چاہتے گھس کر سامان لوٹ کر لے جاتے یہی وجہ تھی کہ وہ ماریا کے باپ کے گھر میں گھس آئے تھے اور انہوں نے بابا کی سال بھر کی کمائی لوٹ کر لے جانے کی کوشش کی تھی اگر ناگ اور عنبر ماریا کے بابا کی مدد نہ کرتے تو وہ غریب اپنی محنت کی کمائی سے محروم ہو جاتا اور انہیں بھوکا رہ کر سارا سال گزارنا پڑتا گورنر چونکہ خود غیر ذمے دار آدمی تھا اس لئے اس کے درباری اور سپاہی بھی ہر جگہ من مانی کرتے پھرتے تھے اور کوئی انہیں پوچھنے والا نہ تھا۔

جس سپاہیوں کے دستے نے ماریا کے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش

کی تھی وہ بادشاہ کا خاص حفاظتی دستہ تھا اور اس کے ذمے شاہی باورچی خانے کا بندوبست کرنا بھی تھا یہ سپاہی خشک انجیروں کے بورے لوٹ کر شاہی باورچی خانے میں ڈالنا چاہتے تھے کپتان نے شاہی محل میں جاکر اپنے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور کہا۔

اس بڈھے کے گھر میں ہماری بے عزتی ہوئی ہے اس نے ایک جادو کے ہاتھی کے ذریعے ہمیں شکست دی ہے مگر اس کے پاس اتنا بڑا اور قیمتی ہاتھی کہاں سے آگیا۔؟

ایک سپاہی نے کہا۔

سرکار! ضرور اس بڈھے نے شاہی دستے کے ہاتھیوں میں سے کوئی ہاتھی چوری کیا ہے ورنہ اس کے پاس ہاتھی کہاں سے آسکتا ہے؟

کپتان نے کہا۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں آج ہی اس کے خلاف چوری کا مقدمہ کرتا

ہوں میں اس سے اپنی بے عزتی کا انتقام ضرور لوں گا۔

دو روز بعد کپتان نے چوری کے الزام میں ماریا کے گھر فوجی پولیس کا چھاپہ ڈلوا دیا الزام یہ تھا کہ ماریا کے باپ نے شاہی فوج کا ہاتھی چوری کیا ہوا ہے جس سے وہ باغ میں کام کرواتا ہے فوجی پولیس نے ماریا کے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور باغ اور مکان کی تلاشی لینی شروع کر دی فوجی نے مکان اور باغ کا کونہ کونہ چھان مارا مگر ہاتھی کا کہیں نام ونشان تک نہ ملا سوال یہ تھا کہ اتنا بڑا جنگلی جانور بھلا کوئی کیسے چھپا سکتا تھا۔

فوجی افسر نے کہا۔

تم لوگ غلط کہتے ہو کہ یہاں تم پر ہاتھی نے حملہ کیا تھا۔

بھلا یہاں ہاتھ کہاں ہوسکتا ہے تم نے ضرور کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔

کپتان نے کہا۔

جناب عالی! میں نے خواب نہیں دیکھا بلکہ اپنی آنکھوں سے ہاتھی کو حملہ کرتے دیکھا ہے اگر میں پھرتی سے ایک طرف نہ ہٹ جاتا تو وہ ضرور مجھے ہلاک کر دیتا۔

افسر نے جھنجھلا کر کہا۔

لیکن آخر وہ ہاتھی چلا کہاں گیا کیا اس کو زمین کھا گئی کہ آسمان نے نگل لیا اگر کل یہاں ہاتھی موجود تھا تو آج کہاں چلا گیا۔؟

کپتان نے فوجی افسر کو باغ میں لے جا کر زمین دکھائی وہاں ہاتھی کے پاؤں کے بڑے بڑے نشان موجود تھے فوجی افسر اب حیران رہ گئے کہ یہ ماجرا کیا ہے اگر ہاتھی وہاں نہیں تھا تو اس کے نشان کہاں سے آ گئے فوجی افسروں نے حکم دیا کہ ماریا اور اس کے باپ کو گرفتار کر لیا جائے اتفاق سے اس وقت ناگ اور عنبر گھر پر موجود نہیں تھے وہ

بدروحوں کا مسکن

شہر میں اپنے کاروبار کے لئے کوئی اچھی جگہ تلاش کرنے گئے ہوئے تھے ماریا اور اس کا باپ پریشان ہو گئے انہوں نے سپاہیوں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ ان پر ہاتھی کی چوری کا الزام لگایا جا رہا ہے

فوجی افسر نے کڑک کر کہا۔

اگر تم نے ہاتھی چوری نہیں کیا تو یہ اس کے پاؤں کے نشان کہاں سے آ گئے؟

بوڑھے نے کہا۔

حضور مجھے بالکل معلوم نہیں کہ یہ نشان کہاں سے آ گئے ہیں میں نے ہاتھی کی چوری نہیں کی میں بے گناہ ہوں میں بے قصور ہوں۔

ماریا نے بھی ہاتھ جوڑ کر کہا۔

میرے بابا نے ہاتھی نہیں چرایا میرا بابا بے گناہ ہے وہ چور نہیں ہے ہمیں چھوڑ دو۔

بکواس بند کرو لڑکی تم دونوں ہمارے ساتھ ہی قلعے میں چلو گے وہاں کوتوال کے سامنے فیصلہ ہوگا۔

رومن کپتان کی سازش کامیاب رہی فوجی افسر نے ماریا اور اس کے باپ کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا رومن کپتان نے دونوں باپ بیٹی کو پکڑا اور انہیں اپنے ساتھ لے کر شاہی قلعے کی بڑی چوکی کی طرف روانہ ہو گیا وہ دونوں گڑگڑاتے رہ گئے مگر ان کی آہ زاری کسی نے بھی نہ کی۔

عنبر اور ناگ اس وقت شہر میں ایک تاجر کے پاس کھڑے حویلی کا سودا کر رہے تھے یہ حویلی ایک منزلہ تھی جس کے نیچے بہت بڑی ڈیوڑھی کے آگے ایک باغ تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا اس فوارے کے آمنے سامنے دو کوٹھڑیاں تھیں عنبر یہاں رہ کر اپنا کاروبار کرنا چاہتا تھا جب سودا طے ہو گیا تو عنبر اور ناگ ماریا اور اس کے بوڑھے باپ سے

اجازت لینے واپس گھر کی طرف آ گئے گھر میں آ کر انہوں نے دیکھا کہ مکان کے صحن میں سامان بکھرا پڑا ہے اور وہاں نہ ماریا ہے اور نہ اس کا باپ وہ بڑے پریشان ہوئے انہوں نے دونوں کو باغ میں تلاش کرنا شروع کر دیا کہ شاید وہاں نہ کام کر رہے ہو مگر باغ بھی خالی تھا وہاں بھی ان میں سے کوئی نہ تھا آخر عنبر کو ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ بادشاہ کے سپاہی آئے تھے اور وہ ماریا اور اس کے باپ کو پکڑ کر لے گئے ہیں عنبر اور ناگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ وہ دونوں کو شاہی قلعے سے کس طرح آزاد کرائیں عنبر نے کہا۔

میرے خیال میں ہمیں کوتوال سے چل کر بات کرنی چاہیے۔

مگر وہ ہماری نہیں سنے گا ہاتھی کی چوری کا یونہی بہانہ ہے اصل میں کپتان نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا ہے۔

پھر بھی وہاں جانے میں اور بات کرنے میں کیا حرج ہے۔؟

اگر تم کہتے ہو تو چلے چلتے ہیں مگران سے بات کرنا بے کار ہے اچانک ناگ نے چٹکی بجا کر کہا۔

میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔

وہ کیا ہے۔؟

میں ہاتھی کا روپ بدل لیتا ہوں تم مجھے اپنے ساتھ لے کر کوتوال کے پاس پہنچ جاؤ اور کہو کہ ہاتھی میں نے چرایا تھا یوں ماریا اور اس کے باپ آزاد ہو جائیں گے۔

اور ہم گرفتار کر لیے جائیں گے۔

ہمارا کیا ہے ہم کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل آئیں گے۔

یہ تجویز عنبر کو پسند آئی ناگ اور عنبر شاہی قلعے کی چوکی کی طرف روانہ ہو گئے قلعے کے پاس ایک چٹان کے پاس کھڑے ہو کر ناگ نے ہاتھی کا روپ دھار لیا عنبر ہاتھی کے اوپر سوار ہو گیا اور وہ دونوں چوکی کی طرف

آ گئے چوکی کے سپاہیوں نے ایک لمبے دانتوں والے پہاڑ ایسے ہاتھی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو پرے پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے کوتوال چوکی سے باہر آ گیا اس نے عنبر سے پوچھا۔

کون ہو تم اور یہ ہاتھی کہاں سے لائے ہو؟

عنبر نے کہا۔

جناب یہ ہاتھی باغ میں آوارہ پھر رہا تھا میں نے سوچا کہ کیوں نہ اسے کوتوال کے پاس لے چلوں شاید کسی نے فوج کے اصطبل سے چوری کیا ہو اور پھر چھوڑ دیا ہو۔

بکواس کرتے ہو.............. یہ ہاتھی تم نے ہی چوری کیا تھا سپاہیوں اس شخص کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دو اور بڈھے اور اس کی بیٹی کو چھوڑ دو۔

عنبر یہی چاہتا تھا وہ بڑے آرام سے ہاتھی سے اترا اور اس نے اپنے

آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا اسی وقت ماریا اور اس کے باپ کو چھوڑ دیا گیا جب دونوں باپ اور بیٹی عنبر کے قریب سے گزرے تو حیران رہ گئے عنبر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کو کہا اور سپاہیوں نے اسے حوالات میں لے جا کر بند کر دیا دو سپاہیوں نے ایک ہاتھی بان کو ساتھ لیا اور ہاتھی کو لے کر شاہی قلعے کے بڑے اصطبل کی طرف چل پڑے۔

ماریا اور اس کا باپ اپنے گھر میں آ گئے اگر وہاں کپتان ہوتا تو وہ کبھی دونوں باپ بیٹی کو رہا نہ کروانے دیتا کیونکہ وہ تو ان سے اپنی دشمنی کر رہا تھا چوری کا تو اس نے ان پر الزام اس لئے لگایا تھا کہ وہ گورنر سے کہہ کر ان دونوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کالی کوٹھڑی میں بند کروا دے مگر کوتوال نے خلاف معمول انصاف سے کام لے کر ان دونوں کو چھوڑ دیا اور عنبر کو ہاتھی کی چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا۔

عنبر چپ چاپ حوالات میں بند ہو گیا اندر زمین پر پڑے ہوئے گھاس پھوس پر جا کر بیٹھ گیا اور وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

اب دوسری طرف ایک حیرت انگیز بات ہوگئی

ہاتھی کا مہاوت اس کے اوپر گردن پر بیٹھا ہوا اسے چلاتا ہوا جا رہا تھا دونوں سپاہی ہاتھی کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے جب وہ قلعے کے اصطبل کے قریب پہنچے تو ناگ نے سوچا کہ یہاں سے غائب ہو کر بھاگ جانا چاہیے نہیں تو کوئی پتہ نہیں اصطبل میں جا کر کوئی اور ہی بلا چمٹ جائے اور پھر وہاں سے سانپ بن کر فرار ہونا مشکل ہو جائے۔اس خیال کے ساتھ ہی ہاتھی نے اپنی سونڈ اوپر اٹھا کر زور سے پھونک ماری مہاوت نے ہاتھی کی گردن پر بیٹھے بیٹھے سوچا کہ ہاتھی کیا چاہتا ہے وہ پھنکار کے ساتھ ہی مہاوت دھڑام سے زمین پر

گر پڑا کیونکہ اس کے نیچے سے ہاتھی غائب ہو گیا تھا۔

سپاہی بھی پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

ہاتھی کہاں چلا گیا۔؟

ہاتھی کہاں چلا گیا۔؟

ابھی تو یہاں تھا۔؟

ہاتھی کے اچانک غائب ہو جانے پر وہ اس قدر بوکھلا گئے تھے کہ انہوں نے وہ سانپ بھی نہ دیکھا جو ان کے قریب سے نکل کر جھاڑیوں میں گھس گیا تھا مہاوت اور سپاہی خوف زدہ ہو گئے تھے وہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اٹھے چوکی میں جا کر انہوں نے کوتوال کو بتایا کہ ہاتھی غائب ہو گیا ہے کوتوال نے گرج کر کہا۔

کیا بک بک کر رہے ہو؟ کبھی ہاتھی بھی غائب ہوا ہے۔؟

خدا کی قسم ہم نے اپنی آنکھوں سے اسے غائب ہوتے دیکھا ہے حضور

میں تو اس کے غائب ہوتے ہی دھڑم سے زمین پر آن گرا تھا کوتوال نے کہا

بدبختو تم بھی اسکے ساتھ ہی غائب کیوں نہ ہو گئے دور ہو جاؤ یہاں سے اور جا کر ہاتھی کو تلاش کرو۔

کوتوال اور مہاوت کی یہ گفتگو حوالات میں بیٹھے عنبر نے بھی سن لی تھی وہ سمجھ گیا کہ ناگ واپس گھر پہنچ گیا ہے اب اسے بھی واپس پہنچنا تھا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں سے کیسے بھاگے آخر اس نے سوچا کہ جب ہاتھی برآمد ہی نہیں ہوا تو اسے کس جرم میں پکڑا گیا ہے اس نے کوتوال کو بلا کر کہا۔

جناب اگر آپ کے پاس ہاتھی کا ثبوت ہی نہیں ہے تو پھر مجھے کس چوری کے الزام میں یہاں قید کیا گیا ہے۔

بات بڑی معقول تھی مگر کوتوال نے جھڑک کر کہا۔

تمہیں اب اسی جگہ قید رہنا ہو گا ہاتھی غائب ہو گیا ہے جب تک ہاتھی واپس نہیں ملتا تمہیں آزاد نہیں کیا جائے گا۔

عنبر جانتا تھا کہ وہاں وحشی حکومت کا راج ہے ایک بار کوتوال اور گورنر کوئی فیصلہ کر دے تو پھر اسے کوئی نہیں ٹال سکتا تھا وہاں سینکڑوں لوگ اسی طرح قید ہو کر مر کھپ گئے تھے اور کسی نے ان کی خبر تک نہ لی تھی وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا کیونکہ کوتوال کے ساتھ زیادہ بات کرنا فضول تھا۔

ادھر ناگ جب گھر پہنچا تو وہاں ماریا اور بوڑھا مجوسی پہلے سے موجود تھا انہوں نے عنبر کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے ناگ نے ساری بات کھول کر بیان کر دی اور کہا کہ عنبر اپنے حوالات سے فرار ہو کر یہاں پہنچ جائے گا مجوسی نے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

عنبر اپنے آپ کیسے باہر آجائے گا اور اگر وہ وہاں سے فرار ہو کر نکل بھی

آیا تو سپاہی اسے یہاں سے دوبارا گرفتار کرلیں گے اور پھر اسے قلعے کے تہہ خانے میں ڈال دیں گے جہاں سے نکل کر کوئی انسان آج تک واپس نہیں آیا۔

ناگ نے سوچا کہ بابا ٹھیک کہہ رہا ہے اس نے عنبر کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا وہ رات ہو جانے کا انتظار کرنے لگا جب رات گہری ہو گئی اور ہر طرف اندھیرا اور خاموشی چھا گئی تو ناگ چپکے سے بستر پر سے اٹھا وہ اکیلا باہر سور ہا تھا کوٹھڑی کے اندر ماریا اور اس کا باپ سو رہے تھے ناگ گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کی چوکی کی طرف چل دیا چوکی کے باہر ایک مشعل جل رہی تھی اندر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا وہیں ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس ناگ نے گھوڑے کو باندھا اور خود اندھیرے میں چھپ کر سیاہ کالے سانپ کا روپ بدلا اور چوکی کے اندر داخل ہو گیا۔

چوکی کا پہریدار سٹور پر بیٹھا اونگھ رہا تھا سانپ رینگتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا چوکی کے کمرے کے اندر بھی ایک مشعل جل رہی تھی اس کی روشنی میں کوتوال اپنی بھاری بھرکم توند پر دونوں ہاتھ رکھے خراٹے لے رہا تھا سانپ وہاں سے ہو کر سیدھا حوالات کی سلاخوں میں سے گزر کر عنبر کے پاس آ گیا عنبر گھاس پر لیٹا سو رہا تھا سانپ نے اس کے کان کے قریب سیٹی بجا کر اس کو جگا دیا عنبر نے اپنے سامنے ناگ کو دیکھا تو آنکھیں مل کر کہا۔

یار اچھا کیا کہ تم آ گئے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں سے باہر کیسے نکلوں اگر فرار ہو کر بھاگتا ہوں تو یہ سپاہی شہر میں جینا حرام کر دیں گے دوبارا پکڑ کر یہاں لے آئیں گے پھر فرار ہوں گا پھر پکڑ کر لے آئیں گے یہ تو ایک لمبا چکر چل پڑے گا کوئی ایسی ترکیب کرو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

یار تم مجھے بھی مارنا چاہتے ہو۔ اچھے دوست ہو میرے؟

عنبر نے کہا۔

نہیں یار میرا مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسی ہونی چاہیے کہ میں عزت آبرو کے ساتھ بری ہو کر یہاں سے نکلوں تا کہ بعد میں بک بک نہ کرنی پڑے سانپ نے کہا۔

اسی لیے تو میں یہاں آیا ہوں میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے لو سنو۔

ماریا گم ہوگئی

سانپ نے عنبر کو ساری ترکیب سمجھا دی
ترکیب یہ تھی کہ کوتوال کے کمرے میں جا کر اسے ڈس دیا جائے کوتوال شور مچانے پر عنبر سے کہے کہ وہ اس کا علاج کر دے گا اور اسے تندرست بھی کر دے گا بشرطیکہ وہ عنبر کو آزاد کر دے عنبر نے کہا ترغیب تو بڑی اچھی ہے مگر وہ سانپ کے کاٹے کا علاج کر طرح کرے گا۔ سانپ نے کہا۔
اس کے لئے میں تمہیں ایک منکا دیتا ہوں تم یہ منکا جہاں میں نے کاٹا ہو وہاں رکھ دینا یہ منکہ سارا زہر چوس لے گا۔
ناگ نے اپنے منہ سے سبز رنگ کا ایک منکا نکال کر عنبر کے آگے ڈال

دیا عنبر نے منکا اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا سانپ چپکے سے رینگتا ہوا حوالات کی سلاخوں سے باہر نکل گیا اب اس کا رخ اس کوٹھڑی کی طرف تھا جہاں مشعل کی ہلکی ہلکی روشنی میں کوتوال اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے سو رہا تھا وہ چپکے سے کوتوال کے کمرے میں داخل ہو گیا کوتوال اسی طرح اونگھ رہا تھا ناگ کے لئے یہ موقع بڑا غنیمت تھا اس نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور سیدھا فرش پر رینگتا کوتوال کے پاؤں کے پاس پہنچ گیا ٹھیک اس وقت باہر سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازآئیں اور کوتوال کی آنکھ کھل گئی وہ اٹھا اور باہر کی طرف جانے لگا سانپ لپک کر کوتوال کے سامنے آ کر پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا کوتوال کی چیخ نکل گئی مگر اس عرصے میں سانپ نے بڑی تیزی کے ساتھ کوتوال کے سینے پر ڈس لیا تھا۔

سانپ۔ سانپ۔ سانپ۔

کوتوال نے شور مچا دیا سارے سپاہی سانپ کی تلاش میں اٹھ دوڑے مگر سانپ اپنا کام کر کے وہاں سے نو دو گیارہ ہو چکا تھا سپاہی اسے چوکی کے کمروں میں تلاش کر رہے تھے اور وہ چوکی سے باہر باغ کی جھاڑیوں میں دوڑتا ہوا جنگل کی چڑھائی کوتوال کی حالت خراب ہونا شروع ہو گئی شور کی آواز سن کر عنبر حوالات میں بیٹھے بیٹھے سمجھ گیا کہ سانپ نے کام کر دیا ہے اس نے ایک سپاہی سے پوچھا۔

کیا ہوا ہے۔؟

سپاہی نے کہا۔

کوتوال کو زہریلے سانپ نے ڈس دیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

کوتوال سے کہو میں سانپ کے کاٹے کا علاج کر لیتا ہوں سپاہی نے کوتوال سے کہا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اسے جلدی سے یہاں لاؤ میں مر رہا ہوں۔

عنبر نے فوراً کوتوال کے پاس جا کر سانپ کا کاٹا ہوا زخم دیکھا وہاں زہریلا چھالا پڑ گیا تھا عنبر نے کہا۔

کوتوال۔ میں ایک شرط پر تمہاری جان بچا سکتا ہوں۔

دیوتا کے لئے شرط جلدی بتاؤ۔ میری جان نکلی جا رہی ہے۔

شرط یہ ہے کہ تم مجھے عزت کے ساتھ بری کر دو گے۔

مجھے منظور ہے۔

اور اگر تم مکر گئے۔؟

میں ابھی تمہاری رہائی کا حکم دیتا ہوں سپاہیوں اس شخص کو فوراً رہا کر دو۔

جو حکم حضور۔

اب تو میری جان بچاؤ زہر نے میرا گلا خشک کر دیا ہے۔

عنبر نے جیب سے منکا نکالا اور اسے کوتوال کے جسم پر اس جگہ رکھ دیا جہاں سانپ نے کاٹ کھایا تھا منکے کا زخم کے اوپر رکھنا تھا کہ اس نے ایک دم زہر چوسنا شروع کر دیا دیکھتے دیکھتے منکا پھول گیا عنبر نے پھولے ہوئے منکے کو ہٹا کر نچوڑا اور صاف کر کے دوبارا زخم کے اوپر رکھ دیا دو تین بار ایسا کرنے سے کوتوال کے جسم کا سارا زہر باہر آ گیا اور وہ بھلا چنگا ہو گیا اس نے کہا۔

تم نے میری جان بچا کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے نوجوان کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایک اونٹ تحفے میں دے سکتا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

آپ نے مجھے آزاد کر دیا ہے میرے لئے آپ کا یہی احسان بہت ہے اونٹ لے کر میں کیا کروں گا۔

عنبر چوکی سے باہر نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ناگ واپس گھر پہنچ کر اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اس نے عنبر کو دیکھ کر کہا۔

وہ کم بخت بچ گیا تھا ناں؟

اگر وہ نہ بچتا تو میں یہاں کس طرح آتا۔

چلو یہ بلا بھی سر سے ٹل گئی۔

صبح اٹھ کر جب ماریا اور اس کے باپ کو معلوم ہو گا کہ عنبر بھی رہا ہو کر واپس آ گیا ہے تو اس نے خوشی سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا۔

بیٹا عنبر میں بے حد خوش ہوں کہ تم آزاد ہو کر آ گئے مگر کوتوال نے تمہیں کیسے چھوڑ دیا وہ تو بڑا کمینہ اور ظالم شخص ہے۔

عنبر نے ایک فرضی کہانی گھڑ کر سنا دی۔

عنبر اور ناگ نے شہر میں ایک جگہ حویلی کرائے پر حاصل کر لی عنبر نے دواؤں کا دھندا شروع کر دیا ناگ نے ادھر اُدھر سے سانپ پکڑ کر

مٹکوں میں بند کر دیے اور اس کا کاروبار شروع کر دیا دن میں دو تین سانپ بک جاتے تھے عنبر بھی چار پانچ مریضوں کا علاج کر کے تھوڑا بہت کما لیتا تھا اس طرح کم از کم وہ بابا اور ماریا پر بوجھ بنے رہنے سے بچ گئے تھے وہ اپنی کمائی کر کے کھانا چاہتے تھے۔

ادھر کمینہ خصلت رومن کپتان کو جب پتہ چلا کہ اس کی بے عزتی کرنے والا عنبر بھی حوالات سے رہا ہو کر چلا گیا ہے تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا اس نے اپنے خاص سپاہی سے کہا۔

میری بے عزتی ہے کہ میرا دشمن اس بستی اس شہر میں میری آنکھوں کے سامنے دندناتا پھرے اور میں اس کے خلاف کچھ نہ کرسکوں۔

سپاہی نے کہا۔

حضور حکم کریں جو کہیں گے ویسا ہی ہو گا میں آپ کا نمک خور ہوں میں آپ کی عزت کے لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں کپتان نے

کہا۔

اس بڈھے کھوسٹ کی بیٹی کو اٹھا کر لے آؤ میں اسے غلام بنا کر کسی ایسے ظالم سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دوں گا کہ پھر ساری عمر رو رو کر گزارے گی۔

ایسا ہی ہوگا سرکار۔

ایک دن صبح کوناگ اور عنبر اپنے اپنے کام پر گھر سے چلے گئے ماریا کا باپ بھی انجیروں کے باغ میں زمین کی گوڈی کرنے چل دیا گھر میں ماریا اکیلی رہ گئی وہ بکریوں کو پانی پلانے کے بعد ان کا دودھ مٹکے میں دوھ رہی تھی کہ ایک بوڑھی عورت کمر پر ہاتھ رکھے لاٹھی ٹیکتی ہوئی صحن میں آئی اور بولی۔

بیٹی خداوند تمہارا بھلا کرے بڑی بھوک لگی ہے تھوڑا سا دودھ مل جائے گا۔

ماریانے بڑی نیک اورنرم دل لڑکی اس نے کہا۔

ماں جی آپ بیٹھ جائیں میں ابھی آپ کو دودھ ڈال کر دیتی ہوں بوڑھی عورت صحن میں زمین پر بیٹھ گئی وہ بڑی مکار نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی اصل میں یہ ایک بڑی ہی چالاک عورت تھی جسے رومی کپتان نے ماریا کو اغوا کروانے کے لئے بھیجا تھا ماریا نے مٹی کے پیارلے میں دودھ ڈال کر بڑھیاں کو پیش کیا بوڑھیاں دودھ پینے لگی دودھ پی کر اس نے ماریا کو دعائیں دینی شروع کردیں اور پھر اپنے تھیلے میں سے ایک شیشی نکال کر بولی۔

بیٹی تم نے اس غریب عورت کو دودھ پلا کر اس کا دل جیب لیا ہے میں تمہیں خوش ہو کر ایک ایسا تحفہ دیتی ہوں کہ تم ساری عمر مجھے یاد کرو گی۔

ماریانے خوش ہو کر کہا۔

ماں جی اس کی کیا ضرورت ہے غریبوں کی خدمت تو ہمارا فرض ہے۔
خدا تمہیں ہمیشہ سکھی رکھے بیٹی تم بہت نیک دل لڑکی ہو یہی وجہ ہے کہ میں خوش ہو کر تمہیں یہ خالص کستوری کا عطر دے رہی ہوں یہ میں نے ختن کے صحراؤں میں رہنے والے خاص سیاہ ہرن کے نافے سے حاصل کیا ہے یہ لو۔
ماریا نے عطر کی چڑے کی کپی بوڑھیا کے ہاتھ سے لے لی اور اسے غور سے دیکھنے لگی بوڑھیا نے کہا۔
بیٹی اسے دیکھنے سے تمہیں کیا پتہ چلے گا ذرا سونگھ کر دیکھو یہ کستوری کا عطر ہے۔
ماریا نے کپی کھول کر اسے ناک کے ساتھ لگایا جونہی اس نے سانس اندر کی طرف کھینچا ایک تیز بو اس کے دماغ کے چڑھ گئی اور وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑی اس بوڑھیا نے دروازے میں کھڑے ہو کر

باہر کسی کو اشارہ کیا فوراً کھجوروں کے درختوں میں سے دو گھوڑ سوار آ گئے انہوں نے بے ہوش ماریا کو ایک لبادے میں ڈھانپ دیا اور اٹھا کر گھوڑے پر ڈال کر وہاں سے فرار ہو گئے بوڑھی مکار عورت نے اپنا تھیلا سنبھالا اور وہ بھی وہاں سے نکل گئی۔

ماریا کو بھگا کر لے جانے کے بارے میں اس کے بوڑھے باپ کو علم نہ ہو سکا وہ بے چارہ باغ میں اپنا کام کر رہا تھا تھوڑی دیر بعد اسے پیاس محسوس ہوئی اس نے سوچا کے گھر میں چل کر دودھ پیا جائے چنانچہ اس نے لکڑی کا پھاوڑا وہیں رکھا اور گھر میں آ گیا صحن میں بکری بندھی ہوئی تھی دودھ کا مٹکا اسی طرح زمین پر پڑا تھا بوڑھے کا ماتھا ٹھنکا کہ ماریا تو کبھی دودھ کے مٹکے کو اس طرح زمین پر ننگا رکھ کر کہیں نہیں گئی اس نے ماریا کو آوازیں دیں کوئی جواب نہ آیا وہ کچھ پریشان ہو گیا وہ آوازیں دیتا ہوا کوٹھڑی کے اندر آ گیا ماریا وہاں بھی نہیں تھی

اب وہ بے چین ہو کر ماریا کو اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگا وہ باغ میں بھی آ گیا اس نے سارا باغ سارا مکان چھان مارا مگر ماریا وہاں ہوتی تو اسے ملتی وہ تو اس وقت ظالم سپاہیوں کے گھوڑے پر بے ہوش پڑی کسی نامعلوم مقام کی طرف لے جائی جا رہی تھی۔

بوڑھا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور اپنی بیٹی کی جدائی میں رونے لگا وہ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کسی نے دشمنی کی ہے اور اس سے کسی بات کا بدلہ لیا ہے دوپہر کے بعد عنبر اور ناگ گھر آئے تو بوڑھے نے انہیں ماریا کی گمشدگی کی خبر سنائی وہ بھی بڑے حیران ہوئے کہ ماریا کو کون اغوا کر کے لے گیا ناگ نے کہا۔

عنبر میں نہ تمہیں کہتا تھا کہ وہ کمینہ رومن کپتان ضرور اپنی بے عزتی کا بدلہ لے گا چنانچہ یہ کام اسی کا ہے اسی بدبخت نے ماریا کو اغوا کروایا ہے اب خدا جانے وہ اسے کہاں لے گیا ہوگا۔

بوڑھے باپ نے روتے ہوئے کہا۔

خداوند کے لئے میری بچی کو برباد ہونے سے بچاؤ نہیں تو میں سر پٹخ پٹخ کر جان دے دوں گا۔

عنبر نے ماریا کے باپ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

بابا آپ گھبرائیں نہیں گھبرانے سے کچھ نہیں ہوگا ہم کو سوچنے کا موقع دیں ہم ماریا کو ضرور ڈھونڈ نکالیں گے اس طرح رونے اور گھبرانے سے تو کچھ نہیں ہوگا۔

اسی رات عنبر اور ناگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ ماریا کو کہاں تلاش کیا جائے ایک بات کے بارے میں انہیں پختہ یقین تھا کہ اسے سوائے رومن کپتان کے اور کسی نے اغوا نہیں کیا محلے میں انہوں نے کچھ لوگوں سے پوچھا بھی مگر اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت محلّہ بالکل خالی تھا کسی نے بھی ماریا کو اغوا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

ناگ بولا۔

کچھ بھی ہو ماریا کو اسی کمینے نے اغوا کیا ہے۔

عنبر نے کہا۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ماریا کہیں کسی جگہ قید رکھی گئی ہے جہاں تک میرا خیال ہے رومی کپتان اسے شاہی محل کی کسی کوٹھڑی میں ہی بند کر دے گا۔

ناگ نے پوچھا۔

مگر خالی اغوا کر لینے سے اسے کیا حاصل ہو گا۔؟

وہ محض انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنا چاہتا ہے۔

میرا خیال ہے اس سے مختلف ہے میرا خیال ہے کہ وہ اسے ضرور کسی بردہ فروش کے ہاتھوں بیچ دے گا۔

ناگ پریشان ہو کر بولا۔

خدا نہ کرے ایسا ہو۔ یہ تو بڑی خوفناک بات ہوگی۔

بہر حال ہمیں ہر قسم کے برے حالات کی توقع رکھنی چاہیے ہمارا دشمن ایک کمینہ اور حاسد انسان ہے وہ ہر قسم کی گھٹیا حرکت کر سکتا ہے۔

ناگ نے عنبر سے کہا کہ وہ کنیز کارمیلا کی روح سے کیوں نہیں مدد لیتا وہ اسے بتا سکتی ہے کہ ماریا کس جگہ پر ہے عنبر نے کہا۔

یہ خیال تو میرے ذہن میں بھی آیا تھا مگر میں یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ اتنی چھوٹی سی بات کے لئے اسے تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا ہم خود ماریا کو تلاش کر لیں گے۔

وہ تو ٹھیک ہے عنبر لیکن ہم تو روح سے صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ماریا کس جگہ پر قید ہے ....بس............ باقی اس کو آزاد کرانے کا سارا کام ہم خود کر لیں گے۔

اگر تم کہتے ہو تو میں روح کو بلا کر پوچھ لیتا ہوں۔

وہ دونوں انجیروں کے باغ میں اکیلے بیٹھے تھے ناگ وہاں سے ہٹ کر پرے ہو گیا کیونکہ عنبر روح کو تنہائی میں ملنا چاہتا تھا عنبر نے روح کو آواز دینی شروع کر دی کافی دیر پکارنے کے بعد کارمیلا کی روح ظاہر ہو گئی اس نے آتے ہی کہا۔

عنبر یاد رکھو۔ ہم اس بستی میں بہت کم آ سکتے ہیں کیونکہ اس بستی میں خدا کا ایک بزرگ نبی رہتا ہے اور لوگوں کو سچائی اور نیکی کی تعلیم دیتا ہے تم نے بلایا تو میں بڑی مشکل سے اجازت لے کر یہاں آئی ہوں وہ بھی صرف تمہارے لئے کیونکہ تم نے مجھ پر ایک ایسا احسان کر دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے انکار نہیں کر سکتی۔

عنبر نے کہا۔

اے اچھی روح میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے میری خاطر اتنی تکلیف اٹھائی اور میری عزت افزائی کی۔

کارمیلا کی روح نے پوچھا۔

بتاؤ تم نے مجھے کس لئے بلایا ہے۔

عنبر نے سارا مقصد کھول کر روح کے سامنے بیان کر دیا روح ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

جس لڑکی کے بارے میں تم نے مجھ سے پوچھا ہے وہ اس بستی میں نہیں ہے۔

پھر وہ کہاں ہوگی۔؟

وہ اس مقدس شہر سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر کل ایک گمنام جنگل کے کھنڈر میں پہنچ جائے گی بس اس سے زیادہ میں یہاں نہیں ٹھہر سکتی...............خدا نگہبان............

اتنا کہہ کر روح غائب ہوگئی عنبر نے ناگ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو روح سے کہہ گئی تھی ماریا ابھی راستے میں ہے اسے اس بستی سے ایک دن

اور ایک رات کے فاصلے پر جنگل کے کسی کھنڈر میں لیجانا چاہ رہا ہے عنبر نے ناگ سے کہا کہ ہم ماریا کا تعاقب کریں گے۔

ناگ نے کہا۔

ٹھیک ہے ہم صبح صبح روانہ ہو جائیں گے۔

سنسان جنگل

ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ دونوں دوست بیدار ہو گئے۔
انہیں سفر کی تیاری میں زیادہ وقت نہ لگا ماریا کے باپ کے مکان کو انہوں نے بند کیا گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بستی سے باہر نکل گئے ان کا رخ مغرب کی طرف تھا یہی وہ راستہ تھا جو اس پر اسرار گمنام جنگل کو جاتا تھا جہاں انہیں روح کی ہدایت کے مطابق پہنچنا تھا دوپہر تک وہ چلتے چلے گئے دوپہر کے وقت سورج میں زیادہ گرمی آ گئی ریت تپنے لگی اور انہیں بار بار پیاس لگنے لگی ایک جگہ وہ سایہ دیکھ کر وہ گھوڑوں سے اتر کر بیٹھ گئے وہاں کوئی چشمہ بھی نہیں تھا کہ گھوڑوں کو پانی پلا سکتے جانوروں کو بھی بڑی پیاس لگی تھی اس وقت وہ دریائے اردن سے

بہت دور نکل چکے تھے تھوڑی دیر ستانے کے بعد وہ دوبارا سفر پر روانہ ہو گئے تیسرے پہر انہیں ہوا میں پانی کی نمی محسوس ہوئی۔

ناگ نے کہا۔

یہاں قریب ہی کوئی چشمہ بہہ رہا ہے۔

گھوڑے بھی پانی کی نمی کو محسوس کر کے بار بار ہنہنا رہے تھے تھوڑی دور چلنے کے بعد انہوں نے ایک ہرن دیکھا جو ایک جگہ جھاڑیوں میں جھک کر پانی پی رہا تھا دونوں دوست وہاں پہنچے تو انہیں ایک چھوٹا سا چشمہ مل گیا جس کا شفاف میٹھا پانی ابل ابل کر زمین سے نکل رہا تھا یہ ایک قدرتی چشمہ تھا انہوں نے سب سے پہلے گھوڑوں کو جی بھر کر پانی پلایا اس کے بعد خود منہ ہاتھ دھو کر تھوڑی دیر آرام کیا وہ آگے چل پڑے شام کے بعد رات آ گئی آسمان پر تارے نکل آئے ایک جگہ ریت پر انہوں نے جلی بجھی لکڑیاں اور راکھ بکھری ہوئی دیکھی وہ سمجھ

گئے کہ ماریا کو اغوا کرنے والے سپاہی کچھ دیر یہاں ٹھہرے تھے اس کا مطلب تھا کہ وہ درست راستے پر جا رہے تھے انہوں نے راکھ پر ہاتھ لگا کر محسوس کیا کہ راکھ ابھی گرم تھی عنبر نے کہا۔

گرم راکھ اس بات کا اشارہ کر رہی ہے کہ سپاہی یہاں سے دور نہیں ہیں اگر ہم رات بھر مسلسل سفر کرتے رہے تو صبح جنگل میں انہیں جا لیں گے۔

ہاں۔ مگر ہمیں بڑی ہوشیاری سے کام لینا ہو گا کیونکہ سپاہی ہر طرف سے چوکنا ہوں گے اور ان کے پاس اسلحہ بھی ہو گا جب کہ ہمارے پاس سوائے تلواروں کے اور کچھ نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔

دوست تم فکر نہ کرو ہم سچائی پر ہیں اور ایک نیک کام کرنے گھر سے نکلے ہیں اس لئے فتح آخر ہماری ہی ہو گی دشمن خواہ کتنا ہی طاقتور

کیوں نہ ہو وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکے گا۔

دونوں دوست ساری رات چلتے رہے صبح صبح وہ ایک جنگل کے کنارے پہنچ گئے یہ جنگل عجیب وغریب اور پراسرار قسم کا تھا صحراؤں میں ایسے جنگل نہیں ہوا کرتے کیونکہ صحراؤں میں پانی نہیں ہوتا اور جنگل کے لئے پانی کا زیادہ ہونا بہت ضروری ہے وہ جنگل کے اندر داخل ہو گئے یہاں زیتون اور جنگلی کھجوروں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے کانٹے دار جھاڑیاں اس قدر زیادہ اگی ہوئی تھیں کہ ان کے لئے وہاں سے گزرنا مشکل ہو رہا تھا ایک چیز جو ان دونوں نے محسوس کی وہ جنگل کی گہری خاموشی تھی جنگل کی فضا میں ایک پراسرار جادو بھری خاموشی چھائی ہوئی تھی ہوا بالکل بند تھی اور درختوں کا ایک پتا تک بھی نہیں ہل رہا تھا۔

ناگ نے کہا۔

بڑا پراسرار جنگل ہے۔ مجھے تو یہ جنگل بدروحوں کا مسکن معلوم ہوتا ہے

۔

عنبر نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

محسوس مجھے بھی ایسا ہی ہو رہا ہے مگر اس قسم کے جنگل ان علاقوں میں نہیں ہوا کرتے۔

تو کیا یہ کوئی جادو کا جنگل ہے۔

جادو کا جنگل ہمارے سامنے زیادہ دیر تک اپنا جادو قائم نہیں رکھ سکتا یہ سچ مچ کا جنگل ہے ہاں میرا خیال ہے کہ یہاں بدروحیں ضرور رہتی ہیں مجھے کبھی کبھی ان کی پراسرار سرگوشیاں سنائی دیتی ہیں۔

ناگ نے فضا میں سونگھ کر کہا۔

کیا ہم کسی بدروح کو بلا کر اس سے بات کریں۔؟

اس کی کیا ضرورت ہے بدروح بے چاری خود پریشان ہوتی ہے خود

بھٹک رہی ہوتی ہے وہ ہمیں کیا بتائے گی بھلا جو کچھ بتانا تھا وہ کنیز کارمیلا کی نیک روح ہمیں بتا چکی ہے۔

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں دوست جنگل کے ایک گھنے حصے میں پہنچ گئے اب انہیں اس کھنڈر کی تلاش تھی جس کا نشان کارمیلا کی روح نے بیان کیا تھا اور جہاں اس کی بشارت کے مطابق ماریا دو روز پہلے پہنچ کر چھپا دی گئی ہو گی یہاں جنگل اس قدر گھنا تھا کہ ہر طرف ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا انہیں راستہ بنانے میں بڑی دشواری ہو رہی تھی ہر طرف خار دار جھاڑیوں کے جھنڈ اور کھجور کے درخت کھڑے تھے کھنڈر کا کہیں نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

عنبر نے حیرانی سے پوچھا۔

وہ کھنڈر کہاں ہے۔؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ کارمیلا کی روح کو مغالطہ لگا ہو۔

عنبر نے کہا۔

ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ہم غلطی کھاسکتے ہیں مگر ایک نیک انسان کی روح غلطی نہیں کھاسکتی اس نے ہمیں ٹھیک اشارہ بتایا ہے کھنڈر یہیں کہیں جنگل میں موجود ہے ہمیں اس کی تلاش جاری رکھنی چاہیے۔

ناگ بولا۔

اس کے علاوہ یہاں کوئی ایسا بھی نشان نہیں مل رہا جس سے ظاہر ہو کہ یہاں سے سپاہی ماریا کو لے کر گزرے ہیں۔

عنبر کہنے لگا۔

دوست! تمہیں ناامید نہیں ہونا چاہیے ماریا ان لوگوں کے پاس کھنڈر میں موجود ہے ہمیں صرف خاموشی سے کھنڈر کو تلاش کرنا چاہیے اور بس............ باقی کام خود بخود ہو جائے گا۔

لیکن کھنڈر کے گرد دشمن ضرور چوکی پہرہ دے رہا ہوگا۔

دوست ایک بار ہم وہاں پہنچ گئے تو پھر ماریا کو وہاں سے نکالنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔

ایک بڑا سا خرگوش ان کے آگے سے پھدکتا ہوا گزر گیا چلتے چلتے وہ جنگل کے درمیان ایک چھوٹی سی جھیل پر پہنچ گئے یہ جھیل سبز رنگ کے پانی کی تھی جس کی سطح پر گہرے سبز رنگ کی کائی جمی ہوئی تھی جگہ جگہ کاہی کے جھنڈ اس پر جھکے ہوئے تھے عنبر نے کہا کہ کھنڈر ضرور یہیں کہیں ہوگا ناگ بولا۔

کم بختوں نے خوب ڈھونڈ کر جگہ نکالی ہے اس سے زیادہ محفوظ جگہ بھلا اور کون سی ہوگی انہوں نے تو بڑی ٹھیک جگہ چنی ہے۔

عنبر اور ناگ نے کھنڈر کی تلاش شروع کر دی وہ تھک کر چور ہو گئے تھے اور انہیں پیاس بھی محسوس ہو رہی تھی گھوڑوں سے اتر کر انہوں نے

گھوڑوں کو ایک درخت کے ساتھ باندھا انہیں بھی پانی پلایا اور خود بھی پانی پیا پھر زیتون کے درختوں تلے سائے میں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ کھنڈر کہاں ہو سکتا ہے۔

وہ کھنڈر ان کے عقب میں ایک گھنے درخت کے سائے میں تھا مگر اس وقت ابھی ان کی نگاہ نہیں گئی تھی .... ماریا اس کھنڈر میں پہنچا کر چھپا دی گئی تھی چار خونخوار قسم کے حبشی غلام وہاں پہرہ دے رہے تھے ویسے بھی اس جگہ چڑی بھی پر نہ مار سکتی تھی اس کھنڈر میں کبھی کسی کا گزر نہ ہوا تھا ماریا کھنڈر کے نیچے نیم روشن راہداری سے ہو کر ایک ایسی کوٹھڑی میں پہنچا دی گئی تھی جہاں دیواروں میں کوئی کھڑکی اور کوئی روشن دان نہیں تھا بس ایک سوراخ تھا جس کے آگے لوہے کا زنگ خوردہ جنگلہ لگا تھا اسی جنگلے کو ہٹا کر ماریا کو کوٹھڑی میں دھکیل دیا گیا تھا اور پھر دوبارہ جنگلہ چڑھا دیا گیا تھا وہ حبشی غلام ننگی تلواریں اور تیر کمان

لئے اس راہداری میں پہرہ دے رہے تھے اور دو حبشی غلام کھنڈر کے باہر پہرے پر چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد عنبر نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ ہم کھنڈر کے قریب پہنچ چکے ہیں اب ہمیں بڑا ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

اگر یہ بات ہے تو پھر ہمیں گھوڑوں کو اسی جگہ چھوڑ کر چھپ کر کھنڈر کا سراغ لگانا ہو گا دشمن کو ہماری ذرا سی بھی آہٹ مل گئی تو وہ چوکس ہو جائے گا تم ہلاک نہیں کیے جا سکتے مگر تلوار کا ایک ہی وار میرا کام تمام کر سکتا ہے۔

عنبر نے کہا۔

ناگ دوست مجھے اتنا تو بتا دو کہ اگر خداوند نہ کرے کہ تم کو دشمن کی تلوار کاٹ کر رکھ دے تو پھر تم واقعی مر جاؤ گے یا کچھ دیر بعد پھر زندہ ہو جاؤ

گے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

اگر میں سانپ کی شکل میں یا انسان کی شکل میں ہلاک کر دیا جاؤں تو تم پر لازم ہے کہ میری لاش کو اسی وقت اٹھا کر کسی محفوظ جگہ پر لے جاؤ اور لکڑی کے ایک صندوق میں زیتون کے پتے بچھا کر بند کر دو ہر روز صبح و شام صندوق کھول کر میری لاش کو ہر بل سلگا کر دھونی دو ایک ہفتہ تک یہ عمل جاری رکھنے کے بعد صندوق کو بند کر دو اور ایک مہینے سے پہلے مت کھولو۔ ایک مہینے کے بعد جب تم صندوق کھولو گے تو مجھے صندوق کے اندر زندہ پاؤ گے۔

عنبر نے پوچھا۔

اور اگر اتفاق سے میں صندوق نہ کھول سکا تو کیا ہوگا۔؟

ناگ نے کہا۔

اگر تم صندوق نہ کھول سکو گے تو میں صندوق کھول کر اپنے آپ باہر آجاؤں گا لیکن میری لاش کو صندوق بند کر کے ہر بل سلگانا شرط ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو میں اس دنیا میں دوبارہ واپس نہ آسکوں گا۔

عنبر نے کہا۔

یہ اچھا کیا کہ تم نے مجھے بتا دیا ورنہ میں انجان ہی تھا اب کم از کم میرے ہوتے تم مر نہیں سکو گے۔

ناگ بولا۔

ویسے بھی جب کوئی شخص مجھ پر حملہ کرنے والا ہوتا ہے تو مجھے ایک خفیہ طاقت خبردار کر دیتی ہے اور میں حملے سے محفوظ ہو جاتا ہوں سانپ کی شکل میں مجھ میں بڑی پھرتی آجاتی ہے اور میں دشمن کے ہر حملے سے بچ سکتا ہوں انسان کے روپ میں میں سست ہو جاتا ہوں اس لئے تمہیں کہہ رہا تھا کہ اگر حملہ ہوا تو مجھے ضرور خبردار کر دینا۔

فکر نہ کرو۔ تم پر حملہ کرنے والے کو میں خود ہلاک کر دوں گا۔

اس کے بعد دونوں دوست جھیل کنارے سے نکل کر ساتھ والے جنگل میں کھنڈر کی تلاش میں آگے بڑھنے لگے اپنے گھوڑے انہوں نے وہیں چھوڑ دیئے تھے جنگل میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا کمال کی بات یہ تھی کہ کسی جنگل سے پرندے کے بولنے کی آواز بھی نہ سنائی دے رہی تھی سچ مچ وہ کوئی بدروحوں کا جنگل تھا جہاں بدروحوں اور بھوتوں کے ڈر سے جانور اور پرندے بھی بھاگ گئے تھے۔

اچانک ایک جھاڑی میں سے سیاہ رنگ کا ناگ اپنا پھن پھیلا کر عنبر کے سامنے کھڑا ہو گیا عنبر نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا ناگ اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا اس نے ابھی سانپ کو نہیں دیکھا تھا کالے سانپ نے عنبر کے سامنے جھومنا شروع کر دیا اور ڈسنے کی تیاری کرنے لگا عنبر بالکل نہ گھبرایا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سانپ

اسے ڈس بھی لے تو اس کا کچھ نہیں بگڑے گا وہ اسی طرح سانپ کے سامنے کھڑا مسکراتا رہا سانپ نے لپک کر عنبر کے ہاتھ پر ڈس دیا عنبر نے اسی وقت دوسرے ہاتھ سے سانپ کو پکڑ کر قابو میں کر لیا سانپ بڑا حیران ہوا کہ اسکے ساتھ کیا ہو رہا ہے اس نے آج تک جس شخص کو بھی کاٹا تھا وہ آناً فاناً گر کر مر گیا تھا یہ شخص نہ صرف زندہ تھا اور اس پر اس کے خطرناک زہر کا ہی اثر نہیں ہوا تھا بلکہ الٹا اس نے اسے قابو میں کر لیا تھا۔

اتنے میں عنبر کا دوست ناگ بھی وہاں پہنچ گیا اس نے عنبر کے ہاتھ میں ایک سیاہ پھن دار سانپ دیکھا تو پوچھا۔

یہ کم بخت کدھر سے آ گیا؟

عنبر نے کہا۔

اس نے میرے ہاتھ پر ڈس دیا ہے۔

ناگ بولا۔

اس کی یہ ہمت ادھر لاؤ اسے۔

ناگ سانپ کی طرف بڑھا تو یکا یک سانپ کا پھن سکڑ گیا اس کا سارا جسم کانپنے لگا اور وہ عنبر کے ہاتھ میں لرز اٹھا سانپ نے محسوس کر لیا تھا کہ جو شخص اس کی طرف بڑھ رہا ہے وہ سانپوں کا شہزادہ سانپ ہے ناگ نے آگے بڑھ کر سانپ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور کہا۔

تمہاری یہ ہمت کہ تم نے میرے دوست پر حملہ کرنے کی جرات کی کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اس جنگل میں میں بھی اپنے دوست کے ساتھ آ رہا ہوں۔

سانپ میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ جواب دے سکے لیکن وہ کانپ رہا تھا لرز رہا تھا یوں لگتا تھا کہ اس پر غشی طاری ہونے والی ہے سانپ ناگ کی ساری باتیں سن کر سمجھ رہا تھا مگر ان باتوں کا جواب نہیں دے

سکتا تھا ناگ نے کہا۔

تمہاری سزا یہی ہے کہ اب تو میرا غلام بن کر میرے ساتھ ساتھ چلے گا اور تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تو میری اجازت کے بغیر یہاں سے بھاگ نہیں سکے گا کیونکہ میں نے تمہیں اپنا غلام بنا لیا ہے۔اور سانپ شہزادے کا غلام سانپ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو اپنے آپ جل کر راکھ ہو جاتا ہے چلو میرے ساتھ ساتھ سیاہ کوبرا سانپ ناگ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا عنبر نے کہا۔

یار اس مصیبت کو ساتھ کیوں کر لیا ہے۔؟

ناگ نے کہا۔

میں اس سے خطرناک کام لوں گا اس میں اگر یہ مر بھی گیا تو مجھے اسکی پراوہ نہیں ہوگی کیونکہ اس نے تمہیں مارنے کی کوشش کی تھی۔

اس کو معاف نہ کر دیں۔

ہرگز نہیں۔ ہماری دنیا میں معافی نام کی کوئی چیز نہیں ہے ہر گناہ کرنے والے کواس کی سزا ضرور مل کر رہتی ہے اس نے ایک زبردست اصول توڑا ہے میرے ساتھ والے کسی دوست کو کوئی سانپ ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کرسکتا اس لئے اس کو سزا ضرور ملے گی۔

جیسے تمہاری مرضی۔

اب دونوں دوست کو برا سانپ کو ساتھ لے کر جنگل میں بڑھنے لگے گہری خاموشی میں ایک ہلکی سی چیخ کی آواز گونجی عنبر نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

یہ کسی بدروح کی آواز تھی شاید وہ مجھے آنے والے خطرے سے آگاہ کرنے آئی تھی یا شاید مجھ سے ڈر کر دوسری بدروحوں کو خبردار کرنے گئی ہے۔

ناگ نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ دیکھو عنبر وہ کیا ہے۔

یہی تو وہ کھنڈر ہے جس کی نشانی کارمیلا کی روح نے بتائی تھی مگر یہ تو کسی برباد قلعے کی طرح ہے۔؟ ہاں ایسے ہی لگتا ہے اس جگہ ماریا قید ہے ہمیں بڑی احتیاط کے ساتھ وہاں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دونوں دوست جنگل کے درمیان میں سے ہو کر اس کھنڈر کی طرف بڑھنے لگے یہ جگہ ایک دہشتناک اور ویران تھی وہ درختوں کے پیچھے چھپ کر کھنڈر کو دیکھنے لگے اس کھنڈر پر نحوست اور ویران کے سائے تھے خود کھنڈر کوئی بھوت معلوم ہو رہا تھا جو جنگل میں سر جھکائے بیٹھا رو رہا ہو انہیں ایک حبشی نظر آیا جو کھنڈر کے اوپر والے پتھروں کے پیچھے سے نکل کر نیچے آیا اور درخت کی ایک جھاڑی توڑ کر پھر اوپر پتھروں کے پیچھے جا چھپا اس کے پہلو میں تلوار لٹک رہی تھی اور کندھے پر تیر کمان تھا عنبر نے کہا کھنڈر کے باہر سخت پہرہ ہے۔

بدروحوں کا مسکن

ہمیں ہر قیمت پر کھنڈر میں جا کر معلوم کرنا ہو گا۔ کہ اندر کیا ہے۔ اگر دشمن کو معلوم ہو گیا کہ ہم پہنچ گئے ہیں تو وہ ماریا کو ٹھکانے لگا دیں گے اس کے لئے ہمیں بہت چوکس ہو کر آگے بڑھنا ہو گا
ایک حبشی کھنڈر کے اوپر چھپا ہوا ہے میرے خیال میں نیچے اور بھی حبشی پہرہ دے رہے ہوں گے۔
میں اسے کالے ناگ سے مدد لیتا ہوں۔
ناگ نے کالے سانپ کو حکم دیا فورا کھنڈر کی طرف جاؤ اور پتھروں کے پیچھے جو حبشی چھپا بیٹھا ہے اس کو موت کی نیند سلا دو۔
کالا سانپ حکم پاتے ہی کھنڈر کی طرف روانہ ہو گیا ادھر ناگ اور عنبر

چھپ کر بیٹھ گئے اور دیکھنے لگے کہ کیا تماشا ہوتا ہے۔

سانپ رینگ رینگ کر آگے بڑھتا چلا گیا وہ کھنڈر کے پاس پہنچ گیا یہاں اس نے سیدھا اوپر چڑھنے کی بجائے پیچھے سے آگے جانے کا فیصلہ کر لیا اور ایک گری ہوئی پرانی دیوار کے اوپر ہو کر ان پتھروں کی طرف رینگنے لگا جس کے پیچھے حبشی چھپا بیٹھا تھا اور درخت کی شاخ سے زمین پر لکیریں بنا رہا تھا کالا سانپ بالکل اس کے پیچھے پہنچ گیا۔

وہ ناگ کے حکم پر آگے بڑھ رہا تھا۔ناگ کا حکم بجالانا اس کا فرض تھا۔اگر وہ ذرا سا بھی حکم سے پھر جائے تو وہ وہیں جل کر راکھ ہو سکتا تھا۔کالے سانپ نے پیچھے رک کر حالات کا جائزہ لیا۔حبشی کی پیٹھ اسکی طرف تھی حبشی کو بالکل معلوم نہ تھا کہ ایک زہریلا اور بڑا ہی خطرناک سانپ اس کے پیچھے موت بن کر پہنچ گیا ہے۔کالے سانپ نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا پھن پھیلایا اور تن کر کھڑا ہو گیا اب وقت

بہت کم تھا دیر کرنے کا مطلب یہ تھا کہ حبشی کے نظر اس پر پڑ سکتی تھی اور وہ تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے اڑا سکتا تھا سانپ نے ایک جھٹکا کھایا اور لپک کر حبشی کی گردن پر ڈس دیا۔

حبشی نے مڑ کر دیکھا اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

چیخ عنبر اور ناگ نے بھی سنی۔ جنگل کی خاموشی میں چیخ گونج گئی۔ اس آواز پر نیچے سے ایک اور حبشی پتھروں سے نکل کر اوپر کی طرف بھاگا۔ مگر اس دوران میں پہلے حبشی کا کام تمام ہو چکا تھا۔ وادی اردن کے اس کوبرا سانپ نے دوسرے حبشی پر حملہ کیا تو وہ خبر دار ہو گیا۔ دوسرے حبشی نے تلوار کھینچ کر پر ماری۔ مگر سانپ فوراً ایک طرف ہٹ گیا۔ حبشی اس پر لپکا اب سانپ اپنی زندگی کے بچاؤ کی جنگ لڑنے لگا۔ وہ ایک درخت پر چڑھ گیا دوسرے حبشی نے کمان میں تیر جوڑ کر اس پر چلایا۔ تیر خطا گیا سانپ نے وہیں سے حبشی پر

چھلانگ لگائی اور اسکی گردن کے گرد بل ڈال کر اس کے چہرے پر ڈس لیا۔ دوسرا حبشی ہاتھوں سے زور لگا کر سانپ کو خود سے الگ کرتا ہی رہ گیا اور زہر نے اپنا کام کر دیا اس کے بدن سے خون جاری ہو گیا۔ جسم جگہ جگہ سے پھٹ گیا اور وہ بھی پہلے حبشی کی طرح مردہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اپنا مشن پورا کرنے پر کالا کوبرا حبشی کی گردن سے اتر کر واپس ناگ شہزادے کی طرف روانہ ہو گیا۔ دونوں حبشیوں کو گرتے اور مرتے عنبر نے دیکھ لیا تھا اس کے راستے کا بہت بڑا کانٹا صاف ہو گیا تھا اب کھنڈر کے اندر جانے کا راستہ بالکل صاف تھا خوش قسمتی کی بات یہ ہوئی تھی کہ اندر کھنڈر میں پہرہ دینے والوں کو کچھ خبر نہ ہوئی تھی کہ باہر کیا قیامت گذر گئی ہے۔ اتنے میں کالا کوبرا وہاں پہنچ گیا اس نے ناگ کے سامنے آکر اپنا سر زمین کے ساتھ لگا دیا۔

ناگ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

’’شاباش! تم نے اپنا فرض پوری محنت سے پورا کر دیا میں تم سے خوش ہوں۔ اور اسی خوشی میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ اب تم جا سکتے ہو۔ کالے ناگ نے جھک کر ناگ کے پاؤں پر اپنا سر رکھا اور پھر خاموشی سے رینگتا ہوا واپس جنگل میں گم ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

اب ہمیں کھنڈر کے اندر جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

میرے خیال میں ہم دونوں کا ایک ساتھ وہاں جانا ٹھیک نہیں۔

پہلے میں جاتا ہوں.............‘‘

نہیں تم میرے بعد آنا۔ پہلے میں جاتا ہوں۔

جیسے تمہاری مرضی دوست۔

عنبر نے ناگ کو اسی جگہ جنگل میں چھوڑا اور خود زمین کے ساتھ کہنیوں کے بل رینگ رینگ کر کھنڈر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

کھنڈر کے منہ پاس جا کر وہ رک گیا۔اسے ہوا میں کچھ سرگوشیاں سی
سنائی دیں اسے محسوس ہوا جیسے بدروحیں اس سے بات کرنے کی
کوشش کر رہی تھیں یا جیسے اسے کسی بات سے خبردار کر رہی ہوں۔عنبر
نے بدروحوں کی سرگوشیوں پر کوئی دھیان نہ دیا اور رینگتا ہوا کھنڈر کے
منہ کے پاس آ گیا اسے اتنا معلوم تھا کہ کھنڈر کے اندر کوئی غار ہے اور
ماریا کوڈاکوؤں نے غار کے اندر کہیں چھپایا ہوگا۔ظاہر ہے کھنڈر کے
منہ پر کوئی نہ ہوگا پہرے دار وہاں جو حبشی تھا وہ ہلاک ہو چکا تھا۔
عنبر نے دل میں دعا مانگی اور بڑی خاموشی سے رینگتا ہوا کھنڈر کے منہ
کے اندر داخل ہو گیا کھنڈر کی چھت اونچی تھی اور اندر ٹھنڈا ٹھنڈا اندھیرا
چھایا ہوا تھا۔عنبر کو مردہ مچھلیوں کی بو محسوس ہوئی وہ دیوار کے ساتھ لگ
کر کھڑا ہو گیا اور پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے
لگا۔کچھ دور آگے جا کر وہ اندھیری راہداری میں داخل ہو گیا۔جس کی

چھت نیچی تھی اور چھت کی بوسیدہ کڑیوں کے ساتھ جالے لٹک رہے تھے بے خیالی سے عنبر کا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرا گیا پتھر لڑھک کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

وہ وہیں کا وہیں سانس روک کر کھڑا ہو گیا۔

پتھر کے لڑھکنے کی آواز باقی چار حبشیوں نے سن لی تھی یہ حبشی ماریا کی کوٹھڑی کے باہر زمین پر بیٹھے اپنی تلواریں صاف کر رہے تھے آواز سن کر وہ چوکنے ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہاتھ کی انگلی سے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر چاروں وہاں سے اٹھے اور دبے پاؤں جدھر سے آواز آئی تھی ادھر کو چل پڑے۔ تھوڑی دور جا کر انہوں نے راہداری کے اندھیرے میں دیکھا کہ ایک نوجوان پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہوا دیوار کے ساتھ لگا آگے بڑھ رہا ہے۔ چاروں حبشی چوکس ہو گئے اور ادھر ادھر پھیل

گئے۔ اگر وہ عنبر پر حملہ کر دیتے جیسا کہ انہوں نے سوچا تھا تو عنبر ان سب کو جان سے مار ڈالتا لیکن عنبر کی بد قسمتی اور ان حبشیوں کی خوش قسمتی یہ ہوئی کہ عنبر کو دیوار کے ساتھ ایک جگہ ایک سوراخ دکھائی دیا۔ وہ یہ سمجھا کہ ماریا کو ضرور اسی جگہ قید رکھا گیا ہے یا وہ دیکھنے کے لئے کہ اندر ماریا موجود ہے یا نہیں اس کھوہ کے اندر چلا گیا۔

حبشیوں نے جب یہ دیکھا کہ دشمن کھوہ کے اندر چلا گیا ہے تو وہ لپک کر کھوہ کے اوپر چڑھ گئے اور وہاں سے انہوں نے کھٹکا کھینچ کر دھڑام سے لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والا جنگلہ کھوہ کے منہ کے آگے گرا دیا۔ عنبر نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا وہ کھوہ میں قید ہو کر رہ گیا تھا اس نے سلاخوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زور سے اپنی طرف جھنجھوڑا مگر وہ اس قدر مضبوط تھیں کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ اس سے زیادہ عنبر کچھ نہیں کر سکتا تھا وہ بے بس سا ہو کر ایک پتھر پر بیٹھ

گیا۔ اتنے میں چاروں حبشی اس کے سامنے سلاخوں کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک بھاری بھر کم حبشی نے پوچھا۔

تم کون ہو؟ یہاں کیا لینے آئے تھے۔

عنبر نے کہا۔

میں جڑی بوٹیوں اور ہیروں کی تلاش میں ادھر آ نکلا تھا تم لوگوں نے مجھے قید کیوں کر دیا ہے؟ میرا کیا قصور ہے؟ مجھے آزاد کرو نہیں تو میں بادشاہ کے دربار میں تمہاری شکایت کروں گا۔

حبشی اپنے سفید سفید دانت نکال کر ہنسا۔

تم جھوٹ بولتے ہو تم کسی اور شے کی تلاش میں یہاں آئے تھے خیر اب تم ساری زندگی یہاں سے باہر نہ نکل سکو گے۔

اب اسی غار کے اندر تمہاری قبر بنے گی۔

ایکا ایکی بھاری بھر کم حبشیوں نے جوان کا سردار معلوم ہوتا تھا تعجب

کے ساتھ کہا۔

لیکن یہ شخص اندر کس طرح آ گیا باہر پہرے دار کہاں چلے گئے فورا جا کر معلوم کرو باہر کے لوگ کہاں مر گئے ہیں۔

دو حبشی باہر کی طرف لپکے عنبر سمجھ گیا کہ انہیں باہر دونوں حبشیوں کی لاشوں کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور یہی ہوا تھوڑی ہی دیر بعد دونوں ہی حبشی بدحواس ہو کر بھاگتے ہوئے اندر آ گئے اور بولے۔

سردار دونوں پہرے دار مرے پڑے ہیں ایسے لگتا ہے جیسے انہیں کسی سانپ نے ڈس لیا ہے۔

دونوں کو ایک ہی سانپ نے ڈس دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے مجھے چل کر دکھاؤ۔

بھاری بھرکم سردار حبشیوں کے ساتھ باہر آ گیا اس نے دیکھا کہ دونوں حبشی مرے پڑے تھے اور ان کی لاشیں زہر کی وجہ سے پھٹ گئی

تھیں۔اس نے کہا۔
معلوم ہوتا کہ کسی زہریلے سانپ نے اسے کاٹ کھایا ہے۔تم لوگ اندر قیدی کی نگرانی کرو اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے فوراً قتل کر دو۔میں کپتان کو صورت حال کے بارے میں آگاہ کرنے جا رہا ہوں۔
تین حبشی واپس غار میں چلے گئے اور سردار حبشی گھوڑے پر سوار ہو کر دوسری طرف نکل گیا۔یہ سارا تماشا ناگ درختوں کے پیچھے چھپا بیٹھا دیکھ رہا تھا اسے یہ تو اچھی طرح علم ہو گیا تھا کہ حبشی اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے ہیں اور بھاری بھرکم حبشی کسی کو خبر کرنے گیا ہے مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ عنبر کہاں جا کر گم ہو گیا ہے وہ کتنی ہی دیر درختوں کے پیچھے چھپا بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ عنبر باہر آئے تو اسے بتائے کہ ماریا وہاں قید ہے یا نہیں مگر شام ہو گئی اور

عنبر غار سے نہ نکلا اب وہ پریشان ہو گیا کہیں عنبر کو ان حبشیوں نے پکڑ تو نہیں لیا لیکن عنبر تو ان کا مقابلہ کر کے آزاد ہو سکتا تھا۔ تو پھر اسے کہیں کسی گہرے کھڈ میں گرا تو نہیں دیا گیا؟

ناگ اسی سوچ میں گم پریشان ہو رہا تھا کہ اسے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی وہ دبک کر درخت کے تنے کے پیچھے ہو گیا ذرا فاصلے پر اس نے رومن کپتان اور بھاری بھر کم حبشی کو دیکھا دونوں گھوڑوں پر سوار کھنڈر کی طرف جا رہے تھے کھنڈر کے منہ پر جا کر انہوں نے ایک طرف باندھے اور اندر داخل ہو گئے۔

ناگ سوائے خاموشی سے انتظار کرنے کے اور کچھ نہ کر سکتا تھا وہ درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ عنبر کی خیریت کا پتہ کس طرح لگائے اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خود اندر جائے مگر اندر وہ سانپ بن کر ہی جا سکتا تھا کیونکہ اندر آدمی

زیادہ تھے اور ہر ایک کے پاس تلوار تھی اگر وہ کسی درندے کی شکل میں اندر جائے تو پھر بھی خطرہ تھا کہ اسے اندر گھیر کر شدید زخمی کر دیا جائے ہاتھی بن کر اس لئے اندر نہیں جا سکتا تھا کہ کھنڈر کا منہ بہت چھوٹا تھا اور اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

سب سے زیادہ پریشان کرنے والی بات یہ تھی کہ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ عنبر کس حال میں ہے آیا وہ دشمنوں کی قید میں ہے یا دشمنوں سے بچ کر کہیں چھپ گیا ہے اور مناسب وقت کا انتظار کر رہا ہے ناگ شش و پنچ میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ غار کے اندر جائے یا وہیں بیٹھ کر عنبر کی راہ دیکھے۔

بہر حال وہ مجبور ہو گیا تھا کہ کچھ دیر اسی جگہ عنبر کا انتظار کرے۔

دوسری طرف رومن کپتان حبشی سردار کے ساتھ غار کے اندر گیا اور اس نے عنبر کو دیکھا تو فوراً اسے پہچان گیا اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

مجھے ہرگز یقین نہیں آسکتا تھا کہ تم ماریا کی تلاش میں اس اجاڑ اور وحشتناک جنگل میں بھی آجاؤ گے بہر حال اب تم آگئے ہو تو یقین رکھو یہاں سے ساری زندگی واپس نہ جاسکو گے۔

عنبر نے کہا۔

رومن کپتان ! تم نے ماریا کو اغوا کر کے بہت برا کیا مجھے یہ بتاؤ کہ ماریا کا باپ کہاں ہے؟

رومن کپتان نے کہا۔

اس کو ہم نے کل ہی مار ڈالا ہے اور اس کی لاش اسی جنگل میں دبا دی گئی ہے یہی حشر ہم تمہارا کریں گے۔

تمہیں بھی ہم قتل کر کے تمہاری لاش زمین کے اندر دبا دیں گے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی کہ اب تم اس دنیا میں نہیں ہو۔

عنبر نے کہا۔

میری بات چھوڑو تم۔تم مجھے کیا مار سکو گے مگر ماریا کے بے گناہ باپ کو تم نے مار کر اچھا کام نہیں کیا۔وقت آئے گا کہ تمہیں اس قتل کا حساب دینا پڑے گا۔

رومن کپتان مکروہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

تم ایک معمولی آدمی ہو اور باتیں بڑی بڑھ چڑھ کر کر رہے ہو شاید تمہیں احساس نہیں کہ تم طاقتور کپتان کے آگے بات کر رہے ہو۔میں نے جنگلوں میں سینکڑوں آدمیوں کو جان سے مارا ہے میرے لئے تمہیں مار دینا کوئی بڑی بات نہیں اور پھر جبکہ تم میرے دشمن ہو تمہاری وجہ سے میرے سپاہیوں کے سامنے اس روز سخت بے عزتی ہوئی تھی میں تم سے بھی اپنی بے عزتی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔اچھا ہوا کہ تم اپنے آپ ہی آگئے وگرنہ مجھے تمہیں بھی اغوا کروانا پڑتا ....میرا خیال ہے اب تمہیں اپنی موت کے لئے تیار ہو جانا

چاہئے۔

عنبر نے کہا۔

اے رومن کپتان !تو ایک نہایت ہی احمق فوجی ہے تجھے اتنا بھی معلوم نہیں کہ تو مجھ سے نہیں اپنی آنے والی موت سے بات کر رہا ہے اگر تو اس دنیا میں کچھ دیر رہنا چاہتا ہے تو فوراً مجھے اور ماریا کو رہا کر دے نہیں تو تم بہت بے دردی سے ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ تمہارا جسم نیلا پڑ جائے گا ....تمہارے کانوں اور منہ سے خون جاری ہو جائے گا اور تمہارا سارا بدن پھٹ جائے گا۔

اس بد بخت کو کوڑے مار مار کر لہولہان کر دو۔

رومن کپتان نے چیخ کر کہا۔ حبشی کوڑے لے کر آگے بڑھے اور انہوں نے عنبر کے جسم پر برسانے شروع کر دیئے۔ مگر وہاں تو گویا کسی شے کا اثر ہی نہیں ہو رہا تھا حبشی تھک گئے رومن کپتان حکم دے کر چلا گیا

تھا۔

سردار حبشی نے جب دیکھا کہ عنبر کے بدن پر اتنے کوڑے لگنے کے باوجود خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلا تو وہ کچھ حیران سا ہو گیا۔ وہ کبھی کوڑے کی طرف اور کبھی عنبر کے جسم کی طرف دیکھتا تھا وہاں زخموں کے نشان ضرور پڑ گئے تھے مگر خون نہیں بہہ رہا تھا۔ سردار نے کہا۔

چھوڑ دو اسے کم بخت کے جسم کا خون بھی خوف کی وجہ سے جم گیا ہے۔

عنبر کو اکیلے غار میں چھوڑ کر وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ عنبر چپ چاپ پتھروں پر بیٹھ گیا اور ناگ اور ماریا کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر وہ ماریا کے باپ کی موت پر افسوس کرنے لگا۔ جس کو رومن کپتان کے سپاہی اس کی عدم موجودگی میں قتل کر آئے تھے۔ اس نے سوچا کہ ناگ باہر بیٹھا کیا سوچ رہا ہو گا؟

دیوتا کا بیٹا

ناگ درختوں کے پیچھے بیٹھا عنبر کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا جب
کافی دیر ہوگئی تو ناگ نے سوچا کہ وہ کب تک وہاں بیٹھا رہے گا اندر
کھنڈر میں چل کر پتہ کرنا چاہئے کہ عنبر کہاں ہے اور اس پر کیا بیت رہی
ہے ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ کھنڈر میں سے کچھ
گھوڑ سوار نکلے اور گھوڑے دوڑاتے جنگل میں غائب ہو گئے۔ ناگ
کو یوں لگا جیسے ایک گھوڑے پر ایک لڑکی کو بھی بٹھایا ہوا ہے۔ ان اس
کیلئے وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا وہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے باہر
نکل آیا اور کھنڈر کے پاس آ گیا اس نے اندر جھانک کر دیکھا تو غار

سنسان تھا ایسے لگتا تھا جیسے اندر کوئی نہیں ہے۔ ناگ دبے پاؤں غار کے اندر داخل ہوگیا۔ ویران اور نیم روشن میں سے گزرتے ہوئے اس نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی وہ ایک طرف ہوگیا۔ قدموں کی آواز اس سے دور ہوتی چلی گئی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ساتھ والے برآمدے میں سے گذر کر نکل گیا ہو۔

ناگ چپ چاپ آگے بڑھتا رہا وہ کافی آگے نکل گیا لیکن اسے نہ تو ماریا اور نہ ہی عنبر کو کوئی سوراغ ملا وہ راہداری کا ایک موڑ گھوم رہا تھا کہ چند طاقتور ہاتھوں نے اسے اچانک دبوچ کر ایک گڑھے میں دھکا دے دیا۔ وہ گڑھے میں گر کر اٹھا ہی تھا کہ اوپر سے لوہے کا جنگلا گرا دیا گیا پھر اسے تین حبشیوں کے چہرے نظر آئے جو اوپر سے اسے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

بیٹا !اب یہیں ساری عمر پڑ کر مر کھپ جاؤ گے ہمارا پیچھا کرنے کا یہی

عبرتناک انجام ہوا کرتا ہے۔

یہ سب اتنی جلدی ہوا تھا کہ ناگ سنبھلنے ہی نہ پایا تھا کہ جو وہ گڑھے کے اندر قید کر دیا گیا۔ اس نے بے بسی کے عالم میں ان حبشیوں کو دیکھا جو اس کی بدقسمتی پر مسکرا رہے تھے۔ شاید زندگی میں پہلی بار ناگ نے ایسی حالت میں حبشیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

تمہیں ایک دن اپنی اس شرارت پر پچھتانا پڑے گا آخر تم میرے اور کمسن ماریا کے کیوں دشمن بن گئے ہو! تمہیں اس سے کیا مل جائے گا؟ رومن کپتان تمہاری ترقی تو نہیں کر دے گا۔

ایک حبشی نے تنک کر کہا۔

بکواس بند کر اے ذلیل انسان۔

ناگ کو اس حبشی پر بے حد غصہ آ گیا۔ مگر اس نے بڑے صبر سے کام لیتے ہوئے حبشی سے صرف اتنا کہا۔

انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ برے سے برے حالات ،میں بھی اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے تم نے مجھ سے بدزبانی کر کے کوئی اچھے اخلاق کا ثبوت نہیں دیا۔

اس کے جواب میں حبشیوں نے سلاخوں میں سے اس کے اوپر پتھر برسائے۔ناگ سمٹ کر کونے میں ہوگیا پھر بھی ایک پتھر اس کے کندھے پر آلگا اس نے اسی وقت فیصلہ کرلیا کہ وہ اس حبشی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔جس نے اسے گالی دی تھی اور پتھر مارا تھا۔حبشی ناگ پر ہنستے اور اس کی حالت پر قہقہے لگاتے وہاں سے چلے گئے تھوڑی دیر تک ان کے قہقہوں کی آواز آتی رہی اس کے بعد وہاں گہری خاموشی طاری ہوگئی۔ناگ سوچنے لگا کہ یہ کیسا کھنڈر ہے یہاں کوئی آواز بھی سنائی نہیں دیتی خیر اس نے سوچا باہر نکل کر پہلے ان حبشیوں سے تو دو دو ہاتھ کرلے اس کے بعد عنبر اور ماریا کو بھی تلاش کرلے گا۔

ناگ نے کالے سیاہ سانپ کی شکل اختیار کی اور دیوار پر سے رینگتا ہوا سلاخوں میں سے ہو کر گڑھے سے باہر آ گیا وہ دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا اس طرف چل پڑا جدھر اسکے خیال میں حبشی گئے تھے۔نیم تاریک راہداری کا موڑ گھومنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک کوٹھری کی سلاخوں والی کھڑکی کے باہر دو حبشی بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں سانپ آگے بڑھا تو اسے عنبر دکھائی دیا وہ کوٹھری کے اندر قید میں پڑا تھا........سانپ وہیں ٹھٹھک کر رہ گیا۔

عنبر نے کوٹھی میں سے آواز دی۔

آخر تم لوگوں نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے؟ میرا کیا قصور ہے؟تم لوگ مجھے آزاد کیوں نہیں کرتے۔تم نے ماریا کو اغوا کر لیا اس کے باپ کو ہلاک کر دیا اب مجھے کس لئے پکڑ رکھا ہے؟۔

اسی حبشی نے جس نے ناگ کو گالی دی تھی عنبر کو بھی گالی دے کر کہا۔

تم تمہیں زندہ بھون کر کھا جائیں گے۔ہم آدم خود حبشی ہیں۔ہم آج ہی رات تمہیں ہلاک کر کے تیل میں تل کر ہڑپ کر جائیں گے۔

عنبر نے کہا تم ایسا نہیں کر سکو گے اگر اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو مجھے آزاد کر دو۔ورنہ تمہاری لاشیں اس غار میں درندوں کی غذا بنیں گی۔

بدتمیز حبشی نے کہا۔

بکواس بند کر واے کمینے انسان۔

عنبر نے ایک بار پھر اسے خبر دار کیا۔

اگر تم لوگوں نے مجھے آزاد نہ کیا تو یاد رکھو تمہار بھی وہی حشر ہو گا جو غار سے باہر پہرہ دینے والے حبشیوں کا ہوا تھا۔

بدتمیز حبشی نے ایک پتھر اٹھا کر عنبر کی طرف کھینچ مارا پتھر عنبر کی پیشانی پر جا کر لگا مگر ناگ اپنے دوست کی یہ بے عزتی برداشت نہ کر سکا۔اس

نے وہیں غصے میں آ کر اپنا پھن پھیلایا اور بدتمیز حبشی کے عقب میں آگے بڑھنے لگا۔ عنبر نے ناگ کو دیکھ لیا تھا۔

اس نے مسکرا کر کہا۔

اے بدتمیز حبشی !تمہارا آخری وقت قریب آ گیا ہے اگر جان بچانی چاہتے ہو تو دروازہ کھول کر مجھے آزاد کر دو اور اپنی بدتمیزی کی معافی مانگو۔

اس حبشی نے ایک بار پھر عنبر کو برا بھلا کہا اور قہقہہ لگا کر اپنے ساتھی سے بولا۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں اس زبان دراز کا کام تمام کر دینا چاہئے۔ ہمیں کپتان کے حکم کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔

ٹھیک ہے اسے ہلاک کر دو تا کہ ہم بھی اس واہ حیات قسم کی پہرہ داری سے بچ سکیں۔ کپتان آ گئے گا تو کہہ دیں گے کہ اس نے سلاخوں سے

سر ٹکرا کر خودکشی کر لی تھی۔

بدتمیز حبشی اٹھا اور تلوار کھینچ کر عنبر کیطرف دیکھ کر بولا۔

تمہاری زندگی کا آخری وقت آ گیا ہے جو دعا کرنی ہے کرلو۔ عنبر غار کے اندر نہیں رہا تھا کیونکہ اس نے ناگ کو سانپ کے روپ میں اسی حبشی کے پیچھے کھڑے ہوتے دیکھ لیا تھا بدتمیز حبشی نے تلوار ایک ہاتھ میں پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے سلاخ دار دروازہ کھول کر اندر جانے ہی والا تھا کہ اچانک پیچھے سے سانپ نے لپک کر اسے ڈس دیا۔ حبشی چیخ مار کر زمین پر گر پڑا دوسرے حبشی نے اپنے سامنے پھن پھیلا کر جھومتے ہوئے زہریلے غضبناک سانپ کو دیکھا تو دم دبا کر اس طرح بھاگا کہ پھر پلٹ کر بھی نہ دیکھا سانپ نے دوسرے ہی لمحے انسانی شکل میں آ کر عنبر سے پوچھا۔

تم قید میں کیسے آ گئے؟ ماریا کہاں ہے؟

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ لوگ رومن کپتان کے حکم سے ماریا کو یہاں سے لے کر خدا جانے کہاں چلے گئے ہیں ناگ نے فوراً کوٹھری کو دروازہ کھول کر عنبر کو باہر نکالا بدتمیز حبشی زمین پر مرا پڑا تھا عنبر اور ناگ باہر نکلنے لگے تو انہیں کھنڈر میں ایک خوف ناک چیخ سنائی دی۔ناگ نے پریشان سا ہو کر عنبر کی طرف دیکھا عنبر نے اسے مطمئن رہنے کا اشارہ کیا اور کان لگا کر سننے لگا کہ چیخ کی آواز کدھر سے آئی تھی۔دوسری مرتبہ یہ خوفناک آواز ان کو بالکل قریب سنائی دی۔ناگ عنبر کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

اچانک ان کیسامنے ایک بد روح سیاہ چڑیل کی شکل میں سامنے آ کھڑی ہوئی بدروح نے ایک ہیبت ناک قہقہہ لگا کر عنبر اور ناگ سے کہا۔

میں تم دونوں کا خون پی جاؤں گی۔مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

ناگ تو بے چارہ ڈر گیا اس نے زندگی میں آج تک چڑیل نہیں دیکھی تھی۔ عنبر پر چڑیل کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا گہری نظروں سے چڑیل کو دیکھتا رہا۔ بدروح چڑیل کے دانت نوکیلے تھے سر کے بال لمبے لمبے تھے اور سرخ زبان دانتوں سے باہر نکل رہی تھی۔ اس کے ناخن تیز اور لمبے تھے وہ اپنے ناخن پھیلا کر عنبر کی طرف بڑھنے لگی عنبر اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ جب بدروح عنبر کے بالکل قریب آ گئی تو عنبر نے ایک ہاتھ بڑھا کر چڑیل کی گردن دبوچ لی۔ بدروح نے دوسرا ہاتھ عنبر کے سر پر مارا اگرچہ ہاتھ اگر کسی عام انسان پر پڑتا تو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا۔

لیکن عنبر پر اس ضرب کا کوئی اثر نہ ہوا اس کے جواب میں عنبر نے اپنی گرفت کو مضبوط کر دیا اور بد روح کی گردن کو دبانا شروع کر دیا۔ بدروح نے ہر طریقہ آزمایا مگر وہ عنبر کے پنجے سے اپنی گردن نہ

چھڑا سکی ۔ بدروح حیران تھی کہ کیسا انسان ہے کہ اس کو قابو میں کرتا چلا جارہا ہے۔ آخر عنبر نے اس بدروح کو ایک زبردست جھٹکا دے کر زمین پر گرادیا اور اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر بولا ۔

سچ بتا تجھے کس نے بھیجا ہے نہیں تو میں ابھی تمہاری گردن دھڑ سے الگ کردوں گا..........بول..........؟

بدروح نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

اے عظیم طاقتوں والے انسان میری جان بخشی کردے میں تمہیں سچ سچ سب کچھ بتادیتی ہوں۔

عنبر نے اپنا پاؤں بدروح کی گردن سے اٹھالیا اور کہا۔

بتا وہ کون دشمن ہے جس نے تجھے میرے ہلاک کرنے کیلئے یہاں بھیجا؟۔

بدروح نے کہا۔

اے طاقتور دیوتاؤں کے بیٹے مجھے رومی کپتان کے خاص درباری جادوگر سامری نے یہاں بھیجا ہے کہ میں تمہیں قتل کر دوں اور تمہارا خون پی جاؤں۔ لیکن یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں ایک ایسے آدمی کو ہلاک کرنے آئی ہوں جو طاقت اور جادو میں مجھ سے بڑھ کر ہے.........اے عظیم دیوتا کہ عظیم بیٹے مجھے معاف کر دے مجھ سے زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو گئی ہے۔

میں وعدہ کرتی ہوں اب کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گی۔

عنبر نے کہا

سن اے بدروح۔ اگر تو چاہتی ہے کہ میں تیری جان بخشی کر دوں تو یہاں سے سیدھی کپتان کے شاہی جادوگر سامری کے پاس جا اور اسے بتا دے کہ جس شخص کو مارنے کے لئے وہ خواب دیکھ رہا ہے وہ ایک طاقتور اور خفیہ طاقت رکھنے والا انسان ہے اور اسے وہ کبھی

شکست نہ دے سکیں گے۔

بدروح نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

میں ابھی جا کر انہیں یہ پیغام پہنچاتی ہوں۔

چڑیل جانے لگی تو عنبر نے کہا،

اورسن سامری سے جا کر یہ بھی کہنا کہ اس نے اور رومن کپتان نے بے گناہ ماریا کو آزاد نہ کیا تو وہ میرے انتقام کی آگ سے نہ بچ سکیں گے۔

جو حکم اے عظیم دیوتا۔

یہ کہہ کر بدروح نے ایک بھیانک چیخ ماری اور وہاں سے غائب ہوگئی۔ جب وہ چلی گئی تو ناگ نے کہا ہم سے غلطی ہوگئی ہم کم ازکم اس سے یہ ہی پوچھ لیتے کہ انہوں نے ماریا کو کہاں رکھا ہوا ہے۔ عنبر نے کہا۔

پوچھ لیتے تو اچھا تھا مگر خیر کوئی بات نہیں ماریا کا سراغ خود لگا لیں گے۔اب یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

دونوں دوست کھنڈر سے نکل کر واپس ماریا کے ویران گھر میں آ گئے۔شام گہری ہو چکی تھی۔رات کو انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور بستروں پر لیٹ کر غور کرنے لگے کہ آئندہ انہوں نے کونسا قدم اٹھانا ہے؟ ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں اس ٹھکانے کو بدل دینا چاہیے۔کہ رومی کپتان کے سپاہی ہماری تلاش میں یہاں ضرور آئیں گے۔

خداوند کی قسم اگر وہ یہاں آئے تو میں انہیں زندہ واپس نہیں جانے دوں گا۔یا وہ ماریا میرے حوالے کریں گے اور یا میں انہیں زندہ زمین کے اندر دفن کر دوں گا۔

عنبر تم جذباتی ہو رہے ہو میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے

واپس اپنی حویلی چلے جانا چاہئے۔

آخر تمہیں یہاں خطرہ کیوں محسوس ہو رہا ہے؟ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں دوست تمہیں کسی قسم کوڈر محسوس نہیں کرنا چاہئے۔ میں ڈر نہیں رہا بلکہ میرا خیال ہے کہ حویلی میں جا کر ہم زیادہ آسانی اور سکون نے ماریا کے بارے میں غور کر سکیں گے۔ کیونکہ اگر ہم نے ان ہی دو تین دنوں کے اندر اندر ماریا کو حاصل نہ کیا تو کپتان کے سپاہی اسے اس ملک سے بہت دور لے جائیں گے۔

عنبر بولا۔

میں تمہارے اس خیال کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہمیں ماریا کی تلاش کی مہم تیز کر دینی چاہئے۔ لیکن اس خیال سے مجھے اتفاق نہیں کہ ہمیں یہ جگہ چھوڑ کر حویلی چلے جانا چاہئے۔ میں اسی مکان میں رہوں گا۔

دن حویلی میں بیماروں کا علاج کرتے گزاروں گا اور رات یہاں اسی

مکان میں بسر کریں گے۔

ناگ نے کہا۔

اگر تمہارا یہی اصرار ہے تو میں تمہاری ہاں میں ہاں ملاتا ہوں۔

ٹھیک ہے ہم اسی مکان میں رہیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ ماریا کی تلاش کا سلسلہ کہاں سے شروع کیا جائے؟

سب سے پہلے کسی ایسے شخص یا شاہی محل کی کنیز کی خدمات حاصل کی جائیں جو محل کے اندر کے راز جانتی ہو اور جو ہمیں ماریا کے بارے میں یہ بتا سکے کہ وہ کہاں ہے اس کے بعد ہم ماریا کو حاصل کرنے کے منصوبے پر کام شروع کر سکتے ہیں

ناگ کہنے لگا۔

یہ تو بڑا لمبا کام ہے میرا خیال ہے اگر ہم نے تلاش کا کام اسی انداز میں شروع کیا تو ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے اور ماریا کو دشمن کسی

دوسرے ملک میں پہنچا چکا ہو گا۔

کافی سوچ و بچار کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ عنبر اپنی حویلی میں رہ کر شاہی محل کے بیماروں پر کڑی نظر رکھے گا اور ناگ کوئی بھیس بدل کر کسی طرح رومن کپتان تک پہنچے گا۔اس کا اعتماد حاصل کرے کہ ماریا کہاں چھپائی گئی ہے۔سوال یہ تھا کہ ناگ کس بھیس میں رومی کپتان کے پاس جائے وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

آخر ناگ نے کہا۔

دوست!میں صبح رومن کپتان کے محل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

اور جب واپس آؤں گا تو ماریا کی پوری خبر لے کر آؤں گا۔

مگر تم کب آؤ گے؟

بہت جلد........تم فکر نہ کرنا۔

ناگ کی عیاری

ناگ شاہی محل کے سامنے ایک جگہ پتھروں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ جائزہ لیتا رہا کہ رومن کپتان کے گھر سے کون شخص باہر نکلتا ہے۔اس نے ایک بوڑھے غلام کو دیکھا جو کھڑکی میں رومن کپتان کے ساتھ گھل مل کر باتیں کر رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ یہ بوڑھا غلام کپتان کا خاص آدمی ہے۔ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ اس بوڑھے غلام کے روپ میں کپتان کے پاس جائے گا اس کے لئے ضروری تھا کہ بوڑھے غلام کو پکڑ کر کسی جگہ چند دنوں کے لئے بند کر دیا جائے۔ناگ موقع کی تاک میں رہا شام کے وقت بوڑھا غلام باہر نکل کر خچر پر سوار ہوا اور ایک طرف چل پڑا ناگ نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اس نے

راستے سے پہاڑی سے اتر کر بوڑھے غلام کو جالیا۔ وہ اس کے راستے میں کھڑا ہو گیا بوڑھے نے قریب پہنچ کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور یوں راستے میں کیوں کھڑا ہے ناگ نے غم زدہ صورت بنا کر کہا کہ اسکی بوڑھی ماں مرگئی ہے اور کوئی آدمی ایسا نہیں مل رہا جو اس کے ساتھ مل کر ماں کے لئے قبر کھود سکے۔ بوڑھے غلام نے کہا۔

بیٹا! میں تمہادی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ ناگ بوڑھے غلام کو لے کر ماریا والے پرانے مکان میں لے آیا اس نے بوڑھے کو باہر کھڑا کیا اور کہا کہ میں ابھی آ رہا ہوں اندر چلا گیا۔ اندر جا کر اس نے سانپ کا روپ بدلا اور پچھلی دیوار پر سے ہو کر بوڑھے کے عقب میں آ گیا۔ بوڑھا خچر پر بڑے آرام سے بیٹھا تھا۔ سانپ نے بوڑھے کے پیچھے آ کر پھن پھیلا لیا۔ بوڑھے کو اس کی کچھ خبر نہ تھی۔ سانپ نے پلک جھپکنے میں لپک کر بوڑھے کی پنڈلی پر

ڈسا۔اور جھاڑیوں پر سے ہوکر پچھلی دیوار سے ہوتا ہوا مکان کے عقبی صحن میں آگیا۔اور پھر انسانی شکل اختیار کر لی۔اس عرصے میں بوڑھا سانپ کے زہر سے بے ہوش ہو چکا تھا ناگ نے صرف اتنا ہی زہر بوڑھے کے جسم میں داخل کیا تھا جس سے وہ کچھ عرصے کیلئے بے ہوش ہو جائے۔

ناگ نے بوڑھے کو خچر پر سے اٹھایا اور مکان کے اندر ایک کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دیا۔اس نے بوڑھے کے پاس خشک انجیروں کا ڈھیر اور پانی بھی رکھ دیا۔تا کہ اگر دوسرے روز اسے ہوش آئے تو وہ کھا پی سکے۔ناگ کو معلوم تھا کہ آٹھ پہر کے بعد زہر کا اثر ختم ہو جائے گا۔اور بوڑھا ہوش میں آجائے گا اب اس نے اپنا وہ کام شروع کر دیا جس کے لئے اس نے بوڑھے کو اغوا کیا تھا وہ بوڑھے کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔اس نے بوڑھے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور منہ ہی

منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر تک منتر پڑھنے کے بعد ناگ نے زور سے پھونک ماری۔ وہاں ایک دھواں سا اٹھا جب دھوئیں کا غبار دور ہوا تو وہاں دو ہم شکل بوڑھے موجود تھے۔ ایک بوڑھا بستر پر بے ہوش پڑا تھا۔ جبکہ دوسرا بوڑھا اس کے پاس اسکا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔ یہ ناگ تھا اب اس کے پاس وقت ضائع کرنے کے لئے نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ اس نے کوٹھڑی پر تالا ڈالا۔ خچر پر سوار ہوا اور رومی کپتان کے محل کی طرف چل دیا اس پر کسی کو بھی ذرا برابر شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بوڑھا غلام نہیں بلکہ عنبر کا دوست ناگ ہے۔

رومی کپتان کے محل کے باہر جا کر خچر اس نے باندھا اور محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ ڈیوڑھی میں کھڑے پہریدار نے مسکرا کر کہا۔

ایلام! کیا بیوی سے آج پھر لڑائی ہو گئی ہے جو گھر جا کر واپس آ گئے

ہو۔

ناگ سمجھ گیا کہ بوڑھے غلام کی بیوی سے اکثر لڑائی ہوتی رہتی ہے وہ اکثر لڑائی کے بعد رات گذارنے کیلئے واپس محل میں آتا ہوگا۔ اسنے ہنس کر کہا۔

تمہارا خیال ٹھیک ہے کیا کروں ایک لڑاکا عورت پلے پڑی ہے اس بڑھاپے میں اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا۔

ناگ آگے چل دیا اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ رات کہاں بسر کرے! یعنی یہ کہ بوڑھا غلام ایلام رات کہاں بسر کیا کرتا ہے! وہ صحن میں سے گزر رہا تھا کہ ایک کنیز نے آ کر کہا۔

ایلام! کیا کھانا تمہارے کمرے میں لے آؤں کیونکہ معلوم ہوتا آج تم پھر محل والے کمرے میں ہی سوؤ گے۔

ناگ نے کہا۔

یہ لو میری پگڑی تم اسے میرے کمرے میں چھوڑ آؤ میں ابھی آتا ہوں۔

کنیز پگڑی لے کر ایلام کے کمرے کی طرف چل دی، ناگ اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ایک کمرے کا دروازہ کھول کر کنیز اندر داخل ہوگئی۔ناگ سمجھ گیا کہ یہی اس کا کمرہ ہے۔کچھ دیر کے بعد وہ کمرے میں آ کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ رومی کپتان سے کس طرح بات کرے۔کمرے کا ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا اور ایک غلام نے آ کر کہا۔

معزز ایلام! آپ کو مالک یاد کر رہا ہے۔

اسے کیسے پتہ چل گیا کہ میں واپس آ گیا ہوں۔

کنیز نے انہیں بتایا تھا۔

ناگ بوڑھے غلام ایلام کے روپ میں غلام کے ساتھ ساتھ کپتان

کے کمرے کی طرف چل دیا ایلام اگر چہ ایک غلام تھا مگر روی کپتان کی خدمت کرتے کرتے وہ بوڑھا ہو گیا تھا اور کپتان نے اس کی دانائی کی وجہ سے اسے اپنے خاص مشیر کا درجہ دیا تھا ناگ نے کپتان کے عالی شان کمرے میں جا کر دیکھا کہ وہ ایک زرنگار سنہری کرسی پر بیٹھا انگوروں کا رس پی رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

آج پھر تم بیوی سے لڑ پڑے؟

ناگ نے سر کو جھٹک کر کہا۔

سرکار !وہ مجھ سے لڑتی رہتی ہے میں تو اس سے تنگ آ گیا ہوں۔

کپتان نے انگور کا رس غلام کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

میری بات غور سے سنو۔ اچھا ہوا کہ تم خود آ گئے وگرنہ تمہیں گھر سے بلوانا پڑتا ....میں نے سوچا ہے کہ ماریا کا اس شہر میں رہنا

مناسب نہیں ہے۔ میں آج راتوں رات اسے یہاں سے نکال کر سدوم شہر میں اپنے دوست کوتوال شہر کے پاس بھجوا دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہاں سے ہی اسے بردہ فروشوں کے حوالے کر دیا جائے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟

ناگ نے کہا۔ بڑا مناسب خیال ہے آپ کا۔

رومی کپتان بولا۔

اس سلسلے میں تمہیں ماریا کے ساتھ جا کر خود اسے کوتوال کے حوالے کرنا ہوگا۔

میں تیار ہوں۔

تم اپنے ساتھ سپاہیوں کو بھی حفاظت کے لئے لے جاؤ گے۔ میں نے چار جانباز سپاہی تیار کر لئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی رات کے اندھیرے میں ماریا کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔

جو حکم سرکار۔

رومی کپتان ناگ کو لے کر شاہی محل کے پچھواڑے ایک پرانی حویلی میں آ گیا۔ یہاں باہر چار سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ حویلی کے اندر جا کر کپتان نے ماریا کو باہر نکالا اور اسے گھوڑے پر زبردستی سوار کرا کر بولا۔

یاد رکھو اگر اس عورت نے راستے میں ذرا آواز بلند کرنے کی کوشش کی تو اسے فوراً قتل کر دینا۔ یہ تم لوگوں کو میرا حکم ہے۔

بہت بہتر حضور۔

ماریا ناگ کو نہ پہچان سکی کیونکہ وہ بوڑھے ایلام کی شکل میں تھا۔

ناگ نے دیکھا کہ ماریا کا رنگ زرد ہو چکا تھا اور وہ پہلے سے کمزور ہو گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں چاروں سپاہی ماریا کو لے کر شہر سے نکل گئے۔ اب انہوں نے راتوں رات سدوم شہر کی طرف سفر

شروع کر دیا۔ دو سپاہی ماریا کے آگے تھے دو سپاہی اس کے پیچھے تھے۔ ناگ ماریا کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا راستے میں اس نے ماریا پر یہ ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا کہ بوڑھا غلام ایلام نہیں بلکہ اس بھائی ناگ ہے۔

رات بھر وہ سفر کرتے رہے دن کو روشنی نمودار ہوئی تو سامنے ذرا فاصلے پر دریائے اردن نظر آرہا تھا یہ چھوٹا سا قافلہ اب دریا کے کنارے کنارے سفر کرنے لگا تھا دوپہر کے وقت دھوپ بہت تیز ہوگئی۔ اور صحرا کے تپتی ہوئی ریت پر چلنا مشکل ہوگیا۔ انہوں نے دریا کے کنارے ایک ایک سایہ دار جگہ پر پڑاؤ ڈال لیا۔ سپاہی گھوڑے سے اتر کر آرام کرنے لگے گھوڑوں کو پانی وغیرہ پلایا گیا۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

بیٹی تم بھی ذرا دریا پر جا کر منہ ہاتھ دھولو۔

ماریا نے نفرت سے کہا۔
خبردار جو مجھے بیٹی کہہ کر پکارا.......... مجھے تم لوگوں سے نفرت ہے۔
ناگ نے ادھر ادھر دیکھا۔ سپاہی کچھ فاصلے پر گپیں لگا رہے تھے ناگ نے موقع غنیمت جان کر کہا۔
ماریا بہن! تم مجھے اس شکل میں پہچان نہیں سکتیں۔ لیکن یقین کرو میں تمہارا بھائی ناگ ہوں اور بوڑھے غلام کی شکل اختیار کر کے تمہاری مدد کیلئے آیا ہوں۔ عنبر گھر پر ہمارا انتظار کر رہا ہے۔
یہ بات سن کر ماریا یوں چونکی جیسے کسی نے اس کو ایک دم جھنجھوڑ دیا کر رکھ دیا ہو۔ پہلے تو اسے یقین ہی نہ آیا لیکن جب ناگ نے عنبر کا نام لیا اور ماریا کے باپ کے بارے میں بتایا اور گھر کا سارا حلیہ بتایا اور تو ماریا دنگ رہ گئی۔
اس نے سرگوشی میں کہا۔

ناگ بھائی !تم نے بوڑھے ایلام کی شکل کیسے اختیار کر لی؟

ناگ نے کہا۔

ماریا بہن !یہ ایک راز ہے جو میں تجھ کو بعد میں بتاؤں گا۔اس وقت تم میری بات غور سے سنو۔میں نے تمہیں آج ہی یہاں سے واپس گھر لے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔مگر یہ کام اس وقت کروں گا جب یہ سپاہی دوپہر کی دھوپ میں آرام کرتے ہوئے سو جائیں گے۔تم تیار رہنا۔

میں تو ہر وقت تیار ہوں ۔کاش یہ لوگ میرے بابا کو قتل نہ کرتے۔ناگ بھائی !کیا تم نے میرے بابا کی لاش کو دفن کر دیا تھا؟

ناگ نے ماریا کا دل رکھنے کیلئے کہا۔

ہاں بہن!ہم نے تمہارے بابا کو بڑے احترام کے ساتھ قبرستان میں دفن کر دیا تھا۔مگر تم فکر نہ کرو رومی کپتان تمہارے بابا کا قاتل ہے اس

سے ہم بابا کی موت کا بدلہ ضرور لیں گے۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ ایک سپاہی قریب آ گیا۔

کیا باتیں ہو رہی ہیں ایلام؟

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

سرکار بڑی مشکل سے اس کمینی عورت کو ہاتھ منہ دھونے کیلئے راضی کیا ہے۔

ہاں ہاں اس کہو کہ ہمارا حکم نہ مانا تو ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ جاؤ دریا پر جا کر اس کا منہ دھلاؤ ہم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کریں گے۔اور شام کو سفر پر روانہ ہوں گے۔

سپاہیوں نے دریا کنارے بیٹھ کر کھانا کھایا اور پھر سائے میں لیٹ کر آرام کرنے لگے۔ناگ نے ماریا کو منہ ہاتھ دھلایا اور سرگوشی میں کہا۔

ٹھیک جس وقت یہ لوگ سو جائیں گے ہم یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد سپاہی ٹھنڈے سائے میں گہری نیند سو گئے یہی وہ موقعہ تھا جس کا انتظار ناگ کر رہا تھا اس نے ماریا سے کہا۔

تم گھوڑے کی اوٹ میں ہو کر چھپ جاؤ میں ابھی ان سپاہیوں کو بے ہوش کر کے آتا ہوں پھر ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ بے ہوش میں انہیں اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہمارا پیچھا نہ کر سکیں۔

ماریا نے پوچھا۔

کیا تم دوائی سے بے ہوش کرو گے؟

ہاں میرے پاس بے ہوش کرنے والی تیز دوائی موجود ہے۔

تم چھپ کر بیٹھ جاؤ۔

ماریا گھوڑے کے پیچھے چھپ کر لیٹ گئی۔ ناگ جھاڑیوں اور درختوں

کے عقب میں گیا یہاں اس نے بوڑھے ایلام سے اپنی شکل سانپ کے روپ میں بدلی اور رینگتا ہوا سپاہیوں کے پاس آ گیا۔ سپاہی بے فکر ہو کر سو رہے تھے۔ ایک تو وہ صحرا میں تھے۔ دوسرا انہیں معلوم تھا کہ بوڑھا ایلام ماریا کی پہرہ داری کر رہا ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو وہ فوراً انہیں جگا دے گا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ خود بوڑھا غلام سانپ کی شکل میں ان کے سر پر آن کھڑا ہوا ہے۔ سانپ نے ایک ایک کر کے سارے سپاہیوں کو ڈس دیا۔ زہر کی مقدار ان کے خون میں صرف اتنی داخل کی کہ وہ سارا دن بے ہوش رہیں۔ اس کے بعد ناگ نے جھاڑیوں میں جا کر دوبارا بوڑھے کی بجائے اپنی شکل اختیار کی اور ماریا کے پاس آ گیا۔ ماریا اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

ناگ بھائی! یہ تم ہو؟ وہ بوڑھا ایلام کہاں ہے؟

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

ماریا بہن !اب مجھے بوڑھے ایلام کی شکل میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے اب میں اپنی اصلی شکل میں تمہیں اپنے ساتھ دشمنوں کے چنگل سے چھڑا کر واپس گھر لے جا رہا ہوں ۔آؤ جلدی کرو ۔ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے وقت بڑا قیمتی ہے ہم رات تک جتنی دور بھی نکل جائیں بہتر ہوگا۔

ناگ نے ماریا کو ساتھ لیا اور گھوڑوں کو دوڑاتے واپس شہر کی طرف روانہ ہوگئے ۔اگر چہ دھوپ بہت تیز تھی اور صحرا کی ریت تپ رہی تھی ۔وہ سفر کرتے چلے گئے کیونکہ وہ جلد سے جلد دشمنوں سے دور ہو جانا چاہتے تھے جب شام ہوگئی تو وہ صحرا سے نکل کر ایک ایسے علاقے میں داخل ہو گئے ۔جہاں جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں ۔انہوں نے بغیر رکے اپنا سفر جاری رکھا۔

رات گہری ہو چکی تھی وہ چلتے گئے رات کا پچھلا پہر تھا کہ گلیلی شہر کے

دور سے درو دیوار دکھائی دینے لگے۔ستاروں کی روشنی میں شہر کی فصیل دور ہی سے نظر آرہی تھی۔ناگ نے ماریا سے کہا۔

ماریا! ہم اپنے شہر میں پہنچ گئے ہیں۔

خداوند کا شکر ہے لیکن اگر ہم اپنے گھر گئے تو وہاں سے دشمن ہمیں پھر گرفتار کرلے گا۔

فکر نہ کرو میں تمہیں اس گھر میں نہیں لے جاؤں گا ہم عنبر کے پاس اپنی نئی حویلی میں چلیں گے۔اس کا پتہ دشمن کے سپاہیوں کو نہیں ہے۔

مگر وہاں میں کتنی دیر چھپی رہوں گی بھائی؟

یہ بعد میں سوچیں گے ابھی تو سر چھپانے کو جگہ چاہئے۔

رات کے پچھلے پہر کے اندھیرے میں ناگ ماریا کو ساتھ لے کر شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں سے ہوتا ہوا عنبر کی حویلی کے دروازے پر پہنچ گیا حویلی کا دروازہ بند تھا ناگ نے آہستہ سے اپنے خاص انداز سے

دستک دی تھوڑی دیر بعد عنبر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ناگ اور ماریا جلدی سے اندر داخل ہو گئے۔ عنبر نے دروازہ بند کر لیا۔

یہ تم نے بہت بہادری کا کام کیا ناگ کہ ماریا کو دشمنوں کے چنگل سے چھڑا کر لے آئے۔

ماریا نے عنبر سے مل کر اپنے باپ کے بارے میں افسوس کیا اور پھر انہوں نے ماریا کو حویلی کے سب سے پچھلے کمرے میں بھیج دیا۔ تا کہ وہاں جا کر وہ باقی رات آرام سے بسر کر سکے۔

خونی پہاڑی

ماریا کے فرار کی خبر سن کر رومی کپتان آگ بگولہ ہو گیا۔

اس نے چاروں سپاہیوں کو غصے سے قتل کروادیا۔ اور خفیہ طور پر ماریا کی تلاش کیلئے اپنے جاسوسوں کا جال پھیلا دیا۔ ناگ نے دوسرے روز آدھی رات کو بے ہوش بوڑھے غلام کو شاہی محل کی دیوار کے پاس پھینک دیا۔ اس نے ہوش میں آ کر ساری روئیداد رومی کپتان کو سنائی۔ کپتان نے فوراً ماریا کے مکان پر چھاپا مارا مگر وہاں سوائے اڑتی ہوئی خاک کے اور کچھ نہیں تھا کپتان غصے میں پیچ وتاب کھاتا رہ گیا۔

اب وہاں ایک اور انقلاب آ گیا۔

بدروحوں کا مسکن

یسوع مسیح کی نیکی اور سچائی کی تبلیغ کے خلاف بادشاہ کے خاص مذہبی یہودی پادری اٹھ کھڑے ہوئے ۔کیونکہ مقدس نبی ان جھوٹے راہب یہودیوں کی برائیوں کے خلاف وعظ کرتا تھا جس سے یہودی راہبوں کا جھوٹا وقار سخت خطرے میں پڑ گیا تھا۔لوگ ان برائیوں سے باخبر ہورہے تھے۔راہبوں نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیے اور اسے یہ یقین دلایا کہ یسوع مسیح بادشاہ کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر ابھار رہا ہے جو کہ ایک بالکل بے بنیاد الزام تھا۔مگر بادشاہ ڈر گیا کہ کہیں لوگ بغاوت کر کے اسے قتل نہ کر دیں۔کیونکہ اس نے بھی لوگوں پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے تھے۔

بادشاہ نے درباریوں کی ایک چھوٹی سے مجلس بلائی جس میں مل کر یہ فیصلہ کیا کہ مقدس نبی کو بغاوت کے الزام میں صلیب پر چڑھا کر شہید کر دیا جائے۔بادشاہ نے حضرت یسوع کی تلاش میں سپاہی روانہ کر

دیئے۔ سپاہیوں نے آدھی رات کے وقت حضرت عیسی علیہ السلام کو پہاڑی کے ایک باغ میں سے گرفتار کرلیا۔ دوسرے روز انہیں صلیب پر چڑھایا جانا تھا۔ ان کے لئے ایک خاص صلیب تیار کروائی گئی۔ شہر میں حضرت عیسی علیہ السلام کو ماننے والوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ وہ بھی بیچارے بادشاہ کے ظلم وستم سے بچتے پھر رہے تھے۔ کیونکہ بادشاہ ان کے حکم سے عیسائی مذہب قبول کرنے والوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا۔

دوسرے روز اللہ کے پیارے نبی علیہ السلام کو ایک خونی پہاڑی پر لے جا کر صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ خدا کا منشا یہی تھا کہ حضرت عیسی علیہ السلام سچائی کے راستے میں اپنی جان کی قربانی دیں وگرنہ وہ اپنی جان بچانے کیلئے سب کچھ کر سکتے تھے لیکن خدا کے سچے نبی نے خدا کی رضامندی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور ہنستے مسکراتے موت کو اپنے

سینے سے لگالیا۔

عنبر اور ناگ کو اس وقت خبر ہوئی جب خدا کا مقدس نبی شہید ہو چکا تھا اور خدا نے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ماریا بھی ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ اس شہر کے بادشاہ نے بہت بڑا ظلم کیا تھا۔ قدرت اس سے ایک گھناؤنا انتقام لینے والی تھی۔ ایک عظیم ہستی کی شہادت کے بعد شہر پر اداسی اور ویرانی سی چھا گئی تھی۔ آسمان پر اس قدر گہرا سناٹا تھا کہ آج سے پہلے کسی نے اتنا ہیبت ناک سناٹا کبھی نہ محسوس کیا تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر پر کوئی عذاب نازل ہونے والا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے کوچ کر دیا جائے۔ یہاں ایک ظالم بادشاہ حکمران ہے جس نے ایک گھناؤنا جرم کیا ہے اور قدرت اسکا انتقام ضرور لے گی۔

ناگ نے کہا۔

لیکن ہم یہاں سے نکل کر کس طرف کو جائیں گے؟ سدوم شہر کے دروازے بھی ہم پر بند ہو گئے ہیں۔

عنبر نے کہا۔

میرا ارادہ وادی سندھ کی طرف جانے کا ہے اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو بہت اچھا ساتھ رہے گا۔

مگر ماریا کا کیا بنے گا؟ اسے ہم کسی کے حوالے چھوڑ کر جائیں گے؟

عنبر نے کہا۔

ہم ماریا بہن کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ کیوں ماریا بہن۔ تم ہمارے ساتھ چلو گی نا۔

ماریا نے اداس لہجے میں کہا۔

بھائی عنبر۔ خداوند کے بعد اس دنیا میں سوائے آپ لوگوں کے میرا اور کون ہے؟ میں بڑی خوشی کے ساتھ اب ساری زندگی آپ لوگوں کی

خدمت میں بسر کردینا چاہتی ہوں۔

ادھر ملک سے نکل جانے کی منصوبے بن رہے تھے اور دوسری طرف رومی کپتان کے جاسوس شہر کے گلی کوچوں میں پھیل کر ماریا کو گھر گھر تلاش کر رہے تھے عنبر اور ناگ کا سارا دن حویلی کے باہر دکان پر بیماروں اور دکھی لوگوں کو علاج کرتے گزرتا۔عنبر بیمار لوگوں کا علاج کرتا اور ناگ ان لوگوں کی خبر گیری کرتا۔جنہیں سانپ نے ڈس لیا ہوتا۔اس کے پاس سانپ کا منکا بھی تھا اور جڑی بوٹیوں سے بنی ہوئی دوائی بھی تھی ماریا سارا دن اپنے کمرے میں گذار دیتی شام کو وہ دونوں بھائیوں کے لئے کھانا تیار کرتی اور صبح کو ناشتہ بناتی وہ انکی ہر طرح سے خدمت کرتی ۔کبھی کبھی اس کا دل گھبرا جاتا اور باہر نکل کر اپنے باپ کی قبر پر جانے کو اسکا دل مچلتا لیکن اسکا باہر نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا یہ سوچ کر وہ خاموش ہو جاتی ۔ایک دو بار اسنے عنبر اور

ناگ سے کہا بھی کہ وہ اسے باپ کی قبر پر لے جائیں۔ مگر انہوں نے ٹال دیا۔ اسلئے کہ ماریا کے باپ کی قبر کہیں بھی نہیں تھی۔

عنبر نے شمالی افریقہ کی ایک حبشن عورت ماریا کی خدمت گاری اور ہاتھ بٹانے کیلئے نوکر رکھ چھوڑی تھی۔ یہ حبشن عورت بڑی کم گو اور دیانت دار تھی مگر اسے اپنی غریبی کا بڑا احساس تھا۔ وہ اکثر ماریا سے کہا کرتی تھی کہ افریقہ میں وہ اپنا مکان بنا کر باقی زندگی سکون سے بسر کرنا چاہتی ہے۔

مگر میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں اپنے وطن جا کر مکان بنا سکوں۔ ایسے لگتا ہے کہ پردیس میں ہی مجھے موت آئے گی۔

اور میں پردیس میں مرنا نہیں چاہتی۔

حبشن عورت ایک ایک پائی کر کے پیسے جوڑ رہی تھی۔ اس خیال سے کہ جب پیسے ہو جائیں گے تو وہ اپنے وطن میں واپس چلی جائے

گی۔رومی کپتان کے جاسوس ہوتے ہوتے عنبر کی حویلی تک بھی پہنچ گئے۔ایک جاسوس غریب آدمی بن کرعنبر کی دکان پر آیااور ہاتھ پاؤں جوڑ کراس نے وہاں کھانے پینے اورروٹی کپڑے کےعوض ملازمت اختیارکرلی۔عنبراس کی باتوں میں آگیا۔اورترس کھاکراسےنوکررکھ لیا۔

جاسوس نے تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم کرلیا کہ عنبر کی حویلی کے اندر ایک لڑکی بھی رہتی ہے۔جس کوعنبراور ناگ بہن کہتے ہیں یہ خبراس نے رومی کپتان کو پہنچادی رومی کپتان نے کہا۔

یہ وہی بدمعاش ہیں۔ماریاضروران لوگوں کے پاس ہی ہوگی۔

جاسوس اس ٹوہ میں رہنے لگا کہ وہ ماریا سے ملاقات کرکے کسی طریقے سے اس کا نام وغیرہ معلوم کرسکے۔

اتفاق سے ایک روزعنبر کسی مریض کودیکھنے اسکے گھر گیاہواتھا۔ناگ

بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ جاسوس نے باتوں ہی باتوں میں ماریا سے اس کا سارا راز معلوم کرلیا۔ پھر اس نے حبشن عورت کو پھانس لیا جو کہ ماریا کی حفاظت کے لئے رکھی گئی تھی ۔اس نے حبشن کو راضی کرلیا تھا کہ اگر وہ کسی طرح ماریا کو اس کے گھر پہنچا دے تو وہ اسے اتنی دولت دے دے گا جس سے وہ افریقہ اپنے وطن چلی جائے گی اور وہاں اپنا مکان بھی بنوا سکے گی ۔حبشن جاسوس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئی۔اس نے جاسوس سے حامی بھر لی کہ وہ ماریا کو اس کے گھر پہنچا دے گی۔ چنانچہ ایک روز جب گھر پر کوئی نہیں تھا۔حبشن نے ماریا سے کہا کہ اس کا فرض ہے کہ کبھی اپنے باپ کی قبر پر جا کر دعا بھی مانگا کرے۔وہ کیسی بیٹی ہے کہ کبھی اپنے باپ کو یاد نہیں کرتی۔

ماریا نے کہا۔

اماں! میں نے تو کئی بار اپنے بھائیوں سے کہا ہے کہ مجھے باپ کی قبر پر

لے جاؤ مگر وہ میری سنتے ہی نہیں۔

حبشن بولی۔

نہ بیٹی! اس طرح تمہارے باپ کی قبر بھاری رہے گی۔تمہارا فرض ہے کہ اپنے باپ کی قبر پر جا کر اس کی روح کو ثواب پہنچاؤ۔

مگر اماں میں وہاں کیسے جاؤں؟

حبشن نے جھٹ کہا۔

تم میرے ساتھ چلی چلو..........ابھی چلو.......گھر میں کوئی نہیں ہے تمہارے بھائی باہر گئے ہیں۔ہم جلدی سے قبر پر سے ہو کر واپس آ جائیں گے۔

ماریا نے کہا۔

اگر بھائیوں کو پتہ چل گیا تو وہ بڑے ناراض ہوں گے۔

حبشن بولی! یہ بھی بھلا کوئی بات ہوئی انہیں کیسے پتہ چلے ان کے آنے

سے پہلے پہلے تو ہم واپس آ جائیں گے۔ میں تو کہتی ہوں بھی اٹھ کر میرے ساتھ چلو پھر ایسا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔

آخر حبشن نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے ماریا کو اپنے ساتھ چلنے پر راضی کر ہی لیا۔ بیوقوف ماریا نے ذرا بھی دور اندیشی سے کام نہیں لیا اور کپڑا اوڑھ کر حبشن کے ساتھ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔

حبشن اسے لے کر سیدھی جاسوس کے گھر آ گئی۔ یہاں کپتان کے سپاہی پہلے سے ہی موجود تھے انہوں نے فوراً ماریا کو قابو میں کر کے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جاسوس نے حبشن کو بہت سے روپے دے کر سپاہی کے ساتھ بندرگاہ کی طرف روانہ کر دیا۔ جہاں سے وہ جہاز میں بیٹھ کر اپنے وطن روانہ ہو سکتی تھی۔ ماریا اب لگی رونے پیٹنے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا یہ تو اسکو پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ کہ کسی غیر عورت یا کسی غیر مرد پر کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔

اب پچھتاوے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئی کھیت۔
عنبر اور ناگ واپس حویلی میں آئے تو انہوں نے نوکر کو آواز دی مگر وہاں نہ تو بوڑھا نوکر تھا اور نہ نوکرانی حبشن تھی اور نہ ہی ماریا۔
دونوں دوست سر پیٹ کر رہ گئے۔ ماریا کو ایک بار پھر دشمن نے اغوا کر لیا تھا انہوں نے دکان بند کی اور شہر کی گلیوں میں گھوم پھر کر ماریا کی تلاش شروع کر دی مگر ایسے میں ماریا بھلا ڈھونڈی جا سکتی تھی وہ تو اس وقت شہر کے باہر ایک ویران حویلی میں قید رو رہی تھی۔ اور کوٹھڑی کے باہر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔
اسی رات رومی کپتان کے چھ آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے اور ماریا کو لے کر سمندر کے کنارے آ گئے یہاں ایک بادبانی جہاز چلنے کے لئے بالکل تیار کھڑا تھا۔ جب سپاہی ماریا کو لے کر جہاز کے پاس آئے تو اوپر سے ایک بھاری بھر کم موٹے پیٹ والا یہودی نیچے

اترا۔سپاہی نے اس سے اشرفیوں کی تھیلی تھامی اور ماریا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔اس یہودی بردہ فروش نے ماریا کو سونے کی اشرفیوں خرید لیا تھا۔

یہودی بڈھا ماریا کو گھسیٹتا ہوا جہاز پر لے گیا۔

تھوڑی دیر بعد جہاز کے بادبان کھول دیئے گئے لنگر اٹھا دیا گیا اور جہاز نے کھلے سمندر کی طرف آہستہ آہستہ سفر شروع کر دیا ماریا کو بڈھے یہودی نے لکڑی کے کیبن میں بند کر کے تالا لگا دیا اور باہر قالین پر لیٹ گیا۔اور اس کے غلام اس کی خدمت کرنے لگے۔یہ جہاز جس پر بڈھا یہودی سوار تھا خلیج فارس کی ایک بندرگاہ سے ہو کر ملک سندر کی طرف جا رہا تھا..........بڈھا یہودی گرم شالوں قالینوں کی تجارت کرتا تھا وہ سندھ میں ایک بہت امیر کبیر آدمی سوداگر سے ملنے جا رہا تھا۔

دو دن دو راتیں بادبانی جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا اس عرصے میں ماریا کو اچھی سے اچھی خوراک کھانے کو دی گئی۔ ماریا نے زہر مار کر کے کھایا اور عنبر اور ناگ کو یاد کر کے خون کے آنسو بہاتی رہی بڈھا یہودی اسے ایک پل کے لئے بھی کیبن سے باہر نکلنے نہیں دیتا تھا۔ چھٹے روز بادبانی جہاز سندھ کے شہر کے ساتھ جا لگا۔ان دنوں سارے ہندوستان کو سندھ ہی کہا جاتا تھا۔کوئی ڈیڑھ ہزار سال بعد ایران والون نے سندھ کی ''س'' کو بدل کر ''ہ'' لگا دی اور سندھ کو ہند بن گیا۔

بڈھا یہودی ماریا کو لے کر ایک سرائے میں آ گیا اس نے اپنی کنیز سے کہا۔

اس لڑکی کو نہلا دھلا کر نئی قیمتی پوشاک پہناؤ۔

شام تک کنیز نے ماریا کو نئے کپڑے پہنا دیئے۔ بڈھا یہودی اسے

ساتھ لے کر رتھ پر سوار ہو کر اور سندھ میں امیر کبیر دوست کی حویلی میں پہنچ گیا یہ سیٹھ بہت بڑا سوداگر تھا اور بڈھے یہودی کو وہاں سے بہت بڑا منافع ملنے کی امید تھی۔ سیٹھ کی حویلی میں بہت سے غلام اور کنیزیں کام کرتی تھیں۔ حویلی ایک چھوٹا محل بنی ہوئی تھی۔ بڈھے یہودی نے سیٹھ کی خدمت میں حاضر ہو کر جھک کر سلام کیا اور کہا۔

امید ہے کہ سرکار کے مزاج اچھے ہوں گے۔

سیٹھ نے مسکرا کر کہا۔

ہابیل! تمہیں دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی ہے۔ یہ بتاؤ کہ کب ہمارے شہر آنا ہوا۔؟

یہودی نے بتایا کہ میں آج ہی آیا ہوں سیٹھ نے پوچھا۔

راستے میں کوئی طوفان تو نہیں آیا؟ سفر اچھا گذر گیا؟

آپ کی دعاؤں سے سفر بخیر و خوبی گذر گیا حضور۔

اس کے بعد بڈھے یہودی نے اشارہ کیا۔ کنیزیں ماریا کو لے کر سیٹھ کے سامنے حاضر ہوگئیں۔ سیٹھ نے ماریا کو دیکھ کر کہا۔

یہ لڑکی کون ہے ہابیل؟

حضور! یہ میں آپ کی خدمت کے لئے لایا ہوں۔ آپ کی کنیز بن کر یہ آپ کے محل میں رہے گی اور آپ کی خدمت کرے گی سیٹھ نے ماریا کو غور سے دیکھا اور کہا۔

لڑکی بہت خوبصورت ہے۔ ہم اس کو کنیز نہیں بلکہ اپنی ملکہ بنائیں گے اس سے شادی کریں گے۔

بڈھا یہودی اگلے دن واپس چلا گیا۔ سیٹھ نے اسے بہت بڑا انعام دیا۔ اسی روز سیٹھ نے ماریا کے ساتھ اپنی شادی کا اعلان کر دیا اور محل میں شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اس خاندان کی رسم تھی کہ تیاریاں ایک مہینے تک جاری رہتیں ایک مہینے کے بعد شادی ہو جاتی

تھی ۔ماریا سوچ میں پڑ گئی کہ وہ ایک مصیبت کے بعد دوسری مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہے وہ اسے بڈھے اور کالے کلوٹے سیٹھ سے ہرگز شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔شادی کے بعد وہ ملکہ بن کر ساری زندگی وہاں قید ہوکر رہ جاتی ۔وہ محل کے باہر قدم نہیں رکھ سکتی تھی۔پھر کوئی دوسرا اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکتا تھا ماریا کو اپنے بھائیوں کی یاد ستانے لگی اس نے خدا سے دعا کی کہ وہ اسے جلد اسکی بھائیوں سے ملا دے۔

شادی کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں۔دس روز گذر چکے تھے شادی میں بیس دن رہ گئے تھے۔ماریا نے سوچا کہ وہ کسی کو اپنا ہم راز بنائے کسی کیسامنے اپنا دکھ بیان کرے۔اسے وہاں کوئی بھی اپنا نظر نہیں آتا تھا۔وہاں سبھی اسے دشمن معلوم ہوتے تھے ایک کنیز ماریا کے ساتھ بڑی ہمدردی کے پیش آتی تھی۔

وہ بڑی دردمند اور ہمدرد دل رکھنے والی کنیز تھی۔ ماریا نے سوچا کہ اس کنیز کے ساتھ بات کرنی چاہئے۔ایک دن ماریا نے باتوں ہی باتوں میں اپنی بدنصیب زندگی کا ذکر چھیڑ دیا۔ ماریا کی داستان غم سن کر ماریا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

بے چاری کنیز کی اپنی زندگی بھی دکھوں سے بھری ہوئی تھی۔

اسے بھی ایک عرصہ ہو گیا ماریا کی طرح اغوا کر کے سیٹھ کے محل میں داخل کر دیا گیا تھا۔ اس نے ماریا سے کہا کہ۔

پیاری بہن !میں تو اب بوڑھی ہونے لگی ہوں میری زندگی جیسی بھی تھی یہاں گذر گئی جو تھوڑی بہت باقی رہ گئی ہے وہ بھی گذر جائے گی مگر میں تمہاری زندگی برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔

ماریا نے کہا۔

تو بہن پھر خدا کے لئے میری مدد کرو میں تمہارا احسان کبھی نہ بھولوں

گی۔

کنیز نے کہا۔

یہی میں سوچ رہی ہوں کہ تمہاری مدد کس طرح سے کی جائے۔

ماریا کہنے لگی۔

شادی میں تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں۔ میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی مجھی کسی طرح اس ظالم سیٹھ کی پنجے سے بچالو............۔

کنیز نے گہری سوچ میں گم ہوگئی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر ماریا سے کہا۔

پیاری بہن! میں اس وقت یہ کر سکتی ہوں کہ تمہیں یہاں سے نکال کر دریائے سندھ کے کنارے ایک گاؤں میں اپنی ایک سہیلی کے پاس پہنچادوں۔ اس کے بعد سوچا جائے گا کہ آگے کون سا قدم اٹھائیں۔

مجھے منظور ہے بہن۔

بہت اچھا........ یہ بات کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

کبھی نہیں۔

کنیز اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور ماریا ایک بار پھر آزادی کے خواب دیکھنے لگی۔اسے کنیز کی باتوں سے خلوص کی مہک آرہی تھی۔

عذاب الٰہی

آخر شہر پر عذاب الٰہی کے بادل چھانے لگے۔

جس شہر نے خدا کے بزرگ کو شہید کر دیا تھا وہ قدرت کے انتقام سے کیسے بچ سکتا تھا۔ عنبر اور ناگ نے اس شہر کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ مگر انہیں ماریا کا کہیں نام ونشان نہیں ملا تھا۔ عنبر نے کہا۔

میں ایک آخری ملاقات رومی کپتان سے کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اس نے بھی ماریا کو پتہ نہ بتایا تو تو پھر اس شہر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر ملک سندھ کی طرف کوچ کر جائیں گے۔

عنبر ناگ کو لے کر رومی کپتان کے پاس قلعے میں آ گیا۔ وہ اس وقت

اپنے سپاہیوں کے پاس بیٹھا کسی بات پر غور کر رہا تھا اس نے عنبر اور ناگ کو آتے دیکھا تو نفرت سے بولا۔

کمینے آدمیو! تم میرے قلعے میں کیا لینے آئے ہو؟

عنبر اور ناگ اس طرز گفتگو سے پریشان سے ہو گئے۔ ناگ کو سخت غصہ آیا۔ مگر عنبر نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے پرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور رومی کپتان سے بولا۔

ہم آخری بار آپ سے اپنی گم شدہ بہن کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں۔ آپ نے جو بدلہ لینا تھا وہ لے چکے۔ اب ہمیں برائے مہربانی اتنا بتا دیں کہ ماریا کس ملک کی طرف گئی ہے وہاں جا کر ہم خود در بدر کی ٹھوکریں کھائیں گے اور اپنی بہن کو ڈھونڈ لیں گے۔

رومی کپتان آگ بگولہ ہو گیا۔

"ذلیل لوگو! تم مجھ پر ایک عورت کے اغوا کا الزام لگاتے ہو۔ اچھا اگر

یہ بات ہے تو میں نے اسے اغوا کیا ہے اور قتل کر دیا ہے۔ تم کو جو کرنا ہے تم ساری زندگی بھی خاک چھانتے پھرو تو ماریا کی ایک ہڈی تک نہ تلاش کر سکو گے۔

عنبر اور ناگ سمجھ گئے کہ اس نے ہماری بہن کو ہلاک کر دیا ہے وہ خاموشی سے واپس آ گئے سارا دن وہ سوچتے رہے کہ رومی کپتان سے کیسے اپنی بہن کی موت کا بدلہ لیا جا سکے۔ عنبر دوسرے روز وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ناگ نے کہا۔

جب تک میں اس ظالم کپتان سے اپنی بہن کا بدلہ نہ لوں گا واپس نہیں جاؤں گا۔

چنانچہ آدھی رات کو عنبر اور ناگ اپنی حویلی کو الوداع کہہ کر شہر کے باہر آ گئے۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔ وہ اسی جگہ ٹھہر کر اس کا انتظار کرے۔

تم کہاں جا رہے ہو۔

کپتان سے اپنی بہن کا بدلہ لینے۔

عنبر اسے دیکھتا ہی رہ گیا اور ناگ رات کے اندھیرے میں گھوڑا دوڑاتا ہوا گم ہو گیا۔وہ سیدھا رومی کپتان کے قلعے کے باہر آ گیا۔رات اس قدر اندھیری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دیتا تھا آسمان پر ستارے بھی بہت کم چمک رہے تھے۔اس بات کو عنبر ناگ بہت دنوں سے محسوس کرر ہے تھے کہ شہر میں اندھیرا بہت زیادہ ہونے لگا ہے دن کو بھی سورج کے آگے بادل کے ٹکڑوں سے ایک غلاف سا بنا رہتا۔جسکی وجہ سے دن کو پوری روشنی نہیں ہوتی اور رات کو ستارے بہت کم چمکتے ہیں۔

آج بھی اسی قسم کی رات تھی ستارے بھی بہت ہی کم نکلے ہوئے تھے۔قلعے کی فصیل سیاہ سائے کی طرح سامنے کھڑی تھی۔مگر اس اندھیرے میں ناگ کو ہر شے صاف صاف دکھائی دے رہی تھی اس

لئے کہ اس کی آنکھ سانپ کی آنکھ تھی اور سانپ اندھیرے میں بھی دیکھ لیتا ہے۔ناگ نے گھوڑے کو ایک جگہ چھوڑ دیا اور خود قلعے کی فصیل کے ساتھ ساتھ ہو کر دروازے کی طرف چل پڑا۔ کیونکہ کپتان کا گھر بھی اسی طرف تھا۔دروازے پر دونوں جانب مشعلیں روشن تھیں اور پہریدار چاق و چوبند کھڑے پہرا دے رہے تھے۔ناگ دروازے کی قریب جا کر ایک طرف ہٹ کر سائے میں کھڑا ہوگیا۔جب اسے اطمینان ہوگیا کہ اسے یہاں کوئی نہیں دیکھ رہا تو اس نے پلک جھپکنے میں کالے سیاہ سانپ کی شکل اختیار کر لی۔اور دیوار کے اوپر سے ہو کر دروازے کی طرف رینگنے لگا۔اب وہ دروازے کے نیچے سے ہو کر اندر جانے کی بجائے دروازے کے اوپر سے ہو کر قلعے کے اندر داخل ہو رہا تھا سپاہیوں نے اسے بالکل نہیں دیکھا تھا۔پہریداروں کی بھی اس پر نظر نہیں پڑ سکتی تھی کیونکہ وہ تو ان

کے سروں کے اوپر سے ہو کر جا رہا تھا۔

سانپ قلعے میں داخل ہو کر سیدھا کپتان کے کمرے کی طرف نکل گیا۔

رومی کپتان کی بارہ دری کے آگے بھی ننگی تلواروں والے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ مگر ناگ کو ان سے کیا لینا دینا بھلا وہ اپنی ہی دھن میں مگن رومی کپتان کے کمرے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر کار وہ اس کے کمرے کے باہر پہنچ گیا جس کے اندر کپتان سو رہا تھا۔ اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی ناگ چپکے سے ایک دوازے سے نکل کر کپتان کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کپتان پلنگ پر بے سدھ ہو کر سو رہا ہے۔ سانپ اسے بے خیالی میں نہیں مارنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دشمن کو پہلے معلوم ہو کہ اسے سامنے کون کھڑا ہے اور اس نے کس شخص کو للکارا ہے چنانچہ ناگ نے

جان بوجھ کر ستون کے ساتھ کھڑے ہوئے تانبے کے ایک بت کو دھکا مار کر گرادیا۔ بت کے گرنے سے شور پیدا ہوا۔ کپتان کی آنکھ کھل گئی اس نے زور سے آواز دی۔

کون ہے الو کا پٹھا؟

ناگ اچانک پھن پھیلا کر سامنے آن کھڑا ہوا۔ پہلے تو رومی کپتان ڈر گیا پھر اس نے جلدی سے تلوار اٹھائی اور سانپ پر وار کر دیا۔ ناگ اپنا آپ بچا کر پردے کے پیچھے ہو گیا۔ پردے میں آتے ہی سانپ آگے نکل گیا اور اس نے ایک زور دار پھنکار ماری اور ایک بہت بڑے ہاتھی کی شکل میں کپتان کے سامنے آ گیا۔ کپتان تو کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ وہ کبھی وہم میں بھی یہ بات نہ لا سکتا تھا کہ اس کے سونے کے کمرے میں ہاتھی بھی آ سکتا ہے اور پھر یہ ہاتھی پہلے ایک سانپ تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ہاتھی بنا تھا۔

ہاتھی زور سے چنگھاڑا اور اس نے اپنی سونڈ میں کپتان کا پلنگ اٹھا کر
زمین پر دے مارا۔ پلنگ کے کئی ٹکڑے ہو گئے ۔ پھر ہاتھی نے سونڈ
اوپر اٹھا کر زور سے پھنکار ماری اور ایک خونخوار شیر بن گیا۔ کپتان
آنکھیں ملنے لگا۔ اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کہ یہ معاملہ کیا ہے اور
کیا ہونے والا ہے ابھی اس نے ایک سیاہ ناگ کو دیکھا تھا جو اپنا پھن
پھیلائے جھوم رہا تھا۔ وہ پردے میں بھاگ گیا اور پھر وہاں سے ایک
ہاتھی باہر نکل آیا۔ ابھی وہ ہاتھی کو دیکھ رہا تھا کہ وہ ایک خونخوار شیر بن
گیا۔ اور اب ایک شیر اس کے سامنے کھڑا اسے وحشی آنکھوں سے
دیکھتے ہوئے غرا رہا تھا۔ کپتان نے تلوار ہاتھ میں لے کر شیر پر حملہ کر
نا چاہا مگر شیر کی آنکھوں میں جانے کون سا جادو تھا کہ اس کے ہاتھ
لرزنے لگے اور تلوار گر کر دور جا پڑی۔

شیر نے کپتان کے ٹوٹے ہوئے پلنگ کے گرد چکر لگانے شروع

کردیئے۔ پھر وہ ایک جگہ ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے ستون سے لگ کر ایک زوردار پھنکار ماری اب وہ اسکے سامنے ایک انسانی روپ میں کھڑا تھا۔ کپتان نے تلوار اٹھالی۔

ناگ نے کہا۔

اگر تم نے مجھ نہتے پر حملہ کیا تو تلوار میرے جسم تک پہنچنے سے پہلے پہلے تمہاری گردن اپنے آپ کٹ کر زمین پر گری ہوگی۔

کپتان وہیں رک گیا کیونکہ اس نے اس سے پہلے بہت کچھ ہوتا دیکھ لیا تھا ناگ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا اور پھر ایک لمبا زرد رنگ کا سانپ کپتان کی طرف اچھال دیا۔ زرد سانپ نے لپک کر کپتان کی گردن کے اردگرد پھندا سا ڈال کر کسنا شروع کردیا۔ کپتان زمین پر پڑا دونوں ہاتھوں سے زرد سانپ کی گرفت ڈھیلا کرنے لگا۔ مگر وہ گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ کپتان کی انگلیاں درد کرنے

لگیں۔ ناگ نے کہا۔

سن! اے پتھر دل کپتان جس پیلے سانپ کو میں نے تمہاری گردن کے گرد پھندا بنا کر ڈال دیا ہے اسے تم اپنی جگہ سے ایک ذرہ بھی نہ ہلا سکو گے۔

کپتان نے خشک آواز میں پوچھا۔

تم کیا چاہتے ہو؟

ناگ نے کہا۔

سب سے پہلے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے بتاؤ ماریا کہاں ہے؟

کپتان نے کہا۔

میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں نے اسے ایک بڈھے یہودی کے ہاتھ فروخت کروا دیا تھا۔

وہ بڈھا یہودی کون تھا؟

ایک سوداگر تھا جو جہاز پر سوار تھا۔

وہ کدھر جا رہا تھا؟

یہ مجھے نہیں معلوم۔

جھوٹ بکتے ہو۔

سانپ نے کپتان کے گرد اپنا پھندا کسنا شروع کر دیا۔ کپتان کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ اسنے گڑگڑا کر کہا۔

دیوتاؤں کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ وہ بڈھا یہودی کون تھا۔ اور اسے کہاں لے گیا؟

ادھر کپتان کی خواب گاہ میں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور دوسری جانب ایک پہریدار گشت لگا تا ہوا وہاں سے گذرنے لگا تو اس کمرے کے اندر سے آوازیں سنائی دیں۔ ایک بار تو اسے ہاتھی کی آواز سنائی دی وہ ڈر سا گیا۔ اس نے دروازے کے نیچے سے اندر جھانکا تو حیران رہ

گیا ایک ہاتھی کپتان کے کمرے میں کھڑا تھا۔اور کپتان اس کے سامنے تھر تھر کانپ رہا تھا۔اس نے فورا جا کر سپاہیوں کو اطلاع دی جس وقت پیلا سانپ کپتان کی گردن کے گرد پھندا کس رہا تھا اس وقت سپاہیوں کا ایک دستہ نمودار ہوا اور اس نے دروازے پر زور سے ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔

جناب دروازہ کھولیں۔دروازہ کھولیں۔

کپتان نے ناگ سے کہا۔

اب تم بھی بچ کر نہیں جا سکو گے۔میرے سپاہی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ناگ نے قہر آلود نظروں سے کپتان کی طرف دیکھ کر کہا۔

میری بہن کے باپ کے قاتل! اس سے پہلے کہ تمہارے سپاہی اس کمرے کا دروازہ توڑ کر اندر آئیں تم مر چکے ہو گے۔

کپتان نے چیخ کر کہا۔

بچاؤ..........بچاؤ........

ناگ نے پھنکار مار کر سیاہ کالے سانپ کی شکل اختیار کی اور اپنا چوڑا پھن پھیلا کر کپتان کی طرف بڑھا اب کپتان اگر گردن والے سانپ کو چھوڑ کر زمین پر اس کی طرف آنے والے سانپ کو پکڑے تو گردن والا سانپ اس کی گردن مروڑ دے گا۔ وہ خوف سے لرز اٹھا۔ مگر وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ سپاہیوں نے آدھا دروازہ توڑ دیا تھا۔ اور اب وہ کسی بھی وقت اندر گھسنے ہی والے تھے سانپ نے آگے جھک کر کپتان کی پنڈلی پر ڈس دیا ایک بار ڈسنے کے بعد سانپ نے دوسری پنڈلی پر پھر ڈس دیا۔ زہر اس قدر خطرناک تھا کہ دونوں پنڈلیاں ایک دم نیلی پڑ گئیں۔ گردن کے قریب زرد سانپ پر کپتان کی گرفت سخت ہو گئی۔ زرد سانپ نے اس کی گردن کو دبانا شروع کر دیا۔

کپتان کے ناک منہ، کان سے نیلے رنگ کا خون جاری ہو گیا۔ اس کا سارا جسم پہلے نیلا ہوا پھر سیاہ اور اسکے بعد وہ پھول کی طرح پھٹنا شروع ہو گیا۔ اس وقت سپاہی دروازہ توڑ چکے تھے۔ وہ لپک کر اندر آ گئے۔ اور کپتان کی لاش کی طرف بڑھے اس دوران میں سانپ پردے کے پیچھے ہوتا ہوا چپکے سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ باہر آ کر وہ قلعے کی فصیل کے ساتھ رینگتا ہوا درختوں کے جھنڈ میں اسی جگہ پر آ گیا جہاں اس کا گھوڑا بندھا تھا یہاں پہنچ کر اس نے دوبارہ انسانی شکل اختیار کی اور واپس عنبر کی طرف چل پڑا۔

عنبر شہر سے باہر اس کا انتظار کر کے تھک گیا تھا۔ اس نے ناگ کو آتے دیکھا تو اس سے پوچھا۔

اس کا کیا ہوا؟

ناگ نے کہا۔

اس کا ملیدہ کر دیا ہے۔ میں نے اپنی بہن کا بدلہ لے لیا ہے؟

عنبر نے کہا۔

اس نے ماریا کے بارے میں کچھ بتایا کیا؟

صرف اتنا کہ ایک بڈھے یہودی کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا ہے۔ جو کہ ایک بحری جہاز پر سوار تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماریا سمندر کا سفر کر کے ملک سے باہر جا چکی ہے۔

ظاہر تو یہی ہوتا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو ہم ایک نہ ایک دن اپنی بہن کو ضرور تلاش کر لیں گے ۔...... آؤ اب چلیں مجھے اب اس شہر سے خوف آنے لگا ہے۔

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ زمین اچانک کانپنے لگی۔ عنبر اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چپکے سے گھوڑوں پر سوار ہو کر

چل پڑے۔مگر تھوڑی ہی دور جا کر گھوڑے خوف زدہ ہوکر کھڑے ہو گئے ۔اب زمین زیادہ زور سے ہل رہی تھی ۔اور زمین کے اندر ہلکی ہلکی سی گڑگڑاہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

زلزلہ آرہا ہے۔

زلزلہ نہیں ناگ !خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہے ۔خدا سے معافی مانگو............

دونوں آسمان کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں ۔زمین اب دائیں سے بائیں ہل رہی تھی شہر کے طرف سے لوگوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔آدھی رات کو پرندے درختوں سے اڑ کر بھاگے جا رہے تھے ۔شہر کی فصیل پر زمین سے اٹھی ہوئی گرد کا بادل چھا رہا تھا۔زمین کے اندر گڑگڑاہٹ کی آواز زیادہ خوف ناک ہوگئی تھی شہر کی فصیل ایک بھیانک شور کے ساتھ زمین پر

آن گری۔ اس کے ساتھ ہی شہر کے اندر مکانوں نے دھڑام دھڑام ایک دوسرے کے اوپر گرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کی چیخ وپکار کی آوازیں آنے لگیں۔ ناگ نے عنبر سے کہا انہیں جس قدر جلد ممکن ہو جہاں سے نکل جانا چاہئے۔ اتنے میں شہر میں آگ لگ گئی۔ یہ آگ شعلے بن کر ایک طرف بلند ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے سارے ویران شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

آگ طوفان ، بھونچال ، اور خوفناک آندھی ....شہر برباد ہو گیا تھا۔ خدا کا عذاب اس شہر پر نازل ہو چکا تھا جس نے خدا کے نیک نبی کو صلیب پر چڑھایا تھا شاہی محل سے بھی شعلے بلند ہو رہے تھے۔ عنبر اور ناگ نے آخری بار ظالم شہر کو برباد اور ویران ہوتے دیکھا۔ زمین نے ہلنا کم کر دیا تھا۔ گڑگڑاہٹ بھی رک گئی تھی شہر کھنڈر بن کر آگ میں سارے کا سارا جل رہا تھا ہزاروں لوگ جل کر راکھ ہو گئے تھے

عنبر اور ناگ نے گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک آخری نظر ویران شہر پر ڈالی اور وہاں سے رخصت ہو گئے۔
انکی منزل سندھ کی وادی تھی۔

☆☆☆☆

بد روحوں کے مسکن کے بعد حیرت انگیز واقعات پڑھنے کیلیے کالا طوفان پڑھیں جو موت کے تعاقب سیریز کے سولواں ناول ہے۔